مناهل العرفان

اردو ترجمہ و تفسیر قرآن حکیم
مع اصل متن

جلد دوم
سورۃ البقرۃ تا سورۃ القصص

مکمل کام

مناهل العرفان

اردو ترجمہ و تفسیر قرآن حکیم

مع حل الغات

احمدی احباب کے لئے

جلد دوئم

سورة التوبه تا سورة القصص

کفیلہ خانم

فہرست سورتہائے تفسیر القرآن جلد دوم

فہرست پارہ ہائے تفسیر القرآن جلد دوم

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ

بیزاری ہے طرف سے اللہ کی اور رسول کے اس کی طرف ان لوگوں کی جن سے معاہدہ کیا تم نے

الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ

مشرکوں میں سے پس (اے مشرکو) چلو پھرو اس ملک میں چار مہینے اور

اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى

جان لو کہ یقیناً تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور یقیناً اللہ ذلیل کرنیوالا ہے

۱۔ **براءۃ۔ براء** بیزاری کا اظہار، ناراضگی کا اظہار، بری ہونا۔ اس پہلے رکوع میں ان مشرکین سے علیحدگی کا اعلان ہے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد ایک سال گزر جانے کے باوجود مسلسل عہد شکنیوں سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو بے حد دکھ دیئے۔ یہاں واضح کیا کہ اس علیحدگی کی وجہ کفر وشرک نہیں بلکہ عہد شکنی ہے۔ کفار میں سے جنہوں نے معاہدات کا پاس رکھا ان کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا نیز یہاں تک رواداری کی تعلیم دی کہ اختتامِ معاہدہ کے باوجود اگر ان مشرکین میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو اور اسلام کے اصول وقوانین سمجھاؤ۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تب بھی اسے اپنی قوم میں بحفاظت پہنچا دو انہیں قتل کرنے یا جبراً مسلمان بنانے کا ذکر نہیں جیسا کہ پہلے مفصل بیان گزر چکا ہے کہ مشرکین، کفار، یہود اور منافقین نے نہ صرف آپ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدات کی ہمیشہ خلاف ورزی کی بلکہ ہر کڑے وقت میں آپ ﷺ کو دھوکا دیا آپ ﷺ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ فتح مکہ کے موقع پر عام اعلانِ امن کے بعد بہت سے قبائل نے اسلام قبول کیا اور بعض قبائل نے اسلام نہ قبول کرنے کے باوجود آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے حلیف قبائل سے جنگ نہ کرنے کا اور جنگ کی صورت میں مدد دینے کا وعدہ کیا لیکن ان میں سے اکثر مشرکین نے عہد شکنی کی۔ پس یہ اعلانِ عام ان عہد شکن باغیوں کے لئے ہے جنہوں نے دل سے اسلامی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، اس کی بیخ کنی میں مصروف رہے اور ہتھیار نہیں ڈالے۔

۲۔ جن مشرکین نے فتح مکہ کے بعد مسلمانوں سے کوئی معاہدہ امن نہیں کیا یا معاہدہ کر کے توڑ دیا بلکہ مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندیوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے اور ایک سال تک عملاً جنگ کو جاری رکھا۔ انہیں مزید چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ چار ماہ تک خوب چل پھر کر دیکھ لو اور تسلی کر لو کہ ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم ہوئی ہے یا نہیں۔ پس تم یقیناً جان لو گے کہ اللہ کے کام

الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ

کافروں کو اور اعلان ہے طرف سے اللہ کی اور رسول کی اسکے لوگوں کو

يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ

بروز حج اکبر کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے

وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور رسول اس کا پس اگر توبہ کرو تم تو یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر پھر جاؤ تم

فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

تو جان لو کہ تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور بشارت دے ان لوگوں کو

بہر حال ہو کر رہیں گے اور تم ناکام و نامراد ہو گے۔ پس ان چار ماہ میں اگر اپنے رویئے میں تبدیلی پیدا نہ کی، ہتھیار نہ ڈالے اور مسلمانوں سے برسرپیکار رہے تو ان کے خلاف جوابی کاروائی ہو گی اور سزا دی جائے گی۔

۳۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے پیغمبرانہ اخلاق کا نمونہ دکھاتے ہوئے تمام دشمنانِ اسلام کو معاف کر دیا تھا سوائے ایک مرد اور ایک عورت کے جن پر سنگین الزامات تھے، وہ دونوں آخر تک معافی کے خواستگار نہیں ہوئے اور سزا پائی۔ (سنن ابو داؤد عن سعدؓ) آپ ﷺ نے اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل کے بیٹے عکرمہ تک کو معاف فرمایا حالانکہ فتح مکہ کے موقع پر اعلانِ امن کے باوجود عکرمہ نے اپنے دستہ کے ساتھ خالد بن ولید کے اسلامی دستہ پر حملہ کیا اور حرم میں خونریزی کا مرتکب ہوا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف معافی دی بلکہ اسے بطور مشرک مکہ میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس طرح تمام کفار اور مشرکین کو جان و مال کی امان دی۔ حضرت عکرمہؓ کے قبول اسلام کا واقعہ مستند احادیث میں بیان ہوا ہے کہ آپ مکہ سے ساحل سمندر کی طرف بھاگے کہ کسی ملک میں فرار ہو جائیں۔ آپ کے بعد آپ کی اہلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر عکرمہ معافی مانگے تو کیا اسے معافی مل سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا یارسول اللہؐ وہ اسلام قبول نہیں کرے گا۔ کیا مشرک ہوتے ہوئے وہ مکہ میں رہ سکتا ہے آپ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ اس پر عکرمہ کی اہلیہ نے کہا یارسول اللہؐ! وہ یقین نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ معافی نامہ لکھ دیں۔ آپ ﷺ نے معافی نامہ لکھ دیا۔ وہ تیز رفتار سواری پر ساحلِ سمندر کی طرف بھاگی۔ ادھر حضرت عکرمہؓ ایک مال بردار کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی ابھی روانہ ہی ہوئی تھی کہ انہیں دور سے گرد اڑتی دکھائی دی۔ کچھ قریب آنے پر آپ کو شک ہوا کہ کوئی عورت ہے جو رکنے کا اشارہ

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ

انہوں نے کفر کیا عذاب دردناک سوائے ان لوگوں کے بھی جن سے معاہدہ کیا تم نے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ

مشرکوں میں سے پھر نہیں کمی کی انہوں نے کچھ اور نہ

يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ

مدد کی انہوں نے تمہارے خلاف کسی کی پس پورا کرو طرف ان کی عہد ان کا

کر رہی ہے زیادہ قریب آنے پر آپ نے اپنی بیوی کو پہچان لیا اور کشتی رکوا کر نیچے اترے۔ بیوی نے سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے یقین نہ کیا کہ مجھے کیسے معافی مل سکتی ہے؟ اس نے معافی نامہ دکھایا تو اس کے ساتھ واپس ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے اور کہا میں اسلام قبول نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے تم مشرک ہوتے ہوئے مکہ میں رہ سکتے ہو۔ اس پر حضرت عکرمہؓ نے فوراً کلمہ پڑھا کہ اپنے دشمن سے ایسا عفوو درگزر اور یہ حوصلہ صرف ایک نبی ہی کی شان ہے۔ بعد میں آپ نے اسلام کے لئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اس پر قیامت تک کے مسلمانوں کو بجاطور پر فخر ہے۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ابو جہل کے بیٹے عکرمہؓ نے اسلام قبول کیا تو لوگ ان کے متعلق باتیں کرتے کہ یہ دشمن خدا ابوجہل کا بیٹا ہے۔ حضرت عکرمہؓ نے رسول اللہ کے پاس شکایت کی تو حضور ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا! لوگ تو معادن کی طرح ہوتے ہیں۔ جاہلیت کے بہترین لوگ اسلام میں بھی بہترین ہو سکتے ہیں اگر وہ علم دین حاصل کریں۔ کسی مسلمان کو کسی کافر کی وجہ سے تکلیف نہ دیا کرو۔ (مستدرک حاکم کتاب معرفة الصحابة باب مناقب عکرمہ جلد ۳ صفحہ ۲۷۱ حدیث نمبر ۵۰۶۱) اس طرح آپ ﷺ نے ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھا مگر مشرکین نے ہر طرح سے امان مل جانے کے باوجود جلد ہی اسلام کے خلاف تمام ممکنہ قوتوں کو سمیٹ کر جنگ حنین کی صورت میں اسلام کو مٹانے کی آخری بھرپور کوشش کی لیکن انہیں شکست فاش ہوئی۔ آپ ﷺ نے حنین کے جنگی قیدیوں کے لئے بھی عام معافی کا اعلان فرمایا اور مال غنیمت واپس کر دیا۔ (جنگ حنین کے واقعات مسلم کتاب الجهاد باب غزوہ حنین سے لئے گئے) مسلمان مہاجرین کی جائیدادوں پر اہل مکہ قابض تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جائیدادوں کے واپس دلانے کی درخواست کی لیکن آنحضرت ﷺ نے اس درخواست کو نامنظور فرما دیا (زادالمعاد جلد اوّل صفحہ ۳۲۰) حضور ﷺ کا مدعا یہ تھا کہ ”جن چیزوں کو تم خدا کے لئے

اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤ فَاِذَا انْسَلَخَ

ان کی میعاد تک یقیناً اللہ پسند کرتا ہے متقیوں کو پھر جب گزر جائیں

الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

مہینے عزت والے تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں

چھوڑ چکے ہو اب ان کی واپسی کا کیوں سوال کرتے ہو“۔ حقیقت تو یہ ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح نہیں کیا تھا بلکہ خلق محمدی اور عفو مصطفوی نے اہل مکہ کے دلوں کو فتح کر لیا تھا۔

۴۔ اسی سال ۸ ھ کو مشرکین اور مومنین نے اپنے اپنے طریق کے مطابق فریضہ حج ادا کیا ۹ ھ کو آپ ﷺ شام کی طرف غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں مشرکین و منافقین نے پھر سر اٹھایا، مختلف افواہیں پھیلائیں اور مسجد ضرار کی صورت میں فتنہ وفساد پیدا کرنے کی کوشش کی۔ واپسی پر آنحضرت ﷺ نے ۹ ھ کو حضرت ابو بکرؓ کو بطور امیر قافلہ مسلمان حجاج کرام کے ساتھ مکہ روانہ کیا۔ ان کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات کے ساتھ حضرت علیؓ کو اپنی اونٹنی پر مکہ روانہ کیا کہ وہ یوم النحر کے دن ان آیات کا اعلان کریں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے جمرۃ العقبیٰ کے پاس کھڑے ہو کر بقول مجاہد اس سورۃ کی ابتدائی تیرہ آیات سنائیں تاکہ ایسے تمام مشرکین جنہوں نے کبھی کسی معاہدہ کی پابندی نہیں کی اور مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما رہے وہ توبہ کر کے پرامن شہری بننے کا معاہدہ کریں۔ فرمایا یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ ورنہ انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ اپنی شرارتوں سے خدا کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان شرائط کا انکار کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے یعنی ان کے خلاف جنگ ہو گی اور سزا دی جائے گی۔ حج اکبر عموماً اس حج کو کہتے ہیں جو جمعہ کے روز ہو لیکن یہاں اس حج کو حج اکبر کہا جس میں حج کو تمام مشرکانہ رسوم سے پاک کرنے کا اعلان ہوا۔ مشرکین نے حج جیسے مقدس فریضہ کو بھی شرک سے ملوث کر رکھا تھا۔ ان کے حج کا طریق محض سیٹیاں بجانا اور برہنہ طواف کرنا تھا۔ لہٰذا حج کو شرک سے پاک کرنے کے لئے مشرکین کو ایک سال کی مہلت دی گئی۔ ان آیات کی تلاوت کے بعد حضرت علیؓ نے باقاعدہ اعلان فرمایا کہ اس سال کے بعد مشرک مشرکانہ طریق پر نہ حج کر سکیں گے اور نہ برہنہ طواف۔ ہاں معاہدات پورے کیے جائیں گے۔ پس آنحضرت ﷺ نے ۱۰ ھ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار مومنین کے جمِ غفیر اور تمام ازواج مطہرات کے ساتھ حجۃ الوداع ادا فرمایا جبکہ حج ہر قسم کی مشرکانہ رسوم سے کلیۃً پاک ہو چکا تھا۔ اس حج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے مقام پر وہ آفاقی خطبہ دیا جو عالمی منشور کی حیثیت

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا

پاؤ تم انہیں اور پکڑو انہیں اور تنگ کرو انہیں اور بیٹھو

لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا

ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور دیں

الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

زکوٰۃ تو چھوڑ دو راہ ان کی یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے

رکھتا ہے۔ یہ آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ کے کسی حج کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ آپ ﷺ نے عمرے ادا کئے جیسا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام عمر میں چار عمرے کئے۔ (بخاری کتاب المغازی باب عمرۃ القضاء) مشرکین کو مشرکانہ نجس حرکات کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے سے منع فرمایا لیکن وہ مکہ اور عرب میں رہتے رہے۔ تمام عہد شکنوں اور باغیوں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی البتہ جنہوں نے اپنے عہد نبھائے اور آپ ﷺ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کی ان کے معاہدوں کو مقررہ مدت تک پورا کرنے کا حکم دیا۔

۵۔ **خلّوا۔ خلا** ۔گزرنا، خالی کرنا، چھوڑنا۔ **خلّوا**۔ تم چھوڑ دو۔

اگر چار ماہ کی مقررہ میعاد گزرنے کے بعد بھی یہ باغی گروہ مشرکین کسی معاہدہ امن کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور ہتھیار نہ ڈالے تو حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد ان کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ان کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو عام جنگوں میں دشمنوں اور باغیوں سے ہوتا ہے ان کے لئے نرمی کی مزید گنجائش نہیں۔ مشرکوں کے اس خاص باغی گروہ کو جہاں بھی پاؤ، ان سے لڑو، انہیں پکڑو، ان کا محاصرہ کرو اور ہر کمین گاہ پر ان کی گھات میں بیٹھو۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جرم کی نوعیت کے مطابق قتل، گرفتاری اور قید وغیرہ کی سزا تجویز کرو۔ تاہم عین جنگ میں خواہ تم نے ان پر قابو بھی پالیا ہو یا کسی دوسرے وقت خواہ ان سے کتنے ہی جرائم سرزد ہو چکے ہوں، گناہوں سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے کی صورت میں تمام گزشتہ گناہوں کی معافی ہو جائے گی۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

مخالفین اسلام کا یہ الزام کہ اسلام میں ہر مشرک اور کافر واجب القتل ہے، سراسر اتہام ہے۔ یہاں ان خاص گروہ مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے مسلسل تیرہ سال تک مسلمانوں پر ہر ظلم روا رکھا۔ مدینہ پناہ لی تو وہاں آٹھ سال تک آپ ﷺ اور صحابہؓ کو اتنی جنگوں میں گھسیٹا کہ صحابہؓ زرہ اتارنے

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى

اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ چاہے تیری تو پناہ دے اُسے یہاں تک کہ

يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

وہ سُنے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اُسے امن کی جگہ پر اس کی یہ بسبب اسکے ہے کہ وہ

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ ع ۲

لوگ نہیں جانتے کس طرح ہوسکتا ہے مشرکوں کے لیے کوئی عہد

نہیں پاتے تھے کہ پھر اعلان جنگ ہو جاتا تھا۔ صحابہؓ نے ان آٹھ سالوں میں ۱۲۰ جنگوں میں حصہ لیا جن میں مشہور غزوات ۲۱ اور سرایا ۲۳ تھے۔ فتح مکہ کے بعد بھی اول تو انہوں نے امن کے عہد و پیمان کئے ہی نہیں اور جنہوں نے کئے وہ بھی ان پر قائم نہیں رہے اور آپ ﷺ کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں جنگ جاری رکھی۔ پس بائیس سال کی تبلیغ اور جدوجہد کے بعد بھی اگر کوئی قوم معاہدہ امن کی طرف نہیں آئی اور سوا سال کی مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا تو بالآخر ان کے ساتھ اعلان جنگ ہی ہو گا اور یہ کسی بھی حکومت میں ناروا نہیں سمجھا جاتا۔

اس آیت میں توبہ اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کو قبول اسلام کے لئے ضروری قرار دیا۔ چنانچہ اسی آیت سے استدلال فرما کر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منکرین زکوٰۃ سے اعلان جنگ کیا۔

۶۔ **مامنہ**۔ مامن ظرف ہے۔ جس کے معنی "جائے امن" کے ہیں۔ (راغب)

فرمایا ایسے مشرکین جن پر فرد جرم عائد ہو چکی ہے ان میں سے اگر کوئی اسلام میں دلچسپی کا اظہار کرے یا تحقیق و دلائل سے اسلام کو سمجھنا چاہے اور تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دو اور کلام الٰہی سناؤ یعنی اسلامی اصول وضوابط سے اسے آگاہ کرو۔ فرمایا چونکہ وہ ناسمجھ قوم ہے اگر نہ سمجھیں اور اسلام قبول نہ کریں تو انہیں کوئی گزند نہ پہنچاؤ بلکہ اسے اس کی محفوظ جگہ تک بحفاظت پہنچا دو۔ دشمنوں سے ایسا حسن سلوک اور رواداری کی تعلیم دنیا کی کسی مذہبی کتاب میں پائی جاتی ہے نہ کسی دنیوی قانون میں۔ باوجود اس کے کہ مشرکین میں ابوجہل جیسے عقلمند اور زیرک اب بھی موجود تھے انہیں ناسمجھ کہا۔ دراصل تکبر و معصیت نے ان کی عقلوں پر پردے ڈالے ہوئے تھے انہوں نے عقل سے کام نہ لیا اور شرک و کفر کے مقابلہ میں اسلام کی نہایت سادہ اور دلنشیں تعلیم کو نہ سمجھ سکے یہی وجہ تھی جو قبل ازیں ابوالحکم نے ابوجہل کا خطاب پایا تھا۔

۷۔ اس رکوع میں بتایا کہ مشرکین کی مسلسل عہد شکنیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ
نزدیک اللہ کے اور نزدیک رسول کے اس کے سوائے ان لوگوں کے جن سے معاہدہ کیا تم نے پاس
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا
مسجد الحرام کے پس جب تک وہ درست رہیں تمہارے لیے تو درست رہو تم
لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا
ان کے لیے یقیناً اللہ پسند کرتا ہے متقیوں کو کیونکر (مشرکوں کے عہد کا اعتبار ہوسکتا ہے) حالانکہ اگر وہ
عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ
غلبہ پاویں تم پر نہ رعایت کریں تمہارے متعلق عہد کی اور نہ ذمہ داری کی وہ راضی کرتے ہیں تمہیں
بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸
اپنے مونہوں سے اور انکار کرتے ہیں دل ان کے اور اکثر ان کے بدعہد ہیں

مومنین کے ہاتھوں انہیں سزا دے گا اور جنہیں چاہے گا اپنے فضل سے قبول حق کی توفیق عطاء فرمائے گا۔ مشرکین کی عہد شکنیوں کہ وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کو ان کے عہد کا کیا پاس ہوسکتا ہے اور وہ اسے کیسے درست تسلیم کر سکتے ہیں۔ البتہ جن مشرکین سے فتح مکہ کے موقع پر مسجد حرام کے پاس تم نے معاہدہ امن کیا اور وہ اس پر قائم رہے تو تم بھی ان سے کئے ہوئے عہد پر قائم رہو۔ پس جنہوں نے اللہ سے ڈر کر وعدے نبھائے، اللہ ایسے متقین سے محبت کرتا ہے۔ حدیبیہ کے عہد کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو مسجد حرام کے قریب لیا گیا جس کی عہد شکنی کر کے آپ ﷺ کے لئے مکہ پر حملہ کا جواز پیدا کیا۔

۸۔ **یرقبوا**۔ رقب۔ گردن۔ حفاظت کرنا۔ لحاظ کرنا۔ **الٌ**۔ قرابت۔ **ذمّةً**۔ ذمّ۔ ذمت۔ عہد ضائع کرنے پر مذمت کرنا۔ مراد عہد و پیمان کا پاس کرنا۔ **تابیٰ**۔ وہ انکار کرتی ہے۔ یہ **تابیٰ** توبہ والا نہیں۔ ابیٰ سے ہے جس کے معنی انکار کرنے یا پھرنے کے ہیں۔

ان مشرکوں کے عہد کا اعتبار کیونکر ہوسکتا ہے کہ اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو نہ قرابتداری کا لحاظ کریں نہ عہد و پیمان کا۔ کیونکہ ان معاہدوں سے ان کا مقصد محض ظاہری طور پر تمہیں خوش کرنا ہے ورنہ ان کے دلوں میں بغض و عناد بھرا ہوا ہے اور ان میں سے اکثر بد عہد ہیں۔ گویا سب کو موردِ الزام نہیں ٹھرایا گیا۔

۹ تا ۱۱۔ یہاں ان کے بد خصائل کی مزید نشاندہی فرمائی۔ **اشتروا بأیٰت اللّٰہ ثمناً قلیلاً** عام طور پر یہود کے لئے کہا جاتا ہے۔ یہاں مشرکین کے لئے کہا۔ آیات سے مراد نشانات ہیں اگر حدیبیہ والا عہد مراد لیا جائے تو اس وقت مشرکین کو آنحضرت ﷺ کے غلبہ کے نشانات نظر آچکے تھے۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ
لیا انہوں نے بدلے میں آیات کی اللہ کی مول تھوڑا پس روکا انہوں نے راہ سے اس کی
اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ
یقیناً وہ ایسے ہیں بُرا ہے جو تھے وہ کرتے نہیں وہ رعایت کرتے کسی مومن کے متعلق
اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۱۰ فَاِنْ تَابُوْا
عہد کی اور نہ ذمہ داری کی اور یہ لوگ ہی حد سے بڑھنے والے ہیں پس اگر وہ توبہ کریں
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ
اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ تو بھائی ہیں تمہارے دین میں
وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا
اور ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیات ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں اور اگر وہ توڑ دیں

اس کے باوجود آپ ﷺ کو روکا اور معمولی دنیوی فوائد کو ترجیح دی۔ مشرکین کسی بھی مومن کے لئے رشتہ داری یا عہد کا لحاظ نہیں رکھتے اور تمام اخلاقی اقدار کو پامال کرتے ہیں۔ یہ پیشگوئی کے رنگ میں کہا جو صلح نامہ حدیبیہ کے بعد پوری ہوئی۔ مشرکین کی تمام تر بداخلاقیوں اور جرائم کے باوجود فرمایا کہ اگر اب بھی اصلاح کرلیں اور اسلام قبول کرلیں تو قابلِ معافی ہیں اور تمہارے دینی بھائی ہیں۔ فرمایا یہ احکام سمجھدار لوگوں کے لئے ہیں۔ اس سے مراد اہل کتاب ہیں جو بات کو سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں (تاکہ اہل علم فائدہ اٹھا سکیں) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت نے اہل قبلہ مسلمانوں کے خون کو حرام کر دیا ہے۔ اگرچہ ان کے دل میں صحیح ایمان نہ ہو یا نفاق ہو۔ اس لئے کہ اسلام ظاہری اعمال پر فتویٰ صادر کرتا ہے۔ منافقین بھی ظاہری طور پر تمام اسلامی احکام پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ جہاد وغیرہ کے موقع پر ان کا نفاق کھل کر سامنے آتا تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ صرفِ نظر فرمایا۔ آخر میں چند ایک کو سزا بھی دی۔

۱۲۔ جیسا کہ مشرکین کا شیوہ تھا کہ جہاں ضرورت سمجھتے معاہدہ کر لیتے جب ضرورت نہ سمجھتے توڑ دیتے۔ فرمایا اگر پھر ان خصائل رذیلہ کی طرف لوٹیں کہ قسمیں کھا کر جو عہد و پیمان باندھے تھے انہیں توڑ دیں اور تمہارے دین کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں، پھر بھی عوام سے جنگ نہ کرو اور نہ ہی انہیں ستاؤ جیسا کہ پہلے بتایا کہ وہ سمجھدار نہیں۔ یہ سرداران کفر ہیں جو سب کچھ سمجھتے ہیں اور فساد کی جڑ ہیں جو نا سمجھ اور معصوم عوام کو دین حق سے متنفر کر کے لڑاتے ہیں۔ پس تم ان کفر کے علمبرداروں سے جنگ کرو۔ جنگ کی وجہ پھر وہی بتائی کہ ان کی قسموں کا اعتبار نہیں شاید کہ وہ ظلم اور زیادتی سے باز

أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ

اپنی قسمیں بعد اپنے وعدے کے اور طعن کریں دین میں تمہارے

فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ

تو لڑو سرداروں سے کفر کے یقیناً وہ ایسے ہیں کہ نہیں قسمیں (قابل اعتبار) انکی تاکہ وہ

يَنْتَهُونَ ﴿۱۲﴾ أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ

باز آجائیں کیا نہیں لڑو گے تم ان لوگوں سے جنہوں نے توڑا اپنی قسموں کو

وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ

اور ارادہ کیا نکالنے کا رسول کو اور انہوں نے ابتداء کی تم میں سے پہلی

مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ

دفعہ کیا ڈرتے ہو تم ان سے پس اللہ زیادہ حقدار ہے کہ ڈرو تم اس سے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ

ہو تم ایماندار لڑو ان سے عذاب دیگا انہیں اللہ

آجائیں، ورنہ محض کفر اور شرک جنگ کی وجہ نہیں۔

۱۳۔فرمایا کیا اب بھی تمہیں اس قوم سے لڑنے میں تامل ہے جنہوں نے ہمیشہ اپنی قسموں کو توڑا، نہ صرف بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے درپے رہے اور آپ ﷺ کو گھر چھوڑنے پر مجبور کیا۔یہ بھی مراد ہے کہ مدینہ سے نکالنے کے لئے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔جنگوں کی ابتدا ہمیشہ انہیں کی طرف سے ہوئی جبکہ مسلمانوں نے ہمیشہ دفاعی جنگ کی۔پس ان کی ظاہری کثرت اور قوتِ ضرب وحرب سے ہرگز مرعوب نہ ہونا، ڈرنے کے لائق صرف وہی ذات باری تعالیٰ ہے جس نے آج تک ہر میدان میں تمہیں ناکافی سامان حرب کے باوجود کفار اور مشرکین کی زرہ بکتر سے لیس افواج پر غالب کیا۔یہ جنگِ تبوک کے بعد کی آیات ہیں۔اس وقت تک دشمن کثرت میں تھا اور طاقتور تھا۔مسلمانوں کی طبیعت میں تردد تھا۔انہیں جنگ کا کوئی شوق نہیں تھا، انہیں جنگ کی تحریص دلائی۔

۱۴۔۱۵۔ **یشف**۔ وہ شفا دیتا ہے، یا دے گا۔

پس اے قوم مومنین! ان کفار ومشرکین سے جنگ کرو۔اللہ نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے انہیں سزا دے گا اور رسوا کرے گا۔ تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور مومنوں کے سینہ کو شفا دے گا۔ گویا ان کی ہر اندرونی کمزوری کو دور کر دے گا۔ یہ بھی مراد ہے کہ مومنوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے

بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

ہاتھوں سے تمہارے اور ذلیل کریگا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری خلاف ان کے اور شفا دے گا

صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ

سینوں کو مومنوں کے اور لے جائے گا غصہ دلوں کا ان کے

وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾

اور فضل کیساتھ متوجہ ہوتا ہے اللہ جس پر چاہتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے

گا اور کفار کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو غیظ وغضب بھرا ہوا ہے اسے دور کر دے گا۔

مستشرقین نے الزام لگایا ہے کہ فتح مکہ کے بعد کی جنگیں دفاعی نہیں تھیں۔حقیقت یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد بعض قبائل نے اسلامی حکومت کو تسلیم نہیں کیا اور جنگ جاری رکھی جس کا جواب دینا ضروری تھا۔تاہم جنگ حنین کے علاوہ مشرکوں سے کسی بڑی جنگ کا ذکر نہیں ملتا۔روم اور ایران جنگ میں پہل کر چکے تھے۔کسریٰ نے رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لئے اپنا ایلچی بھیجا تھا۔نیز رومی افواج شمالی سرحدوں میں بھی پہل کر چکی تھیں۔ایران نے یہود سے مل کر مسلمانوں کے خلاف شرارتوں اور فساد میں پہل کی۔جب ایک ملک زیادتی میں پہل کر دے تو جب تک فیصلہ کن جنگ یا صلح کا معاہدہ نہ ہو جائے جنگ جاری رہتی ہے۔آج بھی یہی اصول ہے کہ جب [illegible] قوم زیادتی کرے یا لڑائی کی ابتدا کر دے تو دوسری کو جواب دینے کا حق پہنچتا ہے۔مسلمانوں کی بعد میں ایران اور روم سے ہونے والی جنگیں اسی اصول کے تحت لڑی گئیں (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس)

اللہ جس پر چاہتا ہے رجوع برحمت فرماتا ہے۔اس کا کوئی کام علم وحکمت کے بغیر نہیں۔ گویا کفار پر رجوع برحمت فرمائے گا اور انہیں قبول اسلام کی توفیق دے گا۔پس ان جنگوں میں بھی خدائی حکمت پوشیدہ تھی جس کے نتیجہ میں کفار اور مشرکین میں سے کچھ تو مر کر ذلیل ورسوا ہوئے اور زندہ بچ رہنے والوں پر خدا کا ایسا فضل ہوا کہ ان کے دلوں سے تمام کدورتیں صاف ہو گئیں جیسا کہ شیبہ بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں میرا باپ حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں اور چچا حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔جنگ حنین میں آپ ﷺ سے انتقام لینے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہو لیا جونہی لوگوں کے پاؤں اکھڑے میں موقع پا کر قریب ہوا۔آپ ﷺ کے دائیں حضرت عباسؓ اور بائیں ابوسفیان بن حارثؓ کو حفاظت پر دیکھ کر پیچھے سے حملہ کرنے کو تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے آواز دی کی شیبہ ادھر آؤ۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کیا گمان کیا ہے تم نے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تک نہیں ظاہر کیا اللہ نے ان لوگوں کو

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا

جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور نہیں بنایا انہوں نے سوائے اللہ کے اور نہ

رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا

اس کے رسول کے اور نہ مومنوں کے کوئی دوست اور اللہ خوب خبر رکھنے والا ہے اسکی

تَعْمَلُوْنَ ١٦ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ ع ٨

جو تم کرتے ہو نہیں ہے حق مشرکوں کے لیے کہ آباد کریں وہ مسجدیں

اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اللہ کی اقرار کرتے ہوئے برخلاف اپنی جانوں کے کفر یہ لوگ وہ ہیں کہ گر گئے

آپ ﷺ نے قریب بلا کر اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا اور دعا دی کہ اے اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے۔ شیبہؓ کہتے ہیں کہ کہاں تو یہ حال تھا کہ میں آپ کے خون کا پیاسا تھا اور کہاں یہ حال ہوا کہ آپ ﷺ مجھے میرے دل میری آنکھ اور کان اور جان سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ کفار کا مقابلہ کرو۔ اب میرا یہ حال تھا کہ اپنی جان آپ ﷺ پر قربان کر رہا تھا اور بڑی بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کر رہا تھا۔ جہاد سے واپسی پر جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے میرے دل کے سب خیالات بتائے کہ تم مکہ سے اس نیت سے چلے تھے اور میرے قتل کے لئے سرگرداں تھے۔ مگر اللہ کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہو کر رہا۔ (متفق علیہ)

١٦۔ **ولیجة۔ ولج۔ الوَلوُج**۔ تنگ جگہ میں داخل ہونا۔ دلی دوست اور راز دار مراد ہے۔ **یولج النهار فی الّیل** (٦٢۔٢٢)۔ دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ **حتیٰ یلج الجمل فی سمّ الخیاط**۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔

یہاں اسلام میں نئے داخل ہونے والوں سے خطاب ہے کہ محض زبانی دعویٰ ایمان کافی نہیں۔ ایمان کی کسوٹی جہاد اور اخلاص ہے۔ پس جب تک جہاد فی سبیل اللہ میں دلیری اور ثابت قدمی نہ دکھاؤ گے نیز اللہ و رسولؐ اور مومنین کو اپنا دلی دوست اور راز دار نہ بناؤ گے تب تک مومنین کامل میں کیسے شمار کئے جاؤ گے؟ اللہ کو تو علم ہے کہ تم میں کون مخلص ہے اب حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ سب پر ظاہر ہو جائے گا۔ اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح با خبر ہے۔

١٧۔ اس رکوع میں بتایا کہ محض مساجد کو یا خانہ کعبہ کو آباد کرنے یا حاجیوں کی خدمت کرنے

اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ١٧ اِنَّمَا يَعْمُرُ

اعمال ان کے اور آگ میں وہ رہ پڑنے والے ہیں سوائے اسکے نہیں کہ آباد کرتا ہے

مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

مسجدیں اللہ کی جو ایمان لائے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور

اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ

قائم کرے نماز اور دے زکوٰۃ اور نہ ڈرے مگر اللہ سے

فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ١٨ اَجَعَلْتُمْ

پس قریب ہیں یہ لوگ کہ ہو جائیں ہدایت پانے والوں میں سے کیا بنایا ہے تم نے

سے اسلام کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اسلام جانی اور مالی قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے۔

یعمروا۔ عمارة۔ آباد کرنا۔ اس میں رہنا۔ آنا جانا یا مرمت وغیرہ کرنا۔

یہاں مساجد اللہ سے علاوہ دیگر مساجد کے خاص طور پر خانہ کعبہ مراد ہے۔ مشرکین فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ کے متولی تھے اور اس کی خدمت کے دعویدار تھے۔ مشرکوں کا بتوں کی عبادت کرنا گویا اپنے نفسوں پر خود کفر کی گواہی دینا ہے۔ فرمایا مشرکوں کو تو پہلے بھی بوجہ بت پرستی کعبہ کی تولیت کا حق نہیں تھا کیونکہ کعبہ تو بنایا ہی گیا رب کعبہ کی عبادت کے لئے تھا۔ اب جبکہ خانہ کعبہ بتوں سے اور تمام مشرکانہ رسوم سے پاک ہو چکا ہے تو مشرکین کا کعبہ کی تولیت جتانے کا کوئی حق نہیں۔ خانہ کعبہ ہو یا دنیا کی کوئی بھی مسجد اس کا آباد کرنا علاوہ تعمیر و تزئین کے اس میں عبادت الٰہی بجا لانا ہے۔ پس ان کے تمام اعمال جو وہ عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ یعنی بت پرستی اور برہنہ طواف وغیرہ، وہ سب ضائع ہو گئے اور وہ آگ میں دیر تک رہنے والے ہیں۔ اگر خدمت خلق کے کچھ کام انہوں نے دنیا میں کئے ہیں تو ان کا بدلہ وہ دنیا میں پا چکے ہیں۔

١٨۔ یہاں واحد کا صیغہ استعمال کر کے حضرت ابراہیمؑ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جو خانہ کعبہ کی تعمیر نو کرنے والے تھے۔ کیونکہ اس وقت حضرت آدمؑ کے تعمیر کردہ کعبہ کا نام و نشان بالکل مٹ چکا تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے انہی بنیادوں پر اسے اٹھایا تھا۔ فرمایا خانہ کعبہ ہو یا دیگر مساجد، ان کو آباد کرنے والا تو وہی ہو گا جو موحد مسلمان ہو یعنی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والا، نماز قائم کرنے والا اور زکوٰۃ ادا کرنے والا ہو۔ ان احکام الٰہی کے بجا لانے میں سوائے اللہ کے کسی سے ڈرنے والا نہ ہو۔ اب یہاں جمع کا صیغہ استعمال کر کے بتایا کہ قریب ہے کہ ایسے تمام لوگ جو ان احکام پر عمل پیرا ہوں، ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار ہوں گویا ہدایت ان کے قریب ہے۔ یہ ہدایت والے ٹھہریں گے۔

سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ

پانی پلانا حاجیوں کو اور آباد کرنا مسجد الحرام کا مانند اس شخص کی جو ایمان

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا

لایا اللہ پر اور روز آخرت پر اور اس نے جہاد کیا اللہ کے راستے میں (یہ دونوں)

يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۹ۘ

نہیں برابر نزدیک اللہ کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم ظالم کو

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ میں

اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

اللہ کی اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے زیادہ بڑے ہیں درجے میں اللہ کے نزدیک

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۲۰ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ

اور یہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں بشارت دیتا ہے ان کو رب ان کا رحمت کی

مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۲۱ۙ

طرف سے اپنی اور رضامندی کی اور باغات کی ان کے لیے ان میں نعمت ہے قائم رہنے والی

۱۹۔ یہاں پھر مشرکین کے ان دعووں کو رد کیا اور فرمایا کہ حاجیوں کی خدمت کرنا یا مسجد حرام کی دیکھ بھال کرنا اللہ کے نزدیک ہرگز ارکان اسلام پر عمل کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ اسلامی قربانیوں کے مقابلہ میں نہایت معمولی نیکیاں ہیں۔ پس جنہوں نے خانہ کعبہ جیسے مقدس مقام پر مشرکانہ رسوم ادا کر کے اس کے تقدس کو مجروح کیا، اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلے۔ اگلی آیات میں ان کا ذکر ہے۔

۲۰۔ بظاہر تو یہی نظر آتا تھا کہ جو گھر بار، اعزہ و اقارب اور جائیدادیں چھوڑ کر آ گئے نیز اپنی جان و مال کو جہاد کی نذر کر دیا وہ دنیوی طور پر بالکل ہی قلاش اور ناکام ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا درجہ اللہ کے نزدیک بہت بلند ہے اور وہی کامیاب و کامران ہونے والے ہیں پھر تاریخ نے ثابت کر دیا کہ یہی لوگ کامیاب ہوئے۔ دنیوی زندگی میں بھی اور اخروی طور پر بھی۔

۲۱، ۲۲۔ بے شک ان قربانیوں کے بدلہ میں انہیں دنیا کی نعمتیں اور حکومتیں ملیں لیکن وہ فنا ہونے والی تھیں۔ مومن کے لئے اللہ کی رحمت اور رضا کی خوشخبری دی جو جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور ایسی جنتوں کی خوشخبری دی جن کی نعمتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۲۲

وہ رہنے والے ہوں گے اس میں ہمیشہ یقیناً اللہ وہ ہے کہ پاس اس کے اجر ہے بڑا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت بناؤ اپنے باپ دادا کو اور

اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ

اپنے بھائیوں کو دوست اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۳

اور جو دوستی کرے گا ان سے تم میں سے تو یہ لوگ ہی ظالم ہیں

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ

تو کہہ دے اگر ہیں باپ دادا تمہارے اور بیٹے تمہارے اور بھائی تمہارے اور

اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ

بیویاں تمہاری اور قبیلہ تمہارا اور اموال کہ کمایا تم نے جنہیں اور

تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ

تجارت کہ ڈرتے ہو تم مندا پڑ جانے سے جسکے اور گھر کہ پسند کرتے ہو تم جنہیں زیادہ پیارے

اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا

تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور جہاد سے اس کی راہ میں تو انتظار کرو

حَتّٰي يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم اور اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں

بیشک اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ یہاں تین اعمال صالحہ یعنی ایمان، ہجرت اور جہاد (آیت ۲۰) کے مقابلہ میں تین انعاماتِ الٰہیہ یعنی اللہ کی خاص رحمت، رضا اور جنت النعیم کی خوشخبری دی۔

۲۳۔ یہاں مزید وضاحت فرمائی کہ اگر تمہارے قریبی رشتہ دار بھی کفار میں شامل ہیں اور ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ محبت کرتے ہیں تو انہیں بھی اپنا دلی دوست اور راز دار نہ بناؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام کا کوئی راز کفار کو پہنچا دیں۔ پس تم میں سے جو بھی انہیں جگری دوست بنائیں گے وہ ظلم اور زیادتی کے مرتکب ہوں گے۔ یہاں یہ نہیں کہا کہ ان کے حقوق ادا نہ کرو کیونکہ کفر پر قائم رہنے کے باوجود ان کے حقوق تم پر واجب ہیں۔

۲۴۔ اقترفتموا۔ القراف۔ الاقتراف۔ باب افتعال سے ہے۔ چھلکا اتارنا۔ کمانا۔ تم نے کمایا۔ کساد۔ مندا پڑنا۔ جیسے کساد بازاری۔

ع ۳ ۸ ۹

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ

فاسقوں کو یقیناً یقیناً مدد کی تمہاری اللہ نے میدانوں میں بہت سے

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ

اور روز حُنین جبکہ غرور میں ڈالا تم کو کثرت نے تمہاری پس نہ وہ کام آئی

جیسا کہ پچھلی آیات سے مومنین سے خطاب چلا آ رہا ہے۔ فرمایا کہ اگر تمہارے پیار و محبت کے رشتے یا دنیوی نعمتیں تمہیں اللہ، اس کے رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پیاری ہیں یعنی ان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا تمہیں دو بھر ہے تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنی تقدیر ظاہر کر دے یا یہ کہ اللہ یہ نعمتِ اسلام تم سے چھین لے اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے۔ ان کا فسق دین کو دنیا پر ترجیح دینے کے عہد کو بھول جانا ہے۔

یہاں بتایا کہ اگر اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کے لئے تمام اعزہ و اقارب چھوڑنے پڑیں یا مال و منال سے ہاتھ دھونے پڑیں تو ان سب قربانیوں کے لئے تیار رہو۔ اس آیت کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ اپنے پیارے رشتہ داروں کو چھوڑ دو یا ان کے حقوق ادا نہ کرو یا مادی آسائشوں کو چھوڑ دو۔ اس کے معنی اس روایت سے واضح ہیں کہ حضرت علیؓ سے ان کے فرزند ارجمند امام حسنؓ نے دریافت فرمایا! کیا آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! یہ سن کر حضرت امام حسنؓ نے دریافت فرمایا! کیا آپ اللہ سے بھی محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! یہ سن کر حضرت حسنؓ نے فرمایا! کیا یہ شرک نہیں کہ آپ خدا کی محبت میں میری محبت کو بھی شریک کرتے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا اے میرے بیٹے! یہ شرک نہیں کیونکہ اگر خدا کی محبت کے مقابلہ میں تیری محبت آجائے تو میں اسے اٹھا کر پرے پھینک دوں گا۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص با خدا بنتا ہے جو اس کے لئے ہزاروں بلائیں خرید لے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے گویا سب مر گئے۔۔۔۔۔ پس سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہم خود نہ مریں زندہ خدا نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔ یہی وہ استقامت ہے۔ جس سے نفسانی زندگی پر موت آجاتی ہے۔“ (تقریر جلسہ مذاہب صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱) جیسا کہ صوفیاء کا قول ہے موتوا قبل ان تموتوا۔ کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ۔

۲۵۔ اس رکوع میں جنگ حنین کے واقعہ میں مومنین کو یہ سبق دیا کہ کبھی اپنی کثرت یا سامانِ حرب پر فخر نہ کرنا۔ یہ محض نصرت الٰہی ہے جو مشرکین کے علاوہ اہل کتاب سے بھی جنگ کی صورت

عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

تمہارے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اسکے کہ فراخ تھی وہ

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ

پھر پھر گئے تم پیٹھ دیتے ہوئے پھر اُتاری اللہ نے اپنی سکینت

میں تمہیں غالب کرے گی۔ نیز اس سال کے بعد مشرکین کو مشرکانہ رسوم کے ساتھ خانہ کعبہ میں آنے سے روک دیا گیا اور بتا دیا کہ ان کی وجہ سے تمہیں جو مالی فوائد پہنچتے ہیں ان کی پرواہ نہ کرو۔ اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

مواطن، موطن کی جمع۔ وطن کے معنی دیتا ہے۔ مراد مواقع۔ میدان۔

مومنین کو یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ پہلے بھی بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و نصرت شامل حال نہ ہوتی تو ہر جنگ میں تمہاری بیخکنی ہو سکتی تھی اور صف لپیٹی جا سکتی تھی۔ جنگ حنین میں جس طرح تم نے اللہ کی نصرت کے نظارے دیکھے وہ کچھ ہی دیر پہلے کی بات ہے۔ وادی حنین طائف کی جانب مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ فتح مکہ کے چند ہی روز بعد آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ ہوازن اور ثقیف مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے زبردست لشکر تیار کر رہے ہیں۔ یہ عرب کے مالدار اور جنگجو قبیلے تھے۔ جو اپنی تیر اندازی کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ چنانچہ یہ قبیلے اپنے تمام قبائل کو لے کر مع بیوی بچوں اور مال و اسباب کے فتح مکہ کے سولہ دن بعد وادی حنین میں پہنچ گئے۔ بیوی بچوں اور مال و اسباب لانے میں اشارہ تھا کہ ہم مر جائیں گے واپس نہیں لوٹیں گے۔ چنانچہ ان کے چار ہزار جنگجو جوانوں نے وادی حنین میں پہنچ کر پہاڑوں کی تنگ وادیوں پر قبضہ کر کے کمین گاہوں میں مورچے سنبھال لئے۔ آنحضرت ﷺ نے حکمران ہونے کے باوجود قریش مکہ سے سامان جنگ عاریتاً لیا جو فتح کے بعد واپس کر دیا۔ اس میں آئندہ کے حکمرانوں کے لئے بھی سبق تھا کہ رعایا کی کسی چیز پر تمہارا حق نہیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار فاتحین مکہ کے علاوہ دو ہزار نو مسلم تھے۔ جو آنحضرت ﷺ سے تربیت یافتہ نہیں تھے نہ آپ ﷺ کی صحبت میں رہے تھے۔ ان میں بہت سے منافق تھے۔ جو آپ ﷺ کو نقصان پہنچانے یا جان سے مار دینے کے لئے موقع کی تلاش میں ساتھ ہو لئے تھے۔ جیسا کہ شیبہ بن عثمان کا واقع آیت :۱۵ میں گزر چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کل انشاء اللہ ہمارا قیام خیف بن کنانہ کے اس مقام پر ہو گا جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کا عہد نامہ لکھا تھا۔ گویا بڑی سے بڑی خدائی نعمتیں پانے کے بعد

بھی آپ ﷺ مصیبت کے دنوں کو نہیں بھولے۔ آپ ﷺ کے لشکر میں سب سے آگے خالد بن ولیدؓ کا دستہ تھا۔ جس میں زیادہ تر نومسلم تھے جو اپنی کثرت پر نازاں تھے۔ آپ ﷺ کی فوج منہ اندھیرے اس وادی میں داخل ہوئی اور جونہی دشمن کی زد میں آئی یک لخت دونوں جانب سے شدت سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ نومسلم اس بلائے ناگہانی کی تاب نہ لا سکے اور بدحواس ہوکر پیچھے کی طرف بھاگے۔ ان کے بھاگنے سے پچھلے دستوں کے قدم اکھڑ گئے۔ آنحضرت ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار اس انتہائی خطرناک وقت میں برابر آگے بڑھ رہے تھے۔ حضرت عباسؓ باگ پکڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے گرد چند جان نثار صحابہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ تھے۔ آپ ﷺ بلند آواز سے نہایت جوش اور جلال سے پکار کر کہہ رہے تھے میں نبی ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ گویا تیروں کے طوفان میں جو آگے بڑھ رہا ہوں تو یہ صرف نبی کا کام ہے ورنہ میں تو ایک عام انسان ہوں جو عبدالمطلب کے خاندان سے ہے۔ دشمن تو صرف آپ ﷺ کے خون کا پیاسا تھا۔ جب کہ آپ ﷺ خود اپنی موجودگی کا اعلان فرما رہے تھے اور کوئی ڈر یا خوف نہیں تھا۔ تاریخ جرأت و بہادری کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ اس روز آپ ﷺ سے زیادہ شجاع کسی شخص کو نہیں دیکھا گیا۔ (متفق علیہ) آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے پکارو کہ کہاں ہیں بیت رضوان میں حصہ لینے والے اور کہاں ہیں سورۃ بقرہ والے صحابہ؟ آپ ﷺ نے پکارا کہ اے گروہ انصار اور گروہ مہاجرین خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ صحابہ کہتے ہیں ہماری سواریاں پیچھے کو بھاگی جا رہی تھیں۔ ان کی باگیں موڑتے موڑتے ہمارے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے مگر اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ ہم نے اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹیں اور دیوانہ وار آپ ﷺ کی طرف لپکے۔ بمشکل سو جاں نثار آپ ﷺ کے گرد اکٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے زور دار حملہ کیا اور جنگ کا نقشہ بدل دیا پھر باقی لشکر بھی پہنچ گیا۔ دشمن بے شمار مال غنیمت اور بیوی بچے چھوڑ کر بھاگا۔ قبائل کے قبائل مع سازوسامان قبضہ میں آئے۔ دشمن کے ستر جوان جن میں سردار بھی تھے مارے گئے، چھ ہزار جنگی قیدی پکڑے گئے جن میں عورتیں بھی تھیں۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ یعنی قریباً چار من چاندی ہاتھ لگی۔ بھاگنے والے طائف میں اپنے قلعوں میں پھر مورچہ بند ہو گئے آنحضرت ﷺ نے بیس دن تک محاصرہ کیا لیکن پھر اس خیال سے کہ اب اسلام کو ان سے کوئی خطرہ نہیں محاصرہ اٹھا لیا۔ آپ ﷺ دو ماہ سولہ دن بعد مدینہ واپس لوٹے۔
(مسلم کتاب الجھاد باب غزوہ حنین)

عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ
اپنے رسول پر اور مومنوں پر اور اتارے لشکر کہ نہیں
تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ
دیکھا تم نے جنہیں اور عذاب دیا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا اور یہ بدلہ ہے
الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى
کافروں کا پھر فضل سے متوجہ ہوا اللہ بعد اس کے
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
جس پر چاہا اس نے اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو

۲۶۔ عین گھمسان کے رن میں لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنین کے دلوں کو اپنے خاص فضل سے سکینت اور اطمینان قلب عطا فرمایا۔ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خاص صحابہ چٹان کی طرح کھڑے رہے جونہی صحابہ پلٹے آپ ﷺ نے ایک دستے کے ساتھ زور دار حملہ کیا اور تائید ملائکہ سے شکست کو فتح سے بدل دیا۔ ایک لشکر جرار کا بغیر گھمسان کی جنگ کے ہتھیار ڈال دینا اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان اور غیر معمولی تصرف سے ممکن ہوا۔ اس لئے فرمایا اللہ نے خود انہیں عذاب دیا۔ ملائکہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آئے۔ ہاں بعض صحابہ نے کشفی آنکھ سے انہیں دیکھا۔ کفار کا شکست کھا کر ذلیل ہونا کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔

۲۷۔ آپ ﷺ نے دس دن تک مال غنیمت تقسیم نہیں فرمایا اور دشمن کے تائب ہو کر حاضر ہونے کا انتظار کرتے رہے جب مال غنیمت تقسیم کر دیا تو ہر طرح سے ہزیمت خوردہ دشمن کے بچے کچھے چودہ سرداروں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر معافی کا خواستگار ہوا۔ ان میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن اور رضاعی چچا وغیرہ بھی شامل تھے۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو اگرچہ وہ مسلمان نہیں تھی آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا اور اس کی سفارش پر پورے قبیلے کو بھی آزاد کر دیا۔ فرمایا! حاتم کا بنی نوع انسان پر بہت احسان ہے۔ رحمۃ للعالمین نے باوجود اس کے کہ مال غنیمت تقسیم کر دیا تھا پیغمبرانہ فیاضی کا نمونہ دکھاتے ہوئے ان کے تمام قیدی، عورتیں، بچے اور بے شمار ہاتھ آیا ہوا مال غنیمت واپس کر دیا۔ (متفق علیہ) کیا تاریخ ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ایسی سزا کے بعد جس کی چاہتا ہے توبہ قبول کرتا ہے۔ پردہ پوشی فرمائی یہ نہیں بتایا کہ کس کس کی توبہ قبول ہوئی۔ اللہ غفور الرحیم ہے وہ سب کو بخش دینے پر قادر ہے۔

۲۸۔ نجس۔ پلید، ناپاک۔ **عیلۃً**۔ فقر۔ **ووجدک عائلا فاغنیٰ**ٌ (والضحیٰ ۹)

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

سوائے اسکے نہیں کہ مشرک پلید ہیں پس نہ قریب ہوں وہ مسجد الحرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ

بعد اپنے اس سال کے اور اگر ڈرو تم فقر سے تو ضرور غنی کردے گا تم کو

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے یقیناً اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

لڑو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور روز

اور تجھے تنگدست پایا تو غنی کیا۔ مشرکین کو حکم دیا کہ اس سال کے بعد وہ مسجد الحرام کے قریب بھی نہ آئیں کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔ یہ روحانی ناپاکی ہے جو ان کے شرک اور عقائدِ فاسدہ کی وجہ سے ہے۔ خانہ کعبہ خالص عبادت الٰہی کے لئے بنایا گیا تھا اس میں کسی شرک کی گنجائش نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق ان کی رسوم نجس ہیں، ان نجس رسوم کے ساتھ داخلہ منع ہے۔ یعنی برہنہ طواف کرنا اور سیٹیاں بجانا ایسی تمام مشرکانہ رسوم منع ہیں۔ امام راغب نے بھی نجاستِ معنوی مراد لی ہے جس کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے نہ کہ مادی یا حسی ناپاکی۔ احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۹ میں درج ہے کہ فتح مکہ کے بعد بنو ثقیف کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کے خیمے مسجد کے صحن میں لگوائے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ نجس ہیں مسجد میں ٹھہرانا مناسب نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ارشادِ الٰہی **انما المشرکون نجس**" میں دلوں کی طرف اشارہ ہے جسموں کی گندگی مراد نہیں اور نہ کوئی انسان ان معنوں میں ناپاک ہے۔ وہ ہر مقدس مقام پر بلا روک ٹوک جا سکتا ہے۔ تمہارا یہ فکر کہ مشرکوں کے حج پر نہ آنے سے آمد کی صورت کیا ہوگی فرمایا اللہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا۔ چنانچہ اسلام تمام دنیا میں پھیلا اور لاکھوں مسلمان حج اور عمرہ کے لئے آنے لگے۔ نیز فتوحات کی وجہ سے غنائم کی کثرت ہوئی۔ آج عرب میں پائے جانے والے تیل اور سونے کے ذخائر اس آیت کی تصدیق کرتے ہیں۔ ثمامہ بن اثال بحالت کفر گرفتار ہو کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تھا۔ نیز مباہلہ کے موقع پر نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں اپنی نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (تفصیل مناھل العرفان جلد اوّل صفحہ ۲۹۸)

۲۹۔ **الجزیۃ**۔ جزا۔ بدلہ۔ گویا یہ ان لوگوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کا بدلہ ہے۔ **صاغرون** حالتِ محکومیت ہے۔ زیرنگیں ہوں۔ بے بس ہو چکے ہوں۔ ماتحت ہونا مراد ہے۔ ابھی تک

الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا

آخر پر اور نہیں حرام ٹھہراتے جو حرام کیا اللہ نے اور اسکے رسول نے اور نہ

يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اختیار کرتے ہیں مذہب سچا ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب

حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۲۹﴾ ع ۵/۱۰

یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ ہاتھ سے اور وہ ماتحت ہوں

مشرکوں سے جہاد جاری تھا۔ یہود مدینہ ان کی پشت پناہی کر کے اسلام اور بانی اسلام کو ختم کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جس کی سزا وقتاً فوقتاً ان کو ملتی رہتی تھی۔ اب اہل کتاب سے جنگوں کا آغاز ہونے والا تھا جس کی پہلی کڑی جنگ تبوک تھی۔ اس کی طرف یہاں اشارہ ہے۔ اگر مومنین کو قتل کا حکم ہوتا تو اقتلوا کا لفظ آتا کہ تم جنگ کرو۔ یہاں قاتلوا فرمایا جو باب مفاعلہ سے ہے جس میں دو فریق ہونے ضروری ہیں۔ یعنی وہ جنگ کریں تو تم بھی کرو۔ یہ اس لئے کہا کہ مومنین کو اہل کتاب سے جہاد میں انقباض نہ ہو۔ فرمایا وہ تو نام کے اہل کتاب ہیں۔ جس دین حق پر ان کو قائم کیا گیا تھا اس سے نکل چکے ہیں۔ پس اہل کتاب سے جنگ بھی انہیں شرائط سے مشروط ہوگی جو کفار و مشرکین کے لئے تھیں۔ یعنی **وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا** ط (۹۱:۲) یعنی جنگ صرف ان لوگوں سے ہوگی جو تم سے جنگ کریں اور زیادتی ہرگز نہ کرو۔ اس میں ہر قسم کی زیادتی سے منع فرمایا۔ زیادتی میں جنگ کو بلاوجہ طول دینا یا سزا وغیرہ میں زیادتی کرنا بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دو عہدوں پر فائز فرمایا تھا بطور پیغمبر اللہ کا پیغام لوگوں کو پہنچائیں۔ بطور خلیفہ و حکمران ملک میں امن و امان قائم کریں۔ پس مشرکین اور اہل کتاب سے لڑائی اس لئے نہیں تھی کہ انہیں مسلمان بنایا جائے بلکہ امن عامہ کو قائم رکھنے کے لئے ان کے جرائم پیشہ افراد کی شرارتوں سے ملک کو بچانا مقصود تھا جو بار بار کی تنبیہ اور نصیحت کے باوجود باز نہیں آتے تھے۔ پس ان سے دفاعی جنگ کے علاوہ چارہ نہ تھا۔ تاہم ان کے لئے معافی کی گنجائش رکھی۔ پس اگر ہتھیار ڈال دیں اور مسلمان حکومت کے ماتحت پرامن شہری بن کر رہیں تو جزیہ دیں۔ اس کے علاوہ ان پر کوئی جانی یا مالی قربانی فرض نہیں تھی۔ جبکہ مسلمانوں کو نبی، خلیفہ یا امیر کے حکم پر ہر وقت بڑی سے بڑی مالی اور جانی قربانی پیش کرنے کا حکم تھا۔ زکوٰۃ اس کے علاوہ فرض تھی۔ لفظ جزیہ کو اسلام کے خلاف خوب اچھالا گیا حالانکہ یہ ایک معمولی سالانہ ٹیکس تھا جو غیر مسلموں سے لیا گیا یہ ان کے جان و مال اور تمام حقوق کا

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى
اور کہا یہود نے عزیر بیٹا ہے اللہ کا اور کہا عیسائیوں نے

الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ
مسیح بیٹا ہے اللہ کا یہ بات ہے ان کی ان کے مونہوں سے

يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ قٰتَلَهُمُ
وہ مشابہت اختیار کرتے ہیں بات کی ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا تھا پہلے سے ہلاک کرے انہیں

اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ
اللہ کہاں اُلٹائے جاتے ہیں بنایا انہوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ
رب سوائے اللہ کے اور مسیح ابن مریم کو حالانکہ نہیں

ضامن تھا۔ یہ صرف مالداروں پر فرض تھا نہ کہ فقراء و مساکین پر۔ جزیہ کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ حاکم کی صوابدید پر حسب استطاعت وصول کیا جاتا۔ آنحضرت ﷺ نے اہل یمن اور اہل بحرین وغیرہ سے ایک دینار یعنی ایک اشرفی سالانہ وصول کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلامی فوجیں شام کے علاقہ حمص سے ہٹ گئیں تو حضرت ابو عبیدہؓ نے وہاں کے یہود و نصاریٰ کو بلا کر کئی لاکھ جزیہ کی رقم واپس کی کہ اب جبکہ ہم تمہاری حفاظت سے معذور ہیں تو اس رقم کو رکھنے کے بھی مجاز نہیں۔ (تاریخ اسلام) آنحضرت ﷺ کو ذمیوں کے حقوق کی ہمیشہ فکر رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا خبردار! جو کسی غیر مسلم معاہد پر ظلم کرنے یا اس کے حق میں کمی کرے یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے یا اس سے کوئی چیز بغیر اس کی رضا مندی کے حاصل کرے تو قیامت کے دن میں اس کا وکیل ہوں گا۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعویدار ہوں گا۔ اور جس مقدمہ میں دعویدار میں بنوں تو میں ہی غالب ہوں گا۔

٣٠۔ **قاتلهم** ۔ ان پر اللہ کی مار ہو۔ بطور محاورہ بھی بولا جاتا ہے۔ **يضاهؤن - المضاهاةُ** ۔ مشابہت اختیار کرنا۔ نقل کرنا۔

اس رکوع میں اہل کتاب کے عقائدِ باطلہ اور اسلام کے خلاف ان کی کوششوں کا ذکر کر کے اسلام کے غلبہ کی پیشگوئی فرمائی۔ اہل کتاب کے عقائد باطلہ کی مزید تفصیل فرمائی کہ یہ بھی مشرکین سے کسی طرح کم نہیں۔ مشرکینِ مکہ لات و منات کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہود و نصاریٰ نے بھی یونان اور روم کے فلسفہ سے متاثر ہو کر اپنے انبیاء کو خدا کے بیٹے بنایا۔ تاریخی شواہد موجود ہیں کہ تثلیث کا

اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
حکم دیئے گئے وہ سوائے اس کے کہ عبادت کریں خدائے واحد کی نہیں کوئی خدا سوائے اس کے

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا
پاک ہے وہ اس سے جسے وہ شریک بناتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں

نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ
نور کو اللہ کے ساتھ اپنے مونہوں کے اور انکار کرتا ہے اللہ مگر یہ کہ پورا کرے

نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
نور کو اپنے اور اگرچہ ناپسند کریں کافر وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو

تصور بھی انہیں کی طرف سے آیا۔ پس وہ انہی عقائد کی وجہ سے خدائی لعنت کے مورد ہوئے۔

٣١۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو بھی رب اور قاضی الحاجات ٹھہرا رکھا ہے اور مسیح کو بھی۔ حالانکہ انہیں خدائے واحد کی پرستش کا حکم تھا۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ عدی بن حاتم نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ان کے کہنے پر تم حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں سمجھتے تھے؟۔ انہوں نے کہا ایسا تو ضرور تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! بس یہی عبادت ہے۔ (ترمذی) اہل اسلام میں سے بھی وہ لوگ جو پیروں فقیروں کی قبروں کو سجدہ کرتے، انہیں قاضی الحاجات سمجھ کر ان سے مرادیں مانگتے اور ان کے حکم سے خلاف شرع باتوں پر عمل کرتے ہیں وہ اسی زمرہ میں شمار ہوں گے۔

٣٢۔ **يابى ۔ ابىٰ** سختی سے انکار کرنا ہے۔ رد کرنا۔

پچھلی آیت میں عیسائیوں کے شرک کو دہرا کر ان کے ذکر کو جاری رکھا کہ وہ خدا کے نور یعنی اسلام کو جو انہیں تاریکیوں سے نکالنے آیا ہے۔ (البقرہ۔ ٢٥٨) اپنے منہ کی پھونکوں یعنی بیہودہ بکواس اور لغو اعتراضات سے بجھانے کی کوشش کریں گے۔ اس میں پیشگوئی فرمائی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ عیسائی دین اسلام کو مٹانے کے لئے پورا زور لگائیں گے۔ اپنی تحریروں اور تقریروں سے اس کو مٹانے کے در پے ہوں گے۔ لیکن یہ نور کل عالم کے لئے بنایا گیا ہے جب تک کل عالم کو اپنی ضیاء پاشیوں سے منور نہ کر دے دنیا کی کوئی کوشش اس کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ پس اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ خواہ کافر کیسا ہی ناپسند کریں۔

٣٣۔ **يظهر ۔ ظهر** ۔ پیٹھ۔ **ظهر عليه** ۔ اس پر غالب آ گیا۔

اب دوسری زبردست پیشگوئی فرمائی کہ اس وقت خدا ایک رسول بھیجے گا جو تمام ادیان پر

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ

ساتھ ہدایت کے اور سچے دین کے تاکہ وہ غالب کرے اسے دینوں سب کے سب پر

النصف

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ

اور اگرچہ ناپسند کریں مشرک اے لوگو جو ایمان لائے ہو یقیناً

كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ

بہت سے عالم اور درویش البتہ کھاتے ہیں مال

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَ

لوگوں کے ساتھ باطل کے اور روکتے ہیں راہ سے اللہ کی اور

اس دین کو غالب کر دے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین کو اتفاق ہے کہ ادیان باطلہ پر دین اسلام کا کامل غلبہ مسیح موعود کے وقت ہوگا۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۸ صفحہ ۵۳) سعد ابن جریرؒ سے روایت ہے کہ یہ آیت مہدی کے لئے ہے۔ سعید ابن منذر اور بیہقی نے جابرؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ یہاں مہدی مراد ہیں۔ علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں یہ روایت لاتے ہیں کہ (ترجمہ) تمام دنیا کے بادشاہ چار گزرے ہیں اور پانچواں بادشاہ اس امت میں سے ہوگا جس کی حکومت مطابق ارشاد الٰہی **لیظھرہٗ علی الدین کلّہ** روئے زمین پر ہوگی اور وہ مہدی ہوگا۔ (تفسیر سورۃ کہف صفحہ ۱۶۰ مصنفہ مولوی عبداللطیف بہاولپوری فاضل دیوبند) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”یہ وہ پیشگوئی ہے جو پہلے سے قرآن میں انہی دنوں کے لئے لکھی گئی ہے“ (ازالہ اوہام حصہ اوّل صفحہ ۱۹۲)۔۔۔۔ یہ آیات قرآنی الہامی پیرایہ میں اس عاجز کے حق میں ہیں اور رسول سے مراد مامور و فرستادہ ہے جو دین اسلام کی تائید کے لئے ظاہر ہوا۔ اس پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے جو اس مامور کو مبعوث فرمایا ہے یہ اس لئے تا اس کے ہاتھ سے دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ بخشے اور ابتدا میں ضرور ہے کہ اس مامور اور اس کی جماعت پر ظلم ہو لیکن آخر فتح ہوگی اور یہ دین اس مامور کے ذریعہ سے تمام ادیان پر غالب آجائے گا“۔ (سراج منیر صفحہ ۳۶۔۳۷)

بے شک باقی ادیان بھی قیامت تک رہیں گے مگر غلبہ دین حق کا ہی ہوگا انشاء اللہ۔ **مشرکون** اس لئے کہا کہ آخری جنگ شرک سے ہوگی۔ جب موحّد بھی کسی نہ کسی رنگ میں شرک میں ملوث ہوں گے۔

۳۴۔۳۵۔ **یحمٰی۔ حمی**۔ حرارت۔ آگ۔ اسی سے حمام ہے۔ **تُکوٰی**۔ وہ داغی جائے گی۔ **جباھھم۔ جبہ**۔ ماتھا۔ جمع جباہ۔ **جنوب۔ جنب** کی جمع۔ پہلو یا کروٹ۔

الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا

وہ لوگ جو خزانہ جمع کرتے ہیں سونے اور چاندی کا اور نہیں خرچ کرتے انہیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ

راہ میں اللہ کی پس بشارت دے ان کو عذاب دردناک جس دن

يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ

گرم کئے جائیں گے وہ جہنم کی آگ میں پس داغ دیئے جائیں گے اسکے ساتھ ماتھے ان کے

وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

اور پہلو ان کے اور پیٹھیں ان کی یہ ہے جو خزانہ بنا کر جمع کیا تم نے اپنی جانوں کے لیے

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ

پس چکھو جو تھے تم خزانہ جمع کرتے یقیناً گنتی مہینوں کی

آیت ۳۴ پیشگوئی کا رنگ رکھتی اور خصوصیت سے آج کے دور پر اطلاق پا رہی ہے۔ جب **لیُظھرہٗ علی الدین کُلّہٖ**۔ کا وقت آئے گا تو مشرکوں کی کثرت ہوگی۔ دین کے دعویدار باطل طریق سے دنیا کو دھوکا دے کر لوٹ رہے ہوں گے اور اللہ کے راستہ سے روکیں گے۔ آج بعینہٖ یہی حالت ہے۔ تیل کی دولت سمیٹنے والے اور دوسرے دولتمند سونا چاندی اکٹھا کر رہے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ آج صرف جماعت احمدیہ ہے جس نے بفضل تعالیٰ خدمت [illegible] کا بیڑا اٹھایا ہے اور دکھی انسانیت کے لئے تن من اور دھن کی بازی لگائے ہوئے ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں! ”سائل جب سوال کرتا ہے تو بخیل مسئول اس کے سوال کا ردّ پہلے ماتھے کے شکن کے ذریعہ کرتا ہے۔ پھر منہ پھیرتا ہے۔ پھر پیٹھ دے کر چلا جاتا ہے۔ اس لئے سزا میں ان تینوں جگہوں کا ذکر کیا“۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔نومبر ۱۹۰۹ء) قیامت کو جب اس سونے اور چاندی سے جس کے انبار لگاتے نہیں تھکتے تھے، ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ اسے چکھو جو تم نے اپنی جانوں کے لئے جمع کیا تھا۔ یہ چکھنے کا حکم کبھی دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ جیسا کہ تاریخ گواہ ہے کہ جب آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ ہلاکو خان کے سامنے پیش ہوا تو ہلاکو خان نے سونے کی چند ڈلیاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا! انہیں کھاؤ۔ مجبور و بیکس قیدی نے پریشان ہو کر کہا! سونا کھایا نہیں جا سکتا۔ ہلاکو خان نے پوچھا پھر ڈھیروں ڈھیر جمع کیوں کر رکھا تھا؟ کچھ ہمیں بھجوا دیا ہوتا یا اپنے دفاع کے لئے ہی خرچ کیا ہوتا تو آج یہ حال نہ ہوتا کہ وحشت و بربریت بغداد کے گلی کوچوں میں ناچتی پھرتی۔ تاریخ میں ہے کہ چنگیز خان نے حملہ سے پہلے خوارزم کے بادشاہ کو لکھا کہ قرآن میں ہے کہ لڑائی سے باز رہو

عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ
نزدیک اللہ کے بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ
آسمانوں اور زمین کو ان میں سے چار عزت والے ہیں یہ ہے دین

الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا
قائم رہنے والا پس نہ ظلم کرو ان میں اپنے لوگوں پر اور لڑو

(بقرۃ:۱۹۴) پھر اس نے لکھا کہ تمہارے رسول کا فرمان ہے کہ جو تم سے نہ لڑیں، انہیں چھوڑ دو۔ پھر ایک جگہ لکھا تمہارے نبی نے حقوق رکھے ہیں مگر تمہارے ملک میں ہمارے تاجر لوٹے گئے۔ افسوس خوارزم کے بادشاہ نے یہ نصیحت کی باتیں نہ سنیں۔ آخر ہلاکو ہلاکت کی تلوار لے کر آیا۔ (حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ ۵۲۵) غرض ایک دن میں اٹھارہ لاکھ مسلمان ہلاک ہوئے۔ قیمتی لائبریریاں نظر آتش ہوئیں۔ خلیفہ سمیت تمام شاہی خاندان تہ تیغ ہوا۔ تاتاری سپاہیوں کے ہاتھوں شہزادیوں کی عصمت تارتار ہوئی۔ یہ تھا انجام دنیا میں سونا چاندی جمع کرنے کا۔ کاش! اس دولت کو بندگانِ خدا کی بہبود پر خرچ کرتے اور جان لیتے کہ اصل دولت تو پروردگار کی رضا اور رضوان ہے جس خوش نصیب کو یہ خزانہ مل گیا اس کے دونوں جہان سنور گئے۔ جو اس سے محروم رہا وہ بازی ہار گیا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اسلام میں مال جمع کرنا منع نہیں ورنہ زکوۃ اور وراثت نہ ہوتی ہاں اسے ضرورت دین اور اشاعت دین کے لئے خرچ نہ کرنا، غرباء و مساکین کا حق نہ نکالنا یا دوسرے حقداروں کو محروم رکھنا گناہ ہے اور اسی کے لئے یہ وعید ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ جس مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے وہ کنز تم میں داخل نہیں (ابوداؤد۔ احمد) حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں فرما رہے تھے۔ رب کعبہ کی قسم وہ گھاٹے میں ہے۔ رب کعبہ کی قسم وہ گھاٹے میں ہے۔ پس میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ ﷺ (اسی طرح) کہتے رہے۔ پس میں خاموش نہ رہ سکا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا جن کے پاس مال بہت ہے۔ سوائے اس کے جس نے یوں اور یوں اور یوں بانٹ دیا۔ (بخاری) یہ تقوی کے اعلیٰ ترین مدارج میں سے ہے جب انسان کا سب کچھ خدا کے لئے ہو جاتا ہے۔ اپنا کچھ بھی نہیں رہتا۔ صحابہؓ نے جس قدر مالی قربانیاں دیں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی بے حد نوازا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے وفات پائی تو ان کا ترکہ اڑھائی کروڑ روپیہ تھا یاد رہے اس زمانے کے اڑھائی کروڑ تھے۔ آخرت کا اجر تو اللہ کے پاس ہے جو بے حد و حساب ہے۔

۳۶۔ جنگ کے احکام میں ضمنی طور پر چند آیات میں اہل کتاب کا ذکر آیا۔ اب پھر اصل

الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَ
مشرکوں سے اکٹھے ہو کر جس طرح وہ لڑتے ہیں تم سے اکٹھے ہو کر اور

اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ
جان لو کہ اللہ ساتھ متقیوں کے ہے سوائے اس کے نہیں کہ آگے پیچھے کرنا (مہینوں میں) زیادتی ہے

فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا
کفر میں گمراہ کئے جاتے ہیں بذریعہ اسکے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا حلال ٹھہراتے ہیں وہ اس (ماہ) کو ایک سال

وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــــُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ
اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ اسے ایک سال تاکہ موافقت کریں گنتی کی جو حرام کیا اللہ نے

فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَ
پس وہ حلال کرتے ہیں اسے جو حرام کیا اللہ نے خوبصورت کر کے دکھلائی گئی انہیں برائی ان کے اعمال کی اور

اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ع ۵
اللہ نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو اے لوگو جو ایمان لائے

مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ
کیا ہوا تمہیں کہ جب کہا گیا تم کو کوچ کرو اللہ کے راستہ میں بوجھل ہو گئے تم

مضمون یعنی احکام جنگ کی طرف عود کیا اور وضاحت فرمائی کہ روزِ ازل سے خدائی شریعتوں میں مہینے بارہ ہی ہیں جن میں چار محترم ہیں۔ یعنی ذیقعدۃ، ذی الحجہ اور محرم حج کے لئے اور رجب عمرہ کے لئے۔ یہ عبادات کے لئے خاص ہیں ان میں شکار اور قتال وغیرہ منع ہے۔ ان [illegible] میں جہاں روحانی فوائد مضمر ہیں۔ وہاں ظاہری طور پر بھی عرب جیسی جنگجو قوم پر قدغن لگانا مقصود تھا۔ رجب کے بعد جنگ کے لئے تین ماہ بچتے جن میں رمضان بھی تھا جبکہ محرم کے بعد چار ماہ تھے پھر عین جنگ میں ان مہینوں کے آنے سے جنگ کا تسلسل ٹوٹ جاتا۔ جب ایک مرتبہ جنگ رک جائے تو اکثر وقتی رنجشیں ختم ہو جاتی ہیں اور دوبارہ جنگ شروع ہونے کے امکانات کم رہ جاتے ہیں۔ فرمایا ان مہینوں کے احترام کی خلاف ورزی کر کے اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو۔ اگر مشرکین ان مہینوں کی حرمت کا پاس نہ کریں اور جنگ میں پہل کریں یا جنگ جاری رکھیں تو تمہیں بھی اجازت ہے۔ ہاں ٹولیوں میں بٹ کر نہ لڑو، اکٹھے ہو کر لڑو اور تقوی کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔ یعنی تمہاری طرف سے کوئی زیادتی نہ ہو۔ یاد رکھو اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ پس جسے اللہ کی معیت حاصل ہو جائے اسے اور کیا چاہیے۔

۳۷۔ **النسیٓءُ النسء**۔ تاخیر کرنا یا پیچھے ڈال دینا۔ یہاں حرمت والے مہینوں کا آگے پیچھے کرنا مراد ہے۔ **یواطئوا**۔ **وطی**۔ پامال کرنا۔ **ان ناشئة الیل هی اشد وطئا** ۔۷۳۔۷۔ بیشک رات کا اٹھنا (تہجد کے لئے) نفس کو سخت پامال کرتا ہے۔ **لیواطئوا عدۃ**۔ تاکہ وہ گنتی پوری کر لیں۔

اِلَی الۡاَرۡضِ ؕ اَرَضِیۡتُمۡ بِالۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ ۚ

طرف زمین کی کیا راضی ہو گئے تم ساتھ زندگی دنیا کے بمقابل آخرت کے

فَمَا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا فِی الۡاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیۡلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا

پس نہیں سامان زندگی دنیا کا آخرت کے مقابلہ میں مگر تھوڑا اگر نہ

چاہئے تو یہ تھا کہ اگر دوران جنگ عزت والے مہینے آجاتے تو جنگ فوراً بند کردیتے۔ مگر عربوں نے یہ دستور بنایا ہوا تھا کہ دوران جنگ اگر مقدس مہینے آجاتے یا مقدس مہینوں میں جنگ کرنا چاہتے تو بجائے جنگ روک دینے یا ملتوی کرنے کے مہینوں کو بدل دیتے۔ تجارتی مفاد کے پیش نظر بھی ایسا کرتے جس مہینے کو چاہتے حلال یا حرام قرار دیتے تا کہ اللہ کے مقرر کردہ مقدس مہینوں کی محض گنتی پوری کردیں۔ یہ شریعت میں ان کی دخل اندازی تھی جس سے انہیں حکماً منع کیا گیا۔ اسی نسئی کے دستور کی بدولت ۹ھ کو جب مشرکین سے براءت کا اعلان ہوا تو حج ذیقعدۃ میں ہوا۔ البتہ ۱۰ھ کو جب آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو حج صحیح تاریخوں میں ہوا اور تمام مشرکانہ رسوم سے پاک تھا۔ یہ آپ ﷺ کا آخری حج تھا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ کے حج کے شواہد نہیں ملتے۔ اس کے بعد حج ہمیشہ مقررہ تاریخوں پر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے اسّی دن بعد رحلت فرمائی اور مولائے حقیقی سے جاملے۔

۳۸۔ انفروا ۔ نفر۔ نکلنا۔ جنگ کے لئے نکلنا۔ کوچ کرنا۔ نفر اور نفیر کئی آدمیوں کا جتھہ۔ گویا ان کا باہر نکلنا آسان ہے۔ **اثاقلتم۔ ثقل** ۔ بوجھ۔ **اثاقلتم الی الارض** ۔ زمین کی طرف جھک گئے یعنی سفلی خواہشات غالب آگئیں۔

اس رکوع میں جنگ تبوک اور جنگ میں پیچھے رہ جانے والوں کا ذکر ہے اور منافقین کی پہچان بتائی گئی ہے۔ یہاں سے سورۃ کے قریباً آخر تک جنگ تبوک کے واقعات بیان ہوئے۔ (یہ تمام واقعات مستند احادیث سے لئے گئے ہیں) تبوک مدینہ کے شمال مغرب میں شام کی سرحد پر واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ جنگ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ آپ ﷺ کو قافلوں کے ذریعہ متواتر اطلاعات پہنچیں کہ جنگ موتہ کا بدلہ لینے کے لئے قیصر روم مدینہ پر حملہ کے لئے تبوک کے مقام پر فوجیں جمع کر رہا ہے۔ آپ ﷺ جب بھی کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو عام طور پر اخفا سے کام لیتے لیکن اس غزوہ کے لئے آپ ﷺ نے مدینہ اور مدینہ کے اطراف کے تمام قبائل میں باقاعدہ اعلان کروایا کہ قیصرِ روم سے مقابلہ کے لئے جلد از جلد مدینہ پہنچو۔ روم اور ایران اس وقت دنیا کی طاقتور ترین سلطنتیں تھیں۔ جو قدیم ترین اور قریباً ہم پلہ تھیں۔ عرب ان سے ہمیشہ خائف رہتے۔ ملکی

حالات بھی جنگ کے لئے سازگار نہ تھے۔ سخت گرمی اور قحط کا زمانہ تھا۔ اہل مدینہ زراعت پیشہ تھے فصلیں کٹنے کے لئے تیار تھیں، راستہ کٹھن اور سفر لمبا تھا۔ راستے میں پانی اور رسد کی قلت تھی۔ نیز یہ عرب قبائل کی ایک دوسرے سے لڑائی نہیں تھی بلکہ طاقتور اور تربیت یافتہ رومی افواج سے باقاعدہ جنگ تھی۔ ان تمام مشکلات کے باوجود تیس ہزار مجاہدین کا لشکر جرار تیار ہو گیا۔ اتنے بڑے لشکر کے لئے زادِراہ، سواریوں اور سامان جنگ کے لئے مالی اعانت کی ضرورت تھی۔ آپ نے چندہ کی عام اپیل کی اور حضرت عثمانؓ نے اپنا تمام تجارتی مال جسے لے کر وہ شام کو روانہ ہونے والے تھے، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ آپ نے دس ہزار دینار نقد کے علاوہ ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مع ساز و سامان پیش کئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنا سارا مال اور حضرت عمرؓ نے آدھا مال پیش کیا۔ حضرت عمرو بن عوفؓ نے بھی ایک بڑی رقم پیش کی۔ لوگوں نے بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ عورتوں نے اپنے زیور تک اتار کر پیش کر دیئے۔ آپ ﷺ رجب ۹ھ بروز جمعرات روانہ ہوئے اس سے پہلے اتنی بڑی اسلامی فوج کسی جنگ کے لئے نہیں نکلی تھی۔ تین مجاہدین کے لئے ایک سواری میسر تھی۔ جن کے پاس سواری کا انتظام نہیں تھا وہ روتے ہوئے واپس ہوئے۔ منافقین کے لئے یہ آخری کسوٹی تھی۔ وہ طرح طرح کے بہانے کر کے پیچھے رہے۔ فرمایا سفلی خواہشات ان پر غالب آگئی ہیں اور وہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں حالانکہ دنیا کی متاع آخرت میں نہایت حقیر ثابت ہوگی۔ یہ آپ ﷺ کی معیت میں لڑی جانے والی آخری جنگ تھی۔ چودہ منزل یعنی قریباً تین سو میل طویل اور دشوار گزار سفر بیس دن میں طے کر کے آپ چشمہ تبوک پر پہنچے۔ راستے میں حجر یا مدائن صالح کا تاریخی مقام آیا جہاں حضرت صالح کی تکذیب کی وجہ سے قوم ثمود ہلاک ہوئی تھی۔ اس جگہ کے پانی سے گندھا ہوا آٹا آنحضرت ﷺ نے پھنکوا دیا اور تیز تیز چلنے کا حکم دیا۔ ممکن ہے وہاں کی ہوا صحت کے لئے مضر ہو یا پرانے ویران کنوؤں کا پانی زہریلا ہو چکا ہو۔ (بخاری کتاب الانبیاء) جنگ موتہ میں تین ہزار مجاہدین نے ایک لاکھ رومی لشکر کا منہ پھیر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے تبلیغی خط اور ابو سفیان سے گفتگو سے ثابت ہے کہ ہرقل شاہ روم آپ ﷺ کو دل میں وہی نبی سمجھتا تھا جس کا کتبِ مقدسہ میں ذکر موجود تھا لیکن درباریوں کی مخالفت سے وہ خاموش رہا اس لئے آنحضرت ﷺ کی قیادت میں تیس ہزار مجاہدین کے لشکر جرار کی اطلاع سے وہ یقیناً خائف تھا اور اسے مقابلہ میں آنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس نے اپنی افواج کو میدان سے ہٹا دیا۔ آپ ﷺ نے بیس دن قیام فرمایا لیکن کوئی بھی مقابلہ میں نہ آیا۔ البتہ چھوٹی چھوٹی سرحدی عیسائی حکومتوں سے آپ ﷺ کے معاہدے ہوئے اس طرح اسلامی حکومت کی سرحدیں سلطنت روما کی سرحدوں تک پہنچ گئیں اور اطراف عرب میں بھی شوکتِ اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ آنحضرت ﷺ

تَنفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۵ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

کوچ کرو گے تم تو وہ عذاب دیگا تم کو عذاب دردناک اور بدلہ میں لائے گا کوئی قوم

غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾

سوائے تمہارے اور نہ تم ضرر دے سکو گے اسکو کچھ بھی اور اللہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ

اگر مدد نہ کرو تم اس (رسول) کی تو یقیناً مدد کی اس کی اللہ نے جبکہ نکالا تھا اسے ان لوگوں نے جنہوں نے

كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ

کفر کیا دوسرا دو میں کا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جبکہ وہ (رسول) کہتا تھا

لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

اپنے ساتھی کو نہ غمگین ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اتاری اللہ نے

اسلام کا نہایت اچھا تاثر چھوڑ کر قریباً دو ماہ بعد واپس مدینہ تشریف لائے۔ (بخاری و مسلم)

٣٩۔ تمام اسلامی احکام اور فرائض عام طور پر حالات سے مشروط ہیں۔ نماز بھی بعض حالات اور اوقات میں پڑھنی جائز نہیں۔ روزے اور زکوٰۃ کے لئے بھی بہت سی پابندیاں ہیں۔ اسی طرح جہاد کے لئے بھی شرائط ہیں جن میں سب سے پہلے ایک امام کا ہونا شرط ہے۔ ورنہ اہل تشیع کا امام اہل سنت کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے گا اور اہل سنت کا اہل تشیع کے خلاف اور یہ قتل و غارت ہوگی نہ کہ جہاد فی سبیل اللہ۔ بعض حالات میں جہاد فرض کفایہ کا حکم رکھتا ہے کہ چند افراد کی ادائیگی سے باقی مسلمانوں پر یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اس جنگ میں آنحضرت ﷺ نے سوائے کمزور اور ضعیف افراد کے تمام مومنین کو چلنے کا حکم دیا یا جنہیں بعض مصالح کے تحت خود پیچھے چھوڑا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کو اپنے قائم مقام کے طور پر اہل مدینہ اور خاندان نبوت کی حفاظت کے لئے مدینہ چھوڑا۔ پس سوائے منافقین اور کمزور ایمان والوں کے اس جنگ میں کوئی پیچھے نہیں رہا۔ (بخاری حدیث کعب بن مالکؓ) یہاں مومنین سے خطاب ہے کہ اللہ نے اپنے دین کو بہرصورت غالب کرنا ہے اگر تم اس غلبہ میں حصہ نہیں لو گے تو اللہ قادر ہے کہ دوسری اقوام اس برکت کو حاصل کر لیں۔ تب نقصان تمہارا ہی ہوگا نہ کہ اللہ کا۔ صحابہ کرام سے کبھی بھی ایسی کوتاہی نہیں ہوئی یہ قرآن کریم کا طرز کلام ہے جس سے کمزوروں کو متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔

٤٠۔ **غار**۔ غور سے ہے یعنی گہرائی۔ کسی چیز میں فکر کرنا۔ پہاڑوں کی غاریں بوجہ گہرائی کے غار کہلاتی ہیں۔

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

اپنی سکینت اس پر اور تائید کی اسکی ساتھ لشکروں کے کہ نہیں تم نے دیکھا جنہیں اور کر دی

كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ

بات ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا نیچی اور بات اللہ کی ہی اونچی ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّ

اور اللہ غالب والا حکمت والا ہے کوچ کرو ہلکے اور بوجھل ہوکر اور

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ

جہاد کرو ساتھ اپنے مالوں کے اور اپنی جانوں کے راہ میں اللہ کی

منافقین کو جہاد کی تحریص میں خدائی تائید و نصرت کے واقعات یاد دلائے جو ہجرت سے وابستہ تھے جبکہ آنحضرت ﷺ مع اپنے رفیق حضرت ابوبکرؓ کے نہایت پر مصائب حالات میں خاص تائید ایزدی سے کفار کے نرغہ سے نکل کر غار ثور میں تین دن چھپے رہے۔ یہ غار مکہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ قریش مکہ کھوجی کی رہبری میں آپ کے نقش پا کو دیکھتے ہوئے غار ثور کے منہ تک آپہنچے۔ حالانکہ یہ غار ایک چٹیل پہاڑی پر کافی اونچائی پر واقع ہے اور مدینہ کے راستہ سے ہٹ کر ہے۔ کھوجی نے کہا کہ آپ ﷺ کے نقش پا آگے نہیں جاتے یا تو آپ ﷺ اس غار میں ہیں یا آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر کہا یا رسول اللہ ان کے پاؤں نظر آ رہے ہیں اگر انہوں نے جھک کر دیکھا تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت اطمینان سے فرمایا اے ابوبکر! فکر نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت ایک معمولی مکڑی کے جالے نے جسے اوھن البیوت کہا گیا ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے اور وہ غار کے منہ پر مکڑی کا جالا اور گھونسلے میں انڈے دیکھ کر واپس لوٹ گئے اور تقدیر الٰہی سے اندر داخل نہ ہو سکے۔ (بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ بروایت حضرت عائشہؓ) فرمایا ان نامساعد حالات میں اسلام اور بانی اسلام کو مخالفین مٹا نہ سکے اور اللہ نے تائید ملائکہ سے آپ ﷺ کی نصرت فرمائی تو اس وقت جبکہ اسلام پورے جزیرہ عرب میں ایک مضبوط قوت بن کر ابھر چکا ہے، اگر چند منافقین جہاد میں شامل نہیں ہوں گے تو کیا فرق پڑے گا۔ اس نے ان لوگوں کی بات نیچی کر دکھائی جنہوں نے کفر کیا تھا اور بات اللہ ہی کی اونچی ہو کر رہتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ کامل غلبے والا اور بہت حکمت والا ہے۔

٤١۔ اے جماعت مومنین! تم ہلکے پھلکے ہو یا بوجھل، تمہارے پاس سامان جنگ کی کمی ہے یا زیادتی، حالات تمہارے موافق ہیں یا ناموافق، غرض جس حال میں ہو جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو،

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ

یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے اگر ہوتا

عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ

فاصلہ نزدیک اور سفر درمیانہ تو ضرور وہ پیروی کرتے تیری ولیکن

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ

دور ہو گئی ان پر مسافت اور ضرور وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر

اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

طاقت رکھتے ہم تو ضرور نکلتے ہم ساتھ تمہارے ہلاک کرتے ہیں اپنی جانوں کو

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ ع ۶ ۵ ۱۲

اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً وہ ضرور جھوٹے ہیں درگذر کرے اللہ تجھ سے

اپنے مالوں اپنی جانوں اور اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ اسلام فرماتے ہیں کہ اصل مقصود کے پانے کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اس کو ڈھونڈا جائے۔ (تقریر جلسہ مذاہب صفحہ ۱۸۷)

۴۲۔ **العَرَض**۔ چوڑائی ہے جبکہ **العَرَض** سے مراد تھوڑی دیر رہنے والا منافع یا مال ہے۔ جیسے **تریدون عرض الدنیا واللّٰہ یرید الاٰخرۃ**ط (۸۔۶۸) **لو کان عَرَضًا قریبًا** کے معنی ہیں۔ اگر کوئی فائدہ آسانی سے حاصل ہونے کی توقع ہوتی (مفردات) اگر فائدہ قریب کا ہوتا۔ **الشُّقّۃ**۔ شق۔ مشقت۔ **بعدت علیهم الشُّقّۃ**۔ انہیں مسافت دور نظر آئی۔ (مفردات) **قاصدًا۔ قصد**۔ درمیانہ۔ اسی سے قصیدہ ہے درمیانی نظم جس میں کم از کم سات اشعار ہوں۔ مراد چھوٹا یا آسان ہے۔

اس آیت سے لے کر پارہ گیارہ کی ابتدائی آیات، آپ ﷺ پر دورانِ سفر نازل ہوئیں۔ پیچھے رہنے والے منافقین کے لئے فرمایا کہ اگر مال غنیمت جلد ملنے کی امید ہوتی اور سفر بھی زیادہ لمبا نہ ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ لیکن لمبے اور تکلیف دہ سفر کی وجہ سے جہاد کے لئے نہیں نکلے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر ابتلا اور قربانی کے موقع پر منافقین کا نفاق ظاہر ہو جاتا تھا۔ فرمایا تمہاری واپسی پر یہ جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہمیں قدرت ہوتی تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ وہ اپنی جانوں کو

لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

کیوں اجازت دی تم نے انہیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تیرے لیے وہ لوگ جنہوں نے سچ بولا

وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اور جان لیتا تو جھوٹوں کو نہیں اجازت لیتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ

اللہ پر اور روزِ آخر پر کہ (نہ) جہاد کریں ساتھ اپنے مالوں کے اور

اَنْفُسِهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ

اپنی جانوں کے اور اللہ خوب جاننے والا متقیوں کو سوائے اسکے نہیں کہ اجازت لیتے ہیں (جہاد نہ

ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ یقیناً جھوٹے ہیں گویا جہاد کے لئے نکلنا اپنی جانوں کو ہلاک کرنا نہیں۔ کیونکہ مجاہد شہید ہو یا غازی وہ زندہ ہے ہاں جھوٹ بول کر پیچھے رہ جانا اپنی جانوں کو ہلاک کرنا ہے۔ کیونکہ ان کے لئے جہنم کی آگ مقدر ہے۔

۴۳۔ **عفا اللّٰہ عنک** بعض دفعہ پیار اور محبت کے طور پر آتا ہے۔ (روح المعانی) کہ اللہ تمہیں معاف کرے۔

اس رکوع میں منافقین کی عادات خبیثہ کھول کر بتائیں کہ یہ تمہارے لئے ہمیشہ بُرا ہی چاہتے ہیں۔ اگر تمہارے ساتھ چلے بھی جاتے تو سوائے فتنہ و فساد اور بزدلی پیدا کرنے کے تمہیں ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ فرمایا آپ ﷺ نے اچھا نہیں کیا جو اپنی فطری نرمی اور رحم دلی کی وجہ سے ان کے جھوٹے عذر قبول کر کے انہیں گھر بیٹھے رہنے کی اجازت دے دی۔ گویا اگر آپ ﷺ ان کے جانے پر اصرار کرتے اور وہ حکم عدولی کر کے پیچھے رہ جاتے تو سچے اور جھوٹے کی پہچان ہو جاتی۔ اگر اللہ چاہتا تو منافقین کے متعلق آپ ﷺ کو علم دے دیتا لیکن الٰہی منشاء یہی تھا کہ مسلمانوں میں شامل رہیں۔ ان کے جھوٹ کو جاننے کے باوجود آپ ﷺ صرف نظر فرماتے رہے اور انہی میں سے لوگ توبہ کر کے مسلمانوں میں شامل ہوتے رہے۔

۴۴۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والے مومنین جو ایمان کے اعلیٰ مقام پر ہیں ان کی پہچان بتائی کہ وہ تجھ سے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے سے رخصت نہیں مانگتے بلکہ نہایت خوشدلی سے اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں اور اللہ ایسے متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

۴۵۔ پس پیچھے رہنے کی اجازت مانگنے والے منافقین ہی ہیں جنہیں اللہ پر بھروسہ ہے نہ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

کرنے کی تجھ سے وہ لوگ جو نہیں لاتے ایمان اللہ پر اور روز آخر پر اور

ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾

شک کیا ان کے دلوں نے پس وہ اپنے شک میں متردد ہیں

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

اور اگر وہ ارادہ کرتے نکلنے کا تو تیاری کرتے اس کے لیے خوب تیاری ولیکن

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا

ناپسند کیا اللہ نے جانا ان کا پس اپنی جگہ پر قائم کر دیا انہیں اور کہا گیا بیٹھ جاؤ

مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ

ساتھ بیٹھنے والوں کے اگر وہ نکلتے تم میں نہ بڑھاتے تم کو

اِلَّا خَبَالًا وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ

مگر ہلاکت میں اور البتہ گھوڑے دوڑاتے درمیان تمہارے وہ چاہتے ہیں تم میں

الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

فساد اور تم میں سننے والے ہیں ان کے لیے اور اللہ خوب جاننے والا ہے

یوم آخرت پر۔ ایمان کی کمزوری اور توکل کی کمی کی وجہ سے ان کے دلوں میں شبہات پیدا ہو چکے ہیں۔ ایمان کے بارے میں بھی اور اس بارے میں بھی کہ مومنین کو فتح نصیب ہو گی یا نہیں۔ پس وہ اپنے شبہات کی وجہ سے متردد ہیں اور شک کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔

۴۶۔**ثبط**۔ شبط۔ روک دینا۔ ہلنے جلنے نہ دینا۔

چونکہ منافقین کی نیت خراب تھی ان کا جہاد پر جانے کا ارادہ ہی نہیں تھا اس لئے انہوں نے جہاد کے لئے کوئی تیاری بھی نہیں کی۔ ہاں تیاری پوری ہوتی پھر کوئی روک پیدا ہو جاتی تو قابل معافی تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے سامان کر دئے کہ ان کا جانا ممکن نہ ہوسکا۔ یہ قانون قدرت ہے کہ انسان جس قسم کی کوشش کرتا ہے عام طور پر اسی طرح کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ کسی کو پکڑ کر کام نہیں کرواتا نہ کسی کو زبردستی روکتا ہے۔

۴۷۔**خبالاً**۔**خبل**۔ خرابی۔ فساد۔**اوضعوا**۔ وضع۔ رکھنا۔ جانور کے تیز چلنے پر بھی بولا جاتا ہے۔**اوضعوا**۔ انہوں نے گھوڑے دوڑائے۔**خلٰل** خلل کی جمع ہے۔ دو چیزوں کے درمیان خالی جگہ۔ **سمّٰعون لهم** ان کی خاطر سننے والے۔ ان تک پہنچانے کے لئے باتیں سنتے ہیں۔ جاسوسی کرتے ہیں۔

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ

ظالموں کو یقیناً یقیناً چاہا تھا انہوں نے فساد پہلے سے اور

قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ

اُلٹاتے تھے تیرے لیے معاملات یہاں تک کہ آگیا حق اور غالب آیا حکم

اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ

اللہ کا اور وہ ناپسند کرنیوالے ہیں اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دے

لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

مجھے اور نہ فتنہ میں ڈال مجھے آگاہ ہو جاؤ فتنہ میں تو وہ (خود) گر گئے ہیں اور یقیناً جہنم

لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ

البتہ گھیرنے والی ہے کافروں کو اگر پہنچے تجھ کو سکھ برا لگتا ہے ان کو

ان لوگوں کا خاص طور پر مہمات کے دوران تمہارے ساتھ رہنا خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ بہتر ہوا کہ جھوٹے عذر بنا کر پیچھے رہ گئے۔ ورنہ ان کے نکلنے کا مقصد تم میں بدنظمی پیدا کرنا ہی ہوتا۔ یا تمہارے درمیان فتنہ وفساد برپا کرنے کے لئے گھوڑے دوڑاتے پھرتے۔ تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں جو تمہاری باتیں ان تک پہنچانے کے لئے سنتے ہیں اور اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

۴۸۔**قلبوا لک الامور**۔ بہت سی باتوں کو تیرے لئے الٹ پلٹ کرتے رہے ہیں۔ (راغب) مراد تدبیریں، منصوبہ بندیاں اور سازشیں وغیرہ کرنا۔

یہ فتنے جنگ تبوک کے موقع سے خاص نہیں۔ انہوں نے پہلے بھی کئی مواقع پر فتنہ وفساد پیدا کرنے کی کوششیں کی تھیں اور تیرے سامنے معاملات کو الٹ پلٹ کر کے پیش کرتے رہے یعنی آپ ﷺ کے خلاف منصوبہ بندیاں اور سازشیں وغیرہ کرتے رہتے لیکن آپ ﷺ کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیتے۔ یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو گیا اور وہ اسے سخت ناپسند کرتے تھے۔

۴۹۔منافقین نہایت نامعقول عذر پیش کر کے پیچھے رہنے کی اجازت مانگتے تھے۔ جیسے ایک شخص نے عذر پیش کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں جذباتی آدمی ہوں اور شامی عورتیں خوبصورت ہوتی ہیں۔ مجھے فتنہ میں پڑنے کا احتمال ہے پس مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے۔ فرمایا فتنوں میں تو وہ پڑ ہی چکے ہیں یعنی رسول سے منافقت، جھوٹ اور دھوکے سے بڑھ کر کونسا فتنہ ہے۔ پس وہ ایسی جہنم میں گھر چکے ہیں جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ یہ جہنم دنیوی بھی تھی جو ان کے شامل حال رہی اور وہ ہمیشہ

وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا

اور اگر پہنچے تجھ کو مصیبت کہتے ہیں یقیناً سنبھال لیا تھا ہم نے اپنا معاملہ

مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ

پہلے سے اور پھر جاتے ہیں وہ اور وہ خوش ہوتے ہیں توکہدے ہرگز نہیں پہنچے گا ہمیں

اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

مگر جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لیے وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ ہی پر چاہیئے پس توکل کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى

مومن توکہدے نہیں تم انتظار کرتے ہمارے متعلق مگر ایک کا

الْحُسْنَيَيْنِ ۚ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ

دو اچھی باتوں میں سے اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق یہ کہ پہنچائے گا تم کو

ذلیل و خوار ہوئے اور اخروی تو بہر حال مقدر ہے۔منافقین کو شروع میں مومنین کہا آیت۔۳۸۔ یہاں بتایا کہ ان کی بداعمالیوں کا آخری نتیجہ کفر کی صورت ظاہر ہوا۔

۵۰۔ان کی ایک اور پہچان بتائی کہ بظاہر مسلمان بنتے ہیں اور مسلمانوں میں شامل ہیں لیکن اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچے یعنی کسی کامیابی سے ہمکنار ہو تو انہیں برا لگتا ہے۔ہاں اگر کوئی مصیبت پہنچے تو بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا انتظام کر رکھا تھا یعنی شریک ہی نہیں ہوئے۔سچ تو یہ ہے کہ سچا مومن اپنے بھائی کے دکھ پر خوش نہیں ہوتا۔

۵۱۔اے محمدؐ! تو ان کو کہہ دے کہ اگر اللہ نے ہمارے مقدر میں کوئی آزمائش لکھ رکھی ہے تو اس میں بھی ہماری بہتری ہی مقصود ہو گی اس لئے کہ ہمارا مولا و کارساز اللہ ہے اور اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔بس ان ابتلاؤں سے ہم اپنے مولا سے تعلق نہیں توڑتے بلکہ پہلے سے زیادہ اس کی طرف جھکتے ہیں اور ہر مصیبت کو قبول کرنے کے لئے بھی اسی پر توکل کرتے ہیں۔

۵۲۔منافق مسلمانوں کے لئے دو ہی باتیں سوچ سکتے تھے یعنی شکست کھا کر مارے جائیں گے یا فاتح ہوں گے۔بتایا کہ ہمارے لئے تو دونوں صورتوں میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔شہید ہوئے تو مقرب بارگاہِ الٰہی ہوں گے۔فتح سے ہمکنار ہوئے تو اللہ کی بے حد و حساب نعمتیں ہیں۔البتہ تمہارے لئے دونوں صورتیں ہی وبال جان ہیں۔ہمارے شہید ہونے کی صورت میں بھی تم سزا سے نہیں بچ سکتے۔خدا خود تمہیں عذاب دے گا جو دنیا میں بھی مقدر ہو گا اور آخرت میں بھی۔اگر فتح و کامرانی سے واپس آئے تو ہم تمہاری منافقت کا حساب ضرور لیں گے اور ہمارے ہاتھوں سے سزا پاؤ گے۔یہ سزا

اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا

اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے پس انتظار کرو

اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ

یقیناً ہم ساتھ تمہارے انتظار کرنے والے ہیں توکہدے خرچ کرو دل سے یا

كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۗ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

بے دل سے ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا تم سے یقیناً تم ہو قوم

فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ

فاسق اور نہیں محروم کیا انہیں کہ قبول کئے جائیں انکی طرف سے ان کے صدقے مگر

اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ

اس بات نے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا اور نہیں آتے وہ نماز میں

اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

مگر ایسی حالت میں کہ وہ سست ہوتے ہیں اور نہیں خرچ کرتے مگر ایسے حال میں کہ وہ ناپسند کرتے ہیں

بعض کو مقاطعہ وغیرہ کی صورت ملی۔ کسی منافق کو کوئی بدنی سزا نہیں ملی۔ان میں سے بہت سے توبہ کر کے مومنین میں شامل ہوئے۔

۵۳۔منافق اپنی بدعہدی اور منافقت کی وجہ سے جانی قربانی سے تو گریز کر ہی رہے تھے لیکن مسلمانوں سے بالکل کٹنا بھی نہیں چاہتے تھے۔اس لئے مالی قربانی کی تحریک میں کسی حد تک حصہ لے رہے تھے۔فرمایا یہ مالی قربانی خواہ خوشی سے کرو یا ناخوشی سے ، اللہ کے ہاں ہرگز مقبول نہیں۔ اس لئے کہ دلوں میں نفاق ہے۔یقیناً تم ایک بدکردار قوم ہو۔

۵۴۔ان کے راہِ خدا میں خرچ کئے ہوئے اموال خدا کے ہاں مقبولیت کا درجہ نہیں پاتے۔ کیونکہ وہ خدا اور رسولؐ کے منکر ہیں حالانکہ بظاہر وہ اسلام کے دعویدار تھے۔دراصل انسان کے اعمال اس کی ایمانی حالت کے غماز ہوتے ہیں۔انہیں منکر اس لئے کہا کہ نماز جو خدا کی رضا اور اس کے قرب کا ذریعہ ہے اس کی ادائیگی میں سستی دکھاتے ہیں یعنی نماز پڑھنے اس حال میں آتے ہیں کہ سستی طاری ہوتی ہے۔حالانکہ خدائی تعزیرات میں سب سے بڑا جرم سستی اور کاہلی ہے جو افراد اور خاندانوں سے شروع ہو کر قوموں کے زوال پر منتج ہوتی ہے۔ان کے اموال جو بندگان خدا کی بہبود کے لئے حکم رسولؐ پر نہایت بشاشت سے پیش کرنے چاہیئے تھے، بددلی سے ادا کرتے ہیں۔آجکل اسلام کے دعویدار جو نمازوں میں سست ہیں اور راہ خدا میں بشاشت سے خرچ نہیں کرتے اس آیت کی رو سے وہ

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ

پس نہ تعجب میں ڈالیں تجھے مال ان کے اور نہ اولاد ان کی سوائے اسکے نہیں کہ چاہتا ہے

اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

اللہ کہ عذاب دے ان کو ان اموال کے ذریعہ زندگی ورلی میں اور نکل جائیں

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

ان کی جانیں ایسے حال میں کہ وہ کافر ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی

اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ

یقیناً وہ ضرور تم میں سے ہیں اور نہیں وہ تم میں سے و لیکن یہ لوگ

يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا

ڈرتے ہیں اگر پائیں کوئی پناہ کی جگہ یا کچھ غار یا کوئی داخل ہونے کی

منافق نہیں بلکہ کافر ہیں۔ پس وہ مسلمان جو تارک نماز ہیں اور راہ خدا میں سرے سے خرچ ہی نہیں کرتے وہ غور کریں کہ وہ کس زمرے میں ہیں۔ منافقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے۔ ان سے مالی قربانی قبول کرنے کی اجازت نہیں لیکن وہ مساجد میں آتے آنحضرت ﷺ کی امامت میں نمازیں ادا کرتے، ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ اس دور کے بعض جاہل اور متعصب مُلا قرآنی احکام کے برعکس مسلمانوں کے ایک کلمہ گو فرقے کو کافر قرار دیتے ہیں اور انہیں اسلامی عبادات سے جبراً روکتے ہیں۔

۵۵۔ منافق مالی لحاظ سے مسلمانوں سے زیادہ مستحکم تھے۔ اس کے باوجود اپنے مال اور اولاد کو جہاد کے لئے پیش نہیں کرتے تھے اور بزعم خود فائدہ میں رہتے تھے۔ ان کے لئے فرمایا کہ جس مال اور اولاد کی محبت انہیں قربانیوں سے مانع تھی وہی مال اور اولاد دنیا میں ان کی سزا کا موجب ہوں گے۔ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوگی اور حالت کفر میں ہی مریں گے۔ یہ معنی بھی ہیں کہ اولاد مسلمان ہو کر اپنی جان و مال راہ خدا میں خرچ کرے گی جس سے انہیں سخت تکلیف پہنچے گی۔ یہ معنی بھی ہیں کہ اولاد غلط کاموں میں پڑ کر اپنی جانوں کو بھی ہلاک کرے گی اور ان کے مال و دولت کو بھی تباہ کر دے گی جو ان کے لئے شدید دکھ کا باعث ہوگا۔

۵۶۔ **تفرقون** ۔ فرق ۔ الگ ہونا۔ ڈرنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ **یفرقون** ۔ وہ جدائی ڈالتے ہیں وہ ڈرتے ہیں۔ منافقین کا جھوٹی قسمیں کھا کر یہ باور کروانا کہ ہم مسلمان ہیں محض ان کی بزدلی اور ڈر کی وجہ سے ہے ورنہ وہ حقیقت میں مسلمان نہیں۔

۵۷۔ **ملجاً** ۔ **لجأ** ۔ پناہ لینا۔ ٹیک لگانا۔ اسی سے التجا ہے۔ **ملجاً** ۔ پناہ گاہ۔ **مغرٰت**۔

لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ

جگہ تو ضرور پھر جائیں طرف اس کی اور وہ دوڑتے ہیں اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ الزام لگاتے ہیں

فِى الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ

تجھ پر صدقات کے بارے میں پس اگر دیا جائے ان کو ان سے وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا

دیا جائے ان کو ان سے اچانک وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور کاش وہ راضی ہو جاتے اس پر

مغارةٌ کی جمع ۔ غاریں۔ **یجمحون** ۔ **جمح** ۔ اس کا اصل استعمال گھوڑے پر ہے جب وہ بے قابو ہو کر بھاگے۔ ان کی بزدلی کی حد یہ ہے کہ جہاد کے مقابلہ میں انہیں کہیں بھی چھپنے کی جگہ مل جائے تو وہاں روپوش ہو جائیں گے۔

۵۸۔ **یلمز** ۔ **لمز** ۔ پیٹھ پیچھے بات کرنا۔ عیب شماری کرنا۔ طعنہ دینا۔ الزام لگانا۔ **لُمزہ**۔ کثرت سے عیب شماری کرنا۔ **ویل لکل همزة لمزة** (۱۰۴-۲) **یسخطون** ۔ **سخط** ۔ اس شدید غصہ کو کہتے ہیں جو سزا کا مقتضی ہو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد سزا کا نازل ہونا ہے۔ **کمن بآء بسخط من الله** (۳-۱۶۳) **الصّدقٰت** ۔ صدقہ کو صدقہ اس لئے کہا گیا گویا اس کا دینے والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں۔ اس میں کوئی دنیوی غرض نہیں۔ صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر رہا ہوں (امام راغبؒ) پس صدقات اس کے گناہوں کی معافی اور روحانی ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ یہاں الصدقات سے مراد زکوٰۃ کا روپیہ ہے اور اس کے مصارف بیان فرماتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۱۔ ستمبر ۱۹۰۹ء) جبکہ اس سے پہلے کی آیات میں یہ لفظ عام استعمال ہوا ہے۔ فرض صدقہ یعنی زکوٰۃ کے لئے بھی اور نفل صدقات کے لئے بھی۔ بعض منافق اخلاقی لحاظ سے اس قدر گر چکے تھے کہ خود تو ہمیشہ جانی و مالی قربانی سے گریز کرتے اور بے حیائی سے اتنی گستاخی کرتے کہ نبی پاک ﷺ کی ذات بابرکات پر زکوٰۃ کی تقسیم میں الزام لگاتے کہ آپ ﷺ نے نعوذ باللہ دیانتداری سے تقسیم نہیں کی۔ اگر انہیں ان کی خواہش کے مطابق مل جاتا تو خوش ہو جاتے۔ اگر نہ ملتا تو سخت ناراض ہوتے۔ یہ تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر تھی جس کو جتنا حقدار اور حاجت مند سمجھتے اس کے مطابق اسے عطا فرماتے۔ احادیث میں ایسے کئی واقعات درج ہیں ان الزام لگانے والوں کو غور کرنا چاہیئے تھا کہ یہ زکوٰۃ و صدقات آل محمد ﷺ یعنی بنو ہاشم پر حرام تھے۔

مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

جو دیا ان کو اللہ نے اور رسول نے اس کے اور وہ کہتے ہیں کافی ہے ہمیں اللہ

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ

ضرور دے گا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول یقیناً ہم طرف اللہ کی

رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ ع ۷ ۱۳

رغبت کرنیوالے ہیں سوائے اسکے نہیں کہ صدقات فقیروں کے لئے اور مسکینوں کے لئے

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

اور ان کیلئے جو کام کرنیوالے ہیں اس (زکوۃ) کا اور (ان لوگوں کیلئے) کہ الفت دلائی جاتی ہے (اسلام کی) دلوں کو انکے اور گردنوں

وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ

(کے چھڑانے) میں اور مقروضوں کیلئے اور راہ میں اللہ کی اور مسافر کے لیے

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمُ

(یہ) مقرر شدہ ہے طرف سے اللہ کی اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے اور ان (منافقین)

۵۹۔ مومنین کی شان تو یہ ہے کہ انہوں نے حصول مال کو اپنا مقصودِ حیات کبھی نہیں بنایا۔ انہیں جو مل جائے اسی پر راضی ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔ پس ان کا مقصودِ حیات اللہ کی رضا اور قربِ الٰہی ہے۔ بفضل خدا انہیں دنیا بھی ملتی ہے لیکن ان کی رغبت صرف خدا کی طرف ہوتی ہے نہ کہ مال و منال کی طرف۔ کاش منافقین بھی الزام تراشیوں کی بجائے مومنین کا یہ رویہ اپناتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔

۶۰۔ اس رکوع میں زکوۃ کے مصارف کا بیان ہے۔ نیز منافقین کی ایذا رسانیوں اور ان کے مجرمین کے لئے سزا کا ذکر ہے۔ صدقات کا لفظ قرآن کریم میں عام طور پر فرض صدقہ یعنی زکوۃ کے لئے استعمال ہوا۔ البتہ احادیث میں صدقہ کا لفظ ہر نیک کام کے لئے استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کہ بدن میں جتنے جوڑ ہیں ان میں سے ہر ایک پر روزانہ صدقہ واجب ہے۔ پس دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا یہ بھی صدقہ ہے اور مدد دینی آدمی کو سوار ہونے میں یا اس کا سامان بار کرنے میں، یہ بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے اور برائے نماز مسجد جانے میں جو قدم اٹھتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور راستہ سے کسی موذی چیز کا دور کرنا بھی صدقہ ہے۔ (متفق علیہ) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر نیکی صدقہ ہے اور یہ امر بھی نیکی میں داخل ہے کہ تو اپنے چہرے کو خوش وخرم بنا کر اپنے بھائی سے ملاقات کرے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں بھر دے۔ (احمد۔ ترمذی) حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کچھ

لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے عرض کی کہ دولت مند لوگ سارا ثواب لے گئے۔ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم رکھتے ہیں اور پھر اپنے زائد اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو مال نہیں دیا جو تم بطور صدقہ خرچ کرو؟ یاد رکھو ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے اور الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے بلکہ وظیفہ زوجیت ادا کرنا صدقہ ہے۔ لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا اپنی خواہش پوری کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! کیا تم دیکھتے نہیں کہ اگر کوئی حرام کاری کا مرتکب ہو تو اس کو گناہ ہوگا تو اسی طرح اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حلال اور جائز راہ اختیار کرے تو اس کو ثواب بھی ملے گا۔ (مسلم کتاب الزکوۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف)

زکوۃ ابتدائے اسلام سے رائج تھی جیسا کہ سورۃ مزمل میں بیان ہے جو کہ ابتدائی سورۃ ہے لیکن باقاعدہ ایک محکمانہ نظام کی صورت میں فتح مکہ کے بعد عمل میں آئی اور قومی مصارف میں خرچ ہونے کے لئے بیت المال قائم ہوا۔ اسلام میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اتنی ہی رقم نصاب میں شامل ہے۔ بشرطیکہ ایک سال تک پاس رہے۔ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات سے زائد بقدر نصاب مال ہو اور اس پر قرض نہ ہو تو وہ صاحب نصاب ہے۔ اس پر زکوۃ فرض ہے۔ ضروریات میں مکان اور مکان کے اندر کی ضروریات کی تمام چیزیں شامل ہیں اگر کسی شخص کے پاس اس کی ضروریات کے علاوہ بقدر نصاب مال نہ ہو اسے زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ لیکن اس حدیث کی رو سے اسے اجتناب کرنا چاہئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! کہ جو شخص صاحب نصاب نہیں مگر صحتمند اور کمانے کے قابل ہے اور ایک دن کا گزارہ اس کے پاس ہے۔ اسے زکوۃ دینا جائز ہے۔ لیکن اس شخص کو یہ جائز نہیں کہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے۔ سوال کرنا ایسے شخص کے لئے حرام ہے اور جو کچھ وہ سوال کر کے حاصل کرے گا اس کے لئے جہنم کا انگارہ ہو گا۔ (ابو داؤد) حضرت ابوہریرہؓ ایک لمبی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جو شخص اپنی حاجت غیروں کے پاس نہیں لے جاتا اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتا ہے۔ جو سوال سے بچتا ہے، اللہ اسے بچاتا ہے۔ جو خود کو روکتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الزکوۃ باب لا صدقۃ الا ان ظہر غنی) آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا! کہ زکوۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر انہیں کے فقراء کو لوٹا دو۔ گویا یہ فقراء کی ملک ہو گی۔ زکوۃ جو اسلام کا تیسرا رکن ہے اس کے مصارف تفصیلاً اس آیت میں بیان فرمائے۔ انما

کے لفظ سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے یہی مصارف ہیں اس کے علاوہ نہیں۔ (امام راغب)

I۔ فرمایا زکوٰۃ فقراء کے لئے ہے اس میں ہر قسم کے محتاج، معذور، کمزور، ضعیف، بیمار اور مصیبت زدہ شامل ہیں جو خود کمانے کے قابل نہ ہوں۔

II۔ان کے بعد مساکین ہیں۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! مسکین وہ ہے جو اپنی حاجت کے مطابق مال نہیں پاتا اور نہ وہ پہچانا جاتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔نہ وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔گویا نہایت مجبور، سفید پوش شریف آدمی ہے۔مساکین میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو کام تو کر سکتے ہیں لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے یا اوزار وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہوں۔وہ زکوٰۃ کے اہل ہوں گے۔

III۔**عاملین علیھا** میں اس شعبہ کے کارکن اور عملہ وغیرہ شامل ہے جو زکوٰۃ یا چندہ جات کی وصولی اور حساب کتاب وغیرہ رکھنے پر مامور ہوں اور جنہیں بطور معاوضہ یا تنخواہ زکوٰۃ یا چندہ جات میں سے دیا جائے۔

IV۔**والمؤلفة قلوبھم**۔جن کی تالیف قلب یعنی دلجوئی کرنا مطلوب ہو۔یا لوگوں کے دلوں کو اسلام کی رغبت دلانے کے لئے یعنی اسلام لانے سے پہلے یا بعد حسن سلوک کے طور پر ان کی بعض پیش آمدہ مشکلات کی بناء پر ان کی مالی معاونت کرنا۔گویا نئے آنے والے کچھ زیادہ احسان کے مستحق ہیں۔

V۔**فی الرقاب**۔صاحبِ کشاف کے نزدیک لفظ ''فی'' میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو گویا ان کے اندر رکھ دینا چاہئے یعنی غلام آزاد کرنا ہے۔گویا ان کی مکاتبت وغیرہ کی رقم ادا کر کے ان کو آزادی دلوانا یا جنگی قیدیوں کو رہائی دلانا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ وفی الرقاب کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''غلام اور ایسے قیدی جو بذریعہ روپیہ خلاصی ہوسکیں'' (حقائق قرآن جلد دوم صفحہ ۲۹۵) اس زمانہ میں غلام چھڑانے کا ثواب مقروض کا قرضہ ادا کر کے ہو سکتا ہے کہ اس کی گردن قرضہ سے چھڑائی جائے۔

VI۔**الغٰرمین**۔غرم۔تاوان۔چٹی۔جرمانہ۔مراد قرضداروں کا قرضہ ادا کرنے کے لئے خرچ کرنا ہے۔اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کسی جرمانہ یا چٹی میں پھنس گئے ہوں ان پر بھی خرچ کرنا مراد ہے۔

VII۔**فی سبیل اللّٰہ** کے معنی نہایت وسیع ہیں۔جہاد اور اس کے تقاضوں پر خرچ کرنا۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ

میں سے وہ لوگ ہیں جو ایذاء دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں وہ کان ہے تو کہدے

اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

کان ہے بہتری کا تمہارے لیے (وہ) ایمان لاتا ہے اللہ پر اور مانتا ہے مومنوں کی

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے تم میں سے اور وہ لوگ جو ایذاء دیتے ہیں

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

رسول کو اللہ کے ان کے لیے عذاب ہے دردناک وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کی

تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام کے لئے خرچ کرنا جس میں مبلغین کی تنخواہیں، کتابوں کی تصنیف و تالیف اور اشاعت کا خرچہ وغیرہ سب شامل ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں ''میرے نزدیک قرآن وحدیث کی ترویج میں لگانا فی سبیل اللہ ہی ہے'' (حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ ۲۹۵)

VIII۔**ابن السبیل** میں مسافروں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے غرباء کے علاوہ بعض اوقات ایک متمول شخص بھی سفر میں کسی ناگہانی مصیبت یا کسی حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے یا جیب ہی کٹ جاتی ہے۔اس صورت میں مسافر کے علاوہ مساکین میں بھی شامل ہو جائے گا اور زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنی درست ہے۔زکوٰۃ اگرچہ امراء پر حرام ہے لیکن زکوٰۃ کی چیز غرباء سے خریدنی جائز ہے اس طرح زکوٰۃ کی چیز اُمراء کو بطور تحفہ دینا جائز ہے۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ بریرہ (لونڈی) نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالن پیش کیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ صدقہ ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا! کہ ہاں بریرہ کے لئے صدقہ تھا ہمارے لئے تحفہ ہے۔پس زکوٰۃ کے مصارف علیم وحکیم خدا کی طرف سے مقرر شدہ ہیں اور علم وحکمت پر مبنی ہیں۔

٦١۔قرآن کریم میں النبی یا الرسول صرف آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے لئے ہی استعمال ہوا ہے یعنی نبی کامل یا رسول کامل۔کیونکہ عربی میں اسم سے پہلے **ال** آجائے تو کامل کے معنی دیتا ہے (امام راغب) مومن نبی کامل ﷺ کو منافقین کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہتے اور آپ ﷺ ضرورت کے مطابق ان سے باز پرس بھی کرتے جو انہیں شاق گزرتا اور وہ چڑ کر آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے کہ آپ ﷺ تو کانوں کے کچے ہیں ہر ایرے غیرے کی بات کا یقین کر لیتے ہیں۔حالانکہ آپ ﷺ ہر بات کی تحقیق فرماتے تھے۔دوسری وجہ آپ ﷺ کو کان کہنے کی

لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ

تمہارے لیے تاکہ راضی کریں تمہیں اور اللہ اور رسول اس کا زیادہ حقدار ہیں کہ وہ راضی کریں انہیں

إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ

اگر ہیں وہ مومن کیا نہیں جانا انہوں نے کہ بات یہ ہے کہ جو

يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

مخالفت کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی تو یقیناً اس کیلئے آگ ہے جہنم کی رہ پڑنے والا ہے

فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ

اس میں یہ ذلت ہے بڑی ڈرتے ہیں منافق

یہ تھی کہ آپ ﷺ اپنی کریم النفسی کی وجہ سے منافقین کے عذر لنگ قبول فرما لیتے حالانکہ جانتے تھے کہ محض بہانہ سازیاں کر رہے ہیں وہ گستاخی سے کہتے کہ آپ ﷺ کو یقین دلانا کونسا مشکل ہے آپ ﷺ کا کام تو محض سننا ہی ہے جو سنیں گے مان لیں گے۔ فرمایا وہ ہر ایک کی بات سنتا ضرور ہے لیکن اس بات کو تسلیم کرتا ہے جس میں کسی پہلو سے تمہاری بھلائی منظور ہو۔ باقی رہا یقین کا معاملہ تو وہ یقین اس پر رکھتا ہے جو اسے خدا کی طرف سے بتایا جاتا ہے۔ وہ مومنین پر اعتماد رکھتا ہے اور ان کی باتوں کو سچا سمجھتا ہے اور تم میں سے جو ایمان لائے ان کے لئے سراسر رحمت ہے۔ ہاں جو منافقین رسول خدا کی شان میں گستاخیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور رحمۃ للعالمین خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔ یہ عذاب اللہ کی طرف سے انہیں ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی گستاخیوں کی انہیں سزا نہیں دی۔

۶۲۔ **یرضوکم** میں جمع کا صیغہ ہے یعنی تمہارے سامنے قسمیں کھا کھا کر معذرت پیش کرتے ہیں اور اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے ہیں۔ تاکہ تمہیں راضی کریں۔ حالانکہ اگر وہ سچے مومن ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرتے جو زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں راضی کیا جاتا۔ مگر افسوس انہیں اللہ اور رسولؐ کا ڈر ہے نہ لحاظ۔ **یرضوہُ** میں واحد کا ضمیر ہے جو دلالت کرتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی ایک ہی رضا ہے۔ اگر اس ضمیر کو رسول کی طرف سمجھا جائے جیسا کہ عربی گرامر کا عام قاعدہ ہے تو معنی ہوں گے کہ رسولؐ کی اطاعت ہی میں اللہ کی رضا ہے۔

۶۳۔ **یحاد**۔ حد سے ہے۔ جس کے معنی روک کے ہیں۔ مخالفت اور دشمنی کے معنی دیتا ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا جیسا کہ یہ لوگ کر رہے ہیں۔ خدا اسے جہنم میں ڈالے گا۔ وہ اس میں رہتا چلا جائے گا۔ عذاب کے علاوہ یہ ایک بہت بڑی رسوائی ہے۔

أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ

کہ اتاری جائے ان پر کوئی سورت جو خبر دے انہیں اس (بات) کی جو دلوں میں ہے ان کے

قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَ

تو کہدے ہنسی کرو یقیناً اللہ نکالنے والا ہے اسے جس سے تم ڈرتے ہو اور

لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ

البتہ اگر پوچھے تو ان سے ضرور کہیں گے کہ صرف ہم تھے گپیں ہانکتے اور دل لگی کرتے

قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾

تو کہدے کیا ساتھ اللہ کے اور اسکی آیات کے اور اس کے رسول کے تم ہو ہنسی کرتے

لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ

نہ عذر کرو یقیناً کفر کیا تم نے بعد اپنے ایمان کے اگر

۶۴۔ **منافقین** کو ہمیشہ یہ خدشہ رہتا کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی سورۃ نازل ہو کر ان کے دلوں میں جو منافقت اور بغض بھرا ہے اسے ظاہر نہ کردے اور ان کا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔ فرمایا تم خوب مذاق اڑاؤ، دراصل آپ ﷺ کا سلطنت روم سے جنگ کے لئے نکلنا ان کے لئے وجہ تمسخر تھا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ وہ باتیں ظاہر کر کے رہے گا جن کا تمہیں خوف ہے کہ کہیں ظاہر نہ ہو جائیں۔ یعنی تمہاری منافقت ظاہر ہو کر رہے گی اور پھر ایسا ہی ہوا کہ نام لے کر مسجد سے نکالے گئے۔

۶۵۔ **خوض**۔ پانی یا کیچڑ میں داخل ہونا۔ ایسے امور میں داخل ہونے پر بولا جاتا ہے جو انسان کو ملوث کردے۔ قرآن کریم میں اس کا اکثر استعمال ذم کے موقع پر ہوا ہے۔ مراد فضول باتوں اور کاموں میں لگے رہنا۔ اے رسول ﷺ: اگر آپ ﷺ ان کی گستاخانہ ہنسی مذاق کے متعلق پوچھتے تو یقیناً یہی جواب دیتے کہ ہم تو یونہی گپ شپ اور دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ ان سے پوچھو کہ کیا دل بہلانے کا نشانہ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کو بنا رکھا تھا؟

۶۶۔ فرمایا بہانے سازیاں نہ کرو۔ اللہ تمہاری گستاخیوں کو جانتا ہے۔ تم نے ایمان لانے کے بعد منافقت اختیار کر کے یقیناً کفر کیا ہے۔ اے گروہ منافقین! اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو بھی ایک گروہ کو بوجہ اس کے جرائم کے عذاب دیں گے۔ چنانچہ منافقین میں سے ایک گروہ تائب ہو کر مومنین میں شامل ہو گیا۔ لیکن ایک گروہ اپنی منافقانہ روش پر قائم رہا۔ آخر کار بحکم الٰہی خطبہ جمعہ میں نام لے کر مسجد سے نکالا گیا ان کی زکوٰۃ تک قبول نہیں کی گئی۔ وہ ایسے مجرم تھے جو خدائی عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ اس سے قبل آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ ان کی پردہ پوشی فرمائی اور انہیں کوئی سزا نہیں دی۔

نَعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ
ہم درگذر کریں ایک جماعت سے تم میں سے عذاب دیں گے ہم ایک جماعت کو اس لیے کہ وہ

ع ۷ ۱۴ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ
تھے مجرم منافق مرد اور منافق عورتیں بعض ان کے

مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
بعض میں سے ہیں حکم کرتے ہیں ناپسندیدہ بات کا اور روکتے ہیں

الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ
اچھی بات سے اور بند کرتے ہیں اپنے ہاتھوں کو (خرچ کرنے سے) وہ بھول گئے اللہ کو

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ
پس وہ بھول گیا انہیں یقیناً منافق ہی فاسق ہیں وعدہ کیا

اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ
اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آگ کا جہنم کی

۶۷۔ **بعضهم من بعض**۔ لفظی معنی ہیں کہ ان کے بعض بعض میں سے ہیں۔ محاورۃً اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا باہم گہرا تعلق ہے گویا ایک ہی ہیں۔ اس رکوع میں منافقین کا انجام بتایا جو جہنم اور خدا کی لعنت ہے۔ ان کے مقابلہ میں مومنین کے لئے جنت اور رضوان الٰہی کا وعدہ فرمایا۔ فرمایا منافق مرد ہوں یا منافق عورتیں سب ایک ہی گروہ ہیں۔ گویا منافقین میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ ان پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ وہ ایک دوسرے کا مفاد سوچتے ہیں اور احکام خداوندی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برائی سے منع کرتا ہے اور یہ نہ صرف خود برائی میں ملوث ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کو ایسے امور کی تحریک کرتے ہیں جو اعلیٰ روحانی اقدار کے خلاف ہوں۔ اللہ تعالیٰ اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے جبکہ یہ اچھی باتوں سے روکتے ہیں۔ اللہ نیکی کی راہوں میں خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکتے اور بخل کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ سے رشتہ توڑ دیا تو اللہ نے بھی انہیں بھلا دیا یعنی اپنے انعامات اور برکات وثمرات سے محروم کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے فعل کے مطابق ہی انہیں سزا دیتا یا انعام سے نوازتا ہے۔ یقیناً منافقین ہی نافرمان ہیں۔

۶۸۔ یہاں منافقین اور کفار کو ایک ہی درجہ میں رکھا۔ آیت: ۶۷ میں بیان کردہ منافقین کے تین جرائم کے مقابلہ میں تین سزاؤں کا ذکر کیا۔ برائی کا حکم دینے کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہیں۔ اچھائی سے روکنے کی وجہ سے خدا کی طرف سے لعنت کے مورد ہیں بخل کی وجہ سے ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب مقدر ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ
وہ پڑنے والے ہیں اس میں وہ (جہنم) کافی ہے انہیں اور لعنت کی ان پر اللہ نے

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
اور ان کے لیے عذاب ہے قائم رہنے والا مانند ان لوگوں کی جو پہلے تھے تم سے

كَانُوْا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ
وہ تھے زیادہ سخت تم سے قوت میں اور زیادہ تھے مال اور اولاد میں

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ
پس فائدہ اٹھایا انہوں نے اپنے حصہ سے پس فائدہ اٹھایا تم نے بھی اپنے حصہ میں

كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَ
جیسا کہ فائدہ اٹھایا ان لوگوں نے جو پہلے تھے تم سے اپنے حصہ میں سے اور

خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ
فضول باتوں میں لگ گئے تم جیسا کہ فضول باتوں میں مگن گئے وہ، یہ وہ لوگ ہیں کہ بگڑ گئے عمل ان کے

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾
دنیا اور آخرت میں اور یہ لوگ ہی نقصان پانے والے ہیں

۶۹۔ **الذی** اسم موصول ہے **الذین** کے معنوں میں۔

یہاں بتایا کہ ان منافقین کا حال بعینہٖ ویسا ہی ہے جیسا کہ ان منافقین کا تھا جو گزشتہ انبیاء کے زمانوں میں ہوئے سوائے اس کے کہ وہ تم سے زیادہ طاقتور تھے اور اموال اور اولاد میں بھی بڑھ کر تھے۔ پس جس طرح انہوں نے اپنے حصہ کا فائدہ اٹھایا تم بھی اٹھا چکے ہو اور انہی کی طرح تم بیہودہ باتوں میں منہمک ہو۔ پس جس طرح دنیا و آخرت میں ان کے اعمال ضائع ہوئے اور انہوں نے نقصان اٹھایا تم بھی اٹھاؤ گے۔ یہاں خطاب منافقین کے علاوہ مومنین سے بھی ہے۔ جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی وہی طریقے اختیار کروگے جو تم سے پہلی امتیں اختیار کر چکی ہیں۔ ہاتھ در ہاتھ اور بالشت در بالشت یعنی ہو بہو ان کی نقل کرو گے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کی بل میں جا گھسا تو تم بھی گھسو گے۔ ہم نے عرض کی! حضور آپ ﷺ کی مراد یہود ونصاریٰ سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اور کس سے۔ (بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم) حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسر قرآن نے بھی تصدیق فرمائی کہ یہ بنی اسرائیل ہیں ہمیں ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (قرطبی) اس سے صاف ظاہر ہے کہ آخری زمانہ میں مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کے طریق پر چلنے لگیں

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ
کیا نہیں آئی ان کے پاس خبر ان لوگوں کی جو پہلے تھے ان سے (یعنی) قوم نوح

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ
اور عاد اور ثمود کی اور قوم ابراہیم اور مدین والوں کی

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا
اور اُلٹنے والیوں (یعنی لوط کی بستیوں) کی آتے تھے انکے پاس رسول ان کے ساتھ دلائل کے پس نہیں

كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
تھا اللہ کہ ظلم کرے ان پر لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر

يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ
ظلم کرتے اور مومن مرد اور مومن عورتیں بعض ان کے

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
دوست ہیں بعض کے حکم کرتے ہیں مناسب بات کا اور روکتے ہیں

گے۔ان کے دلوں میں کفر و نفاق پایا جائے گا۔ اس سے بچنے کی ہدایت اگلی آیت میں بیان فرمائی۔

۷۰۔**المؤتفکت** ۔ الٹائی ہوئیں۔ تہ و بالا کی گئیں۔ مراد قوم لوط کی بستیاں۔

انبیائے گزشتہ کی قومیں جن کا ذکر آیت ۶۹ میں ہوا یہی تھیں۔ قوم نوح اور عاد و ثمود، قوم ابراہیمؑ اور مدین والے جو حضرت شعیبؑ کی قوم تھی اور حضرت لوط کی قوم جس کی بستیوں کو زلزلہ اور آتش فشانی نے زیر و زبر کر کے رکھ دیا تھا۔ ان سب کے پاس ان کے انبیاء کھلے کھلے دلائل و معجزات لے کر آئے تھے۔ مگر افسوس انہوں نے وہی کیا جو اس وقت آپ ﷺ کی قوم کر رہی ہے۔ انہوں نے انکارِ رسول، رسول اور متبعینِ رسول پر ظلم و ستم کر کے خود عذاب کو دعوت دی اور اپنے نفسوں پر ظلم کیا ورنہ اللہ تعالیٰ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔

۷۱۔آیت: ۶۷ میں گروہ منافقین کے ذکر میں بتایا تھا کہ **بعضهم من بعض** یعنی ان کا باہم گہرا تعلق ہے گویا ایک ہی ہیں اور باوجود دعوئ ایمان کے ہر غلط کام میں ایک دوسرے کی معاونت کرتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں یہاں گروہ مومنین کے لئے فرمایا کہ **بعضهم اولیآء بعض** یعنی وہ ایک دوسرے کے مخلص دوست اور سچے ہمدرد ہیں۔ (قرطبی) ایک دوسرے کو ہمیشہ نیکی کی تلقین کرتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ نماز کو قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کی دل و جان سے اطاعت کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ ضرور رحم

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
ناپسند بات سے اور قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ

وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ
اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور رسول کی اس کے یہ وہ لوگ ہیں کہ ضرور رحم کریگا ان پر

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
اللہ یقیناً اللہ عزت والا حکمت والا ہے وعدہ کیا ہے اللہ نے مومن مردوں

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
اور مومن عورتوں سے باغات کا کہ چلتی ہیں نیچے سے جن کے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ
رہنے والے ہیں اس میں اور اچھے گھروں کا ہمیشہ کے باغات میں

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع ٩ ١٥
اور رضا مندی اللہ کی سب سے بڑی ہے یہ ہی کامیابی ہے بڑی

فرمائے گا اور اپنے انعامات سے نوازے گا۔ جس کی تفصیل اگلی آیت میں بیان فرمائی۔ وہ غالب ہونے کے ساتھ حکیم ہے۔ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ”عزیز تو یہ ہے کہ ہر کام کر دینا اور حکیم یہ کہ ہر ایک کام کسی حکمت سے موقع اور محل کے مناسب اور موزوں کر دینا“ (حقیقت الوحی صفحہ ۱۱۹)

۷۲۔**عدن** ۔ ہمیشہ رہنے والی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! عدن اللہ کا وہ گھر ہے جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی انسان کے دل نے تصور نہیں کیا اس میں صرف تین قسم کے لوگ رہتے ہیں یعنی نبی، صدیق اور شہید۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خوش نصیب ہے وہ جو اس میں داخل ہوا۔ (کشاف، بیضاوی و روح البیان)

کفار و منافقین کے انجام بد کے مقابلہ میں یہاں مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ان خاص نعمتوں کا ذکر کیا جن کا ان سے وعدہ تھا۔ فرمایا وہ باغات و انہار اور باغات عدن کے پاکیزہ مساکن ہیں جن میں ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے اور اس کا ملنا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولمن خاف مقام ربه جنتن** ۔ (۵۵۔۴۷) بیشک مومن کے لئے آخرت میں دو جنتیں ہیں لیکن مومن کی جنت دنیا سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی اس کے لئے دو جنتیں ہیں دنیوی بھی اور اخروی بھی۔ جیسا کہ صحابہ کو **رضی الله عنهم** کا خطاب ملا کہ اللہ ان سے دنیا میں ہی راضی ہوگیا۔ جس سے اللہ راضی ہو

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَ
اے نبی جہاد کر کافروں اور منافقوں سے اور
اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾
سختی کر ان پر اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے اور کیا ہی بُرا ہے ٹھکانا
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ
قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں کہا انہوں نے حالانکہ یقیناً یقیناً کہا انہوں نے کلمہ

جائے اسے اور کیا چاہیئے۔ وہ یقیناً اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۷۳۔اس رکوع میں منافقین کی بداعمالیوں کو مزید اجاگر کیا ان کا انجام بد بتایا اور آپ ﷺ کو ان کے لئے دعا سے روک دیا گیا۔**اغلظ** ۔ **غلظ**۔ رأفت کی ضد ہے۔ اس کا استعمال قوت اور مضبوطی کے لئے ہوتا ہے۔ **ميثاقا غليظا** (النساء: ۲۲) مضبوط عہد۔ **جاهد** ۔ **جهد** ۔ زور لگانا اور کوشش کرنا جیسے جدو جہد۔ **جاهد**۔ جہاد کر۔

منافقین میں سے جو توبہ کر کے مومنین میں شامل ہوتے رہے یہاں ان کا ذکر نہیں بلکہ ان کا ذکر ہے جو آخر تک منافقین میں شامل رہے۔ ان کی تمام تر زیادتیوں کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اپنی فطری نرمی کی وجہ سے ہمیشہ عفو و درگزر سے کام لیا اور ان کی بہانہ سازیوں اور ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ چشم پوشی فرمائی۔لیکن جنگ تبوک کے بعد وہ وقت آ گیا تھا کہ ان کے معاملہ میں سختی برتی جاتی کیونکہ نو سال کی نرمی اور رعایت سے انہوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوئے بلکہ اپنی منافقانہ روش میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ چنانچہ اس آیت میں کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کا حکم دیا۔امام راغب کہتے ہیں جہاد تین قسم کا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں تینوں قسم کے جہاد شامل ہیں۔ا۔ظاہری دشمن سے جہاد۔اا۔شیطان سے جہاد۔ااا۔اپنے نفس سے جہاد۔قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ منافقین سے جہاد بالسیف کبھی نہیں ہوا۔ یہاں مراد جہاد باللسان ہے۔جیسا کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کفار سے جہاد بالسیف کرو اور منافقین سے جہاد باللسان۔گویا قرآن کریم کے ذریعہ دلائل کی جنگ ہے یعنی بحث و مباحثہ اور دلائل و براہان سے ان کو قائل کرنے کی کوشش کریں اور نرمی کی بجائے حسب ضرورت ان پر سختی کر تا کہ دل سے ایمان قبول کریں یا کفر کی طرف لوٹ جائیں۔کیونکہ اسلام میں منافقین کے لئے کوئی جگہ نہیں۔مومنین کے مقابلہ میں ان کا ٹھکانا جہنم بتایا جو بدترین ٹھکانا ہے۔

الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ
کفر کا اور کفر کیا بعد اپنے اسلام کے اور قصد کیا اس بات کا کہ جسے
يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
نہیں پا سکے وہ اور نہیں بُرا منایا انہوں نے سوائے اس کے کہ غنی کیا انہیں اللہ اور اس کے رسول نے
مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ
اپنے فضل سے پس اگر وہ توبہ کریں بہتر ہے ان کے لیے اور اگر
يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ
منہ موڑیں عذاب دے گا انہیں اللہ عذاب دردناک دنیا اور
الْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾
آخرت میں اور نہیں ان کے لیے زمین میں کوئی دوست اور نہ مددگار

۷۴۔**همّوا بمالم ينالوا**۔ قصد کیا ایسے امور کا جو حاصل نہ ہو سکے۔ یہ قصد اسلام کو تباہ کرنے کا تھا جس کے لئے انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن کامیاب نہیں ہوئے اسی وجہ سے ان پر سختی کا حکم دیا۔ **نقموا** ۔ **نقم**۔ کسی چیز کو بُرا سمجھنا۔ناپسند کرنا۔

منافقین عموماً رسول ﷺ کی شان میں نہایت گستاخانہ الفاظ استعمال کرتے اور بیہودہ باتیں کرتے لیکن پوچھنے پر قسمیں کھا کر مکر جاتے۔ جنگ تبوک میں ایسے کئی واقعات ہوئے مثلاً راستہ میں آپ ﷺ کی اونٹنی گم گئی اور آپ ﷺ کے صحابہ اسے ڈھونڈنے لگے تو منافقوں نے خوب ہنسی اڑائی کہ آسمان کی خبریں تو آپ ﷺ کو مل جاتی ہیں مگر اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ کہاں ہے۔آپ ﷺ کو اطلاع پہنچی اور آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی تو جھوٹی قسمیں کھا لیں اور صاف منکر ہو گئے۔ہر منافق قبول اسلام کے بعد کلمہ کفر اور نفاق کی طرف لوٹ جاتا ہے۔لیکن یہاں ایک خاص بات کی طرف اشارہ ہے جو کلمۂ کفر تھا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے کلمہ کفر کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جس نے آنحضرت ﷺ کی شان میں سورۃ المنفقون آیت ۹ والے ایسے الفاظ کہے جو مومنین کے لئے ناقابل برداشت تھے۔لیکن آنحضرت ﷺ کا اس کلمۂ کفر کے باوجود اس کے بیٹے کو اس گستاخِ رسول کے قتل سے روک دینا ثابت کرتا ہے کہ منافق کی سزا قتل نہیں۔غرض ان کے ارادے اسلام اور بانی اسلام کے لئے کبھی نیک نہیں تھے اور انہیں تباہ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ جو منافقین جنگ تبوک کے لئے نہیں گئے اور بہانے بنا کر پیچھے رہ گئے ان کا خیال تھا کہ رومی سلطنت مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے گی۔وہ اس انتظار میں تھے کہ جونہی مسلمانوں کی شکست کی اطلاع ملے

وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ
اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے کہ اگر دے وہ ہمیں اپنے فضل سے
لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّاۤ
البتہ ضرور صدقہ دیں گے ہم اور البتہ ہو جائیں گے ہم نیکوں میں سے پس جب
اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ
دیا اس نے انہیں اپنے فضل سے بخل کیا انہوں نے اس (مال) کا اور پھر گئے اور وہ
مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى
اعراض کرنے والے ہیں پس نتیجہ میں دیا انہیں نفاق ان کے دلوں میں

عبداللہ بن ابی کو تاج پہنا دیا جائے۔ جو منافقین ساتھ گئے انہوں نے بھی راستہ میں آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن ان بد ارادوں میں بری طرح ناکام ہوئے۔ فرمایا ! کیا ان منافقین کو مومنین سے یہی پرخاش ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی وجہ سے یہ دنیا جہان کی نعمتوں کے وارث بن گئے ہیں کیونکہ مدینہ جو ایک معمولی سا گاؤں تھا اب مرجع خلائق بن چکا تھا۔ تجارت کی وسعت اور غنائم کی فراوانی نے ان کو دولتمند اور خوشحال بنا دیا تھا۔ کیا اسی بات سے ناراض ہو کر اسلام کے دشمن بن گئے ہیں۔ اب پانی سر سے گزر چکا ہے اگر شرارتوں سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے۔ اگر باز نہ آئے تو یاد رکھیں ان کے لئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہوگا اور آخرت میں بھی اور روئے زمین پر ان کا کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔ جیسا کہ اگلی آیات میں ہے کہ انہیں دنیا میں ہی سزا مل گئی اور ذلت نصیب ہوئی۔ یہ سزا اللہ کی طرف سے ملی (آیت ۹:۷۷) ورنہ آنحضرت ﷺ نے ارتداد یا منافقت کی وجہ سے کسی کو بدنی سزا دی نہ قتل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ ہوتے ہی منافقین نے بغاوت کی، زکوٰۃ سے انکار کیا اور اسلام میں فتنہ پھیلانے کی کوشش کی چنانچہ اس بغاوت کو سختی سے کچل دیا گیا لیکن یہ بغاوت کی سزا تھی نہ کہ منافقت کی۔

۷۵۔۷۶۔ قرآن کریم کی کوئی آیت اگر کسی خاص واقعہ سے تعلق رکھتی ہے تو بھی وہ ایک عام ہدایت ہے جس کا مصداق عام قرار دیا گیا ہے جو قیامت تک کے لئے ہے۔ ابن جریرؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے ان آیات کی شانِ نزول میں ثعلبہ بن حاطب انصاری کا واقعہ لکھا ہے جو ایک مفلس شخص تھا جس نے آنحضرت ﷺ سے دعا کروائی کہ اللہ تعالیٰ میرے مال میں برکت دے تاکہ میں ہر حقدار کا حق ادا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مال میں غیر معمولی برکت ڈالی لیکن اس نے منافقانہ رویہ اختیار کیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل زکوٰۃ وصول کرنے آئے تو اس نے

يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا
اس دن تک کہ ملیں گے اس (اللہ) سے اس لیے کہ خلاف کیا انہوں اللہ سے جو وعدہ کیا تھا انہوں نے اس سے اور اسلئے
كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۷۷ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
کہ تھے وہ جھوٹ بولتے کیا نہیں جانا انہوں نے کہ اللہ جانتا ہے
سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۷۸
بھید ان کا اور مشورہ ان کا اور یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے غیبوں کا
اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وہ جو کہ الزام دیتے ہیں رغبت کرنے والوں کو مومنوں میں سے

انکار کر دیا۔ جب منافقین کو مسلمانوں سے الگ کر دیا گیا تو یہ شخص زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا لیکن نبی اکرم ﷺ نے قبول نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافتوں میں ہر بار زکوٰۃ دینے کی کوشش کی لیکن کسی نے قبول نہیں فرمائی۔ (تفسیر الدرالمنثور سورۃ التوبہ صفحہ ۳/۲۶۰ اسد الغابۃ صفحہ ۱/۳۳۷)

۷۷۔ **اعقب**۔ وہ پیچھے لایا۔ **اعقبھم نفاقًا**۔ اس نے (اللہ تعالیٰ نے) ان کے (دلوں میں) نفاق ڈال دیا۔ (مفردات)

منافقین کا بیان جاری تھا فرمایا ان کے اعمال کا نتیجہ یہ ہوا کہ [illegible] نے ان کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے نفاق پیدا کر دیا گویا منافقت ان کی سرشت بن گئی۔ کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدے کئے تھے ان کی خلاف ورزی کی نیز اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ پس ان کی ہدایت کی امید کم ہے جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ جھوٹ اور وعدوں کی خلاف ورزی کرتے کرتے انسان کا انجام نفاق سے مبدل ہو جاتا ہے (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۵۸) احادیث میں بھی منافق کی نشانیوں میں سے ہے کہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ تیسرا یہ کہ امین بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے۔ (متفق علیہ۔ بخاری کتاب الایمان بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

۷۸۔ ان کے اسلام اور طاعتِ رسول کے جھوٹے دعوے اللہ سے پوشیدہ نہیں وہ علّام الغیوب ان کے دلوں کے رازوں اور خفیہ مشوروں تک سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ منافقت کر رہے ہیں۔ اگر وہ خود کو مسلمان کہتے ہیں تو کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنے قیافہ کی بنا پر کسی کے اقرار یا اعتراف کے خلاف فیصلہ دے۔

فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ
صدقات میں اور ان لوگوں کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت

فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ؗ وَلَهُمْ
پس وہ ہنسی کرتے ہیں ان سے ہنسی کی سزا دیگا اللہ انہیں اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ
عذاب ہے دردناک بخشش مانگ ان کے لیے یا نہ بخشش مانگ ان کے لیے

۷۹۔ **مطوع۔ طوع**۔ بطیّب خاطر۔ خوشی سے۔ طوعاً۔ **جُهد**۔ کوشش۔ مشقت۔ جدوجہد۔

جنگ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرزور اپیل پر مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر قربانی کی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے سوچا آج میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر مال پیش کروں گا اور میں نے آدھا مال پیش کر دیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا کہ پورا مال لے آئے ہیں تو دل میں شرمندہ ہوئے کہ میں کبھی ابوبکرؓ سے نہیں بڑھ سکتا۔ زیدؓ اپنے والد اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ (ترمذی ابواب المناقب فی مناقب ابی بکرؓ وعمرؓ) حضرت عثمانؓ نے اپنا سارا تجارتی مال حاضر کر دیا جسے لے کر شام کو جانے والے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ چار ہزار درہم لائے اور بتایا کہ نصف اہل و عیال کے لئے چھوڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعا دی۔ عاصم بن عدیؓ سو وسق کھجوریں لائے۔ ایک وسق سوا پانچ من کا ہوتا ہے۔ منافقین جو خود تو راہ خدا میں خرچ کرنے میں سخت بخیل تھے۔ مومنین پر الزام تراشیاں اور طنز کرنے لگے کہ یہ سب ریاکاری اور دکھاوے کے لئے کر رہے ہیں۔ غرباء بھی پیچھے نہیں رہے۔ ابوعقیل انصاریؓ آدھا صاع یعنی قریباً پونے دو سیر چھوارے لائے کہ ساری رات مزدوری کر کے جو کچھ ملا نصف گھر دے آیا ہوں نصف حاضر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی عزت افزائی فرمائی اور قدر کی کہ ان کے چھوہارے سب سے اوپر رکھ دئے۔ دوسرے غریب مسلمانوں نے بھی محنت مشقت سے کما کر جَو، دانے اور جو کچھ بن پڑا لا کر حاضر کر دیا۔ اس پر منافقین نے خوب مذاق اڑایا کہ کیا خدا ان مٹھی بھر دانوں کا محتاج ہے۔ (بخاری حدیث کعب بن مالک) اللہ کا تمسخر کرنا یہ ہے کہ جو اشد مخالف ہیں اللہ کی تقدیر ان کا مذاق اڑائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں جو دنیا میں کسی کو تحقیر کے رنگ میں برا کہتے ہیں وہ مرتے نہیں جب تک اس میں خود مبتلا نہ ہولیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔ (الحکم ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۸، ۹ سے استفادہ کیا گیا)

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ
اگر بخشش مانگے گا تو ان کے لیے ستر دفعہ (بھی) پس ہرگز نہیں بخشے گا اللہ

لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ
انہیں یہ اس لیے ہے کہ کفر کیا انہوں نے اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ ع ۸/۱۰/۱۲
نہیں ہدایت دیتا لوگوں فاسقوں کو خوش ہوگئے پیچھے چھوڑے گئے

بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ
اپنے بیٹھ رہنے پر پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا انہوں نے کہ

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ
جہاد کریں ساتھ اپنے مالوں کے اور اپنی جانوں کے راہ میں

اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ
اللہ کی اور کہا انہوں نے کہ نہ کوچ کرو گرمی میں تو کہدے آگ جہنم کی

اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا
زیادہ سخت ہے گرمی میں اگر ہوں وہ سمجھتے پس چاہئے کہ ہنسیں تھوڑا

۸۰۔ **سبعین مرّة**۔ ستر بار۔ عدد کامل ہے کثرت کے معنی دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم رحمت تھے۔ آپ کفار اور منافقین کے بڑے سے بڑے گناہوں کو بھی معاف فرما[illegible] اللہ کے حضور نہایت خشوع و خضوع سے ان کے لئے مغفرت طلب کرتے اور دعائیں کرتے رہتے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس منافقین کی وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے عبداللہ کی درخواست پر جو ایک مخلص مومن تھا، نہ صرف اپنا کرتہ کفن کے لئے عنایت فرمایا بلکہ اس دشمن اسلام کی نماز جنازہ بھی پڑھی، اس پر حضرت عمرؓ نے اس آیت کی طرف توجہ دلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنا چاہا تو رحمۃ للعالمین نے فرمایا! اے عمرؓ ہٹ جا اگر مجھے یہ علم ہو کہ ستر سے زیادہ دفعہ استغفار سے اسے بخش دیا جائے گا تو ضرور میں ایسا کروں گا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی حکم نہیں سمجھا۔ ہاں جب آیت نمبر ۸۵ میں صریح حکم آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے۔ (صحیح بخاری کتب التفسیر۔ باب استغفرلھم حدیث نمبر ۴۳۰۲)

۸۱۔ اس رکوع میں منافقین سے کلی طور پر قطع تعلق کا حکم دیا۔ **خلف**۔ پیچھے۔ **مُخلّفون**۔ اسم مفعول ہے پیچھے چھوڑے گئے۔ **خلف رسول اللّٰه**۔ رسولؐ کے حکم کے خلاف۔ رسول کے فعل کے خلاف۔

منافقین سے جہاد باللسان کے بعد کفار سے جہاد بالسیف کے ذکر کو جاری رکھا جو اس سورۃ

وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ

اور چاہیئے کہ رودیں زیادہ بدلہ ہے اس کا جو تھے وہ کماتے پس اگر

رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ

لوٹائے تجھے اللہ طرف کسی جماعت کی ان میں سے پھر اجازت مانگیں وہ تجھ سے

لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا

نکلنے کی تو تو کہدے کہ ہرگز نہیں نکل سکتے تم ساتھ میرے کبھی بھی اور ہرگز نہیں جنگ کروگے تم

مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ

ساتھ میرے دشمن سے یقیناً تم راضی ہوگئے بیٹھنے پر پہلی دفعہ

فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝۸۳ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ

پس بیٹھو ساتھ پیچھے رہنے والوں کے اور نہ جنازہ پڑھو ان میں سے

مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ

کسی کا جو مر جائے کبھی بھی اور نہ کھڑا ہو قبر پر اس کی یقیناً انہوں نے

کا اصل موضوع ہے۔ منافقین گرمی کا بہانہ کر کے جنگ کے لئے نہ نکلے اور دوسروں کو بھی شدید گرمی میں نکلنے سے منع کیا۔ فرمایا کاش وہ سمجھتے کہ جہنم کی آگ گرمی میں اس سے زیادہ سخت ہے۔

۸۲۔ پس تھوڑی دیر ہنس لیں۔ انہیں اپنے اعمال بد کی سزا میں بہت رونا پڑے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان ہر وقت آنکھوں سے آنسو بہاتا رہے بلکہ جس کا دل اندر سے رو رہا ہے وہی روتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ دروازہ بند کر کے اند بیٹھ کر خشوع وخضوع سے دعا میں مشغول ہو اور بالکل عجز و نیاز سے خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر پڑے تا کہ وہ اس آیت کے نیچے نہ آوے''۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۴۳ مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۳۴)

۸۳۔ یہ آیات دوران سفر نازل ہوئیں۔ آپ ﷺ کو بتایا کہ مدینہ واپسی پر اگر ان میں سے کوئی گروہ آپ ﷺ سے جنگ پر نکلنے کے لئے اجازت مانگے (حالانکہ پہلے بیٹھ رہنے کی اجازت مانگتے تھے) تو ان کو بتا دو کہ تم میرے ساتھ جنگ کے لئے کبھی بھی نہیں نکلو گے۔ اس میں منافقین سے کلی انقطاع کا بھی اعلان تھا اور یہ پیشین گوئی بھی کہ یہ آخری جنگ ہے جو آپ ﷺ کی معیت میں ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں ''یہ جو بڑی بڑی خطائیں کر کے معافی مانگنا پیشہ قرار دے لیتے ہیں غور کریں''۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۵۸)

۸۴۔ آیت: ۸۰ میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کی دلجوئی کے لئے ان کے باپ کی نماز جنازہ پڑھی نیز آپ ﷺ کو یقین تھا کہ اس کے خاندان کے لوگ جب دیکھیں گے کہ

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۴

کفر کیا اللہ کا اور اس کے رسول کا اور مر گئے جبکہ وہ فاسق تھے

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ

اور نہ تعجب میں ڈالیں تجھے مال ان کے اور اولاد ان کی سوائے اسکے نہیں کہ چاہتا ہے

اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ

اللہ کہ عذاب دے انہیں ان (مال واولاد) کے ذریعہ دنیا میں اور نکل جائیں جانیں ان کی

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا

جبکہ وہ کافر ہوں اور جب اُتاری جاتی ہے کوئی سورۃ کہ ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا

اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ (مل کر) اس کے رسول کے اجازت لیتے ہیں تجھ سے

الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶

دولت مند ان میں سے اور کہتے ہیں کہ چھوڑ ہمیں ہو جائیں گے ہم ساتھ بیٹھے رہنے والوں کے

حضور ﷺ نے اپنے شدید ترین دشمن کو بھی معاف کر دیا اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی تو ان پر اچھا اثر ہوگا۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد قبیلہ خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے۔ بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی اور صریح حکم آ گیا تو آپ ﷺ نے کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کی۔ یہ آیت بھی ان آیات میں سے ہے جن میں حضرت عمرؓ کی رائے وحی الٰہی کے موافق ہوئی۔ قطع تعلق کی یہ سزا ان کو اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور رسول کا انکار کیا اور ایسی حالت میں مرے کہ فاسق یعنی بد کردار اور نافرمان تھے گویا آخر تک مخلص مومنین میں شامل نہیں ہوئے۔

۸۵۔ چونکہ منافقین کے مال و اولاد ہی ان کے لئے فتنہ کا موجب تھے جو انہیں جہاد فی سبیل اللہ میں مانع تھے اس لئے یہی ان کے لئے دنیا میں دکھ اور عذاب کا باعث بنیں گے۔ تشریح کے لئے آیت: ۵۵۔

۸۶۔ اولوا۔ والے۔ **الطول**۔ مال ودولت۔ **اولوا الطول**۔ دولتمند۔ صاحب ثروت۔ آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے شدید منافقین کے متعلق پہلے فیصلہ ہو گیا کہ ان کو جہاد کی اجازت نہیں یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جو صاحب ثروت ہونے کے باوجود عملی جہاد میں کمزوری دکھاتے تھے۔

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى
وہ راضی ہوئے کہ ہو جائیں وہ ساتھ پیچھے رہنے والوں کے اور مہر کی گئی
قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ
دلوں پر ان کے پس وہ نہیں سمجھتے لیکن رسول نے اور
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ
ان لوگوں نے جو ایمان لائے ساتھ اس کے جہاد کیا ساتھ اپنے مالوں کے اور اپنی جانوں کے
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾
اور یہ لوگ وہ ہیں ان کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
تیار کیئے ہیں اللہ نے ان کے لیے باغات بہتی ہیں نیچے سے ان کے نہریں
ع ۹ ۱۷ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ
رہ پڑنے والے ہیں ان میں یہ کامیابی ہے بڑی اور آئے
الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ
جھوٹے عذر کرنے والے گاؤں کے رہنے والوں میں سے تاکہ اجازت دے ان کے لیے اور بیٹھ رہے

۸۷۔ **الخوالف** ۔واحد **الخالفة**۔ یہ مونث کا صیغہ ہے۔ پیچھے رہنے والیاں۔ چونکہ عورتیں جہاد پر نہیں جاتیں اس لئے عورتوں کی نسبت استعمال ہوا ہے۔ گویا مردِ میدان بن کر باہر نکلنے کے مقابلہ میں انہیں عورتوں کی طرح پیچھے بیٹھ رہنا پسند تھا۔ اب ان کے دلوں میں اچھے خیالات آ ہی نہیں سکتے، ان میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے اور وہ اسی پر راضی ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں۔

۸۸۔ **الخیرات** کا لفظ دنیوی اموال پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ گویا اخروی نعمتوں کے علاوہ اس میں دنیوی اموال اور نعمتیں بھی شامل ہیں جبکہ حسنات میں دنیوی اموال اور نعمتیں ثانوی طور پر ہیں۔ان **خوالف** کے مقابلہ میں رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کے لئے جنہوں نے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ جہاد کیا دین و دنیا کی بھلائیاں مقدر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

۸۹۔ یہ عظیم کامیابیاں وہ جنتیں ہیں جو انہیں دنیا میں بھی ملیں۔ وہ دنیا کے انتہائی خوبصورت سرسبز و شاداب نہروں اور چشموں والے علاقوں کے وارث ہوئے آخرت میں بھی ایسی جنتیں ملیں گی جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہتے چلے جائیں گے۔

۹۰۔ **مُعتذر** ۔ عذر پیش کرنے ولا خواہ درست ہو یا غلط۔ جبکہ **مُعذِّر** وہ ہے جو جھوٹا عذر

الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ
وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ اور اس کے رسول سے ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے
كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ
کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک نہیں ہے کمزوروں پر
وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا
اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے جو
يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا
وہ خرچ کرتے ہیں کوئی الزام جبکہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کے لیے نہیں ہے
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾
نیکی کرنے والوں پر کوئی الزام اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے

پیش کرے۔ **الاعراب۔ اعرابی** کی جمع۔ جنگل کے رہنے والے بدو۔ دیہاتی۔ بادیہ نشین۔

اس رکوع میں اعرابیوں کا ذکر ہے کہ منافقین مدینہ میں ہی نہیں تھے، بلکہ دیہاتوں میں بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ تبوک کے لئے مدینہ کے مضافات کے بدوی قبائل میں بھی جہاد کا عام اعلان فرمایا۔ اگرچہ ان کا پیشہ لوٹ مار اور رہزنی تھا لیکن اب جب کہ جنگ کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ تھا انہوں نے بھی منافقین مکہ کی طرح جھوٹے عذر پیش کر کے پیچھے رہنے کی اجازت طلب کی اور وہ جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ سے جھوٹ بولا انہوں نے عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی اور متکبرانہ انداز میں ڈھیٹ بن کر پیچھے بیٹھ رہے ان کے لئے معافی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان میں سے جو اسلام سے بالکل ہی نکل گئے اور دائرۂ کفر میں شامل ہوئے ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۹۱۔ **حرج**۔ تنگی۔ گناہ۔ الزام۔ **نصحوا۔ نصح۔ النّصح**۔ کسی ایسے قول یا فعل کا قصد کرنے کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی خیر خواہی ہو (مفرداتِ راغب) اسی سے نصیحت ہے۔ عذراتِ باطلہ پیش کرنے والوں کا ذکر تھا۔ ان کے ساتھ ہی ان کا ذکر کیا جو واقعی جہاد بالسیف میں معذور تھے۔ ان میں ضعیف، کمزور، بیمار اور ہر طرح کے معذور شامل تھے۔ بقول ابن عباسؓ ضعیف سے مراد لولے، لنگڑے، اپاہج، پیرفرتوت یعنی بہت ضعیف افراد، لڑکے اور عورتیں ہیں نیز وہ نادار جو اپنے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں پاتے تھے اور نہ آپ ﷺ ان کے لئے مہیا کر سکتے تھے حالانکہ وہ جہاد پر جانے کے لئے سخت بیقرار تھے۔ فرمایا ان پر کوئی الزام نہیں جبکہ وہ غیر حاضری میں بھی خدا اور رسول کے لئے نیک تمنائیں رکھتے ہوں، ان کے سچے خیر خواہ ہوں۔ دراصل جنگ ہمیشہ دو محاذوں پر لڑی جاتی

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ

اور نہیں ان لوگوں پر کہ جب آئے وہ تیرے پاس کہ سواری دے تو انہیں کہا تو نے نہیں

اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ

پاتا میں وہ کہ سوار کروں میں تم کو جس پر پھر گئے وہ اور آنکھیں ان کی

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ؕ

بہتی ہیں آنسوؤں سے غم کی وجہ سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں

ہے ایک میدان کارزار اور دوسرا اندرونِ ملک جہاں اہل وطن کے حوصلہ اور مورال (Morale) یعنی جذبہ کو بلند رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن منافقین پیچھے رہ کر طرح طرح کی افواہیں اور بد دلی پھیلاتے اور ملک میں فتنہ وفساد برپا کرتے۔ **اذا نصحوا للّٰہ و رسولہ** ط کا ذکر تھا۔ فرمایا یہ محسنین ہیں جو اللہ اور رسول کے خیر خواہ ہیں اور بغیر کسی بدلہ کی امید کے نیکیاں کرتے ہیں ان پر مؤاخذہ کا کوئی جواز نہیں۔ اللہ ان کی مجبوریوں کو جانتا ہے۔ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۹۲۔ **لتحملھم**۔ تا کہ تو انہیں سواری دے۔ **تفیض۔ فاضہ**۔ پانی کا بہنا جبکہ وہ گر رہا ہو۔ **افاضوافی الحدیث**۔ کے معنی بات میں لگ جانا کے ہیں۔ **الدمع**۔ آنسو۔

یہاں ان تنگدست مومنین کا ذکر ہے جن کے پاس سواری تھی نہ سواری خریدنے کی استطاعت اور نہ آنحضرت ﷺ ان کے لئے سواری مہیا کر سکے تھے اور اتنا لمبا سفر بغیر سواری کے ممکن نہ تھا۔ پس ان کا روتے ہوئے واپس جانا جہاں ان کے دلی کرب اور دکھ کی دلیل تھا وہاں ان کے شوق جہاد اور اخلاص و وفا کا بھی ایک بیّن ثبوت تھا۔ احادیث میں ان مجاہدین کی روایت درج ہے کہ خدا کی قسم! ہم سواری مانگنے نہیں گئے تھے بلکہ ہماری مراد چپلوں سے تھی جن کو پاؤں میں ڈال کر ہم تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر چل سکیں مگر اسلام پر یہ ایسا تنگی کا وقت تھا کہ آپ ﷺ ان کے لئے چپل بھی مہیا نہ کر سکے اور وہ روتے ہوئے واپس ہوئے (فتح البیان) ایسے ہی لوگوں کے لئے حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگی مہم میں ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے حضور ﷺ نے فرمایا! مدینہ میں کچھ لوگ رہ گئے ہیں جو ہمارے اس سفر میں برابر کے شریک ہیں، ان راستوں پر بھی جن پر تم چلتے ہو۔ ان وادیوں میں بھی جو تم طے کرتے ہو کیونکہ وہ جان بوجھ کر پیچھے نہیں رہے بلکہ بیماری یا کوئی اور حقیقی عذر ان کی راہ میں حائل ہوا۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب نزول النبی الحجر حدیث نمبر ۴۰۷۱) دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک کے راستہ میں یہ کہا۔ (بخاری بروایت حضرت انسؓ۔ مسلم بروایت حضرت جابرؓ)

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ

سوائے اس کے نہیں کہ الزام ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں تجھ سے اور وہ

اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ

دولتمند ہیں وہ راضی ہوگئے اس پر کہ ہو جائیں ساتھ پیچھے رہنے والوں کے

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر پس وہ نہیں جانتے

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا

وہ عذر کریں گے طرف تمہاری جبکہ لوٹو گے تم طرف ان کی تو کہہ دے نہ

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ

عذر تراشو ہرگز نہیں مانیں گے ہم تمہاری (بات) یقیناً ہم کو بتائی ہیں اللہ نے

اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ

تمہاری خبریں اور ضرور دیکھے گا اللہ کام تمہارے اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے

اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

طرف جاننے والے کی غیب اور حاضر کو پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تھے تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ

کرتے ضرور قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے لیے جب لوٹو گے تم

اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ

طرف ان کی تا کہ درگزر کرو تم ان سے پس درگزر کرو ان سے یقیناً وہ

۹۳۔۹۴۔ گرفت کا جواز صرف ان اغنیاء پر ہے جو بغیر کسی جائز عذر کے پیچھے رہے گویا غرباء ہی عام طور پر قربانیوں میں پیش پیش ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کو دوران سفر بذریعہ وحی بتایا گیا کہ مدینہ واپس پہنچنے پر یہ عذر لنگ لے کر حاضر ہوں گے۔ لیکن ان کی باتوں پر اعتبار نہ کرنا بلکہ ان کے احوال پر نظر رکھنا۔ اگر تائب ہو گئے تو فبہا۔ ورنہ جب اس خدا کے حضور حاضر ہوں گے جو چھپی اور ظاہر ہر بات جانتا ہے، تو وہ ان کے اعمال سے انہیں آگاہ کر دے گا۔ دنیا کی ایسی سزا کا ذکر نہیں جو رسول یا مومنین کی طرف سے انہیں دی گئی ہو۔

۹۵۔ **تعرضوا**۔ تم اعراض کرو۔ صرف نظر کرو۔

فرمایا ان کی جھوٹی قسموں کا مقصد یہی ہے کہ ان کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دو۔ پس تم واقعی ان کو نظر انداز کر دو، ان سے کنارہ کش ہو جاؤ اور ہرگز ان سے کوئی تعلق نہ رکھو کیونکہ یہ

رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾
ناپاک ہیں اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے بدلہ اس کا جو وہ کماتے ہیں

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ
قسمیں کھائیں گے تمہارے لیے تاکہ راضی ہو جاؤ تم ان سے پس اگر تم راضی ہو جاؤ ان سے

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اَلْاَعْرَابُ
تو یقیناً اللہ نہیں راضی ہوگا فاسق لوگوں سے گاؤں کے رہنے والے

اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ
زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں اور زیادہ لائق ہیں کہ نہ جانیں (ان احکام کی) حدیں جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ
اتاریں اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے اور بعض

الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ
گاؤں کے رہنے والے ایسے ہیں جو ٹھہراتے اسے جو وہ خرچ کرتے ہیں چٹی اور انتظار کرتے رہتے ہیں

بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ
تمہارے متعلق گردشوں کا انہیں پر گردش ہے بری اور اللہ

ناپاک ہیں۔ وہ تمہارے قرب کے قابل نہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔

۹۶۔ اگر ان کی جھوٹی قسموں سے تم اپنی جبلی شفقت و رأفت کی وجہ سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ ایسے نافرمانوں سے ہرگز راضی نہ ہوگا۔ پس محض آپ ﷺ کا راضی ہونا انہیں فائدہ نہ دے گا۔

۹۷۔ **الجدار** ۔ دیوار ۔ **اَجْدَر** ۔ کسی امر کی انتہا۔ جیسے دیوار کی حد تک کسی امر کی انتہا ہو جاتی ہے۔ منتہیٰ ۔ سزاوار ۔ زیادہ قریب ۔ زیادہ مستحق ۔

بادیہ نشین کفر و نفاق میں شہریوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ فرمایا وہ اس لائق ہیں کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کی حدود کو نہ سمجھ سکیں۔ گویا بوجہ جہالت خدائی احکام کو سمجھنا ان کے بس میں ہی نہ تھا لیکن یہ آپ ﷺ کی قوت قدسی کا کمال تھا کہ انہی گنوار بدوؤں نے نہ صرف شریعت اور فقہ کے دقیق مسائل کو سمجھا بلکہ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔ دنیا کی بڑی بڑی مملکتوں کی عنان حکومت سنبھالی اور عدل و انصاف کا پرچم لہرایا۔

۹۸۔ یہاں واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن جمع کے صیغہ میں ترجمہ کرنا جائز ہے۔ ان

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ
خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور بعض گاؤں کے رہنے والے ایسے کہ ایمان لاتے ہیں اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ
اور روز آخر پر اور ٹھہراتے ہیں اسے جو وہ خرچ کرتے ہیں قرب کے ذریعے پاس

اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ
اللہ کے اور دعاؤں کا سبب رسول کی آگاہ ہو جاؤ یقیناً وہ (صدقے) قرب کا ذریعہ ہیں ان کیلئے

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
تو ضرور داخل کریگا انہیں اللہ اپنی رحمت میں یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت

ع ١٢ ١٠ رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ
رحم کرنیوالا ہے اور سبقت لیجانے والے پہلے ہجرت کرنے والوں میں سے اور

بدوؤں میں ایسے بھی ہیں جو چٹی سمجھ کر راہ خدا میں دیتے ہیں اور انتظار میں رہتے ہیں کہ گردش زمانہ تمہیں کچل دے جیسا کہ اس جنگ میں ان کا خیال تھا۔ یاد رکھیں کہ حوادث زمانہ تو انہی پر پڑنے والے ہیں اور یہ صفحہ ہستی سے اس طرح مٹا دیئے جائیں گے کہ ان میں شرک کا نام لیوا کوئی باقی نہ رہے گا۔ اس لئے کہ اللہ **سمیع علیم** ہے وہ اپنے پیارے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ کی دعاؤں کو خوب سننے والا اور ان کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۹۹۔ **صلوٰت** ۔ صلوٰۃ کی جمع ہے۔ نماز۔ اصل معنی دعا کے ہیں۔

قرآن کریم نے کسی گروہ یا قوم کو کلیۃً ہر نیکی اور خوبی سے محروم نہیں کیا۔ یہود و نصاریٰ میں بھی نیک اور اچھے لوگوں کا ذکر کیا۔ بتایا کہ ان بدوؤں میں سب لوگ ایسے نہیں بلکہ بہت سے ایسے بھی ہیں جو مالی قربانیوں کو خدا کی قربت اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کو حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور یقیناً یہ مالی قربانیاں ان کے لئے حصول قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ قربانی کرنے والوں کے لئے دعائے خیر اور استغفار فرماتے تھے۔ قرب الٰہی وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جس کی تمنا ایک مسلمان کا مقصودِ حیات ہے جو محض اس کے فضل سے ممکن ہے۔ اس درجہ کو حاصل کرنے کے لئے پہلے خصائلِ رزیلہ یعنی جہالت، غیض و غضب اور خواہشات نفسانی سے پاک ہونا ضروری ہے۔ پھر خود کو خدائی صفات میں رنگنا ہے، بیشک ایسا کلی طور پر ممکن نہیں لیکن بحیثیت ایک انسان حسب استطاعت مجاہدہ اور دعا سے جب وہ خدائی صفات مثلاً علم و حکمت، حلم و رافت اور بے نیازی و غفاری اپنے اندر پیدا کرتا جائے گا، خدا کے قریب ہوتا جائے گا۔ (امام راغب)

الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ

انصار میں سے اور وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی ان کی ساتھ نیکی کے راضی ہوگیا اللہ

عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

ان سے اور وہ راضی ہوگئے اس سے اور تیار رکھے اس نے ان کیلئے باغات چلتی ہیں

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

نیچے ان کے نہریں رہ پڑنے والے ہیں اس میں ہمیشہ یہ کامیابی ہے

الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَ

بڑی اور بعض جو ارد گرد ہیں تمہارے گاؤں کے رہنے والوں میں سے منافق ہیں اور

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرب الٰہی کے لئے فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور بندہ فرائض کے بعد نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پس میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں، وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو اس کو پناہ دیتا ہوں۔۔۔۔۔(متفق علیہ)

۱۰۰۔ اس رکوع میں مومنین کامل کی صفات بیان فرمائیں اور منافقین کے بیان میں مسجد ضرار کا ذکر کیا۔

اوّل۔ اَوّل سے ہے پہلا۔ جس کی پیروی کی جائے۔

بادیہ نشینوں میں سے اپنا مال قرب الٰہی کے لئے خرچ کرنے والوں کا ذکر ہوا۔ اب ساتھ ہی مومنین کامل کا ذکر فرمایا کہ مہاجرین و انصار میں سے **السّٰبقون الاوّلون** وہ ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ سب سے زیادہ مصائب کا شکار ہوئے انہوں نے سب سے بڑھ کر قربانیاں دیں اور دوسرے مومنین کے لئے بطور مقتداء ٹھہرے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بروایت حضرت عمرؓ ایک لمبی حدیث میں فرمایا کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پر رہو گے۔ (مشکوٰۃ۔ کتاب المناقب، مناقب الصحابۃ صفحہ ۵۵۴۔ بحوالہ زرین) پس مہاجرین و انصار میں سے السابقون الاولون کے علاوہ وہ لوگ بھی **السابقون الاولون** میں شامل ہیں جنہوں نے نیکی اور تقویٰ کے ساتھ ان کی کامل اطاعت اور پیروی کی۔ اگرچہ وہ اولین میں سے نہیں ہیں پس ان سب کے لئے خدا کی طرف سے سند خوشنودی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ

مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ

بعض اہل مدینہ (بھی منافق ہیں) وہ اڑ گئے ہیں نفاق پر نہیں جانتا تو انہیں

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى

ہم جانتے ہیں انہیں ضرور ہم عذاب دینگے انہیں دو دفعہ پھر وہ لوٹائے جائیں گے طرف

عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا

عذاب عظیم کی اور کچھ اور لوگ ہیں انہوں نے اقرار کیا اپنے گناہوں کا انہوں نے ملادیئے

سے راضی ہوگئے۔ صلح نامہ حدیبیہ میں شامل مومنین کے لئے رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ کی سند مل چکی تھی۔ ان کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے تھے۔ وہاں تک تو ضرور ان میں شامل ہیں۔ البتہ فتح مکہ کے بعد والے بلکہ قیامت تک کے مسلمان جنہوں نے حسنِ عمل کے ساتھ **السّٰبقون الاوّلون** کی کامل طور پر پیروی کی اس آیت کے مطابق ان میں شامل ہیں۔ امام راغب کے بقول اللہ کی رضا بندے سے یہ ہے کہ وہ اسے اپنے اوامر کی تعمیل کرتا ہوا اور نواہی سے رکتا ہوا پائے اور بندہ کی رضا اللہ سے یہ ہے کہ جو کچھ اس کی قضا و قدر سے اس پر وارد ہو اسے ناپسند نہ کرے۔ یہ قرب الٰہی کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو کمالِ انسانی کی معراج ہے اور یہی انسان کا مقصودِ حیات ہے۔ پس انہوں نے قرآن کریم کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے اور کروانے میں اپنی زندگیاں وقف کیں اور رضی اللہ عنھم کا حق ادا کیا اور بشاشتِ قلب سے جان و مال و اولاد قربان کر کے رضوا عنہ کے مقام کو حاصل کیا پس یہی جنت کے وارث ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

۱۰۱۔ **مردُوا**۔ وہ اَڑ گئے۔ انہوں نے ضد کی۔

منافقین میں سے اکثر تو تائب ہو کر سچے مومنین میں شامل ہو گئے تاہم مضافات کے بدو قبائل میں ابھی تک منافقین موجود تھے۔ اسی طرح مدینہ کے منافقین میں سے بھی کچھ ایسے تھے جو آخر تک نفاق پر مصر رہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کا علم نہیں تھا۔ ان میں سے بعض کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے بعض چھپے رہتے اور سامنے نہیں آتے تھے۔ اللہ نے انہیں ظاہر کیا اور ان کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں نام لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا۔ ان کے لئے قیامت سے پہلے دو عذابوں کا وعدہ ہے۔ یہ پیشگوئی تھی پہلا عذاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کو تباہی کی صورت ملا کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہوتے ہی منافقین میں سے ایک گروہ نے زکوٰۃ کا انکار

عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ

عمل اچھے اور کچھ اور بُرے امید ہے کہ اللہ رحمت سے توجہ کرے ان پر

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے لے ان کے مالوں سے صدقہ

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ

پاک کریگا انہیں اور صاف کرے گا انہیں اس کے ذریعہ اور دُعا کر ان کے لیے یقیناً دعا تیری

سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

سکینت کا سبب ہے ان کیلئے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے کیا نہیں جانا انہوں نے یقیناً اللہ

کر کے بغاوت کا اعلان کیا اور مملکت اسلامی میں فتنہ برپا کیا۔جب ان کا نفاق بغاوت کی صورت کھل کر سامنے آ گیا تو اس بغاوت کے خلاف فوج کشی ہوئی ورنہ محض نفاق یا ارتداد کی وجہ سے ان کے خلاف کبھی کاروائی نہیں ہوئی۔نفاق اور ارتداد کی سزا اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ان کی آخری امید گاہ عیسائی عرب قبائل تھے جن کی تباہی سے دوسرا عذاب آیا۔آخرت کا عذابِ عظیم اس کے علاوہ ہے۔

۱۰۲۔احادیث میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تبوک سے واپسی پر پیچھے رہنے والے سات افراد نے بطور سزا خود کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ان میں ابو لبابہ بھی تھے جنہیں آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کھولا۔انہوں نے بطور شکرانہ اپنا پورا مال راہ خدا میں پیش کیا لیکن آپ ﷺ نے تہائی قبول کیا۔فرمایا کہ انہوں نے نیک اور بد عمال کو خلط ملط کر دیا تھا۔ان کے اعترافِ گناہ کی وجہ سے اللہ ان پر رجوع برحمت ہوا۔پیچھے رہنے والوں میں سے کچھ اور لوگ بھی تھے جنہوں نے توبہ کی اور اپنے نیک اور بد عملوں کو ملا جلا دیا۔بیشک اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔قرآنی آیات کا شانِ نزول کچھ بھی ہو اصولِ قرآنی کی رو سے ہر حکم عام اور قیامت تک کے لئے ہے اور اس میں عالمی ہدایت کے سامان ہیں۔

۱۰۳۔اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ساتھ ہی حکم دیا کہ ان سے زکوۃ وصول کر تا کہ ان کی تطہیر ہو یعنی توبہ سے پہلے جو گناہ اور برائیاں ان سے سرزد ہو چکی ہیں ان سے پاک ہوں اور ان کا تزکیہ ہو یعنی آئندہ نیکیوں اور قرب الٰہی میں ترقی کریں۔یہ بھی مراد ہے کہ زکوۃ سے مال کی تطہیر اور قلب کا تزکیہ ہو نیز ان کے لئے دعا کا حکم دیا کیونکہ آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے یقیناً تسکین کا موجب ہوگی،یہ بھی مراد ہے کہ ان پر نماز جنازہ پڑھ۔یقیناً تیری نماز ان کے

هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ

ہی قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات اور

اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى

یقیناً اللہ ہی بہت رحمت سے متوجہ ہونیوالا بہت رحم کرنیوالا ہے اور تو کہدے عمل کرو پس ضرور دیکھے گا

اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى

اللہ عمل تمہارا اور اس کا رسول اور مومن بھی اور ضرور لوٹائے جاؤگے تم طرف

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جاننے والے کی پوشیدہ اور ظاہر پھر وہ آگاہ کریگا تم کو اس پر جو تھے تم کرتے

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا

اور کچھ اور (لوگ) پیچھے رکھے گئے ہیں واسطے حکم کے اللہ کے خواہ عذاب دے انہیں اور خواہ

لئے سکینت کا موجب ہوگی۔حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے پاس زکوۃ کا مال آتا تو آپ ﷺ دینے والے کے لئے دعا فرماتے۔یہ تینوں کام تطہیر، تزکیہ اور دعا نبی کے بعد خلیفۂ وقت اور امیر جماعت کے ذمہ ہیں۔

۱۰۴۔**الم یعلموا** میں بیہودہ اعتراضات کرنے والوں کو سخت تنبیہ کی کہ کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ منظور کرتا اور ان کے صدقات قبول کرتا ہے۔صدقات کا لینا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔دراصل آنحضرت ﷺ بحکم الٰہی صدقہ کی تحریک فرماتے تو منافقین اعتراض کرتے حالانکہ صدقہ حاجتمندوں کے لئے ہے یا دینی اغراض اور ضروریات جہاد کے لئے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان پر صدقہ حرام ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی ذات صدقہ کی محتاج ہے۔پس جب بھی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو اللہ ہی ہے جو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۱۰۵۔تم جو چاہو کرو۔تمہارے اعمال اللہ، رسول اور مومنین کی نظر میں ہیں۔منافقین کو بتایا کہ تمہارے اعمال سے اللہ تو باخبر ہے ہی۔رسول اور مومنین سے بھی چھپے ہوئے نہیں اگر تمہارے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نفاق یا ارتداد کے خلاف کسی جارحانہ کاروائی کی اجازت نہیں۔یہ بنیادی انسانی حقوق ہیں کہ اپنی زبان سے جو کوئی اقرار کرے اسے تسلیم کرنا ہوگا۔تم عالم الغیب نہیں کہ کسی کے دلی خیالات کو جاننے کا دعویٰ کرو۔عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔وہ غیب کی باتوں کو جانتا ہے اور جو ظاہر ہے اسے بھی جانتا ہے(حضرت خلیفۃ المسیح رابع رحمہ اللہ تعالیٰ

يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

رحمت سے توجہ فرمائے ان پر اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے اور جن لوگوں نے بنائی

مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

مسجد نقصان پہنچانے کے لیے اور انکار کرنے اور تفرقہ ڈالنے کے لیے درمیان مومنوں کے

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ

اور گھات لگانے کیلیے اس شخص کیلیے جس نے لڑائی کی اللہ اور اس کے رسول سے پہلے سے اور ضرور قسمیں کھائیں گے

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۚ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾

کہ نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ البتہ جھوٹے ہیں

از ترجمۃ القرآن کلاس) جب اس کے حضور حاضر ہوں گے تو اعمال کا فیصلہ کردیا جائے گا کہ تمہارا زبانی اقرار تمہارے دلی خیالات کے مطابق تھا یا تم جھوٹ بولتے تھے اور منافقت سے کام لیتے تھے۔

۱۰۶۔**مُرجون** ۔لفظی معنی دیر کئے گئے کے ہیں۔ مؤخرا لحکم ۔ جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف رکھا گیا کہ جب تک اللہ کا حکم نہ اترے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی جائے گی۔یہ تین مخلص مومن تھے۔جو محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہے۔ان کا معاملہ حکم الٰہی کے انتظار پر موقوف رکھا کہ وہی فیصلہ کرے گا۔ان کا ذکر مومنین کی ذیل میں آیت: ۱۱۸ میں آئے گا یہاں منافقین کے زُمرہ میں ان کو لانے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جو بھی رسول کی حکم عدولی کرے گا خواہ نفاق کی وجہ سے نہ بھی ہو۔اس کی مشابہت منافقین سے ضرور ہو جائے گی۔پس اعمال ظاہری طور پر بھی ایمان کے مطابق ہونے چاہئیں۔اس خاص واقعہ کے علاوہ یہ عام جاری قانون بھی ہے کہ بعض کو ایسے حالات میں چھوڑ دیتا ہے کہ بالآخر انجام نیک ہوتا ہے۔

۱۰۷۔**ضراراً**۔ ضرر پہنچانے کے لئے۔ **ارصاداً**۔ **رصد** ۔ گھات میں بیٹھنے والے۔ **ارصاداً** گھات لگانے کی جگہ۔ کمین گاہ۔

اس آیت میں اس سازش کو بے نقاب کیا جو ابو عامر راہب نے تیار کی تھی۔قرآن کریم نے پردہ پوشی فرمائی اور نام ظاہر نہیں کیا۔احادیث سے اس واقعہ کی تفصیل ملتی ہے ابو عامر قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔زمانہ جاہلیت میں رومن کیتھولک فرقہ سے متاثر ہو کر عیسائیت قبول کی۔ توریت اور انجیل سیکھ کر راہب بن گیا۔اپنی عبادت وغیرہ سے لوگوں میں قابل احترام سمجھا جانے لگا اور مدینہ میں سرداری کے خواب دیکھنے لگا۔آپ ﷺ کی مدینہ آمد سے بہت سیخ پا ہوا اور انصار کو آپ ﷺ کے

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ

نہ کھڑا ہو تو اس میں کبھی بھی البتہ مسجد کہ جس کی بنیاد رکھی گئی تقویٰ پر

اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ

پہلے دن سے زیادہ حقدار ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں اس میں (ایسے) لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ

يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ

پاکیزگی حاصل کریں اور اللہ پسند کرتا ہے پاکیزگی اختیار کرنیوالوں کو کیا پس جس نے بنیاد رکھی

خلاف بھڑکانے لگا۔بدر کی فتح کے بعد مکہ جاکر کفار سے مل گیا اور احد میں ان کے ہمراہ لڑنے کے لئے آیا۔کفار کی پے در پے ناکامیوں اور فتح مکہ کے بعد بالکل ہی مایوس ہو کر شام چلا گیا اور ہرقل کو آپ ﷺ کے خلاف اکسایا بلکہ جنگ تبوک میں اس کا بھی ہاتھ تھا۔شام سے اس نے اپنے ہم خیال لوگوں کو خط لکھا کہ مسجد قبا کے قریب ایک مسجد بناؤ تاکہ مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نظر رہے اور وہاں مسلمانوں کے خلاف منصوبے وغیرہ تیار ہو سکیں نیز میں اور میرے ساتھی مسافروں کے بھیس میں وہاں پناہ بھی لے سکیں۔اس طرح قیصرِ روم کی مدینہ پر چڑھائی کی صوورت میں ہمارے لئے مدینہ کے قریب ایک اڈا موجود ہوگا اور ہم اس کی مدد کر سکیں گے۔یہ بارہ آدمی تھے جنہوں نے مسجد تیار کی۔جب آنحضرت ﷺ تبوک کے لئے تیار تھے تو آپ ﷺ سے اس مسجد میں نماز پڑھ کر اس کے افتتاح کی درخواست کی۔آپ ﷺ نے فرمایا واپسی پر دیکھا جائے گا۔واپسی پر آپ ﷺ کو جہاں باقی منافقین کا حال بذریعہ وحی بتایا گیا وہاں اس مسجد کے بنانے کی اصل حقیقت بھی کھول دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مسجد تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے بنائی گئی ہے،اس کا مقصد کفر کو پھیلانا اور مومنین میں تفرقہ پیدا کرنا ہے تاکہ کمزور ایمان والوں کو دھوکہ دے کر اپنے ساتھ ملایا جاسکے۔ نیز یہ مسجد خاص طور پر ابو عامر راہب کے لئے گھات کا کام دینے کے لئے بنائی گئی ہے تاکہ وہ یہاں بیٹھ کر اسلام کو تباہ کرنے کے منصوبے بناتا رہے جو پہلے بھی اللہ اور رسول سے برسرِ پیکار رہا ہے۔ یہاں مراد مخالفت ہے ظاہری جنگ کبھی نہیں ہوئی یا جنگ احد میں اس کا کفار کے ساتھ مل کر جنگ کرنا مراد ہے۔آپ ﷺ نے وحی الٰہی سے خبر پا کر اس مسجد ضرار کو گرا دیا کیونکہ یہ مسجد نہیں بلکہ نفاق کا اڈا تھی ورنہ اسلام ہر عبادت گاہ کے احترام کا حکم دیتا ہے۔اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں پھر بھی ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔(یہ واقعہ مستند احادیث سے لیا گیا ہے)

۱۰۸۔آپ ﷺ کو اس مسجد میں نماز کے لئے کھڑا ہونے سے منع فرمایا اور بتایا کہ مسجد قبا

بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ

اپنی عمارت کی تقویٰ پر اللہ کے اور رضامندی پر بہتر ہے یا وہ جس نے

اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ

بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر کھوکھلے گڑھے گرتے ہوئے کے پس وہ لے گرا اسے آگ میں

جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ

جہنم کی اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو ہمیشہ رہے گی

بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ

عمارت ان کی جو انہوں نے بنائی بے قراری کا موجب دلوں میں ان کے مگر یہ کر ٹکڑے ٹکڑے

ع ۱۴ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ

ہو جائیں دل ان کے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے یقیناً اللہ نے خرید لیا

جس کی بنیاد پہلے دن ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی وہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ ﷺ اس میں نماز با جماعت کے لئے کھڑے ہوں۔ اس میں آنے والے نمازی خواہش رکھتے ہیں کہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جائیں اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۱۰۹۔ **اسّس**۔ اس نے بنیاد رکھی۔ **بنیانہٗ** (بنی) بنیان۔ عمارت۔ دیوار۔ **بنیانٌ مرصوص**۔ سیسہ پلائی دیوار (الصف ۵) **شفا**۔ کنارہ۔ شفا بیماریوں سے بھی ہوتی ہے گویا سلامتی کے کنارے کو پالیا۔ **جُرف**۔ ندی نالے کا کنارہ جس کا نچلا حصہ پانی بہا کر لے گیا ہو اور وہ بغیر سہارے کھڑا ہو۔ کھوکھلا۔ **ھار**۔ گرنے والا **فانھاربہ**۔ اس (عمارت) کو لے گرے (اپنے ساتھ)

مسجد قبا جس کی بنیاد تقویٰ اور رضا الٰہی پر رکھی گئی تھی اس کا مقابلہ نہایت عمدہ طریق سے مسجد ضرار سے کیا جس کی بنیاد فتنہ و فساد پر ہونے کی وجہ سے نہایت ناپائیدار تھی۔ استعارۃً بتایا کہ اس کی بنیاد ایک ایسے کھوکھلے کنارے پر رکھی جو گرنے کو ہے۔ پس وہ کھوکھلا کنارہ اپنے ساتھ اس عمارت کو بھی جہنم میں لے گرا۔ پیشگوئی کے رنگ میں ہے کہ یہ عمارت ظاہری طور پر بھی ڈھا دی جائے گی۔ یہ ایک منفرد واقعہ ہے جس کی بنا الہام پر تھی۔ اللہ کا ظالموں کو ہدایت نہ دینا یہی ہے کہ انہیں یہ سب نظر نہیں آتا۔

۱۱۰۔ مسجد ضرار اس کے بنانے والوں کے دلوں میں ہمیشہ شک اور بے چینی کا موجب رہے گی کیونکہ فائدہ بھی حاصل نہ ہوا اور راز بھی کھل گیا۔ یہاں تک کہ ایسی توبہ کی توفیق ملے جس سے ندامت کے مارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یا پھر مر جائیں۔ (امام راغب) مسجد کا گرانا بھی

الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

مومنوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو بدلہ میں اس کے کہ ان کے لیے جنت ہے

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا

وہ لڑتے ہیں راہ میں اللہ کی پس قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں وعدہ ہے

عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ

اس کے ذمہ سچا تورات اور انجیل اور قرآن میں اور کون

اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ

زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے عہد کو بہ نسبت اللہ کے پس خوش ہو جاؤ اپنے سودے پر جو

بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ

سودا کیا تم نے اس سے اور یہ ہی کامیابی ہے بڑی توبہ کرنے والے

اللہ کے علم و حکمت کی بنا پر تھا ورنہ کسی عام شخص کو حق نہیں کہ مسجد کو گرا دے۔ الہامِ الٰہی کے تحت ایسا کیا گیا کیونکہ وہ مسجد تھی ہی نہیں۔

۱۱۱۔ منافقین کا ذکر تھا جو ہمیشہ جانی اور مالی قربانی میں پیچھے رہے ان کے مقابلہ میں مومنین کی فضیلت بیان فرمائی جنہیں جان کی پرواہ تھی نہ مال کی محض رضائے الٰہی مطلوب تھی۔ وہ اپنی عزیز ترین متاع یعنی جان و مال خدا کے ہاتھ بیچ چکے ہیں تاکہ اس کے بدلہ میں انہیں جنت ملے۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ وہ پختہ وعدہ ہے جو اللہ کے ذمہ ہے۔ جب تک اس پر قائم رہے دنیا کی جنت بھی ملی اور اخروی بھی۔ جب اس عہد کو بھول گئے تو دنیا میں بھی جہنم ہے اور آخرت میں بھی۔ پس مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ غیر اقوام کی طرح دین سے ہٹ کر ہرگز ترقی نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم سے واضح طور پر ثابت ہے کہ ان کی ترقی اتباع خدا و رسول اور اعمال صالحہ سے مشروط ہے۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ ''اس بات کو خوب سمجھ لو کہ جان و مال مومن کا جنابِ الٰہی کا ملک ہو چکا ہے۔ پس اس پر مومن کا اپنا کوئی حق نہیں۔ سب کچھ خدا کے حکم کے تحت رکھنا چاہیئے''۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ نومبر ۱۹۰۹ء) توریت، انجیل اور قرآن کریم سب میں یہ عہد بیان کیا گیا ہے۔ گویا تمام انبیاءؑ سے یہی وعدے لئے گئے اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا کون ہے۔ پس تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے اور یہی وہ بڑی کامیابی ہے جس کا مومنوں کو وعدہ دیا گیا۔

الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ
عبادت کرنیوالے حمد کرنے والے سفر کرنیوالے رکوع کرنیوالے سجدہ کرنے والے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
حکم دینے والے مناسب بات کا اور روکنے والے ناپسندیدہ بات سے

الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ
اور حفاظت کرنیوالے حدود کی اللہ کی اور خوش خبری دے مومنوں کو نہیں ہے (مناسب)

لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ
واسطے نبی کے اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے کہ بخشش مانگیں مشرکوں کے لیے اور اگرچہ

۱۱۲۔**السآئحون**۔ ساح کے معنی اس نے سیاحت کی کے ہیں۔

جن مومنین کے عہد کا ذکر آیت نمبر ۱۱۱ میں ہوا اب انہی مومنین کی ۹ صفات بیان فرمائیں۔
اوّل وہ ہیں جو خدا کی طرف رجوع کرتے اور ہر برائی سے توبہ کرتے اور خدا کی عبادت کرتے ہیں یعنی اپنے تمام قویٰ کو خدا کی فرمانبرداری میں لگا دیتے ہیں۔اس عبادت کی توفیق ملنے پر اپنے ربّ کی حمد کرنے والے ہیں یعنی اس کی صفات میں خود کو رنگنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے ہیں۔خواہ یہ سفر ہجرت کے لئے ہو جہاد کے لئے ،تبلیغ کے لئے ،حصول علم کے لئے یا کسی اور نیک کام کے لئے ہو۔جیسا کہ جنگ تبوک کے لئے سفر تھا کہ مجاہدین نے عملاً جہاد نہیں کیا لیکن خدا کی خاطر سفر کر کے جہاد کا ثواب حاصل کر لیا۔**سـائـحـون** سے مراد روزہ دار بھی ہیں۔غرض جو دنیا سے کٹ کر خدا کی طرف سفر کرتے اور صرف خدا کے ہی ہو جاتے ہیں نیز خدا کے آگے جھکنے والے یعنی عاجزی کرنے والے اور سجدہ کرنے والے ، اچھی باتوں کی تلقین کرنے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے گویا تمام احکام الٰہی پر عمل کرنے والے ہیں۔ان کو ایسی نعمتوں کی بشارت دے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں مراد جنت کی نعمتیں ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ لازماً اپنا عہد پورا کرے گا۔

۱۱۳۔اس پوری سورۃ میں کفار و مشرکین سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان تھا۔اب ان کے لئے استغفار سے بھی منع فرما دیا۔صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ابو طالب کے لئے دعائے مغفرت مانگتے رہے یہاں تک کہ اس آیت کا نزول ہوا۔آپ ﷺ کو ۹ ہجری میں مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت ہوئی جبکہ ابو طالب کو فوت ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔کفار اور مشرکین کے

كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ
ہوں وہ رشتہ دار بعد اس کے کہ کھل گیا ان پر کہ وہ دوزخ والے

الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ
ہیں اور نہ تھا بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے مگر بسبب ایک

مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ
وعدہ کے وعدہ کیا تھا جو اس سے پھر جب کھل گیا اس پر کہ وہ دشمن ہے

لئے تو آپ ﷺ ہمیشہ ہی استغفار اور دعائیں کرتے رہے اور وہ اسلام میں داخل ہوتے رہے جیسے یہ دعا کہ اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت بخش۔حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور اگلے ہی دن حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔(بروایت ابن عمرؓ۔ جامع ترمذی کتاب المناقب۔مناقب عمر حدیث نمبر ۳۶۱۶) پس یہاں مراد ان لوگوں سے ہے جنہوں نے ہر طرح سمجھانے کے باوجود اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اسلام دشمنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور حالت کفر و شرک میں مر گئے یا جن کے متعلق واضح طور پر وحی الٰہی سے پتہ چل گیا کہ وہ اصحاب الجحیم ہیں۔پس ایسے لوگوں کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا استدلال بھی اسی سے کیا گیا ہے کیونکہ نماز جنازہ بھی دعا ہی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر مشرک کے لئے یہ حکم نہیں۔آج کل مشرکین میں سے بعض ہندو وغیرہ ایسے بھی ہیں جو خدا پرست ہیں۔ہندوؤں کے گھروں میں پیدا ہونے کی وجہ سے نادانی اور رسم و رواج کے تابع شرک کرتے ہیں لیکن طبعاً نیک مزاج ہیں، خدا کا خوف رکھتے ہیں۔ان کے لئے دعا کی ممانعت نہیں بلکہ ضرور کرنی چاہیئے کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔آنحضرت ﷺ کی تبلیغ اور دعاؤں سے ہی عرب کے مشرکین حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔حضرت مسیح موعودؑ سے قادیان کے ہندو اکثر دعائیں کرواتے تھے۔
(از ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

آنحضرت ﷺ کے والدین سے اگرچہ کوئی شرک منسوب نہیں لیکن وہ مومنین میں شامل نہیں تھے۔آپ ﷺ تاحیات ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے رہے۔**ربنا اغفرلی ولوالدیَّ و للمؤمنینَ یوم یقوم الحساب** (۱۴۔۴۲) پس **ما تبیّن** نے یہ بات کھول دی کہ وہ مشرک جو شرک میں پختہ ہو کر توحید کے دشمن بن جائیں ان کے بارے میں قطعی منع ہے کہ کوئی مسلمان ان کے لئے دعائے مغفرت کرے۔

لِلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ
اللہ کا بیزار ہوگیا اُس سے یقیناً ابراہیم البتہ دردمند (اور) بُردبار تھا اور نہیں ہے
اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا
اللہ کہ گمراہ کرے کسی قوم کو بعد اس کے کہ اس نے ہدایت دی انہیں یہاں تک کہ کھول کر بیان کرے ان کیلئے وہ
يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ
جس سے بچیں یقیناً اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے یقیناً اللہ وہ ہے کہ اس کے لیے ہے بادشاہت

١١٤۔ **ابٌ**۔ باپ کے علاوہ چچا کے لئے بھی آتا ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آذر مراد ہے۔ **اوّاہٌ**۔ آہیں بھرنے والا۔ تضرع سے دعائیں کرنے والا، رقیق القلب، دردمند، **حلیم**، خود پر قابو رکھنے والا، حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے والا، حلیم الطبع، بردبار۔

استغفار گزشتہ گناہوں سے معافی کے لئے اور اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ آئندہ گناہوں سے مامون رکھے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے والدین کے لئے آخر تک استغفار کرتے رہے۔ (١٤-٤١) پس یہاں آپ کے چچا آذر کا ذکر ہے جن کے لئے آپ نے دعائے مغفرت کا وعدہ کیا تھا۔ **ساستغفر لک ربیّ ط انّہٗ کان بی حفیاً ٥** (١٩-٤٨) میں اپنے ربّ سے تیرے لئے ضرور مغفرت کی دعا کروں گا وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ یہ اس امید پر تھا کہ وہ ایمان لے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں عہد کی ایسی وقعت ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ مشرک ہے، آپ کو وعدہ پورا کرنے کا موقع دیا جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ توحید کا دشمن ہے اور اس کی خدا دشمنی انتہا کو پہنچ چکی ہے تو آپ نے اس سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا آپ کی رقیق القلبی اور بردباری کی انتہا تھی کہ چچا آپ کو سنگسار کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ (١٩-٤٧) اور آپ اس کے لئے اپنے ربّ سے مغفرت طلب کر رہے ہیں۔

١١٥۔ مومنین کو گھبراہٹ ہونا قدرتی امر تھا کہ ہم اپنے وفات یافتہ مشرک عزیزوں کے لئے دعائے مغفرت مانگتے رہے کہیں ہماری گرفت نہ ہو۔ انہیں تسلی دی کہ اللہ نے تمہیں ہدایت دی پس جب تک تمہیں خوب کھول کر قرآن کریم میں وہ تمام امور نہیں بتا دے گا جن سے تمہیں پوری طرح بچنا چاہیئے، تمہاری کمزوریوں سے صرف نظر فرمائے گا اور تمہیں گمراہ قرار نہیں دے گا اگرچہ ان احکام سے پہلے تم سے کوئی حکم عدولی ہوئی ہو۔ گویا گمراہ وہ ٹھہریں گے جو احکام ملنے کے بعد حکم عدولی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بیشک اللہ کو ہر چیز کا علم ہے پس بندے کو علم دینا اس کی کرم

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
آسمانوں کی اور زمین کی وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور نہیں تمہارے لیے سوائے
اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ
اللہ کے کوئی دوست اور نہ مددگار یقیناً یقیناً رحمت سے توجہ کی اللہ نے نبی پر
وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ
اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی اس کی
الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ
تنگی کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہوجاتے دل ایک گروہ کے ان میں سے
ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٧﴾ وَّعَلَي
پھر رحمت سے توجہ کی ان پر یقیناً وہ ان پر بہت مہربان بہت رحم کرنیوالا ہے اور ان
الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
تین پر (بھی) جو کہ پیچھے چھوڑے گئے تھے یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر

نوازی ہے اور عمل کرنا اس کی دی ہوئی توفیق سے بندے کا کام ہے۔

١١٦۔ قبول اسلام سے لوگ اپنے مشرک دوستوں اور عزیزوں کی معاونت سے محروم ہو گئے تھے۔ انہیں تسلی دی کہ جس قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں زمین و آسمان کی بادشاہی ہے اور جو موت و حیات کا مالک ہے، اس خالق کائنات کی معاونت جسے نصیب ہو جائے اور وہ ان کا دوست اور مددگار بن جائے انہیں اور کیا چاہیئے۔

١١٧۔ اللہ تعالیٰ نے اس نبیٔ کامل پر اور تمام مہاجرین و انصار پر اپنا فضل کیا۔ ان پر رجوع برحمت کرتے ہوئے جھکا جنہوں نے جنگ تبوک میں انتہائی تنگ دستی، بے سرو سامانی اور نہایت نامساعد حالات میں آپ ﷺ کا اتباع کیا اور آپ ﷺ کا ساتھ دیا۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن کے قدم اس آزمائش کی گھڑی میں ڈگمگا گئے یہ وہی جنگ تبوک میں پیچھے رہنے والے تھے۔ قریب تھا کہ ان کے دل ٹیڑھے ہو جاتے اور یہ وفا میں کمزوری دکھاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے باوجود غلطی کے ان کمزوروں کے ساتھ مغفرت کا سلوک فرمایا وہ ان مومنین کے لئے بہت ہی مہربان اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ پہلے تابَ میں گناہ سے توبہ کا مضمون نہیں۔ رجوع برحمت ہونا مراد ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین و انصار کے لئے ہے۔ دوسرے تابَ میں ان پیچھے رہ جانے والوں کی کمزوریوں پر مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ

زمین باوجودکہ فراخ تھی اور تنگ ہوگئیں ان پر جانیں ان کی اور

ظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

گمان کیا انہوں نے کہ نہیں پناہ کی جگہ اللہ سے مگر طرف اسی کی پھر اللہ تعالٰی نے (فضل سے توجہ کی ان پر

ع لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

تاکہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ ہی فضل سے متوجہ ہونیوالا بہت رحم کرنیوالا ہے اے لوگو جو

۱۱۸۔**رحبت۔ رحب** ۔ مکان کی وسعت۔رحبت۔وہ کشادہ ہوئی۔ضیق کی طرح بطور استعارہ بھی استعمال ہوتا ہے اسی سے مرحبا ہے۔

انہی کی طرح اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو بھی اپنی رحمت سے نوازا جن کا معاملہ ملتوی کردیا گیا تھا۔اللہ ان پر قبولیت کی طرف مائل ہوتے ہوئے جھک گیا تاکہ وہ توبہ کریں۔یقیناً اللہ ہی بار بار توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔یہ وہ تین صحابی تھے جن کا ذکر **اٰخرون مُرجون** کے الفاظ میں آیت :۱۰۶ میں گزر چکا ہے۔یہ کعب بن مالکؓ ۔مرارہ بن الربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ تھے۔حضرت عبداللہ بن کعبؓ غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے اپنے والدکعب بن مالکؓ کا واقعہ ان کی زبانی تفصیلاً بیان کرتے ہیں۔(بخاری حدیث کعب بن مالکؓ)حضرت کعب بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ان دنوں سے زیادہ میں کبھی خوشحال نہیں ہوا ، نہ کبھی میرے پاس دو سواریاں ہوئیں۔لیکن جنگ کی تیاری میں میں نے سستی کی،آج اور کل پر ڈالتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ تیس ہزار کے لشکرِ جرار کے ساتھ کوچ فرما گئے۔میں نے یہی سوچا کہ تیاری کر کے جلد ہی ان سے جا ملوں گا۔اس طرح دن گزرتے گئے اور جب مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ ﷺ بہت دور نکل گئے ہیں تو میں نے ارادہ ملتوی کر دیا۔بعد میں یہ بات مجھے سخت غمگین کرتی کہ پیچھے صرف معذور اور منافق ہی رہ گئے ہیں۔تبوک پہنچ کر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کعب بن مالکؓ کو کیا ہوا۔اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اپنے صحابہ کی کس قدر فکر رہتی تھی۔تیس ہزار کے لشکر میں ایک صحابیؓ کے غیر حاضر ہونے کا آپ ﷺ کو علم ہوگیا۔بنو مسلمہ کے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اسے اس کے عمدہ لباس اور اس لباس کو دیکھتے رہنے نے روکا۔یہ محاورۃً کہا گویا اس کی نفاست اس لمبے سفر میں مانع ہوئی لیکن معاذ بن جبل نے کہا کہ تم نے بری بات کی۔یا رسول اللہ ﷺ! میں نے اس میں خیر کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔آپ ﷺ کا معمول تھا کہ سفر سے واپس آکر مسجد میں دو نفل ادا

کرتے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے پھر ازواج مطہرات سے ملتے چنانچہ سفر سے واپسی پر آپ ﷺ سیدھے مسجد میں گئے اور دو نفل ادا کئے۔منافقین جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جھوٹے عذر پیش کر کے بچ گئے۔آپ ﷺ نے ان کے لئے استغفار فرمایا، کوئی سزا نہ دی اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑا۔حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بھی خیال ہوا کہ کوئی عذر پیش کر کے چھوٹ جاؤں۔میں نے پوچھا کہ کوئی ہے جس نے سچ کہا ؟تو مجھے بتایا گیا کہ دو ہیں تب میں نے سچائی کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔حضرت کعبؓ اور دوسرے دونوں صحابہ نے اعتراف کیا کہ ہم صرف سستی کی وجہ سے پیچھے رہے حقیقی عذر کوئی نہیں تھا۔آپ ﷺ نے ان سے مقاطعہ کا اعلان فرمایا جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ آ جائے۔دوسرے دونوں صحابی ضعیف تھے گھر میں بیٹھے اللہ کے حضور آہ وزاری کرتے رہے۔آپ جوان تھے مسجد میں نماز کے لئے جاتے اور باہر نکلتے لیکن کوئی ان سے کلام نہ کرتا اور نہ ہی ان کے سلام و کلام کا جواب دیتا۔کعبؓ کہتے ہیں کہ انہی دنوں میں بازار میں پریشان پھر رہا تھا کہ شام کا ایک نبطی تاجر لوگوں سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا۔انہوں نے میری طرف اشارہ کیا۔اس نے ریشم میں لپٹا ہوا شاہ غسان کا خط دیا جس میں لکھا تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے نبیؐ نے تمہارے ساتھ بے وفائی کی ہے ، تمہیں دور کر دیا ہے، اللہ نے تمہیں ذلت و ہلاکت کی جگہ نہیں بنایا تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے۔کعبؓ کہتے ہیں میں سمجھ گیا کہ خدا کی طرف سے آزمائش ہے۔میں نے یہ رقعہ وہاں تندور میں ڈال دیا کہ یہی اس کا جواب ہے۔چالیس دن بعد حضور ﷺ کا پیغام ملا کہ اپنی بیوی سے تعلق منقطع کر دو۔آپ نے پوچھا کیا طلاق دے دوں؟ فرمایا نہیں! الگ رہو۔چنانچہ آپ نے اسے میکے بھیج دیا۔اس وقت آپ کا وہی حال تھا جو قرآن کریم نے بتایا کہ ان پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں تنگی محسوس کرنے لگیں۔آخر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان پر ملتفت ہوا پہلے ان کی توبہ کا ذکر نہیں بلکہ پہلے تاب ، اللہ کی طرف سے ہوا۔پھر ان کی طرف سے۔اللہ کا تاب یہ ہے کہ ان کے اندر مخفی توبہ کا رجحان موجود تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور انہیں توبہ کی توفیق دی۔پچاس راتوں کے بعد ایک دن آپ نے صبح سویرے پکارنے والے کی پکار سنی جو آپ کی معافی کا اعلان کر رہا تھا اور مبارک دے رہا تھا۔آپ فوراً سجدے میں گر گئے اور فرط جذبات سے رونے لگے۔لوگ آپ کو مبارک دینے دوڑے جن میں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی تھے۔جس نے سب سے پہلے مبارک دی آپ نے اسے اپنی پوشاک عنایت فرمائی۔

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ

ایمان لائے ہو تقویٰ اختیار کرو اللہ کا اور ہو جاؤ ساتھ سچوں کے نہیں ہے (مناسب) واسطے اہل

آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے بڑھ کر آپ کو سینے سے لگایا اور مبارک دی۔ آنحضرت ﷺ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ حضرت کعبؓ نے اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں اپنا پورا مال صدقہ کرنا چاہا۔ لیکن آپ ﷺ نے ایک تہائی قبول فرمایا۔ توبہ کے بعد صدقہ قرآن کریم سے ثابت ہے جو گناہ کے اثر کو زائل کرنے میں ممد ہوتا ہے۔ تہائی سے زیادہ صدقہ آپ ﷺ قبول نہیں فرماتے تھے۔ سوائے حضرت ابوبکرؓ کے جن کا پورا مال قبول فرمایا اور حضرت عمرؓ جن کا نصف قبول فرمایا جو ان کے اعلیٰ ترین مدارج پر دال ہے۔

اس سارے واقعہ میں اصحاب رسول کی وفاداری اور اطاعت گزاری انتہا پر پہنچی نظر آتی ہے۔ یہ کوئی معمولی لوگ نہ تھے۔ کعب بن مالکؓ بیعت عقبہ میں شامل تھے اور انہیں اس پر بجا طور پر فخر تھا۔ قریباً تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے اور اپنی جاںنثاری و جوانمردی کا ثبوت دے چکے تھے۔ باقی دونوں بدری صحابہ تھے لیکن جب اللہ اور رسول کی طرف سے عتاب کا حکم آیا تو سر تسلیم خم کر دیا۔ گلہ نہ شکوہ بلکہ ہر طرح ذلیل ہونا پسند کیا کہ شاید نگہِ کرم ہو اور معافی کی کوئی صورت بن جائے۔ باقی مومنین کا بھی یہی حال تھا کہ خلوت میں نہ جلوت میں اس حکم سے سرِ موانحراف نہیں کیا۔ کعبؓ کہتے ہیں میں سلام کرتا تھا اور آپ ﷺ کے ہونٹوں کو دیکھتا تھا مگر آپ ﷺ نے اور نہ کسی دوسرے نے کبھی جواب نہ دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن میں گھبرا کر اپنے بچپن کے دوست اور چچا زاد بھائی قتادہ کے پاس گیا اور اس کے باغ کی دیوار پھاند کر اسے سلام کیا مگر اس اللہ کے بندے نے سلام کا جواب نہ دیا۔ انہوں نے کہا ابو قتادہ! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا مجھے خدا اور اس کے رسول سے محبت نہیں؟ وہ خاموش رہا میں نے تین بار اپنے سوال کو دہرایا۔ تیسری دفعہ اس نے کہا! اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں اور میں روتا ہوا واپس آ گیا۔ غرض ان تینوں صحابہؓ نے سچ بولا اور سزا قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن کریم میں کیا اور ان کی بخشش کا اعلان کیا۔ ان کے سچ کی گواہی قرآن نے دی اور یہ اپنے سچ کی وجہ سے تاقیامت زندہ ہو گئے۔

۱۱۹۔ اس رکوع میں بتایا کہ جہاد بالسیف کے ساتھ جہاد باللّسان اور جہاد بالقلم کے لئے مربیان اور معلمین کا ہونا بھی ضروری ہے جو دینی تعلیم دیں۔ بتلایا کہ ان کی توبہ تقویٰ اور صدق کی

الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

مدینہ کے اور ان کے جو اردگرد (بستے) ہیں ان کے گاؤں کے رہنے والوں میں سے کہ (جنگ میں جانے سے) پیچھے

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ

رہیں رسول اللہ سے اور نہ یہ کہ وہ (زیادہ) چاہیں اپنی جانوں کو اس کی جان سے یہ اس لیے

بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ

کہ وہ ایسے ہیں کہ نہیں پہنچے گی انہیں پیاس اور نہ تکلیف اور نہ بھوک

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ

راہ میں اللہ کی اور نہ روندیں گے کوئی روندنے کی جگہ کہ جو ناراض کرے کافروں کو اور نہ لیں گے

مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ

دشمن سے کچھ (مال غنیمت) مگر لکھا جائے گا ان کے لیے عوض میں اس کے کام نیک یقیناً

اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً

اللہ نہیں ضائع کرتا اجر احسان کرنے والوں کا اور نہ خرچ کریں گے وہ کوئی خرچ

وجہ سے قبول ہوئی پس ان کے طریق پر چلو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”سچا تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان صادقوں کی صحبت اختیار نہ کرے اور ان کی معیت سے قوت نہ پکڑے ۔۔۔ اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو تو دعا بھی کرو اور کوشش بھی کرو اور صادقوں کی صحبت میں بھی رہو۔ کیونکہ اس راہ میں صحبت بھی شرط ہے۔ (لیکچر لاہور صفحہ ۱۳، ۱۴) ۔۔۔ صادق کی معیت میں انسان کی عقدہ کشائی ہوتی ہے، اسے نشان دئے جاتے ہیں جس سے اس کا جسم منور اور روح تازہ ہو جاتی ہے“۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۹ مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳) صادقوں میں انبیاء و صلحاء سب شامل ہیں گویا ایسے لوگوں میں شامل ہو جاؤ جن میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر کسی کو ایسی صحبت ہمیشہ نصیب نہ ہو تو قرآن و احادیث اور دینی کتب مع الصادقین کے طور پر ہیں جن سے ہم بفضل تعالیٰ بجاطور پر اس مقام کو حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۲۰۔ **یرغبوا**۔ **رغب**۔ رغبت۔ خواہش ہونا۔ پسند کرنا۔ ترجیح دینا۔ **ظَمأٌ**۔ پیاس۔ **نَصَبٌ**۔ تھکان۔ گاڑنا۔ **مخمصۃٌ**۔ بھوک۔ **وَطِیئٌ** کے معنی کسی چیز کے پامال ہونے کے ہیں۔ **یطئون** وہ پامال کرتے ہیں۔ وہ چلتے ہیں۔ **موطئا**۔ چلنے کی جگہ۔ راستہ۔ **النَّیل**۔ ہر وہ چیز

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ
چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ طے کریں گے وہ کوئی وادی مگر وہ لکھی جائے گی ان کیلئے

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ
تاکہ بدلہ دے انہیں اللہ زیادہ بہتر اس سے جو تھے وہ کرتے اور نہیں ہیں

الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ
مومن کہ کوچ کریں سب کے سب پس کیوں نہیں کوچ کرتا ہر جماعت میں سے

جسے انسان اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے۔حاصل کرنا۔**ولا ینالون من عدوٍ نیلًا** اور نہ دشمنوں سے کوئی چیز حاصل کرتے ہیں۔

پیچھے رہنے والے اہل مدینہ اور مدینہ کے مضافات کے بدووں کو بتایا کہ ان کا پیچھے رہنا رسول کے مقابلہ میں اپنی جانوں کی فکر کرنا اور اپنے آرام کو مقدم رکھنا مناسب نہیں تھا۔کیونکہ رسول کی معیت میں تو ان کا ہر فعل عبادت اور اجرِ عظیم کا مستحق تھا۔گرمی کے طویل اور تکلیف دہ سفر میں مجاہدین نے راہ خدا میں بھوک، پیاس اور تھکان کی مصیبتیں جھیلیں جس وادی سے بھی گزرے کفار کے تکبر کو پامال کرتے اور انہیں غصہ دلاتے ہوئے گزرے اور دشمن سے جو بھی فوائد حاصل کئے وہ سب ان کے عمل صالحہ میں لکھے گئے اور ہر قدم پر ان کے درجات بلند ہوئے کیونکہ اللہ محسنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

۱۲۱۔مجاہدین کو محسنین کہا۔وہ اللہ کی رضا کی خاطر احسان کرتے ہیں۔اللہ تو بے حد احسان کرنے والا ہے۔پس وہ ان کے بہترین اعمال کے مطابق اجر دیتا ہے یعنی ان کے معمولی اعمال کے اجر کو ان کے اعلیٰ اعمال کے اجر کے مطابق کر دیتا ہے۔حدیث میں ہے لوگوں نے پوچھا کہ جنت میں تو اعمال کے مطابق مختلف مدارج ہوں گے۔میاں بیوی اکٹھے کس طرح رہیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اعلیٰ مرتبہ پانے والا ہوگا اس کی معیت کی خاطر دوسرے کے اعمال بڑھا دئے جائیں گے۔پس اگر ایک کے بہترین عمل دوسرے کی جزا بن سکتے ہیں تو اپنے کمزور اعمال کے مقابل اپنے اچھے عمل کیوں جزا نہیں بن سکتے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ محسن ہے وہ اپنے بندوں پر جتنا چاہے احسان فرمائے۔بندے بھی وہ جنہیں باری تعالیٰ خود محسنین کا خطاب دے رہا ہے۔گویا ان کا عمل اللہ پر احسان ہے۔یہ آیت جہاد بالسیف اور جہاد باللسان و جہاد بالقلم کے درمیان رکھ کر واضح کر دیا کہ دونوں کے لئے پیسہ بھی درکار ہے اور سفر بھی درپیش ہوں گے۔

مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ
ان کی ایک گروہ تاکہ سمجھ حاصل کریں وہ دین میں اور تاکہ خبردار کریں اپنی قوم کو

اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ١٥ ع ٤
جب لوٹیں وہ طرف ان کی تاکہ وہ بچ جائیں اے لوگو جو

اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا
ایمان لائے ہو لڑو ان لوگوں سے جو قریب رہتے ہیں تمہارے کافروں میں سے اور چاہیئے کہ وہ پائیں

۱۲۲۔جہاد بالسیف کے مسائل خوب واضح کر کے اسلام کی اصل غرض کی طرف توجہ مبذول کروائی یعنی **تفقہ فی الدین** اور تبلیغ و اشاعت۔فقیہِ دین اور مربی و مبلغ بننا ہر مسلمان کے بس میں نہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک فقیہ یعنی عالمِ دین شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔(دارمی) نیز **کونوا مع الصّٰدقین** کا حکم بھی اسی رکوع میں ہے لیکن ہر انسان کے لئے مامور من اللہ یا امام وقت کے پاس پہنچ کر براہِ راست فیضیاب ہونا بھی ممکن نہیں۔پس یہاں آسان طریق بتایا کہ کچھ لوگ خدمت دین کے لئے زندگیاں وقف کریں اور گروہ در گروہ دین سیکھنے جائیں، دین کی سمجھ بوجھ اور فہم و تفہیم پیدا کریں۔واپس آکر اپنی قوم کی تربیت کریں اور ان کو حقائق دین سے آگاہ کریں۔ان میں تقویٰ اور خشیت اللہ پیدا کریں اور ان کی ہدایت کا موجب بنیں۔مربیان کی تربیت کے لئے کسی خاص دینی مرکز کی طرف اشارہ نہیں کیا۔امام وقت کی صوابدید پر ہے چاہے تو ہر ملک میں الگ الگ دینی مراکز تشکیل دے جو اصل دینی مرکز کے تابع ہوں۔جہاں مختلف گروہ اس طرح دین میں تفقہ پیدا کریں کہ نہ صرف دوسروں کے مربی بن سکیں بلکہ ان کو بھی مربی اور معلم بنا دیں۔اس طرح دیا سے دیا جلتا جائے، تمام ظلمتیں چھٹ جائیں اور ایک عالم اس نور سے منور ہو جائے۔الحمدللہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مختلف ممالک میں مربیانِ سلسلہ کی تربیت کے لئے دینی مراکز یعنی جامعہ احمدیہ کے قیام کا اجراء فرمایا ہے۔

نذر کے معنی ایسے ڈرانے کے ہیں جس میں محبت، خیر خواہی اور پدرانہ شفقت جھلک رہی ہو تا کہ وہ گناہوں سے بچیں۔گویا تبلیغ و ہدایت بھی نہایت حکمت و دانائی اور شفقت سے ہونی چاہیئے۔بیشک تبلیغ و ہدایت کا کام خاص گروہ کے سپرد رہے لیکن ہر مومن مکلف ہے کہ وہ حسب استطاعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو احسن طور پر ادا کرتا رہے اور داعی الی اللہ

فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا

تم میں سختی اور جان لو کہ یقیناً اللہ ساتھ ہے متقیوں کے اور جب

مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ

کبھی اتاری جاتی ہے کوئی سورت تو بعض ان میں سے ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ کون ہے تم میں سے بڑھایا ہو جسے

هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا

اس (سورت) نے ایمان میں سو جو لوگ ایمان لاتے ہیں پس بڑھایا اس نے انہیں ایمان میں

بنے۔ تا محسنین میں شامل ہو۔

۱۲۳۔**یَلُوْنَ**۔ وہ نزدیک ہوتے ہیں قریبی۔ اس رکوع میں بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد دنیا کو گناہ کی ظلمت اور ہلاکت و تباہی سے بچانا ہے اسی پر اس سورۃ کا اختتام ہے۔ جہاد بالقلم کے بعد پھر جہاد بالسیف کا ذکر کر کے بتا دیا کہ یہ ساتھ ساتھ چلیں گے۔ مومنین کو دونوں سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ یہاں قریب والوں سے مقابلہ کا حکم ہے۔ ابنِ عربی نے لکھا ہے سب سے قریبی کافر تو ہمارا نفس ہے جو اللہ کی بہت سی نافرمانیاں کرتا ہے۔ پس سب سے پہلے مقابلہ اس سے کرو۔ قریبیوں سے مراد عزیز و اقارب بھی ہیں کہ اگر وہ دشمن اسلام ہیں اور کفار سے مل کر اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں تو بیشک حقوق ان کے قائم رہیں گے مگر ان تمام رشتہ داروں سے خدا اور رسول مقدم ہوں گے۔

عسکری نقطہ نظر سے بھی پہلے قریبی دشمنوں کو زیر کرنا از بس ضروری ہے۔ فرمایا وہ تم میں سختی اور شدت محسوس کریں گویا ضروری نہیں کہ اس سختی کا استعمال بھی ہو۔ اگر ان پر تمہاری طاقت کا رعب ہے اور وہ زیادتی سے باز آگئے ہیں تو یہی کافی ہے۔ اللہ کو بلا وجہ جنگ و جدال پسند نہیں۔ اگر تمہارے کام اللہ کی رضا اور ہر قسم کی منہیات سے بچنے کے لئے ہیں تو یقیناً وہ تمہارے ساتھ ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تمام قریبی قبائل سے ہرگز جنگیں نہیں کیں۔ آپ ﷺ کی جنگوں کا مقصد جیسا کہ اس پوری سورۃ سے ظاہر ہے دفاع تھا یا امن پیدا کرنا اور مذہبی آزادی کو قائم کرنا تھا۔ تاہم مومنین نے جب اللہ کی رضا کی خاطر جہاد کیے تو رشتہ داری اور ذاتی تعلقات کو آڑے نہیں آنے دیا۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کے فرزند نے آپ سے کہا کہ قبول اسلام سے قبل ایک جنگ میں آپ میری زد میں تھے اگر میں چاہتا تو آپ کو مار سکتا تھا لیکن میں نے باپ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا! اگر مجھے موقع ملتا تو میں تمہیں نہ چھوڑتا۔ (روض

وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اور وہ خوش خبری حاصل کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ دلوں میں ان کے بیماری ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾

پس بڑھایا اس نے انہیں پلیدی میں ساتھ ان کی پلیدی کے اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر ہوتے ہیں

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ

کیا نہیں وہ دیکھتے کہ وہ فتنہ میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک دفعہ یا دو دفعہ

ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ

پھر نہیں توبہ کرتے اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور جب کبھی اتاری جاتی ہے

الانف جلد دوم شرح ابن ہشام)

۱۲۴۔ آیت ۱۲۴ سے لے کر ۱۲۷ تک ان چاروں آیات میں منافقین کے تمسخر اور بیہودہ حرکات کا ذکر کیا کہ جب بھی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو تمسخر سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ نے کس کے ایمان کو بڑھایا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بھی سورۃ کا نزول مومنین کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہوتا ہے اور وہ رحمتِ الٰہی کے نزول پر یقیناً خوشیاں مناتے ہیں بلکہ آئندہ کی خوشخبریاں بھی حاصل کرتے ہیں۔

۱۲۵۔**رِجْسٌ**۔ پلیدی۔ خباثت۔ نفاق۔

آیات قرآنی کے نزول پر جہاں مومنین اپنے ایمان میں ترقی کرتے ہیں وہاں منافقین کا اندرونی نفاق کھل کر سامنے آجاتا اور وہ نفاق وخباثت میں اور بڑھ جاتے ہیں۔ پس اس سورۃ نے ان کی ناپاکی میں مزید ناپاکی کا اضافہ کردیا۔ فرمایا وہ کافر ہونے کی حالت میں ہی مریں گے گویا ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ **ماتوا** ماضی کا صیغہ ہے لیکن یہاں مضارع کے معنی دے گا۔

۱۲۶۔ ایک دو بار تو محاورۃً کہا گیا ورنہ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ”آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ۱۹ دفعہ ایسے فتنے آئے ہیں“۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ نومبر ۱۹۰۹ء) دراصل ہر حکم جہاد منافقین کے لئے آزمائش کا پیغام تھا کہ جان ومال اور اولاد کو کسی نہ کسی طور قربان کرنے پر مجبور ہوتے جبکہ دل میں کھوٹ ہوتا۔ ہر دفعہ اس امید پر حصہ لیتے کہ مسلمان ضرور شکست کھا کر نیست و نابود ہو جائیں گے اور اس کے لئے مقدور بھر کوششیں بھی کرتے۔ لیکن ہر دفعہ مسلمانوں کی کامیابی و فتح مندی ان کے لئے مزید آزمائش کا باعث بنتی۔ اس طرح بیماریاں، دکھ، تکالیف، قحط سالی اور مسلمانوں کی تائید میں تازہ بتازہ نشان بھی ان کے لئے کم ابتلاء نہیں تھے۔ لیکن یہی ابتلا

سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

کوئی سورت دیکھتے ہیں بعض ان کے طرف بعض کی (اور کہتے ہیں) کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی

ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

پھر پھر جاتے ہیں پھیر دیا اللہ نے ان کے دلوں کو اس لیے کہ وہ لوگ

لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ

نہیں سمجھتے یقیناً یقیناً آیا تمہارے پاس رسول اپنے میں سے تمہارے شاق ہے

عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ

اس پر وہ جو دکھ دے تم کو حریص ہے تم پر مومنوں پر بہت مہربان

مومنین کے صبر، دعا اور توکّل سے ان کے لئے ترقیٔ درجات کا موجب بنتے جبکہ کفار و منافقین کے لئے مزید تنزل کا باعث ہوتے۔ پس انہیں توبہ نصیب ہوتی اور نہ ہی نصیحت پکڑتے۔

۱۲۷۔منافقین ذلالت کی پستیوں میں اس حد تک گر چکے تھے کہ سرور کونین پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود اور ذاتِ بابرکات میں یا قرآن حکیم میں انہیں کوئی خوبی نظر نہ آتی اور وہ آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو اشاروں کنایوں سے کہتے کہ اگر کسی کی توجہ ان کی طرف نہیں یا کسی نے ان کو تمسخر کرتے ہوئے نہیں دیکھا تو وہ بھاگیں۔ یہ بھی وجہ تھی کہ منافقین کے بارے میں سورتیں نازل ہو کر ان کے دلی رازوں کو افشا کر دیتیں اور وہ کھسک جانے ہی میں مصلحت سمجھتے۔ یہ تجھ سے منہ پھیرتے ہیں اللہ نے تو ان کے دلوں کو ہی پھیر دیا ہے یعنی ان کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی ماؤف کر دی ہے۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی۔

حضرت خلیفۃ الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں ”نبی اور راستباز کی صحبت میں بیٹھ رہنے سے بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ خواہ کچھ نہ سنے۔ نفس ”بیٹھنا“ بھی ان انوار و برکات سے حصہ دلاتا ہے“۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ نومبر ۱۹۰۹ء) پس یہ بدنصیب لوگ ان بابرکت مجالس کی برکات سے محروم رہے۔

۱۲۸۔**عزیزٌ علیہ**۔**عزّ** بمعنی غلبہ یعنی غالب ہوا۔ عز علیہ کذا۔ وہ چیز اس پر شاق گزری۔ **ماعنتم** یعنی **ماعَنَتُکُمْ**۔ عنت۔ دکھ۔ مشقت۔ ہلاکت۔ **ماعنتّم**۔ تمہارا تکلیف میں پڑنا۔

یہ رسول تمہی میں سے ہے کوئی غیر نہیں تا کہ اس کی اتباع تمہیں آسان ہو۔ اس پوری

رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

بہت رحم کرنے والا پس اگر وہ پھر جائیں تو تُو کہدے کافی ہے مجھے اللہ نہیں کوئی خدا سوائے

هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۶ / ۷ / ۵

اس کے اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور وہ رب ہے عرش عظیم کا

سورۃ میں جہاد و قتال اور فاسقین سے بریت و لاتعلقی کا ذکر تھا۔ اس لئے اختتام پر پھر واضح کیا کہ رسول کی بعثت کی غرض جنگ نہیں۔ یہ تو بحالتِ مجبوری انتہائی صورت تھی ورنہ اس رسول کی ہمدردی اور غمگساری کا تو یہ عالم ہے کہ جنگ تو کجا اس پر تو بندگان خدا کی معمولی تکلیف بھی سخت گراں گزرتی ہے۔ اسے شدید خواہش ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں، ان کی حالت سدھر جائے اور ابتلاؤں سے نجات حاصل کر لیں۔ جب ان سے ہمدردی کا یہ عالم ہے تو مومنین کے لئے کس قدر شفیق اور مہربان ہو گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومنین سے خطاب مراد لیا ہے آپ کے نزدیک مفہوم یہ ہے آیت: ۱۱۷ میں مومنین کی تکلیفوں کے ذکر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رجوع برحمت فرماتا ہے ان کو پیار سے دیکھتا ہے۔ وہ مومنین کے لئے رؤف اور رحیم ہے۔

اس آیت میں اسی مضمون کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا اور مومنین سے خطاب ہے کہ تمہارا تکلیف میں پڑنا محبوب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق گزرتا ہے وہ تمہارے لئے بھلائی کا سخت حریص ہے۔ مومنین پر نہایت درجہ شفیق اور مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات رؤف اور رحیم کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کر کے یہ کھول دیا کہ آپ ﷺ صفاتِ باری تعالیٰ کے مظہرِ کامل تھے۔ مومنین کے لئے اس سے زیادہ آپ ﷺ کی شفقت اور رحمت کا اقرار ممکن نہیں۔

۱۲۹۔**عرش**۔ کے لفظی معنی تخت اور چھت کے ہیں کنایۃً معنی حکومت، غلبہ اور تسلط کے ہیں۔ پس یہ رسول مومنین کے علاوہ فاسقین کی بھلائی کا بھی سخت حریص ہے اور اس کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ اگر پھر بھی نہ مانیں اور منہ پھیر کر چلے جائیں تو صبر کر، اللہ پر توکل کر اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔ تجھے اللہ کافی ہے گویا ایمان لانا انہیں کی بھلائی کے لئے تھا۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ربّ العرش کے معنی کو خوب کھول کر بیان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں ”ہم جو خدا تعالیٰ کو ربّ العرش کہتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ جسمانی اور جسم ہے اور عرش کا محتاج ہے بلکہ عرش سے مراد وہ مقدس بلندی کی جگہ ہے جو اس جہان اور آنے والے جہان سے برابر نسبت رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کو عرش پر کہنا درحقیقت ان معنوں سے مترادف ہے کہ وہ مالک

کونین ہے۔اور جیسا کہ ایک شخص اونچی جگہ بیٹھ کر یا کسی اونچے محل پر چڑھ کر یمین ویسار پر نظر رکھتا ہے ایسا ہی استعارہ کے طور پر خداتعالیٰ بلند سے بلند تخت پر تسلیم کیا گیا ہے جس کی نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔نہ اس عالم کی اور نہ اس دوسرے عالم کی ہاں اس مقام کو عام سمجھوں کے لئے اوپر کی طرف بیان کیا جاتا ہے"۔ (رسالہ معیار المذاہب صفحہ۲۴)

ان دو آیات کے احادیث میں بڑے فضائل مذکور ہیں حضرت ابو الدرداؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ یہ آیات پڑھے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے بارہ میں اس کے سب ہم و غم دور کر دیتا ہے اور اس کے تمام کام آسان فرما دیتا ہے۔ (قرطبی) بقول بعض اولیاء اللہ ان کے پڑھنے سے بفضلِ تعالیٰ یاد داشت بہت بہتر ہو جاتی ہے۔صبح و شام پڑھیں۔پس انہی آیات سے اس سورۃ کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّعَشْرُ اٰيٰتٍ وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ یونس۔یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو دس آیات اور گیارہ رکوع ہیں

سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ میں جنگوں کے احکام تھے اور ان میں حصہ نہ لینے والے منافقین سے بیزاری کا اعلان تھا۔اس سورۃ کا نام حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر رکھ کر بتایا کہ توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔اگر قومِ یونس کی طرح توبہ واستغفار کرکے ایمان لے آئیں تو ان کی طرح بچائے جائیں گے۔

سورۃ الفاتحہ کے بعد کی ساتوں سورتوں میں (سورۃ انفال اور سورۃ توبہ بوجہ ایک ہی مضمون کے ایک شمار ہوں گی) آپ ﷺ کے وجود اور کام یعنی اسلامی تعلیم اور عقائد کو صداقتِ اسلام کے طور پر پیش کیا جبکہ اس سورۃ اور اس سے اگلی چھ سورتوں میں عقلی دلائل اور منہاجِ نبوت کو صداقتِ اسلام کے طور پر پیش کیا۔یہاں سے سورۃ نحل تک سات سورتیں مکی زندگی ﷺ کے آخری زمانہ کی ہیں جبکہ کفار کی مخالفت اور ان کے مصائب وشدائد انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ان سورتوں میں انبیاء کے حالات پیش کرکے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض بھی وہی ہے۔پس ان انبیاء کے ساتھ جو سلوک ہوا اور جو حالات گزرے ویسے ہی اب بھی دہرائے جانے والے ہیں۔گویا ان سورتوں میں غلبہ اسلام کی زبردست پیشگوئیاں مضمر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان تمام سورتوں میں اپنی رویت والی صفت کو بطور خاص بار بار بیان فرمایا کہ میں بندوں کے تمام حالات وافعال دیکھ کر ان کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔اس میں تمام شکوک وشبہات اور اعتراضات کے جوابات ہیں۔مسلمانوں کی شدید خواہش کا جواب ہے کہ سب لوگ اسلام قبول کیوں نہیں کرتے۔کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ ہمارے جیسے ایک عام آدمی کو نبوت سے کیوں نوازا گیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ

الف، لام، را یہ آیات ہیں کتاب حکمت والی کی کیا ہے واسطے لوگوں کے

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ

تعجب کہ وحی کی ہم نے طرف ایک آدمی کے ان میں سے کہ ڈرا تو لوگوں کو اور

بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے کہ ان کے لیے درجہ ہے اعلیٰ پاس ان کے رب کے

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ

کہا کافروں نے یقیناً یہ البتہ جادوگر ہے کھلا کھلا یقیناً رب تمہارا اللہ وہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا کرم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ اس رکوع میں بتایا کہ وحی الٰہی اور تخلیق کائنات باری تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے مظہر ہیں جبکہ جنت وجہنم صفت رحیمیت کے طفیل ہیں۔ پس جس نے بغیر استحقاق پوری کائنات کو انسان کی خدمت میں لگا دیا وہ سچی محنت کا بدلہ کیوں نہیں دے گا۔

الٓرٰ ۔ یہ **انا اللّٰہ اریٰ** کا مخفف ہے ۔یعنی میں اللہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دیکھنے کی صفت لانے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق سزا دے گا (تفسیر ابن جریرؒ) خاص طور پر جو سلوک تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہے ہو، وہ سب دیکھ رہا ہے۔ اس سورۃ کے علاوہ اس کے بعد کی چار سورتیں **الٓرٰ** سے شروع ہوتی ہیں جبکہ ان کے درمیان سورۃ رعد **الٓمّٓرٰ** سے شروع ہوتی ہے۔ ان چھ سورتوں کا مضمون اور زمانہ نزول قریباً ایک ہی ہے۔ ان میں مکذبین انبیاء کی عقوبت اور سزاؤں کا ذکر ہے۔

فرمایا یہ حق وحکمت سے بھری ہوئی کتاب کی آیات ہیں۔ پس سزا ہوگی تو حکمت کی بنا پر، جزا ملے گی تو وہ بھی حکمت کے تحت۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

۳۔ قدم کے لفظی معنی پاؤں کے ہیں ۔**قدم صدق** سے مراد گویا فضیلت میں قدم آگے بڑھانا ہے ۔رازی وکشاف قدم صدق کے معنی مقام صدق کرتے ہیں۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

ہے جس نے پیدا کیا آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا

قرار پکڑا اس نے عرش پر تدبیر کرتا ہے وہ معاملہ کی نہیں کوئی سفارشی مگر

مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا

بعد اس کی اجازت کے یہ اللہ رب ہے تمہارا پس عبادت کرو اس کی کیا پھر نہیں

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ

تم نصیحت حاصل کرو گے طرف اس کی لوٹنا ہے تمہارا سب کا وعدہ ہے اللہ کا سچا

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

یقیناً وہ شروع کرتا ہے پیدائش پھر دوبارہ کریگا اسے تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے

اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ کفار نے نہایت تحقیر آمیز الفاظ میں کہا کہ کیا اللہ کو ابوطالب کے یتیم پوتے کے سوا کوئی رسول نہ ملا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے کاموں میں متعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ وہ اپنے بندوں کو دیکھتا ہے اور ان کے حالات سے باخبر ہے، وہ جانتا ہے کہ نبوت کا اہل کون ہے۔ پس اس کی وحی کفار کو ڈرانے کے لئے ہے کہ گناہوں سے باز آجائیں اور مومنین کے لئے بطور بشارت ہے کہ ان کے لئے ان کے ربّ کے حضور عزت کا مقام اور اعلیٰ درجات ہیں یہ بھی معنی ہیں کہ ان کا قدم ان کے ربّ کے نزدیک سچائی پر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے، ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے" (رسالہ الوصیت صفحہ ۹ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۹) اس کلام میں ایک خاص رعب اور شان ہے جسے سن کر بے اختیار کہتے ہیں کہ یہ کھلا کھلا جادوگر ہے یعنی اس کا جادو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کا سحر یہی تھا کہ آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور حسن بیان سے لوگ اپنی قوم سے کٹ کر آپ ﷺ کی طرف کھنچے چلے آتے اور عیش و آرام کو تج کر مصیبتوں اور ابتلاؤں کو قبول کرتے۔

۴۔ **استوٰی علی العرش** ۔ استوا کا صلہ علیٰ آئے تو اس کے معنی اس مکان پر قرار پکڑنے کے ہیں جو اس کے مناسب حال ہو۔ عرش پر قرار پکڑا یعنی تنزیہہ کے مقام کو اختیار فرمایا۔

عرش کے لئے دیکھیں سورۃ توبہ آیت ۱۲۹۔ کفار جو وحی الٰہی پر متعجب تھے انہیں تخلیق کائنات کی طرف متوجہ کر کے عظمتِ الٰہی سے آگاہ فرمایا۔ چونکہ ان سورتوں میں اسلام کی ترقی اور کامیابی کی بشارت ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو بتدریج کمال تک پہنچاتا ہے۔ پس اسلام کی ترقی بھی بتدریج ہوگی۔ قرآن کریم نے عالمِ صغیر یعنی انسان کی پیدائش کے لئے چھ مدارج رکھے (المومنون:۱۵) پس عالمِ کبیر کے لئے بھی جو زمین و آسمان اور مافیہما ہے چھ ہی مدارج ہیں۔ یہاں تک کہ روحانی امور میں بھی چھ ہی مراتب سے گزرنا پڑتا ہے۔ دیگر کتبِ سماوی میں بھی چھ دن میں زمین کو پیدا کر کے ساتویں دن آرام کا ذکر ہے۔ اس لئے تمام اقوام نے چھ دن کام اور ایک دن آرام کے لئے مخصوص رکھا۔ چھ دن سے مراد چھ زمانے بھی ہیں۔ گویا ان چھ زمانوں میں زمین مختلف تغیرات سے گزرتی ہوئی اس قابل ہوئی کہ حضرتِ انسان اس پر بود و باش اختیار کر سکے۔

عرش پر قرار پکڑنا تنزیہہ کے مقام کو اختیار کرنا ہے لیکن اس طرح نہیں کہ وہ اپنی مخلوق سے غافل ہو جائے بلکہ تمام کائنات کا نظم و ضبط اس کے قوانین کے تابع ہے۔ زمین و آسمان اور کائنات کس لامحدود زمانہ میں ارتقائی منازل طے کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچے اور انسان کتنے دور مکمل کر چکا ہے۔ یہ اس صحیح حدیث سے واضح ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو مخاطب کر کے فرمایا! کہ تمہاری مثال پچھلی امتوں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے سیاہ بیل کے بدن پر ایک سفید بال گویا زمین کی عمر اتنی دراز ہے کہ اس کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے۔ زمین کی عمر کا اندازہ سائنسدانوں نے سمندر کے نمک اور چٹانوں میں موجود سیسہ سے لگایا ان کے نزدیک زمین کی پیدائش دو ارب سے لے کر دس ارب سال کے درمیان ہوئی جبکہ قرآن کریم کی رو سے قریباً پانچ ارب سال بنتی ہے کیونکہ پچاس ہزار سال میں ایک زمینی دور مکمل ہوتا ہے۔ سورۃ معارج:۵ (وہاں اس کی پوری تفصیل لکھی جائے گی) جس کا آخری سات ہزار سالہ دور دورِ نبوت یا دورِ انسانیت ہوتا ہے۔ اس دور میں انسان اپنے ارتقائی مراحل سے گزر کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ متمدن زندگی گزارے اور اس کی ہدایت کے لئے انبیاء کا نزول ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ آدم سے پہلے آدم تھا اور اس سے پہلے آدم تھا اور ایک لاکھ آدم گزر چکے ہیں۔ ابن عربی کے کشف نے بھی اسی حدیث کی وضاحت کی۔ اس طرح قرآن وحدیث کی رو سے زمین کی عمر اندازاً پانچ ارب سال بنتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) جس نے چھ مراتب یا چھ زمانوں میں تکمیل کے مدارج طے کئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ وہ

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
اور کیں نیکیاں ساتھ انصاف کے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۵
پینا ہے گرم پانی اور عذاب دردناک بسبب کہ تھے وہ کفر کرتے
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ
وہی ہے جس نے بنایا سورج کو روشنی اور چاند کو نور اور
قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا
اندازہ کے مطابق بنائیں اس کی منزلیں تاکہ جان لو تم گنتی سالوں کی اور حساب نہیں

مدبر الامر ہے یعنی کائنات میں اپنے قوانین منظم طریق پر حکمت سے برمحل جاری کرتا ہے۔ مدبر الامر ہی نہیں شفیع بھی ہے۔ شفاعت کا نظام کائناتی جاری نظام سے بالا ہے۔ کسی مخلوق کو اس میں دخل کی اجازت نہیں۔ مثلاً کسی کو موت آجائے، تقدیر اٹل ہو، دعا اور تدبیر بیکار ہو جائیں تو اس وقت شفاعت کام آسکتی ہے وہ بھی اللہ کی اجازت سے۔ نبی بھی اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت کا مجاز نہیں۔ آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی شفاعت ہوگی اور جزا و سزا کے قانون سے ہٹ کر بخشش ہوگی۔ **مامن شفیع الا من بعد اذنہ** ط میں اوّل مراد شفیع المذنبین آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی عظمت اور شان کا کچھ اندازہ تم تخلیقِ کائنات اور اس میں جاری کردہ قوانین سے لگا سکتے ہو پس اسی کی عبادت کرو۔ کیا اس کے بعد بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے۔

۵۔ جس نے بغیر کسی مادہ و آلہ کے یہ کائنات تخلیق کی اور انسان کو پیدا کیا۔ اس کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ پس تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے یہ اس کا سچا وعدہ ہے۔ جس طرح اس کی شانِ کبریائی خلقِ اوّل میں ظاہر ہے اسی طرح خلق آخر میں بھی نمایاں ہوگی تاکہ انہیں ان کے نیک و بد اعمال کی ایسی جزا اور سزا دے جو انصاف پر مبنی ہو۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عملِ صالحہ سے مراد مناسبِ حال عمل کے لئے ہیں۔ جیسا کہ جہاد میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے یا مسلمانوں کے دورِ تنزل میں ان میں قومی بیداری پیدا کرنے اور علومِ جدیدہ حاصل کرانے کی ترغیب دینے کی بجائے مولوی حضرات نے ہمیشہ نئے علوم و فنون کے خلاف فتوے جاری کئے، اور محض مصلے پر بیٹھ کر گنتی کر کے وظیفے پڑھ لینے پر زور دیا اور انہیں جہادِ قلم سے غافل رکھا۔ پس یہ اعمال باوجود قابلِ تحسین ہونے کے مناسبِ حال نہ تھے۔

خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
پیدا کیا اللہ نے اسے مگر ساتھ حق کے مفصل بیان کرتا ہے آیات ان لوگوں کے لیے
يَّعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ
جو جانتے ہیں یقیناً آگے پیچھے آنے میں رات اور دن کے اور اس میں جو پیدا کیا
اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿٧﴾ اِنَّ
اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں البتہ نشانات ہیں ان لوگوں کیلئے جو تقویٰ کرتے ہیں یقیناً

۶۔۷۔**ضیآء**۔ذاتی روشنی۔**نورًا**۔غیر سے حاصل کردہ روشنی۔**بالحق** حق کے ساتھ۔بوجہ ضرورت حقہ۔**اختلاف**۔بار بار آنا۔آگے پیچھے آنا۔**منازل**۔منزلیں اترنے کی جگہیں۔ برج جن میں مختلف مخصوص وقتوں میں ستارے داخل ہوتے ہیں۔ ستاروں کی رفتار کی طرف بھی اشارہ ہے۔

تخلیقِ کائنات میں سورج کی ذاتی روشنی، چاند کا سورج سے اخذ کیا ہوا نور نیز ان کی حرکات اور تاثیرات سے وجود میں آنے والے رات دن اور ماہ وسال بلکہ جو کچھ آسمان کی انتہائی بلندیوں اور زمین کی پاتال میں ہے اس قادرِ مطلق اور مدبرِ اعلےٰ نے ان سب کو انسان کی ضرورت حقہ کے لئے پیدا کیا تاکہ وہ کیلنڈر اور حساب کا علم سیکھے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں فرمایا کہ حساب، سورج اور چاند کے ساتھ وجود میں آیا۔حق میں یہ مفہوم بھی ہے کہ ان کا حساب قطعی اور سچا ہے۔سائنس کی ساری علمی ترقی حساب کی مرہونِ منت ہے۔ ظاہری تجربات اور مشاہدات کو حساب میں تبدیل کرنا اور فارمولوں سے ثابت کرنا سائنس کہلاتا ہے۔ تاہم عبادات یعنی روزہ اور نماز کا تعین شمسی حساب سے ہے اور اسلامی مہینوں اور حج کا تعین قمری حساب سے ہے۔پس جس نے ایک عالم کو انسان کی مادی ضروریات کے پورا کرنے پر لگا دیا۔کیا وہ اس کی باطنی اور روحانی ضروریات کے لئے کچھ انتظام نہ کرتا۔ان آیات کی تفصیل ان کے لئے کار آمد ہے جو علم رکھتے ہیں تاکہ وہ ان کی حقیقت کو جان کر خدا کی خدائی کے قائل ہوں۔پس علم حاصل کرنا، دنیا کو علم وعرفان سے روشناس کروانا اور قرآنی دلائل کو حقیقت و سائنس سے ثابت کرنا مومن کا کام تھا جیسا کہ علامہ شعرانی بہت پہلے اس نتیجہ پر پہنچے اور فرمایا **اِنّ الاسلَام فِی اَوّلِ اَمرِہ کَان شَرِیعَۃً ثُمّ فی اٰخرِالزّمَانِ یکُونُ حَقِیقَۃً**۔یعنی اسلام آغاز میں محض شریعت تھا اور آخری زمانہ میں حقیقت بن جائے گا۔لیکن افسوس دور جدید میں اس فرض کو غیر اقوام نے خوب سمجھا اور وہ سائنسی اور تیکنیکی میدان میں بہت آگے نکل گئیں۔جبکہ مسلمان کافر و مومن اور حلال و حرام

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وہ لوگ جو نہیں اُمید رکھتے ملاقات کی ہماری اور راضی ہوگئے زندگی ورلی پر
وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿٨﴾
اور مطمئن ہوگئے اس پر اور وہ لوگ جو آیات سے ہماری غافل ہیں
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩﴾ اِنَّ
یہ لوگ وہ ہیں کہ ٹھکانا ان کا آگ ہے بسبب اس کے کہ جو تھے وہ کماتے یقیناً
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ
جو لوگ ایمان لائے اور کیں نیکیاں ہدایت دے گا انہیں رب ان کا
بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ
بسبب ان کے ایمان کے بہتی ہوں گی نیچے ان کے نہریں باغوں میں

کے چکر میں بھٹک رہے ہیں الاماشاء اللہ۔ پس ان علوم کو مغربی مفکر اور سائنسدان بقدرِ استطاعت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور بلاشبہ بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے لیکن افسوس یہ ہے کہ ان میں سے بیشتر تقویٰ کے جوہر سے خالی تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتہائی تباہ کن آلاتِ حرب ایجاد کر کے پوری انسانیت کے لئے ایک عظیم خطرہ ثابت ہوئے جیسا کہ جنگ عظیم دوم میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم کی تباہی نے ثابت کیا۔اب تو ان سے کہیں زیادہ مہلک ہتھیار ایجاد ہو چکے ہیں۔ہاں وہ عالم اور سائنسدان جو متقی بھی ہوگا وہ سائنس کو کلیتہً نسلِ انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کردے گا اور بندگان خدا کی روحانی اور جسمانی ترقی کے لئے ممد و معاون ثابت ہوگا۔اسے مظاہرِ فطرت کے پیچھے اپنے ربّ کا چہرہ نظر آئے گا۔وہ جدید علوم اور سائنس کی ایجادات کو اپنے ربّ کی عطا سمجھے گا کہ اس کی بخشی ہوئی توفیق سے وہ ان حقائق سے پردہ اٹھانے میں کامیاب ہوا، جو انسانی نظروں سے اب تک مستور تھے۔اس طرح ان انکشافات سے اس کی روحانی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ تقویٰ میں مزید ترقی کرتا چلا جائے گا۔

۸۔۹۔**یرجون** ۔**رجاء**۔ امید اور خوف۔ توقع۔

مومن رحمتِ خداوندی سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔اسے اپنے پیدا کرنے والے سے شدید پیار ہوتا ہے اور اپنے رب کی ملاقات پر یقین ہوتا ہے لیکن خوف بھی ہوتا ہے کہ اپنی کسی کوتاہی یا غلطی سے موردِ الزام نہ ٹھہرے۔جبکہ کفار خداتعالیٰ سے کوئی امید رکھتے ہیں نہ خوف اور نہ ہی اس کی ملاقات کی توقع رکھتے ہیں حالانکہ گناہوں سے بچنے کے لئے یہی ہتھیار ہیں۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

النَّعِيْمِ ﴿١٠﴾ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

بہت سی نعمتوں کے ۔ پکار ان کی ۔ ان (باغوں) میں یہ ہوگی کہ پاک ہے تو ۔ اے اللہ ۔ اور ان کا تحفہ

وہ دنیا کو ہی اپنا ملجا و ماویٰ سمجھتے اور اسی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس جدو جہد کے نتیجہ میں بیشک کچھ دنیوی فوائد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس چندروزہ زندگی سے بظاہر راضی اور مطمئن نظر آتے اور اسی کو اصل راحت قرار دیتے ہیں لیکن اس قلبی سکون سے محروم ہوتے ہیں جو ایک مومن کو نصیب ہے۔ اس کا ثبوت غیر اسلامی تہذیب میں خود کشی کی روز بروز بڑھتی ہوئی وارداتیں ہیں جن کا عشر عشیر بھی اسلامی ممالک میں نہیں۔ پس انہوں نے خدائی عجائبات و قوانین سے جو کائنات میں ہر سو بکھرے ہوئے ہیں فائدہ تو ضرور اٹھایا لیکن ان تمام نشانات کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں جو دیدۂ بینا کو روحانی میدان میں دعوتِ فکر و عمل دیتے اور ایک مقتدرِ اعلیٰ اور صانعِ حقیقی کا پتہ دیتے ہیں۔ پس ان کے اس عمل کی وجہ سے ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ مادہ پرست سائنسدانوں کا انجام بتایا جو اپنے ہی تیار کردہ ایٹمی جہنم کا ایندھن بنیں گے اور اپنے ساتھ اپنے ساتھیوں کو بھی لے ڈوبیں گے۔ آخرت میں بھی ان اعمال کے سبب ان کا ٹھکانا آگ ہے۔

١٠۔ جب کفار اپنی بداعمالیوں سے جہنم کے مستحق ٹھہرے تو اعمالِ صالحہ بجالانے والے مومنین کو ان کا ربّ ان کے ایمان کی بدولت ضرور ہدایت کی طرف لے جائے گا۔ گویا ایمان جتنا مضبوط ہوگا اُتنا ہی ہدایت میں ترقی کرتا جائے گا اور یہ ایمان ہی انہیں منزلِ مقصود تک پہنچانے کا موجب ہوگا جو جنت النعیم ہے۔ امام راغبؒ (مفرداتِ راغب) نے ہدایت کو چار طرح بیان کیا ہے اوّل فطری ہدایت جو ہر شے کو خلق کے ساتھ ہی مل جاتی ہے۔ دوسری ہدایت جو انسان کے لئے خاص ہے اور انبیاء کے ذریعہ ملتی ہے۔ تیسری ہدایت خدا کی دی ہوئی توفیق سے اس شخص کے لئے خاص ہے جو ہدایت پا گیا۔ چوتھی ہدایت جنت ہے یعنی منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔

جنت کی نعمتیں ہوں یا جہنم کے عذاب، جو الفاظ بھی ان کے لئے بولے جاتے ہیں ان کا صحیح علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اخروی نعمتیں اصل ہیں اور دنیا کی سب نعمتیں ان کی تمثیل ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی دل میں اُن کا خیال تک نہیں گزرا۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب فی صفة الجنة۔ حدیث: ٣٠٠٥)

فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

ان میں ۔ سلام ہوگا ۔ اور آخری ۔ پکار ان کی ۔ یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ ع ١١/٦

تمام دنیا کا ۔ اور اگر جلدی لائے اللہ ۔ لوگوں کے لیے بُرائی (کا بدلہ) مانند ان کے جلدی چاہنے کے

بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۚ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا

مال کو ۔ تو فیصلہ کیا جاتا ۔ ان کی طرف ۔ ان کی میعاد کا ۔ پس ہم چھوڑتے ہیں ان لوگوں کو جو نہیں

يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٢﴾ وَاِذَا مَسَّ

اُمید کرتے ۔ ہماری ملاقات کی وہ ۔ اپنی سرکشی میں ۔ بھٹکتے ہیں ۔ اور جب چھُوتا ہے

الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ

انسان کو ۔ دُکھ ۔ پُکارتا ہے ہمیں اپنے پہلو پر ہو کر ۔ یا بیٹھ کر ۔ یا کھڑا ہو کر

١١۔ **دعوٰى**۔ دعا۔ پکار۔ اعلان۔ **تحيّتهم۔ تحيّة۔ تحية** کے معنی کسی کو حیاک اللہ کہنے کے ہیں یعنی اللہ تجھے زندہ رکھے۔ خیر سگالی کا کلمہ اور دعا ہے۔ اسی سے تشہد میں **التحيات لله** ہے۔ دنیا میں مومن کا ایمان بالغیب تھا اور اسے ہر چیز کی حکمت نظر نہیں آتی تھی پھر بھی وہ ہمہ وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتا اور دوسروں کی سلامتی کا خواہشمند رہتا۔ لیکن جنت میں مومنین پر تمام حقائق منکشف ہوں گے اور وہ بینا ہو جائیں گے۔ ان کی تسبیح علم کی بنا پر ہوگی اور وہ بے اختیار **سبحان الله** پکار اٹھیں گے۔ بہشت میں جنابِ الٰہی کی تسبیح و تحمید ہی ان کے لئے اعلیٰ روحانی سرور کا باعث ہوگی۔ جس طرح دنیا میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے السلام علیکم کہتے اور سلامتی کی دعائیں دیتے تھے وہاں بھی دیں گے۔ ان کی آخری پکار ربّ العالمین کی ستائش ہوگی کہ سب سے اعلیٰ تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا کلام ہر تھوڑے وقفہ کے بعد تسبیح سے شروع ہو کر تحمید پر ختم ہو۔

١٢۔ اس رکوع میں بتایا کہ عذاب کی محرک وحی الٰہی کی تکذیب ہے۔ خیر، بھلائی اور مال دونوں کے لئے آتا ہے۔ اس آیت کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی سرکشی کی سزا دینے میں اتنی ہی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ مال یا بھلائی طلب کرنے میں کرتے ہیں۔ تو اب تک ان کا قصہ پاک ہو چکا ہوتا۔ (رازیؒ)

کفار چونکہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لئے عذاب مانگتے تھے کہ اگر تیری طرف سے یہ حق ہے تو ہم پر پتھر برسا۔ (انفال: ٣٣) بلکہ جاہل تو نہ صرف اپنے دشمنوں کو بلکہ اولاد اور

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى

پھر جب دور کر دیتے ہیں ہم اس سے دُکھ اس کا گزرتا ہے گویا کہ نہیں پکارا تھا اس نے ہمیں طرف

ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

کسی دُکھ کی جو پہنچا ہوا سے اسی طرح خوبصورت کیا گیا ہے حد سے بڑھنے والوں کے لیے جو تھے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

وہ کرتے اور یقیناً یقیناً ہلاک کیا ہم نے قوموں کو پہلے تم سے

لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا

جبکہ ظلم کیا تھا انہوں نے اور آئے تھے ان کے پاس رسول ان کے ساتھ دلائل کے اور نہ

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴﴾

ہوئے وہ کہ ایمان لاتے اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں لوگوں کو جو مجرم ہیں

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

پھر بنایا ہم نے تم کو جانشین زمین میں بعد ان کے تاکہ دیکھیں ہم

مویشیوں تک کو ایسی ایسی بددعائیں اور گالیاں دیتے ہیں کہ اگر قبول ہو جائیں تو تمام کارخانہ درہم برہم ہو جائے۔(حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ نومبر ۱۹۰۹ء) اللہ تعالیٰ طلبِ خیر کی دعائیں عام طور پر جلد قبول فرماتا ہے اور کافر و مومن میں تخصیص نہیں کرتا۔لیکن سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت پر مہلت دیتا ہے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور توبہ کر کے اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔

۱۳۔پس جب مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو اللہ کی پکڑ آجاتی ہے اور ان کے مانگے ہوئے عذاب انہیں آگھیرتے ہیں۔مشاہدہ میں آیا ہے کہ ایسے موقعوں پر فاسق ترین لوگ بھی عام طور پر اٹھتے بیٹھتے توبہ واستغفار اور لمبی چوڑی دعاؤں میں لگ جاتے ہیں۔مگر جونہی خدا کے فضل وکرم سے وہ دکھ اور پریشانی دور ہو جاتی ہے ، خدائی احسان بھلا کر اُسی پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ گویا ابتلاؤں سے بھی ان کی اصلاح نہیں ہوتی بلکہ پہلے سے بھی بڑھ جاتے ہیں اور بجائے تائب یا شرمندہ ہونے کے اتنے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں کہ اپنے بُرے اعمال بھی انہیں اچھے لگنے لگتے ہیں۔

۱۴۔پچھلی آیت میں ایسے عذاب کا ذکر تھا جو وقتی توبہ سے ٹل گیا لیکن یہاں جو جرائم بتائے وہ معافی کی حد سے بڑھے ہوئے تھے۔محض ظلم سے کوئی قوم ہلاک نہیں ہوتی تاوقتیکہ ایک رسول

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ

کیونکر تم عمل کرتے ہو اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں آیات ہماری کھلی کھلی

آ کر انہیں غفلت سے بیدار نہ کر دے اور ان پر اتمامِ حجت نہ ہو جائے۔وہ غفلت میں نہیں پکڑتا۔ پس تم سے پہلی قوموں کی ہلاکت کی وجہ ظلم اور تکذیبِ انبیاء تھی۔فرمایا وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں۔پس یہ عذاب شرعی ہوتے ہیں۔ان کی علامتیں ظلم اور تکذیب انبیاء کے علاوہ یہ ہیں کہ ان کی لپیٹ میں قریباً پوری قوم آتی ہے۔ہاں مومنین بلا استثنا بچائے جاتے ہیں۔یہ پیشگوئی کے مطابق آتے ہیں بعض اوقات کئی مصائب جمع ہو جاتے ہیں یا قانونِ قدرت میں غیر معمولی طور پر انقلاب آجاتا ہے۔ورنہ طبعی عذاب تو فرد یا افراد پر آتے ہی رہتے ہیں۔

۱۵۔ پھر ان کے بعد تمہیں زمین میں ان کا جانشین بنایا۔تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔یہی الفاظ یہود کے لئے استعمال ہوئے **فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ** الاعراف ۱۳۰۔ پس اے قومِ مسلمین !اب یہود کی طرح تمہیں خلافت اور حکومت سے نوازا جائے گا۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ تم اپنے فرائض کہاں تک نبھاتے ہو۔یعنی تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خوبیوں کی وجہ سے اس کے خاص فضل و احسان سے تم ان انعامات کے مستحق ٹھہرے ہو۔اب ان پر خود قائم رہنا اور آئندہ ان کو قائم رکھنا اصل کمال ہے۔قوموں اور حکومتوں کی تباہی کی وجہ ہمیشہ نااہل جانشین ہوتے ہیں۔ اب دیکھنا یہی ہے کہ اولاد اور آئندہ نسلوں کے اخلاق و تربیت سے ان خوبیوں کو قائم رکھنے میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہو؟ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان حکومتوں کی تباہی کی بڑی وجہ آئندہ نسلوں کی تربیت سے غفلت تھی۔جن میں ان کی ماؤں کی نااہلی کا زیادہ دخل تھا۔مسلمان حکمرانوں کی بیویاں اسلامی تربیت کی اہلیت سے بے بہرہ تھیں۔موجودہ زمانے کی آزادی ، بے رہروی اور دین سے دوری کا علاج بھی صرف ماؤں کے پاس ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت دینی اصولوں کے مطابق خالص دینی ماحول میں کریں اور انہیں دنیا پرستی کی آگ سے بچائیں۔پھر دیکھیں کہ ان کی کوکھ سے کتنے ابنِ رشد، ابنِ سینا اور عبدالسلام پیدا ہوتے ہیں۔ نپولین نے کہا'' مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا''۔

یہود کا بڑا گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور ان پر ظلم و زیادتی کی انتہا تھا۔یہاں تک کہ انہیں صلیب پر لٹکایا گیا۔یہ بھی اشارہ ہے کہ محمدی مسیح کی تکذیب کر کے اور اسے دکھ اور اذیت دے کر یہود کی طرح خدائی لعنت کے مورد نہ بن جانا۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ
کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں اُمید رکھتے ملاقات کی ہماری لا کوئی قرآن سوا اس کے
اَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ
یا بدل دے اسے تو کہدے نہیں ہوسکتا ہے میرے لیے کہ بدل دوں میں اسے طرف سے
نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ
اپنی نہیں پیروی کرتا میں سوائے اس کے جو وحی کی جاتی ہے طرف میری یقیناً میں ڈرتا ہوں اگر
عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۶﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ
نافرمانی کی میں نے اپنے رب کی عذاب سے دن بڑے کے تو کہدے اگر چاہتا اللہ
مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ
نہ پڑھتا میں اسے تم پر اور نہ وہ (اللہ) آگاہ کرتا تم کو اس پر پس یقیناً رہ چکا ہوں میں تم میں
عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ
ایک عمر پہلے اس سے کیا پھر نہیں عقل کرتے تم پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے

۱۶۔**تلقآء**۔سمت۔طرف **تلقائی نفسی** اپنی طرف سے۔**یوم عظیم**۔بڑا دن۔ عذاب کا دن جو ہمیشہ بہت بڑا لگتا ہے اور ختم ہونے میں نہیں آتا۔ کفار کی روش پہلی مغضوب علیھم قوموں والی تھی۔جنہوں نے عذاب کو دعوت دی۔جزا و سزا پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے گستاخی میں یہاں تک بڑھے کہ قرآن کو ہی بدلنا چاہا۔جس کے احکام کی زد براہِ راست ان کے فاسد عقائد اور شرک پر پڑتی تھی۔بجائے اپنی اصلاح کرنے کے یہ مطالبہ کیا کہ قرآن کریم ان کی مرضی کے مطابق ہو۔ان کی گستاخی کے جواب میں آپ ﷺ نے کمال بندگی کا اظہار فرمایا کہ مجھے بدلنے کا اختیار نہیں۔میں تو صرف وحی الٰہی کے تابع ہوں۔الٰہی تعلیم سے ہٹنا تو عذاب کی راہ اختیار کرنا ہے۔اگر میں اپنے ربّ کی نافرمانی کروں تو میں یقیناً ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

۱۷۔**دری**۔جان لینا۔ادراک۔**بہ** سے مراد قرآنی علوم ہیں۔

قرآن کریم کا ایک شوشہ بھی نہیں بدل سکتا۔پس اسی قرآن سے تمہاری ہدایت وابستہ ہے۔ اگر تمہاری بھلائی اللہ کو منظور نہ ہوتی تو میں تمہیں قرآن پڑھ کر نہ سناتا اور نہ اللہ تمہیں اس تعلیم سے آگاہ کرتا۔ مجھے تمہاری اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے۔تم مجھ سے خوب واقف ہو۔امین و صدیق کا لقب تم نے ہی مجھے دیا۔پس آپ ﷺ نے اپنی چالیس سالہ پاکیزہ اور بے عیب زندگی کو بطور چیلنج پیش کیا۔کسی بھی مامور کی صداقت کو پرکھنے کے لئے سب سے بڑی دلیل اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے کی

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
گھڑ لیا اللہ پر جھوٹ یا جھٹلایا اس نے اس کی آیات کو یقیناً بات یہ ہے کہ نہیں کامیاب
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ
ہوتے مجرم اور وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے اس کی جو نہیں نقصان دیتا انہیں
وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
اور نہ نفع دیتا ہے انہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ سفارشی ہیں ہمارے پاس اللہ کے

زندگی ہوتی ہے۔وہ سچائی کا منادی جس کی گزشتہ چالیس سالہ زندگی گواہ ہے کہ اس نے کبھی انسانوں سے جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے اور ہر روز ایک نیا جھوٹ کیسے گھڑ سکتا ہے۔

آپ ﷺ کے سخت ترین مخالفین جو بدباطن ازلی تھے اور آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔جنہیں آخر تک ہدایت نصیب نہیں ہوئی اور اندھے کے اندھے رہے جیسے ابوجہل، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، عتبہ اور شیبہ وغیرہ، وہ بھی آپ ﷺ کی صداقت اور دیانت وامانت کے قائل تھے۔یہاں تک ابوسفیان تو ہرقل شاہ روم کے دربار میں بھی باوجود چاہنے کے آپ ﷺ کو جھوٹا نہ کہہ سکا۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان نے اس بات کا خود اعتراف کیا۔(بخاری کتاب الوحی باب بدء الوحی)

۱۸۔**افتراء**۔بہتان۔تہمت۔**افترٰی**۔اس نے تہمت باندھی۔

مکہ کی شدید مخالفت کے دور میں صداقت نبوت کے لئے یہ دوسری دلیل پیش کی کہ اگر میں نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے اور اپنے کلام کو اس کی طرف منسوب کیا ہے تو مجھ سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں۔اور اگر تم خدا کی سچی وحی کو جھٹلاتے ہو تو تم سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں۔یہ دونوں جرائم ایسے ہیں کہ ان کا ارتکاب کرنے والے کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے۔

پھر بہت جلد آپ ﷺ کی کامیابی نے آپ ﷺ کے سچا ہونے اور ان کے جھوٹا ہونے کو ثابت کردیا۔بلکہ جھوٹے مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی ناکامیوں نے اس آیت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

۱۹۔صداقت نبوت کے دلائل کے بعد بطلان شرک فرمایا کہ جو تمہیں دنیا میں نفع یا نقصان پہنچانے سے قاصر ہیں وہ آخرت میں تمہاری کیا شفاعت کریں گے۔خداتعالیٰ کے علم میں زمین و آسمان میں ایسی کسی بات کا وجود ہی نہیں بلکہ زمین و آسمان تو خود ایک خدا اور مدبرِ اعلیٰ کے وجود

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

توکہدے کیا آگاہ کرتے ہو تم اللہ کو اس پر کہ جسے نہیں جانتا وہ آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾ وَمَا كَانَ

زمین میں پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جسے وہ شریک جاتے ہیں اور نہ تھے

النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

لوگ مگر گروہ ایک پھر اختلاف کیا انہوں نے اور اگر نہ ایک بات پہلے سے ہوتی

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَ

طرف سے تیرے رب کے ضرور فیصلہ کر دیا جاتا درمیان ان کے اس میں کہ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور

يَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا

کہتے ہیں کیوں نہیں اُتارا گیا اس پر کوئی نشان طرف سے اسکے رب کی پس تو کہدے سوائے اس کے

ع ٢ الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢١﴾

نہیں کہ غیب اللہ کے لیے ہے پس انتظار کرو، یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں

کا ثبوت ہیں۔اس نے کسی نبی کے ذریعہ کبھی شرک کی تعلیم نہیں دی وہ پاک ہے اور تمہارے مشرکانہ عقائد سے بہت بلند ہے۔

۲۰۔ مشرکین اکثر یہی کہتے کہ ہم تو اسی طرح ہمیشہ سے دیوی دیوتاؤں کو مانتے آئے ہیں۔فرمایا یہ غلط ہے شرک بہت بعد کی اختراع ہے۔شروع میں سب لوگ ایک ہی امت اور دین واحد پر جمع تھے اور خدا پرست تھے۔پھر ان میں گمراہی پھیلی تو انبیاء انہیں اسی امتِ واحدہ کی طرف بلانے اور توحید کا سبق دینے آئے جو عین فطرتِ انسانی کے مطابق تھا۔لیکن اکثر نے اختلاف کیا جیسا کہ اُس وقت بھی تھا۔آنحضرت نے فرمایا! اگر اللہ کی بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی جیسا کہ اس نے مخلوق پیدا کرنے سے پہلے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ **سبقت رحمتی غضبی** یعنی میری رحمت میرے غضب پر ہمیشہ غالب رہے گی۔(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب وھوالذی حدیث ۲۹۵۵) تو ان کی نافرمانیوں کی سزا فوراً نافذ کردی جاتی اور جھگڑا چکا دیا جاتا لیکن اللہ انہیں ڈھیل دیتا ہے پس جس طرح ابتدا میں دین واحد تھا آخر میں بھی ہوگا انشاء اللہ۔(سورۃ صف:۱۰)

۲۱۔یہ جان کر کہ اسلام پھر سب کو دین واحد پر جمع کرنے آیا ہے ، نیز بے شمار نشانات دیکھنے کے باوجود بجائے ایمان لانے کے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی خاص نشان تائید حق کا کیوں نازل نہیں ہوتا؟ یا یہ کہ ہمارا مطلوبہ عذاب کا نشان کیوں نہیں اتارا جاتا؟ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم !

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ

اور جب چکھاتے ہیں ہم لوگوں کو رحمت بعد تکلیف کے جو پہنچتی ہے انہیں

اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ

اچانک ان کیلئے تدبیر ہوتی ہے ہماری آیات میں تو کہدے اللہ زیادہ جلدی کرنیوالا ہے تدبیر یقیناً

رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي

بھیجے ہوئے ہمارے لکھتے ہیں جو تدبیریں کرتے ہو وہی ہے جو چلاتا ہے تم کو

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ

خشکی میں اور سمندر میں یہانتک کہ جب ہوتے ہو تم کشتیوں میں اور وہ لے چلتی ہیں ان (مسافروں)

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّ

کو ساتھ ہوا اچھی کے اور وہ خوش ہوتے ہیں ان پر آتی ہے انہیں ہوا تیز اور

آپ ﷺ ان کو بتادیجئے کہ نشان نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں۔غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے کہ نشان کب آئے۔ہر نبی کے وقت یہ دہرایا جاتا ہے۔آج بھی یہی کہتے ہیں کہ کوئی نشان لاؤ۔ پس آؤ خدائی فیصلہ کا انتظار کریں۔

۲۲۔اس رکوع میں بتایا کہ ابتلا اسی لئے آتے ہیں کہ توبہ و استغفار کرو اور خدا کی طرف جھکو۔ پھر جب وہ اپنی رحمت سے ان مصائب کو دور کردے تو شکر گزار بندے بنو تا جنت کے وارث ٹھہرائے جاؤ۔

فرمائش تو عذابِ استیصال کی کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں بالکل تباہ نہیں کرتا بلکہ ان پر مصائب آتے ہیں تا کہ توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔بیشک وقتی طور پر ڈرتے بھی ہیں۔ جیسا کہ ابو سفیانؓ کا شدید قحط کے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعا کے لئے آنا۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الدخان حدیث ۴۴۴۷) لیکن جونہی رحمتِ خداوندی سے عذاب ٹل جاتا ہے تو بجائے شکر گزار ہونے کے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلانے کی تدابیر کرنے لگتے ہیں اور اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔فرمایا اللہ کی تدبیر نہایت سریع العمل ہے لیکن وہ جلدی نہیں پکڑتا مہلت دیتا ہے اور جو تدبیریں تم کرتے ہو ہمارے فرستادے لکھ رہے ہیں یعنی اس بات کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے کہ ہر مہلت کے بعد مکر میں بڑھ جاتے ہیں اور تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔

۲۳-۲۴۔ **عاصف** ۔ چورا۔ بھس۔ **ریح عاصف** ۔ تند ہوا جو چیزوں کو چورا چورا کردے

۔**بغی**۔ راہ حق سے ہٹنا۔ بغاوت۔

جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ
آتی ہے ان کو موج ہر جگہ سے اور خیال کرتے ہیں کہ وہ گھیرے

بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا
گئے پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو ضرور اگر نجات دے تو ہمیں

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا
اس سے ضرور ہوں گے ہم شکر گذاروں میں سے پھر جب وہ نجات دیتا ہے انہیں اچانک

هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا
وہ زیادتی کرنے لگتے ہیں زمین میں بغیر حق کے اے لوگو سوائے اس کے

بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا
نہیں کہ زیادتی تمہاری تمہاری جانوں پر ہے فائدہ اُٹھانا ہے زندگی ورلی سے پھر ہماری طرف

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾ اِنَّمَا مَثَلُ
لوٹنا ہے تمہارا پھر ہم آگاہ کریں گے تم کو اس پر جو تھے تم کرتے سوائے اسکے نہیں کہ مثال

قرآن کریم میں حاضر سے غائب اور ماضی سے حال کی طرف مضمون کو پھیر دیا جاتا ہے اور ایسا بار بار ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں بھی ہے اس میں کئی حکمتیں ہیں۔ انسانی ضمیر کو بیدار کرنے اور جھنجوڑنے کے لئے بھی تصریفِ ضمائر سے کام لیا جاتا ہے۔ عربوں کو ہمیشہ سے اپنی زبان دانی پر بڑا زعم تھا ان میں سے کبھی کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا۔ گویا یہ ایک عام دستور تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی پیدا کردہ سواریوں سے بحروبر میں خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جس طرح خشکی میں ابتلا کے بعد آرام و آسائش سے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں (آیت ۲۲) اسی طرح سمندر میں موافق ہواؤں پر خوب اتراتے ہیں اور اللہ کا خیال تک دل میں نہیں آتا لیکن جونہی تند و تیز ہواؤں کے طوفان میں پھنستے ہیں تو معبودانِ باطلہ کی بجائے خدائے واحد کو ہی پکارتے ہیں اور یہ فطرتِ انسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کی تضرع اور رجوع پر انہیں بچا لیتا ہے۔ ان کا اس وقت کا اخلاص کام آجاتا ہے۔ تھوڑی سی نیکی جو وقتی طور پر ان کے دل میں پیدا ہوئی تھی اس کی جزا دے دیتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ جھوٹ بول رہے ہیں اور مصائب کے دور ہوتے ہی پھر ظلم و فساد کی طرف لوٹیں گے۔ یاد رکھو یہ ناحق ظلم و زیادتی کا وبال تمہاری اپنی جانوں پر ہی پڑے گا۔ یہ چندروزہ عیش و عشرت یا کچھ وقتی فوائد ہیں جو اس بغی کے نتیجہ میں تم حاصل کر لو گے۔ ہم یہ فوائد تمہیں پہنچنے دیں گے اور مہلت دیں گے۔ آخر ہمارے حضور ہی تمہیں لوٹنا ہے۔ ہم تمہارے اعمال سے تمہیں آگاہ کر دیں گے۔

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ
زندگی ورلی کی مانند پانی کے اُتارا ہم نے جسے بادل سے پس مل جل گئی

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۭ حَتّٰٓى
ساتھ اسکے روئیدگی زمین کی ان چیزوں میں سے جو کھاتے ہیں لوگ اور مویشی یہاں تک کہ

اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ
جب لیتی ہے زمین اپنی زینت اور خوبصورت ہو جاتی ہے اور خیال کرتے ہیں مالک اسکے

اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا
کہ وہ قادر ہیں اس پر آتا ہے اس کے پاس حکم ہمارا رات کو یا دن کو

فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ
پس کر دیتے ہیں ہم اسے کٹا ہوا گویا کہ نہ تھا وہ کل اسی طرح

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ
ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیات ان لوگوں کیلئے جو سوچتے ہیں اور اللہ بلاتا ہے طرف گھر

۲۵۔ **زُخْرُف**۔ زینت۔ کسی چیز کے حسن کا کمال۔ یہاں زمین کی زینت مراد ہے۔ سونا۔

بِهٖ اس (پانی) کے ساتھ۔

دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا کہ جس ناپائیدار زندگی پر تم اتراتے ہو اس کی مثال اس سبزہ کی طرح ہے جو بارانِ رحمت سے خوب گنجان اور ہرا بھرا ہو جاتا ہے اور زمین کو اپنی خوبصورتی سے ڈھانپ لیتا ہے۔ اس کے مالک خود کو اس پر قادر سمجھنے لگتے ہیں اور قادرِ حقیقی کو بھول جاتے ہیں۔ دفعۃً اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نظارہ دکھاتا ہے اور وہ سبزہ چندروزہ بہار دکھا کر سوکھ جاتا ہے یا کاٹا جاتا ہے یا کوئی بگولا اسے آناً فاناً تباہ کر دیتا ہے اور اس کا نشان تک مٹ جاتا ہے۔ گویا اس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

بعینہٖ یہی حال انسانی زندگی کا ہے جو قدرت خداوندی سے ایک حقیر پانی سے وجود میں آتی ہے۔ **نسآؤکم حرثٌ لکم** (بقرہ: ۲۲۴) کہہ کر انسانی پیدائش کو نبات کی پیدائش سے خوب مشابہ کیا۔ ایک زمین کے پیٹ سے دوسرا ماں کے پیٹ سے کچھ مراحل طے کر کے جنم لیتا ہے۔ ایک اُمّی نے یہ الفاظ اُس وقت کہے جب انسان حیاتِ نباتات سے بے خبر تھا پھر وہی انسان جوانی میں خوب حسن اور طاقت کے نشے میں ہوتا ہے اور کسی کو خاطر میں نہیں لاتا اور خود کو مختارِ کل سمجھتا ہے۔ تاآنکہ آثار پیری نمودار ہونے لگتے ہیں مختلف عوارض آگھیرتے ہیں یا جوانی میں ہی یکا یک موت

آ دبوچتی ہے اور گھاس پھوس کی مانند مٹی میں مل جاتا ہے۔ یہ تمام تمثیلیں ان کے لئے ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں ایک پیشگوئی بھی مضمر ہے کہ بظاہر آج تمہاری کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور اسلام پر خزاں ہے لیکن اہل خرد بہت جلد اس نظارہ کو دیکھیں گے کہ آسمانی پانی نے اس سارے نظارے کو الٹ دیا۔ ان کی کھیتیاں ویران ہو گئیں اور اسلام پر بہار آئی اور یہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہوا اور اب آپ ﷺ کے مہدی کے زمانہ میں پھر وہی ہوائیں چل رہی ہیں اور اسلام پر بہار آئی ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی نہایت لطیف تشریح بیان فرمائی جو مختصراً یہ ہے:۔

آپؒ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حیاۃ الدنیا کی مثال پانی سے دی جسے آسمان سے اتارا۔ اس کے ساتھ زمین کی نباتات مل جل گئیں۔ ایسا اس لئے ہوا کیونکہ زمین میں بیج موجود تھا اور ایسی صلاحیتیں تھیں جن سے نباتات کی نشوونما ہوئی ورنہ یہی پانی چٹیل چٹان پر اترتا تو نباتات کا وجود نہ ہوتا یہی حال روحانی آسمانی پانی کا ہے اگر فطرت میں نیکی کا بیج موجود ہوگا تو آسمانی پانی فائدہ دے گا ورنہ نہیں۔ فرمایا ہم غور و فکر کرنے والوں کے لئے آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔ یہ غور و فکر کرنے والے کون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ آیات کھول کر بیان فرما رہا ہے؟ گویا ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے عرفان کی طاقت بخشی۔ ان میں اوّل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جن پر ان آیات کا نزول ہوا پھر وہ جنہوں نے آپ ﷺ سے فیض پایا پھر بعد میں آنے والے جنہوں نے حسب استطاعت اللہ کے فضل اور سنتِ رسول کی پیروی سے عرفان حاصل کیا۔

اس سارے مضمون سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ محنت کرنے یا دنیوی فوائد حاصل کرنے سے منع فرماتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ خاک سے زندگی پیدا کرنے اور بڑھنے کے مضمون کو بیان کر رہا ہے۔ ربّ رحیم کیسے کہہ سکتا ہے کہ تم بڑھنے کی تمنا نہ کرو اور جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔

یہاں ایک جاری و ساری مضمون کو بیان کیا کہ آسمان سے پانی ترتا ہے اور اپنے آپ کو مٹی میں ملا دیتا ہے پھر ایک نئی زندگی کی صورت ابھرتا ہے اور مخلوق خدا کو بہت سے فوائد سے مستفید کرکے پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے پھر اس سفر کو از سرنو شروع کر دیتا ہے۔ اس میں سبق یہ ہے کہ اگر تم اپنی طاقتوں کو اللہ کی رضا کے تحت اعلیٰ مقاصد کے لئے خرچ کرو گے تو یاد رکھو یہ کبھی ضائع نہیں جائیں گی۔ یہ فیوض کا لامتناہی سلسلہ ہے جو جاری ہونے کے بعد پھر پلٹا کرتا ہے۔ اگر یہ پانی ایک ہی

السَّلٰمِ ؕ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۶﴾

سلامتی کے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے طرف راہ سیدھی کی

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَةٌ ؕ وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی بھلائی ہے اور زیادتی ہے اور نہ چھا جائے گی ان کے چہروں پر

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

سیاہی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں

جگہ پڑا رہے تو یقیناً متعفن اور ناقابل استعمال ہو جائے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۲۶۔ بقول حضرت ابن عباس دارالسلام جنت کے سات ناموں میں سے ایک ہے۔ (تفسیر قرطبی)

پس اس ناپائیدار دنیا میں کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اگر کچھ عارضی نعمتیں حاصل بھی ہوئیں تو آخر فنا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تمہیں جنت کی طرف بلاتا ہے جس کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ یہ جنت کی دعوت عام ہے جو بھی کوشش کرے گا، حاصل کر سکتا ہے۔ سیدھے راستے کا اس کے فضل و احسان سے نصیب ہو جانا اس کے خاص بندوں کا مقام ہے۔ یہ دارالسلام خدا کے فضل سے دنیا میں بھی نصیب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دار میں آپ ﷺ کے جھنڈے تلے جس نے پناہ لی بچایا گیا۔ آپ ﷺ کی متابعت میں آنے والے آپ ﷺ کے حقیقی خادم اور عظیم روحانی فرزند مہدی و مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طاعون کے تعلق میں الہام ہوا کہ جو تیرے دار میں داخل ہوگا بچایا جائے گا پھر ایسا ہی ہوا۔ جبکہ بحکم الٰہی آپ نے اور آپ کے اہل دار نے طاعون کے حفاظتی ٹیکے نہیں لگوائے تھے۔ **ذٰلکَ فضل اللّٰهِ یُوتیهِ من یشاءُ** ط۔ (تفصیل سورۃ النمل: ۸۳)

۲۷۔ **یرهق۔ رهق**۔ ڈھانک لینا۔ مبتلا کرنا۔ **سارهقهٗ صعودًا** ۝۔ المدثر: ۱۸۔ **قترٌ۔ قتره واحد**۔ سیاہ غبار۔ سیاہی۔

اب اس دارالسلام کی کچھ کیفیت بیان فرمائی کہ جنہوں نے اعلیٰ نیکیاں کیں ان کے لئے بہترین اجر ہوگا۔ گویا احسان کرنے والوں کے لئے سب سے حسین جزا ہے۔ اس پر مزید انعام یہ کہ دیدارِ الٰہی سے نوازے جائیں گے۔ جیسا کہ حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں کچھ مزید دوں۔ وہ عرض کریں گے کیا آپ نے ہمارے چہرے

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا لا وَ

اور جن لوگوں نے کمیں بدیاں بدلہ بدی کا مانند اس کے اور

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ج كَاَنَّمَآ

چھا جائے گی ان پر ذلت نہیں ہے ان کیلئے اللہ سے کوئی بچانے والا گویا کہ

اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ط اُولٰٓئِكَ

ڈھانکے گئے ان کے چہروں پر ٹکڑے رات اندھیری کے یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ

آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے ان

روشن نہیں کردیئے؟ کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کردیا اور جہنم سے نہیں بچالیا؟ اس پر اللہ تعالیٰ پردہ ہٹادے گا اور ان لوگوں کو جو کچھ انعام ملے ہوں گے ان میں سے کوئی انعام بھی انہیں اس سے زیادہ محبوب نہ ہوگا کہ وہ اپنے ربّ کی دید سے مشرف ہوں گے۔ (مسلم۔ترمذی) اس سے ملتی جلتی حدیث ابوسعید الخدریؓ بیان کرتے ہیں۔۔۔۔ جب اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا کہ کیا میں تم کو ان نعمتوں سے بہتر ایک اور نعمت نہ دوں؟ اہل جنت کہیں گے۔ ان سے بہتر اور کون سی نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا! میں تم پر اپنی رضا نازل کروں گا۔ یعنی تم سے ہمیشہ کے لئے خوش ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا باب احلال الرضوان علیٰ اھل جنۃ) اللہ تعالیٰ کے انعامات کس کس رنگ میں ہوں گے اس کا صحیح ادراک آخرت میں ہی ہوگا۔ ان کے چہروں پر کسی غم یا شرمندگی کا پرتو تک نہ ہوگا اور نہ ذلت کے آثار ہوں گے جو دنیا میں کسی نہ کسی رنگ میں ان کے شامل حال رہے۔ یہی جنت کے مکین ہیں وہ اس میں رہتے چلے جائیں گے۔

۲۸۔ ساتھ ہی جہنمیوں کا حال بھی بتایا کہ ان کی بدیوں کا بدلہ بدی کے برابر ملے گا۔ ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں ”جس قسم کا کوئی گناہ کرتا ہے اسی قسم کی سزا پاتا ہے۔۔۔۔ یہی انجام عیاشوں اور رشوت پرستوں کا ہوتا ہے کہ وہ اس لذت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجاتے ہیں بلکہ ان میں آتشک، سوزاک اور نامردی پیدا ہوجاتی ہے۔۔۔۔“ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۸ نومبر ۱۹۰۹ء) جبکہ نیکیوں کا بدلہ کم از کم دس گنا، ستر گنا بلکہ بے حد و حساب ہوگا۔ ذلت کے ادبار سے ان کے چہرے سخت سیاہ راتوں کی طرح تاریک ہوں گے اور انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہی جہنمی ہیں جو وہاں لمبا عرصہ تک رہتے چلے جائیں گے۔

جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ

سب کو پھر کہیں گے ہم ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا ٹھہرو اپنی جگہ پر تم اور

شُرَكَآؤُكُمْ ج فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ

شریک تمہارے پھر تفرقہ ڈالیں گے ہم درمیان انکے اور کہیں گے شریک ان کے نہ تھے تم

اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ

ہماری عبادت کرتے پس کافی ہے اللہ گواہ درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے یقیناً

كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٣٠﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ

تھے ہم عبادت سے تمہاری ضرور غافل وہاں امتحان کریگا ہر نفس

مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ

جو (اعمال) وہ کرچکا ہوگا اور لوٹائے جائیں گے طرف اللہ کی اپنے سچے آقا کی اور جاتا رہے گا ان سے

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣١﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ النصف ع ٣ / ٨

جو تھے وہ افترا کرتے تو کہدے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور

۲۹۔۳۰۔ **زیّلنا۔ زال**۔ اپنے طریق سے ہٹنا۔ اسی سے زوال ہے بمعنی **فرقنا**۔ تفریق کردینا۔ الگ کردینا۔ **مکانکم**۔ اپنی جگہ پر ٹھہرو۔

یوم حشر کی مزید تفصیل بتائی۔ یہاں پتھر کے بتوں کا ذکر نہیں کیونکہ ان کا نہیں ہوگا۔ بلکہ ملائکہ اور ان صالح بندوں کا ذکر ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ، رامچندر جی، کرشن جی مہاراج اور دیگر اولیاء اللہ وغیرہ جنہیں ان کے بعد خدائی صفات میں شریک کیا گیا۔ میدان حشر ایک عدالت ہے جس میں اللہ تعالیٰ ان دونوں گروہوں سے آمنے سامنے بیان لے گا اور جب تک ان نیکو کاروں کی بریت ثابت نہیں ہوجاتی ان دونوں گروہوں کو رکے رہنے کا حکم ہوگا۔ مشرکین کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کا پورا موقع دیا جائے گا لیکن مشرکین اور صالحین کے گروہ حقیقتاً الگ ہی رہیں گے اور مشرکین کو ان کے بنائے ہوئے معبود ہی جھٹلادیں گے جو خدا تعالیٰ کی گواہی پیش کریں گے اور ان کے شرک سے لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ ان دونوں گروہوں کو الگ الگ رکھنے کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ جنتی اور جہنمی لوگ دنیا میں بھی الگ تھے اور آخرت میں بھی الگ ہی ہوں گے۔

۳۱۔ **تبلوا۔ بلاء**۔ آزمائش۔ جانچنا۔ ظاہر ہونا۔

اس دن ان کے اعمال کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی جو انہوں نے آگے بھیجے تھے اور وہ اللہ کی طرف جو سچا مولیٰ ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ اپنی طرف سے بناتے تھے

الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ
زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو
مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ
مردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور کون انتظام کرتا ہے
الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝٣٢ فَذٰلِكُمُ
(اس تمام) معاملہ کا پس ضرور کہیں گے کہ اللہ پس تو کہدے کیا پھر نہیں تقویٰ کرتے تم سو یہ
اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى
اللہ رب ہے تمہارا سچا پس نہیں ہے چھوڑ کر حق کو سوائے گمراہی کے سو کہاں
تُصْرَفُوْنَ ۝٣٣ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ
پھرے جاتے ہو تم اسی طرح ثابت ہوئی بات تیرے رب کی ان لوگوں پر جنہوں نے

جاتا رہے گا۔یعنی بے خبر بزرگوں کو خدائی میں شریک کرنا،خدا اور رسول پر بہتان تراشیاں اور منصوبے بندیاں،وہ سب بھول جائیں گے۔

۳۲۔پچھلے رکوع کی مزید وضاحت کے لئے اس رکوع میں ہستی باری تعالیٰ کے زبردست دلائل دئے اور ابطالِ شرک فرمایا۔یہاں ان خدائی انعامات کا ذکر فرمایا جن سے کوئی دہریہ بھی انکار نہیں کرسکتا۔مادی انعامات سے روحانی انعامات کی طرف عود فرمایا کہ جس طرح مردہ اور خشک زمین آسمانی پانی کے بغیر انسانوں کے لئے رزق فراہم کرنے سے قاصر ہے اسی طرح خشک عقل بغیر آسمانی الہامی پانی کے ہرگز روحانی تشنگی اور بھوک دور کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا۔

عقل اندھی ہے اگر نیّر الہام نہ ہو

پس جس طرح کان اور آنکھ ہوا اور روشنی کے محتاج ہیں اس طرح روحانی شنوائی و بینائی کے لئے بھی روحانی سورج اور ہوا کی ضرورت ہے۔خدا کی قدرت سے ہر طرف مردہ چیزوں سے زندہ اور زندہ سے مردہ چیزیں وجود میں آرہی ہیں۔بے جان بیج اور مردہ زمین لہلہاتی فصلیں اور پھل پھول پیدا کرتے ہیں پھر یہی کچھ دیر بعد مردہ ہو کر مٹی ہو جاتے ہیں۔اسی طرح بدوں سے نیک اور نیکوں سے بد پیدا ہوتے ہیں۔جب وہ جانتے ہیں کہ اس نظام کائنات یعنی کارخانۂ عالم کو اللہ ہی تدبیر سے چلا رہا ہے اور ان کے معبودان باطلہ کا اس کی خدائی میں سرِ مو دخل نہیں تو ان سے پوچھ کہ تم کیوں خدا سے نہیں ڈرتے اور تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔

۳۳۔سو ان تمام صفات کا مالک یہ ہے اللہ،تمہارا حقیقی ربّ۔اس حق کو چھوڑ کر سوائے

فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٣٤ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ
فسق اختیار کیا کہ وہ نہیں ایمان لائیں گے تو کہدے کیا ہے تمہارے شریکوں میں سے وہ جو
يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
شروع کرے پیدائش پھر دوبارہ کرے اسے تو کہدے اللہ شروع کرتا ہے پیدائش پھر
يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝٣٥ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ
دوبارہ کرتا ہے اسے پس کہاں اُلٹائے جاتے ہو تم تو کہدے کیا ہے تمہارے شریکوں میں سے وہ جو
يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ
ہدایت دیتا ہے طرف حق کی تو کہدے اللہ (ہی) ہدایت دیتا ہے حق کی کیا پھر جو ہدایت دیتا ہے
اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ
طرف حق کی زیادہ حقدار ہے کہ پیروی کی جائے اس کی یا وہ جو نہیں (خود بھی) راہ پاتا سوائے اسکے کہ راستہ دکھایا جائے
فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝٣٦ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا
سو کیا ہوا تم کو کیسا فیصلہ کرتے ہو تم اور نہیں پیروی کرتے اکثر ان کے سوائے
ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ
گمان کے یقیناً گمان نہیں کام دیتا مقابل حق کے کچھ بھی یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے

گمراہی کے کیا رہ جاتا ہے۔تم کہاں بھٹک رہے ہو یعنی اندھے ہو کر ان گمراہوں کے پیچھے کیوں بھٹک رہے ہو کہ جہاں چاہتے ہیں تمہیں لئے پھرتے ہیں۔کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔

۳۴۔اسی طرح جو فاسق ہوئے ان پر تیرے ربّ کا قول صادق آگیا کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔پس قانونِ خداوندی یہی ہے کہ حق اور گمراہی کی طرح مومن اور فاسق بھی ہمیشہ الگ رہیں گے۔

۳۵۔۳۶۔ہستی باری تعالیٰ پر دلائل دئے جا رہے تھے۔اب شرک کی تردید میں دو زبردست ثبوت دئے۔فرمایا سوائے خدا کے کوئی پہلی دفعہ پیدا کرسکتا ہے اور نہ اس پیدائش کو دہرا سکتا ہے۔پس کن غلط راہوں کی طرف تمہیں لے جایا جا رہا ہے۔سوائے خدا کے کون سچائی کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے جبکہ یہ معبودان باطلہ تو خود رہنمائی کے محتاج ہیں پس وہ اللہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔یہ ہدایت ایک تو وہ ہے جو ہر ذی روح کی سرشت میں رکھی گئی۔دوسری وہ جو انبیاء کے ذریعہ ملی۔تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیوں صحیح فیصلہ نہیں کرتے۔

بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ
اسے جو وہ کرتے ہیں اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا جائے (کسی اور کی

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ
طرف سے) سوائے اللہ کے ولیکن یہ تصدیق (کرتا) ہے اس کی جو اس سے آگے ہے اور تفصیل (بیان کرتا) ہے

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
کتاب (الٰہی) کی نہیں شک اس میں رب کی طرف سے تمام جہانوں کے کیا وہ کہتے ہیں کہ

افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ
اس نے گھڑ لیا ہے تو کہدے پس لاؤ کوئی سورۃ مانند اس کی اور پکارو جسے

۳۷۔ان میں سے اکثر تو ہمات میں مبتلا ہیں ۔اسلام جو سراسر حق اور سچائی کا پیغام ہے اس کے سامنے یہ توہمات کب ٹھہر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

۳۸۔ خدائی ہدایت کا ذکر تھا جو قرآن کریم کے ذریعہ ملی۔ مگر مشرکین و کفار اس قرآن کریم کو خدا کی طرف سے تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔فرمایا اس قرآن کریم کو اللہ کے سوا بنانا ممکن نہیں کیونکہ یہی وہ قرآن عظیم ہے جو توریت اور انجیل بلکہ ہر الہامی کتاب کا مُصدّق ہے۔ان کتابوں کی تمام پیشگوئیاں صرف آپ ﷺ پر صادق آتی ہیں مثلاً موسیٰ ؑ کی پیشگوئی کہ میرے بعد میرے مثل ایک نبی پیدا ہوگا اور خدا کا کلام اس کے منہ میں ڈالا جائے گا (استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۲۰) یا تاکستان والی مثال کہ جب بیٹے کو ماریں گے تو مالک خود آئے گا۔(متی باب ۲۱ آیت ۳۳۔۳۴) غرض اس طرح کی تمام پیشگوئیاں اگر آپ ﷺ پر صادق نہ آتیں تو وہ صحیفے جھوٹے ثابت ہوتے۔یہ قرآن تفصیل الکتاب ہے یعنی نہ صرف توریت بلکہ تمام گزشتہ الہامی کتابوں کے احکام کی تفصیل بیان کرتا اور ان کی تصحیح فرماتا ہے۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر نہایت اعلیٰ درجہ کی میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔پہلی تمام الہامی کتب میں جن میں سب سے اوّل توریت ہے، بہت سے اہم مسائل بغیر تشریح اور بغیر دلائل نہایت مجمل رنگ میں تھے۔نیز تحرف وتبدّل کی گرد نے ان کی افادیت کو گہنا دیا تھا۔قرآن کریم ان کی تفاصیل خوب کھول کر بیان فرماتا ہے گویا یہ کتاب تمام حقائق پر روشنی ڈالنے والی اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔جیسے مسئلہ توحید ، حیاتِ بعد الموت ، صفاتِ باری تعالیٰ ،وحی ،نبوت ، امورِ اخلاق و روحانیہ اور اصول تمدن و معاشرت وغیرہ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے گویا تمام جہانوں کی روحانی ربوبیت کا سامان اس میں موجود ہے۔

اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ بَلْ كَذَّبُوْا
طاقت رکھتے ہو تم سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے بلکہ جھٹلایا انہوں نے

بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ
اسے کہ نہیں احاطہ کیا انہوں نے علم کا اس کے اور ابھی تک نہیں آئی ان کے پاس اس کی حقیقت اسی طرح

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے پس دیکھ کیونکہ ہوا انجام

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا
ظالموں کا اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس پر اور بعض ان میں ایسے ہیں جو نہیں

۳۹۔ان کا دعویٰ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی عالمِ توریت سے سیکھ کر قرآن کریم پیش کر دیتے ہیں۔فرمایا کہ تم بھی اللہ کے سوا جس کی چاہو مدد لے لو اور اس کی کوئی ایک سورۃ کی نظیر ہی بنا لاؤ۔عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا گھمنڈ تھا اور بظاہر یہ ان کے لئے کچھ مشکل بھی نہیں تھا۔لیکن باوجود اپنی تمام فصاحت و بلاغت کے وہ ایسا کرنے سے قاصر رہے۔فصاحت و بلاغت کے علاوہ قرآن کریم میں قیامت تک کے لئے لاتعداد غیب کی خبریں اور پیشگوئیاں ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی رہیں گی نیز اس مختصر کتاب میں علوم و معرفت کا ایک بحر بیکراں پنہاں ہے اور ہر کوشش کرنے والا حسبِ استطاعت خدا کے فضل و احسان سے کوئی نہ کوئی گوہر نایاب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں گھریلو مسائل سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی مسائل کے بہترین حل موجود ہیں۔غرض تمام بنی نوع انسان کے لئے مکمل ہدایت ہے۔قرآنی تاثیرات اظہر من الشمس ہیں۔اس کا سب سے بڑا اعجاز بندے کو خدا سے ملانا ہے۔اس کے گواہ ہر زمانہ میں موجود ہیں اور یہ قرآن ہی تھا جس نے عرب کے وحشیوں کو انسان اور پھر باخدا انسان بنا دیا۔کیا کفار ان تمام صفات کی حامل ایسی سورۃ پیش کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں اور یہ چیلنج قیامت تک کے لئے ہے۔

۴۰۔**تاویل**۔ظنِ غالب۔ حقیقت ۔ انجام۔ درست معنی بیان کرنا۔
حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے گزشتہ مکذبین انبیاء کی طرح قرآن کریم کو جھٹلانے میں جلدی کی۔قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کی نہ اس پر غور و تدبر کیا۔حقیقت یہ ہے کہ اُسے جھٹلا رہے ہیں جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکے اور نہ ہی ابھی اس کی پوری حقیقت ان پر ظاہر ہوئی ہے یعنی ابھی پیشگوئیوں کے ظہور کا وقت نہیں آیا۔گزشتہ مکذبین انبیاء کا انجام ان کے سامنے ہے۔تکذیبِ انبیاء

ع ۴ ۹ يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ

ایمان لاتے اس پر اور رب تیرا خوب جانتا ہے فساد کرنیوالوں کو اور اگر وہ

كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ

جھٹلائیں تجھے تو تو کہدے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے ہے عمل تمہارا تم

بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ

بری ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری ہوں اس سے جو تم کرتے ہو اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ

بعض ان میں سے ایسے ہیں جو کان دھرتے ہیں طرف تیری کیاپس تو سنائے گا بہروں کو

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ

اور اگرچہ ہوں وہ نہ عقل رکھتے اور بعض ان میں سے ایسے ہیں جو دیکھتے ہیں طرف تیری

کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔

۴۱۔ پیشگوئی فرمائی کہ ان میں سے بعض اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایمان نہیں لائیں گے۔ ہدایت سے محروم وہ رہیں گے جو آخر تک فساد پر مُصر ہوں گے۔

۴۲۔ پچھلے رکوع میں بتایا تھا کہ وہ تکذیب میں جلدی کرتے ہیں۔ اس رکوع میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ سزا میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ انصاف کرتا ہے ظلم نہیں کرتا لیکن یہ تکذیبِ انبیاء کر کے خود عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔

ان تمام دلائل و براہین کے باوجود اگر پھر بھی تجھے جھٹلائیں تو اپنے اپنے اعمال کے جائیں، ایک دوسرے کے عمل میں دخل نہ دیں، انتظار کریں اور معاملہ خدا پر چھوڑ دیں۔ نتیجہ خود دے گا کہ کس کے اعمال اس کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں اور کس کے مقبولِ بارگاہ الٰہی ہیں۔ یہاں صاف بتادیا کہ ایک دوسرے کے مذہب میں جبراً دخل اندازی کی ہرگز اجازت نہیں۔

۴۳۔ ہدایت حاصل کرنے کے تین ہی طریقے ہیں۔ ۱۔ سوچنا اور غور و فکر کرنا۔ ۲۔ دلائل سن کر۔ ۳۔ ہدایت یافتہ کو دیکھ کر۔ پہلے بتایا (آیت ۴۰) کہ انہوں نے غور و خوض کئے بغیر ہی تکذیب کی یہاں بتایا کہ وہ دلائل کو سننے کی کوشش ہی نہیں کرتے بلکہ صرف اعتراض کرنے کے لئے تیری طرف کان لگاتے ہیں۔ گویا ان پر تیری تمام نصائح بے اثر ہیں۔ پس وہ ظاہری کان ہونے کے باوجود ایسے بہرے ہیں جو عقل سے تہی دست ہیں یعنی بہرے ہونے کے باوجود عقل سے کام لیتے تو ضرور سمجھ جاتے۔

اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّ

کیاپس تو ہدایت دیگا اندھوں کو اور اگرچہ ہوں وہ نہ بصیرت (بھی) رکھتے یقیناً

اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ

اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ بھی ولیکن لوگ اپنی جانوں پر (خود)

يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا

ظلم کرتے ہیں اور جس روز وہ اکٹھا کریگا انہیں (وہ محسوس کریں گے) گویا کہ نہ رہے تھے وہ (دنیا میں)

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ

سوائے ایک گھڑی کے دن کی وہ ایک دوسرے (کی حالت) کو معلوم کریں گے آپس میں یقیناً گھاٹا پایا

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۶﴾

ان لوگوں نے جنھوں نے تکذیب کی ملاقات کی اللہ کی اور نہ ہوئے ہدایت پانے والے

۴۴۔ آپ مہبط وحی الٰہی تھے اور خدائی انوار کے مظہر کامل تھے۔ جن کی نگہِ بصیرت تیز تھی وہ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی پکار اٹھتے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کا چہرہ دیکھ کر مجھے معلوم ہوا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے فرمایا۔ لوگو! سلام کو عام کرو یعنی پکار کر کہو۔ کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے سلوک کرو اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سوتے ہوں۔ تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی)

لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ تجھے دیکھتے تو ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا۔ پس بصارت کے ساتھ بصیرت سے بھی محروم ہیں۔ اگر بصیرت یعنی روحانی آنکھیں ہوتیں تو اندھے ہونے کے باوجود بھی پہچان لیتے۔ جیسا کہ بعض صحابی نابینا تھے۔

۴۵۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ ہدایت کے لئے رسول بھیجتا ہے۔ سچے اور جھوٹے کی پہچان کے لئے آنکھ کان اور عقل عطا فرماتا ہے لیکن منکرین ان تمام قویٰ کو دنیا سمیٹنے کے لئے وقف رکھتے ہیں گویا دین کے معاملہ میں ان کے تمام حواس پر پردے پڑے ہوتے ہیں۔ پھر بھی اللہ مہلت دیتا چلا جاتا ہے لیکن وہ خود اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھا کر اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

۴۶۔ دنیا کی عیش و عشرت نے انہیں حق سے اندھا اور بہرہ بنائے رکھا لیکن حشر کے ہولناک دن دنیا کے عیش و آرام ایک گھڑی سے زیادہ محسوس نہیں ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

اور اگر ہم دکھائیں گے تجھے بعض وہ جس کی ہم وعید دیتے ہیں انھیں یا وفات دیں ہم تجھے

فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۷﴾

تو ہماری طرف لوٹنا ہے پھر اللہ نگران ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور ہر اُمّت کے لیے رسول ہے پس جب آتا ہے رسول ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے درمیان انکے

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

ساتھ انصاف کے اور وہ نہیں ظلم کئے جاتے اور وہ کہتے ہیں کب ہے یہ

لقاء کے منکرین کی گناہوں کی علامتیں ان کے چہروں سے عیاں ہوں گی۔ایک لمبا عرصہ گزر جا
کے باوجود ان کے امتیازی نقوش بحال ہوں گے اوران کی نئی تخلیق پرانی تخلیق سے ملتی جلتی ہو
(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA) نیز ان کی نظر اتنی تیز ہوگی ک
لاتعداد خلقت میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے جیسا کہ فرمایا۔ **فبصرک الیوم حدید** ۔۵۰۔

۴۳۔لقاء اللہ وہ بھی ہے جو دنیا میں ہی انسان اپنے رب کو پالیتا ہے اور آخرت میں اللہ کے حضو
پیش ہونا بھی ہے۔گویا وہ دونوں کے منکر تھے اس لئے سخت نقصان اٹھایا اور ہدایت سے محروم رہے۔

۴۷۔قیامت کبریٰ کا ذکر تھا ساتھ ہی قیامت صغریٰ کا بھی ذکر فرمایا جو دنیا کی سزائیں ہیں۔
بتایا کہ وعیدی پیشگوئیاں،جن کا کفار سے وعدہ تھا ان کا کچھ حصہ تیری زندگی میں یا تیرے بعد پو
ہوگا۔کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا اور وعیدی پیشگوئیاں جو مشروط ہو
ہیں وہ توبہ،استغفار اور صدقات سے ٹل بھی سکتی ہیں اور ان میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے۔پس ان ک
کچھ حصہ تیری زندگی میں تجھے دکھادیں گے یا بعد از موت تمہیں ان سے آگاہ کردیں گے۔ان ک
بھی جب ہمارے پاس لوٹ کر آئیں گے اپنے اعمال کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔گویا ان کی سز
کسی نہ کسی رنگ میں تیرے بعد بھی دنیا میں جاری رہے گی۔

۴۸۔جب کوئی قوم اپنی بداعمالیوں میں حد سے گزرجاتی ہے تو عذاب ان کا مقدر ہو
جاتا ہے لیکن جب تک ایک رسول آکر اوامرو نواہی کو خوب واضح نہ کردے اور تبلیغ کا حق ادا ن
کردے اوراتمام حجت نہ ہو جائے اس وقت تک عذاب ٹلا رہتا ہے۔یہانتک کہ ان کا اور اللہ ک
رسول کا جھگڑا انصاف کے ساتھ چکادیا جاتا ہے۔یعنی جو اپنی بداعمالیاں چھوڑکر رسول کی کامل اتبا
کرتے ہیں وہ خدائی انعامات سے نوازے جاتے ہیں جبکہ مخالفین رسول عذاب کے مستحق قرار پاتے

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ

وعدہ اگر ہو تم سچے تو کہدے نہیں میں طاقت رکھتا خود اپنے لیے بھی

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ اِذَا جَآءَ

نقصان کی اور نہ نفع کی سوائے اسکے جو چاہے اللہ ہر اُمّت کیلئے میعاد ہے جب آجاتی ہے

اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

میعاد ان کی بس نہ پیچھے ہوتے ہیں وہ ایک گھڑی اور نہ آگے ہوتے ہیں

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا

تو کہدے کیا دیکھا تم نے (بتاؤ تو سہی) اگر آئے تمہارے پاس عذاب اس کا رات کو یا دن کو کیونکر

يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ

بھاگ سکیں گے اس سے مجرم کیا پھر جبکہ واقع ہو ایمان لائے تم

بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ

اس پر کیا اب حالانکہ یقیناً تھے تم اس کا جلدی مطالبہ کرتے پھر کہا جائے گا

ہیں،ان پر ہرگز ظلم نہیں ہوتا۔یہ ایک عام تقدیر ہے جو دنیا میں جاری ہے خواہ یہ فیصلہ رسول کی
زندگی میں ہو یا اس کی وفات کے بعد۔

۴۹۔۵۰۔مخالفینِ رسول کو خدائی وعدوں پر یقین نہیں تھا۔عذاب کی پیشگوئیاں سن کر
بطور تمسخر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدۂ عذاب کب پورا ہوگا؟ان کے جواب میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کمال بندگی اور عاجزی کا اظہار فرماتے ہیں کہ سوائے مشیت الٰہی کے مجھے تو اپنے
نفس کے لئے بھی کسی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں۔ہاں ہر قوم پر عذاب کے لئے ایک وقت
مقرر ہے جس سے یہ عذاب ایک گھڑی آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ قبل از نزولِ عذاب توبہ و استغفار سے عذاب ٹل
بھی جایا کرتا ہے۔(الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱)

۵۱۔**ماذا**۔کیا ہے۔کیا چیز۔
دنیا کے جس عذاب کی تم جلدی کرتے ہو وہ تو رات یا دن میں کسی وقت بھی آجائے
گا۔اس وقت مجرم کس بنا پر اس سے بھاگنے کی جلدی کریں گے جبکہ خود ہی عذاب جلد چاہتے تھے۔

۵۲۔جب عذاب واقع ہوچکا ہوگا تب ایمان لاؤ گے؟یعنی اب ایمان لاتے ہو اور عذاب
سے بچنا چاہتے ہو جبکہ تم خود ہی جلد تر عذاب لانے کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔لیکن اس وقت کا ایمان

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ

ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چکھو عذاب قائم رہنے والا نہیں تم بدلہ دیئے جاتے

اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ

مگر اسی کا جو تھے تم کماتے اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا سچ ہے یہ

قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَ ع ۵ ۱۳ ۱۰

تو کہدے قسم ہے میرے رب کی یقیناً وہ البتہ سچ ہے اور نہیں ہو تم (ہمیں) عاجز کرنے والے اور

لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ

اگر ہو ہر نفس کے لیے جس نے ظلم کیا جو کچھ بھی زمین میں ہے ضرور فدیہ میں دیدے اسے (عذاب سے بچنے

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

کیلئے) اور چھپائیں گے وہ پشیمانی جب دیکھیں گے عذاب اور فیصلہ کیا جائیگا درمیان انکے

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

ساتھ انصاف کے اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے آگاہ ہو جاؤ یقیناً اللہ کا ہے جو آسمانوں

وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

اور زمین میں ہے آگاہ ہو جاؤ یقیناً وعدہ اللہ کا سچا ہے و لیکن اکثر ان کے نہیں

لانا فائدہ نہیں دے گا۔فرعون کے ساتھ بھی آخر میں یہی مکالمہ ہوا۔

۵۳۔یہ دنیوی عذاب مانگتے تھے وہ بھی ملے گا لیکن اے ظالمو! جہنم کا دائمی عذاب بھی تمہارے مقدر میں ہوگا جو تمہارے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔

۵۴۔**اِی**۔لفظی معنی ہاں۔قَسم کے ساتھ خاص ہے۔

کفار کا بار بار عذاب کا مطالبہ بطور استہزا بھی تھا اور اس لئے بھی کہ انہیں ہرگز یقین نہیں تھا کہ یہ سچ ہے۔اس لئے قسم سے انہیں یقین دلایا کہ اس کا آنا اٹل ہے۔یہ سب باتیں لازماً ہوں گی اور تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی اسے روک نہیں سکتے۔

۵۵۔اس رکوع میں بتایا کہ تم بار بار عذاب استیصال مانگتے ہو جبکہ رسول تمہیں ان عذابوں اور دکھوں سے نجات دینے اور دائمی جنتوں کی بشارت دینے آیا ہے۔ہاں جب وہ واقع ہوگا تو اگر ممکن ہوتا تو اپنی جان چھڑانے کے لئے دنیا بھر کے خزانے دینے سے بھی گریز نہ کرتے۔جس عذاب کا ساری عمر مطالبہ کرتے رہے اسے سامنے دیکھ کر اپنی پریشانی اور شرمندگی کو چھپانے کی لاحاصل کوشش کریں گے۔پھر انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔

۵۶۔۵۷۔اگر خدا تعالیٰ کی کبریائی پر غور کرتے کہ زمین و آسمان پر اسی کی حکومت ہے تو

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

جانتے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور طرف اس کی تم لوٹائے جاؤ گے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ

اے لوگو یقیناً آئی تمہارے پاس نصیحت طرف سے تمہارے رب کی اور

شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

شفا اس (شک) کے لیے جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت مومنوں کے لیے

جان جاتے کہ اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے اور کبھی اپنی شوخیوں میں اس حد تک تجاوز نہ کرتے۔زندگی اور موت سب اس کے اختیار میں ہے۔اسی کے پاس لوٹنا ہے جہاں سب حساب کتاب چکا دیا جائے گا۔

۵۸۔پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے بار بار مطالبہ عذاب کا ذکر تھا۔یہاں بتایا کہ رسول کے آنے کا مقصد عذاب لانا نہیں۔تکذیبِ رسول کر کے تم خود عذاب کو دعوت دیتے ہو۔ورنہ رسول تو تمہیں وہ طریق بتانے آیا ہے جس سے دنیا اور آخرت کے عذابوں سے نجات پا کر ہر دو جنتوں کے وارث بن جاؤ گے یعنی دنیا کی جنت بھی پاؤ گے اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے جنت کے مستحق ٹھہرو گے۔یہاں قرآن کریم کی چار صفات کا ذکر کیا۔فرمایا اے لوگو! قرآن کریم تمہارے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔یعنی اوّل سے آخر تک **موعظۃ حسنہ** کی ہی تفسیر ہے اور سراسر نصیحت ہے یہ نیک باتوں کی ترغیب دیتا اور بُری باتوں اور گناہوں سے روکتا اور ڈراتا ہے۔نصیحت بھی وہ ہے جو تیرے ربّ کی طرف سے ہے یعنی وہ خود ربوبیت فرماتا اور بتدریج ترقیات سے نوازتا ہے۔لیکن جب تک دل صاف نہ ہوں نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔پس قرآن دلوں کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک کر کے نہ صرف روحانی بلکہ جسمانی بیماریوں سے بھی شفا دیتا ہے اور بطور اکسیر ہے۔جب **موعظۃ حسنہ** اور شفاء کامل سے خدا، رسول اور یومِ آخر پر یقین ہو گیا تو اپنے بندوں کی خود ہدایت فرماتا ہے یعنی سیدھے راستے پر چلاتا اور اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے۔بندے کی سب سے بڑی خواہش خدا کو پانا ہے سو قرآن کریم بندے کو خدا سے ملاتا اور حق الیقین کے مقام تک پہنچاتا ہے۔یہ تو اعلیٰ ترین روحانی مدارج ہیں لیکن دنیوی طور پر بھی محروم نہیں رکھتا بلکہ اپنے غلاموں پر قیصر و کسریٰ کے خزانے نچھاور کرتا ہے اور مخزنِ علم و حکمت بوعلی سینا، الفارابی، جابر بن حیان، البیرونی اور ابن الہیثم جیسے عالم پیدا کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔شرط یہ ہے کہ اس پر تدبر کریں جیسا کہ نابغہ روزگار سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام نے فرمایا کہ قرآن کا آٹھواں حصہ مسلمانوں

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ
تو کہدے فضل سے اللہ کے اور اس کی رحمت سے پس ساتھ اس کے پس چاہیئے کہ وہ خوش ہوں
هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
وہ بہتر ہے اس سے جسے وہ جمع کرتے ہیں تو کہدے کیا دیکھا تم نے کہ جو کچھ اتارا ہے اللہ نے

کو تاکید کرتا ہے کہ وہ تفکر و تدبر کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اور فطرت کی قوتوں کو انسانیت کے فوائد کے لئے مسخر کریں۔(لیکچر فیض میموریل لاہور ۱۹۸۸ء الفضل ۳ اگست ۲۰۰۵ء) ڈاکٹر عبدالسلام جو سائنس کی دنیا کی ایک معتبر شخصیت شمار ہوتے ہیں، نے مغرب کے شہرہ آفاق سائنسدان مسٹر آئین سٹائن کو اپنی پہلی ملاقات ہی میں توحید کا پیغام دیا اور نظریہ توحید کی وضاحت کی پھر ان میں گہرے تعلقات استوار ہوگئے جبکہ ڈاکٹر عبدالسلام واحد ایشائی ماہر ریاضی دان تھے جنہوں نے آئین سٹائن جیسے عظیم سائنسدان کے ساتھ کام کیا۔اخبار الفضل ۳ اگست ۲۰۰۵ء میں زینب محمود صاحبہ کے ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ بعنوان ''روحانی اقدار کے علمبردار ایک صوفی سائنسدان محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب'' شائع ہوا وہ لکھتی ہیں کہ ڈاکٹر سلام نے گرینڈ یونیفیکیشن تھیوری میں عالیشان ریسرچ کر کے ۱۹۷۹ء میں سائنسی دُنیا کا وقیع ترین انعام ''نوبل پرائز'' حاصل کیا۔آپ کہتے ہیں کہ اس تھیوری کے لئے ان کو انسپریشن (Inspiration) ان کے مذہبی عقیدہ سے ملی اور علم طبیعات کے نئے نکتے ان پر قرآن کریم نے کھولے کہ فطرت کی تمام قوتیں ایک منبع سے نمود پذیر ہوتی ہیں۔لندن میں جب وہ اپنے گھر میں گھنٹوں سائنسی ریسرچ کے کام میں مصروف ہوتے تو ساتھ میں مطالعہ کے کمرہ کے اندر نعت یا قرآن کی تلاوت ٹیپ پر لگی ہوتی تھی۔بھارت کے دورہ کے دوران ڈاکٹر سلام کا استقبال ہیرو کے طور پر کیا گیا۔وزیراعظم اندراگاندھی پر آپ کے رعب و جلال کا اس قدر اثر تھا کہ اس نے آپ کے برابر بیٹھنے سے انکار کردیا اور آپ کے قدموں میں فرش پر بیٹھی رہی۔ انڈیا میں طلباء نے آپ سے سوال کیا کہ نوبل انعام ملنے کے بعد آپ میں کیا تبدیلی آئی۔آپ نے جواب دیا کہ ''سب سے بڑی تبدیلی تو یہ آئی کہ اب میں ان (بااثر) لوگوں کو مل سکتا ہوں جن سے میں ملنا چاہتا تھا۔اب ان کی مدد اور خداتعالیٰ کی مہربانی سے میں تھرڈ ورلڈ کے بہت سارے ابھرتے ہوئے سائنسدانوں کی مدد کرسکتا ہوں اس کے سوا میرے لئے نوبل پرائز کوئی وقعت نہیں رکھتا'' یہ ہیں اس عظیم درویش سائنسدان کے تاثرات۔

۵۹۔تمام روحانی اور مادی نعمتیں محض اللہ کے فضل اور رحمت سے وابستہ ہیں۔پس ان کے

لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ
تمہارے لیے رزق پھر کر دیا تم نے کچھ اس سے حرام اور (کچھ) حلال تو کہدے کیا
آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا ظَنُّ
اللہ نے اجازت دی تم کو یا اللہ پر تم جھوٹ باندھتے ہو اور کیا خیال ہے
الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
ان لوگوں کا جو باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ روز قیامت کے متعلق
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
یقیناً اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر و لیکن اکثر ان کے نہیں
يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ ع ۶
شکر کرتے اور نہیں ہوتا تو کسی حالت میں اور نہیں پڑھتا تو اس میں سے کچھ

لئے خوب خوشیاں مناؤ۔مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے **فضل** سے قرآن اور **رحمت** سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد لئے ہیں۔پس جسے قرآن کریم کی تعلیم اور محمد ﷺ کی اتباع نصیب ہوجائے وہ جتنی بھی خوشیاں منائے کم ہے۔فرمایا خدا کے فضل و رحمت سے اس قرآن کریم میں علم وحکمت اور حقائق و معارف کے بیش بہا خزانے بھرے ہیں جو تمہارے دنیوی مال و دولت سے بدرجہا بہتر ہیں اور رسول انہی جواہر بے بہا کو بانٹنے آتے ہیں پس انہیں خوشی سے قبول کرو۔یہ وہ خزینے ہیں جن کے متعلق احادیث میں ہے کہ مسیح خزانے لٹائے گا لیکن لوگ اسے قبول نہیں کریں گے۔ورنہ دنیوی خزانے تو کبھی بھی کسی امیر یا غریب نے رد نہیں کئے۔یہ ایک لمبی حدیث ہے جسے حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا ہے۔(بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم)

۶۰۔**رزق** ۔امام راغب کے مطابق وسیع معانی میں ہے۔عطائے جاریہ خواہ دنیوی ہوں یا اخروی جیسے خوراک ،مال واولاد ،علم و جاہ یا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دیگر صلاحیتیں اور قوتیں یہ سب رزق میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر تھا۔فرمایا تم نے کفرانِ نعمت کیا اور ہماری عطا کردہ نعمتوں میں سے اپنی خودساختہ شریعت سے جسے چاہا حرام اور جسے چاہا حلال قرار دے دیا اور اس حرام وحلال کو خدا کی طرف منسوب کیا۔حالانکہ جس نے رزق نازل کیا وہ مالک ہے اور حلال و حرام کا اختیار اسی کو ہے لیکن تم خود مالک بن بیٹھے اور خدا پر جھوٹ باندھا۔

۶۱۔پس جو خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں انہیں یوم آخر پر کب یقین ہوتا ہے ورنہ اللہ تو

قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا
قرآن اور نہ کرتے ہو تم کوئی عمل مگر ہوتے ہیں ہم تم پر نگران

اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ
جبکہ مشغول ہوتے ہو تم اس میں اور نہیں غائب تیرے رب سے (کوئی چیز) برابر

ذَرَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ
ذرہ کے زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ چھوٹی اس سے اور

لَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۲﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا
نہ بڑی مگر کتاب کھلی کھلی میں ہے آگاہ ہو جاؤ یقیناً دوست اللہ کے نہیں

لوگوں پر بڑے فضل کرنے والا ہے بشرطیکہ وہ اس کے بتائے ہوئے قوانین کی پیروی کرتے اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو صحیح طریق پر استعمال کرتے۔لیکن تم نے اپنی پسند و ناپسند کو خدا کی طرف منسوب کیا اس طرح ان میں سے اکثر نے اس کی نعمتوں پر شکر کا حق ادا نہیں کیا۔قرآن کریم میں فضل دوسری نعمتوں کے علاوہ زیادہ تر مال کے لئے آتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے دنیو امول میں بھی بہت برکت ڈالنے والا ہے۔

۶۲۔**تتلوا**۔تو پڑھتا ہے۔ **شان** ۔ اہم امور اور حالات ۔خاص کیفیت۔**تفیضون**۔ **افاض فی الحدیث**۔ بات کو پھیلانا۔وضاحت سے کہنا۔باتوں میں مشغول ہونا۔باتوں میں منہمک ہو جانا۔**یعزب**۔ دور ہونا۔غائب ہونا۔چھپنا۔**کتٰب**۔ کتاب لکھے ہوئے اوراق کے علاوہ بعض دفعہ علم الٰہی اور حکم الٰہی مراد ہوتا ہے یا وہ جو اللہ نے اپنی حکمت سے اندازہ کیا ہو۔**مبین**۔ کھلی کھلی۔ واضح اور وسیع۔روشن۔

عظمتِ قرآن کا ذکر تھا۔اس رکوع میں قرآن کریم کی اتباع کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی بشارتیں دیں۔

پہلے محبوبِ سبحانی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا اور آپ ﷺ کی تلاوت کی خاص کیفیت کو بیان فرمایا کہ اس شان کی کیفیت میں کبھی تو نے تلاوت نہیں کی۔مگر ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں یعنی تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ کسی چیز کو کان لگا کر اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاوت کو سنتا ہے جب وہ خوبصورت لحن کے ساتھ بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول النبی الماھر بالقرآن۔حدیث نمبر ۶۹۸۹) مومنین کو بھی شامل

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ جو کہ ایمان لائے اور

فرمایا کہ اے محمد ﷺ کے غلامو! تم جو بھی عمل کرتے ہو اور پورے انہماک سے اس میں مشغول ہوتے ہو۔ہم اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔شہود کا ذکر تہجد اور مقامِ محمود میں بھی ملتا ہے یہ مشہودیت کا مضمون ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق میں کھولا گیا۔اللہ تعالیٰ خاص محبت اور پیار سے ان پر نظر ڈالتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی تلاوت کی طرح تلاوت کرتے ہیں اور آپ ﷺ جیسے اعمال بجا لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ازواجِ مطہرات میں سے حضرت امّ سلمہؓ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ قرآن کریم لحن کے ساتھ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز پر پڑھتی تھیں۔(مسند جلد ۶)

تیرے ربّ کی نظر سے چھوٹے سے چھوٹا ذرّہ پوشیدہ نہیں اور نہ بڑے سے بڑا۔جسے تم سب سے چھوٹا ذرّہ سمجھتے ہو اس سے بھی چھوٹا ذرّہ موجود ہے۔جسے بہت بڑا سمجھتے ہو اس سے بڑا بھی موجود ہے۔یہ ایک عظیم الشان آیت ہے جو انسان کو دعوتِ فکر و عمل دے رہی ہے۔ذرّہ سے بھی چھوٹا ذرّہ ایٹم ہے جس کی طرف اُس زمانے کے انسان کا دماغ نہیں جا سکتا تھا۔یہ کائنات ایک کھلی کتاب ہے جو اربابِ عقل و خرد کو جستجو کی دعوت دے رہی ہے کہ اس پر غور کرو اور کائنات کی مضمر طاقتوں کو مسخر کر کے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچاؤ۔(اس آیت کی تفسیر [illegible]رت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترجمۃ القرآن کلاس MTA سے استفادہ کیا گیا ہے)

۶۳۔**اولیآء**۔ دوست ۔ سچی محبت کرنے والے۔

قرآن کریم کی کامل اتباع انہیں اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوست بنا دیتی ہے۔ان کی نشانیاں بتائیں کہ دنیا کے خوف اور حزن ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔یہ معنی نہیں کہ انہیں خوف و حزن درپیش نہیں ہوتے بلکہ یہ کہ کوئی خوف یا غم ان پر غالب نہیں آ سکتا۔اس لئے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کی دوستی اور قرب نصیب ہو جائے ان کے لئے کسی چیز کو کھو دینا یا دنیا کے غم و ہم بے معنی ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ سب عارضی ہیں۔وہ توکل کے اس مقام پر ہوتے ہیں کہ انہیں نہ کسی آئندہ ناکامی و نقصان یا تنگیٔ رزق کا خوف ہوتا ہے اور نہ گزشتہ کوتاہیوں کی وجہ سے حزن و ملال ہوتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”اس پر خدا تعالیٰ کے فضل و احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کو لعنتی زندگی سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے۔مختصر یہ کہ جو خدا تعالیٰ سے سچا اور کامل تعلق رکھتا ہے تو

كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ

تھے تقویٰ کرتے ان کے لیے خوشخبری ہے زندگی ورلی میں اور

خداتعالیٰ اس کی ساری مرادیں پوری کر دیتا ہے، اسے نامراد نہیں رکھتا'' (الحکم جلد نمبر ۸ مورخہ ۱۰
۱۹۰۴ء صفحہ ۵) پس یہی نجات پانا ہے اور یہی دنیا کی جنت ہے جو اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے
طرح آخرت میں بھی انہیں بفضل تعالیٰ کوئی غم و حزن نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیا
نعمائے جنت کے حصول یا عذابِ دوزخ سے بچنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ انہوں نے محض رضا
الٰہی اور محبت الٰہی کی وجہ سے نیک عمل کئے تھے۔

اس آیت کو ایک لمبی حدیث خوب واضح کرتی ہے جسے اختصار سے بیان کرتی ہوں
قیامت کو اولیاء اللہ تین قسموں میں تقسیم ہوں گے۔ پہلی قسم کے ایک آدمی سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا
اے میرے بندے تو نے یہ (نیک) اعمال کس وجہ سے کئے؟ وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں
شب بیداریاں اور روزے جنت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے رکھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے
اسے اور اس کے ساتھیوں کو جنت میں داخل کردے گا۔ پھر دوسری قسم میں سے ایک بندے کو بلائے
گا اور وہی سوال دہرائے گا۔ وہ اپنی نیکیوں کی وجہ جہنم کی اذیتوں کا ڈر بتائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اور
اس کے ساتھیوں کو بھی اپنے فضل سے جنت میں داخل کر دے گا۔ پھر تیسری قسم کے لوگوں میں سے
ایک شخص سے یہی سوال دہرائے گا وہ عرض کرے گا اے ربّ! تیری محبت کی وجہ سے اور تیرے
ملنے کے اشتیاق میں۔ تیری عزت کی قسم میں راتوں کو جاگا اور دن کو میں نے روزے رکھے صرف
تیرے اشتیاق اور تیری محبت میں۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ اسے فرمائے گا۔ اے میرے بندے اس
نے یہ سارے کام میری محبت اور میری ملاقات کے شوق کی وجہ سے کئے تھے سو اپنا بدلہ لے اور اللہ
جل جلالہٗ اس شخص کے لئے خاص تجلی فرمائے گا اور سارے پردوں کو اپنے چہرے سے دور کردے گا
اور اس کے سامنے آجائے گا اور کہے گا اے میرے بندے لے میں یہ موجود ہوں۔ میری طرف
دیکھ (جنت کا کوئی انعام اس کے برابر نہ ہوگا) (مسلم و ترمذی) پھر فرمائے گا میں نے اپنے فضل سے
تجھے آگ سے آزاد کیا اور جنت کو تیرے لئے جائز کیا اور فرشتوں کو تیرے پاس بھیجوں گا اور میں خود
تجھے سلام کہوں گا۔ پس وہ اپنے ساتھیوں سمیت جنت میں داخل ہوجائے گا (تفسیر ابن کثیر)

۶۴-۶۵۔ **البشریٰ** کے معنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویائے صادقہ اور مکاشفات
کے کئے ہیں۔ (بیضاوی) حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ **لھم البشریٰ** سے مراد رویائے صالحہ

فِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

آخرت میں نہیں تبدیلی باتوں میں اللہ کی یہ ہی ہے

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٥﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ

کامیابی بڑی اور نہ غم میں ڈالے تجھے بات ان کی یقیناً عزت

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٦﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي

اللہ کے لیے ہے سب کی سب وہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے آگاہ ہو جاؤ یقیناً اللہ کے ہیں جو

ہیں جو مومن اپنے متعلق خود دیکھتا ہے یا اس کے حق میں کوئی دوسرا دیکھتا ہے۔
اولیاء اللہ کی مزید تعریف فرمائی کہ وہ ایمانِ کامل اور تقویٰ کے اعلیٰ ترین مقام پر ہوتے
ہیں اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض جاریہ اور قرآن عظیم کی تاثیرات کا ثبوت ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے
فضل سے انہیں رویائے صادقہ اور کشوف والہام سے مشرف فرماتا ہے یہ کشوف والہام قیامت تک
بندوں کو اعلیٰ ترین مقام تک پہنچانے کے لئے جاری ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں!
''اس لئے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے پورے تذلل اور انکسار کے
ساتھ ہر وقت دعا مانگتا رہے کہ وہ اسے سچی معرفت اور حقیقی بصیرت اور بینائی عطا کرے اور شیطان
کے وساوس سے محفوظ رکھے۔ آپ فرماتے ہیں! مومن کو مکاشفات اور الہام ہونے چاہیئے۔''
(ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۵۱) غرض یہ اولیاء اللہ دنیا میں ہی بشارتیں پاتے اور اُخروی زندگی کا جلوہ دیکھتے
ہیں اور آخرت میں بھی جنت کی بشارتیں پائیں گے۔ اللہ کے وعدے ٹل نہیں سکتے ان مبشرات کا
ملنا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیوی امور میں بھی اللہ کے
کلمات یعنی قوانین قدرت (Laws of Nature) بھی نہیں بدلتے۔ اسی حقیقت پر سائنس کی بنیاد
ہے اور ان کا نہ بدلنا ہی دنیا کو سائنس کی ترقی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔ اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے
کہ پانی کی ساخت میں اگر اللہ تعالیٰ ہائیڈروجن کو ایک درجہ کم کردے تو دریاؤں اور سمندروں میں
زہر بھر جائے اور کوئی ذی حیات زندہ نہ رہے۔

۶۶۔ پہلے فرمایا تھا کہ اولیاء اللہ کو کوئی غم و حزن نہیں ہوتا۔ اب فرمایا کہ مخالفین کی کوئی بات
تجھے غمگین نہ کرے۔ دراصل اولیاء اللہ کو اپنی ذات کے لئے کوئی غم نہیں ہوتا نہ انہیں اپنی تحقیر کا غم
ہوتا ہے۔ لیکن جہاں خداتعالیٰ کی عزت پر حرف آئے یا بندگان خدا پر اعتراضات اور تحقیر آمیز کلمات
بولے جائیں تو اولیاء اور انبیاء کو دکھ ضرور ہوتا ہے نیز کفار کا قول اس پہلو سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور نہیں پیروی کرتے وہ لوگ جو پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ

سوائے اللہ کے (اور) شریکوں کے نہیں پیروی کرتے وہ سوائے گمان کے اور نہیں

هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ

وہ مگر اٹکلوں سے کام لیتے ہیں وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لیے رات کو

کرتا تھا کہ وہ تحقیر آمیز باتیں کر کے خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے آتے تھے پس ان کے پکڑ
جانے کا غم آپ ﷺ کو ملول رکھتا تھا۔ غلبہ تو کلی طور پر اللہ ہی کو حاصل ہے اور وہ ان کی مخا
باتوں کو خوب سنتا اور جانتا ہے۔ آپ ﷺ ان باتوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ وہ انہیں مغلوب
آپ ﷺ کو غالب کرنے پر قادر ہے۔ شرک پر مصر رہنا اور توحید کا انکار ہی وہ بات تھی جو آپ ﷺ
سب سے زیادہ تکلیف دیتی اس لئے یہ بھی معنی ہیں کہ ان کی یہ بات تجھے غمگین نہ کرے۔ عز
تمام تر اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ تجھے عزت اور انہیں ذلت دینے پر قادر ہے۔ وہ سمیع العلیم
اس لئے اس میں کسی کی حق تلفی نہیں۔ انبیاء کے متبعین عام طور پر دنیوی لحاظ سے معمولی حیثیت
لوگ ہوتے ہیں اور مخالفین کے جور و ستم کا شکار رہتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ عزت تو سب اللہ
کے لئے ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ پھر نہایت قلیل عرصہ میں یہ معم
حیثیت کے لوگ عظیم مملکتوں کے حکمران بنے۔ وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے آپ ﷺ
غم نہ کریں اس کی عظمت پر جو حرف آئے گا وہ اسے خود مٹا دے گا۔ بندگانِ خدا کے معاملہ میں
وہ بہت سننے والا ہے۔ ان کے حال کا اسے خوب علم ہے۔

٦٧۔ فرمایا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں اللہ ہی کے ہیں۔ مَــــن جاندار کے
آتا ہے۔ مَن کے لفظ سے ظاہر ہوا کہ زمین کے علاوہ آسمانوں یعنی دوسرے سیاروں میں بھی جاند
مخلوق ہے۔ قرآن کریم کی رو سے ان کا دنیا والوں سے کبھی نہ کبھی رابطہ ہوگا۔ لاسلکی پیغامات تو ا
بھی وصول کر رہے ہیں ممکن ہے کبھی ان کو سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا کر لیں۔ ورنہ بظاہر ان تک پہ
ناممکنات میں سے ہے اس لئے کہ ہماری کہکشاں کا قریب ترین سیارہ ہماری زمین سے دو کھر
میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کی روشنی تین سال بعد یہاں پہنچتی ہے۔
اللہ کی خاطر انبیاء اس شرک کی وجہ سے دکھی ہوتے ہیں جو محض ظن کی بنا پر ہوتا ہے اور

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

تاکہ آرام کرو تم اس میں اور دن کو دکھانے والا یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں

لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ

ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں انہوں نے کہا اختیار کیا ہے اللہ نے (اپنے لیے) بیٹا پاک ہے وہ

هُوَ الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنْ

وہ بے پرواہ ہے اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے نہیں ہے

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا

تمہارے پاس کوئی دلیل اس کی کیا کہتے ہو تم اللہ پر جو نہیں

تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ

جانتے تم تو کہدے یقیناً جو لوگ گھڑ لیتے ہیں اللہ پر جھوٹ

جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ وہ صرف اٹکلوں سے کام لیتے ہیں۔ پس وہ اپنے مزعومہ شریکوں
کی پیروی نہیں کرتے محض ظن کی پیروی کرتے ہیں گویا انہیں اپنے خود ساختہ شریکوں پر کبھی بھی
اعتماد نہیں ہوتا۔ اس لئے مصیبت میں خدا کو ہی پکارتے ہیں۔

٦٨۔ شرک کے ردّ کے بعد رات اور دن کو بطور نشان پیش کیا کہ رات جو انسان کو آرام اور
سکون دینے آتی ہے اور دن جو کام کاج کے لئے ہر شے کو تمہارے لئے روشن کرتا ہے، یونہی وجود
میں نہیں آ گئے اور نہ تمہارے کسی خود ساختہ خدا کا اس میں ہاتھ ہے۔ یہ محض قدرتِ خداوندی کے
شاہکار ہیں جو زمین اور سورج کے ایک مربوط اور اعلیٰ ترین نظام میں جکڑے ہونے کی وجہ سے وجود
میں آئے ہیں۔ اگر ان کی آنکھیں یہ سب نہیں دیکھ سکتیں اور صحیفۂ قدرت کو پڑھنے سے قاصر ہیں تو
گوش نصیحت نیوش سے ہی کام لیں اور سنیں کہ انہیں کیا کہا جا رہا ہے۔ یہاں ایک حقیقت بیان فرمائی
کہ تسکین کے لئے پردے کی ضرورت ہے۔ پس رات کے پردے میں انسان کے لئے تسکین کے
سامان ہیں خواہ یہ تسکین سچی ہو یا جھوٹی۔ تہجد اور رات کی دعاؤں کا بھی سکون سے خاص تعلق ہے۔

٦٩ تا ٧١۔ مختلف عقائدِ فاسدہ کے ردّ کے بعد سب سے بڑے شرک یعنی ابنیتِ مسیح کا ردّ
فرمایا اور متعدد دلائل سے اسے ثابت کیا۔ سب سے پہلے فرمایا کہ وہ پاک ہے جبکہ بیٹے کا محتاج ہونا
شہوت اور موت وغیرہ کئی عیبوں میں ملوث کرتا ہے۔ دوسری دلیل یہ دی کہ وہ غنی ہے اسے ہر شے
حاصل ہے۔ وہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں، اسے بیٹے کی کیا حاجت۔ تیسری دلیل یہ دی کہ وہ زمین و
آسمان کا مالک ہے، روزِ ازل سے اکیلا اس نظامِ عالم کو چلا رہا ہے اب اسے بیٹے یا کسی مددگار کی

لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۷۰ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ
نہیں کامیاب ہوں گے فائدہ اُٹھانا ہے دنیا میں پھر ہماری طرف لوٹنا ہے ان کا پھر
نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۱ ع ۷ ۱۴
چکھائیں گے ہم عذاب سخت بسبب اس کے کہ تھے وہ کفر کرتے
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوْحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ
اور پڑھ ان پر خبر نوح کی جب کہا اس نے اپنی قوم کو اے قوم میری اگر ہے
كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ
شاق گزرتا تم پر کھڑا ہونا میرا اور نصیحت کرنا میرا ساتھ آیات کے اللہ کی پس اللہ پر
تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوْٓا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ
بھروسہ کیا میں نے پس جمع کرلو تم اپنا معاملہ اور اپنے شرکاء کو پھر نہ رہے
أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝۷۲ فَإِنْ
معاملہ تمہارا تم پر مشتبہ پھر کرلو مجھ سے (جو چاہو) اور نہ مہلت دو مجھے پھر اگر

ضرورت کیوں ہوگئی۔ چوتھی دلیل یہ دی کہ تمہارے پاس شرک کی تائید میں کوئی دلیل سرے ہے ہی نہیں تو پھر اللہ کی طرف وہ باتیں کیوں منسوب کرتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔

نبی کے آنے کا مقصد اپنے متبعین کو فلاح کے مقام تک پہنچانا ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں عیسیٰؑ کو الوہیت میں شریک کرنے والے اس مقام کو حاصل نہیں کرسکے۔ عیسائیوں کا ذکر کرکے ان کی پیشگوئی فرمائی کہ انہیں دنیوی متاع اور ترقی نصیب ہوگی جبکہ روحانیت سے محروم رہیں گے۔ پس انہوں نے دنیوی چند روزہ فائدہ ضرور اٹھایا پھر انہیں ہماری طرف لوٹنا ہوگا جہاں ہم عذاب شدید کا مزا چکھائیں گے۔ عذابِ شدید جو آغاز میں ہی ناقابل برداشت ہو اسے چکھا ہی جاسکتا ہے۔

۷۲۔ **مقامی**۔ میرا کھڑا ہونا۔ میرا مقام و مرتبہ۔ **اجمعوآ امرکم**۔ اپنا معاملہ جمع کرو یعنی اپنے معاملہ میں مضبوطی سے قائم ہوجاؤ۔ **غمّۃ**۔ ڈھانپنا۔ **امرِ غُمّۃ** مخفی معاملہ۔ مشتبہ معاملہ اسی سے غم ہے جو خوشیوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

توحید و رسالت کی تائید اور عقائد باطلہ کی تردید میں مختلف دلائل اور وعظ و نصیحت کے اس رکوع اور اس سے اگلے رکوع میں حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کے قصے اور ان کے بعد حضرت یونسؑ کا قصہ بیان فرمایا جن میں بے شمار پیشگوئیاں اور عبرت کے نشان تھے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کو تسلی دینا بھی مقصود تھا کہ آپ ﷺ سے پہلے بھی انبیاء اسی طرح ستائے گئے اور ان کا

تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى
پھر جاؤ تم تو نہیں مانگا میں نے تم سے کوئی اجر نہیں اجر میرا مگر
اللّٰهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۷۳ فَكَذَّبُوْهُ
اللہ پر اور حکم دیا گیا ہوں میں کہ ہوجاؤں فرماں برداروں میں سے پس تکذیب کی انھوں نے

کیا گیا تو عذاب نے ان کے مخالفین کو آگھیرا نیز یہ قصے آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل بھی تھے۔ مکہ، جہاں علم حاصل کرنا باعث ہتک سمجھا جاتا تھا اور کل سات افراد پڑھے لکھے تھے ایک امّی کا اٹھ کر انبیاء سابقہ کے قصے بیان کرنا جن میں سرمو فرق نہ ہو وحی الٰہی کے سوا ممکن نہ تھا۔ حضرت نوحؑ پہلے صاحب شریعت نبی تھے اس لئے ترتیب کے لحاظ سے پہلے ان کا ذکر فرمایا۔ سورۃ ھود میں انبیاء کا ذکر تفصیل سے ہے۔ وہاں حضرت نوحؑ کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت نوحؑ کو خدا کی طرف سے نبی کا مرتبہ عالیہ ملنا اور آپ کا اللہ کے نشانوں کے ذریعہ پندونصائح کرنا قوم نوح کو سخت ناگوار گزرتا تھا۔ جب ان کی طرف سے تحقیر اور ظلم کی انتہا ہوگئی تو آپ نے باوجود سخت کس مپرسی اور بے سروسامانی کے پیغمبرانہ تحدی سے فرمایا کہ میرا بھروسہ خدا پر ہے۔ مجھے تمہارے کسی منصوبے، جتھے یا طاقت کا ڈر نہیں۔ تم اور تمہارے شرکاء سب اکٹھے ہوکر ایک رائے پر پختہ فیصلہ کرلو۔ یہ فیصلہ تم پر مخفی یا مشتبہ نہ رہے بلکہ کھلے بندوں میری مخالفت میں آجاؤ جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ یہ مکّی زندگی کے آخری زمانہ کی سورۃ ہے۔ دراصل ان الفاظ میں مخالفین رسول کو خطاب تھا کہ تم اپنی تمام قوتوں کو اکٹھا کرلو اور اپنے شرکاء کو بھی۔ میرے خلاف کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اور ہر حربہ آزما کر دیکھ لو پھر دیکھو کہ تمہاری یہ دنیوی جتھے بندیاں اور منصوبہ بازیاں کامیاب ہوتی ہیں یا میرا خدا پر توکل مجھے کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ یہاں سے آیت ۹۹ تک تین انبیاء کے حالات کا باری باری ذکر کرکے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے رسولوں سے تین طرح کا ہوتا ہے۔ یا تو قومِ نوحؑ کی طرح ان کے مخالفین کو کلیتہً تباہ کردیتا ہے یا قومِ موسیٰؑ کی طرح بعض کو بچالیتا ہے اور بعض کو ہلاک کردیتا ہے یا پھر قومِ یونسؑ کی طرح سب کو بچالیتا ہے۔ اس طرح اہل مکّہ کو تحریص دلائی کہ وہ کیوں عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں اور کیوں ایمان لاکر قوم یونسؑ کی طرح اپنا بچاؤ نہیں کرتے۔

۷۳۔ مخالفین رسول اس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں کہ دعویٰ نبوت کرنے والا ہم پر غلبہ حاصل کرکے مالی منفعت حاصل کرنا چاہتا ہے حالانکہ انبیاء اوّل المسلمین ہوتے ہیں یعنی جس چیز کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اس پر خود عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَ

اس کی پھر بچالیا ہم نے اسے اور انہیں جو ساتھ تھے اس کے کشتی میں اور بنایا ہم نے انہیں (پہلوں کا) جانشین اور

اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

غرق کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا آیات کو ہماری پس دیکھ کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى

انجام ڈرائے جانے والوں کا پھر بھیجا ہم نے بعد اس کے کئی رسولوں کو طرف

قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

ان کی قوم کی پس وہ لائے ان کے پاس کھلے دلائل پس نہ تھے وہ ایمان لاتے

اپنے نفس کو سب سے زیادہ تکلیف میں ڈالنے والے، سب سے زیادہ عبادت گزار، خدمت گزار اور صدقہ وخیرات کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ مجسم اطاعت وفرمانبرداری کا نمونہ ہوتے ہیں اور یہی حکم لے کر آتے ہیں۔ یہاں حضرت نوحؑ کے قصہ میں گویا آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ہی کہلوایا جارہاہے کہ اگر تم نے میری تائید نہ کی اور میں غالب آ گیا تو بھی تم سے اپنی ذات کے لئے ایک حبہ بھی لینے کا روادار نہیں۔ میرا کام تو محض خوشنودیٔ خدا کے لئے اس کا پیغام پہنچانا اور خدمت کرنا ہی ہے۔ میرا اجر میرے اللہ کے ذمہ ہے۔ پس اس پیشگوئی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بحیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ کو داد و دہش سے خزانے لٹاتے گئے اور کسی سے اپنی ذات کے لئے ایک پائی بھی قبول نہ کی۔

۷۴۔ اتمامِ حجت کے باوجود جب وہ لوگ آپ کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ان پر فرد جرم عائد کردی گئی اور غرق کردئے گئے اور آپ کے ساتھ جو کشتی میں سوار تھے وہی بچائے گئے اور ہم نے انہیں پہلے لوگوں کا جانشین بنادیا۔ ان لوگوں کو بے خبری میں ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ پہلے ایک لمبا عرصہ تک وعظ ونصیحت اور وعید کی پیشگوئیوں سے خوب ڈرائے گئے۔ لیکن جب وہ اپنی شوخیوں میں حد سے بڑھ گئے تو پھر عذابِ استیصال ان پر وارد ہوا۔ حضرت نوحؑ کو خبر دی گئی تھی کہ ان مکذبین کے جانشین ان جیسے بد ہی پیدا ہوں گے۔ پس ان کا مٹا دینا ہی بہتر ہے۔ اس لئے جو بچائے گئے وہ جانشین بنے۔

۷۵۔ حضرت نوحؑ کے بعد متعدد انبیاء اپنی اپنی قوم کے پاس روشن دلائل لے کر آئے لیکن گزشتہ مکذبین انبیاء کی طرح ان کے مخالفین نے بھی بغیر تحقیق ابتدا میں ہی انہیں جھٹلا دیا اور پھر اس ضد پر اڑے رہے۔ خواہ بعد میں ان کے دل اس صداقت کو تسلیم بھی کرلیں لیکن اپنی ہٹ دھرمی

بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ

اس لیے کہ تکذیب کی تھی انہوں نے اس کی پہلے سے اسی طرح مہر کرتے ہیں ہم دلوں پر

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ

حد سے بڑھنے والوں کے پھر بھیجا ہم نے بعد ان کے موسیٰ اور ہارون

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

طرف فرعون کی اور اس کے سرداروں کی ساتھ اپنی آیات کے پس تکبر کیا انہوں نے اور وہ تھے قوم

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ

مجرم پس جب آیا ان کے پاس حق ہمارے پاس سے کہا انہوں نے یقیناً

کی وجہ سے وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیتے تھے کہ جسے ایک دفعہ جھٹلا دیا اسے اب کسی قیمت پر قبول نہیں کریں گے۔ اللہ کسی کو پکڑ کر زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اور وہ ہدایت نہیں پاتے۔ گویا پہلے معتدین بنتے ہیں یعنی حد سے تجاوز کرتے ہیں، پھر مہر لگتی ہے۔

۷۶۔ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے سلسلہ کے کئی انبیاء کے حالات چھوڑ کر اب صاحبِ شریعت نبی حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا چونکہ آنحضرت ﷺ مثیلِ موسیٰ تھے اور اس قصے میں آپ ﷺ کے لئے بہت کی پیشگوئیاں تھیں اس لئے اسے مختلف مواقع پر دھرایا گیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ بقرہ آیت ۵۰ تا ۷۳ سورۃ اعراف رکوع ۱۳ تا ۲۱ نیز حضرت نوحؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ ان میں قدر مشترک ان کے مکذبین کا غرق ہونا تھا۔

فرعون، رعونت سے ہے جس کے لفظی معنی بھی متکبر ہی کے ہیں اور یہ مصر کے قدیم بادشاہوں کا لقب تھا۔ یہ خود کو خدائی طاقتوں کا مظہر ظاہر کرتے تھے اور غرور وتکبر کے نشہ میں ایک ایسے شخص کی آواز پر جسے وہ اپنا غلام سمجھتے تھے۔ کان دھرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے نیز عیاشی وبت پرستی کے علاوہ بہت سے دیگر گناہوں میں بھی ملوث تھے جن میں سرفہرست بنی اسرائیل کو زبردستی اپنی غلامی میں رکھ کر ان سے دیگر گھٹیا خدمات کے علاوہ بیگار لینا بھی شامل تھا۔ وہ ان سے تپتے ہوئے صحراؤں میں اہرام مصر کی تعمیر کا نہایت کٹھن اور جان لیوا کام لیتے۔ ہر ہرم کسی فرعون کا مقبرہ بنتا جو ان غریبوں کے خون پسینے سے تعمیر ہوتا تھا اور جس کی بنیادیں گویا ان مظلوموں کی لاشوں پر اٹھائی جاتی تھیں لیکن ان مظلوموں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ یہی وہ جرائم تھے جنہوں نے انہیں ایک مجرم

هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٧﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا
یہ البتہ جادو ہے کھلا کھلا کہا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو حق کے متعلق جب وہ
جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿٧٨﴾ قَالُوْٓا
آیا تمہارے پاس کیا جادو ہے یہ اور نہیں کامیاب ہوتے جادوگر انہوں نے کہا
اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ
کیا آیا ہے تو ہمارے پاس تاکہ پھیر دے ہمیں اس سے کہ پایا ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو اور (تاکہ) ہو جائے
لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٩﴾
تم دونوں کے لیے بڑائی ملک میں اور نہیں ہیں ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے

قوم بنادیا تھا۔ بیشک انبیاء کی بعثت خاص قبیلوں اور علاقوں کی طرف تھی لیکن ان کا پیغام صرف ان تک محدود نہیں تھا۔ ان کے دائرہ عمل میں آنے والے لوگ بھی ان کے مخاطب تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے لیکن آپ نے فرعون اور ہامان کو بھی ندائے حق پہنچائی اور فرعون کے انکار کو اس کی قوم کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

۷۷-۷۸۔ ہر داعی الی اللہ کو اس کے مخالفین نے ہمیشہ ساحر اور جادوگر ہی کہا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے لئے بھی یہی الفاظ اسی سورۃ کی آیت ۳ میں کفار کی طرف سے آپ ﷺ کی شان میں کہے گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ حق تمہارے پاس آگیا ہے اور تم اسے جادو کہہ رہے ہو۔ کیا تمہیں حق کی پہچان نہیں؟ کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ جادوگر تو کبھی کامیاب نہیں ہوتے گویا اپنی کامیابی کی پیشگوئی فرمائی کہ میرے مقدر میں تو خدا کے فضل سے کامیابی ہے پھر میں جادوگر کس طرح ہو سکتا ہوں۔ بعد میں جب جادوگر مقابلہ کے لئے آئے اور ناکام ہوئے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ حق ہے۔

۷۹۔ **تلفت۔ لَفَتَ۔** بمعنی **صَرَفَ**۔ اسی سے التفات ہے۔ ایک طرف سے ہٹ کر دوسری طرف متوجہ ہونا۔ پھیر دینا۔ اب جادوگر کہنے کی وجہ بھی بتادی کہ تم اپنے سحر انگیز بیان سے ہمیں ہمارے بزرگوں کے مسلک سے پھیرنے آئے ہو تاکہ عوام تمہارے پیچھے لگ جائیں اور حکومت وعزت تم دونوں کو مل جائے۔ ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ آج بھی یہی کہا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ انبیاء کوئی حکومت قائم کرنے نہیں آتے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے اپنی حکومتیں قائم نہیں کیں البتہ وہ نبوت اور خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کرنے ضرور آتے ہیں۔ ان کے آنے سے گمراہ اقوام کے مذہب و اخلاق اور تمدن و معاشرت پر کاری ضرب لگتی ہے اور ایک عظیم انقلاب رونما ہوتا ہے۔ جب عوام فرسودہ رسوم و رواج اور عقائد باطلہ

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ
اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس ہر جادوگر ماہر پس جب آئے
السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨١﴾
جادوگر کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو (زمین پر) جو تم ڈالنے والے ہو
فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
پس جب ڈالا انہوں نے کہا موسیٰ نے وہ چیز کہ لائے ہو تم جسے جادو ہے یقیناً اللہ
سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَ
عنقریب باطل کردیگا اسے یقیناً اللہ نہیں ٹھیک ہونے دیتا کام مفسدوں کا اور
يُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ ع ۱۲
حق ثابت کریگا اللہ حق کو ساتھ اپنی باتوں کے اور اگرچہ ناپسند کریں مجرم پس نہ
اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ
ایمان لائے موسیٰ پر سوائے چند نوجوانوں کے قوم سے اس کی بوجہ خوف کے
فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ
فرعون کے اور اس کے سرداروں کے کہ وہ دکھ پہنچائے گا انہیں اور یقیناً فرعون البتہ سرکش تھا

کو چھوڑ کر خدائی آواز پر لبیک کہتے ہیں تو ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان وجود میں آتا ہے اور دنیوی ایوان حکومت پر زلزلہ آجاتا ہے۔ حکومتوں اور سرداروں کو اپنی اجارہ داریاں ختم ہوتی نظر آتی ہیں اور وہ نبی اور اس کے متبعین کے خلاف ہر حربہ استعمال کرتے ہیں لیکن نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اس سورۃ میں حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ یا حضرت یونسؑ کی قوم کے ساتھ ہوا۔

۸۰-۸۱۔ تفسیر کے لئے سورۃ اعراف رکوع ۱۳ تا ۲۱ دیکھیں۔

غرض فرعون نے تمام ملک سے ماہر فن جادوگروں کو لانے کا حکم دیا۔ جادوگروں کے آنے پر حضرت موسیٰؑ نے انہیں اپنے کرتب دکھانے کی دعوت دی۔

۸۲-۸۳۔ جب جادوگروں نے اپنے کرتب دکھائے تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ جادو یہ ہے جو تم نے پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ یقیناً اسے باطل کردے گا۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کے عمل کی اصلاح نہیں فرمایا کرتا یعنی ان کے کام نہیں سنوارتا جو فساد کرتے اور اس کے کاموں میں رخنے ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پیشگوئیوں کے ذریعہ حق کو حق ثابت کردیتا ہے۔ یعنی فسادی لوگ جو چیزیں بنا کر لاتے ہیں ان کو حق والے فعل کے مشابہ نہیں ہونے دیتا گو مجرموں کو ناگوار ہی گزرے۔

فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ
زمین میں اور یقیناً وہ البتہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا اور کہا موسیٰ نے

يَا قَوْمِ إِن كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُم
اے قوم میری اگر ہو تم ایمان لائے اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو تم (اس کے)

مُّسْلِمِينَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا
فرمانبردار پس کہا انہوں نے اللہ پر ہی بھروسہ کیا ہم نے اے رب ہمارے نہ بنا ہمیں

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
فتنہ (کا موجب) ظالم لوگوں کے لیے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے

الْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ
کافر لوگوں سے اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ اور اس کے بھائی کے کہ بناؤ

۸۴۔اس رکوع میں فرعون کی تباہی اور بوقتِ آخر اس کا موسیٰؑ کے خدا پر ایمان لانے کا ذکر ہے جو بے فائدہ تھا نیز بطور پیشگوئی اس کی نعش کا محفوظ ہونا بتایا جو قرآن کریم کے منجاب اللہ ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

نبی کی آواز پر بہت سی سعید روحیں لبیک کہنے کو تیار ہوتی ہیں لیکن زمانہ کے فرعونوں کا خوف اور ان کے ظلم وستم ان کے قدم روکتے ہیں۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مکّی زمانہ میں ایمان لانے والوں کی زیادہ تعداد نوجوانوں پر ہی مشتمل تھی۔یہاں بھی بتلایا کہ حضرت موسیٰ ؑ کی قوم کے چند نوجوانوں نے ہی اسلام قبول کرنے کی جرأت کی اس خوف کے باوجود کہ فرعون اور اس کے سردار انہیں کسی تکلیف دہ آزمائش میں نہ ڈال دیں ۔گویا انہیں یقین تھا کہ حضرت موسیٰ ؑ پر ایمان لانے کی پاداش میں انہیں آزمائش کی بھٹی میں ڈالا جائے گا۔اس لئے کہ فرعون جابر تھا،اس کا ملک میں غلبہ تھا اور وہ ظلم میں حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔

۸۵ تا ۸۷۔انبیاء ہمیشہ اپنے متبعین کو توکل اور دعا کی ترغیب دیتے ہیں یہاں بھی ایمان لانے کے بعد توکل کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا۔ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ہم سے ایسا سلوک نہ کرنا کہ ہم ان ظالم لوگوں کے لئے ابتلا کا موجب بن جائیں۔گویا پہلے اپنی فکر تھی جب توکل کا دعویٰ کیا تو دوسروں کی فکر ہے کہ اے ہمارے ربّ !ہمیں ظالم قوم کے ظلم وجور کا تختہ مشق اس طرح نہ بنائیو کہ ہماری وجہ سے وہ ٹھوکر کھا جائیں اور سمجھیں کہ ہمارا کوئی مولیٰ نہیں اور ہدایت سے محروم رہ جائیں۔ اے ہمارے ربّ!اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دیجیو۔(ترجمۃ القرآن کلاس حضرت خلیفۃ

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَ
اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر اور بناؤ اپنے گھروں کو آمنے سامنے اور

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٧﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ
قائم کرو نماز اور خوشخبری دے مومنوں کو اور کہا موسیٰ نے

رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي
اے رب ہمارے یقیناً تو نے دی ہے فرعون اور اس کے سرداروں کو زینت اور مال

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا
زندگی ورلی میں اے رب ہمارے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ برگشتہ کرتے ہیں (اوروں کو بھی) راہ سے تیری اے

المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

۸۸۔**البوّا**۔کسی جگہ کا موافق اور سازگار ہونا ہے۔**مبوّا صدق** یا اعلیٰ درجہ کی جگہ۔ **تبوّا** تم دونوں بناؤ۔قبلہ رخ کے کئی معانی ہیں۔ ا۔اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ۔اس میں قبلہ رخ کے علاوہ یہ بھی اشارہ ہے کہ انہیں یکجہتی کا سبب بناؤ۔گویا تمام اختلافات کو بھول جاؤ اور تم سب کا مطمع نظر ایک ہی ہو۔۲۔اپنے گھروں کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے بناؤ تاکہ تعاون اور امداد باہمی کی فضا پیدا ہو اور ہجرت میں آسانی ہو(گنتی)۔۳۔اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ یعنی ان میں نمازیں پڑھو اور دعائیں مانگو۔۴۔قبلہ کہنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تمہارے گھروں میں امن رہے گا جبکہ اہل فرعون کے پہلوٹھے مار ڈالے جائیں گے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج ان گھروں کا قبلہ رخ ہونا عملاً بھی ثابت ہو گیا ہے۔ماہرین آثار قدیمہ نے چند سال پہلے مصر میں کھدائی کر کے ایک ایسی بستی کو ڈھونڈ نکالا ہے جو یقیناً فرعون کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا مسکن تھی۔اس میں تمام گھر معین رخ پر بنائے گئے تھے۔بقول ماہرین آثار قدیمہ کبھی کسی بستی میں اس طرح معین رخ پر گھر نہیں ملے۔تمام گھروں کا رخ یا فلسطین کی طرف ہے جو ان کا قبلہ تھا اور مشرق کی طرف ہے۔یا فلسطین کو جانے والے راستہ کی طرف رخ ہے جو شمال کی طرف ہے۔مصر سے فلسطین کو جانے کے لئے پہلے شمال کی طرف جاتے تھے پھر سمندر کے کنارے کنارے مشرق کی طرف فلسطین پہنچتے تھے۔

قرآن کریم کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی صداقت پر مبنی ہیں اور زمانہ اس صداقت کو ثابت کرتا رہتا ہے جو مومنین کے ازدیاد ایمان کا باعث بنتا ہے۔

پس بنی اسرائیل کی دعائیں پایۂ قبولیت کو پہنچیں اور خدا نے حالات سازگار کرنے کے لئے

اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا

ہمارے تباہی لا اموال پر ان کے اور سخت کر دے دلوں کو ان کے پس نہ ایمان لائیں

حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۹﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ

یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب دردناک فرمایا یقیناً قبول کر لی گئی

یہ حکم دیا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں منتشر انداز سے رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے بعض مصلحتوں کے تحت انہیں ایک جگہ اکٹھا رہنے کا حکم دیا تا کہ ان میں باہمی روابط بڑھیں، مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آسکیں، رات کو ہجرت کے لئے اکٹھے نکلنے میں آسانی ہو نیز قبلہ رخ ہونے کی وجہ سے نمازیں ٹیڑھے ہو کر نہ پڑھنی پڑیں۔نمازوں اور دعاؤں سے ابتلاؤں کا دور ختم ہو اور خدائی رحمتوں کے مورد بنیں۔فرعون کی چارسو سالہ غلامی سے بنی اسرائیل کی ذہنی اور عسکری قوتیں مفلوج ہو چکی تھیں، وہ سخت مایوسی اور قنوطیت کا شکار تھے۔ان کا حوصلہ بڑھانے اور ان میں ایک نئی روح پھونکنے کے لئے انہیں بشارت دی کہ وہ ان احکام پر عمل پیرا ہوں۔انشاء اللہ وہی کامیاب ہوں گے۔مثیل موسیٰ ؑ کے لئے بھی یہی خوشخبری تھی **بشرالمومنین** کی ضمیر واحد ہے خاص طور پر آنحضرت ﷺ پر اطلاق پا رہی ہے کہ عنقریب طاغوتی طاقتیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی جائیں گی اور نہ صرف یہ ملک بلکہ روم و ایران بھی ان کے زیر عنان ہوں گے۔پس موسیٰ ؑ اور مثیل موسیٰ ؑ کو سب سے بڑی خوشخبری حکومت و نبوت کا ملنا تھی۔(حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترجمۃ القرآن کلاس MTA سے استفادہ کیا گیا ہے)

۸۹۔ قوم فرعون کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بار بار عذاب دئے گئے جن کی تعداد نو تک تھی یہ قوم وقتی طور پر کچھ مائل ہوتی لیکن پھر مظالم و شدائد اور برائیوں میں اور دلیر ہو جاتی۔

انبیاء نہایت رقیق القلب ہونے کے باوجود جب دیکھتے ہیں کہ دنیوی جاہ و جلال سے بجائے شکر کرنے کے یہ قوم حد سے زیادہ بیباک ہو گئی ہے اور یہ جاہ و حشم سادہ لوح عوام کی ٹھوکر اور گمراہی کا باعث بن رہا ہے اور قوم گمراہی کے اس تحت الثریٰ تک پہنچ چکی ہے جب دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، ہدایت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اور حجت تمام ہو چکتی ہے تو سوائے جراحی کے ایسے مرض کا کوئی علاج باقی نہیں رہتا۔پس ایسے میں جب چھوٹے چھوٹے صدموں سے تائب نہیں ہوتے تو عذاب الٰہی اور صدمہ شدید بعض دفعہ توبہ اور اصلاح کا باعث بنتا ہے اور یہ آخری علاج ہوتا ہے۔انبیاء بددعا نہیں دیتے لیکن انبیاء کی آواز خدائی آواز کے تابع ہوتی ہے۔پس اللہ نے ان

دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ

دُعا تم دونوں کی پس درست رہو اور نہ پیروی کرنا طریق کی ان لوگوں کے جو

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۰﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ

نہیں جانتے اور گذار کر لے گئے ہم بنی اسرائیل کو سمندر سے

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤى

تو پیچھا کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور زیادتی سے یہانتک کہ

اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ

جب آلیا اسے غرق ہونے نے اس نے کہا ایمان لایا میں نہیں کوئی خدا سوائے اس کے کہ

اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

ایمان لائے جس پر بنی اسرائیل اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۲﴾

کیا اب ؟ حالانکہ یقیناً نافرمانی کی تو نے پہلے اور تھا تو مفسدوں میں سے

کے مقدر میں تباہی لکھ دی تو انبیاء کی زبان پر بھی جاری ہو گئی۔**الشّد** کے لفظی معنی مضبوط باندھنے کے ہیں اور اسی سے شدت ہے۔مگر **الشّد** کا صلہ علیٰ ہو تو حملہ کرنے کے معنی دیتا ہے (نہایہ ابن اثیر) پس دل پر حملہ یہ ہے کہ جاہ و حشم اور اموال چھینے جائیں اور دل پر چوٹ پڑے۔دل پر مصائب وارد ہونا اور دل کی محبوب اشیاء پر حملہ بھی مراد ہے جیسے پہلوٹھوں کا مر جانا۔

۹۰ تا ۹۲۔پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ ؑ کی دعا کا ذکر تھا۔یہاں فرمایا کہ دونوں کی دعا قبول فرمائی۔اوّل تو دعا **ربنا** سے شروع کی جس سے حضرت ہارون کی دعا میں شمولیت ظاہر ہے نیز الدرالمنثور میں ہے کہ موسیٰ ؑ دعا کرتے تھے اور ہارون ؑ آمین کہتے تھے۔انبیاء راہ راست سے نہیں بھٹکتے پھر بھی ہمیشہ استعانت طلب کرتے رہتے ہیں استقامت اور صراط مستقیم کی دعا کرتے ہیں اور یہی دعا اپنے متبعین کو سکھاتے ہیں پس دعا کی قبولیت فرعون کی غرقابی کی صورت ظاہر ہو گی۔جب عذاب الیم پہنچے گا اور ایمان لائے گا مگر اس وقت کا ایمان فائدہ نہیں دے گا۔تفصیل کے لئے سورہ بقرہ آیت ۵۱۔موت کو سامنے دیکھ کر فرعون پکار اٹھا کہ میں بنو اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا۔بنو اسرائیل جو اس کے غلام تھے اور جن کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔اب انہیں کے خدا پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے۔دراصل آئمہ کفر یہ بات بہت پہلے جان جاتے ہیں لیکن اپنی اجارہ داری، جھوٹی انا، غرور و تکبر اور دیگر دنیوی مصلحتوں کے تحت وہ اعلان کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور عوام کو گمراہی میں رکھتے

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ

پس آج بچائیں گے ہم تجھے بصورت جسم کی تیرے تاکہ ہو تو ان لوگوں کیلئے جو پیچھے ہیں تیرے نشان

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ ع ٩ ١٠ ١٤

اور یقیناً بہت سے لوگ آیات ہماری سے البتہ غافل ہیں اور یقیناً یقیناً

بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو جگہ اعلیٰ درجہ کی اور دیں ہم نے ان کو

الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ

پاک چیزیں پس نہ (آپس میں) اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آیا انکے پاس علم یقیناً

ہیں۔اسی وجہ سے پکڑے جاتے ہیں ورنہ اگروہ مامورین کو واقعی جھوٹا سمجھتے تو کسی حد تک قابلِ معافی ہوتے۔موت کو سامنے دیکھ کرتو ہر شخص توبہ کرتا ہے لیکن وہ توبہ قبول نہیں ہوتی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے غرغرہ موت سے پہلے (ترمذی کتاب الدعوات باب فضل التوبۃ بروایت حضرت ابن عمرؓ) کیونکہ عمل کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔

۹۳۔یہ آیت صداقتِ قرآن پر زبردست دلیل ہے کہ جیسے تیرا ایمان بے معنی ویسے تری نجات بے معنی۔بدن قائم رہا تا کہ بعد میں آنے والے عبرت پکڑیں بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ عبرت کا مقام یہی ہے کہ جس فرعون سے ایک زمانہ کانپتا تھا آج اس کی جھلسی ہوئی لاش پرانے برتنوں کی طرح عجائب گھر کی زینت ہے (ممی کو دیکھ کر پہلا تاثر یہی ابھرتا ہے کہ کوئی جھلسی ہوئی لاش ہے) جس جگہ سے فرعون کی لاش تیرتی ہوئی ملی تھی وہ جبلِ فرعون کے نام سے مشہور ہے اور جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ قریباً تین ہزار سال بعد منفتاح فرعون کی لاش اہرام مصر سے مل گئی جو اب قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔یہ چھوٹے قد کا دبلا سا شخص ہے۔سوائے قرآن کریم کے بائیبل یا کسی الہامی یا غیر الہامی کتاب میں اس کا ذکر نہیں۔یہ بھی پیشگوئی فرمائی کہ ایک مدت تک لوگ ہمارے ان نشانوں سے بے خبر رہیں گے۔بنی اسرائیل کو بتانا مقصود تھا کہ جس طرح تکذیبِ موسیٰؑ پر فرعون ہلاک ہوا اسی طرح تکذیبِ مثیلِ موسیٰؐ پر مکفرین رسول ہلاک ہوں گے۔

۹۴۔اس رکوع میں حضرت یونسؑ کی مثال دے کر سمجھایا کہ اگر اب بھی سمجھ جاؤ اور تکذیب رسول سے باز آجاؤ تو قوم یونسؑ کی طرح تم سے عذاب ٹال دیا جائے گا اور تم بچائے جاؤ گے۔ابن عباسؓ نے اس جگہ علم سے مراد قرآن کریم لیا ہے۔اختلاف سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

رب تیرا فیصلہ کرے گا درمیان ان کے بروز قیامت اس میں کہ تھے جس میں

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٤﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

وہ اختلاف کرتے پس اگر ہے تو کسی شک میں اس سے جو اتارا ہم نے طرف تیری

بارے میں اختلاف ہے۔اس لئے کہ آپ ﷺ سے اختلاف ہی سب سے بڑا اختلاف ہے۔

قوموں کی تاریخ میں چالیس سال کا عرصہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو صحرانوردی میں گزرا۔اس لئے فرعون کی تباہی کے بعد ان بہت سی دینی و دنیوی نعمتوں کا ذکر کیا جو بنی اسرائیل کو فلسطین کی جنت نظیر وادی میں عطا ہوئیں اور انہیں رزق طیب کہا۔رزق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔اس میں سب سے بڑی نعمت نبوت اور حکومت کا ملنا ہے جس سے بنی اسرائیل نوازے گئے۔جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے اور قرآن کریم نازل نہیں ہوا بنی اسرائیل موعود نبی کے ظہور میں متفق تھے۔یہاں تک کہ اس کے انتظار میں بعض یہود قبائل فلسطین کی سرسبز وادی کو چھوڑ کر مدینہ کے اطراف میں آباد ہو گئے کیونکہ وہ موعود نبی کا عرب میں آنا جانتے اور مانتے تھے۔ تا کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے بنیں لیکن جب قرآن کریم کا نزول ہوا تو آپ ﷺ کی بعثت میں اختلاف کرنے لگے کہ یہ رسول ہم میں سے کیوں نہیں آیا وغیرہ وغیرہ۔فرمایا جو جانتے بوجھتے ہوئے اختلافات میں پڑیں،ان کا فیصلہ قیامت کو ہی ہوگا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں بیان فرمایا! صحراؤں میں گھومنے کو ٹھکانا نہیں کہا جا سکتا۔اصل ٹھکانا وہ ہے جو سچائی پر ہو۔گویا ایسی سچائی عطا فرمائی جس پر دیر تک قائم رہے۔

اب ایک عالمی صداقت بیان فرمائی کہ جب تک علم نہیں آتا اختلاف پیدا نہیں ہوتا۔رسول کے آنے سے پہلے عموماً تمام مذاہب میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔مجموعی طور پر تمام اقوام اخلاقی پستی کا شکار ہوتی ہیں۔کسی فرقہ میں بھی عادات کردار اور مزاج کے حوالے سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔الاماشاء اللہ۔رسول آتا ہے تو علم سے نوازے جاتے ہیں،برائیوں پر قدغن لگائی جاتی ہے اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔رسول اپنی خداداد فراست اور کتاب الٰہی کی روشنی میں اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! میری امت کا اختلاف رحمت ہے؟ تقویٰ کے ساتھ اختلاف رحمت ہے۔جہاں نفس پرستی شامل ہو جائے یا انا کا مسئلہ پیدا ہو جائے تو ایسا اختلاف رضائے الٰہی کے منافی ہے۔بیشک تمام اختلافات کا فیصلہ قیامت کو ہوگا لیکن قیامت بعض اوقات دنیا میں بھی برپا ہو جاتی

فَسۡـَٔلِ الَّذِیۡنَ یَقۡرَءُوۡنَ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ لَقَدۡ
پس پوچھ لے ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں (آسمانی) کتاب پہلے تجھ سے یقیناً یقیناً
جَآءَکَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ۝۹۵
آیا تیرے پاس حق طرف سے تیرے رب کی پس نہ ہو تو شک کرنے والوں میں سے

ہے اور حقیقت کھل جاتی ہے۔جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دنیا نے قیامت کا نظارہ دیکھا۔جزاوسزا کو قیامت پر نہیں ٹالا گیا بلکہ بہت جلد فیصلے ہو گئے۔اس کی چھوٹی سی مثال یہ ہے کہ ہجرت کے موقع پر جن نو سردارانِ مکہ نے آنحضرت ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا ان میں سے آٹھ صرف دو سال بعد میدان بدر میں واصل جہنم ہوئے۔ابوسفیان جنگ میں شامل نہیں تھا وہ بچ گیا۔ابو لہب صرف دو ماہ بعد اسی غم میں ہلاک ہوا۔اس طرح خدائی آواز پر لبیک کہنے والے خانہ بدوش بدوؤں کو اس زمانے کی متمدن قوموں پر حکمرانی بخشی۔اس رسول امی ﷺ نے تمام اختلافات کے فیصلے فرمائے۔آپ ﷺ کے غلام حضرت مسیح موعود ومہدی معہود کو حکم اور عدل کہا۔آپ کی جماعت میں شامل ہونے والے بھی دنیوی و اخروی انعامات سے نوازے گئے۔آپ کی خدمت میں جن مخلصین نے دو دو اور چار چار آنے چندہ دیا ان کی اولادیں آج کروڑوں روپیہ خدمت دین کے لئے پیش کر رہی ہیں۔

۹۵۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **لاأشک ولاأسالُ** نہ میں شک کرتا ہوں نہ سوال۔(تفسیر ابن کثیر) گویا اس آیت کی تفسیر خود ہی فرما دی۔یعنی یہ شک کرنے والے دوسرے اختلاف اور اعتراض کرنے والے یا دوسرے مکذبین تھے اور انہی کو اہل کتاب سے پوچھنے کو کہا کیونکہ اہلِ تورات جانتے تھے کہ تورات کی تمام پیشگوئیاں آپ ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ان کا ایمان نہ لانا محض ان کا حسد وتکبر تھا اور کچھ مادی منفعتیں تھیں۔قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر بظاہر خطاب آپ ﷺ سے ہوتا ہے مگر مخاطب دوسرے ہوتے ہیں۔جیسے ماں باپ کو اُف تک نہ کہنا یا بیویوں کو طلاق کا ذکر حالانکہ نہ آپ ﷺ کے والدین زندہ تھے اور نہ ہی آپ ﷺ نے بیویوں کو طلاق دی۔غرض شک کرنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے نہ آپ ﷺ کے متبعین جیسا کہ فرمایا **قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی** (سورہ یوسف ۱۰۹) تو کہہ دے کہ میں اور میرے متبعین صرف گمان سے اس مذہب کو نہیں جانتے بلکہ ہم نے مشاہدہ سے قرآن کریم کی سچائی کو معلوم کر لیا ہے۔پس آپ ﷺ حق الیقین کے مقام پر تھے۔بعض قرآنی واقعات

وَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَتَکُوۡنَ
اور نہ ہو تو ان لوگوں میں سے جنہوں نے تکذیب کی آیات کی اللہ کی ورنہ ہو جائے گا تو
مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ۝۹۶ اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ
نقصان پانیوالوں میں سے یقیناً وہ لوگ کہ ثابت ہو گئی ان پر بات
رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝۹۷ وَلَوۡ جَآءَتۡہُمۡ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی
تیرے رب کی نہیں ایمان لائیں گے اور اگرچہ آئیں ان کے پاس سب نشان یہاں تک کہ
یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ۝۹۸ فَلَوۡلَا کَانَتۡ قَرۡیَۃٌ اٰمَنَتۡ
دیکھیں وہ عذاب دردناک پس کیوں نہ ہوئی کوئی بستی جو ایمان لائی
فَنَفَعَہَاۤ اِیۡمَانُہَاۤ اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا کَشَفۡنَا
پھر نفع دیتا ہے اسے ایمان اس کا سوائے قوم یونس کے جب ایمان لائے وہ دور کر دیا ہم نے
عَنۡہُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَمَتَّعۡنٰہُمۡ
ان سے عذاب ذلت کا زندگی ورلی میں اور سامان دیا ہم نے
اِلٰی حِیۡنٍ ۝۹۹ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کُلُّہُمۡ
ایک وقت تک اور اگر چاہتا رب تیرا البتہ ایمان لاتے وہ جو زمین میں ہیں سب کے سب

تورات میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تورات کا وہ حصہ جو قرآن کریم کے تابع ہو اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۹۶۔اس آیت نے کھول دیا کہ مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتے بلکہ وہی شک کرنے والے ہیں جو آخر تکذیب تک پہنچے اور سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوئے۔

۹۷۔۹۸۔جو لوگ ضد اور تکبر کی وجہ سے بات سننے کے روادار نہ ہوئے اور ایمان نہ لانے کا فیصلہ کر لیا،سب کچھ جان کر بھی اپنی جھوٹی انا اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی بات پر اڑے رہے۔ان پر ان کے ربّ کی طرف سے فیصلہ صادر ہو جاتا ہے کہ ایمان نہیں لائیں گے خواہ ان کے پاس کتنے ہی نشان آئیں۔وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ فرعون کی طرح دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔حالانکہ اس وقت کا ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا۔

۹۹۔فرعون کی ہلاکت کے بعد بتلایا کہ جو قومیں عذاب الٰہی کی خبر پا کر تائب ہو جاتی ہیں ان سے عذاب ٹل جاتا ہے۔خواہ ان کی ہلاکت کے متعلق انبیاءؑ کی پیشگوئیاں بھی ہوں۔ان کا استغفار انہیں فائدہ دے جاتا ہے۔اس آیت سے باری تعالیٰ کی بے حدوحساب شفقت کا اظہار ہوتا ہے جو اسے اپنی مخلوق سے ہے۔فرمایا کہ کیوں قوم یونسؑ کے سوا کوئی اور ایسی بستی نہ ہوئی کہ وہ

جَمِیْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۱۰۰)

اکٹھے کیا پھر تو مجبور کریگا لوگوں کو کہ وہ ہو جائیں مومن

ایمان لے آتی تو اس کا ایمان اسے فائدہ دیتا۔ان کے ایمان کے نتیجہ میں ان سے دنیوی زندگی میں ذلت کا عذاب دور کر دیتا اور وہ ایک مدت تک سامانِ معیشت سے بہرہ مند ہوتی۔

حضرت یونسؑ کا ذکر قرآن حکیم میں چھ مرتبہ آیا ہے۔آپ کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح ہے۔آپ اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے۔جو اس زمانہ میں ایک عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافہ تھا اور ایک لاکھ سے زیادہ افراد پر مشتمل تھا۔تمام انبیاءؑ کی طرح آپ بھی ایک مدت دراز تک انہیں گناہوں سے باز آنے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے اور اس کے نتیجہ میں ظلم و ستم سہتے رہے لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور ایمان نہ لائے۔آخر اللہ تعالیٰ کا حکم آ گیا کہ تین دن بعد ان پر عذاب مسلط کر دیا جائے گا۔قوم کو یہ وعید کی خبر دے کر آپ انبیاء سابقہ کی سنت کے مطابق بحکم خداوندی وہاں سے چلے گئے۔آپ کے چلے جانے کے بعد آپ کی قوم تائب ہوئی اور خوب الحاح وزاری سے وقوع عذاب سے پہلے توبہ کی جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی اور عذاب ٹل گیا۔اس سے ثابت ہوا کہ انذاری پیشگوئیاں خواہ ایک نبی کی زبان سے ہی کہی گئی ہوں معلق رہتی ہیں اور بندوں کی توبہ سے ٹل بھی جاتی ہیں۔جب آپ نے دیکھا کہ قوم پر عذاب نہیں آیا تو اس خیال سے واپس ان کے پاس نہیں گئے کہ مجھے جھوٹا سمجھ کر قتل کر دیں گے۔آپ کو قوم کے تائب ہونے کی اطلاع نہیں تھی۔پس آپ سے کوتاہی یہ ہوئی کہ اذنِ الٰہی کے بغیر وہاں سے بھاگے اور کشتی میں سوار ہوئے جہاں مچھلی والا واقعہ پیش آیا اور خدائی عتاب کے نیچے آئے اور کچھ دیر مچھلی کے پیٹ میں رہے۔آپ کی درد میں ڈوبی ہوئی دعا اور تسبیح سے بحکم الٰہی مچھلی نے آپ کو اگل دیا۔ آپ بیمار تھے۔الانبیاء ۸۸۔الصّٰفّٰت ۱۴۶۔آپ اولوالعزم انبیاء میں سے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف فرمایا اور صالحین میں شامل کیا (القلم :۵۱) بیشک ایک عام انسان اس سے بہت بڑی غلطی پر بھی پکڑا نہیں جاتا لیکن انبیاء کی شان اور مقام اس سے بہت بلند ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم بھی فتح مکہ کے موقع پر تائب ہوئی اور عذابِ استیصال سے محفوظ رہی اور خدائی نعمتوں کی وارث بنی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے میں آپ مچھلی کے پیٹ میں تین دن نہیں رہے بلکہ کچھ دیر رہے۔(ترجمۃ القرآن کلاس) قرآن کریم میں بھی تین دن کا ذکر نہیں۔

۱۰۰۔پچھلی آیت میں جنابِ الٰہی کی اس شدید خواہش کا اظہار تھا کہ لوگ ایمان لے

وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ

حالانکہ نہیں ہے کسی جان کے لیے کہ ایمان لائے سوائے اجازت کے اللہ کی اور ڈالتا ہے

الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (۱۰۱) قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا

(کفر کی) پلیدی ان لوگوں پر جو نہیں عقل کرتے تو کہدے دیکھ کیا کچھ

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ

آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور نہیں کام آتے نشانات اور ڈرانے والی

عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ (۱۰۲) فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ

باتیں ان لوگوں کو جو نہیں ایمان لاتے پس نہیں وہ انتظار کرتے مگر مانند دنوں کے

آئیں۔اس پر یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ پھر کیوں اللہ نے سب کو ہدایت نہیں دی اس کا جواب دیا کہ اللہ اپنی مشیت کو جبراً نافذ نہیں کرتا۔اگر ایسا ہوتا تو تمام دنیا ہی ہدایت پا جاتی بلکہ وہ بندوں کو اختیار دیتا ہے۔

پس جب اللہ دین کے معاملہ میں مجبور نہیں کرتا بلکہ چاہتا ہے کہ لوگ سوچ سمجھ کر ایمان لائیں تو کیا تو یا تیرے متبعین لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔یہاں خوب واضح کر دیا کہ **لا اکراہ فی الدین**۔

۱۰۱۔جس طرح باقی تمام امور میں اللہ کا قانون جاری وساری ہے اسی طرح ایمان کا معاملہ بھی ہے۔اگر آنکھ اور کان سے کام نہیں لیں گے تو دیکھنے اور سننے سے محروم رہیں گے۔اسی طرح اگر عقل سے کام نہیں لیں گے تو کسی بھی معاملہ میں صحیح نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر رہیں گے۔

دنیا کی تمام نعمتیں اللہ کے اذن یعنی حکم اور قانون کے تحت اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح محل پر خرچ کر کے بفضل تعالیٰ حاصل ہوتی ہیں۔پس اس کی دی ہوئی عقل اور توفیق سے جب ایک بندہ ہر قسم کے تعصب سے پاک ہو کر حق کو پانے کے لئے غور و خوض کرے گا تو بفضلِ تعالیٰ ضرور ہدایت پا جائے گا۔ پس اللہ کے اذن میں اس کی مشیت اور امر دونوں شامل ہیں لیکن جو عقل و تدبر کو چھوڑ کر باپ دادا کی اندھی تقلید، تعصب اور تکبر پر قائم رہے گا اسے سوائے شرک وکفر کی پلیدی کے کیا حاصل ہوگا، ایسے عقل کے اندھوں کی دل کی پلیدی ان کے چہروں کی نحوست سے عیاں ہوتی ہے۔یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ نے فیصلہ کیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔انہیں اللہ کا اذن ہی نصیب نہیں ہوگا۔

۱۰۲۔**نَظَرَ**۔اس نے دیکھا۔بنظر غور دیکھنا۔

الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ

ان لوگوں کے جو گذر چکے پہلے ان کے تو کہدے پس انتظار کرو یقیناً میں بھی ساتھ تمہارے

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

انتظار کرنے والوں میں سے ہوں پھر ہم نجات دیتے رہے اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے

كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ قُلْ يٰۤاَيُّهَا ع ۱۱ ۱۵

اسی طرح فرض ہے ہم پر کہ نجات دیں مومنوں کو تو کہدے اے

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ

لوگو اگر ہو تم شک میں متعلق میرے دین کے پس نہیں عبادت کرتا میں ان لوگوں کی

جب عقل سے کام لینے کو کہا تو ساتھ ہی تمام کائنات پر غور کرنے کی دعوت دی۔ طالب حق کے لئے زمین و آسمان خدائی عجائبات سے بھرے پڑے ہیں، صرف دیدۂ بینا چاہیے لیکن جو ایمان نہ لانے پر بضد ہوں ان کے لئے نہ عجائبات ِ قدرت فائدہ دیتے ہیں نہ نشانات و معجزات اور نہ تنبیہات۔ آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے اور کیا ہو رہا ہے یہ سب ایک مومن کو دعوتِ نظارہ ہی نہیں دے رہے بلکہ انہیں غور و تدبر کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ جس سے نئے نئے علوم جنم لیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار اس طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ ”علوم جدیدہ کی ماہیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کرو۔“ (ملفوظات حصہ اوّل صفحہ ۶۵۔۶۶)

۱۰۳۔ مکذبینِ انبیاء ہمیشہ ان عذابوں کا مطالبہ کرتے ہیں جو پہلے منکرینِ انبیاء پر آچکے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ویسا عذاب کیوں نہیں آتا۔ جب ان کے کردار ان پہلوں جیسے ہیں، انہیں کی راہوں پر چل رہے ہیں تو انجام بھی یقیناً انہی جیسا ہوگا۔ عذاب اپنے وقت پر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے۔ جلد عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں، تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

۱۰۴۔ عذاب کا مطالبہ تھا فرمایا رسولوں اور مومنوں کو ہم اسی طرح بچالیں گے کیونکہ یہ حق ہمارے ذمہ ہے گویا ہم پر فرض ہے کہ ہم ایمان لانے والوں کو ضرور بچالیا کرتے ہیں، ہاں تم اپنی فکر کرو۔

آج مسلم اقوام مصائب و مظالم کی چکی میں پس رہی ہیں۔ وجہ ظاہر ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”مومن کو تمام مشکلات سے نجات دیتے ہیں مگر کوئی مومن بھی ہو“۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ دسمبر ۱۹۰۹ء)

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ

جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے ولیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو

يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ

روح قبض کرتا ہے تمہاری اور حکم دیا گیا ہوں میں کہ ہو جاؤں مومنوں میں سے اور

اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

یہ کہ قائم کر اپنی توجہ دین کے لیے موحد ہو کر اور نہ ہو تو ہرگز

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ

مشرکوں میں سے اور نہ پکار سوائے اللہ کے جو نہ نفع دے تجھے

وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے تجھے پس اگر کیا تو نے (ایسا) تو یقیناً تو ظالموں میں سے ہوگا

۱۰۵۔۱۰۶۔ سورۃ کے اس آخری رکوع میں بقول مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی (قرآن کریم مترجم۔ مرتبہ مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی۔ منظور کردہ نظارتِ تالیف وتصنیف قادیان) خداتعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے فوائد بتائے ہیں۔ ۱۔ خدا کی طرف سے مشکلات کا دفیعہ۔ ۲۔ خدا کی طرف سے فضلوں کا نزول۔ ۳۔ گناہوں سے معافی۔ ۴۔ کوششوں کا بارآور ہونا۔ ۵۔ دینی اور دنیوی آسائش وآرام کا ملنا۔ ۶۔ بالآخر دنیا پر ظاہر ہو جانا کہ فلاں بندہ ہمارا ہے، یعنی [illegible] کی مقبولیت کا ظاہر ہونا۔ آخر میں یہ بتلا کر کہ عنقریب اللہ فیصلہ صادر کردے گا، اس سورۃ کو ختم کیا۔

حنیف۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے مذہب پر ہو۔ ہر کجی سے پاک۔ یکسو ہو کر۔ سیدھا اور مستقیم جس کا دوسری طرف ادنیٰ ساجھکاؤ بھی نہ ہو۔ موحد۔ اس کی ضد مشرک ہے۔

واضح کردیا کہ شک کرنے والے مکذبینِ رسول ہی تھے۔ کفار کے دین سے بریت کے اعلان کے ساتھ ہی خاص طور پر اللہ کی اس صفت کا ذکر کیا کہ جو تمہیں موت دیتا ہے۔ گویا بتادیا کہ عنقریب تمہیں اسی کے حضور حاضر ہونا ہے۔ تمہارے یہ معبودانِ باطلہ تمہیں موت سے نہیں بچاسکتے۔ حنیف بن جانے کے بعد شرک کے کیا معنی۔ سو یہاں شرک کی نہایت باریک راہوں کی طرف توجہ دلا کر ان سے روکا۔ یہاں بھی قرآن حکیم کے دستور کے مطابق خطاب امت سے ہے کیونکہ آپ ﷺ شرکِ خفی سے بھی پاک تھے۔

۱۰۷۔۱۰۸۔ یہاں پھر خطاب عام ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توحید اور توکل کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ

اور اگر پہنچائے تجھے اللہ کوئی دُکھ تو نہیں کوئی دُور کرنیوالا اسے سوائے اس کے

وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ

اور اگر ارادہ کرے تیرے متعلق بھلائی کا تو نہیں کوئی لوٹانے والا فضل کو اسکے، وہ پہنچاتا ہے اس (فضل) کو جسے

يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۱۰۸ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے تو کہدے اے

النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

لوگو یقیناً آچکا ہے تمہارے پاس حق طرف سے تمہارے رب کی سو جس نے ہدایت پائی

فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

تو صرف ہدایت پاتا ہے اپنے نفس کے لیے اور جو گمراہ ہوا تو صرف گمراہ ہوتا ہے اپنے

''اس آیت میں بتادیا کہ خیر وشر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک تو وہ جو تقدیر عام کے تحت آتے ہیں یہ قانونِ قدرت کے تحت کوشش سے آ بھی سکتے ہیں ٹل بھی سکتے ہیں۔جبکہ دوسرے خیر وشر کے نزول کا باعث اللہ تعالیٰ کا خاص ارادہ ہوتا ہے۔ان کا موجب دنیوی اعمال نہیں ہوتے اور نہ تدبر سے لائے جاسکتے ہیں،نہ ٹل سکتے ہیں'' رسول کو مخاطب کر کے اشارہ کیا کہ آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا معاملہ محض فضل الٰہی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے آپ ﷺ کے دشمنوں کی تدبیریں آپ ﷺ کے مقابلہ میں بہت زبردست ہونے کے باوجود ہمیشہ رائیگاں گئیں۔یہ معاملہ اللہ کے دوسرے خاص بندوں کے لئے بھی حسبِ مراتب خاص ہے اور وہ اپنے بندوں کو بہت معاف کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں کہ مومنوں سے بھی خطاب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھو جو خیر وشر کا مالک ہے۔اسی کے فضل کو تلاش کرو اور خیر کے لئے اسی سے دعائیں کرو۔وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے اور آخری فیصلہ اسی کا ہے۔تمہاری کمزوریاں اس راہ میں حائل نہ ہوں، وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے تمہاری کوششوں کو ضرور بارآور کرے گا۔

۱۰۹۔بتایا کہ حق تمہارے پاس آچکا ہے اور تمہیں خوب کھول کر بتایا جاچکا ہے۔اب کسی باطل کی گنجائش نہیں۔پس جس نے ہدایت پائی وہ اپنے نفس کے لئے ہدایت پاتا ہے اور اس کا اپنا ہی فائدہ ہے اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے نفس کے خلاف گمراہ ہوتا ہے۔گویا نفس اسے ہدایت کی طرف بلاتا ہے لیکن وہ اس آواز سے کان بند کر کے گمراہی اختیار کرتا ہے اور اپنا نقصان کرتا ہے۔نبی کا کام تم

عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۱۰۹ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

(نفس) کے خلاف اور نہیں میں تم پر ہرگز نگہبان اور تو پیروی کر اس کی جو وحی کی جاتی ہے طرف تیری

وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ښ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۱۱۰ ع ۱۱ / ۱۶

اور صبر کر یہاں تک کہ فیصلہ کرے اللہ اور وہ بہتر ہے سب فیصلہ کرنیوالوں سے

تک حق کو خوب کھول کر پہنچانا ہے۔سو یہ فرض میں نے احسن ترین طریق پر انجام دے دیا ہے۔میں خدا کے حضور تمہاری غلطیوں کا جوابدہ نہیں۔

۱۱۰۔ابتدائی مضمون کو آخر میں دہرا کر اس سورۃ کو ختم کیا کہ اگر وہ حکیم ہے تو حاکم بھی ہے۔تم وحی الٰہی کی پیروی کئے جاؤ۔مخالفین کی ایذا رسانیوں کو برداشت کرو اور صبر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر کر دے۔یہ سورۃ ہجرت کے قریب کی ہے۔پس جلد ہی اللہ کا فیصلہ آ گیا اور آپ ﷺ کو ان کے چنگل سے نکال کر مدینہ پہنچا دیا، غلبہ اسلام کی داغ بیل ڈالی اور صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں تمام عرب اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّأَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ آيَةً وَّعَشَرَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ ھود۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو چوبیس آیات اور دس رکوع ہیں

سورۃ ھود ہجرت کے قریب کی مکی سورتوں میں سے ہے۔ اس سورۃ اور سورۃ یونس کا ایک ہی زمانہ ہے اور مضمون بھی قریباً ایک ہی ہے۔ حضرت ھودؑ کے نام پر اس سورۃ کا نام ہے۔ آپ پہلے نبی تھے جو عرب میں آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ ھود اور سورۃ مرسلات نے مجھے بوڑھا کردیا کیونکہ ان سورتوں میں آنحضرت ﷺ کی اتنی ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے کہ جن کی وجہ سے آپ ﷺ اپنے جسم میں کمزوری محسوس کرنے لگے۔ نیز ان سورتوں میں ان قوموں کا ذکر ہے جو اپنے زمانہ میں انتہائی طاقتور قومیں تھیں لیکن جب انبیاء کے مقابل آئیں تو تباہ و برباد کردی گئیں اور ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ پس ان قوموں کی ہلاکت کا غم اور یہ غم کہ میری قوم بھی ان عذابوں کی مورد نہ ٹھہرے، ان غموں نے آپ ﷺ پر گہرا اثر کیا۔ اس سورۃ میں قومِ نوحؑ، قوم ھودؑ، قومِ صالحؑ، قوم لوطؑ، اور قومِ شعیبؑ کی تباہیوں کا ذکر ہے جن پر عذاب استیصال آئے۔ ان کے علاوہ حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر فرعون اور اس کی قوم کا ذکر ہے نیز حضرت لوطؑ کے ذکر میں حضرت ابراہیمؑ کا بھی ذکر ہے۔

اس سورۃ میں بتایا کہ ایک قوم کی تباہی کے بعد دوسری قوم اس کی جگہ لیتی ہے۔ بیشک دنیوی ترقیات خدا سے جُدا ہو کر مل سکتی ہیں لیکن آخر ہلاکت ہے۔ جبکہ ہمیشہ رہنے والی قومیں وہی ہوتی ہیں جو دنیا کے ساتھ دین کو بھی قائم رکھتی ہیں نیز بتایا کہ جس قوم کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہوجائے اس کے قرب اور ان جیسے اقوال وافعال سے مومنوں کو بچنا چاہئے ورنہ وہ بھی عذاب کی لپیٹ میں آجائیں گے۔

آخر میں مسلمانوں کی ترقی کی طرف توجہ دلا کر آپ ﷺ کو تسلی دی۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

الف، لام۔ را (جو) کتاب ہے پُرحکمت بنائی گئی ہیں آیات اس کی پھر مفصل بیان کی گئی ہیں طرف سے

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۲ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ

حکمت والے بہت خبر رکھنے والے کی کہ یہ کہ نہ عبادت کرو سوائے اللہ کے یقیناً میں تمہارے لیے طرف سے اسکی

نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۳ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا

ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں اور یہ کہ بخشش مانگو اپنے رب سے پھر توبہ کرو

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں ہی اللہ کی آیات واحکام کو خوب کھول کر بیان فرمایا اور قرب الٰہی کی راہیں بتائیں اور بتایا کہ مخالفینِ انبیاء کے استہزا کا نتیجہ عذاب الٰہی ہوگا۔

الٓرٰ۔ انا اللّٰه ارٰی ۔ میں اللہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں سورۃ یونس

آیت ۲۔ فرمایا یہ وہ کتاب ہے جو مستحکم آیات پر مشتمل ہے۔ یہ ایسے پختہ اور مضبوط قوانین ہیں کہ ان میں کسی نقص یا کمزوری کی کوئی گنجائش نہیں۔ گویا نسخِ آیات کے مسئلہ کو ہمیشہ کے لئے رد کردیا۔ بتایا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات پُر حکمت ہیں۔ ہر قسم کی ضروری تفاصیل علیم وخبیر کی طرف سے کھول کر بیان کردی گئی ہیں جو قیامت تک کے لئے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں مکذبین انبیاء کی سزاؤں کا ذکر ہے اس لئے شروع میں ہی بتایا کہ یہ ظلم نہیں بلکہ اس خدا کی طرف سے ہے جس کا ہر کام حکمت کے تحت ہوتا ہے اور جو ہر چیز سے باخبر ہے۔

۳۔ جب یہ بتایا کہ اس کتاب کی آیات محکم اور مضبوط احکام پر مشتمل ہیں تو سب سے پہلے ان کے نزول کی وجہ بتائی کہ یہ تمہیں متنبہ کررہی ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ گویا کتاب کی تعلیم کا خلاصہ دو الفاظ میں بتادیا۔ اللہ کی عبادت بندہ اپنے نفس کی اصلاح اور روحانی ترقی کے لئے کرتا ہے جس میں اس کا اپنا ہی فائدہ ہے ورنہ اللہ غنی ہے اسے کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی عبادت کیا ہے؟ عبد کے معنی کسی کا نقش قبول کرنے کے ہیں۔ گویا اللہ کی تمام صفات کو بقدر استطاعت اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ قوتیں عطا کی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ

اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ

حضور میں اسکے سامان دیگا وہ تم کو سامان اچھا میعاد مقررہ تک اور

يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ

دے گا ہر فضیلت والے کو فضیلت اس کی اور اگر تم پھر جاؤ تو میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۴ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ

تم پر عذاب سے دن بڑے کے طرف اللہ کی لوٹنا ہے اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۵ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ

ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے آگاہ ہو جاؤ یقیناً وہ موڑتے ہیں سینے اپنے تا کہ

کی تمام صفات وکمالات کو ظلی طور پر اس کے فضل سے حاصل کرسکتا ہے اور خدا کا مقرب بن سکتا ہے جو ایک انسان کا کمال اور اس کی زندگی کا مقصودِ حقیقی ہے۔ لیکن وہ صحیح عبادت جو بندے کو خدا سے ملادے اُسوۂ حسنہ پر عمل اور کسی قوتِ قدسی کے کامل اثر کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ میں ربّ کی طرف سے تمہارے لئے نذیر اور بشیر بن کر آیا ہوں۔ اگر ردّ کروگے تو دنیا میں بھی جہنم ہے اور آخر میں بھی اور اگر قبول کروگے تو بڑی بڑی بشارتیں ہیں۔ ایک مومن کی بہشت دنیا ہی سے شروع ہوجاتی ہے جہاں وہ اپنے ربّ سے ملاقات کرتا ہے۔

۴۔۵۔ لیکن اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ میں بہت سی روکیں ہیں جن کی وجہ سے خدا تک پہنچنا تمہارے لئے ناممکن ہے۔ اب ان کا علاج بتلایا کہ جب صرف اللہ کی عبادت پر قائم ہوجاؤ تو سب سے پہلے استغفار ہے۔ غفر کے معنی ڈھانپنے اور دبانے کے ہیں۔ گویا گزشتہ کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی چاہنا کہ اللہ تعالیٰ پردہ پوشی فرمائے، اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے اور معاف کردے۔ آئندہ گناہوں سے بچنے کی اعانت اور طاقت طلب کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان جذبات اور خیالات کو دبادے جو خدا تک پہنچنے میں مانع ہیں۔ استغفار کے بعد توبہ کی توفیق ملتی ہے توبہ گناہوں کو ترک کرکے اللہ کی طرف جھکنا اور رجوع کرنا ہے۔ پس جب گناہوں کو ترک کرکے اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرکے اُسی کے ہو رہوگے اور اپنی تمام تر توجہ سے اسی کی طرف جھکوگے تو پھر اللہ تک پہنچنا تمہارے لئے آسان ہوجائے گا۔ جب سالک اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو دنیوی رزق سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق کا سامان خود کرتا ہے۔ متاعِ حسنہ دنیوی نعمتیں اور رزق ہے گویا بہترین سامانِ معیشت عطا کرتا ہے جس سے ایک مدت تک نوازا جاتا ہے۔ **یؤتِ کلّ ذی فضلٍ فضلہ**۔ فرمایا ہر صاحبِ فضیلت کو اس کے شایانِ شان فضل عطا کرے گا۔

لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ

وہ چھپ جائیں اس سے خبردار جب وہ اوڑھتے ہیں کپڑے اپنے وہ جانتا ہے

مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۶

جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں یقیناً وہ خوب جاننے والا ہے (بات) سینوں والی کو

حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا مورد ہے۔ ہر انسان میں روحانی اور دنیوی ترقی کی کچھ صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔ مگر افسوس اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا جاتا یا ان سے صحیح فائدہ اٹھانے کے مواقع میسر نہیں آتے۔ جدید تحقیق کے مطابق اکثر انسان سات سے دس فی صد تک اپنی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں باقی تمام تر صلاحیتیں موت کے ساتھ مٹی میں مل جاتی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے (ترجمۃ القرآن کلاس میں) فرمایا کہ یہاں انتہائی فضل کا وعدہ ہے کہ جو فضل تمہیں دے رکھا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کے مواقع سے تمہیں نوازے گا اور تم روحانی اور دنیوی اعلیٰ مقام کو حاصل کرسکوگے۔ شرط وہی ہے کہ اسی کی عبادت کرو، استغفار اور توبہ سے اس کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

چونکہ حق کو قبول کرنے سے بعض کمزور دل دنیوی دکھوں سے ڈرتے رہیں۔ اس لئے فرمایا کہ وہ عذاب جو حق کے انکار کی سزا میں ہے بہت بڑھ کر ہے۔ وہ تمہیں سزا دینے پر بھی قادر ہے، انعام دینے پر بھی۔ تو کیوں اس کا انعام حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

۶۔ **یثنون۔ ثنی الشی**۔ ایک حصہ کا دوسرے پر رکھنا۔ تہ کرنا۔ موڑنا۔ استعارتاً معنی اپنے دلی خیالات کو چھپانے کے ہیں۔ بل دینے اور موڑنے میں کچھ حصہ چھپ جاتا ہے۔ کچھ ظاہر ہوجاتا ہے۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کپڑے پہننے میں بھی دکھانے اور چھپانے کا مضمون ہے۔ کفار سے خطاب ہے کہ تم کپڑے صرف چھپانے کے لئے نہیں پہنتے بلکہ کچھ ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ یہاں بتایا کہ جن چیزوں کو چھپاتے ہیں وہ ظاہر ہورہی ہیں۔

پہلے قربِ الٰہی میں جو روکیں حائل ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کے طریق بتائے۔ یہاں ایسی دوروکوں کا ذکر کیا جو منکرینِ حق کو ہدایت سے محروم رکھتی ہیں۔ یہ ان کی خود پیدا کردہ ہیں اور وہ انہیں دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

یہ ہجرت کے قریب کی سورۃ ہے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے دلی خیالات کو چھپاتے تھے حالانکہ ان پر حق ظاہر ہوگیا تھا لیکن وہ محض اپنی ہٹ دھرمی، جھوٹی انا، ضد اور تعصّب کی وجہ سے اقرار

۶ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا
اور نہیں ہے کوئی — جاندار — زمین میں — مگر — اللہ پر ہے — اس کا رزق

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ
اور وہ جانتا ہے ٹھہرنے کی جگہ اس کی — اور امانت رکھے جانے کی جگہ اس کی — سب چیزیں — کھلی کھلی کتاب

مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ
میں ہیں — اور وہی ہے جس نے — پیدا کئے — آسمان — اور زمین — چھ

کرنا اپنی ہتک سمجھتے تھے نیز باپ دادا کے غلط رسم درواج ،اپنی اجارہ داریوں اور مادی منفعتوں سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔

عربی محاورہ ہے کہ کپڑا اوڑھ لے نہ کچھ دیکھے نہ سنے اس لحاظ سے دوسرے وہ لوگ تھے جو کچھ دیکھنے سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔اکثر مکذبین انبیاء انہیں دو روگوں کی وجہ سے حق سے محروم رہتے ہیں۔ یہ سورۃ ہجرت کے قریب کی ہے یہ بھی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام مخفی ارادوں کو جانتا ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے دلوں میں رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں ظاہر کردے گا۔

۷۔**الــدَّآبــــۃ**۔ ہر حیوان جو زمین پر چلتا ہے۔چوپایہ۔ ہر ذی حیات (مفردات)
مستقر۔ عارضی ٹھکانہ۔ **مستودع**۔ مستقل ٹھہرنے کی جگہ۔

آیت ۴ میں بتایا تھا کہ اللہ کے خاص بندوں کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔یہاں بتایا کہ اس کی رزاقیت اتنی وسیع ہے کہ کوئی جانور تک محروم نہیں۔جانوروں کی کروڑہا قسمیں ہیں جن کی بقا کا سامان اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے۔آج تک جنگلوں میں کوئی جانور بھوک سے نہیں مرا۔جب حضرت انسان انہیں قید کرتے اوران کی ضروریات اور صفائی وغیرہ کا خیال نہیں رکھتے تو بیمار ہو جاتے اور مرجاتے ہیں۔تاہم یہ ایک عمومی قانون ہے۔ ہر جاندار کو انفرادی طور پر رزق دینا خداتعالیٰ پر لازم نہیں۔ان کے عارضی اور مستقل ٹھکانوں کی خبر اللہ کو ہے۔ ان کو بھی خبر دے رکھی ہے۔ہر پرندہ اپنے گھونسلے سے صبح کو بھوکا نکلتا ہے اورشام کو پیٹ بھر کر اپنے مستقل ٹھکانے کی طرف لوٹ آتا ہے۔ان میں وہ موسمی پرندے بھی شامل ہیں جو ہر سال روس کے سرد ترین برفانی علاقوں سے گرم خطوں کی طرف آتے ہیں اورسردیاں گزار کر انہیں راستوں سے اپنی مقررہ جگہوں پر ٹھہرتے ہوئے اپنے مستقل ٹھکانوں پر پہنچ جاتے ہیں۔یہ عموماً ایک سال کی عمر میں سفر کا آغاز کرتے ہیں۔

اگر پاکستان آنے والے پرندوں کے یک طرفہ سفر کے فاصلہ کا تعین کیا جائے تو یہ قریباً سات ہزار کلومیٹر ہے۔یہ پرندے اپنی اوسطاً پانچ سالہ زندگی میں قریباً چار چکر لگاتے ہیں اوراپنی عارضی رہائش گاہ اور مستقل رہائش گاہ کو خوب پہچانتے ہیں۔سائنسدان کہتے ہیں کہ ان کے اندر ایک مخفی گھڑی اور کمپس ضرور ہے جو وقت اورصحیح سمتوں میں ان کی رہنمائی کرتا ہے۔غرض یہ حس اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ودیعت کر رکھی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انسانی مصالح کے پیش نظر رزق اوردوسرے انعامات میں سب انسانوں کو برابر نہیں رکھا۔لیکن ایسے قوانین بنادئے جن پر چل کر کوئی انسان بھوکا نہیں رہ سکتا لیکن افسوس انسان کی خود غرضی، ناانصافی اورخدائی قوانین سے انحراف نے انسانوں کو بھوک اور ننگ سے دوچار کیا بلکہ انہیں بنیادی ضروریات زندگی تک سے محروم کر دیا۔اگر خدائی قوانین کا اتباع کرتے تو اللہ کی مخلوق کبھی بھوکی نہیں رہ سکتی تھی۔ کیا اسلامی ممالک کی بے حد وحساب دولت محسن رسول نجاشی کے ہم وطنوں کی بھوک نہیں مٹا سکتی ؟ اور آتھوپیا کے مفلوک الحال مسلمانوں کی فلاح و بہبود پر خرچ نہیں ہو سکتی یا چیچنیا، بوسنیا، سربیا، فلسطین اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے کام نہیں آ سکتی۔عیسائی حکومتیں عیسائیوں کی ہر طرح مدد کرتی ہیں لیکن مسلمانوں کو ہر طور کچلنے کے درپے رہتی ہیں۔انسانیت کا سب سے بڑا علمبردار امریکہ اپنی فالتو گندم سمندر میں پھینک دیتا ہے تاکہ عالمی بھاؤ گرنے نہ پائے اورآتھوپیا کے مسلمانوں کو بھوک سے مرتے دیکھتا ہے۔پس اگر ایک انسان بھی بھوک سے مرتا ہے تو تمام بنی نوع انسان اس کی موت کے ذمہ دار ہیں۔خداتعالیٰ کی خدائی میں رزق کی کوئی کمی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خدا کے رزق کو خود غرض انسانوں نے ہر انسان تک پہنچنے نہیں دیا۔ کاش آج بھی کسی عمرؓ کی یہ آواز پھر سنائی دے کہ دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا رہا تو اے عمرؓ تو جواب دہ ہے۔عارضی اور مستقل ٹھکانوں میں دنیوی اوراخروی زندگی کی طرف بھی اشارہ ہے چونکہ اللہ تعالیٰ دنیوی اوراخروی زندگی کو جانتا ہے اس لئے جس طرح دنیوی زندگی کے لئے رزق مہیا کرنا اس کی ذمہ داری ہے اسی طرح اخروی زندگی کے لئے رزق مہیا کرنا بھی اسی کی ذمہ داری ہے اور ہر چیز اس کے واضح قانون میں جکڑی ہوئی ہے۔یعنی بغیر جدوجہد روحانی رزق ملنا ممکن ہے نہ مادی۔یہ بھی معنی ہیں کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پر دیگر مظالم کے علاوہ کھانا ،پانی بند کرنے کی بھی ہمیشہ کوشش کی۔خاص طور پر شعب ابی طالب میں تین سال تک جس طرح آپ ﷺ تک ایک دانہ تک پہنچنے نہیں دیا اور جن ابتلاؤں سے آپ ﷺ گزرے،

أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ

وقتوں میں اور تھا عرش اس کا پانی پر تاکہ آزمائے تم کو کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا ہے

عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ

عمل میں اور البتہ اگر کہے تو کہ یقیناً تم اٹھائے جانیوالے ہو بعد موت کے

لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَ

ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ مگر جادو کھلا کھلا اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور افراد خاندان کا ان کو برداشت کرنا بھی ایک معجزہ سے کم نہیں تھا۔ بتایا کہ رزق کا دینا ہمارے ذمہ ہے یہ رزق ہم اپنے بندوں کو دیں گے اور تمہارا رزق بند کردیں گے۔ چنانچہ سات سالہ شدید قحط پڑا اور ابو سفیان جیسے شدید مخالف کو ذلیل ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کروانے مدینہ آنا پڑا۔ اس محسن انسانیت نے نہ صرف دعا کی جس سے قحط ختم ہوا بلکہ غلے سے لدے ہوئے بہت سے اونٹ اہل مکہ کو بھجوائے۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الدخان حدیث نمبر ۴۸۴۷)

۸۔ **ستة ايام** ۔ تشریح کے لئے سورۃ یونس آیت :۴۔ عرش۔ تخت۔ حکومت۔ عرش کوئی مادی شے نہیں۔

قرآنِ حکیم نے ہمیشہ پہلے آسمانوں کی تخلیق کا ذکر کیا پھر زمین کا کیونکہ آسمانوں کی تخلیق پہلے ہوئی اور پھر زمین کی۔ بیشک چھ ادوار کی بتدریج ترقی سے آسمان اور زمین وجود میں آئے۔ قرآن کریم میں بار بار آیا ہے کہ دنیا میں ہر چیز کا وجود پانی سے ہے۔ مادی دنیا کی طرح روحانی دنیا کا وجود بھی وحی الٰہی کے پانی سے ہی ہے۔

جب زمین و آسمان ابھی اپنے ارتقائی منازل میں تھے اور ایک ایسے ذی شعور وجود کے لئے حالات سازگار ہورہے تھے جس کے اعمال پرکھنے کے قابل ہوں گے۔ گویا اس زمین و آسمان بلکہ کل کائنات کی تخلیق کا اصل مقصود انسان تھا۔ انسان بھی وہ جو احسنُ عملاً کی تصویر ہو۔ چونکہ بہترین عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اس لئے بلاشبہ وجہِ تخلیقِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (مظہری) بیشک انسان نے بھی ارتقائی منازل طے کیں لیکن اس طرح نہیں کہ پہلے بندر تھا بلکہ اس طرح کہ وہ پہلے بھی انسان تھا اور بعد میں بھی انسان ہی رہا۔ سائنسدانوں کو بھی انسان اور بندر کی درمیانی کڑی آج تک نہیں ملی لیکن اس سے پہلے کیا تھا۔

لَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ

البتہ اگر پیچھے ڈال دیں ہم ان سے عذاب مدت معینہ تک ضرور کہیں گے وہ

مَا يَحْبِسُهٗ ۗ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَ

کون روکے ہوئے ہے اسے خبردار جس دن آئیگا (عذاب) انکے پاس نہیں وہ ہٹایا جانے والا ان سے اور

ع ۱ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ وَلَئِنْ اَذَقْنَا

گھیرے گا ان کو وہ کہ تھے وہ جس پر ہنسی کرتے اور البتہ اگر چکھائیں ہم

الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ

انسان کو اپنی طرف سے رحمت پھر کھینچ لیں ہم اسے یقیناً وہ البتہ نہایت مایوس (اور) نہایت

كَفُوْرٌ ۝۹ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ

ناشکرگزار ہوتا ہے اور البتہ اگر چکھائیں ہم اسے نعمت بعد دکھ کے پہنچا تھا اسے ضرور کہے گا وہ

ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۗ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ

دور ہوگئیں تکلیفیں مجھ سے یقیناً وہ البتہ بہت خوش ہونیوالا بہت فخر کرنیوالا ہے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے

فرمایا اللہ کی حکومت پانی پر تھی گویا پہلے پانی وجود میں آیا۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ آغاز آفرینش میں جب زمین سورج سے الگ ہوئی تو مختلف دھاتوں اور گیسوں کا مجموعہ تھی اور پگھلے ہوئے لوہے کی شکل میں تھی جس کا درجہ حرارت دس ہزار سنٹی گریڈ سے زیادہ تھا۔ گیسیں بار بار آسمان کی طرف اٹھتیں اور خشک فضاؤں میں پہنچتے ہی دوبارہ زمین پر ٹپک پڑتیں اور پھر گیس میں تبدیل ہو کر اوپر چلی جاتیں۔ سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق قریباً بیس لاکھ سال میں قشرِ زمین کی موٹائی قریباً اکلومیٹر ہے، سرد پڑنے لگا اور بخارات پانی بن کر ٹپکنے لگے۔ اس طرح ان کے حساب سے بھی پانی کا وجود تخلیق انسان سے پہلے ثابت ہے جس سے حیات ممکن ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔ جو خالق و مالک آسمانوں اور زمین کو تخلیق کرسکتا ہے اس کے لئے انسان کو مرنے کے بعد اٹھانا کیا مشکل ہے۔ لیکن کفار بعث بعد الموت پر یقین نہیں رکھتے اور اسے کھلا کھلا دھوکہ قرار دیتے ہیں۔

۹۔ وعیدی پیشگوئیوں میں تاخیر مصلحتِ الٰہی سے مکذبین کو مہلت دینے کے لئے ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا دارالجزاء نہیں۔ لیکن جس طرح یہ حیات بعد الموت کے منکر ہوتے ہیں اسی طرح دنیوی عذابوں پر یقین نہیں رکھتے اور جلد عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ آخر ان کے استہزا کے نتیجہ میں عذاب آجاتا ہے۔ فرمایا! وہی عذاب انہیں گھیر لے گا جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۱۰۔۱۱۔ اس رکوع میں دونوں قسم کے لوگوں کو واضح کیا۔ ایک وہ جو دنیا طلبی میں زندگی گزارتے ہیں اور دوسرے وہ جن کا مقصد معبودِ حقیقی کو پانا ہے۔ نعمتوں کے چھن جانے پر مایوس ہونا

صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

صبر کیا اور کیں نیکیاں یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے بخشش ہے اور اجر

كَبِيْرٌ ﴿١١﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ

بڑا پس شاید کہ تو چھوڑنے والا ہے بعض وہ جو وحی کی جاتی ہے طرف تیری اور تنگ ہونیوالا ہے ساتھ

بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ

اس کے سینہ تیرا جبکہ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس پر خزانہ یا

جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

آیا ساتھ اس کے فرشتہ ، سوائے اسکے نہیں کہ تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہر بات کا

وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ

کارساز ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود گھڑ لیا ہے تو کہہ دے پس لاؤ دس سورتیں

اور نعمتوں کے ملنے پر رب کو بھول جانا کفار اور ناشکروں کا شیوہ ہے جو نعمتوں کے حصول کو اپنی کوشش وتدبیر، اثر ورسوخ، ذاتی کمال وذہانت یا حسن وجمال کی وجہ سمجھتے ہیں اور ان پر خوش ہوتے اور اتراتے ہیں۔

١٢۔ جبکہ مومنین مایوس نہیں ہوتے وہ ان تکالیف کو اپنی کوتاہیوں، بشری کمزوریوں اور ابتلاؤں کی وجہ سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے صبر، دعا اور بہادری سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں اور انہیں دور کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

پس اس صبر کا بدلہ مغفرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور معاف کردیتا ہے۔ اسی طرح مومنین انعامات کو محض اپنے ربّ کا احسان سمجھتے ہیں اس لئے اتراتے نہیں بلکہ شکر ادا کرتے ہیں۔ تقویٰ اور نیک اعمال میں مزید ترقی کرتے ہیں اور یہ نعمتیں دوسروں تک پہنچاتے ہیں جس کے بدلہ میں اجر کبیر سے نوازے جاتے ہیں۔

١٣۔ جیسا کہ قرآن کریم کا طریق ہے اکثر سوال کا ذکر کئے بغیر جواب دیتا ہے اور اسی سے سوال سمجھ آجاتا ہے۔ یہاں کفار کے جن تین سوالوں کا ذکر نہیں کیا ان میں پہلا یہ کہ شاید تو اس کلام کا کچھ حصہ چھوڑ دینے کو تیار ہوجائے۔ دوسرا یہ کہ تیرا سینہ ان کی اس بات سے تنگ ہوتا ہے کہ اس پر خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا تیسرا یہ کہ اس کے ہمراہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ تینوں سوالوں کا ایک ہی جواب دیا کہ تو صرف ایک نذیر ہے۔ خدا نہیں۔ خدا کو ہر شے کا اختیار ہے تجھے نہیں۔ تجھ سے پہلے جتنے نذیر آئے نہ ان کے ساتھ خزانے تھے نہ فرشتے نہ انہوں نے وحی الٰہی کے کسی حصہ کو چھوڑا۔ ان

مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

مانند اس کی خود گھڑی ہوئی اور بلاؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو سوائے اللہ کے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ

ہو تم سچے پس اگر نہ قبول کریں وہ (یہ بات) تمہاری تو جان لو کہ صرف

اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾

اتارا گیا ہے ساتھ علم کے اللہ کے اور یہ کہ نہیں کوئی خدا سوائے اس کے پس کیا تم فرمانبردار ہو گے

دنیاداروں کی نگاہیں ان روحانی خزانوں پر کبھی نہیں گئیں جن سے قرآن بھرا پڑا ہے بلکہ ہمیشہ مادی منفعتوں اور دنیوی جاہ وجلال پر رہیں کہ وحی ان کی خواہشات کے مطابق ہو، سونے اور چاندی کے خزانے ہوں جنہیں آپ ﷺ ان پر لٹاتے پھریں یا آپ ﷺ کے جلو میں فرشتے ہوں جنہیں دیکھ کر انہیں یقین ہو۔ ان کی خواہشوں کے مطابق وحی الٰہی کا ایک شوشہ بھی بدلا نہیں گیا۔ ہاں وہ وقت ضرور آیا کہ ملائکہ نے بحکم ایزدی ہر میدان میں مدد کی اور مومنین عملاً قیصر وکسریٰ کے خزانوں کے مالک ہوئے۔ یہاں نذیر کا ذکر کیا، بشیر کا نہیں اس لئے کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے تو بطور نذیر ہی آیا ہے۔

١٤۔ تشریح کے لئے سورہ یونس ٣٩:١٠۔

پچھلی آیت میں ان کے اس خیال کا اظہار تھا کہ شاید تو اس کلام کا [illegible] چھوڑ دینے والا ہے۔ یہاں بتایا کہ جو سورتیں تمہارے خیال میں ناقص یا بدلنے کے قابل ہیں تم [illegible]ی دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دو۔ خزانے کے مطالبہ پر دس سورتیں قرآن کریم کی مثل لانے کو کہا۔ گویا بتادیا کہ اصل خزانہ قرآن ہے جسے فرشتے لاتے ہیں۔ ہاں اس رنگ میں فرشتے نہیں آتے جو تمہارا مطالبہ ہے۔ یہاں فصاحت وبلاغت کے علاوہ اندرونی صفات کے لحاظ سے چیلنج ہے جیسے قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں یا انسان کو خدا سے ملانے کا دعویٰ یا دوسرے قرآنی اعجاز۔ آگے خدا کی پکڑ کا بھی ذکر ہے کہ اگر اس جیسی کوئی سورۃ بنا سکتے ہو تو بنا کر دیکھ لو، خدا کی پکڑ سے بچ نہیں سکو گے۔

١٥۔ قیامت تک کے لئے دعویٰ ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ کے ماننے والو! اگر تمہیں جواب نہ دیں اور اس چیلنج کو قبول نہ کریں یا اس کی نظیر لانے سے عاجز رہیں تو سمجھ لو کہ یہ انسانی طاقت سے بعید ہے اور محض علمِ الٰہی کے ساتھ اتارا گیا ہے یعنی اللہ کے خاص علم پر مشتمل ہے۔ یہ بھی جان لو کہ اللہ ہی حقیقی معبود ومقصود ومطلوب ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ سب جان کر بھی کیا تم تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو؟ یعنی کیا کامل فرمانبردار نہیں بنو گے؟

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ
جو شخص کہ ہے چاہتا زندگی دنیا اور زینت اس کی پورے پورے دیں گے ہم ان کو
اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٦﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
اعمال ان کے اس (دنیا) میں اور وہ اس میں نہ کم دیئے جائیں گے یہ لوگ وہ ہیں کہ
لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ
نہیں ہے ان کیلئے آخرت میں سوائے آگ کے اور بیسود ہوگیا جو کرچکے ہیں وہ اس میں اور
بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ
باطل ہے جو تھے وہ کرتے کیا پس جو شخص ہے دلیل پر طرف سے رب اپنے کی
وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ
اور پیچھے آئیگا اسکے ایک گواہ اسی میں سے اور پہلے اس کے کتاب ہے موسٰی کی امام اور
رَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ
رحمت (وہ جھوٹا ہوسکتا ہے؟) یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر اور جو انکار کریگا اس کا

۱۶۔یہود وہنود اورنصاریٰ کی دنیوی ترقی کا باعث یہی ہے کہ انہوں نے دنیا کے لئے
کوشش کی اور صرف دنیا کے اموال اورزیب وزینت کو اپنا مقصود بنایا۔ پس انہوں نے اس کا پورا پورا
بدلہ دنیا ہی میں پالیا۔ اس میں ان کی حق تلفی ہرگز نہیں کی جائے گی۔

۱۷۔انہوں نے جو کچھ کیا محض دنیا کے لئے کیا اور ان کے پیشِ نظر محض دنیوی منفعتیں ہی
رہیں۔ان کا حساب دنیا میں ہی چکادیا گیا گویا دنیاپرستی میں جو اعمال کئے وہ سب ضائع ہوگئے
اورآخرت میں سوائے عذاب کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ صنعوا۔ میں ان اقوام کی ان صنعتوں کی طرف
بھی اشارہ ہے جو بنی نوعِ انسان کی تباہی کے لئے تیار کی گئیں ۔جیسا کہ تباہ کن بم اور دیگر اسلحہ
وغیرہ ۔**حبط ماصنعوا** میں ان صنعتوں کی تباہی کی طرف اشارہ ہے۔

۱۸۔ **یتلوہُ** ۔ وہ قرآن کریم پڑھتا ہے۔ وہ اس کے پیچھے آئے گا۔وہ اس کی گواہی
دے گا۔

آیت ۱۴اور۱۵ میں قرآن کریم کو صداقت رسولؐ کے طور پر پیش کیا۔یہاں صداقت رسولؐ
کے ثبوت میں حال، مستقبل اور ماضی تینوں زمانوں کے لئے تین دلائل کا ذکر کیا۔سب سے پہلے یہ
فرمایا کہ رسول اپنے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہے۔یہ روشن دلیل آپ ﷺ کا دعویٰ
توحید اورآپ ﷺ کا وہ درخشندہ کردار تھا جس پر مخالفین بھی انگلی نہیں اٹھاسکے۔نیز وہ برہانِ قاطع

الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ
قوموں میں سے تو آگ وعدہ کی جگہ ہے اس کی پس نہ ہو تو اے مخاطب شک میں اسکی طرف سے
اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨﴾ وَ
یقیناً وہ حق ہے طرف سے تیرے رب کی ولیکن اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے اور
مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ
کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ یہ لوگ پیش کئے جائیں گے
عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ
اپنے رب کے حضور اور کہیں گے گواہ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا اپنے رب پر
اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
آگاہ ہوجاؤ لعنت ہے اللہ کی ظالموں پر وہ جو کہ روکتے ہیں راہ سے
اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ
اللہ کی اور چاہتے ہیں اسے ٹیڑھا اور وہ آخرت کے منکر ہیں یہ

تھے جو رسول کو اپنے رب سے ملے۔جن کا مقابلہ تم موجودہ زمانہ میں نہیں کرسکتے۔ہاں مرورِ زمانہ
ے جب ان پر کچھ غبار چھاجائے گا تو اس کی صداقت کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آئندہ کے لئے بھی
اللہ نے اس کا انتظام کردیا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کے پیچھے ایک گواہ آنے والا ہے۔منہ
ے یہ بھی مراد ہے کہ وہ اسی میں سے ہوگا کوئی الگ وجود نہیں ہوگا۔گویا مسیح موعود علیہ السلام کی
آمد کی پیشگوئی فرمائی بروایت حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایمان
ثریا پر بھی چلاگیا تو اہلِ فارس میں سے ایک یا ایک سے زیادہ لوگ اسے واپس لے آئیں گے۔
(بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعۃ ومسلم) آپ ﷺ کی صداقت کا تیسرا گواہ کتابِ موسیٰؑ ہے جو پہلے
ہی آپ ﷺ کی تصدیق میں آچکی ہے اور جو بطورامام اوررحمت موجود ہے۔کتابِ موسیٰؑ کا ذکر کیا
تو خاص طور پر اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ بالآخر وہ لوگ بھی اس پر ایمان لے آئیں گے
یعنی کتابِ موسیٰؑ کے پیرو۔موعود رسول کے مخاطبین کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔مخالف گرہوں
میں جو کوئی بھی اس کا انکار کرے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔پس اے مخاطب !تو قرآن کریم کے
بارہ میں کوئی شک نہ کر۔یہ سراسر سچائی ہے جو تیرے ربّ کی طرف سے آئی ہے لیکن اکثر لوگ
ایمان نہیں لاتے۔

۱۹۔۲۰۔مفتری کا انجام بتایا کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہی لوگ ہیں جو یوم آخر کے منکر ہیں۔

لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

نہیں ہیں عاجز کرنے والے زمین میں اور نہیں ہیں ان کے لیے سوائے

اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ مَا كَانُوْا

اللہ کے کوئی دوست بڑھ چڑھ کر دیا جائیگا انہیں عذاب نہ ہوں گے

يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۱ اُولٰٓئِكَ

وقت رکھتے سننے کی اور نہ ہوں گے دیکھتے یہ لوگ وہ ہیں

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنی جانوں کو اور جاتا رہا ان سے جو تھے وہ

يَفْتَرُوْنَ ۝۲۲ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۳

جھوٹ باندھتے بے شک یقیناً وہ آخرت میں (ہاں) وہی گھاٹا پانے والے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور کیں نیکیاں اور جھکے طرف

اگر یقین ہوتا کہ ہمیں اللہ کے حضور پیش ہونا اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے تو افتراء کی جرأت نہ کرتے نہ راہِ حق سے لوگوں کو روکتے اور نہ ہی اس میں کجی چاہتے۔ گویا اس کا سیدھا ہونا انہیں پسند نہیں اسی لئے ہدایت نہیں پاتے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں خدا پر جھوٹ گھڑنے والے بعض اوقات آخرت کا انکار نہیں کرتے لیکن ان کی بداعمالیاں اور بے باکیاں ظاہر کرتی ہیں گویا خدا کے حضور پیش ہی نہیں ہونا۔ فرمایا ان تمام خرابیوں کی جڑ ایک ہی بات ہے کہ وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ ایک وقت آتا ہے جب ہم کو جواب دہی کرنی پڑے گی۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ دسمبر ۱۹۰۹ء)

۲۱ تا ۲۳۔ یہ مفتری دنیا میں اللہ والوں کو کبھی عاجز نہیں کر سکتے۔ ہاں خود عاجز ضرور ہوں گے۔ یہ ان کی دنیوی تباہیوں کی وعید ہے کہ وہ الٰہی سلسلوں پر کبھی غالب نہیں آ سکیں گے اور آخرت میں بھی سب سے زیادہ گھاٹا پانے والے ہوں گے۔ گویا مفتری کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں عذاب ہے۔ یہ حق بات سنتے ہیں نہ حق انہیں نظر آتا ہے گویا ان کے کانوں اور آنکھوں پر تعصب کے پردے ہیں جو کچھ سننے اور دیکھنے نہیں دیتے۔ پس قیامت کو بھی بہرے اور اندھے ہی اٹھیں گے یہ ان کے لئے دہرا عذاب ہے۔

۲۴۔ **اخبتوا۔ خبت۔** نشیبی زمین۔ جھکنا۔ عاجزی۔

رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۴

رب اپنے کی یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ

مثال ان دو گروہوں کی مانند اندھے اور بہرے اور بینا اور سننے والے کی ہے

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۵ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ع

کیا وہ دونوں برابر ہیں مثال میں کیا پس نہیں نصیحت پکڑتے تم اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے نوح کو

اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۶ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ

طرف اسکی قوم کی (اس نے کہا) یقیناً میں تمہارے لیے ڈرانیوالا ہوں کھلا کھلا یہ کہ نہ عبادت کرو سوائے اللہ کے

بتایا کہ ایمان اور عمل صالح کے بعد بکلی خدا کی طرف جھک جانا بفضل تعالیٰ بہشت کا حقدار بناتا ہے جو دنیا سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ”اگر اس دنیا میں آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خدا کی طرف جھک جاؤ اور اپنی اصلاح کرلو، اور پورے طور پر خدا کے ہو جاؤ۔ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لو کہ اس سے خدا راضی ہوگا یا ناراض“۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۷)

۲۵۔ قرآن کریم نے بار بار کافر کو اندھا اور بہرہ اور مومن کو دیکھنے اور سننے والا کہا ہے حالانکہ بظاہر دونوں دیکھتے اور سنتے ہیں۔ دراصل یہاں روحانی بینائی اور شنوائی مراد ہے جو صرف مومن کو نصیب ہوتی ہے اور کافر اس سے محروم رہتا ہے۔ پس جن کو روحانی بصارت و بصیرت اور شنوائی نصیب ہوتی ہے وہ خدائی انوار اور اس کے فرستادوں کو اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔ خدائی آواز کو اپنی خداداد فراست اور روحانی کانوں سے سنتے ہیں اور ہدایت پاتے ہیں۔ اس دیکھنے اور سننے میں مومنین کے رویاء و کشوف بھی شامل ہوتے ہیں جو بفضل تعالیٰ ان کی صحیح رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”اس لئے یہ ضروری اور بہت ضروری ہے کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے پورے تذلل اور انکسار کے ساتھ ہر وقت دعا مانگتا رہے کہ وہ اسے سچی معرفت اور حقیقی بصیرت اور بینائی عطا کرے اور شیطان کے وساوس سے محفوظ رکھے“۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۷) ”سو ہم سب کی یہ دعا چاہیئے کہ یہ شرط ہم میں پوری ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام، خواب، مکاشفات کا فیضان ہو کیونکہ مومن کا یہ خاصا ہے۔ سو یہ ہونا چاہیئے“۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۸۔ ۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۹ء)

۲۶۔ ۲۷۔ تیسرے اور چوتھے رکوع میں حضرت نوحؑ کا ذکر تفصیل سے بیان فرمایا۔ ابھی سچے

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۲۶ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ

یقیناً میں ڈرتا ہوں تمہارے متعلق عذاب سے دن دردناک کے پس کہا ان سرداروں نے جنہوں نے

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ

کفر کیا تھا اس کی قوم میں سے کہ نہیں دیکھتے ہم تجھے سوائے ایک انسان اپنے جیسے کہ اور نہیں دیکھتے ہم تجھے کہ

اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى

پیروی کی ہے تیری سوائے ان لوگوں کے کہ جو رذیل ہیں ہم میں سے سرسری نظر میں اور نہیں دیکھتے ہم

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۲۸ قَالَ يٰقَوْمِ

تمہارے لیے اپنے پر کوئی فضیلت بلکہ گمان کرتے ہیں ہم تمہیں جھوٹے اس نے کہا اے قوم میری

اور جھوٹے نبی اور کافر و مومن کا ذکر تھا۔ اب چند انبیاء علیہم السلام کے عبرت آموز واقعات پیش کے

جن کا مقصد کفارِ مکہ کو سمجھانا اور آپ ﷺ کو ان نامساعد حالات میں تسلی دینا تھا۔ ان میں سب

پہلے حضرت نوحؑ کے حالات تفصیل سے بیان فرمائے بتایا کہ سچے نبی کی علامت اس کا نذیرٌ مبین

ہونا ہے یعنی خوب کھول کر آگاہ اور ہوشیار کرنے والا۔ نذیرٌ میں اس عذاب کے طرف بھی اشارہ

جو طوفان نوح کی شکل میں آیا اور مکذبین کی صف لپیٹ دی گئی۔ جن انبیاء کو بھی نذیر کہا ان کی قوم

پر عذاب آئے۔ دیگر انبیاء کی طرح آپ کا پیغام بھی صرف ایک خدا کی عبادت کی طرف بلا

اور یہ بھی بتادیا کہ انکار کے نتیجہ میں ایک دکھ دینے والے دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ حضرت

نوحؑ کے حالات سورۃ الاعراف رکوع ۸ میں بھی تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ (ملاحظہ فرمائیں) مفسرین کے

نزدیک نوحؑ آپ کا صفاتی نام ہے یعنی بار بار عاجزی سے دعا کرنے والا اور بقول ان کے آپ

اصل نام عبدالغفار یا عبدالجبار تھا آپ کا وطن عراق میں دیارِ بکر و موصل اور دجلہ و فرات کا درمیانی علا

تھا جو پہاڑوں سے گھری ہوئی ایک تنگ وادی تھی۔ قرآن کریم میں آپ کا ذکر دس سورتوں میں

ہے۔ اعراف رکوع ۸۔ انبیاء رکوع ۶۔ مومنون رکوع ۲۔ شعراء رکوع ۶۔ عنکبوت رکوع ۲۔ یونس رکوع ۸

ذاریات رکوع ۲۔ قمر رکوع ۱۔ نوح رکوع ۱۔ آپ کے قصے میں بے شمار نصائح ہیں آنحضرت ﷺ

آپ ﷺ کی امت کے لئے پیشگوئیاں ہیں۔ کیونکہ آپ کے حالاتِ زندگی آنحضرت ﷺ سے

حد مشابہ تھے۔ آپ حضرت آدمؑ سے قریباً ایک ہزار سال بعد ان کی نسل میں مبعوث ہوئے۔ آپ

دورِ تہذیب کے بانی اور پہلے صاحبِ شریعت نبی تھے۔ آپ کا دورِ شریعت تقریباً ایک ہزار سال تک

تاآنکہ حضرت ابراہیمؑ مبعوث ہوئے۔

۲۸۔ **بادی**۔ بدا۔ ظاہر ہوا۔ بدأ۔ شروع کیا۔ بادی میں دونوں مفہوم ہیں۔ **بادی الرّای**۔

اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً

بتاؤ تو سہی اگر ہوا میں دلیل پر طرف سے اپنے رب کی اور دی ہو اس نے مجھے رحمت

مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ

طرف سے اپنی پس وہ پوشیدہ ہو گئی تم پر (تو تمہارا کیا حال ہوگا) کیا ہم جبراً واجب کر دیں گے تم پر (ماننا) اس کو جبکہ تم

لَهَا كٰرِهُوْنَ ۲۹ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ

اس کو ناپسند کرتے ہو اور اے قوم میری نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں

سرسری نظر۔ بادیُ النظر۔

جس طرح تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے مکذبین کے اعتراضات بھی ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بڑے لوگوں کو ہمیشہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بطور انسان یہ ہمارے جیسا ایک عام آدمی ہے۔ اس کے پیرو بظاہر نہایت معمولی حیثیت کے لوگ ہیں پھر ہم پر اسے کونسی فضیلت ہے کہ یہ نبوت سے نوازا جائے یا خدا اس سے کلام کرے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ خود انبیاء اور ان کے ابتدائی متبعین بظاہر معمولی لوگ تھے جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت نوحؑ کے متبعین حجام اور موچی تھے جو ان کے سرداروں کی نظر میں نیچ تھے۔ حضرت عیسیٰؑ بڑھئی تھے آپ کے حواری دھوبی اور مچھیرے تھے۔ حضرت ادریسؑ درزی تھے ہمارے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی، بکریاں چرائیں، مختلف مواقع پر صحابہؓ کے ساتھ مل کر مزدوروں کی طرح کام کیا اور کسی معمولی سے معمولی کام کو بھی عار نہیں سمجھا اس طرح مزدور کی عظمت کو قائم کیا۔ لیکن وہ لوگ جن کی فضیلت کا معیار محض دولت و ثروت تھا انہیں تمام انبیاء کے دعوے جھوٹے ہی نظر آئے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہرقل شاہ روم کے پاس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی خط پہنچا تو اس نے ابوسفیان سے علاوہ دوسرے سوالات کے یہ بھی پوچھا کہ محمد ﷺ کو غرباء نے زیادہ مانا یا امراء نے؟ ابوسفیان نے بتایا کہ زیادہ تعداد غرباء کی ہے۔ قیصرِ روم چونکہ توریت کا علم رکھتا تھا اس لئے اس نے فوراً کہا کہ ابتداء میں یہ سعادت غرباء ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ (بخاری کتاب الوحی باب بدء الوحی)

۲۹۔ چونکہ انہوں نے نبی کے بشر ہونے پر اعتراض کیا تھا انہیں بتلایا کہ نبی اور ایک عام آدمی میں بطور انسان فرق نہیں ہوتا۔ انسانوں کو سکھانے انسان ہی آتا ہے جو ان کے لئے بطور نمونہ ہوتا ہے نہ کہ فرشتہ۔ اسی لئے عسر اور یسر سب اس کے شامل حال ہے تا ایک کامل نمونہ پیش کرے۔

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ أَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

اجر میرا مگر ذمہ اللہ کے اور نہیں ہیں دھتکارنے والا ان لوگوں کو جو ایمان لائے

إِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ أَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۳۰

یقیناً وہ ملنے والے ہیں رب اپنے سے ولیکن میں دیکھتا ہوں تم کو ایسے لوگ کہ تم جہالت کرتے ہو

ہاں بطور ایک رسول وہ عام انسانوں سے ضرور الگ ہے کیونکہ نبی کے ساتھ روشن دلائل ہوتے ہیں۔ یہاں خاص طور پر ایک روشن دلیل کا ذکر کیا جیسا کہ آیت ۱۸ میں یہی الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آئے۔ (وہیں بیّنہ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں) نیز نبی اپنے رب کی طرف سے ایک خاص رحمت سے نوازا جاتا ہے۔ پس جن کی آنکھیں دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں وہ دیکھتے ہیں، غور کرتے ہیں اور بفضل تعالیٰ ہدایت پا جاتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہو وہ کچھ دیکھنے سننے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ پس نبی کا کام روشن دلائل سے سمجھانا ہے کسی کو جبراً منوانا نہیں جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں۔ یہ بیان ان کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے کے قائل ہیں۔

۳۰۔ **طارد**۔ طرد۔ ردّ کرنا۔ ہٹا دینا۔ دھتکار دینا۔ **طارد**۔ دھتکارنے والا۔

قرآن کریم اختصار کے مدنظر اکثر سوال کو بیان نہیں کرتا۔ جواب سے ہی سوال سمجھ آجاتا ہے۔ یہاں بھی مکذبین کے کئی سوالات کے جوابات دیئے یہ سوالات آنحضرت ﷺ پر بھی کفار مکہ کی طرف سے ہو چکے تھے۔

دنیادار اس طرح سوچنے کو تیار نہیں ہوتے کہ ایک شخص صرف ان کی بھلائی کے لئے دن رات خدائی احکام سنانے پر مصر ہو۔ دکھ اور تکلیفیں سہہ رہا ہو اور اس خدمت کے عوض اسے کسی دنیوی مال و دولت کی طلب نہ ہو۔ پہلے ان کے اسی سوال کا جواب دیا۔ دوسرا ان کا یہ مطالبہ کہ ہم ان معمولی حیثیت کے لوگوں کے پاس بیٹھنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ اگر تم ہمیں اپنی مجلس میں کچھ سنوانا چاہتے ہو تو پہلے ان فقیروں کو اپنی مجلس سے نکالو۔ ابوجہل کا بھی یہی مطالبہ تھا کہ ہم سرداران قوم ان غلاموں کے ساتھ بیٹھنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ جبکہ حضرت عمرؓ جن کے نام سے بڑے بڑے حکمران کانپتے تھے اپنے زمانہ خلافت میں سیاہ فام حبشی غلام حضرت بلالؓ کو سیدنا بلال اور یا سیّدی کہہ کر پکارتے تھے کہ اے میرے سردار میرے آقا! (بخاری کتاب الفضائل) فرمایا کہ ان کو نکالنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے لئے وجہ افتخار ان کا ایمان لانا ہے۔ وہ تو اوّل ایمان لاکر

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ إِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ أَفَلَا

اور اے قوم میری کون مدد کریگا میری بمقابل اللہ کے اگر دھتکار دیا میں نے انھیں کیا پس نہیں

تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۱ وَلَآ أَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ

نصیحت پکڑتے تم اور نہیں میں کہتا تمہیں کہ پاس میرے خزانے ہیں اللہ کے اور نہیں

أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ أَقُوْلُ إِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ أَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

میں جانتا غیب اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں کہتا ہوں متعلق ان لوگوں کے

تَزْدَرِيْٓ أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ أَللّٰهُ أَعْلَمُ

جن کو حقیر سمجھتی ہیں آنکھیں تمہاری کہ ہرگز نہیں دیگا انہیں اللہ کوئی بھلائی اللہ زیادہ جانتا ہے

بِمَا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ ۚ إِنِّيْٓ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۲ قَالُوْا

اسے جو دلوں میں ہے ان کے یقیناً میں تب تو البتہ ظالموں میں سے ہوں گا انہوں نے کہا

روحانیت کے اس مقام پر پہنچنے والے ہیں جہاں اپنے ربّ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ میرے نزدیک تو عزت کا یہی معیار ہے اور تمہارا رتبہ یا مال و دولت ایمان کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا پس ان تمام باتوں سے سوائے تمہاری جہالت کے مجھے تو کچھ نظر نہیں آتا۔

۳۱۔ میرے ہر کام میں پیش نظر اپنے ربّ کو راضی کرنا ہے تو کیا تمہارے اس مطالبے کو مان کر میں اپنے ربّ کو ناراض کرنے والا نہ ہو جاؤں گا۔ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے!

۳۲۔ **تزدریؔ**۔ زری۔ عیب لگانا۔ **تزدریؔ اعینکم**۔ تمہاری آنکھیں ان پر عیب لگاتی ہیں۔ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ **خیر** مال کثیر یا بھلائی کے معنی میں آتا ہے۔

مخالفین نوحؑ والے تمام اعتراضات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک پر بھی ہوئے گویا کفارِ مکہ کو ہی سمجھانا مقصود تھا۔

مخالفین کے پیش نظر ہمیشہ دنیوی منفعتیں رہیں جبکہ انبیاء ان سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ روحانی خزانے لٹانے آتے ہیں نہ کہ دنیوی۔ مگر افسوس دنیاداران کے طلبگار نہیں ہوتے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بروایت حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کہ مہدی مال لٹائے گا لیکن کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم) تاہم ایک وقت آتا ہے کہ وہ اپنے پیاروں کو دنیوی لحاظ سے بھی محروم نہیں رہنے دیتا اور دنیا کے خزانے ان کے قدموں پر ڈھیر کر دیتا ہے۔

دوسرا اعتراض ان کا یہ کہ اسے غیب کا علم کیوں نہیں جیسا کہ کفار مکہ نے بھی بعض انتہائی

يٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا
اے نوح یقیناً جھگڑا تو ہم سے پس بہت کیا تُو نے جھگڑا ہم سے پس لا ہمارے پاس وہ جس کا تو

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۳ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ
وعدہ کرتا ہے ہم سے اگر ہے تو سچوں میں سے اس نے کہا صرف لائے گا تمہارے پاس اسے

اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۴ وَلَا يَنْفَعُكُمْ
اللہ اگر چاہا اس نے اور نہیں تم ہرگز عاجز کرنے والے اور نہ نفع دے گا تم کو

نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ
نصیحت کرنا میرا اگر ارادہ کروں میں کہ نصیحت کروں تم کو اگر ہے اللہ چاہتا کہ

مضحکہ خیز اور لغو سوال کئے۔ پس عالم الغیب وہی ایک اللہ کی ذات ہے۔ وہ جتنا چاہتا ہے اپنے علم سے اپنے مقربین کو نوازتا ہے۔ یہ فرشتہ کیوں نہیں؟ اس کا جواب ابھی آیت ۲۹: میں گزرا ہے۔

جیسا کہ آیت ۳۰ میں بتایا جاچکا ہے کہ ابو جہل کو بھی یہی اعتراض رہا کہ میں ان چھوٹے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا اپنی عزت کے منافی سمجھتا ہوں۔ فرمایا مومنین جو تمہاری نظروں میں ذلیل ہیں قربِ الٰہی کے عظیم مقام کو حاصل کرنے والے ہیں۔ (آیت: ۳۰) تمہیں خوش کرنے کے لئے میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ اللہ انہیں بھلائی نہیں دے گا جبکہ یہ بھلائی حاصل کر چکے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ ظلم کسی کا حق دوسرے کو دینا ہے۔ پس اگر میں غیب کے علم کا دعویٰ کروں تو خدا کا حق اپنے آپ کو دینے والا بن جاؤں گا۔ اگر مومنین کو ان کا مقام نہ دوں تو ان کی حق تلفی کرنے والا ہوں گا۔ پس اگر میں تمہاری ان نامعقول باتوں کی ہاں میں ہاں ملاؤں تو ضرور ظالموں میں سے ہوجاؤں گا۔

۳۳۔ جھگڑے کے لفظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر آپ نے بحث وتمحیص کی ہوگی اور ان کو ہدایت پر لانے کے لئے کتنے بے چین و بیقرار ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں کیا کیا ظلم وستم اور دکھ نہ اٹھائے ہوں گے۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو کہ دیگر مکذبینِ انبیاء کی طرح عذاب سے ڈرنے کی بجائے کس ڈھٹائی سے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۳۴۔ حضرت نوحؑ نے کہا کہ اگر اللہ چاہے گا تو اسے لے آئے گا تم اسے روک نہیں سکو گے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں وعیدی پیشگوئیوں کے لئے تین اصول بتلائے، پہلا یہ کہ ان کے اوقات عام طور پر مخفی رکھے جاتے ہیں دوسرا یہ کہ ان شاء کہہ کر بتادیا کہ وہ ٹل سکتی ہیں۔ تیسرا یہ کہ اگر وعیدی پیشگوئیاں ٹل بھی جائیں تو اصول فیصلہ کہ تمہاری کوئی تدبیر اللہ

کو عاجز نہیں کر سکتی اور اللہ کے بندے غالب ہو کر رہیں گے، کبھی نہیں ٹل سکتا۔ جیسا کہ دیگر انبیاء کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ (تفسیر کبیر)

اکثر یہ سوال اٹھتا ہے کہ قرآن کریم میں بار بار وعیدی پیشگوئیوں سے ڈرایا گیا اور کفار کی طرف سے عذاب کا مطالبہ بھی تھا۔ پھر آپ ﷺ کے مخالفین پر عذاب کیوں نہیں آیا۔ اس کی پہلی وجہ تو آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ہے جس کا یہ تقاضا تھا کہ بندوں پر رحم کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ ایک کثیر تعداد شروع ہی میں ایمان لے آئی، ہر روز مومنین میں اضافہ ہو رہا تھا اور کفار کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ نیز آپ ﷺ حضرت ابراہیمؑ کے مسلک پر آئے تھے جن کی قوم تباہ نہیں ہوئی۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین سات سالہ قحط کی لپیٹ میں آئے، جنگوں نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی، بدر میں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ جنگ احد میں بھی ابتدا میں کفار کو [illegible] شکست ہوئی۔ جنگ احزاب اور بالآخر فتح مکہ کے بعد تو اسلام عرب سے نکل کر بلادِ غیر تک پہنچ گیا۔ نیز جن انبیاء کے زمانے میں عذابِ استیصال آیا وہ ایک محدود علاقے کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اسی محدود علاقہ کو عذاب نے اپنی لپیٹ میں لیا۔ جبکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ کا زمانہ قیامت تک محیط ہے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مہدیؑ کے منکرین پر ساری دنیا میں جو عذاب آئے اور آرہے ہیں گزشتہ عذاب ان کا مقابلہ نہیں کر [illegible] آج ایڈز نے قومِ لوط پر آئے ہوئے عذاب کو بھلا دیا ہے۔ قوم نوح ایک طوفان سے ہلاک ہوئی۔ آج تمام تر سائنسی اور ٹیکنیکی ترقی کے باوجود دنیا میں طوفانوں اور سیلابوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔ کیا قومِ عاد و ثمود اور قوم لوط پر آنے والے عذاب ان عذابوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو جنگ عظیم اوّل اور دوئم میں انسانیت پر ٹوٹے۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکنے سے جو تباہی آئی اور اب عراق، بوسنیا، چیچنیا، کوسووہ اور کشمیر میں جو مصیبت ٹوٹ رہی ہے ماضی کی تاریخ میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تصنیف ''حوادثات طبعی یا عذابِ الٰہی'' میں رقم طراز ہیں کہ چار معروف عناصرِ طبعی مٹی، پانی، ہوا اور آگ میں سے پہلے تینوں عناصر گزشتہ قوموں پر عذاب کی صورت نازل ہوئے لیکن آگ کا عذاب اب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کے نتیجہ میں آئندہ قوموں کو دیا جانا مقدر تھا۔ (سورۃ المرسلات رکوع ۱، سورۃ الھمزۃ آیت ۲۔۱۰) جب آپ ﷺ کے مسیح کے ذریعہ آپ ﷺ کی تعلیم اکنافِ عالم تک پہنچا دی جائے گی اور حجت تمام ہو جائے گی۔ آگ کے عذاب میں ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف اشارہ ہے۔ غرض یہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ

أَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ

گمراہ کرے تم کو — وہ رب ہے تمہارا — اور طرف اس کی — تم لوٹائے جاؤ گے — کیا

يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي

وہ کہتے ہیں کہ — گھڑ لیا اس نے اسے — تو کہہ دے اگر — گھڑ لیا ہے میں نے اسے تو مجھ پر ہے — جرم میرا

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٦﴾ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ ع ١١ ٣

اور میں بری ہوں اس سے جو تم — جرم کرتے ہو — اور وحی کی گئی — طرف — نوح کی کہ بات یہ ہے کہ

لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ

ہرگز نہیں ایمان لائے گا — تیری قوم میں سے — سوائے اس کے جو ایمان لا چکا — پس نہ — بے چین ہو

کا زمانہ ہے یہ قرآن کریم کے کامل غلبہ کا زمانہ ہے۔ اب منکرین حق کے لئے فرار کی کوئی جگہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا" (تذکرہ۔ صفحہ ٦٤١) آپ فرماتے ہیں "اے یورپ تو بھی امن میں نہیں۔ اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ٢٥٦ و ٢٥٧)

٣٥۔ نبی تو زیادتیوں اور مظالم کے باوجود بھی تمہاری خیر خواہی کا خواہشمند ہے۔ وہ تمہارا رب جس نے تمہاری ربوبیت کے لئے ایک عالم کو لگایا ہوا ہے کیا وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہے گا۔ ہرگز نہیں۔ پس یہ تمہارے اعمال سوء ہیں جن کا تقاضا ہے کہ تمہیں گمراہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ جب اصلاح کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تو ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اللہ کے نزدیک تمہارا ہلاک ہونا ہی تمہارے لئے اور دوسروں کے لئے بہتر ہے۔

٣٦۔ حضرت نوحؑ سب کچھ کہہ چکے تو رسول اللہ کی زبانی ارشاد فرمایا اور خطاب کا رخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر دیا کہ کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ قصہ یا عذاب کا وعدہ اس نے خود گھڑ لیا ہے۔ تو انہیں کہہ اگر ایسا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا اور مجھے اس جرم کی سزا ضرور ملے گی لیکن اگر میں سچا ہوں اور تم جھوٹے ہو تو تم اپنے جرائم کی سزا سے بچ نہیں سکتے۔ آخر کار کفار کی سزاؤں نے ثابت کر دیا کہ مجرم وہی تھے۔

٣٧۔ انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں اکثر ایک لمبے عرصہ کی جدوجہد اور شدید ایذاؤں کا ذکر چھوڑ کر انجام سے آگاہ کیا جاتا ہے تاکہ مکذبین انبیاء پر واضح ہو جائے کہ فتح و نصرت خدا کے

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٧﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَ

اس پر جو — ہیں — وہ کرتے — اور بنا — کشتی — ہماری آنکھوں کے سامنے اور

وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُمْ

ہماری وحی کے مطابق اور نہ — مخاطب ہو مجھ سے بارہ میں ان لوگوں کے جنہوں نے — ظلم کیا — یقیناً وہ

مُّغْرَقُونَ ﴿٣٨﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ

غرق کئے جانے والے ہیں — اور وہ بناتا تھا — کشتی — اور جب کبھی گذرتے — اس پر — سردار

مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا

اس کی قوم میں سے — ہنسی کرتے وہ اس سے — وہ کہتا — اگر — تم ہنسی کرتے ہو ہم سے — تو ہم

فرستادوں کا مقدر ہے اور شکست و ہلاکت ان کے اعداء کے لئے لکھ دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطلاع مل جانے کے باوجود کہ جو باقی رہ گئے ہیں ان کے مقدر میں ایمان لانا نہیں۔ حضرت نوحؑ ان کی بداعمالیوں پر سخت رنجیدہ اور بے چین تھے گویا ان کی ہدایت و تبلیغ سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہیں تھے۔

٣٨۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص کشتی بنانے کا حکم دیا جو اللہ کی نگرانی اور حفاظت میں اس کی وحی کے مطابق تیار ہو۔ گویا اس کشتی کا نقشہ وحی میں اللہ تعالیٰ نے بتایا۔ حضرت نوحؑ کوئی بڑھئی نہیں تھے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہر روز کا کام سمجھایا جاتا تھا اور آپ وحی الٰہی کی ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرتے رہے۔ اس زمانے میں ایک عظیم الشان کشتی کا تیار کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے لوگ اتنی بڑی کشتی بنانے کے فن سے واقف نہیں تھے۔ عین کے معنی میں علاوہ آنکھ اور نگرانی کے اہل اور عزیز بھی مراد ہیں۔ اس لئے یہ بھی معنی ہیں کہ اپنے لوگوں کی مدد سے کشتی بنا۔ گویا آپ کے متبعین نے آپ کے ساتھ کشتی بنانے میں ہر طرح کی معاونت کی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو اپنی قوم کے لئے دعا سے روکا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عذاب کی خبر آجانے کے بعد بھی اللہ کے رسول اپنی رقیق القلبی اور اللہ کی رحمت کی وسعت کو دیکھ کر دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ شاید وعید کی پیشگوئی ٹل جائے۔ لیکن جب انہیں یقین ہو گیا کہ علم الٰہی میں یہ قوم یا اس قوم کی نسلیں ہدایت پانے والی نہیں اور عذاب کا آنا ہی علم الٰہی میں ان کے اور دوسروں کے لئے بہتر ہے تب سورۃ نوح رکوع ٢ والی دعا بے اختیار جاری ہوئی کہ **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا**۔ گویا اللہ کے فیصلہ پر اظہار تسلیم تھا کہ جو میرے مولیٰ کی رضا سو میری۔ پس وہ بددعا نہیں تھی۔

نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ
ہنسی کریں گے تم سے جیسا کہ تم ہنسی کرتے ہو پس عنقریب تم جان لوگے کہ کون ہے
يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾
وہ کہ آئے گا اسکے پاس عذاب جو ذلیل کریگا اُسے اور اترے گا اس پر عذاب قائم رہنے والا
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ
یہاں تک کہ جب آیا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم نے سوار کرلے اس میں
كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
ہر چیز کا ایک ایک جوڑا اور اپنے گھر والوں کو سوائے اس شخص کے کہ جاری ہوچکا ہے اس پر ہمارا فرمان
وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا
اور ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نہیں ایمان لائے اس کے ساتھ مگر چند ہوگے اور کہا اس نے سوار ہوجاؤ

۳۹۔۴۰۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم کشتی کو بنانے میں ایک لمبا عرصہ لگا ہوگا۔ انبیاء کو اپنی روحانی نگہ وفراست اور وحی الٰہی سے جو نظر آتا ہے اس کے مقابلہ میں ان کے مخالفین جو صرف ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں بالکل اندھے ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت نوحؑ کی قوم کے سردار جب آپ کو خشکی میں ایک کشتی بناتے دیکھتے تو یقیناً ہنستے تھے کہ نعوذ باللہ یہ بڈھا ضرور سٹھیا گیا ہے۔ فرمایا جلد ہی تمہیں اس تمسخر کی سزا ملے گی اور عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ رسوا کرنے والا یعنی دنیوی عذاب اور دیرپا یعنی اخروی عذاب کس پر آئے گا۔ مقیم میں سیلاب کا نقشہ بھی کھینچا جو فوراً لوٹنے والا نہیں تھا۔

۴۱۔ **فار**۔ اس نے جوش کیا۔ اسی سے فوارہ ہے۔ **تنور**۔ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صبح صادق۔ سطح زمین۔ بہتا ہوا چشمہ۔ سیلاب۔ عام روٹی پکانے کا تنور۔ **فار التنور**۔ اونچی جگہ پر چشمے ابلنے لگے یا زمین سے پانی نے جوش مارا۔ **زوجین**۔ ہر جنس کا دو۔ یعنی ایک جوڑا۔ مفسرین نے تفسیروں میں لکھا کہ چند نفع بخش جانوروں کا ایک ایک جوڑا۔ یہ مراد نہیں کہ تمام دنیا کے جانوروں کے جوڑے لفظ ''کل'' ضروری چیزوں کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ ملک سبا کے لئے کُل کا لفظ آیا۔ ظاہر ہے کہ اسے دنیا کی ہر شے نہیں دی گئی تھی۔ مِن کل زوجین میں ''من'' ہے جس کا ترجمہ ''سے'' اور ''بعض'' ہے اس کا واضح مطلب ہے کہ ضروری اشیاء کی قسم میں سے جو تجھے مطلوب ہیں اور تیرے کام کی ہیں کشتی میں اٹھالے۔ بیشک یہ ایک عظیم الشان کشتی تھی لیکن قرآن کریم نے کشتی کی کوئی لمبائی چوڑائی نہیں بتائی جبکہ توریت نے بے سروپا قصوں سے خود ہی اپنی تحریف کا اعتراف کیا۔ توریت میں لکھا ہے کہ یہ طوفان کل روئے زمین پر آیا۔ کشتی تین سو ہاتھ لمبی۔ پچاس ہاتھ چوڑی،

فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ
اس میں ساتھ نام اللہ کے ہے چلنا اس کا اور ٹھہرنا اس کا یقیناً رب میرا البتہ بہت بخشنے والا
رَّحِيْمٌ ﴿۴۲﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟ وَنَادٰى
رحم کرنے والا ہے اور وہ چلتی تھی ان کے ساتھ موج میں پہاڑوں کی طرح اور پکارا
نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا
نوح نے اپنے بیٹے کو اور تھا وہ ایک طرف اے بیٹے میرے سوار ہوجاؤ ساتھ ہمارے اور نہ
تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ
ہو ساتھ کافروں کے اس نے کہا ضرور پناہ لوں گا میں طرف کسی پہاڑ کے جو بچائے گا مجھے

تیس ہاتھ اونچی اور تین منزلہ تھی۔ اس میں روشندان، کھڑکیاں اور کوٹھریاں تھیں۔ اس میں روئے زمین کے تمام جانوروں اور انسانوں کو سوار کیا۔ جو توریت میں تحریف کرنے والوں کا ہی کمال تھا۔

غرض حضرت نوحؑ نے خدائی ہدایات کے مطابق اپنے متبعین کے ساتھ مل کر کشتی تیار کی۔ پھر جیسا کہ سورۃ قمر: ۱۲۔۱۳ میں ہے۔ **فتحنا ابواب السمآء بمآء منهمر ○ وفجرنا الارض عيونا**۔ یعنی ہم نے آسمان کے در موسلا دھار پانی کے لئے کھول دیئے اور زمین سے چشمے ہی چشمے ابل پڑے۔ آپ نے خدائی احکام کے مطابق ان جانوروں کا ایک ایک جوڑا جن کا بچایا جانا انسانی ضروریات کے لئے ضروری تھا نیز دوسری ضروری اشیاء کشتی میں رکھیں اور اپنے متبعین کو بھی کشتی میں سوار کرایا۔ سوائے اس کے کہ جس کے متعلق پہلے ہی ہمارا فرمان جاری ہوچکا تھا۔ یہ آپ کی ایک بیوی اور ایک بیٹا تھا جن کا ذکر آیت: ۴۶ میں آئے گا۔ آپ پر تھوڑے ہی ایمان لائے۔ بعض روایات میں ان کی کل تعداد اسّی (۸۰) لکھی ہے۔ عین ممکن ہے اس سے بھی کم ہوں۔ قلیل میں بہت کم تعداد کی طرف اشارہ ہے۔

۴۲۔ **مجرها**۔ جری۔ تیزی سے گزرنا۔ جیسے **تجری** اور **جارية** وغیرہ قرآنی الفاظ ہیں۔ **مجرها**۔ اس کا چلنا۔ قرآن کریم میں یہ واحد مقام ہے جہاں **مجرها** کو **مجریها** پڑھا جاتا ہے۔ **رسا**۔ ٹھہرنا۔ خصوصاً کشتی کا لنگر ڈالنا۔ **مرسٰها**۔ اس (کشتی) کا لنگر انداز ہونا۔

حضرت نوحؑ نے اپنے متبعین کو کہا کہ سوار ہوجاؤ۔ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہی ہوگا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اس کے چلنے پر بھی بسم اللہ پڑھو اور رکنے پر بھی بسم اللہ پڑھو۔ احادیث میں سواری پر سوار ہونے کی دعاؤں میں یہ دعا بھی ہے۔

۴۳۔ **معزل**۔ **عزل**۔ علیحدہ۔ الگ۔ اسی سے معزول ہے۔ اس آیت سے اندازہ

مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ

پانی سے کہا اس نے نہیں بچانے والا کوئی آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر

رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۴﴾

رحم کیا اس (اللہ) نے اور حائل ہوگئی درمیان انکے موج پس ہوگیا وہ غرق کئے ہوؤں میں سے

وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ

اور کہا گیا اے زمین نگل جا پانی اپنا اور اے آسمان تھم جا اور خشک ہوگیا

الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا

پانی اور فیصلہ کیا گیا معاملہ کا اور وہ ٹھہر گئی جودی پر اور کہا گیا ہلاکت ہو

ع لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ

لوگوں کے لیے ظلم کرنے والوں کے اور پکارا نوح نے اپنے رب کو پس کہا اے رب میرے یقیناً بیٹا میرا

ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کسی ایسی وادی میں رہتے تھے جو پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی اور جہاں پانی کا غیر معمولی طور پر بلند ہونا خلاف عقل نہیں تھا۔ کشتی پہاڑوں جیسی بلند موجوں میں انہیں لئے ہوئے چلتی رہی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کشتی کس قدر مضبوط تھی۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو جو الگ جگہ کھڑا تھا سوار ہو جانے کو کہا۔ صاحبِ قاموس نے اس کا نام یام لکھا ہے۔ حضرت نوحؑ نے اس وقت بھی اسے کفر سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

۴۴۔ **عاصم** ۔ بچانے والا۔ اسی سے معصوم ہے۔ **اُوِیَ**۔ اوی۔ دن یا رات کو گھر میں آ ٹھہرنا۔ آرام کی جگہ آ جانا۔ پناہ لینا۔ عذاب کو سامنے دیکھ کر بھی وہ نہایت ڈھٹائی سے بولا میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ آج اللہ کی قضا سے کوئی نہیں بچا سکتا سوائے اس کے کہ وہی رحم کرے یعنی تقدیر جاری کرنے والا اگر خود رحم فرمائے اور تقدیر بدل دے تو ضرور بچ سکتے ہو ورنہ یہ پہاڑ کیا چیز ہے۔ ایک لہر ان دونوں کے درمیان حائل ہوئی اور وہ ڈوب گیا۔ گویا پانی بعض پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گیا یا وہ چوٹی تک پہنچنے سے پہلے ہی ڈوب گیا۔

۴۵۔ **ابلعی** ۔ **بلع**۔ بمعنی **جرع** ۔ یعنی گھونٹ گھونٹ کر کے نگلنا۔ **اقلعی** ۔ **قلع**۔ جڑ سے اکھیڑ پھینکنا۔ اسی سے قلع قمع کرنا ہے۔ **اقلعی** ۔ تو رک جا۔ **غیض** ۔ **غاض** بمعنی **نقص**۔ ایک چیز کا کم ہونا۔ جبکہ **الغیض** کے معنی سخت غصہ کے ہیں۔ **استوت**۔ وہ ٹھہری۔ **استوٰی** ۔ ایسی جگہ ٹھہرنا یا قرار پکڑنا جو اس کے مناسب حال ہو۔

جب حکمِ خداوندی سے زمین نے پانی کو آہستہ آہستہ جذب کر لیا۔ بادل تھم گئے، پانی

مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۶﴾

اہل میں سے ہے میرے اور یقیناً وعدہ تیرا سچا ہے اور تو بہت بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے تمام فیصلہ کرنیوالوں میں سے

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖۗ

فرمایا اے نوح یقیناً وہ نہیں ہے اہل میں سے تیرے یقیناً وہ عمل مجسم ہے غیر صالح

خشک ہو گیا اور فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ جنہوں نے ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوئے، جن کو اللہ نے بچانا تھا وہ بچائے گئے اور کشتی جودیؔ پر ٹھہر گئی۔ جبلِ جودی آج بھی اسی نام سے شام اور آرمینیہ کی سرحد پر واقع ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے میں جودیؔ وادی قمران میں ہے جہاں بحرِ مردار ہے۔ یہ علاقہ ایک پیالے کی شکل میں ہے اور سطح سمندر سے نیچے ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

حضرت نوحؑ کا زمانہ بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور مہذب دنیا کی آبادی اس خاص علاقے تک محدود تھی۔ وہیں آپ مبعوث ہوئے اور وہی علاقہ غرق ہوا۔ بعد میں اس قوم کی اولاد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلی اور طوفانِ نوح کا قصہ بھی مختلف قوموں میں متعارف ہوا۔ دراصل جب کسی علاقے میں خوراک اور چارے کی قلت ہوئی تو بعض قوموں نے درّوں کو عبور کر کے دوسرے ممالک تک رسائی حاصل کی جیسے وسط ایشیا سے آریہ قوم کے لوگ ہندوستان میں آئے۔ بعض لوگ بادبانی کشتیوں کے ذریعہ سمندروں کو عبور کر کے دور دراز ملکوں تک پہنچ گئے۔ یہ کشتیاں اکثر طوفانوں کی نذر ہو جاتیں تاہم ان میں سے بہت سے لوگ آسٹریلیا اور بعض دوسرے ممالک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

۴۶۔ باوجود اسکے کہ اللہ تعالیٰ نے **ولاتخاطبنی فی الذین ظلموا** (آیت ۳۸) کہہ کر آپ کو دعا سے روک دیا تھا۔ پھر بھی آپ نے اپنے ربّ کو پکارا۔ دراصل حضرت نوحؑ کو غلط فہمی ہوئی۔ انہوں نے **الّامن سبق علیه (القول:۴۱)** سے صرف اپنی ایک بیوی مراد لی اور غالباً آپ کو اپنے بیٹے کے اعمالِ بد کا علم نہیں تھا۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک اس سے ایک بیوی اور ایک بیٹا دونوں مراد تھے اور اہل سے اہلِ روحانی مراد تھے نہ کہ اہلِ جسمانی۔ **مَن اٰمنَ** (آیت ۴۱) کی بھی واضح شرط تھی۔

اس شدید صدمہ کے وقت جبکہ جوان بیٹا سامنے ڈوب رہا ہو اپنے ربّ کو پکارنے کا یہ انداز صرف ان کے انبیاء و مقربین سے ہی خاص ہے کہ اے میرے ربّ! اگر یہ ڈوب بھی گیا تو

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ

پس نہ پوچھ مجھ سے وہ کہ نہیں ہے تیرے لیے جس کا علم یقیناً میں نصیحت کرتا ہوں تجھے کہ (نہ)

تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۷ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ

ہوتو جاہلوں میں سے اس نے کہا اے رب میرے یقیناً میں پناہ مانگتا ہوں تیری کہ

میں یہ نہیں سوچ سکتا کہ تیرا وعدہ جھوٹا ہے۔ تیرا وعدہ بہر حال سچا ہے اور تیرا فیصلہ بالکل درست
غلطی مجھ سے ہی ہوئی کہ میں سمجھ نہ سکا۔

۴۷۔ اللہ تعالیٰ نے غلط فہمی دور فرمائی کہ یہ وعدہ روحانی اہل کا تھا۔ یہ غیر صالح عمل کر
والا تیرے اہل میں سے نہیں۔ لفظی معنی یہ ہیں کہ وہ مجسم بدعمل تھا۔ وہ دعا نہ کر جس کا علم تجھے
دیا گیا ہو۔ عام حالات میں جس بات کا علم نہ ہو وہ پوچھ لینی جائز ہے بلکہ ضرور پوچھ لینی چاہئے
لیکن یہ حکم خدا کے تعلق میں ہے کہ اگر اس نے کوئی بات اپنی خاص مصلحت کے تحت کھول کر نہ
بتائی تو مت پوچھ۔ جس حد تک کسی بات کا علم بندے کے لئے ضروری تھا وہ بات بتا دی اگر
بات کی تفصیل بیان نہیں فرمائی تو ہوسکتا ہے کہ کچھ باتیں ایسی ہوں کہ اگر کھول کر بتا دی جائیں
بندے کے مفاد میں نہ ہوں یا اس کی دلآزاری کا باعث ہوں۔ ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بندہ
اپنے ربّ سے سوال نہ کرے۔ بعض اوقات جواب نہ دینے میں پردہ پوشی بھی مقصود ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بدعمل انسان تھا۔ تیرے پاس جواز نہیں کہ یہ علم حاصل کرے
ایسا نہ ہو کہ ایسے سوال کر کے جاہلوں میں سے ہو جائے۔ انسان علم حاصل نہ کر کے جاہلوں میں
شمار ہوتا ہے لیکن اگر کوئی علم اللہ نے تیرے لئے پسند نہیں فرمایا تو تو اس کے پیچھے پڑ کر جاہلوں میں
سے نہ ہو اور اپنا نقصان نہ کر۔

اس معاملہ میں بھی ہمارے پیارے آقا رسول مقبول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم
کا مقام تمام رسولوں سے ارفع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا **لا اشک ولا اسأل** ۔ (تفسیر ابن کثیر)
میں نے کبھی شک کیا نہ سوال۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی
سوال نہ کرتے تھے کوئی اعرابی سوال کرتا تو ہم سن لیتے۔ تاہم آپ ﷺ سے فقہی مسائل پر سوال کئے
گئے جن کا جواب قرآن کریم نے **یسئلونک** کے ساتھ دیا۔ اس میں دعا کا صحیح طریق بھی بتا دیا
کہ دعا ہمیشہ یوں کرے کہ اے اللہ تیرے علم میں اگر یہ امر میرے لئے بہتر ہو تو مقدر فرما ورنہ
روک دے اور میرے دل کو اس سے پھیر دے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا استخارہ اسی حکمت

اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ

مانگوں تجھ سے وہ کہ نہیں ہے مجھے جس کا علم اور اگر نہ بخشے تو مجھے اور رحم کرے مجھ پر

اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۴۸ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا

ہو جاؤں گا گھاٹا پانے والوں میں سے کہا گیا اے نوح ! اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے

وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓي اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ

اور (ساتھ) برکتوں کے تجھ پر اور قوموں پر ان میں سے جو ساتھ ہیں تیرے اور کچھ قومیں ہیں کہ

سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۹ تِلْكَ

فروز فائدہ پہنچائیں گے ہم انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے عذاب دردناک یہ

پر مبنی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بعض اوقات خدائی پیشگوئیوں کے معنی سمجھنے میں انبیاء سے بھی
اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے۔

۴۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا کہ جس بات کا تجھے حقیقی علم نہیں وہ دعا مت
مانگ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے علیہ السلام جواب نہیں دیا کہ
ٹھیک ہے میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ بلکہ اس کے جواب میں حضرت نوحؑ خاص پیغمبرانہ طریق
سے نہایت مؤدبانہ اپنی کمزوری کا اقرار کرتے ہیں اور جناب الٰہی سے استعانت طلب کرتے ہیں۔
کہ اے میرے ربّ مجھے توفیق دے کہ میں ایسی دعا نہ کروں جس کا مجھے علم نہیں یہاں آپ کا
استغفار چاہنا اور رحم کی درخواست کرنا اس لئے ہے کہ کہیں میں نقصان اٹھانے والوں میں سے نہ
ہو جاؤں۔ پس آپ کا غفر چاہنا پچھلی کوتاہی کی پردہ پوشی اور معافی کے لئے اور آئندہ کوتاہیوں سے
بچنے کے لئے ہے خواہ وہ کسی غلط فہمی یا بشری کمزوری کے نتیجہ میں ہی کیوں نہ ہوئی ہوں نیز
استغفار بلندی درجات کے لئے بھی ہے۔ (حقائق القرآن جلد دوم صفحہ ۳۶۴ سے استفادہ کیا گیا)

۴۹۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حقائق القرآن جلد دوم صفحہ ۳۶۵ میں)
بیان کرتے ہیں کہ تعوذ کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے سلامتی ہے کہ جب کشتی کنارے پر لگے تو
سلامتی کے ساتھ اتر جا۔ اس پر مزید انعام یہ کہ تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر برکات نازل ہوں گی۔
وعلیٰ امم ممّن معک یعنی یہ سلامتی اور برکتیں تیرے اور تیرے ساتھیوں تک محدود نہیں رہیں
گی بلکہ جو لوگ تیرے ساتھ ہیں ان میں سے ہر ایک ایک امتؑ بنے گا گویا وہ نئی امتوں کی
بنیاد ڈالیں گے اور ان پر بھی سلامتی اور برکتیں نازل ہوں گی۔ چنانچہ وہ مختلف قوموں کی طرف گئے،
دنیا میں پھیل گئے اور اپنی خبریں بھی ساتھ لیتے گئے۔ آج دنیا کے دور افتادہ مختلف خطوں میں ایک

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

خبروں سے ہے غیب کی ہم وحی کرتے ہیں جسے تیری طرف نہ تھا تُو جانتا انہیں تو

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ

اور نہ قوم تیری پہلے اس سے پس صبر کر یقیناً انجام

ع ۴ ۱۴ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

متقیوں کیلئے ہے اور (بھیجا ہم نے) طرف عاد کی بھائی ان کا ہود اس نے کہا اے قوم میری عبادت کرو

عظیم طوفان کی داستان ملتی ہے۔ فرمایا کچھ اور قومیں بھی ہیں جنہیں ہم ضرور فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہاں صدیوں پر محیط واقعات کو چند الفاظ میں ادا کر دیا اور تقدیر امم لکھ دی کہ قومیں شروع میں خوب ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتی ہیں اور دینی و دنیوی طور پر اعلیٰ ترین مقام حاصل کر لیتی ہیں لیکن پھر دنیوی اور مادی خوشحالی اور سامانِ تعیش کی فراوانی اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہے اور دینی و دنیوی تنزل کا باعث بنتی ہے۔

گویا خدا اور خدائی احکام کو بھلا کر گناہوں اور عیش و عشرت کو اپنا شیوہ بنا لیتی ہیں۔ تب عذابِ الیم کی مورد ٹھہرتی ہیں۔

۵۰۔ یہاں صاف صاف بتا دیا کہ قرآن قصے کہانیاں بیان نہیں کرتا بلکہ یہ غیب کی خبریں ہیں یعنی ان قصص کو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔ ان کا ایک امّی کے منہ سے بیان صداقتِ نبوت کا ثبوت ہے۔ غائب میں آئندہ کا زمانہ بھی شامل ہے۔ گویا نوح کا قصہ ہو یا کسی اور نبی کا، ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین و مکذبین اور امت کے لئے قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی رہیں گی اور آئندہ یہی قصے دہرائے جائیں گے۔ نوحؑ کے دشمنوں کی طرح تیرے دشمنوں کا بھی نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ تو بھی اسی کی طرح تمام آدابِ دعا کے ساتھ دعاؤں میں لگا رہ اور صبر و استقلال سے اپنے رب کے احکام کی تبلیغ کرتا رہ جیسے تو یا تیری قوم نہیں جانتی تھی۔ اس صبر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام کار متقی ہی فتحیاب ہوں گے۔ بائیبل نے حضرت نوحؑ کے واقعات بیان فرمائے لیکن وہ قرآن کریم سے مختلف ہیں۔ بائیبل کوہ ارارات لکھتی ہے جبکہ قرآن کریم جودی پہاڑی کہتا ہے۔ قرآن کریم نے کشتی کو آیت قرار دیا۔ آئندہ زمانہ میں جب کشتی دریافت ہوگی تو یقیناً آیت بن **کر ابھرے** گی اور ثابت ہو جائے گا کہ قرآن کریم سچا ہے اور بائیبل انسانی دست بُرد کا شکار ہے۔

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اس کے نہیں تم مگر افتراء کرنے والے

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ

اے قوم میری نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں اجر میرا مگر اس پر جس نے

۵۱۔ اس رکوع میں ترتیب کے لحاظ سے حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ہودؑ کا ذکر ہے جو قوم عاد کی طرف بھیجے گئے۔ طوفانِ نوح کے بعد نوحؑ کی نسل سے جو پہلی عظیم الشان قوم اُبھری وہ عاد تھی۔ یہ قوم دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی اور فن تعمیر میں خاص مہارت رکھتی تھی۔ آپ بھی صرف اپنی قوم کی طرف ہی مبعوث ہوئے (تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف رکوع ۹) آپ کا ذکر دس سورتوں میں آیا ہے اعراف رکوع ۹، الشعراء رکوع ۷، عنکبوت رکوع ۴، احقاف رکوع ۳، ذاریات، نجم، قمر، فجر، حاقہ۔

آپ نے اسی تعلیم کو دہرایا جس کا اعادہ ہر نبی کرتا ہے اور جسے وقت گزرنے کے ساتھ بھلا دیا جاتا ہے یعنی توحید و رسالت اور شرک سے اجتناب۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ **اعبدوا اللّٰه** کی تشریح کرتے ہیں کہ تمہارا ہر کام خدا کے حکم کے تحت ہو، رسول اللہ کی سنت کے مطابق ہو۔ پھر تمہاری نفسانی غرض اس میں شامل نہ ہو۔ اب تاکید کے لئے **مالکم من الٰه غیره** کہا کہ کوئی سوائے اللہ کے تمہاری نیتِ قول و فعل میں محبوب اور مقصود نہ ہو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ دسمبر ۱۹۰۹ء)

یہ قدیم قوم خلیج عمان کے کنارے آباد تھی۔ نجد، مسقط اور کویت تک پھیلی ہوئی تھی اور اس تمام علاقے پر حکمران تھی۔ عرب کے قصائد میں بلحاظ قدامت، شجاعت اور ہلاکتِ شدیدہ مشہور تھی۔ یہ قوم اونچے اونچے مقامات پر اپنی یادگاریں قائم کرتی تھی۔ (الشعراء رکوع ۷) ابھی تک ایسی قدیم ترین عمارتیں اور ان کے آثار عدن کے قریب موجود ہیں جو ان کے عظیم الشان عہد حکومت کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے علاقے کو قرآن کریم میں احقاف کے نام سے پکارا گیا الاحقاف رکوع ۳۔ احقاف اس سر سبز علاقے کو کہتے ہیں جو ریت کے ٹیلوں میں گھرا ہوا ہو۔ اب بھی اس علاقے میں جا بجا ریت کے ٹیلے پائے جاتے ہیں جو جنوبی احقاف اور شمالی احقاف کہلاتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ جو عذاب ان پر شدید آندھی کی صورت آیا اس کے بعد یہ ٹیلے نمودار ہوئے ہوں۔ یہ شدید آندھی کا عذاب ان پر سات راتیں اور آٹھ دن تک بلا وقفہ رہا اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ (الحاقہ رکوع ۱)

مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

خبروں سے ہے غیب کی ہم وحی کرتے ہیں جسے تیری طرف نہ تھا تو جانتا انہیں تو

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ

اور نہ قوم تیری پہلے اس سے پس صبر کر یقیناً انجام

لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا ع

متقیوں کیلئے ہے اور (بھیجا ہم نے) طرف عاد کی بھائی ان کا ہود اس نے کہا اے قوم میری عبادت کرو

عظیم طوفان کی داستان ملتی ہے۔ فرمایا کچھ اور قومیں بھی ہیں جنہیں ہم ضرور فائدہ پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہاں صدیوں پر محیط واقعات کو چند الفاظ میں ادا کر دیا اور تقدیر امم لکھ دی کہ قومیں شروع میں خوب ترقی کی راہوں پر گامزن ہوتی ہیں اور دینی و دنیوی طور پر اعلیٰ ترین مقام حاصل کر لیتی ہیں لیکن پھر دنیوی اور مادی خوشحالی اور سامانِ تعیش کی فراوانی اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہے اور دینی و دنیوی تنزل کا باعث بنتی ہے۔

گویا خدا اور خدائی احکام کو بھلا کر گناہوں اور عیش و عشرت کو اپنا شیوہ بنا لیتی ہیں۔ تب عذابِ الیم کی مورد ٹھہرتی ہیں۔

۵۰۔ یہاں صاف صاف بتا دیا کہ قرآن قصے کہانیاں بیان نہیں کرتا بلکہ یہ غیب کی خبریں ہیں یعنی ان قصص کو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔ ان کا ایک امّی کے منہ سے بیان صداقتِ نبوت کا ثبوت ہے۔ غائب میں آئندہ کا زمانہ بھی شامل ہے۔ گویا نوح کا قصہ ہو یا کسی اور نبی کا، ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے متبعین و مکذبین اور امت کے لئے قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی رہیں گی اور آئندہ یہی قصے دہرائے جائیں گے۔ نوحؑ کے دشمنوں کی طرح تیرے دشمنوں کا بھی نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ تو بھی اسی کی طرح تمام آدابِ دعا کے ساتھ دعاؤں میں لگا رہ اور صبر و استقلال سے اپنے رب کے احکام کی تبلیغ کرتا رہ جنہیں تو یا تیری قوم نہیں جانتی تھی۔ اس صبر کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام کار متقی ہی فتحیاب ہوں گے۔ بائیبل نے حضرت نوحؑ کے واقعات بیان فرمائے لیکن وہ قرآن کریم سے مختلف ہیں۔ بائیبل کوہ ارارات لکھتی ہے جبکہ قرآن کریم جودی پہاڑی کہتا ہے۔ قرآن کریم نے کشتی کو آیت قرار دیا۔ آئندہ زمانہ میں جب کشتی دریافت ہوگی تو یقیناً آیت **بن کر ابھرے** گی اور ثابت ہو جائے گا کہ قرآن کریم سچا ہے اور بائیبل انسانی دست بُرد کا شکار ہے۔

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اس کے نہیں تم مگر افترا کرنے والے

یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ

اے قوم میری نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں اجر میرا مگر اس پر جس نے

۵۱۔ اس رکوع میں ترتیب کے لحاظ سے حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ھودؑ کا ذکر ہے جو قوم عاد کی طرف بھیجے گئے۔ طوفانِ نوح کے بعد نوحؑ کی نسل سے جو پہلی عظیم الشان قوم اُبھری وہ عاد تھی۔ یہ قوم دنیا کی قدیم ترین تہذیب کی بانی اور فنِ تعمیر میں خاص مہارت رکھتی تھی۔ آپ بھی صرف اپنی قوم کی طرف ہی مبعوث ہوئے (تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف رکوع ۹) آپ کا ذکر دس سورتوں میں آیا ہے اعراف رکوع ۹، الشعراء رکوع ۷، عنکبوت رکوع ۴، احقاف رکوع ۳، ذاریات، نجم، قمر، فجر، حاقہ۔

آپ نے اسی تعلیم کو دہرایا جس کا اعادہ ہر نبی کرتا ہے اور جسے وقت گزرنے کے ساتھ بھلا دیا جاتا ہے یعنی توحید و رسالت اور شرک سے اجتناب۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ **اعبدوا اللّٰہ** کی تشریح کرتے ہیں کہ تمہارا ہر کام خدا کے حکم کے تحت ہو، رسول اللہ کی سنت کے مطابق ہو۔ پھر تمہاری نفسانی غرض اس میں شامل نہ ہو۔ اب تاکید کے لئے **مالکم من الٰہ غیرہ** ط کہا کہ کوئی سوائے اللہ کے تمہاری نیت قول و فعل میں محبوب اور مقصود نہ ہو۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ دسمبر ۱۹۰۹ء)

یہ قدیم قوم خلیج عمان کے کنارے آباد تھی۔ نجد، مسقط اور کویت تک پھیلی ہوئی تھی اور اس تمام علاقے پر حکمران تھی۔ عرب کے قصائد میں بلحاظ قدامت، شجاعت اور ہلاکتِ شدیدہ مشہور تھی۔ یہ قوم اونچے اونچے مقامات پر اپنی یادگاریں قائم کرتی تھی۔ (الشعراء رکوع ۷) ابھی تک ایسی قدیم ترین عمارتیں اور ان کے آثار عدن کے قریب موجود ہیں جو ان کے عظیم الشان عہد حکومت کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کے علاقے کو قرآن کریم میں احقاف کے نام سے پکارا گیا الاحقاف رکوع ۳۔ احقاف اس سر سبز علاقے کو کہتے ہیں جو ریت کے ٹیلوں میں گھرا ہوا ہو۔ اب بھی اس علاقے میں جا بجا ریت کے ٹیلے پائے جاتے ہیں جو جنوبی احقاف اور شمالی احقاف کہلاتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ جو عذاب ان پر شدید آندھی کی صورت آیا اس کے بعد یہ ٹیلے نمودار ہوئے ہوں۔ یہ شدید آندھی کا عذاب ان پر سات راتیں اور آٹھ دن تک بلا وقفہ رہا اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ (الحاقہ رکوع ۱)

فَطَرَنِيْ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

پیدا کیا مجھے کیا پس نہیں عقل کرتے تم اور اے قوم میری بخشش مانگو اپنے رب سے

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

پھر رجوع کرو طرف اس کی بھیجے گا وہ بادل تم پر بہت برسنے والا

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٥٣﴾

اور بڑھائے گا تم کو قوت میں ساتھ قوت کے تمہاری اور نہ پھر جاؤ مجرم ہو کر

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ

کہا انہوں نے اے ہود نہیں لایا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہم ہرگز چھوڑنے والے

اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِنْ

اپنے معبودوں کو کہنے سے تیرے اور نہیں ہم تجھ پر ہرگز ایمان لانے والے نہیں

٥٢۔ آپ نے بھی اپنے سے پہلے عظیم المرتبت نبی حضرت نوحؑ کے الفاظ کو ہی دہرایا
آیت: ۴۰ میں گزرے ہیں۔

٥٣۔ **مدرارًا**۔ موسلا دھار بارش۔ **السماء**۔ آسمان۔ یہاں مجازاً بارش یا بادل مراد ہے
حضرت ھودؑ نے اپنی قوم کو استغفار کی تلقین فرمائی یعنی گزشتہ غلطیوں کے بد نتائج سے حفاظت طلب کرنا اور آئندہ غلطیوں سے بچنے کی استعانت طلب کرنا۔ استغفار کے بعد توبہ ہے یعنی دوبارہ برے کام نہ کرنے کا عزم مصمم کرنا کہ ضرور ان سے بچوں گا اور بکلی اللہ کی طرف جھکنا۔ پس جب استغفار اور توبہ سے خدا کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو دینی نعمتوں کے ساتھ دنیوی نعمتوں اور برکتوں کی بارش بھی ہوتی ہے اور دنیوی طور پر بھی بفضل تعالیٰ خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو گھاٹے میں نہیں رہنے دیتا وہ ان کی قوت کو خوب بڑھا دیتا ہے پس تم مجرمین کے اطوار اختیار کرتے ہوئے حق سے پیٹھ نہ پھیرو۔ اس لئے کہ دنیوی نعمتوں کے حصول کے بعد اندیشہ ہے کہ تم ان میں محو ہو کر اپنے ربّ کو بھول جاؤ اور تمہارا شمار مجرمین میں ہو۔ پس یاد رکھو کہ جو باتیں قوانین قدرت کے تابع ہوتی ہیں وہ رحمت کا موجب بھی بن سکتی ہیں اور غضب کا بھی۔ وہی بارش جو اللہ کے بندوں کے لئے رحمت کا پیغام لے کر آتی ہے قوم نوح پر آسمان سے غضب بن کر نازل ہوئی۔

٥٤۔ دوسرے مکذبین انبیاء کی طرح قوم ھودؑ کو بھی آپ کے دعویٰ میں کوئی روشن دلیل نظر آتی اور نہ کوئی معجزہ۔ انہوں نے نہایت تحقیر آمیز لہجے میں کہا کہ ہم محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ کر تجھ پر ایمان لانے والے نہیں۔

نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۗ قَالَ اِنِّيْٓ

ہم کہتے مگر (یہ کہ) پہنچائی ہے تجھے کسی معبود نے ہمارے بُرائی اس نے کہا یقیناً میں

اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٥﴾

گواہ ٹھہراتا ہوں اللہ کو اور گواہ رہو تم کہ میں بیزار ہوں اس سے جسے تم شریک بناتے ہو

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٦﴾ اِنِّيْ

سوائے اس کے پس تدبیریں کرو مجھ سے سب کے سب پھر نہ مہلت دو مجھے یقیناً میں نے

تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۗ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ

بھروسہ کیا اللہ اپنے رب اور تمہارے رب پر نہیں کوئی جاندار مگر وہ (خدا)

٥٥-٥٦۔ **اعترٰک۔ عری**۔ بمعنی ننگا ہوا۔ اسی سے عریاں ہے۔ **عراء** میدان کو کہتے ہیں بوجہ کوئی باڑ وغیرہ نہ ہونے کے۔ کسی بات کے لگ جانے اور چمٹ جانے کے معنی بھی دیتا ہے۔ لفظی معنی تمہارا ننگ ظاہر کر دیا۔

ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ ہمارا کوئی معبود بد ارادوں سے تیرے پیچھے پڑ گیا ہے یعنی اس نے تجھے مصیبت میں ڈال دیا ہے اور تم آسیب زدہ ہو گئے ہو۔ فرمایا تم سمجھتے ہو کہ بتوں نے مجھے گزند پہنچایا ہے۔ ان کی حقیقت ہی کیا ہے تم سب مل کر میرے خلاف جو منصوبے کر سکتے ہو کرلو، مجھے ہرگز ڈھیل نہ دو۔ میں اللہ تعالیٰ کو اس بات کا گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے سوا تمہارے سب معبودوں سے بیزار ہوں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انبیاء جتھے کے محتاج نہیں ہوتے۔ دیکھو یہاں کہ کوئی جتھا نہیں۔ حضرت ھودؑ کس تحدی اور جرأت سے اعلان کرتے ہیں۔ (اخبار بدر قادیان ۱۶ دسمبر ۱۹۰۹ء)۔ تم اور تمہارے جھوٹے معبود مل کر میرے خلاف جو تدبیریں کر سکتے ہو کرلو۔ میرے قتل کے منصوبے بناؤ، مجھے قید کرنے اور ملک سے نکالنے کی تجاویز کرو، مجھے ہرگز مہلت نہ دو لیکن یاد رکھو تمہارے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے اور آخری فتح میری ہی ہوگی۔ یہ ہجرت کے بالکل قریب کی مکی سورۃ ہے جب آپ ﷺ کے خلاف بھی ایسے ہی منصوبے بن رہے تھے۔ پھر اہل مکہ نے دیکھا کہ تمام منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور آپ ﷺ بحفاظت مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

٥٧۔ **ناصیۃ**۔ پیشانی۔ پیشانی کے بال۔ چوٹی۔

یہ میری جرأت اس لئے ہے کہ مجھے اس اللہ پر بھروسہ ہے جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا

اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۵۷ فَاِنْ

پکڑے ہوئے ہے چوٹی اس کی یقیناً رب میرا راہ سیدھی پر ہے پس اگر

تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَ

تم پھر جاؤ تو یقیناً پہنچا چکا ہوں تم کو وہ کہ بھیجا گیا ہوں ساتھ جس کے طرف تمہاری اور

يَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ

جانشین بنا دے گا رب میرا کوئی قوم سوائے تمہارے اور نہ نقصان پہنچا سکو گے تم اسے کچھ بھی

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ ۵۸ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

یقیناً رب میرا ہر بات پر نگران ہے اور جب آیا حکم ہمارا نجات دی ہم نے

هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ

ہود کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ اسکے ساتھ رحمت کے اپنی طرف سے اور نجات دی ہم نے انہیں

بھی ربّ ہے یعنی ضرور تھا کہ تمہاری جسمانی ربوبیت کے ساتھ روحانی ربوبیت کا بھی انتظام کرتا پھر اس کی ربوبیت کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے فرمانبردار بندے کو نوازے اور نافرمان وسرکش کو پکڑے اس نے ہر جاندار کو اس کی چوٹی سے پکڑا ہوا ہے وہ خدا کے سامنے بے بس ہے۔جب سب جاندار اس کے قبضہ قدرت میں ہیں تو تم یا تمہاری تدابیر مجھے کیا ضرر پہنچا سکتی ہیں اور تم اس کی گرفت سے کیونکر بچ سکتے ہو۔ہاں اگر اس کی گرفت سے بچنا چاہتے ہو تو صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ صراط مستقیم اختیار کرو۔یہی میرے ربّ تک پہنچنے کی راہ ہے۔وہ اسی راہ پر ملتا ہے۔

۵۸۔ایک لمبے عرصہ کی وعظ وتبلیغ اوراس کے نتیجہ میں پہنچنے والی شدید ایذاؤں کے بعد فرمایا کہ میں نے تو اپنے ربّ کا پیغام پہنچادیا ہے اوراپنا فرض کماحقہٗ ادا کردیا ہے اور ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کی۔اگر اب بھی منہ موڑ رہے ہیں تو یادرکھیں کہ نتائج کے ذمہ دار یہ خود ہیں۔پس یہ اپنی سرکشی کی وجہ سے تباہ وبرباد ہوں گے اوراللہ تعالیٰ ان کی جگہ کسی دوسری قوم کو ان کا جانشین بنادے گا جو ایمان لے آئے گی۔فرمایاتم اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکوگے۔میرارب یقیناہر چیز پرمحافظ ہے۔وہ اپنے دین کی بھی حفاظت کرے گا اورمومنین کی بھی۔کفارمکہ کے لئے یہ ایک زبردست تنبیہ (Warning) تھی۔عادۃ اللہ بھی بتادی کہ انبیاء کا انکارکرنے والی قومیں صفحہ ہستی سے مٹادی جاتی ہیں اوران کی جگہ وہ قومیں ملک اورحکومت سنبھال لیتی ہیں جو ایمان لے آتی ہیں۔پھر اللہ تعالیٰ خود ان کا محافظ ہوجاتا ہے۔

مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۵۹ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

عذاب سخت سے اور یہ عاد تھے انکار کیا انہوں نے آیات کا اپنے رب کی

وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۶۰ وَ

اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور پیروی کی حکم کی ہر ظالم سرکش کی اور

۵۹۔غلیظ۔گاڑھا۔عذاب غلیظ۔ایساعذاب جس سے بوجہ گاڑھا وشدید ہونے کے نکل نہ سکیں۔

سورۃ الحاقہ۔سورۃ العنکبوت۔سورۃ الاحقاف۔سورۃ القمر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم عذاب شدید آندھی تھی جو سات راتیں اورآٹھ دن مسلسل ان پر چلتی رہی۔چونکہ یہ سرسبز علاقہ ریگستانوں میں گھرا ہوا تھا اس لئے ریت اور سنگریزوں نے درختوں اورمکانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اورسب کچھ ریت میں دب کر ریت کے ٹیلوں کی شکل اختیار کرگیا سورۃ المومنون میں ہے کہ ان کو سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کیا گیا عین ممکن ہے کہ ساتھ زلزلہ بھی آیا ہو۔یا آتش فشاں پہاڑ پھٹا ہو جس سے سخت آواز آئی ہو۔انبیاء اوران کی جماعتیں اللہ کی رحمتِ خاص سے ہمیشہ بچائی جاتی ہیں۔روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مع اپنے متبعین عذاب سے پہلے بحکم الٰہی اس جگہ سے ہجرت فرما گئے تھے۔آج کھدائی کے ذریعہ ان دبی ہوئی تہذیبوں سے پردہ اٹھایا جارہا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک اطالوی کمپنی نے کھدائی کی اورعاد کے حوالے سے انہوں نے وہ باتیں بتائیں کہ قرآن کریم کی بات سچ ثابت ہوئی۔بائیبل میں ایسا کوئی ذکرنہیں۔آج حقائق زمانہ قرآن کریم کو خود سچا ثابت کررہے ہیں۔حضور نے فرمایا کہ اہل علم احباب ان لوگوں کے ساتھ شامل ہوں اس لئے کہ جن لوگوں کو قرآن کریم کا علم ہی نہیں وہ کیسے نشان کو پہچانیں گے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۶۰۔عنید۔عند۔حد سے نکل جانا۔اسی سے عناد ہے۔عنید وہ ہے جو باوجود علم کے حق کا انکارکرے یہاں ایک نبی کے انکارکوکل نبیوں کا انکارکہا کیونکہ بنیادی تعلیم تمام انبیاء کی ایک ہی ہوتی ہے۔یہی وہ متکبرقوم عاد ہے جس نے خدائی نشانوں کوجھٹلایا،رسولوں کی نافرمانی کی،سخت جابر،سرکش اوردشمنانِ حق لوگوں کی پیروی کی جو باوجود علم کے حق کا انکار کرتے تھے اوریہی ان کے عذاب کا باعث ہوا۔

۶۱۔بُعد۔دوری۔لعنت اوربُعد رحمتِ الٰہی اورقربِ الٰہی سے دوری اورمحرومی ہے۔جس کا

اُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ

ان کے پیچھے لگا دی گئی اس دنیا میں لعنت اور بروز قیامت خبردار

ع ٥/١١ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦١﴾

یقیناً عاد نے کفر کیا اپنے رب کا خبردار ہلاکت ہے واسطے عاد کے جو قوم سے ہُود کی تھے

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور (بھیجا ہم نے) طرف ثمود کی بھائی ان کا صالح کہا اس نے اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ

نہیں تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اسکے اس نے پیدا کیا تم کو زمین میں اور

اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ

آباد کیا تم کو اس میں پس بخشش مانگو اس سے پھر رجوع کرو طرف اس کی یقیناً

رَبِّیْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا

رب میرا قریب ہے قبول کرنیوالا ہے انہوں نے کہا اے صالح یقیناً تھا تو ہم میں

نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بدقسمت قوم دنیا میں رحمتِ الٰہی سے دور ہوئی اور عذاب اس کا مقدر بنا۔ قیامت کو بھی یہ قربِ الٰہی سے محروم رہے گی۔ خبردار! اس قوم نے اپنے ربّ کا انکار کیا۔ جس ربّ نے اسے نہ صرف پیدا کیا بلکہ دنیوی آسائشوں اور اعلیٰ ترین نعمتوں سے نوازا۔ اسی ربّ کے احسانوں کی ناشکری کی۔ خبردار عاد کے لئے لعنت ہے جو قوم ھود تھی۔

٦٢۔ اس رکوع میں حضرت صالحؑ کا ذکر ہے جنہیں قوم ثمود کی طرف بھیجا گیا آپ کا تفصیلی ذکر سورۃ الاعراف رکوع ١٠ میں ہے آپ کا ذکر بھی دس سورتوں میں آیا سورۃ الاعراف رکوع ١٠۔ سورۃ الفجر۔ سورۃ النمل رکوع ٤۔ سورۃ العنکبوت رکوع ٤۔ سورۃ الشعراء رکوع ٨۔ سورۃ الذّٰریٰت رکوع ٢۔ سورۃ القمر رکوع ٢۔ سورۃ الحاقہ اور سورۃ البروج۔ آپ نے بھی تمام انبیاء کی طرح اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا۔

یوں تو ہر شخص کا خمیر مٹی سے بنا ہے لیکن حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کے تعلق میں تمثیلی رنگ میں معنی بیان فرمائے کہ زمین سے پیدائش کا مطلب یہ ہے کہ تم ادنیٰ تھے، زمینی تھے۔ دنیا کی نظروں میں حقیر و ذلیل تھے۔ خدا نے تمہیں اٹھایا۔ ترقی دی اور اعلیٰ ترین مقام تک پہنچا دیا۔ تمہیں تمام دنیا میں پھیلا دیا اور حکومت سے نوازا۔ ان عظیم الشان ذمہ داریوں کی وجہ سے استغفار کرو تا ان فرائض میں اگر کوئی کمی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ ان فضلوں کی وجہ سے بجائے متکبر بننے کے اس کی طرف جھکو تا کہ اور نوازے جاؤ۔ انبیاء کے زمانہ میں رحمتِ الٰہی بڑے

مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

امید کیا ہوا پہلے اس سے کیا تو روکتا ہے ہمیں اس سے کہ عبادت کریں ہم جس کی عبادت کرتے تھے باپ دادا ہمارے

وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٣﴾ قَالَ

اور یقیناً ہم البتہ شک میں ہیں اس سے تو بلاتا ہے ہمیں طرف جس کی بے چین کرنیوالے (شک میں) اس نے کہا

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ

اے قوم میری بتاؤ تو سہی اگر ہوا میں دلیل پر طرف سے اپنے رب کی اور دی ہو اس نے مجھے

جوش میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے قریب آجاتا ہے ان کی دعائیں سنتا اور جواب دیتا ہے۔ گویا کشوف والہام کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور منازلِ سلوک جن کے لئے لمبے مجاہدہ کی ضرورت ہوتی تھی دنوں میں طے ہونے لگتے ہیں۔ لیکن جہاں خدا تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ مومنین کے قریب آتا ہے وہاں اس کا غضب منکرین کے بھی قریب آجاتا ہے آیت ٦٥۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر لفظی معنی کئے جائیں تو انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے انسان کے جسم میں مٹی کے قریباً تمام اجزاء موجود ہیں۔ وہ مٹی کی طرح بہت سی معدنیات جیسے فولاد، چونا (کیلشیم) فاسفورس، نمکیات، پانی اور گیسوں وغیرہ کا مجموعہ ہے اور زندگی ابتدا میں نباتات کی صورت ہی پھوٹی ہے پھر انسان اپنے ارتقائی مراحل میں مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا اس صورت تک پہنچا ہے۔ رحم کے اندر جنین کی مختلف صورتیں ایک ارب سال کے انسانی ارتقاء کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ ایک وقت تھا کہ مچھلی سے مشابہت تھی۔ جانور سے مشابہت بھی ہوئی۔ اس کی دُم بھی تھی۔ جس کا نشان اب بھی موجود ہے۔ تاہم وہ شروع میں بھی انسان تھا اور اپنے تمام ارتقائی مراحل میں بھی انسان ہی رہا۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

٦٣۔ رجاء۔ امید۔ **مرجوًّا**۔ امیدوں کا مرجع۔ **ریب**۔ شک۔ **مریب**۔ شک لانے والا۔ **شک مُریب**۔ بے چین کر دینے والا شک۔

نبی کا ایک معیارِ صداقت اس کی دعویٰ نبوت سے پہلی زندگی بھی ہوتی ہے اور اسے اپنی قوم میں ایک خاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ قوم کی بڑی بڑی امیدیں اس سے وابستہ ہوتی ہیں۔ لیکن جونہی وہ خدا سے تعلق کا دعویٰ کرتا ہے، انہیں توحید کا پیغام دیتا ہے اور شرک سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے تو سب کی نظروں میں نعوذ باللہ سب سے بُرا ہو جاتا ہے اور اسی قوم کے غضب کا نشانہ بنتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امین وصدیق مشہور تھے اور

مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا

اپنی طرف سے رحمت پس کون مدد کریگا میری مقابلہ میں اللہ کے اگر نافرمانی کی میں نے اسکی پس نہیں

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ

بڑھاتے تم مجھے سوائے نقصان کے اور اے قوم میری یہ اونٹنی ہے اللہ کی

بلحاظ عقل ودانش، حکمت ودانائی، فہم وفراست، راست گوئی اورغریب پروری پورے مکہ میں ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ایک شخص کی خوبیوں اور خامیوں سے سب سے زیادہ واقف اس کی بیوی ہوتی ہے۔حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی پہلی وحی کو سن کر فوراً کہا کہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔سچ بولتے ہیں۔لوگوں کا بوجھ بٹاتے ہیں۔آپ ﷺ میں وہ خوبیاں موجود ہیں جو لوگوں میں نہیں پائی جاتیں۔آپ ﷺ مہمان نواز ہیں۔آپ ﷺ راستی کی راہ میں حائل تمام اسباب کو ختم کرکے اس راستی کی اعانت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! اللہ آپ ﷺ کو کبھی رسوانہیں کرے گا۔(صحیح بخاری باب بدء الوحی) اس سے بڑی گواہی اور کون سی ہوسکتی ہے؟ مورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے دعویٰ رسالت فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ مکہ سے باہر تھے۔واپسی پر ایک دوست کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اس کی لونڈی نے آکر کہا کہ آپ نے سنا کیا اندھیر ہوگیا، تیرا دوست پاگل ہوگیا ہے۔وہ کہتا ہے آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مجھ سے کلام کرتے ہیں۔آپ خاموشی سے اٹھے اور آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور اس بات کی تصدیق چاہی۔آپ ﷺ نے دلیل دینا چاہی لیکن حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں دلیل سننا نہیں چاہتا مجھے صرف یہ بتائیں کیا آپ ﷺ نے ایسا دعویٰ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے پھر سمجھانا چاہا حضرت ابو بکرؓ نے پھر وہی جواب دیا۔تیسری دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔اس پر حضرت ابو بکرؓ فوراً ایمان لے آئے اور کہا یارسول اللہ! میں دلیل سن کر ایمان نہیں لانا چاہتا آپ ﷺ کی زندگی میرے سامنے ہے اس کے بعد مجھے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔(دلائل النبوۃ للبیہقی جلد۲ صفحہ۱۶۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت)

۶۴۔ مکذبین انبیاء تو ہمیشہ یہ چاہتے ہیں کہ انبیاء پیغام حق پہنچانے سے باز رہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے ربّ نے تو مجھے اپنی جناب سے روشن دلیل اور رحمت خاصہ سے نوازا ہے۔اگر تمہاری منشا کے مطابق چلوں اور اپنے ربّ کی نافرمانی کروں تو اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب سے بچانے میں کون میری مدد کرے گا۔ایسی صورت میں تم مجھے سوائے گھاٹے میں ڈالنے کے کسی بات میں نہیں بڑھاؤ گے۔گویا تمہاری بات مان کر میں سراسر نقصان اٹھاؤں گا۔

لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

تمہارے لیے نشان پس چھوڑ دو اسے کھائے زمین میں اللہ کی اور نہ پہنچاؤ اسے

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۵﴾ فَعَقَرُوْهَا

کوئی برائی ورنہ پکڑے گا تم کو عذاب جلد آنے والا پس ٹانگیں کاٹ دیں انھوں نے

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ

اسکی پس فرمایا فائدہ اٹھاؤ اپنے گھر میں تین دن یہ وعدہ

غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۶﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ

نہیں جھوٹا پس جب آیا حکم ہمارا نجات دی ہم نے صالح کو اور

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ اسکے ساتھ رحمت کے اپنی طرف سے اور ذلت سے اس دن کی

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۷﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

یقیناً رب تیرا ہی قوت والا عزت والا ہے اور پکڑا ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا

الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ كَاَنْ لَّمْ

عذاب نے پس ہوگئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گویا کہ نہ

يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا

بسے تھے ان میں خبردار یقیناً ثمود نے کفر کیا اپنے رب کا خبردار ہلاکت ہے

۶۵ تا ۶۹۔ تفسیر کے لئے سورۃ الاعراف آیت ۷۴ تا ۸۰۔قوم ثمود کو تین دن کی مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کرلیں چونکہ بعض وعیدی پیشگوئیاں معلق ہوتی ہیں اور ٹل بھی جاتی ہیں اس لئے فرمایا کہ غیر مکذوب یعنی اس کے خلاف نہ ہوگا۔یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ صرف ایک اونٹنی کی ہلاکت پر اتنا عذاب کیوں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے مقربین کی اتنی غیرت ہوتی ہے کہ اکثر ایک نبی اور اس کے چند رفقاء کی وجہ سے پوری قوم نیست ونابود کردی جاتی ہے۔دوسری یہ کسی عام اونٹنی کی بات نہیں بلکہ وہ اللہ کے نشانوں میں سے ایک نشان تھی۔ حضرت صالحؑ کی تبلیغ کا واحد ذریعہ یہ اونٹنی تھی جس پر آپ تبلیغ کے لئے دور دور تک نکل جاتے۔اس کو مارنے کا مطلب آپ کی تبلیغ کو روکنا تھا۔پھر اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد حضرت صالحؑ کو مارنے کا ارادہ تھا۔ تین دن کی مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔پس ان کا نام و نشان ایسے مٹا گویا کبھی اس ملک میں رہتے ہی نہ تھے۔یعنی ان کی نسلیں ہی ختم ہوگئیں اور وہ گھر پھر کبھی آباد نہ ہوئے۔خبردار ثمود کے لئے لعنت ہے۔یعنی وہ رحمتِ الٰہی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔

ع ۸/۶

لِثَمُوْدَ ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى

واسطے ثمود کے اور یقیناً یقیناً لائے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری

قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ

انہوں نے کہا ہم سلام بھیجتے ہیں اس نے کہا سلام ہو پھر نہ دیر کی کہ لے آیا بچھڑا

بعض دفعہ عذاب اتنی تیزی سے آتا ہے کہ بھاگنا تو درکنار اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں بیان فرمایا کہ آثار قدیمہ کی کھدائی سے بعض لاشیں اس طرح نکلتی ہیں کہ کھانے کے لئے بیٹھے تو اسی طرح بیٹھے رہے۔ یا زمین پر گرے تو اٹھ نہ سکے۔ نشان اس لئے ہوتے ہیں کہ عبرت حاصل کریں۔ ان کھدائیوں سے بہت سے مزید نشان ظاہر ہوں گے جو انسان کی ہدایت کا موجب بنیں گے۔

۷۰۔ اس رکوع میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کا ذکر ہے۔

حنیذ ۔ دو گرم پتھروں کے درمیان گوشت رکھ کر پکانا کہ اس کی رطوبت نکل جائے۔ مراد بھنا ہوا۔

اس رکوع میں ترتیب کے لحاظ سے اور اس لحاظ سے کہ یہاں ان انبیاء کا ذکر ہے جن کے منکرین پر عذابِ استیصال آیا، حضرت لوطؑ کا ذکر ہے لیکن ضمناً حضرت ابراہیمؑ کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ موجودہ مضمون کے لحاظ سے قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کا ذکر حجر رکوع ۴ اور ذاریات رکوع ۲ میں ہے تاہم وہ دوسرا واقعہ ہے۔ بشارت لے کر آنے والوں نے **سلٰما** کہا یعنی سلامتی ہو جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے بہتر جواب دیا اور **سلٰمٌ** کہا کہ تم پر ہمیشہ سلامتی رہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے طریق مہمان نوازی بتلایا کہ بغیر پوچھے حسب استطاعت بہترین کھانا حاضر کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا فرشتے انسانی شکل میں دوسروں کو نظر آسکتے ہیں؟ ابن عباسؓ نے انہیں فرشتے کہا۔ (قرطبی) بعض مفسرین نے انسان کہا۔ حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہؓ بیٹھے تھے کہ ایک اجنبی آیا جس کے لباس وغیرہ پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقائدِ اسلام پوچھنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے گئے۔ جب وہ چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ جبریلِ امین تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے۔ (ترمذی کتاب الایمان۔ باب فی وصفِ جبریل النبی الایمان و الاسلام) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات فرشتے انسانی صورت میں آتے ہیں اور بعض مصلحتوں کے تحت انبیاء کے علاوہ دوسروں

حَنِيْذٍ ﴿۷۰﴾ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَ

بھنا ہوا پس جب اس نے دیکھا ان کے ہاتھوں کو کہ نہیں پہنچتے طرف اس کی او برا سمجھا انہیں اور

اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى

محسوس کیا طرف سے ان کی خوف انہوں نے کہا نہ ڈر یقیناً ہم بھیجے گئے ہیں طرف

قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۱﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

قوم لوط کی اور بیوی اس کی کھڑی تھی پس وہ ہنس پڑی پس خوشخبری دی ہم نے

بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۲﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى

اسے اسحٰق کی اور پیچھے اسحٰق کے یعقوب کی اس نے کہا اے افسوس مجھ پر

کو بھی کشفی رنگ میں نظر آجاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مریم کو بھی فرشتہ انسانی شکل میں نظر آیا اور اس نے حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی۔ حضرت جبریلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عموماً انسانی شکل میں آتے تھے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام عموماً دحیہ کلبیؓ کی صورت میں وحی لاتے تھے اور یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت آسان ہوتی۔ (بروایت حضرت عائشہؓ) (تفصیل کے لئے سورۃ النجم آیات ۴۔۵ ملاحظہ کریں)

۷۱۔ **نکرا**۔ نہ پہچانا۔ اجنبی۔ **تخف**۔ خاف۔ خوف۔

مہمانوں کا کھانا نہ کھانا حضرت ابراہیمؑ کو عجیب سا لگا۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں ان کا ارادہ خطرناک نہ ہو کھانا نہ کھانا بد ارادے کو ظاہر کرتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں جس کا نمک نہ کھالیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ آجکل والی نمک حرامی ابھی ناپید تھی۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو کہا کہ خوف نہ کریں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ یعنی بیشک آپ کا نمک نہیں کھایا مگر آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ پس ان کا کھانا نہ کھانا اس وجہ سے تھا کہ فرشتوں کو کھانے پینے کی حاجت نہیں۔

۷۲۔ **ضحکت**۔ وہ ہنسی۔ **ضحک**۔ ہنسنا۔ خوش ہونا۔ تعجب اور گھبراہٹ کے معنی بھی دیتا ہے۔ (اقرب ومفردات) آپ کا خوف بیشک دور ہو گیا لیکن قوم لوط کی تباہی بھی کم پریشان کن امر نہ تھا۔ آپ کی بیوی سارہ یہ سن کر بہت گھبرائی۔ ان کی تسلی کے لئے انہیں نہ صرف بیٹے بلکہ پوتے کی بھی خوشخبری دی۔ گویا بتا دیا کہ اللہ کو اپنی مخلوق کس قدر عزیز ہے اور اپنے انبیاء کا کس قدر پاس ہے۔ اگر ایک قوم اپنی بدبختیوں کی وجہ سے ہلاک ہو رہی ہے تو ساتھ ہی نیک نسلوں کی خوشخبریاں بھی دی جا رہی ہیں۔

۷۳۔ **ویل**۔ بُرے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ خرابی۔ **ویلتٰی**۔ افسوس۔ عرب تعجب

ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ

کیا جنوں گی میں حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا ہے یقیناً یہ البتہ بات ہے

عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ

عجیب انہوں نے کہا کیا تعجب کرتی ہے تو حکم پر اللہ کے رحمت اللہ کی اور

بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

برکتیں اس کی تم پر ہیں اے خاندان والو ۔۔۔ یقیناً وہ خوبیوں والا بزرگی والا ہے

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى

پس جب جاتا رہا ابرہیم سے ڈر اور آئی اس کے پاس خوشخبری

يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ

وہ جھگڑنے لگا ہم سے بارے میں قوم لوط کے یقیناً ابراہیم البتہ بردبار دردمند

مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ

جھکنے والا تھا اے ابراہیم اعراض کر اس سے یقیناً بات یہ ہے کہ ضرور آ گیا ہے

کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ **عجوز**۔ بڑھیا۔ بوڑھی عورت کو عجوز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اکثر کاموں سے عاجز آجاتی ہے۔ **بَعل**۔ زوج۔ خاوند یا بیوی۔

یہ خاص عورتوں والے الفاظ ہیں جو بے اختیار آپ کے منہ سے نکلے۔ آپ کا حیران ہونا قدرتی امر تھا۔ توریت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۹۹ سال تھی۔ حضرت سارہ بھی بہت ضعیف ہو چکی تھیں اور بظاہر اولاد ہونا ممکن نہیں تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسے ہی موقع پر انہیں الفاظ میں تعجب کا اظہار سورۃ الحجر ع ۴ میں کیا اور ساتھ ہی تشریح بھی کردی کہ میں رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں۔ پس یہ عظمت نعمت کا اظہار تھا۔

۷۴۔ یہاں اہل بیت سے بیوی مراد لی ہے جو واقعی گھر والی ہوتی ہے۔ اہل تشیع کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو ازواجِ مطہرات کو اہل بیت سے خارج کرتے ہیں۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ صاحبِ اولاد تھے۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہو چکے تھے اس لئے حضرت ابراہیمؑ کو براہِ راست خوشخبری نہیں دی۔ حضرت سارہ کو خوشخبری دی جو بے اولاد تھیں۔

۷۵۔۷۶۔ **روع**۔ دل۔ خوف اور گھبراہٹ بھی مراد ہے جو دل کو پہنچے۔ **اوّاہ**۔ جو خوف اور محبت سے بہت آہیں بھرتا ہو بہت ہی نرم دل۔ **منیب**۔ نوب۔ بار بار لوٹنا۔ منیب بار بار جھکنے والا۔ جھگڑنے سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا نہایت عاجزانہ اور محبوبانہ انداز سے اپنے ربّ کو منانا

اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾ وَ

حکم تیرے رب کا اور یقیناً وہ ایسے ہیں کہ آنیوالا ہے انہیں عذاب نہ لوٹایا جانیوالا اور

لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط کے پاس ناخوش ہوا وہ ان سے اور تنگ ہوا ان کی وجہ سے

ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ

دل میں اور کہا یہ دن سخت ہے اور آئے اسکے پاس لوگ اس کے

ہے کہ اس بگڑی ہوئی قوم کو کچھ مزید مہلت دے، شاید سنبھل جائے اور وجہ بھی بتادی کہ آپ حلیم الطبع، بے حد دردمند دل رکھنے والے اور اپنے ربّ کے حضور بار بار جھکنے والے تھے۔ گویا کسی قوم کی تباہی آپ کی برداشت سے باہر تھی۔

۷۷۔ حضرت ابراہیمؑ کے مقام عالی کا اندازہ اس آیت سے ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کے متعلق سوال کیا تو **فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم ط انی اعظک ان تکون من الجھلین** ٥ (آیت ۴۷)۔ کہا گیا۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ نے ایک دوسرے نبی کی مخاطب قوم کے متعلق سوال کیا بلکہ مجادلہ کیا تو کس پیار سے جواب دیا کہ **اعرض عن ھذا** یعنی اے ابراہیم! اس بات کو جانے دے۔ عذاب آ کر رہے گا۔

۷۸۔ **سیّ**۔ سوء۔ وہ چیز جو غم میں ڈالے۔ **سیٓ ء بھم**۔ ان کی وجہ سے مغموم ہوا۔ **ذرعا**۔ ذراع۔ ہاتھ۔ کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کے آخر تک۔ ذراع بمعنی طاقت بھی ہے۔ **ضاق بھم ذرعا**۔ اس معاملہ میں اس کی طاقت کمزور ہوئی۔ بے بس ہوا۔ **عصیب**۔ عصب۔ پٹھہ۔ مراد سخت۔ (تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف آیت ۸۰ تا ۸۵) حضرت لوطؑ کا ذکر اس مقام کے علاوہ اعراف رکوع ۱۰۔ حجر رکوع ۴، ۵۔ انبیاء رکوع ۵۔ شعراء رکوع ۹۔ نمل رکوع ۴۔ عنکبوت رکوع ۳، ۴۔ قمر رکوع ۲۔ میں بھی آیا ہے۔

بیشک قوم لوط کا سب سے بڑا گناہ ہم جنس پرستی کی لعنت تھا اور ان پر عذاب آنے کی بڑی وجہ بھی عادت خبیثہ تھی۔ اس کے علاوہ رہزنی اور اپنی مجالس میں منکرات کا ارتکاب بھی تھا۔ (سورۃ عنکبوت آیت ۳۰) انہوں نے حضرت لوطؑ کو کسی غیر معروف شخص کو لانے سے منع کیا تھا۔ (حجر آیت ۷۱) کیونکہ ان کی اپنی ہمسایہ اقوام سے لڑائی رہتی تھی۔ حضرت لوطؑ بھی غیر قوم سے تھے۔ لہٰذا انہیں ڈر تھا کہ اجنبیوں سے مل کر ہماری جاسوسی کریں گے یا ہمارے بدا عمال کی تشہیر ہوگی۔ حضرت لوطؑ

يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۚ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

دوڑتے ہوئے طرف اس کی اور پہلے سے تھے وہ کرتے برائیاں

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

اس نے کہا اے قوم میری یہ بیٹیاں ہیں میری یہ بہت پاکیزہ ہیں تمہارے لیے پس ڈرو اللہ سے

وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۹﴾

اور نہ ذلیل کرو مجھے مہمانوں میں میرے کیا نہیں تم میں سے کوئی آدمی ہدایت والا

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ

انہوں نے کہا یقیناً یقیناً جان لیا ہے تو نے نہیں ہمارے لیے بیٹیوں میں تیری کوئی حق اور یقیناً تو

لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۸۰﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ

البتہ جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں اس نے کہا کاش میرے لیے مقابلہ میں تمہارے طاقت ہوتی یا جگہ پکڑ تا ہیں

حضرت ابراہیمؑ سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر رہتے تھے۔ جب وہ رسول حضرت لوطؑ کے پاس آئے تو انہیں دیکھ کر آپ خوش نہیں ہوئے اور خود کو بہت بے بس محسوس کیا کیونکہ قوم نے اجنبیوں کو لانے سے منع کیا تھا۔ آپ اس قوم کی بداعمالیوں سے واقف تھے۔ وہ آپ کو اور آپ کے مہمانوں کو کچھ بھی نقصان پہنچا سکتے تھے۔

۷۹۔ **یھرعون**۔ ھرع۔ سختی سے ڈرا کر بھگانا۔ ان بدبختیوں کا دوڑتے ہوئے آنا ظاہر کرتا ہے کہ ان کی نیت ٹھیک نہیں تھی مہمانوں کو سزا دینا چاہتے تھے یا ان کے لئے برے خیال رکھتے تھے۔ مجاہد، قتادہ، ابن جریج وغیرہم نے میری بیٹیوں سے مراد قوم کی بیٹیاں لی ہیں۔ کیونکہ نبی بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔ ان میں حضرت لوطؑ کی اپنی دو بیٹیاں بھی شامل تھیں جوان لوگوں میں بیاہی ہوئی تھیں (عہد نامہ قدیم پیدائش باب ۱۹ آیت ۱۵) آپ نے ان کی بیویوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اور یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں (ابن جریر) پس آپ نے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرو۔ رسوا کرنے میں مہمانوں کے علاوہ حضرت لوطؑ کے ساتھ تحقیر آمیز سلوک کی طرف بھی اشارہ ہے۔ گویا تمہیں مہمانوں کی عزت کی کچھ پرواہ ہے نہ میری عزت کا خیال ہے اور نہ ہی قوم کی بہو بیٹیوں کی کچھ شرم ہے۔ آپ کا یہ پوچھنا کہ کیا تم میں کوئی بھی نیک آدمی نہیں، ظاہر کرتا ہے کہ پوری قوم ہی برائیوں میں ملوث تھی۔ کوئی ایک شخص بھی نیک نہیں تھا اسی لئے عذاب استیصال کی مستحق ٹھہری۔

۸۰۔ پہلے میری بیٹیاں کہہ کر اس بدکردار قوم کو غیرت دلائی کہ یہ قوم کی بہو بیٹیاں ہیں

اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۱﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ

طرف سہارے مضبوط کی انہوں نے کہا اے لوط یقیناً ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہیں

يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ

وہ پہنچیں گے طرف تیری پس لے چل اپنے گھر والوں کو حصہ میں رات کے اور نہ مڑ کر دیکھے

مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ

تم میں سے کوئی سوائے بیوی کے تیری یقیناً بات یہ ہے کہ پہنچنے والا ہے اسے جو پہنچے گا انہیں

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۲﴾

یقیناً وعدہ کا وقت ان کا صبح ہے کیا نہیں صبح قریب

جو تمہاری بیویاں ہیں۔ تمہارے ذمہ ان کے حقوق ہیں جنہیں تم ادا نہیں کر رہے۔ اجنبیوں پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ اس بے غیرت قوم نے اپنی بیویوں کو بیویاں نہیں کہا کیونکہ وہ ان کے حقوق سے دست بردار تھے بلکہ تمہاری بیٹیاں کہا کہ یہ تمہاری بیٹیاں ہیں۔ ہم ان کے متعلق کسی حق کے دعویدار نہیں۔ ہمیں ان کی کوئی حاجت نہیں۔ تو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہمیں کس چیز کی حاجت ہے۔

۸۱۔ رکن۔ مضبوط جانب۔ قوت۔ سہارا۔ ارکان جمع۔

پہلے بشری کمزوری کا اعتراف کیا کہ کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی تو میں ضرور تمہارا مقابلہ کرتا مگر فوراً ہی انبیاء کے طریق پر اللہ کی طرف جھک گئے اور کہا کہ میں اس کی پناہ لوں گا جو زبردست سہارا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمتیں ہوں حضرت لوط علیہ السلام پر یا یہ فرمایا کہ اس پر اللہ رحم کرے وہ بار بار ایک رکن شدید کی پناہ لیتے تھے اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے (ابن کثیر)

۸۲۔ آپ کا رکن شدید کی پناہ لینا گویا اللہ تعالیٰ کو مدد کے لئے پکارنا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے ظاہر کر دیا کہ ہم تیرے ربّ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس بدبخت قوم کا فیصلہ سنا دیا کہ یہ تمہیں ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور آپ مع اہل بچا لئے جائیں گے سوائے آپ کی بیوی کے۔ آپ کی بیوی اسی قوم سے تھی جو عذاب میں گرفتار ہوئی۔ انبیاء کی ہجرت تک عذاب استیصال ملتوی رکھا جاتا ہے۔ پو پھٹنے سے پہلے پہلے ہجرت کر جا۔ کوئی مڑ کر نہ دیکھے یعنی کوئی توجہ نہ کرے کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے۔ یہ لوگ اپنے مذموم ارادوں میں کس طرح ناکام رہے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ سورۃ القمر: ۳۸ میں ہے کہ اندھے ہو گئے۔ اندھے سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اپنے منصوبوں پر عمل کرنے سے معذور ہے۔ وہیں اس کی تفصیل آئے گی۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا
پس جب آیا حکم ہمارا کردیا ہم نے اوپر کا حصہ اس کا نیچے کا حصہ اس کا اور برسائے ہم نے
عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۸۳ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ
اس پر پتھر کنکروں سے تہ بہ تہ (جو) نشان زدہ (تھے) پاس
رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۸۴ وَاِلٰى مَدْيَنَ
تیرے رب کے اور نہیں وہ (بستی) ان ظالموں (کفارِ مکہ) سے ہرگز دور اور (بھیجا ہم نے) طرف مدین کی

ع ۵ النصف

۸۳۔۸۴۔ **سجّیل**۔ پتھر جس میں مٹی اور کنکر ملے ہوئے ہوں۔ کھنگر **منض**
نضد۔ ایک دوسرے کے اوپر رکھنا۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ تہ بتہ۔ **مسوّمۃ**۔ نشان
ہوئے۔ یعنی ازل سے ان پتھروں کے لئے یہی مقدر تھا کہ اس قوم کی تباہی کا موجب بنیں
صدیوں سے اسی مقصد کے لئے تیار ہو رہے تھے۔

قرآن کریم نے انہیں **موتفکات** کہا یعنی الٹائی ہوئی بستیاں۔ یہ تباہی ایک زبردست
سے ہوئی جس نے انہیں تہ وبالا کر دیا۔ ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور وہ صفحہ ہستی سے حرف غلط
طرح مٹا دیئے گئے۔ بحرمردار (Dead Sea) ان کی تباہی کی داستان آج بھی سنا رہا ہے۔ ظالموں
سے یہ عذاب دور نہیں۔ یعنی یہ محض قصہ نہیں بلکہ بطور پیشگوئی ہے۔ مکہ کے ظالموں سے بھی عذاب
دور نہیں۔ یہ بھی کہ یہ مقام عبرت ان ظالموں سے دور نہیں۔ یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس
کے مردوں کو عذاب ملنا چاہئے تھا عورتیں عذاب کی لپیٹ میں کیوں آئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ا
معاشرہ میں جہاں مرد اس قسم کی بے حیائیوں میں ملوث ہوں وہاں عورتیں بھی پاکباز نہیں رہ
الاماشاء اللہ۔ جیسا کہ آج اہل مغرب کا حال ہے۔ جو عورتیں ایمان لے آئی ہوں گی وہ یقیناً حضرت
لوطؑ کے ساتھ ہجرت کر کے اللہ کے وعدہ کے مطابق ضرور بچالی گئی ہوں گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ میری امت میں بھی کچھ لوگ وہ عمل کریں گے
جو قوم لوط کرتی تھی۔ جب ایسا ہونے لگے تو انتظار کرو کہ ان پر بھی ویسا ہی عذاب آئے گا جیسا
قوم لوط پر آیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیلؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے جابرؓ سے سنا
رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس چیز کے متعلق میں اپنی امت کے مبتلا ہونے سے س
سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ قوم لوط کا فعل ہے۔ (ترمذی جلد اوّل ابواب الحدود حدیث نمبر ۱۳۱۴) جبکہ
اس صدی میں جاوا، سینٹ میری، پمپائے، کیراپیٹو، کانگرہ اور کوئٹہ کے شدید زلزلے نیز پاکستان کے شمالی

علاقہ جات کے حالیہ شدید زلزلے اور ہیروشیما، ناگاساکی پر ایٹمی حملے خداتعالیٰ کے بڑے عذابوں میں سے تھے لیکن اب ایڈز کا عذاب افعالِ قومِ لوط کی سزا کے طور پر آیا جس نے مغربی ممالک کے ارباب اقتدار کو جھنجوڑ کر رکھ دیا جنہوں نے اس گناہ کو قانونی جواز دے رکھا تھا۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی قوم جنسی بے حیائی میں مبتلا ہو جائے یہاں تک کہ اس کو دکھانے میں فخر کرے۔ ان میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو پہلے کبھی نہیں پھیلی اور یہ عالمی تباہی ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں طاعون عالمی نہیں تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تذکرہ صفحہ ۷۰۵ میں تحریر فرمایا کہ عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی جو بہت سخت ہوگی۔ آج تمام مغربی ذرائع ابلاغ میں ایڈز کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ یہ ایک قسم کی طاعون ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہی کو دہرایا اور خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرمایا کہ اس وقت دنیا میں ایڈز کے مریض 3 کروڑ سے تجاوز کر چکے ہیں۔ یہ ایک لاعلاج مرض ہے اس کی علامتیں شروع میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ مریض لاشعوری طور پر اپنے خون اور جنسی تعلقات سے اس مرض کو دوسروں میں منتقل کرتا رہتا ہے۔ غیر فطری جنسی تعلق رکھنے والوں میں ایڈز کی بیماری ہونے کا سو فیصد چانس ہوتا ہے۔ یہ بیماری جنسی بے راہروی، بیمار مرد یا عورت کے دوسروں سے جنسی تعلقات اور بیمار کے خون سے پھیلتی ہے۔ مختلف جنسی امراض کے شکار اور نشہ کے عادی افراد ایڈز سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ یہ بیماری ماں سے اولاد میں منتقل ہوتی ہے۔ چونکہ یہ مرض خون کے ذریعے پھیلتا ہے اس لئے آلات جراحی، ڈینٹل اوزار، حجام کے استرے، ناخن اتارنے والے اوزار، کان ناک چھید نے والے اوزار اور تھرمامیٹر وغیرہ بھی اس کے پھیلاؤ کا ذریعہ ہیں۔

شروع میں اس مرض کی علامتیں کینسر کی علامتوں سے مشابہ ہوتی ہیں مثلاً وزن کا اچانک کم ہو جانا، ایک ماہ سے زائد مسلسل بخار، کھانسی، اسہال یا پیچش وغیرہ کا ہونا، جسم پر بڑے بڑے سرخ دھبے نمودار ہونا، زخم کا جلد ٹھیک نہ ہونا، اعصابی کمزوری اور پٹھوں میں مسلسل درد رہنا۔

اس مرض کا وائرس مریض کے جسم سے کسی بھی رطوبت کے اخراج (Secretion) جیسے تھوک، پیشاب، پسینہ اور آنسو وغیرہ میں بھی ہوسکتا ہے لیکن یہ بیماری کے پھیلاؤ کا ذریعہ نہیں بنتا۔ اس لئے مریض کے ساتھ رہنے، اکھٹے کھانے پینے، ہاتھ ملانے، معانقہ کرنے، ایک غسل خانہ اور لیٹرین استعمال کرنے، ایک دوسرے کے کپڑے، تولیے، برتن اور دیگر اشیاء استعمال کرنے کھانسنے، چھینکنے، مریض کو خون دینے اور اس کی عیادت کرنے سے یہ مرض نہیں پھیلتا اور نہ اس مرض کے

اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

بھائی ان کا شعیب اس نے کہا اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْ

خدا سوائے اس کے اور نہ کم کرو ماپ اور تول یقیناً میں

اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۵﴾

دیکھتا ہوں تم کو خوشحالی میں اور یقیناً میں ڈرتا ہوں تمہارے متعلق عذاب سے دن گھیرنے والے کے

وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا

اور اے قوم میری پورا کرو ماپ اور تول ساتھ انصاف کے اور نہ کم دو

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

لوگوں کو چیزیں ان کی اور نہ فساد کرو زمین میں مفسد بن کر

جراثیم ہوا میں زندہ رہتے ہیں۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے۔

۸۵۔ **خیر** کا لفظ مال کثیر کے لئے آتا ہے۔**بخیر**۔مالدار۔

اس رکوع میں ایک دوسری ظالم قوم کا ذکر کیا جس پر عذاب استیصال آیا۔یہ حضرت شعیب کی قوم تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق یہ وہ شعیب نامی بزرگ نہیں تھے جن کے پاس مدین میں حضرت موسیٰؑ ٹھہرے اور جن کی بیٹی سے آپ نے نکاح کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد کے انبیاء میں سے ہیں۔جو حضرت موسیٰؑ سے پہلے گزرے۔تشریح کے لئے سورہ الاعراف رکوع ۱۰۔حضرت شعیبؑ اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے اور پیغام توحید کے ساتھ ہی ان کی ایک اہم اخلاقی خامی کی طرف توجہ دلائی۔بوجہ تاجر قوم ہونے کے یہ لوگ ماپ تول میں کمی کی عادت بد میں مبتلا تھے۔فرمایا بیشک اس وقت تم مالی لحاظ سے ایک متمول قوم ہو اور خوشحال زندگی گزارتے ہو لیکن میں تمہیں ایک ایسے عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گا اور تم اس عذاب سے بچ کر نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاؤ گے گویا تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔یہ قوم سمندر کے کنارے آباد تھی وہاں گھنے درخت تھے اس لئے اسے اصحاب الایکہ بھی کہا گیا۔اس سورۃ کے علاوہ سورۃ الاعراف رکوع ۱۰۔سورۃ الحجر رکوع ۵۔سورۃ الشعراء رکوع ۱۰ میں بھی اس قوم کا ذکر ہے۔

۸۶۔(تفصیل سورہ الاعراف آیت ۸۶) ماپ تول میں کمی صرف اشیاء کے لین دین تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں حق تلفی مراد ہے۔رقم کے مطابق مال پورا یا معیاری نہ دینا۔ معاوضہ کے مطابق کام نہ کرنا گویا حقوق العباد میں کمی کرنا۔اسی طرح نماز یا دوسرے ارکان دین کو

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ

باقی رکھا ہوا اللہ کا بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم ایماندار اور نہیں

اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۷﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ

ہوں میں تم پر نگران/حافظ انہوں نے کہا اے شعیب! کیا نماز تیری

تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ

حکم دیتی ہے تجھے کہ چھوڑ دیں ہم جس کی عبادت کرتے تھے باپ دادا ہمارے یا یہ کہ کریں ہم

اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۸﴾

مالوں میں اپنے جو چاہیں یقیناً تو البتہ بردبار ہدایت والا ہے

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ

اس نے کہا اے قوم میری کیا بتاؤ تو سہی اگر ہوا ہوں میں دلیل پر طرف سے رب کے اپنے اور

رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى

اس نے رزق دیا مجھے طرف سے اپنی رزق اچھا اور نہیں ارادہ کرتا میں کہ مخالفت کروں تمہاری

کماحقہ ادانہ کر کے حقوق اللہ میں کمی کرنا۔پس حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں کمی اس میں شامل ہے۔جس کا نتیجہ زمین میں فساد اور بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۸۷۔ **بقیت اللّٰہ**۔ اللہ کا باقی چھوڑا ہوا۔ اللہ کی دی ہوئی بچت۔

پہلے لین دین میں انصاف کا حکم دیا۔اب بتایا کہ یہی کافی نہیں تو بلکہ جائز طریق سے حاصل کیا ہوا مال جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کے بعد باقی بچے وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ یہاں منافع کو خدا کا بقیہ کہا یعنی تجارت میں جو جائز منافع بچتا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ جو نیک روایات پرانے زمانہ سے چلی آ رہی ہیں ان پر عمل کرنا بھی تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ بنیادی سچائیاں ہمیشہ ایک جیسی ہوتی ہیں۔ہاں اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو اس تباہ کن عذاب میں میں تمہاری ہرگز کوئی مدد یا حفاظت نہیں کر سکتا۔

۸۸۔انہوں نے آپ کی نماز کو نشانہ تمسخر بنایا کہ کیا تیری نماز تجھے یہی حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے اموال اپنی منشا کے مطابق خرچ کرنا بھی چھوڑ دیں۔ ہمیں اپنے اموال پر بھی اختیار نہ رہے گویا کس ڈھٹائی سے دوسروں کے اموال کو اپنا کہہ رہے ہیں۔بطور استہزا کہا کہ اچھا سمجھدار آدمی ہے کہ ہمارے مذہب کے ساتھ ہمارے ذاتی معاملات میں بھی دخل اندازی کرتا ہے۔

مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ
اس میں کو منع کرتا ہوں تم کو اس سے نہیں چاہتا میں مگر اصلاح جہاں تک طاقت رکھتا ہوں میں
وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۹﴾
اور نہیں توفیق میری مگر ساتھ اللہ کے اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور طرف اسی کی جھکتا ہوں میں
وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ
اور اے قوم میری نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی میری اس پر کہ پہنچے تم کو مانند اس کی جو
اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا
پہنچا قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو اور نہیں
قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۹۰﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ
ہے قوم لوط تم سے ہرگز دور اور بخشش مانگو رب سے اپنے پھر

۸۹۔بددیانت اقوام یہ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ ایمانداری سے بھی اتنا منافع حاصل ہوسکتا ہے اورکوئی بے غرض ہوکر بھی کسی کا بھلا چاہتا ہے۔ان کا خیال تھا کہ ہمیں بے ایمانی اور بددیانتی سے روک کراور ہماری تجارت خراب کرکے اسی طریق سے اپنی تجارت بڑھانی چاہتا ہے۔اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں۔بُرے بھلے کی تمیز بخوبی کرسکتا ہوں۔تمہاری طرح ایک تاجر ہونے کے باوجود میرے ربّ نے مجھے پاکیزہ رزق سے نوازا ہے۔یعنی میرے رزق میں ہرگز کسی بے ایمانی یابددیانتی کی ملاوٹ نہیں۔پس تم بھی صاف ستھری تجارت سے رزق حلال حاصل کرسکتے ہواور ہرگز گھاٹے میں نہیں رہو گے۔جس بات سے میں تمہیں روکتا ہوں اس بات کے خلاف خود کیسے کرسکتا ہوں۔یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہیں دھوکہ دہی اور بددیانتی سے روک کرخود انہی طریق سے اپنی تجارت چمکاؤں۔ میری مقدور بھر یہی کوشش ہے کہ تمہاری اصلاح ہوجائے۔یہ اللہ کے فضل سے ہی ممکن ہے ورنہ میری توفیق اتنی ہی ہے جتنی اللہ نے مجھے دی۔ میں اپنی توفیق سے بڑھ کر تمہاری اصلاح کے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔ اسی پر مجھے بھروسہ ہے، ہر مشکل اور مصیبت میں میں اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

۹۰۔لایجرمنکم۔ تمہیں مجرم نہ بنادے۔تمہیں خدا سے کاٹ نہ دے۔

انبیاء سے دشمنی کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ اب میری دشمنی تم سے کوئی ایسا کام نہ کروادے کہ گزشتہ مکذبین انبیاء پرنازل ہونے والا عذاب تم پر بھی وارد ہو۔قوم لوط کی تباہ شدہ بستیاں توتم سے کچھ بھی دورنہیں اورنہ انہیں گزرے ہوئے زیادہ عرصہ ہوا۔اس سے بھی اندازہ ہوتا

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۱﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا
توبہ کرو اس کے حضور یقیناً رب میرا بہت رحم کرنیوالا بہت محبت کرنیوالا ہے کہا انہوں نے اے شعیب نہیں
نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ
سمجھتے ہم بہت کچھ اس سے جو تو کہتا ہے اور یقیناً ہم البتہ دیکھتے ہیں تجھے اپنے میں ضعیف (کمزور)
وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۲﴾
اور اگر نہ ہوتا قبیلہ تیرا البتہ پتھراؤ کرتے ہم تجھے اور نہیں ہے تو ہم پر ہرگز غالب
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ
اس نے کہا اے قوم میری کیا قبیلہ میرا زیادہ معزز ہے تم پر بہ نسبت اللہ کے اور بنالیا ہے تم نے اُسے

ہے کہ حضرت لوط ؑ کے جلد بعد ہی حضرت شعیب ؑ مبعوث ہوئے اور یہ حضرت موسیٰ ؑ کے ہم عصر شعیب نہیں تھے جو مدین کے ایک بزرگ تھے۔

۹۱۔اب ان عذابوں سے بچاؤ کا طریق بھی بتادیا جو ہر نبی کی تعلیم کے ساتھ لازم ہے یعنی استغفاراور توبہ۔استغفاراور توبہ سے اللہ کی دونوں صفات رحم اور وُدّ جوش میں آکر بندے کو تھام لیتی ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب انسان کوئی غلطی کرتا ہے اور خداتعالیٰ کے کسی حکم اورقانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تووہ غلطی اورکمزوری اس کی راہ میں روک ہوجاتی ہے اور یہ عظیم الشان فضل سے محروم کیا جاتا ہے۔اس لئے اس محرومی سے [illegible] کے لئے یہ تعلیم دی کہ استغفارکرو۔۔۔۔۔ گویا پچھلی کمزوریوں کو عمداً ہوں یاسہوًا نہ کرنے کا عہد کرو تا اللہ تعالیٰ آئندہ کے لئے غلط کاریوں کے بدنتائج اور بد اثر سے اور بدیوں کے جوش سے محفوظ فرماوے، یہی استغفار ہے۔استغفار کے بعد توبہ ہے(آیت ۵۳) گویا کلی طور پر خدا کی طرف جھک جائے۔ (الحکم ۲۶ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ۲۔۳ سے استفادہ کیا گیا)

۹۲۔رھط۔ قبیلہ۔ برادری۔

انبیاء کی تعلیم نہایت سہل اورعام فہم ہوتی ہے چونکہ کفارانہیں معمولی اورکمزورآدمی سمجھتے ہیں اسلئے غورنہیں کرتے البتہ ان کے قبیلوں سے ڈرتے ہیں۔حضرت شعیب ؑ کا قبیلہ طاقتور تھااس لئے کفار ڈرتے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی بظاہران کے قبیلے کی وجہ سے ہی ہاتھ ڈالنے سے بازرہے۔ بعض صحابہؓ کو بھی ان کے قبیلوں کی وجہ سے تکلیف نہیں دے سکتے تھے۔اسی لئے غلاموں اور کمزوروں پر شدید مظالم توڑے۔

۹۳۔انبیاء کو قبیلوں کی پرواہ نہیں ہوتی ۔خدا کے مقابل قبیلے کا سن کرسخت غیرت آئی کہ کیا

وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۚ إِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَ
پیچھے پیٹھ کے پیچھے پھینکا ہوا یقیناً رب میرا اُسے جو تم کرتے ہو گھیرنے والا ہے اور
يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنِّيْ عَامِلٌ ۚ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ
اے قوم میری عمل کرو جگہ پر اپنی یقیناً میں عمل کرنے والا ہوں عنقریب تم جان لو گے
مَنْ يَّأْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۚ وَ
کہ کون ہے کہ آویگا اُسے عذاب جو ذلیل کریگا اُسے اور کون ہے جو جھوٹا ہے اور
ارْتَقِبُوْا إِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا
انتظار کرو یقیناً میں ساتھ تمہارے انتظار کرنے والا ہوں اور جب آیا حکم ہمارا نجات دی ہم نے
شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ
شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ اسکے ساتھ رحمت کے طرف سے اپنی اور پکڑا
الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
ان لوگوں کو جنھوں نے ظلم کیا عذاب نے پس وہ ہو گئے گھروں میں اپنے
جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ
گھٹنوں کے بل گویا کہ نہ بسے تھے ان میں خبردار ہلاکت ہے واسطے مدین کے
ع ۱۲ ۸ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا
جیسا کہ ہلاک ہوئے ثمود اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے موسیٰ کو ساتھ آیات کے اپنی

میرا قبیلہ تمہارے نزدیک خدا سے زیادہ طاقتور اور قابل عزت ہے کہ خدا کو پس پشت ڈال کر قبیلے سے ڈرتے ہو۔ اس گستاخی کی سزا ضرور ملے گی۔ میرا ربّ تمہارے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یعنی تمہاری تجارتیں وغیرہ سب عذاب کی نذر ہو جائیں گی۔

۹۴۔ **الرقیب** صفت باری تعالیٰ ہے نگہبان۔ انتظار کرنے والا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ جب یہ خیال کرو گے کہ اللہ رقیب و بصیر ہے تو ہر گناہ سے بچ جاؤ گے۔ (حقائق القرآن جلد دوئم) صداقت رسول کو پرکھنے کی ایک زبردست پہچان بتائی کہ مدعی اگر صادق ہے تو مخالفین پر ورنہ مدعی پر خدا کا عذاب ضرور وارد ہوتا ہے اور وہ اس سے بچ نہیں سکتے۔

۹۵۔۹۶۔ عموماً آتش فشاں پھٹنے سے ایک زبردست آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس شدید زلزلہ سے یہ قوم تباہ ہوئی۔ (تشریح سورۃ الاعراف آیت ۹۲ تا ۹۴)

۹۷۔۹۸۔ اس رکوع میں مختصر طور پر حضرت موسیٰ اور فرعون کا ذکر ہے۔ پھر شقی وسعید دونوں

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْا أَمْرَ
اور غلبہ کھلے کھلے کے طرف فرعون اور سرداروں کے اسکے پس پیروی کی انہوں نے حکم کی
فِرْعَوْنَ ۚ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ
فرعون کے اور نہ تھا حکم فرعون کا ہرگز درست آگے آگے ہوگا قوم کے اپنی
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ
بروز قیامت پس وارد کرے گا انہیں آگ پر اور بُرا ہے گھاٹ
الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَأُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ
جس پر لاکر کھڑا کیا گیا اور پیچھے لگائی گئی انکے اس (دنیا) میں لعنت اور بروز قیامت

گروہوں کا ذکر اور ان کا انجام بتایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ سورۃ بقرہ کے علاوہ سورۃ الاعراف آیت ۱۰۴ سے رکوع ۲۱ تک تفصیل سے درج ہے۔ یہاں سورۃ کے مضمون کے لحاظ سے صرف وہ حصہ بیان فرمایا جو فرعون اور قومِ فرعون کی سزاؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ بنی اسرائیل ایمان لے آئے اور نعمتوں سے نوازے گئے اس لئے ان کا ذکر چھوڑ دیا۔ فرمایا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ بیشک فرعون کچھ دنیوی علوم میں ماہر تھا لیکن جب علومِ روحانی اور خداشناسی کی طرف حضرت موسیٰ نے بلایا تو اس کے سرداروں نے ان علوم میں بھی فرعون کے حکم کی ہی پیروی کی حالانکہ اس معاملہ میں وہ بالکل ناواقف تھا۔ اس کی رائے درست نہیں تھی۔ **سلطٰن مبین** عصائے موسیٰ تھا یہی وہ روشن دلیل تھی جس سے فرعون اور قوم فرعون مرعوب ہوئی اور آپ کے مقابلہ میں عاجز ٹھہری۔

۹۹۔ **یقدم**۔ قدم۔ آگے نکلنا۔ یقدم۔ آگے آگے لے کر چلے گا۔ **وَرَدَ**۔ وہ پانی کو پہنچا۔ پانی پر پہنچنے پر آتا ہے **اوردھم**۔ ان کو پانی یا گھاٹ پر پہنچائے گا۔ **ورد**۔ وہ لوگ جو پانی پر پہنچتے ہیں۔ گھاٹ کے لئے بھی آتا ہے۔ قرآن کریم کا کوئی مقرر کردہ حصہ پڑھنا بھی **ورد** ہے۔ گویا روحانی پانی تک پہنچنے کا ذریعہ۔ **مورود**۔ پہنچائے گئے۔ **وارد** آگے چلنے والا جو پانی لاتا ہے۔ **فارسلوا واردھم** (یوسف۔۲۰)

قیامت کو نیک اور بد اپنے اپنے رہنماؤں کے پیچھے ہوں گے جو جنت یا دوزخ تک ان کی پیشوائی کریں گے چونکہ فرعون نے دنیا میں اپنی قوم کی غلط رہنمائی کی اور انہیں ہلاکت کی طرف لے گیا۔ قیامت کو بھی اپنی قوم کی پیشوائی کرے گا اور بجائے پانی کے انہیں آگ کے گھاٹ پر لا اتارے گا اور بہت ہی برا ہے وہ گھاٹ جس پر وہ اتارے جائیں گے۔

بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۱۰۰﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى

کیا ہی بُری ہے بخشش جو بخشی گئی یہ خبر(یں) ہیں بستیوں کی

نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ

ہم بیان کرتے ہیں اُسے تجھ پر بعض ان میں سے قائم ہیں اور (بعض) کٹی ہوئی ہیں اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر و

لٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ

لیکن ظلم کیا انہوں نے جانوں پر اپنی پس نہ کفایت کی ان سے معبودوں نے ان کے جنہیں

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَ

وہ پکارتے تھے سوائے اللہ کے کچھ بھی جبکہ آیا حکم رب کا تیرے اور

مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ

نہ بڑھایا (معبودوں نے) انکو سوائے ہلاک کرنے کے اور اسی طرح پکڑ ہے رب کی تیرے جب

۱۰۰۔ **رِفد**۔ عطیہ۔ انعام۔ **مرفود**۔ انعام جو دیا گیا۔

وہ لوگ جو اپنی عقل وفہم استعمال نہیں کرتے اور گمراہ لوگوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، دنیا میں بھی خدا سے دور رہتے ہیں اور آخرت میں بھی دور ہی رہیں گے۔ یہ لعنت ایک بدترین انعام ہوگا جو انہیں ملے گا۔ طنز کے طور پر سزا کو انعام کہا۔

۱۰۱۔ **حصید**۔ **حَصَد**۔ درانتی سے کاٹنا۔ کاٹنا۔ **حصید**۔ کٹا ہوا۔

یہ ان بستیوں کے کچھ قصے ہیں جو اپنے رسولوں کے انکار کی وجہ سے تباہ ہوئیں۔ ان میں سے بعض تو ابھی تک آباد ہیں جیسے اہل مصر وغیرہ اور بعض کے نام ونشان تک مٹ گئے جیسے عاد وثمود وغیرہ کی بستیاں۔

۱۰۲۔ **تتبیب**۔ تبّ۔ گھاٹا۔ ہلاکت۔ سورۃ اللّہب میں بھی **تَبّت** ہلاکت کے لئے آیا ہے۔

ان اہل بلاد کی ہلاکت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان پر اللہ نے ظلم کیا۔ نہیں بلکہ انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ انہیں یہ زعم تھا کہ مصیبت کے وقت ان کے باطل معبود ان کی مدد کریں گے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہندہ نے تسلیم کیا کہ بتوں نے ہماری کوئی مدد نہ کی۔ ان کے جھوٹے معبود بعض دنیوی سہارے بھی تھے جن پر توکل کئے بیٹھے تھے۔ اس لئے وہ سرکشی اور شرارت میں بڑھتے چلے گئے لیکن جب حکم عذاب آیا تو وہ ان کے کچھ کام نہ آئے۔ ان کی وجہ سے انہیں فائدہ

اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۳﴾

پکڑتا ہے بستیوں کو جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں یقیناً پکڑ اس کی دردناک ہے سخت

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ

یقیناً اس میں البتہ نشان ہے اس شخص کے لیے جو ڈرا عذاب آخرت سے یہ

يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۴﴾

دن ہے جمع کئے جانیوالے ہیں اس کے لیے لوگ اور یہ دن حاضر کیا جانیوالا ہے

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۵﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ

اور نہیں ہم پیچھے کرتے اُسے مگر واسطے میعاد مقررہ کے جس روز وہ (دن) آئیگا نہیں کلام کریگا

تو کچھ نہ ہوا البتہ ہلاکت اور تباہی میں اضافے کا باعث ضرور بنے۔ پس عذاب کا سبب خود ان کے اعمال تھے جن میں تکذیب انبیاء، شرک اور دوسرے افعال شنیعہ شامل تھے۔

۱۰۳۔ بتایا کہ عذاب اور ہلاکت کچھ انہیں انبیاء کے مکذبین کے لئے خاص نہیں۔ تاریخ ہمیشہ خود کو دہراتی ہے۔ جب بھی دنیا میں ظلم وزیادتی حد سے بڑھتی ہے تیرے رب کی پکڑ اسی طرح دردناک اور شدید ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو بھی ظلم کہا۔ مخالفین رسول کو بھی انتباہ تھا کہ اپنے افعال وکردار سے ان ہلاکتوں کو دعوت نہ دو۔

۱۰۴۔ اس دنیا کے عذاب میں ان کے لئے نشان عبرت ہے جو عذاب آخرت سے ڈرتے ہیں یعنی مومنین کے لئے۔ جب یہ عذاب اتنا شدید ہے تو اس کی شدت کیسی ہوگی؟ جس طرح دنیا کے عذابوں میں خداتعالیٰ کی خاص حکمتوں کے تحت بندوں کی بہتری مقصود تھی، ظلم یا ناانصافی نہیں تھی۔ اسی طرح آخرت کی سزا میں بھی بندوں پر ظلم وزیادتی نہیں ہوگی۔ وہاں پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ تمام اولین وآخرین کو جمع کیا جائے گا اور انہیں صفائی کا پورا پورا موقع دیا جائے گا۔ سب کی حاضری میں عدل وانصاف سے فیصلہ ہوگا۔ دنیا میں کوئی جج یا قاضی کیسا ہی عادل اور خدا ترس ہو اس کے فیصلہ میں غلطی کا امکان ہے کیونکہ وہ مجرم کے پس منظر (Back ground) سے بہت حد تک ناواقف ہوتا ہے کہ اس جرم میں اس کا اپنا حصہ کتنا ہے۔ آباء واجداد کی طرف سے وراثتی اوصاف کہاں تک اس کی زندگی پر اثر انداز ہوئے۔ اس کے والدین کا اپنا نمونہ، تربیت نیز ماحول اور معاشرہ کا کتنا دخل ہے۔ ان تمام عوامل کو مدنظر رکھ کر انصاف کرنا صرف احکم الحاکمین سے ہی خاص ہے۔

۱۰۵۔ دنیوی عذاب بیشک ٹل جاتے ہیں لیکن قیامت کا وقت اٹل ہے جو بدل نہیں سکتا۔

نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ۚ فَمِنۡہُمۡ شَقِیٌّ وَّسَعِیۡدٌ ﴿۱۰۶﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ

کوئی شخص مگر اجازت سے اس کی سو بعض ان میں سے بدبخت ہونگے اور بعض نیک بخت پس وہ لوگ جو

شَقُوۡا فَفِی النَّارِ لَہُمۡ فِیۡہَا زَفِیۡرٌ وَّشَہِیۡقٌ ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِیۡنَ

بدبخت ہوئے سو آگ میں ہوں گے انکے لیے اس میں چلانا اور اونچی آواز سے رونا ہے وہ پڑنے والے ہیں

فِیۡہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ

اس میں جب تک رہیں گے آسمان اور زمین مگر جو چاہے رب تیرا

اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۰۸﴾ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ سُعِدُوۡا فَفِی

یقیناً رب تیرا کرنے والا ہے اُسے جو ارادہ کرتا ہے اور وہ لوگ جو نیک بخت کئے گئے سو

ہاں ایک مدتِ مقررہ تک کے لئے اسے ملتوی کر رکھا ہے۔

۱۰۶۔ **شقی** سعید کی ضد ہے۔ ''سعید وہ ہے جسے ایسے اعمال بجالانے کی توفیق ملی جو فیوض و برکات الٰہی کے انوار کے جاذب بنے۔'' (حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔حکم جلد۱۲ نمبر ۲۴ مورخہ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳) جبکہ ''شقی وہ ہے جو اپنے مطالب میں کامیاب نہ ہو۔'' (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ضمیمہ اخبار بدر قادیان جلد ۸ نمبر ۹ مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۹ء)

اب قیامت کی کچھ ہولناکیوں کا ذکر کیا کہ اس عدالت عالیہ میں بجز اذنِ الٰہی کوئی شخص بولنے کا مجاز نہ ہوگا۔دونوں گروہوں کا ذکر کیا کہ بعض بدبخت ہوں گے اور بعض خوش نصیب۔

۱۰۷۔ **زفیر**۔گدھے کی آواز کے پہلے حصے کو **زفیر** اور پچھلے کو **شھیق** کہتے ہیں۔مصیبت میں چیخنا چلانا۔

یہاں دوزخیوں کی آواز کو گدھے کی آواز سے مشابہت دی۔قرآن کریم نے دوجگہ گدھے کی مثال دی ہے۔پہلی مثال سورۃ جمعہ ع ۱ میں دی کہ جس طرح گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں تو اسے ان کی افادیت کا علم نہیں ہوتا۔اسی طرح بعض عالم علم کا بوجھ اٹھانے کے باوجود اسے سمجھنے، اس کا عرفان حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔دوسری مثال سورہ مدثر ع ۲ میں گدھے کی بزدلی کی دی اس میں اشارہ ہے کہ پیغامِ حق کو قبول کرنے کے لئے دلیری کی ضرورت ہے جب سمجھ آجائے تو پھر کسی کی پروانہ کرلے۔یہی دو چیزیں قبولِ حق میں مانع ہوتی ہیں۔علم حاصل ہونے کے باوجود سمجھنے کی کوشش نہ کرنا اور جب سمجھ آجائے تو بزدلی دکھانا اور قبول نہ کرنا کیونکہ حق کا قبول کرنا گویا موت کو قبول کرنا ہے۔

۱۰۸۔ اس آیت کے شروع میں جو الفاظ دوزخیوں کے لئے آئے وہی آیت: ۱۰۹ کے

شروع میں جنتیوں کے لئے آئے۔سوائے آخری حصہ کے۔قرآن کریم میں دوزخیوں کے لئے **خٰلدین** کا لفظ آئے تو وہ مدت دراز کے لئے ہے جب یہی لفظ جنتیوں کے لئے آئے تو وہ ہمیشگی کا مفہوم دیتا ہے۔ان آیات (۱۰۸۔۱۰۹) کے تعلق میں بیشک آئمہ سلف کی تفاسیر بھی درست ہیں لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں ان آیات کی نہایت لطیف تشریح فرمائی۔جس کا مفہوم یہ ہے۔

دنیا لاتعداد دفعہ ارتقاء کے مختلف مراحل سے گزر کر نقطۂ عروج تک پہنچی اور زوال پذیر ہوئی۔کئی آدم آئے اور کئی قیامتیں برپا ہوئیں۔اس لئے یہ نہیں کہا کہ زمین و آسمان مٹ جائیں گے پھر قیامت ہوگی۔بلکہ ایک انسانیت کی صف لپیٹ دی جائے گی۔انسان ختم ہوجائیں گے۔زمین خالی ہوجائے گی۔ان کے لئے قیامت آجائے گی اور مرنے والوں کی سزا و جزاء کا دور شروع ہو جائے گا۔حالانکہ زمین و آسمان قائم ہوں گے۔جب تک کائنات اپنی تمام عمر کو نہ پہنچ جائے اس وقت تک جہنم و جنت قائم رہیں گے۔البتہ کائنات کے آخری نقطۂ زوال تک پہنچنے سے پہلے تک جہنم ختم ہو جائے گی۔زمین و آسمان کے ختم ہونے کے بعد بھی جنت رہے گی۔جنت کے وعدے میں **عطآء غیر مجذوذ** ہے چونکہ دوزخ کا وجود انسان کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہوگا۔اس لئے جب گناہ نہ رہیں گے تو دوزخ اور زمین و آسمان سب پر فنا آجائے گی۔بیشک دوزخیوں کی تکالیف ختم ہو جائیں گی اور سکون میں آجائیں گے لیکن ان مراتب عالیہ کو حاصل نہیں کرسکیں گے جو جنتیوں کے لئے خاص ہوں گے۔جیسا کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں کوئی بھی نہ ہوگا اور نسیم صبا اس کے کواڑوں کو ہلائے گی۔(صحیحین)

الاماشآء ربک ط ان ربک فعال لمآیرید٥ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس میں دوزخیوں کو مخلصی کی امید دلائی گئی ہے کہ جب تیرا ربّ چاہے گا ان کو دوزخ سے مخلصی دے گا کیونکہ تیرا ربّ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔جہنم تو گویا ایک شفاخانہ ہے کہ جب شفا و اصلاح ہوجائے گی رہائی پاجائیں گے۔وہ ارحم الراحمین ہے اس کی رحمت کا تقاضا بھی یہی تھا۔وہ محدود غلطیوں کی سزا لامحدود نہیں دیتا۔قرآن کریم میں **احقاباً** (سورۃ نبا رکوع ۱) کا لفظ آیا ہے۔پس یہ سزا چاہے صدیوں پر محیط ہو آخر اسے ختم ہونا ہے۔اس کی رحمت چاہے تو اس صدی کو چھوٹا بھی کردے **فعال لمایرید٥**۔آخر انسان خدا کی مخلوق ہے۔وہ اس کی کمزوریوں کو دور کرے گا اور دوزخ سے نجات دلا کر ہمیشگی کی جنتوں میں داخل کرے گا انشاء اللہ۔

الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
جنت میں ہونگے وہ پڑنے والے ہیں اس میں جب تک رہیں گے آسمان اور زمین

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۹﴾ فَلَا تَكُ فِيْ
مگر جو چاہے رب تیرا بخشش ہے نہ کاٹی جانیوالی پس نہ ہو تو

مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ
شک میں اس سے جس کی عبادت کرتے ہیں یہ لوگ نہیں یہ عبادت کرتے مگر جیسا کہ عبادت کرتے تھے

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ
باپ دادا ان کے پہلے سے اور یقیناً ہم البتہ پورا پورا دینے والے ہیں انہیں حصہ ان کا بغیر

ع ۹ ۱۴

مَنْقُوْصٍ ﴿۱۱۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ
کمی کے اور یقیناً یقیناً دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پس اختلاف کیا گیا اس میں

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ
اور اگر نہ ہوتی بات گذر چکی طرف سے تیرے رب کے فیصلہ کیا جاتا درمیان ان کے اور یقیناً وہ

۱۰۹۔ **مجذوذ**۔ جذ۔ توڑنا۔ فنا کر دینا۔ **غیر مجذوذ**۔ غیر مقطوع۔ جو کبھی قطع نہیں کی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بہشت کے متعلق **عطآء غیر مجذوذ** کا لفظ نہ ہوتا تو بہشت والوں کو بھی کھٹکا ہی رہتا مگر خدا نے یہ الفاظ بڑھا کر وہ کھٹکا ہی مٹا دیا کہ یہ ایسی وہ عطا ہے جو واپس نہیں لی جائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ''**الا ماشآء ربّک** ط میں اظہارِ عظمت و جبروت ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے مشیت الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے''۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۶ دسمبر ۱۹۰۹ء) **الّا ماشآء ربّک** ط پہلے جہنم کے لئے تھا اب جنت کا ذکر ہے کہ زمین و آسمان کے مٹ جانے کے بعد بھی یہ وہ عطا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

احادیث سے ثابت ہے کہ بعد الموت کی تمام کیفیات و تفصیلات میں سوائے ناموں کے دنیا کی کسی چیز سے مشابہت نہیں۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ ہر شخص کو جہنم میں ضرور جانا ہے۔ ہاں تھوڑے ہیں جو جہنم کی سزا سے بالکل محفوظ ہیں۔ **قلیلٌ من عبادی الشکور**۔ (سبا ۱۴)

۱۱۰۔ شقی و سعید کے بیان کے بعد ہر مخاطب قرآن سے عام خطاب فرمایا کہ جب ان سے پہلے لوگ بوجہ شرک سزا سے نہیں بچے تو یہ کیونکر بچیں گے۔

۱۱۱۔ حضرت موسیٰؑ کا بطور خاص پھر ذکر کیا کیونکہ آپؐ مثیلِ موسیٰؑ تھے اور موسیٰؑ کی کتاب میں ایک آتشی شریعت کا ذکر تھا۔ (استثناء باب ۳۳ آیت ۲) جس کا مصداق صرف قرآن کریم تھا۔

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۱﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ
البتہ شک میں ہیں اس میں تردّد والے اور یقیناً ہر ایک کو البتہ ضرور پورا پورا دیگا انہیں

رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ فَاسْتَقِمْ
رب تیرا اعمال ان کے یقیناً وہ اس کی جو وہ کرتے ہیں خوب خبر رکھنے والا ہے پس قائم رہ تو

كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا
جیسا کہ حکم دیا گیا ہے تجھے اور وہ بھی جنہوں نے توبہ کی ساتھ تیرے اور نہ زیادتی کرو یقیناً وہ اسے جو

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے اور نہ جھکو طرف ان لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا

آپ کو تسلی دی کہ اگر آج قرآن کریم میں اختلاف کیا جاتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ توریت کے متعلق بھی اسی طرح اختلاف کیا گیا۔ اُن منکرین توریت اور ان منکرین قرآن کے جرائم تو اتنے شدید ہیں کہ اگر ہم ایک فیصلہ پہلے سے نہ کر چکے ہوتے تو انہیں ضرور دنیا میں سزا دی جاتی۔ وہ فیصلہ یہی ہے کہ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اللہ بوجہ اپنے رحم کے سزا میں تاخیر کرتا ہے الاعراف ۱۵۷۔ جلد نہیں پکڑتا مہلت دیتا ہے۔ تا لوگ ہدایت پا جائیں اور ان روحانی ترقیات کو حاصل کریں جو ان کی پیدائش کا اصل مقصد ہے۔ (ذاریات رکوع ۳) پس بجائے اللہ کے رحم سے فائدہ اٹھانے اور شکر گزار بننے کے، قرآن کے متعلق بھی شک میں مبتلا ہیں ایسا شک جو انہیں ہمیشہ [illegible] اور بے چین رکھتا ہے اور کسی قطعی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتے۔

۱۱۲۔ **لَمّا**۔ جب۔ نہیں۔ مگر۔ البتہ۔

یہ قرآن کریم کے متعلق شک میں ہیں۔ یہ بھی یقین نہیں کہ انہیں ان کے بد اعمال کی سزا ملے گی۔ بیشک سزا میں تاخیر ہے لیکن اللہ ان کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ پس انہیں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

۱۱۳۔ ساتھ ہی سزا سے بچنے کا طریق بتایا جو ایمان لانا اور اس پر استقامت اختیار کرنا ہے جیسا کہ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے معاملہ میں کوئی ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ آپ ﷺ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر استقامت اختیار کرو۔ (مسلم کتاب الایمان باب جامع اوصاف الاسلام) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پورے قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے

فرمایا مجھے سورۃ ھود نے بوڑھا کردیا۔ **كما أُمرت** میں پورے قرآن کریم پر عمل کرنا اور قرآنی
کے مطابق زندگی گزارنا ہے جو آپ ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہے جیسا کہ بقول حضرت عا
آپ ﷺ قرآن کی عملی تصویر تھے۔(مسند احمد بن حنبل صفحہ ۹۱/۶) اس مقام پر خود قائم ہونا کوئی معم
بات نہیں چہ جائیکہ دوسروں کو قائم کرنے کا حکم۔ پھر اس حکم پر آنحضرت ﷺ نے کس طرح کما حق
کیا اور صحابہؓ کی کیسی تربیت فرمائی اور کیسی جماعت پیدا کی یہ ان کے خطابات **رضی اللّٰه عنہ**
ورضوا عنہ ط (البینۃ:۹) سے ظاہر ہے۔ جو آپ ﷺ کی قوتِ قدسی کا کمال تھا۔ آپ ﷺ
جانتے تھے کہ آپ ﷺ کے ساتھ توبہ کرنے والے قیامت تک رہیں گے۔ ان سب کی تربیت
ذمہ داری آپ ﷺ کس طرح اٹھا سکتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے آنسو بہ رہے تھے
آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ جو میرے سامنے ہیں ان کی تو میں شہادت دوں گا لیکن ان کی کیا حال
جن کو میں نے نہیں دیکھا۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں ہر مومن پر ذمہ داری ڈالی گ
ہے کہ وہ اپنی اصلاح کے ساتھ دوسرے مومنوں کی اصلاح کی ذمہ داری اٹھائیں ۔ اس میں اہ
اور عزیز و اقارب کی درستی اور تربیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ پس ہر مومن کے کندھوں پر دنیا ک
اصلاح کی ذمہ داری ہے۔ جو صرف ایک نظام کے ذریعہ ممکن ہے۔ اسی لئے ہر احمدی اپنی حدود م
تربیت کے علاوہ مالی قربانی میں حصہ لے کر عالمی تبلیغ و تربیت میں کسی نہ کسی حد تک ضرور شا
ہو جاتا ہے۔(تفسیر کبیر)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”قرآن کو اپنا دستور العمل
بناؤ۔۔۔ انسان اپنا ذمہ دار تو ہو سکتا ہے مگر ساتھیوں کا ذمہ دار ہو تو کیونکر؟ بس یہ بہت خطرہ کا مقا
ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلتوں سے اللہ تعالیٰ کے وہ وعدے جو تمہارے امام کے ساتھ ہیں، پو
ہونے میں معرض توقف میں پڑ جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے ساتھ کنعان
(فلسطین) پہنچانے کا وعدہ تھا۔ مگر قوم کی غفلت نے اس سے محروم کر دیا۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو
اور خوب سمجھو، غفلت چھوڑ دو اور اس نعمت کی قدر کرو۔ جو آج کے مبارک دن میں پوری ہوئی۔ میں
پھر کہتا ہوں کہ فرماں بردار بن کر دکھاؤ۔“ (الحکم ۵ مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۵) **ولا تطغوا** سے مراد ابن
عباسؓ کے بقول یہ ہے کہ اللہ کے لئے فروتنی اور تواضع یعنی عاجزی اختیار کرو اور کسی سے تکبر نہ
کرو نیز یہ بھی کہ قرآن کریم اور اسلام کی حدودِ مقررہ سے تجاوز نہ کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ
پس چھو لے گی تم کو آگ اور نہیں تمہارے لیے سوائے اللہ کے کوئی دوست پھر
لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿١١٤﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا
نہ مدد دیئے جاؤ گے تم اور قائم کر نماز دونوں حصہ میں دن کے اور حصوں میں
مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ
رات کے یقیناً نیکیاں لے جاتی ہیں بدیوں کو یہ
ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٥﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
نصیحت ہے واسطے نصیحت حاصل کرنے والوں کے اور صبر کر پس یقیناً اللہ نہیں ضائع کرتا اجر

فرماتے ہیں کہ ”استقامت کے حصول کے لئے اولاً ابتدائی مدارج اور مراتب پر کسی قدر تکالیف اور
مشکلات پیش آتی ہیں لیکن ان کے حاصل ہو جانے پر دائمی راحت اور خوشی پیدا ہو جاتی ہے“۔
(ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۱۰۔۱۱)

۱۱۴۔ رُکن سہارا اور قوت ہے۔ جبکہ رَکن جھکنا اور مائل ہونا ہے (مفردات)
یہ سورۃ چونکہ ہجرت کے بالکل قریب کی سورتوں میں سے ہے جبکہ ظلم اپنی انتہا کو پہنچ چکا
تھا اس لئے فرمایا کہ استقامت دکھاؤ۔ اور دیکھنا کہیں دکھوں سے گھبرا کر ظالموں کی طرف ادنیٰ سا میلان
بھی نہ رکھنا۔ ورنہ اللہ کی ولایت سے محروم ہو جاؤ گے یہ قرآن کریم کا اسلوب بیان ہے کہ ایسی
آیات میں امت سے ہی خطاب ہوتا ہے۔ گو بظاہر آنحضرت ﷺ مخاطب ہوں۔ یہ بھی مطلب ہے
کہ چونکہ پہلی آیت میں سختی سے استقامت کا حکم تھا اور ظلم و زیادتی سے روکا تھا اس لئے یہاں بتایا کہ
نہ صرف ظلم سے خود بچو بلکہ ظالموں کی طرف ادنیٰ سے میلان سے بھی بچو۔ گویا ظالم کا کسی طور بھی
ساتھ دینا ظلم ہے اور سزا کا مورد بنا دیتا ہے۔ ہاں ان کی اصلاح کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔

۱۱۵۔ **طرف** ۔ کسی چیز کا کنارہ اور اس کی حد ۔ کسی چیز کا حصہ ۔**طرفي النهار** سے
مراد دن کے دونوں طرف کی نمازیں یعنی فجر اور عصر۔**زلفًا**۔واحد **زلفة**۔ٹکڑا۔نزدیک۔**زلفًا مّن
اليل**۔رات کے مختلف حصوں میں ۔ کبھی پہلے حصہ میں کبھی دوسرے حصہ میں یعنی رات کے مختلف
حصوں میں نماز پڑھنا۔ رات کے قریب میں مغرب ۔عشاء اور فجر ہیں۔رات کی نمازوں میں تہجد بھی
شامل ہے جو بطور نفلی نماز ہے۔

ظالموں کی طرف جھکنے سے روکا تو ساتھ ہی خدا کی طرف جھکنے کا حکم دیا جو نماز ہے۔ احکام
قرآنی پر کماحقہٗ استقامت انسانی طاقت سے ممکن نہیں ۔اس لئے اس عظیم فرض کے پورا کرنے میں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ

احسان کرنیوالوں کا | پس کیوں نہیں ہوئے | قوموں میں سے | جو پہلے تھیں تم سے

اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا

شعور والے | جو روکتے | فساد سے | زمین میں | مگر تھوڑے سے

مسلمانوں کی کامیابی کا گر اس آیت میں بتایا یعنی نمازیں قائم کرو۔ جن میں دعائیں، ذکر الٰہی اور
عبادات شامل ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے حسنات سے مراد پنجگانہ نماز لی ہے کہ اس سے
معاف ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا کہ پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے
رمضان تک مٹا دیتی ہیں ان گناہوں کو جو ان کے درمیان ہوئے ہیں جبکہ گناہِ کبیرہ نہ کئے ہوں
(مسلم) اس طرح حسنات سیّات کو دور کردیتی ہے بقول حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مطلب بھی ہے کہ اچھائیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔ اس میں تمام نیک لوگوں کے نمونے
ہیں جن کو دیکھ کر لوگ بدیوں سے دور ہوجاتے ہیں۔ حسنات سے مراد اچھی باتیں بھی ہیں یعنی تمہارا
وعظ و نصیحت لوگوں کی برائیاں دور کرنے کا باعث ہوگی۔ غرض حسنات میں تمام نیک کام
ہیں۔ پس اس سے مراد حسنِ سلوک بھی ہے یعنی تمہارے حسنِ سلوک سے برائیاں مٹتی چلی جائیں
اور ایک بہترین معاشرہ تشکیل پاجائے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ترجمۃ القرآن کلاس MTA
فرماتے ہیں رات کے پردے میں چھپ کر بدیاں کی جاتی ہیں۔ دن کو بھی برائیاں کی جاتی ہیں
بدی کے مقابل نماز ہے جو بدی سے بچائے گی۔ اگر رات کی بدیاں دور ہوں نہ دن کی، تو نماز
بے فائدہ ہیں۔ یہ ان کے لئے نصیحت ہے جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں۔ صحابہؓ کے نزدیک نماز کی اس قدر
اہمیت تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے سب عمالِ حکومت کو یہ ہدایت نامہ لکھ
بھیجا تھا "میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے پس جو شخص نماز
ضائع کرتا ہے وہ دوسرے تمام احکام دین کو بھی اور زیادہ ضائع کرے گا" (موطاء مالک)

۱۱۶۔ چونکہ نماز کا صبر و استقامت سے خاص تعلق ہے اس لئے فرمایا کہ نماز پر استقامت
اختیار کر۔ اللہ محسنین کے اجر کو ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ محسن کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہ فرمائی کہ محسن وہ ہے جو نماز اس طرح پڑھتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھتا ہے۔ یا کم از کم یہ یقین کرے کہ
خدا اسے ضرور دیکھتا ہے"۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم کتاب الایمان بروایت حضرت عمر بن خطابؓ)

مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا

ان لوگوں میں سے جنکو نجات دی ہم نے ان میں سے | اور پیروی کی ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا اس (راہ) کی کہ وہ عیش و عشرت دیئے

فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ

گئے جس میں اور تھے وہ | مجرم | اور نہیں ہے | رب تیرا | کہ ہلاک کرے

الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

بستیوں کو | ظلم سے | جبکہ باشندے اسکے اصلاح کرنیوالے ہوں | اور اگر چاہے | رب تیرا

محسن کا اعلیٰ مقام تو یہی ہے کہ وہ خدا کو دیکھتا ہے۔ صوفیوں کی اصطلاح میں یہ لقاہے اس کا ابتدائی
درجہ یہی ہے کہ وہ یقین رکھے کہ میرے ہر قول و فعل کو مولا کریم دیکھتا اور سنتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "نماز میں اس قدر طبعی جوش اور ذاتی محبت
اور خشوع اور کامل حضور میسر آجائے کہ انسان کی آنکھ اپنے محبوب حقیقی کے دیکھنے کے لئے کھل
جائے" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۶) پس" دعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب
ہوجائے"۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ نمبر ۱ صفحہ ۵)

۱۱۷۔ **اُترفوا**۔ ترف۔ آسودگی۔ تنعم۔ **مااُترفوافیه**۔ جس راہ میں انہوں نے عیش و
عشرت کو پایا۔ جس میں انہیں آسودگی بخشی گئی تھی۔ **اُولُــوا بـقية**۔ جن میں نیکی کا اثر باقی ہو یعنی
صاحبانِ عقل و شعور۔

چونکہ اس سورۃ میں پہلی قوموں کی ہلاکت کا ذکر تھا۔ اس لئے امتِ محمدیہ کو ان کی ہلاکت
کی وجہ بتائی تا وہ غلطیوں کے اعادہ سے بچیں۔ فرمایا ان کی ہلاکت کی وجہ ان کا کفر و شرک نہیں تھا۔
بلکہ ظلم و فساد تھا کیونکہ ان میں سوائے چند لوگوں کے جنہیں ہم نے بچالیا ایسے باشعور لوگ موجود
نہیں تھے جو ان کو ظلم و فساد سے روکتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم لوگ ان لذتوں کے پیچھے لگے
رہے جس میں انہیں آسودگی بخشی گئی تھی۔ اور ظلم و فساد میں یہاں تک بڑھے کہ آخر مجرم بن گئے۔
گویا جب تک کسی قوم میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والے موجود ہوں وہ قوم
ہلاکت سے بچی رہتی ہے۔

۱۱۸۔ **الـصّـلاح** فساد کی ضد ہے۔ جب فتنہ و فساد کی بجائے کوئی قوم امن و آشتی سے
رہے اور معاشرے کی اصلاح کے کاموں میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ عقائد باطلہ کی وجہ سے کسی قوم
کو ہلاک کرکے اس پر ظلم نہیں کرتا۔ اس لئے کہ عقائد باطلہ کی سزا قیامت کو ملے گی دنیا میں نہیں۔

لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۹﴾
البتہ کردیتے لوگوں کو گروہ ایک اور ہمیشہ رہیں گے وہ اختلاف کرنے والے

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ
مگر جس پر رحم کیا رب نے تیرے اور اس لیے پیدا کیا ان کو اور پوری ہو گئی

كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ
بات رب کی تیرے کہ ضرور بھروں گا میں جہنم کو جنوں اور آدمیوں

اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ
سب سے اور جو کچھ بیان کرتے ہیں ہم تجھ پر خبروں سے رسولوں کی

مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ
وہ ہے کہ مضبوط کرتے ہیں ساتھ اس کے دل کو تیرے اور تیرے پاس آیا ہے اس میں حق

۱۱۹-۱۲۰۔انسان اصلاح کے راستے کو چھوڑ کر فتنہ وفساد اور ظلم وستم کی راہ کیوں اختیار کر
اور کیوں سبھی لوگ ہدایت نہیں پاجاتے؟اللہ کے لئے تو یہ کچھ مشکل نہ تھا۔اگر وہ اپنی جبر
نافذ کرتا تو سب کو ہدایت دے دیتا اور ایک ہی جماعت بنا دیتا جہاں کوئی اختلاف نہ ہوتا لیکن اس
انسان کو صاحب شعور اور صاحب اختیار بنایا ہے۔وہ زبردستی ان کے اختیار کو چھین کر انہیں ہدایت
دیتا۔اس لئے وہ ہمیشہ اختلاف میں پڑے رہیں گے۔انسان نیکی اور بدی کو خوب پہچانتا ہے اور
کے نتائج سے بھی خوب واقف ہے لیکن اس کے باوجود بدی کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور احکام
سے روگردانی کرتا ہے۔سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرے رب نے رحم فرمایا اور وہ اختلاف
بچے رہے۔یہ چنیدہ لوگ امت کہلانے کے مستحق ہوں گے، باقی لوگ بے معنی ہوجائیں گے
بات اس راہ میں حائل نہیں ہوگی کہ اکثریت گنہگار ہوگی۔حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے رحم کے
ہی اپنی مخلوق کو پیدا کیا۔(ابن عباسؓ) کہ وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں اور اللہ رحم کرتا رہے اور
ڈھیل دیتا رہے۔جنوں اور انسانوں کو بوجہ ان کے گناہوں کے (بیضاوی) داخل جہنم کرنا بھی اسی
ہی حصہ ہے تا شفا پا کر دائمی جنتوں میں رہنے کے قابل ہوسکیں۔پس جہنم کو بھرنا مشروط وعدہ ہے
لئے کہ اس نے اپنی مخلوق کو رحم کے لئے پیدا کیا عذاب کے لئے نہیں۔اگر وہ رحم جذب کرنے
طرف متوجہ ہوں تو خدا کے فضل ورحم سے کبھی جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔

۱۲۱۔یہ رسولوں کی خبریں کوئی قصہ کہانیاں نہیں بلکہ اے رسول !یہ تو تیرے دل کو مضبوط
کرنے کے لئے ہیں کہ سب رسول انہیں کٹھن راہوں سے گزرے اور آخر غالب آئے۔ان میں

وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا
اور وعظ اور نصیحت متقیوں کے لیے اور تو کہدے ان لوگوں کو جو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ
ایمان لاتے کہ عمل کرو جگہ پر اپنی یقیناً ہم عمل کرنیوالے ہیں اور

انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ
انتظار کرو یقیناً ہم انتظار کرنے والے ہیں اور اللہ کیلئے ہے پوشیدہ آسمانوں اور

الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ
زمین کا اور طرف اسی کی لوٹایا جائیگا معاملہ سب کا پس عبادت کرو اس کی اور بھروسہ کرو

عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ ع ۱۰
اسی پر اور نہیں رب تیرا ہرگز غافل اس سے جو تم کرتے ہو

تمہارے لئے پیشگوئیاں ہیں کہ ان کی طرح تم بھی کامیاب وکامران ہوگے اور ان کے دشمنوں کی
طرح تمہارے دشمنوں کا نام ونشان بھی مٹا دیا جائے گا۔ان قصوں میں جو اس سورۃ میں بیان ہوئے
حق تیرے پاس آ گیا۔گویا یہ وہ سچائی ہے جو ہو کر رہنے والی ہے۔ان قصوں میں مومنوں کے لئے
وعظ ونصیحت ہے اور انہیں ان کے فرائض یاد دلائے گئے ہیں۔

۱۲۲-۱۲۳۔ کافروں کو کس تحدی سے چیلنج دیا اور حضرت شعیبؑ کے اقوال (آیت ۹۴) کو
دہرایا کہ دین حق کے خلاف جو ہوسکتا ہے تم کرلو۔اور اس کی سچائی اور تبلیغ کے لئے جو ہم سے بن
پڑے گا ہم کریں گے۔پھر انتظار کرو اور دیکھو کہ خدا کی نصرت کس کے ساتھ ہے اور ناکام ونامراد
کون ہوتا ہے۔پس انجام تمہارے سامنے ہوگا۔

۱۲۴۔سورۃ کی اس آخری آیت میں بتلایا کہ بیشک فتح ونصرت کے وعدے تیرے ساتھ
ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ آسمان وزمین کے تمام بھید اللہ ہی کے علم میں ہیں اور تمام امور کا آخری
فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔پس ان نصرتوں کو جلد لانے کے لئے دو ہی ہتھیار ہیں دعا اور توکّل۔پس
تو عبادت اور دعاؤں میں لگا رہ اور اس کے وعدوں پر پورا پورا یقین رکھ۔اللہ نہ تیرے اعمال سے
غافل ہے اور نہ ان کی کرتوتوں سے۔

پھر چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ اس کے فضل وکرم سے صرف دو سال کے قلیل
عرصہ میں فنون حرب سے ناواقف قریباً نہتے چند جانفروشوں کا مکّہ کے تجربہ کار زرہ بکتر سے لیس
سرداران قریش سے مقابلہ ہوا۔وہاں بھی میدان ایک چھوٹے سے خیمہ سے اٹھتی ہوئی گریہ وزاری

میں ڈوبی ہوئی دعاؤں ہی نے جیتا جنہوں نے عرشِ الٰہی کو ہلا کر رکھ دیا اور مٹھی بھر کنکریوں نے کام کر دکھایا جو ان کے زہر میں بجھے ہوئے تیر نہ کر سکے اور شام ہونے سے پہلے سردارانِ قریش کے سرِ پُر غرور مٹی میں مل گئے اور میدان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیتا جو بفضلِ تعالیٰ آپ ﷺ کی دعاؤں اور توکّل سے ممکن ہوا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ یوسف۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو بارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

سورۃ یوسف اور اس سے پہلی دونوں سورتیں حروف مقطعات **الرٰ** سے شروع ہوتی ہیں ان سورتوں کا ایک ہی مضمون ہے یعنی مخالفین رسول کو ان کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ سورتیں ہجرت سے کچھ پہلے کی ہیں۔

کفارِ مکہ نے یہود کے ایما پر آنحضرت ﷺ سے بطور آزمائش دریافت کیا کہ یہود مصر کیونکر گئے اور یوسف علیہ السلام کا قصہ کیا ہے؟ چونکہ دوسرے قصصِ انبیاء کی طرح یہ قصہ مکہ میں مشہور نہیں تھا نیز وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اُمّی ہیں اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس نے نہ صرف اس قصہ کو نہایت نصیحت آموز انداز میں بطور پیشگوئی پیش کیا بلکہ توریت کی تصحیح کے علاوہ کئی ایسی باتوں کا انکشاف کیا جن کا توریت میں قطعاً ذکر نہیں البتہ بعد میں عقل انسانی اور تاریخ دانوں کی تحقیق نے انہیں صحیح ثابت کیا اور اس طرح وحی الٰہی پر مہر تصدیق ثبت کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیر کبیر میں ایسے تمام مقامات کی نشاندہی فرمائی ہے۔

یہ واحد سورۃ ہے جس میں ایک ہی قصہ تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ اسے احسن القصص کہا سورۃ ھود سے پہنچنے والے صدمہ کے بعد احسن القصص کا بیان اور اس میں بیان کردہ غلبہ اسلام کی پیشگوئیاں آپ ﷺ کے لئے تسلی اور بشاشتِ قلب کا باعث ہوئیں۔ اسے احسن القصص اس لئے بھی کہا کیونکہ اس قصہ میں بہت سی نصائح کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی آئندہ پوری زندگی کی تصویر بھی ہے گویا بے شمار پیشگوئیوں پر مشتمل ہے جس طرح برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور آپ کو غریب الوطنی کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے قومی بھائیوں نے بھی آپ کو دکھ دینے اور قتل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور آپ ﷺ کو داغ ہجرت سہنا پڑا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیارِ غیر میں عزت و مرتبہ سے نوازا اور اعلیٰ منصب پر فائز کیا ویسے ہی آنحضرت ﷺ کو بعد از ہجرت کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز فرمایا اور تمام عرب کا فرمانروا بنا دیا۔ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہی ظالم بھائی حضرت یوسفؑ کے سامنے جھولی پھیلانے پر مجبور ہوئے اور آپ نے **لاتثریب علیکم الیوم** کہہ کر ان کی تمام غلطیوں کو معاف فرمایا۔ اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر

آپ ﷺ کی قوم مغلوب ہو کر آپ ﷺ سے رحم کی خواستگار ہوئی تو آپ ﷺ نے بھی حضرت یوسف کے الفاظ ہی دہرائے کہ **لاتثریب علیکم الیوم** اور ان کے سنگین مظالم بھی معاف فرمادئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیر کبیر میں آنحضرت ﷺ کی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اٹھارہ مشابہتیں لکھی ہیں الحمد للہ آیت ۲۱، ۳۸، ۵۲، ۱۰۳ میں اس عاجزہ نے چار کا مزید اضافہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کے پوتے اور حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراھیمؑ ہیں۔ (بخاری) غرض آپ بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے تھے۔ آپ کا ظاہری حسن و جمال بھی فقید المثال تھا۔

سورۃ المومن (آیت :۳۵) سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود دلائل و براھین کے لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے دعویٰ رسالت پر شک کیا لیکن بعد از وفات آپ کے متبعین بھی کئی دوسرے انبیاء کے پیروکاروں کی طرح اس عقیدے پر قائم ہو گئے کہ اب آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔ پس اگر آج اہل اسلام اس عقیدہ کے دعویدار ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ

الف۔لام۔را یہ آیتیں ہیں کتاب کھلی کھلی کی یقیناً ہم نے نازل کیا ہے اسے

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۳﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

قرآن عربی میں تاکہ تم عقل کرو ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں آپ کی رویا کا ذکر ہے۔ **الرا۔ انا اللّٰہ آریٰ**۔ میں اللہ دیکھتا ہوں۔ تم آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو یہی سلوک برادران یوسف نے یوسفؑ کے ساتھ کیا تھا۔ پس تمہارا حال بھی اس رسول کے سامنے وہی ہوگا جو یوسفؑ کے سامنے اس کے بھائیوں کا ہوا۔ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو تمام احکام و امور خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ پس حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو جو آنحضرت ﷺ کے حالات سے مشابہ ہیں خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ نیز مبین کہہ کر یہ بھی بتادیا کہ یہ وہ کتاب ہے جو اپنے ہر دعویٰ کی دلیل بھی خود دیتی ہے۔ جہاں کوئی مشکل مسئلہ آتا ہے اس کا حل ساتھ ہی موجود ہوتا ہے۔ الکتاب کے لفظ نے یہ بھی پیشگوئی کر دی کہ ہمیشہ لکھی جایا کرے گی چنانچہ اس پہلو سے بھی دنیا کی کوئی اور کتاب قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکی۔

۳۔ قرآن مصدر ہے جس کا معنی اکٹھا کرنا اور پڑھنا ہے گویا تمام علوم اس میں اکٹھے کر دئے گئے ہیں۔ نیز لفظ قرآن سے یہ پیشگوئی فرمائی کہ یہ کتاب بہت پڑھی جائے گی۔ تمام دنیا میں جس کثرت سے لکھی جائے گی اسی کثرت سے پڑھی بھی جائے گی۔ **عربیاً**۔ العربی اپنے مدعا کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان کرنے والی (مفردات راغب) گویا عربی کے علاوہ کوئی ایسی زبان نہیں جو اپنے مدعا کو اس حد تک واضح کرنے والی ہو۔ پس اس کتاب کو عربی میں نازل کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم عقل و خرد سے کام لے کر خوب غور و خوض کر کے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکو۔ گویا بغیر غور کئے طوطے کی طرح رٹ کر اس سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔ آئمہ سلف نے عربی کی بہت خدمت کی اس کے لاکھوں مادے بیان کئے اور اس کا عظیم و منفرد ہونا ثابت کیا۔ لیکن خدا سے علم پا کر اس زبان کے امّ الالسنہ یعنی تمام زبانوں کی ماں ہونے کا دعویٰ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہی

اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ

بہترین بیان اس لیے کر وحی کیا ہم نے طرف تیری یہ قرآن

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۴ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ

اور اگرچہ تھا تو پہلے اس کے البتہ ناواقفوں میں سے جب کہا یوسف نے

کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عظیم الشان تحقیق ”منن الرحمٰن“ کی شکل میں ۱۸۹۵ء میں منصہ شہود پر آئی۔ آپ کے بعد آپ کے مرید باصفا جناب شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ ضلع فیصل آباد نے امام زمانہ کے مذکورہ دعوے کی تائید میں قریباً پچاس زبانوں کے مادوں پر تحقیق کی بنیاد رکھتے ہوئے تحقیقی کتب شائع کیں مثلاً (1) English Traced to Arabic (2) Sanscrit Traced to Arabic یہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ تمام زبانیں عربی زبان سے نکلی ہیں۔

غرض عربی نہایت وسیع اور فصیح و بلیغ زبان ہے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں۔ ایک ایک چیز کے لئے کئی کئی الفاظ ہیں صرف پانی کے پچاس سے زیادہ نام ہیں جو اس کی الگ الگ حالت کے لئے مقرر ہیں۔ شراب کے سو سے زائد نام ہیں جو اس کی مختلف اقسام اور کیفیات کو ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ اونٹ کے سو نام ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں آئمہ سلف میں ابن جنّی نے جو خود بہت بڑے عالم تھے اپنے استاد بوعلی سینا کا یہ دعویٰ بیان کیا ہے کہ عربی زبان کا ہر مادہ نہ صرف بامعنی ہے بلکہ اگر اس کے حروف کو ادل بدل بھی کر دیں تو بھی باوجود مطلب بدلنے کے اس کی ایک خاص خصوصیت برقرار رہے گی۔ مثلاً ک۔ ل۔ م کو آگے پیچھے کر دینے سے اگرچہ مطلب بدل جائے گا لیکن ہر لفظ قوت و طاقت کے معنی ضرور دیگا۔ مثلاً مَلِک بادشاہ، مَلَک فرشتہ۔ کَلم زخم۔ لَکم تھپڑ وغیرہ۔ یہ کمال اور دوسرے بے شمار کمالات و خصوصیات صرف عربی زبان سے ہی مخصوص ہیں۔ عرب اور عربی زبان کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! عرب سے محبت کرو۔ تین باتوں کے سبب سے، ایک تو یہ کہ میں عربی ہوں۔ دوسرے یہ کہ قرآن عربی زبان میں ہے۔ تیسرے یہ کہ جنتیوں کی زبان عربی ہے۔ (بیہقی)

۴۔ **قَصَص**۔ ق زبر کے ساتھ ہے اور مصدر ہے۔ جس کے معنی حال بیان کرنے کے ہیں۔ یعنی وہ واقعات جو تحقیق سے درست ثابت ہوئے۔ اگر ق زیر کے ساتھ ہوتا یعنی **قِصَص** تو یہ جمع قِصّہ کی ہے۔

لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ

اپنے باپ کو اے باپ میرے یقیناً دیکھے میں نے گیارہ ستارے اور سورج

وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۵ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

اور چاند دیکھا میں نے انہیں میرے لیے سجدہ کرنے والے ہیں اس نے کہا اے بیٹے میرے نہ بیان کر

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

خواب اپنی بھائیوں پر ورنہ وہ تدبیر کرینگے تیرے لیے کوئی تدبیر یقیناً شیطان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ

انسان کا دشمن ہے کھلا کھلا اور اسی طرح چنے گا رب تیرا تجھے اور

فرمایا یہ قرآن تجھ پر خدا کی طرف سے وحی کیا گیا ہے، تیرے اپنے خیالات نہیں۔ اسی وحی کے ذریعہ ہم تاریخ میں سے بہترین بیان بہترین طور پر تیرے سامنے بیان کرتے ہیں تا اس میں انسانی غلطی کا شائبہ تک نہ ہو۔ قبل ازیں تو ان حقائق سے بے خبر تھا اس لئے کہ تو اُمّی تھا اور توریت سے ناواقف تھا۔ اس لئے بھی کہ توریت میں تحریف ہو چکی ہے اور وہ اس وقت کامل کتاب نہیں۔ پس تیرے لئے صحیح واقعات کا جاننا ممکن نہ تھا۔ بہترین بیان اس لئے کہا کہ اوّل تو آنحضرت ﷺ کی زندگی کی پوری تصویر ہے دوم یہ کہ قدم قدم پر نصیحت آموز اسباق ہیں۔

۵۔ حضرت یوسفؑ کی رؤیا سے اس قصہ کو شروع کیا جو آپ کی پوری زندگی کے واقعات کے لئے بطور نقطۂ مرکزیہ تھی۔ اس قصہ کی پہلی آیت میں ہی آپ کی مماثلت آنحضرت ﷺ سے فرمائی کہ آپ ﷺ کو بھی نبوت سے پہلے رویائے صادقہ سے نوازا جاتا تھا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبوت سے چھ ماہ قبل سے رؤیا صادقہ کی کثرت ہوئی اور ہر رؤیا صبح کی سفیدی کی طرح صاف اور واضح طور پر پوری ہوتی تھی۔ آپ ﷺ خلوت پسند ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کھانے پینے کا کچھ سامان ساتھ لے جاتے اور غار حرا میں جا کر عبادت کرتے تھے۔ (بخاری کتاب کیف کان بدء الوحی الی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نیز جس طرح آپ نے اپنی رؤیا اپنے والد بزرگوار کو سنائی اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنی پہلی وحی اپنے خاندان کے ایک بزرگ ورقہ بن نوفل کو سنائی۔ اس وقت حضرت یوسف قریباً گیارہ بارہ برس کے تھے جبکہ آپ کے والد بزرگوار حضرت یعقوبؑ پچاس کے لگ بھگ تھے۔

۶۔ حضرت یعقوبؑ فراستِ نبوی سے اس رویاء کی تعبیر سمجھ گئے کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی ہیں۔ سورج اور چاند سے مراد باپ اور ماں ہیں۔ سجدہ سے مراد آپ

يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ
سکھائے گا تجھے تعبیر باتوں کی اور پوری کریگا نعمت اپنی تجھ پر

وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ
اور خاندان یعقوب پر جیسا کہ پوری کی اس نے وہ (نعمت) باپ دادا پر تیرے پہلے سے

ع ۱۱ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷ لَقَدْ
ابراہیم اور اسحٰق پر یقیناً رب تیرا خوب جاننے والا حکمت والا ہے یقیناً یقیناً

كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۸ اِذْ
ہیں یوسف اور بھائیوں میں اس کے نشانات پوچھنے والوں کے لیے جبکہ

قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ
کہا انہوں البتہ یوسف اور بھائی اس کا زیادہ پیارے ہیں باپ کو ہمارے بہ نسبت ہمارے اور ہم

عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝۹ ۨ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ
ایک جماعت ہیں یقیناً باپ ہمارا کھلی گمراہی میں ہے قتل کرو یوسف کو

کی اطاعت ہے۔ وہ جانتے تھے کہ دوسرے بیٹے روحانیت کے اس بلند مقام پر نہیں۔ وہ یوسف کی عظمت و توقیر اور اپنی محرومی و محکومی کا سن کر آپ سے حسد کریں گے اور آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے آپ نے ان بیٹوں کے سامنے رؤیا بیان کرنے سے منع فرمایا۔

۷۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی رؤیا کے نتیجے میں علمِ الٰہی سے یہ خوشخبریاں دیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے برگزیدہ کرے گا اور علم و حکمت سے نوازے گا جس میں تعبیر رؤیا کا علم بھی ہے۔ اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کرے گا جن میں نبوت اور حکومت دونوں شامل ہیں۔ بلکہ آلِ یعقوب بھی تجھ پر ایمان لاکر ان نعمتوں کی وارث ہوگی۔ جس طرح قبل ازیں اس نے تیرے آباء واجداد ابراہیمؑ اور اسحاقؑ کو اتمامِ نعمت سے نوازا۔ وہ علیم و حکیم ہے جسے چاہتا ہے اس علم و حکمت سے حصہ دیتا ہے۔

۸۔ اس رکوع میں برادرانِ یوسف کے ان منصوبوں کا ذکر ہے جن کے نتیجہ میں حضرت یوسف کو ملک بدر کیا گیا۔ بعینہٖ آنحضرت ﷺ بھی اپنے قومی بھائیوں کے منصوبوں کی وجہ سے اپنے وطن سے ہجرت پر مجبور ہوئے۔ فرمایا کفارِ مکہ کے لئے حضرت یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانات اور پیشگوئیاں ہیں یعنی جو معاملہ یوسف اور برادران یوسف سے ہوا وہی آنحضرت ﷺ اور ان سائلین سے ہوگا۔

۹۔ حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی بنیامینؑ تھے جو آپ سے چھوٹے تھے۔ باقی دس بھائی دوسری ماؤں سے تھے۔ یہ دونوں بھائی یقیناً اپنے نیک اطوار اور اطاعت گزاری یا خدائی بشارتوں کی

اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ
یا پھینک دو کسی زمین میں خالی ہو جائیگی تمہارے لیے توجہ باپ کی تمہارے اور ہو جانا

بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۱۰ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ
بعد اس کے نیک لوگ کہا ایک کہنے والے نے ان میں سے نہ قتل کرو یوسف کو

وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ
اور ڈال دو اسے اندھے کنوئیں میں اٹھا لیگا اُسے کوئی قافلہ اگر

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۱ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ
ہو تم کرنے والے انہوں نے کہا اے باپ ہمارے کیا ہوا تجھے نہیں امین سمجھتا ہمیں بارہ میں یوسف کے

وجہ سے حضرت یعقوبؑ کو زیادہ پیارے ہوں گے ورنہ ایک نبی اولاد میں تفریق نہیں کر سکتا ان دنیا داروں کی نظر صرف ظاہری جتھہ بندیوں کو دیکھتی تھی کہ ہم جوان اور مضبوط ہیں۔ ہمارے مقابلہ میں ان کمزور بچوں کو زیادہ عزیز رکھ کر ہمارے والد صریح غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

۱۰۔ **اطرحوا۔ طَرح۔** کسی چیز کا پھینکنا اور دور کر دینا۔ اسی سے طرح مصرعہ ہے۔ **اطرحوا۔** تم پھینک دو۔

اسی حسد کا نتیجہ تھا کہ بجائے اپنی اصلاح کرنے کے یوسفؑ کو قتل یا جلاوطن کرنے کے منصوبے کرنے لگے تا کہ بزعم خود والد کی محبت کو حاصل کر سکیں۔ حالانکہ محبوب کے تہ تقا[illegible] نے سے محبت کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے۔ چونکہ نیکی کا بیج دل میں موجود تھا اس لئے خود کو تسلی دی کہ بعد میں توبہ کر کے نیکو کاروں میں شامل ہو جائیں گے۔ آنحضرت ﷺ کے خلاف بھی اہل مکہ کے یہی منصوبے تھے کہ آپ ﷺ کو نعوذ باللہ قتل کر دیا جائے، قید کر دیا جائے یا جلاوطن کر دیا جائے۔

۱۱۔ **غیٰبت۔** غیب۔ زمین کی گہرائی۔ **جُبّ۔** بغیر منڈیر کے کنواں ویران کنواں جبکہ **بئر** منڈیر والا کنواں ہے۔ **یلتقط۔ لَقَطَ** اور **التقاط** زمین پر پڑی ہوئی چیز کا اٹھا لینا۔ **سیارۃ** (سیر)۔ چلنے والی جماعت۔ قافلہ۔

آپ کے بھائی یہودہ کے دل میں آپ کے لئے نرم گوشہ تھا یا کچھ نہ کچھ خوفِ خدا تھا۔ اس نے قتل سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم کچھ کرنے پر تلے ہوئے ہو تو اسے کسی ویران کنویں میں پھینک دو کوئی قافلہ اٹھا لے جائے گا اور تم جان لئے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

۱۲-۱۳۔ **یرتع۔** جانور کا چرنا۔ چگنا۔ استعارۃً استعمال ہوا یعنی بافراغت کھائے پئے۔ **لا تامنّا** تو ہمیں امین نہیں جانتا۔ ہم پر بھروسہ نہیں کرتا۔

وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ﴿١٢﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَ
حالانکہ یقیناً ہم اس کے لیے خیر خواہ ہیں بھیج اُسے ساتھ ہمارے کل کھاوے اور
يَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿١٣﴾ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ
کھیلے اور ہم اس کی البتہ حفاظت کرنیوالے ہیں اس نے کہا یقیناً البتہ غم میں ڈالتی ہے مجھے یہ (بات)
تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ
لے جاؤ تم اسے اور میں ڈرتا ہوں اس سے کہ کھاوے اسے کوئی بھیڑیا جبکہ تم اس سے
غَافِلُونَ ﴿١٤﴾ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا
غافل ہو انہوں نے کہا البتہ اگر کھالے اسے بھیڑیا جبکہ ہم ایک جماعت ہیں یقیناً
إِذًا لَخَاسِرُونَ ﴿١٥﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ
ہم تو تب البتہ گھاٹا پانیوالے ہیں سو جب (ایسا ہوا کہ) لے گئے اسے اور انہوں نے اتفاق کیا اس پر کہ ڈال دیں اسے
فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا
اندھے کنوئیں میں اور وحی کی ہم نے طرف اسکی البتہ ضرور آگاہ کریگا تو انہیں معاملہ پر ان کے اس
وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٦﴾ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٧﴾ قَالُوا
اور وہ نہ جانتے ہوں گے اور وہ آئے باپ کے پاس اپنے عشاء کے وقت روتے ہوئے انہوں نے کہا

اس منصوبے کا عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے اپنے والد بزرگوار کو پھسلانا چاہا کہ وہ حضرت یوسفؑ کو ان کے ساتھ بھیج دیں۔ لیکن کہیں بھی انشاء اللہ کہا نہ اللہ کا نام لیا۔ پس ان کے طرز بیان سے بھی حضرت یعقوبؑ کو دکھ ہوا ہو گا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ پہلے بھی حضرت یعقوبؑ حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجنے میں متامل تھے اور اب جبکہ وہ خود حضرت یوسفؑ کا بہت خیر خواہ ثابت کر رہے تھے اور انہیں اپنے ساتھ لے جانے پر مُصر تھے۔

١٤۔ تو حضرت یعقوبؑ کو ان کے ساتھ یوسفؑ کو بھیجنے سے غم ہو رہا تھا کیونکہ ان کا دل کہہ رہا تھا کہ ان کی نیت ٹھیک نہیں۔ حضرت یعقوبؑ کا اسی خدشہ کو ظاہر کرنا جو اِن بھائیوں نے منصوبہ باندھا تھا یقیناً خدائی اشارے سے تھا۔

١٥۔ حسد اور بغض کس طرح انسان کو بار بار غلط بیانی پر مجبور کرتا ہے اور کہاں تک انسانیت سے گرا دیتا ہے۔ یہ اس قصہ سے خوب عیاں ہے۔

١٦۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیاروں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے کہ انتہائی کسمپرسی اور پریشانی میں کہ صرف باپ ہمدرد ہے لیکن وہ بھی پاس نہیں۔ بھائی جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور کنوئیں میں پھینک رہے ہیں۔ ایسے میں وحی الٰہی ایک عظیم بشارت کے ساتھ تسلی دیتی ہے کہ تو نہ صرف بچایا جائے

يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
اے باپ ہمارے یقیناً گئے ہم ایک دوسرے سے بڑھتے ہوئے اور چھوڑ گئے ہم یوسف کو پاس سامان کے اپنے
فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٨﴾
پس کھا لیا اسے بھیڑیئے نے اور نہیں ہے تو ماننے والا ہماری بات اور اگرچہ ہوں ہم سچے
وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
اور لائے کُرتے پر اس کے خون جعلی اس نے کہا بلکہ بنالی ہے تمہارے لیے
أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا
جانوں نے تمہاری ایک بات پس صبر اچھا ہے اور اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے اس پر جو
تَصِفُونَ ﴿١٩﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ
بیان کرتے ہو تم اور آیا ایک قافلہ سو بھیجا انہوں نے پانی لانے والے کو اپنے پس لٹکایا

گا بلکہ ان بھائیوں کو ان کے ان کرتوتوں سے بھی متنبہ کرے گا اور وہ تیرے مقام عالی سے بے خبر ہوں گے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں علم نہیں تھا کہ جسے کنوئیں کی پستیوں میں دھکیل رہے ہیں وہ عالم بالا سے خوشخبریاں پا رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ وحی الٰہی سے انسان اللہ کے خاص فضل و احسان سے کم عمری میں بھی مشرف ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی کم سنی میں علم و حکمت سے نوازا۔ قرآن کریم میں والدہ موسیٰؑ، اُم مریم اور حضرت مریمؑ کی وحی کا بھی ذکر ہے۔ گویا عورتیں بھی بفضل تعالیٰ اس مقام عالی کو حاصل کر سکتی ہیں۔

١٧-١٨۔ **نستبق۔ سبق**۔ آگے بڑھنا۔ **استباق** دوڑ میں آگے بڑھنا۔ **نستبق**۔ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں۔

ایک جھوٹ کے بعد کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں یہ اس قصہ سے ظاہر ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ اگر ہم سچے بھی ہوں تو آپ ہماری بات نہیں مانیں گے انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

١٩۔ **سوّلت۔ سوّل**۔ جس چیز کی خواہش ہو اسے نفس کا اچھا کر کے دکھانا اس کے برے پہلو کو بھی خوبصورت کر کے دکھانا۔ مستعان اسی سے استعانت ہے۔ مدد چاہا ہوا۔ صفت باری تعالیٰ۔ **صبرٌ جمیل**۔ وہ صبر جس میں شکوہ کا رنگ نہ ہو۔ (کشاف و بیضاوی) حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے **مَن بثّ لم یصبر**۔ یعنی جو اپنی مصیبت سب کے سامنے بیان کرتا پھرے اس نے صبر نہیں کیا۔ حدیث میں صبر کے معنی بدیوں سے رکنا اور نیکیوں پہ ثابت قدم رہنا، مصیبت میں صرف خدا سے فریاد کرنا اور اپنی مصیبتوں کا اظہار لوگوں سے نہ کرنا ہے۔

دَلْوَهٗ ؕ قَالَ یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ
اس نے ڈول اپنا اس نے کہا اے خوشخبری ہو یہ لڑکا ہے اور چھپایا ہے انہوں نے اسے بطور پونجی کے اور

اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ
اللہ خوب جاننے والا تھا اسے جو وہ کرتے تھے اور بیچا انہوں نے اُسے بعوض مول ناقص کے (بعوض) درہمول

ع ۲ ۱۴ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ
چند کے اور تھے وہ اس میں بے رغبت اور کہا

حضرت یعقوبؑ فراستِ نبوی اور علم الٰہی سے معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے۔ اسی لئے کہا
تمہارے نفسوں نے ایک سنگین بات کو اچھا کر کے دکھایا ہے یعنی تم نے اپنے دل سے یہ بات گ
ہے۔ پس صبر کرنا ہی اچھا ہے۔ شدید صدمہ کے وقت بہترین صبر کا مظاہرہ کرنا اور ان کے جھوٹ
ظلم پر اللہ تعالیٰ سے مدد کا خواستگار ہونا ایک نبی کے ہی شایانِ شان ہے۔ بائیبل نے تو حض
یعقوبؑ کے سالہا سال تک جزع وفزع اور واویلا کرنے کا ذکر کیا ہے جو ایک نبی کی شان سے
ہے اور بائیبل میں کی گئی تحریف کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صبر کا پھل کس طرح دیا او
کے جھوٹ کو کس طرح ظاہر کیا یہ اگلی آیات میں بیان فرمایا۔

۲۰۔ **وارد**۔ پہنچنے والا۔ **سقہ**۔ وہ شخص جو قافلے سے پہلے پہنچ کر پانی اور جگہ وغیرہ کا ا
کرتا ہے۔ **دلو**۔ ڈول۔ ادلی کے معنی ڈول کنویں میں ڈالنے کے ہیں۔ **بضاعة**۔ پونجی
تجارت۔ آیت: ۶۶ میں یہی لفظ آیا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایسا انتظام فرمایا کہ ایک قافلہ آ گیا اور انہوں نے پانی
لئے آدمی بھیجا۔ اس نے آپ کو کنویں سے نکال لیا۔ چونکہ ان دنوں غلاموں کی خرید وفروخت
تھی۔ اس لئے اہل قافلہ نے آپ کو مالِ تجارت سمجھتے ہوئے پونجی کے طور پر چھپا لیا۔ یعنی فائدہ اٹھا
کی غرض سے چھپا لیا۔

۲۱۔ **ذاهد**۔ **زهد**۔ بے رغبت۔ دین میں زہد دنیا سے بے رغبتی اور حرص کا نہ ہونا ہے
قافلہ والوں نے تو آپ کو قیمتی پونجی سمجھ کر چھپایا تھا کیونکہ خوبصورت غلاموں کی قیمت زیادہ لگتی تھی
لیکن یوسفؑ کے بھائیوں کو پتہ چلا کہ آپ قافلہ والوں کے پاس ہیں تو انہوں نے حضرت یوسفؑ کو
اپنا غلام ظاہر کر کے معمولی قیمت پر انہیں کے پاس بیچ دیا کیونکہ انہیں قیمت سے کوئی رغبت نہ
تھی۔ ان کا مقصد تو یہ تھا کہ غلام سمجھ کر انہیں کہیں دور لے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سب کاروائیوں

الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ
اس شخص نے جس نے خریدا تھا اُسے مصر سے بیوی کو اپنی کہ عزت سے کر رہنا اس کا

عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا
امید ہے کہ نفع دیگا ہمیں یا بنالیں گے ہم اسے بچہ اور اسی طرح جگہ دی ہم نے

لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۫ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ
یوسف کو زمین میں اور تاکہ سکھا دیں ہم اسے تعبیر باتوں کی

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾
اور اللہ غالب ہے حکم پر اپنے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

سے باخبر تھا۔ اسی طرح کفارِ مکہ کی کاروائیوں سے باخبر ہے۔ پس جس طرح حضرت یوسفؑ بچپن میں اپنے والدین اور چاہنے والوں سے ایک لمبا عرصہ تک کے لئے بچھڑ گئے اور ان کی شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بچپن ہی سے والدین اور بہت پیار کرنے والے دادا کی شفقتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔

۲۲۔ **مثوی**۔ ٹھکانا۔ **مکنا**۔ مکین صاحبِ عزت۔ **مکنا**۔ ہم نے جگہ دی۔ ہم نے قدر و منزلت بخشی۔ **تاویل**۔ درست معنی بتانا۔ تاویل الاحادیث۔ باتوں کی حقیقت۔ معاملہ فہمی۔ اس میں علم تعبیر رؤیا بھی شامل ہے۔

اس رکوع میں حضرت یوسفؑ کی ایک شدید ابتلاء میں استقامت کا ذکر ہے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر قسم کی آزمائشوں میں استقامت دکھائی۔ قرآن کریم سے حضرت یوسفؑ کا دو بار فروخت ہونا ثابت ہے۔ جیسا کہ قافلے والے آپ کو قیمتی چیز سمجھتے تھے۔ انہوں نے مصر پہنچ کر آپ کو عزیز مصر کے پاس فروخت کر دیا اور یقیناً اچھی قیمت وصول کی۔ عزیز مصر نے آپ کو بطور غلام رکھنا پسند نہ کیا بلکہ آپ کے غیر معمولی حسن و وجاہت اور عمدہ اطوار سے آپ کو کسی شریف گھرانے کا فرزند سمجھا اور اپنی بیوی کو آپ کی باعزت رہائش کا بندوبست کرنے کو کہا اور خیال ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے یہ ہمارے لئے نفع رساں ثابت ہو یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں کیونکہ وہ لاولد تھا۔ یہ شخص وزیر خزانہ تھا اسی عہدے پر بعد میں حضرت یوسفؑ بھی فائز ہوئے اور یہی لقب پایا۔ فرمایا اس طرح ہم نے یوسفؑ کو اس ملک میں عزت کا مقام دیا۔ اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم معاملات کی تہہ تک پہنچنے کا علم اسے سکھا دیں یعنی روحانی علوم کے دروازے اس پر کھول دیں جن میں سے ایک تعبیر رؤیا بھی تھا۔ اللہ اپنے فیصلہ پر غالب ہے گویا تقدیر کو بدلنا بھی اس کے اختیار میں ہے پس وہ جس

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ
اور جب پہنچا مضبوطی کو اپنی دیا ہم نے اسے حکم اور علم اور اسی طرح

نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا
ہم بدلہ دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو اور پھسلایا اسے اس عورت نے کہ وہ گھر میں تھا اس کے

عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ
نفس سے اس کے اور بند کر لیے دروازے اور کہا آ (کہتی ہوں) تجھے اس نے کہا

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
پناہ خدا کی یقیناً بات یہ ہے کہ رب نے میرے اچھا بنایا ہے ٹھکانا میرا یقیناً بات یہ ہے نہیں کامیاب ہوتے

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَاۤ اَنْ
ظالم اور یقیناً یقیناً قصد کیا اس عورت نے اور قصد کرتا (یوسف) اسکا اگر نہ ہوتا یہ کہ

طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ یعنی ان تمام حالات سے حضرت یوسفؑ کا گزرنا حکمتِ الٰہی سے تھا جو ... کی روحانی ترقی کا باعث بنا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ بائیبل کے مطابق عزیز مصر نے آپ کو تمام املاک کا مختارکل بنا دیا گویا ملکی نظم وضبط سنبھالنے کے لئے ابتدائی تربیت کا آغاز ہو گیا جو صحرائی زندگی میں ممکن نہ تھا۔

۲۳۔**اشدّہ**۔ مضبوطی۔ بلوغت۔

جب حضرت یوسفؑ اپنی جسمانی اور روحانی بلوغت کو پہنچے غالباً اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ یا بیس برس سے زیادہ نہیں تھی، تو آپ کو علم وحکمت عطا ہوئی اور یہ آپ کے محسن ہونے کی جزا تھی۔ یہ حضرت یوسفؑ سے خاص نہیں "عادت اللہ اور سنت اللہ اسی طرح واقعہ ہوئی ہے کہ کوئی محسن ہو، ہو اس کو اس طرح پر جزا ملتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ملی۔ غرض انسان محسن بنے پھر اس کے ساتھ ہے اور اسے مراتب اعلے ملتے ہیں"۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ الحکم ۱۷ فروری ۱۹۰۴ صفحہ ۷) آپ کو اپنے ربّ کی طرف سے محسن کا خطاب ملا۔ محسن کی تعریف یہ ہے کہ وہ دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دیتا ہے۔ یہ بھی کہ جب نماز پڑھتا ہے تو خدا کو دیکھتا ہے۔ آپ کا ربّ آپ کی نظروں سے کبھی بھی اوجھل نہیں ہوا۔ آپ تو ہمیشہ ہی نماز میں ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ آپ کا دامن گناہ کی نجاست سے پاک رہا اور آپ نے اپنے محسن سے خیانت نہیں کی۔

۲۴۔**راودت**۔ اس عورت نے پھسلایا (رود) اسی سے ارادہ اور مرضی ہے۔ جب صلہ عن ہو۔ تو معنی ہوں گے کہ اس کی مرضی کے خلاف اس سے کام کروانا چاہا۔ پھسلانا چاہا۔ **غلّقت**۔

وَ رَاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ
دیکھی تھی اس نے دلیل رب کی اپنے اسی طرح تاکہ پھیریں ہم اس سے برائی اور

الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَاسْتَبَقَا
بے حیائی یقیناً وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا اور دونوں آگے دوسرے کے

غلق۔ بند کرنا۔ **غلّقت**۔ اس عورت نے بند کیا۔ **هیت لك** میرے پاس آؤ۔

عزیز مصر کی بیوی جس کا نام طالمود میں زلیخا ہے، جس کے گھر میں آپ پلے بڑھے تھے اور جس کے زیرِ احسان تھے۔ اس نے آپ کی مرضی کے خلاف آپ کو پھسلانے کی کوشش کی۔ اس سے بڑی آزمائش اور کیا ہوگی کہ ایک جوان اور حسین عورت دروازے بند کر کے اپنے غلام کو بدی کی طرف بلائے اور وہ غلام اس سے اللہ کی پناہ چاہے اور اپنے ربّ کے اس احسان کو نہ بھولے جس نے غلامی میں عزت وتکریم سے نوازا اور غریب الوطنی میں بہترین بود و باش کا انتظام کیا۔ آپ کا اپنے دامن عفت کو بچائے رکھنا اور مقامِ عصمت پر ثابت قدمی سے ڈٹے رہنا ایک اولوالعزم نبی سے ہی خاص ہے جسے خدا کی طرف سے علم وحکمت عطا ہو چکی ہو۔ آپ نے اپنے محسن کی بیوی سے خیانت کو ظلم سے تعبیر کیا اور یہ بھی کہ گناہ کا ارتکاب محسنِ حقیقی کی ناشکری ہے۔

۲۵۔**السوء**۔ برائی۔ گناہِ صغیرہ۔ **الفحشاء**۔ بے حیائی۔ گناہِ کبیرہ۔ (مظہری)

اگر **بہ** سے مراد اس عورت کا قول هیت لک ہو تو همّ **بها** میں حضرت یوسف کے اپنے مندرجہ بالا اقوال پر ڈٹے رہنے کا اشارہ ہے۔ یعنی تمام برائیوں اور مصیبتوں سے اللہ کی پناہ چاہنا اور اسی پر بھروسہ رکھنا۔ اس کے احسان اور ربوبیّت کو مدنظر رکھنا اور ظالموں کے فلاح نہ پانے پر یقین کامل ہونا۔ پس آپ کے اقوال کی طرف بوجہ جمع ھا کی ضمیر پھیری جا سکتی ہے۔ **بہ** میں ہ کی ضمیر سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام ہوں تو معنی یہ ہیں کہ عورت نے تو آپ کو پھسلانے کا یقیناً پکا ارادہ کیا اور آپ بھی ضرور ایسا کرتے اگر آپ پہلے سے علم وحکمت کے ذریعہ برھانِ قاطعہ نہ دیکھ چکے ہوتے۔ پس آپ کو اپنے ربّ کی معرفت حاصل تھی اس لئے آپ سے ارادہ بھی ظہور میں نہیں آیا۔ گویا اس مقامِ عصمت پر قائم رہنا اور خود کو بچانا اللہ کے خاص بندوں کا مقام ہے اور اس کے فضل ہی سے ممکن ہے۔

اس آزمائش سے مقصد یہی تھا کہ کسی قسم کی بدی اور بے حیائی آپ کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائے اور آپ زلیخا اور اس کی ہمجولیوں کے چنگل سے نکل جائیں یا یہ کہ اس برھان کو دکھانے کا مقصد

الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا
مقابلہ میں دوڑے دروازے کیطرف اور پھاڑ دیا اس عورت نے کرتا اس کا پیچھے سے اور دونوں نے پایا سردار کو اس عورت کے پاس

الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّا
دروازے کے اس عورت نے کہا نہیں ہے بدلہ اس کا جو ارادہ کرے ساتھ گھر والوں کے تیرے برائی کا مگر

اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۶﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ
یہ کہ قید کیا جائے یا عذاب دردناک اس نے کہا اس عورت نے پھسلایا مجھے

نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهُ قُدَّ
نفس سے میرے اور گواہی دی ایک گواہ نے گھر والوں سے اس کے کہ اگر ہے کرتا اس کا پھاڑا گیا

مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِنْ كَانَ
آگے سے تو سچ کہا اس عورت نے اور وہ (یوسف) جھوٹوں میں سے ہے اور اگر ہے

قَمِيْصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾
کرتا اس کا پھاڑا گیا پیچھے سے تو جھوٹ بولا اس عورت نے اور وہ سچوں میں سے ہے

یہ تھا کہ ہم ہر بدی اور بے حیائی کو اس سے دور کر دیں کیونکہ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کے دشمنوں نے بھی دولت، عزت اور عورت کا لالچ دے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دین سے ہٹانا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا! اگر سورج میرے دائیں ہا میں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تب بھی میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ (سیرۃ النبی ابن ہش طلب ابی طالب ابی الرسول الکف جلد ا صفحہ ۲۶۶)

۲۶۔ حضرت یوسفؑ نے جب تمام پند و نصائح بیکار ہوتے دیکھے تو بے اختیار دروازہ طرف بھاگے۔ زلیخا بھی آپ کے تعاقب میں دروازہ کی طرف دوڑی اور پیچھے سے دامن کو پکڑ روکنے کی کوشش میں اسے پھاڑ دیا۔ اس کے خاوند کو دروازہ پر اچانک دیکھ کر آپ نے اپنی محسنہ کی پ دری نہیں کی لیکن زلیخا نے اپنی غلطی چھپانے کے لئے حضرت یوسفؑ پر بہتان لگایا جیسا کہ عام طور مجرموں کا شیوہ ہے۔ نیز اس میں اپنی ہتک کا بدلہ لینا بھی مقصود ہو گا۔ دونوں کو مشکوک حالت میں دیکھ کر اور اپنی بیوی کا الزام سن کر عزیز مصر کا طیش میں نہ آنا اور آپ کو گھر سے نہ نکالنا ثابت کرتا کہ وہ حقیقت حال کو بھانپ گیا تھا۔

۲۷۔۲۸۔ حضرت یوسفؑ زلیخا کا الزام سن کر خاموش نہیں رہے بلکہ اس کی تردید کی اور اس کے خاوند کو صحیح صورت حال سے آگاہ کیا۔ گویا کسی تہمت سے بریت کے لئے اپنی صفائی پیش کرنا

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۚ
سو جب دیکھا اس نے کرتا اس کا کہ پھاڑا گیا پیچھے سے کہا یقیناً یہ تدبیر ہے تم عورتوں کی

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۹﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَ
یقیناً تدبیر تم عورتوں کی بڑی ہے اے یوسف اعراض کر اس بات سے اور

ع ۳ / ۱۳ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۳۰﴾ وَقَالَ
بخشش مانگ تو عورت گناہ اپنے کی یقیناً تو ہی خطا کاروں سے ہے اور کہا

نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا
عورتوں نے شہر کی بیوی عزیز کی پھسلاتی ہے نوکر کو اپنے

عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ
نفس سے اس کے یقیناً وہ دل میں اسکے گھر کر گیا ہے محبت کے لحاظ سے یقیناً ہم البتہ دیکھتی ہیں اسے گمراہی میں

مُّبِيْنٍ ﴿۳۱﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ
کھلی کھلی پس جب سنی اس عورت نے تدبیر ان کی بلا بھیجا انہیں اور

ـت انبیاء ہے۔ نیز ایک دانا شخص نے جو زلیخا ہی کے خاندان سے تھا قمیض کے پیچھے سے پھٹے ہونے کو بطور گواہ پیش کر کے آپ کی سچائی و معصومیت اور عورت کے جھوٹ اور بہتان کو ثابت کیا۔ اس طرح قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے واقعاتی شہادت کو اہمیت دی۔ جبکہ آج کا قانون واقعاتی شہادت کو تسلیم کرتا ہے کہ انسان جھوٹ بولتے ہیں لیکن واقعات نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ان واقعات کا عینی شاہد ہو لیکن زلیخا کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے برملا اظہار سے گریز کرتا ہو۔

۲۹۔۳۰۔ پس جب عزیز مصر نے قمیض کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو ان عورتوں کے مکر کو سمجھ گیا۔ گویا اس مکر میں کچھ دوسری عورتوں کا بھی ہاتھ تھا جو غالباً زلیخا کی ہمجولیاں تھیں۔ پس اس نے حضرت یوسفؑ سے معذرت چاہی اور عورت کو معافی مانگنے کو کہا۔ یہ جملہ کہ عورتوں کے مکر بہت بڑے ہیں خدا کا قول ہے نہ رسول کا بلکہ عزیز مصر یہ الفاظ اس وقت کہتا ہے جب اس کی بیوی کھلم کھلا بدکاری کی طرف مائل ہوتی ہوئی ثابت ہوتی ہے اور اس گناہ میں اس کی سہیلیاں اس کی معاونت کرتی ہیں۔ ایسے مواقع پر اس طرح کے الفاظ عام طور پر کہے جاتے ہیں۔

۳۱۔ **شغف۔ شغاف۔** غلاف القلب یا دل کے پردے کا نام ہے۔ **شغفها حُبًّا** کے معنی ہیں کہ اس کی محبت اس کے دل کے پردے کے نیچے داخل ہو گئی یا اس کے دل میں گھر کر گئی۔

اس رکوع میں حضرت یوسفؑ کے بے گناہ قید میں ڈالے جانے کا ذکر ہے اسی طرح

اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

تیار کئے ان کے لیے تکیے اور دی اس نے ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ

اور اس نے کہا نکل ان پر پس جب دیکھا انہوں نے اُسے عظیم الشان پایا اور کاٹے انہوں نے

اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

ہاتھ اپنے اور کہا پاک ہے اللہ نہیں ہے یہ انسان نہیں ہے یہ مگر

مَلَكٌ كَرِيْمٌ ٣١ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَ

فرشتہ معزز اس نے کہا پس یہ وہ ہے کہ تم نے ملامت کی مجھے بارہ میں اس کے اور

رسول اللہ ﷺ اگرچہ کبھی قید تو نہیں ہوئے لیکن شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہ کر قید بند سے زیادہ مصیبتیں جھیلیں کیونکہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے بیوی بچے اور پورا قبیلہ شامل تھا۔

عزیز مصر کے خاندان سے یہ بات نکل کر معززین شہر کی خواتین تک جا پہنچی جو غالباً زلیخا کی ہمجولیاں تھی۔ اس طرح یہ چرچا عام ہو گیا اور وہ زلیخا کو الزام دینے لگیں کہ یہ تو اپنے غلام کی محبت میں بالکل ہی دیوانی ہو گئی ہے۔

٣٢۔ **مُتَّكَا**۔ ٹیک لگانا۔ اسی سے تکیہ ہے۔ **متکاءً** کھانے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ کھانے کے لئے ٹیک لگائی جاتی تھی۔ اس اُمت کو ٹیک لگا کر کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ **سِكِّيْنًا**۔ سکین۔ چُھری کو کہتے ہیں کیونکہ وہ اس چیز کو جسے اس سے ذبح کیا جائے حالت سکون میں کر دیتی ہے۔ **حاش للّٰہِ**۔ تنزیہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔

ان عورتوں کا مکر کیا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک غلام کو اپنے دامنِ الفت میں پھانسا کونسا کام ہے جو زلیخا سے نہیں ہوا اور دنیا بھر میں بدنام ہوئی۔ **ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** میں بھی اسی طرف اشارہ تھا کہ اسے تو صحیح طریقہ ہی نہیں آیا۔ یہ کونسا مشکل کام تھا۔ اسی لئے زلیخا نے ان سہیلیوں کے لئے دعوت کا انتظام کیا اور ان کے لئے مسند آراستہ کی اور دستور کے مطابق ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک چُھری پکڑا دی۔ حضرت یوسفؑ کو غالباً بطور خدمتگار چیزیں پیش کرنے کے بہانے بلایا۔ آپ کے بیمثال حسن و جمال، وقار اور بزرگی کو دیکھ کر وہ اتنی بدحواس ہوئیں کہ اپنے ہاتھ زخمی کر لئے اور بے اختیار بول اٹھیں۔ سبحان اللہ! یہ تو انسان نہیں فرشتہ ہے اور اسے راہ راست سے ہٹانا ناممکن ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر حضور اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کی بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔ شرح شمائل طالمود میں جو یہود کی حدیثوں کی کتاب ہے لکھا ہے کہ عزیز مصر

لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ

یقیناً یقیناً پھسلایا میں نے اسے نفس سے اس کے پس بچ گیا وہ اور البتہ اگر نہ کیا اس نے

مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ٣٢ قَالَ

جو حکم کرتی ہوں میں اسے ضرور ہی وہ قید کیا جائیگا اور ضرور وہ ہوگا ذلیلوں میں سے اس نے کہا

کی بیوی نے ان عورتوں کے سامنے سنگترے رکھے تھے اور حضرت یوسفؑ کو ان کی خدمت کا حکم دیا تھا۔ وہ انہیں دیکھتی رہیں اور سخت حیرت میں ان کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ جبکہ حضرت یوسفؑ نے ان پیکرانِ حُسن و جمال اور فتنہ ہائے ایمان و آگہی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا ہو گا اور کمال بے اعتنائی سے گزر گئے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زلیخا نے ان فاحشہ عورتوں کی چالوں سے فائدہ اٹھانا چاہا ہو اور ان سے مل کر حضرت یوسفؑ کے خلاف سازش تیار کی ہو۔ ہر ایک کو چھری پکڑانا بھی اسی سازش کا حصہ ہو اور خود معمولی زخم لگا کر حضرت یوسفؑ کو اپنے دام محبت میں پھنسانے یا بدنام کرنے کا ارادہ ہو۔ جیسا کہ ان کیدکن عظیم سے ان کی خطرناک چالبازی کا اندازہ ہوتا ہے۔ لیکن جس بد ارادے سے آئی تھیں آپ کو دیکھ کر باز آگئیں اور سمجھ گئیں کہ یہ عام انسان نہیں۔

زلیخا نہایت حسین، صاحب مرتبت لیکن ایک بد کردار عورت تھی۔ اگر اسے حضرت یوسفؑ سے سچا عشق ہوتا یا کچھ غیرت ہوتی تو اس کا یہ ردِ عمل نہ ہوتا اور ایسے اوچھے ہتھکنڈوں پر نہ اتر آتی۔ جب اپنے مزموم ارادوں میں کامیاب نہ ہوئی تو اپنی انانیت کا بدلہ لینا چاہا کہ میرے سامنے جھک جائے ورنہ اسے قید کروا دوں گی۔

٣٣۔ زلیخا نے جب ان عورتوں کی یہ عالت دیکھی تو فوراً کہا کہ وہی ہے جس کے معاملہ میں تم مجھے ملامت کرتی ہو کہ ایک معمولی غلام کو راغب نہ کر سکی۔ پھر نہایت ڈھٹائی سے برسرِ عام کہا کہ بیشک میں نے اسے ورغلانا چاہا مگر یہ بچا رہا اور ساتھ ہی دھمکی دی کہ اگر اب بھی اس نے میری بات نہ مانی تو یہ قید ہو کر ذلیل و خوار ہو گا۔ گویا حضرت یوسفؑ کی آزمائش ایک دو دن کی نہیں تھی بلکہ ایک لمبے عرصہ تک نہ صرف زلیخا بلکہ مصر کی حسین ترین معزز خاندانی خواتین نے آپ کو اپنے دام محبت میں پھنسانے کی کوشش کی۔ بلاشبہ اس وقت مصر کی تہذیب بے حیائی کی ایسی ڈگر پر چل رہی تھی جس پر آج کی متمدن دنیا گامزن ہے۔ موجودہ یورپ اور امریکہ کی طرح مصر اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک تھا۔

٣٤۔ **اصبُ**۔ بمعنی **نَزَغَ**۔ کھنچا چلا جانا۔ جھک جانا۔ **اصبُ**۔ میں جھک جاؤں گا۔

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا

اے رب میرے قید خانہ زیادہ پیارا ہے مجھے اس سے کہ وہ بُلاتی ہیں مجھے طرف جس کی اور اگر نہ

تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝۳۴

پھیری تونے مجھ سے تدبیر ان کی جُھک جاؤں گا طرف ان کی اور ہو جاؤں گا جاہلوں میں سے

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ کَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

پس قبول کی اس کے لیے رب نے اس کے پس پھیر دی اس سے تدبیر ان کی یقیناً وہ ہی خوب

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۳۵ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا

سننے والا خوب جاننے والا ہے پھر ظاہر ہوا ان کے لیے بعد اس کے کہ دیکھ لی تھیں انہوں نے

ع ۱۴ الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ۝۳۶ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ

نشانیاں البتہ ضرور قید میں ڈالیں گے اسے تا ایک وقت اور داخل ہوئے ساتھ اس کے قید خانہ میں

ابھی تک ان حسینانِ مصر کے تمام ہتھکنڈے بیکار ثابت ہوئے اور وہ آپ کے پائے استقلال میں لغزش پیدا کرنے سے قاصر رہیں۔ تاہم آپ اپنی بشری کمزوریوں سے ہرگز غافل نہیں تھے اگر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل شامل نہ ہوتا تو بعید نہیں تھا کہ جھک جاتے۔ پس کمال عاجزی سے ان مصیبتوں کو دور کرنے کی دعا کی اور معصیت کے مقابلہ میں دنیوی مصیبتوں کو آسان سمجھا۔ آپ کو نظر آرہا تھا کہ سازشیں اپنے عروج پر ہیں۔ جیل میں جانا جیل سے باہر رہنے سے بہتر ہے۔ پس قید سے بچنے کی فکر نہیں کی۔ نفس کو بچانے کی فکر کی۔ آپ کا قید خانہ میں جانا بعد میں بہت سے عظیم نشانات کو ظاہر کرنے کا موجب ہوا۔

آپ نے ایک بڑی مصیبت کے وقت چھوٹی مصیبت مانگی۔ جبکہ ہمارے پیارے رسول محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی خیر ہی مانگی۔ عام لوگوں کے لئے تو یہی اصول ہے کہ ایسی صحبت، مقام اور ماحول کو چھوڑ دینا چاہیئے جو بدی کا مُحرک ہو لیکن انبیاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔

۳۵۔ پس اللہ نے اپنے اس پاکباز بندے کی دعا قبول فرمائی اور مشیت الٰہی سے جیل کا دروازہ کھول کر آپ کو ان کی مکارانہ تدبیروں سے بچا لیا۔ وہ بہت دعائیں سننے والا اور اپنے بندوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

۳۶۔ **بَدَا**۔ ظاہر ہوا۔ کھل گیا۔ **بَدَا**۔ اس نے شروع کیا۔

عزیز مصر اور اس کے لواحقین پر حضرت یوسفؑ کی بریت کے کھلے کھلے نشان ظاہر ہو گئے

فَتَیٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ

دو جوان کہا ان میں سے ایک نے میں دیکھتا ہوں اپنے تئیں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب اور کہا

الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْکُلُ الطَّیْرُ

دوسرے نے میں دیکھتا ہوں اپنے تئیں کہ اٹھاتا ہوں اوپر سر کے اپنے روٹی کھاتے ہیں پرندے

مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۳۷

اس سے آگاہ کر ہمیں تعبیر سے اس کی ہم دیکھتے ہیں تجھے محسنوں میں سے

قَالَ لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُکُمَا

اس نے کہا نہیں آئیگا تم دونوں کے پاس کھانا کہ تم دیئے جاؤ گے جو مگر آگاہ کروں گا میں تم کو

بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَکُمَا ؕ ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ

تعبیر سے اس کی پہلے اس کے کہ آئے گا تمہارے پاس یہ اس سے ہے جو سکھایا مجھے

تھے تاہم انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ آپ کو کچھ مدت کے لئے قید کر دیا جائے تا کہ یہ فتنہ دب جائے۔ آپ منصب نبوت کی طرف بڑھ رہے تھے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے آپ کی تائید میں کوئی الٰہی نشان دیکھے ہوں۔

۳۷۔ **اعصر۔ عَصَرَ**۔ نچوڑنا۔ **اَعْصِرُ**۔ میں نچوڑتا ہوں۔ **خمر**۔ انگور کی شراب۔ بطور استعارہ انگور کو بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا اکثر حصہ بالآخر شراب بن جاتا ہے۔ افسوس پیداوار کا اسّی فیصد حصہ شراب بنانے کے کام میں لایا جاتا ہے جو خدا کی اس نعمت کا غلط استعمال ہے۔ باقی بیس فیصد انگور، کشمش اور منقّٰی وغیرہ کی صورت کھانے کے کام آتا ہے۔

اس رکوع میں بتایا کہ حضرت یوسفؑ نے قید میں بھی تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبِ ابی طالب میں محصور ہونے کے زمانہ میں بنو ہاشم کو تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا اور کئی لوگوں کو قبول اسلام کی توفیق ملی۔ محسنین سے استنباط ہوتا ہے کہ ان قیدیوں پر حضرت یوسفؑ کا اعلیٰ کردار واضح تھا اور وہ آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ پس انہوں نے اپنی خوابوں کی تعبیر پوچھی۔ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی اور دوسرا نانبائی تھا اور دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کا الزام تھا۔

۳۸۔ انبیاء کی زندگی پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں ان کی زندگی کے تین ادوار نظر آتے ہیں۔ پہلا دور اعلان نبوت سے پہلے کا ہے جو عبادت اور ریاضت سے عبارت ہوتا ہے جس میں ابتلاؤں اور آزمائشوں کی بھٹی سے سونا بن کر نکلتے ہیں۔ پھر مرتبہ نبوت عطا ہوتے ہی دوسرا دور

رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ

رب نے میرے میں نے چھوڑ دیا مذہب ان لوگوں کا جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۳۸ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ

آخرت کے منکر ہیں اور پیروی کی میں نے مذہب کی باپ دادا کے اپنے

شروع ہو جاتا ہے اور بطور ایک داعی الی اللہ مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت کے لئے وقف ہو جاتے ہیں جس میں دکھوں اور ابتلاؤں کا سلسلہ ایک نئی نہج سے شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ آخری دور کامیابیوں اور کامرانیوں سے مزین ہوتا ہے۔

ابتدائی دور میں قید خانہ میں جانے سے پہلے حضرت یوسفؑ مختلف ابتلاؤں سے گزرے۔ اگرچہ عزیز مصر کے گھر کچھ عرصہ بہت آرام سے رہے لیکن ایک غلام تھے کوئی آپ کے خاندان کو نہیں جانتا تھا۔ یہ آزمائش بھی کچھ کم نہ تھی کہ آپ کو اپنے ربّ کی طرف سے اپنے والد بزرگوار یا دیگر عزیزوں کو اپنی خیریت کی اطلاع دینے کی اجازت نہیں تھی۔ روایت ہے کہ جب آپ کے والدین اور بھائی آپ کے بلانے پر مصر آئے تو آپ نے اپنے والد کو ایک صندوق کھول کر دکھایا جو خطوط سے بھرا ہوا تھا اور بتایا کہ جب آپ کو خط لکھتا ہاتفِ غیبی روک دیتا اور مجھے اللہ کی طرف سے منع کر دیا جاتا۔ غرض مختلف آزمائشوں سے گزر کر آپ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی زندان میں ڈال دئے گئے۔ غالباً یہیں سے آپ کی نبوت کا دور شروع ہوا۔ یہاں بھی آپ کی اور آنحضرت ﷺ کی ایک خاص مشابہت ملتی ہے جس طرح آپ کو تربیت کے لئے ایک گنوار، اجڈ اور اکھڑ قوم ملی۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے ابتدائی مخاطب بھی چوروں اور ڈاکوؤں کا اخلاق باختہ گروہ تھا۔ سنت یوسفی آج جماعت احمدیہ پر پوری طرح اطلاق پا رہی ہے۔ لاتعداد بے گناہ احمدی قیدوبند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں اور اپنے قیدی ساتھیوں کی ہدایت کا موجب بن رہے ہیں۔ آپ کی اس پہلی تقریر کو جو صرف چار آیات پر مشتمل ہے ایک بہترین تبلیغی تقریر کہا جا سکتا ہے۔ جو اس سورۃ کا گویا مغز ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر وقت تبلیغ و نصائح کے لئے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ جونہی دیکھا کہ دو قیدی آپ کی بزرگی سے متاثر ہو کر اپنی خوابوں کی تعبیر پوچھنا چاہتے ہیں تو آپ نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور بتایا کہ کھانا پہنچنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ گویا تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں بھی قیدیوں کو کھانے سے پہلے کچھ دیر کے لئے فارغ کر دیا جاتا تھا۔ پھر کمال حکمت سے انہیں نصیحت کی طرف پھیرا اور بہترین انداز سے تبلیغ کا آغاز کیا اور اپنے

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ

ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کی نہیں ہے ہمارے لیے کہ شریک بنائیں ہم

بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ

ساتھ اللہ کے کچھ بھی یہ فضل سے ہے اللہ کے ہم پر اور لوگوں پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۹ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے اے میرے دو ساتھیو قید خانہ کے

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴۰

کیا رب بہت سے بہتر ہیں یا اللہ اکیلا (اور) مالک

تمام علوم کو خدا کی طرف منسوب کیا کہ یہ میرا ذاتی کمال ہرگز نہیں۔ تمام علم و حکمت جس میں تعبیر رویاء بھی شامل ہے میرے ربّ کی عطا ہے۔ **ذٰلکما** میں بتایا کہ تم دونوں کے معاملہ کا علم اللہ نے مجھے بطور خاص دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اللہ اور یوم آخر کے منکروں کے طریق کو چھوڑ دیا ہے۔ یہاں بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے کو اصل کہا گویا باقی سب انہیؓ کی فروع ہیں۔

۳۹۔ فرمایا کہ میں نے اپنے آباء و اجداد حضرت ابراھیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے دین کی اتباع کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی شناخت کروائی لیکن باپ سے نہیں۔ مرتبہ اور عظمت کے لحاظ سے پہلے پڑ دادا کا نام لیا جو اس سلسلہ کے بانی تھے پھر دادا پھر اپنے باپ کا نام لیا اور خود کو خاندانِ نبوت کا ایک فرد ظاہر کیا کیونکہ انبیاء کے لئے **نجیبُ الطرفین** ہونا بھی ضروری ہے۔ اس طرح یہ بھی بتا دیا کہ میں کوئی نیا مذہب پیش نہیں کر رہا بلکہ اسی مذہب کی طرف بلا رہا ہوں جو حضرت ابراھیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا مذہب تھا۔ فرمایا یہ ہمارے مزاج میں ہی داخل نہیں کہ ہم اللہ کا شریک بنائیں۔ پھر بتایا کہ توحید کی تعلیم کا ملنا اللہ کا خاص فضل و احسان ہے جو انبیاء کے علاوہ تمام لوگوں پر ہے۔ کیونکہ ہدایت کی راہ اللہ نے سب کو دکھا دی مگر اکثر لوگ شکر کا حق ادا نہیں کرتے یعنی اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر کما حقہٗ نہیں چلتے اور ان فضلوں کے وارث نہیں بنتے۔ پس فضل تو سب کے لئے تھا۔ مگر فائدہ وہی اٹھائیں گے جو شکر کرتے ہیں۔

۴۰۔ ان الفاظ میں کہ ''اے میرے قید خانہ کے ساتھیو'' کس قدر محبت کی چاشنی اور اپنائیت ہے۔ ایسے ملازم پیشہ افراد کو جو اپنے آقاؤں کے زخم خوردہ ہوں اس سے بہتر طریقہ سے وحدانیت کا سبق نہیں دیا جا سکتا۔ نہایت آسان لفظوں میں سمجھاتے ہیں کہ ان کی دلشکنی بھی نہ ہو کہ کیا مختلف آقاؤں کی غلامی بہتر ہے یا ایک آقا کی۔ ظاہر ہے کہ زیادہ آقاؤں والے غلام سے آقا خوش ہوں

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ
نہیں عبادت کرتے تم سوائے اس کے مگر ناموں کی کہ رکھے ہیں تم نے جو تم نے
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا
اور باپ دادا نے تمہارے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں ہے حکم مگر
لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
اللہ کا اسی نے حکم دیا ہے کہ نہ عبادت کرو سوائے اس کے یہ (وہی) دین ہے درست
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ
ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اے دو ساتھیو قید کے
اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ
وہ جو تم دونوں میں سے ایک پس وہ پلائے گا اپنے آقا کو شراب اور وہ جو دوسرا ہے پس صلیب پر مارا جائیگا
فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ
پس کھائیں گے پرندے سر سے اس کے فیصلہ کیا گیا اس معاملہ کا جس میں تم
تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ
دونوں فتویٰ مانگتے ہو مجھ سے اور کہا (یوسف نے) اس شخص کیلئے کہ (یوسف نے) گمان کیا تھا کہ وہ نجات پانیوالا ہے ان دونوں میں سے ذکر کیجیو
عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي
میرا پاس اپنے آقا کے پس بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے آقا کے پاس پس (یوسف) ٹھہرا

گے نہ غلام، پھر فرمایا کہ آقا بھی وہ جو ایک ہونے کے باوجود کامل غلبہ رکھتا ہو اور اپنے غلام کی ہر ضرورت پوری کرنے پر قادر ہو۔

۴۱۔ **قیّم** میں تینوں صفات ہیں۔ باقی رہنے والا، سیدھا اور سچا۔

اس کے مقابلہ میں یہ تمہارے بے بس پتھروں کے معبود جن کے محض فرضی نام تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ کسی کو رزق کا دیوتا کہتے ہو، کسی کو بارش کا۔ اللہ کو تم بھی مانتے ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ اللہ نے ان بتوں کی الوہیت کی تائید میں کوئی دلیل نہیں اتاری یعنی کسی نبی نے کبھی شرک کی تعلیم نہیں دی۔ یاد رکھو حکومت اللہ کے سوا کسی کی نہیں یعنی فیصلے کا اختیار صرف اللہ کو ہے۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ پس یہی ہمیشہ قائم رہنے والا اور قائم رکھنے والا، سیدھا اور سچا دین ہے جس میں شرک کا شائبہ تک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۴۲۔ اس مختصر اور جامع تقریر کے بعد آپ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بتائی اور علمِ الٰہی سے یہ پیشگوئی بھی فرما دی کہ ایسا مقدر ہو کر رہے گا۔

السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ ع ۷/۱۵
قید خانہ میں کچھ سال اور کہا بادشاہ نے یقیناً میں دیکھتا ہوں سات
بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ
گائیں موٹی کھاتی ہیں ان کو سات دُبلی اور سات بالیں
خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ
سبز اور دوسری خشک اے سردارو فتویٰ دو مجھے خواب (کے بارہ) میں میری
اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ
اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے کہا انہوں نے پراگندہ خوابیں ہیں

۴۳۔ **ظَنّ** کے بعد اَنّ آجائے تو یقین کے معنی دیتا ہے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ)

بضع۔ تین سے نو (۹) تک کے عدد کے لئے آتا ہے۔

۴۳۔ ثابت ہوا کہ کسی کو جائز سفارش کے لئے کہنا توکل کے منافی نہیں۔ ساقی قید سے رہائی کے بعد اپنے شیطانی کاموں میں ایسا محو ہوا کہ شاہِ مصر سے حضرت یوسفؑ کا ذکر کرنا بھول گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مناسب وقت کے انتظار میں یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی۔ یہاں نفس کا شیطان مراد ہے یعنی انسانی بھول چوک سے ایسا ہوا۔ ورنہ شیطان کو تدبیر الٰہی میں دخل دینے کا اختیار نہیں۔ اس بھولنے میں سر یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کا باعزت طریق پر بری ہونا منظور تھا۔ ایک معمولی ملازم کی سفارش پر ایسا ممکن نہیں تھا۔

تقدیرِ الٰہی سے چند سال بعد بادشاہ پر آپ کے کمالات ظاہر ہوئے پھر تحقیق کے نتیجہ میں آپ پر لگائے گئے تمام الزامات غلط ثابت ہوئے، آپ باعزت بری ہوئے اور ایک عظیم المرتبت عہدہ پر فائز ہوئے۔ روایت ہے کہ آپ بارہ سال قید میں رہے لیکن بضع سنین سے نو سال سے زیادہ عرصہ نہیں بنتا۔

۴۴۔ **یٰبِسٰت**۔ جس کی رطوبت جاتی رہے۔ خشک۔

اس رکوع میں شاہِ مصر کی خواب کا ذکر ہے جس میں سات سالہ قحط کی طرف اشارہ تھا اور یہی خواب حضرت یوسفؑ کی رہائی کا سبب بنا۔ اہل مکہ کے بار بار عذاب کے نشان کی فرمائش پر حضرت یوسفؑ کے زمانہ کی طرح مکہ میں سات سالہ شدید قحط پڑا۔ آخر ابو سفیان کی درخواست پر آپ ﷺ کی دعا سے قحط دور ہوا۔

۴۵۔ **اضغاث**۔ **ضغث** کی جمع ہے۔ پراگندہ۔ **اَحلام**۔ (**حلم**) بُرا خواب۔ اسی سے احتلام ہے۔ جبکہ رؤیا اچھا خواب ہے۔

وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ وَقَالَ الَّذِيْ
اور نہیں ہم حقیقت پراگندہ خوابوں کی جاننے والے اور کہا اس نے جو

نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ
بچ گیا تھا ان دونوں میں سے اور یاد کیا اس نے ایک مدت کے بعد کہ میں آگاہ کروں گا تم کو حقیقت سے اس کی

فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٣٦﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ
پس بھیجو مجھے یوسف اے راستباز فتویٰ دے ہمیں سات

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ
گائیوں میں (جو) موٹی (ہیں) کھاتی ہیں ان کو سات دُبلی اور سات بالیں

اس سورۃ میں سب سے پہلے ایک صالح بچے کے سچے خواب کا ذکر تھا۔ پھر دو فاسقوں کی سچی خوابیں بتائیں۔ اب ایک کافر کی سچی رؤیا کا ذکر کیا۔ گویا ہر شخص کو سچا خواب آ سکتا ہے تا اللہ کے وجود پر گواہ ہو۔ تاہم تواتر سے سچے خوابوں کا آنا اس کے برگزیدہ بندوں سے خاص ہے۔ قرآن کریم نے مختلف خوابوں کو ایک ہی سورۃ میں بیان کر کے اسے ایک علمی مسئلہ کے طور پر پیش کیا اور کہ ہر شخص کو عام طور پر اس کے حالات کے مطابق خواب دکھائے جاتے ہیں جو تمثیلی رنگ میں ہو ہیں اور تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق آئندہ پیش آنے والے واقعات سے ہوتا ہے۔ جیسا قیدیوں کو خواب میں ان کے متعلق خدائی فیصلہ سے آگاہ کیا گیا۔ شاہِ مصر کو خواب میں اس کی مملکت میں ہونے والے آئندہ چودہ سال کے اقتصادی حالات کا نقشہ تمثیلی طور پر دکھایا گیا جس میں قحط کی شدت کو کم کرنے کی تجاویز اور بعض احتیاطی تدابیر کی طرف اشارہ کیا۔ بادشاہ نے اپنے خواب کو درباریوں سے کہا اور اس کی تعبیر جاننا چاہی لیکن درباریوں اور کاہنوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرنے میں اپنی ہتک سمجھی اور اسے پراگندہ خواب سے تعبیر کیا۔

٤٦۔ **اِدَّکَر**۔ ذکر میں سے بابِ افتعال کا فعل ماضی ہے۔ یاد کرنا۔ **وادّکر**۔ اور اس نے یاد کیا۔

شاہِ مصر کا ساقی جو قید میں حضرت یوسفؑ کے غیر معمولی اخلاق و اطوار اور پند و نصائح کی وجہ سے آپ کو محسن گردانتا تھا۔ آپ کی تعبیر کے مطابق رہائی پا کر احسان فراموشی کی تمام حدود پھلانگ گیا اور شاہ سے آپ کا ذکر تک نہیں کیا۔ لیکن بادشاہ کا خواب سن کر ایک مدت بعد اسے حضرت یوسفؑ کا خیال آیا اور سرداروں سے کہا کہ مجھے اس کے پاس بھیجو میں آپ کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ وہ ایک معمولی ملازم تھا دربار تک رسائی نہیں تھی اس لئے سرداروں یا اہل دربار کو کہا۔

خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
سبز اور دوسری خشک تاکہ میں لوٹوں طرف لوگوں کے تاکہ وہ (لوگ)

يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا
جان لیں کہا تم کھیتی کرو گے سات سال پے در پے سو جو

حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٣٨﴾
کاٹو تم تو چھوڑ دو اس کو بالوں میں اس کے مگر تھوڑا اس سے جو تم کھاؤ

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا
پھر آئیں گے بعد اس کے سات (سال) سخت کھا جائیں گے جو

٤٧۔ ساقی نے اپنی کوتاہی کی معذرت نہیں چاہی۔ صرف آپ کو ایک بہت ہی سچا انسان کہہ کر مخاطب کیا اور جاتے ہی بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی تا کہ اس تعبیر کو سن کر بادشاہ اور اہل دربار بلکہ عوام الناس بھی آپ کی سچائی اور اعلیٰ مقام کے قائل ہو جائیں۔ اس طرح ان پر آپ کی براءت ظاہر ہو جائے اور رہائی کی صورت پیدا ہو۔ **لعلّی ارجع الی النّاس** میں جلد واپس جانے کا اشارہ بھی تھا۔ ساقی کی اس عجلت کا مقصد یا تو یہ تھا کہ کہیں آپ اپنی عادت کے مطابق وعظ و نصیحت نہ شروع کر دیں یا یہ کہ دیر سے واپس پہنچنا آدابِ شاہی کے منافی جانا یا یہ کہ لوگوں پر جلد آپ کی بے گناہی ثابت ہو جائے اور آپ کی رہائی کی صورت پیدا ہو اور پچھلی کوتاہی کی کچھ تلافی ہو جائے۔

٤٨۔ **داباً**۔ کے معنی ہمیشہ اور مسلسل کے ہیں جیسا کہ **وسخر لکم الشمس والقمر دآئبین** (ابراھیم ١٤۔٣٤) یہاں مراد بلا وقفہ محنت ہے۔

آپ نے بھی اس میں رُشد کے کوئی آثار نہ دیکھتے ہوئے اس کی عجلت کے پیشِ نظر اسے کوئی نصیحت نہیں کی بلکہ خواب کی تعبیر بتائی اور نہایت حکیمانہ مشورے دیئے۔ آخر میں ایک پیشگوئی بھی فرما دی آپ نے سات موٹی گائیوں اور سات سبز بالیوں کی تعبیر سات ایسے سالوں سے کی جن میں خوب فصلیں اگیں گی۔ خوشحالی کا دور دورہ ہو گا اور غلّے کی فراوانی ہو گی۔ **دابًا** کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ ان سالوں میں خوب محنت و مشقت کرنا۔ **قلیلاً** میں اشارہ کر دیا کہ کھانے اور خرچ کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لینا تا کہ زیادہ پس انداز کر سکو۔ اب نہایت حکیمانہ مشورہ دیا کہ فالتو غلّے کو اس کی بالیوں ہی میں چھوڑ دینا تا کہ کیڑا لگنے سے محفوظ رہے۔ خواب میں بالیں دیکھنے سے بھی آپ نے یہی استنباط کیا کہ غلّے کو بالیوں میں رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ آج سائنسدانوں نے بھی یہی ثابت کیا کہ اگر غلہ کو اس کی بالیوں میں رکھیں تو یہ کافی عرصہ تک خراب نہیں ہوگا۔

قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۹﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ
پہلے رکھا تھا تم نے ان کے لیے مگر تھوڑا سا اس سے جو محفوظ رکھو گے پھر آئے گا

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ
بعد اس کے ایک سال میں جس میں سیراب کیے جائیں گے لوگ اور اس میں

يَعْصِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ
نچوڑیں گے (عرق انگور) اور کہا بادشاہ نے لاؤ میرے پاس اسے پس جب آیا اس کے پاس

الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
قاصد کہا واپس جا طرف مالک کے اپنے پھر پوچھ اس سے کیا حال ہے ان عورتوں کا

۴۹۔ **محصنون۔ حَصَنَ** ۔روکنا۔منع کرنا۔اسی سے محصنات یعنی پاکباز عورتیں جو خود کو بدیوں سے روکے رکھتی ہیں۔ **تحصنون**۔تم روک رکھتے ہو۔ یہاں مراد ایسا غلہ ہے جو ... کرنے سے روک رکھا ہو۔ یعنی بیج کی خاطر یا دیگر ہنگامی ضروریات کے لئے بچا رکھا ہو۔ آپ نے سات دبلی گائیوں اور کچھ خشک بالیوں سے مراد سات خشک سال لئے جو پہلے سات سالوں کا جمع غلہ کھا جائیں گے۔ ساتھ ہی بطور مشورہ کہا کہ بیج وغیرہ کے لئے کچھ نہ کچھ غلہ ضرور پس انداز کر ...

۵۰۔ **عام** اور **سنة** دونوں کے معنی سال کے ہیں۔ لیکن **عام** عام طور پر اس سال کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جس میں بارش اور ارزانی ہو جبکہ **سنة** میں خشکی اور شدت کی طرف اشارہ ہے۔ **یُغاث** ۔فریاد سنی جائے گی۔ یا خوب بارش ہوگی۔ حدیث کی دعا ہے **یا حیی یا قیوم برحمتک استغیث**۔

تعبیر رویاء کے بعد ایک زبردست پیشگوئی فرمائی کہ پھر اگلا سال خوشحالی اور مراد یابی کا ... ہوگا۔ لوگوں کی فریادیں سنی جائیں گی۔ خوب بارشیں ہوں گی، پھلوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے ... نچوڑے جائیں گے۔ گویا اس خواب کا تعلق آئندہ پندرہ برس میں پیش آنے والے بعض اہم ... حالات سے ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں اہل مکہ کے لئے بے شمار پیشگوئیاں تھیں اس لئے **یغاث** کا ... استعمال ہوا کہ اہل مصر کی سات سالہ قحط کے بعد دریائے نیل کی طغیانی سے فریاد رسی ہوئی کیونکہ ... سیرابی کا صرف یہی ذریعہ تھا جبکہ اہل مکہ کی سات سالہ قحط کے بعد آنحضرت ﷺ کی دعاؤں سے بارش سے سیرابی ہوگی۔

۵۱۔ **البالُ**۔ معاملہ۔ حال۔

اس رکوع میں حضرت یوسفؑ کی باعزت براءت اور آپ کے منصب اعلیٰ پر فائز ہونے کا ...

الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾
جنہوں نے کاٹے ہاتھ اپنے یقیناً رب میرا تدبیر کو ان کی خوب جاننے والا ہے

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ
اس نے کہا کیا اصل بات ہے تمہاری اے عورتو جبکہ پھسلایا تم نے یوسف کو نفس سے اس کے

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ
انہوں نے کہا پاک ہے اللہ نہیں جانی ہم نے اس پر کوئی برائی کہا

امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ
عورت نے عزیز کی اب ظاہر ہوگیا حق میں نے ہی پھسلایا تھا اسے

عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ
نفس سے اس کے اور یقیناً وہ البتہ سچوں میں سے ہے یہ اس لیے تاکہ جان لے وہ کہ میں نے

... ذکر ہے۔ آپ کی تعبیر اور اس میں پیش کردہ تجاویز سے شاہِ مصر کو آپ کی فراست و ذہانت کا اندازہ ہوا اور اس کا قاصد آپ کے پاس رہائی کا مژدہ لے کر آیا۔ لیکن آپ نے اپنی براءت ثابت ہوئے بغیر زندان سے نکلنا پسند نہیں فرمایا۔ کیونکہ ایک نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس پر اخلاق سے گرے ہوئے الزامات لگائے گئے ہوں اور وہ لوگوں کو اس غلط فہمی میں رہنے دے کیونکہ وہ لوگوں کے لئے بطور مطاع ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اپنی بیوی ام المومنین حضرت صفیہؓ کے چہرے سے نقاب اٹھا کر بتایا کہ یہ میری بیوی ہے تا کہ کسی کو کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ (بخاری کتاب الاعتکاف باب هل **یخرج المعتکف الحوائجه** ۔صفحہ ۲۷۱/۱۔ مسلم صفحہ ۲۰۲/۹) آپ نے زلیخا کی بجائے اس کی سہیلیوں کا ذکر کیا جنہوں نے زلیخا کی اس بدی میں معاونت کی۔ شائد آپ کو اپنے محسن کو رسوا کرنا گوارا نہ تھا۔ آپ کو اپنی براءت منظور تھی جس کی گواہ یہ عورتیں بھی تھیں۔ یہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ زلیخا کی سہیلیوں کا اپنی انگلیوں کو کاٹنا ان کی کسی گہری سازش کی نشاندہی کرتا تھا۔ ممکن ہے انہوں نے زلیخا کی وکالت میں یہ بہتان بھی لگایا ہو کہ حضرت یوسفؑ نے نہ صرف زلیخا سے دست درازی کی بلکہ ہم سے بھی زیادتی کا مرتکب ہوا اور اپنا بچاؤ کرنے میں ہم زخمی ہوئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایسا مشہور ہو چکا تھا کہ زبان زدِ عام تھا۔

۵۲۔ **خطب**۔ خطاب۔ امرِ عظیم جس میں ایک دوسرے سے مخاطبہ ہو۔ مقصد۔ معاملہ۔ **حصحص**۔ **حصّ**۔ قطع کرنا۔ اسی سے حصہ ہے جو کل سے کاٹ دیا جائے۔ **حصحص** یعنی کھل گیا، ظاہر ہوگیا۔

لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

نہیں خیانت کی اس کی غیر حاضری میں اور یقیناً اللہ نہیں راہ دیتا تدبیر کو خیانت کرنے والوں کی

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ

اور نہیں بری ٹھہراتا میں نفس کو اپنے یقیناً نفس تو البتہ بہت بہت حکم دینے والا ہے برائی کا

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ

مگر جس پر رحم کیا رب نے میرے یقیناً رب میرا بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اور کہا بادشاہ نے

نو سال بعد یہ معاملہ عزیزِ مصر کی عدالت سے دربارِ شاہی تک پہنچا اور آپ نے نو سال ق
بند کی مصیبتوں سے رہائی پائی۔ آنحضرت ﷺ کو بھی دعویٰ نبوت کے ابتدائی تین سال چھوڑ کر
مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور آپ ﷺ نے بھی قریباً اتنا ہی عرصہ شدید مصائب میں گزارا۔
آپ ﷺ کو بشارت دی جارہی ہے کہ آپ ﷺ کی تکالیف کے دن بھی ختم ہونے والے ہیں۔
شاہِ مصر نہ صرف آپ کی فراست و بصیرت کا قائل ہو چکا تھا بلکہ اس پر آپ کی معصو
بھی واضح ہو چکی تھی چنانچہ اس نے آپ کو باعزت طریقہ سے دربار میں بلایا۔ اُن عورتوں کو دربار
آپ کے سامنے پیش کیا اور ان کے جرم کی بابت پوچھا۔ ان عورتوں نے یا تو بادشاہ سے مرعوب ہ
یا ایک لمبے عرصہ کی اپنے ضمیر کی ملامت کے باعث کہ ان کے بہتان سے ایک فرشتہ سیرت ا
زندان میں پڑا رہا شاہِ مصر کے سامنے حضرت یوسفؑ کی قطعی بے گناہی اور پاک دامنی کی گو
دی۔ زلیخا نے جب دیکھا کہ حق کھل گیا ہے تو انکار نہ کر سکی اور اپنی غلطی کا برملا اقرار کیا اور حضر
یوسفؑ کو سچا کہا۔

۵۳۔ حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میں اپنی بریت کسی تکبر کی وجہ سے نہیں کروانا چاہتا تھا۔
میرا مقصد صرف اپنے محسن کو یہ باور کروانا تھا کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں اس کے حق
خیانت نہیں کی اور یہ بھی کہ اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

۵۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کی نہایت لطیف اور پُر معرفت تشریح فر
ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نفسِ انسانی کے تین مراتب ہیں۔ **امّارہ۔ لوّامہ** (سورۃ قیامۃ) **مطمئنہ**
(سورۃ فجر) بیشک انسانی پیدائش نفسِ زکیہ پر ہوتی ہے اور وہ ہر گز گنہگار پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا
حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے پھر اس
ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں (مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ) ا

ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ

لاؤ میرے پاس اس کو خالص کروں گا اسے واسطے نفس کے اپنے سو جب اس نے بات کی اس سے اس سے کہا یقیناً

الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۵﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ

تو آج نزدیک ہمارے معزز (اور) امین ہے اس نے کہا مقرر کر دے مجھے خزانوں پر

انبیاء مقام معصومیت پر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں ہر بدی سے محفوظ رکھتا ہے۔ چونکہ حضرت یوسفؑ
نے اپنے نفس کی بریت پر بہت زور دیا اس لئے خیال ہو سکتا تھا کہ آپ اپنے نفس کو ایسا پاک سمجھتے
ہیں کہ اس سے کوئی نافرمانی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت یوسفؑ نے کمال کسر نفسی سے اپنے
نفس کو پاک نہیں ٹھہرایا اور کہا کہ یہ میرے نفس کی خوبی نہیں۔ نفس انسانی تو سب انسانوں کا یکساں
ہے۔ اس کی پہلی حالت نفس امارہ ہے اس حالت میں نفس بدی کی تحریک کرتا رہتا ہے مگر اس تحریک
سے وہی محفوظ رہتا ہے جس پر میرا ربّ رحم کرے اور اسے نفسِ مطمئنہ تک پہنچا دے۔ گویا محض اپنی
کوشش سے انسان کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ گناہوں پر نادم ہو کر ان سے بچنے کی تدبیر نہ کرے
اور اسی کی طرف نہ جھکے۔ دوسرے مرتبہ پر یہی نفس لوّامہ ہے جو بدیوں پر ملامت کرتا ہے۔ یہ معرفت
کی ابتدائی حالت ہے اور کوئی معمولی حالت نہیں۔ اللہ نے اس کی قسم کھائی ہے۔ (سورۃ قیامۃ)
اب بندے اور اس کے نفس کے درمیان جنگ کی سی حالت ہے کبھی وہ غالب ہوتا ہے کبھی نفس۔ کبھی
شیطان کی طرف جھکتا ہے کبھی رحمان کی طرف۔ یہاں تک کہ اللہ کا فضل اس کی دستگیری کرتا ہے اور وہ
کوشش، دعاؤں، اللہ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے نفس لوّامہ کی تمام زنجیروں کو توڑ کر اس
جنگ میں فتح یاب ہو جاتا ہے اور نفس مطمئنہ کے مقام کو حاصل کر کے عبادالرحمٰن میں شامل ہو جاتا
ہے اور خدا کی مرضی کے تابع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ یہی انسانی
زندگی کا معراج اور مقصودِ حقیقی ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا چونکہ میرا ربّ غفورٌ رّحیم ہے اس لئے
میں بھی اس کے بندوں کی پردہ دری نہیں کرتا۔ (الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۶ء صفحہ ۴ فرمودہ
حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے استفادہ کیا گیا)

۵۵۔ **مکین**۔ صاحبِ تمکنت قدر و منزلت والا۔ معزز۔ محفوظ جگہ۔ **امین** ۔ امانتدار۔ قابلِ
اعتماد۔

شاہِ مصر ساقی سے حضرت یوسفؑ کی بزرگی اور پارسائی کے قصے سن کر اور قاصد کی زبانی
آپ کی تعبیر اور حکیمانہ مشوروں کا علم ہونے پر آپ کی فہم و فراست کا قائل ہو چکا تھا۔ اس نے کہا کہ

الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٦﴾ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ

زمین کے یقیناً میں حفاظت کرنیوالا خوب جاننے والا ہوں اور اسی طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو

فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا

زمین میں جگہ پکڑتا تھا اس سے جہاں چاہتا تھا ہم پہنچاتے ہیں رحمت اپنی

اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے لئے خاص کرنا چاہتا ہوں یعنی اپنے خاص کام اس کے سپرد گا۔ جب وہ آپ سے ہمکلام ہوا تو آپ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا مزید انکشاف ہوا اور اس نے آپ صاحب مرتبہ اور امین کہا۔ امین کہنے میں اشارہ تھا کہ آپ نے اپنے محسن سے خیانت نہیں کی لہذا قابل اعتماد ہیں اور بڑی سے بڑی ذمہ داری کے اہل ہیں۔ ان تمام باتوں سے عزیز مصر کو یہ باور بھی مقصود تھا کہ تم اس جوہر قابل کو نہ پہچان سکے اب میں اسے اس کے شایانِ شان مرتبہ دوں گا۔

۵۶۔ روایت ہے کہ شاہِ مصر نے آپ کو وزیر اعظم یا مشیر اعلیٰ کا عہدہ پیش کیا لیکن آپ وزیر خزانہ بننا پسند کیا۔ آپ کا اس عہدے کے لئے درخواست کرنا اپنی کسی ذاتی منفعت کے لئے تھا۔ انبیاء کو کبھی جاہ و جلال کی خواہش نہیں ہوتی۔ بادشاہ کی رویاء سے آپ کی دیدۂ بینا نے سات قحط کی ہولناکیوں کا اندازہ کر لیا تھا اس لئے محض مخلوقِ خدا کی ہمدردی اور اپنی خداداد صلاحیتوں انہیں اس آفت سے بچانے کے لئے آپ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ان خزانوں کا بہترین حفاظت کرنے والا ہوں اور بہترین طور پر خرچ کرنے کا علم رکھتا ہوں۔ صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے **اجعلنی علٰی خزائنِ الارض** جو فرمایا اس سے ان کی غرض محض یہ تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرنے، حق قائم کرنے اور عدل پھیلانے کا موقع مل جائے اور جس کام کے لئے انبیاء بھیجے جاتے ہیں اس کام کو انجام دینے طاقت حاصل کر لیں۔ انہوں نے حکمرانی کی محبت اور دنیا کے لالچ میں یہ مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ یقین کے ساتھ کیا تھا کہ ان کے سوا دوسرا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو احسن طریق سے انجام دے سکے یعنی بلا کسی ذاتی غرض کے مخلوقِ خدا کی خدمت کر سکے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر حکومت کے ماتحت رہنے اور اس کا کوئی عہدہ قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ اس خلاف شرع امور کے ارتکاب پر مجبور نہ کیا جائے۔

۵۷۔ **مکنّا**۔ ہم نے جگہ دی۔ ٹھکانا دیا، تسلط و قدرت دی۔ **تبوّاء**۔ کسی جگہ کو اپنی جائے رہائش بنا کر اس میں ٹھہرنا۔ **یتبوّأُ**۔ وہ ٹھہرتا ہے۔

مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ

جسے ہم چاہتے ہیں اور نہیں ضائع کرتے اجر احسان کرنے والوں کا اور البتہ اجر آخرت کا

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَجَآءَ اِخْوَةُ ع ۸ ۱

بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور ہیں تقویٰ کرتے اور آئے بھائی

يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٩﴾

یوسف کے پس داخل ہوئے اس پر پس اس نے پہچان لیا انہیں اور وہ اس سے انجان تھے

اس طرح ہم نے حضرت یوسفؑ کو قید سے نکال کر ایسا صاحب اختیار بنایا کہ سارا ملک اس کے زیر نگیں تھا۔ شاہ مصر نے بظاہر آپ کو وزیر خزانہ بنایا لیکن عملاً آپ کو اختیارِ کلی سے نوازا۔ روایت ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ستائیس برس کے لگ بھگ تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو محفوظ ٹھکانے کے سلسلہ میں بتدریج ترقی عطاء فرمائی۔ پہلے کنویں میں ایک محفوظ ٹھکانا ملا۔ پھر عزیزِ مصر کے گھر، پھر سارا ملک آپ کے لئے ماموں و محفوظ بنا دیا گیا کہ جہاں چاہتے ٹھہرتے۔ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا یعنی یہ حضرت یوسفؑ سے خاص نہیں۔ جو بھی محسن ہوگا اسی طرح دنیا میں بھی اجر پائے گا گویا تمام محسنین کی ہمت افزائی فرمائی اور ان کی قدردانی کا وعدہ کیا۔ احسان کی تعریف میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم کتاب الایمان) حضرت عائشہؓ کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت پورے طور پر بجالائے۔

۵۸۔ فرمایا یہ مال و دولت، مرتبے اور حکومتیں تو معمولی دنیوی بدلے ہیں اصل اجر تو آخرت کا ہے جو ایمان لانے والوں اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے اس سے بہت بہتر اور بڑھ چڑھ کر ہے۔

۵۹۔ **منکرون۔ نکرا**۔ انکار کرنا۔ نہ ماننا۔ منع کرنا۔ نہ پہچاننا۔ **منکرون**۔ انکار کرنے والے۔ نہ پہچاننے والے۔ ناواقف۔

اس رکوع میں آپ کے بھائیوں کا غلّے کے لئے آنا اور آپؑ کا ان کی تمام کوتاہیوں سے درگزر کرکے ان سے حسنِ سلوک کرنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح جب سات سالہ قحط کی شدّتوں سے تنگ آکر ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ
اور جب تیار کیا اس نے ساتھ سامان کے ان کے کہا لاؤ میرے پاس بھائی اپنا
مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ
باپ سے اپنے کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا دیتا ہوں ماپ اور میں بہتر ہوں

بھی اس کی تمام غلطیوں کو معاف کر کے دعا فرمائی۔ نیز اس کی مالی معاونت فرمائی اور بہت سامان ر
بھجوایا اس طرح اللہ تعالیٰ نے قحط دور فرمایا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الدخان حدیث ۴۴۴۷)

اب ان ابتدائی سات سالوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ جب آپ نے کاروبار حکومت سنبھالا
اپنے خداداد تدبّر، حکمت عملی، انتھک محنت اور کوشش سے رفاہ عام کے کاموں اور دعاؤں سے ملک
ایک فقید المثال معاشرہ میں تبدیل کر دیا ہوگا جہاں عدل و انصاف اور خدائی احکام رائج ہوں گے
کاشتکاروں کو یقیناً مفید مشوروں اور زرعی سہولتوں سے نوازا ہوگا اور بنجر اراضی کو قابل کاشت بنا
میں ان کی ہر ممکن مدد کی ہوگی اور زراعت کے نظام میں بہترین اصلاحات نافذ کی ہوں گی تا
بہترین پیداوار حاصل ہو اور ملک میں خوشحالی اور ارزانی کا دور دورہ ہو۔ نیز اس تمام پیداوار کو نہایت
دانشمندانہ طریق سے استعمال کرنے اور ذخیرہ کرنے کا خاطر خواہ انتظام کیا ہوگا۔ اتنا زیادہ غلہ ذخیر
کرنے کے لئے یقیناً بڑے بڑے سٹور بنائے ہوں گے تا کہ غلہ وافر مقدار میں ذخیرہ ہو سکے۔ خاص
طور پہ جب غلّہ بالیں میں ہو تو بہت زیادہ جگہ گھیرتا ہے ممکن ہے یہ سٹور زمین دوز ہوں کیونکہ آج بھی
بعض ممالک میں یہ طریق رائج ہے۔ یقیناً آپ نے ملک میں راشن بندی سسٹم جاری کیا ہوگا جیسا
کہ خواب کی تعبیر میں **قلیلاً مما تاکلون** کا مشورہ دیا تھا۔ (آیت ۴۸) آخر خشک سالی اور قحط
ایک لمبا دور شروع ہوا جو سات سال کے عرصہ پر محیط تھا اور اردگرد کے تمام ممالک اس کی لپیٹ میں
آئے۔ آپ نے باہر والوں کے لئے کوٹہ سسٹم مقرر کیا یعنی راشن کا نظام قائم کیا اور مناسب قیمت پر
فی کس ایک اونٹ کا بوجھ جو قریباً پانچ من یا دو بوری بنتا ہے، مقرر فرمایا تا کہ خلق خدا فاقوں سے بچ
جائے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تدبیر سے غلہ وافر مقدار میں پیدا ہوا ہوگا۔ غرض ان تمام
تفصیلات کو چھوڑ کر جو وضاحت طلب نہ تھیں قرآن کریم نے آپ کے بھائیوں کا ذکر کیا جو آپ کی
فیاضی اور غریب پروری کی شہرت سن کر غلہ لینے آئے۔

۶۰۔۶۱۔ **جَهَّزَ**۔ اس نے تیار کیا۔ **الجهاز**۔ وہ سامان جو سفر کے لئے تیار کیا جائے۔
سامان۔ اسی سے جہیز ہے۔ **کیل**۔ غلہ وغیرہ ناپنے کا مخصوص پیمانہ۔ ماپ۔

الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ
تمام مہمان نوازوں سے پس اگر نہ لائے میرے پاس اُسے تو نہیں ماپ تمہارے لیے
عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ
پاس میرے اور نہ قریب آنا تم میرے انہوں نے کہا ضرور پھسلائیں گے ہم اس سے باپ کو اسکے اور
اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ
ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں اور کہا اس نے نوکروں کو اپنے رکھ دو پونجی ان کی
فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى
سامان میں ان کے تاکہ وہ پہچان لیں اُسے جب واپس ہوں طرف

اس زمانہ میں اجناس وغیرہ تولنے کا رواج نہیں تھا۔ ماپ کر ہی دیا جاتا تھا۔ **منزلین**۔
نَزَلَ اترنا۔ **تنزیل**۔ اتارا گیا یعنی مہمان۔ **مُنزل**۔ اتارنے والا۔ جمع۔ **منزلین**۔ میزبان۔
حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے ان کے خاندانی حالات کرید کرید کر پوچھے ہوں گے اسی
لئے توریت میں بھائیوں کا بیان ہے کہ ہمیں جاسوس سمجھا گیا۔ ورنہ قرآن کریم کے مطابق تو حضرت
یوسفؑ نے ان کی عزت اور خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ باہر والوں کے
لئے غلے کی تقسیم کا کام آپ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا تھا تا کہ اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے غلہ
دیں تا ایسا نہ ہو کہ غلہ لے کر جانے والے سستے داموں خرید کر مہنگا فروخت کرنا شروع کر دیں اور
مستحقین محروم رہ جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب بھائیوں نے افرادِ خانہ کے حساب سے غلہ لے جانا
چاہا تو حضرت یوسفؑ نے ایک بھائی کے نہ آنے کی وجہ پوچھی۔ اور انہیں مجبور کیا کہ آئندہ وہ اس
بھائی کو ساتھ لے کر آئیں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ جھوٹ بول کر تم ایک فرد کا غلّہ زیادہ لے گئے ہو
اور آئندہ تمہیں غلہ نہیں دیا جائے گا یعنی ایسی صورت میں آنے کی کوشش نہ کرنا۔

۶۲۔ **سنُراوِدُ**۔ ہم ضرور پھسلانے کی کوشش کریں گے۔ تشریح کے لئے آیت ۲۴۔

اس آیت سے برادران یوسف کا اپنے والد بزرگوار کے لئے گستاخانہ طریق بیان عیاں
ہے۔ باپ کو اپنا باپ نہیں کہا پھر باپ کو بیوقوف بنانے کا ارادہ ہے۔ چونکہ ایک بار پہلے بھی اپنے باپ
کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئے تھے اس لئے بڑے دعویٰ سے کہا کہ یہ کام ہمارے لئے کچھ مشکل
نہیں ہم ایسا کر کے رہیں گے۔

۶۳۔ **رحال**۔ **رحل** کی جمع ہے۔ کجاوہ یا اونٹ پر باندھے ہوئے بورے۔ **رحلت** کے
معنی سفر یا کوچ کرنے کے ہیں۔ جیسے **رحلة الشّتآء والصّیف**o (سورۃ قریش) جاڑے اور

اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (۶۲) فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ
گھر والوں کے اپنے تاکہ وہ واپس آئیں پس جب وہ واپس ہوئے طرف باپ کے اپنے
قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا
انہوں نے کہا اے باپ ہمارے روکا گیا ہے ہم سے ماپ پس بھیج ہمارے ساتھ بھائی کو ہمارے
نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۶۳) قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا
ہم ماپ کر لیں گے اور ہم اس کی البتہ حفاظت کرنیوالے ہیں اس نے کہا نہیں میں امین سمجھتا تم کو اس پر مگر
كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّ
جیسا کہ امین سمجھا میں نے تم کو بھائی پر اس کے پہلے سے پس اللہ بہتر ہے حفاظت کرنیوالا اور
هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (۶۴) وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا
وہ زیادہ رحم کرنیوالا ہے تمام رحم کرنیوالوں سے اور جب کھولا انہوں نے سامان اپنا پائی انہوں نے
بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ
پونجی اپنی لوٹائی گئی ہے طرف ان کی انہوں نے کہا اے باپ ہمارے ہم نہیں چاہتے تھے (مگر) یہ
بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا
پونجی ہماری لوٹائی گئی ہے طرف ہماری اور ہم غلہ لائیں گے گھر والوں کے پاس اور ہم حفاظت کرینگے بھائی کی اپنے

گرمی کے سفروں میں۔

ظاہر ہے کہ یوسفؑ جیسے امین نے بھائیوں کو ان کی پونجی لوٹا کر یہ قلیل رقم اپنی جیب سے شاہی خزانہ میں داخل کر دی ہوگی تا کہ اسے پہچان لیں یعنی آپ کے حسن سلوک کی قدر کریں اور لوٹ کر آئیں۔ پونجی لوٹانے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ شاید ان کے پاس دوبارہ غلہ لینے کے لئے رقم نہ ہو تا کہ جب پونجی کو دیکھیں تو دوبارہ غلہ لینے آئیں۔ اس طرح آپ اپنے سگے بھائی بنیامینؑ سے مل سکیں اور بعد میں ایسا ہی ہوا۔

۶۴۔ یہاں مطلب نکالنے کے لئے باپ اور بھائی کو نہایت اپنائیت کے الفاظ سے مخاطب کیا حالانکہ آیت :۶۲ میں اپنی لاتعلقی کا اظہار کر چکے تھے۔ نیز اس کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

۶۵۔ **اَمِن والاَمنُ** ۔ امن میں ہو جانا۔ بے خوف و مطمئن ہو جانا۔ **اٰمنُ** ۔ میں بھروسہ کرتا ہوں۔

بیٹوں کو جتا دیا کہ تمہاری حفاظت کا نہ مجھے پہلے اس کے بھائی کی دفعہ اعتبار تھا نہ اب ہے اس لئے کہ حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں بھی انہوں نے یہی الفاظ کہے تھے۔ آیت :۱۳۔ ہاں اللہ ہی بہترین حفاظت کرنے والا اور **ارحم الرّحمین** ہے۔

وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ (۶۵) قَالَ لَنْ
اور زیادہ لیں گے ماپ ایک اونٹ کا یہ ماپ ہے آسان کہا ہرگز نہیں
اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ
بھیجوں گا اس کو ساتھ تمہارے یہاں تک کہ دو مجھ کو پختہ عہد اللہ کا ضرور لاؤ گے اس کو
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ
میرے پاس مگر یہ کہ گھیر لیا جائے تم کو پس جب دیا انہوں نے اس کو پختہ عہد اپنا اس نے کہا
اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (۶۶) وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا
اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں نگہبان ہے اور اس نے کہا اے بیٹو میرے نہ داخل ہونا

۶۶۔ **رُدّت اِلَیھم** ۔ یعنی جان بوجھ کر ان کی طرف لوٹائی گئی ہے۔ غلطی سے غلے میں نہیں آئی **نبغی** ۔ **البغی** ۔ کے معنی کسی چیز کی طلب میں میانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا کے ہیں۔ **نبغی** ۔ ہم چاہتے ہیں۔ **مانبغی** اور ہمیں کیا چاہیے؟ **نمیرُ** ۔ ہم غلہ لائیں گے۔ **ذٰلک کیلٌ یسیرٌ** ۔ یہ وزن آسان ہے یعنی نعمت ہے جو مفت میں ہاتھ آ رہی ہے ورنہ گھر پہنچتے ہی دس اونٹ غلہ کو کم نہیں کہا جا سکتا۔

والد سے بھائی کو لے جانے کے لئے پہلے ہی حفاظت کا یقین دلا رہے تھے۔ حضرت یعقوبؑ ان کی طرف سے ہرگز مطمئن نہیں تھے۔ جب غلہ کھلا اور دیکھا کہ پونجی واپس کر دی گئی تو بھائی کی حفاظت کا پھر یقین دلایا اس لئے بھی کہ بھائی کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ مزید ملے گا۔ گویا یہ نعمت غیر مترقبہ ہو گی۔

۶۷۔ حضرت یعقوبؑ نے باوجود کامل توکل کے ان سے اللہ کے نام پر پختہ عہد لیا کہ وہ ضرور بھائی کو واپس لائیں گے سوائے اس کے کہ کبھی کسی مصیبت میں گھر جائیں۔ یعنی یہ نہ ہو کہ اسے چھوڑ آئیں اور دوبارہ حضرت یوسفؑ کی طرح کوئی غلط عذر پیش کر دیں۔ بائیبل کی رُو سے حضرت یعقوبؑ یہودا کی ضمانت پر جس نے سب کی طرف سے معاہدہ کیا بنیامینؑ کو بھیجنے پر رضامند ہوئے اور اس معاہدہ پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔ قبل ازیں بھی یہودا نے ہی حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے سے منع کیا تھا اور کنویں میں پھینکنے کا مشورہ دیا تھا تا کہ کوئی قافلے والا اٹھا لے۔ معلوم ہوتا ہے وہ اخلاقی لحاظ سے باقی بھائیوں سے بہتر تھا اور حضرت یعقوبؑ بھی اُسے ایسا ہی سمجھتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹوں کے شدید جرائم کا اندازہ تھا پھر بھی آپ نے خدا پر توکل کر کے ان کا اعتبار کیا اور کہا کہ اس معاہدہ میں اللہ ہی نگران ہے۔

مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ
ایک دروازہ سے اور داخل ہونا دروازوں سے مختلف اور نہیں

اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ
کفایت کروں گا میں تم سے اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے حکم مگر اللہ کا اسی پر

تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا
توکل کیا میں نے اور اسی پر پس چاہیئے کہ توکل کریں توکل کرنے والے اور جب

دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ
داخل ہوئے وہ جہاں سے حکم دیا تھا ان کو باپ نے ان کے نہیں تھا وہ کفایت کرتا ان سے

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ
اللہ سے کچھ بھی مگر (یہ ایک) مقصد تھا دل میں یعقوب کے اس نے پورا کیا اس کو

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
اور یقیناً وہ البتہ علم والا تھا جس کا علم دیا تھا ہم نے اس کو اور لیکن اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ ع ۱۱/۲
جانتے اور جب داخل ہوئے وہ یوسف پر جگہ دی اس نے اپنی طرف بھائی کو اپنے

۶۸-۶۹۔ حضرت یعقوبؑ کے دس بیٹے پہلے بھی مصر جا چکے تھے لیکن جب گیارہ بیٹوں کو بھیجا تو انہیں شہر پناہ کے متفرق دروازوں سے مصر میں داخل ہونے کا کہا۔

قبل ازیں بھی حضرت یوسفؑ کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت حضرت یعقوبؑ نے اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ ایسا نہ ہو تمہاری غفلت سے اسے بھیڑیا کھا جائے۔ پھر بیٹوں نے خون آلود قمیض کے ساتھ یہی عذر پیش کیا تھا۔ اب بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے ہوئے حضرت یعقوبؑ نے سب کے گھیرے جانے کا خدشہ ظاہر کیا اور پھر اسی قسم کا ابتلا پیش آیا گویا انہیں علمِ الٰہی سے اندازہ تھا کہ انہیں روکنے یا گھیر لئے جانے کا کوئی ابتلا پیش آئے گا۔ جس کی پیش بندی آپ نے اس طرح فرمائی کہ متفرق دروازوں سے داخل ہوں تا کہ رؤیا وغیرہ سے جو آپ کو ان کے گھیرے جانے کا اشارہ ہوا تھا اس سے محفوظ رہ سکیں۔ تاہم اس تدبیر پر آپ نے ہرگز بھروسہ نہیں کیا بلکہ آپ کا کامل بھروسہ اللہ کی ذات پر ہی تھا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر اللہ کی طرف سے ہی کوئی مصیبت مقدر ہے تو میں تقدیرِ الٰہی کے مقابل میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ حکم اللہ ہی کا چلتا ہے فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ غرض ان کے متفرق دروازوں سے داخل ہونے سے حضرت یعقوبؑ کی ایک خواہش اور تمنّی جو پوری ہو گئی۔ خواہش یہی تھی کہ کسی طرح بنیامین دوسرے بھائیوں سے پہلے حضرت یوسفؑ کو مل

قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾
کہا یقیناً میں بھائی ہوں تیرا پس نہ غمگین ہو اس سے جو یہ کرتے رہے ہیں

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ
پس جب تیار کیا ان کو ساتھ ان کے اسباب کے رکھ دیا پانی پینے کا برتن سامان میں اپنے بھائی کے

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا
پھر پکارا ایک پکارنے والے نے اے قافلہ والو یقیناً تم البتہ چور ہو انہوں نے کہا

وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿٧١﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ
اور وہ متوجہ ہوئے ان پر کیا گم پاتے ہو تم انہوں نے کہا ہم گم پاتے ہیں پیمانہ

الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿٧٢﴾
بادشاہ کا اور اس شخص کے لیے جو لائے وہ بوجھ ہے ایک اونٹ کا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں

لے کیونکہ علمِ الٰہی سے انہیں حضرت یوسفؑ کے زندہ ہونے کا یقین تھا۔ چنانچہ اس تدبیر سے اس میں کامیاب ہو گئے لیکن اپنی تدبیر سے انہیں خدائی تقدیر سے نہ بچا سکے۔ یہ اسی علم و فراست کی وجہ سے تھا جو ہم نے اسے دیا تھا۔ یہ خواہش ان کو گھیرے جانے سے محفوظ رکھنے کی بھی ہو سکتی تھی اور یہ بھی ہو سکتی تھی کہ گیارہ بھائی مختلف راستوں سے جائیں تو شاید یوسفؑ ہی نظر آ جائے۔ جیسا کہ وہ اکثر بیٹوں کو حضرت یوسفؑ کو تلاش کرنے کا کہتے رہتے تھے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو پونجی کی واپسی اور بنیامین کو لانے کے شدید اصرار سے فراستِ الٰہی سے شک گزرا ہو کہ شائد یوسفؑ ہی ہو جو بھائی کو ملنا چاہتا ہو۔ اس لئے الگ الگ دروازوں سے داخل ہونے کو کہا تا کہ بنیامین کو بھائی سے ملاقات کا موقع پہلے میسر آ جائے حضرت یوسفؑ کے لئے ایسا انتظام کرنا مشکل نہیں تھا۔

۷۰۔ اس رکوع میں بتایا کہ برادران حضرت یوسفؑ کی ابھی تک اصلاح نہیں ہوئی تھی اور انہوں نے حضرت یوسفؑ پر چوری کا الزام لگایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مختلف دروازوں سے آنے میں بنیامین کو بھائی کی ملاقات کا علیحدہ موقع مل گیا۔ حضرت یوسفؑ نے بھائی کی خاص عزت افزائی کی اور اپنے پاس جگہ دی اور اسے بتایا کہ میں ہی تیرا بھائی ہوں اور تسلی دی کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس سے غمگین مت ہو۔

۷۱ تا ۷۳۔ **رِحَال** **رَحل** کی جمع۔ بورا۔ **رِحلة**۔ سفر یا کوچ کرنا۔ **رِحلةَ الشِّتاءِ وَالصَّيف**۔ اسی سے رحلت کرنا ہے۔ **السِّقاية**۔ پانی پینے کا برتن۔ کٹورا۔ **صُواع**۔ **صاع**۔ ماپنے کا مخصوص پیمانہ۔ جس سے قریباً سوا دو سیر غلہ ماپا جاتا ہے۔ **العِير**۔ قافلہ جس کے ساتھ غلہ وغیرہ کا

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ
انہوں نے کہا اللہ کی قسم یقیناً یقیناً جان لیا تم نے کہ نہیں آئے ہم (یہاں) کہ فساد کریں زمین میں

وَمَا كُنَّا سَارِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ
اور نہیں ہیں ہم چور انہوں نے کہا تو کیا ہے بدلہ اس کا اگر ہو تم

كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ
جھوٹے کہا انہوں نے بدلہ اس کا وہی ہے کہ پایا گیا اسباب میں اس کے پس وہی

جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ
بدلہ ہے اس کا اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم ظالموں کو پس ابتدا کی (تلاش کی) گٹھڑیوں سے

قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ
ان کی پہلے گٹھڑی کے اس کے بھائی کی پھر نکال لیا اسے گٹھڑی سے اس کے بھائی کی

بوجھ ہو۔ **اقبل علیه** اس کی طرف رخ کیا۔

قرآن کریم نے بعض انبیاء پر لگائے گئے توریت کے جھوٹے الزامات سے انہیں بری فرمایا۔ حضرت یوسفؑ پر بھی توریت میں چوری، جھوٹ اور بہتان کا الزام تھا کہ خود ہی پیالہ رکھا اور خود ہی بھائی کو چور بنا دیا حالانکہ یہ ایک نبی کی شان کے خلاف ہے۔ وہ نبی جو بیس پچیس سال سے بامر الٰہی باپ اور بھائی کی مفارقت کا صدمہ سہ رہا ہو چند دن مزید بھائی کو روکنے کے لیے ان گناہوں کا ارتکاب کیسے کر سکتا تھا۔ بعض مفسرین نے بھی بائیبل کے حوالہ سے وہی تفسیر کی اور سقایہ اور صواع میں فرق نہیں سمجھا۔ پانی پینے کے کٹورے اور ماپنے کے پیمانے میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ بادشاہوں کا پانی پینے کا کٹورا عام طور پر سونے یا چاندی کا آدھ سیر تین پاؤ کا ہلکا سا برتن ہوتا ہے۔ جبکہ صواع قریبا سوا دو سیر وزن ماپنے کا بھاری پیمانہ ہے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ دس بیس سیر کا پیمانہ ہو کیونکہ بورے بھرنے کے لیے بڑے پیمانے ہوتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے بھائی کے توشہ میں پانی پینے کا کٹورا رکھ دیا۔ قرآن کریم نے اس فعل کو حضرت یوسفؑ کے ذکر میں مذکور کیا ہے۔ غلہ بیشک عزیز مصر کی نگرانی میں دیا جاتا ہو گا لیکن اسے ماپنا عزیز مصر کا کام نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ سرکاری پیمانہ کسی کارکن کی غلطی سے بنیامین کے بورے میں رکھا گیا۔ لہٰذا اسے **کدنا** کہا (آیت: ۷۷) کہ یہ خدائی تدبیر تھی ورنہ حضرت یوسفؑ کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ سرکاری پیمانہ یقیناً قیمتی ہو گا جس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ بطور انعام رکھا گیا۔

۷۴ تا ۷۷۔ **بدات** باشئی کے معنی **ابتداته**۔ ابتدا کرنا۔ شروع کرنا۔ **اوعية**۔ وعاء

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِيْنِ
اسی طرح تدبیر کی ہم نے یوسف کیلئے نہ تھا کرے لیتا بھائی کو اپنے حکومت میں

الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ
بادشاہ کی مگر یہ کہ چاہے اللہ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں اور

فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ
اوپر ہر علم والے کے زیادہ علم والا ہے انہوں نے کہا اگر چوری کی ہے اس نے تو یقیناً چوری کر چکا

کی جمع ہے۔ **وَعی**۔ کسی بات کا یاد رکھنا ہے۔ **اُذُن وَاعية** (الحاقه: ۱۳) **وعآء** جس میں کوئی چیز محفوظ کی جائے۔ بورا۔ بڑی بوری۔

برادران حضرت یوسفؑ جو واقعی کسی فساد یا چوری کی نیت سے نہیں آئے تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ کسی کارندے کی غلطی سے یہ پیمانہ بنیامین کے بورے میں رکھا گیا ہے نیز عزیز مصر کی غیر معمولی عنایتوں کی وجہ سے اس کے بے حد احسان مند اور مشکور تھے۔ تصرف الٰہی سے ایسا ہوا کہ انہوں نے جوش میں آ کر خود ہی سزا تجویز کر دی کہ جس کے بورے سے گم شدہ چیز نکلے وہی اس کا بدلہ ہے یعنی بطور غلام اسے اپنے پاس رکھ لیں۔ خیال ہے کہ ان کے ہاں یہی قانون تھا کہ جس سے مسروقہ مال برآمد ہو وہی پکڑا جائے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ جو چور ہو وہ پکڑا جائے ورنہ بنیامین کو حضرت یوسفؑ روک نہیں سکتے تھے۔ بنیامین پر حضرت یوسفؑ کے خاص التفات کی وجہ سے ملازمین نے ان کی تلاشی سب سے آخر میں لی اور اس کے بورے سے پیمانہ نکال لیا۔ یہ سب خدائی تدبیر تھی جو ہم نے اس کے فائدہ کے لئے کی تھی ورنہ قانون شاہی کے مطابق وہ اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بے شک حضرت یوسفؑ مختارِ کل تھے لیکن بادشاہ کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ پس غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت رہنا، اس کے قوانین پر عمل کرنا اور اپنی وفاداری اس سے منسوب کرنا جائز ہے جبکہ ہر طرح مذہبی آزادی ہو اور خلافِ شرع امور پر مجبور نہ کیا جاتا ہو۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شاہِ مصر ایک عادل حکمران تھا۔

حضرت یوسفؑ نے جب دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مشیت و حکمت سے ان کے بھائی کا ان کے پاس رہنے کا بندوبست کیا تو ان کا دل اپنے ربّ کے شکر اور حمد سے بھر گیا۔ جس کے نتیجہ میں آپ کے درجات بلند ہوئے۔ حضرت یوسفؑ بیشک ذی علم تھے لیکن یہ ساری تدابیر اس خدا کی تھیں جو سب سے بڑھ کر علیم ہے۔

اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

ہے بھائی اُس کا پہلے سے پس چھپایا اُسے یوسف نے دل میں اپنے اور نہ

يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ظاہر کیا اسے ان کے لیے اس نے کہا تم بُرے ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا

جو تم بیان کرتے ہو انہوں نے کہا اے عزیز یقیناً اُس کا باپ

شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ

بوڑھا ہے بہت بس لے لے ایک کو ہم میں سے جگہ اس کی یقیناً ہم البتہ دیکھتے ہیں تجھے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا

احسان کرنیوالوں میں سے اس نے کہا پناہ (مانگتا ہوں) اللہ کی اس سے کہ ہم لیویں سوائے اس کے کہ پایا ہم نے

مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَايْـَٔسُوْا

سامان اپنا پاس جس کے یقیناً ہم تب تو البتہ ظالموں میں سے ہونگے پس جب وہ مایوس ہو گئے

مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۚ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ

اس سے الگ ہوئے مشورہ کرنے کیلئے کہا بڑے نے ان میں سے کیا نہیں جانا تم نے کہ

اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ

باپ نے تمہارے یقیناً لیا تھا تم سے پختہ عہد اللہ کا اور پہلے (اس) سے

مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى

جو کمی کی تم نے بارہ میں یوسف کے پس ہرگز نہیں جدا ہوں گا میں اس ملک سے یہاں تک کہ

يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اجازت دے مجھے باپ میرا یا فیصلہ کرے اللہ میرے لیے اور وہ بہتر ہے تمام فیصلہ کرنیوالوں سے

۷۸۔ برادران حضرت یوسفؑ نے بجائے بھائی کی صفائی پیش کرنے کے اپنے پرانے کینہ کی وجہ سے فوراً حضرت یوسفؑ پر بھی چوری کا الزام عائد کیا۔ لیکن حضرت یوسفؑ نے کمال صبر وضبط سے صرف اتنا کہا کہ تم لوگ بدترین حیثیت کے معلوم ہوتے ہو اور اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔

۷۹ تا ۸۱۔ **اَلْیَاس** کے معنی مایوس ہونے کے ہیں۔ **استا یئسوا**۔ وہ مایوس ہو گئے۔ **نجیًا**۔ خفیہ مشورہ کرنا۔ **لن اَبرحَ الارضَ**۔ میں ہرگز یہ ملک نہیں چھوڑوں گا۔

اس رکوع میں بھائیوں کے اعتراف گناہ اور حضرت یوسفؑ کے معاف کر دینے کا ذکر ہے۔ یہاں پھر ہمارا باپ کہنا گوارا نہیں کیا بلکہ تمہارا باپ کہا۔ گویا ایک زمانہ کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی برادرانِ حضرت یوسفؑ کی اصلاح نہیں ہوئی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے جس سے ان کا مال برآمد ہوا،

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ

واپس جاؤ طرف باپ کے اپنے پس کہو اے باپ ہمارے یقیناً بیٹے نے تیرے چوری کی اور

مَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

نہیں گواہی دی ہم نے مگر اس کی جو جانا ہم نے اور نہیں ہیں ہم غیب کی حفاظت کرنے والے

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا

اور پوچھ اس بستی سے کہ تھے ہم جس میں اور اس قافلہ سے کہ آئے ہم

فِيْهَا ۚ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ

جس میں اور یقیناً ہم البتہ سچے ہیں اس نے کہا بلکہ بنالی ہے واسطے تمہارے نفسوں نے تمہارے

اس کی جگہ کسی دوسرے بے گناہ کو پکڑنے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ ایسا کرنا صریح ظلم و زیادتی تھا۔ برادران یوسفؑ خود ہی محسن کہہ کر آپ سے ظلم کی امید بھی رکھتے تھے۔ غرض حضرت یوسفؑ سے ناامید ہو کر انہوں نے علیحدگی میں مشورہ کیا۔ یہودا جس کے دل میں ہمیشہ سے کچھ نہ کچھ خوف خدا تھا اور جس کے وعدے پر یقین کر کے حضرت یعقوبؑ نے بنیامین کو بھیجا تھا۔ اس نے باپ کے ساتھ کیا ہوا عہد و پیمان یاد دلایا اور یہ بھی کہ پہلے جو کچھ تم لوگ یوسفؑ کے معاملہ میں کوتاہی کر چکے ہو، وہ تمہیں معلوم ہے۔ یہودا نے میرا باپ کہہ کر اپنی سعادتمندی کا ثبوت دیا اور کہا کہ جب تک میرا باپ مجھے اجازت نہ دے میں یہاں سے نہیں جاوں گا یا میرے حق میں اللہ کوئی فیصلہ کر دے تو اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

۸۲۔ یہودا نے بھائیوں کو کہا کہ تم واپس کنعان جا کر باپ کو صورت حال سے آگاہ کرو اور بتاؤ کہ اس کے بیٹے نے چوری کی اور پکڑا گیا اور یہ کہ ہم نے اپنے علم کی بنا پر تجھ سے وعدہ کیا تھا ہمیں غیب کا علم نہیں تھا یا یہ کہ ہم علم کی بنا پر بات کر رہے ہیں۔ ہم نے خود نہیں دیکھا۔

۸۳۔ حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں چونکہ جھوٹے تھے اس لیے کسی گواہی وغیرہ کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ اب سچے ہیں تو گواہیاں پیش کر رہے ہیں کہ خواہ اُس بستی والوں سے پوچھ لیں جس میں ہم ٹھہرے تھے یا قافلہ والوں سے پوچھ لیں جن کے ساتھ ہم آئے ہیں سبھی ہماری تصدیق کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے قافلے بستیوں میں تیار ہو کر جاتے ہوں گے اور حضرت یعقوبؑ کے قریب بستی میں قافلہ تیار ہوا ہو گا اس لئے بستی والوں سے پوچھنے کو کہا۔

۸۴۔ بیٹوں کی بات سن کر حضرت یعقوبؑ نے اعتبار نہیں کیا اور وہی الفاظ دہرائے جو

أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ

ایک بات پس صبر اچھا ہے امید ہے اللہ کو لے آئے میرے پاس ان

جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ

سب کو یقیناً وہ ہی خوب جاننے والا حکمت والا ہے اور چلا گیا پاس سے ان سے اور کہا

يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ

اے افسوس یوسف پر اور ڈبڈبا آئیں دونوں آنکھیں اس غم سے

فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ

پس وہ غم کو چھپا رہا تھا کہا انہوں نے قسم ہے اللہ کی تو ہمیشہ رہے گا یاد کرتا یوسف کو

حضرت یوسفؑ کے وقت کہے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں **واللہ المستعان** کہہ کر

فرمائی اور یہاں علم الٰہی سے پیشگوئی فرمائی کہ اللہ صرف حضرت یوسفؑ کو ہی نہیں بلکہ بنیامین

یہودا کو بھی میرے پاس لے آئے گا۔ اس کا ہر کام علم وحکمت پر مبنی ہے۔ انبیاء کی پیشگوئیوں میں

اخفاء کا پہلو رہتا ہے اور ضرور نہیں کہ لفظ بلفظ پوری ہوں۔ یہاں بھی وہ سب نہیں آئے بلکہ آپ

اہل وعیال ان کے پاس پہنچے۔

۸۵۔ **وابیضت عینہ**۔ عربی میں غمزدہ کے لئے محاورتاً کہا جاتا ہے کہ اس کی

تاریک ہوگئی یا آنکھیں سفید ہوگئیں۔ یعنی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ **کظیم**۔ غصہ اور غم

دبانے والا۔

بعض مفسرین نے بائبل کی تحریفات کے حوالوں سے لکھا کہ حضرت یعقوبؑ رو رو کر اندھے

ہوگئے تھے جو ایک نبی کی شان کے خلاف ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ انہوں نے ایک لمبے اور تکلیف

دہ ابتلاء میں صبر کا اعلےٰ ترین نمونہ دکھایا اور اللہ کی رضا پر راضی رہے چونکہ علم الٰہی سے حضرت یوسفؑ

کے زندہ ہونے اور ملنے کا یقین تھا اس لئے دعاؤں میں گریہ وزاری کرتے رہے جو اللہ کے فرستادوں

کا شیوہ ہے۔ یہاں بھی ان کی دعا کا ہی ذکر ہے کہ بیٹوں سے الگ ہو کر وہ حضرت یوسفؑ کو یاد کر

کے دعا میں مشغول ہوگئے۔ غم سے ان کی آنکھیں بھر آئیں لیکن وہ اپنے غم کو دبائے رکھتے تھے۔ اگر

آیت کو غور سے پڑھیں تو اندھا ہونے کا مفہوم ہرگز نہیں نکلتا۔ پچیس سال تک حضرت یوسفؑ کو یاد

کر کے اس کے غم میں آنکھیں اندھی نہیں ہوئیں اور اب جبکہ ان سب سے ملنے کی پیشگوئی فرمارہے

ہیں تو حضرت یوسفؑ کا خیال آتے ہی یکایک اندھے ہوگئے اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ غم کو دبانے

والے تھے۔ پس ایسا شخص جو رو رو کر آنکھیں ضائع کر دے، صبر جمیل کا دعویدار کیونکر ہو سکتا ہے اور

حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۸۵﴾ قَالَ

یہاں تک کہ ہو جائیگا مضمحل یا ہو جائے گا تو ہلاک ہونے والے ہیں سے اس نے کہا

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ

سوائے اسکے نہیں کہ فریاد کرتا ہوں رنج کی اپنی اور غم کی اپنے حضور اللہ کے اور میں جانتا ہوں اللہ سے

مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾ يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ

جو نہیں جانتے تم اے بیٹو میرے جاؤ پس تلاش کرو

يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا

یوسف کو اور بھائی کو اس کے اور نہ مایوس ہو رحمت سے اللہ کی یقیناً بات یہ ہے کہ نہیں

يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا

مایوس ہوتے رحمت سے اللہ کی سوائے کافر لوگوں کے سو جب داخل ہوئے

اسے **کظیم** کیسے کہا جا سکتا ہے۔ **کظیم** غم کو دبانے والا ہوتا ہے نہ کہ غم سے مغلوب ہونے والا۔

۸۶۔ **تفتئوا** سے **لا تفتئوا** مراد ہے جو لایزال کا ہم معنی ہے۔ یعنی ہمیشہ کرتے رہنا۔

حرضا۔ حرض۔ شدید بیمار ہونا۔ عشق یا غم میں گھل کر شدید لاغر ہونا۔

حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کو بوجہ اپنے جرم کے حضرت یعقوبؑ کا حضرت یوسفؑ کے لئے

خشوع وخضوع سے دعائیں کرنا بھی پسند نہ تھا اسی لئے بجائے دلجوئی کرنے کے چڑ کر کہا کہ آپ تو

یوسفؑ کی یاد میں ہلاکت کے قریب پہنچ جائیں گے یا خود کو ہلاک ہی کر دیں گے بہت ہو چکا

اب اس قصے کو ختم بھی کر دیں۔

۸۷۔ **اشکوا**۔ میں شکایت کرتا ہوں۔ فریاد کرتا ہوں۔ **بثی۔ البث**۔ شدید غم۔

حضرت یعقوبؑ خاص پیغمبرانہ انداز سے جواب دیتے ہیں کہ میں تم سے کوئی شکوہ یا شکایت

کب کر رہا ہوں۔ میری فریاد تو میرے مولا کے حضور ہے جو رنج وغم کو دور کر سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ

حضرت یوسفؑ کے زندہ ہونے کا علم میرے ربّ نے مجھے دیا ہے جو تم نہیں جانتے اسی لئے میں

دعاؤں میں مشغول رہتا ہوں۔

۸۸۔ **تحسسو۔ حسّ**۔ درخواست کرنا یا تلاش کرنا۔ اس میں دونوں کے لئے مفہوم

آگیا کہ بنیامین کی رہائی کے لئے عزیز مصر سے درخواست کرو اور حضرت یوسفؑ کو تلاش کرو۔ **رُوح**

اور رَوح ایک ہی ہے۔ رُوح۔ سانس، فرشتہ اور قرآن کریم کو بھی رُوح کہا گیا۔ رَوح کے معنی

رحمت اور فراخی کے ہیں۔ یہاں مراد رحمت میں وسعت ہے۔

عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ
اس پر کہا انہوں نے اے عزیز پہنچی ہے ہمیں اور گھر والوں کو ہمارے تکلیف اور
وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ
لائے ہیں ہم پونجی تھوڑی سی پس پورا دے ہمیں ماپ اور صدقہ کر
عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿٨٩﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ
ہم پر یقیناً اللہ بدلہ دیتا ہے صدقہ کرنے والوں کو کہا کیا جانتے ہو تم
مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿٩٠﴾ قَالُوْٓا
جو کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے جبکہ تھے تم ناواقف انہوں نے کہا
ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ
کیا البتہ تو ہی یوسف ہے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے یقیناً
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا
احسان کیا اللہ نے ہم پر بات یہ ہے کہ جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو یقیناً اللہ نہیں
يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩١﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ
ضائع کرتا اجر احسان کرنے والوں کا کہا انہوں نے قسم ہے اللہ کی البتہ یقیناً چن لیا ہے تجھ کو

آپ کو یقین تھا اس لئے نصیحت فرما رہے ہیں۔ اب تیسری دفعہ اپنے بیٹوں کو حضرت ... اور اس کے بھائی کی تلاش میں مصر بھیجتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کو فراستِ نبوی سے حضرت یوسف ... مصر میں ہونے کا علم تھا۔ یہ ایک نبی کی ہی شان ہے کہ پے در پے غم سہ رہے ہیں لیکن اللہ کی ... سے ناامید نہیں ہوتے کہ یہ کافروں کا شیوہ ہے۔ پس یہاں مومنین کو یہ عظیم سبق دیا کہ غموں کے ... ٹوٹیں ناکامیاں ہوں، روحانی امور ہوں یا دنیوی اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہوں۔ ضرور ... اندھیری رات کے بعد صبح صادق طلوع ہو۔

۸۹تا۹۱۔ **مزجٰة۔ زجا**۔ کسی چیز کو دھکیلنا تاکہ وہ آگے چلے۔ جیسے ہوا کا بادل کو ... **یزجی سحابًا**۔ النور ۴۴۔ یہاں مراد تھوڑا سا مال ہے۔

برادرانِ حضرت یوسفؑ نے عزیزِ مصر کے دربار میں اپنی بے بضاعتی اور مسکنت کا ذکر ... لیکن بنیامین کی واپسی کی درخواست نہیں کی جو ان کی آمد کا اصل مقصد تھا۔ یا تو وہ واقعی اتنے خود ... ہو گئے تھے کہ پہلے اپنی ضرورت کی بات کی یا اس لئے کہ ہماری خستہ حالی کا سن کر اس کا دل ... پھر ہم بنیامین کی بات کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ کو بھی ان کا مزید ذلیل ہونا گوارا نہ ہوا اور حضرت یوسف ...

اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـــِٕيْنَ ﴿٩٢﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ
اللہ نے ہم پر اور تحقیق تھے ہم خطا کار کہا نہیں کوئی ملامت تم پر
الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٣﴾
آج بخشے اللہ تم کو اور وہ زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے

نے یکایک اپنا یوسف ہونا ان پر ظاہر کر دیا۔ یقیناً یہ اذنِ الٰہی سے ہی تھا جیسا کہ اس سورۃ میں قدم قدم پر اخلاقی سبق ملتے ہیں یہاں بھی حضرت یوسفؑ اپنے بھائیوں کے تمام مظالم اور زیادتیوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور ان کی ہرگز دلآزاری نہیں کرتے بلکہ انہیں شرمندگی سے بچاتے ہیں کہ وہ تو بچپن کی ایک حماقت تھی جو جہالت اور ناسمجھی کا زمانہ ہوتا ہے۔ مسندِ شاہی پر بیٹھ کر کس قدر عاجزی کا اظہار فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ اور جاہ و جلال تک پہنچنے میں میرا کوئی ذاتی کمال نہیں یہ محض اللہ کا احسان ہے جو اس نے ہم سب پر کیا اور ایک بار پھر ہم سب کو ملا دیا پھر بھائیوں کو نصیحت فرماتے ہیں جو پیغمبروں کا اصل کام ہے کہ یہ اللہ کا فضل و احسان مجھ ہی سے خاص نہیں جو بھی اللہ سے ڈرے گا اور صبر کرے گا تو اللہ ایسے محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا گویا بتا دیا کہ محسنین متقی اور صابر ہوتے ہیں۔

۹۲۔ **اٰثرک۔ اثر۔ آثار**۔ پہلے لوگوں کے نقشِ قدم۔ استعارۃً معنی بزرگی اور فضیلت ہے۔ اس سے ایثار ہے۔

جب برادرانِ حضرت یوسفؑ نے خدا کی قدرت کا یہ نظارہ دیکھا کہ جسے ذلیل کر کے کنوئیں میں پھینکا تھا وہ آج تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہے اور وہ جو اپنی تدبیر سے عزت و عظمت حاصل کرنا چاہتے تھے اس کے سامنے بھکاری بن کر کھڑے ہیں تو ان کا مردہ ضمیر جاگ اٹھا اور برملا آپ کی عظمت و فضیلت اور اپنی خطاء کاریوں کا اعتراف کیا۔

۹۳۔ **تثریب۔ ثرّب علیه** ۔ اسے ملامت کی۔ باز پرس کی۔ **تثریب**۔ الزام۔ ملامت کرنا۔

آپ کے اخلاق کریمانہ اس ایک آیت سے عیاں ہیں کس پیغمبرانہ شان سے فرماتے ہیں کہ آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ گویا سچے دل سے ان کی تمام خطائیں معاف فرماتے ہیں۔ پھر اللہ سے ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں اور تسلی دیتے ہیں کہ وہ **ارحم الرّٰحمین** ہے۔ تمہاری خطاؤں کو ضرور بخش دے گا۔

یہی وہ تاریخی الفاظ تھے جو آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عمائدین مکہ کو کہے۔ یہ

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ
لے جاؤ میری قمیص یہ پس ڈالو اس کو چہرہ پر میرے باپ کے آ جائے گا

ع ۱۰/۱۴/۴ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۹۳ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ
بینا ہو کر اور لاؤ میرے پاس اپنے گھر والوں کو سب کو اور جب جدا ہوا قافلہ

قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۹۴
کہا ان کے باپ نے یقیناً میں البتہ پاتا ہوں خوشبو یوسف کی اگر ایسا نہ ہو کہ تم بیوقوف ٹھہراؤ مجھے

الفاظ آپ ﷺ کی حضرت یوسفؑ سے مشابہت کو ثابت کرتے ہیں۔ اگر حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا تو آپ ﷺ نے اپنی پوری قوم کو جو آپ ﷺ کے خون کی پیاسی تھی، کلّی اقتدار رکھتے ہوئے معاف فرما دیا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین (الانبیاء آیت ۱۰۸) تھے اور باری تعالیٰ نے آپ ﷺ کو **انک لعلٰی خُلقِ عظیم** (القلم آیت ۵) کی سند سے نوازا تھا۔

۹۴۔**علٰی وجہِ ابی**۔ میرے باپ کے آگے رکھ دو۔ اس کے سامنے ڈال دو۔ **یاتِ بصیرًا**۔ اسے بصیرت حاصل ہو جائے گی۔ وہ یقین کرے گا۔ حقیقت کو پہچان لے گا۔ اصل قمیص دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہ حضرت یوسفؑ کی قمیص ہے اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت یعقوبؑ بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ اب آپ بھائیوں کو اپنی قمیص دے کر بھیجتے ہیں اور انہیں اپنے اہل و عیال کو لانے کو کہتے ہیں تا کہ وہ بھی ان نعمتوں میں شریک ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو عطا فرمائی تھیں۔ روایت ہے کہ حضرت یوسفؑ نے بہت سے سامان کے ساتھ قمیص بھیجی تھی تا کہ خاندان پوری طرح تیاری کر کے آئے۔ قرآن کریم نے تین دفعہ آپ کی قمیص کو بطور شہادت پیش کیا۔ پہلی دفعہ قمیص پر لگے ہوئے جھوٹے خون کو دیکھ کر حضرت یعقوبؑ نے آپ کے زندہ ہونے کا قیاس کیا اور بھائیوں کے فریب کا بھانڈہ پھوٹا۔ دوسری دفعہ قمیض کا پیچھے سے پھٹنا آپ کی عصمت کیلئے گواہ ٹھہرا اور زلیخا کے گناہ کا پردہ چاک ہوا۔ اب تیسری مرتبہ حضرت یعقوبؑ کے حضور آپ کی قمیض نے پھر آپ کی زندگی کی گواہی دی اور بھائیوں کا جھوٹ صاف ظاہر ہو گیا۔

۹۵۔اس رکوع میں حضرت یعقوبؑ کے کشف، ان کی حضرت یوسفؑ سے ملاقات اور حضرت یوسفؑ کی ایک بہترین دعا کا ذکر ہے۔ **فَصلت۔ فَصل**۔ الگ ہونا۔ مراد روانہ ہونا۔ **تفنّدون - فَنَد**۔ رائے کی کمزوری۔ **التّفنیدُ** کے معنی کسی کو کمزور رائے یا فاتر العقل بتانے کے ہیں۔ **لولا اَن تفنّدون** اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو۔ یہ حضرت یعقوبؑ کا زبردست کشف تھا جو انہیں

ع ۶ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۹۵ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ
کہا انہوں نے قسم اللہ کی یقیناً تو البتہ غلطی اپنی پرانی میں ہے پس جبکہ آیا

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ
بشارت دینے والا ڈالدیا اس (قمیص) کو اسکے چہرہ پر پس وہ پھر سے ہوگیا صاحب بصیرت کہا کیا نہیں

اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۹۶ قَالُوْا
کہا تھا میں نے تم کو یقیناً میں زیادہ جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو نہیں تم جانتے انہوں نے کہا

اڑھائی سو میل سے حضرت یوسفؑ کی خوشبو آئی جبکہ دوسراں کو محسوس نہیں ہوا۔ اسی لئے کہا کہ اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو تو حقیقت یہی ہے کہ حضرت یوسفؑ کی ملاقات بہت قریب ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ معجزات کا دکھانا نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کی خوشبو اس وقت نہیں آئی جب گھر کے قریب ہی کسی کنویں میں موجود تھے اب جبکہ آٹھ دن کی مسافت پر قافلہ ہے تو آپ کو یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔

۹۶۔ چونکہ حضرت یعقوبؑ اکثر یوسفؑ کے زندہ ہونے کا ذکر کرتے رہتے تھے اس لئے ان کے بیٹوں نے یقین نہ کیا اور کہا کہ آپ یقیناً اپنے پرانے وہم میں مبتلا ہیں۔ یوسفؑ کا تو اب تک نام و نشان بھی مٹ چکا ہوگا اور آپ کو اب اس کی خوشبو آ رہی ہے۔

۹۷۔**فارتدّ بصیرًا**۔ ارتداد۔ پہلی حالت کو واپس لوٹنا ہے۔ **فارتدّ بصیرًا**۔ پھر وہ صاحب بصیرت ہو گیا۔ یعنی جو علم پہلے الہامی تھا اب واقعاتی ہو گیا۔
روایت ہے کہ یہودا ہی اس بشارت کے ساتھ قمیض لے کر آیا اور آپ کے حضور رکھ دی۔ بیشک الہامی طور پر حضرت یوسفؑ کے مل جانے کی آپ کو خبر تھی اور آپ نے سب کو بتا بھی دیا تھا کہ مجھے یوسفؑ کی خوشبو آ رہی ہے۔ لیکن بعض پیشگوئیاں تعبیر طلب ہوتی ہیں اس لئے بصیرت کامل تبھی ملتی ہے جب ظاہری طور پر بھی پیشگوئی پوری ہو جائے۔ اسی لئے جب قمیض آپ کے پاس پہنچ گئی تو **فارتدّ بصیرًا** کہا یعنی وہ صاحب بصیرت ہو گیا۔ گویا پہلے اس کا علم حق الیقین کے مرتبہ پر تھا اور اب عین الیقین تک پہنچ گیا اور شک کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ حضرت یوسفؑ غالباً امور سلطنت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے خود حاضر نہ ہو سکے اس لئے ان سب کو اپنے پاس بلایا تا کہ ان نعمتوں سے وہ بھی بہرہ ور ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا۔ حضرت یعقوبؑ انتہائی خوشی کے موقع پر بھی اللہ کی عظمت اور اپنی عاجزی کا اظہار فرماتے ہیں کہ اللہ کی بات ہی سچی نکلی۔ یہ میرا ذاتی علم نہیں تھا

يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ (۹۸) قَالَ
اے باپ ہمارے۔ بخشش مانگ ہمارے لیے گناہوں کی ہمارے یقیناً ہم ہیں خطا کار (باپ نے) کہا
سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۹۹)
ضرور میں بخشش مانگوں گا تمہارے لیے اپنے رب سے یقیناً وہی بخشنے والا مہربان ہے
فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ
پس جب داخل ہوئے یوسف پر اس نے جگہ دی طرف اپنی اپنے والدین کو اور کہا

مجھے اللہ کی طرف سے ان باتوں کا علم دیا گیا تھا جو تم نہیں جانتے۔

۹۸۔ حضرت ابراہیمؑ کے فیوض و برکات اور دعاؤں سے آلِ یعقوبؑ پر اللہ تعالیٰ کی روحانی نعمتوں کی بارش دن رات ہوتی تھی جس سے اڑھائی سو میل دور بیٹھے حضرت یوسفؑ کلی طور پر سیراب و مستفیض ہوتے رہے۔ لیکن برادرانِ حضرت یوسفؑ کی بدقسمتی کی انتہا تھی کہ حضرت یعقوبؑ جیسے باپ کی صحبت بھی بے اثر ثابت ہوئی۔ لیکن حضرت یوسفؑ کی وساطت سے جب دنیوی نعمتوں کے دروازے ان پر کھلے تو خدا تعالیٰ کی عجیب قدرتوں اور اس کے فضل و احسان نے برادرانِ یوسفؑ کی آنکھوں سے جہل کا دبیز پردہ چاک کر دیا۔ وہ بینا ہو گئے اور اپنی خطا کاریوں کا اقرار کرتے ہوئے نہایت عاجزی سے اپنے والدِ محترم سے اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے دعا کی درخواست کی۔

۹۹۔ **سَوف**۔ قریب ہے (کہا ایسا کروں گا) یہ لفظ مضارع کو مستقبل کرتا ہے اور ضرور کے معنی بھی دیتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو فوراً معاف کر دیا تھا۔ وہ بھائیوں سے مل کر ان کے حالِ زار سے واقف ہو چکے تھے اور دل میں انہیں معاف فرما چکے تھے حالانکہ بھائیوں کو ابھی علم نہیں تھا۔ حضرت یعقوبؑ الہامِ الٰہی سے حضرت یوسفؑ کے زندہ ہونے اور عنقریب ملاقات کی خدا کے فضل سے امید رکھتے تھے۔ لیکن جب انہیں اچانک حضرت یوسفؑ کے ملنے کی خوشخبری پہنچی تو وہ تمام زخم بھی تازہ ہو گئے جو بیٹوں نے پچیس سال تک باپ کے سینہ پر لگائے تھے اور انہیں جھٹلاتے رہے تھے۔ پس پیغمبرانہ حوصلہ سے انہیں معاف تو کر دیا لیکن ان کے لئے دل سے دعا کرنے کے لئے کچھ وقت چاہئے تھا۔ تاہم ان کی دلداری فرمائی کہ اللہ بہت غفور الرحیم ہے۔ وہ تمہاری خطائیں بخش دے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ غالباً ان کا ارادہ جمعہ کی رات تہجد کے مقبول وقت میں ان کے لئے استغفار کرنے کا تھا۔ یہاں ان لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو معمولی باتوں پر اولاد کو عاق کر دیتے ہیں اور قطع تعلق کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (۱۰۰) وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ
داخل ہو جاؤ مصر میں اگر چاہے اللہ امن سے اور اٹھایا اپنے والدین کو
عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا
تخت پر اور گر گئے وہ اس کے لیے سجدہ میں اور کہا اے باپ میرے یہ
تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ
تعبیر ہے خواب کی میرے پہلے سے یقیناً (ثابت) کر دیا ہے اسے رب نے میرے سچ اور یقیناً
اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ
احسان کیا اس نے مجھ پر جبکہ نکالا اس نے مجھے قید خانہ سے اور لے آیا تم کو
الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ
گاؤں سے بعد اس کے کہ فساد ڈال دیا شیطان نے درمیان میرے اور درمیان بھائیوں کے میرے
اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۱۰۱)
یقیناً رب میرا مہربان ہے جس پر چاہتا ہے یقیناً وہ ہی خوب جاننے والا حکمت والا ہے

۱۰۰۔ **اُدخُلُوا** کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت یوسفؑ مع اپنے وزراء و امراء کے اپنے والدین بھائیوں اور خاندان کی پیشوائی کے لئے سرحدِ مصر تک خود تشریف لائے اور بڑے کرّ و فر اور عزت و احترام سے انہیں مصر میں لائے۔ آپ کا کنبہ قریباً ساٹھ ستر افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت یوسفؑ کی حقیقی والدہ حیات تھیں۔ آپ نے احتراماً اپنے ماں باپ کو اپنے پاس بٹھایا تو تمام مصر میں عملاً آپ کی عملداری تھی آپ مصر کی سرحد پر کھڑے ہیں۔ سواریاں پاس ہیں مگر انشاء اللہ کہہ رہے ہیں کہ باوجود ان سامانوں کے بھی اگر اللہ نہ چاہے تو ہم ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ پس سچے دل سے انشاء اللہ کہنا گویا اللہ پر کامل توکل کرتے ہوئے اپنے ارادے اور فعل کو اللہ کی مشیت کے تابع رکھنا ہے اور یہی روحانیت کی معراج ہے۔

۱۰۱۔ **خَرّوا**۔ **خرّ**۔ زور سے گرنا جس میں آواز ہو۔ تسبیح پڑھتے ہوئے گرنا۔ **البدو**۔ بادیہ۔ صحرا۔ دیہات۔ اسی سے **بَدُو** ہے یعنی دیہاتی۔ **لطیف**۔ مہربان۔ شفیق۔ باریک۔ اللہ کے لئے لطیف کا لفظ آئے تو اس کا مطلب بندوں اور مخلوق پر احسان کرنے والا اور مخفی باتوں کو جاننے والا کے ہیں۔

تفسیر قرطبی اور مظہری میں لکھا ہے کہ شاہِ مصر نے ایک سال کے تجربہ کے بعد دربار میں ایک جشن منعقد کیا اور تمام امراء، وزراء اور معززین حکومت کو اکٹھا کیا، حضرت یوسفؑ کے سر پر تاجِ شاہی رکھا اور تمام امورِ سلطنت کو عملاً آپ کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گیا۔ پس آپ نے اپنے

والدین کو تختِ شاہی پر اپنے ساتھ بٹھا کر ان کی عزت افزائی فرمائی۔ اس پر سب اللہ کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ شکر اللہ کے حضور کیا گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یہاں روحانی سجدہ بھی مراد ہے جیسا کہ ملائکہ نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ بیشک حضرت یعقوبؑ پہلے سے مقام نبوت پر فائز تھے۔ لیکن نبوت کے لحاظ سے حضرت یوسفؑ اپنے والد محترم سے مقام و مرتبہ میں افضل تھے۔ آپ بنی اسرائیل کے اولوالعزم انبیاء میں سے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی کہا گیا کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (سورۃ المومن: ۳۵) دنیوی لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزو شرف بخشا۔ ایسی صورت میں باپ کا بیٹے کے تابع ہونا جائز ہے۔ ہاں! ذاتی طور پر آپ نے اپنے والدین کو بلند مرتبہ سے نوازا، تخت پر ان کو عزت و احترام سے بٹھایا اور خود کو ان کے نیچے اور ان کا فرمانبردار ثابت کیا۔ بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ پچھلی شرائع میں غیر اللہ کو سجدہ جائز تھا ہرگز درست نہیں کیونکہ اصول دین ہمیشہ کے لئے ایک ہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عملاً بھی ماں باپ اور گیارہ بھائیوں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور اس منظر کو دیکھ کر حضرت یوسفؑ کو اپنا پرانا خواب یاد آ گیا جسے اللہ نے سچ کر دکھایا تھا۔ آپ جن تکلیف دہ آزمائشوں سے گزرے تھے آپ نے ان کا ذکر تک نہیں کیا کہ یہ شکر کے منافی ہے بلکہ اللہ کے احسانات یاد کرتے ہیں کہ کس طرح اس نے انہیں قید سے رہائی دی۔ کنویں میں پھینکے جانے اور ایک لمبی اور تکلیف دہ جدائی کا ذکر نہیں کیا تا کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو۔ یہ نہیں کہتے کہ تمہیں یہاں لا کر اللہ نے تم پر احسان کیا بلکہ ان کے آنے کو اللہ کا احسان اور اپنی خوش قسمتی تصور کرتے ہیں۔ بھائیوں کی تمام تر زیادتی اور بداخلاقی کو بھلا کر کہتے ہیں کہ میرے بھائی تو ایسے نہ تھے۔ یہ شیطان تھا جس نے ہم میں نزاع ڈالا۔ اپنے جانی دشمنوں کی اس سے زیادہ دلجوئی اور پردہ پوشی اور کیا ہو سکتی ہے۔ غرض اس سورۃ میں پیغمبرانہ اخلاق کے سبق قدم قدم پر بکھرے ہوئے ہیں۔ فرمایا **اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ** یعنی میرا ربّ جسے چاہتا ہے اپنے لطفِ خاص سے نوازتا ہے۔ آپ میں یہ استعداد تھی اس لئے اللہ کے فضل سے اس کی خاص شفقت و محبت سے نوازے گئے۔ اللہ نے ایسی لطیف اور مخفی تدبیریں اور سامان کئے جو انسانی عقل سے بعید تھے۔ فرمایا وہ علیم و حکیم ہے اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں۔ بھائیوں کی بدسلوکی اور اس کے نتیجہ میں غریب الوطنی، جہاں حضرت یوسفؑ کے مراتب عالیہ کا سبب بنی وہاں بھائیوں کے لیے بھی توبہ کا ذریعہ بنی بلکہ حضرت یعقوبؑ کی تکمیل روحانی بھی اللہ نے اسی غم میں رکھی تھی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ

اے رب میرے یقیناً دیا تو نے مجھے حکومت سے (ایک حصہ) اور سکھایا ہے تو نے مجھے (کچھ) تعبیر سے

الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی

باتوں سے اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے تو دوست ہے میرا

الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ

دنیا اور آخرت میں وفات دے مجھے مسلمان بنا کر اور ملا دے مجھے

بِالصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰۲ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ

نیکوں کے ساتھ یہ خبروں سے ہے غیب کی ہم وحی کرتے ہیں طرف تیری اور

مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ۝۱۰۳ وَ

نہ تھا تو پاس ان کے جبکہ اتفاق کیا انہوں نے کام پر اپنے اور وہ تدبیریں کرتے تھے اور

۱۰۲۔ تاویل الاحادیث میں تعبیر رویاء کے علم کی طرف اشارہ نہیں بلکہ معاملہ فہمی کی طرف اشارہ ہے۔

آپ نے تمام امور انتہائی معاملہ فہمی سے انجام دیئے حضرت یوسفؑ اس خوشی کے موقع پر اپنے والدین بھائیوں اور عزیز و اقارب سے اظہار محبت فرما رہے تھے اور اللہ کے احسانات کو یاد کر رہے تھے جو ان پر ہوئے کہ بے اختیار اس محسن حقیقی کے عشق سے سرشار ہو کر پکار اٹھتے ہیں کہ اے میرے رب یہ دنیوی حکومت و وجاہت روحانی اور مادی علوم و کمال سب تیری [illegible] ہیں۔ پھر حمد و ثناء کرتے ہوئے اپنے رب کے حضور مناجات کرتے ہیں کہ اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز و مددگار ہے۔ مجھے اپنی کامل فرمانبرداری میں وفات دیجیو اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دیجیو۔ گویا دینی و دنیوی اعلیٰ ترین انعامات سے نوازے جانے کے باوجود اگر تڑپ ہے تو یہی کہ کامل فرمانبرداری میں ہی وفات دے اور صالحین سے ملا دے۔ یہاں آپ نے مسلم ہونا ہی کافی نہیں سمجھا کیونکہ مسلم کمزور ایمان کا بھی ہو سکتا ہے جو کچھ سزا پا کر جنت میں داخل ہو گا۔ اس لئے فرمایا کہ وفات کے وقت میں ایسا کامل مسلم ہوں جو صالحین سے جا ملتے ہیں۔ اس طرح حضرت یوسفؑ کے قصہ کو ان کی ایک بہترین دعا پر ختم کیا۔

۱۰۳۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ سلم سے خطاب فرمایا کہ یہ محض ایک کہانی نہیں بلکہ اس میں غیب کی خبریں یعنی آئندہ کی پیشگوئیاں ہیں گویا یہ قصہ آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی کی تصویر ہے۔ اگر کچھ فرق ہے تو مراتب کی وجہ سے پس برادران حضرت یوسفؑ کی طرح تیرے قومی بھائی بھی

مَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ

نہیں ہیں اکثر لوگ اور اگرچہ تو خواہش کرے ایمان لانے والے اور نہیں ہے تو مانگتا

ع ۱۱ ۵ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَكَاَيِّنْ

اس پر کوئی اجر نہیں ہے یہ مگر نصیحت تمام دنیا کے لیے اور کتنے ہی

تیرے خلاف خفیہ مشوروں میں مشغول ہیں اور ایک امر پر متفق ہو گئے ہیں کہ تجھے قتل کر دیا جائے جس کے نتیجہ میں حضرت یوسفؑ کی طرح آپ کو بھی اپنا وطن عزیز چھوڑنا پڑے گا۔ پھر جس طرح برادران حضرت یوسفؑ سات سالہ قحط سے پریشان ہو کر حضرت یوسفؑ کے حضور برائے امداد حاضر ہوئے اور فیضیاب ہوئے اسی طرح مکہ کے سات سالہ قحط میں ابوسفیان جیسے متکبر شخص کو سخت پریشانی میں اے محمد ﷺ تیرے دربار میں بغرض دعا حاضر ہونا پڑے گا اور آپ کی دعا کی برکت سے نہ صرف وہ بلکہ پورا مکہ فیضیاب ہوگا۔ (بخاری کتاب التفسیر۔سورۃ الدخان حدیث ۴۴۷۴) پھر فتح مکہ پر آنحضرت ﷺ نے حضرت یوسفؑ کے ہی الفاظ دہرائے اور اپنی مشابہت ثابت کی۔ پس اگر حضرت یوسفؑ کا مصر پر اقتدار ہوا تو رسول عربی بلا شرکت غیر پورے عرب کے بادشاہ ہوں گے۔ آپ ﷺ کی مشابہت زندگی تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کی حضرت یوسفؑ سے ایک عظیم مشابہت تھی جیسا کہ سورۃ مومن آیت :۳۵ میں ہے کہ حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ اس کے بعد ہرگز کوئی رسول مبعوث نہیں کرے گا۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی لوگوں نے یہی کہا کہ آپ ﷺ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور مہدی و مسیحؑ کی آمد کے متعلق آنحضرت ﷺ کے ستر سے زیادہ فرمان بھول گئے۔

۱۰۴۔ جب آپ ﷺ نے کفار مکہ کی فرمائش پر الہام الٰہی سے حضرت یوسفؑ کے تمام واقعات من وعن سنا دئے جن میں اخلاق کے بہترین اسباق تھے اور جو توریت میں شامل کی گئی تمام لغویات سے پاک اور بے شمار پیشگوئیوں کے حامل تھے تو آپ ﷺ کو طبعی طور پر شدید خواہش تھی کہ اہل مکہ اس معجزہ کو دیکھ کر ہی ایمان لے آئیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس معاملہ میں بھی آپ کے قومی بھائی، حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح آپ ﷺ کا کامل عروج دیکھ کر ہی ایمان لائے۔

۱۰۵۔ آپ ﷺ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا رکھی تھی اور ان سے کسی معاوضہ کے طلبگار نہیں تھے لیکن انہیں ایمان کی توفیق نہیں تھی۔ اس لئے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اگر اہل مکہ اس وقت ایمان نہیں لاتے تو ہرگز غم نہ کر۔ یہ قرآن کریم تو تمام دنیا کے لئے نصیحت ہے

مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ

نشان ہیں آسمانوں اور زمین میں یہ لوگ گذرتے ہیں ان پر اور

عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ

ان سے منہ موڑنے والے ہیں اور نہیں ایمان لاتے اکثر ان میں سے اللہ پر مگر ایسے حال میں کہ وہ

مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ

شرک ہوتے ہیں کیا پس وہ امن میں ہیں اس سے کہ آوے انکے پاس ڈھانک لینے والا کوئی عذاب

اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

اللہ کا یا آوے ان کے پاس قیامت اچانک اور وہ نہ جانتے ہوں

اور ساری دنیا کی ہدایت کا موجب ہوگا گویا اسلام کے تمام دنیا میں پھیلنے کی پیشگوئی فرما دی۔

۱۰۶۔۱۰۷۔ اس آخری رکوع میں تبلیغ و وعظ کا رنگ اختیار کیا۔ تا کہ جو قصۂ حضرت یوسفؑ سننے کے مشتاق تھے انہیں اسلام کی دعوت سے روشناس کروایا جائے۔ چنانچہ نہایت نصیحت آموز انداز میں تبلیغ کے بعد اس سورۃ کو ختم کیا جو احسن القصص مشہور ہے۔ پہلے قرآن کریم پر غور کرنے کی دعوت دی جس میں بے شمار آیات اور نشانیاں ہیں اور جو بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اب اللہ تعالیٰ کی فعلی کتاب پر غور و خوض کرنے کی دعوت دی جو تمام کائنات اور اس کے قوانین ہیں (ریویو آف ریلیجنز جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۱)(Review of Religions v.1- P.11) پس زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی لا تعداد نشانیاں اور آیات ہیں جن میں حیرت انگیز عدل و توازن ایک صانع حقیقی اور مدبر بالارادہ ہستی کے وجود کا پتہ دیتا ہے لیکن وہ کبھی غور نہیں کرتے اور آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں اور ایک خدا کو ماننے کے باوجود اس کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! شرک کبھی اسلام میں داخل نہیں ہوگا کہ بتوں کو پوجنے لگیں۔ ہاں لوگ اپنے دلوں میں کئی بت سجا لیں گے جن کو اپنا حاجت روا مانیں گے یعنی کسی کو اپنی دولت پر بھروسہ ہوگا تو کسی کو عقل و شعور پر۔ کوئی اپنی قوت پر تکیہ کرے گا اور کوئی اپنے جتھے پر۔ یہی شرک خفی ہے جس سے ہر مومن کو بچنا چاہئے کیونکہ تمام بد اعمال کا تعلق اسی شرک سے ہے۔ پس کم ہی لوگ ہیں جو شرک سے کلّیۃً پاک ہیں۔

۱۰۸۔ جب انہیں زمین و آسمان کا کوئی نشان بھی اللہ کی طرف راغب نہ کر سکا تو بتایا کہ ان گمراہیوں کا آخری نتیجہ اللہ کے عذاب کی صورت میں نمودار ہوتا ہے اور اس کا عذاب **غاشية** کی صورت میں پوری قوم کو ڈھانپ لیتا ہے۔ جیسا کہ سات سالہ قحط میں ہوا یا جیسا کہ جنگ بدر سے

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ

تو کہدے یہ راہ ہے میری بلاتا ہوں طرف اللہ کے بصیرت پر ہو کر میں اور وہ جنہوں نے

اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۹ وَمَآ

پیروی کی میری اور پاک ہے اللہ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے اور نہیں

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ

بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے مگر مردوں کو وحی کرتے تھے ہم طرف ان کی بستیوں

الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

والوں میں سے کیا پس نہیں پھرے وہ زمین میں کہ دیکھتے کیوں کر ہوا

جنگ احزاب تک پوری قوم باوجود اپنی تمام تر برتری کے مغلوب ہوتی رہی اور ذلت و ادبار کے بادل ان پر چھائے رہے۔ یا پھر یہ عذاب اچانک ساعت کی صورت میں ہوتا ہے جیسا کہ فتح مکہ کی گھڑی کہ اچانک ہی اہل مکہ پر ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا اور انہیں سوچنے اور سمجھنے کا موقع ہی نہ ملا کہ ہوا کیا ہے۔ جیسے آخری زمانہ کی ایٹمی تباہ کاریاں جو اچانک ہوں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کسوف و خسوف کی شکل میں آسمانی نشان ظاہر ہوئے، طاعون اور زلزلوں کی صورت زمینی۔

۱۰۹۔ **بصیرت**۔ معرفت اور تحقیق (مفردات) قطعی دکھائی دینے والی حقیقت۔

فرمایا یہی میرا طریق ہے اور یہی وہ راستہ ہے جس کی طرف تمہیں بلاتا ہوں۔ میرے راستہ کی طرف آؤ جو اللہ کا راستہ ہے جسے میں اختیار کر چکا ہوں اور جو پچھلی چند آیات پر غور کرنے سے عیاں ہے۔ یعنی اللہ کی آیات و نشانات پر غور کرنا جو تمام کائنات میں ہر سو بکھرے پڑے ہیں اور ان سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانا۔ توحید کامل پر ایمان اور شرک سے کلی بیزاری تا عذاب الٰہی کی لپیٹ سے محفوظ رہیں۔ فرمایا اسی راستہ پر چل کر مجھے خدا مل گیا۔ پس میں اسی طریق کی طرف تمہیں بلاتا ہوں تا خدا تمہیں بھی مل جائے اور یہی ایک انسان کی زندگی کا مقصود حقیقی ہے۔

فرمایا میں نے اور میرے متبعین نے اسلام کو تحقیق و دلائل اور خدا کے ساتھ تعلق کی بناء پر پہچانا ہے گویا ہمارا ایمان علیٰ وجہ بصیرت ہے نہ کہ باپ دادا کی اندھی تقلید کی وجہ سے۔ یہاں تبلیغ کا طریق کار بھی بتا دیا جو داعی الی اللہ کا معرفت الٰہی سے مزین ہونا اور امور دینیہ کو عقلی دلائل اور براہین سے پیش کرنا ہے نہ کہ جبر سے منوانا۔ اگر اس کے باوجود کوئی ایمان نہ لائے تو اللہ کی شان پاک میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ فرمایا چونکہ میرا ایمان بصیرت کاملہ پر قائم ہے اور صاحب بصیرت مشرک نہیں ہو سکتا اس لئے غیر اللہ کی میری نظر میں کوئی وقعت نہیں اور میں شرک سے سخت بیزار ہوں۔ گویا جن

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ

انجام ان لوگوں کا جو پہلے تھے ان سے اور البتہ گھر آخرت کا بہتر ہے

لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۰ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تقویٰ کیا، کیا پس نہیں عقل کرتے تم یہاں تک کہ جب (کفار کی ہدایت سے) مایوس ہوگئے

لوگوں کا ایمان بلا دلیل و تحقیق ہو اور اس ایمان کے نتیجہ میں خدا سے تعلق پیدا نہ ہو انہیں شرک میں ملوث ہونے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہے گا۔

۱۱۰۔ **رجالاً**۔ واحد **رجل**۔ مرد۔ بہادر۔ مردانگی سے مزین۔ صاحب عظمت۔ تمام صفات حسنہ سے مزین۔ مرد کامل۔ **رجل** میں یہ سارے معانی پائے جاتے ہیں۔ اس لفظ میں بتایا کہ ہر مرد کو اپنے "**رجل**" ہونے کی لاج رکھنی چاہئے اور ان صفات میں خود کو مزین کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلی دعوت دی کہ جو بھی میرے طریق پر چلے گا اللہ سے مل سکتا ہے۔ اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی اس سے غلطی لگ سکتی تھی کہ پھر عورت نبوت کے منصب پر بھی فائز ہو سکتی ہے۔ اس لئے واضح کر دیا کہ بیشک ایک عورت دنیوی طور پر حاکم ہو سکتی ہے مگر بعض حکمتوں اور خاص نسوانی کمزوریوں کی وجہ سے نبوت کے منصب کے لئے موزوں نہیں۔ ہاں کمالات نبوت حاصل کر سکتی ہے اور نبوت کے علاوہ تمام روحانی مدارج طے کر سکتی ہے اور الہام الٰہی سے مستفیض ہو سکتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرد اور عورت کے فرائض الگ الگ ہیں جیسا کہ فرمایا **اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى**۔ (سورۃ الیل آیت: ۵۔) اس طرح عرب جیسے بدترین معاشرہ میں جہاں عورت کی کوئی عزت نہیں تھی اس کو ایک باعزت مقام دلایا۔

کفار جنہیں اپنی طاقت پر بہت گھمنڈ تھا اور جو کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنی محدود دنیا میں ہی مگن تھے انہیں دنیا کی سیاحت کی دعوت دی کہ باہر نکلو اور دنیا میں چل پھر کر دیکھو اور تاریخی شواہد کا مطالعہ کرو۔ کہ چشم تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

تاریخ ہمیشہ خود کو دہراتی ہے تمہیں سمجھ آ جائے گی کہ پہلے انبیاء کے مخالفین کا انجام کیا ہوا پس اس نبیؐ کے مخالفین کا انجام ان سے کچھ الگ نہیں اور آخرت کا انجام تو اس سے بہت بدتر ہوگا۔ ہاں متقی کا انجام بخیر آخرت کا ہی نہیں اس دنیا میں بھی وہ بہت کچھ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور پیار و محبت کے نظارے دیکھ لیتا ہے اور اس کی جنت دنیا سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر یہ کیوں نہیں سمجھتے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **من اھل القری** ط اس لئے کہا

الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ

رسول اور گمان کیا انہوں نے (کافروں نے) کہ وہ یقیناً جھوٹ بولے گئے ہیں آئی انکے پاس مدد ہماری پس نجات دیا گیا

مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ

جسے ہم چاہتے ہیں اور نہیں لوٹایا جاتا عذاب ہمارا مجرم لوگوں سے

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ

یقیناً یقیناً ہے بیان میں ان لوگوں کے عبرت عقل والوں کے لیے نہیں ہے

حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ

یہ بات جو جھوٹ بنائی جائے ولیکن تصدیق ہے اس کی جو پہلے ہے اس کے اور

ع ۱۲ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

۶ تفصیل ہے ہر بات کی اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں

کہ انبیاء اچانک نمودار نہیں ہوجاتے وہ بستیوں میں لوگوں کے درمیان پلتے بڑھتے ہیں اور خود بڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز فرمایا **یسیروا** میں خاص سیاحت ہی مراد نہیں۔ دیدہ بینا کو اپنے ارد گرد بے شمار نشان عبرت نظر آتے ہیں۔ جیسے کہ مقولہ ہے۔ "**ھٰذا قصورھم و ھٰذا قبورھم**" بادشاہوں کے محلات کے قریب ہی ان کی قبریں بھی پائی جاتی ہیں۔

۱۱۱۔ایک نبی اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا (جیسا کہ آیت نمبر ۸۸ سے ظاہر ہے۔ ہاں کفار پہ ایک وقت ایسا ضرور آجاتا ہے کہ ان کے دلوں پر قفل لگ جاتے ہیں ان کی اصلاح کی صورت باقی نہیں رہتی اور انبیاء ان کی ہدایت سے مایوس ہو جاتے اور جان لیتے ہیں کہ وہ قوم کی طرف سے جھٹلا دئے گئے ہیں۔ تب آخری فیصلہ کا وقت آ جاتا ہے اور نصرت الٰہی آ پہنچتی ہے۔

۱۱۲۔ماکان یعنی ماکان القراٰن۔

اس آیت میں بہترین دلائل سے قرآن کریم کی عظمت اور صداقت کو پیش کر کے اس سورۃ کو ختم کیا۔ سب سے پہلے بتایا کہ قرآنی قصوں میں حضرت یوسفؑ کا ذکر ہو یا دوسرے انبیاء کا ان میں اہل عقل و دانش کے لئے اخلاق آموز اسباق اور عبرت کے نشان ہیں جو انسانی زندگی کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ پھر بتایا کہ یہ قرآن کریم کوئی من گھڑت بیان نہیں بلکہ توریت اور انجیل کا مصدّق ہے۔ کیونکہ ان کتابوں کی تمام پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر پوری ہوئیں۔ پس اگر قرآن کریم کو جھوٹا کہو گے تو توریت و انجیل کو بھی جھٹلانا پڑے گا۔ ان کتابوں میں تصرفِ الٰہی سے بیشک پیشگوئیاں محفوظ رہ گئیں لیکن یہ کتابیں انسانی دست برد سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکیں اور تحریف کا شکار ہو گئیں۔ اس لئے ان کتابوں کی مکمل تصدیق کوئی کتاب یا رسول نہیں کرتا صرف اس حصہ کی تصدیق کرتا ہے جو خدا اس کے سامنے کھول کر رکھ دے یعنی الہاماً اسے بتا دئے۔

قرآن کریم کا عظیم کمال یہ ہے کہ ہر شے کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ پس قرآن کی صورت میں ایک مکمل ضابطہ حیات عطا فرمایا جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں اس کی مکمل رہنمائی کرتا ہے نیز ایک بہترین معاشرہ کی تشکیل کے لئے جن احکام وقوانین کی ضرورت ہوسکتی ہے، وہ تمام اس میں تفصیلاً درج ہیں۔ ہر شے کی تفصیل میں سائنسی امور کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قرآن کریم کا دوسرا عظیم کمال یہ ہے کہ ہدایت ہے یعنی اپنے ماننے والوں کو جو اعمال صالحہ بجا لائیں خدا تک پہنچاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ ہدایت کے ساتھ رحمت بھی ہے یعنی اس کے ماننے والوں پر انوارِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کی چادر انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور وہ مقربین میں شامل ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ رعد۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی چوالیس آیات اور چھ رکوع ہیں

الٓرٰ سے شروع ہونے والی یہ چوتھی سورۃ ہے جو ''م'' کے اضافہ سے آئی۔ یعنی الٓمّٓرٰ
شروع ہوئی یہ مکّی سورتیں ہیں اور ان کا زمانہ نزول مکّی زندگی کا آخر زمانہ ہے۔ جبکہ آنحضرت
اور آپ ﷺ کے متبعین کفار کے شدید مظالم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ان تمام سورتوں میں غلبہ اس
پیشگوئیوں سے آپ ﷺ کو تسلی دی۔ اس سورۃ میں خاص طور پر بتایا کہ یہ پیشگوئیاں پوری ہو کر ر
اور یہ غلبہ آنحضرت ﷺ کی کسی ذاتی کاوش کا نتیجہ نہیں ہوگا۔ بلکہ محض اللہ کے فضل و احسان سے ظ
میں آئے گا۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اپنی حکمت سے ایسے اسباب بہم پہنچاتا ہے جو
نظر سے مستور ہوتے ہیں اور انسان کو صرف نتیجہ کا علم ہوتا ہے۔ پس جب رحمتِ خداوندی بار
طرح نزول کر کے مردہ دلوں کو زندگی کا پیغام دے گی تو ضرور ہے کہ اس میں رعد یعنی کڑک ہو۔
یہ رعد جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوئی نیز بہت سی انذاری پیشگوئیوں کی وجہ سے بھی اس سورۃ کا
رعد رکھا گیا۔

دیگر مکّی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید و رسالت، قیامت، جزا و سزا، جنت و
وغیرہ کا بیان اور کفار کے پیش کئے گئے شبہات کے جوابات ہیں۔ نیز اس سورۃ میں صحیفۂ کائنات
اس کے قوانین کو توحید اور ہستی باری تعالیٰ کے دلائل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت میں خدا تعالیٰ کی قولی اور فعلی دو زبردست شہادتوں کو پیش
کے اس سورۃ کو ختم کیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
میں پڑھتا ہوں ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ
الف لام میم را یہ آیات ہیں کتاب کی اور وہ جو اُتارا گیا طرف تیری

رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲﴾ اَللّٰهُ
رب سے تیرے حق ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے اللہ ہے

الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى
جس نے بلند کئے آسمان بغیر ستونوں کے کہ تم دیکھتے ہو جنہیں پھر وہ متوجہ ہوا

عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
عرش پر اور کام میں لگائے سورج اور چاند ہر ایک چلتا ہے میعاد

مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ
مقررہ تک تدبیر کرتا ہے معاملے کی مفصل بیان کرتا ہے آیات تاکہ تم ملاقات پر

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ الٓمّٓرٰ۔ انا اللّٰہُ اعلمُ واریٰ کا مخفف ہے گویا علم کی صفت کے ساتھ دیکھنے کی صفت کو بھی شامل کیا یعنی تمہاری آنحضرت ﷺ کے خلاف کاروائیوں کا مجھے خوب علم ہے مجھ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر تمہیں مہلت مل رہی ہے تو اللہ کے خاص علم و حکمت کی وجہ سے ہے۔ اس رکوع میں اس عظیم کارخانہ قدرت اور اس کے قوانین کو ہستی باری تعالیٰ کے دلائل کے طور پر پیش کیا۔ بتایا کہ تعلق باللہ ہی سے تکمیل روحانی ہوتی ہے نیز غلبہ اسلام کے مخفی ذرائع پر روشنی ڈالی۔

اس سورۃ کی پہلی آیت میں ہی یہ دعویٰ کیا کہ یہ کتاب سچی ہے۔ اس کی ہر بات حق پر مبنی ہے اور ہو کر رہنے والی ہے یعنی اس کتاب کے کُل دعاوی برحق ہیں۔ پس غلبہ اسلام کے لئے مخفی طور پر تمام اسباب مہیا ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اپنے وقت پر نتائج سامنے آئیں گے تو حق سب پر ظاہر ہو جائے گا اور ایمان لے آئیں گے اگرچہ اس وقت اکثر ماننے کو تیار نہیں۔ قرآن کریم کو حق کہنے میں یہ دعویٰ بھی تھا کہ وہ تمام روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے والا اور بندے کو اپنے ربّ سے ملانے والا ہے۔

۳۔ عرش۔ لفظی معنی تخت کے ہیں کنایۃً عزت، حکومت اور غلبہ کے معنی دیتا ہے یہاں

رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝٣ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا

اپنے رب کی یقین کرو اور وہی ہے جس نے پھیلایا زمین کو اور بنائے اس میں

بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام مراد اللہ تعالیٰ کی صفات تنزیہہ کا مجموعی نظام یا کامل ظہور
کوئی مادی شے۔ عرش پر قرار پکڑنا گویا اپنی قادرانہ قوتوں پر براجمان ہونا ہے۔(عرش کی تشر
لئے سورۃ توبہ:١٢٩)

اب صحیفۂ کائنات اور اس کے قوانین کو بطور دلیل پیش کیا۔ پہلے فرمایا کہ آسمان بغیر
ستونوں کے بنائے جن کو تم دیکھ سکتے ہو یعنی یہ ایسے ستون نہیں جن کو تم دیکھ سکو۔اس زمانہ م
تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی ایسے ستون بھی ہیں جو آسمانوں کو سہارا دیئے ہوئے ہیں اور جن
دیکھ نہیں سکتے ۔ قرآن کریم نے ایسے الفاظ استعمال کئے جو اس زمانہ میں بھی چسپاں ہو سکتے
ایسی پیشگوئیاں اور سائنٹفک حقیقتیں تھیں جو ان لوگوں پر ابتلا آئے بغیر آئندہ زمانے میں پوری
تھیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے باب العلم حضرت علیؓ کو فرمایا کہ لوگوں سے (دین کی) وہی با
کہو جو وہ سمجھیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے (بخاری)۔

کشش ثقل، سیاروں کی مخصوص حرکات اور اثرات یا دوسرے ذرائع جو اب سائنس
دریافت کئے ہیں ان میں کشش ثقل کھینچنے والی طاقت ہے۔ حرکت کی طاقت دھکیلنے والی طاقت
ستارے رسیوں کی طرح کھینچ رہے ہیں اور کچھ نیچے سے سہارا دے کر گرنے سے روک رہے ہیں
وہ ستون ہیں جو ہر شے کو تھامے ہوئے ہیں اور تمہاری نظر سے پوشیدہ ہیں اسی طرح غلبہ اسلام
ذرائع بھی فی الحال تمہاری نظر سے اوجھل ہیں۔ نیز یہ ہستی باری تعالیٰ کے لئے بھی دلیل ہے۔
ہی'' **ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ** کہہ کر خدا کی اس تجلی کی طرف اشارہ کیا جو خلق السّ
والارض کے بعد ظاہر ہوئی گویا زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد صفات الٰہیہ کا ظہور ہوا۔ صفات
کی ازلی و ابدی ہیں مگر جب مخلوق ہو تو خالق کو شناخت کرے''(حضرت مسیح موعود علیہ السلام
نمبر٥ جلد٢ صفحہ ٣٨ مورخہ ٢٠ فروری ١٩٠٣ء) سائنسدان بھی یہی کہتے ہیں کہ آسمانوں کی بلندیاں
رفعتیں پہلے وجود میں آئیں شمس و قمر کا وجود دوسرے دور میں ہوا۔فرمایا سورج اور چاند کامل اطا
سے تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ سورج اور چاند پر ہی کیا موقوف ہے کل اجرام فلکی ایک
مدت تک کے لئے اپنی مقرر کردہ رفتار کے مطابق اپنے اپنے محوروں پر گردش کر رہے ہیں۔ گویا
ایک اجلِ مسمّٰی کی طرف حرکت کر رہی ہے کوئی چیز ایسی نہیں جو ساکن ہے۔ اجل مسمّٰی ہر چیز کی عمر

رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ

پہاڑ اور نہریں اور ہر قسم کے پھلوں سے اس نے بنائے اس میں فرد

اثْنَيْنِ يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

دو دو وہ ڈھانکتا ہے رات کو دن پر یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں سوچنے

يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝٤ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ

والے لوگوں کے لیے اور زمین میں ٹکڑے ہیں پاس پاس اور باغ ہیں

آخری حد ہے۔ جب وہ حرکت کے ساتھ ساتھ اپنی طبعی عمر کو پہنچے گی تو ختم ہو جائے گی۔ کائنات کی ہر
چیز نے آخر ختم ہونا ہے۔ ہر حرکت گویا موت کی طرف قدم ہے۔ یہ سارا نظام خود بخود جاری و ساری
نہیں بلکہ ایک مدبّر الامور ہستی اسے چلا رہی ہے۔ جس طرح قرآنی آیات کو خوب کھول کر بیان کرنے
کے باوجود انسان غور نہیں کرتا اسی طرح مظاہرِ قدرت کائنات میں ہر سو بکھرے پڑے ہیں لیکن عام
طور پر انسان ان پر غور کئے بغیر گزر جاتا ہے۔ جب بھی انسان نے ان پر غور کیا تو بنی نوع انسان کو
بے انداز فوائد پہنچائے۔

پس جس نے تمہاری مادی ضروریات کے لئے ایک کائنات کو تمہاری خدمت میں لگایا ہوا
ہے وہی تمہاری روحانی ضروریات اور غلبہ اسلام کے لئے بھی تمام اسباب مہیا فرما رہا ہے تا کہ تم اپنے
رب کو پہچانو۔ نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح سورج چاند اور ستاروں کا ایک دوسرے سے تعلق ہے
اور ایک دوسرے پر اثر انداز ہو رہے ہیں اسی طرح انسان کا بھی اپنے پیدا کرنے والے سے ایک تعلق
ہے جو اسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ
تعالیٰ سے استفادہ کیا گیا)

٤۔قوم سے مراد لوگ بھی ہیں۔ زمین اور آسمان کی تمام چیزیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہی
نہیں ہو رہیں بلکہ بطور زوج کے بھی ہیں یعنی اگر ایک میں اثر ڈالنے کی صلاحیت ہے تو دوسرے میں
اسے قبول کرنے کی ۔ اس طرح ان کی خلق کی تکمیل ہوتی ہے۔ پس زمین و آسمان ہوں یا پہاڑ و انہار
یہاں تک کہ تمام نباتات بھی نر اور مادہ کی محتاج ہے بلکہ رات اور دن کو بھی بطور جوڑے کے پیش کیا۔
یہ حقیقت جس کا انکشاف چودہ سو سال پہلے ایک اُمّی کی زبان سے ہوا۔ آج سائنسدانوں کی سمجھ میں
آئی کہ ہر چیز حتٰی کہ ایٹم تک میں نر و مادہ موجود ہیں۔ جمادات وغیرہ میں تو یہ راز اہلِ دانش ہی سمجھتے
ہیں لیکن پھلوں اور نباتات وغیرہ میں نر و مادہ کا وجود ایک عام کسان بھی جانتا ہے۔ اسی طرح انسان کا

اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى

انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں ملی ہوئی اور نہ ملی ہوئی انہیں سیراب کیا جاتا ہے

بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ

پانی سے ایک ہی اور ہم فضیلت دیتے ہیں انکے بعض کو بعض پر مزہ میں

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ وَاِنْ تَعْجَبْ

یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں عقل والے لوگوں کے لیے اور اگر تو تعجب کرے تو

خدا سے تعلق ہے اور انسان کی تکمیل بغیر اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ تعلق قائم کئے ادھوری
پس ضروری ہے کہ آسمانی پانی اترے اور تمہارے دل و دماغ کو وحی الٰہی سے سیراب کرے اور تم
مائدہ حاصل کرو جو انسان کا مقصود اعلیٰ ہے۔ ارض و رواسی کی تشریح کیلئے سورۃ الحجر۔۲۰

۵۔ **قطعٌ**۔ قِطعہ کی جمع۔ **متجوٰرٰت**"۔ جار بمعنی ہمسایہ۔ متجاور واحد۔ ایک دوسرے
پاس پاس۔ **اُکل**۔ پھل اور ذائقہ دونوں کے لئے آتا ہے۔ **صنوان۔صنو**۔ وہ شاخ جو
کی جڑ سے پھوٹے۔ **نخیلٌ صنوان**"۔ ایسا کھجور کا درخت جس کی جڑ سے کئی درخت
غیرُ صنوان۔ ایک تنے والا کھجور کا درخت۔

جب بتایا کہ انسان اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر سکتا ہے تو لازماً کفار کا سوال یہی تھا کہ
شرف صرف عبدالمطلب کے یتیم پوتے کے حصہ میں کیوں آیا ہم سرداروں کو کیوں نصیب نہ ہوا۔
اعتراض کا جواب دیا کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین ایک ہوتی ہے اور ایک ہی پانی سے سیراب کی جاتی
اور اس کے قطعات بھی پاس پاس ہوتے ہیں مگر مختلف قطعاتِ زمین سے مختلف رنگ اور مزہ کے
پھول پیدا ہوتے ہیں جو ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں گویا کسی خاص زمین کے ٹکڑے کی مٹی
زرخیز ہوتی ہے۔ اسی طرح بلحاظ انسان، سب برابر ہیں اور آسمانی پانی بھی یکساں سب کو سیراب کر
کے لئے نازل ہوتا ہے۔ لیکن ہر انسان کی طبعی استعداد اور صلاحیت، ماحول، کوشش، مجاہدہ دیگر
سے عوامل نیز اس پر اللہ کا خاص فضل و احسان اس تعلق پر اثر انداز ہوتا ہے اور وہ خدا کی دی
توفیق سے اس کی تجلیوں کا مظہر بن جاتا ہے۔ پس کوئی انسانِ کامل سرورِ کونین وجہ تخلیقِ کائنات
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی میں ظاہر ہوتا ہے اور کوئی ابوجہل اور ابولہب بن جاتا ہے
۶۔ **اغلالَ**۔ واحد **غُلّ**۔ طوق۔ جبکہ غِل کینہ ہے۔ غُل وہ چیز جس سے انسان کو قید
جائے یعنی اس کے اعضاء اکٹھے کر کے باندھ دیئے جائیں۔ زجاج نے اس سے مراد وہ بدرسوم لی

فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ

(واقعی ہی) تعجب والی بات ہے ان کی کہ جب ہو جائیں گے ہم مٹی کیا ہم پیدائش میں ہونگے نئی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ

یہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا رب کا اپنے اور یہی لوگ ہیں کہ طوق ہیں

اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞

گردنوں میں ان کی اور یہ لوگ ہی آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ

اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے برائی پہلے نیکی کے اور یقیناً گذر چکے ہیں

مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ

پہلے ان سے موجب عبرت عذاب اور یقیناً رب تیرا البتہ صاحب مغفرت ہے لوگوں کے لیے

ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ پس یہی وہ طوق وسلاسل تھے جو قبولِ حق اور دیگر نیکی کے کاموں
میں مانع تھے۔

منکرین کی یہ بات تعجب کا باعث ہے کہ ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو دوبارہ کیسے پیدا ہوں
گے۔ حالانکہ دنیا میں یہ قانون جاری و ساری ہے کہ چیزیں مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتی ہیں پھر اسی مٹی
سے ایک خلقِ جدید رونما ہوتی ہے اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ غرض یہ تمام حقائق [illegible] کائنات میں
پھیلے ہوئے ہیں اور ایک خالق کے وجود کا پتہ دیتے ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد بھی اگر حیات بعد
الموت کے منکر ہیں تو ان پر تعجب ہے۔ اس طرح وہ یقیناً اپنے رب ہی کے منکر ہیں۔ کیونکہ ربّ کا
لفظ ایک بندے کی تکمیلِ روحانی کا آئینہ دار ہے جو حیات بعد الموت سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے کہ
بیشک دنیا میں انسان اللہ سے تعلق پیدا کر سکتا ہے لیکن عین الیقین جو تکمیل روحانی ہے آخرت میں ہی
نصیب ہوتا ہے۔ ایسے عقل کے اندھے دنیا میں اپنے فرسودہ عقائد، توہمات اور رسومات کے سلاسل
میں جکڑے رہے اور روحانی ترقیات سے محروم رہے۔ پس آخرت میں بھی ان کے لئے سلاسل ہوں
گے اور جنتی جن ترقی کی منازل کو طے کریں گے وہ ان سے محروم رہیں گے۔ یہ محرومیاں اور حسرتیں
ان کو نار و سلاسل بن کر گھیر لیں گی۔

۷۔ **مَثُلٰت۔ مَثُلَةٌ** واحد۔ مثال۔ **مثلٰت**۔ عبرتناک سزا کی مثالیں۔ گزرے ہوئے عبرت
آموز واقعات۔ **العقاب**۔ واحد **العَقبُ**۔ ایڑی۔ یہ لفظ استعارتاً عذاب کے لئے آتا ہے۔ جبکہ
عاقبةٌ، عُقبٰا، العَقب خاص ثواب یعنی اچھے بدلے پر بولے جاتے ہیں۔

عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ وَیَقُوْلُ

باوجود ان کے ظلم (کرنے) کے اور یقیناً رب تیرا البتہ سخت عذاب (دینے) والا ہے اور کہتے ہیں وہ

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَاۤ

لوگ جنہوں نے کفر کیا کیوں نہیں اُتارا گیا اس پر کوئی نشان رب کی طرف سے سوائے اسکے نہیں

ع ۸ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۸﴾ اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ

کہ تو ڈرانے والا ہے اور واسطے ہر قوم کے رہنما ہے اللہ جانتا ہے جو حمل میں رکھتی ہے ہر

منکرین کا ہمیشہ یہی مطالبہ رہا کہ پہلی قوموں پر جو عذاب آئے ویسا عذاب آئے تو ما
گے۔ حالانکہ عذاب استیصال کے بعد کون باقی رہے گا جسے قبولِ حق کی توفیق ہوگی۔ قبولِ حق جو سرا
بھلائی ہے اس سے پہلے برائی یعنی عذاب کو جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ غرض منکرین حق دنیا
طوق و سلاسل میں جکڑے رہے اور زمین و آسمان پر پھیلے ہوئے عجائبات قدرت سے فائدہ نہ اٹھا
نیز اپنی روحانی و جسمانی اور دماغی صلاحیتوں سے کماحقہٗ مستفید نہ ہوئے بلکہ صرف عذاب ہی کا مطا
کرتے رہے۔ حالانکہ حق کو قبول کر کے بھلائیوں کے وارث بن سکتے تھے۔ مگر ان کی حالت یہ ہے
حق کو ردّ کر کے عذابوں کو دعوت دے رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے سامنے رسولوں کو جھٹلانے والوں
عبرت آموز مثالیں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انبیاء کی آمد کی غرض لوگوں کو تباہ کرنا نہیں بلکہ انہیں تباہی سے بچا
ہدایت دینا ہے۔ تیرا ربّ تو اتنا رحیم ہے کہ ظلم پر ظلم دیکھتا ہے پھر بھی معاف کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن
اس ڈھیل سے کسی خوش فہمی میں نہ رہنا کیونکہ تمہارے اپنے ہی اعمال کی وجہ سے جب اس کی پکڑ آتی
ہے تو وہ بہت شدید ہوتی ہے۔

۸۔ دن رات نشان ظاہر ہو رہے تھے۔ لیکن کفارِ مکہ نے ہمیشہ نشانِ ہلاکت ہی کا مطالبہ کیا
اور بھلائی سے پہلے برائی کو جلد لانا چاہا۔ فرمایا تیرا نام منذر بھی ہے بیشک عذاب بھی آئے گا۔ لیکن تیرا
اصل کام ہدایت دینا ہے اور تو پوری دنیا کے لئے بطور ہادی ہے۔ پس اگر فوراً عذاب آجائے تو تیرا
ہادی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ لہٰذا جن لوگوں کے مقدر میں ہدایت ہے وہ ہدایت پالیں پھر باقی ہلاک
ہوں گے۔ سو ایسا ہی ہوا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں پہلے دلائل سے سمجھایا جاتا ہے جو دلائل سے نہ مانے
اس کو سختی سے منوایا جاتا ہے۔ اس پر بھی جو نہ مانے وہ ہلاک کیا جاتا ہے۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان

اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ

مادہ اور جو گھٹاتے ہیں رحم اور جو بڑھاتے ہیں اور ہر چیز پاس اس کے ساتھ

بِمِقْدَارٍ ﴿۹﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ﴿۱۰﴾

ایک اندازے کے ہے جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا بڑا ہے بلند ہے

۶ جنوری ۱۹۱۰ء) حقیقت تو یہ ہے کہ ان آنکھ کے اندھوں کو کوئی نشان نظر نہ آیا اور ہر نبی کے وقت میں
یہی مطالبہ ہوتا رہا کہ کوئی ایک نشان ہی دکھا دو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی یہی کہا جاتا رہا۔

۹۔ **تغیضُ**۔ غیض۔ جذب ہونا۔ کم ہونا۔ **تغیض الارحام** ۔ جسے رحم ناقص کر کے
گرادے۔ **تزدادُ۔ زَادَ**۔ زیادہ ہوگیا یا زیادہ کر دیا۔

اس رکوع میں بتایا کہ غلبۂ اسلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور تعلق باللہ سے یہ تمام امور عورت
کے حمل سے مشابہ ہیں یعنی کچھ عرصہ تک مخفی ذرائع سے اسباب مہیا ہوں گے۔ آخر ایک وقت آئے گا
کہ نتائج ظاہر ہو جائیں گے۔ ہر چیز اس کے ہاں ایک خاص اندازے کے مطابق ہوتی ہے یعنی اب
تمہارے کفر کا زمانہ ختم ہوا چاہتا ہے۔ یہ بھی مراد ہے کہ رحموں کے اندر جو کچھ گھٹ رہا ہے یا بڑھ رہا
ہے ایک طے شدہ اندازے کے مطابق ہے۔ گویا رحم کے اندرونی حیرت انگیز نظام کی طرف اشارہ کیا
کہ یہ ایک مکمل اور متوازن نظام ہے جس سے بچے کے اعضاء کی تشکیل ہوتی ہے۔ (حضرت خلیفۃ
المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ) اللہ جانتا ہے جو ایک عورت حمل میں لیتی ہے یعنی جس اولاد پر تم جان
نچھاور کر رہے ہو۔ تمہیں کیا خبر نیک ہوگی یا بد۔ پھر ایک وقت آئے گا کہ یہ سب تمہیں چھوڑ کر رسول
عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں میں شامل ہو جائیں گے۔ **تغیض الارحام** میں یہ بھی اشارہ
ہے کہ کمزوروں کی چھانٹی ہوتی جائے گی۔ غرضیکہ ان تمام امور کا کامل علم اس ہستی کو ہے جس کی
صفات اگلی آیت میں بیان فرمائیں۔

۱۰۔ **الکبیر**۔ کبر والا۔ الکبیر اور متکبر اسمائے الٰہی ہیں۔ انسان کو متکبر کہیں تو مطلب ہوگا
کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں بڑا بننا چاہتا ہے۔ کبیر میں خدا تعالیٰ کی وہ بڑائی مراد ہے جو بہ نسبت
اس کی مخلوق کے ہے۔ عظمت و جبروت۔ رفعت و شرف۔ **المتعال**۔ **علوّ**۔ اعلیٰ۔ وہ بڑائی جو
تنزیہہ والی ہو۔ اعلیٰ شان والا۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان فرمائی کہ وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر تمام منصوبوں کو جانتا
ہے۔ وہ بڑے مرتبہ والا اور بڑی شان والا ہے۔ سوچو کہ تم اس کا مقابلہ کیونکر کر سکتے ہو اور غلبہ اسلام

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ
برابر ہے تم میں سے وہ جس نے آہستہ کی بات اور جس نے ظاہر کیا اسے اور وہ جو کہ

مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝۱۱ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ
چھپنے والا ہے رات کو اور چلنے والا ہے دن کو اس کیلئے چوکیدار ہیں

بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ
آگے سے اس کے اور پیچھے سے اس کے حفاظت کرتے ہیں اس کی حکم سے اللہ کے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ
یقیناً اللہ نہیں بدلتا اس (حالت) کو جو کسی قوم کی ہو یہاں تک کہ وہ بدلاتے ہیں جو دلوں میں ہے ان کے

کو کیسے روک سکتے ہو۔

۱۱۔ **مُستخفٍ**۔ خفی۔ استخفاء چھپانے کی کوشش۔ **مُستخفٍ**۔ چھپنے والا۔ **خفیتُهٗ**۔ میں نے اس کی پوشیدگی کو دور کر دیا۔ ظاہر کر دیا۔ پس اس لحاظ سے **مُستخفٍ**۔ ظاہر کرنے والا بھی ہے۔ **سَرَب**۔ نیچے کی طرف بہنا یا چلنا۔ سَرَب سُرنگ لگانے کے معنی بھی دیتا ہے مراد چھپنا۔ اس لحاظ سے **سارب**۔ چھپنے والا بھی ہے۔ اسی سے سراب ہے کہ جو کچھ بظاہر نظر آتا ہے حقیقت میں وہ نہیں ہوتا۔

مزید وضاحت فرمائی کہ تمہاری منصوبہ بندیاں اس سے پوشیدہ نہیں۔ عالم الغیب اور عالم الشھادۃ سے کچھ مخفی نہیں اس کی نظر میں برابر ہے خواہ کوئی بات کو چھپائے یا ظاہر کرے۔ یہاں پیشگوئی فرمائی کہ یہ منصوبہ بندیاں جلد ہی تمہیں ہجرت پر مجبور کر دیں گی۔ **مُستخفٍ بالّیلِ و سَاربٌ بالنّھار** ۝ میں آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے سفر کی طرف اشارہ ہے جب رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپے رہتے تھے۔ سفر ہجرت میں آپ ﷺ نے حالات کے مطابق دونوں طرح سفر کیا مکہ کے قریب دن کو چھپے رہتے اور رات کو سفر کرتے دور نکل گئے تو دن کو چلتے اور رات کو کسی محفوظ مقام پر آرام فرماتے جیسا کہ دن کو سفر کے دوران سراقہ تعاقب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے قریب پہنچ گیا مگر اس کے گھوڑے نے دو دفعہ ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر گیا تب اس کی درخواست پر رسول اللہؐ نے اس کے لئے امن کی تحریر لکھوائی اور فرمایا: اے سراقہ تیرا کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھوں میں ہوں گے۔ یہ پیشگوئی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ (صحیح بخاری۔ کتاب المناقب باب ہجرۃ النبی۔ حدیث نمبر ۳۶۱۶۔ اسد الغابہ ذکر سراقہ بروایت حضرت عائشہؓ) پس دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ رات کو چلنے والا اور دن کو چھپنے والا اور یہ بھی کہ رات کو چھپنے والا اور دن کو چلنے والا۔

وَ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ
اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ ساتھ کسی قوم کے بُرائی کا تو نہیں پھرنا واسطے اسکے اور نہیں ان کے لیے سوائے

دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۲ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ
اس کے کوئی کارساز وہی جو دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈرانے اور

۱۲۔ **مُعقّبٰتٌ**۔ **عَقَبَ**۔ اسی سے تعاقب ہے۔ **مُعقّبٰتٌ** ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے۔ مراد وہ فرشتے جو ہر انسان کے لئے مقرر ہیں جو فجر کے وقت آتے اور عصر کو چلے جاتے ہیں اور عصر کو آتے اور فجر کو چلے جاتے ہیں۔ **مَـرَدٌّ**۔ ردّ۔ ردّ کرنا۔ واپس کرنا۔ مراد ہٹا دینا۔ روک دینا۔ **وال**۔ وَلی سے اسم فاعل ہے۔ حفاظت کرنے والا۔ مدد گار۔

فرمایا ان کی منصوبہ بندیوں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ان کے منصوبوں کے نتیجہ میں اگر ہجرت کرنی پڑے تو تجھے ہرگز فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے حفاظت کرنے والے فرشتے تیرے آگے پیچھے حکمِ الٰہی سے تیری حفاظت پر معمور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی اس آیت کی صداقت پر گواہ ہے۔ کونسا ایسا موقع تھا کہ کفار نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور نہیں لگایا۔ **لَـهٗ مُعقّبٰتٌ** میں خاص آپ ﷺ کی حفاظت پر معمور فرشتوں کا ذکر ہے جنہوں نے کفار کے تمام منصوبوں پر حکم الٰہی سے پانی پھیر دیا اور وہ آپ ﷺ کو اپنے ارادوں کے [illegible] نقصان نہ پہنچا سکے۔ غرض غار ثور کا واقعہ ہو یا غزوہ احد و حنین کے خطرناک مواقع، اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی ایک لمبی حدیث ہے کہ ابوجہل نے آپ ﷺ کو مارنے کی قسم کھائی اور ایک بھاری پتھر لے کر بیٹھ گیا۔ جونہی آپ ﷺ سجدہ میں گئے تو آپ ﷺ کے سر پر مارنے کے لئے آگے بڑھا لیکن بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا اور پتھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ سخت خوف زدہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور بتایا کہ جونہی میں پتھر مارنے آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک قوی ہیکل اور خوفناک اونٹ منہ پھاڑے میری طرف حملہ آور ہے اور میں نے بھاگ کر جان بچائی۔ (سیرت ابنِ ہشام صفحہ ۲۲۲) اسی طرح کا ایک واقعہ ابوجہل کو اس وقت بھی پیش آیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک غریب الوطن شخص کو اس کا حق دلانے ابوجہل کے دروازہ پر گئے اور آپ ﷺ کے کہنے پر ابوجہل نے بلاچون و چرا اس شخص کی رقم لوٹا دی۔ جب لوگوں نے اسے شرمندہ کیا کہ تو نے محمدؐ کے کہنے پر رقم کیسے لوٹا دی تو اس نے یہی کہا کہ میں نے دیکھا محمدؐ کے پیچھے ایک خوفناک مست اونٹ ہے جو مجھ پر حملہ کرنے والا ہے۔ میں نے فوراً اس شخص کے پیسے واپس کر دئے۔ (السیرۃ النبویہ۔ ابن کثیر جلد اوّل صفحہ ۴۶۹ قصۃ الاراشی)

طَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۳﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ

امید دلانے کیلئے اور پیدا کرتا ہے بادل بوجھل اور تسبیح کرتی ہے کڑک

اس آیت میں ایک عام اصول بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر فرمائے ہیں۔دن رات لاکھوں ظاہری اور مخفی بلائیں انسان کو گھیرے رکھتی ہیں۔کہیں ماحولیاتی آلودگی (Environmental Pollution) ہے تو کہیں مختلف بیماریوں کے جراثیم، کہیں حادثات کے خطرے ہیں تو کہیں دوسرے پریشان کن عوامل۔غرض انسان نہیں جانتا کہ کس طرح قدم قدم پر اس کی حفاظت ہو رہی ہے اور کس طرح وہ بار بار موت کے منہ سے بچتا ہے۔پس یہ خدا تعالیٰ کی تقدیر خاص ہی ہے جو خدا تعالیٰ کی تقدیر عام میں اپنے بندوں کو بچاتی ہے۔ایک مغربی علم الابدان کے ماہر نے کہا ''معجزہ یہ نہیں کہ ہم پیدا کیسے ہوئے معجزہ یہ ہے کہ ہم زندہ کیسے ہیں۔جب کہ موت چاروں طرف سے ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے اور ہم پھر بھی زندہ ہیں''۔

اس آیت سے مسلمانوں کو غلطی لگ سکتی تھی کہ جب اللہ نے حفاظت کا ذمہ لے لیا تو ہمیں کسی کوشش کی کیا ضرورت ہے اس لئے ساتھ ہی فرمایا کہ یہ خاص حفاظت آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے متعلق ہے ورنہ عام اصول یہی ہے کہ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا (شاعر مشرق)

پس تمہارے ساتھ ہمارا معاملہ اس طرح ہوگا کہ اگر اپنے نفوس کے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کر لو گے اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہدایت کی راہوں پر چلو گے تو ہم حفاظت کا ذمہ اور اپنی نعمتیں واپس نہیں لیں گے۔اگر تم نے ان راہوں کو چھوڑ کر بدی کی راہوں کو اختیار کیا، ہماری نعمتوں کی ناقدری کی اور خود انہیں اٹھا کر پھینک دیا تو سب کچھ تم سے چھن جائے گا اور عذاب الٰہی کو ٹالنے والا کوئی نہ ہوگا۔ہاں پھر بھی اگر اصلاح کی طرف مائل ہوئے تو اللہ یقیناً مددگار ہے۔

۱۳۔بجلی کی چمک تو بارانِ رحمت کی پیامبر ہے لیکن خوف کی علامت بھی ہے۔اسی طرح آنحضرت ﷺ تو مجسم رحمت ہی تھے لیکن کبھی کبھی کفار کے لئے آپ کا منذر ہونا بھی ظاہر ہوا۔خصوصاً جنگوں کے زمانہ میں تاہم آپ ﷺ کی صفتِ رحیمیت ہی غالب رہی۔بجلی کے بعد خاص طور پر بھاری بادل کا ذکر کیا کیونکہ بجلی بھاری بادل کے بخارات کو اکٹھا کر کے قطروں میں تبدیل کر دیتی ہے اور بارش کا موجب بنتی ہے۔جب کہ ہلکے بادلوں سے بجلی گزرے تو قطرے نہیں بن سکتے نیز

بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

ساتھ حمد کے اس کی اور فرشتے بھی ڈر سے اس کے اور وہ بھیجتا ہے بجلیاں

فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ

پس ڈالتا ہے ان کی جسے چاہتا ہے اور وہ جھگڑتے ہیں بارہ میں اللہ کے اور وہ

شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۴﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

سخت عذاب (دینے) والا ہے اس کیلئے ہے بلاوا سچا اور وہ (معبودانِ باطلہ) جنہیں پکارتے ہیں (یہ)

بھاری بادلوں میں بجلیاں چمکتی ہیں تو ارد گرد کی آکسیجن نائیٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش کے قطرے اس ذخیرے کو لے کر زمین پر اترتے ہیں۔نائیٹروجن دنیائے نباتات کی غذا ہے۔یہی وہ کھاد ہے جو ہماری زمین کو زرخیز اور سرسبز و شاداب بنا دیتی ہے۔ایک دن میں بجلی کے کڑکے پہاڑوں پر جو کھاد بنا رہے ہیں وہ ساری دنیا کے کارخانے ایک دن میں نہیں بنا سکتے۔بارش کے ساتھ معمولی مقدار میں Ozone گیس بھی بنتی ہے۔اگر زیادہ بنے تو سخت نقصان دہ ہے۔چند لمحوں کے لئے اس کی معمولی مقدار کا آنا جانا ساری فضا کو پاک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے جراثیم ہلاک ہو جاتے ہیں۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۴۔محال کا اصل مَحْل لیا جائے تو معنی عقوبت وارد کرنا کے ہیں۔اگر [illegible] لیا جائے تو قوت وطاقت کے معنی دیتا ہے۔**شدید المحال**۔زبردست قوت والا۔کسی کی تدبیر کے خلاف خفیہ تدبیر کے معنی بھی دیتا ہے۔

قدرت کا سارا نظام ایک مدبر الامور اور قادرِ مطلق ہستی اپنے خاص قوانین قدرت سے چلا رہی ہے۔رعد و ملائک سمیت کل کائنات ان قوانین کے تابع اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے لئے سرگرم عمل ہے اور زبان حال سے اس وحدہٗ لاشریک کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہے۔لیکن یہاں مسئلہ اس ہستی کا ہے جو وجہ تخلیق کائنات ہے اور جس کی ذات بابرکات کے لئے ان قوانین ازلی میں بھی ترمیم ہو گی۔پس گرنے والی بجلیوں کو جو جلا کر خاکستر کر دیتی ہیں۔آپؐ پر یا آپؐ کے جانثاروں پر کیوں بھیجے گا۔وہ تو دشمنانِ خدا و رسول کے لئے مقرر ہیں۔جو اللہ کی قدرت نمائی کے متعلق جھگڑتے ہیں کہ یہ نعوذ باللہ لولا، لنگڑا اور کمزور خدا ہے۔جس میں ان پر عذاب بھیجنے کی طاقت نہیں پس یہ صاعقہ اور تباہ کرنے والے عذاب انہی گستاخانِ خدا و رسول کا مقدر ہیں۔ایسے بد بخت قیامت تک ان کی زد میں آتے رہیں گے۔خواہ یہ صاعقہ طاعون اور ایڈز کی صورت میں آئے یا ایٹمی تباہ کاریوں

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ
لوگ، سوائے اس (اللہ) کے نہیں جواب دیتے واسطے ان (پکارنے والوں) کے کچھ بھی مگر مانند پھیلانے والے کے
كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا
دونوں ہاتھ اپنے طرف پانی کے تاکہ وہ پہنچ جائے منہ میں اس کے حالانکہ نہیں ہے وہ ہرگز پہنچنے والا اس تک اور نہیں
دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۵﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي
پکار کافروں کی مگر بے فائدہ اور اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو

کی صورت میں۔فرشتوں کے ڈرنے سے مراد ان کا خدا تعالیٰ کی مخلوق ہونا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ عرب انہیں خدا کی بیٹیاں اور خدائی میں شریک سمجھتے تھے۔ان کے ان باطل عقائد کا ردّ فرمایا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ بیشک بجلی زبانِ حال سے تسبیح تحمید میں مشغول ہے لیکن بے شعور ہے۔ اصل تسبیح ملائکہ کی ہے اس لئے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہو رہا ہے اس کو جان کر خیفت پیدا ہونا طبعی امر ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

یہ تو ان آسمانوں کی بات ہو رہی ہے جو زمین سے قریب ترین ہیں ورنہ دور کے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے جو پُر جلال اور پر ہیبت جلوے کارفرما ہیں ان کے تصور سے تو فرشتے از بس لرزاں ہوں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی کنہ تک پہنچنا کسی بڑے سے بڑے سائنسدان کے بس میں نہیں اور وہ برملا اپنی کم علمی اور کم مایگی کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہاں رعد اور صاعقہ کا ذکر کیا۔ بجلی تب پیدا ہوتی ہے جب مختلف چارج والے بادل ایک دوسرے کے پاس سے گزرتے ہیں اور بڑی طاقت کا انتقال ہوتا ہے۔بجلی کے منفی اور مثبت چارج غیر معمولی طاقت سے ایک دوسرے کی طرف لپکتے ہیں۔ اسے ہم بجلی کہتے ہیں ان کا Potential اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔جب صاعقہ گرتی ہے تو اس کی Voltage کئی ملین تک پہنچتی ہے۔ اس قدر زبردست طاقت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہے۔ جہاں وہ چاہتا ہے گراتا ہے۔

۱۵۔**حق**۔ سچ۔ یقین۔ حقیقت وغیرہ۔ **یستجیبون** ۔ وہ جواب دیتے ہیں۔ **باسط**" (**بَسطَ**) پھیلانے والا۔**فاہُ**۔ اس کا منہ۔

شروع سورۃ سے قرطاسِ افلاک پر لکھے ہوئے قوانین و حقائق کو تفصیلاً بیان کر کے بار بار اللہ کی قدرت و جبروت کو ظاہر کیا اور شرک کی نفی فرمائی۔ یہاں مزید وضاحت فرمائی کہ پکارنا اسی کو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ
آسمانوں میں ہیں اور زمین میں خوشی سے اور مجبوراً اور سائے ان کے صبح
وَالْاٰصَالِ ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ
اور شام تو کہہ دے کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا تو کہہ دے
اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
اللہ تو کہہ دے کیا پس بنائے ہیں تم نے سوائے اس کے دوست نہیں قدرت رکھتے

السجدة ۵

برحق ہے۔مانگنے کے لائق وہی ہستی ہے جو ہر چیز کی مالک ہے اور قادر ہے۔ سچی دعا اسی سے کی جاتی ہے اس کے علاوہ کوئی دعا سچی نہیں۔وہی قادر مطلق ہر ایک کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہے۔اسے چھوڑ کر جن دوسروں کو پکارتے ہیں وہ انہیں کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ان کی بے بسی کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی پانی کو اپنا حاجت روا سمجھ کر اس کی طرف ہاتھ پھیلائے کہ وہ اس کی پکار سن کر اس کے منہ تک پہنچ جائے۔ ظاہر ہے کہ پانی خود بخود ان کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔اسی طرح ان کے معبودانِ باطلہ نہ ان کی پکار سن سکتے ہیں نہ ان کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔پس ان کی دعائیں رائیگاں جاتی ہیں۔اگر ان بتوں سے مانگی ہوئی کوئی دعا بظاہر قبول ہوتی نظر آتی ہے تو وہ اس خدا کے قانون قدرت کے تحت ہے جو مومن اور کافر سب کے لئے یکساں ہے۔ بیشک اگر ایک کافر یا مشرک بھی خاص اللہ کو پکارے تو وہ رحیم و کریم ذات سنتی ہے اور حاجت روائی کرتی ہے۔

۱۶۔سجدہ کے معنی علاوہ سجدہ کے فرمانبرداری کے بھی ہیں۔یعنی تمام کائنات قانون قدرت کی فرمانبرداری میں لگی ہوئی ہے۔ مومن کی اطاعت طوعاً یعنی برضا و رغبت ہے۔ جو اسے خدا سے ملاتی ہے۔جبکہ کافر مصائب و آفات کے وقت مجبوراً سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ پس آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے تابع اور فرمانبردار ہیں یہانتک ان کے سائے بھی قانونِ قدرت کے تابع ہیں جو ایک خاص قانون کے تحت کم ہوتے اور بڑھتے ہیں۔صبح سایہ مغرب کی طرف بنتا ہے جو آہستہ آہستہ کم ہوتا ہے اور بارہ بجے کے قریب بالکل ختم ہوجاتا ہے پھر آہستہ آہستہ مشرق کی طرف بننا شروع کرتا ہے اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو قانون قدرت کے تابع سایہ بھی ختم ہوجاتا ہے گویا سایوں کا بننا قانون قدرت کے تحت تھا اگر سورج اور چاند نہ ہوں تو سائے کہاں سے آئیں گے۔ 'مَن' کا لفظ باشعور مخلوق کی طرف اشارہ کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں میں بھی کوئی مخلوق ہے جس کے سائے قانون الٰہی کے محتاج ہیں۔

لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى

جانوں کے لیے اپنی نفع کی اور نہ نقصان کی تو کہدے کیا برابر ہے اندھا

وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ

اور بینا یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور نور کیا

جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ

بنائے ہیں انہوں نے اللہ کے لیے شریک کو پیدا کئے انہوں نے مانند پیدا کرنے کے اس کے کہ پھر مشتبہ ہوگئی پیدائش

عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾

ان پر تو کہدے اللہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہ یکتا ہے غالب ہے

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا

اس نے اُتارا بادل سے پانی پس بہہ نکلیں وادیاں مطابق اندازے کے اپنے

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ

پھر اُٹھایا سیلاب نے جھاگ چڑھا ہوا اور اس لیے کہ دھونکتے ہیں

١٧۔ **القهار** ۔ قهر مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی شدت سے غالب آنے والا۔ صاحب جبروت۔ صفت باری تعالیٰ۔

توحید کے مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کو ہی اپنا دوست بناؤ اور اسی سے تعلق پیدا کرو۔ جو تمہیں نفع پہنچانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ باطل معبود خواہ انسان ہوں یا پتھر، تمہیں نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ انہیں تو اپنے نفوس کے لئے بھی نفع یا نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ پس مومن اللہ سے تعلق پیدا کرکے صاحب بصیرت ہو جاتا ہے۔ جبکہ کافر اور مشرک غیر اللہ سے تعلق پیدا کر کے اندھا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح ہدایت الٰہی جو نور کے مشابہ ہے اس کا مقابلہ تمہارے جاہلانہ عقائد کس طرح کر سکتے ہیں؟ جو بطور ظلمات ہیں۔ جن میں تم اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو۔ پس جس طرح اندھے اور بینا میں اور ظلمت و نور میں فرق ہے اسی طرح مخلوق اور خالق کی بنائی ہوئی چیزوں میں بیّن فرق ہے۔ وہ ہرگز آپس میں ایسی مشابہ نہیں ہو سکتیں کہ تمہیں اصل اور نقل میں فرق محسوس نہ ہو۔ یہاں حضرت عیسیٰؑ کے خلق کیے ہوئے پرندوں کا بھی رد کیا جسے اصل کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ یہاں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ انسان بہت کچھ تخلیق کرے گا لیکن خالق و مالک کی تخلیق کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ پس اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کی خلق پر غور کرو گے تو ایک ہی قانون جاری و ساری نظر آئے گا۔ کائنات میں خدا کے علاوہ کسی اور خالق کے آثار نہیں ملیں گے۔ وہ بے مثل و یکتا ہے اور ہر چیز پر کامل اقتدار رکھتا ہے۔

عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ

جس پر آگ چاہنے کے لیے زیور یا سامان جھاگ مثل اس کی

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ

اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل پس جھاگ تو

فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى

چلا جاتا ہے بے کار اور جو نفع دیتا ہے لوگوں کو پس ٹھہر جاتا ہے

الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿١٨﴾ لِلَّذِيْنَ

زمین میں اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں ان لوگوں کیلئے جنہوں

١٨۔ **اودية** ۔ الوادی کی جمع ہے یعنی وادیاں۔ دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ جگہ کو وادی کہا جاتا ہے اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی بہتا ہو۔ ندی نالے۔ **السّيل** ۔ بہت پانی۔ سیلاب۔ **زبدا** ۔ جھاگ۔ **رابيا** ۔ **ربا** ۔ بڑھا اور اوپر آ گیا۔ **جُفآء** ۔ وہ چیز جو باہر پھینک دی جائے۔ ردی چیز۔

اس کے خلق کا کمال یہ ہے کہ جسمانی خلق کے ساتھ روحانی خلق بھی کرتا ہے۔ بے کار اور ضرر رساں چیزوں کو ہٹاتا جاتا ہے اور مفید و نفع بخش چیزوں کو باقی رکھتا ہے۔ یہاں حق و باطل کو دو مثالوں سے واضح کیا۔ باطل کو جھاگ سے اور حق کو پانی اور نفع رساں دھاتوں سے تشبیہ دی۔ فرمایا بارش کا پانی سیلاب کی صورت میں بہتا ہے تو اوپر جھاگ آ جاتی ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتی ہے اور پانی اپنی نفع رسانی کے لئے باقی رہتا ہے۔ نیز دھاتوں کو پگھلاتے وقت بھی میل کچیل جھاگ کی صورت میں اوپر آ جاتی ہے جو جلد ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ سونا یا دوسری دھاتیں جو کارآمد اشیاء ہیں باقی رہ جاتی ہیں۔ اسی طرح آسمانی پانی وحی الٰہی کی صورت نازل ہوا تو ہر انسان اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیضیاب ہوا۔ پھر جس طرح پانی یا پگھلی ہوئی دھاتوں کو جھاگ ڈھانپ لیتی ہے۔ اسی طرح گو ابتدا میں حق چھپا رہتا ہے اور بظاہر باطل کا غلبہ نظر آتا ہے لیکن وہ محض جھاگ ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتی ہے یا اٹھا کر پھینک دی جاتی ہے اور لوگوں کو نفع دینے والی چیز یعنی انبیاء کی تعلیمات بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے باقی رہ جاتی ہیں۔ یہاں یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو وجود نافع الناس ہوتے ہیں عام طور پر ان کی عمر دراز ہوتی ہے اور ضرر رساں وجود عموماً دنیا سے مٹا دئے جاتے ہیں۔ احادیث میں بھی ہے کہ مسیح کے زمانہ میں عمریں دراز ہوں گی۔ اس حدیث کی سچائی کے گواہ قادیان اور ربوہ کے بہشتی مقبرے ہیں تاہم یہاں ایک عام قانون بتایا۔ ورنہ بعض اوقات نافرمانوں کی رسی دراز کی جاتی ہے کہ شاید وہ سمجھ جائیں اور بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ کے پیارے بھی جلد

اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۚ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

نے بات مانی رب کی اپنے بھلائی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے نہیں بات مانی

لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

اس کی اگر ہو ان کے لیے جو زمین میں ہے سب کا سب اور مثل اس کی ساتھ اس کے

لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗئِكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ

البتہ فدیہ میں دیں اسے یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے برا حساب ہے اور ٹھکانا ان کا

النصف ع ۲ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۱۹ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ

جہنم ہے اور کیا ہی برا ہے بچھونا کیا پس جو جانتا ہے کہ جو کچھ اتارا گیا ہے

بلائے جاتے ہیں۔یہ تمثیلیں ہیں تا کہ تم ان سے استفادہ کرو۔نیز یہ کہ آخرحق ہی غالب آتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ انسان بہت بڑے کام کے لئے بھیجا گیا تھا۔جب وہ اس کام کو پورا نہیں کرتا تو خدا اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔جانور بھی نفع رسان نہیں رہتا تو ذبح کر دیا جاتا ہے۔نوکر کو ہی دیکھ لو کہ جب وہ ٹھیک کام نہیں کرتا تو آقا اس کو الگ کر دیتا ہے۔پھر خدا تعالیٰ اس وجود کو کیا قائم رکھے جو اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا۔(الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۸۔۹) نیز آپ فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی زندگی بڑھانا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ نیک کاموں کی تبلیغ کرے اور مخلوق کو فائدہ پہنچاوے۔جب اللہ تعالیٰ کسی دل کو ایسا پاتا ہے کہ اس نے مخلوق کی نفع رسانی کا ارادہ کر لیا ہے تو وہ اسے توفیق دیتا ہے اور اس کی عمر دراز کرتا ہے۔جس قدر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی مخلوق کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے اسی قدر اس کی عمر دراز ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے اس کی زندگی کی قدر کرتا ہے لیکن جس قدر وہ خدا تعالیٰ سے لاپروا اور لاابالی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا۔(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۱ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۔۳)

۱۹۔خدائی آواز پر لبیک کہنے اور دعوت حق کو قبول کرنے والے نافع الناس وجود ہی دنیا و آخرت میں بھلائی اور کامیابی کے حقدار ہوں گے۔ان کے مقابلہ میں وہ لوگ جنہوں نے چند مادی فوائد کے لالچ میں خدائی آواز کو رد کیا اور احکام الٰہی سے منہ موڑا۔وہ اگر دنیا جہان کی دولت بلکہ اس سے دگنی دولت دے کر بھی اس عذاب کو ٹالنا چاہیں جو ان کے لئے مقدر ہے تو نہیں ٹال سکتے کیونکہ ان کے اعمال کا حساب نہایت برا ہے۔آخرت میں تو ان کے قبضہ میں کوئی دولت نہیں ہوگی۔یہاں بطور مثال کہا کہ جس دنیوی دولت کے لئے حق کو قبول نہیں کیا اگر وہ ہوتی تو کچھ کام نہ آتی۔

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

طرف تیری طرف سے رب کے تیرے حق ہے مانند اس کے ہے جو اندھا ہے سوائے اس کے نہیں کہ نصیحت پکڑتے

اُولُوا الْاَلْبَابِ ۲۰ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا

ہیں عقل والے وہ جو کہ پورا کرتے ہیں عہد کو اللہ کے اور نہیں

يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۲۱ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

توڑتے عہد اور وہ جو کہ ملاتے ہیں اسے کہ حکم کیا اللہ نے

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ

متعلق جس کے کہ ملایا جائے اور ڈرتے ہیں رب سے اپنے اور خوف کرتے ہیں برے سے

الْحِسَابِ ۲۲ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ

حساب سے اور وہ جنہوں نے صبر کیا چاہنے کے لیے رضامندی رب اپنے کی اور

۲۰۔اس رکوع میں وحی الٰہی کو قبول کرنے والے اہل خرد و بصیرت کی سات صفات بیان فرمائیں اور ان کے بہترین انجام کا ذکر کیا۔ساتھ ہی احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ان کے بداعمال اور بدانجام سے آگاہ کیا۔فرمایا جو اس کلام الٰہی کا حق ہونا جانتا ہے وہی بینا ہے۔وہ اس اندھے کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جسے یہ روشنی نظر نہیں آتی۔پس اہل عقل وشعور ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۲۱۔اب ان نصیحت حاصل کرنے والے دانشوروں کی صفات بیان فرمائیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔اس میں توحید کا اقرار، رسولوں پر ایمان اور شریعت پر عمل کرنا ہے۔اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد میں حقوق العباد بھی شامل ہیں۔گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کے ادا کرنے والے ہیں۔

۲۲۔اب حقوق العباد کی وضاحت فرمائی کہ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کا لحاظ رکھنے والے مومنین ان رشتوں اور تعلقات کو جوڑتے ہیں۔جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا گویا ماں باپ سمیت تمام رشتہ داروں بلکہ حسب توفیق تمام مخلوق کے حقوق ادا کرتے ہیں۔یہ مومنین سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے رشتہ جوڑتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔اس کا بہترین طریق آپ ﷺ پر درود بھیجنا اور آپ کی سنت پر عمل ہے پس وہ اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں کہ ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی، کہیں اللہ کی ناراضگی کا موجب نہ بن جائے اور اس بات سے خوف کھاتے ہیں کہ حساب کے وقت بدیاں نہ بڑھ جائیں اور ایسا نہ ہو کہ ان سے سخت حساب لیا جائے۔

۲۳۔يَدْرَءُوْن۔ دراء۔سختی سے ہٹانا۔عقبٰی۔انجام۔آخرت۔

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
قائم کی نماز اور خرچ کیا اس سے جو دیا ہم نے ان کو پوشیدہ اور ظاہر
وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى
اور دور کرتے ہیں ساتھ نیکی کے بدی یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے انجام ہے
الدَّارِ ﴿۲۳﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ
(آخری) گھر کا باغات ہیں ہمیشہ کے داخل ہوں گے وہ جن میں اور وہ جو کہ نیک ہوئے

ان کا صبر اپنے رب کی رضا چاہنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے کسی سے گلہ نہیں کر
محرومیوں پر صبر تو آخر آ ہی جاتا ہے لیکن اللہ کی رضا کیلئے صبر کرنا مومنین سے خاص ہے۔ جب ر
نظر رہے تو دنیا کے غم بے معنی ہو جاتے ہیں۔ نیکی پر صبر یہ ہے کہ اس پر ہمیشگی سے قائم رہیں
بدیوں پر صبر ان سے بچے رہنا ہے۔ نماز پر استقامت بھی صبر میں شامل ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فر
ہیں ''ان کا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضا مندی کے لئے ہوتا ہے اور اس کے چ
کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھانے کے لئے''۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۹۴ طبع اول
کبھی پوشیدہ طور پر راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں تا ریاکاری سے بچیں اور لینے والا زیر احسان نہ ہو
اعلانیہ بھی دیتے ہیں تا دوسروں کو ترغیب ہو۔ یہ نیکیوں سے بدیوں کو دور کرتے ہیں یعنی نیکیاں کر
اپنی برائیوں کو دور کرتے ہیں۔ یہ بھی مراد ہے کہ اپنی نیکیوں سے دوسروں کی برائیاں دور کر
ہیں۔ چونکہ ان کی غرض بدی کو دور کرنا ہے اس لئے موقع کے مطابق جو بھی احسن طریق ہو اسے اختیا
کرتے ہیں۔ اگر ان کے نیک نمونہ، حسنِ سلوک اور وعظ و نصیحت سے بُروں پر اچھا اثر پڑنے کی امید
ہو تو ایسا کرتے ہیں۔ اگر کسی حد تک سزا ہی انہیں بھلائی کی راہ پر ڈالنے کے لئے مد ہو تو سزا دیتے
ہیں۔ اس طرح اسلام نے افراط و تفریط سے ہٹ کر نہایت میانہ روی کی تعلیم دی۔ بقول حضرت خلیفۃ
المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) برائیوں کو دور کرنے میں **حسنة** سے کام
لینا یہ بھی ہے کہ بہتر نظام متبادل پیش کرتے ہیں۔ اپنے وجود اور ماحول کو ایسی خوبیوں سے بھرتے ہیں
کہ برائیوں کی جگہ نہیں رہتی جیسا کہ ملک سے افلاس دور کر کے چوری چکاری کو ختم کرنا یا تعلیم عام کر
کے لوگوں میں شعور پیدا کرنا کہ وہ برائیوں سے بچیں۔ فرمایا **الدار** کی عاقبت ان کی ہے یعنی مر
کے بعد جس چیز کو بھی اللہ تعالیٰ نے دائمی قرار گاہ بنایا وہ ان کی ہے۔ **الدار** دنیا میں بھی نصیب
ہے۔ جو فرشتے دنیا میں اترتے تھے وہ آخرت میں بھی ساتھ دیں گے۔ جیسا کہ آیت ۲۵ میں ان
جنت کے ہر دروازے سے سلامتی کے پیغام لے کر آنا بیان ہوا ہے۔

اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ
باپ دادوں سے انکے اور بیویوں میں سے ان کی اور اولادوں سے انکی اور فرشتے داخل ہوں گے
عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۴﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر بسبب اس کے کہ صبر کیا تم نے
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ
پس کیا ہی اچھا ہے انجام (آخری) گھر کا اور وہ جو توڑتے ہیں عہد اللہ کا
مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ
بعد پختہ کرنے کے اس کے اور کاٹتے ہیں اسے کہ حکم کیا اللہ نے متعلق جس کے کہ
يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ
وہ جوڑا جائے اور فساد کرتے ہیں زمین میں یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے لعنت ہے
وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۶﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
اور ان کے لیے برائی ہے (آخری) گھر کی اللہ کشادہ کرتا ہے رزق جس کا چاہتا ہے

۲۴۔ اولو الالباب کی ان سات صفات کو بیان کر کے بتایا کہ ان کا اجر ہمیشگی کے باغ ہیں۔ جن میں نہ صرف خود داخل ہوں گے بلکہ ان کے نیک لواحقین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ان اہل جنت سے ملا دے گا۔ گویا ان کے آباء و اجداد، بیویاں، دوست و احباب اور ان کی نسلوں میں سے نیک لوگ ان بابرکت وجودوں کی برکت سے جنت کی نعمتوں میں ان کے شریک ہوں گے۔ کیونکہ ان اولوالالباب کی نیکیوں میں کسی نہ کسی حد تک ان کے لواحقین کا بھی حصہ تھا نیز اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے بندوں کی خوشی بھی منظور تھی۔ اس طرح ان کا فیض نہ صرف اگلی صالح نسلوں کو پہنچے گا بلکہ ان کے صالح آباء و اجداد بھی مستفیض ہوں گے۔

۲۵۔ فرشتے ہر دروازے سے ان کے لئے سلامتی کی خوشخبریاں لے کر داخل ہوں گے۔ کہ یہ تمہارے صبر و استقامت کا بدلہ ہے۔ پس اس گھر کا انجام کیا ہی اچھا ہے۔

۲۶۔ ابھی اللہ تعالیٰ کے اولوالالباب مقربین کے اوصاف اور ان کے اخروی انعامات کا ذکر کیا۔ اب ان اسباب کو بیان کیا جو اللہ سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ ان میں اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پختگی سے باندھنے کے بعد توڑنا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خوب سوچ سمجھ کر حق قبول کرتے ہیں لیکن پھر مادی مفادات آڑے آتے ہیں جو اسے قطع کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ یہ لوگ نہ صرف اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں بلکہ ہر اس تعلق کو توڑتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا۔ پس ایسے لوگ صلہ رحمی کی بجائے اپنوں سے قطع تعلق کر کے حقوق العباد ادا نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں

وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ

اور تنگ کرتا ہے اور وہ خوش ہوگئے ساتھ زندگی ورلی کے حالانکہ نہیں زندگی

الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ع ۸/۹

ورلی بمقابل آخرت کے مگر سامان (تھوڑا سا) اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۗ قُلْ اِنَّ

کفر کیا کہ کیوں نہیں اُتاری گئی اس پر کوئی نشانی طرف سے رب کے اسکے تو کہدے یقیناً

اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۸﴾

اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے طرف اپنی جو جھکا (اس کی طرف)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ

وہ جو کہ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں دل ان کے ساتھ یاد کے اللہ کی

زمین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح معاشرتی اور خاندانی فساد کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لئے بدتر گھر ہوگا۔

۲۷۔ اپنوں سے تعلق توڑنے اور ظلم و فساد کے پیچھے ان کی مال اکٹھا کرنے کی ہوس کارفرما ہوتی ہے۔ اس لئے بتایا کہ دنیا کی چند روزہ رزق کی فراوانی اللہ کی رضا کی دلیل نہیں۔ کیونکہ دنیوی رزق اللہ کے قانون طبعی کے تحت عموماً بندے کی محنت و کاوش اس کی خاص صلاحیتوں اور بعض دیگر عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور ایک وقتی فائدہ ہے۔ ہاں اگر مومن دین کے ساتھ دنیا بھی اللہ کی رضا کے لئے کمائے اور دنیوی طور پر صاحبِ ثروت ہو جائے تو بھی یہ دنیوی مفادات اس کا اصل مطلوب و مقصود نہیں ہوں گے۔

۲۸۔ **اَنَاب**۔ ناب۔ بار بار لوٹنا۔ رجوع کرنا۔ جھکنا۔

اس رکوع میں اس انقلاب کا ذکر کیا جو قلوبِ انسانی پر اور پھر ظاہری طور پر غلبہ اسلام کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس رکوع کی پہلی آیت میں ہی کفار نے پھر نشانِ ہلاکت کا مطالبہ کیا۔ اس کا جواب اس رکوع کی آخری آیت میں دیا۔ کہ پہلے مصائب آئیں گے تا یہ لوگ سنبھل جائیں۔ آخر نشانِ ہلاکت بھی آئے گا اور کفر عرب سے ہمیشہ کے لئے نابود ہو جائے گا۔ قرآن کریم کی ہر آیت نشان ہے۔ نیز آسمان کی وسعتوں اور زمین کی پہنائیوں تک الٰہی نشانات بکھرے پڑے ہیں لیکن ان عقل کے اندھوں کو کوئی نشان نظر نہیں آیا اور گمراہی پر ڈٹے رہے۔ اللہ بھی کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ ہدایت انہی کو ملتی ہے جو اس کی طرف جھکتے ہیں۔ انہی کو نشان نظر آتے ہیں اور وہی ہدایت پاتے ہیں۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

آگاہ ہو جاؤ کہ ساتھ یاد کے اللہ کی ہی مطمئن ہوتے ہیں دل وہ جو کہ ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۳۰﴾ كَذٰلِكَ

کیں انہوں نے نیکیاں مبارک ہے ان کے لیے اور اچھی واپسی کی جگہ ہے اسی طرح

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟

بھیجا ہم نے تجھے ایک (ایسی) قوم میں کہ یقیناً گذر چکی ہیں پہلے اس کے قومیں تاکہ تو پڑھے

عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۗ

ان پر وہ جو وحی کی ہم نے طرف تیری اور وہ انکار کرتے ہیں رحمٰن کا

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ

تو کہدے وہ رب ہے میرا نہیں کوئی خدا سوائے اس کے اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور طرف اس کی

مَتَابِ ﴿۳۱﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ

رجوع ہے میرا اور اگر ہوتا قرآن کہ چلائے جاتے ساتھ اسکے پہاڑ یا کاٹی جاتی

۲۹۔ یہی وہ اہل ایمان ہیں جن کے دل یادِ الٰہی سے اطمینان پاتے ہیں اور یادِ الٰہی ان کے لئے قربِ الٰہی کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب یہ حالت ہو کہ عُسر میں یُسر میں بندہ ہر وقت اللہ کو یاد کرے اور اس کی رضا پر راضی ہو اور اسے اپنے سامنے یقین کرے تو لازماً وہ ہر گناہ سے بچے گا اور تقویٰ و طہارت میں ترقی کرتا ہوا اس مقام پر پہنچے گا جب اس پر فرشتوں کا نزول ہوگا۔ الہام الٰہی کے دروازے اس پر کھولے جائیں گے اور وہ ہر ہمّ و غم سے آزاد ہوگا۔ وہ گدڑی میں بادشاہ ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں جن کو دنیا کی ہوس دامنگیر ہوتی ہے وہ ہر وقت هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ o کی تلاش میں بیقرار رہتے ہیں وہ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اطمینانِ قلب سے بے نصیب رہتے ہیں۔ (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے استفادہ کیا گیا۔ الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸)

۳۰۔ **طُوبٰی**۔ طاب سے مصدر ہے۔ بمعنی طیب، خیر کثیر۔ قابلِ رشک حالت۔ جنت کا ایک درخت۔ جنت کی نعمتیں۔ **مَاٰب**۔ ناب۔ لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔

قرآن نے ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کو لازم قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر ۳۵ مرتبہ آیا ہے۔ پس ایمانِ کامل وہی ہے جس کے ثمرات اعمالِ صالحہ کی صورت میں ظاہر ہوں۔ ان کے لئے دنیا و آخرت میں خیر کثیر اور قابلِ رشک حالت ہے اور بہت ہی عمدہ لوٹنے کی جگہ ہے۔

۳۱۔ **مَتاب** اصل میں متابی ہے۔ تاب کا مصدر ہے۔ بمعنی کامل توبہ۔ رجوع۔

بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۚ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۚ
ساتھ اس کے زمین یا بولنے جاتے ساتھ اسکے مُردے بلکہ اللہ کے لیے ہے معاملہ سب کا سب

اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى
کیا پس نہیں جان لیا ان لوگوں نے جو ایمان لائے کہ اگر چاہتا اللہ البتہ ہدایت دیتا

النَّاسَ جَمِيْعًا ۚ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ
لوگوں کو سب کو اور ہمیشہ رہیں گے وہ جنہوں نے کفر کیا کہ پہنچے گی انہیں

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى
بسبب اس کے جو کیا انہوں نے مصیبت یا اُترے گی قریب گھر کے ان کے یہانتک کہ

يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۲﴾ وَلَقَدِ ع ۱۰
آجائے وعدہ اللہ کا یقیناً اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ کا اور یقیناً یقیناً

یہاں بتایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئے نبی نہیں جو تم نشان و معجزات مانگے ہو اس قوم سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں اور کئی انبیاء اپنی قوموں کو اس طرح کے پیغام دے چکے ہیں۔ نبی کا اصل کام پیغامِ حق کا پہنچانا ہے نہ کہ معجزات دکھانا۔ نبی کا آنا بندوں پر اللہ کا خاص فضل و احسان ہے۔ نبوت کوئی معمولی چیز نہیں۔ تمام بڑے بڑے انعامات بشمولِ نبوت اللہ کی صفتِ رحمانیت کے تحت ہیں جو بغیر مانگے بغیر کسی معاوضے کے موہبت الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ لیکن تیری نبوت کا انکار کر کے یہ رب کی صفتِ رحمانیت کا ہی انکار کر رہے ہیں۔ تو کہہ دے کہ جس کا تم انکار کر رہے ہو وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور ہر آن اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ میرے آنے کا مقصد تو یہ ہے کہ تمہیں اس مقام پر پہنچاؤں جس کا ذکر مذکورہ بالا آیات میں گزرا۔

۳۲۔ **سُيِّرت**۔(**سيّره**)۔ چلائے جائیں اڑائے جائیں گے۔ **الجبال**۔**الجبل**۔ پہاڑ۔ سردارِ قوم۔ **قُطعت بهِ الارض** ۔ قرآن کے ذریعہ زمین کاٹ دی جائے یا یہ کہ قرآن کے ذریعہ مسافتیں جلد جلد طے ہوں گی۔ یعنی جلد تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ **يائيس** ۔**يَئِس**۔ ناامید ہونا۔ بعض جگہ اس کے معنی علم ہو جانا اور جاننا کے بھی ہیں (اقرب) **القارعةُ** ۔ بلائے ناگہانی۔ قیامت۔ چھوٹا لشکر یا دستہ۔ **تحُلُّ** (**حلّ**) تو اُتر پڑے گا۔

پہلے اطمینانِ قلب سے دلوں میں انقلاب برپا کیا۔ اب ظاہری انقلاب کا ذکر کیا جو فتح مکہ کی صورت میں ہوگا۔ یہی وہ عظیم نشان ہے جو اس رکوع کی پہلی آیت کے جواب میں ہے۔ تفسیر مظہری میں ابو جہل اور امیہ وغیرہ کی ان فرمائشوں کا ذکر ہے کہ ایسا قرآن ہو جس سے پہاڑ چلنے لگیں۔ زمین

کی مسافتیں جلد طے ہونے لگیں اور مردے بولنے لگیں۔ رؤساءِ مکہ کی طرف سے اس قسم کے مطالبات ہوتے رہتے تھے جیسا کہ ایک دفعہ کفارِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ اللہ آپ ﷺ کے لئے باغات اور محل اور سونے چاندی کے خزانے مہیا کرے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف اس مقصد کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ اللہ نے مجھے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اگر تم مجھے قبول کرو گے تو دنیا و آخرت میں برکتیں حاصل کرو گے اور اگر تم مجھے رد کر دو گے تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ باب مادار بین رسول اللہ وبین رؤساءِ قریش) غرض کفار جس قسم کے تماشوں کی آنحضرت ﷺ سے فرمائشیں کرتے تھے قرآنِ کریم انہیں پیش نہیں کر رہا تھا۔ مومنین کو خیال تھا کہ اگر ایسا ہو جائے تو سب ایمان لے آئیں حالانکہ ایمان کا تعلق دل کی پاکیزگی کے ساتھ ہے نہ کہ ساحرانہ طور طریق کے ساتھ۔ قرآن کریم دلوں کو پاک کرتا ہے، اس قسم کی شعبدہ بازیوں کا دعویٰ نہیں کرتا نہ ان شعبدہ بازیوں کا تعلق حصول پاکیزگی سے ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت سے تو ایسا ممکن نہیں ہاں یہ سب اللہ کے حکم سے ممکن ہے۔ اگر بالفرضِ محال ایسا ہو بھی جاتا، ایمان تو یہ تب بھی نہ لاتے اور اسے کسی سحر وغیرہ کا نتیجہ ہی قرار دیتے۔ ہاں تمثیلی رنگ میں ان کی ساری باتیں پوری ہوئیں۔ بہت جلد دنیا نے دیکھا کہ ابوجہل، ابولہب اور امیہ بن خلف جیسے سردار جن کا وجود پہاڑوں سے کم نہیں تھا صفحہ ہستی سے اڑا دیے گئے۔ بقول حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (تفسیر کبیر) پہاڑوں کا اڑانا مشکلات کا دور کرنا بھی ہے چنانچہ قرآنِ کریم نے ان کی ہر مشکل کا حل پیش کیا۔ اس میں علمی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، سیاسی اور قومی مشکلات کے لئے ایک مکمل لائحہ عمل ہے۔ جلد ہی پہاڑوں کو حقیقت میں اڑا دینا بھی ایک عام بات ہو گئی۔ اسلام اس تیزی سے اکنافِ عالم میں پھیلا کہ زمین باوجود اپنی فراخی کے سمٹ گئی۔ پھر حقیقتاً بھی جلد ہی مہینوں کا سفر دنوں میں طے ہونے لگا۔ جہاں تک مُردوں کے بولنے کا سوال ہے یہ تعلیم قرآنی کے خلاف ہے۔ ہاں قرآن کریم نے بار بار روحانی مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر کیا یا خواب و کشف میں مردے بات کر سکتے ہیں۔ فیصلہ تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے سب باتوں کا کلی اختیار اسی ذات پاک کو حاصل ہے جب چاہے گا سب کچھ کر کے دکھا دے گا۔ کیا مومنین کو یہ علم نہیں کہ اگر اللہ اپنی مرضی لوگوں پر زبردستی ٹھونسنا چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت دے دیتا لیکن اس نے انسان کو بااختیار بنایا ہے۔ وہ جبر نہیں کرتا۔ البتہ اب یہ بتدریج ہدایت کی طرف آئیں گے اور کفار کو اپنی کرتوتوں کے نتیجہ میں کوئی نہ کوئی سخت آفت پکڑتی رہے گی۔ جیسا کہ سات سالہ قحط یا پے در پے جنگیں یا وہ آفت جو ان

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ

ہنسی کی گئی ساتھ رسولوں کے پہلے تجھ سے پس مہلت دی میں نے ان لوگوں کو جنہوں نے

كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝٣٣ اَفَمَنْ

کفر کیا پھر پکڑا میں نے انہیں پس کیونکر ہوئی سزا پس کیا وہ

هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ

جو کہ نگران ہے ہر نفس پر ساتھ اس کے جو کمایا اس نے اور انہوں نے بنائے اللہ کیلئے

شُرَكَآءَ ۚ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۚ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ

شریک تو کہدے نام لو ان کے کیا آگاہ کرتے ہو تم اسے اس پر جو نہیں جانتا وہ

فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ

زمین میں یا ساتھ ظاہری بات کے بلکہ مزین کی گئی ان لوگوں کے لیے جنہوں

كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ

نے کفر کیا تدبیر ان کی اور وہ روکے گئے راہ سے اور جسے گمراہ ٹھہرائے

کے گھروں کے قریب نازل ہو گی گویا ان کے دروازے کھٹکھٹائے گی۔ جیسا کہ دس ہزار قدوسیوں کا لشکرِ جرار بلائے ناگہانی کی طرح ان کے گھروں کے بالکل قریب اترا اور اللہ کا وعدہ بڑی شان سے پورا ہوا یعنی مکہ فتح ہو گیا۔

یہ مکی سورۃ ہے اور اس ایک آیت میں آپ ﷺ کی مکہ سے ہجرت منکرین پر آفات و غزوات کی مصیبتیں جو پہلے مکہ سے دور ہوں گی آخر ان کے دروازوں پر آن پہنچیں گی اور اس وعدہ کا وقت آ جائے گا جو فتح مکہ سے خاص تھا۔ پھر نہ صرف مکہ بلکہ پورا عرب اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو جائے گا۔

۳۳۔ اس رکوع میں بتایا کہ یہ مہلت مختصر ہو گی بالآخر دنیا میں بھی کفار کو سزا ملے گی اور آخرت میں بھی۔ مومنین دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہوں گے اور آخرت میں بھی دائمی راحتوں سے نوازے جائیں گے۔

فرمایا ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ انبیاء کی غلبہ کی پیشگوئیوں پر ان کا ٹھٹھا اڑایا گیا۔ پھر کچھ عرصہ تو ڈھیل دی جاتی ہے کہ شاید سنبھل جائیں۔ آخر اللہ کی پکڑ عذاب کی صورت میں آ جاتی ہے۔ پس دیکھ کیسا سخت تھا اللہ کا عذاب۔

۳۴۔ **قائم۔ (قام)**۔ کھڑا ہونے والا۔ نگہبان۔ **تنبئون۔ (نبا)** تم بتاتے ہو۔ تم بتاؤ گے۔

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝٣٤ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ

اللہ پس نہیں اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا ان کے لیے عذاب ہے زندگی

الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ

ورلی میں اور البتہ عذاب آخرت کا بہت شاق ہے اور نہیں ان کے لیے کوئی

اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝٣٥ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۗ

اللہ سے بچانے والا حالت اس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا متقیوں سے (یہ ہے کہ)

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۗ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۗ

بہتی ہیں نیچے اس کے نہریں پھل (بھی) اس کا دائمی ہے اور سایہ اس کا (بھی)

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝٣٦

یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ کیا اور انجام کافروں کا آگ ہے

پچھلی آیت میں اللہ کا قادر و قہار ہونا ظاہر کیا۔ اب اس آیت میں اللہ کے قادر ہونے کو اور اگلی آیت میں اس کی صفتِ قہاریت کو بیان کیا۔ بتایا کہ وہ ذاتِ پاک ہر متنفس کے سر پر کھڑی ہے یعنی نگران ہے اور اسے ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کا علم ہے۔ لیکن تمہاری یہ جرأت کہ تم نے اللہ کے شریک بنا لئے یعنی بجائے اللہ کے، غیر اللہ سے امیدیں لگا رکھی ہیں اور انہیں اپنا حاجت روا مانتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو ان کی کوئی صفت تو بتاؤ کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ روئے زمین کی کونسی ایسی بات ہے جس کا علم خدا کو نہیں اور ان شرکاء کے ذریعہ تم اسے بتانا چاہتے ہو۔ یا محض تمہاری زبانی باتیں ہیں جو تم ظاہری طور پر کہتے ہو اور تمہارے دل ان باتوں کو قبول نہیں کرتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ منکرین کو ان کی مکاریاں خوبصورت کر کے دکھائی گئی ہیں یعنی ان کے عقائدِ فاسد جن میں سرِ فہرست شرک اور رسوماتِ قبیحہ ہیں، انہیں اچھے اور عمدہ نظر آنے لگے ہیں۔ پس جب خدا سے تعلق توڑا، شرک میں مبتلا ہوئے اور مخلوق کا سہارا ڈھونڈنے لگے تو ان خیالات نے انہیں راہِ راست سے ہٹا دیا۔ ایسے گمراہوں کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

۳۵۔ **اشق۔ شق۔** پھاڑنا۔ **اشق۔** بہت سخت۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اس کفر و شرک کی وجہ سے اس دنیا میں بھی مصائب و مشکلات اور ناکامیاں و نامرادیاں نصیب ہوں گی اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہو گا۔ انہیں اس عذابِ الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا۔

۳۶۔ جہنم کی ہولناکیوں کے ساتھ ہی راہِ راست پر چلنے والے متقیوں کے لئے ابدی نعمتوں کا

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
اور وہ لوگ کہ دی ہم نے جن کو کتاب خوش ہوتے ہیں اس پر جو اُتارا گیا طرف تیری

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ
اور بعض قوموں میں سے وہ ہیں کہ انکار کرتے ہیں ایک حصہ کا اسکے تو کہدے سوائے اسکے نہیں کہ حکم کیا گیا ہوں

اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ
کہ عبادت کروں اللہ کی اور نہ شریک بناؤں ساتھ اسکے طرف اسی کی میں بلاتا ہوں اور طرف اسی کی

مَاٰبِ ٣٧ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ
لوٹنا ہے میرا اور اسی طرح اتارا ہم نے اسے حکم عربی اور البتہ اگر پیروی کی تُو نے

اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَمَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ
خواہش کی ان کی بعد اس کے کہ آیا تیرے پاس علم نہیں ہوگا تیرے لیے مقابلہ میں اللہ کے

ذکر کیا۔ آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ یہ نام محض مثال دینے اور سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ وہ نعمتیں ایسی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے دل میں گزریں (بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔ بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ تنزیل السجدہ فلا تعلم نفس ما اخفی) ہاں کافروں کا انجام آگ ہے۔ گویا وہ ایک حقیقت ہے۔ وہ کوئی تمثیلی رنگ میں نہیں البتہ اس آگ کی شدت کا اندازہ دنیا والے نہیں کر سکتے۔

٣٧۔ مومنین اور منکرین کے انجام کا ذکر کر کے اس آیت میں بتایا کہ آپ ﷺ کوئی نئی تعلیم نہیں لائے نہ اپنی طرف سے کچھ کہتے ہیں۔ اہلِ کتاب سے مراد مومنین بھی ہو سکتے ہیں جو غلبۂ اسلام اور اپنے نیک انجام کی خوشخبریوں سے خوش ہوتے تھے اور بعض اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ نجاشی شاہِ حبشہ اور اس کے ساتھی وغیرہ جو ایمان لے آئے۔ منکرین کے گروہ میں سے بعض اہلِ کتاب اور کفار و مشرکین مراد ہیں جو ایمان نہیں لائے۔ قرآنِ کریم کے جو حصے توریت و انجیل کے مطابق ہوتے تھے اس سے یہ خوش ہوتے اور جو حصے ان کے خلافِ طبع یا خلافِ عقیدہ ہوتے ان پر اعتراض کرتے۔ حالانکہ اصل الاصول تو ہر نبی کا ایک ہی ہے یعنی توحید و رسالت اور عقیدۂ معاد اور یہی اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ اگر کچھ فروعی اختلافات تھے تو وہ ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے تھے یا ان کی کتابوں میں تحریف کی وجہ سے تھے جو بعد میں پیدا کئے گئے۔ پس اللہ کی عبادت اور شرک سے مکمل بیزاری ہی توحید کا اقرار ہے۔ یہی وہ حکم ہے جو مجھے دیا گیا ہے اور اسی کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں۔ یعنی جن احکام پر میں خود عمل پیرا ہوں انہیں کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ مجھے اسی کی طرف لوٹنا ہے اور یہی عقیدہ معاد ہے۔ پس یہ وہ اصول ہیں کہ ان سے کسی مذہب میں اختلاف نہیں۔

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ٣٨ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ ع
کوئی دوست اور نہ بچانے والا اور یقیناً یقیناً بھیجے ہم نے رسول پہلے تجھ سے اور

جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ
بنائیں ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد اور نہیں ہے واسطے کسی رسول کے کہ

يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ٣٩ يَمْحُوا
لاوے کوئی نشان سوائے اجازت کے اللہ کے ہر (زمانہ کی) انتہا کے لیے نوشت ہے مٹاتا ہے

٣٨۔ **عَرَبِيًّا** ۔ واضح اور فصیح۔ **اھو آء** ۔ ھویٰ کی جمع ہے۔ خواہش۔ پس جس طرح کُتب سابقہ نازل ہوئیں اسی طرح یہ قرآن بھی نازل ہوا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ ان کتابوں میں بعض احکام مبہم اور غیر واضح ہیں۔ کیونکہ اس وقت نہ ان کی وضاحت کی ضرورت تھی اور نہ لوگوں کا شعور ابھی اتنا پختہ ہوا تھا۔ جب انسانی دماغ بلوغت کو پہنچ گیا تو ضرورتِ زمانہ کے تحت قرآنِ کریم کو واضح احکام کی صورت میں نازل کیا جو زندگی کا واحد دستور العمل ہے اور ایک عالمگیر شریعت ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اگر اس علم کے آجانے کے بعد بھی قرآنِ کریم کے مفصل اور واضح احکام کو چھوڑ کر کسی بات میں ان کی اتباع کی تو اے مخاطب! اللہ کے مقابلہ میں نہ تیرا کوئی دوست ہوگا اور نہ اس کی گرفت سے تجھے کوئی بچانے والا ہوگا۔ پس ایک صاحبِ علم و بصیرت مومن ان اہل کتاب اور کفار و مشرکین کی اتباع کا تصور کیسے کرسکتا ہے۔ اگر یہاں مخاطب آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مقامِ عالی پر فائز تھے، وہاں کسی ادنیٰ ترین کمزوری کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس یہاں خطاب عام ہے جیسا کہ قرآنِ کریم کا اسلوب بیان ہے۔

٣٩۔ **اجل** ۔ مدتِ مقررہ۔ میعاد۔ **کتاب** ۔ لکھی ہوئی۔ نوشتہ تحریر۔ حکم۔ فیصلہ۔ قانون۔

اس آخری رکوع میں بتایا کہ باوجود اس کے کہ بظاہر غلبہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن اسلام کا آہستہ آہستہ پھیلنا آخر اس کے غلبہ کا باعث ہوگا۔ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ تمام انبیاء انسان ہی تھے اور تمام بشری لوازمات ان کے شاملِ حال تھے اور یہ کہ ان کے اہل و عیال حصولِ کمالِ روحانی میں ہرگز مانع نہیں تھے بلکہ ان کی ازدواجی زندگی تو خلقت کے لئے بہترین نمونہ تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں اسلام جامع کمالاتِ مذاہب مختلفہ ہے۔۔۔ ایک شخص جب تک بیوی بچوں والا نہ ہو تمام کمالاتِ انسانیہ کا مظہر نہیں ہو سکتا۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ٦ جنوری ١٩١٠ء)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے نکاح کیا اس نے آدھا دین مکمل

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ

اللہ جو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے اور پاس اس کے اصل کتاب ہے اور اگر

مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

ہم دکھائیں تجھے بعض وہ جس کا ہم وعدہ کرتے ہیں ان سے یا وفات دیں ہم تجھے

کرلیا اب اس کو چاہیئے کہ باقی آدھے دین میں خدا سے خوف اور تقویٰ اختیار کرے۔(مسند۔بیہقی) حقیقت بھی یہی ہے کہ بیوی بچوں کے بغیر زندگی مکمل نہیں ہوتی۔آج مغربی محققین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مجرد زندگی گزارنے والے افراد کی عمریں کم ہوتی ہیں۔ان میں خودکشی کی شرح زیادہ ہے۔ نفسانی عوارض ڈپریشن(Depression)مایوسی (Frustration)اور بے چینی(Anxiety) وغیرہ کا شکار نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں۔اس طرح ان کی ذہنی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں۔قرآن کریم میں جب بھی کفار کے نشان کا مطالبہ بغیر کسی تشریح کے آیا تو مراد نشانِ ہلاکت ہوتا ہے نشانِ ہلاکت کے مطالبہ کے جواب میں فرمایا کہ **لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَاب** ٥ یعنی اللہ کے ہاں یہ دستور نہیں کہ نبی بھیجے اور نہ ماننے والوں کو ہلاک کر دے بلکہ ایک خاص مدت کی مہلت کے بعد حکم صادر ہوتا ہے۔یہاں بتایا کہ عذاب کا لانا نبی کے اختیار میں نہیں وہ بشر ہے، عالم الغیب نہیں۔اللہ کی ذات عالم الغیب ہے۔ اس کے پاس ہر مدت اور معیاد کے لئے احکام موجود ہیں۔وہ جانتا ہے کہ کس وقت کونسا حکم جاری ہونا چاہیئے عذاب کا، عذاب میں تاخیر کا یا عفو کا۔

۴۰۔**ام الکتاب** ۔لوحِ محفوظ۔علم الٰہی جس میں سب احکام اصل میں موجود ہیں۔اصل احکام۔

پس وہ قادرِ مطلق ہے اور اپنے احکام کو بدلنے کے کامل اختیارات رکھتا ہے۔جس شخص یا قوم کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبات دیتا ہے۔اگر چاہے تو اپنی قضا و قدر کو بدل دے یہاں مراد شریعت بھی ہوسکتی ہے کہ اپنے بندوں کی مصلحت کے مدِ نظر جس شریعت کو چاہے مٹا دے اور منسوخ کر دے اور جس شریعت کو چاہے قائم رکھے۔یہاں پچھلی آیت کی ہی مزید وضاحت فرمائی کہ تقدیر معلق فوراً وقوع پذیر نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ وعید کی پیشگوئیاں دعا، خوف اور صدقہ و خیرات سے ٹل جاتی ہیں۔جبکہ تقدیر مبرم اٹل اور قطعی ہے۔(ملفوظات حصہ اوّل صفحہ ۱۸۷) پس ام الکتاب وہ آخری اور اصل احکام ہیں۔جو شرائطِ اعمال یا دعا کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر خدا تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں۔(تفسیر ابنِ کثیر)

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

پس صرف تجھ پر پہنچا دینا ہے اور ہم پر حساب ہے کیا نہیں دیکھا انہوں نے

اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ

یقیناً ہم آتے ہیں زمین کی طرف گھٹاتے ہوئے اسے کناروں سے اس کے اور اللہ فیصلہ کرتا ہے

لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۲﴾ وَقَدْ

نہیں کوئی توڑنے والا واسطے حکم کے اسکے اور وہ جلد لینے والا ہے حساب اور یقیناً

مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ

تدبیر کی ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے پس اللہ کے لیے ہے تدبیر سب کی سب

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ

جانتا ہے جو کماتا ہے ہر شخص اور ضرور جان لیں گے کافر کہ کس کیلئے

عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۳﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ

ہے انجام (آخری) گھر کا اور کہتے ہیں وہ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے تو بھیجا ہوا

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ

تو کہدے کافی ہے اللہ گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ کہ پاس جس کے

۴۱۔انبیاء کی بعثت کی غرض بندوں کی اصلاح ہے نہ کہ ہلاکت۔پس ہوسکتا ہے کی وعید کی پیشگوئیاں کچھ تیرے سامنے پوری ہو جائیں یا تیری وفات کے بعد پوری ہوں اور تجھے بعد از وفات ان کا علم ہو۔الغرض تیرا کام ہمارے پیغام کو پورے طور پر پہنچانا ہے۔بندوں سے حساب لینا ہمارا کام ہے۔خواہ تباہ کریں خواہ دائرہ اسلام میں داخل کر کے کفر اور شرک کا خاتمہ کریں۔

۴۲۔**معقّب**۔پیچھے ڈالنے والا۔**لامعقّب لحكمه** ط۔اللہ کے فیصلہ کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔اللہ کے فیصلہ کے بعد کسی اور کا فیصلہ نہیں آسکتا(مفردات)۔بتایا کہ کفر کی ہلاکت اور غلبہء اسلام کے آثار تو ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں۔یہاں غلبہ اسلام کو خدا کے آنے سے تعبیر کیا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے ہوئے آرہے ہیں۔یعنی یہ زمین ان کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے اور ان کا دائرہ تنگ ہوتا چلا جا رہا ہے۔گویا مکّہ کے اطراف سے غلبہء اسلام شروع ہو چکا ہے اور لوگ چاروں طرف سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔یہ اللہ کا فیصلہ ہے اس کے فیصلہ کو ٹالنے والا کوئی نہیں۔سریع الحساب میں اشارہ ہے کہ ان کا حساب دنیا میں ہی شروع ہو چکا ہے۔

۴۳۔یہ ہجرت کے قریب کی سورۃ ہے جبکہ غلبہء اسلام کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔اس

ع
۱۲

عِلْمُ الْكِتٰبِ ۴۴

علم ہے کتاب کا

کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار کے منصوبے اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ فرمایا یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے انبیاء کے خلاف بھی اسی طرح منصوبہ بندیاں ہوئیں جو آخر ناکام ہوئیں کیونکہ منصوبوں کی کامیابی اور ناکامی سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے اور ان کے اعمال کے مطابق ہی نتائج سامنے آ رہے ہیں کہ ایک گروہ گھٹتا چلا جا رہا ہے اور دوسرا بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے۔ پھر بطور پیشگوئی فرمایا کہ عنقریب کفار جان جائیں گے کہ تدبیر کس کی کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے اور انجام بخیر کس کا ہے۔ گویا مومنین ہی کو آخرت کے گھر کی خوشخبری دی گئی ہے۔

۴۴۔ ان تمام کھلے کھلے شواہد کے باوجود کفار کا کہنا ہے کہ تو خدا کی طرف سے نہیں۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ثبوت میں دو زبردست گواہیاں پیش کیں۔ پہلی گواہی خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت ہے جو خوارق و معجزات کے علاوہ باوجود حالات کے شدید ناساز گار ہونے کے اسلام کا پھیلنا اور کفار کا گھٹتے جانا تھا۔ (آیت ۴۲) دوسری اس شخص کی گواہی ہے جسے کتابِ الٰہی کا علم ہے اس میں تمام سابقہ کتب کی پیشگوئیاں ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصدق تھیں۔ گویا یہ خدا تعالیٰ کی قولی شہادت ہے۔ الکتاب سے مراد قرآنِ کریم بھی ہے پس علماء قرآن جو صاحبِ کشف و الہام ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے زندہ گواہ ہیں۔ نیز ہر وہ شخص جو قرآنِ کریم پر غور کرے اس کی سچائی کا شاہد ہے۔ اس آیت میں خاص طور پر یہ پیغام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا قولی دعویٰ کافی نہیں جب تک کتاب کا علم ساتھ نہ ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی سچائی کا علم اسی کو ہوگا جس کے پاس قرآن حکیم کا علم ہوگا۔ لہٰذا ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ قرآن حکیم کے مضامین کی گہرائی پر بھی دسترس حاصل کرے۔ اس سورۃ کی ابتداء قرآنِ کریم کے ذکر سے کی تھی اور اختتام بھی قرآن اور صاحبِ قرآن کے ذکر سے ہوا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ ابراہیم۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ترپن آیات اور سات رکوع ہیں

الٓرٰ سے شروع ہونے والی یہ پانچویں سورۃ ہے۔ ان میں سے سورۃ رعد میں ''م'' کا اضافہ ہوا۔ ان تمام سورتوں کا زمانہ نزول ہجرت کے قریب کا ہے اور مضمون بھی قریباً ایک ہی ہے یعنی توحید و رسالت کا بیان۔ نیز انبیاء اور ان کے متبعین کو دعوتِ الی اللہ کی پاداش میں مظالم کا نشانہ بنانا، انہیں ہجرت پر مجبور کرنا اور آخری غلبہ کا ظہور گویا ان تمام سورتوں میں غلبہء اسلام کی بے شمار پیشگوئیاں ہیں۔ پس تمام انبیاء کے حالات بھی قریباً ایک ہی جیسے ہیں اور مقاصد بھی ایک ہی یعنی بندگانِ خدا کو کفر و الحاد کی تاریکی سے نکال کر نور و ہدایت کی طرف لانا۔ بتایا کہ عرب میں جو ایک عظیم انقلاب برپا ہونے والا ہے اور جس کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے ہیں وہ کسی فوری فیصلے کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے لئے ہزاروں سال سے سامان پیدا ہو رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہزاروں سال پہلے کی دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا نشان تھے۔ اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین عذابِ استیصال سے محفوظ رہے۔ پس حضرت ابراہیمؑ کی زبان سے جو فرائض تم پر عائد کئے گئے تھے ان کو پورے طور پر ادا کرو۔ کفار کو ڈرایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس شہر کی بنیاد اس لئے رکھی تھی کہ یہ توحید کا مرکز ہو۔ پس اب یہ شہر شرک اور اہلِ شرک سے پاک کر دیا جائے گا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝١

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

الف۔ لام۔ را (یہ) کتاب اُتارا ہے ہم نے جسے طرف تیری تاکہ تو نکالے لوگوں کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ

اندھیروں سے طرف نور کی ساتھ حکم کے رب کے ان کے طرف راہ

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٢ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ

عزت والے خوبیوں والے کے اللہ کے (راستہ کی طرف) کہ اسی کیلئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ **الٓر۔ انا اللّٰه اریٰ** ۔ میں اللہ خوب دیکھتا ہوں۔ اس پہلے رکوع میں ہی آنحضرت ﷺ کی حضرت موسیٰؑ سے مماثلت کا اشارہ کیا نیز یہ کہ حضرت موسیٰؑ کا پیغام صرف اپنی قوم تک ہی محدود تھا جبکہ آپ ﷺ کے مخاطب تمام لوگ یعنی کل عالم ہے جنہیں ہدایت دینا آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے نائبین کا فرض ہے۔ پچھلی سورۃ قرآن اور صاحبِ قرآن کے ذکر پر ختم ہوئی۔ یہ سورۃ بھی اسی ذکر سے شروع ہوتی ہے۔ بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ اس قرآن کے ذریعہ کل بنی نوع انسان کو کفر و شرک، جہالت، عقائدِ فاسدہ اور رسومِ قبیحہ کے اندھیروں سے نکال کر ایمان، ہدایت، حقائق و معارف اور معرفتِ کاملہ کے نور کی طرف لے آئے۔ ظلمات میں جمع کا صیغہ استعمال کیا کیونکہ اندھیرے لاتعداد ہیں جبکہ نور اور ہدایت کی راہ ایک ہی ہے۔ **باذن ربّھم** اس لئے کہا کہ آنحضرت ﷺ داعی الی اللہ یعنی حق کی طرف بلانے والے ہیں۔ ہدایت کا دینا ربّ کا کام ہے جو اسی کی توفیق سے ممکن ہے۔ یہاں اس نور و ہدایت کی راہ کو عزیز اور حمید خدا کی راہ قرار دیا گویا عزیز و حمید کی راہ پر چلنے والے انہی صفات کے حامل ہوں گے۔ چنانچہ جہاں صفتِ عزیز کے تحت مسلمان دنیا کے عظیم فاتح بنے اور بیشتر دنیوی علوم کے استاد ٹھہرے۔ وہاں صفتِ حمید کے تحت ایک عالم کے مزکّی و معلّم بنے اور مسلمانوں میں بڑے بڑے جید علماء و اولیاء، اقطاب اور مجددین پیدا ہوئے جو اپنے اپنے وقت کے بہترین داعی الی اللہ تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے فیضِ جاریہ اور قوتِ قدسیہ کے طفیل آپ ﷺ کے ایک خادم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود بانی سلسلہ جماعت احمدیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار کا انعکاس تھے آپ ﷺ کی ظلّیت کی چادر اوڑھ کر ظلّی نبی اور رسول کے لقب سے نوازے گئے۔ آپ فرماتے ہیں !'' کوئی مرتبہ شرف وکمال کا اور

مَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝٣

جو زمین میں ہے اور ہلاکت ہے کافروں کے لیے عذاب سخت سے

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ

وہ جو کہ پسند کرتے ہیں زندگی ورلی کو آخرت پر اور

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗئِكَ

روکتے ہیں راہ سے اللہ کی اور چاہتے ہیں اسے ٹیڑھا یہ لوگ

فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝٤ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ

گمراہی میں ہیں دور کی اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر ساتھ زبان کے

قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ

اس کی قوم کی تاکہ وہ کھول کر بیان کرے ان کیلئے پس گمراہ ٹھہراتا ہے اللہ جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٥ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى

جسے چاہتا ہے اور وہ عزت والا حکمت والا ہے اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے موسیٰ کو

کوئی مقام عزت وقرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلّی اور طفیلی طور پر ملتا ہے''۔ (ازالہ اوہام صفحہ ۱۳۸۔ طبع اوّل)

۳۔ بتایا کہ عزیز اور حمید اللہ کی ہی ذات ہے جس کی حکمرانی زمین و آسمان کی ہر چیز پر محیط ہے۔ پس جس نے عزیز و حمید خدا کی راہ کو چھوڑ کر جو نور اور ہدایت کی طرف لے جانے والی تھی، کفر و شرک کے اندھیروں میں رہنا پسند کیا ان کے لئے ایک سخت عذاب مقدر ہے۔

۴۔ جن کفار کے لئے عذابِ شدید مقدر ہے ان کے کفر کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں نور نظر نہیں آتا بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرت کے مقابلہ میں دنیوی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح اس عزیز و حمید کی راہ سے جو سراسر نور و ہدایت ہے نہ صرف خود رکتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور ظلم یہ کہ اس راہ میں کجی چاہتے ہیں یعنی اپنی ہدایت کی بجائے دین میں خرابیاں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصولوں کی اتباع کر کے راہِ نور و ہدایت کو پانے کی بجائے اپنے اور اپنے باپ دادا کے خود ساختہ اصولوں کی اتباع کر کے تعلیم الٰہی اور راہِ نور و ہدایت میں کجی اور خرابی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ پس اس غلط راستہ کا نتیجہ گمراہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

۵۔ جو قوم کسی نبی کی پہلی مخاطب ہو اس کی زبان میں نبی کو الہام ہوتا ہے اور اسی زبان میں وہ فرائض تبلیغ ادا کرتا ہے۔ آپ ﷺ چونکہ **رسول اللّٰه الیکم جمیعًا** اور دوسری بیشتر آیات

بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ
ساتھ آیات کے اپنی کہ نکال قوم کو اپنی اندھیروں سے طرف نور کی اور
ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
یاد دلا ان کو دن اللہ کے یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں واسطے ہر بہت صبر کرنیوالے
شَكُوْرٍ ۝۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
بہت شکر کرنیوالے کے اور جب کہا موسیٰ نے قوم کو اپنی یاد کرو نعمت اللہ کی

واحادیث کے مطابق کل دنیا کی طرف بھیجے گئے تھے اس لئے آپ ﷺ کے نائبین اور مبلغ
دوسری زبانیں سیکھنا بھی ضروری ہے تا کہ انہیں دین حق سکھا سکیں۔ تاہم کلامِ الٰہی کو سمجھنے
سے صحیح استفادہ کے لئے عربی زبان کا سیکھنا جوامّ الالسنہ ہے سب کے لئے از حد ضروری
یُبیّن کے بعد گمراہی کا ذکر کیا یعنی یہ کہ پہلے خوب کھول کر سمجھائیں پھر جنہوں نے سمجھنے کی کوشش
نہ کی یا دیگر مادی منفعتوں کے پیشِ نظر سمجھنا ہی نہ چاہا یا ان کی جھوٹی انا، بیجا ضد اور تعصب
آئے ان پر گمراہی کا فتویٰ لگا۔ لیکن جنہیں سمجھنے کا موقع نہ ملا یا ان تک ہدایت ہی نہیں پہنچی
معذور ہیں اور انہیں نہ ماننے کی وجہ سے سزا نہیں دی جا سکتی۔ وہ غالب ہے سزا دینے پر قادر ہے
حکیم بھی ہے اس لئے جب تک سزا کی معقول وجوہ نہ ہوں سزا نہیں دیتا۔

۶۔ **ایّم اللّٰہ** لفظی معنی اللہ کے دن۔ خدا کی نعمتیں اور اس کے عذاب مراد ہیں (اقرب
آپ ﷺ مثیلِ موسیٰ تھے آپ ﷺ کی بعثت کی غرض بھی یبیّن لھم تھی یعنی ہدایت کو
کھول کر بتا دینا۔ لیکن آپ ﷺ پر تمام لوگوں کی ہدایت کی ذمہ داری تھی۔ جبکہ حضرت موسیٰ محض
قوم کو ہدایت دینے اور ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جانے آئے تھے۔ نور اور ہدایت کی طرف
لے جانے کے دو ہی طریق ہیں۔ نعمائے الٰہی کی طرف توجہ دلائی جائے یا سزا سے خوف
جائے۔ پس اللہ کی نعمتوں اور احسانوں کو یاد کر کے عبدِ شکور بنو۔ آزمائش اور مصیبت کے وقت
صبر کا مظاہرہ کرو۔ قومِ موسیٰ ان دونوں حالتوں میں کما حقہ صبر کر سکی نہ شکر۔ اب ان واقعات میں
کے لئے نشان ہیں کہ وہ مصائب پر کامل طور پر صبر کریں اور ان نعمتوں پر جو بہت جلد ملنے والی
شکر کا حق ادا کریں۔ مومنین کا شکر یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی مرضی کے تابع خرچ
اور اس توفیق کے ملنے پر اس کا شکر بجا لانا۔ گویا۔ سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے
صبر یہ ہے کہ خلاف طبع امور میں شکر کا پہلو تلاش کرنا اور اپنے کسی قول یا فعل سے ناشکری کا اظہار

عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
اپنے پر جبکہ اس نے نجات دی تم کو فرعونیوں سے پہنچاتے تھے تم کو بُرا
الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ
عذاب اور ہلاک کرتے تھے بیٹوں کو تمہارے اور زندہ رکھتے تھے عورتوں کو تمہاری
وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ ع ۱ ۱۳
اور اس میں آزمائش تھی طرف سے رب کے تمہارے بڑی اور جب اعلان کیا رب نے تمہارے
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ
البتہ اگر شکر کیا تم نے البتہ بڑھاؤں گا تم کو اور البتہ اگر ناشکری کی تم نے تو یقیناً عذاب میرا
لَشَدِيْدٌ ۝۷ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي
البتہ سخت ہے اور کہا موسیٰ نے اگر کفر کرو تم اور وہ جو

کرنا اور اس کی رضا پر راضی رہنا۔
روایت ہے کہ ایک بزرگ مکہ میں ایک مشہور ولی اللہ کو ملنے گئے۔ ولیؒ نے پوچھا کہ صبر اور
شکر کیا ہے؟ انہوں نے مختصر جواب دیا کہ کچھ مل جائے تو شکر ہے ورنہ صبر۔ ولیٔ کامل نے فرمایا کہ یہ
صبر اور شکر تو مکہ کے کتوں میں بھی ہے۔ کچھ مل جائے تو کھا لیتے ہیں ورنہ صبر سے بیٹھے رہتے ہیں کسی
کو کاٹتے نہیں۔ پوچھا کہ آپ ہی بتلایئے؟ فرمایا! کہ مجھے تو کچھ نہ ملے تو شکر کرتا ہوں (ان دیگر بے
شمار نعمتوں کو یاد کر کے جو میرے ربّ نے مجھے دی ہوئی ہیں) کچھ مل جائے تو بانٹ دیتا ہوں اور صبر
کرتا ہوں۔ یہ کاملین کا صبر اور شکر ہے۔
۷۔ آپ ﷺ پر شدید مظالم کا دور تھا۔ اس لئے موسیٰؑ اور قومِ موسیٰ پر کئے گئے فرعون کے
مظالم اور ان سے رہائی کا ذکر کر کے آپ ﷺ کو تسلی دی۔ (تفسیر کے لئے سورہ بقرہ آیت :۵۰)
۸۔ اس رکوع میں بتایا کہ صرف آپؐ کی ہی مخالفت نہیں ہوئی بلکہ مخالفین ہر رسول کے پیغام
کو رد کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعظ
کا ذکر کیا جو توریت میں تفصیلاً بیان ہوا ہے لیکن یہ موسیٰؑ ہی سے خاص نہیں۔ ایک عام قانون ہے
جس کا اعلان ہر نبی کی زبان سے کیا گیا۔ اللہ کی سب سے بڑی نعمت رسول کا آنا ہے۔ رسول پر ایمان
لانا اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا اس نعمت کا شکر ادا کرنا ہے جو انسان کو مزید نعمتوں کا وارث بناتا
ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ لیکن جو کفرانِ نعمت کریں، اس پیغام کو ٹھکرائیں اور
کفر والحاد پر مُصر رہیں تو وہ ان نعمتوں سے ہی محروم نہیں ہوں گے بلکہ شدید عذاب کے مستحق ٹھہریں

الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۹﴾ اَلَمْ يَاْتِكُمْ

زمین میں ہیں سب کے سب پس یقیناً اللہ البتہ بے پرواہ (اور) خوبیوں والا ہے کیا نہیں آئی تمہارے

نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ وَ

پاس خبر ان لوگوں کی جو پہلے تھے تم سے قوم نوح اور عاد اور ثمود اور

الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ

وہ لوگ جو بعد میں تھے ان کے نہیں جانتا انہیں مگر اللہ آئے ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ

رسول ان کے پاس ساتھ دلائل کے پس لوٹائے انہوں نے ہاتھ اپنے مونہوں میں اپنے اور

قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

کہا یقیناً انکار کیا ہم نے اُسکا کہ تم بھیجے گئے ہو ساتھ اس کے اور یقیناً ہم شک میں ہیں اس سے کہ

گے اور ذلیل وخوار ہوں گے۔

شکر کا لفظی مطلب احسان ماننا اور محسن کی ثنا ہے۔ پس جو خدا کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کو اسی کا احسان جانتے ہوئے اس کی مخلوق کی بہبود پر خرچ کرے اور حقوق العباد ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور برکتوں سے نوازے گا۔ جو ایسا نہیں کریں گے اور ظلم وحق تلفی کی راہ اختیار کریں گے تو ضرور ہے کہ وہ نعمتیں ان سے چھین لی جائیں اور وہ عذاب کے مستحق ٹھہریں۔

یہاں ایک عام اصول بھی بتا دیا جس میں مومن و کافر سب شریک ہیں کہ نعمتوں کا شکر ان کا صحیح استعمال ہے۔ پس جو خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور صلاحیتوں کو خلق خدا کی بہتری اور بھلائی کے لئے وقف رکھے گا اس کے لئے وہ نعمتیں ضرور بڑھائی جائیں گی۔ اسی کے تحت یہود ونصاریٰ بلکہ ہنود بھی مسلمانوں سے دنیاوی طور پر بہت آگے نکل گئے ہیں۔

۹۔ حضرت موسیٰ ؑ کے وعظ کے ذکر میں اہل مکہ ہی مخاطب تھے۔ فرمایا اللہ غنی ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ کسی کا ایمان لانا یا نہ لانا اسے کوئی فائدہ یا نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ اس کی حمد میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ اس میں ایمان لانے والوں کا اپنا ہی فائدہ ہے اور بندوں پر اللہ کا احسان ہے کہ وہ انبیاء بھیج کر ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔

۱۰۔ **رَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ** ۔ اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں میں ڈالا یعنی غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ نیز انبیاء کے مونہوں میں ڈالنے کا بھی مفہوم ہے یعنی انبیاء کے منہ بند کر دیے کہ ہم تمہاری کوئی بات سننا نہیں چاہتے مراد انبیاء کی تکذیب ہے۔

تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۱۰﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ

تم دیتے ہو ہمیں طرف اس کی تردد میں ڈالنے والے کہا رسولوں نے ان کے کیا اللہ میں

شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ

شک ہے پیدا کرنیوالا آسمانوں اور زمین کا بلاتا ہے تم کو کہ بخشے

لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

تمہارے لیے گناہ تمہارے اور ڈھیل دے تم کو میعاد مقررہ تک

قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا

انہوں نے کہا نہیں ہو تم مگر انسان مانند ہماری تم چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں

عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾

اس سے کہ جس کی تھے عبادت کرتے باپ دادا ہمارے پس لاؤ ہمارے پاس کوئی دلیل کھلی کھلی

حضرت موسیٰ ؑ کا وعظ بھی ہو سکتا ہے اور عام خطاب بھی کہ قوم نوح اور عاد وثمود کی ہلاکت کی خبریں تو تمہیں یقیناً پہنچ چکی ہوں گی جو ان کے بعد ہوئے۔ انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا گویا ایسے نابود ہوئے کہ ان کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ ان سب کی بھی یہی حالت تھی کہ رسولوں کے روشن نشانوں کے باوجود انہوں نے ان کی کوئی بات نہ مانی، پیغامِ حق کا انکار کیا اور دینِ حق کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا رہے۔

قومِ نوح اور عاد وثمود کے بعد آنے والے بنی اسرائیل کے چند انبیاء کی تاریخ تو کسی حد تک محفوظ ہے۔ ممکن ہے یہاں ان انبیاء کا ذکر ہو جن کی تاریخ محفوظ نہیں یا وہ انبیاء جو دنیا کے دوسرے خطوں میں آئے اور جن کی تاریخ بھی سوائے چند ایک واقعات کے محفوظ نہیں۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء میں سے صرف اٹھائیس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ دوسری قوموں اور خطوں میں آنے والے انبیاء میں سے کنفیوشس، زرتشت، گوتم بدھ، کرشن مہاراج اور رام چندر جی کے حالات سے تاریخ کچھ واقف ہے۔ باقی قوموں اور ان میں مبعوث ہونے والے انبیاء کے متعلق تاریخ قطعاً خاموش ہے۔

۱۱۔ **اجل مسمی** ۔ آخری معین مدت۔

کفار کا اعتراض تو یہ تھا کہ انہیں پیغامِ حق کے بارے میں شک ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی اختراع ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ تمہیں خدا کے بارے میں شک ہے۔ دراصل انبیاء کا پیغام اور مشن توحید ورسالت کی طرف بلانا ہے۔ کفار خدا کے قائل ضرور تھے لیکن توحید کے نہیں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ
کہا ان کو رسولوں نے ان کے نہیں ہم مگر انسان مانند تمہاری و

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ
لیکن اللہ احسان کرتا ہے جس پر چاہتا ہے بندوں میں سے اپنے اور نہیں ہے

لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
ہمارے لیے کہ لائیں ہم تمہارے پاس کوئی دلیل مگر ساتھ حکم کے اللہ کے اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ
پس چاہیئے کہ بھروسہ رکھیں مومن اور کیا ہوا ہمیں کہ نہ بھروسہ رکھیں ہم اللہ پر

وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ
اور یقیناً اس نے ہدایت دی ہمیں راہوں کی ہماری اور البتہ ضرور صبر کریں گے ہم اس پر جو تکلیف دی تم نے ہمیں

انہیں بتایا کہ جس خدائے واحد نے زمین و آسمان اور کل کائنات کو انسان کی مادی ضرورتوں کے لئے پیدا کیا۔ کیا وہ ان کی روحانی ضرورت کا خیال نہ رکھتا اور ہدایت کا سامان نہ کرتا۔ پس جس خالق جہاں نے انسان کے فانی جسم کی ضروریات کے لئے زمین و آسمان کو تشکیل دیا وہ غیر فانی روح کی ضروریات کو کس طرح نظر انداز کر سکتا ہے۔ وہ رسولوں کے ذریعہ تمہیں نور اور ہدایت کی راہ کی طرف بلاتا ہے تا تمہارے گناہوں میں سے بعض بخش دے اور تمہیں آخری معین مدت تک کچھ اور مہلت دے۔ بعض گناہ بخش دینے کا اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ حقوق اللہ میں کوتاہیوں کو بخش دیتا ہے لیکن حقوق العباد ادا کرنے میں جو کوتاہیاں ہوئی ہوں وہ بندوں کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوں گی۔ مکذبین انبیاء اپنے جیسے ایک انسان کو رسول ماننے کو تیار نہ تھے اور ہمیشہ سے ان کا یہی اعتراض تھا کہ یہ انبیاء ہمیں اپنے آباء و اجداد کے معبودوں سے ہٹانا چاہتے ہیں اور تمام عقلی و نقلی دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود انہوں نے ہمیشہ کوئی روشن نشان لانے کی فرمائش کی۔

۱۲۔ ان کے نشان مانگنے کے مطالبہ کے جواب میں تمام رسولوں کا ایک ہی جواب تھا اور یہی جواب ہمارے نبیٔ اُمّی فخر الانبیاء خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ رسول بھی تمہاری طرح بشر ہیں۔ ہاں اللہ نے ان پر احسان کیا اور انہیں اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مستفیض کیا۔ لیکن تاجِ رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد بھی ایک رسول بشریت کے دائرہ سے نہیں نکلتا اور اسے ہرگز یہ اختیار نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی سے حکمِ الٰہی کے سوا کوئی نشان دکھلا سکے۔ مومنوں کو تمام امور میں اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیئے۔ وہ جب چاہے گا۔ نشان دکھا دے گا۔

ع ۲ ۱۴ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اور اللہ پر ہی پس چاہیئے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے اور کہا ان لوگوں نے

كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ
جنہوں نے کفر کیا رسولوں کو اپنے البتہ ضرور نکال دیں گے ہم تم کو ملک سے اپنے یا ضرور ہی لوٹ آؤ گے

فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَ
تم مذہب میں ہمارے پس وحی کی طرف ان کی رب نے ان کے کہ البتہ ہلاک کریں گے ہم ظالموں کو اور

لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ
البتہ بسادیں گے ہم تم کو زمین میں بعد ان کے یہ اس کے لیے ہے جو ڈرا کھڑے

مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۵﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ
ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا دھمکی سے میری اور فتح چاہی انہوں نے اور ناکام ہوگیا ہر سرکش

۱۳۔ اللہ پر توکل ہم کیوں نہ کریں جبکہ اس نے ہم پر فضل کیا اور رسول بھیج کر ایسی شریعت سے نوازا جس نے ہماری زندگی کی تمام راہوں میں ہماری رہنمائی کے سامان رکھے۔ ان نعمتوں کے مقابلہ میں ہمیں تمہاری ایذا رسانیوں کا کوئی غم نہیں۔ ہم ان پر یقیناً صبر کریں گے۔ بیشک دکھ سکھ میں انسان کو کسی نہ کسی سہارے کی تلاش رہتی ہے تو پھر کیوں نہ خدا کا سہارا ڈھونڈا جائے اور دیگر تمام سہاروں سے بے نیاز ہو جائیں۔ بحیثیت ایک بشر اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے اور ان کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے ان دونوں آیات میں بار بار توکل کا اظہار کیا۔

۱۴۔۱۵۔ اس رکوع میں انبیاء اور ان کے متبعین کے لئے غلبہ کی پیشگوئی فرمائی جبکہ مکذبین کو ہلاکت اور آخرت کے بد انجام سے ڈرایا۔ یہاں بتایا کہ جب مخالفین ظلم و عناد میں حد سے گزر جاتے ہیں تو انبیاء اور ان کے متبعین کا وجود ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ پھر ان کا آخری حربہ یہی ہوتا ہے کہ ہم تمہیں اپنے شہر یا ملک سے نکال دیں گے یا ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آؤ۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ برگزیدہ نہ پہلے ان کے عقائدِ فاسدہ پر تھے اور نہ اب آنے والے ہیں۔ دراصل ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اگر یہ ذرا بھی نرمی برتے اور ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے تو ہم صلح کے لئے تیار ہیں۔ جیسا کہ کفار نے آپ ﷺ کے چچا کو کہا لیکن انبیاء اس قسم کے سمجھوتوں کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ہر ایسی پیشکش کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیتے ہیں ۔ (سیرۃ النبی ابن ہشام طلب ابی طالب الی الرسول الکف جلد ۱ صفحہ ۲۶۶) اللہ کا عذاب تو اس کے ان برگزیدہ بندوں کی وجہ سے ہی مؤخر ہوتا ہے جونہی وہ وہاں سے نکل جاتے ہیں اللہ کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ عذاب استیصال انہیں آگھیرتا

عَنِيْدٍ ﴿۱۶﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۷﴾

دشمن آگے اس کے جہنم ہے اور پلایا جائے گا پانی پیپ کا

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ

گھونٹ گھونٹ کرکے پئے گا اسے اور نہ قریب ہوگا کہ حلق سے اتارے اسے اور آئیگی اسے موت

كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ

ہر جگہ سے اور نہ وہ مرنے والا ہے اور آگے اس کے عذاب ہے

غَلِيْظٌ ﴿۱۸﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ

سخت مثال ان لوگوں کی جنہوں نے انکار کیا رب کا اپنے اعمال ان کے

ہے اور انہیں خود بھی وہاں رہنا نصیب نہیں ہوتا۔ہاں اگر مشیتِ ایزدی میں ان قوموں کی ہدایت مقدر ہوتو پھر وہ اپنی غلطیوں پر نادم ہو جاتے ہیں اور انہیں ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔دونوں صورتوں میں آخر وہ زمین جس کا مالک صرف خدا ہے وہ اس کے نیک بندوں کے قبضہ میں آجاتی ہے۔یہ وعدہ اس کے لئے ہے جو میرے مقام و مرتبہ اور میری انذاری پیشگوئیوں سے ڈرے۔یہ بھی معنی ہیں کہ وہ میرے حضور حساب دینے کے لئے کھڑا ہونے سے ڈرے۔

۱۶۔ابھی فتح کا وعدہ فرمایا۔اس کے باوجود فتح کی دعا کرنا بتاتا ہے کہ دعا اور تدبیر سے اللہ کے وعدوں کو قریب لانا انبیاء و مومنین کا شیوہ ہے۔جیسا کہ مکہ ہی میں فتح مکہ کی خوشخبری مل چکی تھی (سورۃ القصص رکوع ۹) لیکن آپ ﷺ دعا سے غافل ہوئے اور نہ تدبیر سے۔بلکہ غزوہ بدر کے روز جبکہ فتح مبین کا وعدہ تھا آپ ﷺ کی درد میں ڈوبی ہوئی دعاؤں نے عرش الٰہی کو ہلا کر رکھ دیا۔فتح کی دعا مامورین بھی مانگتے ہیں، کفار بھی۔جیسا کہ ابو جہل نے غزوہ بدر کے لئے مکہ سے روانہ ہوتے وقت بیت اللہ کے پردے پکڑ کر دعا کی تھی کہ اے اللہ! جو تیرے نزدیک زیادہ ہدایت پر ہے اسے کامیاب کر۔(مظہری) اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ دعا قبول فرمائی۔پس جب انبیاء کی تبلیغ اور ہدایت کے جواب میں کفار کا ظلم و استبداد اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو انبیاء کی دعائیں بھی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں اور وہ آستانہ الٰہی پر گر جاتے ہیں۔ان کی دعاؤں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر سرکش اور دشمنِ حق نا کام و نامراد ہو جاتا ہے۔

۱۷۔۱۸۔ **مِن وَّرآئه** ۔ **وراء** کے معنی آگے کے ہیں بعض دفعہ پیچھے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔**صدید۔صدّ**۔کسی چیز سے روکنا یا رکنا۔خون ملی پیپ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو جلد اور گوشت کے درمیان حائل ہوتی ہے۔کھولتا ہوا پانی بھی مراد ہے۔**یتجرّعه۔جرع**۔پانی کا نگلنا۔**جرُعة**۔

كَرَمَادِ ࣙاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا

مانند راکھ کی ہیں کہ سخت ہوئی اس پر ہوا دن آندھی کے نہیں

يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ

وہ قدرت رکھتے اس پر جو کمایا انہوں نے کسی چیز پر بھی یہ ہی گمراہی ہے

الْبَعِيْدُ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

دور کی کیا نہیں دیکھا تو نے کہ اللہ نے پیدا کئے آسمان اور زمین

گھونٹ۔**یسیغه۔سَاغ**۔کھانا یا پینا جو گلے سے آسانی سے اُتر جائے۔

ان کی تباہیاں دنیا تک ہی محدود نہیں ہوں گی بلکہ ان کے لئے جہنم کا عذاب مقدر ہے۔اب جہنم کی ہولناکی کا کچھ ذکر کیا۔دنیا میں جسمانی، شہوانی اور روحانی پیاس بجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں بے حساب نعمتوں سے نوازا۔انہوں نے حلال نعمتوں کو چھوڑ کر حرام پر منہ مارا اور اس سے اپنی پیاس بجھائی۔یہ دنیا میں معاشرے کے رستے ہوئے ناسور تھے جن کی جراحی دنیا میں ممکن نہ ہو سکی لیکن جہنم میں ایسا ضرور ہوگا۔پس ان کے یہ اعمالِ بد ہی وہاں خون آلود پیپ کی شکل میں متمثل ہو کر ان کی پیاس بجھانے کے لئے مہیا ہوں گے۔دنیا میں حلال انہیں تکلیف دیتا تھا خواہ وہ حلال کمائی تھی یا حلال شہوانی ذرائع اور حرام مرغوب تھا وہاں حرام تکلیف دے گا مگر شدتِ پیاس سے کچھ نہ کچھ پینے پر مجبور ہوں گے۔دنیا میں حق کو قبول نہ کیا کیونکہ قبولِ دین میں موت اور قربانی از بس ضروری تھی نیز دنیوی آسائشوں کے مقابلہ میں بھی دینِ حق کو قبول کرنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔وہاں ان کے گناہ موت کی شکل میں انہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے لیکن مر بھی نہیں سکیں گے کیونکہ موت ایک ہی دفعہ تھی۔اور اس کے ورے بھی ایک سخت عذاب ہوگا۔

۱۹۔**عاصف۔عَصَف**۔اناج کا چھلکا۔بھس۔چُوڑا۔**عاصف** وہ تند ہوا جو ہر چیز کو بھس کی طرح کر دے۔آندھی۔**الشدّ**۔شدّۃ کے معنی مضبوطی، زور اور قوت کے ہیں۔**اشتدّت**۔اس نے زور کیا۔**اشتدّت بهِ الريح**۔اس پر زور کی ہوا چلے۔

ربّ کا انکار اس کی نعمتوں اور طاقتوں کا انکار ہے۔کیونکہ وہ ربّ کو اس کی تمام صفات کے ساتھ نہیں مانتے اس لئے ان کی تمام تگ و دو مادی فوائد حاصل کرنے یا اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے۔اس میں اللہ کی رضا مدِ نظر نہیں ہوتی چونکہ یہ اعمال دنیوی فوائد کے حصول تک ہی محدود ہوتے ہیں اس لئے ان کی محنت و کوشش کوئی اُخروی نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔پس ان کے اعمال اس

بِالْحَقِّ ۚ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۲۰﴾ وَّ
ساتھ حق کے اگر وہ چاہے لے جائے گا تم کو اور لائے گا مخلوق نئی اور

مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۱﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ
نہیں یہ اللہ پر ہرگز مشکل اور وہ نکلیں گے اللہ کیلئے سب کے سب تب کہیں گے

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
کمزور ان لوگوں کو جنھوں نے تکبر کیا کہ یقیناً ہم تھے تمہارے پیرو پس کیا تم

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا
کفایت کرنیوالے ہو ہم سے عذاب اللہ کے کچھ بھی وہ کہیں گے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ
اگر ہدایت دیتا ہمیں اللہ البتہ ہدایت دیتے ہم تم کو برابر ہے ہم پر خواہ گھبرائے ہم یا

راکھ کی طرح ہیں جسے آندھی اڑا لے جائے اور باقی کچھ نہ بچے۔اس سے بڑی بھول اور گمراہی کیا ہو گی جیسا کہ ایک طالبعلم کسی اعلیٰ ملازمت کے لیے محنت کرے تو عام طور پر وہ اسے مل جاتی ہے۔ چونکہ اس میں رضائے الٰہی شامل نہیں اس لئے اس محنت کا وہی فائدہ تھا جو اس نے دنیا میں حاصل کر لیا یہی ان کا حال ہے۔ہاں اگر ایک طالبعلم محنت کرتا ہے اور مقصد اللہ کی خوشنودی ہے کہ علم حاصل کر کے بھی ثواب اور اعلیٰ ملازمت بھی اس کا احسان پھر حلال روزی سے اپنا اپنے متعلقین کا اور حسب توفیق بندگانِ خدا کا بوجھ اٹھانا بھی اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے تو اس کے لئے آخرت میں ضرور اجر ہے۔

۲۰۔۲۱۔ابھی بتلایا کہ جن لوگوں نے رضائے الٰہی کو مدِنظر نہیں رکھا ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ یہاں بتایا کہ زمین و آسمان بلکہ کل کائنات کی پیدائش حق اور حکمت کے تحت ہوئی۔اس پیدائش کا مقصد ہی یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر اس کے وہ بندے حکمران ہوں جو ایسے اعمال بجا لائیں جو رضائے الٰہی کا موجب ہوں اور تعمیری نتائج کے حامل ہوں۔چونکہ کفار اس اصل مقصدِ حیات کو پورا نہیں کر رہے تو اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں کہ انہیں ہلاک کر کے یا ان سے حکومت چھین کر اپنے ان بندوں کو دے دے جو اس مقصد کو پورا کرنے والے ہوں۔''یہاں اس بات کا احتمال ظاہر فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو بنی نوع انسان کو کلیۃً نابود کر کے ایک نئی مخلوق کو زمین کا وارث بنا سکتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں''۔(قرآن کریم اردو ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

۲۲۔**برزوا۔برَزَ**۔سامنے آ کھڑے ہونا۔نکل آنا۔ **مغنون۔اغنی۔اغنیٰ عنه** اس کی تکلیف خود اٹھا کر اس کو بچالیا۔**مایغنی عنک هذا**۔یہ بات تجھے کوئی فائدہ نہ دے سکے گی۔ **محیص**۔حیص ایک چیز سے الگ ہونا۔**محیص**۔بھاگنے کی جگہ۔بچاؤ کی جگہ۔

ع ۳ ۹ ۱۵ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا
صبر کیا ہم نے نہیں ہمارے لیے کوئی بچنے کی جگہ اور کہے گا شیطان جب

قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ
فیصلہ کیا جائیگا معاملہ کا یقیناً اللہ نے وعدہ کیا تھا تم سے وعدہ سچا اور وعدہ کیا تھا میں نے تم سے

فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ
پس خلاف کیا میں نے تم سے اور نہیں تھا میرا تم پر کوئی غلبہ سوائے اسکے کہ

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا
بلایا میں نے تم کو پس بات مان لی تم نے میری پس نہ ملامت کرو مجھے اور ملامت کرو

اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّيْ
نفسوں کو اپنے نہیں میں فریاد پر پہنچنے والا تمہاری اور نہ تم فریاد رس ہو میرے یقیناً

كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
میں نے انکار کیا اس کا کہ شریک بنایا تم نے مجھے پہلے سے یقیناً ظالم وہ ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
ان کے لیے عذاب ہے دردناک اور داخل کئے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیں

لوگوں کے اس خیال کا ردّ کیا کہ کمزور اور ماتحت لوگوں کا بار ان اکابر پر پڑے گا جن کے پیچھے وہ چلتے تھے۔ دنیا میں تو یہی ہوتا تھا کہ کمزور اور تابع لوگ آنکھیں بند کر کے اپنے آقاؤں کے پیچھے چلتے تھے اور وہ آقا کسی حد تک ان کے ذمہ دار سمجھے جاتے تھے۔لیکن قیامت کے دن آقا و غلام ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے اور خود کو بڑا سمجھنے والے آقا اپنے ماتحتوں کی مدد سے معذوری کا اظہار کریں گے اور ان سب کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں ہوگی۔یہاں ماضی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور ترجمہ مستقبل کا کیا گیا ہے۔(عربی کا محاورہ ہے کہ جب کسی مستقبل کے امر کے یقینی ہونے پر زور دینا ہو تو ماضی کا صیغہ استعمال ہوتا ہے ایسا قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہے)

۲۳۔**مصرخ۔صَرخة**۔زور کی آواز جو مصیبت کے وقت مدد کے لئے بلند کی جاتی ہے۔**مُصرِخ**۔مدد کرنے والا۔فریاد کو پہنچنے والا۔**صَارخ**۔فریادی۔

اس رکوع میں حق و باطل کو شجرِ طیبہ اور شجرِ خبیثہ کی مثالوں سے واضح کیا۔حقیقت یہی ہے کہ شیطان اور اس کے اظلال کا انسان پر کوئی اختیار نہیں جس طرح فرشتے نیکی کی تحریک کرتے ہیں اسی طرح شیطان بدی کی طرف بلاتا ہے۔انسان اپنی بدبختی سے اس دعوت کو قبول کر لیتا ہے۔انسان کا

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
نیکیاں باغات میں بہتی ہوں گی نیچے ان کے نہریں رہ پڑنے والے ہونگے

فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ
ان میں ساتھ حکم کے رب کے اپنے دعاءِ ملاقات ان کی ان میں سلام ہوگا کیا نہیں دیکھا تو

كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
نے کو کس طرح بیان کی اللہ نے مثال بات اچھی کی مانند درخت

طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۲۵﴾ تُؤْتِيْٓ
اچھے کے جڑ جس کی گڑی ہوئی ہے اور شاخ جس کی آسمان میں ہے وہ دیتا ہے

اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
پھل اپنا ہر وقت ساتھ حکم کے رب اپنے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ
لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور مثال بات بُری کی

اُسے خدائی میں شریک کرنا یہی ہے کہ اس کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح کرے۔ حالانکہ اس نے کبھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں تھا۔ پس شرک کرنے والے ظالموں کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔

۲۴۔ **تحیّہ**۔ اسم مصدر ہے۔ یعنی دعائے ملاقات۔ تحفہ۔

جنت میں داخل ہونا خدا کے حکم اور فضل و احسان سے ہے نہ کہ انسان کا استحقاق۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ تو اپنے اعمال سے جنت میں جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں عائشہ! میں بھی اپنے ربّ کے فضل سے ہی جنت میں جاؤں گا۔ (بخاری کتاب الرقاق) آپ ﷺ نے ایسا اس لئے فرمایا کہ جن اعضاء و قویٰ سے نیک کام کرنے کی توفیق ہوئی وہ خداتعالیٰ ہی کے عنایت کردہ تھے۔ توفیق بھی اسی کے فضل و احسان سے ملی۔ پس ان اعمال کے بدلہ میں جو کچھ ملا محض اللہ کا فضل ہے نہ کہ کسی کا حق۔

۲۵۔ ۲۶۔ ان آیات کی بہترین تشریح حضرت مصلح موعودؓ نے فرمائی۔ (اسی سے استفادہ کیا گیا ہے) پچھلی آیات میں شیطانی راہوں پر چلنے والوں کے لئے تباہی اور مومنین کے لئے انعامات کا ذکر تھا۔ طبعاً انسان ان منعمین میں شامل ہونا چاہتا ہے لیکن وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ مختلف کتب الٰہیہ میں سے اس وقت کونسی قابلِ عمل اور جنت تک پہنچانے والی ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم نے ایک کسوٹی کو پیش کیا وہ یہ ہے کہ جو کتاب ان صفات کی حامل ہوگی وہی قابلِ عمل اور جنت تک پہنچانے

والی ہوگی۔ اس کسوٹی پر قرآن پاک اور دوسری کُتب الٰہیہ کو پرکھ کر دیکھئے اور صحیح فیصلہ پر پہنچئے۔ یہاں کلمہ طیبہ یعنی تازہ، محفوظ اور نہ بگڑے ہوئے کلامِ الٰہی کی مثال شجرِ طیبہ سے دی ہے جس کی چار صفات بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ پہلی صفت یہ بتائی کہ وہ طیّب ہے۔ یعنی ظاہری اور باطنی طور پر حسین ہے اور ہر نقص سے پاک ہے۔ جہاں تک ظاہری حُسن کا سوال ہے تو عرب جنہیں اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا وہ قرآنی زبان کی بلندی و وسعت کے سامنے سرنگوں تھے اور ایک آیت بھی اس کے مقابلے میں پیش نہیں کر سکے۔ باطنی حسن کا یہ حال ہے کہ انسانی زندگی کا کونسا پہلو ہے جس کی رہنمائی اس کتاب نے نہیں کی۔ روحانیت سے لے کر اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی غرض ہر پہلو سے انسان کی صحیح رہبر ہے گویا ایک کامل شریعت ہے۔ طیّب کے معنی صفائی اور پاکیزگی کے بھی ہیں اس پہلو سے بھی قرآن پاک اپنی مثال آپ ہے۔ روحانی پاکیزگی کا یہ حال ہے کہ قرآن کریم نے میاں بیوی کے تعلقات سے لے کر عورتوں کی مخصوص باتوں تک کو اتنی پاکیزگی سے بیان کیا کہ نازک سے نازک طبیعت پر بھی گراں نہیں گزرتیں۔ روحانی پاکیزگی کے ساتھ ظاہری و جسمانی پاکیزگی اور صفائی کو اپنے کمال تک پہنچایا۔ طیب کے معنی لذیذ و شیریں کے بھی ہیں۔ مختلف طبائع کے لوگوں کے لئے دوسری کتابوں پر عمل کرنا ناممکنات میں سے ہے اور وہ سخت بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن کسی بھی مزاج کا شخص جو ایک دفعہ قرآن کریم کا حقیقی طور پر مزہ چکھ لے۔ وہ جوں جوں اس پر غور کرتا اور عمل کرتا ہے مزید لطف اٹھاتا ہے اور کبھی بیزار یا بدمزہ نہیں ہوتا۔ طیّب تازہ کا مفہوم بھی دیتا ہے۔ جو ملاوٹ سے پاک ہو۔ پرانا اور باسی نہ ہو۔ یہ صفت بھی سوائے قرآن کریم کے کسی الہامی کتاب میں نہیں۔ یہ تحریف سے پاک ہے اور ہر زمانہ کی ضرورت کے تحت تازہ بتازہ معانی و معارف اور دلائل و براہین پیش کرتا ہے۔

۲۔ دوسری صفت بتائی کہ **اصلُها ثابتٌ**۔ اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی اس کی تعلیم پختہ ہے اور مرورِ زمانہ سے اس کے اصول و قوانین بدلتے نہیں۔ جس طرح درخت اپنی غذا اپنی جڑ سے لیتا ہے اسی طرح اس کے تمام دلائل و براہین خدا کے عطا کردہ ہیں۔ مضبوط جڑ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حوادثِ زمانہ سے جھکے گا نہیں اور نہ حوادثِ زمانہ کی آندھیاں اسے اکھاڑ سکیں گی۔ یعنی نکتہ چینی اور اعتراضات اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جس طرح مضبوط جڑ زمین میں دور تک پھیل جاتی ہے اس طرح لوگوں کے دلوں پر اس کا اثر دور رس ہوتا ہے۔ جس طرح مضبوط جڑ والا درخت تبدیلیٔ موسم سے متاثر نہیں ہوتا اسی طرح اس پاک کلام پر تبدیلیٔ زمانہ کا اثر نہیں ہوتا۔ کوئی نیا علم یا ایجاد اس کی تعلیم پر اس طرح

كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۣاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ
مانند درخت بُرے کی ہے جو اکھڑ گیا اوپر سے ہی زمین کے نہیں اس کے لیے
قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي
ٹھہرنا ثابت قدم رکھتا ہے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ بات مضبوط کے

اثر انداز نہیں ہوتے کہ وہ محو ہو جائے یا اس کی وقعت کم ہو جائے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جوں جوں جدید علوم اور سائنس ترقی کر رہی ہے قرآنی علوم پر مہر تصدیق ثبت ہو رہی ہے۔ جس طرح درخت کی جڑ پانی سے سیراب ہوتی ہے اسی طرح اس کی جڑ وحی الٰہی کے پانی سے سیراب ہوتی ہے اور ہر زمانہ میں جیسی ضرورت ہوتی ہے اس کے مطابق اس کی آبیاری کے لئے کوئی نہ کوئی ملہم کھڑا ہو جاتا ہے۔

۳۔ **فرعھا فی السمآء**۔ اس کی شاخیں آسمان تک بلند ہیں یعنی اس پر عمل کر کے خدا تک پہنچا جا سکتا ہے۔ شاخوں کی بلندی اس کی اعلیٰ تعلیم بھی ہے جو بلند اخلاق و مقاصد کی آئینہ دار ہے۔ 'فی' میں شاخوں کے پھیلنے کا اشارہ ہے۔ گویا فروعاتِ دین یعنی تفصیلاتِ شریعت کو وضاحت سے بیان کرنے والی ہیں۔ شاخوں کے پھیلاؤ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں مختلف مزاج اور فطرت کے لوگ آرام و سکون حاصل کر سکیں گے اور مستفید ہو سکیں گے۔

۴۔ چوتھی خوبی خدا کے حکم سے ہمیشہ پھل دینا ہے یعنی اس کی اتباع میں خدا رسیدہ لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کی صفات کے حامل ہوں گے۔ نیز نئے قبولِ حق کرنے والے بھی تازہ پھل کے مترادف ہوں گے۔ ضرورتِ زمانہ کے تحت موثر نئے مطالب و معانی بھی گویا تازہ پھل ہی ہیں۔ ان صفات کی حامل کتاب کی دشمن بھی تعریف کرنے پر مجبور ہیں اور قرآنی قوانین اور اصولوں کی برتری تسلیم کرتے ہیں۔ پس اس کسوٹی پر صرف قرآن کریم ہی پورا اترتا ہے۔ قرآن کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں جو ان تمام صفات کی حامل ہو۔ پس یہی ایک کتاب ہے جو ہر زمانے کی ضروریات کو پورا کرنے والی اور قابل عمل ہے اور بندے کو اپنے رب سے ملاتی ہے جو اس کی زندگی کا مقصودِ حقیقی ہے۔ فرمایا یہ سب مثالیں ہیں ان کو بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور فائدہ اٹھائیں ورنہ ظاہر میں ایسا کوئی درخت نہیں جس کی شاخیں آسمان تک جائیں اور وہ ہمیشہ پھل دے۔

۲۷۔ **اجتثت**۔ کسی چیز کا جثہ اس کا وجود ہے۔ **اجتثات**۔ اس کے جثہ کا نکال پھینکنا ہے۔

اب کلمہ خبیثہ کی مثال شجرِ خبیثہ سے دی اور بتایا کہ شجرِ طیبہ یعنی قرآن پاک کے مقابلہ میں تمام کتبِ سابقہ اور عقائد باطلہ گویا شجرِ خبیثہ ہیں جن کی جڑ آسمانی غذا یعنی تازہ وحی الٰہی نہ ملنے کی وجہ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ
زندگی دنیا میں اور آخرت میں اور گمراہ ٹھہراتا ہے اللہ ظالموں کو
وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا ع ۴ ۱۶
اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے کیا نہیں دیکھا تو نے طرف ان لوگوں کی جنہوں نے بدل دیا
نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۹﴾ جَهَنَّمَ ۚ
نعمت کو اللہ کی کفر سے اور اتارا قوم کو اپنی گھر میں ہلاکت کے (یعنی) جہنم میں کہ
يَصْلَوْنَهَا ۚ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا
داخل ہوں گے اس میں اور کیا ہی برا ہے ٹھہرنا اور بنائے انہوں نے اللہ کے شریک

سے سوکھ چکی ہے گویا اب ان پر عمل کر کے خدا تک رسائی ممکن نہیں۔ جسے زمین سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہو یعنی اس کی تعلیم قابلِ عمل نہ ہو اور فطرتِ انسانی اسے قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔ فرمایا اسے ثبات نہیں یعنی اس کی تعلیم کے کہیں پاؤں نہیں جم سکتے، نہ اعتراضات کے سامنے ٹھہر سکتی ہے اور نہ اعلیٰ اخلاق کی حامل ہے۔ پس یہ درخت اس قابل ہیں کہ ان کی جگہ نیا درخت لگایا جائے۔

۲۸۔ کلمہ طیبہ کے نتیجہ میں قولِ ثابت پیدا ہوتا ہے جو مومنوں کے لئے ثبات کا باعث ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ لوگ جو ایمان لائے، قرآنی احکام و قوانین پر کماحقہٗ عمل پیرا ہوتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں **قول الثابت** یعنی کشوف و الہام اور دلائل و براہین سے نوازے جاتے ہیں اور ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جس کے بعد بفضل تعالیٰ ایمان کبھی متزلزل نہیں ہوتا۔ آخرت میں بھی آخرت کی ہولناکی اور شدائد پر سکون اور ثابت قدمی ہے لیکن ظالم چونکہ خود ہی ہدایت کے خواہاں نہیں ہوتے اس لئے ظلم کا طریق اختیار کرتے ہیں۔ پس اللہ بھی انہیں زبردستی ہدایت نہیں دیتا اور گمراہی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی ہوتا ہے۔

اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یعنی قرآن کو دنیا میں قائم کرنا اور اس کے مخالفین کی تباہی ایسے امور ہیں جنہیں پورا کر کے دکھائے گا۔

۲۹۔۳۰۔ **بوار**۔ کساد بازاری۔ بھاؤ گر جانا۔ نقصان و ہلاکت۔

اس رکوع میں بتایا کہ کلمہ طیبہ کا انکار اللہ کی ایک عظیم نعمت کی ناقدری ہے جس کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی ہوگا۔ جبکہ اسے قبول کرنے والوں کے لئے دنیوی اور اخروی نعمتیں ہیں۔ کلمہ طیبہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عظیم نعمت سے نوازا لیکن سردارانِ قوم ہی اصل مجرم ہیں جنہوں نے اس نعمت کا انکار کر کے ناشکری کی اور اپنے ساتھ پوری قوم کو جہنم اور ہلاکت میں ڈالا۔

لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ
تاکہ گمراہ کریں راہ سے اس کی تو کہدے فائدہ اُٹھا لو پس یقیناً ٹھکانا تمہارا
اِلَى النَّارِ ﴿۳۱﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا
طرف آگ کے ہے تو کہدے بندوں کو میرے وہ جو ایمان لائے قائم کریں
الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ
نماز اور خرچ کریں اس سے جو دیا ہم نے ان کو پوشیدہ اور ظاہر
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۲﴾ اَللّٰهُ
پہلے اس کے کہ آوے ایک دن کہ نہیں خرید و فروخت اس میں اور نہ دوستی اللہ
الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
وہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور اتارا بادل سے
مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ
پانی پس نکالے ساتھ اس کے پھل بطور رزق کے تمہارے اور کام میں لگا دیں

۳۱۔ پھر اس سے بھی بڑی ناشکری یہ کہ منعم حقیقی کے ساتھ دوسروں کو شریک کیا۔ اس طرح عوام کو اللہ کے راستے سے برگشتہ کر دیا۔ بیشک خواص اور قومی لیڈر ہی گمراہ کرنے والے ہیں لیکن عوام بھی برابر کے مجرم ہیں جو آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلے۔ پس کچھ عارضی فوائد حاصل کر لو آخر تمہیں آگ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۳۲۔ **بیع** کے معنی بیچنے اور شراء کے معنی خریدنے کے ہیں یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ **خلٰل** ۔ خُلّہ کی جمع ہے۔ ایسی دوستی جس میں کوئی خلل نہ ہو اسی سے خلیل ہے۔ یہ دوستی اور محبت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔ گویا ایسی محبت جو نس نس میں سما جائے۔

کفار کی ناشکری کے ذکر کے بعد اپنے شکر گزار بندوں کا ذکر کیا جنہیں "میرے بندے" کہ کر پکارا۔ یہ وہ بندے تھے جنہوں نے کلمہ طیبہ کو قبول کیا۔ انہیں بتلایا کہ قول ثابت کی برکات کے جلد حصول کے لئے نماز کو ہمیشہ اس کی تمام شرائط کے ساتھ عمدگی سے ادا کریں جو حقوق اللہ ہے۔ پھر اپنے اموال اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو مخفی طور پر بھی اور اعلانیہ طور پر بھی، جو طریق بھی بہتر اور مناسب ہو بندگان خدا کی بہبود پر خرچ کریں جو کہ حقوق العباد ہے۔ اس صلوٰۃ و زکوٰۃ کا بدلہ آخرت میں جنت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہاری جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ خرید لیا۔ آخرت میں ایسی کوئی بیع و شراء یا دنیوی دوستی نہیں ہوگی جو تمہیں جہنم سے بچا سکے۔ (زکوٰۃ و صلوٰۃ کی تفسیر کے لئے سورۃ بقرہ: ۴ و ۴۴)

لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
تمہارے لیے کشتیاں تاکہ چلیں سمندر میں ساتھ حکم کے اس کے اور کام میں لگا دیئے تمہارے
الْاَنْهٰرَ ﴿۳۳﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ
لیے دریا اور کام میں لگا دیئے تمہارے لیے سورج اور چاند گردش کرنیوالے
وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۴﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا
اور کام میں لگا دیئے تمہارے لیے رات اور دن اور دیا اس نے تم کو ہر وہ
سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ
مانگا تم نے جسے اور اگر شمار کرو تم نعمت کو اللہ کی نہ گن سکو گے تم اسے

۳۳-۳۴۔ **سخر**۔ ہر طرح سے خدمت پر مامور کر دیا۔ **دآئبین۔ داءب**۔ مسلسل و لگاتار چلنا۔

ان آیات میں اپنی بے شمار نعمتوں کا ذکر کیا اور پانچ دفعہ 'لکم' کا لفظ آیا کہ زمین و آسمان کی تمام نعمتیں مومنین کے لئے ہیں۔ پھر ان کی وساطت سے کل بنی نوع انسان کے لئے ہیں۔ کیا مسلمانوں نے باستثنیٰ معدودے چند کبھی غور کیا کہ زمین و آسمان کی پیدائش، پانی کا برسنا اور انواع و اقسام کے ثمرات کا پیدا ہونا قدرت کی کروڑہا کروڑ سال کی سعی مسلسل کا نتیجہ ہے۔ کبھی کسی نے ان قوانین قدرت کو جاننے کی کوشش کی جن کی وجہ سے کشتیاں اور دیو ہیکل جہاز انسانی فوائد کے لئے سمندر کے سینے کو چیرتے ہوئے رواں دواں ہیں۔ نیز دریا و انہار جو کئی طرح سے انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ پھر ایک قاعدہ کے تحت گردش کرنے والے آفتاب و ماہتاب اور لیل و نہار جو تمہارے فائدہ کے لئے مصروف کار ہیں۔ اگر قوانین خداوندی سے ذرا بھی انحراف کریں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔

مغربی مفکرین نے تسخیر کائنات پر ہزاروں کتابیں لکھیں۔ بجلی۔ پانی اور دیگر قدرتی وسائل کو انسانی فوائد کے لئے استعمال کیا اور ہزاروں ایجادات کیں لیکن جن کے لئے یہ سب کچھ مسخر کیا گیا وہ ان سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان، چاند اور سورج غرض کل کائنات یہ سب تیری روٹی کی فکر میں ہیں۔ اگر غلام آقا کا نمک کھائے اور فرمانبرداری نہ کرے تو نمک حرام کہلاتا ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے انسان پر کہ اللہ تعالیٰ کے لا انتہا انعام و اکرام اس پر ہوں اور وہ غفلت کی زندگی گزارے۔ (الحکم ۷/۱۴ جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۶ سے استفادہ کیا گیا)

۳۵۔ **تحصوا۔ حصیٰ**۔ کنکری۔ چونکہ کنکریوں سے گنتی کی جاتی تھی اس لئے اس کے

ع ۵/۷ ۱۷ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ
یقیناً انسان البتہ بہت ظلم کرنیوالا ناشکر گذار ہے اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے

اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ
بنا یہ شہر امن والا اور بچا مجھے اور بیٹوں کو میرے کہ ہم عبادت کریں

معنی گنتی کے بھی ہیں۔ **ظلُوم کفّار**۔ مبالغہ کے صیغے ہیں۔ بڑا ظالم۔ بڑا ناشکرا۔

آیت : ۲۸ میں ان مخلصین کا ذکر ہے جو قرآنی احکام پر عمل پیرا ہو کر کشوف والہام سے نوازے گئے اس آیت کی تشریح میں کچھ آیتیں آئیں اب ان کی دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کیا جو نے اپنے رب سے صرف اس کی رضا مانگی۔اس کے علاوہ انہیں ہرگز کوئی دنیوی خواہش نہیں تھی اللہ نے بھی انہیں وہ سب کچھ دیا جو انہوں نے مانگا اور ان سے راضی ہوا بلکہ وہ بھی دیا جو انہوں نے نہیں مانگا یعنی دنیوی نعمتیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جو کچھ تم نے زبان حال سے مانگا وہ سب کچھ تمہیں مل گیا (کشاف بیضاوی) اللہ کی نعمتیں بے حد و حساب ہیں اگر تم اس کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم ان کا احاطہ نہیں سکتے۔ یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے۔ پھر ان نعمتوں کو جنہیں خدا نے تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا تم اپنا معبود بنا لو تو یہ بڑی بے انصافی اور ناشکری ہو گی۔ پس قبولیت کی شرط صرف اسی دعا کے لئے ہے جو اس کے صالح بندے رضا الٰہی کے لئے کریں۔ ہاں مخلصین کی دوسری دعائیں بھی عام طور قبول ہوتی ہیں مگر شرط نہیں۔اس لئے اگر کسی کو مالی تنگی یا کوئی اور دنیوی حاجت ہے تو ہو سکتا ہے کہ اسے مانگنے کا سلیقہ نہ ہو اور ان قوائد و قوانین سے آگاہی نہ ہو جو قبولیت دعا کے لئے ضروری ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء کا لحاظ رکھنا بھی از بس ضروری ہے۔ نیز دعا میں کوشش و مجاہدہ بھی شامل ہے ممکن ہے اس میں کمی رہ گئی ہو یا اس کی اپنی ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہو جو قبولیت دعا میں روک ہو یا بطور ابتلاء بھی ممکن ہے۔ورنہ اس نے تو انسان کی پیدائش سے پہلے ہی سب سامان مہیا فرما دئے تھے۔بعض اوقات خدائی انعامات کا غلط استعمال اور دوسرے غیر صالحہ اعمال بھی قبولیت دعا میں روک ہوتے ہیں۔بعض دفعہ کسی دعا کا قبول ہونا انسان کے لئے بہتر نہیں ہوتا۔تا ہم اللہ تعالیٰ دعاؤں کو ضائع نہیں کرتا اور کسی نہ کسی رنگ میں اجر ضرور دیتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **اٰتٰكم من كلّ ماسالتموه** میں

الْاَصْنَامَ ﴿۳۶﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ
بتوں کی اے رب میرے یقیناً انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو آدمیوں میں سے

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ
پس جس نے پیروی کی میری پس وہ یقیناً مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی میری تو یقیناً تو بہت بخشنے والا

ایک عام قانون قدرت کا بیان ہے کہ تمہاری ضرورتوں کے مطابق ہمیشہ تمہیں دیا۔ انسانی ترقی کا کوئی دور بھی ایسا نہیں کہ انسان کو ضرورت پیش آئے اور وہ چیز مہیا نہ ہو۔ تسخیر کائنات کے تعلق میں بھی جو کچھ ضروری تھا سب کچھ مہیا کر دیا لیکن انسان نے پھر بھی اپنے ربّ کو نہیں پہچانا۔ اس لئے کہ وہ بڑا ہی ظالم اور ناشکرا ہے۔ یہاں ظالم مشرک کے معنوں میں کہا کیونکہ بیشتر بڑے بڑے سائنسدان مشرک ہیں۔وہ عیسائی ہیں یا دہریہ۔اگر یہودی ہیں تو بھی اپنے مذہب پر قائم نہیں۔ جیسے مشہور سائنسدان Dan Brown جسکی کتاب Da Vinci Code اس وقت دنیا میں Best Seller ہے۔جس میں اس نے عیسیٰؑ کی وفات ثابت کی۔نیز Galileo Galilie وغیرہ یہودی نژاد ہیں۔

۳۶۔**اجنبنی۔ جَنَبَ**۔اصل معنی پہلو اور قریب کے ہیں۔کبھی اجتناب کے معنی دیتا ہے یعنی دور رکھنا اور بچنا۔

اس رکوع کی سات آیات میں حضرت ابراھیمؑ کی سات دعائیں ہیں [illegible] دفعہ ہی آپ نے ربّ یا ربّنآ کہہ کر پکارا ہے۔انسان پر اللہ تعالیٰ کی مادی نعمتوں کے ذکر کے بعد روحانی نعمتوں کا ذکر کیا۔اس رکوع کے آگے اور پیچھے مخالفین انبیاء کے انجام بد کا ذکر ہے۔درمیان میں دعائے ابراھیمی بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی کامیابی کے لئے ہزاروں سال پہلے سے ایک اولوالعزم نبی کی زبان سے دعائیں مانگی گئیں۔اس لئے آپ ﷺ کے مخالفین کی کوششیں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گی۔ایک چھوٹا سا گاؤں جو چند جھونپڑیوں پر مشتمل تھا حضرت ابراھیمؑ کی کشفی آنکھ اسے ایک شہر کی صورت میں دیکھتی ہے اور آپ اس کے لئے امن و سلامتی کی دعا مانگتے ہیں جو خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔جس کے نتیجہ میں مکّہ آج تک جائے امن ہے۔پھر خود کو اور اپنی اولاد کو شرک سے دور رکھنے کی دعا کرتے ہیں اس خطرے کے پیش نظر کہ شرک کے دور قوموں پر آتے رہتے ہیں۔حضرت ابراھیمؑ جیسے موحد کے لئے شرک سے بچنے کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ شرک محض بتوں کی پوجا کرنا ہی نہیں بلکہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر نفس کے پیچھے لگنا بھی نفس کی پوجا اور ایک طرح کا شرک ہے۔اسی لئے

رَحِيْمٌ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ

بہت رحم کرنیوالا ہے اے رب ہمارے یقیناً میں نے بسائی ہے اولاد اپنی ایک وادی میں کہ نہیں

ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کھیتی والی پاس گھر تیرے عزت والے کے اے رب ہمارے تا کہ وہ قائم کریں نماز

فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ

بس کا کر دلوں کو لوگوں کے کہ جھکیں طرف ان کی اور رزق دے انہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مصیبت زدہ کی دعا یہ ہے:۔ ''اے اللہ تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے ایک لمحہ کے لئے ،پلک جھپکنے کی مدت کے لئے بھی اپنے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور میرے معاملہ کی اصلاح فرمادے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں'' (مسند احمد بن حنبل۔ مسند البصریین) پس انبیاء توبہ واستغفار یا شرک سے بچنے کی دعا ،اعلیٰ ترین مراتب کے لئے خدا سے طاقت وتوفیق طلب اور خفی در خفی شرک سے بچنا ہے۔

۳۷۔ یہ کہنا کہ بتوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ایسا ہی ہے جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے کہ وڈیو بعض مواصلاتی چینلز وغیرہ نے نوجوان نسل کو گمراہ کیا۔ بت یا وڈیو وغیرہ بے جان ہیں اس لئے مراد یہ ہے کہ بتوں کی پوجا کرنا یا وڈیو وغیرہ کے غیر اخلاقی پروگرام دیکھنا گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کی اس دعا کے باوجود آپ کی اولاد شرک کی مرتکب ہوئی۔ اس کا جواب آپ خود ہی دیتے ہیں اپنے ربّ کی محبت کو اولاد پر ترجیح دیتے ہیں اور اسے اپنی اولاد کہتے ہیں جو شرک سے پاک اور آپ کے طریق پر گامزن ہو پس آل محمدؐ اور آل ابراھیمؑ میں روحانی اولاد مراد ہے جن پر درود کی برکات نازل ہوتی ہیں اور جو روحانی طور پر آپ کے انوار وفیوض سے بہرہ ور ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اٰل سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیک اور متقی آدمی میری اٰل میں شامل ہے۔(المعجم الصغیر للطبرانی باب الجیم من اسم جعفر جلد ۱ صفحہ ۱۱۵۔ الدر المنثور صفحہ ۱۸۳/۳) آپ حلیم واوّاب تھے اس لئے نافرمانوں کے لئے یہ نہیں کہا کہ وہ میری اولاد نہیں یا یہ کہ تو انہیں سزا دے۔ بس یہی کہا کہ تو بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے تو ان کو بھی اپنی مغفرت اور رحمت کی چادر میں لپیٹ لے گا۔ اگرچہ بار بار مخالفینِ انبیاء کا انجام ہلاکت و بربادی بتایا لیکن اس دعا کے نتیجہ میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین بہت کم ہلاک ہوئے زیادہ کو ہدایت نصیب ہوئی اور خدائی نعمتوں سے نوازے گئے۔

مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ

پھلوں سے تاکہ وہ شکر کریں اے رب ہمارے یقیناً تو جانتا ہے

مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور نہیں پوشیدہ ہوتی اللہ پر کوئی بھی چیز

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۳۹﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ

زمین میں اور نہ آسمان میں سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے عطا کئے

۳۸۔ تهوي ۔ هَوَى کسی چیز کا یا اس کی محبت کا دل پر غالب آنا ہے۔ اسی سے ہوا و ہوس ہے۔ هــوِیّ ۔ اوپر سے نیچے یا نیچے سے اوپر جانا۔ ہوا جو زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

تهوي اليهم ان کی طرف مائل ہونا یا جھکنا۔

حضرت ابراھیم خلیل اللہ اپنے ربّ سے مناجات کرتے ہیں اور دعا میں درد پیدا کرنے کے لئے وہ وقت یاد کروا رہے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! تیرے حکم سے میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو ان ویرانوں میں لا کر بسایا ہے تا کہ وہ تیرے گھر کے پاس رہ کر عبادت کا حق ادا کریں اور تیری رضا کو حاصل کرنے والے ہوں۔ عبادت میں سب سے پہلے نماز کا ذکر کیا۔ پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے یعنی یہ بہترین داعی الی اللہ ہوں۔ پورا سال اور خاص طور پر حج کے زمانہ میں انسانوں کا جم غفیر آپ کی دعا کی قبولیت کا بیّن نشان ہے۔ آپ جانتے تھے کہ اس بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں کچھ پیدا نہیں ہوتا مگر اپنے ربّ پر توکل کی انتہا ہے کہ ان کے لئے روحانی رزق کے ساتھ مادی رزق یعنی پھلوں کی دعا کرتے ہیں۔ یہ دعا اس وقت کی گئی جب ذرائع آمد و رفت نہایت محدود ہونے کی وجہ سے باہر سے پھل آنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اسی دعا کی برکت ہے کہ مکہ میں دنیا کے انواع واقسام کے بہترین پھل اور دنیا کی ہر نعمت پہنچی۔ ان صحراؤں میں تیل کا نکل آنا اور سونے کے ذخائر کی دریافت بھی اسی پھل کا حصہ ہے۔ روحانی پھل بھی مراد ہے کہ ان کی عبادتیں اور قربانیاں بہترین نتائج پیدا کریں اور ان نعمتوں کی وجہ سے یہ تیرے شکر گزار بندے بنیں۔

۳۹۔ بائبل نے حضرت ابراھیمؑ پر الزام لگایا کہ سارہ کو خوش کرنے کے لئے آپ بے گناہ ماں اور بچے کو صحرا میں بے یارو مددگار چھوڑ آئے۔ یہاں آپ کی زبان سے ہی اس الزام کا ردّ فرمایا کہ اے ہمارے ربّ! تو ہی ہماری چھپی اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ میری نیت تجھ سے پوشیدہ نہیں کہ یہ قدم میں نے محض تیری رضا کے لئے ہی اٹھایا ہے۔ اللہ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کے قول کی تصدیق کی۔

لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ

مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق یقیناً رب میرا البتہ خوب سننے والا

الدُّعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ

ہے دُعا کا اے رب میرے بنا مجھے قائم کرنیوالا نماز کا اور اولاد کو میری

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۱﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَ

اے رب میرے اور قبول کر دعا میری اے رب ہمارے بخشش مجھے اور ماں باپ کو میرے اور

لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۲﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ ع ۶ ۱۸

مومنوں کو جس دن قائم ہوگا حساب اور نہ ہرگز گمان کرتو اللہ کو

۴۰۔ اپنے پیارے پہلوٹھے لختِ جگر کو اپنے ربّ کے حکم پر جنگل میں بظاہر بے آسرا چھوڑ اللہ کی حمد و ثنا میں لگ جانا اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرنا کہ اسی کا فضل و احسان تھا کہ دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق جیسے نیک اور فرمانبردار فرزندوں سے نوازا۔ یہ ابراھیمؑ جیسے جلیل القدر نبی ہی کے شایانِ شان ہے کہ بعد میں بھی اسی پہلوٹھے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

۴۱۔ یہ آپ کی نہایت جامع دعا ہے جس میں کسی دنیوی خواہش کا ذکر نہیں۔ اگر مانگا تو صرف یہ کہ اے میرے ربّ! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنائیو۔ یعنی میں اور میری اولاد نہ صرف خود نمازوں پر قائم ہوں بلکہ ان کے ذریعہ سے دنیا میں ہمیشہ نماز قائم رہے۔ وہ نماز کی طرف بلانے والے ہوں۔ اسی دعا کا نتیجہ تھا کہ آپ کی اولاد میں سے وہ انسان کامل پیدا ہوا جو نمازوں کو قائم کرنے والا تھا۔ اس میں ہم سب کے لئے سبق ہے کہ ابراھیمی انعامات پانے کے لئے اسی ابراھیمی انداز سے مانگیں۔ سب سے اوّل نماز ہی ہے جو آپ کی اصل دعا تھی کہ خود بھی اس پر قائم ہو جائیں اور اولاد کو بھی اس پر قائم کریں۔ پھر باقی کام وہ ربِ رحیم اپنے فضل سے خود سنوار دے گا۔ نماز پر خود قائم ہونا اور اولاد کو قائم کرنا یہ معمولی بات نہیں بلکہ پوری زندگی کا جہاد ہے جس میں انسان بفضل تعالیٰ کوشش اور دعا سے کامیاب ہوسکتا ہے۔

۴۲۔ **غفر** کے لفظی معنے چُھپانے اور ڈھانپنے کے ہیں۔ مراد گناہوں پر پردہ ڈالنا۔

(اس آیت کی تفسیر میں تفسیر کبیر از خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے استفادہ کیا گیا ہے) غفر کے معنی ہر شخص کے حسب مراتب ہوں گے۔ نبی کا استغفار یہ ہے کہ مجھے ڈھانپ لے، میرا وجود مٹا دے اور اپنا وجود میرے ذریعہ سے ظاہر فرما۔ اعلیٰ درجہ کے مومنین کا استغفار یہ ہے کہ جو کمزوریاں حصول کمال میں

غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ

غافل اس سے جو کرتے ہیں ظالم سوائے اسکے نہیں کہ مہلت دیگا وہ انہیں اس دن تک

تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۳﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ

کہ پھٹی کی پھٹی رہ جائیں جس میں آنکھیں خوفزدہ ہوکر دوڑنے والے ہونگے اور اٹھائے ہونگے سروں کو اپنے

لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۴﴾ وَاَنْذِرِ

نہ پھرے گی طرف ان کی نگاہ ان کی اور دل ان کے بیٹھے جارہے ہونگے اور ڈرا

مانع ہیں ان سے بچا لے۔ درمیانہ درجہ کے مومنین کے لئے معنی یہ ہوں گے کہ میری خطاؤں کو ڈھانپ کر اعلیٰ ترقیات کی توفیق دے۔ عام مومنین کے لئے یہ کہ استقلال عطا کر پچھلے گناہ معاف فرما اور آئندہ گناہوں سے بچا۔

یوم یقوم الحساب ٥ یہ حساب دنیا میں ہی شروع ہو جاتا ہے اور آخرت میں بھی ہوگا۔ دعا کے عام معنی یہ ہیں کہ میری بشری کمزوریوں کو ڈھانپ دیجیو اور اس روز وہ سلوک کیجیو جو تیری شان کے مطابق ہے نہ کہ وہ جو میرے اعمال کے مطابق ہے۔ اسی طرح اس دن میرے والدین اور مومنین کو بھی اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ دیجیو۔ سورۃ التوبہ ۹۔۱۱۴ میں **اَبٌ** سے مراد آپ کے چچا تھے والد نہیں جن سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اس لئے یہاں اپنی خاص دعاؤں میں اپنے والدین کو شامل کیا۔

۴۳۔۴۴۔ **تشخص**۔ شخص۔ انسان جو دور سے نظر آتا ہے مراد بلند ہونا۔ **تشخص الابصار** ۔ آنکھوں کا کھلا رہ جانا۔ **مھطعین**۔ **ھطع**۔ خوفزدہ ہو کر تیزی سے دوڑنا۔ **مقنعی**۔ **قناعة** ۔ تھوڑے پر راضی ہو جانا۔ **قناع**۔ سر ڈھانپنے والی چیز۔ **مقنعی**۔ سر اٹھائے ہوئے۔ **ھوآء**۔ خالی۔ **افئدتھم ھوآء** ٥ دل امیدوں سے خالی ہوں گے۔ بیٹھے جا رہے ہوں گے۔ **لایرتد الیھم طرفھم**۔ ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں پھرے گی۔ یعنی آنکھ جھپک نہیں سکیں گے۔ اچانک ایسی مصیبت نازل ہوگی کہ حیرت یا وحشت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس سورۃ کے آخری رکوع میں مخالفینِ حق کا انجام بتایا جو دنیا میں ان کی مغلوبیت ہے اور یومِ آخرت کو ان کے لئے حسرتیں اور عذابِ شدید ہے۔ اولادِ ابراھیمؑ کے ساتھ دنیا و آخرت کے وعدے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مکہ کے ظالم یہ سمجھیں کہ اللہ ان سے غافل ہے۔ ظالموں کے لئے تو کوئی وعدہ نہیں سوائے اس کے کہ انہیں صرف اس دن تک ڈھیل ہے جس کا حال ابھی بتایا۔ ہاں ان کو ہلاکت سے بچانے میں ان کے جدِ امجد حضرت ابراھیمؑ کی دعا مانع ہوگی کہ **ومن عصانی فانک غفور رّحیم**٥۔

النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا

لوگوں کو جس روز آئے گا ان کے پاس عذاب پس کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا

یہ نقشہ قیامت کا بھی ہے اور فتح مکہ کا بھی۔ فتح مکہ کا مختصر حال یہ ہے کہ صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط کو توڑ کر قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کو تجدید معاہدہ کے لئے مدینہ بھیجا لیکن وہ ناکام لوٹا۔ اس کی واپسی کے دو دن بعد ہی آنحضرت ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے جس میں عرب کے مختلف قبائل شامل تھے۔ ابوسفیان مکہ پہنچا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے مکہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر پڑاؤ کیا۔ یہ پروگرام نہایت خفیہ رکھا گیا تھا اور اہل لشکر کو اندازہ نہیں تھا کہ کدھر کے ارادے ہیں۔ آپ ﷺ نے مکہ کے قریب پہاڑی پر قیام فرمایا اور تمام لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ دور سے اصل تعداد سے بہت زیادہ نظر آتے تھے۔ رات کو تمام قبیلوں نے اپنے خیموں کے سامنے آگ روشن کر دی۔ ابوسفیان جو مدینہ سے لوٹا ہی تھا اس لشکر کو دیکھ کر کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ کون ہیں۔ پتہ کرنے آیا تو حضرت عباسؓ جو اس کے گہرے دوست تھے اسے اپنے گھوڑے پر سوار کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کی بیعت لے لیں۔ اسے کچھ تامل ہوا تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ کیا ابھی اپنے دین کا جھوٹا ہونا تجھ پر ثابت نہیں ہوا۔ ابوسفیان نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تو آپ ﷺ نے کچھ تردد فرمایا کہ شاید عباسؓ کے کہنے سے بیعت کرنا چاہتا ہے لیکن جب ابوسفیانؓ کا اصرار دیکھا تو اس کی بیعت قبول فرمائی۔ ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اہل مکہ کا سردار ہوں مجھے کچھ اعزاز دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو تیرے گھر میں پناہ لے اسے امان ہے۔ اس نے کہا میرا گھر تو بہت چھوٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو خانہ کعبہ میں پناہ لے وہ بھی امن میں ہے۔ ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! وہ بھی چھوٹا ہے۔ فرمایا جو بلالؓ کے جھنڈے تلے پناہ لے اسے بھی امان ہے۔ ابوسفیان نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کے نیچے بھی تھوڑے لوگ آئیں گے۔ فرمایا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے بھی امان دی جائے گی۔ ابوسفیان نے کہا اب ٹھیک ہے۔ اہل مکہ نے اچانک ایک لشکر جرار کو دیکھ کر اور اپنے سردار کا یہ اعلان سن کر بعینہٖ وہی نقشہ پیش کیا جو ان آیات میں ہے کہ پریشانی، خوف اور حیرت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سخت سراسیمگی کے عالم میں حواس باختہ سر اٹھائے کوئی خانہ کعبہ کی طرف بھاگ رہا تھا اور کوئی اپنے گھر کی طرف۔ سخت دہشت سے آنکھیں تک جھپکا نہیں سکے، مارے ڈر کے ان کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ (یہ تمام واقعات مستند احادیث سے لئے گئے ہیں)

رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ

اے رب ہمارے مہلت دے ہمیں میعاد قریب تک ہم قبول کریں گے دعوت تیری اور

نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا

پیروی کریں گے رسولوں کی کیا نہ تھے تم قسمیں کھاتے پہلے سے کہ نہیں

لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝٤٥ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا

تمہارے لیے کوئی زوال اور آباد ہوئے تم گھروں میں ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا تھا

اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ

جانوں پر اپنی اور ظاہر ہو گیا تھا تمہارے لیے کہ کیا سلوک کیا تھا ہم نے ساتھ انکے اور بیان کی تھیں ہم نے تمہارے

الْاَمْثَالَ ۝٤٦ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ

لیے مثالیں اور یقیناً کی تھی انہوں نے تدبیر اپنی اور پاس اللہ کے ہے تدبیر ان کی

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝٤٧ فَلَا

اور اگرچہ تھی تدبیر ان کی کہ ٹل جائیں اس سے پہاڑ پس نہ

۴۵۔ یہ نقشہ ان کے دنیوی عذاب کا بھی ہے اور اخروی کا بھی۔ عذاب کو دیکھ کر مجرموں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ کاش یہ کچھ دیر کے لئے ٹل جائے اور ہمیں دعوت حق کو قبول کرنے اور اپنی اصلاح کا موقع مل جائے۔ اس پر انہیں جواب دیا جائے گا کہ تم نے تو قسمیں کھائی تھیں کہ ہمیں کبھی زوال نہیں آئے گا گویا وہ خدائی پکڑ کو بھول کر سخت متکبر ہو گئے تھے۔ اس آیت میں [illegible] دیا کہ عذاب قریب ہے۔

۴۶۔ تمہیں اپنے مال و منال اور سرداریوں پر اتنا گھمنڈ تھا کہ تم پر کبھی زوال نہیں آئے گا حالانکہ تمہارے تو چاروں طرف عبرت کے نشان بکھرے پڑے ہیں۔ تم خود انہیں کے گھروں میں رہتے ہو (یا ان کے گھر تم سے دور نہیں) جن کا ایک زمانہ میں ڈنکا بجتا تھا۔ انہوں نے ہماری نافرمانی کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا پھر ان کے ساتھ جو سلوک ہوا اس سے تم خوب آگاہ ہو۔ ان مثالوں کو خوب کھول کر بیان کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان کے نقش قدم پر چلو گے تو تمہارے ساتھ انہی کی مثل معاملہ ہوگا۔ گویا کاتب تقدیر نے ازل سے قوموں کی تقدیر اسی طرح لکھی ہے کہ جب کوئی قوم تہذیب و تمدن اور دنیوی علوم میں خوب ترقی کر لیتی ہے، عیش و عشرت اور تکبر میں حد سے بڑھ جاتی ہے تب اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور اس کی صف لپیٹ دی جاتی ہے: ہر کمالے را زوالے۔

۴۷۔ ان تباہ شدہ اقوام کی تدبیروں کی طرف بھی اشارہ ہے اور ان تدبیروں کا بھی ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ کے خلاف کی گئیں کہ آپ ﷺ کو قید کر دیا جائے، ملک بدر کر دیا جائے یا قتل کر دیا

تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ
تو گمان کر اللہ کو خلاف کرنیوالا وعدہ کو اپنے رسولوں سے یقیناً اللہ غالب ہے

ذُوانْتِقَامٍ ﴿۴۸﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ
انتقام لینے والا جس روز بدل دی جائے گی زمین علاوہ اس زمین کے اور آسمان

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۹﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
اور وہ نکلیں گے اللہ یکتا (اور) غالب کے لیے اور تو دیکھے گا مجرموں کو

جائے۔ آخر متوخر الذکر پر جو ابوجہل کی رائے تھی سردارانِ مکہ کا اتفاق ہوا۔ فرمایا کہ ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں لیکن ان کی یہ تدبیریں تیرا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گی **عنداللّٰہ مکرُھم** ان کی تدبیریں خدا کے قبضہ میں ہیں یعنی اس کے حکم کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتیں۔ جبال سے مراد عظیم حکومتیں یا عظیم ہستیاں لی جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کی تدبیریں ایوانِ حکومت یا سربراہانِ مملکت کو متزلزل کرنے کے لئے کافی ہیں یعنی ایسی زبردست ہیں کہ بڑی بڑی حکومتوں کو الٹا کر رکھ دیں۔ آج حکومتوں کے اشاروں پر عملاً بھی پہاڑ اڑائے جاتے ہیں اس میں ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔

۴۸۔ کفارِ مکہ آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے پر تلے ہوئے تھے۔ ان شدید مخالف حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ وہ اپنے رسولوں سے کئے ہوئے وعدوں کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کو اپنے رب کے وعدوں پر پورا یقین تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ساتھ کوئی وعدہ ایسا نہیں کیا جس کے متعلق رسول کو یقین نہ ہو کہ یہ پورا نہیں ہوگا۔ وہ زبردست ہے اس لئے دینِ حق غالب ہو کر رہے گا۔ وہ ذوانتقام ہے اس لئے منکرینِ حق سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

۴۹۔ زمین و آسمان دنیا میں بھی بدل گئے اور ایسا تغیر صفحہ ہستی پر آیا کہ وہ زمین رہی نہ آسمان وہ تہذیب رہی نہ تمدن۔ ایک ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا جو اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار کا آئینہ دار تھا۔ جہاں عدل وانصاف کا دور دورہ تھا۔ جہاں دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا ہوتا تو خلیفہء وقت خود کو جواب دہ سمجھتا۔ جس نے ایک غلام کو آقا کے دوش بدوش لا کھڑا کیا اور ایک بدو کو اتنی جراءت بخشی کہ وہ بھری محفل میں کھڑے ہو کر خلیفہء وقت سے اس کی قمیض کا حساب پوچھتا اور خلیفہ صفائی پیش کرتا۔ غرض ظلم کی جگہ انصاف نے اور شرک وبت پرستی کی جگہ توحید نے لے لی۔

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِى الْاَصْفَادِ ﴿۵۰﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ
اس دن جکڑے ہوئے زنجیروں میں کرتے ہوں گے ان کے

قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۱﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ
تارکول کے اور ڈھانکے گی چہروں کو ان کے آگ تاکہ بدلہ دے اللہ

زمین و آسمان کا بدلنا یومِ حشر کو بھی ہے جب زمین و آسمان اور اس کی ہر چیز بدل جائے گی لیکن اس دنیا کی کسی چیز کو اس دنیا کی چیزوں پر قیاس کرنا خلافِ عقل ہے۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ جس طرح زمین لفظ کُن سے وجود میں آئی۔ اسی طرح ایک لمحے میں نیست و نابود ہو جائے گی۔ احادیث میں ہے کہ سورج سوا نیزہ پر آجائے گا۔ ابنِ جریر اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ روزِ حشر میں موجودہ زمین اور اس کے سب دریا آگ ہو جائیں گے۔ سائنسدان بھی یہی کہتے ہیں کہ سورج میں ایسے تغیرات رونما ہو رہے ہیں کہ یہ کسی وقت بھی اچانک پھیل جائے گا اور یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور زمین دوسرے سیاروں سمیت نیست و نابود ہو جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ پھر ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہوگا اور لوگ اللہ واحد و یگانہ، صاحبِ جبروت کے حضور پیش ہونے کے لئے نکل کھڑے ہوں گے۔

۵۰۔ **مقرّنین**۔ قرن یا اقتران دو یا زیادہ چیزوں کے اجتماع کا نام ہے۔ قرین، ہمنشیں۔ **مقرّنین**۔ باندھے ہوئے۔ جکڑے ہوئے۔ **اصفاد**۔ صفد کی جمع ہے۔ بیڑی یا زنجیر۔

بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی یہ نظارہ دکھا دیا کہ مجرم بیڑیوں میں جکڑے گئے۔ جب دنیا میں یہ نمونہ دکھا دیا تو آخرت میں بھی ایسا ضرور ہوگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہام ہو چکا ہے۔ آپ نے ازالہ اوہام میں یہی نقشہ پیش کیا ہے اور تمثیلی رنگ میں پیشگوئی فرمائی ہے جو اپنے وقت پر انشاء اللہ ضرور پوری ہوگی۔ اس میں پہلا حصہ مایوسی کا ہے کہ اس وقت دن ڈھلنے کو ہوگا۔ پھر فرمایا کہ سارے مجرم زنجیروں میں جکڑے جائیں گے اور انہیں بلا استثناء سزا دی جائے گی گویا کامل غلبہ کی پیشگوئی ہے۔ دن ڈوبنے میں صدی کے اختتام کی طرف اشارہ ہے اور یہ صدی بھی ختم ہونے کو ہے۔ ممکن ہے یہ پیشگوئی انہیں دنوں میں پوری ہو جائے ورنہ اگلی صدی یعنی اکیسویں صدی کا سورج غروب نہیں ہوگا کہ خدا کے فضل سے یہ پیشگوئی اپنی پوری شان سے پوری ہوگی۔ لباس کا سیاہ ہونا اور آگ کا چہروں کو ڈھانپ لینا بھی ان کی نامرادی اور ذلت و رسوائی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ (آیت ۵۱)

كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾
ہر نفس کو جو اس نے کمایا یقیناً اللہ جلد لینے والا ہے حساب

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا
یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کے لیے اور تاکہ وہ ڈرائے جائیں ساتھ اس کے اور تاکہ وہ جان لیں کہ سوائے اسکے نہیں

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۱ / ۱۹
کہ وہی معبود ہے اکیلا اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقلوں والے

۵۱۔ **سرابیل۔ سربال** کی جمع ہے۔ گرتے۔ قمیض۔ **قطران**۔ قطران گوند جیسا سیال مادہ ہے جو سرو یا دیار وغیرہ درختوں سے نکالا جاتا ہے اس میں جل اٹھنے کا مادہ ہوتا ہے۔ یہاں مراد تارکول ہے۔ جبکہ **قطرًا** کے معنی پگھلا ہوا تانبا کے ہیں۔

لباس انسان کی حفاظت اور زینت کے لئے ہوتا ہے لیکن انہوں نے دنیا میں لباسِ تقویٰ کو تار تار کیا اور گناہوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ پس جو گناہ دنیا میں ان کے جسموں سے لپٹے رہے قیامت کو تارکول کے کُرتوں کی شکل میں متمثل ہو کر ان کے جسموں سے چمٹ جائیں گے جن پر آگ بھڑک اٹھے گی اور ان کے چہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اس لئے کہ جسم کے ساتھ چہرہ بھی گناہ میں ملوث ہوتا ہے۔

۵۲۔ اللہ سریع الحساب ہے اس لئے دنیا میں اس کا نمونہ دکھاتا ہے تا آخرت پر یقین ہو لیکن دنیا اس امر کے لئے کافی نہیں یہ دارالعمل ہے نہ کہ دارالجزا۔ یہاں جزا کامل ہے نہ سزا۔ پس ضروری ہے کہ کوئی ایسا مقام ہو جہاں کامل انصاف ہو پس وہی یومِ آخرت ہے۔ سریع الحساب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ خیال نہ ہو کہ اتنی مخلوق کا حساب شاید بہت لمبا ہو۔ وہ قادر ہے کہ ایک ہی وقت میں سب سے حساب لے لے۔

۵۳۔ **البلاغ۔ الکفایة**۔ جو چیز کافی ہو جس کے ذریعہ سے کسی مطلوب شے تک پہنچا جائے۔

یہ دعویٰ صرف قرآنِ کریم کا ہے کہ وہ بندے کو خدا سے ملانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا قرآن کریم سے ہوئی اور قرآنِ کریم کے ذکر سے ہی اس کا اختتام ہوا۔ ہر چیز کی تفصیل بتانے کے بعد اس آخری آیت میں گویا اس سورۃ کا خلاصہ پیش کیا کہ قرآن ہی عالمِ انسانیت کے لئے ایک ابدی پیغام ہے جو ان تک پہنچانا ہے۔ یہ منذر ہے غلط روش اختیار کرنے والوں کو ہوشیار کرتا

ہے کہ اس نظامِ کہنہ پر عمل پیرا ہو کر تم اپنی صلاحیتوں کو منفی اندازِ فکر پر صرف کر کے تباہی کے اتھاہ سمندر کی طرف رواں ہو۔ لیکن ساتھ ہی مبشر بھی ہے اس لئے مومنین کو تسلی دیتا ہے اور انہیں ایک ایسے نظامِ نو سے روشناس کرواتا ہے جو دینی اور روحانی لحاظ سے خدا کو ملانے والا ہے اور دنیوی لحاظ سے دنیا بھر کے خزانے ان کی جھولیوں میں ڈالنے والا ہے۔

غرض قرآن کریم ہی وہ رہبرِ کامل ہے جو توحید کا سبق دیتا ہے کہ اختیار و اقتدار صرف خدائے واحد ہی کو حاصل ہے۔ اس کی ذرّہ نوازی ہے کہ جتنا بھی اپنے بندے کو عطا کرے۔

قرآن کریم کی تمام نصیحتیں عقلمندوں کو فائدہ دیتی ہیں جو اسلام کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں ورنہ جاہلوں کے لئے جو غور ہی کرنا نہیں چاہتے اس قرآن کی کوئی نصیحت فائدہ مند نہیں ہوتی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةُ اٰيَةٍ وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحجر۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو آیات اور چھ رکوع ہیں

یہ سورۃ الٓر کے سلسلہ کی آخری سورۃ ہے۔ ان تمام سورتوں کا زمانہ نزول ہجرت کے قریب مکی زمانہ ہے۔ مضمون بھی قریباً ایک ہی ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ الٓرا کے سلسلہ کی پہلی سورتوں کے شروع میں دیباچہ کے طور پر جو مختصر تعارف دئے گئے ہیں انہیں ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

اس سورۃ کا نام حجر ہے۔ جس کے معنی پتھر کے ہیں۔ وادی حجر قومِ ثمود کا مسکن تھی۔ جن کی اصلاح کے لئے حضرت صالح ؑ مبعوث ہوئے۔ یہ وادی مکّہ کے قریب اس شاہراہ پر واقع تھی جو مکّہ سے شام کو جاتی تھی اور اہلِ مکّہ کے قافلے اسی شاہراہ سے گزرتے تھے۔ اس سورۃ میں قوم شعیب ؑ اور قومِ لوط ؑ کا بھی ذکر ہے۔ ان کے مساکن بھی اسی شاہراہ پر واقع تھے۔ ان تینوں قوموں میں قدرِ مشترک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے اپنے انبیاء کی تکذیب بھی ایک ہی طرح کی اور ان پر عذابِ الٰہی بھی قریباً ایک جیسا آیا یعنی شدید زلزلہ سے ہلاک کی گئیں۔ بیشک قوم لوط **حجارۃ من سجیل** ٥(۷۵) سے ہلاک کی گئی لیکن یہ پتھر بھی ان پر زلزلہ ہی سے برسائے گئے۔ اس پتھریلی وادی میں بسنے والی قوم سنگدلی میں کفارِ مکّہ سے کم نہیں تھی۔ انہوں نے حضرت صالح ؑ کے خلاف جس طرح کے منصوبے بنائے ویسے ہی منصوبے کفارِ مکّہ نے آنحضرت ﷺ کے خلاف بنائے۔ پچھلی سورۃ میں بتایا گیا تھا کہ پہلے انبیاء بھی تائیدِ ایزدی سے فتح یاب ہوئے اور مکذبینِ اور منکرینِ انبیاء ظاہری سازوسامان کی فراوانی کے باوجود ہمیشہ ناکام رہے۔ اس میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ پچھلی سورۃ قرآنِ کریم کے ذکر پر ختم ہوئی۔ اس سورۃ کو بھی قرآنِ کریم کے ذکر سے شروع کیا اور قرآنِ کریم کے ذکر پر ہی ختم کیا اور بتایا کہ قرآنِ کریم ہی وہ قوّت ہے جس کے سامنے باطل کبھی نہیں ٹھہر سکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کی مقبولیت کے سامان کر رہا ہے وہ جو قرآنِ کریم کو قبول کرنے والے ہوں گے دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے اور جو قرآن مجید کو مٹانا چاہیں گے خود مٹا دیئے جائیں گے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ②

الف۔ لام۔ را یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور قرآن کھول کر بیان کرنیوالے کی

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ③

بہت دفعہ چاہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے کاش کہ ہوتے وہ مسلمان

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ اس پہلے رکوع میں قرآنِ کریم کی حفاظت کا وعدہ ہے کہ ہمیشہ دشمنوں کے حملہ سے محفوظ رہے گا۔ یعنی ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہے گا۔ خواہ لفظی ہو یا معنوی **الٓرا۔ انا اللّٰہ اریٰ**۔ میں اللہ دیکھتا ہوں۔ دیکھنا خدا تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا ظاہری امور سے تعلق ہے جبکہ صفتِ علم کا باطنی امور سے تعلق ہے۔ ہجرت کے قریب کا زمانہ تھا آنحضرت ﷺ کے خلاف سازشیں اور منصوبے اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ رسول ؐ اور جاں نثارانِ رسول صعوبتوں اور اذیتوں کی چکّی میں پس رہے تھے۔ ایسے پرآشوب حالات میں فرمایا کہ میں یہ سب دیکھتا ہوں ان سے غافل نہیں **تلک اٰیٰت الکتٰب** میں کتاب کی ان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جن میں کفار کے پکڑے جانے کا تعلق ہے۔ یہاں قرآنِ کریم کی دو صفات کا ذکر ہے پہلی یہ کہ یہ کتاب ہے یعنی بہت لکھی جائے گی دوسری یہ کہ قرآن ہے یعنی بہت پڑھا جائے گا۔ قرآن بھی وہ جو مُبین ہے یعنی خوب کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ گویا وہ تمام باتیں جو پہلی الہامی کتب میں اجمالاً بیان ہوئی تھیں اس میں تفصیلاً یعنی خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔

۳۔ رُبَما۔ بسا اوقات۔ یَوَدُّ۔ وہ آرزو کرتا ہے یا وہ آرزو کرے گا۔ وہ چاہے گا۔

قرآنِ کریم کی صفات کا ذکر تھا۔ فرمایا قرآنی تعلیم کی خوبیوں کو دیکھ کر کفار بسا اوقات خواہش کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔ یہ بطور پیشگوئی فرمایا کہ اسلام کے ہر غلبہ کے موقع پر اور خاص طور پر غلبہ کامل یعنی فتح مکّہ کے موقع پر کفار کو یہ حسرت ضرور ہوگی کہ کاش ہم پہلے ایمان لے آتے۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ہمیں یہ ذلت کا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ایسا اظہار کفار کی طرف سے کسی نہ کسی موقع پر ہوتا ہی رہا۔ اسلام کے ہر غلبہ کے موقع پر یہ پیشگوئی نہایت شان کے ساتھ

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ

چھوڑ دے ان کو کھائیں اور فائدہ اُٹھائیں اور غافل کرے ان کو آرزو کیونکہ عنقریب

يَعْلَمُوْنَ ۝۴ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا

جان لیں گے اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر ایسے حال میں کہ اسکے

كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۵ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا

لیے وقت تھا مقررہ نہیں بڑھتی کوئی قوم میعاد سے اپنی اور نہ

پوری ہوئی۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک یہودی نے کہا کہ قرآن میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر ہماری کتاب میں اُترتی تو ہم اس دن عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کونسی آیت؟ اس نے جواب دیا **الیوم اکملت لکم دینکم** ۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس دن تو دو عیدیں تھیں یعنی جمعہ بھی تھا اور یومِ عرفہ بھی۔ (البخاری)

۴۔ **یُلھِھِم۔(یُلْہِ)** وہ انہیں مشغول کرتا ہے۔ غافل کرتا ہے۔ **امل**۔ امید۔ آرزو۔

ان کی اس خواہش کا ذکر تھا کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔ اب ان امور کی نشاندہی فرمائی جو قبولِ اسلام میں مانع تھے۔ یہ دنیوی عیش و عشرت، مادی مفادات اور طولِ امل یعنی دنیا کی ہوس ہے۔ قرطبی نے طولِ امل کی تشریح یہ کی ہے کہ دنیا کی حرص و محبت میں انہماک اور موت و معاد سے بے فکری کے ساتھ دور دراز کے منصوبے بنانا۔

اس آیت سے ثابت ہُوا کہ قبولِ اسلام کے لئے کن قربانیوں کی ضرورت ہے۔ اوّل اپنے رہن سہن اور خورد و نوش میں سادگی اختیار کی جائے۔ دوئم۔ دُنیوی مفاد کو راہِ حق میں حائل نہ ہونے دیا جائے یعنی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عہد کیا جائے۔ سوئم۔ طول امل یعنی لمبی چوڑی آرزوؤں سے اجتناب کیا جائے۔ اپنے ربّ پر کامل توکل کرتے ہوئے دینی اور مُلکی مفاد کے لئے منصوبہ بندی کرنا طولِ امل میں شامل نہیں کیونکہ ایسا کرنا اپنے ربّ سے غافل ہونا نہیں بلکہ قریب ہونا ہے۔

۵۔ **کتاب مّعلوم**۔ معلوم مدت۔ وہ مقررہ مدت جو انبیاء کے ذریعہ بتا دی جاتی ہے۔ محض تکفیرِ رسول کے جرم میں کوئی بستی تباہ نہیں ہوتی اس کے لئے یوم معاد ہے۔ اس لئے کہ ممکن ہے کوئی شخص پیغام حق کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکا ہو یا پہنچانے والا قائل نہ کر سکا ہو۔ تباہی اس جرم کی وجہ سے آتی ہے کہ بغیر غور کئے انکار کر دیتے ہیں یا یہ جان لینے کے بعد بھی کہ سچا ہے تکذیب کرتے ہیں۔ پس تکفیرِ رسول کے ساتھ شوخی و شرارت، فتنہ و فساد، رسول اور اس کے ساتھیوں پر پیغامِ حق کے جرم میں

يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۶ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ

پیچھے رہ سکتے ہیں اور انہوں نے کہا اے وہ شخص کہ اُتارا گیا ہے اوپر اس کے

الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۷ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ

یہ ذکر یقیناً تو البتہ مجنون ہے کیوں نہیں تو لے آتا ہمارے پاس فرشتے اگر

ناقابلِ برداشت اذیتیں عذابِ الٰہی کا باعث بنتی ہیں گویا تکفیر میں یہ سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تکفیر تو شروع ہی سے ہوتی ہے جبکہ عذاب اتمام حجت کے بعد آخر میں آتا ہے۔

نبی جس قوم سے مخاطب ہوتا ہے اس کی تکذیب پر عذاب بھی اُسی قوم پر آتا ہے اور اس وسیع حلقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے جو نبی کا اوّل مخاطب ہوتا ہے خواہ وہ ایک بستی ہو یا کئی بستیوں پر مشتمل ہو۔ یہ عذاب ہمیشہ کھلی اور واضح پیشگوئیوں کے بعد آتا ہے اسی لئے حضرت موسیٰؑ کی تکذیب پر بنی اسرائیل پر عذاب آیا۔ یہ نبوت کی علامت ہے ورنہ کسی فرد یا افراد یا بستی پر عذاب آنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں ضرور نبی آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عرب پر خصوصاً عذاب آیا۔ آپ ﷺ رحمتہ للعالمین تھے اس لئے آپ ﷺ کی قوم عذابِ استیصال سے بچائی گئی۔ آپ ﷺ کی قوم پر قحط کی صورت عذاب آیا یا جنگوں میں ان کے اکابرین مارے گئے باقی قوم نے اسلام قبول کیا۔ چونکہ آپ ﷺ تمام دنیا کی طرف مبعوث تھے اس لئے ایک قلیل عرصہ میں دنیا پر تباہی نازل ہوئی لیکن وہ بھی اس طرح نہیں کہ ساری دنیا تباہی کی لپیٹ میں آ جائے۔

۶۔ نبی کی بعثت کے بعد اس کی قوم کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جاتی ہے اور ہدایت حاصل کرنے کا پورا پورا موقع دیا جاتا ہے جس سے سعید روحیں فائدہ اٹھاتی ہیں اور بد طینت اپنی بداعمالیوں میں اور بڑھ جاتے ہیں لیکن انہیں فوراً سزا نہیں ملتی۔ آخر اتمامِ حجت ہو جاتی ہے اور وہ تباہی کی گھڑی آ جاتی ہے اور اس تقدیر کو نہ آگے کیا جا سکتا ہے نہ پیچھے۔ کوئی قوم اس مقررہ میعاد پر آنے والی اجل سے بھاگ نہیں سکتی کہ عذاب تو وقت پر آئے اور اسے نقصان نہ پہنچے اور نہ اپنی اجل سے پیچھے رہ سکتی ہے کہ عذاب ٹلتا ہی جائے اور وہ زندہ رہے۔

۷۔ کفار کی تباہیوں اور اسلام کے غلبہ کی پیشگوئیوں پر کفارِ مکّہ نے آپ ﷺ کو وہی کچھ کہا جو دوسرے مکذبینِ انبیاء اپنے وقت کے نبیوں کو کہتے آئے تھے کہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔ بھلا یہ سب کیونکر ممکن ہے کہ مٹھی بھر مفلوک الحال لوگ ہم سرداران قوم پر غالب آ جائیں گے۔ کفار نے قرآن کریم کو "ذکر" کہا۔ اس کا جواب آیت: ۱۰ میں دیا۔

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۸﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ
ہے تو سچوں میں سے نہیں ہم اتارتے فرشتے مگر ساتھ حق کے
وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۹﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ
اور نہ ہوں گے اس وقت مہلت دیئے ہوئے یقیناً ہم نے ہی اتارا ہے یہ ذکر اور
اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْٓ
یقیناً ہم خود ہی اسکی ضرور حفاظت کرنیوالے ہیں اور یقیناً یقیناً رسول بھیجے ہم نے پہلے تجھ سے

۸۔**لوما** اور **لولا** کے ایک ہی معنی ہیں۔کہ کیوں نہیں یعنی ایسا کیوں نہیں کرتے۔

ابھی کفار نے طنزاً آپ ﷺ کے دعویٰ کو ذکر کہا تھا کہ آپ ﷺ پر ”ذکر“ یعنی قرآن کریم نازل کیا گیا۔گویا فرشتے آپ ﷺ کے پاس قرآنِ کریم لے کر آئے۔اب کہا کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر بھی فرشتے نازل کر یعنی اگر تم ایسا نہیں کر سکو گے تو پھر یہ تمہارا وہم اور جنون ہوگا کہ تم پر فرشتے نازل ہوتے ہیں(تشریح کے لئے ۱۱۹:۲۔)اس کا جواب اگلی آیت میں دیا۔

۹۔**حــق**۔اللہ کو اور اللہ کے تمام افعال کو حق کہا۔موت اور عقل کو حق کہا۔کلامِ الٰہی، سچائی، ہو کر رہنے والی بات، انصاف، یقین وغیرہ وغیرہ سب کو حق کہا۔

فرمایا فرشتے تو ہمیشہ حق کے مطابق ہی آتے ہیں۔انبیاء پر ہمیشہ حق کے ساتھ اترتے ہیں یعنی کلامِ الٰہی لے کر آتے ہیں۔بزرگوں اور ولیوں پر بھی ان کے حسبِ مراتب اترتے ہیں۔جبکہ ان عقل کے اندھوں پر جو خدا کے غضب کے مورد ہیں فرشتے خدا کا آخری فیصلہ یعنی عذابِ الٰہی لے کر آتے ہیں اور اس وقت انہیں ہرگز مہلت نہیں دی جاتی۔جب فرشتے اترے تو یہ کفار بدر میں ٹھہر سکے نہ کسی اور غزوہ میں۔

۱۰۔**الذّکر**۔کسی چیز کا منہ سے ذکر کرنا اور ایسے طور پر یاد رکھنا کہ وہ بھول نہ جائے۔قرآن کریم کو ذکر کہا۔شرف ونصیحت اور دعا وغیرہ کے لئے آیا ہے۔

کفار نے طنزاً کہا تھا کہ اے وہ شخص! جس پر (بقول تمہارے) یہ عزت بخش کلام نازل ہوا ہے، تُو یقیناً دیوانہ ہے۔ظاہر ہے کہ ایک دیوانے کا کلام کبھی بھی قابلِ عمل اور دیرپا نہیں ہو سکتا۔اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی آیت میں سخت تاکید کے ساتھ فرمایا کہ یقیناً ہم ہی نے اس عزت بخش کلام کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔سب سے پہلے تو یہ کہا کہ جسے تم دیوانہ کہتے ہو یہ اس کا کلام نہیں، بلکہ ہمارا ہے۔ہم نے نازل کیا ہے تو حفاظت کی ذمہ داری

بھی ہماری ہے۔اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنے کلام کے لئے کسی فاتر العقل کو چنیں جبکہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی عقل و فراست کے تم بھی قائل ہو۔یہ ایک آیت ہی صداقتِ قرآن کے لئے کافی ہے۔پہلے الکتاب اور قرآن مبین کہہ کر اس کے الفاظ کی حفاظت اس کے بے شمار لکھنے والوں اور کروڑوں حفاظِ کرام کے ذریعہ فرمادی۔پھر اس کی معنوی حفاظت حدیث کے ایک ضخیم ذخیرے اور لاتعداد صاحبِ الہام اولیاء اللہ کے علاوہ یہ فرمائی کہ ہر صدی کے سر پر تجدیدِ دین کے لئے مجدد دین آتے رہے۔آخر اس صدی کا عظیم الشان موعود مجدد آیا جو مہدی بھی تھا اور مسیح بھی۔جس نے آنحضرت ﷺ کی کامل اتباع سے آپ ﷺ کی ظلیت کی چادر اوڑھ کر ظلی اور بروزی نبی کا خطاب پایا اور دین اسلام کو تمام غلط عقائد اور بدعات سے پاک کیا جو وقت گزرنے کے ساتھ اس میں شامل ہوگئے تھے۔قرآنی تفاسیر کو ان تمام اسرائیلی قصوں سے پاک کیا جن کا دین اسلام میں کوئی تصور نہیں تھا۔احمدیت کی صورت میں دنیا کو اُس حقیقی اسلام کی دعوت دی جو آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء راشدین کے مبارک زمانہ میں رائج تھا نیز آنحضرت ﷺ کے فرمان کے عین مطابق ایمان کو گویا ثریا سے اتار لایا (تفصیل کے لئے سورۃ بنی اسرائیل:۶۷)

اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہودیوں کو حکم دیا کہ تم توریت کی تحریف نہ کرنا مگر بعضُ یہود نے توریت کی تحریف کی۔قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانّالہٗ لحٰفظون٥

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تذکرہ الشہادتین میں فرماتے ہیں” کہ توریت اور انجیل تحریف کرنے والوں کے ہاتھوں سے اس قدر محرف ومبدّل ہوگئی ہیں کہ اب ان کتابوں کو خدا کا کلام نہیں کہہ سکتے“۔غرض گزشتہ کتبِ الٰہیہ کی حفاظت ان کے ماننے والوں کے ذمہ تھی جن کی وہ کلیۃً حفاظت نہیں کر سکے۔اور وہ ترجمہ در ترجمہ کی نذر ہوتی گئیں آج اصل زبان میں ان کا ایک بھی نسخہ موجود نہیں۔مذہبی اجارہ داروں کے اپنے اپنے مفادات کے تحت نئے نئے خیالات و اعتقادات کے مختلف حاشیے ان پر چڑھتے رہے بلکہ بہت کچھ تاریخی واقعات بھی شامل ہوتے گئے۔ان کے مقابلہ میں قرآنِ کریم کے ایسے ترجمہ کی اجازت نہیں جس کے ساتھ عربی متن نہ ہو۔مرورِ زمانہ سے زبانیں بدلتی رہتی ہیں لیکن نزولِ قرآن کے بعد علمی عربی زبان کی تبدیلی بند ہوگئی اور قرآنِ کریم کی زبان ہمیشہ کے لئے عربی زبان کی فصاحت کا معیار ہوگئی۔چنانچہ قرآنی عربی زبان کو اللُّغةُ الفُصحٰی کہا جاتا ہے یعنی فصیح زبان پس علمی عربی آج بھی وہی ہے جو چودہ سو سال پہلے تھی۔غرض ولیم میور جیسے اسلام کے

شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١١﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا

گروہوں میں پہلے اور نہیں آیا ان کے پاس رسول مگر تھے

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٢﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ

اس سے ہنسی کرتے اس طرح ہم چلاتے ہیں اس کو دلوں میں

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ

مجرموں کے نہیں وہ ایمان لاتے اس پر اور یقیناً گزر چکا ہے طریقہ

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٤﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ

پہلوں کا اور اگر کھولیں ہم ان پر دروازہ آسمان سے

شدید ترین دشمن بھی قرآنِ کریم کی کوئی تحریف یا غلطی نہیں پکڑ سکے اور یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ قرآن ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے جبکہ مغربی محققین دیگر الہامی کتابوں میں تحریف کو تسلیم کرتے ہیں۔ (المائدہ:۷۸) شرعی انبیاء کی کتابوں کی حفاظت علاوہ دوسرے ذرائع کے اللہ تعالیٰ اس طرح بھی کرتا ہے کہ جلد یا بدیر ان کے ماننے والوں کو دینی غلبہ کے ساتھ دنیوی غلبہ بھی عطا کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اس شریعت کو احسن طریق سے رائج کر دیتے ہیں۔ غیر تشریعی انبیاء کی جماعتوں کو بھی اللہ تعالیٰ غلبہ سے نوازتا ہے تاکہ ان کی تعلیم کے عملی ثمرات ظاہر ہوں لیکن ان کے لئے حکومت کا فوری ملنا ضروری نہیں۔

۱۱-۱۲۔ شِيَع ۔ شیعۃ کی جمع ہے۔ تبعین۔ گروہ۔

تمسخر وہ مذاق ہوتا ہے جس میں تحقیر پائی جائے۔ آیت: ۷ میں ان کے تمسخر کا ذکر تھا جس کا جواب اگلی آیتوں میں دیا گیا۔ اب آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اگر تیرا تمسخر اڑایا جاتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کسی گروہ کی طرف اللہ تعالیٰ کا کوئی رسول آیا اُس کا تمسخر اسی طرح اڑایا گیا۔

۱۳-۱۴۔ نَسْلُكُ ۔ سَلَكَ ۔ ایک چیز کو دوسری چیز کے اندر داخل کرنا جیسے سوئی کے سوراخ میں دھاگہ ڈالنا۔ کسی راستہ پر چلنا یا چلانا۔ یہاں **نَسْلُكُهٗ** کی ضمیر کا مرجع استہزا ہے جو پچھلی آیت میں مذکور ہے۔

انسانی فطرت ہے کہ کسی بھی گناہ کا بار بار ارتکاب دل سے اس گناہ کی نفرت کو آہستہ آہستہ کم کر کے اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ یہاں **كَذٰلِكَ** سے شروع کر کے بتایا کہ جس طرح مکذبین وحی الٰہی سے استہزا کرتے تھے اسی طرح ہم نے اس عادتِ استہزا کو ان کے دل میں داخل کر دیا۔ گویا

فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿١٥﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ

پھر لگیں اس میں چڑھنے تو ضرور کہیں کہ سوائے اسکے نہیں کہ متوالی کی گئی ہیں

اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا

آنکھیں ہماری بلکہ ہم لوگ ہیں جادو کئے ہوئے اور یقیناً یقیناً بنائے ہم نے

ع ۱ ۲

فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٧﴾ وَحَفِظْنٰهَا

آسمان میں ستارے اور خوبصورت بنایا ہم نے انکو دیکھنے والوں کے لیے اور حفاظت کی ہم نے اس

اب انہیں انبیاء کرام کی تحقیر میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بلکہ لطف اٹھاتے ہیں۔ اسی استہزا کے نتیجہ میں ان میں تکبر اور سنگدلی پیدا ہوتی ہے اور وہ جور و جفا میں حد سے گزر جاتے ہیں اور نتیجۃً ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ پس ان کے دل میں استہزا کا داخل ہونا ان کے اپنے ہی فعل کا نتیجہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کسی کو گنہگار نہیں ٹھہراتا۔ البتہ گناہ کا طبعی نتیجہ ضرور ظاہر کرتا ہے جیسے اگر کوئی کھڑکی بند کر لے تو اس کا طبعی نتیجہ اندھیرے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس یہ بھی ان پہلوں کی طرح طریقِ استہزا کی وجہ سے ایمان سے محروم رہیں گے حالانکہ پہلوں کے متعلق خدا تعالیٰ کی سنت ان کے سامنے ہے کہ ان کا کیا انجام ہُوا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان کے حالات سے عبرت حاصل کرتے۔

۱۵-۱۶۔ ظَلُّوا ۔ ظَلَّ ۔ یہ **ظِلٌّ** نہیں جس کے معنی سایہ کے ہیں۔ **ظَلُّوْا** ۔ وہ لگے رہیں گے۔ دن میں کوئی کام کرنے لگتا ہے۔ **يَعْرُجُوْنَ ۔ عَرَجَ** ۔ سیڑھی وغیرہ پر چڑھنا معارج سیڑھی ہے۔ **مِنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ** ۝ (۷۰-۴) اسی سے عروج ہے۔ **سُكِّرَتْ ۔ (سَكَرَ)** ۔ روکی گئی۔ حیران کر دی گئی۔ پردہ ڈال دیا گیا۔ وہ مدہوش کر دی گئی۔

مکذبین ہمیشہ سے اس قسم کی فرمائشیں کرتے رہے کہ فرشتے ہمارے پاس بھی وحی لے کر آئیں یا ہم خود آسمان پر چڑھ کر نظارہ کریں وغیرہ وغیرہ اس کا جواب شروع سورۃ میں دیا گیا۔ یہاں بتایا کہ بالفرض ایسا بھی ہو جائے کہ ان پر کوئی آسمانی در کھول دیا جائے اور آنحضرت ﷺ کی طرح کسی حد تک (کیونکہ صرف ایک دروازہ کا ذکر ہے) روحانی مدارج کی سیر بھی کروا دی جائے تو بھی یہ ماننے والے نہیں۔ بلکہ یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں تو کسی نشہ وغیرہ سے مدہوش کر دی گئی ہیں گویا یہ سب فریبِ نظر ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ غرض کوئی بڑے سے بڑا نشان بھی انہیں قائل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ ہاں اگر تعصب کی عینک اتار کر غور کریں اور تکبر و رعونت کی بجائے اپنے دلوں میں عاجزی اور فروتنی پیدا کریں تو نشان ضرور نظر آ جائیں گے۔

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝١٨ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ

(آسمان) کی ہر شیطان ملعون سے سوائے اس کے جس نے چوری کی سننے ہیں

۱۷۔۱۸۔بروج۔بُرج کی جمع ہے۔پناہ گاہ۔قلعہ۔محل۔سہارا۔آسمان،ستارے،ستاروں کی منزل (اقرب) یعنی جن مخصوص دائروں میں ستارے چکر لگاتے ہیں۔جو علم ہیت کے حساب سے ہیں۔ہیت دانوں نے سمائے آسمانی کو بارہ مخصوص حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔**رجیم** (رجم) دھتکارا ہوا۔جھوٹا ملعون۔جسے پتھر مارے گئے ہوں۔

اس رکوع میں بتایا کہ شیاطین حق کو نابود نہیں کر سکتے۔(ان آیات کی تفسیر میں تفسیر کبیر خلیفۃ المسیح الثانی سے استفادہ کیا گیا ہے)قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذکر تھا ساتھ ہی آسمانوں کی حفاظت کا ذکر کر دیا۔دراصل قرآنِ کریم میں آسمانوں کی زینت اور ان کی حفاظت کا بیان ہر جگہ کلام الٰہی کے ذکر کے بعد آیا ہے۔قرآنِ کریم نے ہمیشہ روحانی عالم کو سمجھانے کے لئے جسمانی عالم کی مثالیں دی ہیں اور دونوں میں شدید مماثلت کا دعویٰ کیا ہے۔جیسا کہ الہام کو پانی کے مشابہ قرار دے کر پھر پانی کے اثرات اور کلام الٰہی کے اثرات کی مشابہت کو پیش کیا۔غرض اس طرح کی بیسیوں مثالیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔سماءِ دنیا جس میں سورج،چاند اور ستارے ہیں جو اپنے اپنے دائروں پر نہایت منظم و مربوط انداز سے کام کر رہے ہیں۔یہ زینت کا موجب بھی ہیں اور کشش ثقل و دوسرے معلوم اور نامعلوم ذرائع سے سماء دنیا کی حفاظت بھی کر رہے ہیں۔اگر یہ نظام اپنے مخصوص وقت،رفتار یا دائرے سے اِدھر اُدھر ہو جائے تو تمام کائنات درہم برہم ہو جائے۔سماء دنیا کی حفاظت کے معنی یہ بھی ہیں کہ تاثیرات سماوی یعنی سورج،چاند اور ستاروں کی تاثیرات وفوائد یا روشنی و ہوا وغیرہ سے تمام مخلوق یکساں مستفید ہوتی ہے۔شیطان یا شیطان صفت انسان جنہوں نے ظلم و جبر سے دنیاوی نعمتوں سے بندگانِ خدا کو محروم رکھا ہُوا ہے وہ ان آسمانی نعمتوں کو کسی سے نہیں روک سکتے۔

اسی طرح کلامِ الٰہی پر بھی شیطانوں کو کوئی تصرف حاصل نہیں اللہ تعالیٰ سماءِ روحانی کے اجرام سورج،چاند،ستاروں اور ان کی تاثیرات یعنی کلامِ الٰہی کو کُلّی طور پر شیطانی دخل اندازی سے پاک رکھتا ہے۔جیسا کہ فرمایا کہ انانحن نزّلنا الذکروانّالہٗ لحفظون (آیت ۱۰)

سماءِ روحانی کے سورج آنحضرت ﷺ ہیں۔جیسا کہ سورۃ الاحزاب آیت:۴۷ میں آپ ﷺ کو سِـراجـا مُـنیـرا کہا۔حضرت آدمؑ سے لے کر تمام انبیاء ستاروں کی طرح تھے جو آپ ﷺ کی خوشخبری دینے والے اور آپ ﷺ کے ارہاص تھے اور آپ ﷺ کے گرد ہی گھومتے تھے۔یعنی آپ ﷺ

کی ہی تعلیم تھی جسے وہ اپنے اپنے وقت کے انسانوں کو ان کی استعداد کے مطابق دیتے رہے۔آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی نجوم کہا اور فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔(مشکٰوۃ کتاب المناقب مناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۴ بحوالہ رزین بروایت حضرت عمرؓ)

نیز فرمایا **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے ہم مرتبہ ہوں گے۔(مکتوب امام ربّانی دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ ۳۳ مکتوب ۲۳۴) گویا آپ ﷺ نے علماء امتی کے معیار کو بہت بلند کر دیا۔پس سورج تو آپ ﷺ ہی رہے البتہ آپ ﷺ کے گرد گھومنے والے تمام انبیاء وصحابہؓ اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے دائروں میں مصروف عمل رہے اور اس طرح اس سماءِ روحانی کی حفاظت انہیں کے ذریعہ سے ہوئی۔اور کسی شیطان یا شیطان صفت انسان کو اس میں خلل انداز ہونے کی مجال نہیں ہوئی گویا جب بھی اس میں کوئی کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے سماءِ روحانی کی حفاظت انہیں نجوم کے ذریعہ سے کرتا ہے یعنی کسی نہ کسی نبی یا مجدّد کو کھڑا کر دیتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ترجمۃ القرآن کلاس کی روشنی میں اس آیت کی تفسیر یہ ہے۔ہم نے آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ بنائے۔آسمان پر انسانوں کے لئے کشش ہے وہ جانے کی کوشش کریں گے۔ہم نے ہر دھتکارے ہوئے شیطان سے ان کی حفاظت کی ہے جو اپنی بلندی کی خاطر فہم وتدبر سے کام لے کر آسمانی بھیدوں کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کے پیچھے [illegible] مبین لگ جاتا ہے گویا یہ وہاں تک پہنچ نہیں پائیں گے۔ان کی رسائی کی حد یہی ہے کہ ریڈیائی پیغامات جو لہروں کے ذریعہ ان تک پہنچتے ہیں، وہ ان ریڈیائی لہروں کو کمپیوٹرائز کرتے ہیں۔یہ دور دراز ستاروں سے چلے ہوئے پیغامات ہیں جنہیں وصول تو کر سکتے ہیں لیکن سمجھنے سے قاصر ہیں۔انسان کا اپنے نظامِ شمسی سے نکل کر دور دراز کہکشاؤں (Galaxies) تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔اس لئے کہ وہ کہکشاں جس کا حصہ ہمارا نظامِ شمسی ہے کا قُطر ایک لاکھ نوری سال ہے جبکہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ ہے۔یعنی ۳ لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ۔ہمارا نظامِ شمشی اپنی کہکشاں کے گرد پچیس کروڑ سال میں ایک چکر پورا کرتا ہے اور یہ صرف اس کہکشاں کی وسعت ہے جس کا ہم ایک حصہ ہیں۔ایک محتاط اندازے کے مطابق اس کائنات میں تقریباً دس ارب کہکشائیں ہیں۔ان کی وسعت ان کا فاصلہ اور حجم کا اندازہ لگانا انسانی تصور سے باہر ہے۔وہ کہکشائیں اتنی بڑی ہیں مگر ہماری کہکشاں ان کے گرد گھومنے پر مجبور ہے اس لئے کہ کائنات میں ہر چھوٹی چیز اپنے سے بڑی چیز کے

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٩﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا

پس پیچھے گیا اس کے شعلہ کھلا کھلا اور زمین کو پھیلایا ہم نے اور ڈالے ہم نے

گرد گھوم رہی ہے۔اس میں بھی اہلِ شعور کے لئے بہت سے اسباق ہیں۔

١٩۔**السّمع**۔قوتِ سامعہ۔کبھی سمع کے معنی فہم و تدبر کے بھی آتے ہیں (مفردات راغب)

السّرقہ۔اس کے اصل معنی خفیہ طور پر اس چیز کے لینے کے ہیں جس کو لینے کا حق نہ ہو۔اصطلاحِ شریعت میں کسی چیز کو محفوظ جگہ سے مخصوص مقدار میں لینے کے لئے بھی آتا ہے (مفردات راغب) اس لئے کسی بھید کو جاننے کی کوشش کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

کلامِ الٰہی جب سماءِ روحانی کے اجرام یعنی انبیاء پر نازل ہوتا ہے تو بالکل محفوظ ہوتا ہے۔ شیاطین الانس یا شیاطین الجن اسے ہرگز سن نہیں سکتے یا اچک نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بار بار اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔اگر کلامِ الٰہی راستے میں چوری ہونے کا امکان ہوتا تو جبریل کو "امین" کیسے کہا جا سکتا تھا۔ہاں! جب بنی نوع انسان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو پردہ غیب سے پردہ شہود میں آجاتا ہے اور سنی ہوئی باتوں میں شامل ہو جاتا ہے۔پھر شیطان صفت لوگ اس کلام کو چرا لیتے ہیں اور اس کا غلط استعمال کرتے ہیں۔چرانے سے مراد اس کو اخذ کر کے غلط رنگ اور غلط معانی پہنا کر لوگوں کو پیش کرنا ہے تا وہ ہدایت سے محروم رہیں یا کلام الٰہی سے ایک ٹکڑا نکال کر پیش کر دینا اور سیاق و سباق کو چھوڑ دینا ہے تا کہ مفہوم بدل جائے اور عوام صحیح طور پر سمجھ نہ سکیں یا اس کلام کو اپنا کہہ کر پیش کرنا۔ان تمام غلط حرکات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور قہری قدرت نمائی کے نشانات شہاب مبین بن کر ان کا پیچھا کرتے ہیں اور انہیں نامراد اور ہلاک کر کے کلامِ الٰہی کی حفاظت کرتے ہیں۔آنحضرت ﷺ بھی دشمنانِ حق کے لئے شہابِ مبین ثابت ہوئے اور انہیں نامراد و ہلاک کر دیا۔آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اتباع بھی آہستہ آہستہ دین سے غافل ہو کر قرآنِ پاک کے معانی و تفاسیر کو غلط رنگ دینے لگے۔نیز جب غیر اقوام یہود و نصاریٰ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئیں تو اپنے ساتھ بعض غیر اسلامی رسم و رواج کے علاوہ اسرائیلی قصے بھی لائیں اور احادیث میں شامل کر دیئے۔ان کی تطہیر کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث فرمایا۔ اب چودھویں صدی کے سر پر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود گویا شہابِ ثاقب بن کر ان دشمنانِ حق پر گرے اور اسلام میں داخل شدہ بدعات و بدعقائد اور اسرائیلی لغویات سے اسے پاک کیا۔نیز اسلام کی سچائی کو دلائلِ قاہرہ اور براہینِ باہرہ سے ظاہر کیا جو شہاب مبین سے کم نہیں تھے۔

فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿٢٠﴾

اس میں پہاڑ اور اگائی ہم نے اس میں ہر چیز موزون

آپ کی دعائیں بھی شیطان صفت لوگوں کے لئے شہاب ہی ثابت ہوئیں۔

انبیاء کی گواہی جس طرح زمینی نشانات و معجزات دیتے ہیں اسی طرح آسمانی نشانات بھی دیتے ہیں۔ان میں سے ایک نشان کثرت سے شہاب کے گرنے کا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے وقت یہ نشان ظاہر ہوا۔پھر آنحضرت ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد شہاب کی بارش اس طرح ہوئی گویا ژالہ باری ہو رہی ہے۔حدیث میں ہے کہ اہلِ طائف نے گھبرا کر اپنے غلام اور جانور آزاد کرنے شروع کر دیئے تو ان کے سردار عبد یا لیل نے کہا کہ اپنے مالوں کو سنبھالو! یہ نشان تو ابنِ ابی کبشہ (یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے دکھایا جا رہا ہے۔یہ اس لئے کہا کیونکہ یہ نشان سابق پیشگوئیوں کے مطابق ظاہر ہوا تھا۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل نے آنے والے نبی کے وقت میں بطور نشان بعض آسمانی تغیرات کے متعلق خبریں دی تھیں۔پس شہاب کا اس شدت سے گرنا اور معجزہ شق القمر انہیں پیشگوئیوں کو پورا کرتے ہیں۔انجیل میں مسیح کی آمد ثانی کے متعلق لکھا ہے۔ "سورج، چاند اور ستاروں میں نشان ظاہر ہوں گے" (لوقا۔٢١۔٢٥۔) چنانچہ ١٣ نومبر ١٩٠٢ء کی رات کو شہاب ثاقب کی شدید برسات ہوئی یوں معلوم ہوتا تھا کہ فضا میں آتش بازی ہو رہی ہے۔لوگ بہت ڈر گئے۔نیز سورج اور چاند کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق [illegible] ہی رمضان میں مقررہ تاریخوں میں گرہن لگا اور آسمان نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کی۔یہ گرہن ماہِ رمضان میں مشرقی ممالک میں ١٨٩٤ء بمطابق ١٣١١ھ کو ایک ہی ماہ میں لگے۔ اس طرح ماہِ رمضان میں ہی مغربی ممالک میں ١٨٩٥ء بمطابق ١٣١٢ھ میں لگے۔

شہاب سے ظاہری حفاظت یہ ہے کہ ہر روز سینکڑوں شہاب گرتے ہیں لیکن قدرت کا حفاظت کا ایسا نظام ہے کہ یہ اپنی آگ میں بھسم ہو جاتے ہیں اور بہت کم نقصان پہنچاتے ہیں۔خلائی سفر پر جانے والے ایک مخصوص خول میں جاتے ہیں تا کہ ان شعلوں سے بچیں بظاہر بھی آسمانی راکٹوں کے پیچھے ایک شعلہ لگا ہُوا ہے۔

٢٠۔**الارض مددنٰھا**۔ہم نے زمین کو پھیلایا۔ہم نے اس میں کھاد ڈالی۔**موزون**۔ وزن کا اندازہ۔تناسب۔آسمانوں کی حفاظت کے ذکر کے بعد زمین کی حفاظت کا ذکر کیا۔ انہی الفاظ و مفہوم میں کئی آیات گزر چکی ہیں اور کئی آنے والی ہیں۔حدیث میں ہے کہ صحیفہ

کائنات میں گھڑی بھر تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔(اس کارِ ثواب سے کچھ حصہ لینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے عظیم معجزہ تخلیقِ کائنات میں سے صرف اپنے زمین و آسمان کی تخلیق کے متعلق ... دانش کی تحقیق کو نہایت مختصر طور پر پیش کرنے کی کوشش کرتی ہوں) سورج سے الگ ہو کر زمین ایک آتشی گولے کی طرح قریباً ساڑھے نو کروڑ میل کے فاصلے پر تیز رفتاری سے گھومنے لگی زمین ۲۷-۱/۲ ڈگری پر جھکی رہتی ہے تا موسم بدلتے رہیں اور پیداوار کی نوعیت بھی۔ چونکہ کائنات میں ... قدرے بیضوی دائروں میں گھوم رہی ہے اس لئے سورج سے زمین کے فاصلے میں ایک معین حساب سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ تقریباً بیس لاکھ سال کے عرصہ میں قشرِ زمین ٹھنڈا ہوا جس کی موٹائی ایک ہزار ترانوے گز یعنی قریباً پانچ فرلانگ ہے۔ اگر زمین میں اتریں تو ہر تیس میٹر کے بعد زمین کا درجہ حرارت ایک ڈگری کے حساب سے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ابتدا میں زمین ہموار تھی اس میں سخت اضطراب تھا اور کانپتی رہتی تھی کچھ مدت بعد زمین کی اندرونی حرارت کی شدت سے بطن الارض سے مواد اچھل کر باہر آ گئے اور ان زلزلوں سے پہاڑ وجود میں آئے۔ صناع حقیقی نے زمین کی حرکت میں اعتدال اور توازن پیدا کرنے کے لئے اس پر پہاڑ ڈالے جن کی ناہمواری نعمتِ خداوندی ہے۔

مددنا میں کھاد ڈالنے کا مفہوم بھی ہے۔ یہ کونسی کھاد تھی جو قدرت نے ڈالی اور اب تک ڈال رہی ہے جس کی وجہ سے زمین کچھ پیدا کرنے کے قابل ہوئی۔ قدرت کے لاتعداد ذرائع میں سے چند ایک بیرونی ذرائع کے متعلق مختصر بیان یہ ہے۔

I۔ نائٹروجن دنیائے نباتات کی غذا ہے۔ بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو ارد گرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش کے قطرے اس بیش بہا کھاد کے ذخیروں سمیت زمین پر اترتے ہیں اور باغوں اور کھیتوں میں ایک نئی روح پھونک دیتے ہیں۔

II۔ زمین کی حفاظت اور اس کو کھاد پہنچانے کا کام پہاڑوں کے ذمہ بھی ہے۔ برف پگھل کر پہاڑی شگافوں میں چلی جاتی ہے۔ جب یہ پانی چشموں کی صورت نکلتا ہے تو پوٹاش اور سلفر وغیرہ بھی اپنے ہمراہ لاتا ہے جو دریاؤں اور نہروں کے ذریعہ ہمارے کھیتوں تک پہنچتے اور ان کی شادابی کا باعث بنتے ہیں۔

III۔ جس طرح بعض انسانی بیماریوں کا علاج بذریعہ بجلی ہوتا ہے اسی طرح آسمانی بجلی کی لہریں ہوا سے گزر کر زمین کو چھوتی ہیں تو مردہ زمین میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں۔

IV۔ Cosmic Radiation (کاسمک شعاعیں) جو تخلیق ارض سے پہلے عالم بالا سے

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ

اور بنائے ہم نے تمہارے لیے اس میں گذارے (کے اسباب) اور واسطے اس کے کہ نہیں ہو تم جسے

بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا

رزق دینے والے اور نہیں کوئی چیز مگر پاس ہمارے خزانے ہیں اس کے اور نہیں

روانہ ہوئی تھیں وہ اب زمین پر پہنچتی ہیں۔ یہ مقدار میں بہت کم لیکن طاقت میں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں دس ارب وولٹ کی بجلی ہوتی ہے۔ نباتات و اثمار کا تنوع انہی کی بدولت ہے صرف گلاب ہی کی بیبیوں قسمیں ہیں۔ خالقِ عالم یہ شعاعیں (Rays) نہایت معمولی مقدار میں اتارتا ہے ورنہ ان کی زیادتی سخت نقصان دہ ہے۔

V۔ اگر خوردبین سے ایک انچ بھر فضا کو دیکھیں تو کروڑوں اجرامِ سماوی کی شعاعیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی زمین کی طرف رواں ہیں اس طرح ان سیاروں سے ذرّات زمین پر گر رہے ہیں جو اس کے جحم کو بڑھانے کے علاوہ کھاد کا کام بھی دیتے ہیں۔

VI۔ سوکھے پتے اور مختلف بکٹیریا بہترین کھاد ثابت ہوتے ہیں۔

خالقِ کائنات نے چیزوں کو پیدا کرنے میں لفظ موزوں کو استعمال کیا ہے یعنی ہر چیز کو خوب ناپ تول کر پیدا کیا۔ سائنسدان جانتے ہیں کہ حیوانات و نباتات کا وجود چند عناصر کی قدرتی و کیمیائی ترکیب سے وجود میں آیا ہے جو آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائٹروجن وغیرہ اور چند ... پر مشتمل ہے۔ اس قادر مطلق کی صناعی پر قربان جایئے کہ اجزاء صرف یہی رہے جو سو کے قریب ہیں۔ لیکن اختلافِ مقادیر یعنی مقدار کی کمی بیشی سے انواع و اقسام کے نباتات، حیوانات اور انسان معرضِ وجود میں آئے۔ عناصر کی اس قدر دقیق، صحیح اور احسن آمیزش اور پھر اس ترکیب کا تحفظ الٰہی خلق و صناعی کا حیرت انگیز کمال ہے۔ ترکیب عناصر کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن الگ الگ طور پر مہلک زہریں ہیں۔ لیکن دو حصہ ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ملانے سے پانی وجود میں آتا ہے اگر اس مقدار کو ذرہ بھر گھٹا یا بڑھا دیا جائے یا برابر کر دیا جائے تو زہرِ ہلاہل تیار ہو جائے گا۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔ اسی طرح اگر زمین کا درجہ حرارت صرف آدھا ڈگری بڑھ جائے تو قطبین سے برف پگھل کر پانی کی سطح بلند ہو جائے گی بہت سے جزائر غرق ہو جائیں گے اور بہت سے ساحل ڈوب جائیں گے۔

۲۱۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح زمین و آسمان کی حفاظت اور ضروریات کے زبردست انتظامات

نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ

اتارتے ہم اسے مگر ساتھ اندازہ معلوم کے اور بھیجی ہم نے ہوائیں بار دار

فرمائے اسی طرح ہماری سفلی زندگی کی حاجات کے لئے بھی ہر وہ سامان بہم پہنچایا جس کی ہم کو ضرورت تھی۔صرف انسان کے رزق اور ضروریات کا ہی انتظام نہیں فرمایا بلکہ حیوانات وحشرات کی بھی تمام ضروریات کو پورا کرنا اور رزق کی ذمہ داری خالقِ کُل پر ہے۔اگر آج بندگان خدا بھوک سے مر رہے ہیں تو ان کی بھوک اور افلاس کا ذمہ دار خود انسان ہے۔خواہ یہ انسانوں کی مجموعی غلطیوں سے ہوتا رہاہے یا خاص اربابِ اختیار کی وجہ سے۔اگر خدا تعالیٰ کے قوانین پر نیک نیتی سے چلتے تو دنیا میں کوئی شخص بھوکا رہتا نہ ننگا۔اللہ تعالیٰ نے تو نہ صرف انسان بلکہ جانوروں کی کروڑہا اقسام اور ان گنت حشرات الارض کی بقا کا سامان مہیا کر رکھا ہے۔غرض آسمانوں پر نہ بھی جاؤ تو زمین پر تمہارے لئے سب کچھ موجود ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آسمانوں پر جانے کے ایسے نقصانات ہیں جن کی تلافی ممکن نہیں۔دولت کے زیاں کے سوا ابھی تک کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں کر سکے۔ فضا پر جانے والے راکٹوں پر جو اخراجات اٹھتے ہیں وہ غریب ممالک کی معیشت بحال کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ہر راکٹ Ozone میں سوراخ کرتا ہُوا جاتا ہے جس سے کاسمک ریز Cosmic Rays زمین پر آتی ہیں جو انسانی صحت اور نباتات پر منفی اثرات مرتب کرتی اور بہت سے عوارض کا باعث بنتی ہیں جیسے جلد کا کینسر، موتیابند اور بڑھاپا جلد آنا وغیرہ وغیرہ۔

پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے سامان کئے اسی طرح روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کا انتظام فرمایا۔جس طرح اُن کے رزق کا اہتمام کیا جن کے تم ذمہ دار نہیں اسی طرح آئندہ نسلوں کے روحانی رزق کا بندوبست فرمایا جنہیں روحانی مائدہ پہنچانا تمہاری ذمہ داری نہیں۔ پس اُن کے وقت میں کلامِ الٰہی کے علوم و معارف اُن پر کھولے جائیں گے اور اُن کی ضرورت کے مطابق روحانی غذا انہیں عنایت فرمائی جائے گی۔جس طرح یہ مادی کائنات اتنی وسیع ہے کہ ابھی تک کوئی اس کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکا ہاں فوائد ضرور حاصل کر رہا ہے۔اسی طرح قرآنی حقائق و معارف اتنے وسیع ہیں کہ کوئی بھی کماحقہٗ ان کا احاطہ نہیں کر سکتا ہاں اس مائدہ سے وقت اور ضرورت کے مطابق اس کے بندے ضرور مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔

۲۲۔یہاں ہر مادی و روحانی خزانے کا ذکر ہے جنہیں اللہ تعالیٰ حکمت و مصلحت کے تحت بقدرِ ضرورت عطا فرماتا ہے۔ جہاں تک مادی خزانوں کا تعلق ہے زمین کے اندر اور زمین سے باہر دنیا

فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ

پس اتارا ہم نے بادل سے پانی پس پلایا ہم نے تم کو وہ اور نہیں تم

لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ

اس کو ذخیرہ کرنے والے اور یقیناً ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم ہی

بھری معدنیات اور قوتوں کے خزانے موجود ہیں۔جب اللہ نے چاہا تو انسانی ذہن کو ادھر منتقل کر دیا۔ ہم معین اندازے کے مطابق تمہیں اتنا ہی دیتے ہیں جتنی تمہیں ضرورت ہو یا جتنا ہم سمجھتے ہیں کہ تم سنبھال سکتے ہو اسی لئے بیشتر ایجادات حوادث سے وجود میں آئیں۔اس حقیقت کو ایڈیسن جیسے عظیم سائنسدان نے تسلیم کیا۔بیشک اس میں فکر و تدبر کا بھی دخل تھا لیکن ذہن کو ادھر لگانا اللہ تعالیٰ ہی کا کام تھا۔اسی طرح روحانی خزانے یعنی گزشتہ صحائف بھی ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق نازل ہوتے رہے یہاں تک کہ انسانی ذہن بلوغت کو پہنچ گیا اور اب دنیا ایک اکائی بننے کے قریب تھی تب قرآنِ کریم نازل ہُوا جو تمام سابقہ تعلیمات کا جامع اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ جس میں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق لچک موجود ہے۔یہاں اس اعتراض کا جواب بھی آگیا کہ قرآنِ کریم کی بعض آیات کی تشریح جو حضرت مسیح موعودؑ نے فرمائی وہ پہلے معلوم کیوں نہیں تھی پس قرآنی دقائق و معارف بھی ضرورت و زمانہ کے موافق اس کے بندوں پر کھلتے رہتے ہیں۔

۲۳۔**لواقح۔لاقح** کی جمع ہے۔حمل والی۔بوجھل۔پانی سے لدی ہوئی۔درخت کے ثمر دار ہونے پر بولا جاتا ہے۔جیسے **القح فلان النخل**۔کھجور کے نر و مادہ کو ملایا۔لواقح وہ ہوائیں جو نر درختوں سے غبار منویہ اڑا کر مادہ درختوں تک پہنچاتی ہیں (مفردات) اقربؔ کے نزدیک یہ وہ ہوائیں ہیں جو زمین سے اٹھنے والے بخارات کو لے کر چلتی ہیں پھر انہیں بادلوں میں ملا دیتی ہیں۔مغرب کے مفکرین نباتات صدیوں کی تحقیق اور جستجو کے بعد اب نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ پیش کر سکے ہیں۔ جبکہ عرب کے ایک اُمّیؐ فداہُ امّی وابی نے چودہ سو سال پہلے اس حقیقت کو پیش کیا جو قرآنِ کریم کی صداقت کا ایک بین ثبوت ہے۔قدرتِ خداوندی نے نباتات کی افزائش کے لئے بھی وہی اصول قائم کیا جو انسانوں اور حیوانوں کے لئے ہے یعنی جب تک مادہ، نر سے حاملہ نہ ہو وہ پھل یا بیج پیدا نہیں کر سکتی۔پودوں کے لئے تو یہ سارا کام تتلیاں اور بھنورے سرانجام دیتے ہیں جیسا کہ نر پھول کا غبار منویہ Pollen ان کی ٹانگوں اور پَروں وغیرہ سے چمٹ کر مادہ پھول تک پہنچ جاتا ہے۔ درخت ان تتلیوں اور بھنوروں وغیرہ کی پہنچ سے دور ہوتے ہیں اور نہ انہیں ان میں کوئی جاذبیت (Attraction)

الْوَارِثُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ

وارث ہیں — اور یقیناً یقیناً جان لیا ہم نے — پہلوں کو — تم میں سے

نظر آتی ہے لہٰذا ان کے لئے یہ کام ہوائیں کرتی ہیں جو لواقح کہلاتی ہیں یہ نر درخت کا غبار منویہ بُور اڑا کر مادہ درخت تک پہنچا دیتی ہیں۔ ہواؤں کا رُخ بدلتا رہتا ہے اس لئے درخت یہ غبار بہت زیادہ مقدار میں پیدا کرتے ہیں تا کہ ضائع ہو جانے کے باوجود کچھ نہ کچھ غبار مادہ درخت تک پہنچ جائے۔ یہ سب قدرت کی کاریگری ہے کہ درختوں جیسی نعمت سے نوازا جن کے فوائد بتانے کے لئے ایک الگ کتاب چاہیئے۔ اسی طرح ان بوجھل ہواؤں کو بھی لواقح کہتے ہیں جو زمین سے بخارات لے کر اڑتی اور انہیں بادلوں میں تبدیل کر کے بارش کا سبب بنتی ہیں اور یہ بارش پودوں اور درختوں کو کثرت سے پھلدار بناتی ہے۔ انسانی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے لیکن انسان بذاتِ خود اسے محفوظ کرنے پر قادر نہیں۔ اگر ایک ہی دفعہ کل پانی مل جائے تو اسے سنبھال سکے نہ محفوظ رکھ سکے۔ البتہ اس ذریعہ سے ہم نے اسے محفوظ کر دیا کہ وقتاً فوقتاً بارش برس کر زمین کی سیرابی کا باعث بنتی ہے نیز پانی زمین کے اندر محفوظ ہو جاتا ہے یا پہاڑوں پر برف کی صورت محفوظ (Preserve) کر دیا کہ موسم کے مطابق آہستہ آہستہ پگھل کر صاف ستھرا پانی چشموں اور ندی نالوں کی شکل میں بہتا ہوا بندگانِ خدا تک پہنچتا رہے۔ یہاں بتایا کہ جس طرح سمندری پانی جو بوجہ نمک قابلِ استعمال نہیں ہوتا یا زمینی پانی جو مختلف کثافتوں سے ملوث ہو جاتا ہے یہ آسمان سے ہی صاف ہو کر آتا ہے۔ اسی طرح صحائف سابقہ میں جب تحریف کی ملونی ہوئی اور وہ انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے قابل نہ رہے تو پھر آسمان سے ہی تازہ اور تمہاری تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا روحانی پانی قرآنِ کریم کی شکل میں نازل ہوا۔ مسلمانوں کو بھی متنبہ کیا کہ جب بھی تم کلامِ الٰہی کو غلط خیالات و تفاسیر سے دھندلا کرنے کی کوشش کرو گے تو آسمانی پانی سے ہی اس دھند کو صاف کیا جائے گا یعنی تازہ الہام ہی صحیح مطالب بیان کرے گا۔

۲۴۔ روحانی طور پر اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح یہ پانی سے لدی ہوئی ہوائیں مردہ زمین میں زندگی کی لہر دوڑا دیتی ہیں اسی طرح وحی الٰہی روحانی مردوں کو زندگی کا پیغام دیتی ہے۔ لیکن ایک فانی انسان اس وحی کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے اس لئے ہمیشہ رہنے والی ہستی ہی اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

اگر جسمانی طور پر دیکھا جائے تو موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے اور اسی نے اہلِ دنیا کو مجازی ملکیت دے رکھی ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ یہ ملکیت ختم ہو جائے گی اور تمام وراثت مالکِ حقیقی

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اور یقیناً یقیناً جان لیا ہم نے — پچھلوں کو — اور یقیناً — رب تیرا — ہی

يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

اکٹھا کریگا انھیں — یقیناً وہ حکمت والا بہت جاننے والا ہے — اور یقیناً یقیناً پیدا کیا ہم نے — انسان کو

ع ۱۰ ۲

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۷﴾ وَالْجَاۗنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ

کھنکھناتے — کالے کیچڑ تبدیل شدہ ہیئت والے سے — اور جنوں کو — پیدا کیا ہم نے

کو لوٹ جائے گی۔ اس بے بس انسان کو کس چیز کا مان ہے سب مال و دولت اور شان و شوکت دھری کی دھری رہ جائے گی۔ اس کی وراثت تو وہی نیک اعمال ہیں جو اس کے ساتھ جائیں گے۔

۲۵۔ پس اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وحی الٰہی سے زندگی پا کر روحانیت میں قدم آگے ہی آگے بڑھاتے جاتے ہیں اور ان سے بھی واقف ہے جو پیغامِ حق سے آنکھیں اور کان بند کر کے روحانی مدارج کے حاصل کرنے میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگلی اور پچھلی قوموں کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۲۶۔ حشر ہر نبی کے زمانہ میں ہوتا ہے اور سعید روحیں ایک ہاتھ پر اکٹھی کی جاتی ہیں جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہُوا۔ اور مستقدمین اور مستاخرین ایک جھنڈے تلے جمع کر دیئے گئے۔ یہ سب اس کے علم و حکمت کے تحت ہُوا ورنہ اگر جبر سے ایسا چاہتا تو پہلے ہی دن سب مسلمان ہو جاتے۔ پھر نہ کوئی کسی انعام کا مستحق ٹھہرتا اور نہ ہی ابوبکر اور ابوجہل میں فرق ہو سکتا۔

یہاں پیشگوئی بھی فرما دی کہ ضرور ہے کہ دنیا کی صف لپیٹنے سے پہلے تیرا ربّ لوگوں کو اسلام پر جمع کر دے۔ ایسا ہونا اس کے علم میں ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس طرح شروع میں امتِ واحدہ تھی آخر میں بھی ہو۔ اصل حشر یومِ آخرت ہے۔ دنیوی تکالیف سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے علم کا تقاضا یہی تھا اور اس میں اس کی گہری حکمت تھی کہ دنیا کو روزِ جزا نہیں بنایا۔

۲۷۔ صلصال۔ خشک گارا جو ٹھکورنے پر آواز دے کھنکھنانے والی مٹی۔ بجنے والی مٹی۔ حما۔ پانی ملی ہوئی مٹی۔ کیچڑ جو متغیر ہو کر سیاہ ہو جائے۔ مسنون۔ سنّ۔ کسی چیز کو کسی کے مناسب بنایا (اسی سے مسنون ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمارے لئے یہ طریق مقرر فرمایا) ایک چیز کو خاص شکل وصورت دینا۔ تبدیل شدہ ہیئت والا۔ **حماٍ مسنون**۔ سیاہ گارا جس کی ہیئت تبدیل ہو چکی ہو۔

اس رکوع میں بتایا کہ شیاطین کو اپنی تمام چالبازیوں کے باوجود اللہ کے مخلص بندوں پر کوئی اختیار نہیں ہو گا اور وہ حق کو مٹانے میں ناکام رہیں گے۔ قرآنِ کریم نے جب بھی خلقِ آدم کا ذکر کیا

اس سے پہلے حشر یا بعث بعدالموت کا ذکر ضرور ہُوا۔اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ انسانی پیدائش
تقاضا ہے کہ اسے قانون وشریعت سے مُکلّف کیا جائے جس کے بعد حشر اور سزا و جزا عین عدل ہے
انسان کا اس دھرتی سے چولی دامن کا ساتھ ہے معلوم ہوتا ہے کہ زمینی تغیرات کے ساتھ انسان بھی
ارتقائی منازل طے کرتا گیا۔اور جو تبدیلیاں ابتدا میں زمین کو موجودہ صورت تک لانے میں واقع ہوئیں
اسی قسم کی تبدیلیاں ابتدائی انسان کو انسان بننے میں پیش آئیں۔زمین ٹھنڈی ہوئی (تفسیر آیت ۲۰)
اس کا قشر آگ میں پکے ہوئے ٹھیکرے کی مانند تھا انسان کی اس حالت کو صلصال کا لفظ دیا
گیا۔(سورۃ رحمٰن ۔۱۵۔) جب گیسیں بارش بن کر ٹپکیں تو تپتی ہوئی زمین اس پانی کو جذب کرکے
صلصال کی صورت میں تبدیل ہوئی جو خشک ہونے پر اندر سے کھوکھلی تھی اور ٹھکورنے سے آواز دیتی
تھی۔اس صلصالی زمانہ میں انسان بننے والا مادہ خواہ کسی غیر مرئی اور خورد بینی صورت میں تھا یا کسی اور
ارتقائی مرحلہ میں تھا لیکن اس میں انسان بننے اور الہام قبول کرنے کی صلاحیت موجود تھی خواہ وہ نہایت
مدھم حالت میں ہو کیونکہ صلصال کا لفظ آواز اور قوتِ ناطقہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ٹھکرانے سے مراد
انسان میں امتحان قبول کرنے اور جواب دینے کی صلاحیت کا ہونا ہے جو اسے دوسری مخلوق سے ممتاز
کرتی ہے۔پھر شدید بارشوں کا سلسلہ شروع ہُوا۔ابھی نہ تن آور درختوں کا وجود تھا نہ ہمالیہ جیسے بلند
ترین پہاڑ معرض وجود میں آئے تھے اس لئے زمین پر کیچڑ ہی کیچڑ تھا یہ وہ وقت تھا جب انسان حماءٍ
مّسنُون کی حالت میں تھا اور اس کے ذرّات انسانی قالب میں ڈھلنے کو تیار تھے۔پھر زلزلوں کی کثرت
سے دیوہیکل پہاڑ وجود میں آئے ،زمین کی حرکت میں اعتدال وتوازن پیدا ہُوا اور نباتات کا ظہور ہوا
پس زمین کو وہ شکل دے دی گئی جس کے لئے کروڑوں سال سے وہ ارتقائی منازل طے کر رہی تھی۔
انسان بھی زمین کے تغیرات کے ساتھ ساتھ تغیر پذیر تھا اور ارتقائی مراحل طے کر رہا تھا۔نباتات کی
پیدائش کے کروڑوں سال بعد انسان کی تکمیل اپنے نکتہ عروج کو پہنچی۔قرآنِ کریم سے ارتقا تو ثابت ہے
کہ انسانی پیدائش کی تکمیل مختلف ادوار سے گزرنے کے بعد ہوئی لیکن ڈارون والی تھیوری نہیں کہ بندر
آہستہ آہستہ انسان میں تبدیل ہو گیا۔ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان کی پیدائش درجہ بدرجہ ہوئی لیکن وہ ابتدا
میں بھی انسان تھا اور آخر میں بھی انسان ہی رہا۔ان تمام ادوار میں وہ ایک خاص مقصد کی طرف قدم
بڑھا رہا تھا۔مختلف تغیرات کے بعد ایک مکمل انسان کا وجود میں آجانا اور اس تکمیل کے بعد اس کی
بناوٹ میں مزید ترقی کا رک جانا واضح کرتا ہے کہ انسانی پیدائش خالقِ کائنات کے ایک خاص مقصد
کے تحت تھی۔اس مقصد کو حاصل کر لینے کے بعد انسان کی جسمانی اور ذہنی صلاحیت کی ترقی کی راہ تو

قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۸﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
پہلے آگ سے لُو والی اور جب کہا رب تیرے نے فرشتوں کو

ہمیشہ کھلی رہے گی۔لیکن تخلیقِ جسم میں تبدیلی نہیں ہو گی کیونکہ انسان پیدائشِ عالم کی آخری ارتقائی کڑی
ہے۔جس طرح لوہا،پیتل یا لکڑی وغیرہ کی مرمت یا پیوند کاری انہی اشیاء سے کی جاتی ہے اسی طرح
انسان اور حیوان کا جزوِ بدن بننے والی خوراک آج بھی اسی مٹی سے حاصل کی جاتی ہے جس سے ان کی
ابتدا ہوئی۔دونوں کے اجزاء بھی ایک ہیں یہ ایک قوی ثبوت ہے اس بات کا کہ انسان اور حیوانات بلکہ
نباتات سب کی پیدائش مٹی سے ہوئی ، پھر اسی مٹی میں مل کر وہ مٹی ہو جاتے ہیں۔
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں
کہ زندگی لازماً خشک ٹھیکریوں کی سٹیج سے گزری ہے سائنسدان مانتے ہیں کہ پانی میں زندگی کا آغاز ہُوا
وہاں ابد تک بھی رہتی تو ترقی نہ ہوتی۔اس پانی کو سمندر نے اچھال کر ایسی چٹانوں پر پھینکا جہاں مٹی
وغیرہ تھی وہاں فضائی ریڈیائی اثر سے تہ بتہ ٹھیکریوں کی شکل اختیار کی جن کے دونوں طرف کیمیاوی
عمل ہُوا۔پھر قدرتِ خداوندی سے لہروں وغیرہ کے ساتھ واپس سمندر میں گئیں یہ ایک ابتدائی سٹیج
تھی۔اس کے بعد نباتات وجود میں آئی اور تمام زمین ابتدائی نباتات سے ڈھانپی گئی۔تیس چالیس
کروڑ سال پہلے نباتات کا مکمل راج تھا۔یہ بھی انسانی ارتقا ہی کا ایک ابتدائی دور تھا کیونکہ اس وقت
انسان شیئًا مّذکورًا تھا ہی نہیں۔
۲۸۔جآنّ۔جنّ۔لفظی معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔وسیع معنوں میں استعمال ہوتا
ہے۔ارواح خبیثہ یعنی وہ تمام مخفی و غیر مرئی مخلوق جو شیطان کی قسم سے ہے۔جنّوں کا باپ یا سردار۔
چھپنے والا۔سانپ جو بلّوں وغیرہ میں چھپا رہتا ہے۔امراء بھی مراد ہیں جو عوام سے چھپے رہتے ہیں۔
اور بوجہ غصہ عموماً ناری طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔بیکٹریا اور جراثیم بھی مراد ہو سکتے ہیں جو ظاہری
آنکھ سے نظر نہیں آتے اور نقصان پہنچاتے ہیں۔سُمّ۔تنگ سوراخ۔داخل ہونا۔زہر کو کہتے ہیں جو رگ
رگ میں پہنچ جاتا ہے۔سموم۔گرم ہوا جو زہر کی طرح جسم پر اثر کرتی ہے۔گرم ہوا کے جھونکے۔
قرآنِ کریم اکثر اگلے یا پچھلے لمبے عرصہ کو چھوڑ دیتا ہے یہاں قبل سے مراد زمین کی وہ
ابتدائی حالت ہے جب وہ آگ کے گولے کی طرح تھی (آیت ۲۰۔) اور اس سے سخت گرم گیسیں پیدا
ہو رہی تھیں۔ممکن ہے اس ناری کیفیت کے مطابق کوئی ناری مخلوق وجود میں آئی ہو جو بعد میں بھی کسی
نہ کسی شکل میں قائم رہی ہو لیکن انسانی آنکھ سے مستور رہی۔یہ بدی کی محرک ہیں جس طرح ملائکہ

نیک تحریکوں کے محرک ہیں لیکن ملائکہ کی تحریک وسیع ہے جبکہ ان کی محدود۔ جب انسان کو خیر و
طاقت دی گئی تو دونوں قسم کے محرکات کا پیدا ہونا بھی ضروری تھا اسی لئے انسان کی پیدائش سے
ان دونوں کو پیدا کیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں اس آیت کی تشریح
فرماتے ہیں کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہڈیوں سے استنجا نہ کرو یہ جنّوں کی خوراک ہے
ظاہر ہے کہ ہڈیوں کے سڑنے (Decay) میں بکٹیریا کا دخل ہے جو انسان کے لئے نقصان دہ ہے
گویا آپ ﷺ نے بکٹیریا کو **جن** کہا جو استنجا کی صورت میں خاص طور پر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ زمین
کی عمر قریباً ساڑھے چار ارب سال ہے۔ اڑھائی ارب سال پہلے بکٹیریا بن چکے تھے۔ یہ انسان کی پیدائش
سے بہت پہلے کا دور ہے جب زمین آگ کی طرح گرم تھی۔ ابھی زمین کے اوپر Ozone یا کوئی اور
حفاظتی دیوار نہیں تھی اور نہ ہی آکسیجن کا وجود تھا۔ آسمان سے طاقتور Radiation کی لہریں آتی تھیں
شدید گرم طوفان اٹھ رہے تھے۔ ان کی گرمی سے کیمیاوی تبدیلیاں (Chemical Changes)
ہوئیں جن سے بکٹیریا اور وائرس پیدا ہوئے۔ بکٹیریا کی سب سے قدیم شکل وہ ہے جو آگ سے
راست پیدا ہوئی جس پر آگ کا اثر بہت کم ہے۔ جن کا لفظ بکٹیریا پر بہتر طور سے اطلاق پاتا ہے۔
نارالسّموم سے پیدا ہونے والے جنّوں سے مراد بکٹیریا ہیں اور اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ گارا
کیچڑ کیسے بنا۔ جب تک بکٹیریا موجود نہ ہوں گیلی مٹی میں سڑانڈ پیدا نہیں ہوسکتی۔

قبل سے مراد حضرت آدمؑ سے پہلے کا زمانہ لیا جائے تو اُس زمانہ کی غیر متمدن اقوام کے
لئے بھی جن کا لفظ استعمال ہُوا جو Cave Men تھے اور درندوں وغیرہ کے خوف سے باہر کم نکلتے
تھے۔ ان میں سے جو اطاعت کا مادہ رکھتے تھے انہوں نے مِل کر رہنے اور ایک نظام کی پابندی کو قبول
کیا۔ وہ آدمی یعنی آدم کی اولاد یا تابع تھے انہیں انسان کہا گیا۔ اس لئے کہ اس کی فطرت میں دو انس
رکھے گئے ایک خدا کے لئے اور ایک مخلوق کے لئے پس جو حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے والا ہو
گا وہی صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق ہوگا۔ دوسرے جو اطاعت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے
اور جلد اشتعال میں آجاتے تھے۔ وہ باغی رہے اور جن یا شیطان سے موسوم ہوئے۔ یہاں **خلقہ من
نار** سے مراد عربی محاورہ کے مطابق یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں ناری مادہ رکھ دیا گیا جیسا کہ **خُلق
الانسانُ من عجل** (۳۸:۲۱) سے مراد ہے کہ انسان کی طبیعت میں عجل کا مادہ رکھ دیا گیا۔ وہ جلد
باز ہے۔ جن چونکہ مخفی وجود کو کہتے ہیں اس لئے عربوں اور دیگر مشرقی اقوام کے محاورہ کے مطابق ان

اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ (۲۹)
کریں پیدا کرنیوالا ہوں انسان کو کھنکھناتے کالے کیچڑ تبدیل شدہ ہیئت والے سے
فَاِذَا سَوَّیۡتُہٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَہٗ
پس جب ٹھیک ٹھاک بناؤں اُسے اور پھونکوں اس میں رُوح اپنی پس گر پڑو اس کے لیے
سٰجِدِیۡنَ (۳۰) فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ (۳۱) اِلَّاۤ
سجدہ میں پس سجدہ کیا فرشتوں نے تمام کے تمام نے سوائے
اِبۡلِیۡسَ ؕ اَبٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ (۳۲) قَالَ
ابلیس کے اس نے انکار کیا کہ وہ ہو ساتھ سجدہ کرنے والوں کے فرمایا
یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِیۡنَ (۳۳) قَالَ
اے ابلیس کیا ہوا تجھے کہ نہ ہوا تو ساتھ سجدہ کرنیوالوں کے کہا
لَمۡ اَکُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ
نہ تھا میں کہ سجدہ کروں انسان کو پیدا کیا تو نے اسے کھنکھناتے کالے کیچڑ
مَّسۡنُوۡنٍ (۳۴) قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡہَا فَاِنَّکَ رَجِیۡمٌ (۳۵) وَّ اِنَّ
تبدیل شدہ ہیئت والے سے پس فرمایا نکل اس سے یقیناً تو ملعون ہے اور یقیناً

پہاڑی اقوام کے لئے بولا جاتا تھا جو شمالی علاقوں اور سرد ممالک میں رہتی تھیں۔ اور ان ممالک سے
قریبا کئی ہوئی تھیں۔ دوسری اقوام کی طرح مسلمانوں میں جو قصے مشہور ہیں۔ ان میں بھی جنات اور
پریوں کا مسکن کوہ قاف اور اس کے پار کا علاقہ ہے۔ جہاں مضبوط اعضا والے جن اور سرخ و سفید
سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی پریاں رہتی ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں بھی جنوں سے مراد غیر
اقوام کے مضبوط پہاڑی لوگ ہیں۔ جو باغیانہ طبیعت رکھتے تھے۔

۲۹۔۳۰۔**روح۔ جان** ۔نفس ۔ کلام الٰہی ۔ امر۔ (تشریح کے لئے سورۃ بقرۃ ع ۴) جہاں
گزر چکا ہے کہ پہلے آدمؑ کو علم دیا پھر ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہُوا۔ پس یہ قانون روزِ ازل سے ہے پہلے
آدمؑ اور پھر ہر اس آدم کے لئے جو خدا کا مظہر اتم ہو کہ جب بھی وہ اعتدالِ روحانی حاصل کر لیتا ہے
اور کمال تک پہنچ جاتا ہے تو جناب الٰہی سے نفخ یعنی وحی سے نوازا جاتا ہے۔ پھر ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوتا
ہے کہ اس انسان کامل کی تعظیم، اطاعت اور خدمت کے لئے کمربستہ ہو جاؤ۔ اسی لئے اس زمانے کے
امام حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے آدم کہہ کر پکارا۔ اس میں عام گمراہی کی طرف بھی اشارہ تھا جو
آدم کی بعثت کا موجب ہوئی۔

۳۱ تا ۳۴ ۔ پس ملائکہ مامور من اللہ کے کاموں میں لگ جاتے ہیں اور سعید فطرت لوگوں

عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣٦﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيْٓ

تجھ پر لعنت ہے تا روز جزاوسزا اس نے کہا اے رب میرے سو مہلت دے مجھے

إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٨﴾

وقت تک کہ وہ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے فرمایا پس یقیناً تو ہے مہلت دیئے گئے ہوؤں میں سے

إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ أَغْوَيْتَنِيْ

مقررہ وقت کے دن تک اس نے کہا اے رب میرے اس لیے کہ گمراہ کیا تو نے مجھے

کے قلوب میں ایمان لانے کی تحریک کرتے ہیں لیکن ناری فطرت لوگ بوجہ اس تکبر کے جو ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہوتا ہے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

۳۵۔ پیچھے سے زمین اور اہلِ زمین کی پیدائش کا ذکر جاری ہے۔ شیطان کو زمین سے نکالا گیا کیونکہ اس کا وجود زمین پر ثابت ہے۔ جنت کا نہ ذکر ہے اور نہ جنت میں شیطان داخل ہوا ہے کہ نکالے جانے کا سوال پیدا ہوتا پس یہاں اسے اس کے مقام ومرتبہ سے نکالا جانا مراد ہے۔

۳۶۔لعنت کے معنی دوری کے ہیں۔مخالفینِ انبیاء کے سردار ہی اصل مجرم ہوتے ہیں اس لئے یہ لعنت اور خدائی افضال سے دوری بھی انہیں کے مقدر ہوتی ہے۔چونکہ انبیاء کا سلسلہ قیامت تک جاری ہے۔جیسا کہ وضاحت فرمائی کہ (ترجمہ) نبوت قیامت کے دن تک مخلوق میں جاری ہے اگرچہ شریعت منقطع ہوچکی ہے کیونکہ شریعت نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔(فتوحات مکیہ باب ۷۳ صفحہ ۱۰۰/۲) حدیقة الصالحین۔مرتبہ جناب ملک سیف الرحمٰن صاحب مرحوم صفحہ ۸۳۷۔ اس لئے ان کے مخالفین پر لعنت بھی قیامت تک رہے گی۔

۳۷تا۳۹۔**یوم یبعثون**۔قیامت بھی ہے اور دنیا میں بھی یہ دن آتا ہے۔

آدمؑ اور آپ کے جانشین تمام انبیاء کی بعثت سے پہلے کا زمانہ گمراہی اور لادینیت کا زمانہ ہوتا ہے شیطان اور اس کی ذرّیت کو عامة الناس کو ورغلانے کا خوب موقع ملتا ہے یہانتکہ نبی مبعوث ہوتا ہے اور شیطان مع اپنی ذرّیت کے ورغلانے کے علاوہ جسمانی ایذارسانیوں کا سلسلہ بھی شروع کر دیتا ہے۔ یومِ وقت معلوم شیاطین اور مخالفین انبیاء کی مہلت کا مقررہ وقت ہے جب ہلاکت ان کا مقدر ہو جاتی ہے جیسا کہ فتح مکّہ کے دن ہُوا۔

فرداً فرداً بھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کو ورغلانے کا خوب موقع ملتا ہے لیکن جب سعید روحوں کی بعثتِ روحانی ہو جاتی ہے تو پھر شیطان کا کوئی داؤ ان پر نہیں چلتا اور وہ مایوس ہو جاتا ہے۔

لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾ إِلَّا

البتہ مزین کروں گا میں ان کے لیے زمین میں اور البتہ گمراہ کروں گا میں ان سب کو سوائے

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ

بندوں کے تیرے ان میں سے مخلصوں کے فرمایا یہ راہ مجھ پر

مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤٢﴾ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ إِلَّا

سیدھی ہے یقیناً بندے میرے وہ ہیں کہ نہیں تیرا ان پر غلبہ سوائے

۴۰۔قرآنِ کریم میں شیطان کے لئے بھی قال کا لفظ آیا ہے عربی میں قال کے معنی نہایت وسیع ہیں۔یہ تمام افعال پر بولا جاتا ہے۔پس یہ مکالمہ زبانِ حال سے ہُوا نہ کہ واقعی اس طرح کی گفتگو ہوئی کیونکہ خدا تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف انہیں نصیب ہوتا ہے جو پاک وصاف ہوں۔شیطان جیسی نجس ذات کا یہ رتبہ کہاں کہ خدا سے ہمکلام ہو؟ دراصل کتبِ سابقہ عموماً تمثیلی زبان میں ہیں۔ قرآن کریم نے بھی بعض جگہ تمثیلی زبان میں بات کی اور تصویری نقشہ پیش کیا جیسا کہ قصہ آدم وابلیس ہے۔یہاں بھی زبان حال کا کلام ہے اور شیطان اور شیطان صفت انسانوں کا ذکر ہے۔جیسا کہ اس سورة کی ابتدا میں اور قرآنِ کریم کے دیگر متعدد مقامات پر آیا ہے مجاہد کہتے ہیں کہ **واذا خلوا الىٰ شيطينهم** (۲۔۱۵) میں **شيطينهم** سے مراد کافروں کے ساتھی ہیں یعنی منافقینؔ ومشرکین۔ (بخاری۔ کتاب تفسیر القرآن باب سورة البقرة) کفار شروع میں بوجہ اپنی ہٹ دھرمی اور تکبر کے ایمان نہیں لاتے لیکن جب دین حق کے غلبہ کا آغاز ہو جاتا ہے اور اسلام کی حقانیت ان پر کھل جاتی ہے تو بجائے تائب ہونے کے اپنی اس حسرت کا غبار اس طرح نکالتے ہیں کہ بندوں کو گمراہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں اور انہیں دنیوی لالچ اور عیش وعشرت میں ایسا پھنساتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر اپنے مقاصدِ حقیقی کو کلیةً بھول جاتے ہیں۔

۴۱۔شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کا دعویٰ کیا لیکن ساتھ ہی تسلیم کیا کہ مخلصین میرے فریب میں نہیں آ سکتے ان پر میرا کوئی تسلط نہیں۔ایسے مخلصین جن پر شیطان کا بس نہیں چلتا، بہت کم ہیں۔اکثر مسلمین اور مومنین تمام زندگی شیطان سے مقابلہ کرتے ہوئے گزارتے ہیں۔

۴۲۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے مخلص بندوں کو سیدھا راستہ دکھانا میرے ذمہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس طرح ہے کہ وہ مخلصین کبھی انبیاء کے ذریعہ کبھی دوسرے خدا رسیدہ مقربین کے ذریعہ کبھی قرآن وسنت اور کبھی وقت کے امام کے ذریعہ نیز کبھی اپنی فطرتی پاکبازی کی وجہ سے کشف والہام

مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ

ایسے جس نے پیروی کی تیری گمراہوں میں سے اور یقیناً جہنم وعدہ کی جگہ ہے ان

اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۴﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ

سب کی اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کا ان میں سے

ع ۳ ۱۹ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۵﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۶﴾

ایک حصہ تقسیم شدہ یقیناً متقی باغوں میں اور چشموں میں ہونگے

کے ذریعہ حق کو پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ معنی بھی ہیں کہ مجھ تک پہنچنے کا سیدھا رستہ ہے جس پر چل کر یہ مخلصین مجھ تک پہنچے۔

۴۳۔۴۴۔ شیطان نے تو صرف مخلصین پر اپنے تسلط کا انکار کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے عبادی کہہ کر اپنے کل بندوں کو اس میں شامل کیا کہ شیطان کا تو میرے کسی بندے پر زور اور غلبہ نہیں۔ طاقت ہی نہیں ہاں جو خود ہی اس کے پیچھے چلے اور اپنی مرضی سے گمراہی کو دعوت دے تو شیطان کا اس میں کوئی قصور نہیں وہ کسی کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ پس ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہنم اس لئے ٹھکانا بنا کہ مٹی سے آگ کی طرف گئے۔ انہوں نے یہ راہ خود اختیار کی۔ انسان کی فطرت میں عاجزی اور انکسار کا مادہ رکھا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے شیطانی کاموں میں حصہ لیا۔ یعنی بغاوت، بدیاں، قتل و غارت، فساد اور ظلم و ستم کو اپنا شیوہ بنایا۔ آج کل کے ہتھیار بھی آتش گیر مادہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے اپنانے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ نیز جب دنیا میں انہوں نے شیطان کی اتباع کی اور اس کے ساتھی بنے تو آخرت میں بھی اسی کے ساتھ واصلِ جہنم ہوں گے۔

۴۵۔ اس رکوع میں متقین کے لئے جنت اور اس کی نعماء کا ذکر ہے۔ آئمہ سلف کے مطابق ابوابِ جہنم سے مراد طبقاتِ جہنم ہیں۔ سات کا ہندسہ عربی میں تکمیل یا کثرت کے اظہار کے لئے آتا ہے۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ کئی دروازے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سات گروہوں کے مخصوص گناہوں کی وجہ سے سات ہی دروازے ہوں۔ اس سے مراد سات خاص گناہِ کبیرہ بھی ہو سکتے ہیں۔ شرک، ماں باپ کی نافرمانی، جھوٹ، قتلِ اولاد، زنا، قذف المحصنات اور میدانِ جہاد سے بھاگنا ہیں۔ بدیاں جن کی وجہ سے حق کو قبول کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی وہ بھی سات ہی ہیں جن میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پانچ کا ذکر کیا بدظنی، تکبر، جہالت، اتباعِ ھویٰ اور کورانہ تقلید۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ

داخل ہو ان میں سلامتی سے امن والے ہوکر اور نکال لیں گے ہم جو سینوں میں تھا ان کے

مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۸﴾ لَا يَمَسُّهُمْ

کینہ بھائی بھائی ہوکر (بیٹھیں گے) تختوں پر آمنے سامنے نہ چھوئے گی انہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ پانچ بیرونی اور دو اندرونی طاقتیں ہیں۔ اندرونی میں ایک دماغ کے فیصلہ کی طاقت اور دوسری قلبی رجحانات ہیں۔ یہ طاقتیں خدا کی طرف جانے کے لئے عطا ہوئی تھیں۔ ان کا غلط استعمال جہنم میں لے جائے گا۔ اگر ایک دروازہ بھی جہنم کی طرف کھلے تو اُن کی سزا ضرور ملے گی۔ اس سے مراد انسانی جسم کے سات سوراخ بھی ہو سکتے ہیں۔ جن کا غلط استعمال جہنم میں پہنچاتا ہے۔ دو آنکھیں، دو کان، زبان اور دونوں اعضاءِ نہانی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں! ”دوزخ کے سات دروازے ہیں اور بہشت کے آٹھ۔ اس کا کیا سرّ ہے تو ایک دفعہ ہی میرے دل میں ڈالا گیا کہ اصول جرائم بھی سات ہی ہیں اور نیکیوں کے اصول بھی سات۔ بہشت کا جو آٹھواں دروازہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا دروازہ ہے“۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰)

۴۶۔۴۷۔ اللہ تعالیٰ سورۃ رحمٰن آیت: ۴۷ میں فرماتا ہے کہ جو اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں اور ان جنتوں کی تفصیل بھی بیان فرمائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ متقین کی جنت دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جہاں وہ روحانی باغوں اور چشموں سے لطف اٹھاتے ہیں اور راہ خدا میں بڑی سے بڑی تکلیف بھی انہیں محسوس نہیں ہوتی اور خدا کی طرف سے خاص سلامتی کا پیغام دنیا میں بھی ان کے شاملِ حال ہوتا ہے اور وہ امن میں رہتے ہیں اور آخرت میں بھی مقدر ہوگا۔

۴۸۔ غِلّ۔ کینہ۔ سُرُر۔ سریر کی جمع۔ تخت۔ اکثر بادشاہ کے تخت پر بولا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں حضرت آدمؑ کے قصہ میں بے شمار نصیحت آموز اسباق ہیں۔ اکثر جہنمیوں کے لڑائی جھگڑے اور ایک دوسرے پر الزام تراشیوں کا ذکر ہے۔ دنیا میں انسان جب بھی شیطان کی پیروی کے نتیجہ میں اپنی روحانی جنت سے نکالا گیا تو لڑائی جھگڑے اور دشمنیاں وجود میں آئیں۔ جب شیطان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو صاف کر دیا اور دشمن بھائی بھائی بن گئے۔ یہاں کھول کر بتا دیا کہ اگر کسی معاشرہ میں دشمنیاں پل رہی ہیں اور انہیں مٹانے کی

فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۹﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ

اس میں تھکان اور نہ وہ اس سے ہرگز نکالے جانے والے ہیں آگاہ کر بندوں کو میرے

کوشش نہیں کی جاتی تو وہ جہنمی معاشرہ ہو گا۔ وہاں امن نہیں ہو سکتا۔ انسانی بقا کا تقاضا ہے کہ
آپس کی شکر رنجی، کینہ اور دشمنی کو ختم کیا جائے تا کہ ایک پُر امن جنتی معاشرہ تشکیل پائے۔

بیشک بعض نیک لوگوں میں بھی کچھ بشری کمزوریاں ہوتی ہیں۔ چند ایک صحابہ کرام
درمیان بھی مزاجوں کے تضاد کی وجہ سے ایک دوسرے سے کچھ اختلافات تھے۔ فرمایا ان کے
سے تمام کینوں کو نکال دیا جائے گا اور وہ گہرے دوستوں یا بھائیوں کی طرح آمنے سامنے
گے۔ گویا جنت کی نعمتوں سے مُستفیض ہونے سے پہلے دل صاف کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے
"غِلّ کے ساتھ جنت میں رہنے کے اہل نہیں ہوں گے"۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

تختوں پر بیٹھنے سے مراد یہ ہے کہ ہر جنتی بادشاہ ہو گا جہاں اس کی ہر خواہش پوری
گی (سورۃ نحل ۳۲) گویا اپنے اپنے دائرے میں ہر کوئی مختار ہو گا۔ کوئی بھی محکوم نہیں ہو گا۔ ہاں
بادشاہ دنیا میں بھی اللہ کی ذات ہے اور آخرت میں بھی وہی ہو گی۔

۴۹۔ متقین دنیا میں بھی خدائی کاموں میں کبھی تھکے نہ ماندہ ہوئے اور نہ کوئی انہیں
روحانی جنت سے نکال سکا۔ جنت حقیقی میں تمام نعمتیں بغیر کسی مشقت اور تکان کے انہیں حاصل
گی اور انہیں دوام ہو گا۔ وہ نہ کبھی ان سے محروم ہوں گے اور نہ کبھی جنت سے نکالے جائیں
برعکس اس دنیا کے جہاں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے اور مومنوں کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش
رہتے ہیں کہ آج شدید محنت سے کوئی چیز حاصل کی اور کل محروم ہو گئے۔ آج امیر ہیں اور کل پائی
کے محتاج۔ آج صحت مند و توانا ہیں تو کل لاغر و بیمار لیکن جنت میں ایسا نہیں ہو گا۔ یہ بھی نہیں کہ
ست الوجود یا نکمے ہوں گے۔ کام تو ہو گا لیکن ان کی طاقت (Energy) ضائع نہیں ہو گی یا ان
مزاج کے موافق ہو گا اس لئے تکان محسوس نہیں کریں گے۔ تاہم جنت کی نعمتوں کا حقیقی علم وہاں جا
ہی ہو گا۔ انشاء اللہ۔

سورۃ فجر (آیت ۳۰، ۳۱) سے نیز قرآن کریم میں متعدد دوسرے مقامات سے ظاہر ہے
جنت کامل عبودیت کا مقام ہے جہاں بندے جذباتی کشمکش سے آزاد ہو کر اپنے ربّ کی حمد و ثنا
عبادت میں لطف حاصل کریں گے اور کبھی نہیں تھکیں گے۔ یہ آیات بھی ثابت کرتی ہیں کہ حضرت آدم
جس جنت سے نکالے گئے وہ جنت ارضی تھی ورنہ جنت خلد سے کبھی بھی کوئی نکالا نہیں جائے گا۔

اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ
الْاَلِيْمُ ﴿۵۱﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۲﴾ اِذْ دَخَلُوْا
عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالُوْا

کہ میں بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہوں اور یقیناً عذاب میرا ہی عذاب
دردناک ہے اور آگاہ کر انہیں مہمانوں سے ابراہیم کے جبکہ وہ داخل ہوئے
اس پر سو کہا انہوں نے سلام اس نے کہا یقیناً ہم تم سے ڈرنے والے ہیں انہوں نے کہا

۵۰۔ ۵۱۔ پہلے جنت و جہنم کا ذکر کیا اور دونوں راہیں بتلا دیں۔ اب ان راہوں کی مناسبت
سے اپنی دو صفات کا ذکر کیا کہ یقیناً میں ہی غفور الرحیم ہوں اور یقیناً میرا عذاب بھی دردناک ہے۔
(آیت ۵۱) اپنے کل بندوں کے لئے یہ پیغام دیا کہ میرے بندے نیک ہوں یا بد انہیں چاہئے کہ
اگر گنہگار ہوں اور ان سے دنیا بھر کے گناہ بھی سرزد ہو چکے ہوں تو بھی میری مغفرت بہت وسیع ہے وہ
ہرگز مایوس نہ ہوں۔ اگر نیکیوں میں اعلیٰ ترین مقام پر ہیں تو بھی اس سے آگے قدم بڑھاتے چلے
جائیں۔ میں رحیم ہوں بار بار رحم کرنے والا ہوں۔ ان کا اجر کبھی ختم نہیں ہو گا۔ لیکن باوجود غفور الرّحیم
ہونے کے میری سزا بھی بہت سخت ہے۔ پھر کیوں میری غفوریت اور رحیمیت سے فائدہ نہیں اٹھاتے
حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حضور میں پہنچنے کے لئے امید و بیم مومن کے لئے دو
پر ہیں۔ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳ فروری ۱۹۱۰ء)

۵۲۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے بیان کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کیا کیونکہ آپ کی
ذات میں اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفات ظاہر ہوئیں۔ آپ بہت معاف کرنے والے اور رحیم
تھے۔ حضرت لوطؑ کے مکذبین پر بھی عذاب استیصال نازل ہُوا۔ (الاعراف ۸۱ تا ۸۵ سورۃ ھود ۷۰ تا
۸۴ میں یہ قصہ تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اس لئے یہاں مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے) قرآنِ کریم میں
حضرت لوطؑ کا تفصیلی ذکر ہمیشہ حضرت ابراھیمؑ کے ذکر سے شروع ہوتا ہے اس لئے کہ آپ حضرت
ابراہیمؑ کے تابع نبی تھے۔ حضرت آدمؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اس لئے بھی کیا کہ حضرت
ابراہیمؑ اپنے زمانہ کے آدم تھے اہل مکّہ انہیں اپنا جدّ مانتے تھے اور ان کے حالات سے واقف تھے۔
حضرت لوطؑ حضرت ابراھیمؑ کے رشتہ دار تھے۔ قرآنِ کریم کے تمام قصوں میں یہی بتانا مقصود ہوتا ہے
کہ وحی الٰہی کا انکار ہمیشہ سزا کا مستحق بناتا ہے۔

۵۳۔ حضرت ابراھیمؑ کے ڈر کی وجہ سورۃ ھود میں یہ بیان فرمائی کہ مہمانوں کے کھانا نہ

لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝۵۳ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ

نہ ڈر تو یقیناً ہم بشارت دیتے ہیں تجھے بہت علم والے لڑکے کی اس نے کہا کیا بشارت دی تم نے مجھے

عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝۵۴ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ

اس پر کہ پہنچا ہے مجھے بڑھاپا سو کس بنا پر تم بشارت دیتے ہو انہوں نے کہا بشارت دی ہم نے تجھے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝۵۵ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ

ساتھ حق کے پس نہ ہو تو ناامیدوں میں سے اس نے کہا اور کون مایوس ہوتا ہے

مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝۵۶ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

رحمت سے رب کی اپنے سوائے گمراہوں کے کہا پس کیا ہے اصل مقصد تمہارا

اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۵۷ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

اے فرستادو کہا انہوں نے یقیناً ہم بھیجے گئے ہیں طرف قوم

کھانے کی وجہ سے آپ نے ڈر محسوس کیا کہ مخالف نہ ہوں۔ یہاں بتایا کہ سلامتی کی دعا کے آپ نے ان سے ڈر محسوس کیا یعنی آپ کو ان کے چہروں پر خیر کے آثار نظر نہیں آئے۔

۵۴۔ حضرت ابراھیمؑ چونکہ بہت نرم دل تھے اس لئے قومِ لوط کی تباہی کی خبر سے پہلے کو ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دی جو جوان بھی ہوگا اور نبوت سے بھی نوازا جائے گا۔ ''غلام'' میں کے جوان ہونے کی طرف اشارہ تھا اور صاحبِ علم میں نبوت ملنے کا اشارہ تھا۔ کیونکہ نبی کا علم سے زیادہ ہوتا ہے۔ یہ اسحاقؑ تھے جنہیں غلامِ علیم کا لقب ملا۔ جبکہ حضرت اسمٰعیلؑ کو غلامِ حلیم کے لقب سے نوازا گیا (**الصّٰفّٰت۔۱۰۲**) حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔

۵۵۔ حضرت ابراھیمؑ کا فرشتوں سے پوچھنا ایک فطری تقاضا تھا کہ میرے بوڑھا ہونے کے باوجود تم کس بنا پر مجھے یہ بشارت دے رہے ہو۔ اس لئے کہ الٰہی بشارتوں اور پیشگوئیوں کے بعض پہلو تاویل طلب بھی ہوتے ہیں۔

۵۶۔ فرشتوں نے آپ کو تسلی دی کہ یہ بشارت حق کی بنا پر ہے۔ آپ دل چھوٹا نہ کیجئے۔

۵۷۔ جب آپ پر کھل گیا کہ بشارت حق کی بنا پر ہے تو آپ نے فرمایا میں مایوس کیوں ہونے لگا۔ مایوس ہونا تو گمراہوں کا کام ہے۔ گویا آپ ہرگز مایوس نہیں ہوئے تھے۔ محض تعجب کا اظہار ہی تھا۔

۵۸۔ **خَطْبُ**۔ اہم کام۔ مقصد۔ اسی سے خُطبہ وعظ و نصیحت کے معنی میں آتا ہے اور خِطبہ کے معنی پیغام نکاح کے ہیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ خوشخبری دینے کے باوجود فرشتوں کے چہروں

مُّجْرِمِيْنَ ۝۵۸ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۵۹ اِلَّا

مجرم کے سوائے خاندان لوط کے یقیناً ہم البتہ نجات دینے والے ہیں انہیں سب کو سوائے

امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۶۰ فَلَمَّا جَآءَ ع

بیوی کے اس کی مقدر کیا ہم نے کہ وہ البتہ پیچھے رہنے والوں سے ہے سو جب آئے

اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝۶۱ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝۶۲

خاندان لوط کے پاس بھیجے ہوئے اس نے کہا یقیناً تم لوگ اجنبی ہو

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۶۳ وَ

انہوں نے کہا بلکہ لائے ہیں ہم تیرے پاس وہ کہ تھے اس میں وہ شک کرتے اور

اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۶۴ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ

لائے ہیں ہم تیرے پاس حق اور یقیناً ہم البتہ سچے ہیں لے چل اپنے گھر والوں کو

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

حصہ میں رات کے اور پیچھے چل ان کے اور نہ التفات کرے تم میں سے

اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۵ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ

کوئی اور چلو جہاں کا تم حکم دیئے جاتے ہو اور فیصلہ کیا ہم نے طرف اس کی

پر خفگی کے آثار کم نہیں ہوئے۔ تو آپ نے ان کے آنے کا اصل مقصد دریافت فرمایا۔

۵۹ تا ۶۱۔ قوم لوط کے جرائم ایسے تھے کہ انہیں نام لینے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن آپ کی پریشانی کے پیشِ نظر ساتھ ہی تسلی دی کہ الِ لوط کو ہم ضرور بچالیں گے۔ انہیں بروقت اطلاع دے دیں گے اور وہ بحفاظت نکل جائیں گے۔ سوائے اس کی بیوی کے کہ جس کے متعلق ہمارا اندازہ ہے کہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی اور ہلاک ہوگی۔ یہاں آل میں آپ کے اتباع، اعوان و انصار اور اہل و عیال سب شامل ہیں۔

۶۲ تا ۶۵۔ اس رکوع میں قومِ لوط اور قومِ شعیب کی تباہی کا ذکر ہے۔ **منکرون** جن کا انکار کیا جائے۔ اجنبی نہ پہچانے ہوئے۔ غیر معلوم۔

حضرت ابراھیمؑ کو بیٹے کی بشارت اور قومِ لوط پر تباہی کی خبر دے کر یہ فرشتے آلِ لوط کے پاس آئے۔ حضرت لوطؑ نے کہا کہ تم اس علاقہ میں اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ اس پر فرشتوں نے کھول دیا کہ ہم اس عذاب کی خبر لے کر آئے ہیں جس کے متعلق یہ لوگ شک کرتے تھے۔ ہم تمہارے پاس یقینی خبر لائے ہیں اور یقیناً ہم سچے ہیں۔ گویا وہ موعود گھڑی اب آ پہنچی ہے۔

۶۶۔ (تشریح کے لئے سورۃ ھود ۸۲) عذاب سے کامل محفوظ تمہی کی ذات ہوتی ہے اس لئے

ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

اس امر کا کہ جڑھ ان لوگوں کی کاٹ جانے والی ہے صبح ہوتے ہی

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالَ اِنَّ

اور آئے اہل شہر خوشی کرتے ہوئے اس نے کہا یقیناً

هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۹﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا

یہ لوگ مہمان ہیں میرے پس نہ رسوا کرو مجھے اور ڈرو اللہ سے اور نہ

تُخْزُوْنِ ﴿۷۰﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ

ذلیل کرو مجھے انہوں نے کہا کیا نہیں ہم نے منع کیا تجھ کو تمام دنیا سے کہا

رحم کا تقاضا یہی تھا کہ وہ مومنین کے پیچھے چلے تا سب محفوظ رہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ بھی ایک موقع چھت کے گرنے کے آثار دیکھ کر تمام لوگوں کو وہاں سے نکال کر بعد میں خود نکلے۔ جونہی آپ نکلے چھت دھڑام سے نیچے آ رہی۔ **حیث تؤمرون** میں ان کی ہجرت کی جگہ کی بھی نشاندہی کر دی گئی تھی جو غالباً ملک شام تھا۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے میں مفسرین نے بائبل کے کئی عجیب و غریب قصے لکھے کسی نے لکھا کہ جو پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا پتھر کا ہو جاتا تھا کسی نے لکھا نمک کا ہو جاتا تھا **لاحول و لاقوۃ الا باللّٰہ العظیم**۔ حالانکہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے میں جلد نکل جانے کا اشارہ تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی پیچھے چھوڑی ہوئی متاع کا خیال نہ کریں جیسے حضرت لوطؑ کی بیوی اپنی بیاہتا بیٹیوں کی وجہ سے پیچھے رہی۔

۶۷۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ حضرت لوطؑ کو پہلے ہی سنا دیا تھا کہ صبح ہوتے ہی اس قوم کی جڑ کاٹ دی جائے گی یعنی صفحۂ ہستی سے مٹا دی جائے گی۔ **علیہِ** میں ضمیر حضرت لوطؑ کی طرف جاتی ہے۔ الٰہی عذاب عام طور پر صبح کے وقت ہی آتے ہیں۔ بچائے جانے والے بھی صبح تک عذاب کی حدود سے نکل چکے ہوتے ہیں۔

۶۸ تا ۷۱۔ **تفضحون۔ فضح**۔ بُرائی کی تشہیر کرنا۔ اسی سے فضیحت ہے۔ **فلاتفضحون** ٥ پس تم مجھے رسوا نہ کرو۔ **ولاتخزونِ (اَخزی)** تم مجھے ذلیل نہ کرو۔

(تشریح کے لئے سورۃ ھود۔) حضرت لوطؑ حضرت ابراھیمؑ کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ قوم لوط کی بستیاں عرب کے شمال مغرب میں تھیں۔ ان میں سدوم نامی بستی کی طرف آپ مبعوث ہوئے۔ یہ دو شاہراؤں کے سنگھم پر واقع تھی جہاں سے تجارتی قافلے گزرتے تھے یہ بستی کئی غیر اخلاقی جرائم میں ملوث تھی۔ مسافروں کو لوٹنا، ڈاکے ڈالنا اور لوٹ مار کرنا ان کا پیشہ تھا۔ مردوں

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۲﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ

بیٹیاں ہیں میری اگر ہو تم کرنے والے قسم ہے تیری عمر کی یقیناً وہ

لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

البتہ مدہوشی میں اپنی بھٹک رہے ہیں پس پکڑ لیا ان کو عذاب نے

سے غیر فطری فعل اور اپنی مجالس میں بدکاری اور بے حیائی کرنا ان کے محبوب مشاغل تھے۔ حضرت لوطؑ چونکہ غیر قوم سے تھے نیز ان کو ان کی بدکرداریوں پر سرزنش کرتے رہتے تھے اس لئے انہوں نے حضرت لوطؑ کو بیرونی لوگوں سے رابطہ رکھنے سے منع کیا ہوا تھا تا ایسا نہ ہو کہ وہ ان کی جاسوسی کر کے ہمسایہ قوم کو ان پر چڑھا لائیں اور ان پر حاکم بن جائیں انبیاء کی مخاطب قوموں کو اکثر یہی خطرہ ہوتا ہے حالانکہ انبیاء کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس لئے حضرت لوطؑ کے مہمانوں کو دیکھ کر وہ خوشی سے بھاگتے ہوئے آئے کہ اجنبیوں کو ٹھہرانے کی وجہ سے آپ کو ذلیل کریں۔

۷۲۔ تشریح کے لئے سورۃ ھود: ۷۹۔

انبیاء قوم کے لئے بمنزلہ باپ ہوتے ہیں۔ آپ نے قوم کی بہو بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں کہا (مجاہد، قتادہ، ابن جریج) **ان کنتم فٰعلین** ٥ کے یہ معنی نہیں کہ نعوذ باللہ میری بیٹیوں سے بدتمیزی کرلو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم بدتمیزی پر تلے ہوئے ہو اور کسی فیصلہ کی نیت سے ہی آئے ہو تو قوم کی بہو بیٹیاں کھڑی ہیں ان کا ہی لحاظ کرو۔ ان کے سامنے کچھ تو شرم کرو۔

۷۳۔ **عُمر** اور **عَمر** کے ایک ہی معنی ہیں۔ قسم کے لئے **عَمر** کا لفظ آتا ہے۔ انسان کے لئے سوائے خدا کے کسی کی قسم کھانا درست نہیں۔ کیونکہ وہ قسم میں اس کی عظمت کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مختلف اشیاء کی قسمیں کھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کی قسم کھائے اسے بطور شہادت پیش کرتا ہے۔ بقول حضرت ابنِ عباسؓ **بعَمرك** میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب رسولِ عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عُمر کی قسم کھائی ہے اور یہ اعزاز و فضیلت صرف آپ ﷺ کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی عمر کی قسم کھائی اور آپ ﷺ کو خوشخبری دی کہ تو زندہ رہے گا جبکہ تیرے مکذبین ہلاک کئے جائیں گے۔ نیز آپ ﷺ کی عمر کے واقعات کو اس واقعہ کے لئے بطور شہادت پیش کیا۔ فرمایا کہ کفارِ مکّہ بھی قومِ لوطؑ کی طرح اپنی بدمستیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ حضرت لوطؑ کی طرح آپ ﷺ کی دو صاحبزادیاں جنابِ رقیہ اور جنابِ امِ کلثوم ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی منکوحہ تھیں جنہوں نے آپ ﷺ کے دعویٔ نبوت کے بعد اپنے باپ کے

مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا
سورج نکلتے ہوئے پس کر دیا ہم نے اس کے بلند حصہ کو اس کا نچلا حصہ اور برسائے ہم نے

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
ان پر پتھر کنکروں سے دبنے ہوئے) یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں

لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
فراست رکھنے والوں کے لیے اور یقیناً وہ (گاؤں) راستے چلتے پر ہے یقیناً اس میں

اصرار پر انہیں طلاق دے دی۔ حضرت لوطؑ کی بیٹیوں کو تو سدومیوں نے کوئی تکلیف نہیں دی کہ معاملہ ان کے باپ کے ساتھ ہے انہیں دکھ دینے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ (ھود۔۸۰) اس کے باوجود وہ تباہ کئے گئے۔ ان کا حال کیا ہوگا جنہوں نے حبیبِ کبریا ﷺ کی دو بیٹیوں کو دکھ دینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بعد میں آپ ﷺ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ جو ابو العاص کی زوجہ تھیں جب ہجرت کر کے مدینہ آنے لگیں تو ظالموں نے انہیں سواری سے گرا دیا جس سے ان کا حمل ضائع ہو گیا وہ بیمار ہو گئیں اور دیر تک بیمار رہنے کے بعد اسی بیماری سے ان کی وفات ہوئی۔

۷۴۔۷۵۔ (تشریح کے لئے ھود ۸۴،۸۳)

حضرت لوطؑ مع اپنے اہل کے رات کے آخری حصہ میں نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد صبح ہوتے ہی انہیں گرجدار آواز نے آ پکڑا اور شدید زلزلہ سے زمین تہ و بالا ہو گئی اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ جو خود کو بہت اعلیٰ سمجھتے تھے وہ نیچے یعنی زیرِ زمین کر دیئے گئے اور جو معمولی اور نچلے درجہ کے سمجھے جاتے تھے انہیں عزت و وقار اور بڑائی نصیب ہوئی اور بچا لئے گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ زمین کو تہ و بالا کرنے میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کے مطابق سزا دیتا ہے۔ ان لوگوں نے فطرت کے تقاضوں کو الٹا دیا تھا۔ انہیں سزا ایسی ملی کہ زمین ان پر الٹا دی گئی۔ ان پر ایسے پتھروں کی بارش ہوئی جو مٹی اور کنکر سے بنتے ہیں جنہیں کھنگر کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ میدانی علاقوں کے رہنے والے تھے۔ وہاں یقیناً اس قسم کے مٹی ملے ہوئے پتھر ہوں گے جو زلزلہ کی شدت سے ان پر برسے۔ بعض زلزلوں میں دور دور تک پتھر گرتے ہیں۔ انڈونیشیا میں زلزلہ کے نتیجہ میں ایک مرتبہ ہزار میل تک پتھروں کی بارش ہوئی۔

۷۶۔ **متوسّمین التوسّمُ** کے معنی آثار و قرائن سے کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنے کے ہیں۔ **متوسمین**۔ اہل فراست۔ غور کرنے والے۔ کھوج لگانے والے۔

لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
ایک نشان ہے مومنوں کے لیے اور یقیناً تھے رہنے والے بن کے

لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۹﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۰﴾ ع ۹ ۵
البتہ ظالم پس انتقام لیا ہم نے ان سے اور یقیناً وہ دونوں البتہ راستہ کھلے پر ہیں

یہاں ایک عظیم پیشگوئی فرمائی کہ جو صاحبِ فراست ہیں اور جن میں غور و تدبر کا مادہ ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے واقعات کو لوطؑ کے واقعات سے مشابہت دی گئی ہے (آیت۔۷۳) اس لئے آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی اسی طرح تباہ کیا جائے گا۔ بیشک آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے اور آپ ﷺ کی قوم عذابِ استیصال سے بچائی گئی۔ لیکن اس سورۃ کے نزول کے چند سال بعد ہی جنگِ بدر میں آپ ﷺ کی مٹھی بھر کنکریوں نے کفار پر سنگریزوں کی بوچھاڑ کر دی اور جنگ کا پانسا پلٹ دیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۶۲۸۔۶۳۵۔ واقعاتِ بدر) ابو جہل اور عتبہ و شیبہ جیسے سردار مٹی میں مل گئے اور زید اور بلال جیسے غلام سرداروں سے زیادہ قابلِ احترام سمجھے جانے لگے۔ آج ماہرین آثارِ قدیمہ اگر تعصب سے بالا ہو کر تحقیق کریں تو متوسمین میں شامل ہوں گے۔ ان کے لئے ان تباہ شدہ بستیوں میں بہت سے نشان ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ ان نبیوں کا ذکر قرآنِ کریم نے فرمایا جن کے بلاد میں نافرمانوں اور فرمانبرداروں کے نشانات صحابہ کرامؓ کے لئے موجود تھے۔ صحابہ [illegible] پہنچے اور دیکھا کہ نبی کی مخالفت اور متابعت کا کیا انجام ہوا۔

۷۷۔۷۸۔ مقیم یعنی قائم و آباد۔ موجود۔

پہلے اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ کی زندگی کے واقعات سے مشابہت دی جسے سمجھنا صرف صاحبِ فراست کا ہی کام تھا۔ اب اس بستی کو مقامِ عبرت کے طور پر پیش کیا جو عام شاہراہ پر واقع ہے اور جس کے کھنڈرات ہر صاحبِ ایمان کے لئے عبرت کا نشان ہیں۔ ان سے مومن ہی نصیحت حاصل کر سکتے ہیں ورنہ عامۃ الناس کے لئے تو آثارِ قدیمہ سے زیادہ ان کی اہمیت نہیں۔ ان کھنڈرات کو دیکھتے ہی ایک مومن کی آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ ابھر آتا ہے جب پیغامِ حق پہنچانے کی پاداش میں انبیاء اور ان کے متبعین پر مظالم کی ایک لمبی داستان رقم ہوئی۔ تا اینکہ قہرِ الٰہی نے اس قوم کی صف لپیٹ دی۔ آج یہ کھنڈرات وہی داستانِ عبرت سنا رہے ہیں اور یہ وہ عبرت کا نشان ہے جو مومنین کو اپنے ربّ کے حضور جھکا دیتا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨١﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ

اور یقیناً یقیناً جھٹلایا رہنے والوں نے حجر کے رسولوں کو اور دی ہم نے ان کو

اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨٢﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ

آیتیں اپنی پس تھے وہ ان سے اعراض کرنیوالے اور تھے وہ تراش کر بناتے

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

پہاڑوں سے گھر امن میں پس پکڑ لیا ان کو عذاب نے

۷۹-۸۰-امام۔جس کے پیچھے چلا جائے۔راستے کو امام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے چلا جاتا ہے۔مبین۔واضح۔کھلا کھلا۔

اصحاب الایکہ قوم شعیبؑ کا دوسرا نام ہے۔ایکہ گھنے درختوں والی سرسبز و شاداب جگہ کو کہتے ہیں جہاں بکثرت پھل پھول ہوں۔یہ مدین کے پاس ایک سرسبز بستی تھی۔عربوں کے مصر اور شام کو جانے والے قافلے اسی بستی سے گزرتے تھے۔(قومِ شعیب کا مفصل بیان سورۃ الاعراف ۸۶ تا ۹۳، سورۃ ھود ۸۵ تا ۹۶ میں گزر چکا ہے) قوم مدین حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھی جو آپ کی تیسری بیوی قتورہ کی اولاد تھی۔یہ ایک ظالم قوم تھی۔ماپ تول کم دینا اور فتنہ و فساد پیدا کرنا ان کا خاص شیوہ تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایک شدید زلزلہ سے تباہ کیا۔قومِ لوط کے لئے بتایا کہ وہ سبیلِ مقیم پر واقعہ ہے یعنی وہ راستہ ہمیشہ قائم رہے گا۔چنانچہ وہ آج بھی جاری ہے۔قومِ شعیب کا مقام امامِ مُّبین بتایا یعنی واضح راستہ گویا راستہ تو ہوگا لیکن قائم نہیں ہوگا چنانچہ وہ راستہ آج بھی موجود ہے لیکن آمد و رفت بند ہے۔

۸۱ تا ۸۳-**اٰمنین**-امن کی خاطر-امن میں رہتے ہوئے۔بے خطر۔

اس آخری رکوع کے شروع میں قومِ ثمود کی تباہی کا ذکر کر کے اعدائے اسلام کو خبردار کیا۔(تشریح کے لئے سورۃ الاعراف ۷۴ تا ۸۰، سورۃ ھود ۶۲ تا ۶۹) ثمود یعنی قومِ صالحؑ کو اصحاب الحجر کہا یہ ایک متمدن اور متمول قوم تھی۔یہ لوگ چٹانی علاقوں میں رہتے اور پتھر تراش کر قلعہ نما گھر بناتے تھے۔ان کے شہروں کی فصیلیں بھی مضبوط پتھروں سے بنائی گئی تھیں۔یہ لوگ سردی میں میدانی علاقوں کے محلوں میں رہتے گرمیاں پہاڑوں پر بنائے ہوئے قلعوں میں گزارتے۔آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے یہاں سے تیزی سے گزرے اور صحابہ کو وہاں کا پانی تک استعمال کرنے سے منع فرما دیا کہ یہ بستی الٰہی عذاب کا مقام ہے یہانتک وہاں کے پانی سے گوندھے ہوئے آٹے بھی پھنکوا دیئے۔(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب الی ثمود حدیث نمبر ۳۱۲۸ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ)

مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَ

صبح کے وقت پس نہ کفایت کی ان سے اس نے کہ جو تھے وہ کماتے اور

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ

نہیں بنائے ہم نے آسمان اور زمین اور جو درمیان ان دونوں کے ہے مگر ساتھ حق کے

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٦﴾

اور یقیناً وہ گھڑی البتہ آنیوالی ہے پس درگذر کر درگذر کرنا اچھا

ممکن ہے کہ ان کھنڈرات کی ہوا انسانی صحت کے لئے مضر ہو یا ان کھنڈرات کے پرانے کنوؤں کا پانی زہریلا ہو چکا ہو اور استعمال کے قابل نہ رہا ہو۔ورنہ اکثر کھنڈرات پر شہر آباد ہیں اور قرآنِ کریم نے بہت سے مقامات پر علم آثار قدیمہ (Archaeology) کی حوصلہ افزائی کی ہے۔قرآنِ کریم نے ایک رسول کے جھٹلانے کو کل رسولوں کا جھٹلانا قرار دیا کیونکہ ایسے مکذبین خواہ کسی بھی رسول کے وقت ہوتے وہ ضرور اسے جھٹلاتے۔اگر یہ گزشتہ انبیاء کو مان رہے ہیں تو یہ ماننا محض رسماً ہے کہ اپنے باپ دادا کو ایسا کرتے دیکھا تھا ورنہ اس میں ان کے اپنے غور و تدبر کا دخل نہیں۔

ترتیب کے لحاظ سے پہلے قومِ ثمود پھر قومِ لوط اور پھر قومِ شعیب ہے۔لیکن یہاں فاصلے کے حساب سے ترتیب رکھی اور پہلے قومِ لوط کا ذکر کیا جس کا علاقہ مکّہ کے شمال مغرب میں سب سے دور ہے۔پھر قوم شعیب کا علاقہ آتا ہے ان کا ذکر کیا۔آخر میں قومِ صالح کا ذکر کیا جس کا علاقہ مکّہ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ان تینوں قوموں کے مسکن مکّہ سے شام و فلسطین کو جاتے ہوئے راستہ میں پڑتے ہیں۔ان تمام قصوں کا مقصد مکذّبین مکّہ کے لئے ان مقامات سے عبرت حاصل کرنا اور ان کو خبردار کرنا تھا۔دوسرے کئی ایک نشانات کے علاوہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی ان کے لئے نشان تھی یعنی شعائر اللہ میں سے تھی اسے قتل کر کے یہ قوم عذابِ الٰہی کی مورد بنی یہ بد بخت اس کے بعد حضرت صالحؑ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔اونٹنی کو پہلے مارا تا کہ آپ بھاگ نہ سکیں۔

۸۴-۸۵-جب صبح ہوتے ہی شدید زلزلہ کی صورت میں عذابِ الٰہی آیا تو اپنی حفاظت کے لئے بنائے ہوئے مضبوط قلعے اور محلات ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ ان کے لئے اور زیادہ تباہی و بربادی کا باعث بنے۔

۸۶-**صَفَحَ**-درگزر کرنا۔معاف کرنا۔صرفِ نظر کرنا۔**الساعة**۔گھڑی۔فیصلہ کی موعود گھڑی۔

جب تمام انبیاء کا پیغام بھی ایک ہی ہوتا ہے اور ان کے اعداء کی سرکشی پر نتیجہ بھی
ہلاکت کی صورت میں ایک جیسا ہی نکلتا ہے تو اعداءِ رسولؐ کا انجام بھی ان سے کچھ مختلف نہیں ہو
اِن اقوام پر زلزلہ یا آتش فشانی وغیرہ سے تباہی آئی اس لئے مکذبینِ رسول کے دل میں یہ خیال
ہوسکتا تھا کہ یہ ایک قدرتی امر ہے۔ زلازل وغیرہ آتے ہی رہتے ہیں اور نیک لوگ بھی ان کی لپیٹ
میں آ جاتے ہیں۔ بیشک ان تباہیوں کا ایک ظاہری سبب ہے لیکن اس ظاہری سبب کے ساتھ ایک
باطنی سبب بھی ہے اور پھر ان ظاہری و باطنی اسباب کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔ یقیناً یہ اسی کے
ہاتھ میں ہے جس نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے حق کے ساتھ پیدا کیا۔

حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں جیسا کہ دروازے کی چول اپنے گڑھے میں
اس طرح فٹ آ جاتی ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ اس میں گھومتی ہے۔ (مفرداتِ راغب) گویا اس
طرح پیدا کیا کہ معمولی سا رخنہ بھی نہ رہا۔ حق میں ان کے بامقصد پیدا کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے
۔آج سے کچھ عرصہ پہلے تک جو کچھ آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اسے ایک خلا سمجھا جاتا تھا جس
میں چاند، سورج اور ستارے گردش کر رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
کہ 1948ء میں پہلی بار تحقیق سے یہ پتہ چلا کہ Inter.Space بے انتہا چھوٹے چھوٹے ذرات
Black Matter سے بھری ہوئی ہے جس کا مادہ کم از کم اتنا ہے جتنا کہ Galaxies کا مادہ
ہے۔ قرآنِ کریم پہلی آسمانی کتاب ہے جس نے اس کا بھی ذکر کیا جو زمین و آسمان کے درمیان
ہے۔ اس عظیم کائنات کا پیدا کرنا یقیناً ایک عظیم مقصد کے تحت تھا۔ قرآنِ کریم نے بار بار اس مقصد کو
بیان کیا کہ یہ کل کائنات انسان کے لئے پیدا کی تا وہ اپنے ربّ کا فرمانبردار بندہ بنے اور اسے
شناخت کرے۔ لیکن اگر وہ یہ سب کچھ بھول کر صاحبِ لولاک اور وجہِ تخلیق کائنات حبیب کبریا
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو ناکام کرنے کے درپے ہو جائے تو اسے یقیناً مٹا دیا
جائے گا۔ فرمایا اہل مکّہ کی تباہی تو اب سر پر کھڑی ہے اس لئے اے رسول! فی الحال تُو ان کی
سرکشیوں اور زیادتیوں پر صرف نظر کر اور بہت عمدہ طریق سے درگزر کر لیکن وہ وقت جلد ہی آیا چاہتا
ہے کہ تجھے اعلیٰ ترین معافی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ پھر ایسا ہی ہوا اور عرب کی سرزمین میں خون کے
پیاسوں کو معاف کرنے کی رسم فتح مکہ پر متعارف ہوئی جب رحمۃ للعالمین نے اپنے جانی دشمنوں کو نہ
صرف معاف فرمایا بلکہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ عطا فرمائے۔

۸۷۔ آپ ﷺ کی انتہائی نرم طبیعت کی وجہ سے آپ ﷺ کو تسلی دی کہ ان کی تباہی پر پریشان

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۷﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا
یقیناً ربّ تیرا ہی بہت پیدا کرنیوالا بہت جاننے والا ہے اور یقیناً یقیناً دیں ہم نے تجھے سات (آیتیں)
مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۸﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ
دہرائی جانے والی اور قرآن بڑا نہ پھیر دونوں آنکھیں اپنی

ہو کر نہ ہوں۔ اگر ہم ایک قوم کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں تو خلاق بھی ہیں۔
ساتھ ہی دوسری قوم کو کھڑا کر دیتے ہیں جو اپنے ربّ کی رضا چاہنے والی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم ہے
وہ جانتا ہے کہ اس سرکش قوم کی ہلاکت کے بغیر وہ نظامِ نو نافذ نہیں ہوسکتا تھا جس کے لئے نبیوں کے
سردار خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ
رہے گی۔ وہ ہمیشہ سے خلق کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔ کائناتیں بنتی رہیں گی اور مٹتی رہیں گی۔

۸۸۔ مثانی۔ ثنی۔ ثنی اور اثنان گنتی اور دوبارہ لانے کے معنوں میں آتا ہے۔ ثنا حمد ہے جو
بار بار دہرائی جاتی ہے۔ سبع مثانی سات بار بار دہرائی جانے والی۔ (آیات) یعنی سورۃ الفاتحۃ۔
جب یہ بتایا کہ کفار پر عنقریب تباہی آنے والی ہے اور حکومت و امامت مسلمانوں کو ملنے والی
ہے تو ساتھ ہی قرآن کریم کی عظمت کی طرف توجہ دلائی کہ دنیوی جاہ و جلال کے ملنے پر قرآنی احکام
پر عمل کرنے میں کوتاہی سرزد نہ ہو اور اس کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔

خلق العلیم نے پہلے اپنی فعلی تخلیق کا ذکر کیا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان
کے درمیان ہے ان کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ گویا صحیفہ فطرت کی طرف توجہ مبذول کروائی۔ اب اپنی
حیرت انگیز قولی تخلیق کا ذکر کیا جو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآنِ عظیم ہے۔

حضرت علیؓ، ابنِ عباسؓ، ابنِ مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور دیگر ائمہ سلف نے سبع مثانی سے مراد
سورۃ فاتحہ لی ہے جو ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا کامل طور پر بیان ہوئی
ہے۔ اسے اُمّ القرآن اور فاتحۃ الکتاب بھی کہا گیا ہے کیونکہ یہ ساری قرآنی تعلیم کا خلاصہ اور نچوڑ
ہے۔ اگرچہ یہ صرف سات آیات پر مشتمل ہے لیکن تمام مقاصدِ دینیہ اس میں اجمالی طور پر بیان ہوئے
ہیں جبکہ قرآنِ کریم میں تفصیلی طور پر ہیں۔ قرآنِ کریم کو بھی مثانی کہا (الزمر ۳۹۔۲۴) اور احادیث میں
سورۃ فاتحہ کو قرآنِ عظیم کہا گویا یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ قرآنِ کریم کو مثانی کہنے میں اس کے بار بار
پڑھے جانے اور دہرائے جانے کی طرف اشارہ تھا نیز یہ کہ اس میں سے نئے نئے علوم نکلتے
رہیں گے۔ جو زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کریں گے حدیث میں ہے کہ لَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمُ وَلَا يَزِيغُ
فَيُسْتَعْتَبُ وَلَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهٗ یعنی جب بھی قرآن کریم میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کی

إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ

طرف اس کے کہ فائدہ دیا ہم نے ساتھ جس کے ان میں سے اور نہ غم کھا ان پر اور

اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝٨٩ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ

جھکا (شفقت کا) بازو اپنا مومنوں کے لیے اور تو کہدے یقیناً میں ہی ڈرانے والا ہوں

جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ اسے قائم کرنے کا سامان کر دے گا یعنی اس کجی کو دور کر دے گا جب اس میں زیغ پیدا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے گا اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے یعنی جب قرآنی مطالب کو بگاڑنے کی کوشش ہو گی تو اللہ تعالیٰ اسے سنوارنے کا سامان کر دے گا۔ اس کے علاوہ متعدد اولیائے کرام کے ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لئے مجدّد آتے رہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر مجدد بھیجے گا جو امت کے دین کی تجدید کرے گا۔ (ابوداؤد۔ کتاب الملاحم) چودھویں صدی جو برائیوں کا سرچشمہ تھی اس کی اصلاح کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے عین مطابق مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام تشریف لائے جنہوں نے اسلام کو نہ صرف اس کی اصل اور صحیح شکل میں پیش کیا بلکہ اسلام اور قرآنِ کریم پر لگائے گئے تمام الزامات کو دلائل سے ردّ فرمایا۔

۸۹۔ **تَمُدَّنَّ۔ مَدَّ**۔ کے معنی کھینچنا اور لمبا کرنا کے ہیں۔ ٹکٹکی لگا کر دیکھنا۔ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا۔ **ازواجًا زوج** کی جمع ہے۔ جوڑا ہمنشین۔ میاں بیوی۔ ایک دوسرے سے ملتے جلتے لوگ۔ گروہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دنیوی مال و منال کی طرف نظر تک اٹھا کر نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ دینِ حق کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی ہر نعمت اور حکومت کو ٹھکرا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی قرآنِ کریم کے مقابلہ میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو ذرہ برابر اہمیت نہ دی۔ دراصل قرآن کریم میں بہت دفعہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے لیکن حقیقی مخاطب امّت ہوتی ہے پس اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آنے والے خطرہ سے آگاہ کیا اور مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے وہ مسلمان ہیں جن کی آنکھیں یورپ اور امریکہ کے سامانِ عیش و طرب سے خیرہ ہوں گی اور وہ انہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھیں گے۔ فرمایا اگر آج تجھے کفار کی تباہی کی خبر سے دکھ ہو رہا ہے تو کل تیری امت کی حالت بھی ان سے کچھ زیادہ بہتر نہیں ہو گی۔ پس تو مومنین کے لئے بازوئے شفقت جھکائے رکھ اور قرآنِ کریم کے ذریعہ ان کی تربیت کرتا رہ۔ آج بھی تیری دعائیں اور شفقتیں ان کے ساتھ ہیں آخری زمانہ میں بھی تیری شفقت سے محروم نہیں ہوں گے۔ تیری قوتِ قدسیہ اور فیضان جاریہ سے

الْمُبِينُ ۝٩٠ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۝٩١ الَّذِينَ

کھلا کھلا اس لیے کہ اتارا ہم نے (عذاب) تقسیم کرنے والوں پر وہ جنہوں نے

جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۝٩٢ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ

کر دیا قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے پس قسم ہے رب کی تیرے کہ ضرور باز پرس کریں گے

ضرور ہے کہ تیرا مسیح و مہدی ان کے لئے مجسم رحمت و شفقت بن کر آئے اور قرآن و سنت سے ان کی صحیح تربیت فرمائے۔

۹۰۔ **نذیر المبین** کہہ کر پھر اس تباہی سے خبردار کیا جو بہت قریب آچکی تھی۔ جن انبیاء کو ذکر کیا ان کی قوموں پر تباہی آئی۔

۹۱۔۹۲۔ **مُقتسمین (قسَمَ)** تقسیم کرنے والے۔ بانٹنے والے۔ قسمیں کھانے والے۔ **عضین** ۔ ٹکڑے ٹکڑے۔ **عِضَة** کی جمع ہے جس کے معنی جز کے ہیں۔ اسی سے عضو ہے یعنی جسم کا ایک جزو۔ یہاں **کمآ** اس لئے کے معنی میں ہے۔

کفارِ مکّہ کے لئے عذاب کا ذکر ہے اس لئے فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کے لئے عذاب مقرر کر رکھا ہے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے فرائض تقسیم کر رکھے تھے۔ بعض مکّہ کے باہر شاہراہوں پر کھڑے ہوتے اور آنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکاتے۔ بعض یہ پراپیگنڈہ کرتے کہ اگر سچا ہوتا تو اس کے رشتہ دار اس کو کیوں نہ مانتے۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو دکھ دینے کی ذلت اپنے ذمہ لی ہوئی تھی یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے قرآنِ کریم کے ٹکڑے کئے۔ قرآن کے ٹکڑے کرنا اس کی بعض باتوں کو چھپانا اور بعض کو غلط رنگ دے کر ظاہر کرنا بھی ہے۔ ان آیات میں ایک پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ تھا۔ اصحاب الحجر کے متعلق بتایا (سورۃ النمل ۴۹۔۵۰) کہ وہ نو آدمی تھے جنہوں نے حضرت صالحؑ کو مارنے کا منصوبہ بنایا تھا اور قسمیں کھائی تھیں کہ رات حضرت صالحؑ کو مار ڈالیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ (حقائق القرآن جلد۲ صفحہ ۴۷۰) ہجرت کے موقع پر بھی نو ہی آدمی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا اور قسمیں کھائیں۔ حدیث میں ان کے نام اور عبرتناک انجام کا ذکر ہے۔ ان میں سے آٹھ تو جنگِ بدر میں واصل جہنم ہوئے۔

افسوس کہ خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنانے والے بھی نو جماعتوں کے سربراہ تھے جس کی اطلاع آپ کو بروقت مل گئی اور آپ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ بیشک مفسرین کرام نے اُس زمانہ کے حالات کے مطابق ان آیات کی تفاسیر بیان فرمائیں جو صحیح ہیں۔ لیکن

اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ فَاصْدَعْ بِمَا

ہم ان سب سے | متعلق اس کے کہ تھے وہ | عمل کرتے | پس کھول کر بیان کر وجس کا آ

تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ

حکم کیا جاتا ہے اور اعراض کر | مشرکوں سے | یقیناً | کفایت کی ہم نے تجھ

یہ آیات بعینہٖ آج کا نقشہ پیش کر رہی ہیں۔امت کو فرقوں میں تقسیم کرنے والے اور کافر قرار
والے بھی آج کے علماء ہی ہیں۔آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کوئی فرقہ وجود میں آیا نہ قرآن کریم
ٹکڑے ہوئے اور نہ ہی قرآنِ کریم کے معانی میں اختلاف ہُوا۔آج امت کو بہتر فرقوں میں
کرنے والوں نے اپنے اپنے مفاد میں جس طرح چاہا قرآنِ کریم کے مطالب نکال لئے اور قرآن
کریم کے ٹکڑے کئے۔کسی نے عیسیٰ ؑ کو آسمان پر بٹھایا اور کسی نے ادریس کو یہاںتک کہ مسیح موعود
مہدی معہود حکم و عدل بن کر اس امت کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے جو خیر الامم ہے اور ایمان
ثریا سے اتار لائے۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ و مسلم)

۹۳-۹۴-**ربّکَ**۔میں تانیس و محبت کا اظہار ہے یہ لفظ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیم
حضرت موسیٰ ؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت مریم ؑ کے لئے ایک ایک دفعہ آیا ہے جبکہ محمد عربی ﷺ
روحی و جنانی کے لئے ۱۱۲ مرتبہ آیا ہے۔اس سے اس محبت و الفت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو مالک
جہان کو اپنے پیارے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔

فرمایا تیرے ربّ ہی کی قسم جب تیری کتاب سے یہ سلوک ہو گا تو ہم ان سب سے
پوچھیں گے۔حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ماضی پر اطلاق پا ہی نہیں سکتا۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ
تعالیٰ)

۹۵-**اصدع۔صدع**۔کسی سخت چیز کو شق کرنا یا پھاڑنا۔بات کو کھول دیا۔واضح کر دیا۔
اصدع۔تو کھول کر کہہ۔اعلان کر۔

آپ ﷺ تو پہلے بھی مشرکین کو خوب کھول کر ہی تبلیغِ حق فرماتے تھے۔لیکن آخری مکی
زمانہ میں جب مشرکین نے مسلمانوں پر مصائب و شدائد کی تمام حدیں توڑ دیں، انہیں مٹانے کے
لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور مکّہ کی زمین آپ ﷺ پر تنگ کردی تو آپ ﷺ پناہ کی تلاش میں
طائف پہنچے۔اہلِ طائف نے آپ ﷺ کا استقبال پتھروں سے کیا۔سر سے پاؤں تک خون میں
آپ ﷺ میلوں بھاگتے چلے گئے اور طائف کے اوباش لونڈے پتھر برساتے رہے۔آخر تھک کر
واپس لوٹے۔(جامع الصغیر للسیوطی)

الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۶﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

ہنسی کرنے والوں سے | وہ جو کہ | قرار دیتے ہیں | ساتھ | اللہ کے | معبود

اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ

دوسرا | پس ضرور وہ | جان لیں گے | اور یقیناً یقیناً جان لیا ہم نے کہ تو وہ ہے کہ تنگ ہوتا ہے

صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۸﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ

سینہ تیرا اس سے جو وہ کہتے ہیں | پس تسبیح بیان کر ساتھ حمد کے رب کی اپنے | اور ہو جا

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۱۰۰﴾ ع ۶/۶

سجدہ کرنیوالوں سے | اور عبادت کر رب کی اپنے یہاں تک کہ آئے تیرے پاس | موت

ان حالات میں باری تعالیٰ کا حکم کہ جو خدائی فیصلہ ان کی ہلاکت اور مسلمانوں کی ترقی و
کامیابی کا جاری ہو چکا ہے ان کو خوب کھول کر بتا دے۔ان کے مظالم اور مخالفتوں اور منصوبوں کی
ہرگز کوئی پرواہ نہ کر۔اِن حالات میں اس خدائی حکم پر عمل آپ ﷺ کے خدا داد قوتِ حوصلہ کی دلیل
ہے۔یہ ساری آیات موجودہ آخری زمانہ پر بھی اطلاق پا رہی ہیں۔

۹۶-۹۷-کفار کی ہلاکت اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کی خبروں پر مشرکین ہمیشہ ہی استہزاء
کرتے تھے۔فرمایا ان ٹھٹھا اُڑانے والوں کے لئے ہم کافی ہیں۔یہ اللہ کے سوا دوسرے معبود بنانے
والے جلد ہی اپنا انجام دیکھ لیں گے اس پیشگوئی کا کامل ظہور تو ہجرت کے بعد کفار کی شکست و ذلت
سے ہُوا۔انفرادی ظہور اس طرح ہُوا کہ مکّہ کے پانچ سرکردہ رئیس دشمنِ دین جو ان [illegible] کرنے والوں
کے لیڈر تھے آنحضرت ﷺ کی وحی کے عین مطابق ہلاک ہوئے۔جبریلِ امین نے ان کے جن جن
اعضاء کی طرف اشارہ کیا تھا وہ انہی بیماریوں سے واصلِ جہنم ہوئے۔آج کے تمسخر اڑانے والے
مشرکین کے لئے بھی یہ آیات کافی ہیں۔

۹۸-۹۹-آنحضرت ﷺ اپنے ربّ کی محبت میں اس قدر فنا تھے کہ مشرکانہ عقائد و اقوال
آپ ﷺ کے قلب مبارک کو سخت تکلیف پہنچاتے۔فرمایا کہ اللہ کے وعدے بہت جلد پورے ہونے
والے ہیں۔اور عنقریب شرک مٹنے کو ہے۔پس آپ ﷺ اللہ کی تسبیح و تحمید میں لگ جایئے اور سجدہ شکر
بجا لایئے۔آخرین کے لئے بھی یہی نصیحت ہے۔قرآنِ کریم نے جب بھی اسلامی فتح و نصرت کی خبر
دی تو ساتھ ہی تسبیح و تحمید کا حکم بھی دیا۔جیسا کہ سوۃ نصر میں فرمایا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے
ہیں **سبّح بحمد ربّک** میں دشمنوں سے بچنے کا طریق بتایا۔(تشحیذ الاذہان جلد۸ نمبر۹ صفحہ۴۶۲)

۱۰۰-یقین موت کے معنی میں بھی آتا ہے۔حق الیقین کی طرف بھی اشارہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ اس آیت کی تفسیر کو نہایت اختصار سے قرآ[ن] کے ہی الفاظ میں بیان کرتی ہوں فرمایا یقین سے مراد موت ہے لیکن روحانی موت۔ مومن کو لاز[م] کہ اس وقت تک عبادت سے نہ تھکے نہ سُست ہو جب تک کہ یہ جھوٹی زندگی بھسم نہ ہو جا[ئے] اس کی جگہ نئی زندگی جو ابدی اور راحت بخش ہے، اس کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے اور روح میں سکینت اور استراحت نہ پیدا ہو جائے اور اسے یقینِ کامل کا مرتبہ حاصل نہ ہو جائے۔ تمام حجاب ظلماتی پردے دور ہو کر یہ سمجھ آ جائے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا۔ بلکہ اب تو نئی زمین اور آسمان ہے اور میں بھی کوئی نئی مخلوق ہوں یہ حیات ثانی وہی ہے جسے صوفی بقا کا نام دیتے ہیں۔ [اس] وقت بندے کی کوئی حرکت و جنبش اللہ کی رضا کے سوا نہیں ہوتی۔ جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ کی روح کا اس پر نفخ ہوتا ہے، ملائکہ کا اس پر نزول ہوتا ہے اور الہام سے نوازا جاتا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کی نسبت فرمایا اگر کوئی چاہے کہ مردہ میت کو زمین پر چلتا ہوا دیکھے تو ابوبکر کو دیکھے ابوبکر کا درجہ اس کے ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ اس بات سے ہے جو اس کے [دل] میں ہے۔ (الحکم جلد ۴ نمبر ۳۱ مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۳) نیز فرمایا "ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہمارے دوست و احباب ایسے بن جائیں کہ گویا فرشتے ہیں اور ابھی آسمان سے اترے ہیں یہ دنیا میں ہوں گو نہ ہوں۔" (الفضل ۱۱ مارچ ۱۹۹۹ء)

☆☆☆

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورة نحل۔ یہ سورة مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو انتیس آیات اور سولہ رکوع ہیں

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے قاعدہ کی رو سے چونکہ اس سورة کے شروع میں حروف مقطعات نہیں اس لئے یہ پہلی مقطعات والی سورة کے تابع ہے اور اسی مضمون کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ اس سے پہلی پانچ سورتیں الٓرٰ سے شروع ہوئیں اس لحاظ سے یہ اس سلسلہ کی آخری سورة ہے۔ (بہتر ہو گا کہ پچھلی پانچ سورتوں کے شروع میں دیئے گئے مختصر تعارفات پر ایک نظر ڈال لی جائے کیونکہ ان سورتوں کا زمانہ نزول اور مضمون قریباً ایک ہی ہے) الٓرٰ سے شروع ہونے والی سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت رویت کا اظہار ہے کہ جو کچھ میرے محبوب ﷺ کے ساتھ سلوک کر رہے ہو میں اسے خوب دیکھتا ہوں۔ اس سلسلہ کی اس آخری سورة میں اس نتیجہ کا ذکر کیا جو کفار کی ناکامی و ذلت اور مسلمانوں کی نصرت و تائید کی صورت میں ظاہر ہونے والا تھا۔

اس سورة کا نام نحل رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس میں نحل کی وحی کے ذکر میں بتلایا کہ تمام کارخانہ عالم وحی پر چل رہا ہے اور یہی مضمون اس کا مرکزی نکتہ ہے۔ چونکہ یہ ہجرت کے قریب کی سورة ہے۔ اس لئے اس میں جہاد کا پہلی بار ذکر کیا۔ تا کہ ان صابر و شاکر بندوں کو جنہوں نے شدید مظالم کے آگے اپنے سینے سپر کئے رکھے، ذہنی طور پر جہاد کے لئے تیار کیا جائے۔ نحل کی مثال دینے میں یہ بھی اشارہ تھا کہ اس میں شہد بھی ہوتا ہے اور ڈنگ بھی لیکن شہد کی افادیت ڈنگ کے زہر سے بہت زیادہ ہے اسی طرح جہاد کے فوائد اس کے نقصانات سے بہت بڑھ کر ہیں۔ اس سورة کو آنے والی تباہی کی پیشگوئی سے شروع کیا چونکہ شرک پر زبردست اور آخری چوٹ لگنے والی تھی اس لئے رحمانیت کے تحت دیئے گئے انعامات کو شرک کے رد اور توحید کے ثبوت پر بطور شہادت پیش کیا۔ آخر میں بتایا کہ اللہ کی معیت متقین و محسنین کے ساتھ ہے۔ گویا تقویٰ ہی ہے جو متقین اور محسنین کو اپنے محبوب سے ملا دیتا ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا

آگیا حکم اللہ کا پس نہ جلدی کرو اس کی پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جسے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۲﴾ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى

وہ شریک بناتے ہیں اتارتا ہے فرشتوں کو ساتھ کلام کے حکم سے اپنے

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا

جس پر چاہتا ہے بندوں سے اپنے یہ کہ ڈراؤ بات یہ ہے کہ نہیں کوئی خدا مگر میں

فَاتَّقُوْنِ ﴿۳﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى

پس ڈرو مجھ سے پیدا کئے اس نے آسمان اور زمین ساتھ حق کے بلند ہے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔اس رکوع میں بتایا کہ جو خدا انسان کی ظاہری ضروریات کا ذمہ دار ہے اور اس کے لئے سامان مہیا کرتا ہے وہ روحانی ضروریات کا سامان کیوں نہیں کرے گا۔ پچھلی سورۃ کے آخر پر (آیت ۸۶) بتایا کہ تباہی کی گھڑی سر پر ہے۔اس سورۃ کو شروع ہی **اتٰی امراللّٰه** سے کیا کہ خدا کا حکم آچکا ہے۔یہاں ماضی کا صیغہ لاکر بتایا کہ یہ اتنا یقینی ہے گویا ہو ہی چکا ہے۔پس اگر کچھ مہلت مل رہی ہے تو اس سے فائدہ اٹھالو۔امراللہ کے ساتھ ہی شرک کی نفی میں اشارہ تھا کہ مسلمانوں کی فتح اور تمہاری شکست سے ایسا نظامِ نو قائم ہوگا جو شرک کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔اور توحید ہمیشہ کے لئے قائم کردی جائے گی۔

۳۔روح۔کلامِ الٰہی کو بھی کہا گیا جو روحانی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔روح القدس بھی مراد ہے۔اس سورۃ کی ابتدا بغیر کسی تمہید کے سخت انذاری پیشگوئی سے جلالی رنگ میں ہوئی۔فرمایا کہ شرک کے دفعیہ کے لئے اس نے فرشتوں کو اپنا کلام دے کر فخرِ رُسل نبی اکرم ﷺ پر نازل فرمایا تا کہ وہ خبردار کریں۔**انــذروا** جمع کا صیغہ ہے۔خبردار کرنے کا حکم سب کو دیا گویا آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے متبعین بھی انذار و تبلیغ پر مامور ہیں۔اب مالکِ کون و مکاں شرک کی نفی کے ثبوت میں اپنی گواہی کو پیش کرتا ہے جبکہ اگلی آیات میں اپنی تخلیق کو شرک کے ردّ اور توحید پر شہادت کے طور پر پیش کیا۔

۴۔اپنی تخلیق میں سب سے پہلے زمین و آسمان کے نظام کو توحید کے ثبوت پر بطور

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ

اس سے وہ شریک بناتے ہیں پیدا کیا انسان کو نطفہ سے پس اچانک وہ

خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ

جھگڑنے والا ہے کھلا کھلا اور مویشی پیدا کیا انہیں تمہارے لیے ان میں سامان گرمی ہے اور

مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۶﴾ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ

نفعے ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان میں خوبصورتی ہے جب شام کو

شہادت پیش کیا۔زمین و آسمان کی پیدائش کو سمجھنے کے لئے سائنسدانوں نے عمریں گنوا دیں لیکن ابھی تک اس کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکے۔فرمایا کہ زمین و آسمان کو حق و حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔یہ سارا نظام بغیر کسی مدبر بالارادہ ہستی کے وجود میں نہیں آسکتا تھا۔پس وہ ذاتِ پاک اس سے بہت بالا ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

۵۔**نطفہ۔** مصفّٰی پانی خواہ کم ہو یا زیادہ۔عام مراد منی ہے۔

زمین و آسمان کی تخلیق کو توحید کے ثبوت پر بطور شہادت پیش کر کے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا جو ربّ العالمین کا ایک عظیم شاہکار ہے اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔گویا عالمِ کبیر کے بعد عالمِ صغیر کا ذکر کیا۔اگر انسان خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر غور کرتا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی خون کو اس کی خوراک کے بہترین مصفّٰی جوہر سے پیدا کیا۔ پھر اس خون کا مصفّٰی جوہر وہ نطفہ ہے جس سے انسان کا وجود ہوا، تو باری تعالیٰ کے احسان کے تصور سے اس کی گردن جھک جاتی۔مگر افسوس کائنات پر بکھرے ہوئے خدا تعالیٰ کے بے حد و حساب انعامات پر غور و تدبر نہ کرنے اور ان کی طرف سے آنکھیں بند رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے ربّ کا احسان فراموش اور جھگڑالو بندہ بن جاتا ہے۔یہ بھی مراد ہے کہ نطفہ جیسے معمولی قطرے سے پیدا ہونے والے انسان کی گستاخی و بیباکی تو دیکھو کہ اپنے ہی پیدا کرنے والے کی ذات و صفات کے بارے میں جھگڑتا ہے۔

۶۔**دف۔** گرمی حاصل کرنے کا سامان۔جاڑے کا سامان۔

بتایا کہ جس طرح کل کائنات انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہے اسی طرح تمام زمینی اشیاء بھی اس کے فائدہ کے لئے پیدا کیں۔اب یہ اس کے عقل و شعور پر منحصر ہے کہ وہ ان کو بنی نوع انسان کے لئے منفعت بخش بناتا ہے یا ضرر رساں۔ان میں سب سے پہلے ایسے جانوروں کا

تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۷ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ
چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے نکلتے ہو اور وہ اُٹھاتے ہیں بوجھ تمہارے اس شہر تک کہ
لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ
نہیں تھے تم پہنچنے والے اس تک مگر ساتھ تکلیف میں ڈالنے جانوں کو یقیناً رب تمہارا البتہ بہت مہربان

ذکر کیا جن میں گائے، بھینس، بھیڑ، بکری اور اونٹ وغیرہ شامل ہیں۔ جو انسانی ضروریات کے پیدا کئے گئے۔ ان کا پوست اور اون وغیرہ انسان کے لئے گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ یعنی سے بچاؤ کا باعث ہے۔ ان جانوروں کے بے شمار دیگر فوائد بھی ہیں جیسے سواری، کھیتی باڑی، باربرداری وغیرہ نیز ان میں سے بعض کا گوشت انسانی خوراک کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ یہ قدرت کی ایسی مشینیں ہیں جو ہمارے لئے اکمل الاغذیہ یعنی دودھ مہیا کرتی ہیں۔ اسی سے دہی، مکھن اور پنیر وغیرہ حاصل کیا جاتا ہے اور انواع و اقسام کی چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ یہ بتایا کہ جب تمام مخلوق انسان کے لئے مسخر کر دی، اس کے تابع ہے اور اس کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی۔ تو ضرور ہے کہ کوئی قادر مطلق اور خالقِ کل ہو جس کے تابع انسان ہو۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ جس نے تمہاری مادی، سفلی اور عارضی ضرورتوں کا اس قدر اہتمام کیا ہے وہ تمہاری روحانی اور دائمی ضرورتوں کا انتظام کیوں نہ کرے گا۔

۷۔ **تریحون**۔ تم شام کو واپس لاتے ہو۔ شام کو جانوروں کو چرا کر واپس لانے کے لئے بولا جاتا ہے۔ **تسرحون**۔ تم صبح جانوروں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیتے ہو۔

قرآنِ کریم کے اوّل مخاطب عرب تھے۔ جن کے جانور ان کے لئے وجہِ زینت و افتخار تھے۔ دنیا کے بیشتر ممالک اور دیہاتوں میں آج بھی ایسا ہی ہے کہ ان کی سب سی بڑی دولت ان کے جانور ہیں جن پر ان کی معیشت کا دارومدار ہے۔ جمال کا تعلق **تریحون** سے ہے اس لئے اسے پہلے رکھا کیونکہ شام کو جانور چر چُگ کر زیادہ تروتازہ اور خوبصورت نظر آتے ہیں۔ نیز صبح منہ اندھیرے کوئی انہیں دیکھنے والا بھی نہیں ہوتا جبکہ شام کو لوٹتے ہوئے یہ گلّے مالک کے لئے زیادہ فخر اور جمال کا باعث ہوتے ہیں۔ اس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ جس طرح تمہارے لئے تمہارے جانور زینت اور بڑائی کا باعث ہیں۔ حالانکہ تم نے انہیں پیدا کیا نہ کھلایا نہ پلایا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بھی جس کے لئے کل کائنات کو پیدا کیا اللہ کے لئے باعثِ فخر و جمال ہونا چاہئے نہ کہ باعثِ شرمندگی۔

رَّحِيْمٌ ۝۸ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ
بہت رحم کرنیوالا ہے اور گھوڑوں کو اور خچروں کو اور گدھوں کو (پیدا کیا) تاکہ سوار ہو تم ان پر اور بطور زینت
وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ
اور پیدا کریگا جو نہیں جانتے تم اور اللہ پر میانی راہ کا بتانا ہے اور
مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۰ هُوَ الَّذِيْٓ ع ۱ / ۷
بعض ان میں سے ٹیڑھی ہیں اور اگر چاہتا البتہ ہدایت دیتا تم کو سب کو وہی ہے جس نے
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ
اتارا بادل سے پانی تمہارے لیے کہ اس سے پینا ہے اور اسی سے درخت ہیں کہ

۸۔ اب بار برداری کے کام آنے والے جانوروں کا ذکر کیا جو انسان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ آج بھی ان جانوروں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ جدید ترین ایجادات کے باوجود دنیا میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں صرف جانور ہی بار برداری کے کام آتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ ان دشوار گذار راستوں پر تمہارا سامان لے جاتے ہیں جہاں سامان پہنچانا تو درکنار تم خود بھی اپنی جان جوکھوں میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ اس میں اشارہ فرمایا کہ جس ربّ نے تمہارے دنیوی سفروں کے لئے اتنی سہولتیں بہم پہنچائیں کیا وہ تمہارے روحانی سفر کے لئے کوئی سامان پیدا نہ کرتا۔ پس یہ انبیاء ہی ہیں جو تمہارے بوجھوں کو اٹھاتے ہیں اور ان کا آنا **رءوف رحیم** ربّ کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ وہ **رءوف رحیم** ربّ اپنے کمزور بندوں کا بوجھ خود اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا **ووضعنا عنک وِزرکَ**٥ (سورۃ الم نشرح:۲)

۹۔ خاص بار برداری کے لئے جو جانور عام طور پر استعمال ہوتے ہیں ان کا ذکر کرنے کے ساتھ ہی ایک زبردست پیشگوئی فرمادی کہ وہ تمہارے لئے ایسی مزید سواریاں بھی پیدا کرے گا جو تمہاری زینت کا باعث ہوں گی۔ جن کا ابھی تمہیں علم نہیں ان سے مراد موجودہ دور کی تمام سواریاں ہیں اور وہ بھی جو آئندہ ایجاد ہوں گی۔ موٹریں بھی زینت کا باعث ہیں اور جو جہازوں وغیرہ کے مالک ہیں وہ بھی ان کے لئے باعثِ زینت ہیں۔ یہ بھی مراد ہے کہ اور بھی بہت سی اشیاء ہیں جو تمہاری خدمت میں مصروف ہیں ابھی تمہیں ان کا علم نہیں۔

۱۰۔ پہلے ان نعمتوں کا ذکر کیا جو انسان کی جسمانی ضروریات کے لئے تخلیق کیں۔ اب بتایا کہ روحانی نعمتوں سے بھی انسان کو محروم نہیں رکھا اور ہمیشہ اس کی ہدایت کے سامان کئے۔ پس جس طرح جسمانی ضروریات کو پورا کرنا اللہ کے ذمہ ہے اسی طرح روحانی ضرورتوں کو پورا کرنا اور

فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ

جس میں تم (جانور) چراتے ہو — وہ اُگاتا ہے تمہارے لیے ساتھ اسکے کھیتی — اور — زیتون

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور کھجوریں — اور — انگور — اور — ہر — پھل — یقیناً اس میں

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَ

البتہ نشان ہے ان لوگوں کیلئے جو سوچ بچار کرتے ہیں — اور کام میں لگا دیئے تمہارے لیے رات — اور — دن — اور

اپنے بندوں کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنا بھی اللہ پر بندوں کا حق ہے۔جیسا کہ فرمایا **ان علینا للھدی** o (۹۲:۱۲) اسی مقصد کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء مبعوث فرمائے جو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے رہے۔لیکن مرورِ زمانہ اور انسانی خود غرضیوں سے وہی سیدھے راستے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔اسی لئے فرمایا کہ بعض ٹیڑھے بھی ہیں۔تب ضرورت ہوتی ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی رہبر آئے جو بندوں کی صحیح رہنمائی کرے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت نافذ کرتا تو سب کو ہدایت دے دیتا۔لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی حکمت و مصلحت کے تحت انسان کو صاحبِ اختیار و مقدرت بنایا تا وہ اجر و جزا کا مستحق ٹھہرے اور فرشتوں سے بڑھ کر مقام حاصل کرے۔

۱۱۔**تسیمون**۔تم چراتے ہو۔شجر کا لفظ ہر اُگنے والی چیز پر بولا جاتا ہے۔

اس رکوع میں صحیفہ کائنات کو توحید کی شہادت کے طور پر پیش کیا۔ اور پچھلے مضمون کو جاری رکھا۔بارش قدرت کا انمول تحفہ ہے۔جس پر اہل زمین کی حیات کا دارومدار ہے۔اور اسے وجود میں لانے کے لئے ایک حیرت انگیز کائناتی نظام مصروفِ عمل ہے۔پچھلی آیت میں نعمائے الٰہی کے ذکر میں حیوانات اور حیوانی غذا کا ذکر تھا یہاں پانی سے وجود میں آنے والی نباتات اور نباتی غذا کا ذکر ہے جو جانوروں کے علاوہ انسان کے لئے بھی نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔

۱۲۔پانی کے ذریعہ عطا کردہ نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں یقیناً ایک بہت بڑا نشان ہے۔سائنسدانوں نے غور و فکر کیا اور قدرت کے کئی راز ہائے بستہ سے پردہ اٹھایا۔ایک ایک درخت، پھل، پھول یہانتک کہ پتوں پر لاتعداد کتابیں لکھی گئیں۔ان نباتات سے انسان نے کھانے پینے، فرنیچر و عمارتیں وغیرہ بنانے کے علاوہ لباس، کاغذ، صابن، ادویات اور دیگر ضروریات کی ان گنت ایسی چیزیں تیار کی ہیں جن کے بغیر آج زندگی ادھوری ہے۔

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ

سورج — اور چاند — اور ستارے کام میں لگائے ہوئے ہیں ساتھ حکم کے اس کے — یقیناً اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ

البتہ نشان ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل کرتے ہیں — اور جو پیدا کیا تمہارے لیے — زمین میں

اس آیت میں جن تین پھلوں کا ذکر کیا وہ آج بھی قدرت کا بیش بہا تحفہ ہیں۔بارش اور بارش سے پیدا کردہ کھیت کھلیان اور انواع و اقسام کے پھلوں سے لدے ہوئے باغوں میں خاص نشان یہ ہے کہ یہ سب صاحبِ فکر کے لئے توحید کا ایک بڑا نشان ہے جوں جوں وہ غور و فکر کریں گے اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ایک ایک پتہ توحید کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۱۳۔پہلے حیوانات و نباتات کا ذکر کیا کہ وہ انسانوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔لیکن ان کے فوائد میں کسی نہ کسی حد تک انسان کا بھی عمل دخل ہوتا ہے۔اس لئے ان کے لئے سخر کا لفظ نہیں آیا جس کے معنی بغیر اجرت کے کام پر لگنے کے ہیں۔البتہ رات، دن، سورج، چاند اور ستاروں کے ذکر میں **سخر** کا لفظ آیا کہ ان سے جو تاثیرات اور فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔ان کے حصول میں انسانی محنت و تصرف کا ہرگز کوئی دخل نہیں۔ان کے فوائد محض اللہ کی صفتِ رحمانیت کے طفیل ہے۔ملحقہ آیت میں حیوانات اور نباتات سے فائدہ حاصل کرنے کو کہا جن کا تعلق قریب سے تھا اس لئے غور و فکر کی دعوت دی۔لیکن اجرامِ فلکی کی دُوری کا یہ حال ہے کہ سورج کے [illegible] گھومنے والے ستاروں کو چھوڑ کر زمین سے قریب ترین ستارہ دو ہزار کھرب میل دور ہے اس کی روشنی تین سال بعد یہاں پہنچتی ہے۔اگر وہ آج مٹ جائے تو ہمیں تین سال تک نظر آتا رہے گا۔اسی طرح کہکشاں کا قریب ترین ستارہ دس لاکھ نوری سال اور بعید ترین ستارہ پندرہ کروڑ نوری سال کی مسافت پر ہے۔اگر ہم اس پر پہنچ جائیں جو بظاہر ناممکنات میں سے ہے تو تخلیقِ کائنات سے پہلے کے واقعات نظر آئیں گے۔پس سورج، چاند اور ستاروں سے فوائد حاصل کرنا عقلمندوں کا ہی کام ہے اور ان میں عقلمندوں کے لئے نشان ہیں جیسا کہ آجکل سائنسدان سورج کی روشنی سے ایندھن اور بجلی وغیرہ کا کام لے رہے ہیں۔

اس آیت میں رات اور دن کا ذکر پہلے کیا کیونکہ ان کی تاثیرات و فوائد سے ایک عام آدمی بھی کافی حد تک آگاہ ہوتا ہے۔پھر سورج اور چاند کا ذکر کیا۔جن کی تاثیریں اور فوائد بے حد و حساب ہیں اور جن کے بغیر دنیا اور اہلِ دنیا کا وجود ناممکن ہے۔پھر ستاروں اور سیاروں کا ذکر کیا۔

مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۱۳

مختلف ہیں رنگ اس کے یقیناً اس میں البتہ نشان ہے ان لوگوں کیلئے جو نصیحت پکڑتے ہیں

جن کی تاثیروں سے اہلِ زمین مستفید تو ہوتے ہیں۔لیکن سورج اور چاند کے مقابلہ میں بہت کم

۱۴۔**لون**۔رنگ۔قسم۔

ابھی ستاروں کی تاثیر کا ذکر تھا۔یہاں بتایا کہ نباتات و اثمار پر تنوع انہی کی بدولت ہے (تشریح کے لئے سورۃ الحجر آیت ۲۰) غرض اس کی مخلوق میں تنوع باری تعالیٰ کا خاص احسان ہے ورنہ اگر ایک ہی قسم اور رنگ ڈھنگ کے انسان،حیوان یا نباتات وغیرہ ہوتے تو بے حد مشکلات کا سامنا ہوتا اور تنوع پسند انسان کبھی راحت وسکون حاصل نہ کر سکتا۔پس مختلف اقسام اور مختلف رنگوں کی انواع و اقسام چیزیں مختلف طبائع کے انسانوں کے لئے پیدا کیں جو ان کی خدمت پر مامور ہیں۔ یہاں رنگوں کے اختلاف میں مختلف رنگوں کے فوائد و تاثیرات کی طرف بھی اشارہ ہے۔بلکہ زمانہ قدیم میں لوگ اس سے واقف نہیں تھے لیکن آج یہ باقاعدہ ایک علم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ماہر نفسیات(Miss.Litrus Iceman) مس لٹرس آئسمن کی کتاب''رنگوں میں زندہ رہے'' میں ان حقیقتوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ قوسِ قزاح کے ساتوں رنگ مختلف انداز سے انسانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔مثلاً زرد رنگ سورج کی روشنی اور خوشی سے منسلک ہے۔اسے دیکھنے سے ذہن میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔اس رنگ کا لباس یا ماحول انسان کو تر و تازہ رکھتا ہے اور ذہانت پر بھی اچھا اثر ڈالتا ہے ہمارے نبی اکرم ﷺ کو یہ رنگ پسند تھا۔نیز آپ ﷺ کو سفید اور سبز رنگ بھی پسند تھا۔جبکہ زردی مائل سبز اور جامنی رنگ بھوک کو دبا دیتا ہے۔ڈائننگ کے لئے کھانے کے کمرے میں اس رنگ کے پردے یا پھول وغیرہ مفید نتائج پیدا کرتے ہیں۔اسی طرح سرخ،گلابی اور نارنجی رنگ طاقت سے منسلک ہیں۔اگر طبیعت نڈھال ہو اور کمزوری محسوس ہو تو اس رنگ کا لباس یا اس رنگ کے پھول اور مختلف اشیاء قریب بیٹھنے والوں کو بشاشت اور قوت کا احساس دیں گی۔کھانے کے کمرے میں اس رنگ کی چیزیں گھر کے افراد اور مہمانوں کو خوشگوار گفتگو کی طرف مائل رکھیں گی۔سبز اور نیلے رنگ سے امن وسکون کی لہریں خارج ہوتی ہیں۔یہ رنگ خاموش اور پرسکون ماحول پیدا کرتا ہے اس لئے بیڈ روم کے لئے نہایت موزوں ہے۔براؤن اور گہرا سبز رنگ بھی آرام کا احساس دلاتا ہے۔

غرض ان مختلف اقسام کی چیزوں میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نشان ہیں کہ

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ

اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا سمندر کو تاکہ کھاؤ تم اس سے گوشت تازہ اور

تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ

نکالو اس سے زیور پہنتے ہو تم جسے اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو

مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۵

پھاڑنے والیاں اس میں اور تاکہ چاہو تم فضل اس کا اور تاکہ تم شکر کرو

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا

اور ڈالے اس نے زمین میں پہاڑ کہ چکر کھائیں ساتھ تمہارے اور دریا اور راستے

جب اللہ تعالیٰ نے جسمانی و مادی ضروریات کے لئے یہ سب انتظام فرمایا تو روحانی ضروریات سے کیسے غافل ہو سکتا تھا جو انسانی پیدائش کا مقصدِ حقیقی تھا۔

۱۵۔**طریًا**۔تازہ۔ اسی سے طراوت ہے۔**مَوَاخِرَ**۔ماخرہ کی جمع ہے۔کشتی کے پانی کو چیرنے پر بولا جاتا ہے۔

خشکی کے انعامات کے ذکر کے بعد سمندری انعامات کا ذکر کیا سمندر جو بلامعاوضہ مخلوق کی خدمت پر لگا ہوا ہے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔یہ خدا تعالیٰ کا بہت عظیم انعام ہے جس کے لئے جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔سب سے پہلے تو پانی کا عظیم ذخیرہ ہے جسے قدرت وقتاً فوقتاً صاف ستھرا اور میٹھا کر کے اپنی مخلوق تک پہنچا دیتی ہے۔پھر غذائی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔مچھلی کا گوشت آج بھی بہترین گوشت سمجھا جاتا ہے۔موتیوں وغیرہ کے ذکر میں مرد اور عورت کو یکساں مخاطب کر کے واضح کیا کہ موتی یا قیمتی پتھر وغیرہ پہننا مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔پھر کشتیاں اور جہاز وغیرہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل کا ذریعہ ہیں۔ ان سے سفری سہولتیں بھی میسر آتی ہیں اور تجارت جسے خدا تعالیٰ کا فضل کہا اس کی ترقی کا بھی سمندری سفر ایک اہم ذریعہ ہے۔اجرامِ فلکی کے لئے **مسخّرات بامرہ** کہا۔کیونکہ ان کے فوائد میں انسان کا ہرگز کوئی دخل نہیں لیکن سمندر سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے انسان کو تگ و دو کرنا پڑتی ہے اس لئے صرف **سخّرَ** کا لفظ رکھا۔یہاں بھی اشارہ فرمایا کہ جس طرح سمندر کا پانی جب تک آسمان سے صاف ہو کر نہ آئے انسانی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا اسی طرح وحی الٰہی کے آسمانی پانی کے بغیر روحانی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔

۱۶۔**تمید**۔**المید**۔عظیم الشان چیز کا اضطراب۔نیز کھانے کو دینا۔اسی سے میدہ اور مائدہ وغیرہ ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷﴾

تاکہ تم ہدایت پاؤ اور علامتیں (بنائیں) اور ساتھ ستاروں کے وہ راستہ پاتے ہیں

لفظی معنی یہ ہیں کہ زمین پر پہاڑ ڈالے کہ تمہیں لے کر بھاگ نہ جائے۔سائنسدان اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ اگر یہ پرہیبت پہاڑ زمین پر نہ ہوتے تو ہلکی اور گرم ہونے کی وجہ سے ممکن تھا کہ کوئی سیارہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا۔حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اس میں سخت اضطراب تھا تب اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ ڈالے بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ زمین کے تپِ لرزہ کو اس علیم و قدیر نے تکوینِ جبال سے تسکین دی۔(نور الدین ایڈیشن سوم صفحہ ۲۰۴ تا ۲۰۶) سائنسدان اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ زمین پر ہر وقت ایک زلزلے کی سی کیفیت تھی قدرتِ خداوندی سے شدید زلزلوں سے زمین کی اندرونی شدید گرم موجوں کے بڑے بڑے مواد نکلے جو پہاڑی سلسلوں کی شکل میں زمین پر پھیل گئے اور زمین کو قرار آیا۔(تکوینِ جبال کی مزید تشریح کے لئے سورۃ الحجر آیت:۲۰)

نعمائے الٰہی میں پہاڑ صانعِ حقیقی کی کاریگری اور قدرت کا عظیم عطیہ ہیں یہ برف کے خزینے ہیں جو سارا سال چشموں اور دریاؤں کی صورت پانی مہیا کرتے ہیں۔بارشوں کا دارومدار بھی زیادہ تر انہی پر ہے۔جنگلات، میوہ جات، صحت افزا مقامات، پھلوں اور جڑی بوٹیوں کے علاوہ مختلف معدنیات کے مخزن ہیں۔اسی طرح دریا بھی مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچانے میں مصروفِ عمل ہیں۔یہ خدا تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں۔**تمید بکم** کے ایک معنی کھانے کا سامان مہیا کرنے کے بھی ہیں۔حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے کھانے پینے کا زیادہ تر انحصار پہاڑوں پر ہے۔یہاں راستوں سے مراد انسان کی بنائی ہوئی سڑکیں نہیں بلکہ وہ طبعی راستے ہیں جو پہاڑی دروں کی صورت میں یا قدرتی طور پر جنگلوں اور دریاؤں وغیرہ کے ساتھ ساتھ بنے ہوئے ہیں اور روزِ ازل سے انسانی سفر کی ضرورتوں کو پورا کر رہے ہیں اور جن کے بغیر پہاڑوں اور دریاؤں سے کماحقہٗ فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۱۷۔**علٰمٰت**۔علامتیں۔نشانات۔

عام سفر ہوں یا تجارتی سفر، دن میں تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں، دریاؤں اور راستوں میں کئی ایک امتیازی نشانات و علامات رکھی ہوئی ہیں جو انسان کی راہنمائی کرتی ہیں۔زمانہ قدیم میں رات کو خصوصاً سمندری اور صحرائی سفر میں صرف ستارے ہی رہنمائی کا کام کرتے تھے۔آج بھی اگر ایسے سفروں میں انسان بھٹک جائے اور کوئی جدید ایجاد کمپاس وغیرہ اس کے پاس نہ ہو تو منزل

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَاِنْ

کیا پس وہ جو پیدا کرتا ہے مانند اس کے ہے جو نہیں پیدا کرتا کیا پس نہیں نصیحت حاصل کرتے اور اگر

تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹﴾

گنو تم نعمتیں اللہ کی نہ گن سکو گے ان کو یقیناً اللہ البتہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ

اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہو تم اور جو ظاہر کرتے ہو تم اور جو لوگ

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ

پکارتے ہیں سوائے اللہ کے نہیں پیدا کرتے کچھ اور وہ

تک پہنچنے کا یہی واحد ذریعہ ہیں۔اسی طرح روحانی سفر میں بھی انسان انبیاء و اولیاء سے جو روحانی چاند اور ستارے ہیں رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

۱۸۔اللہ تعالیٰ کی خلاقی کے آسمانی اور زمینی عظیم شاہکاروں کا ذکر کر کے اب کئی آیات معبودانِ باطلہ کے ردّ کے طور پر پیش کیں اور بتایا کہ یہ سب تمہاری خدمت کے لئے پیدا کئے تھے لیکن تم نے انہیں معبود بنا لیا۔دلیلِ عبادت خلق ہے جب وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے تو خالقِ حقیقی کے ہمسر کیونکر ہیں۔

۱۹۔**تُحصوا۔حصن**۔قلعہ۔گھیرنا۔احاطہ کرنا۔**لاتحصوا**۔تم احاطہ نہیں کر سکو گے۔تم گن نہیں سکو گے۔

اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتوں میں سے چند ایک کا ذکر کر کے فرمایا کہ تم انہیں گن نہیں سکتے۔تم ان نعمتوں کی ناقدری کرتے ہو ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔لیکن وہ غفور ہے اور غفر سے کام لیتا ہے۔ہاں جو نعمتوں کی قدر کرتے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں خواہ ان کی کاوشیں دنیوی فوائد کے حصول کے لئے ہی ہوں جیسا کہ دورِ جدید کی ایجادات یا روحانی ترقی کے لئے۔ہر دو میں اپنی صفت رحیمیت کی وجہ سے بہترین نتائج مرتب فرماتا ہے۔اور اعلیٰ ترین انعامات سے نوازتا ہے۔

۲۰۔پس جن نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو گویا انہیں چھپاتے ہیں یا ان نعمتوں کو اپنے تک محدود رکھتے ہیں اور بندگانِ خدا سے چھپاتے ہیں۔**تعلنون** میں تمام مادی اور روحانی نعمتیں شامل ہیں جن کے فوائد کو ظاہر کر کے انہیں نافع الناس بنا دیتے ہیں اور اپنے ربّ کی رضا حاصل کرتے ہیں۔

يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۱﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ
پیدا کئے جاتے ہیں مردہ ہیں نہیں زندہ اور نہیں جانتے کہ کب
يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ع ۲ ۸
اٹھائے جائیں گے معبود تمہارا معبود ہے ایک پس جو لوگ نہیں ایمان لاتے
بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ لَا جَرَمَ
آخرت پر دل ان کے انکار کرنیوالے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں نہیں کوئی شک
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں یقیناً وہ نہیں پسند کرتا
الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ
تکبر کرنے والوں کو اور جب کہا جاتا ہے ان کو کیا اتارا ہے رب نے تمہارے

۲۱-۲۲۔ یہاں پھر خلق کو دلیلِ عبادت کہا۔ جبکہ معبودان باطلہ تو خود مخلوق ہیں اور مر چکے ہیں۔ زندہ نہیں اور نہ انہیں غائب کا علم ہے۔

یہ دونوں آیات وفات مسیح پر زبردست دلیل ہیں اور ان میں شرک کا ردّ بھی زبردست دلائل سے کیا گیا ہے۔

۲۳۔ اس رکوع میں بتایا کہ بعث بعدالموت کا انکار گویا توحید کا انکار ہے۔ پہلے توحید الٰہی پر صحیفہ قدرت اور قانونِ قدرت کی شہادت پیش کی۔ پھر شرک کے ردّ میں زبردست دلائل دیئے۔ ان تمام دلائل کے باوجود اگر لوگ خدا کے ایک ہونے کا انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حیات بعدالموت کے منکر ہیں۔ کیونکہ حیاتِ بعدالموت کا انکار توحید کا انکار ہے۔ قرآن کریم نے اکثر خدا اور یومِ آخر پر ایمان کو مومن کی علامت کہا ہے۔ خدا اور یومِ آخر پر ایمان لانے سے اطاعت، بندگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے جبکہ انکار سے تکبر و نخوت اور بے رہروی کی جانب میلان ہوتا ہے، انسان گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے اور کسی کے سامنے پیش ہونا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ غرض آخرت پر ایمان دین کی اساس ہے۔ عقیدۂ آخرت پر اعتقاد و یقین بندے کو احتسابِ نفس اور اعمالِ صالحہ پر آمادہ کرتا ہے۔

۲۴۔ **لَاجَرَمَ۔ جَرَمَ** ۔ گناہ کیا۔ **لَاجَرَمَ** بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ لامحالہ ۔ یہ یقینی بات ہے۔

وہ عالم الغیب ہے چھپی اور ظاہری سب باتوں سے واقف ہے۔ اگر توحید اور آخرت سے

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً
کہتے ہیں کہانیاں پہلوں کی تاکہ اٹھائیں بوجھ اپنے پورے
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ
دن قیامت کے اور بوجھ ان لوگوں کے کہ گمراہ کرتے ہیں جن کو بغیر
عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۶﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۳ ع ۹
علم کے آگاہ ہو جاؤ بُرا ہے جو بوجھ وہ اٹھاتے ہیں یقیناً تدبیر کی ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے
فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ
پس آیا اللہ عمارت کے پاس ان کی بنیادوں کی طرف سے پس گر پڑی ان پر چھت

انکار کی وجہ جہالت ہے تو بھی جانتا ہے اور اگر جانتے بوجھتے ہوئے محض تکبر اور ضد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ تو ان کو بھی جانتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بڑے مجرم ہیں اپنے تکبر کی وجہ سے۔

۲۵۔ منکرینِ توحید و معاد بے شمار روشن دلائل سُننے اور سمجھنے کے باوجود عوام کو ہمیشہ اسی طرح گمراہ کرتے ہیں کہ یہ کونسی نئی بات ہے وہی پرانی باتیں اور پرانے قصّے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر نبی کی تعلیم کا اصل الاصول ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ہر نبی کی بعثت کی غرض اُنہی گمشدہ صداقتوں کو قائم کرنا ہوتا ہے جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ قومیں بھلا دیتی ہیں گو اس میں تقاضائے زمانہ کے تحت کچھ نئے احکام بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان اصولی باتوں کو چھوڑنے والا خدا کی طرف سے کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر یہ نبی گزشتہ انبیاء کی تعلیمات پیش کر رہا ہے تو تم بھی دشمنانِ انبیاء کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو۔ وہی سوچ ہے، وہی انداز تکفیر اور وہی مقربانِ الٰہی پہ ظلم و ستم بس اُن جیسے انجام کے لئے بھی تیار رہیں۔ جہاں تک قرآنی قصوں کا تعلق ہے تو یہ بائبل کے قصوں کی طرح تاریخ سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ دہرائی جانے والی پیشگوئیاں ہیں۔ ہر نبی کے قصہ میں یہ حقیقیں کھل کر سامنے آتی ہیں۔ اکثر مقامات میں ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی کے واقعات ہیں (جیسا کہ سورۃ یوسف کے دیباچہ میں ان مشابہتوں کو بیان کیا گیا ہے) آپ ﷺ مثیلِ موسیٰ تھے حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے بے شمار پیشگوئیاں ہیں جنہیں مختلف مقامات پر واضح کیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ حضرت عیسیٰؑ کے بروز تھے۔ آپ کی زندگی میں حضرت عیسیٰؑ کے واقعات دہرائے گئے اور یہ سلسلہ جاری ہے نیز ان قصص میں بہت سی نصائح اور انذار ہیں۔

۲۶۔ یہ ائمۃ الکفر خود حقیقت کو جانتے ہیں محض عوام کو دھوکہ دینے کے لئے ایسا کہتے ہیں

مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝٢٧
اوپر سے ان کے اور آیا ان کے پاس عذاب (وہاں سے) جہاں سے نہیں جانتے تھے وہ

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ
پھر دن قیامت کے ذلیل کریگا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں شریک میرے

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
وہ جو کہ تھے تم مخالفت کرتے ان کے بارہ میں کہیں گے وہ لوگ جنہیں دیا گیا

الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٨
علم یقیناً ذلت آج اور برائی کافروں پر ہے

تا کوئی اس صداقت کو پہچان کر قبول نہ کرلے۔ اس بات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کو اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ان جاہلوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو گمراہ کرنے کے وہ ذمہ دار ہیں۔ **کاملۃً** اس لئے کہا کہ کچھ سزا دنیا میں پائیں گے۔لیکن کامل سزا آخرت کو ہوگی۔ یہ بھی معنی ہے کہ جن کو گمراہ کرتے تھے ممکن ہے انہیں ہدایت نصیب ہو جائے اور گناہوں کی معافی مل جائے لیکن یہ متکبرین پوری سزا کے مستحق ہوں گے۔

۲۷۔اس رکوع میں حق کے خلاف تدبیریں کرنے والوں کا انجام بتایا کہ وہ دنیا و آخرت میں ذلیل ہوتے ہیں۔جبکہ حق کو قبول کرنے والوں کے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی اور انعامات مقدر ہیں۔یہاں اللہ کے آنے سے اس کے حکم کا عملاً نفوذ مراد ہے۔یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف سخت تدبیریں ہو رہی تھیں کہ آپ ﷺ کو قید کر دیا جائے،ملک بدر کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے اور موخرالذکر پر ابوجہل نے فیصلہ دیا تھا۔فرمایا یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے انبیاء کے خلاف بھی اسی طرح تدبیریں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیروں کی عمارتوں کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا اور چھت دیواروں سمیت ان پر آرہی۔حقیقت میں بھی بعض گزشتہ اقوام زلزلوں وغیرہ سے اسی طرح نیست و نابود ہوئیں۔چھت سے مراد اکابرین بھی ہیں۔جبکہ عوام بطور دیواروں کے ہوتے ہیں جن کے بل بوتے پر یہ بے جا فخر کرتے ہیں خدائی عذاب ہمیشہ اچانک آتا ہے جس کی لپیٹ میں عوام و خواص سب آتے ہیں سوائے اللہ کے خاص بندوں کے جو تصرف الٰہی سے بچالئے جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اہلِ مکہ کی پسپائی بھی اچانک ہوئی۔آئندہ زمانہ کی بھی خبر دی جب بڑی بڑی حکومتیں اور بادشاہتیں عوام کے ہاتھوں صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گی جیسا کہ اس دور میں زار روس اور ایرانی شہنشاہیت کے ساتھ ہُوا۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
وہ جو کہ وفات دیتے ہیں انہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ ظلم کرنے تھے جانوں پر اپنی

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ
پس ڈالیں گے صلح (کی طرح) کہ نہ تھے ہم کرتے کوئی برائی کیوں نہیں یقیناً اللہ

عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٩ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خوب جاننے والا ہے اسے جو تھے تم کرتے پس داخل ہو دروازوں میں جہنم کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٣٠ وَقِيْلَ
رہ پڑنے والے اس میں پس کیا ہی بُرا ہے ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا اور کہا گیا

۲۸۔**تشاقون۔(شاق)** تم مخالفت کرتے ہو۔تم دشمنی کرتے ہو۔قوموں کی تباہی بھی قیامت سے کم نہیں ہوتی۔پس دنیا و آخرت دونوں میں ان کے لئے تباہی اور رسوائی ہو گی۔
الذین اوتوالعلم ۔انبیاء اور ان کے حقیقی متبعین ہیں جو دنیا میں بھی یہ کہیں گے اور آخرت کو بھی کہ آج کافروں پر یقیناً رسوائی اور مصیبت ہے۔

۲۹۔ظلم سے مراد شرک بھی ہے۔نیز انبیاء پر ظلم اور ان کی مخالفت و مخاصمت بھی ہے۔ یہاں بتایا کہ یہ عذاب ان کافروں پر آئے گا،جو موت تک کفر اور شرک پر قائم رہے اور انبیاء کی مخالفت اور ان پر ظلم و زیادتی سے باز نہیں آئے۔بظاہر تو یہی سمجھتے تھے کہ ہم انبیاء پر ظلم کر رہے ہیں حالانکہ یہ ظلم وہ اپنی ہی جانوں پر کر رہے تھے۔ان کا صلح کی طرح ڈالنا اور یہ کہنا کہ ہم کوئی برائی نہیں کرتے تھے ایسا ہی ہے جیسا کہ اکثر مشرک کہتے ہیں کہ ہم بتوں کی عبادت انہیں خدا سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں(الزمر۔۴) گویا اپنی توجہ کو مرکوز کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں ورنہ عبادت تو اللہ کی ہی کرتے ہیں۔ان سب ظالموں کے لئے یہی جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں کو خوب جانتا ہے تمہاری کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔اگر اللہ کی جستجو سچے دل سے ہوتی تو تمہیں ان جھوٹے سہاروں کی ضرورت ہرگز نہ تھی۔ اگر تمہاری نیت سچی ہوتی تو ہم ضرور ہدایت دیتے کیونکہ ہمارا قانون ازل سے یہی ہے **والذین جاھدوفینا لنھدینّھم سُبلنا** ط(سورۃ العنکبوت۔۷۰) یعنی جولوگ صحیح طور پر ہماری تلاش کرتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنا راستہ دکھاتے ہیں۔ افسوس یہ وہ لوگ ہیں جو آخری دم تک ظلم پر قائم رہے اور مرنے کے بعد بھی جھوٹ کا ہی سہارا لیا۔

۳۰۔انہیں جہنم تک پہنچانے کا ذمہ دار ان کا تکبر ہی تھا کہ حق کو قبول کرنے میں اپنی سبکی

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ
ان لوگوں کیلئے جنہوں نے تقویٰ کیا، کیا اتارا ہے رب نے تمہارے انہوں نے کہا کہ بہتر ہے

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ
ان لوگوں کیلئے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں بھلائی ہے اور البتہ گھر

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ
آخرت کا بہتر ہے اور البتہ کیا ہی اچھا ہے گھر متقیوں کا باغات میں ہمیشہ کے

يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا
داخل ہوں گے وہ ان میں بہتی ہوں گی نیچے ان کے نہریں ان کے لیے ہے اس میں جو

يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۲﴾ الَّذِيْنَ
چاہیں گے اسی طرح بدلہ دیگا اللہ متقیوں کو وہ کہ

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ
وفات دیتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں سلامتی ہو تم پر

محسوس کرتے تھے۔ان کی سرداری اور چودھراہٹ انہیں اس عاجزانہ راستہ کی طرف لانے میں مانع تھی اور یہ حق کو حق سمجھنے کے باوجود متکبر بنے رہے پس ان کا ٹھکانا بہت ہی بُرا ہے۔البتہ جو بوجہ جہالت اور غفلت حق قبول کرنے سے محروم رہے ان کے لئے سزا ان متکبرین سے ضرور کم ہوگی۔

۳۱۔قرآنِ کریم تو وہی تھا۔لیکن کفار و متکبرین کو اس میں سوائے پرانے قصے کہانیوں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔جبکہ متقین کی نگاہ میں یہ سراسر بھلائی اور خیر و برکت تھا۔ وہ لوگ جنہوں نے اس کی کامل اتباع سے نیکو کاری کی راہ اختیار کی دنیا میں بھی بھلائی ان کا مقدر ہوئی اور آخرت کا گھر تو ان کے لئے اور بھی بہتر ہوگا۔اور متقیوں کا گھر کیا ہی عمدہ ہے۔

۳۲۔اب متقین کے لئے جنت کی نعمتوں کا ذکر کیا۔سب سے اوّل تو یہ کہ وہ گھر دائمی رہائش کے باغات ہیں۔گویا وہ نعمتیں ان سے کبھی چھینی نہیں جائیں گی جس طرح وہاں کی ہر نعمت جنتیوں کی ملکیت ہوگی۔اسی طرح ان باغات کے دامن میں بہتی ہوئی نہریں بھی ان کے تحت اور انہی کی ملکیت ہوں گی گویا وہ اپنے دائرہ اختیار میں بادشاہ ہوں گے۔باوجود اس کے کہ ان کے دل حرص و آز سے خالی ہوں گے ، جو بھی چاہیں گے وہ انہیں ملے گا۔اللہ تعالیٰ متقیوں کو اسی طرح جزا دیتا ہے۔اللہ کے ان متقی بندوں کو دنیا میں بھی جو انہوں نے چاہا ملا۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ”اس میں بشارت ہے۔ پس وہ انعام جو صحابہؓ کی جماعت پر ہوئے اب بھی ہو سکتے ہیں۔“ (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳ فروری ۱۹۱۰ء) جیسا کہ آخرین سے وعدہ ہے۔ ہاں متقی ہونا شرط ہے۔

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ
داخل ہو جنت میں بسبب اس کے کہ تھے تم (نیک عمل) کرتے نہیں انتظار کرتے وہ

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ
مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آوے حکم رب کا تیرے اسی طرح

فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ
کیا تھا ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے اور نہیں ظلم کیا تھا ان پر اللہ نے ولیکن

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
تھے وہ جانوں پر اپنی ظلم کرتے پس پہنچیں انہیں بدیاں اس کی جو

عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ
کیا انہوں نے اور گھیر لیا انہیں اس نے کہ تھے ساتھ جسکے ہنسی کرتے اور کہا

ع ۴ ۹ ۱۰

۳۳۔طیّب۔پاک۔خوش۔

پہلے کفار کا حال بیان ہُوا۔(آیت۲۹) کہ وہ مرتے دم تک ظلم پر قائم رہیں گے۔جب موت کو سامنے دیکھیں گے۔تو ڈر کر صلح کی طرح ڈالیں گے۔جبکہ متقین کے متعلق فرمایا کہ فرشتے اس حالت میں ان کی روحیں قبض کریں گے کہ وہ طیّب ہوں گے یعنی ظاہری و باطنی گناہوں اور پلیدیوں سے پاک و صاف ہوں گے اور خوش و خرم ہوں گے گویا انہیں موت کا کوئی غم نہیں ہوگا۔ فرشتے خود انہیں سلام کہیں گے یعنی امن و سلامتی کا پیغام دیں گے۔اور جنت کی بشارت دیں گے جو ان کے اعمال کا صلہ ہوگی۔طیّبین میں اشارہ ہے کہ وہ شرک کی پلیدی یہانتک شرک خفی سے بھی پاک ہوں گے۔

۳۴۔شروع سورۃ سے شرک کے رد میں کائناتی شہادتیں پیش کیں۔پھر ہر طرح کی نصیحت اور توبیخ کے بعد فرمایا کہ کیا اُس وقت مانیں گے جب موت سامنے کھڑی ہوگی۔تب کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اب قبولِ حق میں کس چیز کا انتظار ہے۔کیا یہ انتظار ہے کہ فرشتے عذاب لے کر آئیں جیسا کہ جنگ بدر اور بعض دوسری جنگوں میں ہُوا یا تیرے ربّ کے اس فیصلہ کا انتظار ہے جو فتح مکّہ کے موقع پر ہُوا۔دراصل گزشتہ مکذبین انبیاء نے بھی یہی چلن اختیار کیا تھا۔پس عذاب کی صورت میں اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

۳۵۔یہ ہلاکتیں اور مصیبتیں باہر سے نہیں آئیں بلکہ ان کے بداعمال کے طبعی نتائج تھے۔ پس جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے اس نے انہیں دنیا میں بھی گھیر لیا اور قیامت کو بھی گھیرے گا۔

الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ
ان لوگوں نے جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ نہ عبادت کرتے ہم سوائے اس کے

مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ
کسی کی ہم اور نہ باپ دادا ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم بغیر اس کے (کہنے کے) کوئی

شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى
چیز اسی طرح کیا تھا ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان سے پس نہیں

الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ
رسولوں پر مگر پہنچا دینا کھلا کھلا اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے ہر امت میں

رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ فَمِنْهُمْ
رسول یہ کہ عبادت کرو اللہ کی اور بچو بتوں سے پس بعض ان میں سے

مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ
وہ ہیں کہ ہدایت دی اللہ نے اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ ثابت ہوئی ان پر گمراہی

فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
پس پھرو زمین میں پس دیکھو کیونکر ہوا انجام

متکبرین کی نظر میں یوم حساب کو جوابدہی بھی تمسخر کا باعث تھی۔اب خود جوابدہ ہو کر مجرموں کی طرح کھڑے ہوں گے۔یہ بھی معنی ہیں کہ جس قسم کے الزامات وہ انبیاء پر لگاتے تھے ضرور ہے مرنے سے پہلے وہ خود انہی الزامات میں گرفتار ہوں اور اسی تضحیک کا نشانہ بنیں جو انبیاء علیہم السلام پر روا رکھتے تھے۔

۳۶۔اس رکوع میں منکرین کے باطل عذروں کا ذکر ہے اور مدلّل دلائل سے انہیں فرمایا۔منکرین نے ہمیشہ اسی طرح کے عذرِ لنگ پیش کئے۔جیسے یہاں کہ اگر شرک بُرا ہے تو اللہ تعالیٰ قادر ہے اس نے ہمیں غیراللہ کی عبادت سے روک کیوں نہیں دیا یا ہمارے باپ دادا کو کیوں نہ روکا اور ہمیں اس سے کیوں نہ روکا کہ ہم اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراتے۔اس کا نہ روکنا یہ ثابت کرتا ہے کہ ہمارا شرک اسے ناپسند نہیں۔اس طرح کے عذر ان سے پہلے لوگوں نے بھی کئے تھے۔بیشک جبر سے ایسا ممکن تھا کہ وہ روک دیتا لیکن **لااکراہ فی الدین** (۲۔۲۵۷) اس نے جبر کی تعلیم دے کر انبیاء کو بھی نہیں بھیجا۔رسولوں پر بھی صرف خدا کا پیغام پہنچانا اور تبلیغ حق کی ذمہ داری ہے۔وہ ہرگز جبر کے مجاز نہیں۔

۳۷۔**طاغوت**۔شیطان۔سرکش۔گمراہ کرنے والا۔بت۔

الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾ إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا
جھٹلانے والوں کا اگر تو حرص کرے ہدایت پر ان کی پس یقیناً اللہ نہیں

يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٣٨﴾ وَأَقْسَمُوا
ہدایت دیتا جسے وہ گمراہ کرتا ہے اور نہیں ان کے لیے کوئی مددگار اور قسمیں کھائیں انہوں

بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ
نے اللہ کی پختہ قسمیں اپنی کر نہیں اٹھائے گا اللہ اسے جو مرجاتا ہے کیوں نہیں

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾
وعدہ ہے اس پر پختہ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

اسی مضمون کو جاری رکھا کہ اگر خدا کو شرک کسی پہلو سے بھی پسند ہوتا تو ہر قوم میں رسول آئے۔کوئی تو شرک کی تعلیم دیتا۔جبکہ سب کی تعلیم کا لب لباب توحید اور شرک سے اجتناب تھا۔ہمیشہ سے ہر نبی کے آنے پر دو گروہ ہو جاتے ہیں۔ایک وہ جو اللہ کی توفیق سے ہدایت قبول کرتا ہے اور دوسرا وہ جس کی دشمنی اور مخالفت اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ اس پر ضلالت و گمراہی واجب ہو جاتی ہے اور ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔اگر اللہ شرک کو پسند کرتا یا جبر سے کام لینا چاہتا تو نہ انبیاء کی ضرورت تھی اور نہ کسی گروہ کو گمراہ قرار دینے اور ہلاک کرنے کی۔اللہ کو شرک سخت ناپسند ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر نبی کے دشمن ہلاک ہوئے۔یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔پس باہر نکل کر دیکھو، دنیا میں گھومو پھرو، تم نظارہ وا کرو۔تمہارے تو اردگرد عاد و ثمود کے کھنڈرات میں بے شمار سامانِ عبرت بکھرے پڑے ہیں۔

۳۸۔**یضلُّ** میں ضمیر مَن کی طرف پھرتی ہے اس لئے یہ بھی مراد ہے کہ جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے انہی لوگوں کا ذکر ہے۔جن پر ضلالت واجب ہو گئی۔فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لئے خواہ تو کتنا ہی حریص ہو انہیں ہدایت ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی اور نہ تباہی سے بچ سکتے ہیں کیونکہ نہ صرف یہ خود گمراہ ہوئے بلکہ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے اور راہِ حق سے روکتے ہیں۔جب یہ ہدایت پر نہیں تو خدا سے نصرت کے امیدوار کیسے ہو سکتے ہیں۔باقی رہے معبودانِ باطلہ تو وہ کسی کی مدد کرنے سے قطعاً معذور ہیں پس ان کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔

۳۹۔جیسا کہ ابھی انبیاء کے مبعوث ہونے پر دو گروہوں کا ذکر ہُوا۔ان میں سے ہدایت پانے والے تو دنیا میں ہی اللہ کے فضل سے حق الیقین کے مقام کو حاصل کر لیتے ہیں، دنیا و آخرت میں اپنے اعمال کا بہترین صلہ پاتے ہیں اور ہرگز کسی شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوتے۔جبکہ کفار کے

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

تاکہ بیان کرے ان کے لیے کہ اختلاف کرتے تھے جس میں اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝۳۰ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ

کفر کیا کہ وہ تھے جھوٹے سوائے اسکے نہیں کہ کہنا ہمارا کسی چیز کے لیے

اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۳۱ وَالَّذِيْنَ ع ۵ / ۱۱

جبکہ ارادہ کرتے ہیں ہم اس کا یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں اس کے متعلق ہوجا تو وہ ہو جاتی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے

کفر پر اڑے رہنے کی اصل وجہ ان کا یومِ معاد پر ایمان کا نہ ہونا ہے۔سردارانِ قوم جو اہل
ہیں جب دلائل سے عاجز آ گئے تو لاجواب ہو کر جھوٹوں کی طرح قسموں پر اتر آئے کہ جب
کے بعد کوئی زندگی نہیں تو محمد ﷺ کا لایا ہوا دین کیا اہمیت رکھتا ہے۔ابھی تک مومن ان کی نظر
میں ہر نعمت سے محروم تھے۔آئندہ کی فتح و نصرت کی پیشگوئیوں پر انہیں یقین نہیں تھا۔بعد
بعدالموت ان کے لئے بے معنی تھی۔پس ان کا دعویٰ یہ تھا کہ مومنین کو نہ دنیا میں کچھ ملا نہ مر
کے بعد کچھ ملنے کی امید ہے جبکہ وہ دنیا میں عیش کر رہے ہیں۔ان کے ظلم وستم پر کوئی گرفت
اور مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔اس طرح معصوم لوگوں کو گمراہ کرتے حالانکہ بعث بعدالموت
تعالیٰ کا ایسا وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت
سے بے خبر ہیں۔

۴۰۔موت کے بعد کی زندگی اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان حقیقتوں سے پردہ اٹھ
جائے جن سے دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ان میں سب سے پہلے تو یہی حقیقت کہ مرنے
کے بعد زندہ ہونا ہے،اپنے اعمال کا حساب دینا اور جزا و سزا پانا ہے۔اسی طرح کفار کے دیگر
عقائد جیسے شرک وغیرہ کی حقیقت ان پر کھل جائے۔نیز وہ جان لیں کہ انبیاء کی تعلیم ہی سچ تھی اور
یہ کہ وہ جھوٹے ہیں۔

۴۱۔چونکہ کفار خدا تعالیٰ کو قادر نہیں جانتے تھے کہ دوبارہ زندہ کر سکے اس لئے فرمایا کہ جو
ہستی لفظ کن سے ایک عالم کو وجود میں لا سکتی ہے اس کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔جو
پہلے خلق کر سکتا تھا وہ پھر بھی کر سکتا ہے۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ!اللہ تعالیٰ
کے قول کے ساتھ رونما ہونے والا ایک فعل بھی ہوتا ہے۔اس کا کوئی الگ فعل نہیں ہوتا۔اس کا
ارادہ ہی اس کا فعل ہوتا ہے۔قرآنِ کریم نے کہیں بھی **کن فکان** نہیں کہا۔بلکہ **کن فیکون** کہا

هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

ہجرت کی اللہ کی (راہ) میں بعد اس کے کہ ظلم کئے گئے البتہ جگہ دیں گے ہم ان کو

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

دنیا میں اچھی اور البتہ اجر آخرت کا زیادہ بڑا ہے کاش کہ وہ ہوں

يَعْلَمُوْنَ ۝۴۲ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۴۳

جانتے وہ جنہوں نے صبر کیا اور رب پر اپنے بھروسہ کرتے ہیں

جو مضارع کا صیغہ ہے اور استمرار کو چاہتا ہے جس کے معنی ہیں ہوجا۔پس وہ ہونے لگتی ہے اور ہوکر
رہتی ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ جب وہ چاہتا ہے کہ کوئی شے وجود میں آجائے تو سلسلہ اسباب
کو اس نہج پر ڈال دیتا ہے کہ اس چیز کے ظہور پذیر ہونے کے لئے حالات سازگار ہونے شروع ہو
جاتے ہیں اور آخر وہ چیز اس مطلوبہ شکل میں ظاہر ہوجاتی ہے۔

۴۲-۴۳۔بعث بعدالموت کے مضمون میں ہجرت کا ذکر فرمایا۔کیونکہ موت کے بعد ایک نئی
زندگی بھی ایک طرح سے ہجرت ہی کے مشابہ ہے۔پس جن پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور
انہوں نے اللہ کی خاطر ہجرت کی تو ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بہترین ٹھکانا عطا کرے۔
اگر متقین کے لئے جنت کی نعمتیں ہیں تو مہاجرین کے لئے بھی بہترین رہائشیں ہیں اور اموال و
غنائم دنیا میں مقدر ہیں۔آخرت کا اجر تو اور بھی بڑا ہوگا۔کاش کہ انہیں علم ہوتا۔یہ آخری مکی زمانہ
کی سورۃ ہے جب صحابہ مدینہ کو ہجرت فرما رہے تھے اور کفار اس کو اپنی بڑی کامیابی سمجھ رہے تھے
کہ ان لوگوں کو بے سروسامان اور دربدر کر کے گویا ہم نے ان کا کلّی استیصال کر دیا ہے اور اب
کبھی سر اٹھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ایسے حالات میں یہ زبردست پیشگوئی سنائی جارہی ہے
کہ وہ لوگ جن پر مظالم ڈھائے گئے اور انہوں نے صبر کیا،گھر بار لٹا کر خدا پر توکّل کرتے ہوئے
نکل کھڑے ہوئے ضرور ہے کہ ہم انہیں دنیا میں بھی بہترین ٹھکانا عطا کریں۔آخرت کا اجر تو اور
بھی بڑا ہوگا۔
چند سالوں میں روزِ روشن کی طرح جب یہ پیشگوئی پوری ہوئی تو آخرت پر انکار کی گنجائش
کہاں باقی رہ گئی ہوگی۔اللہ کی راہ میں ہجرت کا بڑا اجر ہے۔بعض حالات میں یہ فرض اور بعض
میں مستحب ہے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہجرت ان تمام گناہوں کو معاف کر دیتی ہے جو
ہجرت سے پہلے کئے گئے ہوں۔اسی طرح قبول اسلام اور فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد ایک مسلمان

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا
اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے مگر مردوں کو وحی کرتے تھے ہم طرف ان کی پس پوچھو
اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ
اہل ذکر سے اگر ہو تم نہیں جانتے ساتھ دلائل کے اور کتابوں کے
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ
اور اتارا ہم نے طرف تیری ذکر تاکہ کھول کر بیان کرے ان لوگوں کیلئے جو اتارا گیا طرف ان کی
وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ نصف
اور تاکہ وہ سوچ بچار کریں کیا پس امن میں ہوگئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے تدبیر کی برائیوں کی

گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے گویا اس کی ماں نے اسے ابھی جنا ہو۔(مسلم بروایت عمرو بن العاصؓ)

۴۴۔الذکر خصوصاً قرآنِ کریم کو کہا گیا ہے لیکن ہر وحی الٰہی کو بھی کہا گیا۔یہاں اہل الذکر سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔قرآنِ کریم کا اسلوب بیان ہے کہ اختصار کے پیش نظر اکثر سوال بیان کئے بغیر جواب دیتا ہے۔یہاں بھی ان کے کئی سوالوں کے جواب دیئے۔مثلاً یہ کہ وہ ان پیشگوئیوں پر یقین نہیں رکھتے کہ ان مفلوک الحال لوگوں کو حکومت اور بادشاہت حاصل ہو گی۔یا یہ کہ ملائکہ کلام کیوں نہیں لاتے۔فرمایا کہ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو کہ گزشتہ انبیاء ایسے حالات سے گزر کر کس طرح کامیاب ہوئے۔دوسرے اعتراض کا جواب اگلی آیت میں ہے۔یہاں جھوٹے مدعیانِ نبوت مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کا بھی ردّ فرمایا، یہ بتلا کر کہ نبی کے لئے وحی لازم ہے۔

۴۵۔**الذکر**۔سے مراد قرآنِ پاک ہے۔اس لفظ میں وسیع معانی پائے جاتے ہیں۔کسی چیز کا قلب میں حاضر کرنا اسے یاد رکھنا کہ بھول نہ جائے۔تلاوت کی طرف اشارہ ہے شرف کے معنی دیتا ہے۔گویا آنحضرت ﷺ کے ساتھ مومنین کے لئے بھی موجبِ شرف و بلندی ہے۔ دعا کے معنی میں ہے کہ یہ کتاب بہترین دعاؤں پر مشتمل ہے۔ذکر میں محکم و مضبوط کے معنی ہیں۔گویا اس میں محکم تعلیمات اور دلائل ہیں۔ثنا کا معنی بھی دیتا ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی کامل ثنا ہے۔نیز اس سے تعلق رکھنے والوں کی ثنا کا موجب بھی ہو گا۔

پچھلی آیت میں **فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** ط جملہ معترضہ ہے۔لفظی معنی یہ ہوں گے۔ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے (رسول) مگر مَردوں کو ہم وحی کرتے تھے ان پر

اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
یہ کہ دھنسا دے اللہ انہیں زمین میں یا آوے ان کے پاس عذاب
حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ
جہاں سے نہیں وہ جانتے یا پکڑے ان کو ان کے پھرنے میں پس نہیں وہ

(**بالبینٰت والزبر** ط)روشن دلائل اور الہامی نوشتوں کے ساتھ۔اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔گویا گزشتہ انبیاء پر بھی اپنے اپنے محدود دائروں میں وہی ذمہ داریاں تھیں جو محمد عربی ﷺ پر مجموعی طور پر نہایت وسیع دائرے میں ہیں۔**مانُزِّلَ اِلَیھِم** میں مومنین کی ذمہ داریوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ قرآن محمدؐ پر ہی نہیں، تمام مومنین پر نازل ہُوا ہے۔وہ بھی اپنی ذمہ داریاں سمجھیں نہ صرف خود اس پر عمل کریں بلکہ اللہ کی مخلوق کے لئے بھی ہدایت کا موجب بنیں۔

اب نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے عظیم مقاصد اور آپ ﷺ کی ذمہ داریوں کو بیان فرمایا کہ اس قرآن کو لوگوں کے لئے خوب کھول کر بیان کریں۔گویا آپ ﷺ کو مامور فرمایا گیا کہ قرآنِ کریم کے حقائق و معارف سے لوگوں کو آگاہ کریں۔اس آیت سے حدیث و سنت کی اہمیت واضح ہے۔اگر ہر عربی دان قرآنِ کریم کو سمجھنے پر قادر ہو سکتا تو آپ ﷺ کی بعثت ہی عبث ٹھہرتی۔یہاں اس اعتراض کا جواب ہے کہ کوئی فرشتہ کتاب لے کر کیوں نہیں آیا۔ظاہر ہے کہ انسان،انسان کی ہی اتباع کر سکتے ہیں نہ کہ فرشتہ کی۔آپ ﷺ مجسم قرآن تھے۔آپ ﷺ کا قول و فعل قرآنِ کریم کے تابع تھا۔جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا **کان خلقہ القرآن**۔(ابوداؤد جلد۲ صفحہ۸۸ مسند احمد بن حنبل جلد۶ صفحہ۹۱) پس آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے بغیر قرآن کا صحیح فہم و ادراک اور اس پر عمل ناممکن تھا۔

۴۶۔**یخسف۔خَسَف۔خسوف** چاندکی اور کسوف سورج کی روشنی کا غائب ہونا یعنی گرہن لگنا ہے۔زمین میں غائب ہونا یعنی زمین میں دھنسنا یا غرق ہونا ہے۔استعارۃً اس سے مراد ذلیل ہونا ہے۔

مشرکینِ مکہ کی بُری تدبیریں یہی تھیں کہ نو چنیدہ سرداران مکہ نے آپ ﷺ کے خلاف فیصلہ دیا کہ آپ ﷺ کو قید کر دیا جائے،جلاوطن کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔پہلی آیات میں آخرت کے عذاب کا ذکر تھا۔یہاں شدید نامساعد حالات میں جبکہ آپ ﷺ کی جان کے دشمن بنے ہوئے تھے دنیا میں ہی ان کے لئے ہلاکت اور ذلت کی پیشگوئی فرمائی۔اور بتلا دیا کہ ان کا انجام بربادی اور رسوائی ہے خواہ کسی طریق سے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر زمین میں دھنسنے کا عذاب نہیں آیا ہاں اس طرح غرق
کہ اِن کا نام ونشان تک مٹ گیا اور ابوجہل وغیرہ کی طرف منسوب ہونا بھی باعث ذلت
جانے لگا۔غرض دنیا میں انتہائی ذلیل وخوار ہوئے۔کفر واسلام کی پہلی جنگ میں ہی نو سرداران
میں سے سوائے ابوسفیان کے جو جنگ میں شامل نہیں تھا آٹھ چنیدہ سرداروں کا مارے جانا بھی
کے لئے سخت ذلت و رسوائی کا باعث تھا۔پھر ایسے ایسے عذاب آئے جو ان کے وہم وگمان
بھی نہیں تھے۔سات سالہ قحط کا پڑنا اور ان کا مغلوب ہونا کیا کم ذلالت تھی۔ظاہری طور
پیشگوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح کے زمانہ میں پوری ہوئی جب زبردست زلزلوں نے زمین کو تہ و بالا
دیا۔لاکھوں انسان لحوں میں صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔حضرت مسیح موعود
السلام فرماتے ہیں "پانچ زلزلوں کے آنے کی نسبت خدا تعالیٰ کی پیشگوئی جس کے الفاظ یہ
"چمک دکھلاؤں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار" اس وحی الٰہی کا یہ مطلب ہے کہ خدا فرماتا ہے
---پانچ دہشت ناک زلزلے ایک دوسرے کے بعد کچھ کچھ فاصلہ سے آئیں گے ---
ہر ایک میں اُن میں سے ایک ایسی چمک ہوگی کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے گا اور دلوں
ان کا ایک خوفناک اثر پڑے گا اور وہ اپنی قوت اور شدت اور نقصان رسانی میں غیر معمولی ہوں گے
جن کے دیکھنے سے انسانوں کے ہوش جاتے رہیں گے۔یہ سب کچھ خدا کی غیرت کرے گی کیونکہ
لوگوں نے وقت کو شناخت نہیں کیا اور خدا فرماتا ہے کہ میں پوشیدہ تھا مگر اب میں اپنے تئیں ظاہر
کروں گا اور میں اپنی چمکار دکھاؤں گا اور اپنے بندوں کو رہائی دوں گا۔اسی طرح جس طرح فرعون
کے ہاتھ سے موسیٰ ؑ نبی اور اس کی جماعت کو رہائی دی گئی اور یہ معجزات اسی طرح ظاہر ہوں گے
جس طرح موسیٰ ؑ نے فرعون کے سامنے دکھلائے اور خدا فرماتا ہے کہ میں صادق اور کاذب میں
فرق کر کے دکھلاؤں گا اور میں اسے مدد دوں گا جو میری طرف سے ہے اور میں اس کا مخالف
ہوجاؤں گا جو اس کا مخالف ہے۔

سو اے سننے والو! تم سب یاد رکھو کہ اگر یہ پیشگوئیاں صرف معمولی طور پر ظہور میں آئیں
تو سمجھ لو کہ میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں لیکن اگر ان پیشگوئیوں نے اپنے پورے ہونے کے
وقت دنیا میں ایک تہلکہ برپا کردیا اور شدت گھبراہٹ سے دیوانہ سا بنا دیا اور اکثر مقامات میں
عمارتوں اور جانوں کو نقصان پہنچایا تو تم اس خدا سے ڈرو جس نے میرے لئے یہ سب کچھ کر دکھایا۔
وہ خدا جس کے قبضہ میں ذرہ ذرہ ہے اس سے انسان کہاں بھاگ سکتا ہے۔-----ان نشانوں

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ
عاجز کرنے والے | یا پکڑے ان کو | خوف پر | پس یقیناً | رب تمہارا
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
البتہ بہت مہربان بہت رحم کرنیوالا ہے | کیا نہیں دیکھا انہوں نے طرف اسکے جو پیدا کیں | اللہ نے | چیز سے

کے بعد دنیا میں ایک تبدیلی پیدا ہوگی اور اکثر دل خدا کی طرف کھنچے جائیں گے اور اکثر سعید دلوں
پر دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی اور غفلت کے پردے درمیان سے اٹھادئے جائیں گے۔"
(تجلیات الٰہیہ۔روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ٣٩٥-٣٩٦)

۴۷۔تقلّب۔قلب جس میں خون گردش کرتا اور پھرنا ہے۔مراد۔اِدھر اُدھر پھرنا یا سفر
کرنا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ریشہ دوانیوں میں ان کی بھاگ دوڑ جاری رہتی تھی۔یہانتک کہ حبشہ تک
صحابہ کے پیچھے گئے اور نجاشی شاہِ حبشہ کو بیش قیمت تحائف دے کر اپنے ان باغیوں کی واپسی کا
مطالبہ کیا لیکن منہ کی کھائی۔نجاشی نے نہ صرف ان مہاجرین کو پناہ دی بلکہ خود اسلام کے شیدائیوں
میں شامل ہو گیا۔(تفصیل تعارف سورۃ مریم میں) بدر کی جنگ بھی اسی مخالفت اسلام تگ و دو کا
نتیجہ تھی۔قافلہ کے بخیریت پہنچ جانے کی اطلاع کے باوجود جنگ سے باز نہ آئے اور شکست فاش
کھائی اور خوب ذلیل ہوئے۔اس آیت میں سفر میں ہلاکتوں کی پیشگوئی کی گئی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
مسیح کے زمانہ میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہو رہی ہے۔ہر طرح کی احتیاطوں کے باوجود کوئی سفر محفوظ
نہیں۔آئے دن ہوائی، بحری اور برّی حادثات ہوتے رہتے ہیں۔

۴۸۔تخوُّف۔خوف کے علاوہ تنقّص کے معنی بھی دیتا ہے۔مراد آہستہ آہستہ تدریجاً
کم کرنا۔

تخوف میں ان کے اس خوف اور ڈر کی طرف بھی اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
رعب کی وجہ سے ان کے شاملِ حال تھا۔حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ماہ تک کی
مسافت کا رعب دیا گیا ہے(سُنن نسائی کتاب الطھارت باب التیمم بالصعید) آج دنیا میں کوئی سفر
ایک ماہ سے زیادہ کا نہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب ساری دنیا پر محیط ہے۔اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ
مسلمان ہر طرف سے پٹ چکے ہیں لیکن آج بھی اسلام کے غالب آنے کا خوف ہے اور انہیں
مزید پسپا کرنے کی کوششیں جاری ہیں نیز مسلمانوں کی مسلسل فتوحات سے ان کی قوت اور شوکت کا
گھٹتے جانا بھی مراد ہے۔جنگوں میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی بہت بڑی تعداد ہلاک ہوجاتی

يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ

جھکتے ہیں سائے ان کے دائیں سے اور بائیں سے سجدہ کرتے ہوئے اللہ کیلئے

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

درآنحالیکہ وہ ذلیل ہیں اور اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو

اور ان کی اولادیں مسلمان ہو جاتیں۔اس طرح مسلمان آہستہ آہستہ بڑھتے اور کفار گھٹتے گئے۔ اللہ کی رسی دراز ہوتی ہے اس کا آہستہ آہستہ پکڑنا محض اس کی شفقت و رحیمیت کی وجہ سے ہے تا اس کے بندے اعمالِ خبیثہ کو چھوڑ کر ہدایت پا جائیں۔ان پیشگوئیوں کا مقصد بھی یہی تھا یعنی مومنین کی تقویت کا باعث تھیں۔

۴۹۔**یتفیؤا۔فاء** اور **فیئی** اس سائے کو کہتے ہیں جو زوال کے بعد لوٹ آئے۔ بری حالت سے اچھی حالت کی طرف لوٹ آنا **شمائل**۔شمال کی جمع ہے بائیں جانب۔**دٰخرون۔ داخرٌ** کی جمع ہے۔**دَخَرَ** ذلیل ہوگیا۔مطیع و مجبور ہو گیا۔اس آیت کے ایک معنی تو عام ہیں۔کفار کے ذکر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔فرمایا اللہ تعالیٰ کی کل مخلوق قانونِ قدرت میں جکڑی ہوئی ہے اور اس کے قانون کے تابع چلتی ہے پھر انسان اس قانون سے باہر کیسے نکل سکتا ہے جبکہ اس کا سایہ تک دوسری تمام اشیاء کے سایوں کی طرح اسی قانون کا پابند ہے۔اور دائیں بائیں لوٹتا رہتا ہے اور اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز ہے۔یہاں بعض لوگوں کے اس خیال کو بھی ردّ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔حضرت مصلح موعودؓ نے اس آیت کی نہایت لطیف رنگ میں تشریح فرمائی۔باوجود اس کے کہ کفار ذلیل ہو رہے ہیں انہوں نے عاجزانہ طریق اختیار کرتے ہوئے کیوں غور نہیں کیا کہ ہر چیز جو اللہ نے پیدا کی زوال پذیر ہے۔سائے خواہ زوال کے بعد لوٹ آئیں انجام مٹ جاتا ہے۔بڑی بڑی حکومتوں پر زوال آیا اور ان کا سایہ سمٹ گیا اور ان کا اثر و رسوخ اور شان و دبدبہ سب جاتا رہا۔پس یہی اصول ان پر بھی لاگو ہو سکتا ہے۔یمین و شمائل سے یہاں مکہ اور مدینہ مراد ہیں کیونکہ اگر ان کی مشترکہ سرحد پر کھڑے ہو کر مشرق کی طرف منہ کریں جیسا کہ سمتوں کے تعین کے لئے مشرق کی طرف ہی منہ کیا جاتا ہے تو مکہ دائیں یعنی جنوب کی طرف ہوگا اور مدینہ بائیں یعنی شمال کی طرف۔یمین کو مفرد استعمال کیا کہ اس کا سایہ گھٹ جائے گا۔گویا اہلِ مکہ کے زوال کی طرف اشارہ تھا۔جبکہ شمائل کو جمع کے صیغہ میں استعمال کیا کہ مدینہ والوں کے کئی سائے ہوں گے اور مختلف جہت سے ترقی کریں گے۔(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعودؓ)

الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

زمین میں ہیں چلنے والے اور فرشتے اور وہ نہیں تکبر کرتے

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۶ ۱۲

ڈرتے ہیں رب سے اپنے جو ان کے اوپر ہے اور کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے

۵۰۔۵۱۔**دآبّہ**۔ہر چلنے والا۔جاندار۔زیادہ تر حیوانات پر بولا جاتا ہے۔**ما** کہا یعنی آسمانوں اور زمین میں جو بھی مادی حالت میں ہے اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز ہے۔دآبّۃ بھی اور ملائکہ بھی، انسان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ انسان بااختیار ہے۔ان میں سجدہ نہ کرنے والے بھی ہیں۔آسمانوں اور زمین میں جو ہے اور دآبّۃ اور ملائکہ کا ذکر کیا جنہیں کوئی اختیار نہیں۔وہ تکبر نہیں کرتے، اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں جو ان پر بالادست ہے اور جس بات کا انہیں حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔اس آیت سے ظاہر ہے کہ جانوروں میں خدا کا شعور لازماً موجود ہے جو ان کی زندگیوں پر اثر انداز رہتا ہے۔ان میں ایک طبعی خوف ہے کہ کس سے ڈرنا ہے اور کس سے نہیں ڈرنا۔ان کا شعور اور خوف ہم نہیں سمجھ سکتے۔(ترجمۃ القرآن کلاس از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)۔البتہ ملائکہ میں یہ صفات کامل طور پر موجود ہیں۔اس سے ہاروت و ماروت کا قصہ بھی باطل ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ فرشتے تھے فرشتوں کو ایسے کام نہیں سونپے جاتے پس وہ فرشتہ صفت بزرگ تھے نہ کہ واقعی فرشتے۔اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ "تمہاری طرف سے تو یہی نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بنانے کی کوشش میں لگے رہو۔جب تک فرشتوں کی سی زندگی نہ بن جاوے تب تک کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی پاک ہو گیا۔**یفعلون مایؤمرون**۔فنافی اللہ ہو جانا اور اپنے سب ارادوں اور خواہشات کو چھوڑ کر محض اللہ کے ارادوں اور احکام کا پابند ہو جانا چاہئے کہ اپنے واسطے بھی اور اپنی اولاد، بیوی بچوں، خویش و اقارب اور ہمارے واسطے بھی باعث رحمت بن جاوے۔" (الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۶ مورخہ ۲ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

۵۲۔اس رکوع میں بتایا کہ انسانی فطرت شرک کو قبول نہیں کرتی بلکہ اس کی نفی کرتی ہے۔اس سورۃ میں بار بار بتلایا کہ کل کائنات میں خدا کا قانون جاری ہے اور ہر چیز اس کے مطابق چلنے پر مجبور ہے۔انسان بھی اپنے تمام امور میں اسی قانون میں جکڑا ہوا ہے۔لیکن جہاں انسان کو اختیار دیا ماسوا اللہ کے خاص بندوں کے، وہ خدا کے ساتھ نفس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔اس طرح دوسرا خدا بنا لیتا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ غیر اللہ کی پوجا صرف بتوں کے

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ

اور فرمایا اللہ نے نہ بناؤ معبود دو سوائے اسکے نہیں کہ وہ معبود ہے

وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۲﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ

ایک پس مجھ سے ہی ڈرو اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۚ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

زمین میں ہے اور اسی کے لیے فرمانبرداری ہے دائم کیا پس اللہ کے سوا بچاؤ کا ذریعہ بناتے ہو

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

اور جو تمہارے شاملِ حال ہے نعمت پس (وہ) ہے اللہ کی طرف سے پھر جب پہنچتی ہے تم کو تکلیف

ذریعہ سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر اپنے نفس کے پیچھے لگنا بھی نفس کی پوجا کرنا ہے۔ یہ بھی ایک قسم شرک ہے۔(ملفوظات جلد سوم صفحہ ۲۲۳)

حدیث میں ہے کہ کسی صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! کیا لوگ پھر بتوں کو پوجنے لگیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اپنے دل میں کئی بت سجا لیں گے، ان پر بھروسہ کریں گے اور انہیں اپنا حاجت روا سمجھیں گے گویا شرکِ خفی میں مبتلا ہوں گے۔ دراصل جھوٹے سہاروں پر بھروسہ کرنے والوں میں توکّل کی کمی ہوتی ہے اس لئے بہت زور دے کر فرمایا کہ صرف اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔ شرک خفی کی مزید تفصیل کے لئے (سورۃ محمد:۲۰) دو خداؤں میں پارسیوں کے باطل عقیدہ کا بھی رد فرمایا جو خالقِ خیر اور خالقِ شر کو مانتے ہیں۔

۵۳۔**واصب**۔دائم۔ہمیشہ۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔اسی کا ہے۔اسی کی ملکیت ہے۔پوری کائنات میں ایک ہی قانون ہے جو روزِ ازل سے جاری و ساری ہے۔کروڑ ہا سال گزرنے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔اگر ایک سے زیادہ مالک ہوتے تو اس قانون میں کہیں تو اختلاف نظر آتا۔ قرآنِ کریم نے بار بار شرک کے ردّ میں یہ دلیل پیش کی۔**لہ الدین واصبا** ط یہاں دین بمعنی اطاعت ہے کہ ہمیشگی کی فرمانبرداری اللہ ہی کے لئے ہے۔گویا اطاعت اسی کی واجب ہے یہ اسی کا حق ہے۔انسان کو ہمیشہ اسی کی اطاعت و عبادت کرنی چاہیے اور فرشتوں والی حالت ہو جیسا کہ فرشتوں کے لئے فرمایا **یفعلون مایؤ مرون** ٥ یہاں اس شخص کے لئے وعید ہے جو اللہ کے شریک ٹھہراتا ہے۔فرمایا کیا تم اللہ کے سوا دوسروں کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ بناتے رہو گے۔

۵۴۔**تجئرون** ۔**جأر**۔دعا میں مبالغہ کرنا۔تضرع کرنا۔فریاد کرنا۔گڑ گڑانا۔

فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۴﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا

تو اسی کی طرف تم زاری کرتے ہو پھر جب دور کر دیتا ہے تکلیف تم سے جھٹ

فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۵﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ

ایک گروہ تم (میں) سے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انکار کر دیتے ہیں اسکا

اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُوْنَ

جو دیا ہم نے ان کو پس فائدہ اٹھا لو پس ضرور جان لوگے تم اور بناتے ہیں

لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۚ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ

اس کیلئے کہ جسے نہیں جانتے وہ ایک حصہ اس کا جو دیا ہم نے انہیں قسم ہے اللہ کی ضرور بازپرس ہوگی تم

نعمتیں تو سب خدا ہی کی عطا کردہ ہیں لیکن تم انہیں معبودانِ باطلہ کی طرف منسوب کرتے ہو۔ پھر جب کسی تنگی یا آفت کا شکار ہوتے ہو اور تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر خدا کو ہی پکارتے ہو اور اسی کے حضور فریاد کرتے ہو۔شرک کے ردّ میں اس زبردست دلیل کو پیش کیا کہ انسانی فطرت شرک کو قبول نہیں کرتی۔مصیبت کے وقت مشرک بھی خدائے واحد کے حضور ہی گڑ گڑاتے ہیں۔

۵۵۔مصیبت کے وقت خدا سے فریاد کرتے ہیں۔جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے ربّ کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔مصیبت کے دور ہونے پر اللہ کا شرک یہ ہے کہ اگر بیماری سے شفا ہو گئی تو سوچا کہ ڈاکٹر اچھا مل گیا یا دوائی نے اثر کیا۔کامیابیوں میں اپنی عقل و محنت کا دخل سمجھا حالانکہ یہ سب اسباب اسی کے فضل سے میسر آئے۔

بربّهم کہہ کر اپنی انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا کہ وہ تو تمہارا ربّ ہے۔تمہارا دکھ اسے منظور نہیں۔پھر کیوں شرک سے باز نہیں آتے۔

۵۶۔باوجود شرک کے جب اپنے ربّ کو پکارا اور اس نے مصیبت کو دور کر دیا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ ربّ کے شکر گزار بندے بنتے، اس کے احسانوں کی قدر کرتے اور شرک سے باز آجاتے۔لیکن نتیجہ الٹا ہی نکلا کہ اپنے ربّ کی سبھی نعمتوں کے منکر ہو گئے اور انہیں غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے لگے یعنی نہ صرف کفرانِ نعمت کیا بلکہ شرک کے مرتکب بھی ہوئے۔کچھ دیر تو بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم و شفقت کا سلوک کرتے ہوئے ان کے شرک کے باوجود مصیبت کے وقت ان کی فریادوں کو سنتا اور ان کے مصائب کو دور کرتا ہے کہ شاید اپنے ربّ کو پہچانیں اور شرک سے باز آجائیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوگا۔یہ تو عارضی اور وقتی فائدے ہیں، کب تک ان سے متمتع ہوتے رہو گے۔آخر جلد ہی اپنے انجام کو پہنچو گے۔

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ
سے اس کے متعلق جو تم افترا کررہے ہو اور بناتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں
سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ
پاک ہے وہ اوران کیلئے ہے جو وہ خواہش کرتے ہیں اورجب خبردی جاتی ہے کسی ایک کوان میں سے
بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۹﴾ يَتَوَارٰى
لڑکی کی ہوجاتا ہے چہرہ اس کا سیاہ اور وہ اپنے غم کو چھپانیوالا ہوتا ہے چھپتا ہے
مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى
لوگوں سے بسبب برائی کے اسکی کہ بشارت دیا گیا وہ جس کی کیا روک رکھے اسے باوجود

۵۷۔شرک کی کئی اقسام کا ذکر کیا جو اس وقت رائج تھیں۔افسوس دیگر مشرک اقوام کے علاوہ بعض اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں آج بھی رائج ہیں۔مصیبتوں کے دور ہونے پر یا مرادیں پوری ہونے پر خدا کا شکر ادا کرنے کی بجائے اصل شکر پیروں فقیروں کا کرتے ہیں۔ان کے نام کی نذر و نیاز دلاتے اور ان کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔اس طرح خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں میں سے ایک حصہ ان وجودوں کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے جن کی خدائی کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں۔نیز یہ بھی معنی ہیں کہ ان معبودانِ باطلہ کو کچھ علم نہیں کہ انہیں خدائی صفات دی جا رہی ہیں۔ اللہ کی قسم! ان افترا پردازیوں کی ضرور باز پرس ہوگی۔یعنی ضرور سزا دی جائے گی۔ان کا افترا یہ ہے کہ ان رسوم کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ایسا ہم خدا کے حکم سے کر رہے ہیں۔

۵۸۔شرک کی قسموں کا ذکر تھا۔فرمایا شرک میں ایسی مت ماری جاتی ہے کہ اللہ کی شان میں بھی گستاخی کرجاتے ہیں۔اللہ کے لئے وہ پسند کرتے ہیں جو خود اپنے لئے پسند نہیں کرتے یعنی اپنے لئے بیٹے چاہتے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹیاں۔جیسے ہندو دیویوں کی پوجا کرتے ہیں یا عرب بھی ملائکہ کو مونث مانتے تھے۔ جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کمزوریوں سے پاک ہے۔

۵۹-۶۰۔سیاہ چہرہ سے مراد غم و نفرت کا اظہار اور ذلت محسوس کرنا ہے۔شرک کے بیان میں عربوں کی اس بُرائی کی نشاندہی فرمائی جو وہ لڑکیوں کی پیدائش کو منحوس اور موجب ذلت سمجھتے تھے یہانتک کہ بعض رؤسا انہیں زندہ در گور کرنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔اس میں شرکِ خفی یہ تھا کہ بظاہر یہ لڑکوں کی طرح ان کے لئے عزت و قوت یا کمائی کا ذریعہ نہیں تھیں اور بڑھاپے کا سہارا نہیں بنتی تھیں جیسا کہ آج بھی بعض مسلمان کہلانے والوں کا یہی حال ہے۔

هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۶۰﴾
ذلت کے یا گاڑدے اسے مٹی میں آگاہ ہوجاؤ برا فیصلہ کرتے ہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے بڑھاپے میں اولاد دے کر اس شرکِ خفی سے بچالیا کہ یہ اولاد بڑھاپے کا سہارا بنے گی۔

آنحضرت ﷺ رحمۃ للعالمین کے انسانیت پر عظیم احسانوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے کی ستائی ہوئی مظلوم عورت کو اس کا جائز حق دلایا۔عرب جو بیٹی کی پیدائش کو باعث ننگ و عار سمجھتے تھے انہیں بیٹی کے احترام کی نہ صرف تلقین فرمائی بلکہ عورت جو جانوروں کی طرح ورثے میں تقسیم ہو جاتی تھی اسے ورثہ کا حقدار بنایا۔آپ ﷺ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے غیر معمولی عزت و احترام اور پیار کا سلوک فرماتے تھے۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے تین بیٹیوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی اور بیٹوں کو ان پر فوقیت نہیں دی تو وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے۔آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ایک شخص نے کہا حضور جس نے دو کی پرورش کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی۔ایک شخص نے کہا جس کی ایک ہو آپ ﷺ نے فرمایا وہ بھی۔اس سے ملتی جلتی حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔(مشکوۃ مترجم جلد دوم۔فصل دوم۔صفحہ۴۴) بیوی کے حقوق میں یہ حدیث ہی کافی ہے کہ مومنین میں ایمان کے لحاظ سے کامل ترین وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں اور خُلق کے لحاظ سے بہترین [illegible] جو اپنی عورتوں سے بہترین اور مثالی سلوک کرتا ہے۔(ترمذی کتاب النکاح باب حق المراۃ علیٰ زوجھا۔بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) ماں کا احترام اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔غرض عورت کو اس قعرِ مذلت سے نکال کر مردوں کے برابر درجہ دیا۔ایک حدیث میں ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو ربّ ذوالجلال اس کے ہاں فرشتے بھیجتا ہے جو آ کر کہتے ہیں:۔" اے گھر والو! تم پر سلامتی نازل ہو، وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں، یہ کمزور جان ہے اور کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے(اس سے اشارہ عورت کی صنف نازک کی طرف ہے) جو اس بچی کی نگرانی اور پرورش کرے گا، قیامت تک خداتعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال رہے گی۔" (طبرانی)۔

بھیج درود اس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ
ان لوگوں کے لیے جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر مثال ہے بُری اور

ع ۱۳ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ
اللہ کے لیے مثال اعلیٰ ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور اگر

يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ
مواخذہ کرے اللہ لوگوں سے ظلم پر ان کے نہ چھوڑے اس (زمین) پر کوئی

دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ
جاندار و لیکن ڈھیل دے گا انہیں میعاد مقررہ تک پس جب آئے گی

اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَ
میعاد ان کی نہ پیچھے ہوں گے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں گے اور

۶۱۔ مثل کے معنی صفت اور حالت کے بھی ہیں۔

مشرکین نے اپنے زعم میں بیٹیوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے گویا ادنیٰ چیزوں کو اس کی طرف منسوب کیا حالانکہ ہر اعلیٰ صفت اور اعلیٰ شان اللہ ہی کے لئے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ بیٹے یا بیٹیوں کو اس کی طرف منسوب کیا جائے۔ اولاد کا ہونا خالق کے لئے ایک نقص ہے۔ اسے اپنی بقا کے لئے کسی بیٹے کی ضرورت ہے نہ بیٹی کی۔ مشرکین کی یہ بُری حالت اس وجہ سے ہے کہ بعث بعدالموت پر یقین نہیں اور اپنی بقا بیٹوں کے ذریعہ ڈھونڈتے ہیں۔ اگر یوم آخر پر ایمان ہوتا تو کسی جھوٹے سہارے کی ضرورت نہیں تھی۔ بیٹوں کی اور نہ کسی جھوٹے معبود کی۔ وہ غالب اور حکیم ہے۔ بیٹیوں کا وجود بھی نسلِ انسانی کی بقا کے لئے اس کی حکمت کے تحت ہے۔

۶۲۔ **اجلِ مسمّٰی**۔ معین مدت کا وقت۔ زندگی کی آخری حد۔

اس رکوع میں بتایا کہ کتابِ الٰہی کا مقصد اختلافِ مذاہب کو دور کرنا اور ظلم کا استیصال کرنا ہے۔ ملحقہ آیت میں بتایا کہ وہ غالب اور حکیم ہے لیکن دنیا میں اس کے غلبہ کا کامل ظہور نہیں ہوتا۔ اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بندوں کو ان کے ظلم و شرک اور زیادتیوں پر فوراً گرفت نہ کرے بلکہ ڈھیل دے تا کہ اس کے بندے اس ڈھیل سے فائدہ اٹھائیں اور توبہ کر کے ہدایت پائیں۔

فرمایا اگر وہ تمہیں تمہارے ظلم اور زیادتیوں پر پکڑتا تو کب کی قیامت آچکی ہوتی اور روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہتا لیکن اس کی رحمت بے حد وسیع ہے۔ وہ وقتِ مقررہ تک مہلت دیتا چلا جاتا ہے پس انسانوں کے ظلم کی وجہ سے جب تباہی آئے گی تو تمام جاندار ہلاک ہوں گے اور یہ

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ
وہ بناتے ہیں اللہ کے لیے جو ناپسند کرتے ہیں اور بیان کرتی ہیں زبانیں ان کی جھوٹ

اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ
کہ ان کے لیے بھلائی ہے نہیں کوئی شک کہ ان کے لیے آگ ہے اور یقیناً وہ

مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ
جلدی جانے والے ہیں قسم ہے اللہ کی یقیناً یقیناً رسول بھیجے ہم نے قوموں کی طرف تجھ سے پہلے

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَ
پس مزین کر کے دکھلائے انکو شیطان نے اعمال ان کے پس وہ دوست ہے ان کا آج اور

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا
ان کے لیے عذاب ہے دردناک اور نہیں اتاری ہم نے تجھ پر کتاب مگر

لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً
تاکہ کھول کر بیان کرے انکے لیے وہ کہ اختلاف کیا انہوں نے جس میں اور ہدایت اور رحمت

ظلم نہیں کیونکہ تمام جاندار انسانوں کے لئے ہی پیدا کئے، جب انسانوں کی صف لپیٹ دی جائے گی تو ان جانداروں کی زندگی بے معنی ہو گی۔

۶۳۔ **تصف**۔ **وَصفٌ**۔ بیان کیا۔ **مفرطون** **فرَط**۔ افراط۔ بڑھانا مراد زیادہ عذاب۔ نیز جو آگے بھیجا جاتا ہے اسے فرط کہتے ہیں۔ پس **مفرطون** کے معنی یہ بھی ہیں کہ سب سے آگے بھیجے جائیں گے۔ یہ لفظ ترک کرنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ یعنی بے یارومددگار چھوڑ دیئے جائیں گے۔

گزشتہ مضمون جاری ہے کہ اگر یومِ آخر پر یقین ہوتا اور جزا سزا پر ایمان ہوتا تو ظلم و شرک میں یہاں تک نہ بڑھتے کہ جو چیز اپنے لئے پسند نہیں اسے اللہ کے لئے تجویز کرتے جیسا کہ اپنے لئے بیٹے اور اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرنا۔ دروغ گوئی کی انتہا یہ ہے کہ بڑی تحدی سے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں بھلائی ضرور ملے گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے لئے نارِ جہنم ہے جہاں بے یارومددگار چھوڑ دیئے جائیں گے۔

۶۴۔ کفارِ مکہ کفر و شرک کا کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں کر رہے۔ پہلے دشمنانِ رسول نے بھی یہی وطیرہ اختیار کئے رکھا۔ اور شیطان ان کے اعمالِ بد کو خوبصورت کر کے دکھاتا رہا کہ تم بالکل درست راستہ پر ہو۔ تمہارے کسی فعل پر ہرگز کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ آج وہی شیطان ان کا بھی

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا
ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ نے اتارا بادل سے پانی پس زندہ کی ساتھ

بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
اسی کے زمین بعد موت کے اس کی یقیناً اس میں البتہ نشان ہے ان لوگوں کیلئے جو

يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ ع ۵ ۱۴
سنتے ہیں اور یقیناً تمہارے لیے چارپایوں میں البتہ عبرت ہے ہم پلاتے ہیں تم کو اس سے

مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا
جو پیٹوں میں ہے اس کے درمیان گوبر اور خون کے دودھ خالص

دوست ہے یہ اس کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک دردناک عذاب ان
مقدر ہے۔جس طرح دنیامیں شیطان ان کا ولی رہا یوم آخر کو بھی وہی ان کا ولی ہو گا۔یہاں سبق یہ
ہے کہ شیطان انسان کا ہمیشہ سے دشمن ہے جو بداعمال کو خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔آج یہ کام
عیسائی کر رہے ہیں پس تمہارے لئے اس زندگی میں قدم قدم پر ٹھوکر کے سامان ہیں ان سے بچ
نکلنا متقی کا کام ہے۔

۶۵۔کفر اور اسلام میں بنیادی فرق ہمیشہ سے توحید و معاد ہی رہا۔ہر نبی کے بعد لوگوں
نے یومِ آخر کو بُھلا کر شرک کی راہ اختیار کی اور مذہب کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جو مذہب
مذہب نے نہیں کہی تھیں۔اس طرح اختلافات پیدا ہوتے رہے۔جن کو دور کرنے اور لوگوں کو صحیح
راستہ پر لانے کے لئے انبیاء مامور ہوتے رہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اصل غرض بھی یہی تھی
کہ قرآنِ کریم کے ذریعہ ان تمام اختلافات کا فیصلہ کریں۔گویا یہ کتاب کافروں کے لئے مضبوط
دلائل اور روشنی کا سامان رکھتی ہے اور مومنین کے لئے ہدایت یعنی ترقیِ درجات اور حصولِ رحمت کا
ذریعہ ہے۔پس قرآن ہی حکم ہے جس کے ذریعہ تمام دنیا کے مذہبی اور اخلاقی اختلافات کا فیصلہ
ممکن ہے۔یہی وہ فرقان ہے جس میں دنیا کے تمام مذاہبِ باطلہ کا ردّ موجود ہے تا جس طرح
شروع میں امتِ واحدہ تھی، آخر میں بھی امتِ واحدہ ہی رہے۔

۶۶۔بارش مردہ زمین کو بربادی سے بچا کر زندگی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔یہ بطور مثال
بیان کیا۔اصل مقصود روحانی پانی یعنی وحی الٰہی کا پانی ہے جو سننے سے تعلق رکھتا ہے اور جو آسمان سے
نازل ہو کر روحانی مُردوں کو زندگی کا پیغام دیتا ہے۔لیکن اس بارش سے وہی مستفید ہوتا ہے جس
کے سننے کے کان ہوں اور جو طالبِ حق ہو ورنہ جو خود کان بند کر لے اسے کچھ سنائی نہ دے گا۔

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ
حلق سے گزرنے والا پینے والوں کے لیے اور پھلوں سے کھجوروں کے اور انگوروں کے

۶۷۔سائغا۔کھانے پینے کی اشیاء جو مزیدار ہونے کی وجہ سے حلق سے آسانی سے اتر
جائیں۔فرث اس گوبر کو کہتے ہیں جو تمام مفید اجزا سمیت اوجھڑی یا(معدہ)اور انتڑیوں میں ہوتا
ہے۔یہ وہ گوبر نہیں جو ناکارہ صورت میں بطور فضلہ خارج ہوتا ہے گوبر کے لئے عربی میں دوسرا لفظ
ہے۔بلکہ وہ ہضم شدہ غذا ہے جو ابھی خون بنی ہے نہ فضلہ۔ریزہ ریزہ کرنے کے معنی بھی دیتا ہے۔
پچھلی آیت میں آسمانی پانی سے وحی الٰہی کے پانی کی طرف اشارہ کیا۔اب اس رکوع میں
وحی الٰہی کی ضرورت کو کئی ایک تمثیلات سے واضح کیا۔سب سے پہلے بتلایا کہ یقیناً چوپایوں میں بھی
تمہارے لئے نصیحت حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ موجود ہے۔اس ذریعہ سے تم جہالت سے علم کی
روشنی میں آ سکتے ہو اور نصیحت حاصل کر سکتے ہو۔اب غور کرو کہ جس طرح فرث اور خون سے ہی
خالص دودھ بنتا ہے مگر اس کا بننا خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی مشین کے بغیر ناممکن ہے۔اسی طرح ہر
مذہب میں کسی نہ کسی حد تک راستبازی موجود ہے لیکن اسے باطل کی ملونی سے الگ کر کے دکھانا
وحی الٰہی سے ہی ممکن ہے۔فرث اور خون میں سے خالص دودھ کا بننا اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت و
حکمت سے اس طرح ممکن ہوتا ہے کہ جانور سبزی اور چارہ وغیرہ کھاتے ہیں جس میں سب سے
پہلے لعاب دہن شامل ہوتا ہے۔غذا کی نالی اور معدہ چبائی ہوئی غذا میں ایسے کیمیاوی مادے شامل
کرتے ہیں جو اس کے ہضم ہونے میں ممد ہوتے ہیں۔معدے کے سکڑنے اور پھیلنے کی کیفیت اس
عمل کو مزید تیز کرتی ہے۔چھوٹی آنت سے گزرتے ہوئے اس میں مزید مختلف قسم کے کیمیاوی
مادے (Chemicals) شامل ہو جاتے ہیں۔جگر میں پیدا ہو کر پتہ میں جمع ہونے والا کڑوا اور تیز
مادہ چھوٹی آنت میں داخل ہو کر چکنائی کے اجزاء کو جذب کرنے کا کام کرتا ہے۔اس حالت میں یہ
مواد فرث کہلاتا ہے۔اس ہضم شدہ مواد سے مفید غذائی اجزا خون میں جذب ہو جاتے ہیں۔خون
ان تمام مفید غذائی اجزا (حیاتین، لحمیات اور نشاستہ وغیرہ) سمیت شریانوں کے نظام کے ذریعہ جب
تھنوں میں جاتا ہے تو قدرت خداوندی سے تھنوں کے غدود کے ذریعہ خالص دودھ کی شکل اختیار کر
لیتا ہے جو فرث کی گندگی و کثافت اور خون کی تمام زہروں سے کلیتہً پاک ہوتا ہے۔اگر اس کا رنگ
سرخ ہی رہتا تو یقیناً انسان کو نہ بھاتا، اس کے اخلاق بگڑ جاتے اور اس میں درندگی پیدا ہو جاتی۔
یہ پینے والوں کے لئے خالص بھی ہے اور مزیدار و خوشگوار بھی۔یہ اکمل الاغذیہ ہے۔صرف

تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

تم بناتے ہو اس سے نشہ آور اور رزق اچھا یقیناً اس میں

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ

البتہ نشان ہے ان لوگوں کیلئے جو عقل کرتے ہیں اور وحی کی رب تیرے نے طرف مکھی کے

دودھ پینے سے بچے کی تمام غذائی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔دودھ بھی دوسری اغذیہ کی طرح اسی عمل (Process) سے گزر کر فرث کی صورت اختیار کرتا ہے جہاں اس کا اعلیٰ ترین حصہ خون میں تبدیل ہو جاتا ہے اور ارذل ترین فضلہ کی صورت خارج ہو جاتا ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو پینے کی چیزوں میں بہت پیارا دودھ تھا(کتاب الطب ابو نعیم) حضرت ابنِ عباسؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو دودھ پلا کر فرمایا جسے اللہ تعالیٰ دودھ پلائے وہ یہ دعا کرے۔**اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ**۔(مسند احمد حنبل)

۶۸۔سَکر وہ ہے جس سے سُکر یعنی نشہ پیدا ہو مراد شراب۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں دودھ کے بعد پھلوں کا ذکر کیا کہ وہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کے مظہر ہیں۔ایک بیج سے ایک تنا آور درخت کا پیدا ہو جانا پھر انواع و اقسام کے پھل ہونا اسی کی کاریگری ہے۔پھلوں کے ذکر میں پہلے شراب کا ذکر کیا کیوں کہ انگور کا سب سے زیادہ استعمال شراب بنانے میں ہوتا ہے اور کھانے میں کم استعمال ہوتا ہے۔پھلوں میں عقلمندوں کے لئے یہ نشان ہے کہ دودھ تو بیشک حلال ہے اور ہر شکل (Form) میں حلال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں ایسی بھی ہیں کہ اگر ان کا صحیح استعمال کیا جائے تو رزق حسنہ ہیں لیکن اسی رزقِ حسنہ کا غلط استعمال اسے حرام بنا دے گا گویا ہر نعمت میں ایک پہلو فرث کا بھی ہے۔عقلمندوں کے لئے اس میں یہ بھی نشان ہے کہ وحی الٰہی کے بغیر حلال اور حرام کا سمجھنا انسان کے بس میں نہیں۔عقلمند سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جس غرض کے لئے بنایا اس میں تغیر کرنا اس کی خرابی کا موجب ہوگا۔ پس وحی الٰہی میں دخل اندازی بھی اس کی افادیت پر اثر انداز ہو گی۔یہ مکّی سورۃ ہے ابھی شراب کی حرمت میں احکام نازل نہیں ہوئے تھے لیکن اس میں بھی سُکر کو رزقِ حسنہ سے الگ رکھا۔دودھ کی غیر معمولی افادیت کے پیشِ نظر فرمایا کہ ہم نے تمہیں پلایا لیکن سکر کے لئے فرمایا کہ تم اسے بناتے ہو۔

اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

کہ بنا پہاڑوں سے گھر اور درختوں سے اور اس سے کہ

يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۹﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ

چھتیں بناتے ہیں پھر تو کھا تمام پھلوں سے پھر چل راہوں میں اپنے

۶۹۔قرآنِ کریم میں وحی کا لفظ وسیع معانی میں استعمال ہُوا ہے۔زمین کو وحی ہوتی ہے (زلزال۔۶) آسمانوں کو وحی ہوتی ہے۔(حٰم السجدہ۔۱۳) عورتوں کو وحی ہوتی ہے جیسے کہ اُمِ موسیٰؑ کو ہوئی۔(قصص۔۸) نیکوں کو وحی ہوتی ہے۔جیسا کہ حوارینِ عیسیٰؑ کو ہوئی۔(المائدہ۔۱۱۲) یہاں ایک معمولی جانور نحل پر وحی کا ذکر ہے جبکہ آج کا جاہل مُلّا آنحضرت ﷺ کے بعد کسی وحی کا قائل نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ نحل یا زمین اور آسمانوں کی طرف وحی اس وحی سے بالکل الگ چیز ہے جو انسانوں کی طرف کی جاتی ہے۔اسی طرح اللہ کے نیک بندوں کی وحی کی نسبت انبیاءؑ کی وحی اور خاص طور پر خاتم النبیین فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا درجہ اتم و اعلیٰ ہے۔ غرض تمام کائنات کا دارومدار وحی پر ہے۔خواہ وحی خفی ہو یا جلی۔وحی خفی اپنے اپنے ظرف کے مطابق کسی کی فطرت و جبلت میں خدا کی طرف سے کسی خاص استعداد، طاقت اور طبعی میلان کا رکھ دینا ہے جس پر چل کر وہ اپنا فریضہ صحیح طور پر ادا کر سکتا ہے۔وحی خفی ہر انسان کو ہوتی ہے۔بعض اوقات اچانک کوئی خیال آجاتا ہے۔جو اس کے لئے نہایت کارآمد ہوتا ہے۔دنیا کے تمام موجد بالعموم اور دنیا کا سب سے عظیم موجد (Edison) ایڈیسن (جس کی ایجادات ایک ہزار سے تجاوز کر گئی تھیں) بالخصوص اس حقیقت کا اقرار کرتا ہے کہ اس کی اکثر ایجادات کسی علمی تحقیق سے معرضِ وجود میں نہیں آئیں بلکہ صرف ایک فوری خیال کا نتیجہ تھیں جو ایک برقی رو کی طرح اس کے ذہن میں آیا۔اسی کیفیت کو صوفی حضرات الہام سے منسوب کرتے ہیں۔مقولہ ہے کہ Genius is 10 percent inspiration and 90 percent perspiration. یعنی ذہانت کا انحصار ۹۰ فی صد محنت اور عرق ریزی اور ۱۰ فیصد الہام و القاء پر ہے۔یہ وحی خفی انسان سے ہی مخصوص نہیں، ہر جانور اور چرند پرند اس میں شامل ہے۔لیکن ان کی وحی انسانوں کی وحی سے بالکل الگ چیز ہے۔جانوروں کو انسانوں کی طرح لمبی تربیت کی ضرورت نہیں بلکہ انہیں جس قسم کی ضرورتیں در پیش ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی جبلت میں وہ ساری استعدادیں رکھ دیتا ہے۔ہر جانور اپنا رزق تلاش کرنا، اپنا ساتھی چننا، اپنے لئے مخصوص قسم کا گھونسلا بنانا یا جائے رہائش منتخب کرنا، بچے

رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

رب کی مطیع ہوکر نکلتی ہے پیٹوں سے ان کے ایک پینے کی چیز (یعنی شہد) مختلف ہیں

اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

رنگ جس کے اس میں شفاء ہے لوگوں کے لیے یقیناً اس میں البتہ نشان ہے

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَ

ان لوگوں کیلئے جو سوچتے ہیں اور اللہ نے پیدا کیا تم کو پھر وفات دے گا تم کو اور

پیدا کرنا اور ان کی تربیت کرنا بخوبی جانتا ہے۔جانوروں اور خاص طور پر بعض پرندوں کی جو خاص حسیں اس قدر تیز ہیں کہ انسانی سمجھ سے بالا ہیں۔شمالی سرد علاقوں کے پرندے سردی سے بچنے کے لئے ایک خاص موسم میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے جنوبی گرم علاقوں میں پہنچتے ہیں۔ان کے اندر قدرت نے کوئی ایسی گھڑی نصب کر رکھی ہے کہ کھلے سمندروں میں نہ صرف سمت کا صحیح تعین کرتے اور منزل مقصود تک پہنچتے ہیں بلکہ سائنسدانوں نے تجربے کئے کہ راستہ میں بعض مخصوص مقامات پر مخصوص وقت کے لئے ٹھہرتے بھی ہیں۔اس مقررہ وقت کے اندر جو کچھ کھانے پینے کو ملے کھاتے پیتے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔جونہی سردی کم ہوتی ہے انہی راہوں سے اپنے گھروں کو واپس پہنچ جاتے ہیں۔(مزید تفصیل کے لئے سورۃ ھود:۷)

قادرِ مطلق نے شہد کی مکھی کی جبلّت میں جو شہد بنانے کی استعداد رکھی اسے یہاں وحی کہا۔پس شہد کی مکھی کا یہ طبعی میلان اور شہد بنانے کی تگ و دو اسی وحی کے مطابق ہے۔شہد کی مکھیوں میں ایک نہایت اعلیٰ نظام پایا جاتا ہے۔جس طرح شہد کی مکھیوں کی مختلف اقسام ہیں بعض پہاڑوں پر چھتے بناتی ہیں،بعض درختوں پر اور بعض گھروں یا انگور وغیرہ کے لئے بنائی ہوئی چھتوں پر اپنے چھتے بناتی ہیں اسی طرح موردِ وحی بھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔ان کا مقام اور مرتبہ بھی مختلف ہوتا ہے۔بعض کا مقام نہایت اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے گویا ان کا مقام پہاڑوں پر ہوتا ہے اور ان کا وجود پہاڑوں کی طرح مضبوط اور نہایت وسیع پیمانے پر نفع رساں ہوتا ہے۔پھر وہ جو ان سے کم درجہ پر ہوتے ہیں ان کا مقام گویا درختوں کی بلندیوں کو چھوتا ہے۔ان کا نفع رسانی کا دائرہ اگرچہ محدود ہوتا ہے تاہم اپنی ٹھنڈی چھاؤں اور پھل پھول کی وجہ سے بندگانِ خدا کے لئے آرام و آسائش کا موجب ہوتے ہیں۔پھر بعض ان سے بھی کم درجہ پر ہوتے ہیں جن کا مقام گویا چھتوں کی بلندی تک ہی رہتا ہے۔یہ مخلوقِ خدا کے لئے گویا چھت کی طرح ہوتے ہیں اور ایک محدود حد تک نفع رساں ہوتے ہیں۔

۷۰۔**ذُلُلاً**۔یعنی ذلیل یا مطیع بمعنی آسان۔

فاسلکی سبل ربک ذُلُلاً ط۔اپنے ربّ کے بتائے ہوئے راستوں یا طریقوں پر چل جو تیرے لئے آسان کئے گئے ہیں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بندہ بھی اپنے ربّ کی بتائی ہوئی آسان راہوں پر چلے اور اس وحی پر عمل کرے جو بطور وحی خفی ہر انسان پر نازل ہوتی ہے تو ضرور ہے کہ ایک وقت وہ صاحبِ وحی ہو جائے گا اور زندگی بخش شہد کو حاصل کر کے مخلوقِ خدا کے لئے نفع رسانی اور روحانی شفا کا باعث ہو گا۔

سائنسدانوں نے شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں پر عمیق تحقیق کی ہے۔نئی تحقیق سے ان کے متعلق حیرت انگیز شواہد سامنے آئے ہیں۔انہوں نے تسلیم کیا کہ دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں یہ ایک خاص نظام اور تنظیم (Discipline) سے کام کرتی ہیں۔ان میں بے نظیر تمدن پایا جاتا ہے۔ان کی بعض حسیات انسانوں سے بہت تیز ہیں۔غرض یہ معمولی مکھی اور اس کی کارکردگی خالق کائنات کی صناعی کا حیرت انگیز کمال ہے۔اس کی چھوٹی سی دنیا اس کا چھتہ ہے جو بیس ہزار سے تیس ہزار مسدس شکل کے خانوں پر مشتمل ہوتا ہے جو اس چھوٹے سے جانور کی عقل و فراست کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اس کے ہر خانے کا تناسب حساب دانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔دیواروں کے زاویئے حیرت انگیز طور پر برابر ہوتے ہیں۔جب چھتہ تیار ہو جاتا ہے تو ملکہ اپنی کنیزوں کے ساتھ ہر خانے میں منہ ڈال کر اس کا معائنہ کرتی ہے کہ کوئی نقص تو نہیں پھر خوب اطمینان کے بعد انڈے دینا شروع کرتی ہے۔ملکہ بادشاہ سے موٹی ہوتی ہے اس کی خوراک رائل جیلی ہے اور یہ اپنے وزن کے برابر انڈے دیتی ہے۔ملکہ کے تیز جبڑے اور کاٹنے والے دانت ہوتے ہیں جو دوسری کسی مکھی میں نہیں ہوتے۔یہ تین ہفتوں میں چار ہزار سے بارہ ہزار انڈے دیتی ہے۔چھتے میں ملک، ملکہ، سپاہی اور کارکن مکھیاں ہوتی ہیں کارکن مکھیوں کی تعداد ایک ہزار یا اس سے زائد ہوتی ہے۔ملکہ نہایت اعلیٰ منتظمہ ہوتی ہے جس کا حکم تمام مکھیاں بلاچون وچرا مانتی ہیں ملکہ مکھی اپنی مرضی سے انڈے دیتی ہے۔انڈے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ایک قسم سے ملک، دوسری قسم سے ملکہ اور تیسری قسم سے کارکن پیدا ہوتے ہیں۔چھتے میں بڑے خانے شاہی نسل کے انڈوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ملکہ والا انڈہ ملکہ اسی خاص سیل میں رکھتی ہے۔چھوٹے خانے کارکن پیدا کرنے والے انڈوں کے لئے ہوتے ہیں۔کارکن مادہ مکھیاں سولہ دن بعد جبکہ نر بیس دن بعد انڈوں سے نکلتے ہیں۔تمام مکھیوں کو ان کی پیدائش کے بعد پہلے دو دن رائل جیلی (Royal Jelly) دی جاتی ہے جبکہ ملکہ مکھی کی تمام پرورش رائل جیلی پر ہوتی ہے۔اسے ایک خاص سیل میں الٹا رکھا

جاتا ہے۔وہ چھت سے چپک جاتی ہے۔تمام سیل رائل جیلی سے بھر دیا جاتا ہے۔جس
غیر معمولی نشوونما ہوتی ہے۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA

ہر انڈے کو ترتیب سے رکھنا،اس کی حفاظت اور بچے نکلنے پر ان کی پرورش و تربیت
یعنی مادہ کارکن مکھیوں کے سپرد ہوتی ہے۔نر کارکن کو کھانا کھلانا بھی مادہ کارکن کے فرائض
شامل ہے۔نر خود کھانا نہیں کھا سکتا۔نر کارکن شہد کی تلاش میں جاتے ہیں۔رس کی تلاش میں
سے بچتے بچاتے میلوں کا سفر کرتے ہیں اور کاہل الوجود جوانوں کو طیّب رزق کی تلاش میں
کا سبق دیتے ہیں۔شاہی انڈے کی حفاظت اور بچے کی تربیت نہایت احتیاط سے کی جاتی
اگر ملکہ بوڑھی ہو جائے اور انڈے دینے کے قابل نہ رہے تو شہزادی کو ملکہ بنا دیا جاتا ہے اور
کو چھتے سے باہر دھکیل دیا جاتا ہے جہاں وہ باقاعدہ بین کرتی ہے۔آخر سب مکھیاں مل کر اسے
کر دیتی ہیں۔

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات (اقبال)

ایک غیر ملکی اخبار میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق فرینکفورٹ کے نزدیک
اوبروسل میں اپیان ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے سائنسدانوں کی ٹیم کے انچارج پروفیسر نکولاس کا کہنا ہے
کہ ساٹھ سالہ تحقیق میں شہد کی مکھیوں پر مسلسل تجربات ہو رہے ہیں ان کا رقص جس سے ایک
دوسرے کو حالات سے باخبر رکھتی ہیں۔ان کے حفاظتی طور طریقے وغیرہ۔لیکن ان مکھیوں کا افزائش
نسل کا معاملہ سب سے بڑا معمہ ہے۔Prof.Nicholas Katinger پروفیسر نکولاس کیٹنگر کا
کہنا ہے کہ ابھی تک صرف یہ واضح ہو سکا کہ ملکہ مکھی اپنے خاص وقت پر اختلاط کے لئے خاص
مقام پر پہنچتی ہے۔جہاں دس ہزار نر اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں۔ان میں سے قریب
ایک درجن ملکہ کے قریب ۱.۳ سیکنڈ کے لئے پہنچ جاتے ہیں اور اختلاط کے بعد اپنی جان گنوا دیتے
ہیں۔ملکہ چھ سال تک ان کے Sperm اپنے جسم میں محفوظ رکھتی ہے اور اس کے بعد انڈے
دیتی ہے۔سائنسدان پریشان ہیں کہ چھ سال تک سپرم محفوظ رکھنا کیسے ممکن ہے اور ملکہ نر مکھیوں کا
انتخاب کس بنیاد پر کرتی ہے۔(جنگ۔ ۱۱ اگست ۱۹۹۷ء)

سائنسدانوں نے سب سے زیادہ تجربات شہد کی مکھی پر کئے۔لندن کی مسز جولیا اردن نے
Kingstone کنگسٹن میں شفاخانہ کھول رکھا ہے جس میں شہد کی مکھیوں کے ڈنگ کے ذریعہ اندھوں
کا علاج کرتی ہے۔مسٹر ولیم باون سال سے اندھا تھا جو اب دیکھ سکتا ہے۔پہلے دن شہد کی مکھی سے
گردن کی پشت پر دو مرتبہ کٹوایا۔اگلے روز چار مرتبہ، پھر چھ مرتبہ اور چوتھے دن وہ دیکھنے لگا۔

نر مکھیاں پھلوں اور پھولوں سے نہایت لطیف اور قیمتی اجزا چوستی ہیں اور ان کو بار
آور بھی کرتی ہیں۔امریکہ میں پھل کے درخت صرف شہد کی مکھیوں سے بارآور ہوتے ہیں۔یہ رس
ان کے پیٹ کے غدودوں کی رطوبت میں شامل ہو کر بعض کیمیائی تبدیلیوں کے نتیجہ میں شہد کی شکل
اختیار کرتا ہے جسے وہ چھتے میں اُگل دیتی ہیں۔اسی پر غالب نے اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں کہا۔

کیوں ردّ قدح کرے ہے زاہد مَے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

یہی شہد ہے جو ان کے بچوں کی خوراک بنتا ہے اور انسانوں کے لئے بھی بہترین غذا
ہے۔اللہ تعالیٰ نے شہد میں جو شفا رکھی ہے، انسان اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔بقول اطباء شہد میں
وٹامن B1-B2-B6-V-Ve-Vh-Vk ہوتا ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ
ایک پاؤنڈ رس حاصل کرنے کے لئے شہد کی مکھی کو بارہ ہزار سے چوبیس ہزار دفعہ سفر کرنا پڑتا ہے
جبکہ ایک پاؤنڈ شہد کے لئے اس سے کئی گنا زیادہ سفر کرتی ہے۔اس طرح قریباً ایک ہزار پھولوں
سے ایک گرام شہد حاصل کرتی ہے۔اس کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں تین سر کی چوٹی پر دو سر کی
دائیں بائیں۔ ہر آنکھ ساڑھے تین ہزار آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔گویا اس میں ساڑھے تین ہزار
عدسے اترتی ہیں اور باوجود حرکت نہ کرنے کے چاروں طرف دیکھتی ہیں۔ملکہ مکھی میں بار بار ڈنگ
مارنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔نر میں ڈنگ نہیں ہوتا جبکہ مادہ ڈنگ مار کر مر جاتی ہے۔دودھ کی
افادیت پر جانور کی غذا کا اثر پڑتا ہے لیکن غذا کی رنگت کا خاص اثر نہیں پڑتا۔جبکہ شہد میں مختلف
پھولوں، پھلوں کا رنگ، اثر اور ذائقہ ہوتا ہے۔گویا یہ ان پھولوں اور پھلوں کا جوہر ہوتا ہے۔عربی میں
شہد کے چار سو نام ہیں۔جو چار سو اقسام کی شہد پر دلالت کرتے ہیں۔شہد عام طور پر زرد، سرخ، سبز
اور ہلکے گلابی رنگ میں ملتا ہے، بعض مقامات پر سیاہ شہد بھی پایا جاتا ہے۔ہر ایک کی تاثیر میں فرق
ہے۔شہد ایک قوت بخش ٹانک ہے۔روحانی اور جسمانی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔جو لوگ قرب
الٰہی کے لئے مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں ان کے لئے خاص طور پر شفا ہے۔شہد میں شفا کا ہونا
ڈاکٹر بھی تسلیم کرتے ہیں۔مختلف قسم کے شہد مختلف بیماریوں کے لئے شفا ہیں۔کینسر، ایگزیما، بیڈ سور،
پرانے اندرونی اور بیرونی زخموں، مختلف بیماریوں، اور دل کے مریضوں کے لئے شہد میں حیرت انگیز
شفا ہے۔سڈنی کے کینسر انسٹیٹیوٹ والے کہتے ہیں کہ شہد کی مکھیاں پالنے والوں کو کینسر نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز بہت پسند فرماتے تھے۔ خاص
طور پر شہد کو پسند کرتے تھے۔(صحیح بخاری) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہد اور قرآن میں شفا ہے۔حدیث

میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اس پاک ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے شہد کی مکھی پاک چیز ہی کھاتی ہے۔پاک چیز ہی مہیا کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں دوسری تمام شیرینیوں کو حکماء نے منع فرمایا شہد کو نہیں حالانکہ آپ شوگر کے مریض تھے۔(البدر جلد۳نمبر۷مورخہ ۱۶فروری ۱۹۰۴ء صفحہ۳) حضرت مولوی حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ایک چمچ شہد روزانہ ضرور لیتے تھے اور فرماتے ایک چمچ شہد کو دو ہزار مکھیاں بناتی ہیں۔پس ہمیں دو ہزار مرتبہ الحمدللہ پڑھنا چاہیئے۔آپ لکھتے ہیں کہ عربوں نے سوقسم شہد کی معلوم کی ہے کیونکہ اس کے لئے زبان عربی میں چار سو مختلف نام ہیں۔(ضمیمہ اخبار بدرقادیان۱۰فروری۱۹۱۰ء) شہد کے علاوہ شہد کی مکھی ایک مادہ پوپلن (Poplin) بناتی ہے جس میں حیرت انگیز شفا کا مادہ ہے۔اسے چھتے کے ہر سوراخ پر ملتی ہے۔اس کی وجہ سے اس کے پاؤں میں کوئی جراثیم نہیں ہوتا۔شہد جراثیم سے پاک ہونے کی وجہ سے خراب نہیں ہوتا بلکہ اس میں کئی سال تک دوسری اشیا کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔آثارِ قدیمہ سے جو شہد ملا اس پر مدت وسال کا کوئی اثر نہیں ہے۔سات ہزار اور آٹھ ہزار سال قبل مسیح کا شہد انسانی استعمال کے بالکل قابل ہے۔قدیم مصر میں لاشوں کو حنوط کرنے کے لئے شہد استعمال ہوتا تھا۔مرہم عیسیٰ کی تیاری میں موم بارہ دوائیوں میں ملایا جاتا ہے۔

غور کرنے والوں کے لئے شہد میں بہت سے نشان ہیں۔پہلا تو یہی کہ اس پر تحقیق کر کے مختلف امراض کے لئے بطور دوا استعمال کر سکتے ہیں۔یہ بھی نشان ہے کہ جس طرح ایک مکھی پر وحی کے نتیجہ میں شہد وجود میں آیا جو شفا ہے۔اسی طرح نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کے نتیجہ میں قرآنِ پاک وجود میں آیا جو سراسر شفا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرماتے ہیں کہ شہد کی مکھی وحی کی ہدایت سے شہد بناتی ہے اس لئے پاک چیزوں سے شہد اکٹھا کرتی ہے جو شفا کا موجب ہے۔جبکہ عام مکھی جس پر وحی کا ذکر نہیں گندگی کی طرف جاتی ہے اور بیماریاں پھیلاتی ہے۔آج ڈاکٹر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مکھی قریباً دو صد بیماریاں پھیلانے کا موجب بنتی ہے۔پس صاحبِ وحی بھی پاک وصاف چیزوں کی طرف جاتے ہیں اور گندگی سے اجتناب کرتے ہیں۔وہ خود بھی شفا پاتے ہیں اور دوسروں کی شفا کا موجب بھی بنتے ہیں۔ان کے مقابلے میں گندی ذہنیت کے مالک خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتے ہیں اور پاک کو چھوڑ کر گند پر منہ مارتے ہیں۔

یہ وہی بدبخت ہیں جو لبن کو چھوڑ کر فرث پر گرتے ہیں۔مغرب کے ایک مفکر مسٹر کیتی آر لوول (Kate R, Lovell) نے جب قرآن کی یہ آیات (نحل:۶۹و۷۰) دیکھیں تو حیرت زدہ ہو گیا کہ عرب کا یہ امّی (فداہ ابی وامی) فطرت کا کتنا بڑا عالم تھا۔وہ لکھتا ہے(ترجمہ)''محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) ایک زبردست فرمانروا عظیم فاتح، بہت ہوشیار و باعلم تھے۔قرآن سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ فطرت کے شیدائی، مکھیوں کے اعمال کے عالم اور شہد کے افادی پہلوؤں سے آگاہ تھے۔وہ مکھیوں کے گھر بنانے اور مختلف اللّون شہد تیار کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔یہ علم تلاش اور مشاہدہ کائنات کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا''۔

قرآنِ کریم میں نمل کا لفظ بھی آیا ہے بلکہ ایک سورۃ کا نام نمل ہے اگرچہ وہاں اس کا مفہوم کچھ اور ہے۔چونکہ نحل اور نمل پر تحقیق نے ثابت کیا کہ ان کا نظم وضبط اور تقسیمِ کار کافی ملتا جلتا ہے اس لئے اس کے متعلق بھی چند سطور پیش ہیں۔جو ربِّ کائنات کی صناعی کا کمال ہے۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین (۲۳۔۱۸)

چیونٹیاں بھی حکمرانی، سپاہ گری، کاشت کاری، معماری، آیا گیری اور غلام گیری کے فرائض نہایت عمدگی سے ادا کرتی ہیں۔ان میں بھی ملک و ملکہ کا کام کھانا پینا، عیش کرنا اور بچے پیدا کرنا ہے۔جبکہ کارکن انڈوں کی حفاظت اور بچوں کی پرورش پر مامور ہوتی ہیں۔ان کی بعض حسیں اور ذہنیں بھی انسانوں سے بدرجہا زیادہ ہیں جیسا کہ ان کی قوت شامہ بہت تیز ہے جسمانی قوت کا یہ حال ہے کہ اپنے سے تین سو گنا زیادہ وزن اُٹھا لیتی ہیں۔اگر ان کے انڈے یا بچے دوسرے بل کے انڈوں سے مل جائیں تو صرف اپنے انڈے الگ کر کے لے جاتی ہیں۔اگر انڈے بھیگ جائیں تو دھوپ میں سکھاتی ہیں۔بچوں کو بلحاظ عمر ایک قطار میں رکھتی ہیں۔انہیں تھپکاتی، چاٹتی اور نہلاتی ہیں۔دشمن کے حملہ کی صورت میں اٹھا کر محفوظ جگہ پر پہنچا دیتی ہیں۔اپنے بلوں کے قریب بعض غلے بو دیتی ہیں۔جب فصل تیار ہو جائے تو اٹھا کر بلوں میں ذخیرہ کرتی ہیں۔جو دانے ذخیرہ کرتی ہیں ان کے دو دو ٹکڑے کر دیتی ہیں تا کہ اُگ نہ سکیں۔ایک مکوڑے 'افس' کو پکڑ لاتی ہیں۔کسی کیمیائی عمل سے ایسی تربیت کرتی ہیں کہ اس کے تھنوں سے جو سرین پر ہوتے ہیں، دودھ بہنے لگتا ہے جسے نہایت شوق سے پیتی ہیں۔اس کے انڈوں اور بچوں کی بھی حفاظت اور پرورش کرتی ہیں۔اگر کوئی چیونٹی زخمی ہو جائے تو دوسری چیونٹی فوراً کسی کیمیائی عمل سے اپنے تھوک کو دھاگے میں بدل لیتی ہے اور زخم کو سی دیتی ہے۔کوئی چیونٹی مر جائے تو باقاعدہ جنازہ اٹھتا ہے اور پورے رسوم

مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَىۡ لَا يَعۡلَمَ بَعۡدَ

بعض تم میں ایسے ہیں جو لوٹائے جاتے ہیں طرف بدترین عمر کے تاکہ نہ جانیں بعد

ع ۹ ۵ ۱۵ عِلۡمٍ شَيۡـئًا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ فَضَّلَ

جاننے کے کچھ بھی یقیناً اللہ خوب جاننے والا خوب قدرت رکھنے والا ہے اور اللہ نے فضیلت دی

سے دفن کی جاتی ہے۔چیونٹی کی آنکھیں دو سو آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہیں جبکہ بعض حشرات الارض کی آنکھیں ستائس سو آنکھوں کا مرکب ہیں۔اگر شہد کی مکھی کا چھتہ زمین کے اوپر اس کی کاریگری کی تصویر ہے۔تو چیونٹیوں کے گھر زمین کے اندر پندرہ بیس فٹ نیچے ان کے فنِ تعمیر کا حیرت انگیز نمونہ ہیں۔نیچے کمرے بنائے جاتے ہیں۔ان پر مٹی کے ستونوں پر بالا خانے،گیلریاں اور ملاقات اور مشورہ کے لئے ہال کمرہ بنایا جاتا ہے۔چیونٹی کی یہ صناعی یقیناً صناعِ عالم کی ودیعت کردہ ہے جو اس کی جبلت میں داخل ہے۔چیونٹی کی اس صناعی سے متاثر ہو کر حضرت سلیمانؑ نے ایک شخص کو کہا''چیونٹی کے پاس جا، اس کے اعمال کا مطالعہ کر اور دانا بن''۔البانیہ کا ملک الشعراء کہتا ہے''محنت، صبر اور استقلال سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ ہر سہ صفات چیونٹی میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں''۔

۷۱۔**ارذل** ہر چیز کا ناکارہ حصہ ہے۔**ارذل** العمر عمر کا بدترین حصہ ہے۔جب بچپن کے ابتدائی دور کی طرح سمجھ بوجھ نہیں رہتی اور انسان دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ایسی حالت بعض اوقات عمر کے کسی بھی حصہ میں بعض عوارض کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن عام طور پر انسان بڑھاپے میں پیدا ہوتی ہے۔اس حالت میں پہلا سیکھا ہُوا بھی بھول سکتا ہے اور مزید سیکھنے سے بھی معذور ہو سکتا ہے۔حضرت عکرمہؓ کا قول ہے کہ جو قرآن پڑھتا ہے وہ ارذل العمر کی حالت تک نہیں پہنچتا۔مومن کا تو بڑھاپا بھی اللہ کی رحمت ہے جیسا کہ حضرت کعب بن مرہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو تو اس کا یہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہے(ترمذی۔نسائی)حضرت ابوبکرؓ سے منقول ہے! ایک شخص نے دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ کون سا آدمی بہتر ہے؟فرمایا وہ شخص جس کی عمر بہت ہو اور عمل اچھے ہوں۔پوچھا کون آدمی بُرا ہے؟فرمایا! جس کی عمر بہت ہو اور عمل بُرے ہوں۔(دارمی)ایک روایت میں ہے اِنَّ اللّٰـہ یَستَحیِ مِن ذِی الشیبۃ المُسلِم اَن یُعَذِّبَہٗ کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان کو عذاب دینے سے شرماتا ہے۔وحی کا ذکر تھا پس وحی کا نازل کرنا اور موردِ وحی کی عقل کی حفاظت

بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ‌ ۚ فَمَا الَّذِيۡنَ فُضِّلُوۡا

بعض کو تمہارے بعض پر رزق میں پس نہیں ہیں وہ لوگ جن کو فضیلت دی گئی

بِرَآدِّىۡ رِزۡقِهِمۡ عَلٰى مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَهُمۡ

ہرگز لوٹانے والے رزق کو اپنے ان پر کہ مالک ہوتے ہیں (جنکے) داہنے ہاتھ ان کے کہ وہ

فِيۡهِ سَوَآءٌ‌ ؕ اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ‏ ﴿۷۲﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ

اس (رزق) میں برابر ہوں کیا پس نعمت کا اللہ کی وہ انکار کرتے ہیں اور اللہ نے بنائیں

کرنا بھی خدا کا ہی کام ہے۔جو بہت جاننے والا اور ہر بات پر قادر ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگرچہ بہت سے انبیاء نے غیر معمولی طویل عمریں پائیں لیکن کوئی بھی ارذل العمر کی حالت تک نہیں پہنچا کہ دماغی یا جسمانی کمزوری ان کی روحانی ترقیات میں مانع ہوتی۔لیکن یہ انبیاء سے ہی خاص ہے جبکہ دوسرے نیک لوگ بعض اوقات ان آزمائشوں سے گزرتے ہیں۔قوموں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب وہ تنزل کی طرف گامزن ہوتی ہیں تو ان کی تمام ترقیات رک جاتی ہیں اور یہ اشارہ ہوتا ہے کہ اب وہ صفحہ ہستی سے مٹا دی جائیں گی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا خاص ہاتھ انہیں تھام لے۔یہ آیت بھی وفاتِ مسیح پر دال ہے۔محبوبِ خدا، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ذکر میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے جس شخص کو وفات کے وقت زیادہ تکلیف ہوتی تو میں خیال کرتی تھی کہ وہ گنہگار ہے مگر جب میں نے آپ ﷺ کی وفات دیکھی تو سمجھی کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ آپ ﷺ کی نزع کی حالت نہایت تکلیف دہ تھی۔جب وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔آپ ﷺ کا آخری فقرہ یہ تھا **اللّٰھم الرفیق الاَعلٰی اللّٰھم الرفیق الاعلٰی** ۔آپ ﷺ کی نزع کی تکلیف میں یہ حکمت تھی کہ ہر ایسے شخص کو گنہگار نہ سمجھ لیا جائے جسے نزع میں تکلیف ہو۔

۷۲۔اس رکوع میں آنحضرت ﷺ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اسے مثالوں سے واضح کیا۔

ضرورتِ وحی کا مضمون جاری تھا پہلے شہد کی مکھیوں کی مثال دی کہ کس طرح وہ سب مل کر اپنی اپنی استعداد کے مطابق کام کرتی اور مفید ثابت ہوتی ہیں۔بیشک بعض افراد یا اقوام اپنی خداداد صلاحیتوں سے یا اس لئے کہ انہیں اللہ کے فضل سے بعض بہتر مواقع میسر آ جاتے ہیں،

دوسروں سے آگے نکل جاتی ہیں۔ ایسا کرنا کوئی جرم نہیں بلکہ لائقِ تحسین ہے۔ جرم تب بنتا
جب کمزور اور غریب کی حق تلفی ہو۔اس معاملہ میں بھی وحی الٰہی نے رہنمائی فرمائی اور اس آیت
میں نہایت لطیف پیرایہ میں اسلام کے قانونِ ملکیت کو بیان فرمایا اسلام نے ہر چیز کی دو ملکیتیں
تسلیم کی ہیں۔ **رزقهم** کہہ کر مالک کی ملکیت کو تسلیم کیا۔ **برآدي** کہہ کر جس کے معنی لوٹانے کے
ہیں۔ اس امر کو تسلیم کیا کہ مالک کے زیرِ دست بھی اس مال کے مالک ہیں کیونکہ لوٹائی وہ چیز جاتی
ہے جو دوسرے کی ملکیت ہو۔ **ماملكت** میں غلاموں کے علاوہ تمام ماتحت، ملازم، مزدور، مزارعین
اور محنت کش شامل ہیں۔ گویا **ماملكت** میں عوام الناس کی طرف بھی اشارہ ہے جو ماتحتوں کے طور
پر ہوتے ہیں اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتے۔ انہیں خواص کے مال و اقتدار میں
شریک کیا اور جہاں تک ممکن تھا امیر اور غریب کے تفاوت کو کم کیا۔ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ امیر اور
غریب کا تفاوت کلیۃً مٹ جائے اور سب برابر ہو جائیں۔ یہ ایک Universal Truth (عالمی
سچائی) ہے جسے قرآنِ کریم نے تسلیم کیا۔ غرض اسلامی نظام ملکیت، سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلسٹ
نظامِ معیشت یعنی نظامِ اشتراکیت کے بین بین افراط و تفریط سے پاک ایک ایسا نظام ہے جس
میں عوام الناس کو ان کی تمام بنیادی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں اور ان کے لئے تعلیم و ترقی کی تمام
راہیں کھلی ہوتی ہیں۔ اس کی بہترین مثال آنحضرت ﷺ کا دس سالہ مدنی دور، خلفائے راشدین کا
عہد مبارک، عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ اور کئی عادل بادشاہوں کا دورِ حکومت تھا۔ کمیونزم امراء سے
چھین کر غرباء کو تقسیم کرنے اور زبردستی مساوات پیدا کرنے کا قائل ہے اور یہ فطرتِ انسانی کے
خلاف ہے۔ اس طریق سے باصلاحیت افراد کی صلاحیتیں ناکارہ ہو جاتی ہیں اور قومی ترقی رک جاتی
ہے۔ یہ نظام سرمایہ دارانہ نظام کے ردِعمل کے طور پر روس میں رائج ہُوا اور صرف ستر سال کے
عرصہ میں دم توڑ گیا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں معیشت و سیاست پر امرا کا قبضہ ہوتا ہے اور غربا کے
لئے باوجود اعلیٰ صلاحیتوں کے عام طور پر ترقی کے راستے مسدود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس
طرح روس کا اشتراکی نظام ناکام ثابت ہُوا، اسی طرح امریکہ کا سرمایہ دارانہ نظام بھی روبہ تنزل
ہے۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ مقروض ملک، امریکہ ہے۔ بجٹ کے خسارے کا Gap امریکہ
میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کی باقی دنیا پر واجب الادا رقم 2.7 کھرب (Trillion) ڈالر ہے۔
(جنگ سنڈے میگزین 2 مارچ 2003ء) یہی وجہ ہے کہ امریکہ عراق کے تیل پر قبضہ کرنے کے لئے
ہر ظلم کرنے پر تلا ہُوا ہے جبکہ اسلامی نظام ملکیت میں چند افراد کی غیر معمولی خداداد صلاحیتیں اور

لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ
بنائے جانوں سے تمہاری بیویاں اور بنائے تمہارے لیے بیویوں سے تمہاری

بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ
بیٹے اور پوتے اور رزق دیا تم کو پاک چیزوں سے کیا پھر باطل پر

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ
وہ ایمان لاتے ہیں اور نعمت کا اللہ کی وہ انکار کرتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ
سوائے اللہ کے اس کی کہ جو نہیں قدرت رکھتا ان کے لیے رزق کی آسمانوں سے

وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا
اور زمین سے کچھ بھی اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں پس نہ بیان کرو

روانی رزق انہیں ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ تمام دولت سمیٹ کر کمزور طبقہ کو زندگی کی آسائشوں
سے محروم کر دیں۔ اسلام نے ایسے قوانین وضع کئے کہ دولت گردش میں رہے اور محض چند ہاتھوں
میں محدود نہ ہو جائے۔ سونا چاندی جمع کرنے کی حوصلہ شکنی اور سود کی حرمت فرمائی نیز مختلف چندہ
جات، نظامِ زکوٰۃ، صدقہ و خیرات، انسانی حقوق کی ادائیگی اور قانونِ وراثت سے دولت تقسیم در تقسیم
ہوتی چلی گئی۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ کعبے
کے سائے میں فرمارہے تھے ربِ کعبہ کی قسم وہ گھاٹے میں ہیں، ربِ کعبہ کی قسم وہ گھاٹے میں
ہیں۔ پس میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ ﷺ اسی طرح کہتے رہے۔ پس میں خاموش نہ رہ
سکا تو میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں وہ کون لوگ ہیں فرمایا وہ
جن کے پاس مال بہت ہے سوائے اس کے جس نے یوں اور یوں اور یوں بانٹ دیا۔ (بخاری)

افبنعمة الله يجحدون ٥ اللہ کی سب سے بڑی نعمت نبوت ہے۔ نبی اور اس کے
لائے ہوئے قوانین کو نہ مان کر تم اللہ کے احکام کی ناقدری کرتے ہو۔ یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے
زیردست افراد کا رزق روک کر تم اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہو۔

۷۳-۷۴۔ **حفدة۔حافد** کی جمع ہے۔ اصل معنی مددگار اور خدمتگار کے ہیں۔ بیٹے اور
پوتے کے لئے یہ لفظ استعمال کر کے اشارہ کیا کہ اولاد کو ماں باپ کا خادم ہونا چاہیئے (قرطبی)
دعائے قنوت میں ہے۔ **واليك نسعٰى ونحفد** یعنی عمل اور خدمت میں جلدی کرتے ہیں مراد
فرمانبرداری ہے۔ یہاں اپنی نعمتوں کے ذکر میں عائلی زندگی کی نعمتوں کی طرف توجہ دلائی کہ تمہاری

لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
اللہ کیلئے مثالیں یقیناً اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ
بیان کی اللہ نے مثال ایک بندہ غلام کی نہیں وہ طاقت رکھتا کسی بات کی اور

مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ
اس شخص کی کہ دیا ہم نے اسے طرف سے اپنی رزق اچھا پس وہ خرچ کرتا ہے اس سے پوشیدہ اور

جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
ظاہر کیا وہ برابر ہیں؟ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں بلکہ اکثر ان میں سے

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا
نہیں علم رکھتے اور بیان کی اللہ نے مثال دو آدمیوں کی ایک ان دونوں میں سے

جنس سے تمہاری ہم خیال بیویاں، بیٹے، پوتے، دیگر خدمت گار اور رزق حسنہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ یہ اہل و عیال ایک شخص کی ذاتی کمائی میں حقدار ہوتے ہیں۔ اس طرح اشارہ فرمایا پوری انسانی برادری جو خدا تعالیٰ کا کنبہ ہے مقتضی ہے کہ ان کی ضروریات کا بھی حسب توفیق خیال رکھا جائے۔ باطل پر ایمان اور نعمتوں کا انکار یہ ہے کہ ان نعمتوں کو اللہ کی بجائے غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ رزق ہے لیکن عطا کرنے والے کا انکار کرتے اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہیں جسے آسمانوں سے اور زمین سے ان کو رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں اور نہ ایسے معبودانِ باطلہ کوئی قدرت رکھتے ہیں۔

۷۵۔ مشرکین کے خیالات کا ردّ فرمایا کہ چونکہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں اس لئے اللہ کے بارے میں مخلوق سے مثالیں مت دو کہ اللہ اُس جیسا ہے یا اس جیسا۔ مشرکین کا خیال تھا کہ جس طرح دنیوی بادشاہوں تک رسائی کے لئے وزیر و مشیر ذریعہ ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بھی خاص پیروں فقیروں یا معبودانِ باطلہ کا واسطہ ضروری ہے یا جس طرح خاص مصاحبین کو کچھ اختیارات ہوتے ہیں اسی طرح نبیوں ولیوں کو بھی بعض خدائی اختیارات دیئے گئے ہیں۔

۷۶۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے اس آیت کی نہایت عمدہ تفسیر فرمائی جو مختصراً درج ہے۔ پہلی دونوں آیات میں شرک کا بطلان فرمایا جو **لا الٰہ الا اللہ** کی تفسیر تھیں۔ ان دونوں آیات (۷۶، ۷۷) میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا بیان اور آپ ﷺ کے کام اور

کے نشان ہیں۔ فرمایا اللہ کے لئے مثالیں نہ دو۔ ہاں! اللہ تمہیں سمجھانے کے لئے مثالیں دیتا ہے۔ ان دو آیات میں دو غلاموں کا ذکر کیا۔ ایک اللہ کا غلام ہے ایک دنیا کا۔ عبد مملوک سے کفار و مشرکین مراد ہیں۔ یہ لفظ استعمال کر کے بتایا کہ وہ جتنا چاہیں کفر و شرک میں ترقی کر لیں مالک حقیقی کی غلامی کا جوا ان کے کندھوں پر رہے گا۔ اور وہ تمام عقائد باطلہ کے باوجود اس کے محتاج ہیں اور بے اختیار ہیں۔ وہ کسی بات کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان کی مثال ایک ایسے شخص سے دی جو کسی کا غلام ہے۔ مالک چاہتا ہے کہ جو فرائض اس کے ذمہ ہیں، خوش اسلوبی سے انجام دے۔ مگر غلام کی نالائقی و سستی اور ہڈ حرامی کی انتہا یہ ہے کہ **لا یقدر علٰی شیءٍ** کہ کسی کام کے قابل نہیں۔ اس کے قول و فعل اور حرکات و سکنات سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے کوئی کام مالک کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ رزق مالک نے دیا یہ خود مالک بن بیٹھا۔ چھپ کر خرچ کرتا ہے نہ ظاہری طور پر۔ اس کے مقابل پر **وَمَنْ** میں دوسرے غلام کی طرف اشارہ ہے کہ جس خدمت پر مامور کیا جائے اسے نہایت خوش اسلوبی اور تندہی سے انجام دیتا ہے۔ مالک کے دیئے ہوئے مال کو مخفی اور ظاہری طریق پر جیسے مالک کی منشا و مصلحت ہو خرچ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے طاقت اور استطاعت دونوں کو دی مگر ایک ہاتھ پر ہاتھ دھرے مٹھی بند کئے بیٹھا ہے اور دوسرا جان و مال نثار کر رہا ہے۔ کیا یہ دونوں یکساں ہو سکتے ہیں۔ یہاں آنحضرت ﷺ کے انتخاب کی وجہ بتائی۔ الحمد للہ میں بتایا کہ اللہ کی حمد دنیا میں قائم ہو گی۔ وہی غلام لائق و ممتاز ہو سکتا ہے جو اپنے مولا کا جانثار اور صالحہ العمل خادم ہو جو ہر قسم کے اخراجات کو اپنے آقا کی منشا و مصلحت کے مطابق برمحل خرچ کرے۔ پھر عملی طاقت بھی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ اس معیار پر تمام دنیا میں محبوبِ خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کا کوئی انسان نہیں۔ (الفضل ۱۷ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵ سے استفادہ کیا گیا) وہی انسانِ کامل تھا **فداہُ امّی وابی** جس کے پاس ایک موقع پر اسی ہزار درہم آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک چادر پر پھیلا دیا۔ جب تک سب تقسیم نہ کر دیئے اپنی جگہ سے نہ اٹھے (صحیحین بروایت حضرت انسؓ) میرے آقا محبوبِ خدا احمد مجتبیٰ کس عاجزی سے فرماتے ہیں **اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ هُوَ الْمُعْطِي** ۔ میں تو بانٹنے والا ہوں۔ عطا کرنے والا تو اللہ ہے گویا میرا تو کچھ بھی نہیں جو کچھ ہے مالک کا ہے۔ پس کوئی وجود آپ ﷺ کے مقابل نہیں تھا جو دنیا کا معلم و مزکی بن کر آتا، قربِ الٰہی کی راہیں بتاتا اور بندگانِ خدا کو خدا سے ملا دیتا۔ یہ ایک ہی حاذق طبیب تھا جو نسخہ کیمیا لے کر آیا اور سسکتی ہوئی انسانیت کو شفا کاملہ دے گیا اور کئی پتھروں کو

اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا

گونگا ہے نہیں قدرت رکھتا کسی بات کی اور وہ بوجھ ہے آقا پر اپنے جہاں کہیں

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ

بھیجتا ہے اُسے نہیں لاتا بھلائی کیا برابر ہے یہ اور وہ شخص کہ جو حکم کرتا ہے

ع ۱۶ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۷﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ

انصاف کا اور وہ راہ سیدھی پر ہے اور اللہ کیلئے ہے غیب

پارس بنا گیا۔مادی دولت کے علاوہ آپ ﷺ نے روحانی دولت تقسیم کی اور اپنے مہدیؑ کے بھی فرمایا۔مہدی مال و زر تقسیم کرے گا لیکن لوگ لینے سے انکار کر دیں گے۔(بروایت حضرت ابو ہریرہؓ سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب فتنۃ الدجال وخروجِ عیسیٰ بن مریم وخروج یاجوج ماجوج) مادی مال و دولت لینے سے تو دنیا میں کسی دولتمند نے بھی کبھی انکار نہیں کیا چہ جائیکہ عوام انکار کر دیں۔پس یہ اعمالِ صالحہ اور عقائدِ صحیحہ کو اختیار کرنے کی دولت تھی، یہ روحانی خزائن تھے جو لوگوں نے قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔آپ کا الہام یہ ہے۔" میں اپنی چمکار دکھاؤں گا۔اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔دنیا میں ایک نذیر آیا، پر دنیا نے اسے قبول نہ کیا۔لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"(تذکرہ صفحہ ۱۰۴)

۷۷۔پہلی مثال کو مزید واضح کرنے کے لئے پھر دو اشخاص کی مثال دی اور آنحضرت ﷺ کی فضیلت کو ثابت کیا۔عرب جنہیں اپنی زباں دانی، شعر و شاعری،فصاحت و بلاغت اور زورِ خطابت پر ناز تھا اور جو غیر عرب کو عجمی کہتے تھے۔انہیں قرآن کریم میں گونگا کہا گیا اس لئے کہ دنیا بھر کے فسق و فجور، بت پرستی اور فحاشی ان کے سامنے ہوتی رہی لیکن انہوں نے زبان نہ کھولی اور گونگے بن کر دیکھتے رہے۔انہیں شراب کے تو ایک ہزار نام معلوم تھے لیکن افسوس اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انہیں کوئی علم نہیں تھا۔حالانکہ ان میں اہلِ کتاب بھی تھے جو کتابِ الٰہی کو پڑھتے تھے اور مقربانِ بارگاہِ الٰہی ہونے کے دعویدار تھے۔افسوس ان میں بھی عظمتِ الٰہی اور شفقت علیٰ خلق اللہ ناپید تھی۔اپنی اسی حالت کی وجہ سے یہ بمنزلہ گونگوں کے تھے اور مالکِ کون و مکان کے نزدیک گویا زمین پر ایک بوجھ تھے۔مالکِ حقیقی کی طرف سے جو کام بھی ان کے سپرد تھے ،کبھی خیر کے پہلو سے انجام نہیں دیئے۔کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ مخلوقِ خدا کی فیض رسانی کا موجب ہوتا۔ہمیشہ شر کا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ

آسمانوں اور زمین کا اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا مگر مانند جھپکنے

الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۸﴾

آنکھ کے بلکہ وہ زیادہ قریب ہے یقیناً اللہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے

پہلو ہی پیشِ نظر رہا۔ان کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ اعلیٰ ترین اخلاق کا نمونہ تھے اور راہِ مستقیم پر قائم تھے۔آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں ایک زبردست روحانی قوت تھی۔آپ ﷺ نے نہایت دلیری سے ہر بُرائی کے خلاف آواز بلند فرمائی اور اس وقت تک خاموش نہیں ہوئے جب تک کہ گمشدہ توحید کو ازسرِ نو زندہ نہیں کر دیا اور دنیا کو عدل و انصاف اور صراطِ مستقیم پر قائم نہیں کر دیا۔آپ ﷺ کی قوتِ قدسیہ کا کمال تھا کہ گونگوں کی زبان پر حق جاری ہو گیا،اندھے بینا ہو گئے،وحشی انسان اور انسان با اخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بن گئے **اللّٰھم صلّ علٰی محمّدٍ و بارک وسلم۔**

اینما یوجھہ لایاتِ بخیر میں بتا دیا کہ کافر اپنے کسی مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ان کا ہر قدم تباہی کی طرف ہی جائے گا۔

۷۸۔اس رکوع میں منکرین کی ہلاکت کی پیشگوئیاں ہیں۔نیز نعماءِ الٰہی کا ذکر کر کے ضرورتِ وحی پر روشنی ڈالی جو سب سے بڑی نعمت ہے۔اس سورۃ کو شروع ہی آنے والے عذاب کی خبر سے کیا گیا۔پھر مختلف مقامات پر ان عذابوں کا ذکر کیا۔اب پھر اس ساعت کا ذکر کیا جو قیامت کبریٰ سے پہلے قیامت صغریٰ کے طور پر ہو گی۔

پچھلی آیات میں واضح کیا تھا کہ بُرے لوگ نیکوں جیسے سلوک کے مستحق نہیں ہو سکتے۔یہاں بتایا کہ اللہ جو غیب کا علم جانتا ہے وہ تمہیں اطلاع دیتا ہے کہ ان کی ہلاکت کا وقت آنکھ جھپکنے میں بلکہ اس سے بھی جلد آنے والا ہے۔یہاں آنکھ جھپکنے کا لفظ بطور محاورہ کہا گیا گویا بہت ہی نزدیک ہے۔یہ پیشگوئی مکّی زندگی کے آخری ایام میں کی گئی۔اس آیت کے نزول کے دو تین سال بعد ہی غزوہ بدر میں صنادیدِ مکّہ اچانک ہلاک ہوئے۔پھر فتح مکّہ بھی اس قدر اچانک ہوئی کہ انہیں کچھ سمجھ نہ آیا۔فرمایا کہ اس میں ہرگز کسی انسانی سعی و تدبیر یا طبعی امور کا دخل نہیں ہو گا بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے ظہور پذیر ہو گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساعت سے قیامتِ کبریٰ مراد لی ہے۔فرمایا

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
اور اللہ نے نکالا تم کو پیٹوں سے ماؤں کے تمہاری کہ نہیں جانتے تھے تم
شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ
کچھ بھی اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۷۹ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ
تاکہ تم شکر کرو کیا نہیں دیکھا انہوں نے طرف پرندوں کی کام میں لگائے ہوئے

پلک جھپکنے یا اس سے بھی قریب تر کا عرصہ قیامت اور ہمارے درمیان کا عرصہ نہیں بلکہ یہ ایک پل سے بھی بہت کم کا عرصہ ہوگا جس میں قیامت برپا ہوگی۔سائنسدانوں کے نزدیک ابتدائے آفرینش میں Big Bang اور اس کے بعد کی تبدیلیاں ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصہ میں ہوئیں۔اس طرح ساعت کے معاملہ میں بھی اتنا کم عرصہ درکار ہوگا جسے تم سمجھ نہیں سکتے۔

۷۹۔ ہلاکت کی خبر کے بعد ماں سے ستر گنا بلکہ ستر کروڑ گنا زیادہ پیار کرنے والا مالک حقیقی اپنے بندوں سے مخاطب ہے کہ تم تو ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں پیدا ہوئے تھے کہ تمہیں کسی چیز کا علم نہیں تھا۔تمہیں کان، آنکھ اور دل جیسی نعمتوں سے اس لئے نوازا کہ ان سے صحیح کام لے کر اس موعود عذاب سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ۔اپنے ربّ کو پہچانو اور اس کے شکر گزار بندے بنو۔لیکن افسوس تم نے ان خداداد صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھایا اور باوجود سننے دیکھنے اور سمجھنے کے بہرے اندھے اور ناسمجھ رہے۔پس اگر عبدِ شکور نہیں بنو گے تو مٹا دیئے جاؤ گے۔ روحانی پیدائش کی طرف بھی اشارہ ہے جب سننا، دیکھنا اور فہم و ادراک پہلے کے مقابلہ میں یکسر بدل جاتا ہے۔عبدالشکور خدا کی دی ہوئی سماعت سے سنتا ہے۔اس کی دی ہوئی بصارت سے دیکھتا ہے۔ اس طرح اس کی سوچ اس کا انداز فکر اور ہر حرکت اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہو جاتی ہے۔ گویا وہ ایک نیا انسان بن جاتا ہے اور گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے گویا ابھی پیدا ہُوا ہے۔

اس آیت میں ضرورتِ وحی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح تمہارے بعض قویٰ ظاہری علوم کا ذریعہ ہیں۔اسی طرح تمہارے روحانی علوم کے کمال کا ذریعہ الہام الٰہی ہے۔قرآنِ کریم میں کان کا ذکر آنکھ اور دل سے پہلے آتا ہے۔کان پیدائش سے پہلے ہی کام کرنا شروع کردیتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی کچھ دیر تک کام کرتے رہتے ہیں۔کان ہی وہ واحد عضو ہے جس کی بالیدگی (Growth) مرنے تک جاری رہتی ہے۔اس طرح کان کا سائز کچھ بڑا ہوجاتا

ہے اور بڑھاپے میں جب قوتِ سماعت کمزور پڑ جاتی ہے، انسان کچھ نہ کچھ سننے کے قابل رہتا ہے۔بچے کے کان میں پیدائش کے بعد جلد اذان دینا سنتِ نبوی ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے میں پیدا ہوتے ہی بلکہ پیدائش سے پہلے بھی کسی نہ کسی حد تک سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔اس بات کو اس دور کے اطباء بھی تسلیم کرتے ہیں۔کان کے بعد آنکھیں کام کرنا شروع کرتی ہیں جیسا کہ بعض جانوروں میں آنکھیں پیدائش کے کچھ دنوں بعد کھلتی ہیں جبکہ قوتِ فکریہ تو ایک عرصہ بعد کام شروع کرتی ہے۔یہ ترتیب جسے آج کل کے مفکروں نے بھی تسلیم کیا قرآنِ کریم کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہے۔قرآن اور احادیث میں اسی ترتیب کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔یہ ترتیب اس لئے بھی موزوں ہے کہ کان ہی قوتِ گویائی کا سبب ہے۔اکثر گونگے محض اس لئے نہیں بول سکتے کہ وہ قوتِ سماعت سے محروم ہوتے ہیں۔اگر آنکھ نہ ہو تو انسان بہت سا علم صرف کان سے حاصل کرسکتا ہے۔جیسا کہ حفاظ کرام نہ صرف قرآنی علوم حاصل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی پہنچاتے ہیں۔اگر کان معدوم ہوں تو انسان علم حاصل نہیں کرسکتا نہ کسی کو فیض پہنچا سکتا ہے بلکہ بیوقوف رہ جاتا ہے۔خالقِ کائنات کی صناعی تو ذرّے ذرّے اور پتے پتے سے عیاں ہے۔لیکن جسم انسانی کی تخلیق صناعِ حقیقی کا ایک عظیم اعجاز ہے۔باوجود سائنسی ترقی کے کمال کے اس کی کُنہ تک پہنچنا آج بھی آسان نہیں۔کان کے ذکر کو پہلے رکھنے میں اور بھی کئی حکمتیں تھیں۔آنکھ کی مشین بیشک دقیق نظام پر مبنی ہے لیکن یہ صرف ایک آلۂ بصارت ہے۔ورنہ دیکھنے کا کام دماغ کرتا ہے اس لئے بعض اوقات دماغ کے کسی خاص حصہ کی چوٹ بصارت سے محروم کر دیتی ہے۔کیمرہ آنکھ کے اصولوں پر ہی کام کرتا ہے۔آنکھ کے مقابلہ میں کان کی بناوٹ اور کارکردگی نہایت پیچیدہ ہے اور خالقِ حقیقی کی صناعی کا حیرت انگیز کمال ہے۔کان نہ صرف سننے کے کام آتا ہے بلکہ انسانی چال کا صحیح توازن بھی اسی کا مرہونِ منت ہے۔اس میں معمولی سی Infection دماغی قویٰ کو متاثر کرسکتی ہے۔ریڈیو سیٹ کان کی عمدہ نقل ہے۔کان کے پردے کے پیچھے تین ہزار باریک نسیں تاروں کی مانند ہیں۔ہر تار ایک خاص آواز سن کر دماغ تک یہ آواز ایک نئی راہ سے پہنچاتی ہے اور ہم بیک وقت تین ہزار آوازیں سن سکتے ہیں۔ہمارے چہرے پر بے شمار باریک نسیں جال کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔بعض اوقات ایک تھپڑ سماعت ختم کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا۔مشہور سائنسدان ایڈیسن صرف ایک تھپڑ کی وجہ سے تازندگی سماعت سے محروم رہا۔

فِي جَوِّ السَّمَآءِ ۖ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ۗ إِنَّ فِي
فضا میں آسمان کی نہیں تھامتا انہیں مگر اللہ یقیناً
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۸۰ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
اس میں البتہ نشانات ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے
بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا
گھروں سے تمہارے رہائش کا سامان اور بنائے تمہارے لیے چمڑوں سے چارپایوں کے گھر کہ
تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ
ہلکا پاتے ہو تم انہیں بروز کوچ کے اپنے اور بروز مقیم ہونے کے اپنے اور (بنائے)
اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى
اونوں سے ان کی اور اونٹ کے بالوں سے اور بکریوں کے بالوں سے سامان اور اسباب ایک
حِيْنٍ ۝۸۱ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ
وقت تک اور اللہ نے بنائے تمہارے لیے ان چیزوں سے جو پیدا کیں اس نے سائے اور بنائیں

۸۰۔**جوّ**۔ فضائے آسمانی۔

پرندے بھی خدا تعالیٰ کی خاص نعمتوں میں سے ہیں۔ زمینی فوائد میں حلال پرندوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔دیگر کئی فوائد کے علاوہ مردار خور پرندے زمین کو عفونت سے پاک کرتے ہیں۔کفار کی ہلاکت کے ذکر کو جاری رکھتے ہوئے جو اس سورۃ کا اصل موضوع ہے پرندوں کے ان فوائد کا ذکر کیا جن کا تعلق فضائے آسمانی سے ہے۔فرمایا پرندوں کو فضائے آسمانی میں ہم نے ہی قابو کر رکھا ہے۔اللہ کے سوا انہیں کون روک سکتا ہے۔ایک وقت آنے والا ہے کہ ہم انہیں نبی اکرم ﷺ کے دشمنوں کی لاشوں پر چھوڑ دیں گے اور یہ انہیں نوچ نوچ کر کھائیں گے۔بعد میں کئی جنگوں میں ایسا ہی ہوا کہ دشمن اپنی لاشیں چھوڑ کر بھاگے جو پرندوں کی خوراک بنیں۔جہاد سے اللہ نے ہی روکا ہوا ہے۔ایمان والوں کے لئے نشان یہی ہیں کہ انہیں یقین ہے کہ جب جہاد کے لئے نکلیں گے تو ان کے دشمنوں کے لشکروں کا حال بھی ابرہہ کے لشکر سے کم نہیں ہو گا۔روحانی پرندے بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کی پروازیں آسمانوں تک ہیں۔یہ ایمان والوں کے لئے نشان ہیں کہ خدائی ہاتھ انہیں تھامے ہوئے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ کے فضل،توفیق اور شکر سے اس مقام تک پہنچے ہیں۔ناشکری کے نتیجہ میں اس مقام سے گر بھی سکتے ہیں۔

۸۱۔**تستخفّون**۔ **خفیف**۔ہلکا۔**ظعن**۔کوچ کرنا۔**اصواف**۔صُوف کی جمع۔بھیڑوں وغیرہ کی اون۔جس سے گرم کپڑے سویٹر اور شالیں وغیرہ بنتی ہیں۔**اوبار**۔**وبر** کی جمع۔اونٹ کی

لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ
تمہارے لیے پہاڑوں سے چھپنے کی جگہیں اور اس نے بنائے تمہارے لیے کرتے جو بچاتے ہیں تم کو
الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ
گرمی سے اور کرتے جو بچاتے ہیں تم کو جنگ میں تمہارے اسی طرح پوری کرتا ہے
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ تَوَلَّوْا
نعمت اپنی تم پر تاکہ تم فرمانبردار بنو پس اگر وہ پھر جائیں

موٹی پشم جس سے نمدے اور کمبل وغیرہ بنتے ہیں۔**اشعار**۔شعر کی جمع۔بکری کے بال۔صوف اور وبر کے علاوہ ہر باریک بال۔اس لئے شعر وہ ہے جس میں باریک معانی ہوں۔اس سے ٹوپیاں اور نفیس گرم کپڑے بنتے ہیں۔

یہاں گھروں کو سکون و آرام کا ذریعہ کہا گیا۔ اس میں انسان کی عائلی زندگی کی طرف اشارہ ہے کہ میاں بیوی، بچے اور دیگر اہلِ خانہ کے تعلقات اس نوعیت کے ہونے چاہئیں کہ گھر سب کے لئے آرام و سکون کا باعث ہو۔مکہ میں مسلمان معاشی سہولتوں سے محروم تھے انہیں بشارت دی کہ عنقریب تمہارے لئے آرام و آسائش مہیا ہو گا۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان میں باربار چوپایوں کا ذکر ہے جو انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیئے گئے ہیں۔ان کا دودھ، گوشت، کھالیں اور اون وغیرہ انسان کے کام آتے ہیں۔سواری، باربرداری اور جنگی ضروریات میں جس طرح اُس زمانے میں ان کی اہمیت تھی، آج بھی ہے۔الغرض ضرورتِ وحی کے بیان میں اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں اپنی ان ظاہری نعمتوں کا ذکر کیا جو ان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور بتایا کہ وہ جو تمہاری جسمانی ضرورتوں کے لئے تمہیں ان نعمتوں سے نواز رہا ہے کیا وہ تمہاری روحانی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھے گا۔

۸۲۔**اکنان**۔ **کِنّ** کے لفظی معنی ستر یا پردہ کے ہیں۔مراد پناہ گاہیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں۔**تقیکم الحرّ** گرمی سے بچانے کے سامان۔عربی قاعدہ کے تحت گرمی اور سردی دونوں سے بچنے کا مفہوم ہے۔**باس**۔لڑائی کی شدت۔

اہلِ عرب کے طرز بود و باش کے مطابق ان دونوں آیتوں میں ان نعمتوں کا ذکر کیا جو ان کے لئے آرام کا موجب تھیں اور انہیں تکالیف سے بچاتی تھیں تاہم آج بھی ان کی افادیت سے انکار نہیں۔فرمایا اللہ تعالیٰ کی خلق کی ہوئی چیزوں میں سایہ کے بھی سامان ہیں۔ملحقہ آیت میں

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۳﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ

تو صرف تجھ پر پہنچا دینا ہے کھلا کھلا وہ پہچانتے ہیں نعمت

ع ۱۷ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَيَوْمَ

اللہ کی پھر انکار کرتے ہیں اس کا اور اکثر ان میں سے (پکے) کافر ہیں اور جس روز

خیموں کا ذکر کیا جو سفر و حضر میں آرام دہ ہیں اور دھوپ کی گرمی سے بچاتے ہیں۔یہاں پہاڑوں کی غاروں کا ذکر کیا جو گرمی سے بچاتی ہیں۔دامن کوہ بھی میدانی علاقوں کی نسبت ٹھنڈے ہوتے ہیں لیکن غاریں شدید گرمی میں بھی انتہائی ٹھنڈی ہوتی ہیں۔بعض ممالک میں پہاڑوں کے اندر کھود کر بڑے بڑے محل بنائے جاتے ہیں جہاں امراء گرمیاں گزارتے ہیں نیز تمہارے لئے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی کی شدت سے بچاتے ہیں۔لڑائی کو بھی نار کہا گویا وہ ایک آگ ہے۔اس کی تپش سے بچنے کے بھی لباس ہیں یعنی زرہیں وغیرہ۔اتمامِ نعمت میں مادی نعمتوں کے علاوہ روحانی نعمتیں بھی شامل ہیں تا کہ جس طرح جسمانی طور پر تمہارے لئے آرام پہنچانے اور تکالیف سے بچاؤ کے سامان کئے اسی طرح تم روحانی طور پر بھی دکھوں سے نجات پاؤ اور سکون حاصل کرو۔آیت کا خاتمہ **تُسلِمون** پر کیا کہ ان دکھوں سے نجات کی یہی راہ ہے کہ سلامتی میں یعنی اسلام میں داخل ہو جاؤ اور سرتاپا سلامتی بن جاؤ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے وہ سب لوگ محفوظ رہیں جو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتے اور مہاجر وہ ہے جس نے ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جس سے خدا نے منع کیا۔(متفق علیہ)

۸۳۔**تَوَلَّوا**۔وہ پھرے۔رفیق ہوئے۔جبکہ **تَوَلَّوا**۔تم پھرو۔دوستی کرو۔

اس آیت میں مزید وضاحت سے تشریح کر دی کہ اگر تمہاری تمام تر کوششوں اور وعظ و نصیحت کے باوجود حق کو قبول نہ کریں تو تیرا کام تو صرف تبلیغِ حق اور خوب کھول کر بتا دینا ہے تا کہ اچھی طرح سمجھ جائیں زبردستی اسلام میں داخل کرنا نہیں۔

۸۴۔اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتیں جو ان کے چاروں طرف بکھری پڑی ہیں اور انہیں خدائے واحد کے وجود کا پتہ دیتی ہیں یہ بت پرستی اور کفر و شرک کے باوجود ان کا اعتراف کرتے ہیں کہ اصل عطا کرنے والا اللہ ہی ہے۔باقی تو سب وسیلے ہیں۔ان خدائی نعمتوں کو خوب پہچاننے کے باوجود انکار کرتے ہیں گویا ناشکرے ہی نہیں کافر بھی ہیں۔

نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ

کھڑا کریں گے ہم ہر قوم میں سے ایک گواہ پھر نہ اجازت دیجائیگی ان لوگوں کو جنہوں نے

كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

کفر کیا اور نہ وہ عذر قبول کئے جائیں گے اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا

الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ

عذاب پس نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے اور

اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا شرکاء کو اپنے کہیں گے اے رب ہمارے یہ

شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا

شریک ہیں ہمارے وہ جنہیں تھے ہم پکارتے سوائے تیرے پس ڈالیں گے

اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ

طرف ان کی بات کہ یقیناً تم البتہ جھوٹے ہو اور ڈالیں گے طرف اللہ کی

۸۵۔**یستعتبون**۔اعتاب اظہارِ عتاب بھی ہے اور عتاب کا دُور کرنا بھی ہے۔**استعتاب** یہ ہے کہ دوسرے سے یہ چاہا جائے یا اسے موقع دیا جائے کہ عتاب دور کرے گویا عذر پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔اتمامِ نعمت اور کفرانِ نعمت کے ذکر کے بعد اس رکوع میں اخروی سزاؤں کے احوال کا بیان ہے۔ہر نبی کی اپنی امت کے لئے گواہی یہ ہے کہ اس نے کامل نمونہ دکھا دیا اور پیغامِ حق کھول کر پہنچا دیا۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا! اے لوگو گواہ رہنا میں نے اپنے ربّ کا پیغام خوب کھول کر بتا دیا ہے۔یہ ایک لمبی حدیث ہے(مسند احمد بن حنبل صفحہ ۱/۲۳۰ عن ابن عباسؓ) **لایؤذن** کے معنی یہ نہیں کہ انہیں بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان کے حق میں شفاعت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔اللہ تعالیٰ انبیاء کو اُن کی امت کے اُن افراد کے حق میں شفاعت کی اجازت دے گا جو کامل مومن تو نہیں ہوں گے لیکن ان کی خطائیں قابلِ معافی ہوں گی۔جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ پھر فرشتوں، نبیوں اور شہداء کو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا۔(مسند احمد حنبل جلد ۵ صفحہ ۴۳) **ولاھم یُستعتبون** ○ کے یہ معنی نہیں کہ انہیں اپنی صفائی پیش کرنے کا حق نہیں ہو گا بلکہ یہ کہ ان کے جھوٹے عذر قبول نہیں کئے جائیں گے۔

۸۶۔عذاب اخروی کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے تنبیہ فرمائی کہ شاید سنبھل جائیں۔

۸۷۔**القوا**۔**القی**۔پھینکنا۔اس میں جلدی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔**القوا الیھم القول**۔

يَوْمَئِذِ ٍالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۸۸

اس روز صلح اور گم ہوجائیگا ان سے وہ کہ جسے تھے وہ گھڑتے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا راہ سے اللہ کی بڑھائیں گے ہم انہیں

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝۸۹ وَيَوْمَ

عذاب میں عذاب پر اس لیے کہ تھے وہ فساد کرتے اور جس روز

وہ ان کی طرف جواب پھینکیں گے۔یعنی جلدی سے جواب ان کے منہ پر الٹا کر ماریں گے۔کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔

یہاں وہ مقربانِ الٰہی مراد ہیں جن کو مرنے کے بعد خدا بنا لیا گیا۔ہندوؤں نے تو اپنے رشیوں کے مرنے کے بعد ان کے بت بنا لئے اور ان کو پوجنے لگ گئے۔مسلمانوں میں سے اکثر نے قبر پرستی شروع کر دی اور پیروں فقیروں کے مزاروں پر جا کر چڑھاوے چڑھانے اور منتیں ماننے لگے کہ اے پیر! مجھے بیٹا دے یا میری مرادیں پوری کر وغیرہ وغیرہ نعوذ باللہ من ذٰلک۔قیامت کے روز وہ بزرگ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہماری طرف تمہارا شرک منسوب کرنا جھوٹ ہے۔

۸۸۔قیامت کو جب دیکھیں گے کہ ان کے بنائے ہوئے معبود ان کی باتوں کو رد کر رہے ہیں اور ان کو بچانے والے نہیں تو وہ اللہ کی طرف صلح کی طرح ڈالیں گے اور جلدی سے اللہ کے حضور اپنی فرمانبرداری پیش کریں گے۔یہ اس بات کا اظہار ہو گا گویا دنیا میں معبودانِ باطلہ کی عبادت محض ایک وسیلہ یا اپنی توجہ کو ایک مقام پر مرکوز کرنے کا بہانہ تھی اور جو کچھ وہ افترا کرتے تھے ان سے کھویا جائے گا۔یعنی ان کے ذہنوں سے نکل جائے گا۔

۸۹۔یہاں ان کافروں کا ذکر کیا جو دوسروں کو راہِ حق سے روکنے کے لئے ہر قسم کے فساد کو جائز سمجھتے تھے۔مومنوں کو ان کی عام ضروریاتِ زندگی سے محروم کرنا،انہیں تشدد کا نشانہ بنانا،قتل کی دھمکیاں دینا اور قتل کرنا،ان کو گھروں سے نکالنا اور گھروں کو جلانا،یہ سب فساد میں شامل ہے جس کے مرتکب ہوتے۔(آج یہ سب احمدیوں پر روا رکھا جارہا ہے)

قرآنِ کریم نے کسی غلط راستہ سے روکنے کے لئے بھی فساد کو جائز قرار نہیں دیا۔نہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت دی۔فساد کو قتل سے بڑھ کر جرم قرار دیا۔**الفساد اکبر من القتل** چہ جائیکہ حق سے روکنے کے لئے فساد کرتے۔پس یہ راہ حق سے روکنے والے کافر بسبب

نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

اٹھائیں گے ہم ہر اُمت میں ایک گواہ خلاف ان کے جانوں سے ان کی

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ

اور لائیں گے ہم تجھے گواہ ان لوگوں پر اور اتاری ہم نے تجھ پر

الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى

کتاب کھول کر بیان کرنیوالی ہر بات کیلئے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت

لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ ع ۱۲ ۱۸

فرمانبرداروں کے لیے یقیناً اللہ حکم دیتا ہے انصاف کا اور نیکی کا اور

اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ

دینے کا رشتہ دار کو اور روکتا ہے بے حیائی اور ناپسندیدہ بات اور

...کے زیادہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔

۹۰۔**تبیانا لکُلّ شیء**۔ہر بات کو کھول کھول کر بیان کرنے والی۔اس سے مراد یہ ...کہ پہلی کتب میں مجمل طور پر ہدایت کا بیان ہے، کچھ تحریف کی نظر ہوگیا۔قرآنِ کریم بار بار ...تعلیم پیش کرتا ہے جو تفصیل سے پہلی کتب میں موجود نہیں(تشریح اگلی آیت میں)

قیامت کے دن ہر نبی اپنی امت پر گواہ ہو گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام دنیا کی طرف ...مبعوث ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم کو پیش کیا اور انہیں قدرِ مشترک کی طرف ...بلایا۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں پر گواہ ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اپنا کامل نمونہ دکھا دیا ...کامل کتاب کی تعلیمات سے سب کو خوب آگاہ فرما دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم یومِ آخر میں ماننے والوں کے ...اعمال اور اطاعت گزاری کی گواہی دیں گے۔(تفصیل کے لئے سورۃ النساء آیت ۴۱)نہ ماننے ...والوں کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی یہ ہے کہ باوجود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نمونہ کے اور کامل کتاب ...کے انہوں نے حق سے انحراف کیا۔یہاں پوری قرآنی تعلیم کو چند الفاظ میں بیان کر کے گویا دریا کو ...کوزے میں بند کر دیا۔فرمایا یہ کتاب ہر بات کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے گویا اس کتاب ...میں نہ صرف دنیا میں بہترین زندگی گزارنے کے اصول ہیں بلکہ روحانیت کی ترقی کے لئے بھی ...بہترین قواعد موجود ہیں جن پر عمل کر کے انسان اپنے ربّ کی رضا پا سکتا ہے اور فلاحِ دارین حاصل ...کر سکتا ہے۔احادیث انہیں اصولِ قرآنی کی تفاسیر ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خداداد فہم و فراست اور ...نورِ باطنی سے بیان فرمائیں۔اس کتاب میں اس پر عمل کرنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت کے

الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ

بغاوت سے نصیحت کرتا ہے تم کو تاکہ تم نصیحت پکڑو اور پورا کرو عہد کو

سامان ہیں اور یہ ان کے لئے سراسر بشارت ہے۔

۹۱۔ملحقہ آیت میں **تبیانا لکل شیء** کہا اس آیت میں اس کی تشریح فرمائی
رکوع اور اس سے اگلے رکوع میں آیت :۹۰ کی ہی تفسیر ہیں۔اس مختصر آیت میں حقوق اللہ
حقوق العباد کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔یہاں معرفت الٰہی حاصل کرنے کے لئے تین
کا حکم دیا اور تین باتوں سے منع فرمایا۔گویا خیر وشر کو ایک آیت میں جمع کر دیا۔اخلاق فاضلہ
سب سے اوّل عدل کا حکم دیا۔عدل افراط وتفریط کے درمیان میانہ روی ہے۔بندوں کے
عدل یہ ہو گا کہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک اور معاملہ کرے جو وہ تمہارے ساتھ کرتے ہیں
بدلہ بھی اُتنا ہی لینے کی اجازت ہے زیادہ نہیں۔احسان کا بدلہ بھی کم از کم اتنا ضرور دے
دوسرے نے کیا۔یہ ایک ادنیٰ درجہ ہے جو مساوات کے رنگ میں ہے کہ کوئی نیکی یا احسان کرے
اس کے ساتھ نیکی یا احسان کرنا۔

اللہ تعالیٰ سے عدل کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کا حق غیراللہ کو نہ دے یعنی شرک سے بچے
چونکہ کسی کا حق چھین کر دوسرے کو دینا ظلم ہے اس لئے قرآنِ کریم میں شرک کو ظلم کہا۔پس جس
خدا نے بے شمار نعمتوں سے نوازا اس کا حق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور کسی دوسرے کو اس
کی پرستش، اس کی محبت اور اس کی ربوبیت میں شریک نہ کیا جائے۔جس خادمانہ رویہ کی توقع آپ
خادم سے رکھے اپنے آقا کے حضور بھی اسی خادمانہ طریق کو اختیار کرے۔اس سے اگلا درجہ احسان کا
ہے۔احسان وہ نیکی ہے جو بطور ابتدا بغیر کسی معاوضہ یا معاوضہ کے خیال کے کی جائے۔
دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینا۔اپنا حق کم ہو جائے تو چشم پوشی کرنا۔بدی کے مقابل نیکی کرنا
اور دکھ کے عوض سکھ پہنچانا۔گویا مخلوقِ خدا کو موقع ومحل کے مطابق روحانی اور جسمانی فوائد پہنچانا۔عفو
ودرگزر،صدقہ وخیرات،غرباء کی امداد اور ملّی وقومی خدمات سب اس میں شامل ہیں۔اس میں کمی
یہ ہے کہ بعض اوقات انسان اپنی نیکی کو جتا دیتا ہے اور اپنے اجر کو ضائع کر دیتا ہے، اس سے بچے۔
اللہ سے احسان یہ ہے کہ اس محسنِ حقیقی کے بے حد وحساب احسان گویا اسے صاف نظر آنے لگیں
اور اس کی ذات پر اسے ایسا یقین ہو جائے گویا اسے دیکھ رہا ہے۔پس وہ اسے حاضر خیال کرکے
اسکی عبادت کرے جیسا کہ حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ کہ وہ تمہیں
دیکھ رہا ہے۔(صحیح بخاری۔صحیح مسلم کتاب الایمان)

ایتآیءِ ذی القُربٰی کے لفظی معنی صلہ رحمی کے ہیں۔اس کا مقام ان دونوں سے بڑھ کر
ہے۔اس میں تمام قرابتداروں کو حسب مراتب دینے کے علاوہ یہ بھی معنی ہیں کہ دیگر بنی نوع انسان
کو بھی اس طرح دو جس طرح قرابتداروں کو دیتے ہو اور اس طرح سلوک کرو کہ نیکی کا خیال آئے
نہ احسان کا۔گویا ہمدردیٔ خلائق میں ایک ماں جیسا فطری جذبہ پیدا ہو جائے جو طبعی محبت کی وجہ
سے بلا کسی صلہ کی امید کے اپنے بچوں کے لئے انتھک قربانیاں کرتی ہے بلکہ اپنی پوری زندگی اولاد
کے لئے وقف کر دیتی ہے۔یہ اخلاقی ترقی کی آخری منزل ہے جس پر ایک مومن کو پہنچنا چاہیئے۔

بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ سے **ایتای ذی القربٰی** یہ ہے کہ جب
ایک مدت تک احساناتِ الٰہیہ کو بلا شرکتِ اسباب دیکھتا رہے۔کسی کام میں ہرگز اپنا کوئی کمال نہ سمجھے
بلکہ محض اللہ کا احسان سمجھے تو یقیناً اس کے دل میں جنابِ الٰہی کے لئے ایک ذاتی محبت پیدا ہو
جائے گی۔اس مرتبہ پر وہ خدا کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ سچے عشاق کی طرح لذت بھی اٹھاتا ہے۔اس
مقام پر ہر کام محض رضائے الٰہی کے لئے کیا جاتا ہے اور نیکیاں طبعی طور پر صادر ہوتی ہیں۔اسے
تمام دنیا اپنا کنبہ ہی نظر آتی ہے۔اغراضِ نفسانی گویا جل جاتے ہیں۔اگر یہ نیکیاں موقع ومحل کے
مطابق نہیں ہوں گی تو بدیاں بن جائیں گی۔(اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ۴۴۔۴۷۔طبع اوّل)ان
کے مقابل تین بدیوں سے منع کیا۔اوّل فحشاء سے منع فرمایا۔فحشاء میں شامل بدیاں قوتِ شہوانیہ
سے تعلق رکھتی ہیں جو بذاتِ خود قبیح ہیں۔ان کا علم عام طور پر مرتکب کو ہی ہوتا ہے اور اسی کی
ذات پر ہی عموماً ان کا بد اثر پڑتا ہے۔عوام پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتیں۔اس میں بے حیائی اور
اس سے متعلق بدیاں شامل ہیں۔افسوس مغربی اقوام میں بے حیائی اتنی کھلم کھلا ہے کہ عام طور پر
قریباً سبھی اس رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور یقیناً دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔منکر میں وہ
بدیاں ہیں جو دوسروں کو نظر آتی ہیں اور وہ اثر قبول کرتے ہیں۔ان میں حق سے انکار، نافرمانی،
جھوٹ اور فحش کلامی وغیرہ ہے۔**بغی** حد سے تجاوز کر جانا ہے اس میں دوسروں کی حق تلفی اور ان
پر زیادتی، اللہ تعالیٰ، حکّام اور بزرگوں کے خلاف باغیانہ روش ہے اور اس کا اثر پوری قوم پر پڑتا
ہے۔نیکیوں کے درس میں پہلے نچلے درجہ کی نیکی بتائی پھر اس سے اعلیٰ پھر اعلیٰ ترین تا کہ روحانی
منازل میں بتدریج ترقی کر سکیں۔برائیوں سے بچنے کے لئے پہلے اعلانیہ بدیوں سے توبہ کرے۔پھر

اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ
اللہ کے جب عہد کرو تم اور نہ توڑو قسموں کو بعد
تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ
پختہ کرنے کے ان کے اور یقیناً بنایا تھا تم نے اللہ کو اپنے پر ضامن یقیناً
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۹۲ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ
اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہ ہو مانند اس عورت کی جس نے توڑ دیا
غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ
سوت اپنا بعد مضبوطی کے ٹکڑے ٹکڑے تم بناتے ہو قسموں کو اپنی
دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا
دھوکے کا ذریعہ آپس میں اس لیے کہ ہے ایک جماعت جو کہ بڑھی ہوئی دوسری جماعت سے ہوا یہ کہ
يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ
نہیں کہ آزماتا ہے تم کو اللہ اسکے ذریعہ اور البتہ کھول کر بیان کریگا تمہارے لیے بروز قیامت وہ کہ تھے تم

منکر سے بچنے کی سعی کرے۔ پس ظاہری اور پوشیدہ گناہوں کو چھوڑ کر بندہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کی باغیانہ روش سے بچ سکے جس کے نتیجہ میں ایک پر امن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کو خوب کھول کر بتانے کے بعد فرمایا **یعظکم لعلکم تذکرون ۝** کہ رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں یہ نصیحت فرما رہے ہیں تاکہ اسے خوب یاد رکھو اور عمل کرو۔ غرض یہ تینوں قوتیں اعتدال پر آ جائیں تو انسان بدی کی تمام راہوں سے بچ کر اعلیٰ ترین مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اس آیت کی جامعیت کی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے جمعہ کے خطبہ ثانیہ کے آخر میں داخل کیا۔

۹۲۔ **توکید۔ وکدا** اور **کدا** کے معنی مضبوط کرنے کے ہیں۔ قول سے ہو یا فعل سے۔

پچھلی آیت میں اسلامی تعلیم کا خلاصہ بیان کیا جو حقوق اللہ اور حقوق العباد پر مشتمل ہے۔ یہاں اس پر عمل کرنے کی تلقین ہے۔ اللہ کا عہد عہدِ بیعت یا اسلام میں داخل ہونے کی شرائط ہیں جن میں اللہ کو ضامن بنایا جاتا ہے۔ ان میں تمام نیک باتوں پر عمل اور برائیوں سے اجتناب کا عہد ہے۔ مسلمان ہونے کا ہر دعویدار اس عہد کا پابند ہے۔ اس عہد سے تمام گزشتہ بدیاں کالعدم ہو جاتی ہیں اور ایک نیا حساب شروع ہوتا ہے۔ تم اللہ کو ضامن بنا چکے ہو اس عہد کو توڑنا گناہِ کبیرہ میں شامل ہے۔

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۹۳ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
جس میں اختلاف کرتے اور اگر چاہے اللہ البتہ بنا دے تم کو جماعت ایک
وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْئَلُنَّ
ولیکن گمراہ ٹھہراتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور البتہ ضرور پوچھے جاؤ گے

۹۳۔ **غزل**۔ عورت کا سوت کاتنا یا سوت۔ **انکاثا۔ نکث**۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

دخل۔ دخول۔ داخل ہونا ہے جبکہ **الدَّخَلُ دَخَلًا** بمعنی دھوکا یا فساد ہے۔

(ان دونوں آیات (آیت ۹۳۔۹۴) کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ترجمۃ القرآن کلاس سے استفادہ کیا گیا ہے) فرمایا اس عورت کی طرح مت بنو جس نے محنت سے کاتے ہوئے سوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ خدا تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد بیعت کو قطع کرنا محنت سے کاتے ہوئے سوت کو قطع کرنے کے مشابہ ہے۔ جس طرح سوت کو کاٹ کر محنت کا معاوضہ باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب عہد بیعت کو قطع کر کے اسلام سے نکل جاؤ گے تو تمہارا کمایا ہوا ضائع ہو جائے گا یعنی پہلی تمام نیکیاں باطل ہو جائیں گی۔ خدا تعالیٰ سے عہد شکنی کرنے والے آپس میں بھی عہد شکنی کرتے ہیں اور قومی سطح پر بھی عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی قسموں اور معاہدوں کو آپس میں دھوکہ دہی اور فساد کا ذریعہ بناتے ہیں۔ تا کہ ان کے مقابلہ میں کوئی قوم زیادہ فائدہ نہ اٹھا لے اور آگے نہ نکل جائے۔ گویا عہد شکنی کر کے ناجائز فوائد حاصل کرتے ہیں جو فساد پر منتج ہوتا ہے۔

اسلام میں بلا امتیاز مذہب و ملت قسموں اور معاہدوں کی اہمیت ہے۔ خواہ افراد کے درمیان ہوں یا اقوام کے۔ انہیں بغیر کسی شرعی عذر کے توڑنا جائز نہیں۔ اگر فریق مخالف کی طرف سے وعدہ کی خلاف ورزی ثابت ہو جائے تو انہیں مطلع کر کے معاہدہ کی پابندی سے نکلنے کی اجازت ہے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہُوا۔ یہاں ہر ایسے معاہدہ پر قدغن لگا دی جس کا مقصد دھوکا دینا یا فساد پیدا کرنا ہو خواہ اس سے کتنے ہی قومی و ملی مفاد یا قوت و برتری حاصل ہونے کا امکان ہو۔ ایسے معاہدات کا مقصد عام طور پر دھوکے سے معاہد قوم کو کمزور کرنا ہوتا ہے کہ وہ اپنی دفاع سے غافل ہو جائے۔ ان میں وہ معاہدے بھی شامل ہیں جو بظاہر کمزور اقوام کی ہمدردی اور امداد کے لئے کئے جاتے ہیں لیکن حقیقتاً انہیں تباہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ غرض تمام معاہدے نیک نیتی پر مبنی ہوں اور ان کا مقصد قیامِ امن ہو۔ اس میں مسلمانوں کے لئے یہ آزمائش ہے کہ بظاہر نقصان

عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ

تم متعلق اس کے کہ تھے تم کرتے اور نہ بناؤ قسموں اپنی کو دھوکے کا ذریعہ

بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ

آپس میں ورنہ پھسل جائیگا قدم بعد ثابت ہونے کے اس کے اور چکھو گے بُرائی

بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۵﴾

اس لیے کہ روکا تم نے راہ سے اللہ کی اور تمہارے لیے عذاب ہے بڑا

ہوتا بھی نظر آئے پھر بھی وہ اپنے معاہدوں کا پاس کریں اور ہر قسم کی دھوکہ دہی سے بچیں۔

۹۴۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ امتِ واحدہ بنانا نہیں چاہتا۔ مراد یہ ہے کہ تمہارے اعمال کے نتائج سامنے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت زبردستی نافذ نہیں کرتا۔ پہلی دونوں آیات اس آیت کے معانی کو کھول رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُس سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا اور جھوٹی قسموں سے منع فرمایا۔ تم نے عہد شکنیاں کیں اور ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹی قسمیں کھائیں۔ اس طرح اپنے فوائد کے لئے دوسروں کے حقوق سلب کیے تو نتیجہ فساد کی صورت ظاہر ہُوا اور ان بداعمال کے نتائج سامنے آئے۔ ایسا شخصی معاملات میں بھی ہوتا ہے جب جھگڑوں کے نتیجہ میں خاندان ٹوٹتے ہیں اور قومی معاملات میں تو جنگوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نتیجہ ظاہر کر دیتا ہے اور اپنی مشیت جبراً نافذ نہیں کرتا۔ انسان صاحبِ اختیار ہے جو ضلالت کی راہوں پر چلنا چاہے اسے زبردستی نہیں روکتا۔ ہاں جو ہدایت اختیار کرنا چاہتا ہے اس کی ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جزا و سزا کا قانون دنیا میں بھی جاری ہے۔ جو خدا دنیا میں بھی کچھ نہ کچھ حساب لے لیتا ہے وہ آخرت میں بھی ضرور لے گا۔

۹۵۔ پھر دہرایا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کا ذریعہ نہ بناؤ ورنہ تمہارا قدم جو خوب مضبوطی سے جم چکا ہو گا، پھسل جائے گا۔ قوموں سے معاہدات میں وفائے عہد کا حکم اس وقت دیا جا رہا ہے جب مسلمان مکّی زمانہ کے آخری ایام میں نہایت کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے گویا ان حالات میں انہیں حکومت و سلطنت کی بشارتیں دی جا رہی ہیں اور آگاہ کیا جا رہا ہے کہ معاملات میں دھوکہ دینا ایک مستحکم حکومت کو متزلزل کرنا اور اسلام کی ساکھ کو خراب کرنا ہے۔ اس بدمعاملگی سے لوگوں پر بُرا اثر پڑے گا اور وہ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے اور تم اپنے ربّ کی ناراضگی مول لے کر عذاب کے مستحق ٹھہرو گے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ

اور نہ خریدو بدلے میں عہد کے اللہ کے مول تھوڑا یقیناً جو پاس

اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَا عِنْدَكُمْ

اللہ کے ہے وہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے جو پاس ہے تمہارے

يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا

ختم ہو جانے گا اور جو پاس اللہ کے ہے باقی رہیگا اور البتہ ضرور دینگے ہم ان لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

اجر ان کا زیادہ بہتر اس سے جو تھے وہ کرتے جس نے کی نیکی

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً

خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے تو ضرور زندگی دیں گے اُسے ہم زندگی

اہل مکّہ کو بھی متنبہ کر دیا کہ راہِ حق سے روکنے کا نتیجہ عذابِ عظیم ہو گا۔ اس ایک آیت میں پوری اسلامی تاریخ کا نقشہ پیش کر دیا کہ اسلامی حکومتیں پہلے مستحکم بنیادوں پر قائم ہوں گی۔ پھر معاہدوں میں بدعہدی ان کے قدم اکھاڑنے کا باعث ہو گی اور تیزی سے دنیا میں پھیلتا ہوا اسلام ان کی عہد شکنیوں کی نذر ہو جائے گا اور ان پر بڑا عذاب آئے گا۔

۹۶۔ حکومت کی پیشگوئیوں کے بعد اس آیت میں غداروں کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ تمہیں کئی قسم کے دنیوی لالچ دیئے جائیں گے اور بڑی بڑی رشوتیں پیش کی جائیں گی۔ پس اگر تم صاحبِ علم و ادراک ہو تو اللہ سے کیے ہوئے عہد پر مضبوطی سے قائم رہنا اور دنیوی معمولی فوائد کو آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر جاننا۔

۹۷۔ يَنْفَدُ (نفد) وہ ختم ہوتا ہے۔ وہ ختم ہو جائے گا۔

سچ اور ایفائے عہد کے ذکر میں فرمایا کہ اکثر جھوٹ اور عہد شکنی کے نتیجہ میں کچھ فوری فوائد تو حاصل ہو جاتے ہیں لیکن انجام سراسر گھاٹا ہے جبکہ سچ پر قائم رہنے والوں اور اپنے وعدوں کا پاس کرنے والوں کو اکثر جلد اجر نہیں ملتا انہیں صبر کرنا پڑتا ہے۔ صبر کرنے والے وہ ہیں جنہوں نے ثابت قدمی دکھائی، مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، بُرائیوں سے خود کو روکا اور دنیا کے عارضی مفادات کے لالچ میں دین کو نہیں بیچا۔ اس صبر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان سے احسان کا سلوک فرمائے گا اور ان کی ادنیٰ نیکیوں کا اجر ان کی بہترین نیکیوں کے مطابق عطا فرمائے گا۔ (ترجمۃ القرآن کلاس حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا
پاکیزہ اور البتہ ضرور بدلہ میں دیں گے ہم انہیں اجر ان کا زیادہ بہتر اس سے جو تھے وہ
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ
کرتے پس جب پڑھے تو قرآن تو پناہ مانگ اللہ سے
مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۹﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى
شیطان ملعون سے یقیناً بات یہ ہے کہ نہیں ہے اس کیلئے غلبہ

۹۸۔تمام اعمال حسنہ کو خوب کھول کر بیان کرنے کے بعد بتلایا کہ اسلام میں اعمال صالحہ کی جزا میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں، محض مومن ہونا شرط ہے اور یہ جزا طیب زندگی کی صورت میں دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مومن اپنے خاص توکل باللہ کی وجہ سے دنیا کی حرص و آز سے بے نیاز ہوتا ہے۔دنیا کی تنگدستی یا فراخی، دکھ یا سکھ اس کی نظر میں حقیر ٹھہرتے ہیں۔وہ ہر دم رضائے الٰہی کی تلاش میں ہوتا ہے۔یہی پاکیزہ زندگی ہے جو اسے دنیا میں نصیب ہوتی ہے اور یہی سکونِ قلب کی وہ دولت ہے جس سے وہ مالا مال ہوتا ہے جبکہ کافر کو دنیوی ہوا و ہوس بے چین رکھتی ہے اور وہ **ھل من مزید** کی تلاش میں سکون کی نعمت سے محروم رہتا ہے اور اس طرح دنیا میں ہی جہنمی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔پچھلی آیت میں صابرین کے لئے ان کے بہترین عمل کے مطابق ان کے تمام اعمال صالحہ کا اجر دینے کا وعدہ تھا۔یہاں یہی وعدہ ہر مومن مرد وعوت سے ہے جو اعمالِ صالحہ بجا لائیں۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف نکتہ بیان کیا۔آپ نے فرمایا یہ تکرار نہیں بلکہ ایک اور وعدہ ہے جو ایک نئی شان پیدا کر رہا ہے۔جب صبر کی وجہ سے ان کی زندگی حیات طیبہ میں بدل جائے گی تو ان کی نیکیوں کا معیار بڑھ جائے گا اور انہیں احسن اعمال کی بجا آوری کی توفیق عطا ہو گی۔پس حیات طیبہ میں کئے گئے احسن اعمال کے مطابق ان کی ادنیٰ نیکیوں کی جزا دی جائے گی گویا ان کے اجر کا پیمانہ بہت بڑھ جائے گا۔یہ ان کی اخروی جزا ہو گی۔

۹۹۔**استعاذہ۔عاذ** سے باب استفعال ہے۔یعنی پناہ چاہنا۔

اس رکوع میں اعمالِ صالحہ کے نتیجہ میں اسلامی حکومت کی خوشخبری وضاحت سے دی اور ساتھ ہی تعوذ کا حکم دیا تا کہ مادی ترقیات اور فتوحات کمزور طبع افراد کو دینِ حق سے غافل نہ کر

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ
ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور رب پر اپنے وہ بھروسہ رکھتے ہیں سوائے اسکے نہیں کہ غلبہ اس کا
ع ۱۳ ۱۱ ۱۹ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
ان لوگوں پر ہے جو دوستی رکھتے ہیں اس سے اور وہ لوگ کہ جو اسے شریک بنانے والے ہیں
وَاِذَا بَدَّلْنَا اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ
اور جب بدلتے ہیں ہم کوئی نشان جگہ بدلہ کسی نشان کی اور اللہ بہتر جانتا ہے اسے جو وہ اتارتا ہے
قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وہ کہتے ہیں کہ سوائے اس کے نہیں کہ تو تو مفتری ہے بلکہ اکثر ان کے نہیں علم رکھتے

دیں اور وہ خدا کی عطا کردہ ترقیات کو اپنے صبر یا اپنی خاص صلاحیتوں کی بنا قرار نہ دینے لگیں۔نیز ترقی کے زمانہ میں احکامِ الٰہی اور عبادات میں غفلت بھی شیطانی وسوسہ اندازی کا نتیجہ ہوتی ہے اس لئے بھی تعوذ کا حکم دیا کہ مومن ہر حال میں اللہ کی پناہ چاہے۔خاص طور پر قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** پڑھنا سنت نبوی سے ثابت ہے تا کہ شیطانی وساوس سے پیدا ہونے والی بشری کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ بچا کر اپنی پناہ میں رکھے اور قرآنی برکتوں سے مستفیض فرمائے۔

۱۰۰۔دنیوی عظیم فتوحات کی بشارتوں سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مومنین بھی دنیا داری میں پھنس کر شیطان کی پیروی کرنے لگیں۔لیکن اللہ کا وعدہ ہے کہ خدا پر توکل کرنے والوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا۔پس یہ مومنین کا خدا پر توکل ہی تھا کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں سے ٹکرا گئے اور دنیا کے فاتح بننے کے باوجود ان کے عدل و انصاف اور تقویٰ شعاری کی وجہ سے شیطان ان کے قریب نہ پھٹک سکا۔

۱۰۱۔یہاں صاف بتا دیا کہ شیطان کو صرف ان لوگوں پر اختیار ہے جو خود اسے دوست بناتے ہیں اور وہ لوگ جو اس کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔گویا شیطان کا بڑا کام اپنے دوستوں کو خدا سے دور کر کے شرک میں مبتلا کرنا ہے۔جبکہ تعوذ شیطان سے دشمنی کا اعلان ہے اور اس کے قبضہ سے نکل کر اللہ کی پناہ میں آنا ہے۔پس اللہ کے بندے تعوذ میں اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم لاشعوری طور پر بھی شیطان کے بندے نہ بن جائیں۔

۱۰۲۔اس رکوع میں وحی الٰہی کا خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونا ثابت کیا ہے۔اسی تعلق میں پچھلے رکوع میں تعوذ کا حکم دیا۔ہمیشہ تلاوتِ قرآن کریم سے پہلے تعوذ پڑھنے میں یہ بھی اشارہ ہے

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ
تو کہہ دے اتارا ہے اسے روح القدس نے طرف سے رب کے تیرے ساتھ حق کے تاکہ مضبوط کرے
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۱۰۳
ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے مسلمانوں کے لئے

کہ یہ وہ کتاب ہے جو خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہے اور شیطانی دخل اندازی اس میں ممکن نہیں یعنی ہر قسم کی تحریف اور نسخ سے پاک ہے۔ اس کے باوجود بعض مسلمانوں کو غلطی لگی اور وہ نسخ کے چکر میں پڑ گئے۔ اس قسم کی تمام آیات کے معنی یہی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی سے گزشتہ صحیفوں کے بعض احکام بدلتے تو اہلِ کتاب کو بہت تکلیف ہوتی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ مفتری کہتے اور جھٹلاتے کہ یہ احکام تم نے خود بدل دیئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم انبیاء سلف کی تعلیم کو منسوخ نہیں کرتے مگر یہ کہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا جس تعلیم کو وہ بھلا چکے ہیں اُسے اس کی اصل صورت میں لاتے ہیں۔ (۲۔۱۰۷)

حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ صحائف کے بعض احکام مخصوص اقوام کے واسطے محدود وقت کے لئے تھے اور ان میں بیشتر تحریف کی نذر ہو چکے تھے۔ پس ہر نبی کی امت کے حالات اور اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق احکام نازل ہوئے اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ کس وقت کونسا حکم نازل کرے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی تعلیم جلالی تھی جبکہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم جمالی رنگ میں تھی۔ پس وہ وقتی احکام تھے جبکہ اب دائمی شریعت دی جا رہی ہے۔ یہ ایک دائمی قانون ہے جو تمام دنیا کے لئے ہے۔ تاہم اصل الاصول یعنی بنیادی صداقتیں تمام مذاہب میں ایک ہی ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہیں جو تمام انبیاء کی صداقت کا بیّن ثبوت ہیں۔ اگر کوئی تبدیلی آئی تو وہ فروعی احکامات میں آئی۔

۱۰۳۔ قرآنِ کریم کا ایک ایک شوشہ اور ایک ایک حرف ربّ دو جہاں کی طرف سے ہے۔ اس کے ثبوت میں اس آیت میں بہت سے دلائل موجود ہیں۔ بتایا کہ جبریلِ امین نے اسے تیرے ربّ کی طرف سے اتارا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کا ہر لفظ حق و حکمت کا خزینہ ہے جس کا مقصد جماعتِ مسلمین کو ثبات بخشنا یعنی انہیں مضبوط قدموں پر کھڑا کرنا ہے۔ گویا جب تک وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہیں گے دینی اور دنیوی لحاظ سے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئے گی۔ ایک روحانی کتاب کا اصل مقصد بندے کو اس کے ربّ سے ملانا ہوتا ہے۔ اس مقصد کو بھی یہ کتاب کماحقہٗ پورا کرتی ہے اور مجسم ہدایت ہے۔ نیز اس میں موجود تمام بشارتیں جن

لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ
یقیناً یقیناً ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ سوائے اس کے نہیں کہ سکھاتا ہے اسے ایک انسان
لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ
زبان اس شخص کی کہ منسوب کرتے ہیں طرف جس کی عجمی ہے اور یہ زبان ہے
عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۱۰۴ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ
عربی کھلی کھلی یقیناً وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے آیتوں پر اللہ کی

میں سے اکثر کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا ہو جانا اس حقیقت کا زبردست ثبوت ہے کہ یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا افترا نہیں بلکہ ایک عظیم خدائی معجزہ بصورت کتاب ہے۔

۱۰۴۔ **یُلْحِدُون**۔ الحاد کے اصل معنی مائل ہونا اور جھکنا کے ہیں یہاں مراد منسوب کرنا ہے۔ اللہ پر اعتراض یا شک کرنا۔ نیز ظلم کے معنی بھی دیتا ہے۔ **اعجمیٌ**۔ عجمی۔ غیر عرب۔ علماء یہود و نصاریٰ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہیں۔ قرآن خود نہیں بنا سکتے نہ توریت اور انجیل پڑھ سکتے ہیں۔ جب قرآنِ کریم میں ان گزشتہ صحائف کے بعض قصے اور صداقتیں دیکھتے تو انہیں گمان ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض نو مسلم اہلِ کتاب عجمی غلاموں سے در پردہ یہ صحائف سیکھتے ہیں۔ اس الزام کا نہایت مدلّل جواب دیا کہ یہ تو کتابِ مبین ہے اس کی زبان فصیح عربی ہے۔ غیر عرب غلام کو عربی فصاحت و بلاغت پر اتنی قدرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے نیز اس وقت تک یہ صحائف یونانی اور عبرانی میں تھے ترجمے کا ابھی رواج نہیں تھا۔ اس لئے اگر کسی غلام کو کوئی حصہ یاد بھی ہوگا تو وہ مفہوم سے بے بہرہ ہوگا جیسا کہ آجکل مسلمانوں کی اکثریت مفہوم قرآنِ کریم سے نابلد ہے۔ حدیث میں صرف حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے عبرانی جاننے کا ذکر ہے جو نصاریٰ میں سے تھے جبکہ یہ سورۃ مکّی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے صُحُفِ اُولیٰ کے حقائق کو قائم رکھا البتہ ان کے تحریف شدہ غلط عقائد و واقعات کی اصلاح فرمائی اور انبیاء پر لگائے گئے متعدد الزامات سے انہیں بری قرار دیا جیسے حضرت ہارونؑ کی شرک سے بریت فرمائی۔ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت نوحؑ کی پاکیزگی کو ثابت کیا۔ نیز کفار جنہیں قصے کہتے تھے وہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی اور عظیم الشان پیشگوئیاں تھیں جو قیامت تک بار بار پوری ہوں گی۔ جن میں سے ایک بڑا حصہ ان کے سامنے پورا ہوا اور انہوں نے آخر ان صداقتوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔

۱۰۵۔ انبیاء پر بے جا اعتراض کرنے والوں کو تہدید فرمائی کہ جو لوگ باوجود روشن نشانوں

لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي

نہیں ہدایت دیگا انہیں اللہ اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک سوائے اس کے نہیں کہ گھڑ لیتے ہیں

الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

جھوٹ وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے آیات پر اللہ کی اور یہ لوگ ہی

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ

جھوٹے ہیں جس نے انکار کیا اللہ کا بعد ایمان لانے کے اس پر

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ

سوائے اس شخص کو جو مجبور کیا گیا اور دل اس کا مطمئن ہے ساتھ ایمان کے ولیکن

مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ

وہ جنہوں نے کھولا ساتھ کفر کے سینہ تو ان پر غضب ہے طرف سے

اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ

اللہ کی اور ان کے لیے عذاب ہے بڑا یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے

اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

پسند کی زندگی ورلی بمقابل آخرت کے اور یقیناً اللہ

کے اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے، انبیاء اور ان کی کتابوں کی تکذیب کرتے ہیں تو اللہ کی طرف سے بھی ان پر **لایھدیھم اللّٰہ** کا فتویٰ لگ جاتا ہے۔ پس ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۶۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کی سچائی کے تم خود گواہ ہو جس نے کبھی انسانوں سے جھوٹ نہیں بولا۔ اس ذات پاک پر اتنا بڑا اتہام کہ وہ خدا پر جھوٹ بولے، صرف انہیں لوگوں کا کام ہے جو خود جھوٹے ہیں اور جنہوں نے نشاناتِ الٰہیہ سے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔

۱۰۷۔ پچھلی آیات میں کفار کے اس الزام کی تردید کی کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن خود بنایا ہے یا کسی اہلِ کتاب کی مدد سے بنا لیا ہے۔ اب بتایا کہ اگر ایسی بات ہوتی تو مومنین کلمہ حق پر ڈٹے نہ رہتے اور بے دریغ اپنی جانیں قربان نہ کرتے۔ پس ایمانِ کامل تو یہی ہے کہ موت کو سامنے دیکھ کر بھی کلمہ حق کہا جائے۔ لیکن اگر بشری کمزوری سے شدید ظلم اور جبر کے وقت منہ سے کلمہ کفر کہہ کر اپنی جان بچالی جائے تو اسلام میں اس کی اجازت ہے ایسا شخص عنداللہ مجبور ہے لیکن یہ کمزور ایمان ہے اور اس کی معافی اسی صورت میں ہے کہ وہ اس مجبوری کے رفع ہوتے ہی اپنے ایمان کا اعلان کرے بلکہ اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ دارالسلام میں ہجرت کر جائے یا کسی ایسی

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ

نہیں ہدایت دیتا کفر کرنے والے لوگوں کو یہ لوگ وہ ہیں کہ مہر کردی ہے

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

اللہ نے دلوں پر ان کے اور کانوں پر ان کے اور آنکھوں پر ان کی اور یہ لوگ

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

ہی غافل ہیں نہیں کوئی شک کہ وہ آخرت میں وہی

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ

ناکام ہوں گے پھر یقیناً رب تیرا ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ہجرت کی

بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

بعد اس کے کہ ابتلاء میں ڈالے گئے پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا یقیناً رب تیرا

بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۱﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ ۱۴ ع ۱۰ ۲۰

بعد اس کے اللہ بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے جس روز آئے گا ہر شخص جھگڑتا ہوا

جگہ ہجرت کر جائے جہاں مذہبی آزادی ہو۔ (جیسا کہ آیت: ۱۱۱ میں آئے گا۔) وہ کمزور ایمان والے مسلمان جنہوں نے شدائد سے گھبرا کر کفر کا اعلان کیا پھر ڈر گئے اور اسی پر راضی ہو گئے وہ اللہ کے غضب کے نیچے ہوں گے اور عظیم عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اس لئے کہ حق کو سمجھنے کے باوجود انہوں نے کمزوری دکھائی۔

۱۰۸۔ ان کا کفر پر راضی ہونا اس لئے نہیں تھا کہ انہیں مدعی نبوت یا قرآنِ کریم پر شک تھا بلکہ محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے دنیوی عارضی مفادات کو آخرت کی دائمی نعماء پر ترجیح دی۔ پس اللہ تعالیٰ کا ان کو ہدایت نہ دینا ان کے اعمال کا طبعی نتیجہ تھا۔

۱۰۹۔۱۱۰۔ جب دنیا کو آخرت پر ترجیح دی اور دنیوی مفاد پرستی میں کھو گئے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ دل پر مہر یہ ہے کہ حق قبول کرنے کی توفیق سے محروم ہو گئے یا جرأت ہی نہ رہی۔ آنکھوں پر مہر لگنا نشاناتِ صداقت کا نظر نہ آنا ہے۔ کانوں پر مہر سے مراد حق بات سننے سے محرومی ہے چونکہ دنیوی مفاد پرستیاں انہیں آخرت سے غافل کر دیتی ہیں لہٰذا آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے یہی لوگ ہوں گے۔

۱۱۱۔ ہجرتِ مدینہ کے قریب زمانہ کی اس مکّی سورۃ میں نہ صرف ہجرت مدینہ کی طرف اشارہ کیا بلکہ ہجرت کے بعد پیش آنے والے جہاد اور ان میں ثابت قدمی دکھانے والوں کا بھی ذکر کیا۔ یہاں جبراً کفر قبول کرنے سے بچاؤ کا طریق بتایا کہ جب مومن دیکھیں کہ دکھ اور مصائب

عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

طرف سے اپنی اور پورا پورا دیا جائیگا ہر شخص وہ جو اس نے کیا اور وہ نہ

يُظْلَمُوْنَ ۱۱۲ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً

ظلم کئے جائیں گے اور بیان کی اللہ نے مثال ایک بستی کی کہ تھی امن والی

ناقابلِ برداشت ہوگئے ہیں اور انہیں کفر پر مجبور کیا جارہا ہے تو وہ ہجرت کر جائیں اور وہ جگہ چھوڑ دیں جہاں ان کے ایمان کو خطرہ لاحق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت فرماجانے کے بعد جو مومنین مکہ میں رہے وہ جہاد جیسی نعمت سے محروم تھے بلکہ بعض دفعہ کفار انہیں مجبور کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ میں لے جاتے۔ فرمایا ہجرت کے بعد وہ آزادی سے جہاد اور ہر نیک کام میں حصہ لے سکتے ہیں اور ثابت قدمی کے جوہر دکھا سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کی وہ کوتاہیاں جو خاص طور پر اکراہ کے نتیجہ میں ان سے سرزد ہوئیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے گویا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفت غفور رحیم جوش میں آئے گی۔ اگر جہاد بالسیف کا موقع نہ ہو تو جہاد سے مراد جہاد باللسان اور جہاد بالقلم یعنی تبلیغ اسلام اور جہاد بالنفس یعنی اپنے نفس کی اصلاح کے لئے شدید سعی و کوشش اور مجاہدہ ہے اور صبر ان نیکیوں پر استقامت اختیار کرنا ہے۔

۱۱۲۔ اس رکوع میں مشرکینِ مکہ کو تنبیہ فرمائی کہ عنقریب تم سے امن و سکون چھین لیا جائے گا اور جس رنگ میں تم نے جماعتِ مومنین پر ظلم کیا اسی رنگ میں دنیا میں تمہیں سزا ملے گی۔

ملحقہ رکوع میں ان لوگوں کے لئے جنہیں جبراً کفر پر مجبور کیا اور انہوں نے ہجرت، جہاد اور صبر سے اپنی اصلاح کر لی مغفرت اور رحیمیت کا وعدہ تھا۔ اب کسی جبر کی وجہ سے کفر پر قائم رہنے والوں کو انذار فرمایا کہ قیامت کے روز جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا تو ہر شخص اپنے نفس کے متعلق جھگڑتا ہوا آئے گا یعنی اپنے نفس کے دفاع میں جھگڑتا ہوا آئے گا۔ اس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا نہ نیکی کے بدلہ میں کمی ہوگی نہ بدی کی سزا میں ظلم و زیادتی ہوگی۔ ہاں اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ جتنا چاہے گا زیادہ دے گا جیسا کہ احادیث میں ہے کہ نیکی کا بدلہ دس گنا دنیا میں اور آخرت میں ستر گنا یا سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ دے گا۔ ہاں برائی کی سزا برائی کے برابر ہوگی یا اپنے فضل سے جسے چاہے گا بخش دے گا۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ (مسلم کتاب الایمان۔ باب اذاھم العبد بحسنۃ۔ بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ) سوائے اس

مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

اطمینان والی آتا تھا اس میں رزق اس کا بافراغت ہر جگہ سے

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ

پس انکار کیا اس نے نعمتوں سے اللہ کی پس چکھایا اسے اللہ نے لباس بھوک

وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۱۱۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

اور خوف کا بسبب اسکے کہ تھے وہ (برے عمل) کرتے اور یقیناً یقیناً آیا ان کے پاس

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

رسول ان میں سے پس جھٹلایا انہوں نے اسے پس پکڑا انہیں عذاب نے اور وہ

کہ شرک کیا ہو اور اس پر مصر رہا ہو۔ نفسا نفسی اور قیامت کے یہ نمونے دنیا میں بھی نظر آتے ہیں جیسا کہ اگلی آیات میں مکہ کے سات سالہ قحط کا ذکر ہے جو قیامت ہی کا ایک نمونہ تھا۔

۱۱۳۔ **لباس الجوع والخوف**۔ لفظی ترجمہ بھوک اور خوف کا لباس ہے۔ عربی محاورہ ہے یعنی بھوک اور خوف کی شدید لپیٹ میں آجانا۔

بقول حضرت ابن عباسؓ اس بستی سے مراد مکّہ مکرمہ ہے جہاں دعائے ابراھیمی کی برکت سے باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے دنیا بھر کی نعمتیں پہنچتی تھیں اور جو بعد میں پہنچنے والی تھیں اُن کا تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑی نعمت اسی دعائے ابراھیمی کی طفیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نازل ہوئی لیکن اہل مکہ نے کفرانِ نعمت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر علاوہ دوسرے دکھوں کے بھوک اور خوف کو مسلط کیا۔ خاص طور پر تین سال شعب ابی طالب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھوک کی شدید اذیت اٹھائی۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پتے کھاتے تھے اور بکریوں کی طرح مینگنیاں کرتے تھے۔ خوف کی حد یہ تھی کہ ہجرت مدینہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نرغہ سے بمشکل جان بچا کر نکل سکے۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک وجود ان کے درمیان رہا وہ عذاب سے محفوظ رہے۔ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی اہل مکہ خدا کے غضب کی لپیٹ میں آگئے۔ یہ مکّی سورۃ ہے اس طرح سے پیشگوئی بھی فرمادی کہ بیشک تم ابرہہ کے لشکروں کا انجام دیکھ چکے ہو لیکن آج اہل مکہ کے اعمال اس قدر گھناؤنے ہیں کہ مکہ کا تقدس بھی اب انہیں بچا نہیں سکے گا اور وہ ویسے ہی عذاب کی لپیٹ میں آئیں گے جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ پر روا رکھا۔

چنانچہ جنگوں میں ان کے بڑے بڑے سرداروں کا مارے جانا، ان کا مغلوب ہونا اور

ظٰلِمُوْنَ ۝١١٣ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ
ظالم تھے پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے حلال (اور) طیب اور

اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝١١٤
شکر کرو نعمت کا اللہ کی اگر ہو تم اسی کی عبادت کرتے

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور قوت کا خوف بھی کم عذاب نہیں تھا کہ سات سالہ شدید قحط نے ان کی کمر بالکل ہی توڑ دی یہانتک کہ مردار، ہڈیاں اور چمڑہ تک کھانے پر مجبور ہوگئے اور ابو سفیان جیسے متکبر سردار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے در پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنا پڑی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے یہ قحط ٹل گیا بلکہ رحمۃ للعالمین نے ان کے لئے مدینہ سے کھانے وغیرہ کا سامان بھجوایا۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الدخان۔ حدیث نمبر ۴۴۴۷)

بیشک اس بستی سے مراد مکّہ معظمہ ہی ہے لیکن جہاں بھی اس قسم کے حالات پیدا ہوں گے وہاں اسی قسم کا عذاب نازل ہوگا۔ آج کفرانِ نعمت کی سزا بھوک اور خوف کی شکل میں اکثر مسلم اقوام پر مسلط ہے۔

۱۱۴۔ اب کھول کر بتا دیا کہ ملحقہ آیت میں اہلِ مکّہ کے لئے ہی وعید کی پیشگوئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں سے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق و امین کہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کے معترف تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور مظالم کا نشانہ بنایا۔ پس قحط اور جنگوں کی شکل میں ان پر عذاب نازل ہُوا جو ان کے ظلم اور سرکشی کا نتیجہ تھا۔

۱۱۵۔ پچھلی آیات میں اہلِ مکّہ کے لئے بھوک اور خوف کی وعید تھی۔ اب مومنین کو حلال و طیب رزق کی بشارت دی گویا کفار کا رزق جو جائز و ناجائز ذرائع سے اکٹھا کیا گیا تھا ان سے چھین لیا جائے گا اور مسلمانوں کو حلال و طیب رزق اور دیگر نعمتیں عطا ہوں گی۔ بیشک نماز بھی خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا ہی ایک ذریعہ ہے لیکن اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روحانی اور جسمانی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔

اپنے محسن کے اَن گنت احسانات پر اس کا شکر ادا کرنا ایک ادنیٰ اخلاقی فرض ہے تاہم کئی کوتاہ بینوں کو اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ کو کسی کے شکر کی کیا حاجت۔ حقیقت تو یہی ہے کہ اس مالکِ کون و مکاں کو ہماری عبادتوں کی ضرورت ہے نہ ہماری شکر گزاری کی۔ البتہ ہمیں جو اس کے عاجز اور کمزور بندے ہیں اس کی عبادت کرنے کی بھی ضرورت ہے اور اس کی نعمتوں پر اس کی شکرگزاری کی بھی تا وہ مالک ہم سے راضی ہو۔ اس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے تاہم شرکِ خفی سے بچیں، اپنی ہر نعمت کو اسی کی طرف منسوب کریں، اپنے مالک کو پہچانیں اور اس کی دائمی نعمتوں کے وارث ٹھہریں۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ
سوائے اسکے نہیں کہ حرام کیا تم پر مردار اور خون اور گوشت سؤر کا

وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
اور وہ کہ پکارا گیا غیر اللہ کیلئے جس پر (نام) پس جو مجبور ہوا نہ چاہنے والا

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١١٥ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا
اور نہ حد سے بڑھنے والا یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اور نہ کہو اس چیز کے لیے کہ

۱۱۶۔ ملحقہ آیت میں مسلمانوں کو فراخی رزق کی بشارت دی تھی۔ اب چار بنیادی حرام چیزوں کا نام لیا جو انسان کی روحانی اور جسمانی صحت کے لئے سم قاتل ہیں۔ البتہ حرام چیزوں میں سے مضطر کے لئے جو اپنی خواہش کے خلاف مجبور ہو، اتنا کھانا جائز ہے کہ اس کی زندگی کی ڈور بندھی رہے اور اس میں خواہش کا دخل ہرگز نہ ہو۔ (سورۃ البقرۃ آیت: ۱۷۴ سورۃ انعام: ۱۴۶ میں یہی احکام ہیں۔ البتہ سورۃ المائدہ: ۴ میں ان احکام کی مزید تشریح ہے۔) یہ آیت قرآنِ کریم میں نازل ہونے والی آخری آیات میں سے ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ اور کئی دوسرے صحابہ کے بقول یہی چار چیزیں حرام ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ ہاں حلال میں طیب کی شرط ہے۔ بعض چیزیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق منع فرمایا وہ اسی قرآنی حکم کے تابع ہوں گی کہ اگر حلال سے مشابہت زیادہ ہے تو حلال کے زُمرے میں آئیں گی اور اگر حرام سے مشابہت زیادہ ہے تو حرام ہوں گی۔ احادیث میں ان کی تفاصیل موجود ہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردار اور اس کی چربی کو حرام قرار دیا اس لئے سور کی چربی وغیرہ حرام ہے اور اس کے بالوں کے بنے ہوئے ٹوتھ برش کا استعمال بھی مکروہ ہو گا البتہ حرام جانوروں کی کھالوں کا استعمال جائز ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر بادشاہ کی رکھ (چراگاہ) ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رکھ اس کے محرمات ہیں۔ جس طرح ہوشیار چرواہا رکھ کے پاس نہیں چراتا۔ تا ایسا نہ ہو کہ غفلت سے اس کے جانور اندر چلے جائیں اور وہ سزا پائے۔ اسی طرح مومن محرمات کے قریب بھی اپنے نفس کو

تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ

بیان کرتی ہیں زبانیں تمہاری جھوٹ موٹ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے

لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

تاکہ گھڑو اللہ پر جھوٹ یقیناً وہ لوگ جو گھڑتے ہیں

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ

اللہ پر جھوٹ نہیں کامیاب ہوتے سامان ہے تھوڑا اور ان کیلئے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

عذاب ہے دردناک اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے حرام کیا ہم نے جو

مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ

بیان کیا ہم نے تجھ پر پہلے سے اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر و

لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

لیکن تھے وہ جانوں پر اپنی ظلم کرتے پھر یقیناً رب تیرا

لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کی بدی ساتھ جہالت کے پھر توبہ کی

جانے سے روکتا ہے تا پکڑا نہ جائے۔(بخاری کتاب الایمان باب فضل استبرا الدینۃ) گویا حرام اور اس کے مشابہ چیزوں کے قریب بھی نہیں جانا چاہیئے بلکہ ایسی صحبتوں سے بھی کنارہ کرنا چاہیئے۔

۱۱۷۔۱۱۸۔رکوع ۱۴ میں گزر چکا ہے کہ مشرکینِ مکہ آنحضرت ﷺ پر افترا کا الزام لگاتے تھے۔یہاں خدائی احکام میں دخل اندازی کو خدا تعالیٰ پر افترا کے مترادف کہا کیونکہ حلال و حرام قرار دینا خدا کا کام ہے۔پس دین کے معاملہ میں قیاس کرنا قطعی منع ہے سوائے اس کے کہ ائمہ دین قرآن و حدیث پر استنباط کر کے کوئی فیصلہ دیں۔غرض اجتہادی مسائل میں ہمیشہ مجتہدین کی تقلید ہی کی پابندی لازم ہے۔سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔اللہ پر افترا کرنے والوں کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔یہ تھوڑا سا فائدہ ہے اس جھوٹ کے نتیجہ میں دردناک عذاب ان کا مقدر ہے۔

۱۱۹۔چونکہ تمام شرائع کے اصل الاصول ایک ہی ہیں۔اس لئے یہ چاروں چیزیں یہود پر بھی حرام تھیں اور یہ کوئی ظلم نہیں تھا بلکہ ان احکام کی خلاف ورزی کر کے انہوں نے خود پر ظلم کیا پس ان کی زیادتیوں کی وجہ سے بطور سزا گائے اور بکری وغیرہ کی چربی بھی ان پر حرام ہوئی۔(سورۃ انعام رکوع ۱۸) لیکن یہ ایک وقتی حکم تھا۔

مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

بعد اس کے اور اصلاح کی یقیناً رب تیرا بعد اس کے

ع ۱۵ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا

۹ ۲۱ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے یقیناً ابراہیم تھا معلم خیر فرمانبردار

لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ شَاكِرًا

اللہ کا موحد اور نہ تھا مشرکوں میں سے شکرگزار تھا

۱۲۰۔چونکہ یہود نے شریعت کی خلاف ورزی کو اپنا شیوہ بنایا ہوا تھا اس وجہ سے وہ بار بار خدائی غضب کے نیچے آتے رہتے۔انہیں تسلی دی اور بطور قانون بتا دیا کہ یہود و نصاریٰ ہوں یا کوئی اور جس سے بھی ناسمجھی سے یا کسی نفسانی غلبہ کی وجہ سے کوئی بُرا فعل سرزد ہو جائے، پھر اس کا نفس ملامت کرے اور وہ دل سے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر کے اپنے اعمال درست کرلے۔تو تیرا ربّ تو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔توبہ کے بعد اصلاح کی شرط ہے۔گویا اصلاح کے بغیر توبہ قبول نہیں ہو گی۔

۱۲۱۔امت کے لفظی معنی گروہ یا جماعت کے ہیں۔نیز امام و مقتدا، جامع الخیر، معلم الخیر اور بے نظیر شخص کے معنی دیتا ہے۔**قانتا**۔اللہ کے حضور تذلّل اختیار کرنے والا۔پوری طرح اطاعت کرنے والا، عبادت گزار اور دعا گو۔**حنیف**۔اسلام کی طرف صحیح میلان رکھنے والا اور اس پر قائم رہنے والا۔راست رو۔خدا کی طرف جھکنے والا۔

اس آخری رکوع میں حضرت ابراهیمؑ کے اوصاف اور فضائل بیان کر کے مومنوں کو نصیحت فرمائی اور کافروں کو انذار فرمایا۔یہود و نصاریٰ اور مسلمان متفقہ طور پر ابوالانبیاء حضرت ابراهیمؑ کو ایک جلیل القدر نبی مانتے ہیں۔اہلِ مکہ بھی باوجود اپنے تمام مشرکانہ عقائد کے اس موحد کی اتباع کے دعویدار تھے۔ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے بتایا کہ یہ رسول وہی تعلیم لایا ہے جو ابراهیمؑ نے دی۔آپ کے اوصاف کے بیان میں سب سے پہلے آپ کو امت کہا گویا وہ اپنی ذات میں ایک فرد نہیں بلکہ امت تھے یعنی ایک جماعت کی صفات کے حامل تھے۔آپ میں وہ تمام کمالات بدرجہ اتم موجود تھے جو بہت سے انبیاء اور ان کی جماعتوں میں الگ الگ پائے جاتے تھے۔امت میں امام و مقتدا کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔یہ اعزاز آپ کو اس لئے ملا کہ آپ زندگی کے ہر امتحان میں پورے اترے۔آتش نمرود میں بے خطر کود جانا۔پیرانہ سالی میں پیدا ہونے والے پہلوٹھے بیٹے اور جوان و باوفا بیوی کو محض حکم خداوندی پر لق ودق صحرا میں چھوڑ آنا۔پھر اسی لخت جگر کو خدا کی راہ

لِاَنْعُمِهِ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

نعمتوں کا اس کی اس نے چن لیا تھا اسے اور ہدایت دی تھی اسے طرف راہ سیدھی کی

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ

اور دی تھی ہم نے اسے دنیا میں بہتری اور یقیناً وہ آخرت میں

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ

البتہ نیکوں سے ہوگا پھر وحی کی ہم نے طرف تیری کہ پیروی کر

میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جانا صرف آپ کی ہی شان تھی اور ایسا آپ کے ایمان وز... سے ہی ممکن تھا۔

یہ داعی الی اللہ تمام زندگی یہانتک کہ انتہائی بڑھاپے میں بھی عرب کے ریگزاروں ... محض تبلیغِ حق کی خاطر طویل اور دشوار گزار سفر کرتا رہا۔ یہی وہ امتیازات تھے جن کی وجہ سے آپ کے ربّ نے آپ کو خلیل اللہ کا لقب دیا اور تمام دنیا کے مقتدا ہونے کا شرف بخشا۔ آپ کا سب سے بڑا اعزاز یہ کہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کے علاوہ ہمارے پیارے رسول فخر الانبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ پس آپ امت ان معنی میں ... تھے کہ آپ کی ذات سے امتوں نے جنم لیا اور آپ ان کے لئے وجہِ افتخار تھے۔ آپ کو **قانتاً للہ** کہا یعنی اللہ کے لئے تذلّل اختیار کرنے والا، بے حد دعائیں کرنے والا اور عبادت گزار بندہ۔ ... آپ حنیف تھے یعنی سوائے اللہ کے کسی کی طرف جھکنے والے نہیں تھے گویا سیدھی راہ پر چلنے والے راست رو تھے اور کبھی حق کے راستہ سے مخالف طرف مائل نہ ہوئے تھے۔ فرمایا آپ مشرک نہیں تھے۔ یعنی توحید پر کاملۃً قائم تھے۔ یہ اس لئے کہا کہ اس قدر خوبیوں کا ایک بندے میں جمع ہو جانا اسے شرکِ خفی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ کسی حد تک اِن صفات میں کچھ اپنی خوبی یا دخل بھی سمجھنے لگتا ہے لیکن ابراہیمؑ باوجود ان صفات کے صرف اللہ کا بندہ ہی رہا اور ان صفات کو ہرگز اپنی طرف منسوب نہیں کیا۔ اسی لئے فرمایا **ولم یک من المشرکین**o

۱۲۲۔ بلکہ ان تمام صفات کو انعامِ خداوندی سمجھتے ہوئے اللہ کی شکر و ثنا میں مصروف رہے۔ پس اللہ نے بھی اس شکر کے بدلے آپ کو دنیوی اور اُخروی انعامات کے لئے چن لیا اور اس سیدھی راہ پر ڈال دیا جو ربّ کو ملانے والی تھی۔ سیدھی راہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سیدھی راہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اس کی کوئی آخری حد نہیں یہ ترقیات کا لا انتہا سفر ہے۔

۱۲۳۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا میں بہترین نعمتوں سے نوازا۔ ان میں سب سے

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

مذہب ابراہیم موحد کی اور نہ تھا مشرکوں میں سے

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

سوائے اس کے نہیں کہ ڈالا گیا تھا (وبال) سبت کا ان لوگوں پر جنہوں نے خلاف ورزی کی تھی اس میں (حکم کے بارہ)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

اور یقیناً رب تیرا البتہ فیصلہ کریگا درمیان ان کے بروز قیامت اس میں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ

کہ تھے وہ جس میں اختلاف کرتے بلا طرف راہ اپنے رب کی

بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ

ساتھ دانائی اور نصیحت عمدہ کے اور جھگڑ ان سے ساتھ اس بات کے

هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

جو بہتر ہے یقیناً رب تیرا ہی زیادہ جانتا ہے اسے جو گمراہ ہوا

بڑے انعامات نبوت اور حکومت تھے جو آپ کی اولاد کو ملے، آپ کا ذکرِ خیر دنیا میں باقی رہا۔ اور آخرت میں بھی آپ صالحین میں سے ہوں گے۔ قرآنِ کریم میں صالح کا مقام نبی، صدیق اور شہید کے بعد آتا ہے (۸۵:۲٦) گویا صالحیت نیکی کی راہوں پر چلنے والوں کا پہلا مقام ہے۔ یہاں آخری نتیجہ بتایا یہ اسی طرح ہے جیسے سورۃ المومنون کی ابتدا میں بتایا کہ نیکی کی راہوں پر چلنے والوں کے لئے نماز ہی ابتدا ہے اور نماز ہی انتہا۔

۱۲۴۔ علامہ زمخشری بیان کرتے ہیں کہ **ثُمَّ** کہہ کر اشارہ کر دیا کہ ان سارے انعامات سے بڑھ کر آپ کو یہ اعزاز ملا کہ آپ کی اولاد میں سے آپ سے افضل رسول کو آپ کی ملت کے اتباع کا حکم ملا۔ اس لئے کہ ملتِ ابراہیمیؑ کا اصل الاصول شرک کا قلع قمع کرنا تھا اور یہی آنحضرت ﷺ کی بعثت کی اصل غرض تھی۔ یہاں ملت سے مراد ابراہیمی مزاج اور طریق بھی ہے۔ آپ ﷺ ابراہیمی مزاج پر تھے لیکن مراتب میں آگے بڑھ گئے۔

۱۲۵۔ (سبت کی تشریح کے لئے سورۃ اعراف رکوع ۲۱۔) **جُعِلَ السَّبْتُ۔ وبالُ السبت** (کشاف) چونکہ یہود بھی ابراہیمی مسلک کے متبع ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اس لئے ان کی کوتاہیوں کی بھی نشاندہی فرمائی اور اسلام کی دعوت دی۔ بتایا کہ سبت کی بے حرمتی کا وبال یہود پر اس لئے پڑا تھا کہ انہوں نے سبت کے احکام میں اختلاف کیا یعنی خدا کی نافرمانی کی اور اس

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ

راہ سے اس کی اور وہی زیادہ جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو اور اگر سزا دو تم

کے عہد کو توڑا۔ اب خدا تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ ایک نیا عہد قبول کرنے کا حکم دیا ہے تو اس حکم عدولی کر کے پھر تباہی کو دعوت دے رہے ہو۔ پس جو بھی یہود کی طرح خدائی احکام کو ماننے سے انکار کرے گا، انہی کی طرح موردِ عذاب ٹھہرے گا۔

۱۲۶۔ مکّہ میں تبلیغ زیادہ تر شرک کے گرد ہی گھومتی تھی اور شرک کے ردّ میں ہی تمام فیصلے ہو جاتے تھے۔ لیکن اب تبلیغ کا دائرہ زیادہ وسیع ہونے والا تھا اور اہلِ کتاب سے واسطہ پڑنے والا تھا جو زیادہ عالم، باشعور، مہذب اور متمول تھے۔ اس لئے تبلیغ کے سنہری گُر بتائے اور ایک داعی الی اللہ کے لئے وہ تمام ہتھیار فراہم کر دیئے جن کی اس میدان میں ضرورت تھی۔ خدا کی طرف بلانے میں حکمت کی اہمیت کے پیشِ نظر سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ حکمت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ یہ بھی حکمت ہے کہ داعی الی اللہ پہلے خود کو ایک بہترین انسان اور بہترین مسلمان کی شکل میں پیش کرے، پھر نصیحت کرے۔ نیز حکمت اس کلام کو کہتے ہیں جو دل میں اتر جائے۔ پس مخاطب سے حکیمانہ طریق یعنی حکمت و مصلحت سے موقع و محل اور اس کی استعداد کے مطابق بات کرنی چاہیے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! لوگوں کو نفرت نہ دلاؤ آسانی پیدا کرو، تنگی نہ پیدا کرو۔ خوشخبری دو انہیں مایوس نہ کرو۔ (مسلم۔ کتاب الجہاد) موعظہ حسنہ میں وعظ و نصیحت کو عمدہ رنگ میں کرنے کی تلقین فرمائی جس میں مخاطب کی ہمدردی اور خیر خواہی مطلوب ہو۔ جب وہ آپ کا اچھا اثر قبول کر لے تو اس کے بعد فرمایا **جادلهم بالّتی هی احسن** ۔یعنی پھر احسن طریق سے بحث اور مناظرہ وغیرہ کرو اور بہترین دلائل و براہین سے قائل کرنے کی کوشش کرو۔ اگر ایک سپاہی ہتھیار استعمال کرنے کا صحیح طریقہ ہی نہ جانتا ہو تو وہ جنگ کیسے جیت سکتا ہے۔ اسی طرح ایک داعی الی اللہ یا مناظر اگر سوال کے عین مطابق حقائق پر مبنی (To The Point) جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ دوسروں پر اچھا اثر کیونکر ڈال سکتا ہے۔ پس ایک داعی الی اللہ کا مطالعہ اور علم (Knowledge) بہت وسیع ہونا چاہیئے دینی بھی اور دنیوی بھی نیز اسے انسانی نفسیات کا بھی علم ہونا چاہیے یہ اس لئے کہ کسی بھی شخص کے لئے اپنے مسلک کو چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ قرآنِ کریم نے بار بار آسمان و زمین اور کائنات پر غور و خوض کی دعوت دی اور مسلمانوں کو سائنسی علوم سیکھنے کی طرف متوجہ کیا لیکن موجودہ دور میں سائنس اور تکنیکی (Technical) نیز دیگر

فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ

تو سزا دو تم اسی قدر اس کی کہ ایذاء دیئے گئے ہو تم (جتنی) اور البتہ اگر صبر کرو تم

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے اور صبر کر اور نہیں ہے صبر تیرا مگر

جدید علوم پر غیر کو بے پناہ دسترس حاصل ہے۔ گزشتہ زمانہ کے مسلمان علماء امام غزالی، امام رازی، ابن تیمیہ نیز سیّد محمود آلوسی بغدادی جو قرآن و سنت کے متبحر عالم ہونے کے علاوہ فلسفہ وہیت کے بھی ماہر عالم تھے۔ بوعلی سینا حاذق طبیب تھے، جابر بن حیان سائنسدان، ابنِ رشد فلاسفر، ابنِ ہشام مشہور مورخ جبکہ ابنِ خلدون معروف مورخ اور فلاسفر تھے۔ ان تمام نابغہ روزگار ہستیوں نے اُس دور کے علوم میں کمال حاصل کیا اور مخالفین کا زور توڑا اور لوگوں کو اسلام کا قائل کیا۔ آج مغربی اقوام کو قائل کرنے کے لئے ایک داعی الی اللہ کو سائنس اور دیگر جدید علوم کی تحصیل از حد ضروری ہے تا کہ سائنسی نظریہ سے بھی، قرآنی حقائق کو ثابت کیا جا سکے۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو جاری کیا۔ پس تقریر عمدہ اور اثر کرنے والی ہو جو طبیعت پر بار نہ گزرے۔ بحث یا مناظرے میں ذاتی حملے، الزام تراشی اور ہٹ دھرمی سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ آخر میں بتایا کہ تم تبلیغ اور وعظ و نصیحت کو جاری رکھو۔ ہدایت دینا یا نہ دینا خدا کا کام ہے۔

۱۲۷۔ **عَقَب** پاؤں کا پچھلا حصہ ہے اس کی جمع عقاب ہے جو فعلِ بد کے پیچھے اس کی سزا آتا ہے۔ مطلق سزا یا دکھ کے معنی بھی دیتا ہے۔

تبلیغِ حق کے تعلق میں فرمایا کہ بیشک کسی کی زیادتی پر کسی حد تک جواب دینے یا برابر کا بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن خیر بدلہ نہ لینے اور صبر کرنے میں ہی ہے۔ یہاں صاف بتلا دیا کہ عنقریب دعوت الی اللہ کے جرم میں کفار تم پر تلوار اٹھائیں گے جیسا کہ مدینہ میں ہوا۔ عقاب کا لفظ بتا رہا ہے کہ تمہیں ان کے حملہ کے بعد اپنے دفاع کی اجازت ہو گی۔ تاہم مقدم صبر کو ہی رکھا۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ عنقریب تمہیں اس قدر غلبہ نصیب ہو گا کہ ان کے مظالم اور زیادتیوں کا بدلہ لینے پر قادر ہو گے لیکن اُس وقت بھی تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ انتقام سے بچو۔ درگزر کرو اور صبر سے کام لو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے موقع پر نہ صرف صبر کا مظاہرہ کیا بلکہ بے حد احسان کا سلوک فرمایا۔

۱۲۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکارمِ اخلاق پر فائز ہونا اس آیت سے عیاں ہے۔ دُکھ پر دُکھ جھیل

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا
ساتھ اللہ کے اور نہ غم کر ان پر اور نہ ہو تو تکلیف میں اس سے جو
يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ
وہ تدبیر کرتے ہیں یقیناً اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جنہوں نے تقویٰ کیا اور ان لوگوں کے جو کہ
هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۶ ۹ ۲۲
احسان کرنے والے ہیں

رہے ہیں۔اپنے جانی دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے ہر قسم کی ایذا رسانی کو حوصلے سے برداشت کر رہے ہیں لیکن اس صبر کے نتیجہ میں جب انذاری پیشگوئیاں نازل ہوتی ہیں تو دشمنوں کی تباہی کی خبر سے سخت بے چین ہو جاتے ہیں۔یہانتک کہ اس صدمہ میں اللہ جلّ شانہٗ اپنے حبیب ﷺ سے اظہار ہمدردی فرماتا ہے۔فرمایا تیرا غم تو اتنا شدید ہے کہ اللہ کی توفیق اور مدد سے ہی صبر ممکن ہے۔پس ان کی حالت پر غم نہ کھا اور ان کی تدبیروں سے تکلیف محسوس نہ کر کہ مبادا اپنی تدبیروں کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ جائیں۔

۱۲۹۔اس وقت جب آپ ﷺ کفار پر آنے والی تباہی کی خبر سے سخت غمگین تھے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی دلجوئی فرمائی،متقین اور محسنین کے لئے اپنی معیت کی بشارت دی۔پس جسے اللہ کی معیت نصیب ہو جائے اسے اور کیا چاہیے۔یہاں متقین و محسنین کی پہچان بھی بتا دی کہ اللہ کی معیت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے۔اس طرح آئندہ فتوحات کی بشارت بھی فرما دی۔غرض پہلی منزل تقویٰ ہے۔اس کے بعد محسنین کا مقام ہے۔تقویٰ کے معنی بدی کی باریک راہوں سے بچنے کے ہیں ورنہ عام گناہ چوری،بدنظری اور زنا وغیرہ ایک عارف کی نظر میں ہنسی کے قابل ہیں۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کا فرمان اختصار سے بیان کرتی ہوں آپ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اَن گنت دفعہ مجھے وحی ہوئی ہے شاید دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو۔اس سے غرض یہی ہے کہ اس بات پر فریفتہ نہ ہو جانا کہ ہم اس جماعت میں شامل ہیں۔اللہ کی نصرت و معیت اس وقت ملتی ہے۔جب اس کی راہ میں کامل صدق اور وفاداری دکھائے۔یہانتک کہ جان تک دینے کو تیار ہو۔اور پھر بنی نوع کی خدمت کرے۔ایسے ایک بندے کی خاطر لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں لیکن یہ سب اللہ کے فضل کے سوا میّسر نہیں۔پس تقویٰ میں حقوق اللہ اور احسان میں حقوق العباد کو بیان کر کے اس سورۃ کا اختتام ہُوا۔(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام مرتبہ ابو المنیر نورالحق جلد پنجم صفحہ۱۸۴۔۱۸۵)

☆☆☆

سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ بنی اسرائیل۔یہ سورۃ مکی ہے،بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو بارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

سورۃ بنی اسرائیل کو سورۃ اسراء بھی کہتے ہیں۔مفسرین کی تحقیق کے مطابق کل مکی سورتیں ۸۶ ہیں۔سورۃ بنی اسرائیل پچاسویں نمبر پر ہے۔اس کا نزول قریباً ۹ سال نبوت سے شروع ہو کر ۱۰سال نبوت تک ہے جبکہ بارہ آیتیں مدنی ہیں۔گویا یہ سورۃ نحل سے پہلے کی سورۃ ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی مضمون کے لحاظ سے ترتیب میں سورۃ نحل کے بعد رکھی۔سورۃ نحل میں مسلمانوں کی ترقی و فتوحات کی خبر دی تھی۔اس سورۃ میں اشارہ کیا کہ مسلمانوں کو دوسری حکومتوں کے علاوہ ان ممالک کا حکمران بھی بنایا جائے گا جہاں یہود کی حکومت تھی۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس سورۃ میں یہود کا ذکر ہے اور اس میں یہود کی دو خاص نافرمانیوں کا ذکر کیا جس کی وجہ سے یہ قوم دو مرتبہ عذاب میں مبتلا ہوئی اور ساتھ ہی مسلمانوں کی تباہی کے دو زمانوں کی طرف بھی اشارہ کیا۔گو آپ ﷺ کا سلسلہ یہود کے قدم بقدم چلے گا مگر ان تباہیوں کے بعد قرب قیامت میں جو حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ ہو گا سخت عذاب آئے گا اور خدا کے فرشتوں اور ابلیس میں سخت جنگ ہو گی۔(یوحنا باب۱۲ آیت ۷تا۱۰) بالآخر آدم کے متبعین کو غلبہ نصیب ہو گا جو انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔"مسلمانوں کا دین سے غفلت کرنا ان کے زوال کا موجب ہُوا ہے۔جب وہ دین کو مضبوط پکڑیں گے تو پھر خدا تعالیٰ ان کو وہی عظمت اور شان و شوکت اور جلال اور حکومت عطا فرمائے گا جو ان کو پہلے دی گئی تھی"،آپ نے فرمایا"اے تمام لوگو! سن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے کہ جس نے زمین و آسمان بنایا۔وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا۔اور حجت اور برہان کی رو سے سب پر ان کو غلبہ بخشے گا۔دنیا میں یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت سے یاد کیا جائے گا۔خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالے گا اور ہر ایک کو جو اس کے معدوم کرنے کی فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا اور یہ غلبہ ہمیشہ رہے گا۔یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی ---------
(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴،۶۵)

اس سورۃ کو اسراء سے شروع کر کے بتایا کہ آنحضرت ﷺ جو مثیلِ موسیٰ ہیں ان کو موسیٰؑ کے جانشین مقرر کیا جائے گا اور ان مقامات پر آپ ﷺ کو بھی حکومت دی جائے گی جن کا موسیٰؑ اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے وعدہ تھا۔موسیٰؑ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کرنی پڑے گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی کا ذریعہ ہو گی۔پھر حضرت موسیٰؑ کا تفصیلاً ذکر کیا کہ موسیٰؑ کی قوم دنیوی ترقی میں دین سے غافل ہو گئی اور سخت سزا پائی۔اس پورے قصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی آئندہ تاریخ بیان فرمائی۔سورۃ کے آخر میں آخری زمانہ کی علامات بتائیں اور اس شر سے بچنے کا ذریعہ دعا کو بتلا کر سورۃ کو ختم کیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ

پاک ہے وہ جو لے گیا بندہ اپنے کو ایک رات مسجد

الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ

الحرام سے تا مسجد اقصیٰ وہ (مسجد) کہ برکت دی ہم نے اردگرد اس کے

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۲ وَاٰتَيْنَا

تاکہ دکھائیں ہم اسے نشانیاں اپنی یقیناً وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے اور دی ہم نے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا،بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔**اسرٰی بہ** اس کو رات کو لے گیا۔رات کو سیر کرائی۔**مسجدالحرام**۔خانہ کعبہ۔ **مسجد الاقصا**۔بہت دور کی مسجد۔بیت المقدس جسے بائبل میں ہیکلِ سلیمانی کہا گیا دور کی روحانی مسجد مراد ہے۔

اسرٰی ایک روحانی سفر تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے بیت المقدس تک گئے۔جبکہ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں کی سیر کروائی گئی (سورۃ النجم)اس وقت یروشلم میں کسی مسجد کا وجود نہیں تھا۔ ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات تھے جن پر کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔حضرت عمرؓ نے اس کی بنیادیں تلاش کروا کر ان کھنڈرات پر مسجد اقصیٰ کی تعمیر فرمائی۔اس رکوع میں واقعہ اسراء کا بیان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد اقصیٰ کی طرف جانے میں ہجرتِ مدینہ اور مسجد نبوی کی طرف اشارہ تھا نیز یہ بھی اشارہ تھا کہ یہ مقامات مسلمانوں کو ملنے والے ہیں۔ساتھ ہی قومِ موسیٰ کی دو دفعہ خاص سرکشیوں اور اس کے نتیجہ میں دو دفعہ کی تباہیوں کے ذکر میں مثیلِ موسیٰ کی امت پر ہونے والے واقعات کی طرف اشارہ کیا۔تاوہ ان غلطیوں سے بچیں۔

سورۃ نحل کے آخر میں اہلِ کتاب کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ حق کی طرف بلانے کا ذکر تھا اس لئے اس سورۃ میں یہود سے خطاب فرمایا۔جبکہ اس سے اگلی سورۃ یعنی سورۃ کہف میں نصارٰی سے خطاب ہے۔حضرت مصلح موعودؓ نے قرآن و احادیث سے ثابت کیا کہ معراج اور اسراء الگ الگ واقعات ہیں۔دونوں چونکہ رات کو ہونے والے زبردست قسم کے کشوف تھے اس لئے بعض صحابہ نے دونوں کے لئے اسراء یا معراج کا لفظ استعمال کیا۔معراج کا ذکر سورۃ نجم میں ہے

جو شوال ۵ نبوت کو نازل ہوئی۔اس میں بیت المقدس کی طرف جانے کا ذکر نہیں نیز یہ کہ دو معراج دو دفعہ ہُوا۔اوّل نبوت کے بالکل ابتدائی ایام میں، جب نمازیں فرض ہوئیں دوئم پانچویں سال نبوت میں جبکہ اسراء قریباً بارھویں سال نبوت میں ظہور میں آیا۔یعنی ہجرت سے چند ماہ یا ایک سال پیشتر جبکہ حضرت خدیجہ وفات پا چکی تھیں اور آپ ﷺ اپنی چچا زاد بہن امِ ہانی کے گھر قیام پذیر تھے جو حضرت ابو طالب کی صاحبزادی تھیں۔اس میں بیت المقدس کی طرف جانے کا ذکر ہے۔آسمان پر جانے کا کوئی اشارہ نہیں اور یہ بھی غلط ہے کہ آپ ﷺ جسد عنصری کے ساتھ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کشف تھا جو نورانی وجود کے ساتھ ہُوا۔آیت ۶۱ میں اسے رویا کہا گیا۔ازواجِ مطہرات اور بہت سے صحابہ نے گواہی دی کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک چارپائی پر موجود رہا۔بخاری میں معراج کے واقعہ کا پورا ذکر کرکے **ثُمَّ استیقظَ** کے الفاظ آئے یعنی پھر آپ ﷺ جاگ اٹھے۔اس واقعہ کی صحیح تفصیل ابنِ جریر میں انس بن مالک کی روایت سے ملتی ہے۔ جو مختصراً یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پاس جبریلؑ براق لے کر آئے۔جس پر سوار ہو کر آپ ﷺ روانہ ہوئے۔راستے میں ایک جانب آپ ﷺ نے ایک بڑھیا کھڑی دیکھی۔آپ ﷺ نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو جبریلؑ نے کہا چلئے چلئے اے محمد ﷺ! پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کو کھڑے دیکھا جو آپ ﷺ کو بلا رہا تھا۔ جبریلؑ نے آپ ﷺ کو بولنے سے منع فرمایا۔پھر آپ ﷺ کو کچھ لوگ ملے جنہوں نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔اس پر جبریلؑ نے سلام کا جواب دینے کو کہا۔پھر آپ ﷺ کو ایسی ہی ایک اور جماعت ملی۔جس نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔یہانتک کہ آپ ﷺ بیت المقدس تک پہنچے اور آپ ﷺ کے سامنے جبریلؑ نے تین پیالے پیش کئے۔ایک پانی کا ایک شراب کا اور ایک دودھ کا۔آپ ﷺ نے دودھ لے کر پی لیا۔جبریلؑ نے کہا! آپ ﷺ نے فطرت صحیحہ کو پا لیا۔اگر آپ ﷺ پانی پیتے تو آپ ﷺ بھی غرق ہوتے اور آپ ﷺ کی امت بھی غرق ہوتی۔اگر شراب پیتے تو آپ ﷺ بھی گمراہ ہوتے اور آپ ﷺ کی امت بھی گمراہ ہوتی۔پھر آپ ﷺ کے سامنے حضرت آدمؑ اور دوسرے انبیاء لائے گئے جنہوں نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ چونکہ یہ ایک تعبیر طلب عظیم الشان کشف تھا۔اس لئے جبریلؑ نے ان نظاروں کی تعبیر کی جو راستے میں دیکھے تھے۔فرمایا بوڑھی عورت دنیا تھی جس نے آپ ﷺ کو بلایا۔دنیا کی عمر بھی اسی قدر باقی ہے جو اس بڑھیا کی عمر سے باقی ہے۔راستے میں کھڑا شخص ابلیس تھا جس نے آپ ﷺ کو بلایا۔ جنہوں نے سلام کیا وہ انبیاء تھے۔حضرت مصلح موعودؓ نے یہاں نہایت لطیف تشریح فرمائی اور بتایا

کہ آپ ﷺ نے بوڑھی عورت کو پہلے دیکھا۔جس کی تعبیر دنیا تھی۔اس کے مقابلہ میں پہلے پانی کا پیالہ پیش ہُوا۔پانی کی تعبیر بھی دنیا ہے (سورۃ کہف۔۴۶) راستے میں کھڑا شخص شیطان تھا۔جبکہ شراب شیطانی کاموں پر دلالت کرتی ہے۔(المائدہ۔۹۱) آخر میں انبیاء نے سلام کیا۔دودھ کا پیالہ بھی آخر میں پیش ہُوا۔جس کی تعبیر ہے کہ آپ ﷺ کی امت علوم الٰہیہ سے حصہ لیتی رہے گی اور جس سے بچی رہے گی۔غرض اس نہایت عظیم کشف میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت پر آنے والے واقعات کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔سب سے پہلے آپ ﷺ نے یہ کشف امّ ہانی کو بتایا۔انہوں نے لوگوں کو سُنانے سے منع کیا تا ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ ﷺ کو جھٹلائیں۔لیکن آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا۔حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب (قریش نے معراج کے بارے میں میری تکذیب کی) میں مقامِ حجر میں کھڑا ہُوا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کردیا۔میں بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا اور ان کے جواب دے رہا تھا۔(متفق علیہ) اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی بیت المقدس کے کچھ آثار تھے۔واپسی پر آپ ﷺ نے دیکھا کہ ایک قافلہ مکّہ کی طرف آ رہا ہے اور ان کا ایک اونٹ گُم ہوگیا ہے جسے وہ تلاش کر رہے ہیں آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ بھی بتایا۔چند دن بعد وہ قافلہ پہنچا تو انہوں نے آپ ﷺ کی بات کی تصدیق کی کہ واقعی ان کا ایک اونٹ راستہ میں گُم ہوگیا تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ نے اس عظیم کشف کی تعبیر یہ بتلائی کہ رات کو آپ ﷺ کے جانے میں مدینہ کی جانب ہجرت کا اشارہ تھا جو رات کو ہوئی۔امام راغبؒ نے بھی اس سے مراد مدینہ لیا ہے جو مکّہ کے شمال میں قریباً اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر ہے۔بیت المقدس سے مراد مسجد نبوی تھی۔جسے بیت المقدس سے زیادہ عزت و برکت دی جانے والی تھی۔ اور اس کے شہر مدینہ کو یروشلم سے زیادہ برکت ملنے والی تھی۔البتہ مسجد حرام قبلہ اوّل اور ارکانِ حج کی وجہ سے سب سے زیادہ محترم ہوگی۔پس مسجد حرام تمام مساجد سے اور مکّہ تمام شہروں سے افضل ہوگا۔تمام انبیاء کی امامت میں دوسری اقوام میں اسلام کے پھیلنے کی بشارت تھی۔جو مدینہ میں پوری ہوئی اور اسلام کی اشاعت تمام معلوم دنیا میں ہوئی۔نیز انبیاء کی امامت میں رسول اللہ ﷺ کو بطور پیشگوئی آپ ﷺ کی بعثت ثانیہ کا نظارہ دکھایا گیا جب تمام انبیاء کی جماعتیں آپ ﷺ کے غلام کے ہاتھ پر بیعت کرکے آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھیں گی انشاء اللہ۔یہ بھی اشارہ ہے کہ بیت المقدس کا علاقہ آپ ﷺ کو ملے گا کیونکہ یہود و نصاریٰ اس پاک سرزمین کے وارث ہونے کے لائق نہیں رہے تھے۔چنانچہ

مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا
موسیٰ کو کتاب اور بنایا تھا ہم نے اسے ہدایت (کا ذریعہ) بنی اسرائیل کے لیے ہو کر نہ

تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۳ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ
بناؤ سوائے میرے کوئی کارساز اے اولاد ان لوگوں کی جنہیں سوار کیا ہم نے ساتھ نوح کے

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝۴ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي
یقیناً وہ تھا بندہ شکرگذار اور یقینی طور پر بتا دیا تھا ہم نے بنی اسرائیل کو (ان کی)

حضرت عمرؓ کی خلافت میں ۱۶ ہجری میں بیت المقدس فتح ہوا اور وہاں اسلامی پرچم لہرایا۔اس طرح گزشتہ صحائف کی باتیں پوری ہوئیں کہ اولادِ ابراہیم کی دوسری شاخ بھی ان تمام برکات اور اس سرزمین کی وارث ہو گی۔۱۹۴۷ء تک وہاں مسلمانوں کی حکومت رہی۔صرف صلیبی جنگوں کے زمانہ میں عیسائی باون سال کے لئے اس پر قابض رہے۔بیشک بعض پیشگوئیوں کے تحت یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔لیکن بعض دوسری پیشگوئیوں کے مطابق یہ علاقہ انشاء اللہ مسلمانوں کو واپس ملے گا۔اس کشف میں رات کو آپ ﷺ کو لے جانے میں ایک تاریک زمانہ کی طرف بھی اشارہ تھا۔جب آپ ﷺ کے تابع وجود سے دنیا پھر اس تاریکی سے نکل کر روشنی کی طرف ہدایت پائے گی اور ان برکات سے حصہ لے گی جو انبیاء بنی اسرائیل اور ان کے اتباع کو ملی تھیں۔جن کی طرف سورۃ **الجمعۃ** میں اشارہ ہے اور جن کے معنی صحابہ کے استفسار پر آپ ﷺ نے یہ فرمائے تھے کہ یہ میرے مہدی کی جماعت ہو گی۔

لنریہ من اٰیٰتنا ط میں بتایا کہ یہ ہجرت مدینہ کا سفر ہمارے نشانوں کو پورا کرنے والا ہو گا۔بیشک اللہ اپنے بندوں کی دعائیں سننے والا، اور ان پر رحمت کی نظر رکھنے والا ہے گویا ان کی نگہداشت کرنے والا ہے۔

۳۔واقعہ اسراء میں آپ ﷺ کو بیت المقدس اور اس کے گرد کا بابرکت علاقہ ملنے کا اشارہ کر کے فوراً حضرت موسیٰؑ کی تعلیم کا اصل الاصول بتایا جسے یہود فراموش کر چکے تھے یعنی خدا پر توکل کرنا اور اس کے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا۔اس طرح مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم نے بھی یہود کی روش اختیار کی اور احکامِ الٰہی سے روگردانی کی، اسے چھوڑ کر دوسروں کا سہارا ڈھونڈا تو یہ بابرکت علاقہ تم سے بھی چھین لیا جائے گا۔

۴۔بنی اسرائیل کو یاد دلایا کہ تم جو ایک بہت ہی شکر گزار بندے کی ذریت میں سے ہو۔ تم پر بھی ان تمام نعمتوں کا شکر واجب تھا۔اگر اس عبد شکور پر ایمان لانے والوں کو طوفان سے بچایا

الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا
کتاب (یعنی توریت) میں البتہ ضرور فساد کرو گے تم (اس) ملک میں دو مرتبہ اور البتہ ضرور سرکشی کرو گے تم سرکشی

كَبِيْرًا ۝۵ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا
بڑی پس جب آیا وعدہ پہلے مرتبہ کا ان دو میں سے بھیجے ہم نے تم پر بندے

لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ
اپنے جنگ جو سخت سو وہ گھس گئے درمیان (تمہارے) شہروں کے اور ہو گیا

وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝۶ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ
وعدہ پورا پھر دوبارہ دیا ہم نے تمہیں غلبہ ان پر اور

تھا تو تمہیں فرعون کے مظالم سے چھٹکارا بخشا تھا۔لیکن افسوس تم نے اپنے ربّ کو نہ اپنا کارساز سمجھا اور نہ اس کے شکر گزار بندے بنے۔پس اپنی زیادتیوں اور سرکشیوں کی وجہ سے اس بابرکت علاقے کے وارث بننے کے اہل نہیں رہے۔اب تمہاری تمام ترقیات اسی سے وابستہ ہیں کہ خدائی نوشتوں کے مطابق اس آنے والے نبی کی کامل اتباع کر کے خدائی نعمتوں کے وارث بنو۔

۵۔**قضینآ**۔قضا۔ایک بات کا قطعی فیصلہ کر دینا۔کھول کر بیان کر دینا۔**تعلُنّ**۔علو۔ بلند ہونا۔تکبر اور سرکشی کرنا۔**تعلُنّ**۔تم ضرور سرکشی کرو گے۔

توریت میں بنی اسرائیل کے مظالم، سرکشیوں اور باغیانہ اطوار کی وجہ [illegible] آنے والی دونوں شدید تباہیوں کی خبر خوب کھول کر وضاحت سے بیان کر دی گئی تھی (کتاب استثنا۔باب ۲۸۔ ۲۹۔۳۰) تا اپنی اصلاح کر کے اس عذاب سے بچ سکیں۔لیکن انہوں نے اس پیشگی تنبیہ سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور موردِ عذاب الٰہی ہوئے۔چونکہ مثیلِ موسیٰ اور اس کی قوم کو ان تمام برکتوں کا وارث بنایا جانے والا تھا اس لئے انہیں متنبہ کرنا مقصود تھا کہ تم قومِ موسیٰ کی طرح ظلم و فساد اور سرکشی اختیار نہ کرنا کہ تم پر بھی ویسی تباہیاں آئیں۔یہاں بنی اسرائیل کے دو مرتبہ فساد کرنے کا ذکر کیا۔ان فسادات کے نتیجہ میں شدید تباہیوں کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

۶۔**جاسوا۔جَاسَ**۔بار بار آنا جانا۔گھس جانا۔اسی سے جاسوس ہے۔سورۃ مائدہ ۷۹: سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل پر پہلی سخت تباہی حضرت داؤدؑ کے بعد اور دوسری حضرت عیسیٰؑ کے بعد آئی۔بائبل کے مطابق حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل طاقتور ہوتے گئے۔یہانتک کہ چار سو سال بعد یعنی قریباً ایک ہزار سال قبل مسیح حضرت داؤدؑ نے ایک مستحکم حکومت کی بنیاد رکھی۔حضرت سلیمانؑ کے عہد میں یہ ایک وسیع اور عظیم الشان سلطنت تھی۔اس زمانہ کو بنی اسرائیل کا سنہری زمانہ

کہا جا سکتا ہے۔ان پر دنیوی آسائشیں اور نعمتیں اپنے کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔آپ نے ہیکل
کی نہایت شاندار تعمیر کروائی۔اسے سونے،چاندی اور جواہرات سے مرصّع کیا گیا۔ان
انعامات کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف انبیاء ان کی اصلاح کے لئے اور انہیں شریعت موسوی پر
کرنے کے لئے آتے رہے لیکن یہ قوم بار بار شرک، ظلم،فساد اور سرکشی پر مائل رہی۔حضرت
نے شریعت موسوی پر عملدرآمد نہ کرنے اور اس کی حکم عدولی کی وجہ سے انہیں آنے والی
تباہی سے خبردار کر دیا تھا۔لیکن وہ اپنی سرکشی میں اتنے بڑھ چکے تھے کہ انہوں نے ان انذار کی
پرواہ نہ کی۔آخر اس تباہی سے عین پہلے یرمیاہ نبی نے بھی انہیں ان کی بداعمالیوں کی پاداش
آنے والے عذاب سے ڈرایا(یرمیاہ۔ باب ۷)لیکن یہ اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی چلے گئے۔جب
حجت تمام ہو گئی اور ان کی ہدایت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو حضرت داؤدؑ کے چار سو سال بعد
یعنی قریباً چھ سو سال قبل مسیح بابلیوں نے بخت نصر (جسے نبوکدنضر بھی کہا گیا) کے تحت ایک زبردست
جنگجو فوج کے ساتھ یروشلم پر حملہ کیا(سلاطین۔۲۵) یہ افواج ان کے گھروں میں گھس گئیں،خوب
تباہی مچائی،قتل و غارت کا بازار گرم ہُوا اور انہیں نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیا۔یروشلم کی اینٹ
سے اینٹ بجا دی۔ہیکل سلیمانی کو جلا کر راکھ کر دیا اور توریت کے تمام نسخے نظرِ آتش ہوئے۔جنہیں
بعد میں انبیاء بنی اسرائیل نے مرتب کیا۔حملہ آور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو قید کر کے بابل لے
گئے جن میں سے دس قبیلے افغانستان اور کشمیر کی طرف بھاگ گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔یہاں حملہ
آوروں کو **عبادًا لّنا** کہا۔یہ اللہ کا دستور ہے کہ فاسق قوم اس کے حکم سے ہی تباہ ہوتی ہے اور
بعض دفعہ بدلوگ بھی خدا تعالیٰ کی تقدیر کے تحت سزا دینے پر مامور کر دیئے جاتے ہیں۔بابلیوں
کی قید میں بنی اسرائیل نے قریباً سو سال تک بے حد سختیاں جھیلیں یہانتک کہ پہلی سرکش قوم ختم
ہوئی اور ان کی اولادیں اپنے انبیاء دانیالؑ،حزقیلؑ اور ارمیاہؑ کی دعاؤں اور کوششوں سے آزادی
حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔یہ اس طرح ہُوا کہ بابل کی حکومت کمزور ہو گئی۔بحکمِ الٰہی انبیاء
بنی اسرائیل نے خفیہ طور پر خورس (سائرسؔ) شاہ میدو فارس کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا جو بابل پر
حملہ کرنا چاہتا تھا۔یہ نیک دل بادشاہ ذوالقرنین کے نام سے مشہور ہے۔(تفصیل کے لئے سورۃ
الکہف آیت:۸۴)چنانچہ میدو فارسؔ کے بادشاہ نے باہر سے حملہ کیا اور وہ بنی اسرائیل کی اندرونی
امداد اور کوشش سے فتحیاب ہوا۔اس فتح کی خوشی میں نہ صرف بنی اسرائیل کو آزادی ملی۔بلکہ شاہ فارس
(شاہِ ایران) نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر نو میں بھی مدد دی۔(عزرا باب ۱ آیت ۲۔۳۔۷۔۸)یہ واقعات

اَمۡدَدۡنٰکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَجَعَلۡنٰکُمۡ اَکۡثَرَ نَفِیۡرًا ﴿۷﴾ اِنۡ

مدد دی ہم نے تم کو ساتھ مالوں اور بیٹوں کے اور کر دیا ہم نے تم کو زیادہ لشکر میں اگر

شروع قرآن میں ہاروت و ماروت کے قصہ میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔تمام قرآنی واقعات
مسلمانوں کو سبق سکھانے کے لئے تھے۔لیکن افسوس مسلمان یہود کے قدم بقدم چلے۔یہود کی طرح
ہی خدائی احکام سے روگردانی کی اور ظلم و معاصی میں یہود کو بھی پس پشت ڈال دیا۔جب مسلمانوں
پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے تباہی کا پہلا وعدہ پورا ہُوا اور تاتاریوں نے تباہی مچائی تو عباسی خلیفہ
نے اس زمانہ کے ایک ولی اللہ سے اس عذاب کے ٹلنے کی دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ
مسلمانوں کو بچالے وہ بزرگ تمام رات دعا کرتے رہے۔صبح انہوں نے خلیفہ کو کہلا بھیجا کہ ساری
رات میری دعاؤں کے جواب میں متواتر یہی الہام ہوتا رہا۔**اَیّھا الکفّارُ اقتل الفجارُ**۔کہ اے
کفار فجار کو قتل کرو۔گویا اس وقت مسلمانوں کو فجار کہا اور انہیں سزا دینے کے لئے کفار کو مامور فرمایا۔
فاعتبروا یٰاُولی الابصار۔اس وقت عباسیوں کی زبردست سلطنت تھی اور ان کا اثر و رسوخ
چین تک پھیلا ہوا تھا۔لیکن جب فسق و فجور حد سے بڑھ گیا تو ان کی تباہی ہلاکو خان کے ذریعہ ہوئی
جس نے اٹھارہ لاکھ مسلمان صرف بغداد اور اس کے گرد ونواح میں قتل کئے۔ایک ہزار شاہی افراد جو
درمیان سلطنت خیال کئے جا سکتے تھے زندہ دیوار میں چنوا دیئے گئے۔ہزاروں عورتوں کی بے حرمتی
کی گئی۔بغداد کے نادر کتب خانوں کی تمام کتابیں تین جہازوں میں بھر کر غرق کر دی گئیں۔اس
قیامت خیز تباہی سے عباسی خاندان کے چند افراد ہی جان بچانے میں کامیاب ہو سکے جن میں
ریاست بہاولپور کے والیانِ ریاست بھی ہیں۔پھر اللہ نے رحم کیا اور ہلاکو خان کا پوتا مسلمان ہو گیا
اور ترک حکومت کی بنیاد پڑی۔بیشک بیت المقدس دو بار تباہ ہُوا لیکن بیت الحرام کے لئے اللہ تعالیٰ
کا وعدہ ہے کہ اس کی حرمت قائم رہے گی اور دجّال کبھی اس کے اندر داخل نہیں ہو سکے گا۔

۷۔**رددنا**۔ہم نے پھیرا۔**کرّۃ** (کرّ) ایک بار پھر کر آنا۔اسی سے تکرار یا مکرر وغیرہ
ہے۔**کرّتین**۔دو بار۔یہاں مراد ان کا دوبارہ غلبہ ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی اسیری سے رہائی اور دوبارہ بحالی کی خبر استثنا باب ۳۰
آیت ۱ تا ۵ میں دی تھی۔جب بنی اسرائیل سو سالہ آزمائشوں کے بعد اپنی بداعمالیوں پر تائب
ہوئے۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نحمیاہ نبی کی قیادت میں دوبارہ یروشلم میں آباد کیا اور ہیکل سلیمانی کی
دوبارہ تعمیر ہوئی۔(نحمیاہ۔ باب ۱۔۲۔) عزرا نبی نے بنی اسرائیل کی اصلاح اور تعلیم و تربیت فرمائی

أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ
نیکی کرو گے تم تو نیکی کرو گے جانوں کے لیے اپنی اور اگر بدی کرو تم تو انہیں کیلئے ہے

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا
پھر جب آیا وعدہ دوسری مرتبہ کا تاکہ وہ (دشمن) بگاڑ دیں چہروں کو تمہارے اور تاکہ داخل ہوں

الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا
مسجد (یعنی بیت المقدس میں) جیسا کہ داخل ہوئے تھے اس میں پہلی دفعہ اور تاکہ ہلاک کریں وہ اسے کہ جس پر غالب آئیں

تَتْبِيرًا ﴿٨﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا ۘ وَ
خوب ہلاک کرنا (اب بھی) ممکن ہے رب تمہارا کو رحم کرے تم پر اور اگر پھر کرو گے (بدی) تم تو پھر دینگے ہم

اور شریعت موسوی کی تجدید میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ وہی عزرا نبی تھے جنہیں یہود خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے اعدا پر غلبہ کی طاقت عطا فرمائی۔ تمہارے مالوں اور اولاد میں برکت ڈالی اور تمہیں پھر ایک مضبوط قوم بنا دیا۔ حضرت مسیح موعودؑ سے بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ”میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا۔۔۔۔“ (تذکرة صفحہ ۱۴۱)

۸۔ **لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُم** ۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارے چہرے بگڑ جائیں گے۔ وجوہ سے مراد معززین بھی ہیں۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہو گا کہ تمہارے معزز لوگ ذلیل ہوں گے۔

پہلے ایک عام قانونِ الٰہی بتایا کہ اگر نیکی اور بھلائی کرو گے تو خود ہی فائدہ اٹھاؤ گے اور اگر بُرائی کرو گے تو اس کی سزا بھی خود ہی بھگتنی ہو گی۔ اس کے بعد دوسری عظیم تباہی کا ذکر کیا جو قوم یہود کے حضرت عیسیٰؑ پر مظالم کی وجہ سے بطور سزا ۷۰ء میں ٹائٹس رومی کے حملہ سے ہوئی جس سے معززین ذلیل ہوئے۔ اُسے اطلاع ملی تھی کہ یہودی رومی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اس نے زبردست حملہ کر کے یروشلم پر سخت تباہی مچائی۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا زیر لفظ جیوز)(Encyclopedia Britannica Under The Title Jews) فصیل شہر کو زمین بوس کر دیا۔ ان کے معبد میں سؤر کی قربانی دی۔ یہود سؤر سے سخت نفرت کرتے تھے اور اس کا نام بھی نہ لیتے تھے۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر کے اس کا نام و نشان ایسا مٹایا کہ وہ پھر کبھی آباد نہ ہو سکا۔ یہانتک کہ حضرت عمرؓ نے اس کی بنیادیں تلاش کر کے مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر فرمائی۔ حملہ آوروں نے عوام و خواص پر ایسے مظالم توڑے جن کے تصور سے انسانیت کانپتی ہے۔ اس قتلِ عام میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب یہودی مارے گئے، بے شمار قیدی بنائے گئے۔ اس تباہی کے

جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿٩﴾ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي
(ہم) سزا اور بنایا ہے ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ یقیناً یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے

بعد یہود دوبارہ وہاں آباد نہیں ہو سکے۔ بیشک آج وہاں یہود کی حکومت ہے لیکن یہ عارضی ہے۔ ضرور ہے کہ گزشتہ صحیفوں اور قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق قبلہ اوّل پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے لیکن اس کے لئے احکامِ خداوندی پر کماحقہٗ عمل پیرا ہونا شرط ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو حالات بنی اسرائیل پر گزرے ضرور ہے کہ تم پر بھی گزریں۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے (بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم) پس جس طرح مسیح ناصری کی تکذیب اور آپ پر مظالم کی وجہ سے یہود پر یہ دوسری تباہی آئی اسی طرح مسیح محمدی کی تکذیب، آپ اور آپ کے متبعین پر مظالم کی وجہ سے بھی ایک شدید تباہی مسلمانوں کے سر پر [illegible] ہے۔ کاش یہ سمجھیں۔ اس صدی کے وسط میں مسلمانوں سے ارضِ مقدس کا چھن جانا اور یہود کی حکومت قائم ہو جانا بھی کم تباہی نہیں۔

مسلمانوں کے خلاف اسرائیل کی حکومت کے خطرناک عزائم یہیں پر ختم نہیں ہو جاتے۔ اس کے توسیع پسندانہ عزائم نہایت خطرناک ہیں۔ اس نے اسرائیل کی پارلیمنٹ عمارت پر مستقبل کی اسرائیلی ریاست کا جو نقشہ بنا رکھا ہے، خاکم بدہن اس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور عر[illegible] سارا علاقہ شامل ہے۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ ان کے بزرگوں کی ہڈیاں مدینہ میں دفن ہیں اس لئے وہ اس مقدس شہر پر قبضہ کرے گا۔ آج اسرائیل امریکہ کا سب سے بڑا ایجنٹ ہے۔ امریکہ اسی پروگرام کے تحت خلیج کے علاقہ میں جنگ کر کے اپنا فوجی اثر و رسوخ بڑھا رہا ہے تا کہ اسرائیل کے لئے پیش قدمی کے مواقع فراہم کر سکے اور عالمِ اسلام امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر (New World Order) کا شکار ہو جائے۔ کاش مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور وہ اپنے اختلافات مٹا کر، متحد ہو کر اس تباہی سے بچنے کے لئے تجاویز سوچیں اور ان پر عمل کریں جو ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ جبکہ علمائے پاکستان کی ساری کوششیں صرف احمدیوں کے خلاف جاری ہیں کہیں جھوٹے مقدمات میں ملوث کرنے کی کوشش ہے۔ کہیں مار دھاڑ کر کے انہیں ان کی جائیدادوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔

۹۔ **حَصِيرًا** ۔ حصر۔ روکنا۔ **حصیرًا** ۔ روکنے والا۔ قید خانہ۔

دونوں تباہیوں میں بنی اسرائیل کی کامل تباہی کا ذکر کر کے پھر اپنے بندوں پر رجوع برحمت فرماتا ہے کہ پہلے انبیاء کی تکذیب اور اپنی سرکشی کی سزا تم دیکھ چکے ہو۔ اس نبی اُمّی کے

لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

اس (راہ) کی جو سب سے زیادہ درست ہو اور خوشخبری دیتا ہے مومنوں کو وہ جو کہ کرتے ہیں

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا

نیکیاں کہ ان کے لیے اجر ہے بڑا اور یقیناً وہ لوگ جو نہیں

ع ۱۱ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَيَدْعُ

ایمان لاتے آخرت پر تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے عذاب دردناک اور بلاتا ہے

لئے متعدد پیشگوئیاں اب بھی توریت میں موجود ہیں۔(استثناء باب ۳۳۔آیت ۱ تا ۳) اس نبی کے
تم منتظر تھے اور جانتے تھے کہ اب تمہاری تمام ترقیات اس پر ایمان لانے سے وابستہ ہیں۔
کیوں اسلام میں داخل ہو کر اللہ کے فضلوں کے وارث نہیں بنتے۔ہاں اگر پھر وہی تکذیب انبیاء
والی روش اختیار کی تو اللہ کی طرف سے بھی ویسی ہی سزا مقدر ہو گی۔پہلے بائبل کے وعدے تھے
اب قرآنِ کریم کا وعدہ ہے جس میں مسلمان بھی مخاطب ہیں کہ اگر غلبہ پانے کے بعد بھی ویسے ہی
اعمال کے مرتکب ہوئے تو فلسطین کی طرف نہیں جہنم کی طرف لے جائے جاؤ گے۔

گویا یہود کے ذکر میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ فرمائی کہ قرآنِ کریم،احادیث اور کتب سابقہ
کے مطابق آخری زمانہ میں تکذیبِ مسیح کے جرم میں مسلمانوں کے لئے بھی ایک دوسری شدید تباہی
مقدر ہے۔جس کے آثار شروع ہو چکے ہیں۔خدا کرے وہ اس سے بچاؤ کی تجویز سوچیں اور جماعت
مسیح موعود پر بے جا مظالم سے باز آجائیں۔قرآنِ کریم کی آخری سورتوں میں یہ تشریح آئے گی۔

۱۰۔**اقوم**۔وہ راہ جو منزلِ مقصود تک پہنچانے میں قریب ہو،آسان ہو اور خطرات سے
خالی ہو(قرطبی) سب سے زیادہ قائم رہنے والی۔

جب اسلام کی دعوت دی تو ساتھ ہی قرآنی تعلیم پر بھی روشنی ڈالی۔آیت: ۲ میں توریت کو
بنی اسرائیل کے لئے ہدایت کا ذریعہ بتایا تھا۔یہاں قرآنِ کریم کی ہدایت کو کسی خاص قوم سے مختص
نہیں کیا بلکہ بتایا کہ یہ قرآن تمام لوگوں کو راہ دکھاتا ہے اور یہ راہ **اقوم** ہے یعنی پہلی تمام راہوں
سے زیادہ مضبوط،سیدھی اور کامل ہے۔پس اس پر محض ایمان لانا کافی نہیں بلکہ اجرِ عظیم کی بشارت
پانے کے لئے اعمالِ صالحہ کی شرط بھی ہے۔گویا یہ قرآن انسان کو اعلیٰ درجہ کے روحانی کمالات اور
اخلاقِ فاضلہ سے متصف کرتا ہے جس کا بدلہ دنیا میں بھی عظیم ہو گا اور آخرت میں بھی۔

۱۱۔مومنین کا ذکر ہے جو آخرت کے منکر نہیں۔اس لئے آخرت سے مراد اخیر میں ظاہر
ہونے والی باتیں بھی ہیں جن کا انکار عذابِ الیم کا موجب ہو گا۔یومِ آخرت پر ایمان کا انسان

الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

انسان برائی کو جیسا کہ وہ بلاتا ہے بھلائی کو اور ہے انسان

عَجُوْلًا ﴿۱۲﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ

بہت جلد باز اور بنایا ہم نے رات اور دن کو دو نشان سو مٹا دی ہم نے نشانی

کے اعمال پر خاص اثر پڑتا ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں کہ یومِ آخر پر ایمان کا دعویٰ تو
سب کرتے ہیں لیکن اعمال ایسے ہوتے ہیں۔گویا کبھی مرنا ہی نہیں۔(حقائق الفرقان جلد دوم) پس
جو اقوام خود کو کسی کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتیں وہ حکومت اور سلطنت کے نشہ میں احکامِ خداوندی کو
پس پشت ڈال کر عیش و عشرت میں غرق ہو جاتی ہیں بقولِ شاعرِ مشرق۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

پس کسی بھی قوم کو کبھی بھی اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔اس کا آسان طریق
یہی ہے کہ ہمیشہ یہ حقیقت مدِ نظر رہے کہ ہمیں اپنے ربّ کے حضور ہر عمل کا جواب دینا ہے۔پس
عدل و انصاف پر قائم رہتے ہوئے بنی نوع کی بھلائی اور ہمدردی کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیئے ورنہ
یہ حکومتیں چھن جائیں گی اور ذلالت ان کا مقدر ہو گی۔جیسا کہ اس صدی میں مسلمانانِ عالم کا حال
ہے کہ باوجود مغربی تسلط سے آزادی حاصل کر لینے کے ان کی نبض اب بھی مغربی اقوام کے ہاتھ
میں ہے۔معاشی طور پر اب بھی ان کے دست نگر ہیں۔بے حساب دولت،ان گنت نفری اور سامانِ
حرب کے باوجود چند یہود سے پٹ رہے ہیں اور آپس کے نفاق کی وجہ سے ذلیل ہو رہے ہیں۔
کاش یہ سمجھیں۔

۱۲۔پچھلے رکوع میں بنی اسرائیل کی تباہیوں کا ذکر تھا۔اس رکوع میں بتایا کہ انسان مفادِ
عاجلہ کے حصول میں دکھ کو دعوت دیتا ہے۔نیز یہ کہ قہری عذاب نازل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ
رسول کو بھیج کر اتمامِ حجت کرتا ہے۔اس آیت کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ انسان شر کی طلب اس طرح
کرتا ہے جس طرح خیر کی۔جیسے یہ کہنا کہ اگر کل کوئی تباہی آنی ہے تو آج ہی آ جائے۔وجہ یہ ہے
کہ انذاری پیشگوئیوں پر یقین نہیں۔یہ اُس وقت کا نقشہ بھی ہے جب قومیں ترقی کی راہوں پر گامزن
ہوتی ہیں تو حکومت کے چند سرکردہ افراد بنی نوع انسان کی بہبود سے بے پرواہ ہو کر ذاتی حرص اور
لالچ کے اسیر ہو جاتے ہیں۔اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لئے مال سمیٹنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔
بظاہر تو وہ اپنے لئے بھلائی کے ہی دعویدار ہوتے ہیں۔لیکن حقیقت میں شر کو دعوت دے کر اپنی

الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ
رات کی اور بنایا ہم نے نشان کو دن کے دکھانیوالا تاکہ تلاش کرو فضل

رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ۖ وَكُلَّ شَیْءٍ
رب کا اپنے اور تاکہ جان لو تم گنتی سالوں کی اور (جان لو) حساب اور ہر چیز

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا (١٣) وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ۖ
تفصیل کی ہے ہم نے اسکی خوب تفصیل اور ہر آدمی کو لگا دیا ہم نے اسے اعمال نامہ اس کا گردن میں اس کی

وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا (١٤) اِقْرَاْ
اور نکالیں گے ہم اس کیلئے بروز قیامت ایک کتاب پائے گا اسے کھلا ہوا پڑھ

تباہی کے سامان کررہے ہوتے ہیں۔پس سربراہانِ مملکت کے لئے لازم ہے کہ ہمہ وقت خدائی احکام کے مطابق زندگی بسر کرکے اس حدیث پر عمل پیرا ہوں کہ **سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ**۔(بخاری) یعنی قوم کا سردار قوم کا خادم ہے تا ان کی حکومت پر خدائے عزوجل کا سایہ رہے، جو اصل ہے۔چونکہ پچھلے رکوع میں قرآنِ کریم کا ذکر تھا جو انسان کو بھلائی کی راہیں بتاتا ہے اس لئے یہ معنی ہوں گے کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان قرآنی راہیں اختیار کرکے خیر کا طالب ہوتا اور اس کا انجام بخیر ہوتا۔لیکن وہ اپنی فطری جلد بازی کی وجہ سے مفادِ عاجلہ یعنی دنیوی فوائد کے پیچھے بھاگتا ہے۔اس طرح گویا شر کا طالب ہو جاتا ہے۔

١٣۔یہاں عام معانی کے علاوہ یہ معنی بھی ہیں کہ نبی سے پہلے کا زمانہ لیل سے مشابہ ہوتا ہے۔جس میں مصائب اور جہالت کا دور دورہ ہوتا ہے۔جبکہ نبی کی آمد نہار سے مشابہ ہے۔جب اللہ کے فضلوں کی بارش ہوتی ہے۔قوموں کی تباہی کی خبروں کے بعد تسلی دی کہ ہر اندھیری رات کے بعد روشن دن طلوع ہوتا ہے۔پس ضرور ہے کہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت بحال ہو۔جس کے لئے قرآن و حدیث کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح محمدیؑ مبعوث ہوئے۔جس طرح مادی آسمان سے سالوں کی گنتی اور حساب وابستہ ہے اسی طرح روحانی آسمان سے روحانی حساب اور علومِ اجاگر ہوں گے۔قرآنِ کریم میں ہم نے ہر شے کو خوب کھول کر بتا دیا ہے۔کسی معاملہ میں ابہام کا پہلو نہیں رکھا۔اب فائدہ اٹھانا بندوں کا کام ہے۔

١٤۔**الزمنٰه۔(لزم)** ہم نے اسے لازم کیا۔اسی سے الزام وغیرہ ہے۔طائر کے لفظی معنی پرندہ کے ہیں۔استعارةً مراد انسان کا عمل ہے۔(اقرب) کیونکہ ہر عمل خواہ نیک ہو یا بد وقوع کے بعد اڑ جاتا ہے۔یعنی انسان کے اختیار سے نکل جاتا ہے۔اس لئے طائر کہا البتہ اس عمل کے

كِتٰبَكَ ۖ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا (١٥) مَنِ
کتاب اپنی کافی ہے نفس تیرا آج تجھ پر حساب لینے والا جس نے

اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا
ہدایت پائی تو سوائے اسکے نہیں کہ اس نے ہدایت پائی واسطے نفس کے اپنے اور جو گمراہ ہوا تو سوائے اسکے نہیں

یَضِلُّ عَلَیْهَا ۖ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۖ وَمَا كُنَّا
کہ وہ گمراہ ہوتا ہے اپنے خلاف ہی اور نہ بوجھ اٹھائیگی بوجھ اٹھانے والی (جان) بوجھ دوسری کا اور نہیں ہیں ہم

مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (١٦) وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ
عذاب دینے والے یہاں تک کہ مبعوث کریں کوئی رسول اور جب ارادہ کرتے ہیں ہم کہ ہلاک کریں ہم

اثرات اور نتائج انسان کے لازمِ حال رہتے ہیں۔گویا گردن کے طوق کی طرح اس سے لپٹے رہتے ہیں اور الگ نہیں ہوتے۔تاہم یہ سب کچھ دنیا میں انسان کی آنکھ سے اوجھل رہتا ہے لیکن قیامت کے دن اس اعمال نامہ کو ایک کھلی ہوئی کتاب کی صورت پائے گا جو اس کی گردن سے لٹکی ہوگی۔

١٥۔دنیا میں تو انسان کا نفس بعض اوقات اسے دھوکا دیتا ہے اور اسے اپنی برائیاں نظر نہیں آتیں لیکن قیامت کو اپنا اعمالنامہ دیکھ کر اس کا نفس ہی اس کے محاسبہ کے لئے کافی ہوگا۔کاش اس نے دنیا میں ہی اپنا محاسبہ کر لیا ہوتا تا آخرت کی رسوائیوں سے بچ جاتا۔جیسا کہ حدیث ہے **مَنْ حَاسَبَ نفسهٗ فی الدنیا لم یحاسبهٗ فی الاُخرة**۔کہ جو شخص دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے گا آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کسی قسم کا محاسبہ نہیں ہوگا۔(مفردات راغب صفحہ ١١٠٨)

١٦۔یہاں کفارہ کا بھی ردّ ہوا کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔فرمایا ہم ہرگز عذاب نہیں بھیجتے جب تک کوئی رسول نہ بھیج لیں حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "حوادثاتِ طبعی یا عذابِ الٰہی" میں اس آیت کی نہایت عمدہ تفسیر فرمائی ہے جو مختصر طور پر یہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت سے قبل بھی عذاب آتے رہتے ہیں جیسا کہ کفارِ مکہ کا قول قرآنِ کریم میں درج ہے کہ اچھے بُرے دن تو آتے ہی رہتے ہیں (سورة الاعراف:٩٦) دراصل ایک حوادثاتِ طبعی ہیں اور ایک عذابِ الٰہی۔بعض اعمال کے طبعی نتائج یا حوادث کا عذابِ الٰہی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ہر طبعی حادثہ یا تغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا حکم نہیں رکھتا۔ہاں بعض اوقات بعض عذاب حد سے بڑھی ہوئی بداعمالیوں کی وجہ سے بطور تنبیہ کسی شخص یا قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ان کے لئے عمومی انتباہ آسمانی صحیفوں میں موجود ہیں۔یہاں خاص طور پر قہری عذاب کا ذکر ہے کہ جب کسی قوم کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کرنے کا

فیصلہ کرتا ہے تو اتمامِ حجت کے لئے نبی ضرور مبعوث کرتا ہے۔جو تبلیغ کا حق ادا کرتا ہے اور عذاب
الٰہی واقع ہونے سے پہلے عذاب کی پیشگوئیوں سے وضاحت کے ساتھ عذاب کا نقشہ کھینچ دیتا ہے
لیکن مکذبین تکذیبِ انبیاء کے علاوہ ان خدائی فرستادوں اور ان کے اتباع کو شدید مظالم کا نشانہ
بناتے ہیں۔تب عذابِ الٰہی اس طرح آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صاف صاف بچا لیتا
ہے۔منکرین ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور اپنے کمزور ترین بندے کو غالب کر دیتا ہے۔تاہم ہر نبی
کے لئے ایسا ضروری نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سردار تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین تو زیادہ سزا کے اہل تھے لیکن
اُن پر قہری عذاب نہیں آئے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین
جنگوں میں ہلاک ہوئے یا توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو گئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عذاب نہ
آنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالمی نبی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوئے
تھے۔جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آدھی دنیا پردے میں تھی۔ذرائع رسل و رسائل کی کمی کی وجہ
سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا۔آج مختلف ذرائع ابلاغ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دنیا کے کونے کونے
تک پہنچ چکا ہے۔قرآنِ کریم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد آیات اس طرف دلالت کرتی
ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین پر آخری حجت پوری کرنے کے لئے آخری زمانہ میں بہت سے
نشانات اور عذاب مقدر ہیں جن میں سے بعض کا تعلق آگ سے ہے اور بعض زلزلوں سے
مشابہت رکھتے ہیں اور بعض اپنی وسعت اور قوت میں ایسے عظیم الشان ہوں گے جو پہاڑوں کی
طرح بڑی بڑی عظیم الشان اور قوی ہیکل قوموں کو آنِ واحد میں ملیامیٹ کر دیں گے۔ان کی
عظمتیں خاک میں مل جائیں گی یہاں تک کہ یا تو وہ ایمان لانے پر مجبور ہوں گے یا عملاً دنیا سے
نیست و نابود کر دیئے جائیں گے(طٰہٰ ۱۰۶ تا ۱۰۹)اسی کتاب میں آپ رقمطراز ہیں کہ چار معروف
عناصرِ طبعی مٹی،پانی،ہوا اور آگ میں پہلے تینوں عناصر گزشتہ قوموں پر تکذیبِ انبیاء کے جرم میں
عذاب کی صورت نازل ہوئے لیکن آگ کا عذاب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلسل
انکار کے نتیجہ میں آئندہ قوموں کو دیا جانا مقدر تھا(سورۃ الھمزہ)یہ ایٹمی تباہ کاریاں ہیں جو اپنی
موجد قوموں سمیت سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔سوائے خدائے رحیم کے خاص بندوں کے

قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا
کسی بستی کو ہلاک کرتے ہیں ہم مالداروں کو اس کے جس پر وہ نافرمانی کرتے ہیں اس میں پھر پوری ہو جاتی ہے اس پر
الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿١٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ
عذاب کی بات پھر برباد کرتے ہیں اُسے اچھی طرح برباد کرنا اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے قومیں
مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا
بعد نوح کے اور کافی ہے رب تیرا گناہوں کی بندوں کے اپنے خوب خبر رکھنے والا
بَصِيْرًا ﴿١٨﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا
خوب دیکھنے والا جو شخص کہ ہے چاہتا دُنیا جلدی کرتے ہیں ہم اسکے لیے اس میں

...مومنین کو بچانے کا وعدہ اس نے خود فرمایا ہے۔بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام ؎

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار (درثمین)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے سے ہی ان امور کے متعلق خبر دار کر دیا تھا کہ اسلام
کے غلبہ نو کا دور شروع ہو چکا ہے۔اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امن بخش تعلیم کے سامنے
دنیا نے سرِ تسلیم خم نہ کیا تو اللہ تعالیٰ پے در پے عذابوں سے اس دنیا کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر خوابِ غفلت
سے بیدار کرے گا۔یہ سلسلہ جاری رہے گا اور ختم نہ ہو گا جب تک کہ اسلام کو آخری غلبہ اور قطعی
عالمگیر غلبہ نصیب نہ ہو جائے۔آپ نے فرمایا”میں بڑے زور سے اور پورے یقین اور بصیرت
سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دوسرے مذاہب کو مٹا دے اور اسلام کو غلبہ اور قوت
دے۔اب کوئی ہاتھ اور طاقت نہیں جو خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کا مقابلہ کرے وہ **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ**
ہے“۔(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۴۱ مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۴)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن تک رسول کی آواز نہ پہنچے ان کے لئے کیا حکم ہو گا۔
سو جن تک تبلیغ نہیں پہنچی ان کا مواخذہ اس روشنی میں ہو گا جو عقل و فطرت کے ذریعہ ان کو دی گئی۔
یا وہ اہل کتاب جو یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں۔اگر انہیں تبلیغِ حق نہیں پہنچی یا پہنچانے والا قائل
نہیں کر سکا تو ان سے ان کی اپنی شریعتوں کے مطابق مواخذہ ہو گا۔یومِ آخر پر ایمان کی شرط اس
لئے لگائی کیونکہ یومِ آخرت پر ایمان انہیں گناہوں سے بچاتا ہے۔

۱۷۔۱۸۔قرآنِ کریم ہرگز کسی کو فحشاء کا حکم نہیں دیتا۔**اَمَرْنَا** کا ترجمہ سیاق و سباق کے
مدِ نظر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمۃ القرآن کلاسز M.T.A کے مطابق یہ ہو گا۔

مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا
جتنا چاہتے ہیں ہم جس کے لیے پسند کرتے ہیں ہم پھر بنا دیں گے ہم اس کے لیے جہنم داخل ہوگا اس میں

مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿١٩﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا
مذمت کیا ہوا دھتکارا ہوا اور جس نے چاہا آخرت کو اور کوشش کی اس کے لیے

جب تک کوئی قوم اپنی بدکرداریوں میں اپنی استطاعت کی انتہا تک نہیں پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ بلکش
سلوک فرماتا ہے اور نہیں پکڑتا۔ جب رسولِ وقت کی دن رات کی تبلیغی جدّ و جہد کے باوجود
حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ تو تقدیرِ الٰہی **اَمَرنَا** کی صورت نافذ ہوتی ہے۔ ان کے آسودہ حال
لوگ فسق و فجور میں اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں جہاں سے واپسی کا راستہ نہیں ہوتا۔ تب ان پر
جرم عائد کر دی جاتی ہے۔ پھر مہلت نہیں ملتی اور پوری طرح تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ انبیاء
کی تکذیب پر قوموں کی ہلاکت کوئی نئی بات نہیں۔ تاریخِ عالم اس پر گواہ ہے۔ شروع سورۃ آیت ۳
میں قوم نوحؑ کی ہلاکت اور مومنوں کے بچائے جانے کا ذکر گزر چکا ہے جو **دمّرنٰھا تدمیراہ**
کی صحیح تفسیر ہے۔ یہاں نوحؑ کے بعد کی اقوام کا ذکر کیا۔ جو تکذیبِ انبیاء کی پاداش میں ہلاک
ہوئیں۔ پس تیرا ربّ خوب جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ وہ اِن بداعمالیوں پر کس طرح خاموش رہ
سکتا تھا۔

۱۹۔ یہاں ان کے اصل مرض کی نشاندہی بھی فرمادی کہ تکذیبِ انبیاء کی اصل وجہ مفاد
عاجلہ کی ہوس اور آخرت سے لاپرواہی ہے جس کا نتیجہ جہنم ہے۔ جس میں ملامت زدہ اور دھتکارا
ہوا داخل ہو گا۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ محض دنیوی نعمتیں اور دنیوی عروج و کمال خدا کا فضل
قرار نہیں دی جاسکتیں۔ کیونکہ اگر کسی کی کوشش کا محور صرف دنیا ہے اور وہ دنیا کے لئے بھرپور کوشش
کرتا ہے تو اسے دنیا ضرور ملتی ہے۔ **واَن لیس للانسان الاّ ماسعٰیo** (سورۃ النجم آیۃ ۴۰)
لیکن دنیا بھی اتنی ہی ملتی ہے جتنی اللہ چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں کی ساری تمنائیں کبھی بھی
پوری نہیں ہوتیں۔ پس محض دنیوی مفاد کو اپنی غرض بنا لینا اور آخرت سے آنکھیں بند رکھنا جہنم کا
مستحق ٹھہراتا ہے۔ جبکہ ایک کامل مومن دنیوی امور میں بھی رضائے الٰہی کو مدِ نظر رکھتا ہے خواہ
اسے دنیا میں خاطر خواہ اجر ملے یا نہ ملے۔ لہٰذا دینی امور کے علاوہ اس کا ہر دنیوی کام اسے اخروی
اجر کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ اس کے لئے رضائے الٰہی دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر ہے۔ یہی وہ جنت
ہے جو دنیا سے ہی شروع ہو جاتی ہے اور اسے اُخروی جنت تک پہنچاتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ

سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٠﴾
کوشش کرنا اور وہ مومن ہے تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ ہے کوشش ان کی مقبول

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ
سب کو مدد دیتے ہیں ہم ان کو بھی اور اُن کو بھی بخشش سے تیرے رب کی اور نہیں ہے بخشش

رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿٢١﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ
رب کی تیرے (کسی سے) روکی گئی ہوئی دیکھ کس طرح فضیلت دی ہم نے بعض کو ان میں سے بعض پر

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢٢﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ
اور البتہ آخرت بہت بڑی ہے درجوں کے لحاظ سے اور بہت بڑی ہے فضیلت دینے میں نہ بنا ساتھ اللہ کے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیوی طور پر بھی محروم نہیں رکھتا اور انہیں دنیا میں بھی بہت نوازتا ہے۔
حالانکہ ان کا مطمعِ نظر دنیا نہیں ہوتی۔

۲۰۔ **مشکورا**۔ شکریہ کے قابل۔ اللہ کا شکریہ اپنے بندوں پر انعام اور ان کو جزا دینا ہے۔
مذموما مدحوراًo کے مقابلہ میں وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اُخروی زندگی کو اپنا
مقصود بنا لیا اور اس کے لئے مقدور بھر کوشش کی۔ ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ اس میں بتایا
کہ مومنین کی آخرت کے لئے سعی و کوشش اور دعائیں ضرور قبول ہوں گی جو باعثِ تشکّر ہوں گی۔

۲۱۔ **محظوراً**۔ حظر۔ روکنا۔ محظورا۔ روکی گئی چیز۔
یہاں مزید وضاحت فرمائی کہ اللہ کی عطا اور بخشش کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں طبعی
قانون سب کے لئے یکساں ہے۔ وہ رحمٰن ہے سامانِ زیست کافر و مومن سب کے لئے کھلے ہیں۔
جو کوشش کرتا ہے پھل پاتا ہے۔ چونکہ مومن کے ہر کام میں رضائے الٰہی مدِ نظر ہوتی ہے۔ اس لئے
جو نصرت الٰہی اور روحانی ترقیات اسے ملتی ہیں وہ کافر کو نہیں مل سکتیں۔ آج مغربی اقوام نے خدا
تعالیٰ کے قوانین پر عمل کر کے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دنیوی طور پر خوب ترقی کی لیکن روحانی
فیوض سے بے بہرہ رہیں جو مومنین سے خاص ہیں۔

۲۲۔ دونوں گروہوں کا ذکر تھا فرمایا آخرت کے طلبگاروں کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ دنیا
بھی انہیں ملتی ہے اور آخرت بھی جبکہ محض دنیا چاہنے والوں کو ضروری نہیں کہ دنیا ملے۔ آخرت سے
تو بہرحال محروم رہیں گے۔ دنیا کے طلبگار اگر دنیوی لحاظ سے اعلیٰ ترین مقام بھی حاصل کر لیں تو
بھی انہیں آخرت کی نعمتوں کا اندازہ نہیں۔ آخرت کی زندگی تو یقیناً بہت بڑے درجات والی اور
بہت زیادہ فضیلت دینے والی ہے۔

ع ۳ ۲ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۳﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا
(کوئی) معبود دوسرا ورنہ بیٹھ رہے گا تو مذمت کیا ہوا چھوڑا ہوا اور تاکیدی حکم کیا رب نے تیرے یہ کہ
تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ اِمَّا يَبْلُغَنَّ
نہ عبادت کرو مگر اسی کی اور ساتھ ماں باپ کے نیکی (کرو) اگر پہنچ جائیں
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ
پاس تیرے بڑھاپے کو ایک ان دونوں میں سے یا دونوں ان کے تو نہ کہیو ان دونوں کے لیے اُف
وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا
اور نہ جھڑکیو ان دونوں کو اور کہہ ان دونوں کے لیے بات عزت والی اور جھکا ان دونوں کے لیے

۲۳۔**مخذولا۔(خذل)** مدد سے محروم کیا گیا۔بے یار و مددگار۔

آخرت کے درجات اور فضیلتوں کا ذکر تھا۔فرمایا وہ عقیدۂ توحید پر موقوف ہیں جیسے اعمال صالحہ کے اجر میں آخرت کی ترقیات و درجات کا شمار نہیں۔اسی طرح شرک کے جرم میں آخرت کی ذلتوں اور رسوائیوں کا بھی حساب نہیں۔یہاں سے آیت ۳۱ تک ذاتی نوعیت کے احکام ہیں اس لئے خطاب واحد صیغہ میں کیا گیا ہے۔

بقول حضرت مصلح موعودؓ (ازتفسیر کبیر) کسی کی ترقی و تنزل اُسی کے ساتھ ہے جس کے ساتھ وہ وابستہ ہے۔پس جو توحید پر قائم ہو کر اللہ کے ساتھ وابستہ ہوں گے۔وہ روحانی ترقی میں بڑھتے چلے جائیں گے۔وہ جو معبودانِ باطلہ سے وابستہ ہوں گے۔وہ انہیں کے ساتھ بیٹھے رہیں گے۔چونکہ اونچا ہونے کی ان میں سکت نہیں اس لئے بجائے روحانی ترقی کے تنزل کی انتہاء گہرائیوں میں ڈوبتے چلے جائیں گے۔

جہاں تک دنیوی ترقی کا سوال ہے وہ بھی کسی مشرک قوم نے کبھی اپنے مشرکانہ اصولوں پر چل کر حاصل نہیں کی۔بلکہ ہمیشہ ان اصولوں سے ہٹ کر عمل کرنے سے حاصل کی ہے۔جیسا کہ عیسائی مذہب کا انتہائی نرم قانون کہ اگر کوئی ایک تھپڑ مارے تو دوسرا گال آگے کر دو۔ان کی عملی زندگی میں کبھی کام نہیں آیا یا ہندو مذہب کے انتہائی ظالمانہ قوانین کہ اگر شودر گیتا سن لے تو اس کے کانوں میں گرم سیسہ ڈال دو۔آج ان کے لئے بھی قابلِ عمل نہیں۔

۲۴۔**تنھر۔نھر** عام ہے جس میں پانی روکا جاتا ہے۔روکنے اور ڈانٹنے کے معنی دیتا ہے۔**اُفٍّ** میں تحقیر ہے اور **تنھر** میں سختی۔

اس رکوع اور اس سے اگلے رکوع میں توریت کی کل تعلیم یعنی دس احکام بیان فرمائے۔یہ

بنیادی احکام قریباً قریباً ہر مذہب میں موجود ہیں۔جنہیں قرآنِ کریم نے سورۃ الانعام رکوع ۱۹ میں مجمل طور پر بیان کیا۔جبکہ یہاں صرف پندرہ آیات میں توریت کے مقابلہ میں خوب شرح و بسط کے ساتھ نہایت اعلیٰ و اکمل انداز سے بیان فرمایا۔چونکہ توحید ہی اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہنچاتی ہے اس لئے قرآنِ کریم اور توریت میں سب سے مقدم حکم توحید کا قیام اور شرک سے بیزاری ہے۔یہاں بھی پہلا حکم توحید کا اور آخری شرک سے اجتناب کا ہے۔جہاں روحانی ترقی توحید سے وابستہ ہے وہاں مادی ترقی یعنی سائنسی ترقی اورایجادات وغیرہ بھی عقیدۂ توحید سے وابستہ ہیں۔کیونکہ اگر خدائے واحد کا منظم و مربوط اور کبھی نہ بدلنے والا قانون نہ ہوتا تو سائنسی علوم تو کجا اس کائنات کا وجود بھی نہ ہوتا۔توحید کے ذکر میں ایک لطیف اشارہ کیا کہ اپنے ربّ کے احسانوں کا بدلہ تو تم دے نہیں سکتے۔پس ظلم سے بچو اور شرک نہ کرو۔ہاں والدین جو تمہارے مجازی ربّ ہیں ان کے احسانات کا بدلہ تم دے سکتے ہو۔پس ان پر احسان کرو۔اس میں یہ بھی لطیف اشارہ ہے کہ معبودانِ باطلہ کا تو تمہاری ربوبیت میں کوئی دخل نہیں۔ہاں والدین مجازی ربّ کے درجہ پر ہیں۔ان میں ربوبیت،تخلیق اور رحمت کی خدائی صفات کا پرتو پایا جاتا ہے۔گویا خدا کے بعد تخلیق و ربوبیت میں ماں باپ کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔اس لئے اگر خدا کے بعد کسی کی پرستش کا حکم ہوتا تو وہ والدین تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے شرک کی نفی فرما کر والدین پر احسان کا حکم دیا۔مشرک والدین کے لئے بھی اسی قدر احسان و فرمانبرداری واجب ہے سوائے اس کے کہ وہ کوئی غیر شرعی حکم دیں تو وہ واجب العمل نہیں ہوگا۔حدیث نبوی میں ہے کہ ایک شخص نے والدین کے حقوق کے تعلق میں پوچھا کہ اگر والدین اس پر ظلم کریں تو بھی ان کے حقوق ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا!۔اگرچہ ظلم کریں،اگرچہ ظلم کریں،اگرچہ ظلم کریں۔(بیہقی۔مشکوٰۃ)

والدین پر احسان کے حکم کے بعد وضاحت فرمائی کہ بڑھاپے میں انسان کمزور اور چڑچڑا ہو جاتا ہے اور عموماً اولاد کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔اس لئے یہی وہ وقت ہے جب خدمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ورنہ اس سے پہلے تو ایک خاص عمر تک خود والدین اولاد کی خدمت کرتے ہیں۔پس انہیں معمولی تحقیر آمیز کلمہ بھی نہ کہو۔ہر طرح سے ان کی دلداری کرو۔ان کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرو۔انہیں قولِ کریم یعنی عزت و تکریم سے مخاطب کرو۔جس میں ان کی بزرگی کا لحاظ ہو۔غرض والدین کی نافرمانی گناہِ کبیرہ میں شامل ہے۔(بخاری) حدیث میں ہے کہ والدین سے حسنِ سلوک نماز،روزہ،حج و عمرہ اور جہاد سے افضل ہے(روح البیان) حضرت ابوہریرہؓ بیان

جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ

بازو اطاعت کا رحمت سے اور کہہ اے رب میرے رحمت کر ان دونوں پر جیسا کہ انہوں نے پرورش کی

صَغِيْرًا ﴿۲۵﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا

میری بچپن میں رب تمہارا خوب جانتا ہے اسے جو دلوں میں ہے تمہارے اگر ہو گے تم

کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔مٹی میں ملے اس کی ناک،مٹی میں ملے اس کی ناک،مٹی میں ملے اس کی ناک(یعنی ایسا شخص سخت قابلِ مذمت اور بدقسمت ہے)جس نے اپنے بوڑھے والدین کو پایا اور پھر ان کی خدمت نہ کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکا۔(مسلم کتاب البرو الصلة ۔باب رغم انف من ادرك ابويه) بیہقی میں ہے کہ تمام گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔لیکن جو شخص ماں باپ کی نافرمانی اور دلآزاری کرتا ہے اس کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفات میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

۲۵۔**وَاخفض۔خَفَض**۔نیچا کرنا۔**جَنَاح**۔بازو۔پَر۔**اَجنحة**۔جمع۔

گزشتہ مضمون کی مزید وضاحت فرمائی کہ بڑھاپے میں والدین گویا بچوں کی طرح محتاج ہو جاتے ہیں اور انہیں ویسے ہی پیار و محبت،خدمت اور دلجوئی کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح بچپن میں خود انہیں تھی۔بوڑھے والدین کو محض پیار و رحمت کی نظر سے دیکھنا بھی بہت بڑے ثواب کا موجب بنا دیتا ہے۔حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو نیک اولاد اپنے والدین کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتی ہے اس کی ہر نظر کے بدلے اس کے لئے مقبول حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔صحابہؓ نے کہا اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ایسی نظر ڈالے تو فرمایا ہاں اللہ سب سے بڑا اور پاک ہے(یعنی ایسا اجر دینا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں)(مشکوۃ کتاب الادب باب البر و الصلة) قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کی روشنی میں اس حدیث کا یہ مطلب بھی ہے کہ اگر اولاد حج کی نیت رکھتی ہو مگر والدین کی خدمت کی وجہ سے عملاً حج نہ کر سکتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔بوڑھے والدین کی پرورش صرف اشرف المخلوقات کا ہی خاصہ ہے ورنہ بچوں کی پرورش تو جانور بھی کرتے ہیں۔پس عجز و نیاز سے ان کے آگے کندھے جھکائے رکھ یعنی تذلل اور رحمت کے جذبہ کے تحت ان کے سامنے عاجزانہ رویہ اختیار کر۔تمہاری رحمت کافی نہیں،ان کے لئے دعا کرتا رہ کہ اے میرے ربّ!جس طرح بچپن میں انہوں نے پیار اور شفقت سے میری پرورش کی جبکہ میرے کسی عمل کی وجہ سے میرا ان پر کوئی حق نہیں تھا،تُو بھی ان کے ساتھ ویسا ہی رحم کا سلوک فرما۔

صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۶﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى

نیک تو یقیناً وہ ہے (اپنے حضور) جھکنے والوں کے لیے بہت بخشنے والا اور دے رشتہ دار کو

حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۷﴾ اِنَّ

حق اس کا اور مسکین کو اور مسافر کو اور نہ فضول خرچی کر بالکل فضول خرچی یقیناً

"اس دعا میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ جس طرح تمہارے ماں باپ نے تمہیں تمہاری کمزوری کے زمانہ میں اپنے پروں کے نیچے رکھ کر پالا تھا اسی طرح ان کے بڑھاپے میں تم انہیں اپنے پروں کے نیچے رکھو۔"(صاحبزادہ مرزا بشیر احمد تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء "ذکر حبیب") جب یہ دعا کرتا رہے گا تو انشاء اللہ اسے خدمت کی توفیق بھی ملے گی اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم بھی فرمائے گا۔والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے لئے یہ بہترین دعا ہے۔حضرت مصلح موعودؓ نے اگست ۱۹۵۴ء میں فرمایا۔اگست کے شروع میں یہ الہام ہوا **ربِّ ارحَمهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِى صَغِيرًا**o(سورۃ بنی اسرآئیل:۲۵) اے خدا! میرے والدین پر رحم کر جس طرح انہوں نے مجھے ایسی عمر میں پالا تھا جب میں کسی کام کے قابل نہ تھا۔یعنی اب جبکہ وفات کے بعد وہ نئے اعمال سے محروم ہو گئے ہیں،جس طرح میں بچپن میں اعمال سے محروم تھا تو اُس وقت جو انہوں نے میری خدمت کی تھی اب اس کے بدلہ میں تو ان کی مدد کر۔(کتاب رویا و کشوف سیدنا محمود ۱۸۹۸ء تا ۱۹۶۰ء)

احادیث میں والدین کے لئے ان کی وفات کے بعد بھی نیکی کا حکم ہے جو صدقہ و خیرات اور دعا و استغفار ہے نیز ان کے عہد کا ایفا اور صلہ رحمی کرے۔یعنی ان کی وجہ سے جو رشتے قائم ہیں ان کے حقوق ادا کرے۔ان کے دوست و احباب کا اکرام اور تواضع کرے۔(ابو داؤد کتاب الادب باب فی برالوالدین ۔ بروایت ابو اسید الساعدی)

۲۶۔**اوّابین** بمعنی **توابین** ہے۔(**اوّاب**) بار بار رجوع کرنے والے اور جھکنے والے۔بکثرت توبہ کرنے والے۔احادیث میں بعد نماز مغرب چھ نوافل اور اشراق کے نوافل کو **صلوٰۃ الاوّابین** کہا۔جس میں اشارہ ہے کہ **اوّابین** کو اس کی توفیق ملتی ہے۔

چونکہ بعض والدین باوجود خدمت و فرمانبرداری کے اولاد سے شاکی رہتے ہیں یا بعض اوقات اولاد سے ہی نادانستہ کوئی غلطی ہو جاتی ہے۔پس اللہ تمھاری نیتوں کو جانتا ہے۔صالح ہیں اس لئے ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور ان سے خدمت میں جو کمی رہ گئی ہو اُسے معاف کر دیتا ہے۔گویا ان کے لئے اللہ تعالیٰ بھی اوّاب ہو جاتا ہے۔

الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

فضول خرچ ہیں بھائی شیطانوں کے اور ہے شیطان

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ

رب کا اپنے بڑا ناشکرا اور اگر اعراض کرے ان سے چاہنے کے لیے رحمت طرف سے

رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ وَلَا تَجْعَلْ

رب کے اپنے امید رکھتا ہے تو جس کی تو کہہ انہیں بات آسان اور نہ کر

۲۷۔**تبذیرا۔ بذر** وہ دانہ ہے جو بیج کے لئے محفوظ رکھا جائے ایسا دانہ چونکہ فوری نفع نہیں دیتا اس لئے ایک ناعاقبت اندیش شخص کی نظر میں بظاہر اسے ضائع کرنا ہے۔ اس لئے تبذیر کا لفظ بطور محاورہ مال ضائع کرنے یا فضول خرچی کے لئے آتا ہے۔ پس تبذیر وہ خرچ ہے جو ناجائز اور بے محل ہو۔ اس میں اکثر دکھاوے کا پہلو ہوتا ہے۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو خوب تفصیل سے بیان کر کے بتلایا کہ ان کے بعد پہلا حق اقرباء کا ہے۔ ان کے بعد مساکین اور پھر مسافروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ گویا ہر شخص کی دولت صرف اُس کی ذات کے لئے مخصوص نہیں۔ اس میں ان سب کا حق ہے اور یہ ان پر کوئی احسان نہیں۔ پھر مال کی حفاظت کا حکم دیا اور اسے ضائع کرنے سے منع فرمایا۔ یعنی بیج کے لئے دانے بچا کر رکھنا۔ بالکل تہی دست نہ ہو جانا۔ قرآنِ کریم نے مال کی حفاظت کا ذکر ضرور کیا ہے۔ مال سے محبت کا کہیں ذکر نہیں۔ یہاں خاص طور پر واضح کیا کہ حقوق العباد ادا کرنے کے لئے خرچ کرنا فضول خرچی میں شامل نہیں۔

۲۸۔ یہاں ناجائز طور پر خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا۔ شیطان جو اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کفر کا لفظ لا کر بتایا کہ کسی بھی نعمت کو برمحل خرچ نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے اور شیطانی صفت ہے پس نعمتوں کا برمحل خرچ گویا اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔ ہمارے ہاں شادی بیاہ اور دیگر مواقع پر انتہائی فضول خرچی بھی شیطانی افعال میں داخل ہے۔ ہاں دینی ضروریات کے لئے اپنا سارا مال بھی راہِ خدا میں دے دینا تبذیر نہیں۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) امام قرطبی کے نزدیک راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرنا تبذیر میں داخل نہیں۔

۲۹۔**میسورًا۔ (یسر)** جو چیز آسان کی گئی ہو۔ **قولاً میسورًا**۔ نرم بات۔

اگر تیرا کسی حاجت مند سے اعراض اس لئے ہے کہ سردست تجھے استطاعت نہیں کیونکہ

يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

ہاتھ اپنا بند گردن کی طرف اپنی اور نہ پھیلا اسے بالکل پھیلانا

فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

ورنہ بیٹھے گا تو ملامت کیا ہوا حسرت زدہ یقیناً رب تیرا پھیلاتا ہے رزق جس کے لیے

تم اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹا چکے ہو۔ ہاں اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہو کہ وہ تجھے عنقریب کچھ دے گا۔ تو تم ان کی ضروریات پوری کر سکو گے۔ تاہم ثواب سے محروم اب بھی نہیں ہو۔ ان سے نرمی سے بات کرو۔ کیونکہ نرمی سے کلام کرنا بھی صدقہ ہے۔

حدیث میں اس آیت کے شانِ نزول میں ابنِ یزید کی روایت ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ سے مال کا سوال کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ اگر ان کو دیا جائے گا تو یہ فساد میں خرچ کریں گے۔ اس لئے آپ ﷺ ان کو دینے سے اعراض فرماتے تھے۔ یہ ان کو فساد سے روکنے کا ذریعہ تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (قرطبی)

پس اگر کسی ضرورتمند کی مدد سے اعراض اس لئے ہے کہ تم اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہوئے یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری مالی امداد اس کی بداعمالیوں میں اضافہ کا باعث ہوگی۔ تو نہایت نرمی سے سمجھا دو۔ سخت بات کہنے کی تب بھی اجازت نہیں۔ آنحضرت ﷺ کا عام طریق یہ تھا کہ کچھ نہ ہوتا تو وعدہ فرماتے کہ جونہی کہیں سے کچھ آئے گا تو دوں گا۔ آپ ﷺ قرض لے کر بھی ضرورتمندوں کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔

۳۰۔**محسورًا**۔ حسرت زدہ۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ **ملومًا** کا تعلق پہلی حالت یعنی بخل سے ہے جس کے نتیجہ میں ملامت کا مورد ہوگا۔ **محسورًا** کا تعلق دوسری حالت یعنی سخت اسراف سے ہے کہ سب کچھ لٹا کر حسرت زدہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔ ہاتھ کا گردن سے بندھا ہونا بخل پر دلالت کرتا ہے جبکہ ہاتھ کا بالکل ہی کھول دینا اسراف میں غلو ہے۔ یہاں افراط و تفریط سے بچ کر میانہ روی کی تعلیم دی جو قرآن کریم کا ہی خاصہ ہے۔ قرآن کریم پس انداز کرنے سے منع نہیں کرتا ورنہ زکوۃ اور وراثت وغیرہ کے احکام نہ ہوتے اور دینی کاموں پر خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ بچتا۔ پس برمحل اور جائز طور پر خرچ کرنے کی ترغیب دیتا ہے جب ہم نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی ذخیرہ نہیں کیا۔ نہ کل کے لئے کچھ

ع ۳ ۸ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا

چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے یقیناً وہ ہے بندوں کا اپنے خوب خبردار خوب دیکھنے والا اور نہ

بچا کر رکھا۔یہی حال حضرت ابو بکرؓ اور دیگر کئی صحابہ کرام کا تھا۔انہوں نے راہِ خدا میں کُل مال حاضر کر دیا اور بیوی بچوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا آپ ﷺ نے ان کا تمام مال قبول فرمایا جبکہ بعض دوسرے صحابہ کا سارا مال قبول نہیں فرمایا۔اس لئے کہ فراستِ نبوی سے آپ ﷺ جانتے تھے کہ وہ قربانی کے معاملہ میں آپ ﷺ اور ابو بکرؓ کے مقام پر نہیں۔انہیں اگر سارا مال راہ خدا میں دینے کے نتیجہ میں ابتلا آجائے تو وہ شکوہ کریں گے اور اپنی قربانیوں کو ضائع کر دیں گے۔پس یہ قوانین عام مومنین کے لئے ہیں جن کے لئے شروع قرآن میں **وممّا رزقنٰھم ینفقون** آیا ہے۔ آپ ﷺ عام طور پر ایک تہائی سے زیادہ قبول نہیں فرماتے تھے نیز یہ آیت عام اخراجات کے لئے ہے نہ کہ دینی ضروریات کے لئے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ دینی ضروریات کے لئے سب کچھ دے دینا بھی اسراف میں شامل نہیں۔

۳۱۔ایک رقیق القلب انسان جب کسی ضرورتمند کی مدد سے معذور ہو یا حسبِ منشا مدد نہ کر سکے تو پریشان ہوتا ہے۔ اس کو تسلی دی کہ مقدور بھر کوشش کرتا رہ لیکن اصلی حاجت روا وہی ہے جو سب کی ضرورتوں کو جانتا اور انہیں پورا کرتا ہے۔ رزق میں تنگی و کشائش بھی اسی خبیر و بصیر کی حکمت و مصلحت کے تحت ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں تشریح فرمائی تم اپنے رب کے رنگ اختیار کرو۔حکمت و مصلحت سے کام لو موقع و محل کے مطابق ضرورت ہو تو زیادہ خرچ کرو اگر کم خرچ کرنا مناسب سمجھو تو کم خرچ کرو۔**خبیرًا بصیرًا** میں اشارہ کیا کہ ان صفات کو اپنا کر بندگانِ خدا کی ضروریات پر نظر رکھو اور حسبِ توفیق پورا کرنے کی کوشش کرو۔مگر محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اپنے کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔اگر آپ ﷺ کے پاس سائل کو دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو وعدہ فرماتے یا ادھار لے کر اس کی ضرورت پوری فرماتے۔حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کچھ عطا فرمادیں۔حضور ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہیں دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں لیکن میری طرف سے اپنی ضرورت کی چیز ادھار خرید لو یہ تیرا مجھ پر قرض رہا۔ میرے پاس کوئی مال آئے گا تو میں ادا کردوں گا۔حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ اسے دے چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے وہ ذمہ داری

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ

قتل کرو اولاد کو اپنی ڈر سے خرچ ہوجانے کے ہم ہی رزق دیتے ہیں ان کو اور

اِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى

تم کو یقیناً قتل ان کا ہے غلطی بڑی اور نہ قریب جاؤ زنا کے

آپ ﷺ پر نہیں ڈالی جو آپ کے بس میں نہیں۔حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کی اس بات کو ناپسند فرمایا۔اتنے میں ایک انصاری کہنے لگا یارسول اللہ خوب خرچ کریں اور عرش والے خدا کے بارہ میں کبھی یہ نہ سوچیں کہ وہ آپ ﷺ کا ہاتھ تنگ رکھے گا۔انصاری کی یہ بات حضور ﷺ کو بہت پسند آئی اور آپ ﷺ کا چہرہ مبارک بشاشت سے کھل گیا اور مسکرا کر فرمایا۔مجھے سوچ کے اسی انداز کا حکم دیا گیا ہے۔(شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۲۔پچھلے رکوع میں دوسروں سے نیکی کی تعلیم کا حکم تھا جبکہ اس رکوع میں دوسروں سے بدی سے روکا ہے۔یہاں سے آیت ۳۶ تک کے احکام معاشرہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے جمع کے صیغہ میں خطاب کیا۔**خشیة**۔ ڈر۔ڈرنا۔**املاق**۔ مفلسی۔**خشیة إملاق**۔ مفلسی کا ڈر۔مال کو خرچ کرنے کے نتیجہ میں مفلس ہو جانے سے ڈرنا۔

یہاں اسقاط حمل (Abortion) کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اگر اس خیال سے ہو کہ آنے والے بچے کو کھلائیں گے کہاں سے۔تو کوئی صحیح الدماغ شخص اپنی اولاد کو اس لئے قتل نہیں کرتا کہ ان پر مال خرچ کرنا پڑے گا اس لئے یہاں حقیقی قتل مراد نہیں۔ حقیقی قتل کے جرم کے تعلق میں حکم آگے آئے گا۔ یہاں بخل کے ذکر میں قتل اولاد کا ذکر کیا۔پس بچوں کی صحت، تعلیم و تربیت اور ان کی جائز ضروریات پر خرچ نہ کرنا ہے نیز بلا جائز وجوہ برتھ کنٹرول یا اسقاطِ حمل بچوں کے قتل کے مترادف ہو گا۔ البتہ ماں اور بچے کی صحت کے پیش نظر مناسب وقفہ یا دیگر جائز وجوہ کی بناء پر مانع حمل (Birth Control) طریق اختیار کرنا جائز ہو گا۔ بچے کو دو سال دودھ پلانے میں بھی اشارہ ہے کہ بچوں میں تقریباً تین سال کا وقفہ ہونا مناسب ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ اس سے بڑا شرک اور نہیں کہ اگر کوئی یہ سمجھے کہ میری اولاد کا یا اور کسی کا رزق میرے مال پر موقوف ہے۔رزق کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے تو پھر کسی کو کیا فکر۔(بدر ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱۰) حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو۔کیونکہ ضرور تم اپنے کمزوروں اور غریبوں کی وجہ سے رزق دئے جاتے ہو اور مدد پاتے ہو۔

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۚ وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

یقیناً وہ ہے بے حیائی اور کیا ہی بُرا ہے راستہ اور نہ قتل کرو اس نفس کو

الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا

جسے حرام کیا ہے اللہ نے ساتھ حق کے اور جو قتل کیا جائے مظلوم تو یقیناً بنایا ہے ہم نے

(ترمذی کتاب الجہاد۔ باب ماجاء فی الاستفتاح بصعالیک المسلمین)۔ اسی لئے پہلے **نرزقہم** حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ہمیں بچوں کی پیدائش پر قدغن لگا کر اللہ تعالیٰ کی حکمتوں میں دخل دینے کا حق نہیں۔ عالمی سطح پر دیکھا جائے تو ایک حکمت یہ ہے کہ رزق کی کمی آسائش کا نظام نہ چلتا تو انسانی زندگی میں ارتقاء ممکن نہ تھا۔ ایک جگہ رزق کی تنگی ہوئی تو قوموں کو نقل مکانی ہوئی۔ نسلوں کا امتزاج ہوا اور انسانی تہذیب نے ترقی کی۔سپین میں یہود کو فاقہ کشی پر مجبور کیا گیا، زندگیوں کو بھی خطرہ درپیش تھا۔ان کا انخلا یورپ کی ترقی کا باعث ہوا۔ یہ امر وقتی طور پر تکلیف دہ ضرور ہے لیکن اس کے دور رس نتائج صدیوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ قومی سطح پر بھی عددی قوت سے کسی کو انکار نہیں۔ جماعت احمدیہ کے حوالے سے آپ نے فرمایا کہ بہت سے بڑے بڑے خاندان شروع میں معمولی لوگ تھے۔زیادہ بچوں کی وجہ سے آج تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور اعلیٰ ترین مقامات پر فائز ہیں۔ جو مختصر خاندان تھے ان میں سے اکثر مٹ گئے۔ غرض جو دنیا میں آئے گا اس کا رزق خدا پر ہے۔ تمہیں بچوں کے رزق میں تنگی کی فکر ہے، وہ تمہارا رزق بھی کم کر سکتا ہے۔ ہمیں مختلف وسائل کو بروئے کار لا کر رزق کے ذرائع کو وسیع کرنا چاہیئے۔

۳۳۔حقوق العباد کے متعلقہ احکام کے ساتھ ضمناً زنا کا ذکر کیا۔کیونکہ زنا سے حقوق العباد خصوصاً عورتوں اور بچوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ قتل اولاد کے بعد یہ آیت رکھ کر اشارہ کیا کہ زنا بھی قتلِ اولاد ہے۔ کیونکہ ایک زانی بچہ پیدا کرنے یا بچے کی کسی ذمہ داری کو قبول کرنے کے حق میں نہیں ہوتا۔ یہ صرف قرآن کریم کا ہی اعجاز اور کمال ہے کہ اس نہایت چھوٹی آیت میں نہ صرف زنا سے منع فرمایا بلکہ اس سے بچنے کا طریق بھی بتا دیا کہ اس کے مبادی سے بھی بچو۔ پس ایسے میل ملاپ اور محفلوں سے دور رہو جہاں زنا کے مواقع پیدا ہونے کا خطرہ لاحق ہو۔ پھر اس کا نتیجہ بھی بتایا کہ اس سے معاشرہ میں فحاشی اور بے حیائی پھیلتی ہے، اخلاق فاضلہ تباہ ہوتے ہیں اور مزید برائیوں کے راستے کھلتے ہیں۔ پس یہ بہت ہی بُری راہ ہے۔اس پر چلنے والا نہ صرف مالی طور پر تباہ ہوتا ہے بلکہ کئی خطرناک عوارض میں مبتلا ہو کر جسمانی طور پر خود بھی ہلاک ہوتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی ہلاک کرتا ہے۔

لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿٣٤﴾

وارث کے لیے اس کے اختیار پس نہ زیادتی کرے قتل میں یقیناً وہ ہے مدد دیا گیا

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ

اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر ساتھ اس طریقہ سے کہ جو سب سے بہتر ہو یہاں تک کہ

يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٥﴾ وَ

وہ پہنچ جائے جوانی کو اپنی اور پورا کرو عہد کو یقیناً عہد ہے پوچھا جانے والا اور

۳۴۔پچھلی دونوں آیات میں قتل اولاد اور زنا کے احکام بیان کئے گویا یہ مخفی قتل تھے۔اب ظاہری قتل کے متعلق احکام دیئے۔اگر مقتول مظلوم ثابت ہو جائے تو قاتل قرار واقعی سزا کا مستحق ہوگا۔ مظلوم ثابت نہ ہونے کی صورت میں قاتل فائدہ اٹھائے گا اور قاضی حسب حالت فیصلہ کرے گا۔

اسلامی تعلیم کی رو سے ہر نفس محترم ہے اس لئے خودکشی بھی حرام ہے۔ ولی وہی ہے جو مقتول کی وراثت کا حقدار ہے یا یہ کہ وہ خود کوئی ولی مقرر کر گیا ہو۔ شادی شدہ عورت کا ولی اس کا خاوند ہوگا۔ جبکہ بچے کا ولی باپ ہوگا۔اسلامی معاشرہ میں کسی بے گناہ کا قتل، وارث کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ اسلامی قوانین کے مطابق قاتل کو قتل کی سزا دلوائے یا قاتل سے قصاص لے یا اپنی مرضی سے معاف کر دے۔ہاں حاکم اگر ضرورت سمجھے تو باوجود ولی کے معاف کر دینے کے سزا دینے کا مجاز ہے۔کیونکہ بعض صورتوں میں قاتل کو قتل کے جرم میں قتل نہ کرنا معاشرہ میں جرائم کو بڑھانے کا موجب ہوتا ہے۔قتل میں اسراف نہ کرنے میں قاتل کے حقوق کی حفاظت ہے کہ ولی خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے آگے نہ بڑھے، قاتل کو انتقامی کارروئیوں کا نشانہ نہ بنائے۔ قاتل کو خود بغیر فیصلہ نہ قتل کرے نہ دکھ دے اور نہ ہی ایک کے بدلہ زیادہ کو قتل کرے بلکہ اگر اصلاح کی امید ہو تو قاتل کو قصاص لے کر چھوڑ دینا یا معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔ قصاص کی صورت میں اتنا خون بہا دے کہ یتیموں کا گزارہ ہو سکے۔ قاتل کے قتل یا عمر قید سے یتیموں کو کیا فائدہ ہوگا۔

۳۵۔انسان کی خاص کمزوریوں زنا اور حرصِ مال کے ذکر میں دونوں کے لئے **لا تقربوا** کہہ کر چھوٹی سے چھوٹی لغزش سے بچنے کی تاکید فرمائی۔قتل کے احکام کے بعد یتامیٰ کے حقوق بیان فرمائے۔کیونکہ قتل کی صورت میں قاتل و مقتول دونوں کے بچے عام طور پر بے سہارا رہ جاتے ہیں۔ سورۃ نساء آیت ۷ میں ان احکام کی تفصیل گزر چکی ہے۔تاہم ولی کے لئے احسن طریق یہ ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان کے اموال کو تجارت میں لگا دیا جائے۔ولی کے لئے اپنی مجبوری کی ضرورت کے سوا یتیم کے مال سے لینا جائز نہیں۔مال لوٹانے کے لئے سمجھداری کی عمر یا

اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ

پورا کرو ماپ جب ماپ کرو تم اور وزن کرو ساتھ ترازو درست کے

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ

یہ بہتر ہے اور بہت اچھا ہے انجام کے لحاظ سے اور نہ پیروی کر اس کی کہ نہیں ہے تجھے جس کا

عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ

کوئی علم یقیناً کان اور آنکھ اور دل سب ایسے ہیں کہ ہے متعلق ان کے

مَسْئُوْلًا ﴿۳۷﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ

سوال کیا جانیوالا اور نہ چل زمین میں اکڑ کر یقیناً تو ہرگز نہیں پھاڑ سکتا

جوانی کی قید لگائی جس کی حد عام طور پر اٹھارہ سال ہے۔تا کہ عقل وفکر میں پختگی پیدا ہو جائے اور اپنے مال کی حفاظت عمدگی سے کرنے کے قابل ہو جائے۔ بیشک مومن پر ہر اس وعدہ کا ایفا لازم ہے جو خلاف شرع نہ ہو۔لیکن یہاں وعدہ کے ایفا کا حکم خاص طور پر ولی کے لئے ہے۔ جب وہ ایک یتیم کی سرپرستی قبول کرتا ہے تو اللہ اور اس کے بندوں سے ایک عہد کرتا ہے۔ یہ عہد گویا ایک امانت ہے۔جس کا پورا کرنا اس پر فرض ہے۔پس ہر وقت اس کے پیش نظر یہ امر رہنا چاہئیے کہ قیامت کے دن اس عہد کی نسبت اس سے باز پرس کی جائے گی اور کسی کوتاہی یا زیادتی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

۳٦۔**تاویلاً۔تاویل** کے معنی انجام کے ہیں۔لفظی معنی پھیرنا اور درست معنی بیان کرنا ہے۔

اس رکوع میں نواہی کا ذکر ہے۔ایفائے عہد اور ماپ تول پورا دینا بھی چونکہ حق تلفی سے روکتا ہے اس لئے انہیں بھی نواہی میں شامل کیا۔یتیم کے معاملہ میں دیانتداری کے حکم کے ساتھ عام معاملات میں بھی دیانتداری کا حکم دیا کہ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی، بڑے پیمانے پر کاروبار ہو یا چھوٹے پر ایک دوسرے کے حقوق کا پورا خیال رکھو تا کہ صحیح اسلامی معاشرہ تشکیل پا سکے۔امام راغب کے نزدیک یہاں تمام اقوال و افعال میں عدل و انصاف کی رعایت رکھنا ہے۔ انجام کے لحاظ سے بہتر اس لئے ہے کہ آخرت کے اجر کے علاوہ دنیا میں بھی ایماندار تاجر گھاٹے میں نہیں رہتا۔اس کی ساکھ تجارت کے فروغ کا باعث بنتی ہے۔بد دیانتی میں لین دین کے علاوہ یہ بھی شامل ہے کہ معاوضہ پورا لینا اور کام کم کرنا یا کام پورا لینا اور معاوضہ کم دینا وغیرہ وغیرہ۔

۳۷۔**تَقْفُ۔ قفا** گردن کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں۔اتباع کرنا۔کسی کے پیٹھ پیچھے چغلی،

الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۸﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ

زمین کو اور ہرگز نہیں پہنچ سکتا پہاڑوں تک لمبائی میں سب یہ ایسے (گناہ) ہیں کہ ہے برائی ان کی

تقفُ۔تو موقف اختیار کرے۔تو پیچھے پڑے۔

غیب جوئی یا بدظنی ہے۔ یہاں نئے علوم سیکھنے یا تحقیقاتی کاموں سے منع نہیں فرمایا۔بلکہ اس کے برعکس بغیر صحیح علم اور تحقیق کے پیٹھ پیچھے بدظنی اور الزام تراشی سے منع فرمایا۔پچھلی آیات میں جان اور مال کے معاملہ میں حق تلفی سے روکا تھا۔یہاں عزت و وقار کے معاملہ میں دوسرے کی حق تلفی اور اس پر ظلم و زیادتی سے روکا گیا ہے۔نیز قرآن کریم کی اعلیٰ ترین اخلاقی تعلیم بیان فرمائی کہ محض آنکھ، کان اور دل کی شہادت کافی نہیں۔اگر کسی چیز کا قطعی علم اور ثبوت نہ ہو تو محض بدظنی کی بنا پر کسی کے بارہ میں قیاس آرائیاں کرنا ،کوئی رائے دینا یا فیصلہ کرنا سخت منع ہے۔اس طرح جھوٹی گواہی اور اوہام پرستی کا بھی رد فرمایا۔پہلے کان کا ذکر کیا کہ اکثر لوگ سنی سنائی بات کا یقین کر لیتے ہیں۔بدظنی کا دوسرا ذریعہ آنکھ ہے حقیقت تو یہ ہے کہ بعض دفعہ آنکھیں بھی دھوکہ دے جاتی ہیں حقیقت وہ نہیں ہوتی جو نظر آتی ہے۔ایک ولی اللہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص پل پر سے گزر رہا تھا۔اس نے دیکھا کہ اس زمانہ کا مشہور ولی نہر کے کنارے ایک عورت کے ساتھ بیٹھا ہے۔دونوں بہت خوش نظر آرہے ہیں اور خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔عورت صراحی سے انڈیل کر اسے گلاس بھر کر دے رہی ہے۔یہ دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوا۔ولی اللہ نے فراستِ قلبی سے پہچان لیا۔اسے پاس بلایا اور بتایا کہ یہ میری ماں ہے۔اچھی صحت کی وجہ سے اپنی عمر سے کم نظر آتی ہے۔غرض کسی کی غلط فہمی کو دور کرنا بھی کارِ ثواب ہے۔حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اپنی زوجہ مبارکہ کے ساتھ جا رہے تھے راستہ میں کوئی شخص گزرا آپ ﷺ نے اپنی اہلیہ محترمہ کے چہرے سے نقاب اٹھا کر فرمایا! کہ یہ میری بیوی ہے تا کسی غلط فہمی کا امکان نہ رہے(اکثر صحابہ نے پردہ کے حکم سے پہلے ازواجِ مطہرات کو دیکھا ہوا تھا)۔(بخاری کتاب الاعتکاف باب هل يخرج المعتكف لحوائجه۔ صفحہ ۱/۲۷۱۔ مسلم صفحہ ۲۰۲/۹)بدظنی کا تیسرا ذریعہ دل ہے یعنی اپنے دلی خیالات کی بنا پر کوئی رائے قائم کر لینا۔پس بقول حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کان اور آنکھ اور دل اور ایسا ہی تمام اعضا اور قوتیں جو انسان میں موجود ہیں ان سب کے غیر محل استعمال کرنے سے باز پرس ہو گی۔اور ہر ایک کی کمی بیشی اور افراط اور تفریط کے بارہ میں سوال کیا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۹۳ حاشیہ نمبر ۱۱)

۳۸۔**مرحاً (مَرَحَ)** شدتِ فرح سے متکبرانہ روش اختیار کرنا۔اکڑنا۔

عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿٣٩﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ

نزدیک رب کے تیرے ناپسندیدہ یہ اس میں سے ہے جو وحی کی طرف تیری رب نے تیرے

مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ

دانائی میں سے اور نہ بنا ساتھ اللہ کے معبود کوئی دوسرا ورنہ تو ڈالا جائے گا

جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿٤٠﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ

جہنم میں ملامت کیا ہوا دھتکارا ہوا کیا پس چن لیا ہے تم کو رب نے تمہارے ساتھ بیٹوں کے

وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

اور بنالیں اس نے فرشتوں سے بیٹیاں یقیناً تم البتہ کہتے ہو بات

پہلے ان اخلاق کا ذکر کیا جن کا تعلق خدا تعالیٰ سے یا انسانوں سے تھا۔اب اس خامی کی نشاندہی کی جس کا تعلق ایک انسان کی اپنی ذات سے ہے اور یہ تکبر ہے۔ایک متکبر انسان خود کو دوسروں سے ارفع و اعلیٰ سمجھتا ہے لیکن حقیقت میں اسے پستیوں پر کوئی اختیار ہے نہ بلندیوں پر۔ یہ تکبر اسے عام اخلاقی درجہ سے بھی محروم کر کے قعر مذلت کے اندھیروں تک پہنچا دیتا ہے۔تکبر محض چال تک محدود نہیں بلکہ ایک متکبر انسان کی نشت و برخاست رفتار و گفتار غرض ہر فعل اس کے تکبر کی غمازی کرتا ہے۔چونکہ وہ اپنے تئیں اعلیٰ سمجھتا ہے اور دیگر بندگانِ خدا کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اسے ذلیل کرتا ہے۔احادیث میں تکبر کی شدید مذمت آئی ہے۔ تکبر ہی تھا جس سے ابلیس راندہ بارگاہِ الٰہی ہوا۔حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہر شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا! **اللّٰہ جمیلٌ و یُحِبُّ الجمال** ۔یعنی اللہ خوبصورت ہے۔آراستگی اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔اور تکبر کہتے ہیں حق کو باطل ٹھہرانا اور لوگوں کو ذلیل و خوار سمجھنا۔(مسلم)

۳۹۔کوئی فعل بھی ہر صورت میں برا نہیں ہوتا۔ان تمام احکام میں ہر حکم کا اچھا پہلو بھی ہے اور برا بھی۔پس اللہ تعالیٰ کے احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھو ان پر غور کرو اور ہر قوت کو صحیح موقع و محل پر استعمال کرو۔ وہ ان کے صحیح استعمال سے نہیں روکتا صرف ان کے غلط استعمال سے روکتا ہے۔ پس ان تمام احکام کے برے پہلو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہیں۔

۴۰۔ان احکام کی ابتدا میں بھی توحید کا ذکر تھا آخر میں بھی توحید کا ذکر کیا جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے۔بتایا کہ یہ احکام اسی علم وحکمت کا حصہ ہیں جو تیرے ربّ نے تیری طرف وحی کی۔

ع ۴ ۱۰ ۴ عَظِيْمًا ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ

بڑی اور یقیناً یقیناً بار بار بیان کیا ہم نے اس قرآن میں تاکہ نصیحت پکڑیں

وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿٤٢﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ

اور نہیں بڑھایا نہیں (اس بات نے) مگر بھاگنے میں تو کہدے اگر ہوتے ساتھ اس کے (کئی) معبود

كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿٤٣﴾

جیسا کہ وہ کہتے ہیں تب تو ضرور وہ تلاش کر لیتے طرف عرش والے (خدا) کے راہ

۴۱۔شرک میں اتنا بڑا بول بولتے ہیں کہ جن بیٹیوں کو خود اپنے لئے باعثِ ذلت سمجھتے ہیں انہیں اللہ کی طرف منسوب کر کے ان کی پوجا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بیٹے اور بیٹی کی تخصیص نہیں کی یہ ان کی اپنی پسند ہے۔یہ جاہلانہ تصور مشرکین عرب کے علاوہ دوسری مشرک اقوام میں بھی پایا جاتا ہے۔فرمایا خدا کی طرف بیٹا یا بیٹی منسوب کرنا اس کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔

۴۲۔**صرّفنا۔صرّف**۔ بار بار بیان کرنا۔**صرّفنا**۔ ہم نے بار بار بیان کیا۔

توحید اور اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم کے بعد اس رکوع میں توحید اور ابطالِ شرک کے علاوہ آخرت پر ایمان کی اہمیت کو واضح کیا۔ کیونکہ یوم معاد پر ایمان لائے بغیر اخلاق کی تکمیل ممکن نہیں۔ قرآنِ کریم میں تکرار کی وجہ تمام ضروری امور کو مختلف پہلوؤں سے خوب کھول کر بیان کرنا ہے۔ جیسا کہ پچھلی آیات میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں اس کی رہنمائی فرمائی اور روحانی و جسمانی تربیت کے بہترین اصول بیان فرمائے تا کہ ہر طبقہ اس سے نصیحت حاصل کرے اور مستفیض ہو سکے لیکن جو منفی انداز سے سوچنے کے عادی ہیں انہیں سوائے نفرتوں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۴۳۔قرآن کریم میں تکرار مختلف مواقع پر مختلف مسائل اور ضروریات کے تحت مختلف انداز سے ہوتی ہے۔ سطحی نظر ڈالنے والا اس کی حکمتوں تک نہیں پہنچتا۔یہاں بھی ابطالِ شرک کے لئے ایک نئی دلیل پیش کی۔مومن کا مقصد حیات قربِ الٰہی کو حاصل کرنا ہے۔جبکہ مشرک کا اصل مقصد بھی بقول اس کے یہی ہے جیسا کہ (**سورۃ الزمر** رکوع ۱) میں ان کا عذر کہ یہ دیوی دیوتا محض خدا تک رسائی کا ذریعہ ہیں۔اگر ایسا ہے تو یہ مشرک ان کے وسیلے سے کیوں قربِ الٰہی حاصل نہیں کرتے؟ بقول حضرت مصلح موعودؓ (از تفسیر کبیر) خدا تعالیٰ نے قربِ الٰہی کی علامتوں میں سب سے پہلے قبولیتِ دعا کو لیا ہے۔جیسا کہ (سورۃ بقرہ رکوع ۲۳ میں) فرمایا کہ میں اپنے بندوں کے قریب

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۴﴾ تُسَبِّحُ لَهُ
پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں بلند بہت تسبیح کرتے ہیں اس کی

السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ
آسمان سات اور زمین اور وہ جو ان میں ہیں اور نہیں کوئی چیز

اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ
مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ حمد کے اس کی ولیکن نہیں سمجھتے تم تسبیح ان کی

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا
یقیناً وہ ہے بُرد بار بہت بخشنے والا اور جب پڑھتا ہے تو قرآن بنا دیتے ہیں ہم

ہوں اور پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ آج تک کسی مشرک نے اس مقام تک رسائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ جبکہ اللہ کے بے شمار مومن بندے بفضلِ تعالیٰ اس معیار پر پورے اترے ہیں۔ مقربین الٰہی کی دوسری علامت سورۃ واقعہ رکوع ۱ آیت ۲۶ میں ہے کہ وہ لغو اور گناہ کی کوئی بات نہیں کرتے اور ایک دوسرے کی سلامتی اور حفاظت کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ کسی کے لئے شر نہیں چاہتے۔ مشرک سب سے پہلے شرک کے گناہ میں ملوث ہوتا ہے۔ پھر اس شرک کی وجہ سے لغویات اور گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔ وہ کسی خدائی حفاظت کے وعدہ کا دعویدار نہیں ہوتا۔ جبکہ مقربین بارگاہ الٰہی اس پر توکل اور اس کی حفاظت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

۴۴-۴۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں آسمان کے لوگ اسی کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی۔ اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ اجرامِ فلکی میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند، خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی) تسبیح سے مراد دل سے خدا تعالیٰ کی صفات پر یقین رکھنا اور ان صفات کو اپنی ذات میں پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے جس طرح ایک شخص اگر دل میں رحمٰن خدا کا ورد کرتا ہے تو اس کے اقوال و افعال میں بھی رحمٰن خدا کی جھلک نظر آنی چاہیے۔ وہ اپنی استطاعت کے مطابق بغیر کسی معاوضہ یا درخواست کے بندگانِ خدا کی ضروریات کا متکفل ہو۔ اسی طرح دل کی گہرائیوں میں رحیم کا ورد اس کی ذات میں صفت رحیمیت پیدا کر دے اور وہ بشری حدود کے اندر رہتے ہوئے ہر حقدار کے ساتھ اس کے حق اور محنت کے مطابق عدل کا سلوک کرے۔ گویا خدا تعالیٰ کی تسبیح دراصل اس کی کامل اطاعت ہے۔ پس زمین و آسمان اور ہر شے کی طرف سے تسبیح و تحمید خالقِ دو جہاں کے احکام و قوانین کی بجا آوری ہے۔ کائنات کی ہر شے کا ایک خاص نظم و ضبط کا پابند ہونا اور سرِمو اس سے انحراف نہ کرنا

بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا
درمیان تیرے اور درمیان ان لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر پردہ

مَّسْتُوْرًا ﴿۴۶﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ
پوشیدہ اور بنا دیتے ہیں ہم دلوں پر ان کے پردے یہ کہ سمجھیں اسے

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ
اور کانوں میں ان کے گرانی ہے اور جب ذکر کرتا ہے تو رب کا اپنے قرآن میں ایک کا

وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۷﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ
پھر جاتے ہیں پیٹھوں پر اپنی نفرت سے ہم خوب جانتے ہیں اس (نیت) کو کہ وہ سنتے ہیں ساتھ

گویا زبان حال سے خالقِ کائنات کی کامل اطاعت اور اس کی حمد وثنا ہے۔ نباتات میں زندگی اور کسی حد تک شعور سے آج کوئی صاحبِ عقل انکار نہیں کر سکتا۔ ان کا پیدا ہونا، بڑھنا، نر و مادہ کے ملنے سے تولید کا سلسلہ وغیرہ وغیرہ۔ البتہ جمادات میں جان یا شعور اتنا مدھم ہے کہ ان کی تسبیح سمجھنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ اگر حرکت کا نام زندگی ہے تو نباتات میں زندگی موجود ہے۔ جمادات کے تمام جواہر بھی دوسری زندہ اشیاء کے جواہر کی طرح مسلسل ارتعاش کی حالت میں ہیں۔ جواہر کی ترکیب منفیوں سے ہوتی ہے، ہر دو منفیوں کے درمیان خالی جگہ ہے جہاں منفیہ حرکت کرتا ہے۔ ایک منفیے کی رفتار عام حالت میں پانچ ہزار میل فی سیکنڈ شمار کی گئی ہے۔ کائنات کی ہر چیز انہی زندہ اور تیز رفتار ذرّات کا مجموعہ ہے۔

غرض دیدہ بینا کو تو کائنات کا ذرہ ذرہ خالقِ ارض و سما کے ذکر میں مشغول نظر آتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کی تخلیق پر غور کیا اور اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ سے شناسائی پیدا کی اور بہت سے گہرے رازوں سے پردہ اٹھایا۔ البتہ جو ربِ دو جہاں کی تخلیق پر غور نہیں کرتے انہیں تصویر تو نظر آتی ہے مگر مصور کا خیال نہیں آتا اور وہ اندھے ہی رہتے ہیں۔ افسوس انسان نے اپنی ان صلاحیتوں سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا جو ربّ دو جہاں نے اسے عطا کی تھیں۔ بقول ایک مغربی مفکر ایک عام انسان اپنی کل صلاحیتوں کا صرف سات سے دس فیصد استعمال کرتا ہے باقی تمام صلاحیتیں اس کے ساتھ مٹی میں دفن ہو جاتی ہیں۔ اس غفلت کا وہ ذمہ دار ہے۔ **حلیمًا غفورًا** کہہ کر بتا دیا کہ وہ تمہیں تمہاری غفلتوں پر جلد نہیں پکڑتا۔

۴۶-۴۷۔ انسان کی غفلتوں کا بیان تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انؐ کے چاروں طرف بکھری پڑی ہیں لیکن استفادہ نہیں کرتے۔ اس کی خاص نعمتوں میں قرآنِ کریم کا ذکر کیا اس لئے کہ بقول

بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ
جس کے جب وہ کان رکھتے ہیں طرف تیری اور جب وہ مخفی مشورہ کرتے ہیں جبکہ کہتے ہیں

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
ظالم نہیں پیروی کرتے تم مگر آدمی جادو کئے ہوئے کی دیکھ کس طرح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اور قانونِ قدرت اس کی فعلی کتاب ہے۔(ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ نمبر ا صفحہ ۱۱) افسوس انہیں قرآن کریم میں کوئی خوبی یا حسن نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ ان کے دلوں اور کانوں پر پردے ہیں۔ یہ پردے اللہ تعالیٰ نہیں ڈال بلکہ ان کے اعمال کے طبعی نتائج ہیں۔ یہ جہالت، ہٹ دھرمی اور تکبر کے پردے ہیں۔ جو ہمیشہ ان جیسے لوگوں کی عقل پر پڑے رہتے ہیں۔ اور وہ قرآنی علوم اور معارف سننے اور ان سے مستفیض ہونے سے محروم رہتے ہیں۔ ان پردوں کا بڑا سبب ان کا آخرت پر ایمان نہ لانا اور توحید سے انکار ہے۔ جبکہ قرآنی تعلیم کا خلاصہ ہی اللہ اور یومِ آخر پر ایمان ہے۔ یہاں ان کا یہ دعویٰ بھی باطل ٹھہرا کہ ہم ایک خدا کو مانتے ہیں اور دیوی دیوتا اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں ایک خدا کے نام سے ہی نفرت ہے۔ انہیں بتوں سے پیار ہے اور یہ ایک خدا کا نام سننا ہی نہیں چاہتے۔

۴۸۔ پچھلی آیت میں بتایا تھا کہ تیرے قرآن پڑھنے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور وہ ایسی محفلوں سے گستاخانہ اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ یہاں بتلایا کہ اگر محفل میں بیٹھے بھی رہتے اور بظاہر قرآن سن رہے ہوتے تو بھی ان کی نیت کچھ سن کر ہدایت حاصل کرنے کی نہیں ہوتی۔ بلکہ محض مخالفت و استہزا اور اعتراضات و حجتیں نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ پھر ان محفلوں سے نکل کر بھی قرآن پاک پر نکتہ چینی کرنا اور تیرے خلاف خفیہ مشورے اور منصوبے کرنا ان کا دلپسند شغل ہے۔ ان ظالموں کی گستاخی اور بے باکی تو دیکھو کہ لوگوں کو تجھ سے بدظن کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اس پر جادو کا اثر ہے یعنی (معاذاللہ) جادو کے زیرِ اثر اس کی دماغی حالت درست نہیں اس لئے اس کی باتوں پر غور نہ کرو۔

افسوس عملی طور پر آجکل کے بعض علماء بھی انہیں ظالموں میں شامل ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ واقعی آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ حالانکہ وہ تمام احادیث جن میں آپ ﷺ پر جادو کا ذکر ہے ایک شخص ہشام سے مروی ہیں جو کہ ضعیف راوی ہیں۔ قرآن کریم بار بار اس بات کو ردّ کرتا ہے کہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس کا ردّ فرمایا۔

ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۹﴾ وَ
بیان کرتے ہیں تیرے لیے مثالیں پس گمراہ ہوگئے پس نہیں طاقت رکھتے راہ کی اور

قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
کہا انہوں نے جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ کیا یقیناً ہم ضرور اُٹھائے جائیں گے پیدائش

جَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۱﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا
نئی میں تو کہدے ہو جاؤ پتھر یا لوہا یا کوئی مخلوق اس سے جو

يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ
بڑی ہو سینوں میں تمہارے اس پر ضرور وہ کہیں گے کون لوٹائے گا ہمیں تو کہدے

الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ
وہی جس نے پیدا کیا تم کو پہلی مرتبہ پس ضرور تعجب سے ہلائیں گے طرف تیری سر اپنے

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۲﴾ يَوْمَ
اور وہ کہیں گے کہ کب ہے وہ تو کہدے اُمید ہے کہ ہو وہ نزدیک جس روز

۴۹۔ آنحضرت ﷺ کے لئے مثالیں بیان کرنے سے مراد یہی ہے کہ یہ آپ ﷺ کو معاذاللہ کبھی مجنون کبھی ساحر کبھی مسحور کبھی شاعر اور کبھی مفتری کہتے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اوّل تو ایک سحر خوردہ شخص کا کلام سمجھ کر قرآن کو سننا اور سمجھنا ہی نہیں چاہتے تھے اور اگر سنتے بھی تھے تو محض نکتہ چینی کے لئے۔ پس جب ان لوگوں کا آنحضرت ﷺ کے متعلق نکتہ نظر یہ تھا تو وہ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر ہدایت کیونکر حاصل کر سکتے تھے۔

۵۰۔ **رفاتاً۔ رَفُت**۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ چور چور کر دینا۔

آپ ﷺ کا بعث بعدالموت پر ایمان لانے کا کہنا بھی ان کے لئے معاذاللہ ایک مجنونانہ بات ہی تھی کہ مر کر جب ہڈیاں بھی گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا پھر ایک نئی مخلوق کی صورت اٹھائے جائیں گے؟

۵۱ تا ۵۳۔ **ینغضون۔ انغاص**۔ کسی کی بات پر تعجب کرتے ہوئے سر کو اوپر سے نیچے ہلانا۔ سر مٹکانا۔ یہاں بظاہر بعثتِ کبریٰ ہی کا نظارہ پیش کیا اور بتایا کہ اگر کسی سائنسی تکنیک سے تمہارے جسم کے یہ خاکی ذرات پتھر یا لوہے کی طرح یا ان سے بھی سخت کر دیئے جائیں تو بھی تمہارا پیدا کرنے والا تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور تم جوابدہی سے بچ نہیں سکتے۔ کیونکہ جس نے تمہیں پہلی بار بغیر کسی نمونے اور بغیر کسی مادے کے پیدا کیا اس کے لئے ان ذروں میں جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔

يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ

وہ بلائے گا تم کو تو فرمانبرداری کرو گے تم ساتھ حمد کے اس کی اور گمان کرو گے تم کہ نہیں رہے تم

اِلَّا قَلِيْلًا ۝۵۲ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ ع ۱۲ ۵

مگر تھوڑے اور تو کہدے بندوں کو میرے کہ وہ کہیں وہ بات کہ جو بہتر ہو یقیناً

الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ

شیطان فساد ڈالتا ہے درمیان انکے یقیناً شیطان ہے انسان کا

عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۵۳ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۚ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ

دشمن کھلا کھلا رب تمہارا خوب جانتا ہے تم کو اگر چاہے رحم کرے تم پر

یہاں بعثتِ صغریٰ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ تاکہ بعثتِ کبریٰ پر دلیل ہو۔ کہ بیشک بعثتِ کبریٰ بھی ضرور ظہور پذیر ہوگی۔ لیکن عنقریب تم بعثتِ صغریٰ کا نظارہ دیکھو گے اگر تمہارے دل اسلام کے خلاف پتھر یا لوہے کی طرح یا اس سے بھی سخت ہو جائیں تب بھی ایک دن ساری شوخیاں اور سرکشیاں بھول کر ربِ دوجہاں کی حمد و ستائش کے گیت گاتے ہوئے اس کے فرمانبرداروں میں داخل ہو جاؤ گے اور اسلام کے جھنڈے تلے پناہ لینے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا۔ فتح مکہ کے دن یہ نظارہ سب نے دیکھا۔ کفار سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یکایک ایسا ہو جائے گا۔ مکذبین کے آپ ﷺ کی شان میں تمام نازیبا القابات کے باوجود آپ ﷺ کو خوشخبری دی کہ یہ سب جلد ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اگر قیامت پر چسپاں کیا جائے تو جب دوبارہ اٹھو گے تو حقائق تم پر کھل چکے ہوں گے اور تم اپنے ربّ کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار پر سرِ تسلیم خم کرو گے۔ اس وقت تمہیں دنیا کی زندگی بہت مختصر نظر آئے گی۔

۵۴۔ اس رکوع میں ان محرکات کا ذکر کیا جو عذابِ الٰہی کا موجب ہوتے ہیں بیشک شیطان کا کام وسوسہ اندازی سے انسانوں کو مشتعل کر کے فساد ڈلوانا ہے۔ لیکن بعض شیطان صفت انسان بھی یہ کام کر کے شیطان کے کام کو آسان کر دیتے ہیں۔ مخالفین کی طرف سے انتہائی غیر مہذب طرزِ کلام اور بدسلوکی کے باوجود ان سے احسن طریق سے بات کرنا اور نرمی کا طریق اپنائے رکھنا ہی ان کے لئے ہدایت کی راہ ہموار کرنے کا موجب ہوا جو فتح مبین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ایک داعی الی اللہ کے لئے سب سے بڑا ہتھیار یہی ہے۔ بیشتر فساد بد کلامی سے پیدا ہوتے ہیں۔ معمولی تلخ باتیں نفرتوں کے بیج بو دیتی ہیں جو خاندانی اور قومی سطح پر فساد کا موجب بنتی ہیں۔ پس اس چھوٹی سی آیت میں گھریلو سطح سے لے کر قومی سطح تک ایک پُرامن معاشرہ قائم کرنے

اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۵۵

یا اگر چاہے عذاب دے تم کو اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو ان پر کارساز

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا

اور رب تیرا خوب جانتا ہے انہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور یقیناً یقیناً فضیلت دی ہم

بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۶ قُلِ ادْعُوا

نے بعض نبیوں کو بعض پر اور دی ہم نے داؤد کو زبور تو کہدے پکارو

کا نہایت سہل اور عمدہ طریق بتلایا۔

۵۵۔ قبل از ہجرت کا زمانہ آنحضرت ﷺ اور مومنین کے لئے نہایت سخت تھا۔ اہل مکہ کے مظالم اور سختیاں اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں اور آپ ﷺ تھے کہ ان کی فکر میں گھلے جا رہے تھے۔ اہل مکہ کو مخاطب فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے کہ کس کے اعمال رحم کے مقتضی ہیں اور کس کے سزا کے۔ وہ جس پر چاہے رحم کرے جس کو چاہے پکڑے۔ تمہاری ذمہ داری ان تک حق کا پہنچا دینا ہے۔ ان کے اعمال کے تم ذمہ دار نہیں بقول میاں محمد بخش ؎

مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے

مالک دا کم پھل پھُل لانا لاوے یا نہ لاوے

۵۶۔ چونکہ اس آیت میں آئندہ کے طویل تاریخی حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ مَن کا لفظ چونکہ ذی روح کے لئے آتا ہے۔ اس لئے بعض سیاروں پر موجود مخلوقات کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دینا۔ اس کا تعلق بھی اَعْلَمُ سے ہے۔ ہر نبی ضرورت زمانہ کے تحت آتا ہے اور بنیادی تعلیم کے علاوہ اس کی تعلیم الٰہی منشاء کے تحت تقاضائے زمانہ کے مطابق ہوتی ہے۔ آج جو قرآنی تعلیم پیش کی جا رہی ہے وہ نہ صرف آج کی بلکہ قیامت تک بنی نوعِ انسان کی روحانی و جسمانی ضروریات کے مطابق ہے۔

چونکہ شروع سورۃ سے مسلمانوں سے حکومت کے وعدے تھے اس لئے اسی تعلق سے حضرت داؤدؑ کا ذکر کیا کہ جس طرح حضرت داؤدؑ کے زمانہ سے بنی اسرائیل کی شان و شوکت کا زمانہ شروع ہوا لیکن آخر یہ قوم فسق و فجور میں حد سے گزر گئی تو بخت نصر بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ اشارتاً بتلایا کہ اسی طرح مثیلِ موسیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قوم بھی عظیم الشان دنیوی عروج کے قریباً اتنا عرصہ بعد ہی روحانی تنزل کی انتہا پر پہنچ کر تباہ ہو گی۔

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ
ان لوگوں کو جنہیں گمان کیا تم نے (معبود) سوائے اس کے پس نہیں قدرت رکھتے وہ دور کرنے کی تکلیف کو
عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝۵۷ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ
تم سے اور نہ بدلانے کی یہ لوگ جنہیں پکارتے ہیں وہ چاہتے ہیں
اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ
طرف رب کے اپنے قرب کو کون ان میں سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور امید رکھتے ہیں وہ اس کی رحمت کی اور
يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝۵۸
ڈرتے ہیں عذاب سے اس کے یقیناً عذاب تیرے رب کا ہے ڈرنے کی چیز

چنانچہ ہلاکو خاں کی بربریت کا شکار ہوئی۔ یہاں مسلمانوں کے لئے تنبیہ تھی مگر افسوس انہوں نے آگہی حاصل نہ کی اور یہود کے قدم بقدم چلے۔

۵۷۔**تحویلاً** (حال) تحویل ایک مقام سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ حالت بدلنا۔

یہاں معبودانِ باطلہ کے لئے الّذین کا لفظ کہہ کر ان بعض برگزیدہ ہستیوں کی طرف اشارہ کیا جنہیں مشرکین اللہ کی الوہیت میں شریک سمجھتے تھے۔ مشرکین کے عقیدہ کے مطابق بعض ملائکہ بعض انبیاء اور بعض برگزیدہ ہستیوں کو بھی الوہیت میں شریک سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اسلامی فتوحات اور مکذبین کی ہلاکت کی پیشگوئیوں کے بعد فرمایا کہ انہیں پکار کر دیکھ لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ نہ تو یہ تمہاری کسی تکلیف کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی تمہاری کسی روحانی یا جسمانی حالت میں تبدیلی کا اختیار رکھتے ہیں۔

۵۸۔**وسیلة**۔ ذریعہ۔ قرب۔ **محذورًا**۔ حذر۔ ڈرنا۔ **محذورًا** جس سے خوف کیا جائے۔ ڈرنے کے لائق۔

پچھلی آیت میں بتایا کہ جنہیں تم معبود بنائے بیٹھے ہو وہ خدا کے خاص بندے تھے۔ یہاں بتایا کہ وہ تو جب تک زندہ رہے اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ڈھونڈتے رہے۔ وسیلہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرنا ہے۔ مقربانِ بارگاہِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر انبیاء بھی ان ذرائع کی تلاش میں رہتے ہیں جن سے وہ قربِ الٰہی میں مزید ترقی کر سکیں۔ پس قربِ الٰہی کا وسیلہ یا ذریعہ علم، عبادت، مکارمِ شریعت کی بجا آوری، صحبتِ صالحین ہے۔ آنحضرت ﷺ کا وسیلہ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا اپنے اندر پیدا کرنا ہے۔ بقول حضرت مسیح موعودؑ ''انسان کی ہوا وہوس پر پوری فنا طاری ہو کر اللہ کی اطاعت رہ جائے

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
اور نہیں کوئی بستی مگر ہم ہلاک کرنے والے ہیں اسے پہلے روز قیامت کے
اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ
یا عذاب دینے والے ہیں اسے عذاب سخت ہے یہ کتاب میں
مَسْطُوْرًا ۝۵۹ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ
لکھا ہوا اور نہیں روکا ہمیں اس سے کہ بھیجیں ہم نشانات مگر اس بات نے کہ تکذیب

اور وہ یہاں تک ترقی کرے کہ کوئی جنبش اور حرکت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نہ ہو''۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ''انجام نیک ان کا ہوتا ہے جو فیصلہ کر لیتے ہیں کہ خدا کو راضی کرنے میں خاک ہو جائیں گے''۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ ۱۳۶)

۵۹۔اس وضاحت کے بعد کہ باطل معبودوں کو پکارو وہ تمہارے کسی کام نہیں آسکیں گے۔ آخری زمانہ میں ایک عالمگیر تباہی کا ذکر کیا جب مشرک قوموں کا غلبہ ہوگا اور یہ باطل معبود ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔ یہ تباہی بنی اسرائیل کی دوسری تباہی سے مشابہ ہوگی۔ آیت ۹ میں تشریح گزر چکی ہے کہ جب تک رسول نہیں آتا شدید عذاب نہیں آتے۔ یہاں بتایا کہ کوئی بستی ایسی نہیں جو قیامت سے پہلے ہلاک نہ ہو یا اس پر شدید عذاب نہ آئے۔ مسیح موعود و مہدی معہود کے آخری زمانہ میں نزول کے متعلق ستر کے قریب احادیث ہیں۔ آپ کی بعثت کے بعد جس قدر عذاب دنیا میں آئے تاریخ عالم میں ان کی نظیر نہیں ملتی طاعون نے بستیوں کی بستیاں تباہ کر دیں۔ شدید زلزلوں نے متعدد شہروں کو صفحہ ہستی سے نابود کر دیا۔ دونوں عالمی جنگوں نے وہ تباہی پھیلائی کہ انسانیت کے نام پر دھبہ ہیں۔ پہلی جنگ عظیم میں تین کروڑ انسان ہلاک ہوئے دوسری میں ساڑھے پانچ کروڑ۔ جبکہ زخمیوں کا کوئی حساب نہیں اور اب ایڈز کا عفریت دنیا کے ایک بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے پر پھیلا رہا ہے۔ **فاعتبروا یآا ولي الابصار**۔ توریت میں بھی آخری زمانہ کے متعلق اندازی پیشگوئیاں درج ہیں جب آدم اور ابلیس کے درمیان آخری جنگ ہوگی۔ (مکاشفہ یوحنا باب ۱۲ آیت ۷ تا ۱۰) حضرت عیسیٰؑ نے بھی آخری زمانہ کی تباہیوں کا ذکر کیا۔ فرمایا: قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کرے گی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے لیکن یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہوں گی۔ (متی باب ۲۴ آیت ۷۔۸) گویا ان کے بعد ان سے بھی خطرناک مصیبتیں آئیں گی۔

۶۰۔ابھی آخری زمانہ کے عذابوں کا ذکر ہوا۔ سنت اللہ یہی ہے کہ عذاب سے پہلے نشان

بِهَا لا وَلُوْنَ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

کی ان کی پہلوں نے اور دی تھی ہم نے ثمود کو اونٹنی دکھانے والی

فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝۶۰ وَاِذْ

سو ظلم کیا انہوں نے اس پر اور نہیں ہم بھیجتے نشانات مگر ڈرانے کے لیے اور جب

قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

کہا ہم نے تجھے یقیناً رب تیرے نے گھیرا ہے لوگوں کو اور نہیں بنائی ہم نے وہ خواب

دکھاتا ہے تا سعید روحیں ہدایت پائیں اور بچائی جائیں اور شقی القلوب پر حجت تمام ہو جائے۔بغیر آگہی (Warning) اور تخویف کے عذاب نازل نہیں ہوتا۔مکذبین انبیاء نے ہمیشہ سابق انبیاء والے نشانات کا مطالبہ کیا حالانکہ وہ نشانات اپنے اپنے وقت پر جھٹلائے گئے۔آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے مسیح سے بھی یہی مطالبات ہوئے۔حالانکہ نشانات دہرائے نہیں جاتے۔ہر قوم کو اس کے حالات کے مطابق جو نشان اللہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔آنحضرت ﷺ کا زمانہ فصاحت و بلاغت کا زمانہ تھا۔اس لئے آپ ﷺ کو قرآن کریم عطا ہوا۔جس کی ایک آیت بنانے سے بھی آپ ﷺ کے مکذبین معذور رہے۔تباہ شدہ قوموں میں اہل مکہ کے قریب ترین قوم ثمود کے کھنڈرات ہی تھے۔اس لئے ان پر بھیجے گئے روشن نشان کا ذکر کیا۔نیز اس لئے بھی کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف بھی بعینہٖ وہی منصوبے بنائے جارہے تھے جو حضرت صالح ؑ کے خلاف بنائے گئے (النحل:۵۰) یہاں مسلمانوں کو نصیحت کرنا مقصود تھا۔مگر افسوس انہوں نے انہی معاملات میں ٹھوکر کھائی اور کسی نشان سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔

۶۱۔**شجر**۔درخت کے علاوہ شجرہ نسب کے معانی بھی دیتا ہے (ابن عباسؓ)۔**شجر ملعونہ** وہ خاندان ہے جو کئی پشتوں سے خدائی لعنت کے نیچے رہا ہو۔پس اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جن پر لعنت کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار آیا ہے اور جن کے نام سے یہ سورۃ منسوب ہے۔آخری زمانہ کے عذابوں کا ذکر تھا پھر خدائی نشانات کا ذکر ہوا جن کا عذابوں سے پہلے آنا ضروری تھا۔یہاں بتایا کہ عذابِ الٰہی نے گویا تمہیں گھیر رکھا ہے اور تم اس سے بچ کر بھاگ نہیں سکتے۔یہ بھی مراد ہے کہ عالمی نبی آ گیا ہے اس کے عالمی پیغام نے گویا تمام عالم کو گھیر لیا ہے۔

شروع سورۃ میں آپ ﷺ کی رویا کا ذکر تھا جس میں آپ ﷺ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ ان تمام انبیا کی اُمتیں اسلام میں داخل ہو جائیں گی۔یہ رویا کفار کے لئے فتنہ کا باعث بنی کیونکہ انہوں نے اسے جھٹلایا اور اس کی خوب تضحیک کی۔

الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ

جو دکھائی ہم نے تجھے مگر آزمائش لوگوں کے لیے اور درخت ملعون کو

فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا

قرآن میں اور ہم ڈراتے ہیں انہیں پس نہیں زیادہ کرتا (قرآن) انہیں مگر سرکشی

ع ۸ ۶ كَبِيْرًا ۝۶۱ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

بڑی میں اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝۶۲ قَالَ

سوائے ابلیس کے اس نے کہا کیا سجدہ کروں اسے جسے تُو نے پیدا کیا کیچڑ سے اس نے کہا

اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ

کیا دیکھا تو نے یہ شخص ہے جسے عزت دی تو نے مجھ پر اگر ڈھیل دی تو نے مجھے تا روز

الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۳ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ

قیامت البتہ ہلاک کروں گا اولاد کو اس کی سوائے تھوڑوں کے فرمایا جا تو پس جس نے

تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝۶۴

پیروی کی تیری ان میں سے تو یقیناً جہنم بدلہ ہے تمہارا بدلہ پورا پورا

اس رویا کی طرح قوم یہود بھی دنیا میں ہمیشہ فتنہ کا باعث رہی جس کی وجہ سے مختلف ممالک سے ذلیل کر کے نکالی جاتی رہی۔قوموں کو لڑانا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہی اس کا مطمع نظر رہا۔دونوں عالمی جنگوں کی وجہ یہی فتنہ پرداز قوم تھی۔اگر یہود جنگ میں اپنا پیسہ نہ لگاتے تو یہ جنگیں چند ماہ سے زیادہ نہیں چل سکتی تھیں۔اب بھی یہی قوم ایک عالمگیر عذاب لانے کی موجب بنے گی جس کے بعد اسلام کی عالمگیر اشاعت مقدر ہے۔انشاء اللہ۔(تفصیل سورۃ النحل آیت ۴۶) و (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۳۔۶۵)

جتنا اس قوم کو اس کا انجام بتا کر ڈرایا اور ہدایت کی طرف بلایا اتنا ہی یہ اپنی سرکشیوں اور بغاوتوں میں بڑھتی چلی گئی۔چونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت بھی یہود سے مشابہت اختیار کرے گی اس لئے ان کے لئے بھی ڈرنے کا مقام ہے۔(ترمذی بروایت عبداللہ بن عمرؓ)

۶۲ تا ۶۴۔**کرّمت۔ کرم۔ کرّمت علیّ**۔تو نے مجھ پر شرف و کرامت بخشا۔**احتنکنّ۔ حنک**۔انسان یا جانور کو ٹھوڑی کے نچلے حصہ کو کہتے ہیں۔احتناک جانور کے نچلے جبڑے میں رسی ڈال کر اسے قابو کرنا ہے۔ٹڈی دل جب روئیدگی کو بالکل چٹ کر جائے اس کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔پس مراد قابو کر کے استیصال کرنا ہے۔جڑ کاٹنا۔**موفورًا۔ وفور** بڑی وافر۔بھرپور۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ
اور بہکا جسے چاہے تو ان میں سے ساتھ آواز کے اپنی اور کھینچ لا ان پر

بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ
سوار اپنے اور پیادے اپنے اور شریک کر انہیں مالوں اور اولاد میں اور وعدے دے انہیں

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۵﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ
اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان سوائے دھوکہ کے یقیناً بندے میرے وہ ہیں کہ نہیں ہے تیرا

پچھلی آیات میں آخری زمانہ کا مکمل نقشہ پیش کیا۔ اب بتایا کہ جس طرح آدم وابلیس کی جنگ شروع زمانہ میں لڑی گئی ضرور ہے کہ اس آخری زمانہ میں بھی ایسا ہو مگر پہلے سے بہت شدت کے ساتھ۔ (مکاشفہ یوحنا باب ۱۲ آیت ۷ تا ۱۰) جب آدمِ ثانی کا ظہور ہو گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بار بار آدم کہہ کر پکارا۔

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں
نیز ابراھیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار (درثمین صفحہ ۳۱)

آپ فرماتے ہیں آدم اوّل کو شیطان پر فتح دعا ہی سے ہوئی تھی۔ **ربنا ظلمنا انفسنا**۔۔۔۔اور آدم ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرتا ہے اسی طرح دعا ہی کے ذریعہ فتح ہوگی۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۲ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۳ء) قرآن کریم میں مختلف جگہ پر آدم اور ابلیس کا قصہ بیان ہوا ہے۔ لیکن اس جگہ ابلیس کے جن ہتھکنڈوں کا ذکر کیا ویسا ذکر اور کہیں نہیں۔ یہ اس لئے کہ اس زمانہ میں جس طرح ابلیس اور اس کی طاغوتی طاقتیں اسلام کا استیصال کرنے کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہو کر حملہ آور ہوئی ہیں۔ پہلے کبھی نہ ہوئی تھیں۔ بیشک ان کی آخری اور پوری سزا جہنم ہی ہے لیکن دنیا میں بھی جہنم کا مزا ضرور چکھیں گی۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دیتا بلکہ بہت کچھ معاف فرماتا ہے۔ **موفورًا** میں اشارہ ہے کہ انہیں ان کے جرم کی بھرپور سزا ملے گی اور کمی نہیں کی جائے گی۔

۶۵۔ **استفزز۔ فزّ**۔ گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ خفیف بنا دیا۔ **استفزز** تو فریب دے کر نکلا۔ بہکا۔ **اجلب۔ جَلَبَ**۔ ایک جگہ سے ہانک کر دوسری جگہ لے جانا۔ چڑھا لانا۔

قرآن کریم میں اکثر شیطان کی وسوسہ اندازی کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں بتایا کہ شیطان اپنی آواز سے فریب دے کر اپنی طرف مائل کرے گا۔ یہ بھی آدمِ ثانی کے زمانہ کے لئے ہی خاص ہے کہ ہر طرف ریڈیو، ٹی وی، ویڈیو کیسٹ، سینما اور تھیٹر وغیرہ کے ذریعہ فحش اور اخلاق سوز گانے

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۶﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ
ان پر غلبہ اور کافی ہے رب تیرا کارساز رب تمہارا وہ ہے جو

گانے اور مناظر پیش کئے جاتے ہیں۔ غرض صوتی ذرائع سے جس طرح آج بنی نوع انسان کو گمراہ کیا جا رہا ہے اس سے پہلے اس کا کوئی تصور نہیں تھا۔

سواروں اور پیادوں کو چڑھا لانے کی بھی صحیح صورت آج ہی نظر آ رہی ہے کہ طاغوتی اور صیہونی طاقتیں جمع ہو کر اسلام کے استیصال کے درپے ہیں اور کوئی موقعہ ان کی بیخ کنی کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ اگرچہ اسلامی ممالک ہر طرح ان کے زیر اثر ہیں اور تمام گزشتہ شان و شوکت کھو چکے ہیں پھر بھی وہ انہیں مزید کمزور کرنے کے لئے ان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں اور ان پر جنگیں مسلط کرتی رہتی ہیں۔ عراق پر حالیہ یلغار اس کی ایک تازہ مثال ہے۔ بوسنیا، چیچنیا، کوسووو، افغانستان اور کشمیر میں مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم جاری ہیں اور کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں۔ شیطان کا مال میں شریک ہونا اس مال کو کمانے اور خرچ کرنے میں غیر شرعی ناجائز اور حرام ذرائع کا اختیار کرنا ہے آج کل عموماً جس طرح ناجائز ذرائع اور رشوت وغیرہ کی کمائی کو حرام کاموں میں خرچ کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال گزشتہ زمانہ میں نہیں ملتی۔ اولاد میں شیطان کا دخل بھی قدم قدم پر نظر آ رہا ہے۔ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں زنا کی کثرت کے نتیجہ میں ناجائز بچوں کی ایک بڑی تعداد گورنمنٹ کی سرپرستی میں پرورش پاتی ہے نیز حرام مال سے پلی بڑھی [illegible] ماں باپ سے باغی ہو کر شیطان کی اتباع میں فخر محسوس کرتی ہے۔ پس ماندہ مسلم ممالک کے لئے مغربی اقوام کی اقتصادی امداد، شفاخانے اور تعلیمی ادارے بھی ان کی آئندہ نسلوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ اس طریق سے ان کی اولادیں شیطان کی جھولی میں جا گرتی ہیں۔ مال اور اولاد میں شیطان کی شراکت یہ بھی ہے کہ رازقِ حقیقی کو بھول کر جھوٹے وسائل کو رازق بنا لیتے ہیں۔ یہ اموال اور اولادیں سکون قلب نہیں دیتیں بلکہ پریشانیوں اور تفکرات میں اضافہ کا باعث ثابت ہوتی ہیں اور حرص کی آگ کو اور بھڑکاتی ہیں۔ آخر میں بتایا کی شیطان خواہ کسی طرح بھی دخل اندازی کرے وہ صرف دھوکا اور فریب ہے اور وہ انسان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا جب تک کہ انسان خود ہی اس کی طرف مائل نہ ہو۔ **مَن استطعت** میں بھی بتایا کہ جس پر تیرا بس چلے گویا سب پر تیرا بس نہیں چل سکتا۔

۶۶۔ **وکیلاً۔ وکیل (وَکَلَ)**۔ کسی پر توکل اور بھروسہ کر کے اپنا کام اس کے سپرد کرنا۔ کارساز محافظ۔ ذمہ دار۔ نگران۔

يُزۡجِيۡ لَكُمُ الۡفُلۡكَ فِي الۡبَحۡرِ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ
چلاتا ہے تمہارے لیے کشتیاں سمندر میں تاکہ چاہو تم فضل اس کا یقیناً

كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ۝۶۷ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ
وہ ہے تم پر بہت رحم کرنیوالا اور جب پہنچتی ہے تم کو تکلیف سمندر میں گم ہوجاتا ہے وہ جسے

تمام شیطانی حربوں اور چالوں کا ایک ہی جواب دیا کہ میرے بندوں پر تیرا کوئی تسلط نہیں۔ **عبادی** میں کل بندے بھی شامل ہیں کیونکہ اختیار تو اسے کسی پر بھی نہیں سوائے ان کے جو عباداللہ ہوتے ہوئے عباد الشیطان بنتے ہیں اور خود اس کے جال میں پھنستے ہیں۔ اگر عبادی سے مراد اللہ کے مخلص بندے لئے جائیں تو ان پر شیطان کے تسلط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ان کا خود نگران ہوتا ہے۔

آخری زمانہ میں جبکہ شیطان کے ہتھکنڈے اپنے عروج پر ہوں گے ان سے بچنے کا گر بھی بتا دیا کہ اللہ کے بندے بن جاؤ اپنے آپ کو اس کے سپرد کردو اور اسی سے حفاظت طلب کرو۔ جیسا کہ قصہ مشہور ہے کہ ایک بزرگ سے کسی نے شیطان سے بچنے کا طریقہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا! اگر تم کسی دوست کو ملنا چاہو اور اس کا کتا تمہیں اندر جانے سے روکے تو کیا کرو گے۔ اس نے کہا کتے کو ماروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر پھر بھی باز نہ آئے تو اس نے کہا دوست کو آواز دوں گا۔ بزرگ نے فرمایا! یہاں بھی یہی طریقہ آزماؤ۔ شیطان خدا کا کتا ہے اس سے بچنے اور خدا تک پہنچنے کے لئے خدا سے ہی مدد طلب کرو۔ آیت ۵۵ میں بتایا کہ تو ان پر وکیل نہیں۔ یہاں اپنے پیارے بندے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا کہ اللہ تیرا وکیل ہے وہ بطور وکیل اور کارساز تیرے لئے کافی ہے۔

۶۷۔ **یزجی**۔ بمعنی **یجری**۔ وہ چلاتا ہے۔ قرآن کریم میں جہاں بھی کشتیوں اور سواریوں کے بعد یا دوسرے شہروں کے بعد **لتبتغوا من فضلہ** آیا تو وہاں بذریعہ تجارت نفع حاصل کرنا مراد ہے جس میں بحری تجارتی سفروں کی نفع رسائی کی طرف اشارہ ہے۔ ہاں عورتوں کے ذکر میں آیا تو وہاں اولاد حاصل کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کے تعلق میں یہاں خاص طور پر اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا جن کا سارا دارومدار ہی خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر ہے۔ مراد بحری تجارتی سفر ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں عظیم الشان بحری بیڑے تیار کئے اور دنیا کے سمندروں کو کھنگال ڈالا۔ بحری نقشے تیار کئے اور کئی بحری راستے دریافت کئے اس طرح بحری تجارت کو بہت

تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَ
پکارتے ہو تم سوائے اس (اللہ) کے پھر جب نجات دیتا ہے تم کو طرف خشکی کے اعراض کرتے ہو تم اور

كَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا ۝۶۸ اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ
ہے انسان بہت ناشکرا کیا ہیں بے خوف ہو تم اس سے کہ دھنسا دے تم کو کنارہ پر

الۡبَرِّ اَوۡ يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَكُمۡ وَكِيۡلًا ۝۶۹
خشکی کے یا وہ بھیجے تم پر آندھی پھر نہ پاؤ اپنے لیے کوئی کارساز

فروغ دیا۔ ان کے تجارتی جہاز بحرہ روم، بحرہ اوقیانوس، بحرہ قلزم، بحیرہ عرب، بحرہ ہند اور بحر الکاہل کے چکر لگاتے۔ اس طرح افریقہ، سری لنکا ہوتے ہوئے انڈونیشیا تک جاتے تھے۔ انگریزوں کو ان راستوں سے روشناس کروانے والے بھی مسلمان جہاز ران ہی تھے۔

آخری زمانہ کے حالات کے ساتھ بحری تجارتی جہازوں کا ذکر کر کے اس بحری ترقی کی طرف اشارہ کیا جو اس زمانہ میں ہونے والی تھی۔ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت کے تحت ہوں گی یعنی ان قوموں کی محنت و کوشش کا ان ایجادات میں خاص دخل ہو گا۔ اس طرح انسانی کاوش کے نتیجہ میں آئندہ ہونے والی بحری ترقیات کی طرف اشارہ کیا۔

۶۸۔ انسانی فطرت ہے کہ عام کشتی ہو یا کشتی حیات جب تک پر سکون لہروں پر رواں دواں رہتی ہے، اسے اپنے ربّ کا خیال کم ہی آتا ہے لیکن جونہی موجِ مخالف کے طوفانی [illegible] میں گھرتی ہے تو اپنے قائم کردہ سارے سہاروں کو بھول کر غیر ارادی طور پر ایک اَن دیکھی قوت کو ہی پکارتا ہے۔ گویا اس کی فطرت اور جبلت میں توحید ہی ہوتی ہے۔ اس کا ربّ بھی یہ جانتے ہوئے کہ سکون و آرام کے ملتے ہی یہ مجھے بھول جائے گا اس کی چند لمحے کی دل سے نکلی ہوئی پکار کو قبول کر کے اسے بچا لیتا ہے۔ اور انسان بجائے شکر کے پھر کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے اور یہ ناشکری اسے شرک تک لے جاتی ہے۔

۶۹۔ **تخسف**۔ **خسف**۔ چاند گہن لگا۔ زمین میں دھنسا۔ مراد ذلیل کرنا بھی ہے۔ (**یخسف**۔ وہ دھنساتا ہے وہ دھنسا دے گا) **حاصبًا**۔ **حاصب** (**حصبۃ**۔ کنکری) شدید آندھی جو مٹی اور کنکر برسانے والی ہو۔ عذاب کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ابھی مشرکین کی اس حالت کا ذکر تھا جب سمندری طوفانوں میں گھر کر تمام معبودانِ باطلہ کو بھلا کر صرف ایک خدا کو پکارتے ہیں۔ لیکن جونہی ان مصائب سے نکل آتے ہیں تو اس خدائے وحدہٗ لاشریک کو یکسر بھلا دیتے ہیں۔ یہاں بتلایا کہ جو خدا تمہیں سمندر میں آفات سے دوچار

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

یا بے خوف ہو تم اس سے کہ لوٹائے تم کو اس میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر

قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا

تند ہوا پھر غرق کردے تم کو بسبب اسکے کہ کفر کیا تم نے پھر نہ پاؤ تم

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ

واسطے اپنے خلاف ہمارے اس کا بدلہ لینے والا اور یقیناً یقیناً عزت دی ہم نے بنی آدم کو اور سوار کیا ہم نے انہیں

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى

خشکی اور تری میں اور رزق دیا ہم نے انہیں پاکیزہ چیزوں سے اور فضیلت دی ہم نے انہیں

ع ۷ ۱۰ كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۱﴾ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ

بہتوں پر ان میں سے جنہیں پیدا کیا ہم نے بہت فضیلت جس دن بلائیں گے ہم سب لوگوں کو

کرسکتا ہے وہ خشکی میں بھی تمہیں نیست و نابود کرنے پر قادر ہے اور تمہیں ذلیل و خوار کرسکتا ہے۔ جیسا کہ بعد میں جنگِ بدر میں ہوا کہ آپ ﷺ کی پھینکی ہوئی چند کنکریوں نے شدید آندھی کی شکل اختیار کرلی جو ان کی شکست کا باعث ہوئی یا جیسا کہ جنگ احزاب میں بھی بظاہر شدید آندھی ہی ایک لشکر جرار کو واپس بھگا لے جانے کا موجب ہوئی۔اس طرح اس آیت میں عام نصائح کے علاوہ زبردست پیشگوئیاں مضمر تھیں۔

۷۰۔**قاصفا۔ قاصف۔ قصف**۔ ایسی تند ہوا جو ہر چیز کو توڑ کر رکھ دے۔ **جھکڑ۔ تبیعًا۔ تبعَ** ۔ پیروی کی۔ **تبیعًا** ۔ پیروی کرنے والا۔ مدد گار۔ بدلہ لینے والا۔ دعویٰ کرنے والا۔ **لکم**۔اپنے لئے۔**علینا** ہمارے خلاف۔ **بہ**۔ اس (معاملہ) میں۔

یہاں ایک عام اصول بتلادیا کہ کبھی بھی مصائب کے دور ہو جانے پر خود کو محفوظ و مامون تصور نہ کرو یہ محض اس کا فضل اور احسان ہے جو تمہیں تھامے ہوئے ہے۔ ورنہ اس کی پکڑ سے خشکی میں بچ سکتے ہو نہ تری میں۔ جس طرح ایک بار طوفانوں میں گھر گئے تھے دوبارہ بھی تمہاری ناشکری کی وجہ سے ویسے ہی حالات پیدا ہو سکتے ہیں جو تمہاری تباہی کا باعث بن سکتے ہیں پھر تم اس معاملہ میں ہمارے خلاف کوئی بدلہ لینے والا نہیں پاؤ گے یعنی اس بات پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا تم کو نہیں ملے گا گویا تم ہم سے بدلہ نہیں لے سکو گے۔

۷۱۔انسان کا اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو گا کہ اس کی تمام تر کوتاہیوں کے باوجود مالک کون و مکاں نے کل بنی نوع انسان کو واجب التکریم قرار دیا۔انسانوں کے لئے پہلی وجہ فضیلت بحر و بر میں کامل اقتدار کا عطا ہونا ہے۔گویا انسان کو کل کائناتی قوتوں پر اقتدار بخشا۔بیشک انسانوں

بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

ساتھ امام کے ان کے پس جو شخص دیا گیا کتاب اپنی دائیں ہاتھ سے اپنے تو یہ لوگ

يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ

پڑھیں گے کتاب اپنی اور نہ ظلم کئے جائیں گے تاگہ کے برابر اور جو ہے اس

ان کے ساز و سامان کو کشتیاں اور سواریاں ہی اٹھاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کر کے انسان کی عزت افزائی فرمائی۔نیز اس لئے بھی کہ اس کے فضل سے ہی یہ ممکن ہوا۔ دوسری وجہ فضیلت اس کے ربّ کی طرف سے رزقِ طیّب کا عطا ہونا ہے۔بیشک رزق تمام مخلوق کو ملتا ہے لیکن رزق طیب انسان کے لئے خاص ہے۔تیسری وجہ فضیلت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی اکثر مخلوق پر فضیلت دی۔یہ فضیلت عقل و شعور اور شکل و صورت کے علاوہ یہ ہے کہ وہ قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔جو اس کا حقیقی مقصدِ حیات ہے۔پس بعض انسان تقویٰ کے اس مقام پر ہوتے ہیں کہ وہ فرشتوں سے بھی افضل ہیں اور بعض اسفل سفلین کے درجہ پر ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

۷۲۔**فتیلا**۔ فتیل وہ دھاگہ جو کھجور کی گٹھلی میں ہوتا ہے۔ مراد معمولی چیز۔ ذرہ بھر۔ یمین۔ دایاں۔ بابرکت۔

پچھلے رکوع میں مخالفین کو بتایا تھا کہ وہ عذابِ الٰہی سے نڈر نہ ہوں۔اس رکوع میں ان کی ان ناپاک کوششوں کا ذکر کیا جو وہ آپ ﷺ کے خلاف کرتے تھے اور بتایا کہ اس کے نتیجہ میں تباہی اور بربادی ان کا مقدر ہوگی۔قیامت کے دن ہر گروہ اپنے امام اور پیشوا کے حوالے سے بلایا جائے گا۔گویا کل انبیاء اپنی اپنی اُمتوں کے لئے بطور گواہ ہوں گے کہ ہم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا نیز یہ کہ ہماری پوری زندگی ان کے لئے مشعلِ راہ تھی۔پس ان میں سے ایک گروہ نے ہماری اتباع سے کمالِ انسانی کو پالیا۔جبکہ دوسرا گروہ اسے ردّ کر کے اس کمال سے محروم رہا۔نیک انسانوں کا اعمالنامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جانے کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی طبعًا دائیں ہاتھ سے ہی زیادہ کام لیا جاتا ہے۔یہ طاقت اور برکت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔انسانی خلقت میں دائیں کو بائیں پر فضیلت حاصل ہے۔دائیں طرف کے اعضاء عموماً زیادہ مضبوط اور کام کو احسن طریق پرانجام دینے والے ہوتے ہیں۔دائیں آنکھ بائیں کی نسبت زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ مشاہدے میں آیا ہے کہ صحیح الدماغ لوگوں میں بمشکل چار فیصد بائیں ہاتھ کو زیادہ استعمال کرنے

هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَاِنْ

(دنیا) میں اندھا تو وہ آخرت میں (بھی) اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ راستہ کے لحاظ سے اور یقیناً

والے (Left Handed) ہوتے ہیں جبکہ مفقود العقل لوگوں میں یہ تعداد بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر اس کی وجہ دل کے بائیں طرف ہونے کو بیان کرتے ہیں۔اس طرح دماغ کے بائیں حصے کو خون کی ترسیل زیادہ ہوتی ہے اور وہ زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔چونکہ بائیں طرف کا دماغ دائیں طرف کے اعصاب سے کام لیتا ہے اس لئے دائیں طرف کے اعصاب زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں اور انسان طبعاً ان سے زیادہ کام لیتا ہے۔

اسلامی شریعت میں دایاں ہاتھ پاکیزہ کاموں کے لئے اور بایاں ہاتھ نسبتاً ناپاک کاموں کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دینے سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ تمہاری زندگی پاکیزہ کاموں میں گزری اور تم نے نیکی کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اب تمہارا انجام بابرکت ہو گا۔ جبکہ بائیں ہاتھ میں اعمالنامہ ان کی دین میں کمزوری اور ناپاک کاموں کو ظاہر کرے گا۔

۷۳۔ انسانی اعمال کے نتائج آخرت میں ہی سامنے نہیں آئیں گے بلکہ دنیا میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اس لئے آخرت کے ذکر میں بتایا کہ جو دنیا میں روحانی اندھا تھا اور رؤیت الٰہی سے محروم تھا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہو گا اور لقا الٰہی سے محروم رہے گا۔جنہیں کے دیکھنے کا قرآنِ کریم میں ذکر ہے پس یہاں لقا الٰہی سے محرومی ہے۔صاحبِ کشف و الہام دنیا میں ہی رویت الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں۔ وہ روحانی طور پر بینا ہوتے ہیں کیونکہ خدا کا کلام قائم مقام دیدار کے ہے۔ ورنہ انسان ان ظاہری آنکھوں سے خدا کا دیدار نہیں کر سکتا۔ہاں خدا کا عرفان حاصل کر سکتا ہے اور روحانی آنکھ سے خدا کو دیکھتا ہے۔پس صاحبِ کشف و الہام کی بہشتی زندگی اس دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔خدا کو دیکھنے کی آنکھیں اور اس کو دیکھنے کے حواس و قویٰ وہ اس جہان سے ہی ساتھ لے جاتا ہے۔ان حواس اور بصیرت کو پانے کا نسخہ بھی حضرت مسیح موعودؑ نے سمجھا دیا کہ ”خدا تعالیٰ کی محبت اس قدر استیلا کرے (غالب ہو) کہ ماسوی اللہ جل جاوے۔“ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳۵ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸) سورۃ انشقاق آیت ۷ میں لقا الٰہی کے لئے **قدح** کی شرط لگائی **قدح** کسی کام میں اتنی شدید محنت ہے کہ اس کا اثر جسم پر محسوس ہو۔پس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے شدید ریاضت و عبادت درکار ہے تا دنیا میں بھی بینا ہو اور آخرت میں بھی بینا ہو۔تاہم یہ اللہ کے خاص فضل پر موقوف ہے۔

كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ

قریب تھے وہ کہ عذاب میں مبتلا کر دیں تجھے اس سے جو وحی کی ہم نے طرف تیری تاکہ افتراء کرے تو

عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ وَلَوْلَآ اَنْ

ہم پر خلاف اس کے اور تب ضرور بنا لیں گے تجھے دلی دوست اور اگر نہ ہوتا یہ کہ

ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۵﴾ اِذًا

مضبوط کرتے ہم تجھے یقیناً یقیناً قریب تھا تو کہ جھکے طرف ان کی کچھ تھوڑا سا تب

۷۴۔ **کادا** کا لفظی معنی ہے وہ قریب ہوا۔ اس نے ارادہ کر لیا۔

لیکن بقول حضرت مصلح موعودؓ **کاد** سے پہلے نفی کا حرف آئے تو **کاد** کے بعد کا فعل یہ معنی دے گا کہ وہ فعل ہو گیا۔اگر **کاد** کا لفظ مثبت معنوں میں ہو تو **کاد** کے بعد کا فعل یہ معنی دے گا کہ وہ فعل نہیں ہوا۔ اس آیت میں **کاد** مثبت استعمال ہوا ہے اس لئے بعد کے فعل کے متعلق یہ سمجھا جائے گا کہ وہ فعل صادر نہیں ہوا اور وہ اپنے ارادوں میں ناکام رہے۔

یہاں ان تمام واقعات کی طرف اشارہ ہے جب کفارِ مکہ فرداً فرداً بھی اور وفود کی صورت میں بھی آپ ﷺ کو اپنی تعلیم میں کچھ نرمی اختیار کرنے کے لئے کہتے تھے۔یہاں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے جب ان کا وفد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آیا کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ محمدؐ شرک کرے بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے تو ہم اسے اپنا سردار بنا لیں گے۔(سیرت النبی ابن ہشام طلب ابی طالب ابی الرسول الکف جلد ا صفحہ ۲۶۶)

یہاں بتایا کہ ہر قسم کا لالچ اور ایذا رسانی کے باوجود کفار اپنے تمام بد ارادوں میں ناکام رہے وہ نہ آپ ﷺ پر شدید ظلم کر سکے اور نہ ہی قرآنِ کریم میں کسی تبدیلی پر مجبور کر سکے اور اس ارادے میں بھی کامیاب نہ ہوئے کہ اپنی بات منوا کر آپ ﷺ کو اپنا گہرا دوست بنا لیں۔

۷۵۔ **کِدتَّ**۔ تو نزدیک تھا۔ بہت ممکن تھا۔ ہو سکتا تھا۔ **ترکنُ**۔ رکن۔ **رکن الیہ**۔ اس کی طرف مائل ہوا۔ **ترکنُ**۔ تو جھکے گا۔

یہاں ملحقہ آیت کی مزید تشریح فرمائی کہ کلامِ الٰہی کی وجہ سے جو تجھے ثبات بخشا ہے، اس کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ تو کچھ بھی ان کی طرف مائل ہو۔باقی رہا نزولِ قرآن سے پہلے کا زمانہ تب بھی تیری فطرت اتنی پاکیزہ تھی کہ تو ان کی مشرکانہ باتوں کو کبھی قبول نہ کرتا۔ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض نہایت معمولی باتوں میں ان کے طریق پر عمل کر لیتا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ایسا بھی نہ ہوا اور آپ ﷺ کا دامن مطہر ہر برائی سے پاک رہا۔ دعویٰ رسالت سے

لَاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ

ضرور چکھاتے ہم تجھے کئی گنا (عذاب) زندگی کا اور کئی گنا (عذاب) موت کا پھر نہ پاتا تو

لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۶﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ

اپنے لیے ہم پر کوئی مددگار اور یقیناً قریب تھے وہ تو اضطراب میں ڈالدیں تجھے اس زمین میں

پہلے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے شرک، شراب نوشی اور فسق و فجور تو دور کی بات ہے کوئی ادنیٰ سی برائی بھی ثابت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق و امین مشہور تھے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ نبوت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی غلطی کے مرتکب ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! مگر میرے اللہ نے مجھے اس سے بچا لیا۔ میں نو عمر تھا اپنے چچا کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ مجھے لڑکوں نے اطلاع دی کہ آج رات فلاں جگہ آجانا ہم اس ٹیلے سے نظارہ کریں گے۔ کسی سردار کے بیٹے کی شادی ہے بازار سے مختلف کرتب دکھاتے ہوئے حبشی اور ناچتی گاتی لونڈیوں کی ٹولیاں گزریں گی۔ میں رات کو وہاں چلا گیا اور سو گیا۔ لڑکوں نے مجھے جگایا کہ شادی کا جلوس گزر گیا اور تم سوئے رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کی مجلس میں جانے کا ارادہ کیا مگر دونوں دفعہ روک دیا گیا۔ (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۵۲۰۔ از محمد بن جریر طبری دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ طبع اوّل) غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بچپن سے شرک اور دیگر لغویات سے متنفر کر دیا۔ (تفصیل سورۃ النجم آیت ۵۳) ایسی ہی آیات قرآن کریم کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت کرتی ہیں۔

۷۶۔ حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی **اللّٰھم لاتکلنی الیٰ نفسی طرفة عین** یعنی اے اللہ! مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے نفس کے سپرد نہ کیجیو۔ (مسند احمد بن حنبل) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حفاظتِ الٰہی پر کس قدر بھروسہ تھا۔ پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت میں نہ ہوتے اور افترا کے مرتکب ہوتے تو دنیا و آخرت میں ایک بڑے عذاب کے مستحق ٹھہرتے۔ یہاں یہ بتایا کہ جھوٹے مدعی نبوت کو مہلت نہیں دی جاتی اور جلد پکڑا جاتا ہے تا مخلوقِ خدا گمراہ نہ ہو جائے۔ ایسا ہی ایک مضمون ازواجِ مطہرات کے بارے میں آتا ہے کہ اگر وہ فاحشہ کی مرتکب ہوں تو انہیں دگنا عذاب ہو گا۔ پس نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کسی غلطی کی مرتکب ہوئی اور نہ ہی ازواجِ مطہرات سے کوئی لغزش ہوئی اس میں مومنین کے لئے انذار فرمایا۔

لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۷﴾

نکال دیں تجھے اس سے اور تب نہ ٹھہریں گے پیچھے تیرے مگر تھوڑا سا

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا

سنت ان لوگوں کی جنہیں یقیناً بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے رسولوں میں سے اپنے اور نہ پائے گا تو سنت کیلئے ہماری

تَحْوِيْلًا ﴿۷۸﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ ع ۸/۸

بدلنا قائم کر نماز بوقت ڈھلنے سورج کے تا چھاجانے رات کے

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَ

اور قرآن فجر کے یقیناً قرآن فجر کا ہے حاضر کیا گیا اور

۷۷۔۷۸۔ **الاستفزاز (فزّ)** ہلکا اور خفیف سمجھنا۔ جگہ سے ہٹا دینا۔

یہ مکی سورۃ ہے۔ یہاں کفارِ مکہ کی ان تمام تجویزوں کی طرف اشارہ ہے جن کا مقصد معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل کر کے مکہ سے نکالنا تھا۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی خود ہی ہجرت فرما گئے اگر وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو جاتے تو بہت جلد تباہ ہو جاتے۔ کیونکہ اپنے رسولوں کے بارہ میں ہماری یہی سنت رہی ہے اور تو اس میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔ جب بھی کسی رسول کو اس کی قوم نے ہتک آمیز سلوک کر کے اپنے ملک سے نکالا تو اس قوم پر عذاب استیصال آیا جیسا کہ قومِ صالح تباہ ہوئی یا جیسے مسیحؑ کو صلیب کے نتیجہ میں ملک [illegible] پڑا اور قوم یہود تباہ ہوئی۔

اس آیت کی تشریح میں خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تجھے تیرے موقف سے ہٹا کر اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو تیرے بعد وہ بھی تھوڑا ہی عرصہ یہاں رہیں گے۔ اس لئے کہ سنت اللہ یہی ہے۔ یہ ایک زبردست پیشگوئی اور انذار ہے کہ تیرے بعد وہ بھی لمبا عرصہ اس وطن میں نہیں رہ سکیں گے۔ تجھے بے وطن کیا تو وطن ان کا بھی نہیں رہے گا۔ یا سب کا ہو گا یا کسی کا بھی نہیں ہو گا۔ آخر انہیں کے سپرد ہوا جن کو نکالا گیا تھا۔ فتح مکّہ کے بعد وہی رہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مالکیت کے تابع تھے۔ یہی سنت اللہ آج بھی ہے جس میں تو کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔ مسیح محمدی کے پیروؤں پر اُن کے وطن کی زمین تنگ کرنے والوں کے لئے بھی انذار ہے۔

۷۹۔ اس رکوع میں بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت بھی مبارک ہو گی اور واپس مکّہ آنا بھی مبارک ہو گا گویا فتح مکہ کی پیشگوئی فرمائی۔ **دلوک الشمس**۔ سورج کا ڈھلنا۔ **غسق الیل**۔

رات کے ابتدائی حصہ کی تاریکی یا رات کا خوب تاریک ہو جانا۔ **مشھـوداً۔ شھـد**۔ واقع ہونا۔ حاضر ہونا۔ **مشھوداً**۔ گواہی دیا گیا۔ حاضر کیا گیا۔

ہجرت کے ساتھ چونکہ جنگوں اور غلبہ اسلام کی پیشگوئیاں تھیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ نمازوں کی طرف خاص توجہ دلائی جاتی۔ جنگوں میں نماز ادا کرنے کے لئے خاص تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔اس لئے بھی تاکید فرمائی تا سستی نہ ہو۔ نیز غلبہ اسلام کو قریب تر لانے کے لئے بھی نماز اور دعا ضروری تھی۔

عربی ایسی جامع زبان ہے کہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہیں۔**دلوک** کا لفظ زوال کے لیے آتا ہے۔اس لئے اس میں ظہر وعصر کی نمازیں آگئیں۔**غسقِ الیّل** رات کے ابتدائی حصہ کی تاریکی سے شدید تاریکی کے لئے آتا ہے۔اس میں مغرب و عشاء کی نمازیں آگئیں۔قرآن الفجر فجر کی نماز کو کہا کیونکہ اس میں قرآن کریم زیادہ پڑھا جاتا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں لمبی سورتیں پڑھتے تھے۔باقی نمازوں میں بتدریج چھوٹی نمازِ مغرب میں بہت چھوٹی۔عموماً پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھتے۔**قرآن الفجر کان مشھوداً**۔ حدیث میں ہے کہ نمازِ فجر کے وقت صبح کے فرشتے آتے اور رات کے جاتے ہیں۔وہ اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں۔خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی بابت دریافت فرماتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ جب ہم دنیا میں گئے تو تیرے بندوں کو نماز پڑھتے پایا۔جب واپس آئے تو انہیں نماز پڑھتے چھوڑا۔غرض صبح کی نماز خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاتی ہے اور خاص مقبول ہے۔اسی طرح صبح کا قرآن پڑھنا خاص طور پر قیامت کو پیش ہو گا۔ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو اکٹھا کہنے میں یہ بھی حکمت تھی کہ یہ نمازیں سفر میں یا بوقتِ ضرورت جمع ہو سکتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس آیت کی تفسیر مختصر طور پر بیان کرتی ہوں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ پانچ نمازوں میں ان پانچ تغیرات کی طرف اشارہ ہے جو عام طور پر مصیبت وبلا کے وقت ہر انسان کے شاملِ حال ہوتے ہیں۔جیسا کہ احادیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو نماز سکھائی تو ظہر کی نماز سے ابتدا کی جو زوالِ آفتاب سے شروع ہوتی ہے۔گویا انسانی زندگی کی خوشحالیوں پر زوال کی ابتدا ہوتی ہے۔اس پر کوئی آفت یا مصیبت آتی ہے۔وہ پریشانیوں اور بلاؤں میں گھرنے لگتا ہے اور تذلل اختیار کرتا ہے۔اس کی عکسی حالت نمازِ ظہر ہے۔پھر یہ پریشانی مزید بڑھتی ہے امیدوں کی روشنی مدھم پڑنے لگتی ہے مایوسیاں گھیرنے لگتی ہیں۔اس روحانی حالت

مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ

رات کو پس تہجد پڑھ اس میں بطور نوافل کے اپنے لیے قریب ہے یہ کہ کھڑا کرے تجھے

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ

رب تیرا مقام محمود پر اور تو کہہ دے اے رب میرے داخل کر مجھے داخل ہونے کی جگہ

صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ

عمدہ میں اور نکال مجھے نکالنے کی جگہ عمدہ میں اور بنا میرے لیے جناب سے اپنی

کے مقابل نمازِ عصر ہے جب سورج کی روشنی ماند پڑنے لگتی ہے۔تیری حالت وہ ہوتی ہے کہ امید کی کوئی کرن باقی نہیں رہتی۔اور تاریکی چھانے لگتی ہے۔اس حالت کے مقابل نمازِ مغرب ہے۔ یہاں تک کہ گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔مصیبت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور انسان بکلّی ناامید ہو جاتا ہے۔اس روحانی حالت کے مقابل نمازِ عشاء ہے۔پھر ایک طویل اندھیرے کے بعد جس میں تہجد کی گریہ وزاری بھی شامل ہے۔اللہ تعالیٰ کا رحم جوش مارتا ہے اور سپیدہ سحر اس اندھیرے کو چیرتا ہوا امید کی کرن بن کر ظاہر ہوتا ہے۔تمام ظلمتیں آہستہ آہستہ چھٹنے لگتی ہیں۔مصیبتوں کا دور ختم ہوتا ہے اور ایک روشن دن طلوع ہوتا ہے۔اس روحانی حالت کے بالمقابل نمازِ فجر ہے۔اسلامی نمازوں کے اوقات میں یہ حکمت بھی ہے کہ جن اوقات میں مشرکین وکفار اپنے معبودوں کی عبادت کرتے تھے ان اوقات میں نماز پڑھنے اور سجدہ کرنے سے منع فرمایا تاکہ ظاہری مطابقت سے ٹھوکر لگنے کا احتمال نہ رہے۔صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آقاؤں کو اپنے غلاموں کو عبد کہنے سے منع فرمایا اور غلاموں کو اپنے آقاؤں کو ربّ نہ کہنے کا حکم دیا تاکہ کبھی شرک کا احتمال نہ ہو۔

۸۰۔**تہجد۔ہجد**۔رات کو سو کر اٹھنا۔نافلہ۔نفل جو فرض سے زیادہ ہیں۔چونکہ بیٹے کا بیٹا اصل پر زیادت ہے اس لئے پوتے کو بھی نافلہ کہتے ہیں۔فرائض میں جو کمی رہ جائے اسے نوافل پورا کرتے ہیں۔نیز ترقی درجات اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں۔تہجد کو نافلہ کہا کہ یہ تیرے لئے زائد انعام ہے۔اگرچہ ہر نماز ہی انعامِ الٰہی ہے جبکہ یہ زائد انعام ہے۔

پانچ فرض نمازوں کے بعد نماز تہجد کا ذکر کیا جو نفلی نماز ہے اور رات کو بیدار ہوکر پڑھی جاتی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی تھی کہ آپ پچھلی رات کو بیدار ہوکر تہجد ادا فرماتے اور یہی صورت افضل ہے۔اس میں دو دو کر کے آٹھ نفل اور آخر میں تین وتر پڑھے جاتے ہیں۔کم وقت کی صورت میں یا بعض دیگر وجوہ کی بنا پر کم نفل بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔جن احادیث

سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۱﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ

غلبہ مدد دینے والا اور تو کہدے آگیا حق اور چلا گیا باطل

میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے ان میں فجر کی دو سنتوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔احادیث میں اس نماز کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے اور اسے قربِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔یہ وقت خاص قبولیت دعا کا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! ہمارا ربّ ہر رات قریبی آسمان تک نزول کرتا ہے۔جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کو جواب دوں۔کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو دوں۔کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں (متفق علیہ) حضرت اسماءؓ بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا پھر ایک منادی اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں اور خوابگاہوں سے جدا رہتے تھے یہ سن کر تھوڑے سے لوگ میدان سے اٹھیں گے اور بغیر حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ پھر باقی لوگوں سے حساب ہو گا۔(بیہقی) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رات کی نماز میں پہلی چھ سورتیں پڑھیں۔یہ وہ وقت تھا کہ جب کفار آپ کا نام بگاڑ کر آپ ﷺ کو معاذاللہ مذمّم کہتے تھے ان حالات میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے مقامِ محمود کا وعدہ فرماتا ہے جو شفاعتِ کبریٰ کا مقام ہے اور آپ ﷺ سے خاص ہے۔نیز دنیا میں بھی آپ ﷺ کو مقامِ محمود عطا ہُوا کہ قیامت تک آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجا جاتا رہے گا۔اور آپ ﷺ کی حمد و ثنا کی جائے گی۔ہر مسلمان کو یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اسے مقامِ محمود نصیب کرے۔یہ مقام تہجد پڑھنے والوں کے لئے خاص ہے۔

۸۱۔صدق وہ قول یا فعل ہے جو ظاہر و باطن میں عمدہ اور مبارک ہو۔بقول حضرت ابن عباسؓ یہ ہجرت اور فتح مکہ کی پیشگوئی تھی (ترمذی) جس میں فتح کی خوشخبری کو پہلے اور ہجرت کی خبر کو بعد میں رکھا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ جس طرح ہجرت یقینی اور ظاہر و باطن میں عمدہ اور مبارک ہو گی اسی طرح غلبہ بھی یقینی اور مبارک ہو گا اس طرح غلبہ و نصرت کی خوشخبری پہلے دے کر ہجرت کے دکھ کو مٹا دیا اس میں آپ ﷺ کے اسراء کے عظیم کشف کی بھی تعبیر تھی۔اس غلبہ کے جلد آنے کے لئے آپ ﷺ کو دعا سکھائی کہ اے میرے اللہ! اپنے حضور سے مجھے مدد دینے والا غلبہ عطا کیجیو۔کیونکہ بغیر کامل غلبہ کے اسلامی احکام کماحقہٗ رائج نہیں ہو سکتے **سُلْطٰنًا نصیرًا** کے معنی

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۲﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ

یقیناً باطل ہے بہت بھاگنے والا اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے وہ جو کہ

شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ

شفا اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیے اور نہیں وہ (قرآن) زیادہ کرتا ظالموں کو

اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۳﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَا

مگر گھاٹے میں اور جب انعام کرتے ہیں ہم انسان پر اعراض کرتا ہے اور دُور

یہ بھی ہیں کہ مجھے ایسا مدد گار عطا فرما جو غلبے کی طاقت رکھتا ہو۔پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق رکھنے والی پیشگوئی بھی ہے۔

۸۲۔**حق** سے مراد مذہبِ اسلام اور آپ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔**باطل**،شرک اور مشرکوں کے باطل دعاوی و عقائد ہیں۔**زھق** کا لفظ تدریج پر دلالت کرتا ہے گویا کمزور ہوتے ہوتے بالکل مٹ جانا۔اس ایک لفظ میں باطل قوتوں کا بتدریج کمزور ہوتے جانا اور آخر فتح مکہ کی صورت میں باطل کا ایسا مِٹ جانا کہ پھر عرب میں کبھی داخل نہ ہو سکنا،شامل ہے گویا فتح مکہ کی خوشخبری کے ساتھ ایک عام اصول بھی بتا دیا کہ باطل خواہ کیسی ہی طاقت ور دلفریبیوں کے ساتھ آئے آخر اسے مٹنا ہی ہے اور آخری غلبہ ہمیشہ حق کا ہی ہو گا انشاء اللہ حق کا آنا اور باطل کا بھاگ جانا **سلطٰنًانصیرًا** سے وابستہ ہے۔حق ظاہر ہوتا ہے تو باطل مٹتا ہے۔ پس آسمانی روشنی ہی ظلمات کو مٹانے کا باعث بنتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکّہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اس وقت خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے۔آنحضرت ﷺ اپنی چھڑی مبارک سے ایک ایک بت پر ضرب لگاتے اور اسے گراتے جاتے تھے۔اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔سخت بیکسی کی حالت میں کہی ہوئی یہ پیشگوئی فتح مکّہ کے دن اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی اور انشاء اللہ قیامت تک پوری ہوتی رہے گی۔

۸۳۔آنحضرت ﷺ کا مقامِ محمود پر فائز ہونا، **سلطٰنًا نصیرًا** کا عطا ہونا، حق کا آنا اور باطل کا مٹ جانا۔ان سب کا تعلق قرآنِ کریم سے تھا اس لئے قرآن کریم کے فیوض و برکات کا ذکر کیا۔حقیقت یہ ہے کہ کوئی شے خواہ کیسی ہی عظیم ہو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے مختلف نظر آتی ہے۔ قرآنِ کریم جو سراسر شفاء و رحمت ہے جس نے مومنین کو روحانیت کی معراج پر پہنچا دیا اور انہیں ان کے ربّ سے ملا دیا۔یہی قرآن کفار و مشرکین کے ازدیادِ کفر کا باعث بنا اور انہیں سوائے اعتراضات

بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۴﴾ قُلْ كُلٌّ

کرتا ہے پہلو اپنا اور جب پہنچتی ہے اُسے تکلیف ہوتا ہے مایوس تو کہدے ہر شخص

يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى

کام کرتا ہے مطابق طریق کے اپنے پس رب تمہارا خوب جانتا ہے اسے کہ جو زیادہ ہدایت والا ہے

ع ۹ سَبِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ

راستہ کے لحاظ سے اور پوچھتے ہیں تجھ سے متعلق روح کے تو کہدے روح حکم سے ہے

اور نکتہ چینی کے اس میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس لئے کہ انہوں نے کبھی بھی تعصب کی عینک اتار کر غور و فکر نہیں کیا۔ بیشک قرآن کریم کے ذریعہ روحانی بیماریوں کے شفا ہونے میں تو کوئی کلام نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسمانی بیماریوں کے لئے بھی شفا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا سورۃ فاتحہ کو شفا کہنا اور اسے پڑھ کر بیماروں پر پھونکنا یا معوذتین کو پڑھ کر دم کرنا ثابت ہے۔ لیکن اسے تعویذ گنڈوں کے لئے مخصوص کر لینا جہالت ہے۔ حسنؒ اور مجاہدؒ وغیرہ نے اس سے روکا ہے (تفسیر روح المعانی) ان ظالمین میں کفار و مشرکین کے علاوہ منافقین بھی شامل ہیں جو بقول ان کے قرآن کی پیروی سے سراسر گھاٹے میں رہے کہ جانیں بھی گئیں اور مال واولاد سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔

۸۴۔ دو گروہوں کا ذکر تھا ان کی مزید وضاحت فرمائی کہ کفار و مشرکین کی عجیب حالت ہے کہ قرآن جیسی عظیم نعمت سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اجتناب کرتے ہیں۔ گویا روشنی سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں، اندھیروں میں بھٹکتے اور ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا عذاب نازل ہوتا ہے تو سخت مایوس ہو جاتے ہیں اسی طرح دیگر دنیوی نعمتوں پر بھی انہیں اللہ تعالیٰ کے شکر کا خیال نہیں آتا بلکہ اسے اپنے ہی کمال کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ جب یہ نعمتیں چھین لی جاتی ہیں یا اس ناشکری کے نتیجہ میں کوئی دکھ پہنچتا ہے تو رحمت الٰہی سے بالکل ہی مایوس ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ایک مومن نعمتوں پر اپنے ربّ کا شکر گزار ہوتا ہے۔ اسی کی طرف سب کچھ منسوب کرتا ہے اور اُس کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ کسی آزمائش سے دوچار ہو جائے تب بھی رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ اسے قادر سمجھا ہے کہ جس نے پہلے عطا کیا وہ اب بھی اپنے فضل سے جب چاہے گا اسے نوازے گا۔

۸۵۔ **شاکلۃ**۔ عادت۔ روش۔ طریق۔ جبلت۔

دونوں گروہوں کو خوب واضح کر کے اب یہاں بتایا کہ مومن ہو یا کافر ہر شخص اپنے اپنے دائرہ عمل میں اپنے ماحول، طور طریق، طبیعت و خصلت، دین اور نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ لیکن

رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۶﴾ وَلَىِٕنْ شِئْنَا

میرے رب کے اور نہیں دیئے گئے ہو تم علم میں سے مگر تھوڑا سا اور البتہ اگر چاہیں ہم

ان میں سے زیادہ صحیح راہ پر کون ہے۔ اسے تیرا ربّ ہی بہتر جانتا ہے۔ پس اسی پر فیصلہ چھوڑ دو نتیجہ ظاہر کردے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل کا پیرو۔ اس نتیجہ کے لئے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جلد ہی فتح مکہ سے ظاہر ہو گیا جیسا کہ ہندہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئی کہ اگر ہمارے ان معبودوں میں کچھ بھی طاقت ہوتی تو آج ہم اتنے ذلیل نہ ہوتے۔ اس عاجزہ کی رائے میں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تمہارا ربّ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون صحیح راستہ پر ہے تو پھر اسی ربّ کریم سے پوچھنا چاہیئے گویا استخارہ اور دعا کی طرف اشارہ ہے۔ جن بندوں نے خالی الذہن ہو کر اپنے ربّ کو پکارا اور ہدایت چاہی انہیں ہدایت ضرور ملی۔

۸۶۔ روح سے مراد عام روح کے علاوہ کلامِ الٰہی ہے۔ نیز کلام الٰہی لانے والا فرشتہ اور کلام الٰہی پہنچانے والا نبی ہے۔ اسی لئے جبریل امین کو روح القدس کہا گیا یا جیسے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کو روح اللہ کہا گیا۔ پہلے رکوع میں قرآنِ کریم کا ذکر تھا۔ اس رکوع میں بھی قرآن کریم کے اعجاز کا ہی ذکر ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں اس آیت کی تفسیر میں فرمایا۔ منکرین بعث بعدالموت کے قائل نہیں تھے۔ اس لئے روح کو جسم سے الگ حیثیت میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھے۔ جبکہ اسلامی نظریہ میں روح کو جسم سے الگ ہونے کے باوجود باقی رہنے کی طاقت بخشی گئی ہے۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے سائنسدان اس مفروضے پر اٹل تھے کہ مادہ سے الگ ہو کر کوئی توانائی اپنا تشخص قائم نہیں رکھ سکتی۔ آج سائنسدان اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ایسی توانائی (Energy) ہے جو مادہ سے الگ ہو کر اپنا تشخص بحال رکھ سکتی ہے۔ آج جاپان کمپیوٹر میں مادے کے بغیر انرجی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ **الرّوحُ مِن أمرِ رَبّیّ**۔ روح کا وجود خدا کے حکم سے ہُوا ہے، جو حکم سے بھیج سکتا ہے وہ حکم سے واپس بھی بلا سکتا ہے۔ ہاں اس کے متعلق تمہیں علم بہت کم دیا گیا ہے۔ **ومآ اوتیتم مّن العلم الاّ قلیلًا ؀** میں ایک عام حقیقت کو بھی بیان فرمایا کہ علم الٰہی غیر متناہی ہے۔ انسان کو بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔ جملہ انبیاء علیہم السلام بھی اس سے باہر نہیں۔ ہمہ دان صرف اللہ کی ذات ہے۔ بقول حضرت مصلح موعودؓ الروحؔ سے مراد روحِ کامل ہے جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے اور بعض امورِ غیبیہ سے آگاہ کی جاتی ہے۔ اور من امر ربی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تیار ہوتی ہے اور تمام صفاتِ کاملہ کو اپنے اندر رکھتی ہے۔

لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ

تو لے جائیں ہم اسے جسے وحی کیا ہم نے طرف تیری پھر نہ پائے گا تو اپنے لیے

عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۷﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ

خلاف ہمارے (کوئی) کارساز سوائے رحمت کے طرف سے رب کے تیرے یقیناً فضل اس کا ہے

عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۸﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ

تجھ پر بڑا تو کہدے البتہ اگر جمع ہو جائیں انسان اور جن

عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ

اس بات پر کہ وہ لائیں مانند اس قرآن کی نہ لائیں گے مانند اس کے

۸۷۔۸۸۔کلام الٰہی بھی روح کے معنی دیتا ہے۔جب تک اللہ چاہتا ہے قائم رکھتا ہے جب چاہتا ہے اُٹھا دیتا ہے۔نیز اس سورۃ میں زیادہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے اس لئے ان کے تعلق میں بھی فرمایا کہ جس طرح گزشتہ کتابیں منسوخ ہو گئیں اور اٹھا دی گئیں اگر ہم چاہتے تو قرآن کو بھی اٹھا سکتے تھے۔لیکن اللہ کی مشیت اور رحمت نے ایسا نہیں چاہا۔چونکہ تجھ پر تیرے رب کا عظیم فضل ہے اس لئے وہ اس نور کو بجھنے نہیں دے گا۔ہاں مجازی رنگ میں ایسا ضرور ہوگا۔جیسا کہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔۔۔۔۔یہ ایک لمبی حدیث ہے۔(مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ۳۸۔کنز العمال ۶ر۴۳)

چونکہ اس امتِ مرحومہ کو آنحضرتﷺ کے فرمان کے مطابق یہود کے قدم بقدم چلنا تھا (ترمذی بروایت عبداللہ بن عمر) اس لئے لازم تھا کہ ان پرآشوب حالات میں کوئی ابنِ مریم ایمان کو ثریا سے اتار لاتا اور اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو طوفانی لہروں سے بچا کر ساحل تک لے آتا۔پس محبوبِ خدا محمد عربیﷺ کی امت پر اس کے ربّ کا خاص فضل و احسان ہُوا اور اس نے اپنے وعدوں کے عین مطابق آپﷺ کے ایک سچے خادم حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔جو آنحضرتﷺ کے فرمان کے مطابق (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعۃ) **ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیه من یّشآء** کے مصداق ٹھہرے۔(سورۃ جمعہ آیت ۵) آپ کی بعثت کی غرض آپ کی اپنی تحریر میں پیشِ خدمت ہے۔چونکہ یہ تحریر اخبار الفضل سے لی گئی ہے اس لئے جگہ جگہ سنسر کی دست برد کا شکار ہے۔آپ فرماتے ہیں!''خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا تو اس سے یہی غرض رکھی کہ وہ حقیقی معرفت جو دنیا سے مفقود ہو گئی تھی اور وہ حقیقی تقویٰ و طہارت جو اس

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

اور اگرچہ ہو بعض ان کا واسطے بعض کے مددگار اور یقیناً یقیناً بار بار لائیں ہم نے

لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ

لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر عمدہ بات پس انکار کیا اکثر

النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى

لوگوں نے مگر کفر کا اور انہوں نے کہا ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم تجھ پر جا نتک کہ

زمانہ میں پائے نہیں جاتے تھے، دوبارہ اسے قائم کرے۔عام طور پر تکبر دنیا میں پھیلا ہُوا ہے۔ علماء اپنے علم کی شیخی اور تکبر میں گرفتار ہیں۔فقراء کو دیکھو تو ان کی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے۔ ان کو اصلاح نفس سے کوئی بھی غرض نہیں۔جس قدر مجاہدے اور ریاضتیں ان لوگوں نے خود تجویز کئے ہوئے ہیں، وہ سب گمراہی اور بدعات ہیں اور صرف لفظ ہی لفظ جسم ہی جسم ہیں۔روحانیت کا نام و نشان ان میں نہیں۔اس لئے ان کے مجاہدے اور ریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کے ہیں۔جیسے ذکر ارہ وغیرہ جن کا پتہ۔۔۔۔۔سے قطعاً نہیں ملتا۔میں دیکھتا ہوں کہ نفس کو پاک کرنے کی طرف ان کو کوئی توجہ ہی نہیں۔اور نہ یہ ان کے مصنوعی مجاہدے دل کو پاک کر سکتے ہیں اور نہ کوئی حقیقی نور معرفت کا ان سے حاصل ہو سکتا ہے۔پس یہ زمانہ اس اصلی تقویٰ اور طہارت سے اس وقت بالکل خالی پڑا تھا۔طریق۔۔۔۔۔کو جو پاک ہونے کا ذریعہ تھا بالکل ترک کر دیا گیا۔اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ۔۔۔۔۔اس زمانے میں دوبارہ آوے اور وہی تقویٰ و طہارت پھر قائم ہو جاوے۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی غرض اس جماعت سے یہ ہے کہ گمشدہ معرفت کو دوبارہ دنیا میں اس جماعت کے ذریعے قائم کر دے۔''(الفضل ۲۶ اگست ۱۹۹۵ء)

۸۹۔فرمایا اس کتاب کا منسوخ ہونا تو تب ضروری تھا کہ اس میں کسی تحریف کا خدشہ ہوتا یا اس سے بہتر قرآن بنانا ممکن ہوتا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے جن و انس مل کر بھی ایسا فصیح و بلیغ اور پُر معارف کلام بنانے سے عاجز ہیں۔پس یہ قرآن قیامت تک کے لئے شمع ہدایت ہے۔قرآن نے یہ دعویٰ بار بار کیا کہ ایسی کتاب جو کمالاتِ قرآنی کا مقابلہ کر سکے، پیش کرو۔لیکن وہ عرب جنہیں اپنی فصاحت و بلاغت اور زباں دانی پر بڑا ناز تھا ایک امی کے پیش کردہ قرآن کی مثل بنانے سے عاجز رہے۔کیونکہ یہ خدائی کلام تھا نہ کہ حضرت محمد مصطفیٰﷺ کی اپنی تصنیف یا اپنے خیالات۔

۹۰۔وہ اس کی مثل پیش بھی کس طرح کر سکتے تھے۔جبکہ قرآن کریم نے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ہر قسم کی تمثیلات کے ذریعہ ہر پہلو کو واضح کر دیا۔تمام دینی و دنیوی احکام اور قوانین

تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ۝۹۱ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ
پھاڑ دے گا تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ یا ہو تیرے لیے باغ

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝۹۲
کھجوروں اور انگوروں کا پس تو چلا دے نہریں درمیان اُنکے خوب چلانا

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ
یا تو گرا دے آسمان جیسا کہ بیان کیا تو نے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے یا لائے تو

بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝۹۳ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے یا ہو تیرے لیے گھر

زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ
سونے کا یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہرگز نہیں مانیں گے ہم چڑھنے کو تیرے

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ
یہاں تک کہ آتارے تو ہم پر کتاب پڑھیں ہم جسے تو کہدے پاک ہے رب میرا

ع ۱۰ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۴ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ
نہیں ہوں میں مگر انسان رسول اور نہیں روکا لوگوں کو اس سے

خوب وضاحت سے بیان کر دیئے خواہ ان کا تعلق اخلاقیات سے ہو روحانیت سے سیاسیات سے یا اقتصادیات سے۔خاندانی مسائل ہوں یا تمدنی و معاشرتی، سائنس کی گتھیاں ہوں یا فقہ کی پیچیدگیاں غرض تمام مسائل کو اصول وضوابط کے تحت مختلف پیرایوں سے خوب کھول کر بیان فرمایا۔قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے مگر اکثر لوگ محض ضد اور تعصب کی وجہ سے اس عظیم نعمت کا انکار کر کے ناشکری کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۹۱ تا ۹۴۔ **ینبوعًا**۔اس چشمہ کو کہتے ہیں جس سے پانی ابل رہا ہو۔**ینبوع**۔چشمہ جمع **ینابیع**۔**کِسفًا**۔واحد کسف۔ٹکڑے۔**قبیل**۔قبیلہ کی جمع ہے مراد جماعت۔**قبیلًا** کے معنی سامنے کے ہیں۔

قرآن کریم جو خدا تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔اس پر غور وفکر کرنے اور فائدہ اٹھانے کی بجائے بیہودہ مطالبات کیے کہ اگر یہ معجزات نہ دکھائے گئے تو ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ان کے تمام لایعنی مطالبات کا صرف ایک جواب دیا۔**سبحان ربیّ هل کنتُ الّا بشرًا رّسولًاo** کہ میرا ربّ ان بیہودہ باتوں سے پاک ہے وہ اپنی سنتِ قدیمہ اور دائمی قانون کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا۔میں بشر رسول ہوں اس قسم کے خارق عادت معجزات دکھانے کا مجاز نہیں۔

يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ
کہ ایمان لائیں جبکہ آئی ان کے پاس ہدایت مگر یہ کہ کہا انہوں نے کیا بھیجا ہے

اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝۹۵ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ
اللہ نے انسان رسول تو کہدے اگر ہوتے زمین میں فرشتے

يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا
چلتے اطمینان سے البتہ اتارتے ہم اُن پر آسمان سے فرشتہ

میں تو صرف حکم الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔جس قسم کی شعبدہ بازیاں تم چاہتے ہو وہ آج تک کسی رسول سے ثابت نہیں۔

بیشک ان تمام باتوں کا ذکر قرآن کریم اور توریت میں ہے۔لیکن اللہ کا کلام استعارہ کی زبان میں ہوتا ہے اور اکثر پیشگوئیاں مجازی رنگ میں پوری ہوتی ہیں۔پس تمہارے یہ تمام مطالبات اپنے اپنے مواقع پر ضرور پورے ہوں گے مگر اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور رسول کی بشریت ثابت ہو نہ کہ کسی جادوگر یا شعبدہ باز کی طرح کہ کھڑے کھڑے سب کچھ پیدا ہو جائے۔پس بہت جلد ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آیا۔مکہ اور مدینہ میں نہریں جاری ہوئیں۔فدک، خیبر اور طائف کے باغات آپ ﷺ کے قبضہ میں آئے۔صحابہ نے عراق، شام، فلسطین اور عدن کی سرزمین فتح کی جہاں باغات اور انہار کی بہتات تھی۔ان جنت نظیر وادیوں میں جیحون، سیحون، دجلہ، فرات اور نیل بہتے تھے۔سونے اور چاندی سے مرصع قیصرو کسریٰ کے محلات نصیب ہوئے، بدر وحنین اور احزاب میں ملائکہ نصرت کے لئے آئے اور خدا کا عذاب بارہا کفار پر نازل ہوا۔معراج میں آپ ﷺ آسمان پر گئے اور احکامِ الٰہی لے کر لوٹے۔اس طرح وہ تمام پیشگوئیاں پوری ہوئیں جو قرآنِ کریم اور توریت میں مذکور تھیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے قرآنِ کریم اور توریت میں ایسے تمام مقامات کی نشاندہی فرمائی ہے۔(نورالدین طبع سوم صفحہ ۹۸)

۹۵۔اس رکوع میں رسول کے انکار اور اس کے نتیجہ میں سزا کا ذکر کیا۔پچھلے رکوع کے مضمون کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اہل مکہ ایک عام انسان کو جس کے شاملِ حال تمام بشری لوازمات ہوں رسول ماننے کو تیار نہیں تھے۔ابھی ان کے مطالبات کا ذکر ہوا حالانکہ کبھی کسی رسول نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ہاں جب وہ رسول گزر جاتے ہیں تو ان کی عزت دلوں میں بڑھنے لگتی ہے اور ان کے متبعین بعض خدائی طاقتیں ان کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔

رَسُوْلًا ﴿۹۶﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۚ اِنَّهٗ
رسول | تو کہدے کافی ہے اللہ گواہ درمیان میرے اور درمیان تمہارے یقیناً وہ

كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ
ہے بندوں کا اپنے خوب خبردار خوب دیکھنے والا اور جسے ہدایت دے اللہ تو وہ

الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۚ
ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو ہرگز نہ پائے گا تو ان کا دلی دوست سوائے اس کے

۹۶۔یہاں صاف طور پر بتلا دیا کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان ہی رسول بن کر آتے ہیں۔تا کہ اپنی پیش کردہ تعلیم کا عملی نمونہ پیش کر کے دکھائیں۔فرشتوں کے لئے اطمینان سے چلنے کا اس لئے کہا کہ ان کی فطرت میں کوئی شوخی ،شرارت یا بغاوت کا مادہ نہیں ہوتا وہ احکام الٰہی پر کماحقہٗ عمل کرتے ہیں پھر انہیں کسی فرشتہ رسول کی ضرورت بھی کیا ہے۔ہاں اگر تم میں فرشتوں والی صفات ہوتیں تو تم پر بھی ضرور فرشتے اترتے۔اگر رسول پر فرشتے اترتے ہیں تو رسول میں فرشتوں والی صفات ہیں۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ آخری درجہ انسانوں کا ملائکہ سے بہت ہی قریبی تعلقات رکھتا ہے اس لئے ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے(حقائق القرآن صفحہ۱۷۵ جلد دوم) تاہم وہ کشفی رنگ میں ملائکہ سے اور خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ورنہ جسمانی حواس سے ملائکہ کو دیکھنا یا ان سے ہم کلام ہونا بشریت کے منافی ہے۔بیشک آنحضرت ﷺ کی زبردست قوت کشفی سے بعض اوقات بعض صحابہؓ بھی کشفی نظارہ کو دیکھ لیتے تھے۔جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کا بعض دفعہ وحی کی بھنبھناہٹ کو سن لینا یا بعض صحابہؓ کا فرشتوں کو دیکھ لینا لیکن وہ بھی حواسِ روحانی سے تھا نہ کہ حواسِ جسمانی سے۔اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ بشر رسول صرف اپنے ہم جنس انسانوں کی طرف ہی آتا ہے نہ کہ دیگر غیر مرئی ہستیوں کی طرف جو ہرگز انسانوں کی ہم جنس نہیں جیسے جن وغیرہ۔جہاں جنوں کا قرآن کریم سننے کے لئے آنے اور ایمان لانے کا ذکر ہے۔اُس کی تفسیر اُسی موقع پر کی جائے گی۔(انشاء اللہ)

۹۷۔کلامِ الٰہی کا ایک ایک لفظ آنحضرت ﷺ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔لیکن جب انہیں اس میں کوئی صداقت نظر نہ آئی تو فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قولی گواہی تمہارے لئے کافی نہیں تو اس کی فعلی گواہی میرے اور تمھارے درمیان کافی ہے وہ میری صداقت کو ثابت کردے گی۔آخر اسلام کی عظیم فتوحات اورکامیابیوں نے اس گواہی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ
اور اکٹھا کریں گے ہم انہیں بروز قیامت چہروں کے بل ان کے اندھے اور

بُكْمًا وَّصُمًّا ۚ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ
گونگے اور بہرے ٹھکانا ان کا جہنم ہے جب کبھی دھیمی پڑنے لگے گی بڑھا دیں گے ہم ان

سَعِيْرًا ﴿۹۸﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا
کو جلنے میں یہ بدلہ ہے ان کا اس لیے کہ انہوں نے کفر کیا آیات کا ہماری

الّنصف

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ
اور کہا انہوں نے کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا چورا کیا یقیناً ہم البتہ اُٹھائے جانے والے ہیں

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ
پیدائش نئی میں کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کئے

۹۸۔**خَبَت**۔بجھ گئی۔ٹھنڈی ہو گئی۔**سعیرا**۔آگ۔شعلے۔

مومنین کو تسلی دی کہ ان کے بیہودہ مطالبات اور کج بحثیوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔وہ جن میں ہدات پانے کی کچھ بھی صلاحیت ہو گی انہیں ان کی شدید مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا۔ہاں جو ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے انہیں اللہ بھی گمراہ قرار دیتا ہے۔پس ان کے لئے جہنم کا عذاب ہو گا۔اخروی نعمتیں اور سزائیں دراصل دنیوی اعمال ہی کا عکس [illegible] گی۔ بڑے بڑے سردار جو دل سے تو اسلام کی صداقت کے قائل تھے۔محض تکبر کی وجہ سے حق کے منکر رہے کہ اگر کسی انسان کو ہی رسول بن کر آنا تھا تو ہم اس کے زیادہ اہل تھے۔ان کی اکڑی ہوئی گردنیں اور متکبر چہرے جو قبولِ حق میں مانع تھے انہیں کے بل گھسیٹ کر جانوروں کی طرح میدانِ حشر میں لائے جائیں گے اور ذلیل ہوں گے۔دنیا میں روحانی طور پر اندھے ،گونگے اور بہرے رہے کہ حق کو پہچانا نہ حق کے لئے گویا ہوئے اور نہ ہی حق کو سننے کی کوشش کی اس لئے وہاں بھی اسی حال میں ہوں گے۔

قرآن مجید سے دوزخیوں کا دیکھنا،بولنا اور سننا ثابت ہے۔حضرت ابن عباسؓ نے اس کا جواب دیا اور وضاحت فرمائی کہ ایسی کوئی چیز دیکھیں گے نہ سنیں گے ، جو انہیں خوشی دے سکے۔نیز دیدارِ الٰہی سے محرومی ان کی سب سے بڑی بدقسمتی ہو گی۔

۹۹۔قرآن کریم نے ابتدائی آیات میں ہی (سورہ بقرہ۔۹) ایمان باللہ کے بعد ایمان بالیوم الآخر کو مومنین کے لئے لازم قرار دیا۔کیونکہ بعث بعد الموت پر یقین ہی انبیاء کی تعلیمات پر غور وفکر

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ
آسمان اور زمین قادر ہے اس بات پر کہ وہ پیدا کرے مانند ان کی اور

جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا
اس نے بنائی ان کے لیے ایک میعاد کہ نہیں کوئی شک جس میں پس انکار کیا ظالموں نے مگر

كُفُوْرًا ﴿١٠٠﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ
کفر کا تو کہدے اگر تم مالک ہو جاؤ خزانوں کے اپنے رب کی رحمت سے

اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
تب ضرور روک رکھو تم ڈر سے خرچ ہو جانے کے اور ہے انسان

ع قَتُوْرًا ﴿١٠١﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ
بہت بخیل اور یقیناً یقیناً دیئے ہم نے موسیٰ کو نو نشانات کھلے کھلے

کرنے اور اعمالِ صالحہ بجا لانے کی دعوت دیتا ہے۔ پس تمام برائیوں کی جڑ بعث بعدالموت پر ایمان کا نہ لانا ہے۔ جو آخر جہنم تک پہنچاتا ہے۔

۱۰۰۔ جو ہڈیوں کے گل سڑ جانے کے بعد انسان کی دوبارہ پیدائش کے قائل نہیں تھے۔ ان کی توجہ تخلیقِ کائنات کی طرف مبذول کروائی کہ جو خدا اس عظیم سلسلہ کائنات کو پیدا کرنے پر قادر ہے اس مخلوق کی مثل دوبارہ کیوں نہیں بنا سکتا۔ یہ جسم تو ایک مقررہ مدت تک ہے پھر فنا ہو جائے گا۔ بعد از موت اس جسم کے مثل ایک جسم ملے گا جو یہ نہیں ہوگا۔ مثل سے مراد ملتا جلتا بھی ہے اور یہ بھی کہ وہ اجسام دنیوی اعمال کے مطابق ہوں گے۔

۱۰۱۔ **قتورا**۔ ایسا بخیل جو اپنے بال بچوں پر بھی بخل کرے۔ اپنے خانگی خرچ میں بخل کرنے والا۔ سخت کنجوس۔

قرآن کریم نے نبوت کو رحمت کہا۔ (سورہ ھود۔۶۴۔ سورہ کہف۔۶۶) سردارانِ مکہ بزعم خود آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں خود کو نبوت جیسی نعمت کا زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ انہیں بتلایا کہ میرے ربّ کی رحمت کے لامتناہی خزانوں کے اگر میری بجائے تم مالک ہوتے تو اپنی فطری بخیلی کی وجہ سے جو خدا پر توکّل کی کمی سے کفر کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے، تم بندگانِ خدا کو ان روحانی خزائن سے بھی محروم رکھتے۔ جس طرح بعض روحانیت کے دعویدار پیر فقیر اپنے مریدوں سے اپنے خاص وظائف اور ورود وغیرہ چھپاتے ہیں کہ مبادا وہ ان کے مقام کو حاصل کر لیں اور ان کی دکانداری مندی پڑ جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وہ بحرِ بیکراں ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ انبیاء اپنے ربّ کی رحمت

فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ
پس پوچھ بنی اسرائیل سے جب وہ آیا انکے پاس پس کہا اُسے فرعون نے

اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿١٠٢﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ
یقیناً میں البتہ گمان کرتا ہوں تجھے اے موسیٰ جادو شدہ اس نے کہا یقیناً یقیناً جان لیا تو نے کہ نہیں

کے خزانے دونوں ہاتھوں سے لٹاتے ہیں۔ وہ ہدایت دینے میں سخت حریص ہوتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ رب کی کل مخلوق قربِ الٰہی کے اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچ جائے۔

اگر یہاں مراد دنیوی نعمتیں اور مال و دولت کے خزائن ہیں جیسا کہ کفارِ مکہ باغات و انہار اور سونے چاندی کے گھروں کا مطالبہ کرتے تھے۔ اگر خدائی نعمتوں کے یہ خزانے ان کے قبضہ میں آ بھی جاتے تو چند افراد یا خاندان تو ضرور امیر سے امیر تر ہو جاتے مگر اپنے افلاس کا خوف انہیں رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرنے سے ہمیشہ روکتا اور مخلوقِ خدا ان نعمتوں سے محروم ہی رہتی۔ آج بھی اگر بندگانِ خدا اپنی بنیادی ضروریات سے محروم ہیں تو یہ امراء کا گروہ ہی اس کا ذمہ دار ہے۔ جس نے عدل کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر انہیں محرومیوں اور مایوسیوں کے اتھاہ سمندر میں دھکیلا۔

یہ دنیوی خزانے جب آمنہ کے لال وجہ تخلیقِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو مسجد نبوی کا صحنِ مالِ غنیمت میں آئی ہوئی انوع و اقسام کی نعمتوں اور سونے چاندی سے بھرا ہوتا تھا۔ ایسے میں اس درِ یتیم کو ہر دوسرا شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال سے زیادہ ضرورتمند دکھائی دیتا۔ آپ ﷺ سارا مال تقسیم کر کے خالی ہاتھ اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے گھر ایک کھجور بھی لے کر نہ جاتے۔ سخاوت کی انتہا دیکھئے کہ عرب و عجم کے اس بادشاہ کے گھر میں اس کی رحلت کی رات دیا جلانے کے لئے تیل بھی نہیں تھا جو آپ ﷺ کی پیاری بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ہمسایہ سے ادھار لیا۔ آپ ﷺ کی اتباع کے دعویدار آجکل کے حکمرانوں، لیڈروں اور نام نہاد روحانی پیشواؤں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ وہ کبھی صرف چند قدم پر اپنے ملازمین کے کوارٹروں میں ہی جھانک کر دیکھ لیا کریں کہ اللہ کے یہ بندے ان کے سائے تلے ضروریاتِ زندگی سے محروم کس قدر کسمپرسی اور مفلسی کی زندگی گزار رہے ہیں یا اگر کبھی توفیق ہو تو غریبوں کی بستیوں کا ہی چکر لگا لیا کریں جہاں وہ جانوروں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

۱۰۲۔ چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تر خطاب بنی اسرائیل سے تھا اس لئے اس آخری رکوع

میں یہود کے تعلق میں ایک عظیم پیشگوئی فرمائی۔ آپ ﷺ مثیل موسیٰ تھے اس لئے فرمایا کہ جس طرح ہم نے تجھے اپنی رحمت سے نوازا اور بیشمار معجزات عطا فرمائے اسی طرح موسیٰ کو نو روشن نشان دیئے۔ ان کی تفصیل گزر چکی ہے (عصا اور یدِ بیضاء سورہ الاعراف ۱۰۸، ۱۰۹ باقی سات سورۃ الاعراف کے رکوع ۱۶ میں)۔ ۱۔ قحط ۔ ۲۔ پھلوں کی کمی جس میں اولادوں یا پہلوٹھوں کا مر جانا بھی مراد ہے۔ ۳۔ طوفان۔ ۴۔ ٹڈی دل۔ ۵۔ جوئیں یا چیچڑیاں وغیرہ ۔ ۶۔ مینڈک۔ ۷۔ خون۔ دریا کا خون بن جانا (تفصیل الاعراف رکوع ۱۶)۔ یا خونی بیماریاں جیسے نکسیر، پیچش یا خونی پھوڑے وغیرہ۔ طاعون کی ایک قسم میں بھی ناک منہ وغیرہ سے خون آنے لگتا ہے (حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ) حضرت موسیٰ کو انذاری نشان دیئے گئے لیکن مثیل موسیٰ جو رحمۃ للعالمین تھے آپ ﷺ کے بیشتر نشان مبشر تھے۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کے معجزات کا تعلق ہے۔ آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات اور آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ کسی معجزہ سے کم نہیں تھا۔ آپ ﷺ کی تمام زندگی معجزات سے عبارت تھی۔ تاہم آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں توریت میں درج حضرت موسیٰؑ کے معجزات کا قرآنِ کریم میں درج انہی معجزات سے موازنہ کیا اور ثابت کیا کہ توریت مبالغہ آمیز، متضاد اور خلافِ عقل قصوں کو بیان کرتی ہے کیونکہ توریت اپنے نزول کے سینکڑوں سال بعد تحریر میں آئی۔ اس میں انسانی دخل اندازی کا بہت سا حصہ ہے۔ جبکہ قرآنِ کریم ساتھ ساتھ لکھا جاتا رہا۔ سینکڑوں حفاظِ کرام کے سینوں میں محفوظ رہا۔ قرآنِ کریم نے تمام مسائل اور قصے مختصر الفاظ میں حکمت کے ساتھ تمام عقلی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت احسن طریق سے بیان فرمائے۔ جبکہ بائبل میں مبالغہ آمیز اور خلاف عقل قصے کہانیوں کی بھر مار ہے۔ تاہم بنیادی صداقتیں اور آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیاں اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت و مصلحت کے تحت محفوظ رہیں۔ یہ موازنہ قرآنِ کریم کی عظمت و شوکت اور غیر متبدل ہونے پر گواہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بیشمار معجزات میں سے اپنے محدود علم اور سمجھ کے مطابق چند ایک کا ذکر کرتی ہوں۔

۱۔ مکہ میں سات سالہ شدید قحط کا پڑنا۔

۲۔ حضرت موسیٰؑ کا معجزہ قحط کا پڑنا تھا لیکن آپ ﷺ کی دعا سے اس قحط کا دُور ہونا اُس سے بڑا معجزہ تھا۔

۳۔ معجزہ شق القمر۔

اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ

اتاری یہ (نشانیاں) مگر رب نے آسمانوں اور زمین کے بصیرت پیدا کرنے والیاں

وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۳﴾ فَاَرَادَ اَنۡ

اور یقینا میں البتہ گمان کرتا ہوں تجھے اے فرعون ہلاک شدہ پس اس نے ارادہ کیا کہ

۴۔ آپ ﷺ کا بحفاظت ہجرت کر جانا۔ اس ہجرت میں لاتعداد معجزات ہیں جیسے واقعہ غارِ ثور یا سراقہ کا تعاقب وغیرہ۔

۵۔ جنگوں میں خاص طور پر جنگ بدر میں سردارانِ مکہ کا مارے جانا اور ان کا زور ٹوٹنا۔

۶۔ آنحضرت ﷺ کی برکت سے بعض دفعہ کھانے اور دودھ وغیرہ میں غیر معمولی برکت پڑ جانا۔

۷۔ لاعلاج بیماروں کا آپ ﷺ کی دعا سے شفایاب ہو جانا۔ جیسا کہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں ایک تیر سے میری آنکھ کا ڈھیلا۔۔۔۔ نکل کر گال پر آ پڑا۔ میں بھاگتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا یارسول اللہ! میری شادی ہوئی اور ساتھ ہی اعلانِ جہاد ہوگیا اور میں آگیا میری بیوی نے تو ابھی مجھے دیکھا بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے پھر اس کے حلقہ میں رکھ دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اب وہ آنکھ دوسری کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عمدہ اور طاقتور ہے۔

۸۔ یوں تو ہر جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی کسی معجزہ سے کم نہ تھی تاہم جنگِ احزاب میں شدید طوفان سے بیس ہزار کے لشکر جرار کا بھاگ جانا ایک بہت بڑا معجزہ تھا۔

۹۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو صرف فرعون کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ انہیں منزلِ مقصود تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکے جبکہ نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مسلمانوں کو بحفاظت نکال لائے بلکہ ایک فاتح کی صورت دوبارہ مکہ میں داخل ہوئے۔ جو آپ ﷺ کا بہت بڑا نشان تھا۔

۱۰۔ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں تمام عرب کا مسلمان ہو جانا ایک عظیم نشان اور معجزے سے کم نہیں تھا۔ یہاں حضرت موسیٰؑ کو مسحورًا کہا آپ ﷺ مثیل موسیٰ تھے۔ اسی سورۃ کی آیت ۴۸ میں آپ ﷺ کو بھی مسحورًا کہا۔ فرعون کا حضرت موسیٰؑ کو مسحورًا کہنا اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ ایسے معجزات دکھانا تمہاری طاقت میں نہیں تمہارے پیچھے کوئی اور طاقت ہے جس کے سحر کا اثر ہے۔

۱۰۳۔ الثُّبور۔ بمعنی ہلاکت۔ مثبورًا۔ ہلاک شدہ۔

يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝۱۰۴

اضطراب میں ڈالدے ان کو زمین میں پس غرق کیا ہم نے اُسے اور انہیں جو ساتھ تھے اس کے سب

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ

اور کہا ہم نے بعد اس کے بنی اسرائیل کو کر رہو زمین میں

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝۱۰۵ وَبِالْحَقِّ

پس جب آئے گا وعدہ پچھلا لائیں گے ہم تم کو اکٹھا کر کے اور ساتھ حق کے

ایک ظالم اور جابر بادشاہ کے دربار میں اس تحدی سے اُسے ہلاک شدہ کہنا ایک اولوالعزم نبی سے ہی ممکن ہے۔گویا آپ کو اس کی ہلاکت میں کوئی شائبہ نہیں تھا۔اس لئے کہ فرعون جانتا تھا کہ یہ بصیرت افروز نشان سوائے زمین و آسمان کے ربّ کے کوئی نہیں دکھلا سکتا۔پھر بھی حق کو تسلیم کرنے میں اپنی ہتک سمجھتا تھا۔پس موسیٰؑ نے اسے کھلم کھلا بتا دیا کہ اب ہلاکت تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔یہی حال آپ ﷺ کے مکذبین کا تھا احادیث سے ایسے کئی یہودی علماء کا ذکر ملتا ہے جو دل سے تو آپ ﷺ کو سچا سمجھتے تھے۔لیکن اپنی قوم کے ڈر سے انکار پر مُصر رہے اور اپنے بدانجام کو پہنچے۔

۱۰۴۔**یستفزهم فز**۔پریشان کر کے اکھیڑ پھینکنا۔ذلیل کر کے ملک سے نکال دینا۔ **یستفزُّهُم**۔وہ انہیں ملک سے نکال دیتا ہے۔

جب فرعون پر حضرت موسیٰؑ کی صداقت کُھل گئی تو اس کے پاس یہی راستہ رہ گیا کہ پیشتر اس کے کہ عوام اس کی تعلیم سے متاثر ہو کر اس کے پیچھے لگیں یا اس کی قوم ایک مضبوط جتھہ بنے۔انہیں ذلیل کر کے مصر سے نکال دیا جائے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت نہ دی اور حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو بچا کر نکالنے میں کامیاب ہو گئے اور فرعون مع اپنے ساتھیوں کے غرق ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے خلاف بھی اکابرین مکّہ کے ایسے ہی منصوبے تھے کہ آپ ﷺ کو ذلیل کریں اور مکّہ سے نکلنے ہی نہ دیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بحفاظت مدینہ پہنچایا۔پھر جس طرح موسیٰؑ کا فرعون مع اپنے امراء و وزراء کے مصر سے نکل کر پانی میں غرق ہُوا اسی طرح ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرعون یعنی ابو جہل مع صنادیدِ مکّہ، مکّہ سے نکل کر بدر کی تپتی ہوئی ریت میں غرق ہُوا یعنی مارا گیا۔ **فاعتبروا یآاُولی الابصار**o۔

۱۰۵۔**لفیفاً**۔اسی سے لفافہ ہے یعنی اکٹھا کر کے۔سمیٹ کر۔**لفیفا**۔سمٹا ہُوا۔لپٹا ہُوا۔ الارض سے مراد مصر کی زمین نہیں بلکہ وہ ارضِ مقدسہ ہے جس کا وعدہ مائدہ میں دیا گیا ہے کہ **یٰقوم ادخلوا الارض المقدسة التی کتب اللّٰه لکم**۔

اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا

اُتارا ہم نے اسے اور ساتھ حق کے اترا ہے اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر بشارت دینے والا

وَّنَذِيْرًا ۝۱۰۶ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى

اور ڈرانے والا اور قرآن کو جُدا جُدا کیا ہم نے اسے تاکہ پڑھے تو اسے لوگوں پر

شروع سورۃ میں موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل کے لئے **وعد الأخرة** کا ذکر تھا کہ انہیں دو مرتبہ ارضِ مقدس سے نکالا گیا۔اس آیت میں **وعد الأخرة** مثیلِ موسیٰ کی قوم کے لئے ہے کہ انہیں بھی دو دفعہ ہی ارضِ مقدس سے نکالا جائے گا۔کیونکہ احادیث صحیحہ کے مطابق یہ یہود کے قدم بقدم چلیں گے۔پس جس طرح پہلی دفع بنوکد نضر نے بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس سے نکالا۔اسی طرح چھ سو سالہ حکومت کے بعد صلیبی جنگوں کے زمانہ میں ارضِ مقدس مسلمانوں کے قبضہ سے وقتی طور پر جاتی رہی۔دوسری دفعہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ صلیب کے بعد بنی اسرائیل کو طیطس رومی نے ارضِ مقدس سے نکالا اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد اس صدی کے وسط میں مسلمانوں کو پھر ارضِ مقدس سے بیدخل کیا گیا۔پس یہی وہ زمانہ ہے کہ ایک خاص منصوبہ کے تحت یہود کو تمام دنیا سے اکٹھا کر کے فلسطین میں بسایا گیا۔فتح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک **وعدالاخرة** سے مراد اس جگہ مسیح موعود کا نزول ہے۔جسے وقت نے اسے سچ کر دکھایا۔

۱۰۶۔اس عظیم پیشگوئی کے بعد فرمایا کہ یہ ضرور پوری ہو گی کیونکہ قرآنِ عظیم کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی تم تک پہنچا ہے گویا اس میں شیطان کا ہرگز دخل نہیں۔قرآنِ کریم کی سچائی اور عظمت کو واضح کر کے بتایا کہ تیری بعثت کی غرض یہ ہے کہ تو مومنین کو رحمت کی بشارت دے اور مکذبین کو عذاب سے ڈرائے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں اس آیت کی نہایت لطیف تفسیر فرمائی۔آپ نے فرمایا قرآن کریم میں الحق صرف اللہ جل شانہٗ کے لیے آیا ہے۔کئی جگہ حق کی ضمیر قرآن اور رسول کی طرف جاتی ہے فرمایا بندے کا ایک صعود ہوتا ہے پھر ایک نزول ہوتا ہے۔ بالحق سے مراد وہ نزول ہے جو صعود کے بعد ہُوا۔ ضرورت حقہ کے مطابق آپ ﷺ کا نزول ہُوا۔حق یعنی قرآنی تعلیمات لے کر اترے گویا اس کی نزول میں ضرورت حقہ داخل تھی۔

۱۰۷۔**فرقنا**۔فرق کا اصل یعنی دو چیزوں کا الگ الگ کرنا ہے۔ یہاں مراد قرآنِ کریم

مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ

ٹھہر کر اور اُتارا ہم نے اسے حصہ بہ حصہ تو کہدے ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

یقیناً وہ جو دیئے گئے علم پہلے سے اسکے جب پڑھا جاتا ہے ان پر

کے احکام کو تفصیل سے بیان کرنا، خوب کھول کر بیان کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا وقفے وقفے سے نازل کرنا۔ سورتیں بنانا۔ **مکث**۔ انتظار کیا۔ وہ ٹھہرا۔ **قال لا ھلہ امکثوا القصص**۔۳۰۔ مراد ٹھہر ٹھہر کر۔

قرآن کریم کا ذکر تھا اس لئے قرآنِ کریم کی لاتعداد خوبیوں کا ذکر کیا۔ نیز اس اعتراض کا جواب دیا کہ قرآن ایک دفعہ نازل کیوں نہیں ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں دینی، دنیوی معاملات میں جیسے جیسے ہدایات کی ضرورت پیش آتی گئی ویسے ہی قرآنِ کریم کی آیات یا سورتیں نازل ہوتی رہیں اور آنحضرت ﷺ وحی الٰہی کے مطابق جس سورۃ کی یہ آیات ہوتیں اس سورۃ میں اس کے مقام پر رکھتے جاتے۔ اگر پوری سورۃ نازل ہوتی تو بھی جن سورتوں کے آگے یا پیچھے اس کا مقام ہوتا اسی ترتیب سے رکھتے اور حکم الٰہی سے سورتوں کی ترتیب بدل دیتے۔ یہاں تک کہ جب قرآنِ کریم مکمل ہوا تو بہت سی بعد میں نازل ہونے والی سورتیں پہلے آ گئیں اور پہلے نازل ہونے والی سورتوں کی ترتیب بدل گئی اور ان کو بعد میں رکھا گیا۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے ابتدائی سورتیں بہت بعد میں مدینہ میں نازل ہوئیں لیکن وحی الٰہی کے مطابق آپ ﷺ نے انہیں پہلے رکھا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ نزول کی ترتیب آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تھی اور قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب بعد کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق تھی۔ اگر کفار کی فرمائش کے مطابق قرآن ایک ہی دفعہ نازل ہو جاتا تو نہ اُن وقتی ضروریات کے لئے ہدایت کا موجب ہوتا اور نہ غور و فکر کرنے اور یاد کرنے میں آسانی ہوتی۔ پس تھوڑا تھوڑا ضرورت کے عین مطابق نازل ہوتا رہا جو ہر در پیش مسئلہ کو احسن طریق سے حل کرنے میں انتہائی معاون ثابت ہوتا، مومنین کی ایمان میں پختگی اور تقویتِ قلوب کا باعث بنتا اور کفار پر بجلی بن کر گرتا۔ تھوڑا تھوڑا قرآن یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا اتنا آسان تھا کہ قریباً تمام اکابر صحابہؓ حافظ قرآن تھے اور فہم قرآن میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے۔ ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ نے پورا قرآنِ مجید حفظ کیا اور قرآنی علوم پر گہرا عبور رکھتی تھیں۔

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۸﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ

گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور وہ کہتے ہیں پاک ہے رب ہمارا

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

یقیناً ہے وعدہ رب کا ہمارے ضرور کیا جانے والا اور وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿۱۱۰﴾ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ

روتے ہیں اور وہ (قرآن) بڑھا دیتا ہے انہیں عاجزی میں تو کہدے پکارو اللہ کو اور

۱۰۸۔ فرمایا ان کے ایمان لانے یا نہ لانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ لوگ جو پہلے سے صاحب علم ہیں یعنی بعض علماءِ یہود و نصاریٰ جو صحائفِ اُولیٰ کو زیرِ مطالعہ رکھنے کی وجہ سے اور اپنی فطرت صحیحہ کی بنا پر علم و بصیرت رکھتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کمال فرمانبرداری کرتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔

۱۰۹۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا ربّ پاک ہے اس سے کہ وہ کوئی وعدہ خلافی کرے یعنی ہمارے ربّ کے سارے وعدے سچے ہیں۔ وہ بھی جن کا ذکر استثنا ۱۸:۱۵۔۱۸ میں ہے اور جو صرف نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر پورے ہوئے اور یہ بھی جن کا ذکر اس سورۃ میں ہے۔

۱۱۰۔ اب قرآنِ کریم کی عظیم الشان اور اَن گنت صفات میں سے ایک اور بیان فرمائی۔ کہ یہ وہ کتاب ہے جو دل میں خشیتِ الٰہی پیدا کرتی ہے اور جسے پڑھ کر فروتنی اور عاجزی میں مزید ترقی ہوتی ہے اور روح بیتاب ہو کر آستانہِ ایزدی پر گر جاتی ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ سجدوں اور دعاؤں میں خشوع و خضوع سے مغفرت کے طالب ہونا اور رضائے الٰہی چاہنا مقربین کا شیوہ ہے۔ امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں بروایت حضرت حازمؒ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل امین تشریف لائے تو وہاں کوئی شخص خوفِ خدا سے رو رہا تھا۔ حضرت جبریلؑ نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال کا وزن ہو گا مگر خدا اور آخرت کے خوف سے رونا ایسا عمل ہے جس کو تولا نہ جائے گا بلکہ ایک آنسو بھی جہنم کی بڑی سے بڑی آگ کو بجھا دے گا۔ (مظہری) نیز بیہقی میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام کر دی ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئے دوسری وہ جو اسلامی سرحد کی حفاظت کے لئے رات کو بیدار رہے۔

۱۱۱۔ **ایّامّا**۔ **ایّ**۔ کون۔ کس جگہ۔ کلمہ استفہام۔ **ایّامّا**۔ جو بھی۔ جس سے بھی یعنی جس نام سے بھی۔

اُدْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ
پکارو رحمٰن کو جسے بھی تم پکارو گے تو اس کے لیے نام ہیں اچھے

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ
اور نہ اونچی پڑھ نماز اپنی اور نہ بہت آہستہ پڑھ اسے اور اختیار کر درمیان

ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۱﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ
اس کے راہ اور تو کہہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نہیں بنایا

ملحقہ آیت میں دعا و سجدہ کا ذکر تھا یہاں دعا اور سجدہ کا طریق بھی بتلا دیا۔ نیز وعدوں کے پورا ہونے اور کامیابیوں کے لئے بھی اصل دعا ہی تھی۔ بقول حضرت عائشہؓ یہاں صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ (بخاری) **الدعا مخ الصلٰوۃ** (ترمذی) یعنی دعا نماز کا مغز ہے۔ اس لئے نماز اور خاص طور سے نماز تہجد بھی مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہاں صلوٰۃ سے مراد نماز کی قرأت لی ہے (بخاری) کہ انفرادی نماز اونچی نہ پڑھ نہ اتنی آہستہ کہ ہونٹ بھی نہ ہلیں۔ دھیمی آواز سے پڑھا کر۔ کفارِ خدا تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے قائل نہیں تھے کہ وہ بغیر عمل اور بغیر مانگے بھی عطا کر سکتا ہے۔ ایسا ہی آج کے ہندوؤں اور عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے۔ صلح نامہ حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت علیؓ نے **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** لکھا تو کفار کے نمائندہ نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ یہ لفظ کاٹ دو۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ الحدیبیۃ) دراصل اسلام سے پہلے عام طور پر رحمٰن کا لفظ مستعمل نہیں تھا۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ یہود و نصاریٰ اور بعض دیگر اربابِ مذہب اس کو بولتے تھے۔ مشرکینِ مکہ کے لئے یہ لفظ نیا تھا۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا اور بتایا کہ اللہ کو اس کے کسی نام سے پکارو۔ اس کے تو سب نام اور صفات حسین ہیں لیکن ہر کام کے مناسب حال اللہ کا ایک نام ہے۔ پس کام کی مناسبت سے اللہ کے اُس نام کو پکارو۔ جیسے بیماری میں کہے **یا شافی الامراض** مجھے شفا دے یا معافی کے لئے کہے **یا غفور الرحیم** مجھے معاف کر وغیرہ وغیرہ یہ قبولیت دعا میں ممد ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے بعض نام ایسے ہیں جن کا قبولیتِ دعا سے خاص تعلق ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب بندہ **ربّنا** کہہ کر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے مانگ تجھے دیا جائے گا۔ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی دعا کرتے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت **وھّاب** کا بطور خاص ذکر کرتے مثلاً **سبحان ربیّ الاعلیٰ الوھّاب** (تفسیر الدر المنثور للسیوطی جلد ۴) حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔

وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ
بیٹا اور نہ ہے اس کا کوئی شریک ملک میں اور نہیں ہے اس کا

ع ۱۲ ۱۱ ۱۲ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۲﴾
کوئی دوست بوجہ کمزوری کے اور بڑائی کر اس کی بہت بڑائی

بڑی جماعت زیادہ پڑھے۔ **رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ** ۝ (سورہ آل عمران آیت:۹)

یہ بھی مفہوم ہے کہ اس کے اسمائے حسنٰی یعنی صفاتِ حسنٰی کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرو جو کمالِ انسانی کی معراج ہے۔ جس صفت کو بھی اپنے اندر لینے کی کوشش کرو گے اسی سے تمہارے اندر حسن پیدا ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۲۳) یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں یہ استعداد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ظلّی طور پر اپنا سکے۔ پس دعا میں بھی میانہ روی کا سبق دیا کہ نہ آواز اتنی بلند کرو کہ آداب کے منافی ہو اور خشیت کا پہلو ہی غائب ہو جائے اور نہ اتنی آہستہ ہو کہ الفاظ منہ سے ادا ہی نہ کرو۔ ایسی دعا نہ دل پر اثر کرے گی اور نہ توجہ قائم رہے گی۔

۱۱۲۔ **ذُلّ**۔ کمزوری و عاجزی۔ اسی سے ذلت ہے۔ **ولم یکن لہٗ ولیّ من الذُّلّ** اسے کبھی کسی ایسے ساتھی کی ضرورت نہیں پڑی جو گویا کمزوری کی حالت میں اس کا مددگار بنتا۔

اس آخری آیت میں عیسائیت اور شرک دونوں کا ردّ فرمایا۔ اسے بیٹے کی حاجت نہیں اس لئے عیسائیت کی عمارت اپنی دورازکار بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں۔ نہ کوئی دیوی دیوتا اور نہ کوئی اور ہستی۔ پس شرک کا قلع قمع فرمایا۔ اسے اپنی کسی کمزوری کی بنا پر کسی دوست کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ اس کا مددگار بنتا۔ ہاں اس کے ایسے دوست اور ولی ضرور ہیں جو خود کمزور ہیں اور اس عظیم ہستی کو طاقتور سمجھتے ہوئے اس کی مدد کے طلبگار رہتے ہیں۔ عیسائی عقائد کی تردید کر کے مضمون کا انتقال عیسائیت کی طرف کیا۔ جو اگلی سورۃ کا مرکزی مضمون ہے۔ اس آیت میں بتایا کہ آخری زمانہ کے ان دونوں شرور سے بچنے کا ذریعہ دعا ہے۔ اس سورۃ کو اللہ کی سبوحیت سے شروع کیا اور اس کا اختتام اس کی عظمت و کبریائی پر کیا کہ خوب اچھی طرح اس کی بڑائی بیان کرو یعنی دل کی گہرائیوں سے اللہ اکبر کہو۔ اللہ اکبر کہنے میں یہ بھی سرّ تھا کہ ادیانِ باطلہ

کے دن گنے جا چکے ہیں۔اب اسلام سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان ہو گی جس کا ذریعہ دعا ہے۔ قرآنِ کریم میں سوائے اس جگہ کے اور کہیں اللہ اکبر کہنے کا حکم نہیں۔اللہ اکبر کہنا بہت بلند درجات کا موجب ہے۔اس لئے اسلامی عبادات،تسبیحات اور دعاؤں میں اللہ اکبر کی تکرار ہے حتیٰ کہ بسم اللہ ،اللہ اکبر کہے بغیر ذبیحہ بھی ہمارے لئے حلال نہیں۔مسلمان ہر نماز کو اللہ اکبر سے شروع کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ہم ہر چیز سے الگ ہو کر اس کے حضور کھڑے ہوتے ہیں ، اللہ اکبر کہتے ہوئے اس کے آگے جھکتے اور نہایت عاجزانہ اس کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔اپنی حاجات اس کے حضور پیش کرتے اور اُس سے مانگتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! آگ لگی ہوئی دیکھو تو **اللّٰہ اکبر** کہو۔ تکبیر آگ کو بجھا دیتی ہے۔(صحیح بخاری) حدیث میں ان دونوں آیات (آیت:١١١،١١٢) کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّ اثْنَاعَشَرَ رُكُوْعًا

سورۃ الکہف۔یہ سورۃ مکی ہے،بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو گیارہ آیات اور بارہ رکوع ہیں

یہ سورۃ مکی ہے جو چوتھے یا پانچویں سال نبوت میں سورۃ بنی اسرائیل سے پہلے نازل ہوئی ہے ترتیب میں سورۃ بنی اسرائیل کے بعد رکھا گیا۔سورۃ اسراء میں زیادہ تر یہود مخاطب ہیں اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔اس کے آخر میں بتایا کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں جبکہ سورۃ کہف کے شروع میں اُس قوم کی تباہی کی خبر دی جو خدا کا بیٹا قرار دیتی ہے گویا اس میں نصاریٰ مخاطب ہیں اور انہی کی تباہی کا ذکر ہے۔احادیث میں اس سورۃ کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ یہ سورۃ نازل ہوئی تو ستر ہزار(٧٠٠٠٠)فرشتے اس کے ساتھ تھے جس سے اس کی عظمت اور فضیلت بیان ہے۔فرشتوں کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ اس سورۃ میں یاجوج وماجوج جیسی طاقتور قوموں اور مسیحی فتنہ کے استیصال کی پیشگوئیاں تھیں اس لئے ہزاروں فرشتوں کو ان پیشگوئیوں کے پورا کرنے کے لئے نزولِ قرآن کے زمانہ سے ہی لگا دیا گیا۔اس سورۃ کی وجہِ نزول کے بارہ میں حضرت ابن عباسؓ سے حدیث مروی ہے کہ قریش مکّہ کے کہنے پر علماءِ مدینہ نے تین سوال آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجے کہ اصحابِ کہف کون تھے؟ذوالقرنین کا واقعہ کیا تھا؟نیز روح کیا ہے؟حضرت مصلح موعودؓ کے نزدیک یہ حدیث قطعاً قابلِ اعتبار نہیں۔کیونکہ حضرت ابن عباسؓ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے نیز کسی اور صحابی نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔اس سورۃ میں تین قصے بیان ہوئے ہیں۔ ١۔اصحابِ کہف کا واقعہ۔ ٢۔حضرت موسیٰ ؑ کا قصہ۔ ٣۔ذوالقرنین کا واقعہ۔ان تینوں کا تعلق مختلف اشخاص مختلف زمانوں اور مختلف ممالک سے تھا۔ایک ہی سورۃ میں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان سب کا تعلق عیسائیت سے ،آنحضرت ﷺ کے حالات اور آئندہ کی پیشگوئیوں سے ہے۔جس کی تفصیل اپنے اپنے مواقع پر آئے گی۔احادیث میں ہے کہ فتنہ دجّال سے بچنے کے لئے ہر جمعہ کو سورۃ کہف کی پہلی اور آخری دس آیتیں پڑھو۔یہ حضرت نواس بن سمعانؓ کی دجال کے متعلق ایک لمبی حدیث ہے۔(مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال و صفة و ما معهٗ وابوداؤد صفحہ ٥٩٣)ان آیات میں نصاریٰ کا باطل عقیدہ ان کے لئے دنیا کی زیب و زینت اور ان کے انجام کا ذکر ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے بھی اس سورۃ کو دجّال کے فتنہ کے متعلق سمجھا نیز یہ کہ اسی میں اس فتنہ سے بچنے کی راہیں ہیں۔پس بگڑی ہوئی مسیحیت کا نام ہی دجّال ہے اگرچہ اس سورۃ میں اس کا نام نہیں آیا۔

احادیث میں اس کی تفسیر ہے۔اس فتنہ دجّالی سے بچنے کے لئے اس سورۃ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا
اپنی ترقی کے زمانہ میں تین مفاسد سے بچیں۔۱۔عبادتِ الٰہی میں سستی نہ ہو۔۲۔دنیوی اموال کی ر
سے زیادہ رغبت نہ ہو۔۳۔عیش و عشرت کو اختیار نہ کریں۔مگر افسوس یہی سب کچھ ہُوا اور مسلمان
سوائے معدودے چند انہیں راہوں پر چل نکلے۔انہیں سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی خاص مصلحت
وحکمت کے تحت وقتی طور پر مسیحوں کو ترقی دے گا۔اس سورۃ میں مسیحوں کے دو ادوار کا ذکر کیا۔ایک
اصحابِ کہف والا دور جونیکی اور عبادت کا دور تھا، دوسرا دجّالی دور جب یہ مسلمانوں کی قوت اور
شوکت کو توڑ کر آسمانوں پر کمندیں ڈالیں گے۔آخر اللہ تعالیٰ کا فضل جوش میں آئے گا اور اسلام کو مسیحی
فتنوں سے بچانے کے لئے مسیح موعود علیہ السلام قرآن اور دعا کا ہتھیار لے کر ظاہر ہوگا۔(حجج الکرامہ)
تادنیا دیکھ لے کہ اسلام نہ تو ابتدا میں تلوار سے پھیلا اور نہ آخر میں۔پس جس طرح ابتدا
میں ذوالقرنین اوّل کے ذریعہ مشرقی اقوام کو یاجوج وماجوج کے فتنوں سے محفوظ رکھا اسی طرح
ذوالقرنین ثانی یعنی مسیح موعود و مہدی معہود کے ذریعہ اسلام کو مسیحی فتنوں سے محفوظ کرے گا۔بالآخر
اللہ تعالیٰ یاجوجی و ماجوجی فتنہ کو اپنے عذاب سے کچل دے گا اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرے
گا انشاء اللہ۔جیسا کہ سورۃ **التوبۃ** آیت ۳۳ کی تفسیر میں متعدد مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلام کو تمام
ادیان پر کامل غلبہ مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں ہوگا۔(مناھل العرفان سورۃ **التوبۃ** آیت ۳۳
کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں)(سورۃ کہف کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ’’تفسیر کبیر‘‘ از حضرت مرزا
بشیرالدین محمود خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور ترجمۃ القرآن کلاس خلیفۃ المسیح الرابعؒ نیز تفسیر سورۃ کہف۔مصنفہ
مولوی عبدالطیف بہاولپوری فاضل دیوبند سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمن (اور) رحیم ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ
سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے اُتاری بندہ پر اپنے یہ کتاب اور نہیں

یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ﴿۲﴾ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ
بنائی اس کے لیے کوئی کجی درست ہے تاکہ ڈرائے عذاب سخت سے طرف سے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم
کرنے والا ہے۔

۲۔**عِوَجًا**۔ٹیڑھا پن۔کجی۔عیب۔اسی سے فیج اعوج ہے یعنی وہ درمیانی ٹیڑھا زمانہ جب
مسلمان بھی نصاریٰ کی طرح مسیح کو بعض خدائی صفات میں شریک ٹھہرائیں گے۔**ولم یجعل لہٗ**
عوجاہ۔میں فرقہ نصاریٰ کی کج روی اور کج فہمی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔**لہٗ** کی ضمیر قرآن اور
رسول دونوں کی طرف پھر سکتی ہے۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد سے اس کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے پاک بندے پر ایسی
کامل کتاب نازل فرمائی جس میں کوئی عیب یا اختلاف نہیں گویا اس کی تعلیم میں ہرگز کوئی کجی نہیں نہ
لفظی نہ معنوی۔ اس کا اعتراف اغیار کو بھی ہے۔امریکہ کی سنسناٹی یونیورسٹی کے پروفیسر ہوورڈا
اسلامیات پر لیکچر دیتے ہوئے دنیا کی مذہبی کتب پر قرآن کریم کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے
اپنی قوم سے اس کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:۔’’مسلمانوں کی کتاب قرآن ہے جو اصل کے
اعتبار سے ایسی محفوظ ہے جیسا کہ آسمان اپنی پیدائش کے وقت سے۔اس کا حال بائبل کی طرح نہیں
ہے کہ اپنی تمام مذہبی اور تاریخی خصوصیات کو گم کر چکی ہے۔قرآن ایک زندہ اور حیات بخش کتاب
ہے۔ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ قرآن کی تعلیم کا صحیح ظہور ہوا تو اس سے عیسائی دنیا کو بہت کچھ فوائد
پہنچیں گے‘‘۔(ریویو آف **ریلیجنز** قادیان مارچ ۱۹۲۲ء صفحہ ۳۰) یہاں پیشگوئی فرمائی کہ دجالی
فرقہ قرآنی تعلیمات میں کجی تلاش کرے گا لیکن خود اس کی تعلیمات میں کجی ثابت ہو گی۔ پس یہ
کتاب ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس سے ہر سلیم الفطرت فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ البتہ کوئی کج فطرت
اس سے ہرگز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ **الحمدللّٰہ** سے شروع کرنے میں بشارت ہے کہ قرآنی تعلیم
دجالی تعلیم پر غالب آئے گی اور دجال کے مقابلہ میں اسلام کو فتح ہو گی۔احادیث میں فتنہ دجال سے

لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ

اپنی اور بشارت دے مومنوں کو جو کہ کرتے ہیں نیکیاں

اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ﴿۳﴾ وَّيُنْذِرَ

کہ ان کے لیے اجر ہے اچھا ٹھہرنے والے ہیں اس (مقام اجر) میں ہمیشہ اور تاکہ ڈرائے

بچنے کے لئے اس سورۃ کی ابتدائی اور آخری دس آیات پڑھنے کا حکم ہے۔ (یہ مسلم کتاب الفتن میں ایک لمبی حدیث ہے جو حضرت نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے) اس سورۃ کی ابتدا میں ہی نصاریٰ کے غلط عقیدے کا ذکر کیا کہ وہ خدا کا بیٹا بناتے ہیں (آیت ۵)۔ پھر ان کے غلط عمل کا ذکر کیا کہ وہ زمین کو زینت دیں گے۔ (آیت ۸) لیکن روحانیت سے خالی ہوں گے۔ آخری دس آیات میں پھر ان کے غلط عقیدہ کو دہرایا۔ آیت ۱۰۳ اور آیت ۱۰۵ میں بتایا کہ ان کی ساری کوششیں دنیا اور اس کی صنعتوں پر صرف ہوں گی۔ پس یہی نصاریٰ کا وہ دجالی فتنہ تھا جس سے روزِ ازل سے تمام الہامی نوشتوں میں پناہ مانگی گئی۔ قرآن مجید کی ابتدا میں سورۃ فاتحہ کو **وَلَا الضَّآلِّيْنَ** پر ختم کیا کہ یہی آخری اور عظیم فتنہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد ایسا کوئی فتنہ ہوا اور نہ ہو گا جو بنی آدم کو اس طرح گمراہ کرے۔ اس پہلے رکوع میں بگڑی ہوئی عیسائیت کا بھی ذکر ہے جسے احادیث میں فتنہ دجال یا مسیح دجال سے موسوم کیا گیا ہے اور اصحابِ کہف کے نام سے خدا رسیدہ عیسائیوں کا بھی ذکر ہے۔ دجال کے لفظی معنی کذاب کے ہیں کہ جو کچھ دل میں رکھتا ہو اس کے خلاف ظاہر کرے۔ اس کا سب سے بڑا جھوٹ خدا کی طرف بیٹا منسوب کرنا ہے۔ چونکہ جھوٹ سے بھی ایک پردہ ڈالا جاتا ہے اس لئے ڈھانپنا بھی مراد ہے۔ ابن سیدؔ کے بقول دجال اسے کہا جو حق کو باطل سے ڈھانپ دے گا اور زمین کو اپنی کثرت سے ڈھانپ دے گا۔ زہریؔ نے کہا کہ دجال ایک بڑا گروہ ہے جو اپنی کثرت کی وجہ سے ساری زمین پر پھیل جائے گا۔ تاج العروس میں اسے ایسا گروہ کہا جو اپنا سامان تجارت کے لئے اٹھائے پھرے۔ (لسان العرب) عمدۃ القاری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ مسیح دجال کا نام مسیح دجال اس لئے ہے کہ وہ کرہ ارض میں سیاحت کرے گا اور اس کے اکثر حصوں کو طے کرے گا۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ دجال موجودہ زمانے کے پادریوں کا گروہ ہے جن میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں اور جنہوں نے ایک دنیا کو گمراہ کر کے عیسائیت میں داخل کیا۔

۳-۴۔ **قیّمًا۔ قیّم۔ عوجًا** کے مقابلہ میں اس کتاب کی صفت **قیّمًا** بتائی کہ نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی کجی نہیں بلکہ نہایت درست ہے۔ دائم رہنے والی ہے بلکہ دنیا و آخرت کو درست

الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۵﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

ان لوگوں کو جنہوں نے کہا بنا لیا اللہ نے بیٹا نہیں ان کو متعلق اسکے کوئی علم

وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ

اور نہ باپ دادا کو ان کے بڑی ہے بات جو نکلتی ہے مونہوں سے ان کے

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۶﴾ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى

نہیں کہتے مگر جھوٹ پس شاید کہ تو ہلاک کرنیوالا ہے جان اپنی

کرنے والی ہے (مفردات) گویا دنیا کی مربی ہے۔ حق کو باطل سے واضح اور جدا کرنے والی ہے۔ (تاج العروس) اپنی ذات میں کامل اور دوسروں کو کامل کرنے والی ہے۔ (روح المعانی) گویا انسان کو اپنے کمال تک پہنچانے والی ہے۔ **اَبَدًا** دنیا کے لئے ہو تو ایک لمبا عرصہ مراد ہے آخرت کے لئے ہمیشہ کے معنی دیتا ہے۔ چونکہ یہ کتاب کامل کُل دنیا کی مربی و رہنما ہے۔ اس لئے عذابِ شدید سے پہلے ہوشیار اور خبردار کرتی ہے تا کہ لوگ نصیحت پکڑیں اور اس عذاب سے بچیں۔ یہاں اہل مکہ اور آنحضرت ﷺ کی تمام مخالف اقوام کے لئے انذار کا ذکر کیا جو اپنے عروج پر تھیں مگر انہوں نے اس انذار سے فائدہ نہ اٹھایا اور مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہوئیں۔ مسلمانوں کو ان انعامات کی بشارت دی جو اعمال صالح کی بنا پر انہیں ملنے والے تھے جن کے نتیجہ میں وہ ایک لمبا عرصہ تک دنیا پر حکمران رہے۔ اس کے علاوہ اخروی نعمتوں کی بشارت دی جن کے وہ ہمیشہ کے لئے وارث ہوں گے۔ مسلمانوں کے عروج کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق [illegible]ج کا زمانہ آیا جس کے بعد مسیح کا نزول مقدر تھا۔ آج مسیح محمدی کی نیابت میں جماعت احمدیہ نے دنیا کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا ہے اور آپ کے غلام قرآنی علوم سے بہرہ ور ہو کر اکنافِ عالم میں پھیل گئے ہیں اور خدا کے فضل سے نیک روحوں کی ہدایت کا موجب بن رہے ہیں۔

۵۔ یہاں صاف بتلایا کہ مسیحی اقوام ہی دجالی فرقہ ہے تا کوئی اشتباہ نہ رہے۔ اب دوبارہ انذار کا ذکر کیا جس کا تعلق صرف مسیحی اقوام سے ہو گا جبکہ وہ اپنے زمانۂ عروج پر ہوں گی۔ گویا وہ مسلمانوں کے تنزل کا زمانہ ہو گا۔ یہ قرآنِ کریم کا ہی کمال ہے کہ چند آیات میں صدیوں کی تاریخ رقم کر دی۔ یہاں اہل مکہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ مخاطب صرف نصاریٰ ہیں اور نصاریٰ مکہ میں چند ایک سے زیادہ نہیں تھے اور وہ بھی غلام تھے۔

۶۔ بتایا کہ مسیحی قوم جو صاحب علم ہو گی اور اس احیائے علوم کے زمانہ میں ہر بات کے لئے علمی اور عقلی دلائل پیش کرے گی لیکن اپنے مذہبی عقائد یعنی عقیدہ ابنیت والوہیت مسیح کے معاملہ

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا

پیچھے ان کے اگر نہ ایمان لائیں اس بات پر مارے غم کے

میں ان کے پاس کوئی دلائل نہیں ہوں گے۔ یہ عظیم جھوٹ ان کے مونہوں سے نکلے گا گویا دل جانتے ہوں گے کہ یہ عقائد بے بنیاد ہیں۔ مشہور مفکر مسٹر آرنلڈ Mr.Arnold ہمیشہ دعویٰ کرتے تھے کہ تثلیث کا مسئلہ کسی ایشیائی کے دماغ میں نہیں آسکتا۔ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے اس مسئلہ کو مولوی حکیم نورالدینؓ (حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) کے سامنے رکھا۔ اس لئے کہ آپ کو جب بھی کسی دینی مسئلہ کو دریافت کرنے کی ضرورت پیش آتی تو ہندوستان بھر کے علماء میں سے آپ کی نظر مولانا حکیم نورالدینؓ کی طرف ہی اٹھتی تھی۔ حکیم صاحب نے فرمایا۔ آپ مسٹر آرنلڈ کے پاس جائیں اور کہیں کہ اگر آپ کا یہ دعویٰ صحیح اور درست ہے تو خود مسیح ؑ اور تمام حواریین بھی ایشیائی تھے، انہوں نے اس مسئلہ کو اپنے دماغ میں کیسے جگہ دی۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا اور سُنا گیا ہے کہ موصوف نے یورپ کی بھاری کانفرنس میں اس لاتنحل اعتراض کو پیش کیا مگر کانفرنس سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ (مسل مصفیٰ صفحہ 725-726۔ اشاعت اگست 1913ء (از ابوالعطا مرزا خدا بخش) غرض اس عقیدہ کی بنیاد کسی علمی دلیل پر نہیں اور نہ ان کے آباء و اجداد اس عقیدہ کے قائل تھے بلکہ یہ عقیدہ رومیوں کے اختلاط سے تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت میں داخل ہوا۔ یہ وہ جھوٹ ہے جسے صحیح فطرت طبائع کے کان سننے کی تاب نہیں رکھتے۔ یہ عقیدہ نہ صرف فطرتِ انسانی کے خلاف ہے بلکہ خود مسیحی تعلیم کے بھی خلاف ہے۔ صحائف قمران کے اوراق پارینہ گواہی دیتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بندہ اور رسول تھا ’’ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں‘‘۔ (یوحنا ۱۷/۴) زبور نمبر ۲۴ میں ہے **انی عبدوا**۔ میں اس کا بندہ ہوں۔

۷۔ **باخع۔ بَخَعَ**۔ غم سے خود کو ہلاک کر دینا **باخع**۔ غم سے خود کو ہلاک کرنے والا۔ **اثار**۔ آثار۔ پیچھے۔ **اَسَفًا**۔ افسوس کرتا ہُوا۔ **الحدیث**۔ سورۃ طور آیت ۳۵ میں **بحدیث مثله** کہہ کر شرعی کتاب کا چیلنج دیا۔ پس **الحدیث** سے مراد یہاں بھی شرعی کتاب یعنی قرآن مجید ہے۔ پہلے قرآن عظیم کی عظمت کا ذکر تھا اب صاحبِ قرآن کی عظمت کا ذکر کیا۔ اس آیت اور اگلی آیات سے ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم کشف کے ذریعہ نصاریٰ کی دنیوی ترقی، جاہ وحشمت نیز اسلام کی مخالفت اور تنزل کا نقشہ دکھایا۔ جس کے بعد مسیح موعود کا نزول اور اُن کی تباہی مقدر تھی۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسیح موعود کسر صلیب اور قتل خنزیر کرے گا۔

جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ

بنایا ہم نے جو کچھ زمین پر ہے زینت اس کیلئے تاکہ امتحان کریں ہم انہیں کہ کون ان میں سے زیادہ اچھا ہے

(بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔ متفق علیہ) گویا دجالی فتنوں کا قلع قمع کرے گا۔ آخر ان پر ایک شدید خدائی عذاب کے بعد غلبہ اسلام ہوگا۔ نصاریٰ جو اسلام کی تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے جب ان کی تباہی کا نقشہ آپ ﷺ کو دکھایا گیا تو آپ ﷺ کا دل جو مخلوقِ خدا کے درد سے بھرا ہوا تھا ان دشمنان اسلام کی چودہ سو سال بعد ہونے والی تباہی پر تڑپ اٹھا۔ اور اپنے ربّ کے حضور دعاؤں اور گریہ وزاری میں اس مقام تک پہنچا کہ ربّ العالمین کو اپنے پیارے محبوب کے لئے کہنا پڑا کہ کیا تو ان کے غم میں خود کو ہلاک کر دے گا؟ سورۃ الشعراء:۳ میں کفار کے لئے آپ ﷺ کے اضطراب کو انہی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ کی دعاؤں سے اس قوم نے اسلام قبول کیا۔ اب بھی خدا کرے کہ نصاریٰ حق کو پہچان کر آنے والے عذابِ شدید سے بچ جائیں۔ آپ ﷺ کے غلام مسیح موعود علیہ السلام جو آپ ﷺ کے مثیل اور بروز اکمل تھے، آپ کی قلبی کیفیت بھی اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثل تھی۔ آپ فرماتے ہیں ’’میرا دل مردہ پرستی کے فتنہ سے خون ہوتا جاتا ہے اور میری جان عجیب تنگی میں ہے اور اس سے بڑھ کر اور کونسا درد کا مقام ہوگا کہ ایک عاجز انسان کو خدا بنایا گیا۔۔۔۔۔ میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا قادر مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے۔ غیر معبود ہلاک ہوں گے۔۔۔۔۔ پھر نئی زمین ہوگی اور نیا آسمان۔ اور اب وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کی طرف سے چڑھے گا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا۔۔۔۔۔۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کردے۔۔۔۔۔۔ خدا کا ایک ہی ہاتھ سب تدبیروں کو باطل کردے گا لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی‘‘۔ (مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۳۰۴۔۳۰۵)

۸۔ نصاریٰ کے تعلق میں ہی یہ آیت ہے۔ ربّ العالمین نے روئے زمین کی کوئی شے بیکار پیدا نہیں کی۔ اِن سے زمینی خوبصورتی میں اضافہ کرنا، ان کا صحیح مصرف جاننا اور انہیں مخلوقِ خدا کی بہبود پر خرچ کرنا اس کے بندوں کا کام تھا اور اسی میں ان کی آزمائش تھی۔ گویا تحقیق اور سائنس کی طرف مومنین کو متوجہ کیا۔ افسوس اس حکم پر بھی مسیحی اقوام نے ہی عمل کیا اور ذرّے ذرّے کی تحقیق پر

عمریں صرف کر دیں۔ لا تعداد ایجادات سے بنی نوع انسان کو لامتناہی سہولتوں سے ہمکنار کیا اور دنیا کو جنت نظیر بنا دیا۔ لیکن **احسن عملاً** کے تقاضا کو پورا نہ کر سکے اور اس آزمائش میں پورے نہ اترے۔ مسلمانوں سے انہیں ازل سے بیر ہے۔ سب کچھ چھین لینے کے بعد بھی مزید کچلنے کے درپے رہتے ہیں۔ انہوں نے ان تمام آسائشوں کو خاص طور پر اپنی اقوام اور ایک خاص طبقہ کے لئے مخصوص کر دیا۔ ایشیائی اور افریقی اقوام آج بھی بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہیں۔ سونا افریقہ سے اور تیل عرب ممالک سے نکلا لیکن فائدہ انہوں نے اٹھایا۔ اپنی ضرورت سے زائد گندم سمندر میں پھینک دیتے ہیں تا بھاؤ گرنے نہ پائے۔ جبکہ ایتھوپیا اور کئی دوسرے مسلم ممالک کے عوام بھوکوں مر رہے ہیں۔ فلسطین، کشمیر، عراق، بوسنیا، چیچنیا، کوسووو پر صرف اور صرف اسلام کا نام لینے کے جرم میں شدید مظالم ہوئے۔ ان آزادی کے علمبرداروں نے ان بیگناہ حریت پسندوں کو ہر ممکن طریق سے کچلنے کی کوشش کی۔ انہوں نے کائنات کے راز تو کسی نہ کسی حد تک معلوم کر لئے لیکن خدا کے پیدا کردہ ذرائع کو حسن عمل کا ذریعہ نہ بنا سکے بلکہ ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دوسرے تباہ کن ہتھیاروں کو مخلوق خدا کی تباہی کا ذریعہ بنایا اور امنِ عالم کو برباد کیا۔ غرض یہ دنیوی زیب و زینت میں اتنے کھوئے گئے کہ عیش و عشرت کو ہی اپنا خدا بنا لیا اور محض زمینی کیڑے بن کر رہ گئے۔ آسمان سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا۔ پطرس ان بگڑے ہوئے دجالی مسیحوں کی بابت لکھتا ہے کہ ان کو دن دہاڑے عیاشی کرنے میں مزا آتا ہے۔۔۔۔ ان کی آنکھیں جن میں زنا کار عورتیں ہیں گناہ سے رک نہیں سکتیں ۔۔۔۔ (یوحنا کا پہلا عام خط آیت ۱۸/۱۹۔) آج یورپ اور امریکہ کی گلیوں میں سرعام فحاشی ان سابق نوشتوں کی پیشگوئیوں کو پورا کر رہی ہے۔ اس صورت حال سے مغربی مفکر بے خبر نہیں رچرڈ گرائپ (Richard Gripe) امریکی ماہنامہ ''دی پلین ٹروتھ'' میں مغربی معاشرہ کے عبرتناک انجام کی خبر دیتے ہوئے لکھتا ہے:۔ ''آج مغربی معاشرے اور ماضی کی تباہ شدہ تہذیبوں میں بہت سی چونکا دینے والی مماثلتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ یہ تہذیبیں پھلی پھولیں حتیٰ کہ مردہ دلی اور پژمردگی نے انہیں آ گھیرا اور آخرکار موت کی بے رحم آغوش میں جا سوئیں۔۔۔۔۔ بہت کم لوگ ہیں حتیٰ کہ ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے جنہیں اس امر کا احساس ہے کہ امریکہ اور برطانیہ فارغ اور بے کار اوقات کی بہتات کے چنگل میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ہر شخص کی زبان پر یہی ہے کہ زندگی اس ڈھب پر گزارو اور عیش کرو۔ لیکن جب کوئی قوم عیش کوشی میں غرق ہو جاتی ہے تو پھر خاتمہ اور صف لپیٹنے کے مراحل طے کرنے کا وقت آ پہنچتا ہے''۔ (دی پلین ٹروتھ مئی ۱۹۷۱ء صفحہ ۴۱)

عَمَلًا ﴿۸﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۹﴾ اَمْ

عمل کے لحاظ سے — اور یقیناً ہم البتہ بنانے والے ہیں جو کچھ اس پر ہے — مٹی — بنجر — کیا

حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا

گمان کیا تو نے — کہ — اصحاب — کہف — اور — رقیم — تھے — نشانیوں میں سے

عَجَبًا ﴿۱۰﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا

ہماری عجیب — جبکہ پناہ گزین ہوئے جوان — طرف — غار کی — پس کہا انہوں نے اے رب ہمارے دے ہمیں

۹۔ **صعیدًا** میدان ۔ **جرزا**۔ چٹیل میدان جو سبزہ سے خالی ہو۔

ابھی ذکر ہوا کہ نصاریٰ جن کا تمام دنیا پر سیاسی غلبہ ہوگا، خدائی نعمتوں کو فساد کا ذریعہ بنائیں گے۔ احادیث میں مذہبی فتنے پھیلانے والے مسیحی گروہ کو جو پادریوں اور فلاسفروں پر مشتمل ہوگا، دجال اور مسیح دجال کہا گیا ہے جو اپنی تبلیغی سرگرمیوں اور مکروفریب سے دنیا کو اسلام سے برگشتہ کر کے شرک اور دہریت پھیلائے گا اور عیسائیت میں داخل کرے گا۔ اس وقت اسلام نہایت کسمپرسی کی حالت میں ہوگا۔ یہ سخت ابتلاؤں کا زمانہ ہوگا۔ اس کے بعد مسیح موعود ظاہر ہوں گے جن سے دجال کا خاتمہ ہوگا (کنزالعمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۱) وہ اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرے گا۔ اس زمانہ میں دنیا میں کئی رنگ میں عذاب آئیں گے۔ شدید زلزلوں اور خوفناک وباؤں کے علاوہ خطرناک قسم کی جنگیں ہوں گی۔ دو عالمی جنگیں ہو چکیں جن میں کروڑہا انسان لقمہ اجل بنے۔ اس آیت میں آخری ایٹمی جنگ کی طرف اشارہ ہے جب زمین نا قابلِ رہائش ہو جائے گی۔ یہ سارے عذاب اس وجہ سے ہوں گے کہ جب مسیحی اقوام کو اقتدار نصیب ہوا اور ان پر دنیا کے خزانوں کے منہ کھولے گئے تو وہ اس آزمائش میں پورے نہ اترے اور بندگان خدا کے حقوق غصب کر کے عذاب کو دعوت دی۔ (آیت ۸)

۱۰۔ **کھف**۔ عربی میں فراخ غار کو کہتے ہیں۔ جبکہ غار کا لفظ تنگ کھوہ یا عام غار کے لئے بولا جاتا ہے۔ **مرقوم**۔ رقم کی ہوئی۔ لکھی ہوئی۔ کتاب، تختی، پتھر یا چمڑے وغیرہ پر لکھی ہوئی کوئی تحریر۔ **الرّقیم** تحریروں والے۔ بہت لکھنے والے۔

مسیحوں کے بگڑے ہوئے گروہ اور اس کے انجام کے ذکر کے بعد اصحابِ کہف کا ذکر کیا جو ابتدائی موحد مسیحی جوانوں کے گروہ تھے اور بتایا کہ تمہارے اسلاف کون تھے اور تم کیا ہو۔ یہ داعی الی اللہ کے گروہ تھے جو یہودیوں اور رومیوں کے مظالم کا تختہ مشق بنے۔ جب تبلیغ کی پاداش میں ان

پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جاتا تو یہ دیندار جوان عیسائیوں کے گروہ دنیا کی رونقوں سے منہ موڑ کر دین بچا کر غاروں میں روپوش ہو جاتے۔ انہیں **مِنۡ اٰیٰتِنَا** کہا کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے تھے یعنی شعائر اللہ تھے۔ قرآنِ کریم نے ان خدا رسیدہ جوانوں کا ایسے تعریفی انداز میں ذکر کیا کہ وہ زندہ جاوید ہو گئے ورنہ عیسائیت ان کے بارے میں خاموش ہے۔ ان پر مظالم کا عرصہ تین صدیوں پر پھیلا تھا۔ ان کا کچھ ذکر **اٰل عمران** ۴۰:۴۶ و ۴۶ میں گزر چکا ہے۔ **اصحاب کہف والرّقیم** کے واقعات دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ مشیتِ الٰہی سے اس صدی میں اچانک ان پر سے پردہ اٹھا اور وہ منظرِ عام پر آ گئے جو قرآنِ مجید کی سچائی کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآنی بیان کے عین مطابق ہیں نیز بانیِ سلسلہ احمدیہ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر وفاتِ مسیح کو ثابت کیا۔ یہ اس صداقت کا بھی زندہ ثبوت ہیں۔ فلسطین کے مشرق میں ارضِ کنعان واقع ہے اس میں بحیرہ مردار کا شمال مغربی سنگلاخ ساحلی علاقہ وادیِ قمران کہلاتا ہے۔ (اصحابِ کہف کے صحیفے۔ از شیخ عبدا لقادر سے استفادہ کیا گیا ہے) ۱۹۴۷ء میں ایک بدو اپنی بکری کی تلاش میں بھٹک رہا تھا کہ اسے پہاڑ پر ایک سوراخ نظر آیا۔ یہ سمجھ کر کہ شاید بکری اس میں گھس گئی ہے اس نے ایک پتھر مارا جو کسی برتن سے ٹکرایا۔ دوسرے دن وہ اپنے ساتھی کی مدد سے اس غار میں اترا تو دیکھا کہ مرتبان قطار اندر قطار پڑے ہیں۔ ان کے اندر چمڑے پر لکھی ہوئی تحریریں تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس زمانہ میں سامنے لایا۔ اگر یہ غار سو سال پہلے دریافت ہو جاتے تو یہ صحائف دنیا کے لئے قطعاً بیکار تھے کیونکہ یہ ٹکڑے اتنے گڈمڈ ہو چکے تھے کہ وہ تحریریں ہرگز پڑھی نہ جا سکتیں۔ یہ آج کی Genetic Science کا کمال ہے کہ سائنسدان ہر بکری کی کھال کے ٹکڑوں کو اس کی مخصوص Genes کی وجہ سے الگ کرنے میں کامیاب ہوئے اور ان ٹکڑوں کو ملا کر پڑھ سکے۔ ان تحریروں کو دنیا کے بہترین محققین نے پڑھا۔ یہ ابتدائی عیسائیوں کے دو ہزار سال قبل لکھے ہوئے آرامی، عبرانی اور یونانی زبان میں انبار در انبار بائبل کے نایاب صحیفے اور دیگر صحائف جیسے یسعیاہؑ نبی کا صحیفہ، حبقوقؑ نبی کے صحیفہ کی تفسیر، جماعت کا دستور العمل اور مکتوب وغیرہ ہیں۔ ان میں حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خدا کی حمد میں مناجات، زبور اور گیت بھی ہیں۔ یہ آرامی زبان میں لکھے ہوئے ہیں جو آپ کی زبان تھی۔ ان صحائف کو پڑھنے سے پتہ چلا کہ اس علاقہ میں یہودیوں کا ایک خدا پرست فرقہ یہود کی سرکشیوں سے تنگ آ کر ایک سو بیس سال قبل مسیح حضرت یسعیاہؑ کے فرمان کے مطابق کہ ”بیابان میں خدا کی راہ تیار کرو“ (یسعیاہ ۴۰/۳) یہودیہ کے ان بیابانوں میں آباد ہو گیا جو یہود کا ایسینی فرقہ کہلاتا تھا۔

(The Dead Sea Community P-24-43-44) یہ درویشوں کا ایک گروہ تھا جو مجرّدانہ زندگی بسر کرتا اور اپنا زیادہ وقت مقدس صحائف کی لکھائی، حفاظت اور ربّ کریم کی عبادات میں گزارتا۔ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ یہ خود کو آنے والے مسیح کے لئے تیار رکھتے تھے۔ چنانچہ مسیح کی آمد پر یہ سب مسیح پر ایمان لے آئے۔ ان لوگوں نے قبولِ عیسائیت کے بعد بھی صحائف کا لکھنا جاری رکھا۔ مظلوم عیسائی پناہ لینے ان کے پاس آتے۔ پہلی صدی عیسوی کے یہودی مصنف جوزیفس کے بیان کے مطابق ان سے حلف لیا جاتا کہ وہ مقدس صحیفوں اور سلسلہ کے دفاتر کو پوری امانت و دیانت سے محفوظ رکھیں گے۔ چنانچہ وہ ان مقدس صحیفوں کو چمڑے وغیرہ پر لے کر سوتی کپڑوں میں لپیٹ کر مرتبانوں میں محفوظ کر دیتے اور حفاظت کی غرض سے انہیں غاروں میں منتقل کر دیتے۔ ایک طبقہ ان میں محنت کش تھا جو کسان، گڈریئے، گوالے، شہد کی مکھیاں پالنے والے، دستکار اور ہنر مند تھے۔ یہ شادی بھی کرتے لیکن بیت المال سب کا مشترکہ تھا۔ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق بانٹ دیا جاتا۔ انہی خدا رسیدہ لوگوں میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تربیت ہوئی (اعمال ۳۲ تا ۴/۳۵) لوگ اپنے واقفین بچوں کو تعلیم و تربیت کے لئے یہاں چھوڑ جاتے۔ حضرت یحییٰؑ کے شاگرد یوحنا اور توما بھی اسی تحریک سے وابستہ تھے جو بعد میں خاص حواریوں میں شامل ہوئے۔ ان لوگوں نے عیسائیت کی تبلیغ میں بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ ان میں صاحبِ کشف و الہام بزرگ بھی تھے۔ اس فرقہ کا قومی لباس سفید تھا۔ شاید اس لیے اور ان کے تقدس کی وجہ سے قرآن کریم نے انہیں حواری کہا۔ واقعہ صلیب کے بعد انہی میں سے دو جوانوں نے حضرت عیسیٰؑ کی قبر پر پہرہ دیا۔ (The Crucifixion by An Eye-witness.P.78) اُن کے سفید لباس کی وجہ سے عورتوں نے انہیں فرشتے سمجھا۔ یہ فنِ طبابت میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اسی فرقہ کے ایک نامور حکیم نقادیمسؔ نے حضرت عیسیٰؑ کے صلیب سے زندہ اترنے کے بعد قبر میں اور بعد میں آپ کا علاج کیا۔ یوسف آرمتیاؔ ایک دولت مند یہودی تھا جو یہودی کونسل کا ممبر تھا (یوحنا ۷۹/۳۸، مرقس ۴۳/۱۵) وہ اسی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے ہی آپ کو صلیب سے زندہ اتارنے، ایک کشادہ قبر میں رکھنے اور وہاں سے نکالنے کا انتظام کیا۔ وادیٔ قمران سے چند میل کے فاصلہ پر دریائے یردن کے دہانہ پر واقع ایک مقام پر واقعہ صلیب سے تین سال قبل حضرت یحییٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو جن کی عمر اُس وقت تیس سال تھی بپتسمہ دیا۔ اسی لمحہ روح القدس کا حضرت عیسیٰؑ پر نزول ہوا اور آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ پھر اسی بیابان میں آپ نے چالیس دن کا چلّہ کاٹا۔ ان غاروں

کے قریب سطح مرتفع پر اصحاب کہف یعنی ابتدائی عیسائیوں کی خانقاہ کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ جہاں پانچ صد آدمیوں کی رہائش کا انتظام تھا۔ اسی لئے کرنتھیوں ۱۵/۶ میں لکھا ہے کہ آپ واقعہ صلیب کے بعد پانچ سو سے زائد بھائیوں پر ظاہر ہوئے۔ (Discoveries in the Judacan Desert.I.Qumran Cave.I By D.Bart Thelemy.o.p and I.T.Milk.P.4) اس کی کھدائی میں عبادت گاہ، میٹنگ روم، صحیفے لکھنے کا کمرہ، پانی جمع کرنے اور غسل کے لئے حوض، دواتیں، برتن بنانے کا سامان، بھٹی اور دیگر استعمال کی اشیاء دریافت ہوئیں۔ ان غاروں میں تین مرتبانوں میں بند قدیم سکے بھی ملے۔ کچھ سکے ۱۲۰ سال قبل مسیح سے لے کر ۶۸ء تک کے ہیں۔ ان سکوں اور تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ۶۸ء میں یہودیوں کی بغاوت کے نتیجہ میں رومیوں نے یروشلم پر چڑھائی کر کے یہودیوں پر شدید مظالم ڈھائے۔ جب ارد گرد کے علاقہ سے رومن سپاہیوں کی قتل و غارتگری کی خبریں ملنے لگیں تو ان عیسائیوں نے اپنے عظیم تہ خانوں کو غاروں میں منتقل کرنے کے بعد بڑے بڑے پتھروں سے ان غاروں کے منہ بند کر دیئے اور خود مشرقِ اردن اور شمالی حجاز کے مضافات میں آباد ہو گئے۔ بعض نصف جلے اور پھٹے ہوئے صحائف اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ حملہ آوروں کی دست بُرد سے نہیں بچ سکے۔ کچھ صحائف یقیناً ان کے ہاتھ لگے جو انہوں نے نظر آتش کئے اور بعد میں کسی وقت انہیں محفوظ کیا گیا

(The Riddle of the scrolls By Medica.P.152-155)

حضرت مصلح موعودؓ نے اصحابِ کہف کی تفسیر ۱۹۴۰ء میں لکھی۔ چونکہ یہ غار ابھی دریافت نہیں ہوئے تھے اس لئے آپ نے Cata Combs of Rome میں بنائے گئے روم کے تین منزلہ تہ خانوں کے کھنڈرات کو اصحابِ کہف کی پناہ گاہیں سمجھا جن کے کتبوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ابتدائی رومی عیسائی، رومیوں کے مظالم سے تنگ آ کر یہاں پناہ لیا کرتے تھے۔ آپ کی تحقیق بجا، ہم انہیں اصحابِ کہف تو کہہ سکتے ہیں لیکن اصحاب الرقیم کا لفظ ان پر صادق نہیں آتا۔ یہ لفظ صرف وادیٔ قمران کے رہنے والے اصحابِ کہف پر ہی صادق آتا ہے جنہوں نے صحائف لکھ لکھ کر ان کے ناقابلِ یقین حد تک انبار لگا دیئے۔ شاید ہی کسی قوم نے بحیثیت مجموعی کبھی اتنے صحائف ہاتھ سے لکھے ہوں گے۔ غار نمبر ا کے صحائف منظر عام پر آ چکے ہیں۔ مزید دس غاروں کے صحائف کو دنیا کی نظروں سے چھپا دیا گیا ہے کیونکہ ان تحریروں کی زد میں یہودیت اور عیسائیت اس طرح آتی ہیں کہ پھر انہیں اسلام کے سوا کہیں جائے پناہ نہیں۔ ایسی اڑھائی سو غاریں مزید دریافت ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

ان غاروں کی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صلیب کی صعوبتوں کے بعد لوگوں کی نظروں سے چھپتے چھپاتے یہاں پہنچے اور اپنے زخموں کی صحت یابی تک یہاں پناہ گزیں ہوئے اور یہودیوں کی نظروں سے چھپے رہے۔ آپ نے بھی یہاں صادق استاد کے نام سے لاتعداد زبور خدا کی حمد میں مناجات اور گیت لکھے۔ ان تحریروں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مسیح ہی صادق استاد تھے۔ وادیٔ قمران سے ملنے والی زبور نمبر ۱۸ میں آپ لکھتے ہیں ''موت اور عالمِ ارواح میرے ساتھ متصل ہو گئے اور مجھے اپنے اندر سمو لیا۔ میری آنکھیں کٹھالی کی طرح جل رہی ہیں میرے آنسو جو کہ بہنے والے دریا ہیں، وہ بھی میری آنکھوں کو ٹھنڈا نہیں کر سکے، میری روح کہیں دور کھڑی ہے اور میری زندگی نے رخ بدل لیا ہے۔ کسمپرسی کے عالم میں میں چلاتا ہوں، میری دردیں ایسی تکلیف کی مانند ہیں جو بچہ جننے کے وقت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود میری جان سنبھالا لے گی۔ تیری رہنمائی کے نتیجہ میں۔ تو اپنی رحمت کے صدقہ مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔۔۔۔ پس تُو میری زندگی کو ضائع نہیں کرے گا اور میری صحت کو برباد نہیں ہونے دے گا۔ تو میری امید کو نہیں توڑے گا تُو میری روح کو توانائی بخشے گا۔''

وادیٔ قمران سے ملنے والی زبوروں کے متعلق جنرل یادین لکھتے ہیں کہ ان زبوروں کا مصنف اپنے اور اپنے ماننے والوں کے مصائب اور ایذا رسانیوں کا ذکر نہایت درد انگیز خوبصورت پیرائے میں کرتا ہے اور اس کے بعد بیس صفحات سے زائد میں وہ اللہ تعالیٰ کا شکر پر شکوہ زبان میں ادا کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے اسے دشمنوں کے پنجہ استبداد سے بچا لیا۔ صفحہ ۶۹۔

ابتدائی مسیحوں کی درد ناک داستان کا مختصر حال رومی مورخ Tacitus نے بیان کیا کہ رومی شہنشاہ نیرو نے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے مسیحوں کو زندہ جلانے، کتوں سے پھڑوانے اور صلیب دینے کے مختلف طریق اختیار کر رکھے تھے۔ ان مظالم سے گھبرا کر وہ غاروں میں پناہ لیا کرتے تھے۔ جب کوئی نرم دل بادشاہ تخت نشیں ہوتا تو باہر نکل آتے۔ جب مظالم شروع ہوتے تو غاروں میں چھپ جاتے۔ آخر تین سو سال کے بعد روم کے بادشاہ نے عیسائیت قبول کی اور ان کی تکالیف کا خاتمہ ہُوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں کہ سورۃ کہف میں مسیح کے دوبارہ نزول کی خبریں ہیں۔ مسلمانوں کو بتایا کہ ویسے ہی حالات مسلمانوں کی ایک جماعت کو پیش آنے والے ہیں جو مسیح موعود کو ماننے والی ہوگی۔ حضرت مسیح موعودؑ کو یہ (آیت ۱۰) الہام ہوا۔ (تذکرہ طبع سوم صفحہ ۵۹۶)

جس میں اشارہ ہے کہ آیت قرآنی کا مصداق اب پھر دوبارہ دہرایا جانے والا ہے۔ حضرت خلیفۃ
المسیح الاوّلؓ کے استفسار پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا اصحٰب الکھف والرّقیم میری جماعت ہے۔ یہ
میرا الہام ہے"۔ (ریویو آف ریلیجنز اردو جون ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۲۱) اب ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح موعودؑ
کی جماعت حضرت عیسیٰؑ کے ابتدائی ماننے والوں سے کس طرح مشابہ ہے۔ مسیح موعودؑ کو ماننے والی
اس چھوٹی سی جماعت پر جس کا مقصد محض اسلام میں داخل کئے گئے غلط عقائد، غیر اسلامی رسم و رواج
اور بدعتوں کو دور کر کے سچے اسلام پر عمل اور اس کی تبلیغ ہے اور یہی حضرت مسیح موعودؑ کا مشن ہے۔
لیکن ان اسلام کے دعویداروں نے کونسا ظلم ہے جو اِن پر روا نہیں رکھا۔ کلمہ پڑھنے کے جرم میں قتل
کئے گئے، زندہ جلائے گئے سنگسار کئے گئے، گولیوں سے چھلنی ہوئے جسمانی اذیتیں دی گئیں، زخمیوں
کو گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹا گیا، گھروں اور املاک کو نظر آتش کیا گیا، زمینوں سے بے دخل کئے
گئے سالہا سال سے بغیر کسی جرم کے پس زنداں کال کوٹھریوں میں بند ہیں۔ کوئی پرسانِ حال نہیں،
تعلیمی اداروں سے نکالے گئے۔ ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کئے گئے۔ حج تو دور کی بات ہے
اپنے ملک میں کلمہ پڑھنا اسلام کا نام لینا یا کوئی اسلامی فریضہ ادا کرنا یا تبلیغ کرنا ان کے لئے قانوناً
بند ہے اور اس جرم کی سزا ناقابلِ معافی ہے۔ غرضیکہ ہر ظلم ان پر روا ہے۔ اگر اصحاب کہف نے
صحائف کو محفوظ کرنے کے لئے انہیں لکھا اور غاروں میں مدفون کیا تو مسیح موعود کی اس چھوٹی سی
جماعت نے سب سے سچے اور آخری خدائی صحیفے کو دنیا کی مشہور 118 زبانوں میں ترجمہ کر کے اس
کے کروڑ ہا کروڑ نسخے دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیئے۔ جبکہ ان کے لئے ان کے اپنے ملک میں
قرآن پڑھنا اور اس پر عمل کرنا قانوناً جرم ہے۔ تحریر پر پابندی کے باوجود اس جماعت کے افراد نے
لاتعداد دینی کتب لکھ کر اسلامی لٹریچر میں گراں قدر اضافہ کیا۔ اس کام میں خواتین بھی مردوں سے
پیچھے نہیں اور بہت سی قابل قدر دینی کتب کی مصنفہ ہیں۔ یہی ایک جماعت ہے جس کا تمام لٹریچر
قرآن و حدیث، دینی و علمی اور تحقیقی علوم پر مشتمل ہے اور دنیوی فحش اور لغو تحریروں سے کلیۃً پاک
ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں بفضل تعالیٰ یہ واحد جماعت ہے جس میں محض خدا تعالیٰ کے فضل اور
احسان سے صاحبِ کشف والہام مرد ہی نہیں عورتیں بھی ہیں۔ پس یہی جماعت ہے جس نے بفضل
تعالیٰ دین کو دنیا پر مقدم رکھا۔ جانی و مالی قربانیوں میں کوئی دوسری جماعت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
باوجود ان تمام پابندیوں کے اس مولا کا خاص کرم ہے کہ روز افزوں ترقی پذیر ہے اور تمام دنیا میں
تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریک سے دس سال میں

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۱﴾
جناب سے اپنی رحمت اور مہیا کر ہمارے لیے معاملہ میں ہمارے درستی

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۲﴾ ثُمَّ
پس سننے سے روک دیا ہم نے کانوں کو انکے (بیرونی حالات کے سننے سے) غار میں سال کئی پھر

بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۳﴾ ع ۱۳/۱۴
اٹھایا ہم نے انھیں تاکہ جان لیں ہم کہ کون دونوں جماعتوں میں سے زیادہ شمار کرنیوالا ہے اسے جتنی ٹھہرے وہ مدت

بفضل تعالیٰ سترہ کروڑ افراد جماعت احمدیہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت احمدیوں کی تعداد اللہ تعالیٰ
کے فضل و احسان سے ۲۰ کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ (خطبہ جمعہ ۲۷ ستمبر ۲۰۰۱ء) **ذٰلک فضل
اللہ یؤتیہ من یّشآء ط**

عجبًا کا لفظ بتا رہا ہے۔ کہ یہ کوئی عجوبہ نہیں۔ ایسے عجائب اللہ تعالیٰ دکھاتا رہتا ہے۔ یعنی آئندہ بھی
ہونے والے ہیں۔ انشاء اللہ۔

۱۱۔ **ھیّیء**۔ مہیا کر۔ عطا کر۔

اعلائے کلمۃ اللہ ان کا مقصد تھا ظاہر ہے کہ کسی فتنہ یا ظلم کے خوف سے غاروں میں چھپے
رہنے سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے مجبوراً ان غاروں میں پناہ لیتے وقت وہ دعا کرتے
کہ اے اللہ تیری خاطر سب کچھ چھوڑا ہے۔ ہمیں اپنی جناب سے رحمتِ خاص عطا فرما اور ہمارے
معاملہ میں رشد یعنی کامیابی اور آزادی کے اسباب اور نیکی و بھلائی کی راہیں پیدا کر دے۔

۱۲۔ **ضربنا علٰی اذانھم** ۔ ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا (روح المعانی) یعنی ہم
نے انہیں سننے سے روک دیا۔ پس چند سال کے لئے وہ بیرونی حالات سننے سے محروم رہے اور باہر
کی دنیا سے کٹے رہے۔ سنین سے مراد نو سال کا عرصہ ہے۔ تین سے نو تک کے عدد کے لئے استعمال
ہوتا ہے۔ موحد عیسائیوں پر مصائب کا عرصہ تین سو سال سے کچھ زائد رہا۔ جب شدید مخالفت ہوتی
غاروں میں پناہ لیتے ورنہ باہر تبلیغ کا کام جاری رکھتے۔ موحد عیسائیوں کے مختلف گروہ تین سو سالوں
میں نو سال سے زیادہ غاروں میں نہیں رہے۔

۱۳۔ **احصٰی** ۔ گننا۔ احاطہ کرنا۔ احادیث میں آتا ہے **انّ للّٰہ تسعتہ و تسعین
اسماء من احصاھا دخل الجنۃ**۔ اس سے مراد محض گننا نہیں بلکہ ان کا علم حاصل کرنا، ان پر
ایمان لانا اور یقین رکھنا اور ان کے مقتضٰی کے مطابق عمل کرنا ہے (لسان العرب) گویا ان صفات

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا

ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر خبر ان کی ساتھ حق کے یقیناً وہ کچھ جوان تھے جو ایمان لائے

میں خود کو رنگنا ہے۔ چونکہ اصحاب کہف کئی گروہوں کا نام ہے جو وقتاً فوقتاً وہاں پناہ لیتے رہے اس لئے عین ممکن ہے کہ انہی میں سے دو گروہوں کو مخاطب کیا ہو۔ سالوں کا حساب کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ **لِنَعۡلَمَ** کا لفظ فرماتا بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ ان میں سے کونسا گروہ ہے جس نے اس مدت کا صحیح احاطہ کیا اور صحیح مصرف میں لایا۔ اللہ کے بندے آزمائش کے ایام کو سو کر نہیں گزارتے بلکہ عبادات ومجاہدات سے خود کو صیقل کر کے اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے ایک نیا عزم لے کر دنیا کے سامنے آتے ہیں۔ ان کی خاص صفت ان کا الرقیم ہونا بھی ہے پس انہوں نے اپنا وہ زمانہ عبادات، ریاضت کے علاوہ صحائف لکھنے میں گزارا اور اپنی اگلی نسلوں کی ہدایت کا سامان کر گئے۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں بتلایا کہ حضرت عیسیٰؑ نے واقعہ صلیب کے بعد جب سفر اختیار کیا اور فلسطین سے روانہ ہوئے تو کچھ انجیلیں وہیں پر چھوڑ دیں۔ ایک ایسی ہی انجیل ایک عیسائی سکالر کو ملی۔ اس نے دیکھا کہ اس میں اشارۃً یا کنایۃً بھی تثلیث کا کوئی ذکر نہیں تھا جو موجودہ انجیلوں میں ہے۔ خُدا کا بیٹا ہونے کا بھی ذکر نہیں تھا بلکہ اسی توحید کا ذکر تھا جو قرآنِ کریم نے پیش کی ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا اور بتایا کہ ہم کیوں مسلمان ہوئے؟ اس لئے کہ یہ انجیل سراسر قرآنِ مجید کے مطابق تھی۔ انہوں نے اپنا نام عیسائی مسلمان رکھا اور کہا کہ ہم پر حضرت عیسیٰؑ کا احسان ہے کہ ان کی اس انجیل نے ہماری رہنمائی کی۔

چونکہ اس قصہ میں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے واقعات بھی بطور پیشگوئی بیان ہوئے ہیں جیسا کہ آیت ۲۵ میں بتایا کہ جتنا عرصہ اصحابِ کہف کو غار میں رہنا پڑا اللہ تعالیٰ اس سے بہت قریب آنحضرت ﷺ کے لئے غلبہ کے سامان پیدا کر دے گا۔ چنانچہ چند سال بعد ایسے حالات آپ ﷺ پر بھی گزرے آپ ﷺ کو تین سو سال کی بجائے صرف تین سال شعبِ ابو طالب میں مع اپنے رفقاء، دنیا سے کٹ کر رہنا پڑا اور پھر مدینہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ نے کامیابیوں کے دروازے کھول دیئے، **اقرب رشدا** (آیت:۲۵) کا نظارہ بھی تاریخِ عیسائیت کی نسبت اسلام میں بہت نمایاں ہے کہ نصاریٰ کو تین سو سال تک مصائب کا سامنا رہا پھر غلبہ نصیب ہُوا جبکہ تین سو سال کے عرصہ میں تمام دنیا پر اسلام کی حکومت تھی اور مصائب کا زمانہ صرف تیرہ سال تک محدود تھا۔ مسیح موعودؑ کی جماعت کو بھی نصاریٰ کی نسبت قلیل تر مدت میں کامیابی کی راہ دکھا دے گا انشاء اللہ العزیز۔

بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى ۱۴ وَّرَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

رب پر اپنے اور بڑھایا ہم نے انہیں ہدایت میں اور مضبوط کر دیا ہم نے دلوں کو ان کے

اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ

جب کہ وہ کھڑے ہوئے پھر کہا انہوں نے رب ہمارا رب ہے آسمانوں اور زمین کا ہرگز نہیں

نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۱۵

پکاریں گے ہم سوائے اس کے کوئی معبود یقیناً یقیناً کہی ہم نے تب تو بات زیادتی کی

هٰٓؤُلَاۤءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا يَاۡتُوۡنَ

اس قوم نے ہماری بنائے سوائے اس کے معبود کیوں نہیں لاتے

۱۴۔ یہاں تک اجمالی رنگ میں ان کا واقعہ بیان ہُوا۔ اب تفصیلی طور پر بیان ہو گا۔ چونکہ عوام میں ان کے متعلق کئی غلط قصے مشہور تھے جیسے ان کا مدت دراز تک سوئے رہنا وغیرہ۔ اس لئے فرمایا کہ ان کی بابت اہم خبریں ہم ٹھیک ٹھیک طور سے بیان کرتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو ایمان لائے بقول شیخ سعدیؔ: درجوانی توبہ کر دن شیوہ پیغمبری۔ آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والے بھی زیادہ تر نوجوان ہی تھے۔ یقیناً ان جوانوں کا ایمان اعلیٰ ترین مرتبہ پر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے زہد وتقویٰ اور قربانیوں کی وجہ سے انہیں رشد وہدایت میں مزید ترقی دی۔

۱۵۔ **ربطنا**۔ ربط کے معنی مضبوطی سے باندھنے کے ہیں۔ دلوں پر ربط سے مراد سکینت کا نازل کرنا۔ دلوں کو مضبوط کرنا تقویت بخشنا۔ مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت دینا۔ استقامت عطا کرنا۔ **شططًا**۔ بہت دوری کے معنی دیتا ہے۔ مراد ایسا قول جو حق سے بہت دُور ہو۔ جب وہ باطل کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، عوام وحکمران کسی کی پرواہ نہ کی اور اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور انہیں مصائب کو برداشت کرنے کا حوصلہ دیا۔ یہاں ان ابتدائی مسیحوں کے مذہبی عقائد پر روشنی پڑتی ہے کہ مالکِ ارض وسماء کے سوا کسی کو پکارنا ان کے لئے حق سے بہت دور کی بات تھی اور یہی ان کے موحدانہ عقائد تھے جن کی وجہ سے انہیں شدید آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ آج کی مشرکانہ مسیحی تعلیم یقیناً مسیح دجال کی تعلیم ہے۔ جس کا اس موحدانہ تعلیم سے دُور کا بھی واسطہ نہیں جن کی ہدایت کا بیڑا بفضل تعالیٰ مسیح محمدی کے سرفروشوں نے اٹھایا ہے۔

۱۶۔ ان چند خدا رسیدہ جوانوں کے سوا باقی قوم یقیناً مشرک تھی۔ شرک کی تائید میں کوئی

عَلَیۡہِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی

ان پر کوئی دلیل کھلی کھلی پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے باندھا

عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ؕ ﴿۱۶﴾ وَ اِذِ اعۡتَزَلۡتُمُوۡہُمۡ وَ مَا یَعۡبُدُوۡنَ

اللہ پر جھوٹ اور جب کہ جدا ہو گئے ہو تم ان سے اور جن کی وہ عبادت کرتے ہیں

اِلَّا اللّٰہَ فَاۡوٗۤا اِلَی الۡکَہۡفِ یَنۡشُرۡ لَکُمۡ رَبُّکُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِہٖ

سوائے اللہ کے تو پناہ گزین ہو جاؤ طرف غار کی پھیلائے گا تمہارے لیے رب تمہارا رحمت اپنی

وَ یُہَیِّیٔ لَکُمۡ مِّنۡ اَمۡرِکُمۡ مِّرۡفَقًا ﴿۱۷﴾ وَ تَرَی الشَّمۡسَ

اور مہیا کرے گا تمہارے لیے معاملہ میں تمہارے آسانی اور تو دیکھے گا سورج کو

دلیل نہیں ہوتی جیسا کہ آج مسیحی ابنیت و الوہیتِ مسیح کے لئے کوئی دلیل لانے سے قاصر ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں آیت:۶۔خدا پر افترا یہی ہے کہ اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔قرآنِ کریم میں شرک کو ظلم کہا گیا ہے۔(۳۱۔۴)

۱۷۔**ینشر۔نشر**۔پھیلانے اور کھولنے کے معنی دیتا ہے۔**یھیئ۔ ھیئت**۔کسی چیز کی ہیئت یا شکل۔**کھیئۃ الطیر** (المائدہ۔۱۲) سہل کر دینے یا مہیا کر دینے پر بھی بولا جاتا ہے۔ **مرفقًا۔رفق**۔نرمی۔آسانی۔

الکھف کا لفظ بتا رہا ہے کہ کسی خاص غار کی طرف اشارہ ہے جسے وہ جانتے تھے۔ورنہ الی کھف ہوتا۔پس یہ وہی اصحاب کہف والی وادیٔ قمران کی غاروں میں سے کوئی غار ہے۔جہاں مظلوم مسیحی دنیا کے مظالم سے بھاگ کر چھپا کرتے تھے۔

ینشر کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان کا زیرِ زمین جانا رحمتِ خداوندی سے ان کے پھیلاؤ کا سبب بنے گا۔وہ دُور دُور تک پھیل جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے لئے سہولتوں کے سامان مہیا فرمائے گا۔آج یہ قوم انہیں کی قربانیوں کے پھل کھا رہی ہے۔یہ وعدہ اپنی پوری شان سے آج بھی پورا ہو رہا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں۔آج وطن کی زمین ہم پر تنگ ہوئی۔تحریر و تقریر اور تبلیغ پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ہم زیرِ زمین جانے پر مجبور ہوئے اور رحمتِ خداوندی سے دنیا میں پھیل گئے۔یہ بے وطنی جماعت کے پھیلاؤ کا سبب بنی اور بے حد سہولتیں لے کر آئی۔ہم جو ریڈیو پر بات کرنے کے مجاز نہیں تھے آج اللہ تعالیٰ نے M.T.A یعنی Muslim Television Ahamadyia کے ذریعہ آسانیاں بہم پہنچائیں اور ہماری تبلیغ تمام دنیا میں پھیل گئی۔آج کثرت

اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ کَہۡفِہِمۡ ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَ اِذَا

جب وہ چڑھتا ہے ہٹ کر گذرتا ہے غار سے ان کے دائیں طرف اور جب

غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُہُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ ہُمۡ فِیۡ فَجۡوَۃٍ

غروب ہوتا ہے کترا کر جاتا ہے ان سے بائیں طرف اور وہ ایک میدان میں ہیں اس

مِّنۡہُ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ ۚ

(غار) کے یہ نشانات میں سے ہے اللہ کے جسے ہدایت دے اللہ تو وہی ہدایت پانیوالا ہے

وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۸﴾ وَ تَحۡسَبُہُمۡ ع ۵ ۱۴

اور جسے گمراہ کرے ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے کوئی دوست ہدایت دینے والا اور تو گمان کرتا ہے انہیں

سے لوگ M.T.A کے ذریعہ احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں۔صرف ایک سال میں چار کروڑ سے زائد افراد کا احمدیت میں داخل ہونا اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان ہی سے ممکن ہوا۔**الحمد للّٰہ علی ذٰلک**۔آج M.T.A متعدد احادیث کی سچائی کا گواہ بن چکا ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ ایک منادی آسمان سے آواز دے گا، جسے ایک نوجوان لڑکی پردے میں رہتے ہوئے بھی سنے گی اور اہل مشرق و مغرب بھی سنیں گے۔(بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۲۸۵۔ملا محمد باقر مجلسی دار احیاء التراث العربی۔بیروت) حضرت امام جعفر صادقؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے امام القائم کے زمانہ میں مشرق میں رہنے والا مومن مغرب میں رہنے والے اپنے دینی بھائی کو دیکھ سکے گا۔اس طرح مغرب میں بیٹھا ہوا مومن اپنے مشرق میں مقیم بھائی کو دیکھ سکے گا۔آج انٹرنیٹ کے ذریعہ نہ صرف ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں بلکہ باتیں بھی کر سکتے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ خلیفۂ وقت کے درس ایک ہی وقت میں تمام دنیا میں نشر ہوا کریں گے۔(الفضل ۱۶ فروری ۲۰۰۰ء ازمکرم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ ''حضرت مصلح موعودؓ کی یاد میں'')

یہ دعا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کے لئے کوئی آسانی کی راہ کھول دے، ظاہر کرتی ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے ہی وہاں پناہ لیتے تھے نہ کہ صدیوں کے لئے۔اور وہاں رہنے کا مقصد دعاؤں اور مجاہدات سے خود کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تیار کرنا تھا نہ کہ سوئے رہنا۔

۱۸۔**تزاور** بمعنی **تمیلُ** ہے۔مائل ہونا۔جھک جانا۔اسی سے زُور بمعنی جھوٹ ہے گویا وہ بھی اصل جہت سے ایک طرف جھک جانا ہے۔**تقرض**۔قرض کے معنی قطع کرنا یا کاٹنا ہے۔یا کسی جگہ سے کترا کر ایک طرف ہو کر نکل جانا۔**فجوۃ۔فجا**۔دو چیزوں کے درمیان کھلی اور وسیع جگہ۔

اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ
بیدار حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم پلٹتے ہیں انہیں دائیں اور

ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ
بائیں اور کتا ان کا پھیلائے ہوئے ہے دونوں بازو اپنے چوکھٹ پر

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ
اگر جھانکے تو ان پر البتہ پھر جائے تو ان سے بھاگ کر اور البتہ بھر دیا جائے

قدرت کا اصول ہے کہ سورج خطِ سرطان کے اوپر نہیں جاتا بلکہ نیچے رہتا ہے اور دائیں بائیں سے گزر جاتا ہے۔اس آیت میں اصحابِ کہف کی غار کا محل وقوع بھی بتا دیا کہ یہ غار خطِ سرطان سے شمال کی طرف ہے۔اور اس غار کا منہ شمال مغرب کی طرف ہے۔کیونکہ ایسے مقام سے سورج دائیں سے بائیں کو ہی گزرے گا۔

وادیٔ قمران کا علاقہ خطِ سرطان سے شمال کی طرف ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وادیٔ قمران کی اصحابِ کہف کی غاروں میں سے یہ کوئی نسبتاً وسیع اور کشادہ غار ہوگی جس کا منہ شمال مغرب کی طرف تھا اور سورج صبح و شام اس کے دائیں اور بائیں سے گزر جاتا تھا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں غار کی تنگی اور دھوپ سے بچائے رکھا۔**من اٰیٰت اللّٰہ** یہی ہے کہ سورج کا خطِ سرطان تک پہنچنا اور آگے نہ جانا جیسا کہ آجکل غاریں کھولی جارہی ہیں۔امید ہے کہ وہ خاص غار بھی دریافت ہو جائے گی جس کا محل وقوع **بعینہ** یہی ہو۔چونکہ اس سورۃ کا تعلق فتنہ نصاریٰ سے ہے اور مسلمانوں کے لئے اس فتنہ سے بچنے کے لئے ہدایات ہیں۔(تفسیر کبیر حضرت مصلح موعودؓ)پس غار کا محل وقوع بتانے میں اشارہ تھا کہ اسلام کا کوئی دشمن جس کا تعلق نصاریٰ سے ہے شمال سے اٹھے گا۔غار کا منہ شمال مغرب کی طرف ہونا بھی ان قوموں کی جائے رہائش کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ قومیں شمال مغربی علاقوں سے تعلق رکھیں گی۔اور وہ ان سے ہوشیار رہیں۔**من یھد اللّٰہ فھو المھتد** میں بتایا کہ وہی سمجھے گا جو ہدایت پر ہوگا۔مسلمان اس نقطہ کو نہ سمجھے، آپس میں لڑائیاں کیں اور ان شمال مغربی اسلام دشمن حکومتوں سے صلح رکھی۔بغداد اور سپین کی مسلم حکومتوں نے ایک دوسرے کے خلاف شمالی رومن عیسائی حکمرانوں کی مدد لی اس طرح دونوں تباہ ہوئیں یہ سلسلہ آج تک جاری ہے مسلم حکومتیں آپس میں لڑتی ہیں اور عیسائی ممالک سے مدد کی طالب ہوتی ہیں۔اناج سے لے کر اسلحہ تک کے معاملہ میں ان کی دستِ نگر ہیں۔تعلیم، علاج، صنعت غرض کوئی شعبہ نہیں جس میں خود کفیل ہوں۔

مِنْهُمْ رُعْبًا ۝۱۹ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ
تو ان سے رعب میں اور اسی طرح اٹھایا ہم نے انہیں تاکہ سوال کریں آپس میں

۱۹۔**ایقاظا**(**یقظہ** واحد) جاگنے والے۔روحانی بیداری کے لئے بھی آتا ہے(لسان العرب)**رقود**۔واحد راقد۔**الرّقاد**۔ خوشگوار ہلکی نیند۔ **رقود**۔ہلکی نیند سونے والے۔اس لفظ سے اصحاب کہف کا لمبے عرصہ تک سونا غلط ثابت ہوتا ہے۔ **وصید**۔ چوکھٹ۔

اصحاب کہف کا نقشہ تو یہی تھا کہ وہ کبھی بھی غفلت کی نیند نہیں سوتے تھے۔ ہمیشہ چوکس رہے اور ان کا دشمن انہیں بیدار سمجھتا۔قومی نکتہ نظر سے بھی چونکہ وہ اس عرصہ میں اپنے اصل مشن یعنی تبلیغ حق کو جاری نہیں رکھ سکے اس لئے یہ زمانہ ان کے لئے گویا قومی موت یا نیند کا ہی زمانہ تھا جس میں ان کی ترقی رکی رہی اور کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا۔ بیشک وہ اس وقت ایک تنگ جگہ میں پناہ لینے پر مجبور تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جلد ہی کشادگی عطا فرمائے گا اور وہ دائیں بائیں وادیوں میں بلاخوف و خطر گھوم پھر کر فریضہ تبلیغ ادا کرسکیں گے۔ بیابانوں میں جہاں ہر وقت دشمن کا خطرہ ہو حفاظت کے لئے کتا رکھنا معمول کی بات ہے۔ لیکن کتا بطور خاص نشان (Symbol) ہمیشہ کے لئے ان کی زندگی کا حصہ بن گیا۔غار کے منہ پر خونخوار کتا موجود ہو تو دشمن کو جھانکنے کی جرأت نہیں ہوتی اور اگر جھانکے بھی تو اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو ایک خاص رعب عطا کرتا ہے اور دشمن کو انہیں نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں ہوتی۔

چونکہ اس سورۃ میں خاص طور پر نصاریٰ کا ذکر ہے اور آئندہ انہی سے مسلمانوں کا مقابلہ تھا اس لئے بتایا کہ تو انہیں بیدار سمجھتا ہے حالانکہ یہ زمانہ ان کی قومی موت یا نیند کا زمانہ ہے یہاں مضارع کا صیغہ استعمال کر کے اس خاص واقعہ کے علاوہ آئندہ کی خبریں دیں کہ جس طرح مردہ زمین ایک نئی کروٹ لے کر بیدار ہوتی ہیں ہم بھی انہیں دائیں بائیں پھرائیں گے۔یعنی مشرق و مغرب میں ان کی ترقی شروع ہو جائے گی جس کی علامت ان کا کتا ہوگا۔آج نصاریٰ کا کوئی گھر نہیں کہ جس کی چوکھٹ پر کتا موجود نہ ہو۔ان کی ظاہری شان و شوکت سے ہر ایک ان سے مرعوب ہوگا۔ ولیت میں بتایا کہ بغیر اجازت ان کے بنگلوں کے اندر داخل ہونے یا جھانکنے کی صورت میں ان کے رعب اور کتے کی وجہ سے الٹے پاؤں بھاگنا پڑے گا۔مشرقی اقوام پر کچھ عرصہ پیشتر تک ان کے رعب کا یہی عالم تھا۔مگر اب ان کی تباہی کے سامان پیدا ہو رہے ہیں اور ان کا رعب بھی ختم ہو رہا ہے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ
کہا کہنے والے نے ان میں سے کہ کتنا ٹھہرے تم انہوں نے کہا ٹھہرے ہم ایک دن یا

بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا
حصہ دن کا انہوں نے کہا رب تمہارا خوب جانتا ہے جتنا تم ٹھہرے پس بھیجو

اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ
کسی کو اپنے ساتھ سکہ کے اپنے اس طرف شہر کے پس چاہیئے کہ وہ دیکھے کہ کونسی ہے

اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا
زیادہ اچھی کھانے کی چیز پس چاہیئے کہ لائے تمہارے پاس رزق اس (سکہ) سے اور نرمی کرے اور نہ

يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ
آگاہ کرے تم پر کسی کو یقیناً وہ اگر آگاہ ہو جائیں گے تم پر

۲۰۔**لبثتم بَعث**۔ٹھہرنا۔رکے رہنا۔**الیوم**۔یوم عربی میں ایک دن کے علاوہ کچھ عرصہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔یہ عرصہ کم ہو یا زیادہ (مفردات راغب) **اَلْوَرِق**۔پتہ۔ورقہ۔مال کثیر جو کثرت میں درخت کے پتوں کی طرح ہوتا ہے اَلوَرِق (بکسر الراء) چاندی کا سکہ درہم یا روپیہ جس پر مُہر ہو۔**یتلطّف**۔لطف۔نرمی۔لطیف اسمائے الٰہی میں سے ہے۔ابن کثیر کہتے ہیں لطیف وہ ہے جس کے فعل میں نرمی ہو۔باریک مصالح کا علم اور اس کی طرف پہنچانا۔جس کے لئے اس کا اندازہ کیا ہے۔

آیت:۱۲ میں اصحابِ کہف کی رہائش کے عرصہ کے لئے **سنین عددا** کہا یعنی چند سال۔گویا اصحابِ کہف کی آزمائش کا عرصہ چند سال پر محیط تھا۔یہ کہنا کہ اس عرصہ کو اللہ ہی جانتا ہے گویا مشیتِ الٰہی اسی طرح تھی کہ اس عرصہ میں مجاہدات اور دعاؤں سے ان کی تکمیل روحانی ہوتی۔ جب ایسا ہو چکا تو وہ ایک نیا عزم لے کر اٹھے۔اس تمام عرصہ میں انہوں نے جنگلی پھل یا شکار وغیرہ پر گزارہ کیا ہوگا۔اب انہوں نے طعام وغیرہ کے لئے آدمی بھیجا تا کہ اہل شہر سے کچھ رابطہ ہو اور تبلیغ کی راہ کھلے۔ نرمی سے بات کرنے میں بھی یہی اشارہ تھا کہ شاید اس طرح حق کی بات سن سکیں۔عیسائیت کی ابتدائی تبلیغ اسی طرح چھپ چھپ کر نرمی سے کی جاتی تھی۔خود کو ظاہر نہ کرنے میں بھی یہی مصلحت تھی کہ کہیں انہیں سنگسار نہ کر دیں یا اپنے مشرکانہ عقائد پر لوٹ آنے پر مجبور نہ کریں۔وہ اس سے بے خبر تھے کہ حاکمِ وقت خود عیسائیت قبول کر چکا ہے۔قرآن کریم نے بعض جگہ ماضی کے صیغہ میں آئندہ کی خبریں دی ہیں گویا وہ اتنی حتمی ہیں کہ جیسے ہو ہی چکی ہیں۔جیسے

اتیٰ امرُاللّٰہ فلا تستعجلوہ ط o (النحل:۲) چونکہ اصحابِ کہف کے قصہ میں آئندہ کے لئے پیشگوئیاں ہیں اس لئے یہاں **لبثتم** سے مراد مسیحی اقوام کی غفلت اور گمنامی کا زمانہ ہے جب ان کی ترقی رکی ہوئی تھی۔یوم سے مراد ایک ہزار سال ہے کیونکہ اللہ کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔یہ زمانہ آنحضرت ﷺ کی بعثت ۶۱۱ء سے ۱۶۱۱ء تک کا زمانہ ہے۔چونکہ آئندہ انہی سے مسلمانوں کا مقابلہ تھا اس لئے اگر مسلمان اس وقت اس نکتہ کو سمجھ جاتے تو ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس زمانہ میں احتیاطی تدابیر اختیار کر سکتے تھے اور پیشتر اس کے کہ یہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ان کی طاقت کو توڑا جا سکتا تھا اور انذاری پیشگوئیوں کو ٹالا جا سکتا تھا۔مگر افسوس مسلمانوں نے اس طرف توجہ نہ دی۔

بعث سے مراد ان میں بیداری کی لہر کا پیدا ہونا ہے جسے یورپ کا اَحیائے علوم (Renaissance) کا زمانہ کہا جاتا ہے۔جس کے ساتھ ہی وہ گوشہ گمنامی سے نکلے اور شہروں کا رخ کیا اور ان کی تجارتی سرگرمیاں شروع ہوئیں۔آغاز میں اقتصادی مفاد کی خاطر بہت نرمی سے تجارتی تعلقات استوار کئے۔قیمتی تحائف بادشاہوں کی نذر کئے اور بہت سی مراعات حاصل کیں۔ان کی ترقی میں ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنے کارندوں کو ہمیشہ اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اپنے راز دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دینا لیکن اُن کی راز کی باتیں معلوم کر لینا۔اس طریق سے انہوں نے مشرقی علوم سے خوب فائدہ اٹھایا۔یہی وہ زمانہ تھا جب انہوں نے تجارتی کمپنی (East India Company) کی صورت ہندوستان میں قدم رکھا اور آخر یہاں کے حکمران بن بیٹھے۔پھر آہستہ آہستہ دوسرے ایشیائی ممالک اور افریقہ وغیرہ پر قبضہ کیا۔ان کے ساتھ ہی دوسرے یورپین ممالک کی ترقی کا آغاز بھی ہوا۔بالآخر اٹھارویں صدی کے صنعتی انقلاب نے دنیا بدل کر رکھ دی۔یورپ میں غلہ پیدا نہیں ہوتا تھا ان دنوں یورپی ممالک عرب تاجروں کی معرفت ایشیاء کا غلہ اور مسالے وغیرہ خریدتے تھے۔جب واسکوڈی گاما ۱۴۹۸ء میں ایک عرب ملاح کی مدد سے ہندوستان کا نیا بحری راستہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا تو یورپی ممالک کی تجارت ہندوستان سے براہ راست شروع ہو گئی۔طعام کا لفظ عربی میں غلہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یہاں ان کی تجارت کا ہی ذکر ہے۔ان کے کارندوں کو ہدایت ہوتی تھی کہ غلہ دیکھ بھال کر خریدیں۔کیونکہ اسے محفوظ (Store) کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ کہ نہایت شیریں زبان سے سودا کریں۔تمام کاروائی خفیہ رکھنے میں بھی یہی چال تھی کہ تجارت کے پردہ میں ارادے کچھ اور تھے۔عیسائیت کو

يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا
پتھراؤ کردیں گے تم کو یا لوٹا دیں گے تم کو مذہب میں اپنے اور ہرگز نہیں کامیاب ہوگے تم تب

اَبَدًا ﴿٢١﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ
کبھی بھی اور اسی طرح آگاہ کیا ہم نے (لوگوں کو) ان پر تاکہ وہ جان لیں کہ یقیناً وعدہ

اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ
اللہ کا سچ ہے اور یقیناً قیامت ایسی ہے کہ نہیں کوئی شک اس میں جب جھگڑتے تھے

بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ
آپس میں معاملہ میں ان کے پس کہا انہوں نے بناؤ ان پر کوئی عمارت رب ان کا

اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ
زیادہ جانتا ہے انہیں کہا ان لوگوں نے جو غالب آئے معاملہ میں ان کے البتہ ضرور بنائیں گے ہم

عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿٢٢﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ
ان پر ایک مسجد ضرور کہیں گے (گروہ) تین تھے چوتھا ان کا کتا ہے ان کا

پھیلانے میں بھی ان کی نرم گفتار اور خفیہ تبلیغ نے اہم کردار ادا کیا۔

۲۱۔**یظھروا علیکم** وہ تم پر غالب آجائیں گے۔تمہارا بھید جان لیں گے۔(اقرب)
رجم سنگسار کرنا۔دھتکار دینا۔جیسے **الشیطان الرجیم**۔

اگر تمہارے قدم جمانے سے پہلے ان ممالک کے حکمرانوں یا عوام کو تمہارے خطرناک ارادوں کا علم ہوگیا تو وہ تمہیں باہر نکال پھینکیں گے۔یا تمہیں اپنا مسلک اختیار کرنے پر مجبور کریں گے۔اس صورت میں تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ظاہر ہے اسلام قبول کر لینے کی صورت میں اسلام کی کامیابی ہوتی نہ کہ عیسائیت کی۔

۲۲۔**اعثرنا۔اعثَرَ**۔مطلع کیا۔**اعثرنا**۔ہم نے آگاہ کیا۔

اس قصہ کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ اس طرح دوسرے لوگ ان کے حالات سے آگاہ ہوئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔وہ بندوں کو ضائع نہیں کرتا اور ضرور ان کی ترقی کے اسباب پیدا کرتا ہے۔اور یہ کہ قیامت برحق ہے یہاں اسی قیامتِ صغریٰ کی پیشگوئی کا ذکر ہے جو نصاریٰ کے عروج کے بعد مقدر تھی۔گویا اس ساعت کا نصاریٰ سے تعلق تھا۔دوسری دفعہ **السّاعة** کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی انقلاب کے لئے آیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس M.T.A میں فرماتے ہیں۔ایک لمبے

وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ
اور کہیں گے پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ان کا تخمیناً بن دیکھے

وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ
اور کہیں گے سات اور آٹھواں ان کا کتا ان کا تو کہدے رب میرا خوب جانتا ہے

بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڛ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا
گنتی ان کی نہیں جانتے ان کو مگر تھوڑے سے پس نہ جھگڑ بارہ میں ان کے مگر

مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿٢٣﴾ ع ۳ ۵ ۱۵
جھگڑا مضبوط اور نہ دریافت کر بارہ میں ان کے ان میں سے کسی سے

عہد کے واقعات کو چھوڑ کر بتایا کہ جب عیسائیت کو غلبہ نصیب ہوگیا اور انہوں نے اصحابِ کہف کی قربانیوں کی یاد میں ان کی عزت کے طور پر ان کی یادگار بنانی چاہی تو اس معاملہ میں ان میں تنازعہ ہوا اس تنازعہ میں جو غالب آئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہم تو یقیناً ان کے رہنے کی جگہ پر ایک مسجد تعمیر کریں گے۔مسجد کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ عبادتگاہ توحید کا مرکز تھی اور اس میں تثلیث کا کوئی نشان نہیں تھا۔پس ان غاروں میں جہاں یادگار کے طور پر مسجد ملے گی، وہی اصحابِ کہف کی غار ہوگی۔ آئندہ پیشگوئیوں کے لحاظ سے معنی یہ ہوں گے۔کہ اس طرح ان اقوام سے دنیا روشناس ہوگی اور قربِ قیامت میں عیسائیت کی ترقی اور غلبہ کا وعدہ پورا ہوگا۔لیکن اس عروج کے بعد قرآنِ کریم، سابق نوشتوں اور پیشگوئیوں کی رو سے نصاریٰ کے لئے قیامتِ صغریٰ کا جو وعدہ ہے وہ پورا ہوکر رہے گا۔یہ اشارہ بھی فرمایا کہ آخری زمانہ میں ان میں جھگڑے ہوں گے اور یہ مذہب سے دوری کا زمانہ ہوگا۔عاجزہ کی رائے میں مسجد کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ تثلیث کا خیال چھوڑ کر خدائے واحد کے آگے سرنگوں ہوں گے اور اسلام قبول کریں گے انشاء اللہ۔جیسا کہ جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی سے ان قوموں میں روحانی بیداری پیدا ہوچکی ہے اور سعید فطرت طبائع والہانہ لبیک کہتے ہوئے اسلام کے جھنڈے تلے پناہ لے رہی ہیں تاہم یہ انفرادی بیداری ہے قومی بیداری اس وقت ہوگی جب دنیا **یدخلون فی دین اللّٰه افواجاً** ○ کا نظارہ دیکھے گی انشاء اللہ۔

۲۳۔**تمارِ** تو جھگڑا تا ہے۔**مراء** جھگڑا کرنا۔**تستفتِ** تو پوچھتا ہے **استفتاء**۔فتویٰ طلب کرنا۔**ظاھرًا**۔وہ ہے جو کھلا ہو اور آنکھ یا دلیل سے معلوم ہو جائے۔سرسری۔**الظھر** پیٹھ یا پشت کے معنی دیتا ہے۔**الّا مرآءً ظاھرًا** سے مراد مگر سرسری سی گفتگو ہے۔**ظاھر**۔غالب۔اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٤﴾ اِلَّآ اَنْ
اور نہ کہو ہرگز کسی بات کے متعلق کہ میں کروں گا یہ کل مگر یہ کہ

يَّشَآءَ اللّٰهُ ؗ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى
چاہے اللہ اور یاد کر رب کو اپنے جب بھول جائے تو اور کہہ قریب ہے

اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٥﴾ وَلَبِثُوْا
کہ ہدایت دے مجھے رب میرا زیادہ قریب بات کی اس سے بھی ہدایت میں اور ٹھہرے وہ

یہاں صاف بتا دیا کہ ان فروعی جھگڑوں میں نہ الجھو۔ مختلف اوقات میں مختلف گروہ ان غاروں میں پناہ لیتے رہے۔ ان کی صحیح تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ بیشک جب معتبر ثبوت مل جائیں گے تو ان امور پر بحث ہو سکتی ہے اور کسی فیصلہ پر پہنچا جا سکتا ہے جیسا کہ آجکل ان غاروں سے نکلے والے صحائف سے عقیدہ وفاتِ مسیح وغیرہ سے پردہ اٹھ چکا ہے۔ پس امید کی جاتی ہے کہ اصحاب کہف کے متعلق بھی مزید معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ یہاں بتایا کہ مسیحی اقوام سے ان ابتدائی مسیحوں کے متعلق مت پوچھنا اس لئے کہ یہ حقیقت کو چھپائیں گے۔ جیسا کہ آجکل اڑھائی سو سے زائد غاریں دریافت ہو چکی ہیں اور یہ ان حقائق کو چھپا رہے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں نصاریٰ کا ذکر ہے اس لئے اس تعلق میں ان الفاظ کی ممکن توجیہ یہی ہے کہ تین، پانچ یا سات میں ان عظیم عیسائی حکومتوں کی طرف اشارہ ہے جو آخری زمانہ میں دنیا پر چھا جانے والی تھیں۔ ان کے ساتھ کتے سے مراد ایک ایسی حکومت ہے جو ان سب کے لئے بطور نگران یا حفاظت کرنے والی ہو گی۔ پھر ایسا ہی ہُوا اور اس آخری زمانہ میں عیسائی حکومتیں انہی مختلف اعداد سے ابھرتی رہیں لیکن ان کی حفاظت کا ذمہ امریکہ نے اقوامِ متحدہ U.N.O کی صورت میں لئے رکھا۔ **فلا تمار فيهم الّا مرآء ظاهرًا** یعنی ان مسیحوں سے بحث بغیر مضبوط دلائل کے نہ کرنا۔ چونکہ عیسائیت کے یہ علمبردار ابتدائی موحد مسیحوں کے واقعات اور اعتقادات کو دنیا پر ظاہر نہیں کریں گے اس لئے ان سے وہ واقعات پوچھنا عبث ہوگا۔

۲۴-۲۵۔ **غدًا**۔ کل۔ قریب کے زمانہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ **اقرب**۔ بہت نزدیک۔

مسیحوں کے آخری غلبہ کے ذکر میں فرمایا کہ ان کی تباہی کے لئے کل اور پرسوں کا دعویٰ نہ کرنا۔ تم میں ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی اور یہ مقابلہ وہی کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ اپنی مشیت

فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٦﴾ قُلِ
غار میں اپنے تین سو سال اور زیادہ رہے نو تو کہہ دے

اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اللہ بہتر جانتا ہے جتنا وہ ٹھہرے اسی کیلئے غیب ہے آسمانوں اور زمین کا

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ؗ وَّلَا
کیا ہی دیکھنے والا ہے وہ اور کیا ہی سننے والا ہے نہیں ان کیلئے سوائے اس کے کوئی دوست اور نہیں

يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٧﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ
شریک بناتا وہ حکم میں اپنے کسی کو اور پڑھ جو وحی کیا گیا طرف تیری

خود کھڑا کرے گا۔ جب تو بھول جائے تو اللہ کو یاد کر یعنی اس زمانہ میں مسلمان اللہ کو بھول لے ہوں گے۔ پھر مسیح کا زمانہ آئے گا جو دعاؤں کا زمانہ ہوگا۔ **وقل عسٰی۔۔۔۔** میں بتایا کہ مسلمانوں کو نصاریٰ کی نسبت قلیل تر مدت میں کامیابی کی راہ دکھا دے گا۔ گویا پیشگوئی فرمائی کہ اگر نصاریٰ کو تین سو سال بعد غلبہ ملا تو مسیح محمدی کی جماعت کو انشاء اللہ اس سے بہت قلیل مدت میں نصیب ہو گا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ پر چسپاں کریں تو بھی اسلام کو عیسائیت کے مقابلہ میں بہت کم مدت میں غلبہ نصیب ہُوا۔ **واذكر ربك اذا نسيت** کے حضرت ابن عباسؓ [illegible] معنی کئے ہیں کہ جب تم کوئی بات کہو اور اس کے ساتھ **انشاء اللّٰه** کہنا بھول جاؤ تو یاد آنے پر **انشاء اللّٰه** کہہ لیا کرو۔ حضرت عکرمہؓ نے یہ معنی کئے کہ جب تمہیں کسی گناہ کے ارتکاب کا خیال آئے تو اس وسوسہ کو رفع کرنے کے لئے خدا کے ذکر میں مشغول ہو جایا کرو تا کہ وہ وسوسہ رفع ہو جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے کسی گناہ کا خیال آیا۔ میں نے اپنے چاروں طرف حمائل شریف رکھ لیں۔ جیب میں، طاق پر، بستر پر، غرض جدھر نظر جاتی حمائل شریف نظر آتی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے اس خیال سے خلاصی دی۔

۲۶۔ قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ ابتدائی مسیحوں کی تکالیف کا عرصہ تین سو سال بتایا جسے آج تاریخ صحیح ثابت کرتی ہے چونکہ ہر صدی میں قمری حساب سے تین سال بڑھ جاتے ہیں اس لئے نو سال کا اضافہ ہُوا۔ یہاں بتایا کہ مسیحِ محمدی کی جماعت کو بھی تکالیف سے گھبرانا نہیں چاہیئے کیونکہ اِن کی مصیبت کا عرصہ انشاء اللہ تعالیٰ اُن سے بہت کم ہو گا۔

۲۷۔ پہلے تین سو نو سال تک کہف میں رہنے کا ذکر کیا۔ اب دوبارہ **لبثوا** کہا کہف کا ذکر نہیں کیا بلکہ **له غيب السمٰوٰت والارض** کہہ کر بتایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں عاجزہ کی رائے

كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ
کتاب میں سے رب کے تیرے نہیں کوئی بدلنے والا باتوں کی اس کی اور ہرگز نہ پائے گا تو

دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۸﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
سوائے اس کے پناہ کی جگہ اور تھام رکھ اپنے آپ کو ساتھ ان لوگوں کے جو پکارتے ہیں

رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا
رب کو اپنے صبح اور شام وہ چاہتے ہیں توجہ اس کی اور نہ

تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
ہٹا آنکھیں اپنی ان سے تو چاہتا ہے زینت زندگی ورلی کی

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ
اور نہ اطاعت کر اسکی کہ غافل کیا ہم نے دل کو جس کے یاد سے اپنی اور اس نے پیروی کی خواہش کی اپنی

وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۹﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ النصف
اور ہے معاملہ اس کا حد سے بڑھا ہوا اور تو کہہ (یہ) حق ہے طرف سے رب کے تمہارے پس جو چاہے

میں یہاں دوبارہ **لَبِثوا** مسیح محمدی کی جماعت کے لئے آیا ہے کہ ان کے مصائب کے عرصہ کو اللہ ہی جانتا ہے **ابصر بہ** میں اشارہ ہے کہ وہ مخالفین کی زیادتیوں اور اپنے بندوں کی تکالیف اور صبر کو خوب دیکھتا ہے۔ اسمع میں ان کی دعاؤں کا خوب سننا مراد ہے۔ بیشک اُن لوگوں کا اس کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں اور اس کے حکم میں اس کا کوئی شریک نہیں یعنی بیشک وہ اپنے ان بندوں کو حکومت اور بادشاہت سے نوازے گا۔ مگر اصل حکومت اللہ ہی کی ہو گی کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہ اسے حاصل کر سکیں گے اور نہ ہی قائم رکھ سکیں گے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۲۸۔ **مُلتحدًا**۔ لحد وہ گڑھا ہے جو وسط سے ایک جانب مائل ہو جیسا کہ قبر کی لحد۔ **الحاد**۔ ایک طرف جھک جانا ہے۔ **مُلتحدًا**۔ پناہ کی جگہ۔

چونکہ اس سورۃ کا تعلق نصاریٰ اور جماعتِ مسیح موعودؑ سے ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس نے روایت ہے کہ اصحابِ کہف مہدی کے انصار و مددگار ہوں گے۔ (درمنثور بحوالہ ابن مردویہ) گویا اصحابِ کہف جیسے حالات مہدی کی جماعت پر بھی گزریں گے۔ یہ بھی مراد ہے کہ نصاریٰ کو قبول احمدیت کی توفیق ملے گی۔ یہ خدائی باتیں پوری ہو کر رہیں گی۔ کوئی نہیں جو انہیں ٹال سکے اور ان کا ملجا و ماویٰ بھی خدا کی ذات ہی ہو گی۔

۲۹۔ **واصبر**۔ صبر۔ نفس کو کسی بات پر روکے رکھنا۔ واصبر۔ اور روک رکھ۔ تھام رکھ۔ تعد۔

فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
تو ایمان لے آئے اور جو چاہے تو انکار کرے یقیناً ہم نے تیار کی ہے ظالموں کے لیے

نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا
آگ گھیر لیا ہے انہیں قناتوں نے اس کی اور اگر فریاد کریں گے تو فریادرسی کی جائیگی ان کی

بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَ
ساتھ پانی کے مانند پگھلے ہوئے تانبے کے جھلس دیگا چہروں کو کیا ہی بُری ہے پینے کی چیز اور

سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
بُری ہے (آگ) آرام گاہ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور کیں نیکیاں

عدو۔ تجاوز کرنا۔ **ولا تعدُ** نہ بڑھیں۔ **ولا تعد عینک عنهم** اور نہ تجاوز کریں تیری نظریں ان سے۔ یعنی ان سے آگے نہ نکل جائیں مراد ان سے آنکھیں پھیرنا ہے۔ **فُرطًا**۔ فرط۔ تفریط۔ حد سے بڑھنا۔ **وکان امرہٗ فُرُطًا** اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

یہاں مخاطب آنحضرت ﷺ ہرگز نہیں ہو سکتے جنھوں نے عبادت گزار اللہ کی رضا چاہنے والوں سے کبھی آنکھیں نہیں پھیریں اور نہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں کوئی دنیوی زیب و زینت جچی۔ یہ نقشہ **بعینہٖ** آج نظر آ رہا ہے کہ مسیح موعود کی ایک چھوٹی سی اللہ کو صبح و شام یاد کرنے والی جماعت جس کا منتہائے نظر محض اللہ کی رضا ہے انہیں کے ساتھ لوگوں کو ملنے اور ان کے ساتھ شامل ہونے کا حکم دیا۔ یہاں بطور خاص اہلِ اسلام مخاطب ہیں جنہیں بتایا کہ ان خدارسیدہ لوگوں سے آنکھیں نہ پھیرنا اور مسیحی اقوام کی ہرگز پیروی نہ کرنا جن کا مقصدِ حیات دنیوی زیب و زینت اور لہو ولعب ہے۔ وہ خدا کے ذکر سے غافل ہیں اور خواہشِ نفسانی کی پیروی میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ تمام اخلاقی حدود و قیود کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں۔

۳۰۔ **سرادقها**۔ سرادق۔ قنات کو کہتے ہیں جو خیمہ وغیرہ کو گھیرے ہوتی ہے۔ دھوئیں کا بگولہ۔ غبار (اقرب) **مُهل**۔ تانبا وغیرہ سیال معدنیات۔ پیپ، لہو وغیرہ۔ **یشوی۔ شوی**۔ بھونا۔ **یشوی**۔ وہ جلا دے گا۔ وہ جھلس دے گا۔ وہ جلاتا ہے۔ **مرتفقا**۔ **رِفق**۔ ٹیک لگانا۔ اسی سے رفیق ہے جو بطور سہارا ہوتا ہے۔ **مرتفقا**۔ تکیہ یا سہارا لگانے کی چیز مراد ٹھکانا۔ آرام گاہ۔

انہیں بتا دے کہ یہ سب پیشگوئیاں تمہارے ربّ کی طرف سے حق ہیں یعنی مسیحی اقوام کا عروج، مسیح موعود کا ظہور پھر ان کی تباہی اور غلبہ اسلام۔ بتایا کہ وہ تبلیغ کا زمانہ ہو گا نہ کہ جہاد کا۔ جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہاں انہیں ان کے اعمال کے

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ

یقیناً ہم نہیں ضائع کرتے اجر اسکا جس نے اچھا کیا عمل یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے باغات ہیں

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ

ہمیشہ کے بہتی ہیں نیچے سے ان کے نہریں پہنائے جائیں گے ان میں

اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ

کڑے سونے کے اور پہنیں گے کپڑے سبز باریک ریشم کے

وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ

اور موٹے ریشم کے تکیہ لگائے ہوئے ہونگے اس میں تختوں پر اچھا ہے

ع ٩ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۲﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ

۱۶ بدلہ اور اچھی ہے (جنت) آرام گاہ اور بیان کر ان کے لیے مثال دو آدمیوں کی کہ

مطابق دنیا و آخرت میں سزا ضرور ملے گی۔ جس طرح حرصِ دنیا نے انہیں چاروں طرف سے گھیرے رکھا یہ آگ بھی گھیر لے گی پس ایٹمی جنگیں ان مسیحی اقوام کی تباہی کا باعث ہوں گی۔ جیسا کہ یہاں بعینہٖ ایٹمی دھماکوں اور جنگوں کا نقشہ پیش کیا جو آگ کی قنات کی طرح ان کو گھیرے گا۔ حدیث میں ہے کہ وہ اس گھیرے سے نکل نہیں سکیں گے۔ جس طرح ان کی دنیا طلبی کی پیاس نہیں بجھتی تھی اسی طرح دنیوی جہنم میں اور اخروی جہنم میں بھی یہ پیاس مزید بھڑکے گی۔ پگھلے ہوئے لوہے اور تانبے میں بھی گولوں اور بموں کی طرف ہی اشارہ ہے۔ ساء ت مُرتفقا میں بتایا کہ پھر یہ جگہیں رہائش کے قابل نہیں رہیں گی۔ (تفصیل سورۃ الھمزہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ)

۳۱۔ ۳۲۔ **یُحلّون۔ حلّی**۔ زیور پہننا۔ **یُحلَّونَ**۔ وہ زیور پہنائے جائیں گے۔ **سُندس**۔ باریک و نفیس ریشم۔ **استبرق**۔ موٹا ریشم **اَرآئک**۔ **اریکۃ** کی جمع ہے۔ تخت جس پر چھپر کھٹ لگی ہو۔

اب بتایا کہ ان کے مقابلہ میں اعمال صالح بجا لانے والے اہل ایمان کے اجر کو اللہ ضائع نہیں کرے گا۔ باغات و انہار، سونے کے کنگن، ریشمی پوشاکوں اور شاہانہ تختوں کے ذکر میں انہیں بادشاہتوں کی خوشخبریاں دیں۔ کیونکہ زمانہ قدیم میں بادشاہوں کی یہی نشانیاں ہُوا کرتی ہیں۔ یہ تمام نعمتیں عرب کے صحرا نشینوں کو نصیب ہوئیں۔ روم و ایران، عراق، عرب، شام اور مصر کے زرخیز علاقوں کو فتح کرتے ہوئے ہندوستان اور روس تک پہنچے۔ مگر افسوس احسن عملاً کو بھول کر سب کچھ کھو بیٹھے۔ اب غلبۂ اسلام کے آخری دور میں بھی انشاء اللہ سب کچھ عطا ہو گا اور الٰہی وعدے پورے

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا

بنائے ہم نے واسطے ایک کے ان دونوں میں سے دو باغ انگوروں کے اور گھیرا ہم نے ان کو

بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۳﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ

کھجوروں سے اور بنائی ہم نے درمیان ان دونوں کے کھیتی دونوں باغوں نے دیا

اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۴﴾

پھل اپنا اور نہ کم کیا اس (پھل) سے کچھ بھی اور چلائی ہم نے اندر ان کے نہر

ہوں گے۔ نعمائے جنت ان کے علاوہ ہوں گی جن میں سوائے ناموں کے کوئی مماثلت نہیں ہو گی۔

۳۳۔ **حففنا۔ حفّا بالشیء**۔ کسی چیز کا احاطہ کیا۔ **حَففنَا**۔ ہم نے احاطہ کیا۔

اس رکوع میں مسیحی اقوام اور مسلمانوں کے حالات کو ایک تمثیل کے رنگ میں بیان کیا۔ اس مثال میں ایک شخص کے دو انگور کے باغوں سے مراد مسیحی اقوام کے عروج کے دو دور ہیں۔ ایک موسوی ترقی کا دور، ایک عیسوی۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی قوموں کو انگور کے باغ سے تشبیہ دی ہے مرقس باب ۱۲ (آیت: ۱ تا ۱۰) چونکہ یہ ایک تمثیلی واقعہ ہے اس لئے بقول حضرت مصلح موعودؓ علمِ تعبیر سے ان اشیاء کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ علم تعبیر کی رو سے کھجور سے مراد ماتحت لوگ ہوتے ہیں۔ پس باغوں کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ سے مراد ہے کہ ان دونوں ادوار میں حکومتوں کی حفاظت مادی قوت یعنی عسکری طاقت سے ہوگی جو سرحدوں کی حفاظت کریں گے۔ دونوں باغوں کے درمیان کھیتی سے مراد معمولی نفع ہے یعنی مسیحی عروج کے دونوں زمانوں کے درمیان ان اقوام کی حالت کوئی قابلِ ذکر نہیں ہو گی۔ دو باغوں سے مراد دو بڑی طاقتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

۳۴۔ **کِلتا**۔ دونوں (مونث)

پھلوں کا کبھی بھی کم نہ ہونا بتا رہا ہے کہ یہ تمثیلی باغ تھے۔ ورنہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ پھلوں میں زیادتی یا کمی ہوتی رہتی ہے۔ یہاں سے خطاب صرف مسیحی اقوام سے ہے اور بتایا کہ سائنسی ترقی سے ان کی محنتیں غیر معمولی پھل لائیں۔ دونوں باغوں کے درمیان نہر سے مراد اسلام ہے جو ان دونوں مسیحی ادوار کے درمیان ظہور پذیر ہُوا اور جس نے ان کے بنیادی حقائق کی آبیاری کی۔ نہر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ **اٰتت** اور **تظلم** میں ضمیر مفرد استعمال کر کے بتا دیا کہ یہ دونوں باغ اصل میں ایک ہی ہیں۔

۳۵۔ **یُحاوِرُ**۔ وہ سوال و جواب کرتا ہے۔ گفتگو کرتا ہے۔ اسی سے محاورہ ہے۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ

اور تھا اس کیلئے پھل پھر کہا اس نے ساتھی کو اپنے اور وہ بات کر رہا تھا اس سے کہ میں زیادہ ہوں

مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ

تجھ سے مال میں اور زیادہ معزز ہوں قوم کے لحاظ سے اور وہ داخل ہوا باغ میں اپنے اس حال میں کہ وہ ظالم تھا

لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۶﴾ وَّمَآ اَظُنُّ

نفس پر اپنے اس نے کہا نہیں سمجھتا میں کہ برباد ہو یہ (باغ) کبھی بھی اور نہیں سمجھتا میں

السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا

قیامت کو قائم ہونیوالی اور البتہ اگر میں لوٹایا گیا طرف رب کے اپنے البتہ ضرور پاؤں گا بہتر

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۷﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ

اس سے لوٹنے کی جگہ کہا اسے ساتھی نے اس کے اور وہ بات کر رہا تھا اس سے کیا کفر کیا تو نے

کان لہٗ ثمرٌ۔ لفظی معنی اس کے بہت پھل (والے باغ) تھے۔ یعنی ان کی محنت کے بڑے بڑے نتائج پیدا ہو رہے تھے اور ان کے مقابلہ میں اسلام کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس لئے اپنے عروج کی انتہائی بلندیوں کے دور میں مسیحی اقوام نے اسلام اور اہلِ اسلام کو ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا اور مسلمانوں سے متکبرانہ سلوک روا رکھا اور تمام انعاماتِ خداوندی کو اپنی قوت اور قابلیت کا نتیجہ قرار دیا۔ یہاں مال کے ساتھ جتھے کا ذکر کر کے بتا دیا کہ کسی خاص شخص کا ذکر نہیں۔ بلکہ دوسرے دور کی دنیوی طور پر ترقی یافتہ مسیحی اقوام ہی ہیں۔ جنھیں اپنے جتھے پر بہت ناز ہو گا جیسا کہ باوجود اختلافات کے یورپی اور امریکی بلکہ تمام عیسائی اقوام خود کو ایک ہی سمجھتی ہیں اور خود کو دیگر اقوام خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت برتر خیال کرتی ہیں۔

۳۶-۳۷- **تبید**۔ **باد**۔ تباہ و ہلاک ہونا۔ **منقلبًا**۔ **قلب**۔ پھرنا۔ لوٹنا۔ **منقلبًا** لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔

یہاں ایک باغ میں داخل ہونا لکھا ہے اور آئندہ بھی ایک ہی باغ کا ذکر آئے گا۔ حالانکہ باغ دو تھے گویا بتایا کہ وہ زمانہ جس میں مسیحی اقوام کو اپنی حکومتوں اور شان و شوکت پر بہت فخر اور غرور ہو گا۔ یہ ان کی ترقی کا دوسرا دور ہو گا جس کی بلندیوں پر پہنچ کر اب یہ قومیں زوال پذیر ہیں۔ زوال پذیر اس لئے کہا کہ تمام تر شہرت کے باوجود مغربی معیشت بحران کا شکار ہے۔ سرمایہ داری نظام امریکہ میں ہے اور ناکام ہو گیا ہے۔ پندرہ سے بیس فی صد لوگ غربت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ دنیا کا سب سے زیادہ مقروض ملک امریکہ ہے۔ بجٹ کے خسارے کا گیپ (GaP) امریکہ

بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ

اس کا جس نے پیدا کیا تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پھر ٹھیک ٹھاک بنایا تجھے

رَجُلًا ﴿۳۸﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۹﴾ وَلَوْ

مرد لیکن (میں کہتا ہوں) وہ اللہ رب ہے میرا اور نہیں شریک بناتا میں ساتھ رب کے اپنے کسی کو اور کیوں

لَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

نہیں جب داخل ہوا تھا تو باغ میں اپنے کہا تو نے جو چاہا اللہ نے نہیں قوت مگر ساتھ اللہ کے

سب سے زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عراق کے تیل پر قبضہ کے لئے اخلاق کی دھجیاں اڑانے پر تُلا ہوا ہے۔ اپنے نفس پر ظلم یہی تھا کہ اخلاق اور روحانیت سے یکسر تہی دست ہو گئے اور محض مادی مفادات کو ہی حاصلِ زندگی سمجھا اور خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ اس سائنسی ترقی کے زمانہ میں مسیحی اقوام کو اپنی حفاظتی تدابیر پر پورا بھروسہ ہے اور ان کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم کبھی تباہ نہیں ہوں گے۔ اور اکثر کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا ہی ہمارے لئے جنت ہے۔ اگر کسی کو آخرت پر کچھ یقین ہے بھی تو وہ اپنے تمام گناہوں کے باوجود کفارہ کے سہارے خود کو جنت کا حقدار سمجھتا ہے۔

۳۸-۳۹- **لٰکنّا** میں الف زائد ہے۔ اصل میں **لٰکنّ** ہے۔

یحاورہٗ میں ان مباحثات کی طرف اشارہ ہے جو مسیحِ محمدی کے زمانہ میں ان مسیحی اقوام اور ان کے مشنریوں کے ساتھ ہوں گے۔ یہ مسیحی اقوام اپنی مادی ترقی اور مسلمانوں کی محکومیوں اور کمزوریوں کو اپنے سچا ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کریں گی۔ جیسا کہ آجکل مباحثوں میں پادری صاحبان اکثر یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر تم اللہ کو زیادہ پیارے ہو تو مصیبتیں تمہارے لئے اور آسائشیں ہمارے لئے کیوں ہیں؟ یہاں انہیں انسانی تخلیق کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی اور نطفہ جیسی حقیر چیز سے صحیح سالم انسان بنایا یعنی نہایت ادنیٰ حالت سے ترقی دے کر تمہیں کمال تک پہنچایا۔ پس اس کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے چند ایجادات کر کے تم خود کو اعلیٰ تر اور دیگر مخلوقِ خدا کو کم تر سمجھنے لگے ہو۔ یہ گویا امامِ وقت کا خطاب ہو گا کہ میں دنیوی وسائل میں کمزور ہونے کے باوجود یہی کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا ربّ ہے۔ یعنی جس طرح اس نے میری روحانی طور پر ربوبیت فرمائی دنیوی طور پر بھی وہی میری ربوبیت فرمائے گا۔ یہ کہنے میں کہ اپنے ربّ کا شریک نہیں بناتا اشارہ ہے کہ تم اپنے ربّ کا شریک بناتے ہو۔ جیسا کہ مسیحی عقیدہ تثلیث پر قائم ہیں۔

إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٤٠﴾ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن

اگر تو دیکھتا ہے مجھے کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو بالکل ممکن ہے رب میرا کہ

يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ

دے مجھے بہتر باغ سے اپنے اور بھیجے اس پر عذاب

السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤١﴾ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا

آسمان سے پس ہوجائے وہ میدان چٹیل یا ہوجائے پانی اس کا خشک

۴۰۔۴۱۔ **حسبانا**۔ حساب۔ حساب کرنا۔ مراد عذاب یا آفت ہے جس پر حساب لیا جائے اور اس کے مطابق سزا دی جائے۔ **حسبـــانة**۔ تیر کی جمع ہے اس طرح راکٹوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو بعینہٖ تیر کی شکل کے ہوتے ہیں۔ **صعیدا**۔ میدان۔ **زلقا**۔ چٹیل۔

اس تمثیل میں اُسی مردِ مومن کی زبان سے بیان فرمایا جس کا دل مسیحی اقوام کی حالت پر سخت رنجیدہ ہے۔ وہ اظہارِ ہمدردی کرتا ہے۔ کہ کیوں تم نے اللہ کے احسانات اور نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کیا اور کیوں نہ یہ کہا کہ جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ یعنی اگر وہ ان نعمتوں کو پیدا ہی نہ کرتا تو تم کس طرح ان سے مستفید ہوسکتے تھے۔ حدیث میں **لاقوۃ الا باللہ** کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کہا ہے کیونکہ اس میں انسانی عجز کا اعتراف ہے کہ انسان کو طاقت کہاں اسی کی دی ہوئی توفیق سے سب کچھ پاتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز دیکھے اور وہ اسے پسند آئے تو اگر اس نے یہ کلمہ کہہ لیا کہ **ماشآء اللہ لاقوۃ الا باللہ**۔ تو اس (چیز) کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا یعنی محفوظ رہے گی۔ دوسری جگہ ہے کہ اس کو نظر بد نہ لگے گی۔ مسیحی اقوام کا مال ومنال اور اپنی جمعیت و طاقت پر غرور کا انجام آخر یہی ہو گا کہ اللہ اپنے بظاہر کمزور بندوں کو ان سے بہتر باغ یعنی حکومت سے نواز دے اور ان پر کوئی آسمانی آفت نازل فرمائے۔ اور ان کے سرسبز وشاداب باغ کو چٹیل میدان میں تبدیل کر دے یعنی ان کی آخری زمانہ کی ترقی اور غلبے کو پامال کر دے۔ حدیث میں ہے کہ یاجوج و ماجوج سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہ ہوگی ان کا مقابلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ پس کوئی زمینی تدبیر کارگر نہیں ہو گی آسمانی آفت ہی انہیں تباہ کرے گی (تفصیل مع حوالہ آیت ٩٦)۔ **صعیدًا زلقا** میں ایٹمی تباہ کاریوں کی طرف اشارہ ہے جب ان کی دنیوی زیب و زینت، تہذیب و تمدن، سیاسی اور اقتصادی غلبہ مع ان کی ایجادات کے تباہ و برباد ہوجائے گا۔ یہ لفظ شروع سورۃ میں اللہ کا بیٹا بنانے والوں کے لئے آیا ہے۔

فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿٤٢﴾ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ

پس ہرگز نہ طاقت رکھے تو اس کی طلب کی اور تباہ کردیا گیا پھل اس کا پس لگا ملنے

كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَ

ہتھیلیاں اپنی اس (مال) پر جو اس نے خرچ کیا تھا اس میں اور وہ (باغ) گرا ہوا تھا چھتوں پر اپنی اور

يَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿٤٣﴾ وَلَمْ تَكُن لَّهُ

وہ کہتا تھا اے کاش میں نہ شریک ٹھہراتا ساتھ رب کے اپنے کسی کو اور نہ ہوئی اس کے لیے

فِئَةٌ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ﴿٤٤﴾

کوئی جماعت جو مدد کرتے اس کی سوائے اللہ کے اور نہ ہوا وہ بدلہ لینے والا

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ

وہاں پر حکومت واسطے اللہ کے ہے حقیقی وہ بہتر ہے بدلہ دینے میں اور بہتر ہے

گویا اسی قوم کے متعلق یہ مثال بیان کی گئی ہے۔

۴٢۔ یا یہ کہ کوئی زمینی آفت آجائے۔ زمین کا پانی خشک ہونے سے مراد یہ بھی ہے کہ اس قوم کی اندرونی قوتیں تباہ ہو جائیں اور وہ ذہنی صلاحیتیں جو اس باغ کی نشو ونما کا موجب تھیں، خشک چشموں کی صورت اختیار کر کے اس کے اجڑنے کا باعث بن جائیں۔ بظاہر بھی زمین کا پانی خشک ہو رہا ہے۔ جس کا اس زمانہ میں تصور بھی نہیں تھا۔

۴٣۔ **احیــط** میں ایٹم بم کی تباہ کاریوں کی طرف اشارہ ہے جو حقیقۃً ایک گھیرے کی صورت تباہی لاتا ہے۔ پس جب ان کی سعی و کاوش کے نتائج تباہی و بربادی کی صورت میں ظاہر ہو جائیں گے تو انہیں اس مال کا غم ضرور ہو گا جو اس باغ پر خرچ ہُوا اور کفِ افسوس ملیں گے۔ اس وقت مغربی اقوام جس طرح ایٹمی اسلحہ پر بے حساب دولت پانی کی طرح بہا رہی ہیں جب اپنے ہی بنائے ہوئے ایٹمی اسلحہ کی زد میں آئیں گی تب اس بات پر یقیناً پچھتاوہ ہو گا کہ کاش یہ دولت کسی اصلاحی کام پر خرچ ہوتی یا بندگانِ خدا کی بھوک پیاس مٹانے کا سبب بنتی۔ اس عذاب کا مزا چکھنے کے بعد انہیں یقیناً احساس ہو جائے گا کہ یہ عذاب ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہی آیا گویا اس وقت خدائے واحد کی طرف رجوع کریں گے۔

۴۴۔ غرض اپنے مالوں اور جتھوں پر غرور کرنے والے (آیت: ٣۵) اس طرح تباہ ہوئے کہ نہ مال رہا اور نہ کوئی جتھہ ہی ان کے کچھ کام آیا۔ نصاریٰ کے لئے مقامِ عبرت ہے۔

۴۵۔ **الولایۃ**۔ حکومت بادشاہت۔ اختیار۔

ع ۵ عُقْبًا ﴿۴۵﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ
۱۷ انجام لانے میں اور بیان کر ان کے لیے مثال زندگی ورلی کی مانند پانی کے

اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ
اُتارا ہم نے جسے بادل سے پس مل گئی ساتھ اس کے نباتات زمین کی پس ہو گیا

هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۶﴾
وہ چُورا اُڑاتی ہیں اسے ہوائیں اور ہے اللہ ہر بات پر قدرت والا

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ
مال اور بیٹے زینت ہیں زندگی ورلی کی اور باقی رہنے والی

الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۷﴾ وَيَوْمَ
نیکیاں بہتر ہیں نزدیک رب کے تیرے بدلہ میں اور بہتر ہیں امید کے لحاظ سے اور جس دن

اب پیشگوئی فرمائی کہ اس وقت حکومت اللہ کی ہی ہو گی جو معبودِ حقیقی ہے۔گویا یہ دنیوی حکومت ان موحد بندوں کو سونپی جائے گی جو محض اللہ کے نائب ہوں گے۔کیونکہ اس کے انصاف کا یہی تقاضا تھا۔اس لئے کہ وہ بدلہ دینے میں بھی سب سے اچھا ہے اور نیک انجام تک پہنچانے میں بھی سب سے اچھا ہے۔

۴۶۔هشيم۔هشم ۔خشک گھاس۔چورا۔تذرو(ذرو)ہوا کے مٹی وغیرہ اڑا کر لے جانے پر بولا جاتا ہے۔وہ اڑاتی ہے۔والذّٰريٰت ذروًا٥(الذّٰریٰت۔۲)مقتدرًا۔قدیر کے ہم معنی ہے۔خوب قدرت رکھنے والا۔

اس رکوع میں بتایا کہ دنیا کا مال و دولت آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہے۔یہاں ایک اور مثال سے مزید وضاحت فرمائی کہ دنیا کی زندگی محض چند روزہ بہار ہے۔جس طرح آسمانی پانی سے چند روز سبزہ اور ہری بھری کھیتیاں لہلاتی نظر آتی ہیں لیکن جلد ہی یہ سبزہ خشک ہو کر ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اور اس کا نام و نشان نہیں رہتا۔اسی طرح یہ دنیوی زندگی گو نہایت خوشگوار نظر آتی ہے لیکن چند روزہ ہے اور انجام مٹی میں ملنا ہی ہے۔پس اسی طرح قوموں کی موت و حیات اور عروج و زوال ہے۔اور اللہ پوری قدرت رکھتا ہے کہ تم سے سب کچھ چھین کر تمہیں خاک میں ملا دے یا خاک سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دے۔

۴۷۔املًا۔امل۔امید۔آرزو۔

نصاریٰ ہی مخاطب ہیں جنھیں دنیا کی زیب و زینت پر ناز تھا۔ان دولت کے پجاریوں

نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ
ہم چلائیں گے پہاڑ اور تو دیکھے گا زمین صاف نکلی ہوئی اور اکٹھا کریں گے ہم ان کو پس نہ

نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۸﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ
چھوڑیں گے ہم ان میں سے کسی کو اور پیش کئے جائیں گے رب پر تیرے قطاروں میں یقیناً یقیناً

جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ
آئے ہو تم ہمارے پاس جیسا کہ پیدا کیا تھا ہم نے تم کو پہلی مرتبہ بلکہ سمجھا تھا تم نے کہ ہرگز نہیں ہم بنائیں گے

نے مال و دولت اور جتھوں کو ہی اپنی معراج سمجھ لیا۔حالانکہ انجیل کی تعلیم تو یہ تھی کہ دولت مل سکتی ہے شیطان کے سجدہ سے۔(متی ۶:۹۔متی ۷:۱۲۔متی ۱۹،۲۴)پس انہوں نے شیطان کو سجدہ کیا اور شیطانی راہوں پر چلے،خوب دنیا کمائی اور خدا کی بادشاہی سے نکل گئے یعنی روحانیت باقی نہ رہی اور مسیح علیہ السلام کے اس انذار کے مصداق بنے۔"سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا گزر جانا آسان ہے لیکن دولتمند کا خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا بہت مشکل ہے"۔(مرقس ۲۵،۱۰)

فرمایا یہ مال و دولت اور جتھے تو محض دنیا کی زینت ہیں باقی رہنے والے تو اعمالِ صالحہ ہیں جو رضائے الٰہی کا موجب ہیں۔احادیث میں **الباقیات الصّٰلحٰت** کی تفسیر میں بعض کلمات آئے ہیں جیسے **سُبحانَ اللّٰهِ والحمدُ للّٰه ولا إلٰه الّا اللّٰه واللّٰه اکبر**۔بعض نے **لاحول ولا قوة الا باللّٰه** اور پانچ نمازیں مراد لی ہیں۔غرض **البٰقیٰت الصّٰلحٰتُ** میں ہر عمل صالحہ شامل ہے۔فرمایا یہ باقی رہنے والے نیک کام نتیجے کے لحاظ سے بہتر ہیں یعنی ان نیک کاموں کا دنیا میں بھی نیک نتیجہ نکلتا ہے اور امید کے لحاظ سے بھی بہتر ہیں یعنی آخرت میں بھی ان اعمال کی وجہ سے اچھی امیدیں وابستہ ہیں۔ثوابًا سے مراد اعمالِ صالحہ کی وجہ سے خود اپنی ذات کے لئے بہتر نتائج کا پیدا ہونا بھی ہے۔اور املًا سے مراد آئندہ نسل کے لئے بہتر امیدوں کا ہونا بھی ہے۔گویا مال و اولاد اگر رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دو تو وہ بھی **البٰقیٰت الصّٰلحٰت** میں شامل ہوں گے۔

۴۸۔**بارزةً۔برز۔خرج** کے معنی میں ہے۔کھلی جگہ میں چلے جانا۔نکل آنا۔**بارزہ**۔ظاہر ہونے والی۔ارض کے لئے یہ لفظ آئے تو اس کا صاف نکل آنا مراد ہے یعنی چٹیل ہو جانا۔جنگ کے لئے نکلنے پر بھی بولا جاتا ہے۔جیسے **ولمّا برزوا لجالوت و جنوده** (البقرہ:۲۵۱)۔

نُغادر۔غدر۔کسی چیز کا چھوڑ دینا۔نُغادر،ہم چھوڑیں گے۔

لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۹﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ

تمہارے لیے وعدہ کا وقت اور رکھی جائیگی کتاب پس تو دیکھے گا مجرموں کو ڈرنے والے ہونگے

مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ

اس سے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے اے افسوس ہم پر کیا ہوا اس کتاب کو کہ نہیں چھوڑتی

بیشک قیامت کبریٰ کو بھی یہی نظارے ہوں گے اوران سے انکار نہیں۔لیکن اس آیت اور اس سے اگلی دونوں آیات میں قیامت کے متعلق جس قدر الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ عموماً مجازی رنگ میں قیامتِ وسطیٰ یعنی ایک قوم کی تباہی پر بھی صادق آتے ہیں۔پس ایسی تمام آیات میں کئی ایک معانی مضمر ہوتے ہیں جو دنیا و آخرت دونوں پر چسپاں ہوتے ہیں۔پہاڑوں سے مراد بڑے صاحبِ اقتدار لوگ۔آمر(Dictators) وغیرہ بھی لئے جاتے ہیں۔مطلب یہ ہوگا کہ یہ پیشگوئیاں اس دن پوری ہوں گی جب بڑے بڑے لوگ جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوں گے۔تُو زمین کو نکلا ہُوا دیکھے گا۔زمین سے مراد اہل زمین بھی ہیں۔جیسا کہ سورۃ یوسف:۸۳ میں **قریۃ** سے مراد اہل **قریۃ** ہیں۔پس اہلِ زمین یعنی عوام اور ان کے نمائندے ایک دوسرے کے مقابلہ کے لئے نکل آئیں گے اور ایسی جنگ ہو گی گویا کوئی بھی نہیں بچے گا۔حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں!''آخری زمانہ میں قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھائی کرے گی''۔(متی باب ۲۴:۷) **حشرنا** میں عالمی جنگوں کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دونوں عالمی جنگوں میں تمام بڑی طاقتیں جنگ میں کود پڑی تھیں۔یہ بھی مراد ہے کہ ایٹمی جنگ میں پہاڑ یا پہاڑوں جیسی عظیم سلطنتیں اڑ جائیں اور زمین چٹیل میدان بن جائے یا یہ کہ رہائش کے قابل نہ رہے۔

۴۹۔قیامتِ کبریٰ کی ہی تصویر ہے۔لیکن کسی قوم کی تباہی بھی اس کے لئے قیامت سے کم نہیں ہوتی۔ربّ کے حضور صف باندھے پیش ہونے میں استعارۃً اللہ تعالیٰ کا ان کے بارے میں حکم صادر کرنا ہے۔(روح المعانی) اس جنگ میں ان کی شکست کی طرف بھی اشارہ ہے جب قیدیوں کی طرح پیش ہوں گے اور فاتح قوم ان کا حساب لے گی۔اسی حالت میں دوبارہ آنا جس میں پہلے پیدا کیا تھا یعنی اب حکومت اور شان و شوکت سب چھن گئی ہے اور پہلے کی طرح زیرِ دست اور خالی ہاتھ رہ گئے ہو۔یہ بھی مراد ہے کہ ایٹمی تباہ کاریوں کے بعد اسی ابتدائی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے جو ابتدا میں تھی۔یہی ان کی تباہی کا وقتِ مقررہ تھا۔لیکن ان مسیحی اقوام کو یقین نہیں تھا۔اور آخر یہ ہو کر رہا۔

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا

چھوٹی اور نہ بڑی بات مگر اس نے گن لیا ہے اسے اور وہ پائیں گے اسے جو انہوں نے کیا تھا

ع ۵ ۱۸ حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۵۰﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

حاضر اور نہ ظلم کرے گا تیرا رب کسی پر اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ

سجدہ کرو آدم کے لیے پس سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے تھا وہ جنوں میں سے پس نافرمانی کی اس نے

عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ

حکم سے رب کے اپنے کیا پس بناتے ہو تم اسے اور اس کی اولاد کو دوست سوائے میرے

هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۱﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ

حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں کیا ہی برا ہے ظالموں کے لیے قائم مقام نہیں گواہ بنایا میں نے ان کو

۵۰۔**مشفقین**۔ڈرنے والے۔مشفق کی جمع ہے نہ کہ شفیق کی جو مہربان کا معنی دیتا ہے۔

بیشک اصل عدالت اور عدل قیامت کو ہی قائم ہو گا۔جب ہر مجرم کے سامنے اس کا اعمالنامہ رکھ دیا جائے گا اور وہ سمجھ رہا ہو گا کہ میرے اعمال کے مطابق ہی فیصلہ ہو رہا ہے۔مجھ پر ظلم نہیں ہو رہا۔لیکن اس کا ہلکا سا پرتو دنیا میں بھی مجرم دیکھ لیتے ہیں تا جان لیں کہ اس دنیا کا حاکم اعلیٰ خدا ہے جو مجرموں کو ان کے گناہوں پر پکڑتا ہے۔ان کا اپنے جرائم کی فہرست دیکھ[illegible]نا ایک فطری امر ہے۔امنِ عالم کی ٹھیکیدار اقوام نے اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں اور کمزوروں پر ایسے ایسے مظالم توڑے جن کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔پس اگر انہیں اپنے اعمال کی سزا ملے گی تو یہ اللہ تعالیٰ کا عین انصاف ہے ورنہ تیرا ربّ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تشریح اس طرح ہے کہ ہر گناہ ابتدا میں صغیرہ ہے اور اس کی انتہا کبیرہ ہے۔جیسے بدنظری گناہِ صغیرہ ہے لیکن اس کی انتہا زنا ہے جو گناہِ کبیرہ ہے پس مومن کو ابتدا سے ہی سنبھل کر رہنا چاہیئے۔جس کا طریقہ دعا و استغفار صحبتِ صالحین، اُس مقام اور ماحول کو چھوڑ دینا، منفی رجحانات کی نفی نیز تعمیری اور مثبت امور میں خود کو مصروف رکھنا ہے۔(حقائق الفرقان جلد دوم از حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ صفحہ ۲۲)

۵۱۔تشریح کے لئے دیکھیں سورۃ بقرہ:۳۵ سورۃ الاعراف ۱۲ تا ۲۸۔سورۃ الحجر ۳۲ تا ۴۱۔

اس رکوع میں یہاں آدم و ابلیس کے قصہ میں اس آخری جنگ کی طرف اشارہ کیا جو آخری زمانہ میں آدم و ابلیس کے درمیان ہو گی (مکاشفہ یوحنا باب ۱۲ آیت ۷ تا ۱۰) جس میں آدم

کامیاب اور ابلیس مع اپنی ذرّیت کے واصل جہنم ہوگا۔ گویا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ نصاریٰ کی مادی ترقیات، تباہ کن ایجادات اور اس کے نتیجہ میں ان کی تباہی کے ضمن میں آدم اور ابلیس کا ذکر کر کے بتایا کہ یہ قوم ابلیس اور ذرّیتِ ابلیس کے نقشِ قدم پر چل کر اور ان کی دوستی میں آخر ہلاک ہو گی۔ شیطان کو بُرا بدل اس لئے کہا کہ اصل دوستی کی حقدار خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات تھی لیکن ان ظالموں نے اس ذاتِ پاک کے بدلے شیطان اور ذرّیتِ شیطان سے دوستی کی۔ اس کی اتباع کی اور آخر ہلاک ہوئے حالانکہ وہ ان کا ازلی دشمن تھا۔

یہاں واضح طور پر بتا دیا کہ شیطان جنّوں میں سے تھا نہ کہ ملائکہ میں سے اور ابلیس کے ساتھ ذرّیتِ ابلیس کا بھی ذکر کیا۔ ذرّیت سے مراد شیطان کے متبع اور معاون و مددگار ہیں نہ کہ اس کی صلبی اولاد۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرشتے انسانوں سے بالا نہیں ہیں۔ یہ نظامِ کائنات کو چلاتے ہیں اور انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ باقی مخلوق جن وغیرہ ان کے تابع ہیں۔ حکم سجدہ میں ہر تابع مخلوق شامل ہے۔ جن بوجہ آگ سے پیدا ہونے کے ناری مزاج ہیں یعنی باغیانہ طبیعت رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہڈی سے استنجا نہ کرو یہ جنّوں کی خوراک ہے۔ سائنس نے ثابت کیا کہ ہڈیوں میں بکٹیریا پرورش پاتے ہیں استنجا کی صورت میں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انسان کو جتنی بیماریاں ہیں وہ جن ہیں جو انسانی زندگی کو کھا جاتے ہیں۔ آج میڈیکل سائنس یہ تسلیم کرتی ہے کہ اکثر بیماریوں کے ذمہ دار بکٹیریا ہیں۔ سائنسدانوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ جب زمین آگ کی طرح گرم تھی اس وقت بکٹیریا پیدا ہوئے۔ آج بھی ان کی بہت سی قسمیں ہیں جن پر آگ اثر نہیں کرتی۔ اسی لئے بعض بیماریوں میں ڈاکٹر مریض کے زیرِ استعمال اشیاء کو ابال کر استعمال کرنے سے منع کرتے ہیں اور مٹی میں دبا دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ جس طرح جسمانی طور پر کمزور انسان بکٹیریا کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسے جسمانی عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح شیطانی وساوس بھی جراثیم کی طرح روحانی طور پر کمزور لوگوں کی سوچ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور وہ روحانی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں نیک جنّوں کا بھی ذکر ہے اور ناری مزاج کا بھی۔ لیکن سارے قرآن میں کسی جن کے جنت میں جانے کا ذکر نہیں ہاں واصلِ جہنم ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنّوں کا جو تصور لوگوں نے باندھا ہے وہ درست نہیں۔

خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ

پیدائش کا آسمانوں اور زمین کی اور نہ پیدائش کا جانوں کی ان کی اور نہیں ہوں میں بنانے والا

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥٢﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

گمراہ کرنیوالوں کو بازو اور جس دن وہ فرمائے گا پکارو شریکوں کو میرے وہ جنہیں

زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ

گمان کیا تھا تم نے پس وہ بلائیں گے انہیں پس نہ جواب دیں گے وہ ان کو اور بنائیں گے ہم درمیان ان کے

مَّوْبِقًا ﴿٥٣﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا

ہلاکت کی جگہ اور دیکھیں گے مجرم آگ کو پس خیال کریں گے کہ وہ پڑنے والے ہیں اس میں

ع ۷ / ۱۹ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٤﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور نہ پائیں گے وہ اس سے پھرنے کی جگہ اور یقیناً یقیناً بار بار لائے ہم اس قرآن میں

۵۲۔ **عَضُدًا**۔ بازو۔ مددگار و معاون کے معنی بھی دیتا ہے۔

یہاں بتایا کہ جس طرح آدم اوّل کے وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک نیا زمین و آسمان بنا۔ اب آدمِ ثانی کے وقت بھی ایک نیا نظام وجود میں آئے گا۔ نہ پہلے کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کو کسی معاون و مددگار کی ضرورت تھی اور نہ اب ہے۔ یہ اور ان کے بنائے ہوئے اللہ کے شریک تو خود مخلوق ہیں جو تخلیقِ کائنات کے بعد وجود میں آئے۔ پس یہ کس طرح انہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ انسانی تخلیق میں شیطان کا دخل نہ ہونا انسان کی نیک فطرت پر بھی دال ہے۔

۵۳۔ **موبقًا**۔ آڑ۔ پردہ۔ ہلاکت۔

نصاریٰ سے ہی خطاب ہے جنھوں نے شیطان اور ذرّیتِ شیطان سے نہ صرف دوستی کی بلکہ ان کے پیچھے لگ کر خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو اس کا شریک بنایا۔ پس اگر تم خدا تعالیٰ کی خدائی میں ان کا کوئی دخل سمجھتے ہو تو قیامت کو سب کچھ کھل کر تمہارے سامنے آ جائے گا۔ جب یہ تمہارے خود ساختہ شریک تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ تمہیں جواب دینا گوارا کریں گے نہ تمہارے سامنے آنا چاہیں گے۔ اس لئے کہ تمہارے اور ان کے درمیان جہنم حائل کر دی جائے گی۔

دنیا میں بھی جب یہ قومیں جنگوں کے لئے ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہوں گی تو جن قوموں پر انہیں بھروسہ ہو گا انہیں مدد کے لئے بلائیں گی لیکن کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ **موبقًا** عداوت کے معنی میں بھی آیا ہے گویا اس دن دوست قومیں بھی ایک دوسرے کی دشمن بن جائیں گی۔

لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۵۵
لوگوں کے لیے ہر مثال اور ہے انسان بڑھ کر سب سے جھگڑنے میں

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ
اور نہیں روکا لوگوں کو کہ وہ ایمان لائیں جب آئی ان کے پاس ہدایت اور

يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ
بخشش مانگیں رب سے اپنے مگر یہ کہ آوے ان کے پاس طریق پہلوں کا یا

يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۵۶ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا
آوے انکے پاس عذاب سامنے سے اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر

۵۴۔**ظن**۔یقین اور گمان دونوں معنی دیتا ہے۔**مصرفا** (صرف۔پھیرنا) پھرنے کی جگہ۔

مجرم قیامت کو واصل جہنم ہونے سے پہلے اس عذاب میں بھی مبتلا ہوں گے کہ جہنم اپنی تمام تر ہولناکیوں کے ساتھ سامنے ہوگی اور جانتے ہوں گے کہ اس میں پڑنے والے ہیں لیکن اس سے پھرنے کی یعنی اس سے پیچھے ہٹنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔نار کے معنی جنگ کی آگ کے بھی ہیں۔پس دنیا میں ان مجرمین کو جنگ کی تباہ کاریوں کا پورا پورا اندازہ ہوگا۔لیکن اس جنگ سے بچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوسکے گی اور آخر یہ انہیں تباہ و برباد کر دے گی۔

۵۵۔**صرّفنا**۔ہم نے پھیر پھیر کر۔طرح طرح سے بیان کیا۔

اس رکوع میں بتایا کہ تاریخ ہمیشہ خود کو دہراتی ہے۔پس اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے زمانہ میں بھی ان منکرینِ حق سے وہی سلوک ہوگا جو پہلی قوموں سے ہُوا۔مجرمین کے واصل جہنم کے ذکر کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو لوگوں کو ہدایت دینے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔قرآن کریم میں تمام مسائل خوب کھول کر مختلف پیرائے میں بار بار بیان کئے مگر افسوس انسان نے صاحب عقل و شعور ہوتے ہوئے حق کو پہچاننے اور ہدایت پانے کی بجائے اپنی عقل و دانش کو منفی انداز سے استعمال کیا اور بحث و مباحثہ میں پڑ گیا۔

۵۶۔**قُبُلاً**۔سامنے۔

جب خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوب کھل کر ہدایت پہنچ چکی، پھر اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ ایمان لے آتے اور اپنے پروردگار سے مغفرت کے طالب ہوتے۔لیکن افسوس ان کی حالت کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں صرف یہی انتظار ہے کہ ان پر پہلوں کی تاریخ دہرائی جائے یعنی گزشتہ منکرین انبیاء جیسے حالات ان پر بھی گزریں یا پھر ان کے سامنے عذاب نازل ہو۔جیسا کہ وہ اکثر

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ
خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بذریعہ جھوٹ کے

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۵۷
تاکہ باطل کردیں ساتھ اسکے حق کو اور بنایا انہوں نے آیات کو میری اور جس سے وہ ڈرائے گئے ہنسی

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا
اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی ساتھ آیات کے رب کی اپنے پس اعراض کیا ان سے اور وہ بھول گیا جو

قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ
آگے بھیجا تھا دونوں ہاتھوں نے اسکے، یقیناً ہم نے بنائے دلوں پر ان کے پردے کہ سمجھیں اسے

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ
اور کانوں میں ان کے بہرا پن اور اگر تو بلائے گا انہیں طرف ہدایت کی تو ہرگز نہیں

يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۵۸ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ
ہدایت پائیں گے تب تو کبھی بھی اور رب تیرا بہت بخشنے والا رحمت والا ہے اگر

فرمائش کرتے تھے۔حالانکہ اس آخری عذاب کے بعد نہ ایمان لانا فائدہ دے گا اور نہ بخشش ہی ہوگی۔

۵۷۔**یُدحضوا۔دحض**۔پھسلنا۔دلیل کے داحض ہونے سے مراد اس کا باطل ہونا ہے۔**یُدحضوا**۔وہ باطل کرتے ہیں۔وہ جھٹلاتے ہیں۔

رسولوں کے آنے کا مقصد تو یہی ہوتا ہے کہ مومنین کو بشارتیں دیں اور منکرین کو ان کے انجامِ بد سے ڈرائیں تاکہ وہ آنے والے عذاب سے پہلے سنبھل جائیں۔لیکن جن کے پاس حق کے مقابلہ کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوتی وہ باطل کے اوچھے ہتھیاروں سے جھگڑتے اور بحث و تکرار کرتے ہیں تاکہ اس ذریعہ سے حق کو جھٹلا دیں۔انہوں نے میرے نشانات و معجزات اور تنبیہات کو تمسخر کا نشانہ بنا لیا ہے یعنی ڈرنے کی بجائے ان کا خوب مذاق اڑایا جاتا ہے۔

۵۸۔ایک پُر امن فلاحی معاشرہ کے قیام کے لئے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو جن احکام و قوانین کی ضرورت تھی وہ کتاب اللہ میں خوب کھول کر بتا دیئے گئے۔اللہ تعالیٰ کے نشانات و معجزات بھی انہیں سمجھانے کے لئے کافی تھے ان تازہ نشانات کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے لیکن انہوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔یہ امنِ عالم کے دعویدار اپنے ہاتھوں تباہی کا سامان کر کے اس بات کو بھولے ہوئے ہیں کہ ان ایٹمی جنگوں کی لپیٹ میں دوسری اقوام ہی نہیں بلکہ یہ خود بھی آئیں گے۔

پس جب انہوں نے حق بات سمجھنے اور سننے سے انکار کر دیا اور اپنی بد اعمالیوں سے بھی

يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَّهُمْ

مواخذہ کرے ان سے بسبب اسکے جو کمایا انھوں نے البتہ جلدی لاتے ان کے لیے عذاب لیکن ان کے لیے

مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۹﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰى

وعدہ کا وقت ہے ہرگز نہیں وہ پائیں گے ورے اس سے پناہ کی جگہ اور یہ بستیاں ہیں

ع ۸ / ۲۰ أَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۶۰﴾ وَ

ہلاک کیا ہم نے انھیں جب ظلم کیا انھوں نے اور بنایا ہم نے واسطے ہلاکت کے ان کی وعدہ کا وقت اور

آنکھیں بند کر لیں تو نتیجہ یہ ہُوا کہ اللہ نے بھی ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے یعنی ان کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ہی نہ رہیں اور ہدایت کی بات سننے سے محروم ہو گئے۔ پس انہیں کبھی بھی ہدایت نصیب نہیں ہو گی۔

۵۹۔ **موئلًا۔ موئل۔ وأل الیه**۔ اس کی پناہ میں آ گیا۔ **موئلًا**۔ جائے پناہ۔ ملجا۔

اُن کے اعمال اس قابل تھے کہ انھیں فوراً سزا دیتا لیکن تیرا ربّ بہت بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو مہلت دیتا ہے۔ بجز یہ کہ اس مقام تک پہنچ جائیں جو مہلت کا آخری مقام ہے۔ اس سے آگے مہلت کا وقت ختم ہو جائے گا اور پکڑ کا وقت آ جائے گا۔ پھر اس کے عذاب سے ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔ یعنی عذاب بھگت کر ہی کوئی جائے پناہ مل سکے گی۔ بیشک جہنمیوں کی تکالیف ختم ہو جائیں گی لیکن وہ ان مدارج کو نہیں پا سکیں گے جو جنتیوں کو حاصل ہوں گے۔

۶۰۔ یہ چاروں طرف بکھرے ہوئے تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات ان کی شانِ رفتہ کا منہ چڑانے کے لیے باقی رہ گئے ہیں اور دیدۂ بینا کو دعوتِ نظارہ دے رہے ہیں ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو   میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

یہ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ ہمارے باسیوں نے بھی تمہاری طرح مامور وقت کو جھٹلایا اور ظلم کے مرتکب ہوئے اور تمہاری طرح انھیں بھی انذاری پیشگوئیوں کے ذریعہ مہلت دی گئی۔ مگر افسوس انھوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور آخر صفحہ ہستی سے اس طرح مٹا دیئے گئے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ پس اے قوم نصاریٰ! اے بامِ رفعت تک رسائی حاصل کرنے والو اس مہلت سے فائدہ اٹھا لو۔ ورنہ تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں۔ قانونِ قدرت بھی یہی ہے کہ ہر کمالے را زوالے۔

إِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ أَبْرَحُ حَتّٰىٓ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

جب کہا موسیٰ نے اپنے خادم کو نہیں رکوں گا میں یہاں تک کہ پہنچوں میں مجمع البحرین

أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

یا چلتا رہوں گا برسوں پس جب دونوں پہنچے جمع ہونے کی جگہ میں درمیان ان دونوں کے بھول گئے مچھلی اپنی

زمانے کا امام پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ ''دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسے قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا''۔ (تذکرہ صفحہ ۹۲) خدا سے الہام کی بنا پر آپ کس تحدی سے فرماتے ہیں کہ اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا تو بھی محفوظ نہیں اور جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہُوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ (حقیقة الوحی صفحہ ۲۵۶ و ۲۵۷)

۶۱۔ **الفتٰی**۔ جوان۔ جمع فتیان۔ **امضی۔ مضی الشیء**۔ کوئی چیز گزر گئی اور چلی گئی۔ **امضی**۔ میں چلتا رہوں گا۔ **حُقبًا۔ حُقُبٌ۔ حقب** کی جمع ہے۔ مراد زمانہ۔ ایک سال، کئی سال یا اسی سال یا صدی کے لئے آتا ہے۔ **لاَابرحُ**۔ میں نہیں ٹلوں گا۔ میں ہٹنے کا نہیں۔

اس رکوع اور اس کے اگلے رکوع میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ الہامی کتابیں عموماً تمثیلی زبان میں ہوتی ہیں۔ آیت ۳۴ میں نہر کی تمثیل میں ذکر ہو چکا ہے کہ نصاریٰ کی ترقی کے دو ادوار ہوں گے۔ جن کے درمیان اسلام کی ترقی کا دور ہو گا اب دو ادوار کے درمیان موسیٰؑ کا واقعہ بیان کر کے مزید وضاحت سے بتا دیا کہ مثیلِ موسیٰ ان دونوں کے درمیان ہوگا۔ بائبل اور قرآنِ کریم دونوں کی رو سے آنحضرت ﷺ ہی مثیلِ موسیٰ تھے۔ حضرت خلیفة المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کا معراج تھا۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۸ نمبر ۹ صفحہ ۴۶۵) حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ کی بھی یہی رائے ہے۔ اس واقعہ کی تفسیر میں ان دونوں بزرگانِ محترم کی قیمتی آراء سے استفادہ کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں یہ قصہ تفصیل سے درج ہے کہ کچھ لوگوں کے دریافت کرنے پر یا خود حضرت موسیٰؑ کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ ایک بندہ تجھ سے بھی زیادہ صاحبِ علم ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ واقعات ہی معراج کا سبب بنے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم کشف میں آپ کو آنحضرت ﷺ کے کمالات دکھائے ہوں۔ پس آپ کے اس سفر کا مقصد مجمع البحرین پر پہنچ کر اس عظیم شخصیت سے ملاقات اور اس سے علم حاصل کرنا تھا (صحیح بخاری کتاب الانبیاء) جس طرح آنحضرت ﷺ کو معراج میں آئندہ کے واقعات بتلائے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو بھی اس معراج

میں مثیلِ موسیٰ اور ان کی اپنی امت کی خبریں دی گئیں۔اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کاش موسیٰ ؑ صبر کرتے اور خاموش رہتے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی اور خبریں بھی بتا دیتا۔(بخاری کتاب التفسیر) یعنی ہمیں علم ہو جاتا کہ ہمارے ساتھ آئندہ کیا واقعات پیش آنے والے ہیں اور یہود پر کیا گزرنے والا ہے۔آپ کا یہ کہنا کہ خواہ مجھے صدیوں چلنا پڑے میں نہیں رُکوں گا جب تک کہ مجمع البحرین پر نہ پہنچ جاؤں۔ظاہر کرتا ہے کہ آپ اس روحانی سفر میں پہلے صدیوں چل چکے تھے۔یہ ایک جوان خدمت گار اس سفر میں شامل ہوا جسے آپ نے یہ الفاظ کہے۔یہ حضرت عیسیٰ ؑ تھے جو کشفی رنگ میں یوشع بن نون کی شکل میں آپ کو دکھائے گئے۔(قرطبی) یہ آپ کے تابع نبی تھے۔جو اس روحانی سفر کے قریباً اختتام پر آپ کے ہمسفر ہوئے۔دو دریاؤں کے ملنے کی جگہیں مفسرین نے مختلف لکھی ہیں لیکن کسی جگہ بھی آپ کا جانا ثابت نہیں۔چونکہ یہ ایک کشف تھا اس لئے علم التعبیر کی رو سے اس کے معانی کئے جائیں گے، ’’تعطیر الانعام‘‘ میں سمندر سے مراد زبردست بادشاہ ہے جو عادل ہو، شفیق ہو اور دُنیا اُس کی محتاج ہو۔پس یہاں دو سمندروں سے مراد دو صاحب شریعت نبی تھے۔دو سمندروں کے مقام اتصال سے مراد وہ مقام ہے جہاں موسوی شریعت محمدی شریعت میں مدغم ہو گی یا یہ کہ حضرت موسیٰ ؑ کا زمانہ ختم ہُوا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ شروع ہوا۔اس مقام پر وہ مرد خدا جسے کشفی رنگ میں خضر کہا گیا اور جو اس عظیم کشف میں آپ کا رہبر و معلم ہوا اور حقیقی خضرِ راہ ثابت ہوا۔وہ ہمارے پیارے رسولِ عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ با برکات تھی جو کشفی رنگ میں آپ کو دکھائی گئی۔جس کے سامنے موسیٰ ؑ جیسے جلیل القدر صاحبِ شریعت نبی کا علم ختم ہو گیا۔اور جس کے ساتھ مزید چلنے کی ان کو طاقت نہ رہی۔پس ظاہر ہوا کہ اب ایک نئی شریعت آنے کے بعد وہی شخص روحانیت میں سے کچھ حاصل کرنے کا مجاز ہو گا جو اس محمدی سمندر میں غوطہ زن ہو۔

یہود کی ایک پرانی کتاب کا نام ’’معراجِ موسیٰ‘‘ ہے۔اس میں بھی حضرت موسیٰ ؑ کے رہبر فرشتہ کا نام خضر لکھا ہے۔(انسائیکلو پیڈیا ببلیکا موسیٰ اور اپاکے لپس کے لفظ کے تحت) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ فرماتے ہیں کہ خضر ایک فرشتہ ہے جو اَب بھی بعض ولیوں کو ملتے ہیں گویا اس کشف میں حضرتِ موسیٰ ؑ کو آنحضرت ﷺ خضر کی شکل میں ملے جیسا کہ حضرت عیسیٰ ؑ یوشع بن نون کی شکل میں دکھائے گئے۔

۶۲۔**سَرَبًا۔سرب**۔تیزی سے چلنا۔

فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۲ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ

پس بنا لیا اس نے راستہ اپنا دریا میں چل کر پس جب دونوں آگے بڑھے کہا اس نے خادم کو اپنے

اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝۶۳ قَالَ

لا ہمارے پاس صبح کا کھانا ہمارا یقیناً یقیناً پائی ہے ہم نے اپنے اس سفر سے تکان اس نے کہا

اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ز

کیا دیکھا تو نے جب جگہ پکڑی تھی ہم نے طرف پتھر کے تو میں بھول گیا تھا مچھلی

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ

اور نہیں بھلائی مجھے وہ مگر شیطان نے کہ یاد کروں میں اسے اور بنا لیا اس نے راستہ اپنا

بعض مفسرین نے مچھلی کے متعلق بعید از عقل قصے لکھے ہیں کہ بھنی ہوئی تھی اور زندہ ہو گئی اور سمندر میں ایک سرنگ بناتی ہوئی چلی گئی وغیرہ وغیرہ۔حالانکہ یہاں صرف ایک مچھلی کا ذکر ہے جو سمندر میں چلی گئی۔ساحلی راستے پر سفر کرتے ہوئے مچھلی کو پکڑ کر زنبیل وغیرہ کے پانی میں رکھ لینا اور بوقت ضرورت استعمال کرنا ایک عام سی بات ہے۔آرام کی غرض سے ٹھہرے تو وہ اُچھل کر پانی میں چلی گئی۔ظاہری مجمع البحرین کو ڈھونڈنا تو کوئی مشکل نہیں۔چونکہ یہ کشف تھا اس لئے حضرت موسیٰ ؑ کو مجمع البحرین کے مقام کی شناخت یہ بتائی کہ وہاں مچھلی غائب ہو جائے گی۔(آیت ۶۴) یہاں مچھلی سے مراد روحانی مائدہ ہے۔علم التعبیر کی رو سے مچھلی سے مراد نیک لوگوں کی عبادت کی جگہ اور مسجد ہے۔مچھلی اور اس کے بھولنے کو دونوں کی طرف منسوب کیا۔پس کشف کے اس حصہ کا مطلب تھا کہ یہی وہ مقام ہے۔جہاں ایک نئی شریعت کے آنے سے یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں کی اصل غرض کو بھول جائیں گے اور ان کی عبادت گاہیں غائب ہو جائیں گی یعنی روحانیت سے خالی ہو جائیں گی۔گویا ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کے حضور مقبول نہیں رہے گی۔اور وہ الٰہی ثمرات سے محروم ہو جائیں گے۔ان دنوں یورپ میں گرجا گھر نیلام ہو رہے ہیں اس طرح حقیقت میں بھی غائب ہو رہے ہیں۔

۶۳۔**جَاوَزَا**۔دونوں نے تجاوز کیا۔دونوں آگے بڑھ گئے۔**غدآء نا۔الغداء**۔صبح کا کھانا نکہ غداۃ صبح کا وقت ہے۔

علم التعبیر میں غداء مانگنے کی تعبیر ہے کہ وہ تھک جائے گا۔یہاں موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ سے مراد آپ کی قومیں ہیں جو ایک لمبے سفر پر تکان محسوس نہیں کریں گی لیکن جب اپنی منزلِ مقصود کو چھوڑ کر آگے نکل جائیں گی تب اپنی غلطی اور تکان کا احساس ہو گا۔

فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۶۴﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى

دریا میں عجیب طرح اس نے کہا یہ وہ ہے جو تھے ہم چاہتے پس دونوں لوٹے

اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۵﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً

نشانوں پر اپنے کھوج لگاتے ہوئے پس پایا انہوں نے ایک بندہ بندوں میں سے ہمارے دی تھی ہم نے اسے رحمت

۶۴۔ **الصخرة**۔ بڑا اور سخت پتھر۔

علم التعبیر کی رو سے کوئی الصخرہ دیکھے تو مطلب یہ ہے کہ وہ نہایت گندے فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔ کشف کے اس حصہ میں بتایا کہ یہ دونوں قومیں تسلیم کریں گی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی پناہ کو چھوڑ کر فسق و فجور اور عیاشی کو اپنا خدا بنا لیا۔ یہاں حوت کا بھولنا جوان ساتھی کی طرف منسوب کیا۔ گویا جب نصاریٰ بھی عبادت کے مقاصد بھول جائیں گے اور یہ تسلیم کریں گے کہ شیطان کے بھلانے سے روحانی مائدہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہی وقت مجمع البحرین کے مقام پر اس مرد کامل کے ظہور کا ہوگا۔ یہ خیال نصاریٰ کو ایک لمبا عرصہ تک غلط راہوں پر چلنے، اپنی کوششوں میں ناکام ہونے اور تھک جانے کے بعد آئے گا اور پچھتائیں گے کہ شیطانی وساوس کی وجہ سے ہم مامورِ وقت کی شناخت سے محروم رہے۔ انہیں تعجب ہوگا کہ حوت یعنی روحانی مائدہ جو عبادات کے ثمر کے طور پر تھا اُن کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ لیکن پھر بھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت نہ کیا۔ اور خوابِ غفلت میں پڑے رہے۔ ابتدائی دو عیسوی صدیوں میں جبکہ نصاریٰ میں توحید کا غلبہ تھا ان کا مذہبی نشان بھی مچھلی رہا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۹۷۲ء زیرلفظ فِش) میں ہے ''مچھلی کو ابتدا میں عیسائی شعار بنایا گیا یہ مسیح کے لئے علامت تھی اور نئے بپتسمہ یافتہ اور عشائے ربانی کے لئے بھی''۔ جب عیسائیت بگڑی اور عقیدہ توحید کی جگہ تثلیث نے لی تب سے ان کا مذہبی نشان تثلیث ٹھہرا۔

۶۵۔ **نبغِ۔ البغی**۔ کسی چیز کی طلب میں میانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا۔ یہ محمود بھی ہے مذموم بھی (المفردات) نبغ۔ ہم چاہتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کو کچھ دور غلط راہوں پر چل کر اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا کہ ان کی منزل مقصود تو پیچھے رہ گئی۔ پس وہ اپنے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پیچھے لوٹیں گے۔ یعنی ان پیشگوئیوں کی پر منزل کو تلاش کر لیں گے جنہیں وہ پہلے غیر اہم سمجھ کر پس پشت چھوڑ آئے تھے۔ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروزِ اکمل کے زمانہ میں ہوگا۔

مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۶﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ

پاس سے اپنے اور سکھایا تھا ہم نے اسے جناب سے اپنی علم کہا اُسے موسیٰ نے کیا

اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّكَ

پیروی کروں تیری اس (شرط) پر کہ سکھا دے تو مجھے اس سے جو سکھایا گیا تو ہدایت اس نے کہا یقیناً

لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۸﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ

ہرگز نہیں طاقت رکھے گا ساتھ میرے صبر کی اور کیونکر تو صبر کریگا اس بات پر کہ نہیں احاطہ کیا تو نے

۶۶۔ پس آپ دونوں اس مرد کامل سے ملے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا جیسا کہ اس بشر کامل **فداہٗ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم** کے لئے فرمایا **وما ارسلنک الا رحمۃً للعالمین** ٥ (۲۱۔۱۰۸) اللہ تعالیٰ کی جناب سے اسے خاص علم دیا گیا تھا جیسا کہ فرمایا **علمک مالم تکن تعلم** ط (۴:۱۱۴) مرد کامل سے دونوں کا ملنا ظاہر کرتا ہے کہ آخر یہ دونوں قومیں نورِ محمدی میں سمو دی جائیں گی۔ ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی میں مقدر تھا۔ جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت اکنافِ عالم میں پہنچنے کے ذرائع مہیا ہوں گے۔ جیسا کہ بعض بزرگان سلف اربابِ کشف پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ خضر کا نام احمد ہے اور وہ دجال کو قتل کرے گا۔ (تفسیر روح المعانی علامہ سید آلوسیؒ)

۶۷۔ **رشد**۔ حق کے راستہ پر استقامت اختیار کرنا۔ ہدایت۔

حضرت عیسیٰ ؑ مجمع البحرین تک ساتھ چلے۔ موسوی شریعت کے خاتمہ پر موسیٰ ؑ کو بھی بغیر اجازت ایک قدم بڑھانے کی اجازت نہیں۔ کشفی رنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتے ہیں تو اجازت لیتے ہیں۔ یہاں سے موسوی علوم اور محمدی علوم اور ان دونوں صاحب شریعت نبیوں کا موازنہ ایک مکالمہ اور مصاحبت کی صورت میں دکھایا اور بتایا کہ جن امور کی تہ تک محمدی علوم پہنچ سکتے ہیں، موسوی علوم کی دسترس وہاں تک ہرگز نہیں۔ پس اس عظیم کشف میں موسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہیں۔

۶۸۔ یہاں دونوں نبیوں اور ان کی امتوں کے مقام کے فرق کو ظاہر کیا۔ حضرت موسیٰ ؑ جلد سوال کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور صبر کرتے جو اللہ تعالیٰ سناتا، سن لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال کی بجائے دعا سکھائی کہ **قل ربّ زدنی علمًا** (طٰہٰ رکوع ۶)

یہی فرق آپ کی امتوں میں بھی ہے۔ بنی اسرائیل نے سوال پر سوال کئے جیسا کہ شروع

بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ
جس کا علم سے کہا ضرور پائیگا تو مجھے اگر چاہا اللہ نے صبر کرنیوالا اور نہ نافرمانی کرونگا

لَكَ اَمْرًا ﴿٧٠﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى
میں تیرے حکم کی اس نے کہا پس اگر پیروی کی ہے تو نے میری تو نہ پوچھیو مجھ سے کسی بات کے متعلق یہانتک کہ

ع ۹ اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧١﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي
۱۱ ۲۱ کردوں میں تیرے لیے اس کا ذکر پس دونوں چل پڑے یہانتک کہ جب دونوں سوار ہوئے

قرآن میں گائے کا قصہ ہے۔ جبکہ صحابہؓ آپ ﷺ کے ادب اور احترام کی وجہ سے سوال نہ کرتے۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم منتظر رہتے کہ کوئی اعرابی آنحضرت ﷺ سے سوال کرے تو ہم بھی سن لیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی مجالس میں صحابہؓ اس طرح بیٹھے ہوتے تھے **کان علی رؤسھم الطیر** گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب فضل النفقة فی سبیل اللّٰہ حدیث نمبر ۲۶۳۰) قرآن کریم نے قوم موسیٰ کے بار بار سوال کرنے کی مذمت فرمائی اور صحابہؓ کو اس سے منع فرمایا (بقرہ رکوع ۱۳) کیونکہ عام طور پر اس کا مقصد احکام پر کماحقهٗ عمل سے گریز ہوتا ہے۔ نیز سوء ادب بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے علم سیکھنے کے لئے سوال کرنے سے کبھی منع نہیں فرمایا۔ ہاں بحث برائے بحث کو پسند نہیں فرمایا۔

۶۹۔ **خُبْرًا**۔ خبر۔ بعض کے نزدیک خبر اور خُبر میں یہ فرق ہے کہ خُبر امر باطن کی معرفت ہے۔ یعنی آ گہی۔ جبکہ خبر حال ہے۔ جمع اخبار۔

آنخضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا کہ جس بات کے علم کا تم نے احاطہ نہیں کیا یعنی اس کے باطن کی معرفت کا تمہیں علم نہیں اس پر کیسے صبر کرو گے۔ یہاں بتایا کہ موسوی سلسلہ کے لوگوں کا محمدی علوم سیکھنا مشکل ہو گا۔ اس دین میں بہت سے نئے مسائل ہوں گے جن کی معرفت علمائے یہود و نصاریٰ کو نہیں ہوگی۔ اور وہ اپنی کتابوں کے خلاف مسائل برداشت نہیں کریں گے اس طرح ہدایت سے محروم رہیں گے۔

۷۰۔ حضرت موسیٰؑ کا کشف میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا وعدہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے بعد یہود پر آپ ﷺ کی اتباع فرض ہو گی۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر موسیٰ یا عیسیٰ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے۔ (ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)

۷۱۔ پوچھنے سے منع کرنے میں حکمت یہی تھی کہ آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات تمام

السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ
کشتی میں اس نے توڑ دیا اسے کہا کیا توڑا ہے تو نے اسے تاکہ غرق کرے لوگوں کو اس کے یقیناً یقیناً

جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ
کی ہے تو نے بات خطرناک اس نے کہا کیا نہیں کہا میں نے کہ تو ہرگز نہیں طاقت رکھے گا ساتھ میرے

کمالات کی جامع تھی اور حضرت موسیٰ ان کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے معراج میں کوئی وعدہ نہیں لیا گیا تھا پھر بھی آپ ﷺ سوال سے رکے رہے۔ حضرت موسیٰ سے بار بار وعدے لئے گئے لیکن وہ ہر بات پوچھتے رہے۔ یہی فرق آپ دونوں کے مقام کا ہے۔

۷۲۔ **انطلقا**۔ (انطلق بمعنی **ذھب**) وہ دونوں چل پڑے۔ **خرقھا**۔ خرق۔ پھاڑنا۔ **خرقھا**۔ اس نے اسے پھاڑ دیا یعنی اس میں چھید کیا۔ **امرًا**۔ بہت بُرا۔

یہاں سے حضرت موسیٰ کے تین واقعات کا ذکر ہے جن سے امتِ موسویہ اور امتِ محمدیہ کا فرق ظاہر ہے۔ تاہم دونوں کے اسرا کے واقعات مشابہ ہیں صرف تمثیل میں فرق ہے۔ ایسے تینوں واقعات حضرت موسیٰ کے ساتھ گزر چکے تھے۔ ا۔ جب پیدا ہوئے تو فرعون کے خوف سے آپ کی والدہ نے حکم خداوندی سے آپ کو صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دیا۔ اا۔ آپ کے ہاتھوں قبطی کا بلا ارادہ قتل ہُوا۔ ااا۔ آپ نے دو لڑکیوں کے ریوڑ کو بلا اجرت پانی پلایا۔

یقیناً یہ ایک زبردست کشف تھا ورنہ کشتی کے مسافروں نے کس طرح آپ کو کشتی کا تختہ توڑنے دیا اور وہ ڈوبی کیوں نہیں؟ تعبیر رؤیاء کی رو سے سفینہ کی تعبیر مال بھی ہے (تعطیر الانعام) پس کشتی میں دونوں کے سوار ہونے سے مراد ہے کہ دونوں کی امتوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب انہیں دنیوی مال وافر ملے گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے حکم خداوندی سے کشتی میں چھید کیا۔ یعنی بہت سے شرعی احکام سے اس دولت کو نکال دینے کا اہتمام کیا۔ پس زکوۃ، صدقہ و خیرات، ورثہ کی تقسیم، سود اور جوئے وغیرہ کی ممانعت نے دولتمندوں کے مال میں چھید کر کے اسے غرباء اور مساکین کی جھولی میں ڈال دیا۔ قومِ موسیٰ کی نظر میں اسلام کے ان قوانین نے گویا اپنی قوم کو مالی طور پر تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا اور انہیں غرق کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ یہود و نصاریٰ کے اس قسم کے اعتراضات قرآنِ کریم میں درج ہیں۔ (مائدہ رکوع ۹۔ یٰسٓ رکوع ۳) اور آج بھی یہ احکام ان کی نظر میں قابلِ توجہ نہیں۔ حضرت موسیٰ کے اسراء کے اس پہلے واقعہ کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کو بھی آپ ﷺ کے اسراء میں سب سے پہلے ایک بڑھیا دکھائی گئی اور بتایا کہ یہ دنیا ہے۔ پھر تین

صَبْرًا ﴿٧٣﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ
صبر کی کہا نہ مواخذہ کر مجھ سے اسلیئے کہ بھول گیا میں اور نہ ڈال مجھ پر

اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿٧٤﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ
معاملہ سے میرے تنگی پھر دونوں چلے یہانتک کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو پس قتل کردیا اسے کہا

اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿٧٥﴾
کیا قتل کی ہے تونے ایک جان بے گناہ بغیر جان کے یقیناً یقیناً کی ہے تُونے بات بُری

پیالے پیش کئے گئے جن میں سے پہلے میں پانی تھا اور پانی کی تعبیر یہ بتائی کہ یہ مال ہے۔ حضرت جبریلؑ نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ پانی پی لیتے تو خود بھی غرق ہوتے اور آپ ﷺ کی امت بھی غرق ہوتی یعنی روحانی طور پر تباہ ہو جاتی۔ لیکن خداتعالیٰ کے اس عاشقِ صادق نے اپنی امت کو ٹوٹی ہوئی کشتی پر سوار کر کے منزلِ مقصود پر پہنچا دیا۔ یعنی انہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کر کے اپنے مولیٰ کو راضی کر لیا۔ جبکہ دوسری امتوں کی صحیح سالم کشتیاں سمندر کی سرکش لہروں پر بھٹکتی رہیں اور انہیں ساحل تک پہنچانے میں ناکام رہیں۔

۷۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کو (یعنی حضرت موسیٰؑ کو) پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا کہ میری اور تمہاری تعلیم میں بہت فرق ہے اور تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے جب تک کہ اپنے نفس کو بالکل ہی نہ مار ڈالو۔

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

۷۴۔ **ترهقنی۔ رهق**۔ ڈالنا۔ **ترهقهم ذلة**۔ ان پر ذلت چھا رہی ہو گی۔ **سأرهقه صعودا**۔ ہم عنقریب ان کو عذاب میں مبتلا کریں گے۔

یہاں بتایا کہ شروع میں یہود و نصاریٰ آنحضرت ﷺ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں گے۔ لیکن پھر اعتراضات شروع کر دیں گے اور آخر معاملہ قطع تعلق تک پہنچے گا۔ جیسا کہ مدینہ میں ان لوگوں نے آپ ﷺ سے صلح کے معاہدے کئے لیکن جب ان معاہدوں کی بنیاد پر قربانیوں کا وقت آیا تو پیچھے ہٹ گئے۔

۷۵۔ **نكرا**۔ ناپسندیدہ امر۔

آنحضرت ﷺ کے اسرا میں بھی بار بار انطلقا انطلقا کا لفظ آیا۔ یہ مزید ثبوت اس بات کا

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٦﴾
اس نے کہا کیا نہیں کہا تھا میں نے تجھے کہ تو ہرگز نہیں طاقت رکھتا ساتھ میرے صبر کی

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ
کہا اگر پوچھوں میں تجھے متعلق کسی بات کے بعد اس کے تو نہ ساتھ رکھیو مجھے یقیناً

بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٧﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ
پہنچ چکا ہے تو طرف سے میری عذر کو پس دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب آئے ایک گاؤں

ہے کہ یہ کشف ہی تھا۔ کیونکہ صاحبِ شریعت نبی بھی اپنی شریعت پر عمل کرنے کا اسی طرح مکلّف ہوتا ہے جس طرح ایک عام آدمی۔ اسلام کے اسی عدل نے ملکہ ہند نور جہاں کو مجرموں کے کٹہرے میں لاکھڑا کیا۔ اور ایک عام بدو کو یہ جرأت بخشی کہ اس نے خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ سے آپ کی قمیض کا حساب مانگا۔ کعب بن اشرف آپ ﷺ کے حکم پر قتل ہُوا تو اس وقت آپ ﷺ بلا شرکتِ غیرے مدینہ کے حکمران تھے اور یہود اپنے کئے ہوئے معاہدوں کی رو سے آپ ﷺ کے احکام پر عمل کرنے کے پابند تھے۔ کعب بن اشرف پر قتل اور فتنہ و فساد جیسے جرائم ثابت ہو چکے تھے۔

علم تعبیر رویاء کی رو سے جوان آدمی کو دیکھے تو اس کی تعبیر قوت و نشاط اور جہالت بھی ہے (تعطیر الانعام) یہی تینوں چیزیں شیطانی افعال کو دعوت دیتی ہیں۔ پس ایک جوان میں طاقت و نشاط کا شوق اور جہالت یعنی روحانیت سے دوری تینوں چیزیں اکٹھی ہو جائیں تو شیطانی افعال سے روکنے میں کونسا امر مانع ہو گا۔ پس اس کشف میں آنحضرت ﷺ کا ایک نوجوان کو مار ڈالنا اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ اسلام میں کسی ایسے بدفعل کی گنجائش نہیں۔ ورنہ عام حالات میں ایک نبی بھی کسی معصوم کو اس بنا پر قتل کرنے کا مجاز نہیں کہ کل وہ کسی جرم کا مرتکب ہو گا۔ اسلام کے ان احکام پر بھی یہود و نصاریٰ معترض ہیں کہ اسلام نے تمام لغو امور یعنی لہو و لعب، شراب اور جوئے وغیرہ سے انسان کو روک کر انہیں ایک پُر تعیش زندگی سے محروم کر دیا ہے۔ بقول ان کے ان کی تمام تفریحات (Recreation) پر قدغن لگا کر انہیں ایک بے کیف زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس میں قتل دجال کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو آخری زمانہ میں آپ ﷺ کے مہدی کے ہاتھ سے مقدر تھا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ مہدی بروزی طور پر آپ ﷺ ہی کا ظہور ہو گا۔

۷۶۔۷۷۔ پہلے موقعہ پر حضرت موسیٰؑ نے بھول جانے کا عذر کیا تھا۔ دوسری دفعہ ایسا نہیں کہا گویا آپ سمجھ گئے کہ میرے لئے ان امور کو برداشت کرنا مشکل ہے۔ تاہم ایک موقعہ اور مانگا کہ اگر

قَرْيَةٍ اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا

والوں کے پاس کھانا مانگا دونوں نے باشندوں سے انکے پس انکار کیا انہوں نے کہ مہمان نوازی کریں انکی پس انہوں نے

فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ

پائی اس میں ایک دیوار جو چاہتی تھی کہ گرے پس کھڑا کر دیا اس نے اسے کہا اگر چاہتا تو

لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۸﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ

البتہ لیتا تو اس پر مزدوری اس نے کہا یہ جدائی ہے درمیان میرے اور درمیان تیرے

اب بھی میں صبر نہ کر سکا تو مطلب یہ ہوگا کہ اس علم کو حاصل کرنا میری طاقت سے باہر ہے اور میرے لئے مناسب نہیں۔ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ کیا کہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے بار بار معاہدات کریں گے اور توڑ دیں گے۔ان دونوں قوموں کی یہ خصلت مسلمانوں کے تعلق میں آج تک جاری ہے۔جب بھی اپنے مفاد پر زد پڑتی ہے مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدے توڑ دیتے ہیں۔

۷۸۔ازمنہ قدیم میں ہوٹلوں وغیرہ کا وجود نہیں تھا۔مسافروں کی مہمانداری اہلِ بستی کی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔اس کشف میں اہلِ قریہ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن آنحضرت ﷺ نے باوجود ایک لمبے سفر کی تکان کے ایک گرتی ہوئی دیوار کو درست کر دیا۔یہاں دیوار کی طرف ارادہ کو منسوب کیا ہے۔عربی میں بعض دفعہ بے جان چیزوں کے لئے ارادہ کا لفظ آتا ہے۔ مراد یہ ہوتی ہے کہ عنقریب وہ حالت اس پر وارد ہونے والی ہے۔یہاں معنی یہ ہیں کہ دیوار گرنے کو تھی۔خواب یا کشف میں اہلِ قریہ سے مراد قوم ہے اور ضیافت کی تعبیر تعاون ہے(تعطیر الانعام) پس دونوں کے کھانا مانگنے کی تعبیر یہ تھی کہ انہوں نے تعاون کی درخواست کی۔ان کے انکار سے مراد تعاون سے انکار ہے۔پس ان قوموں نے نہ اپنے انبیاء سے تعاون کیا نہ آنحضرت ﷺ سے۔بنی اسرائیل کا یہ کہنا کہ تم اور تمہارا خدا لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اور نصاریٰ کا حضرت عیسیٰؑ کے واقعہ صلیب کے وقت بے وفائی دکھانا ان کے عدم تعاون کی بدترین مثالیں ہیں۔آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور آج بھی ان قوموں نے مسلمانوں کے تعاون کی ہر پیش کش کو ہمیشہ ٹھکرایا ہے۔ان کے بالمقابل آنحضرت ﷺ کے غلاموں نے ببانگِ دہل کہا کہ ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ تُو اور تیرا خدا لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔یارسول اللہ ﷺ! ہم تو آپ ﷺ کے آگے بھی لڑیں گے، آپ ﷺ کے پیچھے بھی لڑیں گے، آپ ﷺ کے دائیں بھی لڑیں گے، آپ ﷺ کے بائیں بھی لڑیں گے۔دشمن آپ ﷺ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ہماری لاشوں کو روندتا ہوا نہ گزرے۔(بخاری کتاب المغازی۔قصہ غزوہ بدر۔

بحوالہ طارق بن شہاب۔مزید تشریح مناھل العرفان جلد اوّل صفحہ ۵۴۵) دیوار کو مرمت کر دینے کی تعبیر عالم کے کام کو درست کر دینا ہے(تعطیر الانعام)

امام ابنِ سیرین نے دیوار درست کرنے کی تعبیر یہ لکھی ہے کہ اس جگہ کے والی کی بجائے دوسرا والی مقرر ہوگا۔پس دیوار کو درست کرنے سے مراد آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں ابراھیمی سنتوں کا اجراء ہے نیز اس میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کی طرف بھی اشارہ ہے۔آیت:۸۳ میں جس مردِ صالح کا ذکر ہے وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام تھے جنھوں نے اپنے دونوں فرزندوں کے لئے علمی اور روحانی خزانے کا ورثہ چھوڑا لیکن وہ دونوں آنحضرت ﷺ کی قد آور شخصیت کے سامنے ہنوز طفل ہی تھے۔پس اس خزانے کو محفوظ کرنے کا کام آنحضرت ﷺ کے لئے ہی مقدر تھا یعنی جب قومِ یہود و نصاریٰ روحانی بلوغت کو پہنچ جائیں تو اس علمی اور روحانی ورثہ سے مستفیض ہوں جو حضرت ابراھیم ان کے لئے چھوڑ گئے تھے اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پھر آپ ﷺ کے روحانی فرزند مسیح ومہدیؑ نے پیش کیا مگر لوگوں نے اس خزانے کو لینے سے انکار کیا۔حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ سونا اور چاندی نہ تھا بلکہ علم کے صحیفے تھے۔حضرت موسیٰؑ کو یتیموں سے اجرت لینے کا خیال کیسے آسکتا تھا جبکہ آپ نے نہایت خستہ حالی اور غریب الوطنی میں مدین کی دو لڑکیوں کے ریوڑ کو بلا اجرت پانی پلایا تھا۔پس اس واقعہ کے کشفی ہونے میں کوئی شک نہیں۔حضرت موسیٰؑ کا مزدوری لینے کے لئے کہنے سے مراد ہے کہ یہ قومیں حرص و خود غرضی میں حد سے بڑھ جائیں گی۔اور کوئی کام محض للہ کرنے کو تیار نہیں ہوں گی۔ان کی یہ خصلت آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک قائم ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ جب بھی اس دیوار ابراھیمی میں کمزوری پیدا ہوئی کوئی نہ کوئی جری پہلوان اس کے استحکام کا باعث بنا۔کبھی صدیق اکبرؓ نے اس گرتی ہوئی دیوار کو تھاما اور کبھی آپ ﷺ کے روحانی فرزند مسیح ومہدیؑ نے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔(ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق واضح دلیل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جب آپ تختِ خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے اسلام کو اس دیوار کی طرح پایا جو شریروں کی شرارتوں کی وجہ سے گرنے کو تھی پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے اس کو ایسا بنا دیا گویا وہ ایک مضبوط قلعہ ہے جس کی دیواریں لوہے کی ہوں اور اس میں غلاموں کی طرح فرمانبردار فوج اسلام کی حفاظت کے لئے ہر وقت کمربستہ موجود ہو۔(سرالخلافہ طبع اوّل صفحہ ۱۷)

اس آیت کی پیشگوئی کا دوسرا ظہور موجودہ زمانہ میں خضرِ وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۹﴾ اَمَّا

ضرور آگاہ کروں گا میں تجھے اصل حالت سے اس کی کہ نہیں طاقت رکھی تو نے جس پر صبر کی

السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ

کشتی ؟ تو وہ تھی مسکینوں کی جو کام کرتے تھے سمندر میں پس چاہا میں نے کہ

اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۸۰﴾ وَ

عیب دار کردوں اسے اور ہے آگے ان کے ایک بادشاہ جو لے لیتا ہے ہر کشتی چھین کر اور

کے ہاتھوں ہوا جبکہ دجالی فتنہ عالمگیر طوفان کی صورت میں اٹھا اور اسلام اور اسلامی قلعہ کی دیواروں پر اس قدر زور دار حملے کئے گئے کہ قریب تھا کہ اسلام کی دیوار زمین بوس ہو جاتی اور اسلام اور اسلامی شریعت (قرآن) کے نیچے جو حقائق و معارف اور دینی و دنیوی برکات کے خزائن محفوظ تھے ان سے مسلمان محروم ہو جاتے۔

۷۹۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰؑ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی برداشت نہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے علیحدگی چاہی لیکن مفارقت سے پہلے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔

اٰل عمران رکوع ۷ کی طرف اشارہ ہے جب اشتراکِ عمل اور توحید کے نکتہ پر جمع ہونے کی درخواست کو انہوں نے ردّ کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے قطع تعلق کا حکم دیا۔ ان تمثیلی واقعات میں ان دونوں جلیل القدر صاحب شریعت انبیاء کے مقام و مرتبہ کا تفاوت عیاں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ پر یہ فضیلت عطا ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے ہمراز بنائے گئے۔

۸۰۔ ان تماثیل کی تعبیر ساتھ ساتھ ہی ہوتی رہی۔ تاہم جو حصہ تعبیر طلب ہے اس کی تعبیر یہ ہے۔ مساکین سے مُراد مسکین دل اور خدا ترس لوگ ہیں خواہ دنیوی طور پر وہ اعلیٰ ترین مقام پر ہوں۔ پس کشتی کے مالکوں کے مسکین ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس مال کے مالک مسکین دل ہوں گے جو رضائے الٰہی کے لئے اسے غریبوں اور ضرورتمندوں پر خرچ کریں گے۔ بادشاہ سے مراد دنیا اور دنیا پرست لوگ ہیں جو اس مال کو جائز و ناجائز طریق سے چھین کر شیطانی کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کریں گے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں چھید کر کے اسلامی قوانین کے تابع کر دیا یعنی غرباء میں تقسیم کرنے اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرنے کا بندوبست فرمایا تا کہ شیطانی

اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا

لڑکا ؟ سو تھے ماں باپ اسکے مومن پس ڈرے ہم کہ وہ چڑھا لائیگا ان دونوں

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۱﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا

پر سرکشی اور کفر پس چاہا ہم نے کہ بدلہ میں دے ان دونوں کو رب ان کا بہتر

مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۲﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ

اس سے پاکیزگی اور قریب رحم میں اور دیوار ؟ سو تھی وہ دو لڑکوں

ت برد سے محفوظ ہو جائے۔ ذوالقرنین ثانی کے زمانہ میں بھی نظامِ وصیت اور مختلف چندہ جات خدائی احکام کے تحت اشاعتِ اسلام اور بہبودِ عامہ کے لئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء میں دنیا ایک بڑھیا کی شکل میں دکھائی گویا اسلام پر اس کا حملہ نہایت کمزور ہو گا جبکہ حضرت موسیٰؑ کے اسراء میں دنیا ایک ظالم بادشاہ کی شکل میں دکھائی یعنی یہود نصاریٰ پر اس کا حملہ شدید ہوگا۔

۸۱۔ **یرھقھُما**۔ رھقہٗ کسی معاملہ نے اسے بزور یعنی جبراً دبا لیا۔ **یرھقھما**۔ وہ ان دونوں کو دبا لے یعنی ایذا پہنچائے۔ دنیا کے کسی قانون یا کسی شریعت میں کسی بچے کو اس جوم میں سزا نہیں دی جا سکتی کہ بڑے ہو کر اس نے فلاں فلاں جرائم میں ملوث ہونا ہے خواہ کسی صاحبِ کشف کو ان جرائم کا علم بھی ہو جائے۔ پس یہ آپ کا معراج ہی تھا جس کی تشریح ہو چکی ہے۔ اور یہ کہ غلام کی تعبیر قوت و نشاط اور جہالت ہے (تعطیر الانعام) یہاں بتایا کہ اس کے ماں باپ مومن تھے یعنی ان میں احکام الٰہی ماننے کا مادہ تھا۔ تمثیلی طور پر ماں باپ سے مراد جسم اور روح ہے جن سے یہ قویٰ جنم لیتے ہیں۔ پس ان مادر پدر آزاد قوائے انسانی کا قتل ان پر حدود و قیود عائد کر کے انہیں شریعت اور اخلاق کے تابع کرنا تھا مبادا جسم اور روح بھی سرکشی اور کفر میں مبتلا ہو جائیں۔

۸۲۔ پس اسوۂ محمدی کے ذریعہ جب ان سرکش جذبات کو کچل کر پابندِ اخلاق و شریعت جذبات پیدا ہوں گے تو یہ جذبات ان سرکش جذبات کی نسبت پاکیزہ اور متمدن ہوں گے۔ غرض یہ ایک کشفی نظارہ تھا جس میں آپ کو بعض ایسے امور سے مطلع کیا گیا جو آئندہ ہونے والے تھے۔ چونکہ موسوی شریعت نے کسی بھی پابندی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لئے ان کی بیباکانہ حرکات انہیں تقویٰ سے بہت دور لے گئیں۔ جیسا کہ نصاریٰ نے شریعت کو لعنت قرار دیا کہ اس پر عمل ممکن نہیں۔

۸۳۔ تشریح کے لئے آیت ۷۸:۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشفی رنگ میں دیوارِ ابراہیم کو

يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ
یتیموں کی اس شہر میں اور تھا نیچے اس کے خزانہ ان کا اور تھا

اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ
باپ ان کا نیک پس چاہا رب نے تیرے کہ دونوں پہنچیں اپنی جوانی کو اور

يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ
نکال لیں خزانہ اپنا رحمت کے طور پر طرف رب کے تیرے اور نہیں کیا میں نے یہ

ع ١٢ اَمْرِىْ ۚ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٣﴾ وَ
حکم سے اپنے یہ حقیقت ہے اس کی کہ نہیں طاقت رکھی تو نے جس پر صبر کی اور

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۚ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ
پوچھتے ہیں تجھ سے ذوالقرنین کے متعلق تو کہہ میں پڑھوں گا تم پر اس کا

ذِكْرًا ﴿٨٤﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ
ذکر یقیناً ہم نے طاقت دی تھی اُسے زمین میں اور دیا تھا ہم نے اُسے ہر ایک قسم کا

درست کر کے ایک نئے قانون کے ذریعہ ان صداقتوں کو محفوظ کر دیا جن کے مٹنے کا یہود و نصاریٰ کو احساس نہیں تھا۔ یہ خدا تعالیٰ کی ان اقوام پر رحمت کی دلیل ہے کہ ان کی سرکشیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر نظر کرم رکھی۔ اور یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی دخل ہرگز نہ تھا۔ بیشک یہ تمثیلی واقعات ہیں تاہم ان سے سبق ملتا ہے کہ صالحین کی اولاد کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کی مزدوری پر اپنے مقربوں کو لگا دیتا ہے۔ جو ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

٨٤۔ **القرنین۔ القرن**۔ سینگ۔ صدی۔ کنایۃً مشرق اور مغرب کے ممالک مراد لئے جاتے ہیں۔ (اقرب) ذوالقرنین۔ دو سینگوں والا۔ دو صدیوں والا۔

یہود امتحان کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے سوال کرتے تھے۔ بائبل کے ان قصوں کا تعلق ماضی سے ہوتا تھا۔ قرآن کریم نے ان قصوں کو بیان کر کے نہ صرف بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا بلکہ آئندہ کے لئے بہت سی پیشگوئیاں بیان فرمائیں جن کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور حضرت مسیح موعودؑ سے تھا۔ بلکہ ان قصوں میں قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں مضمر ہیں۔ سورہ کہف میں اسلام اور مسیحیت کے مقابلہ کا ذکر ہے۔ پہلے اصحاب کہف کے واقعہ میں ابتدائی موحد مسیحوں کا ذکر کیا پھر موسیٰؑ کے اسراء میں بتایا کہ مسیحی قوم کی پہلی ترقی کا دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ختم ہو جائے گا۔ اب ذوالقرنین کے واقعہ میں مسیحی قوم کی ترقی کے دوسرے دور کی خبر دی اور اسے

یاجوج و ماجوج کے ذکر پر ختم کیا جو آخری زمانہ کی عیسائی اقوام ہوں گی۔ قرآنی قصوں میں پیشگوئیاں مضمر ہوتی ہیں۔ اس قصہ میں بھی مسیح موعودؑ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں جو اپنے زمانے کا ذوالقرنین ہوگا۔ جیسا کہ آپ کو الہاماً اس نام سے پکارا گیا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ”ہمارا ایمان ہے کہ یہ قصہ پہلے بھی کسی رنگ میں گزرا ہے لیکن یہ سچی بات ہے کہ اس قصہ میں آئندہ کا بیان بھی بطور پیشگوئی تھا جو اس زمانہ میں پورا ہو گیا“۔ (الحکم ١٠ اپریل ١٩٠٢ء صفحہ ٦) ذوالقرنین کی تفسیر کا اعزاز بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ہی کو جاتا ہے۔ آپ نے اپنی تحقیق کی بنیاد بائبل پر رکھی۔ نیز یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی محنت و کاوش کا نتیجہ بھی ہے۔ دانیال نبی کی خواب بائبل میں درج ہے کہ آپ نے ایک مینڈھا دیکھا جس کے دو سینگ تھے اور وہ پچھم، اتر، دکھن کی طرف سینگ مارتا تھا اور کوئی جانور اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اور وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ (پرانا عہد نامہ دانیال باب ٨: ٣، ٤) دانیال نبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی تعبیر یہ بتائی کہ ”وہ مینڈھا کہ جسے تو نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سو وہ مید و فارس کا بادشاہ ہے (باب ٨: ٢٠) پس یہ مید و فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ تھا۔ قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ١۔ ذوالقرنین کو کشف و الہام ہوتے تھے اور اس کے تمام کام خدائی احکام کے تابع تھے۔ ٢۔ وہ اپنے علاقہ سے ملک فتح کرتا ہوا مغرب کی طرف چلا گیا جہاں ایک سیاہ چشمے میں سورج ڈوب رہا تھا جو کہ بحیرہ کیسپین ہے۔ ٣۔ [illegible] کے بعد اس نے مشرقی ممالک فتح کئے۔ ٤۔ اس نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کو روکنے کے لئے دیوار بنائی۔ یہ تمام صفات فارس کے بادشاہ خورسِ اعظم کے علاوہ کسی اور بادشاہ پر منطبق نہیں ہوتیں۔ یہ انگریزی اور یونانی میں Cyrus عربی اور فارسی میں کیخسرو کے نام سے مشہور ہے۔ یہی وہ عظیم فرمانروا تھا۔ جس کے تابع فرمان اس وقت کی پوری مہذب دنیا تھی۔ ذوالقرنین اس لئے کہا کہ مید و فارس کی دو طاقتوں سے نوازا گیا اور اس نے دو صدیوں کو پایا۔ اس کا زمانہ ۵۵۹ ق م ہے۔ اس کی سلطنت ایران سے بحیرہ اسود، درہ دانیال، بحیرہ متوسط اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے نے ملکی حدود کو مزید وسعت دی۔ شاہ خورس کا سنگی تمثال ١٨٣٨ء میں اصطخر کے کھنڈرات میں دریافت ہوا چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے اس مقبرہ کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھی۔ اس کی خستہ حالی حکومت ایران کی بے حسی اور غفلت کا ثبوت ہے (تحدیث نعمت صفحہ ۵۹٣۔ ۵۹٤) یسعیاہ نبی، یسعیاہ باب ٤۵: ١ تا ٤ میں لکھتے ہیں کہ خداوند اپنے مسیح خورسؔ کے حق میں یوں کہتا ہے کہ ”میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے قابو کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں۔ اور

دہرائے ہوئے دروازے اس کے لئے کھول دوں۔۔۔۔۔یسعیاہ کی اس تحریر سے یہی ثابت ہوتا
ہے کہ آپ نبی تھے۔آپ کو مسیح کہہ کر پکارا گیا جیسا کہ بائبل میں کئی انبیاء کو مسیح کہہ کر پکارا گیا
ہے۔اور یہ کہ خداوند تعالیٰ کی خاص نصرت و تائید آپ کے شاملِ حال تھی۔تاریخ سے بھی یہی ثابت
ہے Historians History of The World میں مشہور مورخ ڈینوفین جلد۲ صفحہ ۵۹۶ پر
اپنی رائے لکھتا ہے۔نیز اس کتاب میں جدید مورخین کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ خورس کی نیک
اخلاق،رعایا پروری اور انصاف پسندی فقیدالمثال تھی۔جابر بادشاہوں کے ستائے ہوئے عوام خورس
کے لئے شہر پناہ کے دروازے کھول دیتے۔اس کا والہانہ استقبال کرتے،اس سے محبت کرتے اور
اس کے ماتحت رہنے میں فخر محسوس کرتے خواہ وہ اس سے کتنی ہی دور ہوں یا اسے کبھی دیکھا بھی نہ
ہو۔غرض وہ نہایت نرم دل تھا۔اس کی ڈھال پر ناجائز خون کا ایک قطرہ نہ گرا۔جب مید،بابل اور
مصر کی حکومتوں نے اکٹھے ہو کر اس پر حملہ کیا تو اس نے محض دفاع کے لئے تلوار اٹھائی۔وہ رحم مجسم
تھا۔نہایت مدبر اوراعلیٰ منتظم تھا۔اس کی حکومت مساوات پر قائم تھی۔کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہو سکا
تھا۔اسی کتاب میں جلد۲ صفحہ ۵۹۷ تا ۶۰۰ میں لکھا ہے''وہ اپنے زمانہ کی پیداوار نہ تھا بلکہ اس نے
زمانہ کو پیدا کیا اور وہ اس کا باپ تھا۔وہ تاریخِ انسانی میں ایک منفرد اور بے مثال بادشاہ تھا۔''اس
کتاب کے صفحہ ۵۸۰ میں لکھا ہے کہ یاجوج وماجوج نے فارس پر قبضہ کر لیا تھا۔خورس نے انہیں
شکست دے کر اپنے ملک کو آزاد کرایا۔ان کے بار بار حملوں سے جنوبی اقوام کو بہت تکلیف ہوتی تھی
ہیروڈیٹس Herodotus لکھتا ہے کہ یہ وحشی اقوام کوہِ قاف اور بحیرہ اخضر کے درمیان سے دربند
کے راستے جنوبی ممالک پر حملے کرتی تھیں۔انہی سے بچنے کے لئے قرآنِ کریم میں دیوار بنانے کا
ذکر ہے۔یہی وہ دوسینگوں والا مینڈھا تھا جو یہود کا نجات دہندہ تھا اور جس کی ٹکر سے بابل کی عظیم
سلطنت پاش پاش ہوئی۔اسے الہاماً یہود کو بابل کی غلامی سے آزادی دلوا کر فلسطین میں آباد کرنے
اور یروشلم میں ہیکلِ سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کا حکم ہُوا تھا۔(عزرا باب۱ آیت ۱ تا ۳)اس نے بیت
المقدس کے خزائن اور اہم سامان جو بخت نصر لوٹ کر لے گیا تھا بنی اسرائیل کو واپس دلائے۔اس
نے بائبل کو''طورغم'' کے نام سے ازسرِنو مرتب کیا جو قرآن کریم کے قریب تر ہے۔یسعیاہ نبی
کے کلام میں خورس کو مسیح کہا گیا تھا۔حضرتِ اقدس مہدیٔ آخرالزماں عیسیٰ دوراں کو اللہ تعالیٰ نے
ذوالقرنین کے نام سے پکارا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ دونوں میں شدید مشابہت تھی۔حضرت
مسیح موعودؑ اس لحاظ سے ذوالقرنین ہیں کہ آپ بھی دوقوتوں کے وارث تھے ایک مہدویت کی قوت

سَبَبًا ﴿۸۵﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ

اسباب | پس وہ پیچھے پڑا ایک سبب کے | یہانتک کہ جب وہ پہنچا | غروب ہونے کی جگہ سورج کے

دوسری مسیحیت کی قوت۔ابن ماجہ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ **لا المھدی الا عیسیٰ** (ابن ماجہ
باب شدت الزمان صفحہ ۲۵۷ مصری مطبع علمیہ ۱۳۱۳ھ)مہدی کی قوت سے آپ نے مسلمانوں کی
اصلاح اور تربیت فرمائی اور مسیحی نام کی قوت سے عیسائیوں کی ہدایت کا موجب بنے نیز اس لئے
بھی کہ آپ نے دوصدیوں کو پایا خواہ یہ عیسوی سن تھا یا ہجری یا بکرمی۔بلکہ تمام دنیا کی اقوام میں جو
سن بھی رائج ہیں آپ نے ان میں سے دو کو پایا۔حدیث میں بھی مسیح کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ
ذوالقرنین ہوگا۔جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اس امت محمدیہ میں سے مثیل ذوالقرنین
مبعوث ہوگا۔فرمایا **واِنّ فیکم مثلہ**۔(تفسیر درمنثور للسیوطی)حضرت خالد بن سعدؓ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقرنین کے متعلق یہ خبر دی کہ''**ملکٌ یمسحُ الارض
عن سعتها بالاسباب**''(الزالۃ الخفاء لشاہ ولی اللہ الدہلوی)یعنی وہ ایسا بادشاہ ہوگا(جو اس
وقت کے پیدا کردہ)اسباب کے ذریعہ سے باوجود فراخی زمین کے تمام زمین کو برکت بخشے گا۔
سورۃ جمعہ کے نزول پر صحابہؓ کے استفسار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر بھی
چلا جائے گا۔تو ایک(یا زیادہ)فارسی النسل اسے واپس لائے گا۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ۔
بروایت حضرت ابوہریرہؓ)پس جس طرح ذوالقرنین اوّل کا تعلق فارس سے تھا اسی طرح ذوالقرنین
ثانی بھی فارسی النسل تھا۔اور جس طرح ذوالقرنین اوّل نے دنیوی طور پر یاجوج و ماجوج کے حملوں کی
روک تھام کی تھی۔اسی طرح ذوالقرنین ثانی نے یاجوج و ماجوج کے اسلام پر حملوں کی روک تھام کی۔

۸۵۔**سببًا**۔سبب ذریعہ۔کسی چیز کے حصول کا ذریعہ۔وسیلہ۔

خورس پر اللہ تعالیٰ کے جو خاص فضل اور احسان تھے ان کا ذکر ابھی ہُوا کہ اسے زمین پر
اقتدار بخشا اور ہر قسم کے وسائل عطا کئے۔اس میں مادی وسائل بھی شامل ہیں اور علم وبصیرت اور
تجربہ بھی(بحرِ محیط)ذوالقرنین کے تعلق میں ان معنوں سے انکار نہیں۔لیکن اس قصہ میں حضرت مسیح
موعودؑ کے متعلق بھی پیشگوئیاں ہیں۔اس لئے موجودہ زمانہ کے لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ ہم
ذوالقرنین ثانی کو روئے زمین میں مستحکم کر دیں گے اور وہ تمام ذرائع اس کے لئے مہیا کر دیں گے
جو تبلیغ اور اشاعتِ حق کے لئے ضروری ہوں گے۔چنانچہ نقل وحمل اور آمدورفت کے لئے جدید
سواریاں نشرواشاعت کے لئے چھاپہ خانہ،ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ کی سہولتیں آپ کے زمانہ میں

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ
تو پایا اُسے کہ غروب ہوتا ہے — چشمہ کیچڑ بدبودار میں — اور اس نے پائی پاس اس کے ایک قوم

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ
ہم نے کہا اے ذوالقرنین — یا تو — عذاب دے تو اور یا یہ ہے کہ — کر — ان میں

حُسْنًا ۝۸۷ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى
نیکی — اس نے کہا جس نے — ظلم کیا — تو ضرور — عذاب دینگے ہم اسے پھر وہ لوٹایا جائیگا طرف

میسّر ہوئیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے زمانہ میں M.T.A کا اجراء ان تمام کاموں میں بفضل تعالیٰ ممد ثابت ہُوا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی الہام کا ترجمہ یہ ہے:۔’’وہ جو رحمٰن ہے وہ اپنے خلیفہ سلطان کے لئے یہ حکم صادر کرتا ہے کہ اس کو ایک ملک عظیم دیا جائے گا اور خزائن علوم و معرفت اس کے ہاتھ پر کھولے جائیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اور تمہاری آنکھوں میں عجیب‘‘۔(ازالہ اوہام صفحہ ۸۵٦)

۸٦،۸۷۔**مغرب الشمس** سے مراد اس کے ملک کی مغربی سرحد ہے نہ کہ زمین کا انتہائی مغربی مقام۔**حَمِئَةٍ**۔کیچڑ والا۔**عینٍ حمئَةٍ** گدلا یا کیچڑ والا پانی یعنی بحرِ اسود۔

سب سے پہلے خورس کے مغربی سفر کا ذکر کیا کہ وہ اپنی فتوحات کی مغربی سرحد تک جا پہنچا جو ایشیائے کوچک کی شمالی اور مغربی حد ہے۔یہ سفر بحرِ اسود پر جا کر ختم ہُوا۔بحرِ اسود کے پانیوں کا اکثر حصہ روس، آرمینیا اور بلغاریہ کے دریاؤں سے آتا ہے۔اس لئے اس میں مٹی کی آمیزش زیادہ ہے اور گدلا ہے،نمک بھی کم ہے۔نیز زمین کے اندر سے بھی اس میں پانی شامل ہوتا ہے۔اس لئے اسے **عینٍ حمئَةٍ** کہا۔بہت گہرا ہونے کی وجہ سے بھی سیاہی مائل نظر آتا ہے۔اسی لئے اسود کہلاتا ہے۔چونکہ وہاں بظاہر خشکی ختم ہو گئی اور تا حدِ نظر پانی ہی پانی تھا اس لئے اُسے سورج اس گدلے پانی میں غروب ہوتا ہُوا نظر آیا۔جیسے آگے **وجدھا تطلع علٰی قوم** ہے کہ اسے ایک قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا۔چونکہ ایشیائے کوچک کے مشرقی ساحل کی حکومت نے بابل کی فتح کے بعد دوسری حکومتوں سے مل کر خورس پر بلا جواز حملہ کیا تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے خورس کو اجازت دی کہ خواہ ان کی شرارت اور سرکشی کی سزا دو جو عین عدل ہے خواہ احسان اور حسن سلوک سے اپنا گرویدہ بنا لو جو اخلاق کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔

ذوالقرنین ثانی بھی مغربی اقوام کی اصلاح کے لئے کمر باندھے گا۔جیسا کہ حضرت مسیح موعود

رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۸ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
اپنے رب کی پس عذاب دیگا اُسے — عذاب — بُرا — اور جو — ایمان لایا اور کی

صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا
نیکی — تو اس کے لیے بدلہ ہے — اچھا — اور ضرور ہم کہیں گے اس کیلئے حکم سے اپنے

يُسْرًا ۝۸۹ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝۹۰ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
بات آسان — پھر وہ پیچھے لگا ایک اور سبب کے یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوع ہونے کی جگہ میں سورج کی

نے اپنی پوری زندگی نصاریٰ کو راہِ ہدایت پر لانے کے لئے وقف رکھی اور اس زمانہ میں حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کی نیابت میں یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔وہ دیکھے گا کہ وہاں آفتابِ صداقت کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہو رہا ہے۔**عینٍ حمئَةٍ** میں نصاریٰ کی روحانی پہلو سے علمی و عملی انحطاط کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس قوم نے مسیحی چشمہ کو اپنی غلطیوں اور بے رہرویوں سے بدبودار کیچڑ میں بدل دیا ہے۔اس گدلے پانی کے قریب مغربی اقوام جو روحانی روشنی اور روحانی پانی سے محروم ہوں گی،ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی صوابدید پر چھوڑ دے گا کہ خواہ ان کی سرکشیوں کی وجہ سے ان کے لئے بد دعا کرے اور سزا دے یا دعا و تبلیغ اور حسن سلوک سے انہیں اس کیچڑ اور تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔

۸۸۔ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خورس کی فوجی مہم تھی اور وہ اس قوم کو سرکشی کی سزا دینے کے لئے ہی آیا تھا۔لیکن اپنی فطری نرم دلی کی وجہ سے الہام کے جواب میں عرض کیا کہ اگر دوبارہ ظلم کا ارتکاب کریں گے تو سزا دوں گا ورنہ نہیں۔گویا پچھلی شرارتوں کی وجہ سے ان سے باز پرس نہیں ہوگی ہاں ظلم کی صورت میں اس دنیا کی سزا کے علاوہ ان کے لئے آخرت کی سخت سزا بھی مقدر ہوگی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خورس قیامت پر یقین رکھتا تھا۔تاریخ سے ثابت ہے کہ خورس زرتشت مذہب کا ایک مخلص پیرو تھا۔یہ مذہب اسلام کے بعد دیگر تمام مذاہب سے زیادہ بعث بعد الموت پر زور دیتا ہے(جیوئش انسائیکلو پیڈیا جلد ۴ صفحہ ۴۰۴) خورس خدائے واحد کا پرستار تھا۔اس نے زرتشتی مذہب کو شرک سے پاک کیا اور ثابت کیا کہ دو خداؤں کا تصور باطل ہے۔نور اور ظلمت کا خدا الگ الگ نہیں۔خدا ایک ہے جو واحد و یگانہ ہے۔

۸۹۔اس سے بھی ظاہر ہے کہ خورس خدا کا فرستادہ اور حکم الٰہی کا پابند تھا۔اس نے نبیوں والی اعلان کیا کہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اس کے لئے بہترین جزا ہے اور ہم ضرور

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا

تو پایا اُسے طلوع ہوتا ہوا ایک قوم پر کہ نہیں بنایا تھا ہم نے ان کے لیے ورے اس کے

سِتْرًا ﴿۹۱﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۲﴾ ثُمَّ

کوئی پردہ اسی طرح تھا اور یقیناً گھیرا ہے ہم نے اُسے جو پاس تھا اُس کے علم سے پھر وہ

اس سے نرمی کا معاملہ کریں گے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ آسان احکام نافذ کریں گے۔ اس سے یہ
ظاہر ہوتا ہے کہ اس فوجی مہم میں بھی اس کے مدنظر تبلیغ و ہدایت اور بندگانِ خدا کی بہبود تھی۔

۹۰۔۹۱۔ اب اس کی مشرقی مہم کا ذکر کیا۔ مورخین نے بھی خورس کی مشرقی علاقے
فتوحات کا ذکر کیا ہے۔ مطلع الشمس کے معنی مشرق کی طرف آخری آبادی ہے۔ مراد اس کی مشرق
مملکت کی آخری آبادی ہے (روح المعانی) یہاں اس نے سورج کو ایسے لوگوں پر چڑھتے دیکھا
ان کے اور سورج کے درمیان کوئی اوٹ نہیں تھی۔ یعنی دھوپ سے بچنے کا کوئی سامان نہیں تھا
علاقہ افغانستان اور بلوچستان کا چٹیل میدانی علاقہ ہے۔ جہاں نہ کوئی درخت تھے نہ بلند
وغیرہ۔ یہاں ایسی غیر مہذب قومیں آباد تھیں جنھیں مکان یا خیمے وغیرہ بنانے کا کوئی شعور نہیں تھا
کے نہ ہونے سے مراد عمارتوں کا نہ ہونا بھی ہے اور یہ بھی مراد ہے کہ کوئی دفاعی روک نہیں تھی کہ
بھی دشمن حملہ کر سکتا تھا۔

۹۲۔ **کذٰلک** کے بعد کلام کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد پھر کلام کا تسلسل جاری رکھا۔ کذٰ
لک کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ہی ہوا تھا اور یہ کہ ایسا ہی ہوگا۔ گویا آئندہ بھی امت محمدیہ میں ایک
ایسا ہی ذی وجاہت، ملہم مامور ہوگا۔ وہ مغربی اقوام کا دورہ کرے گا۔ جو نورِ ہدایت کو کھو چکی ہوں
اور تاریکی اور کیچڑ کے چشمہ پر بیٹھی ہوں گی۔ اب اس کے مشرقی دورے کا حال بیان کیا
مسلمانوں کی طرف اشارہ کیا کہ مشرق میں ایسے لوگ ہوں گے کہ توحید کا آفتاب ان کے سروں
چمک رہا ہوگا لیکن وہ انکار اور مقابلہ سے پیش آئیں گے۔ حیا کی چادر کو اتار پھینکیں گے اور امام
سایہ کے نیچے نہیں آئیں گے اس لئے بجز جلنے کے کوئی فیض اٹھانے سے بے نصیب ہوں گے
ان میں حضرت مسیح موعودؑ ظاہر ہوئے لیکن انہوں نے حسنِ ظن سے کام نہ لیا اور اس سعادت
محروم رہے۔

فرمایا ذوالقرنین اوّل ہو یا ثانی اس کے پاس کفر کے مقابلہ کے لئے جو کچھ سازو سامان
ہے اسے ہم جانتے ہیں۔ یعنی اس کے تمام حالات میں محافظ و نگران ہیں۔ (تفصیل آیت ۸۵:

اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۳﴾ حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ

پیچھے لگا ایک اور راہ کے یہاں تک کہ جب وہ پہنچا درمیان دو دروں کے پائی اُس نے

دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۴﴾ قَالُوْا يٰذَا

ورے ان کے ایک قوم کہ نہ قریب تھے کہ سمجھیں بات انہوں نے کہا اے

الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ

ذوالقرنین یقیناً یاجوج اور ماجوج فساد کرنے والے ہیں زمین میں

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ

پس کیا بنا دیں ہم تیرے لیے محیکس اس (شرط) پر کہ تو بنا دے درمیان ہمارے اور درمیان انکے

سَدًّا ﴿۹۵﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ

ایک دیوار اس نے کہا وہ (مال) کہ طاقت دی ہے مجھے جس میں رب میرے نے بہتر ہے پس مدد کرو میری ساتھ طاقت کے

۹۳۔۹۴۔ **سدّین**۔ **سدّ**۔ روک۔ دیوار یا پہاڑ وغیرہ۔ **سدّین**۔ دو روکیں۔ دو پہاڑ۔
اب اس کی تیسری مہم کا ذکر کیا۔ یہ سفر ایران کے شمال میں بحیرہ کیسپین اور کوہ قاف
کے درمیانی علاقہ کی طرف تھا۔ اسے بھی ایک فوجی مہم ہی قرار دیا جا سکتا ہے جو مظلوموں کی دادرسی
کے لئے تھی۔ یہ علاقہ میڈو فارس کے ساتھ لگتا تھا بعد میں ان کا حصہ ہی ہو گیا اور آجکل روس میں
شامل ہے۔ یہاں ایک طرف کوہ قاف اور دوسری طرف بحیرہ اخضر قدرتی سدّین کا کام دے رہے
تھے لیکن ان کا درمیانی درّہ غیر محفوظ تھا۔ ان لوگوں کی زبان اور تھی لیکن ہمسائیگی کی وجہ سے وہ ان
کی بولی کچھ کچھ سمجھتے تھے۔

۹۵۔ **یاجوج وماجوج** کا مادہ اجّ ہے جس کا معنی شعلہ مارنا۔ بھڑکنا۔ دشمن پر حملہ کرنا۔
تیز مزاج ہونا ہے۔ **ماء اجاج** کھاری پانی ہے اور تیزی کا معنی دیتا ہے۔ **خرجا**۔ **الخرج**
الخراج۔ خراج یعنی لگان۔

بائبل کی رو سے حضرت نوحؑ کے بیٹے یافت کا بیٹا ماجوج تھا اسی کی نسل سے یہ قومیں
تھیں۔ جو یاجوج وماجوج کہلائیں (پیدائش ۱۰۔۲) ایک قدیم مورخ جوزیفس نے لکھا ہے کہ یہ
سیتھین Seythiens قبائل تھے۔ (جیوئش انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ۹۹) یہ دونوں قومیں شمالی ایشیا اور
مشرقی یورپ میں رہتی تھیں۔ جنوبی ایشیا کی زرخیزی کی وجہ سے اکثر اس درہ کے راستہ جنوبی علاقوں
پر حملہ آور ہوتیں، لوٹ مار اور قتل و غارت کرتیں۔ خورس جب اپنی مملکت کی شمالی سرحد پر پہنچا تو اس
علاقہ کے لوگوں نے اس سے درخواست کی کہ یاجوج وماجوج کے حملوں نے بہت فساد پھیلا رکھا ہے

ان کے حملوں سے بچنے کے لئے آپ ہمارے لیے ایک دیوار بنادیں جس کا خرچہ ہم خود برداشت کریں گے۔ذوالقرنین ثانی کے تعلق میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو قوم مسیح موعودؑ کی ہدایات سے فیضیاب ہوگی آپ اسے یاجوج وماجوج کے حملوں سے بچائیں گے۔یعنی آیاتِ بینات اور دلائل سے ان کی حفاظت کا سامان کریں گے۔ذوالقرنین نے دیوار کے ذریعہ ان کے حملوں کو سختی سے روک دیا(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعودؓ) تو یہ قومیں ایشیا کے انتہائی شمال مغرب اور یورپ میں بکھر گئیں جو اس زمانہ میں پس ماندہ اور ناکارہ علاقہ گردانا جاتا تھا۔جب یورپ میں عیسائی مذہب پہنچا تو ان قوموں نے آہستہ آہستہ عیسائیت اختیار کر لی اور مذہبی طور پر ایک زبردست جتھہ بن گئیں۔اس طرح ان کی ایک علیحدہ قومی اور سیاسی بنیاد پڑی۔بائیبل میں روس کو یاجوج اور انگلستان کو ماجوج قرار دیا ہے۔(حزقیل باب ۳۹)ان قوموں میں جنوبی ایشیا اور جنوب مشرق میں آنے کی ایک زبردست خواہش اندر ہی اندر پلتی رہی۔بعد کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ انہی میں سے تاتاری اور منگول وغیرہ جنوب مشرق کی طرف حملے اور لوٹ مار کرتے رہے۔تمام قدیم صحائف اور قرآن و حدیث میں دجالی فتنہ سے ڈرایا گیا ہے۔یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یاجوج وماجوج، مسیح دجال اور عیسیٰؑ آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ان کی نشاندہی سب سے پہلے بانی سلسلہ احمدیہ نے کی کہ یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔کیونکہ ان کا تعلق مسیح موعود سے تھا۔اب دیگر محققین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔مسیحِ دجال کا تعلق مذہبی فتنے پھیلانے والے گروہ نصاریٰ سے ہے جو پادریوں اور فلاسفروں کا گروہ ہے۔جنہوں نے اس زمانہ میں شرک والحاد کو خوب پھیلایا اور تبلیغ کے رنگ میں عوام کو اپنے دجل سے گمراہ کیا اور بہتوں کو اسلام سے برگشتہ کر کے مسیح کی جھولی میں ڈالا۔حدیث میں اسے مسیحِ دجال کہا گیا ہے۔ان میں سیاسی فتنے پھیلانے والے گروہ کو قرآن کریم میں یاجوج وماجوج کہا گیا۔یہ تمام عیسائی قومیں ہیں جنھوں نے مسلمانوں کو سیاسی اور معاشرتی طور پر کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔مسلمان ہر طرح سے پسپا ہو چکے ہیں لیکن یہ اقوام ان کو مزید تباہ و برباد کرنے کے درپے رہتی ہیں۔مسیح دجال یاجوج وماجوج اور مسیح کے متعلق احادیث سورۃ المائدہ ۱۱۸ میں ملاحظہ فرمائیں جہاں نواس بن سمعان کی حدیث کا پہلا حصہ درج ہے۔جیسا کہ یاجوج و ماجوج کے ناموں سے ظاہر ہے یہ اقوام آتشیں ہتھیاروں، آگ اور پانی سے کام لیں گی۔آج ان کی ایجادات آگ، بجلی اور پانی وغیرہ سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔حدیث میں ہے کہ دجال اپنی ایجادات مصنوعات سے خدائی کاموں میں ہاتھ ڈالے گا۔قرآن کریم کی آخری سورتوں میں اس آخری زمانہ

کے متعلق پیشگوئیاں مضمر ہیں جن میں مسیح دجال اور یاجوج وماجوج کے متعلق حیران کن ارضی وسماوی ایجادات اور اجرامِ فلکیہ کے پوشیدہ اسرار کے انکشافات کا ذکر ہے۔فرمایا جب آسمانوں کی کھال ادھیڑی جائے گی۔(سورۃ التکویر:۱۲) یعنی اجرامِ فلکیہ کے راز معلوم کئے جائیں گے۔زمین ہلائی جائے گی اور وہ اپنے مخفی خزائن و دفائن اُگل دے گی۔(سورۃ الزلزال رکوع۲،۳) کتب وصحائف پھیلائے جائیں گے یعنی نشرو اشاعت میں ترقی ہوگی۔(سورۃ تکویر:۱۱)اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی یعنی ایسی تیز رفتار سواریاں ایجاد ہو جائیں گی کہ اونٹنیوں کی کوئی اہمیت نہ رہے گی وغیرہ وغیرہ۔(سورۃ تکویر:۵) مشہور حدیث جو نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے۔اس کا پہلا حصہ المائدہ:۱۱۸ میں گزر چکا ہے بقیہ حصہ کو قدرے اختصار سے لکھ رہی ہوں۔اس میں دجال کی مختلف شعبدہ بازیوں کا ذکر ہے جنہیں ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔اس کے بعد اسی حدیث میں ہے کہ پھر مسیح دو زرد چادروں کے ساتھ دمشق کے مشرق کی جانب سفید مینارہ پر نزول فرمائیں گے۔دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو ذیابیطس اور سر درد کے عوارض لاحق تھے۔قادیان دمشق کے مشرق میں واقع ہے آپ کے دونوں ہاتھ فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوں گے یعنی آپ کو ملائکہ کی خاص تائید حاصل ہوگی نیز حضرت مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ اور آپ کے کسی خاص صحابی کی طرف بھی اشارہ ہے۔آپ کے سر مبارک سے موتیوں کی طرح قطرات ٹپکیں گے یہ آپ کے روحانی علوم کی طرف اشارہ ہے۔مسیح صلیب کو توڑے گا اور سور کو قتل کرے گا یعنی عیسائیت کے باطل عقائد کو نیست و نابود کرے گا۔آپ کا سانس دور تک جائے گا اور کفار کی موت کا سبب ہوگا۔چنانچہ آپ کی آمد سے کفار کی روحانی موت ہوئی اور نصاریٰ کا کوئی پادری آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکا۔حضرت عیسیٰؑ دجال کو بابِ لُدّ پر پکڑیں گے اور قتل کریں گے گویا یروشلم میں یہود و نصاریٰ کی تباہی ہوگی۔حضرت عیسیٰؑ لوگوں کو جنت میں اعلیٰ درجات کی بشارت دیں گے۔نظام سرمایا کی طرف اشارہ ہے جس میں جنت کی خوشخبری ہے۔آپ کو یاجوج وماجوج سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی۔حدیث میں ہے کہ خدا نے کسی کو وہ ہاتھ نہیں دیئے جو یاجوج و ماجوج کو تلوار سے مٹا دیں یہ کام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ان کے لئے دو عذاب مقدر ہیں۔دنیا کا اور آخرت کا۔اللہ کی تقدیر سے یہ آپس میں الجھیں گے اور ان کا غرور نمک کی طرح پگھل جائے گا۔جیسا کہ حدیث میں ہے تاہم اللہ تعالیٰ کو کسی قوم سے دشمنی نہیں۔ان میں بھی جو نیک ہوں گے بچائے جائیں گے۔حضرت عیسیٰؑ اپنے رفقاء کو لے کر کوہ طور پر پناہ لیں گے یعنی خدا تعالیٰ کی

اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝٩٦ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ

بناؤں گا میں درمیان تمہارے اور درمیان انکے ایک دیوار دو مجھے ٹکڑے لوہے کے

حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى

یہاں تک کہ جب برابر کردیا اس نے درمیان دو پہاڑوں کے کہا دھونکو یہانتک کہ

اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝٩٧ فَمَا

جب کردیا اسے آگ کہا دو مجھے ڈالوں میں اس پر پگھلا ہوا تانبہ پس نہ

حفاظت میں ہوں گے اور آسمانی نشانوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں گے۔ شدید قحط پڑ جائے گا حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے مسلمان حق تعالیٰ سے دعائیں کریں گے اور یاجوج و ماجوج میں ایک وبا پھوٹ پڑے گی اور وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے یعنی ان کی اکثریت تباہ ہو جائے گی۔ زمین ان کی لاشوں سے بھر جائے گی اور سخت تعفن ہو گا کہ حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے ساتھی پھر دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بہت بھاری بھر کم پرندوں کو بھیجے گا جن کی گردنیں بختی اونٹوں جیسی ہوں گی جو ان لاشوں کو ٹھکانے لگائیں گے۔ہوائی جہازوں کی طرف اشارہ ہے ورنہ پرندے لاشوں کو کھاتے ہیں اٹھاتے نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش برسے گی اور ساری زمین دھل جائے گی اور اپنے میوے اگائے گی یعنی غیر معمولی برکات و ارزانی ہوگی اور روحانیت کا دور دورہ ہو گا۔قیامت کے نزدیک اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائے گا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہوگی اور وہ وفات پا جائیں گے اور شریر و کافر باقی رہ جائیں گے جو کھلم کھلا گدھوں کی طرح حرام کاری کریں گے یعنی شرم و حیا بالکل جاتی رہے گی۔ پس ایسے ہی لوگوں پر قیامت ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال وابن ماجہ کتاب الفتن)

٩٦-رَدْمًا۔ردم کسی رخنہ کا پتھروں سے روکنا اور یہ سدّ سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں ایک چیز دوسری کے اوپر رکھی جاتی ہے۔

انہوں نے مالی معاونت کی پیشکش کی تھی لیکن خورس نے اپنی فطری نیکی اور عوام سے حسن سلوک اور محبت کی وجہ سے کہا کہ ان کاموں کے لئے یعنی ایسے کام جن میں عوام کی فلاح و بہبود مدنظر ہو اللہ تعالیٰ نے جو مجھے مالی وسعت و طاقت اور عقل و فراست سے نوازا ہے۔وہ بہت بہتر ہے۔ یعنی تمہاری مالی معاونت کی مجھے ضرورت نہیں البتہ تم قوتِ بدنی (مشقت اٹھانے والے افراد اور مزدور وغیرہ) سے میری مدد کرو۔ یعنی Labour Force مہیا کرو۔

٩٧-زُبَرَ۔ٹکڑے۔زبرہ کی جمع ہے۔ **زبرالحدید**۔لوہے کے ٹکڑے۔صدف۔ہر اونچی

بلند چیز۔ صدفین سے مراد دونوں پہاڑوں کی دو چوٹیاں ہیں۔

خورس اعظم یقیناً ایک باکمال انجینئر بھی تھا۔جس نے یہاں ایک عظیم دیوار بنائی جس میں پتھروں کے علاوہ لوہا اور پگھلا ہوا تانبا بھی استعمال ہُوا۔ یہ دیوار در بند کے نام سے مشہور ہوئی کیونکہ اس سے ایک کھلے ہوئے درہ کو بند کر دیا اور اس علاقہ کو شمالی حملہ آوروں سے بالکل محفوظ کر دیا گیا۔ جو اقوام دیوار کے اس طرف رہ گئیں وہ ترک کہلائیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ عین اسی جگہ ایک دیوار تھی جو انتیس فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی تھی اس میں لوہے کے دروازے اور حفاظت کے لئے برجیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ پچاس میل لمبی تھی۔ آہنی دروازے یقیناً تجارتی قافلوں کی آمد و رفت کے لئے بنائے گئے ہوں گے۔اس کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں جو قرآن کریم کی صداقت کا بین ثبوت ہیں۔ پہلے لوہا اور عمارتی سامان وغیرہ اکٹھا کیا گیا جب دیوار دونوں چوٹیوں کے درمیان تک پہنچ گئی تو پھر بڑی بڑی بھٹیوں میں لوہے کو ڈال کر آگ کی مانند سرخ کیا یہ پگھلا ہُوا لوہا اور تانبا دیوار کی تعمیر میں استعمال ہُوا جس سے یہ دیوار غیر معمولی طور پر مضبوط ہو گئی۔ ممکن ہے دروازوں کو زنگ وغیرہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کی تعمیر میں بھی لوہا یا تانبا استعمال کیا گیا ہو۔ تاریخِ عالم میں دربند کے نام سے ایسی ایک اور دیوار کا بھی ذکر ملتا ہے یہ دونوں دیواریں آج دنیا کے نقشہ سے ناپید ہیں۔ جب بھی کسی دیوار کے کھنڈرات سے یہ ثابت ہوگا کہ اس کی تعمیر میں لوہا اور تانبا استعمال ہوا ہے تو یقیناً وہی ذوالقرنین کی تعمیر شدہ دیوار ہوگی۔ البتہ دیوارِ چین آج بھی موجود ہے جو ان کے بعد تعمیر ہوئی۔ دیوارِ چین کی تعمیر کا آغاز ٢٢١ قبل مسیح میں ہوا قریباً دو سو سال تک نسلاً بعد نسلاً لاکھوں مزدوروں نے مسلسل کام کر کے اسے مکمل کیا۔ قریباً ٢۵ فٹ بلند، اوسطاً ٢٠ فٹ چوڑی اور ٢۴٠٠ کلومیٹر یعنی تقریباً ١۵٠٠ میل لمبی تھی۔ یہ دیوار دنیا کے سات بڑے عجائبات میں سے ایک ہے۔ یہ انسانی تعمیر کا وہ شاہکار ہے جو چاند سے بھی نظر آتا ہے اس لئے کہ چھ سات سو میل لمبی دیوار اب بھی درست حالت میں موجود ہے۔

ذوالقرنین ثانی کے تعلق میں ان آیات کے معانی تمثیلی رنگ میں ہوں گے حضرت مسیح موعود علیہ السلام (ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ١۴٦) پر تحریر فرماتے ہیں:۔ ”وہ قوم جن کے لئے دیوار بنائی گئی وہ میری جماعت ہے۔۔۔۔۔۔اس جماعت کی بڑی عمر ہوگی اور شیطان ان پر غالب نہیں آئے گا اور شیطانی گروہ ان پر غلبہ نہیں کرے گا۔ ان کی حجت تلوار سے زیادہ تیز اور نیزہ سے زیادہ اندر گھسنے والی ہوگی۔ اور وہ قیامت تک ہر ایک مذہب پر غالب آتے رہیں گے“۔نیز آپ فرماتے ہیں

اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۸﴾ قَالَ
طاقت پائی انہوں نے کہ چڑھ جاویں اس پر اور نہ طاقت پائی اس کو نقب لگانے کی کہا

هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ
یہ رحمت ہے طرف سے رب کی میرے پھر جب آئے گا وعدہ رب میرے کا کردیگا اُسے ٹکڑے ٹکڑے اور

كَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۹﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ
ہے وعدہ رب کا میرے سچا اور چھوڑ دیں گے ہم بعض کو ان کے اس دن کہ موجیں ماریں گے

کہ لوہے کے ٹکڑوں سے مراد آپ کے بعض رفقاء ہیں۔ جو استقامت و جوانمردی میں آہنی قویٰ کے مالک ہوں گے اور حجج قاطعہ اور براہین باہرہ سے مخالفانہ حملوں کو روکیں گے۔ لوہے کو آگ کے ہم رنگ کرنے میں اشارہ ہے کہ محبتِ الٰہی اپنے اندر اس طرح بھڑکاؤ کہ خود الٰہی رنگ میں رنگین ہو جاؤ۔ تانبہ کو پگھلانے سے مراد ایسے نرم خو اور معتدل مزاج لوگ ہیں جو نشاناتِ الٰہیہ کو دیکھ کر فوراً پگھل جاتے ہیں''۔ (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم صفحہ ۱۵۳ سے استفادہ کیا گیا)

۹۸۔ جس طرح اُس وقت کسی کو اس بلند و بالا اور مضبوط دیوار پر چڑھنے کی طاقت تھی نہ نقب لگانے کی اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے زبردست دلائل و براہین کے سامنے ان کے بڑے بڑے پادری ٹھہر نہیں سکے اور کسی کو بھی دیوار محمدی پر چڑھنے یا اس میں سوراخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

۹۹۔ **دَکَّآءَ**۔ پہاڑ یا دیوار وغیرہ کے گرانے کو کہتے ہیں۔ گرانا۔

اتنا علم و ہنر دکھا کر اور مخلوقِ خدا کے لئے ایک سخت مشکل کام سر انجام دے کر وہ خدا کا فرستادہ اسے اپنے ربّ کی طرف ہی منسوب کرتا ہے کہ محض اس کی رحمت اور احسان سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خورس کو اللہ تعالیٰ نے آئندہ زمانہ کے واقعات دکھائے جب اس قسم کی دیواریں بیکار ثابت ہوں گی، گویا ریزہ ریزہ ہوجائیں گی۔ وہی خدائی وعدہ پورا ہونے کا وقت ہوگا جب ایک عالمگیر عذاب آئے گا اور ان کی تباہی کا وعدہ پورا ہوگا۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ ہیں کہ یاجوج و ماجوج نے اس دیوار میں چھوٹا سا سوراخ کرلیا ہے۔ (بخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترب صفحہ ۱۰۴۶/۲ بروایت حضرت زینب بنت جحشؓ) اس سے مراد ہے کہ ان قوموں کے خروج اور غلبہ کا وقت قریب آگیا ہے۔ جیسا کہ آیت ۹۵ میں ذکر ہوا کہ بائبل میں روس کو یاجوج اور انگلستان کو ماجوج قرار دیا ہے۔ (حزقیل باب ۳۹)

۱۰۰۔ اس دن وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے۔ بگل بجایا جائے گا اور ہم ان سب کو

فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۱۰۰﴾ وَّعَرَضْنَا
بعض میں اور پھونکا جاویگا بگل پس جمع کردیں گے ہم انکو اچھی طرح جمع کرنا اور سامنے کریں گے ہم

جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۱﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ
جہنم اس دن کافروں کے لیے خوب سامنے کرنا وہ لوگ کہ تھیں

اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
آنکھیں ان کی پردہ میں ذکر سے میرے اور تھے وہ کہ نہیں طاقت رکھتے

سَمْعًا ﴿۱۰۲﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ ﴿ع ۱۹﴾
سننے کی کیا پس خیال کیا ہے لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ وہ بنالیں گے بندوں کو میرے

اکٹھا کر دیں گے۔ یعنی ایک عظیم جنگ کی بھٹی میں یہ سب قومیں جھونکی جائیں گی۔ (مکاشفات یوحنا باب ۲۰۔ ۷) پس قدیم نوشتوں اور قرآن و حدیث کے مطابق ہزار سال بعد (یعنی بعثتِ رسول ﷺ کے ہزار سال بعد) جب یاجوج و ماجوج خروج کریں گے تو دیواریں کیا پہاڑوں اور سمندروں کو پھلانگتے ہوئے ان علاقوں میں گھس جائیں گے۔ ہوائی جہازوں کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ سولھویں صدی میں مغربی اقوام نے ہندوستان، افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ پر قبضہ کیا اور ان کا عروج شروع ہوا۔ اس وقت یہ اقوام سمندر کی تلاطم خیز موجوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھ دوڑیں گی۔ یہ بھی مراد ہے کہ ایک بہت بڑی عالمی ہلاکت کے بعد ان کا غرور ٹوٹے گا تو صور پھونکا جائے گا جو تمام سعید روحوں کو اسلام کے جھنڈے تلے اکٹھا کر دے گا۔ صور پھونکنے میں مسیح کی آمد کی طرف بھی اشارہ ہے جب روحانی مردوں کو زندگی بخش جام پلایا جائے گا اور تمام سعید روحیں حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر جمع ہوں گی اور اسلام میں داخل ہوں گی پھر ایک نئی زمین ہوگی اور ایک نیا آسمان۔

۱۰۱۔ جہنم سامنے ہونے سے مراد طرح طرح کی بلائیں اور وہ ہولناک جنگیں ہیں جن میں آتشیں اسلحہ استعمال ہوگا جو جہنم کا نقشہ پیش کرے گا۔ ان سب کو کافر قرار دیا گیا ہے۔

۱۰۲۔ یہاں ان کی عبرتناک تباہی کی وجہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس تباہی سے پہلے اپنی سنت کے مطابق اپنے مامور کو بھیجا لیکن مسیح وقت کی دعوت و تبلیغ سے ان کی آنکھیں پردہ میں رہیں یعنی انہیں کوئی خدائی نشان یا حق کا نور نظر نہ آیا وہ اللہ کے ذکر سے غافل رہے اور انہوں نے خدائی آواز پر کان نہ دھرا۔

پس اس آخری زمانہ میں مسلمان تقویٰ سے منہ موڑ کر اور مسیح دوراں کو شناخت نہ کرنے کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہوئے اور ان کا شوکت وجلال جاتا رہا۔ جبکہ مغربی اقوام اپنی ہمت، محنت،

مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾

سوائے میرے دوست یقیناً ہم نے تیار کیا جہنم کو کافروں کے لیے مہمانی

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ

تو کہہ کیا آگاہ کریں ہم تم کو نقصان اُٹھانے والوں پر اعمال میں وہ لوگ کہ ضائع گئی

سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ

کوشش ان کی زندگی ورلی میں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے کرتے ہیں

اولوالعزمی اور معاشرت کے اعلیٰ اصولوں جیسے ڈسپلن، عدل و انصاف، ہمدردیٔ مخلوق، تعلیم، سچائی، صفائی وغیرہ اور قدرت کی عطا کردہ مخفی قوتوں پر تفکّر و تدبر اور تحقیق و جستجو کی وجہ سے قدیم صحائف اور قرآن واحادیث کے مطابق قادرِ مطلق کی حکمت اور مصلحت کی بنا پر دنیا پر غالب تو ہوئیں۔لیکن مسیح کی شناخت سے محروم رہنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہوں گی۔پس وہ وقت قریب ہے کہ مسیح موعود زمین پر بھی اسی طرح پہچانا جائے جس طرح آسمان پر۔ اس وقت اسے عوام و خواص میں مقبولیت حاصل ہو گی۔حضرت مسیح موعودؑ ''تذکرہ صفحہ ۱۰'' میں بیان کرتے ہیں۔اور مجھے اس نے فرمایا کہ ''میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہانتک بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کی جناب سے ہوگا اور لوگوں کی نظر میں عجیب۔''

۱۰۳۔اس آخری رکوع میں عیسائی اقوام کی آخری حالت کا نقشہ کھینچا کہ ان کی تمام کوششوں اور صنعتوں کا محور صرف دنیا ہو گی اور یہ کہ نجات صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ آخر شرک کا رد کر کے اس سورۃ کو ختم کیا۔

چونکہ اس سورۃ میں نصاریٰ مخاطب ہیں اس لئے ''**کفروا**'' میں عیسائی مراد ہیں اور عبادی سے مراد حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ وغیرہ ہیں جنہیں الوہیت میں شریک کرتے ہیں۔ **نزلا** ۔ پہلی چیز ہوتی ہے جو مہمان کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہاں اشارہ دنیوی سزا کی طرف ہے جو انہیں جلد ملنے والی ہے اس لئے کہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر عاجز بندوں کو اپنا حاجت روا اور خدا بنا لیا۔جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ سورۃ کہف کی ابتدائی آیات کا پڑھنا فتنہ دجال سے نجات کا موجب ہے۔اسی طرح ان آخری آیات کا پڑھنا بھی فتنِ دجال سے نجات کا موجب ہے۔ (مسلم واحمد وابوداؤد و انسائی بروایت حضرت ابو الدرداءؓ) ان دونوں مقامات پر اور پوری سورۃ میں فتنہ نصاریٰ اور ان کے دنیوی کمالات اور صنعتوں وغیرہ کا ذکر ہے۔

۱۰۴،۱۰۵۔ **صُنعًا** ۔صنعت۔ایجاد۔کاریگری۔

صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ

کارروائی یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا آیات کا اپنے رب کی اور ملنے کا اس سے

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

پس حبط ہو گئے عمل ان کے پس نہ قائم کریں گے ہم ان کے لیے بروز قیامت کچھ بھی وزن

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَ

یہ بدلہ ہے ان کا جہنم بسبب اسکے کہ کفر کیا انہوں نے اور بنایا انہوں نے آیات کو میری اور

رُسُلِيْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ

رسولوں کو میرے ہنسی یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں ہیں

حضرت ابن عباسؓ ،حضرت سعد بن وقاصؓ اور مجاہد سے مروی ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔(روح المعانی)اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آج یہ تمام آیات صرف انہی قوموں پر صادق آتی ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی اقوام کی تمام تر ایجادات اور صنعتوں کا مقصد محض دنیوی ترقیات ہیں یا دوسری اقوام پر اپنی اجارہ داری قائم کرنا ہے۔بیشک دنیوی طور پر ان کی ایجادات سے مخلوقِ خدا کو بہت سی سہولتیں میسر آئیں لیکن وہ سب جسمانی راحتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔روحانیت کا اِن میں کوئی دخل نہیں چونکہ ان کے کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا یا خوشنودی مدنظر نہیں اس لئے ان کا کوئی اُخروی نتیجہ نہیں نکلتا۔**ضَلّ سعیھم** ان کی کوششیں برباد ہو گئیں۔یعنی جن علوم اور صنعت گری پر انہیں ناز ہوگا وہ آخر تباہ ہوں گی۔انہوں نے دنیا میں ہی اپنی محنت کا صلہ پا لیا۔بہت مال اکٹھا کیا،خوب عیش و عشرت کی اور دوسری اقوام پر غالب آ گئیں۔لیکن ان کی ایجادات میں انتہائی تباہ کن اسلحہ بھی شامل ہے جس نے عالمی امن کو تہ و بالا کر دیا اور جو آخر ان کی تباہی کا باعث ہو گا۔

۱۰۶۔ان اقوام نے وقت کے امام کو نہ پہچانا اور نشاناتِ الٰہی کا انکار کیا۔ نیز ان کی دنیوی تگ و دو اور انہماک سے ظاہر تھا کہ خدا کے حضور حاضر ہونے کے منکر ہیں۔آخرت میں تو وزن ان اعمال کا ہو گا جو رضائے الٰہی کے لئے کئے گئے ہوں گے۔چونکہ ان کے مدنظر محض دنیا تھی سو انہیں مل گئی اور خوب ملی ۔انہوں نے کوئی اچھا کام آخرت کے حوالے سے نہیں کیا اس لئے آخرت میں ان کے کسی عمل کا وزن نہیں ہوگا۔

۱۰۷۔یہاں رسولوں کا ذکر کیا۔حالانکہ نصاریٰ نے صرف آنحضرت ﷺ کا انکار کیا تھا اور

لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ
ان کے لیے باغات فردوس مہمانی وہ پڑے رہنے والے ہیں اس میں نہ چاہیں گے

عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ
ان سے منتقل ہونا تو کہدے اگر ہوں سمندر سیاہی واسطے باتوں کے رب کی میرے

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ
البتہ ختم ہو جائیں سمندر پہلے اس کے کہ ختم ہوں باتیں میرے رب کی اور اگر چہ لادیں ہم مانند اس کی اور

مَدَدًا ﴿۱۱۰﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
سیاہی تو کہدے سوائے اسکے نہیں کہ میں انسان ہوں مانند تمہاری وحی کی جاتی ہے طرف میری کہ سوائے اسکے نہیں کہ معبود تمہارا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی کا نشانہ بنایا تھا۔اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رسول آیا جس کا انہوں نے انکار کیا اور اس کا تمسخر اڑایا۔

۱۰۸-۱۰۹- **حِوَلًا**۔الحول الگ ہونا۔

جس طرح ان مغربی اقوام کی سزائیں دنیا سے ہی شروع ہو جائیں گی اسی طرح مومنین جن کو اس مادہ پرست دور میں ایمان اور عمل صالحہ کی توفیق ملے گی، ان کی جنت بھی اس دنیا سے ہی شروع ہو جائے گی۔بیشک مرنے کے بعد اصل جنت اور جہنم کا مزا بھی چکھیں گے۔صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اللہ سے مانگو تو جنت الفردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور افضل درجہ ہے۔۔۔۔۔(قرطبی) نعمائے جنت کی اصل حقیقت تو وہیں معلوم ہو گی لیکن جنت الفردوس جو جنت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔وہاں جا کر کون اسے چھوڑنا چاہے گا۔ان دائمی نعماء کے مقابل انہیں دنیا کی نعمتیں یقیناً لغو و بیہودہ نظر آئیں گی۔

۱۱۰- **مِدَادًا**۔**مدّ** کھینچنا یا لمبا کرنا۔مداد سیاہی کو کہتے ہیں۔امداد کے معنی بھی دیتا ہے۔

نصاریٰ کا ذکر تھا جنہوں نے رازِ کائنات کو دریافت کرنے کے بڑے بڑے دعوے کئے۔ فرمایا تمام مخلوقات اپنے مجازی معنوں کی رو سے کلمات اللہ ہیں اور غیر محدود عجائبات پر مشتمل ہیں۔ ایک ایک ذرّے اور ایک ایک پتے کے عجائبات پر تحقیق کے لئے ہزاروں برس چاہئیں۔پس میرے ربّ کی باتیں یعنی اس کے اوصاف و کمالات،اس کے قوانین و دساتیر اور اس کے راز ہائے کائنات غیر محدود اور بے مثل ہیں۔کائنات کی عظیم وسعتوں کا عالم یہ ہے کہ روشنی کی رفتار ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے اور ایک سال میں وہ ساٹھ کھرب میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔دور کے ستارے جو نہایت طاقتور دوربینوں سے دیکھے گئے ہیں وہاں سے ہم تک پہنچنے کے لئے روشنی چھ ارب سال کا عرصہ لیتی

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ
معبود ہے ایک پس جو شخص کہ ہے امید رکھتا ملنے کی اپنے رب کو تو چاہیئے کہ کرے

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲ ۹ ۳
عمل نیک اور نہ شریک کرے عبادت میں اپنے رب کی کسی کو

ہے۔سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم کائنات کی وسعت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ہر دم قریباً روشنی کی رفتار سے وسعت پذیر ہے۔پس یہ ساری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز اور ایک ایک ذرہ اور اس ذرہ کے اندر کے بیشمار اجزاء کا احاطہ کرنا انسان کے بس میں نہیں یہ صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی ہے۔اگر ان سب کی تفصیل تم لکھنا چاہو تو سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن وہ ختم نہیں ہوں گے۔ اس معاملہ میں آج کا سائنسدان انگشتِ بدندان ہے اور اپنی کم علمی کا اعتراف کرتا ہے جیسا کہ جرمن مفکر آئن سٹائن قدرت کے عجائبات و کمالات کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھا ''وہ انسان جو کائنات پر اظہارِ تعجب کے لئے ٹھہرتا نہیں اور اس پر خشیت طاری نہیں ہوتی وہ مردہ ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہیں'' افسوس آج کا نام نہاد مسلمان بصارت اور بصیرت دونوں سے محروم ہے اور اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے اور اس پر یہ مصرعہ عین صادق آتا ہے کہ ۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔یعنی نہ دین ملا نہ دنیا۔

چونکہ حضرت عیسیٰ ؑ کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ سے عیسائی انہیں خاص مقام دیتے ہیں اس لئے سورۃ کے آخر میں یہ بتا کر کہ کُل مخلوق خدا تعالیٰ کے کلمات ہیں نصاریٰ کی غلطی کا ازالہ کیا۔

۱۱۱-اس سورۃ میں ان گنت پیشگوئیاں اور غیب کی خبریں بیان کر کے بتلایا کہ باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ ترین مقامِ قُرب حاصل کر چکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے ہیں تا ان فضائل و مراتب سے کوئی دھوکہ نہ کھا جائے۔فرمایا میں تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں تمہاری طرح تمام بشری حوائج مجھے لاحق ہیں۔گویا بشری تقاضوں میں سب انسان برابر ہیں۔ ہاں! اللہ کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے کہ ۔

بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

پس میں تم سے صرف وحی الٰہی کے ساتھ ممتاز ہوں۔اگر تم بھی اپنے ربّ کی لقا چاہتے ہو اور اس دنیا میں دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونا چاہتے ہو تو میری طرح اعمالِ صالح بجا لاؤ اور موحّد مسلمان بن جاؤ۔پھر اس کے فضل و احسان سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق روحانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام کو حاصل کر سکتے ہو۔حضرت عبداللہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا۔ ”جو شخص لقاء الٰہی کی آرزو رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو لقاء الٰہی کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے“۔ (جامع ترمذی ابواب الزھد۔ باب من احب لقاء اللّٰہ۔ حدیث نمبر ۲۲۳۱) میری ناقص رائے میں **لا یشرک بعبادة ربه احدًا** میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نماز میں اپنے ربّ کے سوا کوئی دوسرا خیال آ جانا بھی اس کی عبادت میں دوسرے کو شریک کرنا ہے گویا شرکِ خفی ہے۔ اس آیت کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”کہ عملِ صالحہ سے یہاں مراد یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔ صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عجب ہو، نہ کبر ہو، نہ نخوت ہو نہ تکبر ہو، نہ نفسانی اغراض کا کوئی حصہ ہو، نہ روبخلق ہو۔ حتیٰ کہ دوزخ و بہشت کی خواہش بھی نہ ہو۔ صرف خدا کی محبت سے وہ عمل صادر ہو۔ جب تک دوسری قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے۔۔۔۔

جو لوگ خدا سے اس لئے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں ان کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے جس دن ان کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا اسی دن ایمان میں بھی فرق آ جاوے گا۔ اس لئے پکا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔“ (البدر جلد سوم نمبر ۳۴ مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۵۔۶)

اس آیت میں عیسائیت کی عمارت پر کاری ضرب لگائی کہ ایک بشر ایک بشر کی اتباع ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس کے مسائل و مشکلات اور طبعی تقاضوں کو وہی کما حقہٗ سمجھ سکتا ہے۔ لیکن یسوع جسے تم خدائی میں شریک کرتے ہو اس کی اتباع ایک بشر سے کیونکر ممکن ہے؟

احادیث میں ان آخری دونوں آیات کی خاص فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا کہ میں دل میں ارادہ کرتا ہوں کہ آخر رات میں بیدار ہو کر نماز پڑھوں، مگر نیند غالب آ جاتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سونے کے لئے بستر پر جاؤ تو سورۃ کہف کی آخری آیتیں **قل لو کان البحر مدادًا** سے آخر سورۃ تک پڑھ لیا کرو تو جس وقت بیدار ہونے کی نیت کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی وقت بیدار کر دے گا۔ (رواہ الثعلبی) مخصوص وقت پر جاگنے کے لئے اس سورۃ کی آخری چار آیتیں سوتے وقت پڑھنی بھی احادیث سے ثابت ہیں۔ پس جس طرح شرک کے ردّ سے اس سورۃ کو شروع کیا اسی طرح شرک کے ردّ کے ساتھ ہی اس کا اختتام فرمایا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ مریم۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ننانوے آیات اور چھ رکوع ہیں

اس سورۃ کا مرکزی نقطہ خدا تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت ہے۔ قرآن کریم میں لفظ رحمٰن کو اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ کے بعد سب سے اہم صفت جس میں خدا تعالیٰ کو ذاتی نام سے بلایا گیا وہ رحمٰن ہے۔ (از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت جس کا ذکر دعائے سورۃ فاتحہ میں ہے کہ **الحمد للّٰہ ربّ العالمین الرحمٰن الرحیم**۔ رحمٰن سے مراد ہے وہ خدا جو ایسے لوگوں کو مطلب پر پہنچا دیتا ہے جس کے لئے کوئی سبب نہ ہو۔ وہ شخص جو چاروں طرف سے بالکل ناامید ہو گیا ہے، وہ اپنی ذمہ داریوں میں بالکل نکما نکلا ہے۔ وہ جو بالکل یاس میں ہے اس کا کام بنانے والا رحمٰن ہے۔ وہ جس کی کشتی ٹوٹ گئی ہے اور وسط دریا میں گرا پڑا ہے اور اس کا کوئی ساتھی نہیں جو اسے بچاوے اور اس کے ہاتھ اور پاؤں نہیں کہ وہ دوسرا قدم آگے کو مارے۔ کون ہے جو اسے بچاوے؟ وہ خدا کی طرف رحمانیت کے رحم سے بچ سکتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف اور سورۃ مریم ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئیں۔ اور میرے پرانے اموال میں سے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ کی تحقیق کے مطابق یہ سورۃ نبوت کے چوتھے سال کے آخر میں یا پانچویں سال کے شروع میں نازل ہوئی۔ اس میں مریم اور مریمی صفات والے وجودوں کا ذکر ہے اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ مریم ہے۔ سورۃ ال عمران اور سورۃ مریم دونوں سورتیں عیسائیت پر اتمامِ حجت کے طور پر ہیں اور ان میں عیسائیت کا رد ہے۔ جبکہ سورۃ کہف میں ان کی تباہی کی خبر ہے۔ پچھلی دونوں سورتوں میں وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ اسلام کی ترقی اور تنزل کے دونوں دور موسوی سلسلہ کے دونوں ادوار سے مشابہت رکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی پہلی ترقی کا دور حضرت داؤدؑ کے بعد کا زمانہ ہے جسے بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کر کے تباہ کیا اور بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر بابل لے گیا۔ اسی طرح قریباً اتنے عرصہ بعد ہی بنو عباس کے زمانہ میں جو اسلام کی ترقی کا دور تھا ہلاکو خان نے اسلامی مرکز بغداد کو

تاخت و تاراج کیا، مسلمان امراء و علماء کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیا۔اس دن صرف بغداد اور اس کے نواح میں اٹھارہ لاکھ مسلمان ہلاک ہوئے۔ سلسلہ موسوی کی دوسری تباہی واقعہ صلیب کے بعد ٹائیٹس رومی کے ذریعہ ہوئی اور یروشلم میں روح فرسا مظالم اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا جس کے بعد یہودی حکومت کا خاتمہ ہوا۔اسی طرح مسلمانوں پر دوسری تباہی کا دور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کے قریب شروع ہوا۔مسلمان حکومتیں کمزور اور زوال پذیر ہونا شروع ہوئیں اور تنزل کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔لیکن پیشگوئیوں کے مطابق انشاء اللہ مسلمانوں کو دوبارہ غلبہ نصیب ہوگا اور وہی قومیں جنہوں نے مسلمانوں کو تباہ کیا اسلام قبول کریں گی۔انشاء اللہ۔

سورۃ کہف کے بعد سورۃ مریم کو رکھ کر اور اس میں مسیحؑ کے واقعات بیان کر کے توجہ دلائی کہ ایسے ہی نشان مسلمانوں پر بھی ظاہر ہوں گے اور جس طرح موسوی سلسلہ کی ترقی ایک مسیح کے ذریعہ ہوئی اسی طرح اسلام کی ترقی بھی ایک مسیح کے ذریعہ ہوگی۔جس کے ظہور کے متعلق ستر سے زیادہ حدیثیں ہیں۔اسلام کے ابتدائی تین سالوں میں عیسائیت کے متعلق کوئی خاص سورۃ نازل نہیں ہوئی۔جونہی ہجرتِ حبشہ قریب آئی یہ سورت نازل ہوئی جس میں پیشگوئی تھی کہ اب اسلام کو عیسائیت سے واسطہ پڑنے والا ہے پھر جلد ہی ایسے حالات پیدا ہوئے کہ نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہجرت کرنی پڑی اور عیسائیوں سے باقاعدہ بحث و مباحثہ کا آغاز ہوا۔صحابہ نے اسی سورۃ سے استدلال کر کے انہیں لاجواب کیا اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم ایک عالم الغیب ہستی کی طرف سے آنے والی ضرورتوں کے عین مطابق نازل ہوتا تھا اور یہ قرآنِ کریم کی سچائی کا ایک زبردست ثبوت ہے۔اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرتِ حبشہ کے بعد کفارِ مکہ نے اپنا ایک وفد عمرو بن العاص کی سرکردگی میں بہت سے تحائف کے ساتھ شاہِ حبشہ کی خدمت میں بھیجا کہ مسلمان مہاجرین کو واپس لائے تا پھر ان پر مظالم کا سلسلہ شروع ہو۔نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالب پیش ہوئے اور آپ نے سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔نجاشی کے آنسو بہنے لگے۔اس نے کہا کہ ان آیات میں مسیح اور اس کی والدہ کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے میں انہیں اس سے ایک تنکا برابر زیادہ نہیں سمجھتا اور مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔قریشِ مکہ کا وفد ناکام لوٹا۔روایات سے ثابت ہے کہ نجاشی نے اسلام قبول کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تحائف ارسال فرمائے۔حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

جس دن نجاشی شاہِ حبشہ فوت ہوئے اسی دن حضورﷺ کو ان کی وفات کا علم ہوگیا اور آپﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ جنازہ گاہ گئے۔ فرمایا آؤ ہم اپنے بھائی نجاشی کی نماز جنازہ ادا کریں۔آپ نے نماز جنازہ غائب پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ (بخاری کتاب الجنائز باب الرجل ینعی الیٰ اھل المیت بنفسہ)

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

کٓہٰیٰعٓصٓ ﴿۲﴾ ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿۳﴾ اِذۡ

کاف۔ ھا۔ یا۔ عین۔ ص ذکر ہے رحمت کا رب کی تیرے اپنے بندے زکریا پر جب

۱۔ اللہ کا نام لے کر جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے (میں پڑھتا ہوں یا پڑھتی ہوں)۔

۲۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق قرآنِ کریم میں ایک بھی مقطعات کا جز ایسا نہیں جس کے حروف سورۃ فاتحہ میں نہ ہوں۔ جبکہ سورۃ فاتحہ میں ان کے علاوہ سات حروف ایسے ہیں جن کو مقطعات میں استعمال نہیں فرمایا گیا۔ نیز حروف کی سب قسموں میں نصف مقطعات میں ہیں۔ قرآنی مقطعات میں یہ سب سے لمبا ہے۔ ان حروف میں ایک سے زیادہ معانی مضمر ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حروفِ مقطعات کو علم الاعداد کے حساب سے بھی تسلیم فرمایا ہے۔ علم الاعداد میں حروفِ تہجی کی عددی قیمتیں مقرر ہیں جو اس زمانہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کے واقعات خاص طور پر اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہوں (تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعودؓ جلد اوّل تفسیر الٓمٓ)۔ یہ حدیث قدرے اختصار سے بیان کرتی ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہود نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ حروف اعداد کے حروف ہیں۔ مثلاً الٓمٓ میں الف کا ایک لام کے تیس اور میم کے چالیس یعنی کل اکہتر سال ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معنوں کو ردّ نہیں فرمایا۔ یہود نے پوچھا ان کے علاوہ اور حروف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٓمٓصٓ۔ انہوں نے کہا یہ ۱۶۱ ہوئے۔ یہ لمبا عرصہ ہے۔ پھر پوچھا کیا ان کے علاوہ اور حروف بھی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٓرٰ۔ انہوں نے کہا یہ ۲۳۱ ہیں یہ اور بھی گراں اور لمبا عرصہ ہے۔ پھر پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٓمّٓرٰ پڑھا۔ انہوں نے کہا یہ تو اور بھی لمبا عرصہ ہے یعنی ۲۷۱۔ اس پر وہ اٹھ کر چلے گئے اور آپس میں کہا کہ کیا معلوم یہ سب زمانے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اکٹھے کردئے ہوں جو ۷۳۴ سال بنتے ہیں (بحوالہ فتح البیان مصری صفحہ ۲۴) پس یہ حروف اپنے اندر بعض پیشگوئیاں رکھتے ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں اور قیامت تک پوری ہوتی رہیں گی۔ ان حروف میں صفاتِ الٰہیہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ تا مومنین اور مومنات ان صفات کا مظہر بننے کی کوشش کریں اور اپنی زندگیوں کو ان صفات کے تابع ڈھال لیں۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ (اسم ذات اللہ کے علاوہ) اللہ کے ننانوے نام ہیں جو زندگی میں ان کو مدنظر رکھے گا

اور ان کا مظہر بننے کی کوشش کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔ (ترمذی) حضرت ام ہانیؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن تھیں بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے معنی **کافٍ۔ ہادٍ۔ عالم اوعلیم** اور **صادق** کے ہیں۔ (فتح البیان) گویا ان مقطعات میں اللہ تعالیٰ کی صفت کافی، صفت ہادی، صفت عالم یا علیم اور صفت صادق کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ''یا'' کو حرفِ ندا قرار دیا چنانچہ یوں ہُوا یا علیم اور صادق خدا تو کافی اور ہادی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علیؓ کو کوئی مصیبت پیش آتی تو یوں دعا فرماتے **یا کٓہٰیٰعٓصٓ اغفرلی** اس لئے کہ دعا کا صفاتِ الٰہیہ سے خاص تعلق ہے۔ ہر سورۃ کے ابتدائی حروفِ مقطعات اُس سورۃ کے مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ گویا یہ اس سورۃ کی کُنجی ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں عیسائیت کا ذکر ہے اور ان سے مذاکرات پیش آنے والے تھے اس لئے خصوصیات کے ساتھ ان صفات کا ذکر کیا جو عیسائیت کے ردّ میں کام آنے والی تھیں۔ ان مقطعات میں خدا تعالیٰ کی صفت کافی کو تثلیث کے ردّ میں پیش کیا کہ وہ اکیلا ہی کافی ہے۔ اسے کسی بیٹے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہادی ہے اپنے بندوں کو ہدایت دینے پر قادر ہے کسی کفارہ کے ذریعہ نجات دینے کا پابند نہیں۔ یہاں کافی اور ہادی تابع صفات ہیں، علیم اور صادق اصل صفات ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے علیم اور صادق ہونے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ وہ کافی بھی ہے اور ہادی بھی ہے پس علیم کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کافی ہو۔ صادق کا تقاضہ ہے کہ ہادی ہو۔ غرض عیسائیت کے تمام مسائل ان چار صفات کے گرد گھومتے ہیں۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی ان صفات کو نہ سمجھا اس لئے غلط عقائد قائم کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں! ''چند روز کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا جو **الایات بعد المأتین** ہے ایک یہ بھی منشاء ہے کہ تیرھویں صدی کے اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا اور کیا اس حدیث کے مفہوم میں بھی یہ عاجز داخل ہے۔ تو مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام کے اعداد حروف کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی مسیح ہے کہ جو تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا۔ پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی اور وہ یہ نام ہے ''غلام احمد قادیانی''۔ اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں اور اس قصبے قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا نام غلام احمد نہیں۔ بلکہ میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں اور اس عاجز کے ساتھ اکثر یہ عادت اللہ جاری ہے کہ وہ سبحانہ' بعض امور اعدادِ حروف تہجی میں میرے پر ظاہر کردیتا ہے''۔ (ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۸۹۔۱۹۰۔ تذکرہ صفحہ ۱۷۹ مطبوعہ ۱۹۶۹ء)

نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ

پکارا اس نے اپنے رب کو پکارنا آہستہ کہا اے رب میرے یقیناً میں ایسا ہوں کہ کمزور ہوگئیں ہڈیاں

مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ

میری اور شعلے مارتا ہے سر بڑھاپے سے اور نہیں ہوں میں دعا میں تجھ سے اے رب میرے

شَقِیًّا ﴿٤﴾ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ

بدبخت اور یقیناً میں ڈرتا ہوں وارثوں سے اپنے بعد اور ہے

امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ﴿٥﴾ یَّرِثُنِیْ

بیوی میری بانجھ پس بخش واسطے میرے اپنی جناب سے وارث جو وارث ہو میرا

وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿٦﴾ یٰزَكَرِیَّآ

اور وارث ہو خاندان یعقوب کا اور بنا ئیو اُسے اے رب میرے پسندیدہ اے زکریا

۳۔۴۔اس رکوع میں حضرت مسیحؑ کے واقعہ کو حضرت زکریاؑ کے ذکر سے شروع کیا۔یہ وہی زکریاؑ تھے جو حضرت مریمؑ کے خالو اور کفیل تھے۔حضرت زکریاؑ پر ان کے ربّ کی خاص رحمت ان کے آہستہ پکارنے کی وجہ سے ہوئی۔یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی تضرع کو قبول فرمایا، آنحضرت ﷺ تہجد میں اپنی خاص دعائیں نہایت تضرع اور خشوع وخضوع سے کیا کرتے تھے ایسی دعاؤں کی قبولیت کا خاص وعدہ ہے۔تاہم اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے بندوں کی ہر طرح کی دعائیں قبول کرنے پر قادر ہے۔یہاں بتایا کہ اولاد خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔سورۃ ال عمران سے واضح ہے کہ اس دعا کا محرک حضرت مریمؑ کی صغرسنی کی غیر معمولی نیکی اور تقویٰ تھا۔(تفصیل کے لئے ال عمران آیت ۳۹ تا ۴۲)۔رحمت ربک میں اشارہ تھا کہ تجھ پر بھی تیرے ربّ کی رحمت ہونے والی ہے۔

۵۔**وَهَنَ**۔کمزوری خواہ جسمانی لحاظ سے ہو یا اخلاقی لحاظ سے۔**اشتعل۔شعل**۔آگ کا شعلہ مارنا کسی چیز کا بھڑکنا۔اشتعال غضب میں آنا ہے۔یہاں استعارۃً بالوں کی سفیدی کی وجہ سے کہا۔**شیبا**۔بالوں کی سفیدی بڑھاپا۔**شقیا**۔ناکام۔شقی سعید کی ضد ہے۔سعادت خدا کی ایسی مدد شاملِ حال ہونا ہے جس سے خیر حاصل ہو۔جبکہ شقاوت خدا کی مدد سے محرومی ہے۔یہاں بتایا کہ نبی اپنے مقاصد اور دعاؤں میں کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا خواہ بعض اوقات بظاہر ایسا نظر آ رہا ہو۔گویا ان تمام باتوں کے باوجود آپ کو اپنی دعاؤں کی قبولیت کا پورا یقین تھا۔

۶۔۷۔**الموالي مولی** کی جمع ہے۔دوست ،مددگار۔چچازاد بھائی۔شریک وغیرہ۔**عقر** کا لفظی معنی کاٹ دینا یا زخمی کر دینا ہے۔**عاقرا**۔بانجھ مرد یا عورت ہے۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ

یقیناً ہم بشارت دیتے ہیں تجھے ایک لڑکے کی نام جس کا یحیٰی ہوگا نہیں بنایا ہم نے اس کیلئے

قَبْلُ سَمِیًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ

پہلے اسکے کوئی ہم نام اس نے کہا اے رب میرے کیونکر ہوگا میرے لیے لڑکا اور ہے

جب بنی اسرئیل فرعون کی غلامی سے نجات پا کر فلسطین پر قابض ہوئے تو ان کے بارہ قبیلوں نے ملک کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے اس پر حکمرانی کی۔ان میں بنی لاوی کے ذمہ مذہبی خدمات کی بجا آوری تھی۔ان میں خصوصا حضرت ہارونؑ کا خاندان خاص مذہبی فرائض کے لئے مخصوص رہا۔اس وقت حضرت زکریاؑ کے ذمہ یہ خدمات تھیں۔آپ کے موالی یعنی بھائی بند آجکل کے گدی نشین پیروں فقیروں کی طرح دنیا داری میں ملوث ہو چکے تھے اور ان میں روحانیت مفقود تھی۔آپ کو فکر ہوئی کہ حضرت یعقوبؑ کی برکات وکمالات اور اعلیٰ اقدار جو نسلاً بعد نسلاً آپ تک پہنچی تھیں ،ان کو سنبھالنے والا اب کوئی نہیں۔آپ فراستِ نبوی اور پیشگوئیوں کی بنا پر جانتے تھے کہ بنی اسرائیل سے نبوت کا فیضان ختم ہونے کو ہے۔لیکن پیشگوئیوں کے مطابق ایلیا کا انتظار تھا جس کے بعد مسیحؑ نے آنا تھا۔(ملاکی ۴:۵)اس وقت آپ کی عمر ستر سے تجاوز کر چکی تھی اور بیوی بانجھ تھی۔جس عورت سے جوانی میں اولاد نہ ہوئی ہو بڑھاپے میں اس سے اولاد ہونی بظاہر ناممکن تھی لیکن اپنے ربّ کی رحمتِ بے پایاں سے آپ ہرگز ناامید نہیں تھے۔آپ جانتے تھے کہ آپ کی دعا شرفِ قبولیت سے نوازی جائے گی۔

انبیاءؑ کا ورثہ سونا چاندی نہیں ہوتا اور نہ انہیں ورثے کی فکر ہوتی ہے کہ بعد میں رشتہ دار قابض ہو جائیں گے اور اولاد محروم رہ جائے گی۔یہاں بتایا کہ موالی بگڑ چکے تھے اگر موالی نیکیوں کے وارث ہوتے تو آپ کو اولاد کی خواہش نہ ہوتی۔پس آپ نے دعا کی کہ مجھے اپنی جناب سے ایسا بیٹا عطا کر جو اس علم وفضل اور نبوت کا وارث ہو جو آپ کو اور آپ کے آباء واجداد کو عطا ہوئی۔گویا وہ آپ کی نیکیاں اور کمالات بھی اپنے اندر رکھتا ہو اور آپ کے آباء کے کمالات واخلاق بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔نیز وہ تیرا پسندیدہ اور مقرب بھی ہو۔

۸۔غلام کے لفظ میں اشارہ تھا کہ یہ بچہ تیرے سامنے جوان ہوگا۔یحیٰی نام میں بشارت تھی کہ لمبی عمر پائے گا۔نیز اس نام میں یہ بھی اشارہ تھا کہ یہ بچہ گنہگار نہیں ہوگا۔جیسا کہ اس وقت بنی اسرائیل عام طور پر مختلف گناہوں میں ملوث تھے۔یحیٰی اور یوحنا نام تاریخ میں نہیں ملتے اور اگر کوئی

اَمۡرَاَتِیۡ عَاقِرًا وَّ قَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡکِبَرِ عِتِیًّا ﴿۹﴾ قَالَ

بیوی میری بانجھ اور یقیناً پہنچ گیا ہوں میں بڑھاپے بے حد کو فرمایا

کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّ قَدۡ خَلَقۡتُکَ مِنۡ قَبۡلُ

اسی طرح ہے فرمایا ہے رب نے تیرے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور یقیناً پیدا کیا میں نے تجھے پہلے

وَ لَمۡ تَکُ شَیۡئًا ﴿۱۰﴾ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّیۡۤ اٰیَۃً ؕ قَالَ اٰیَتُکَ

حالانکہ نہ تھا تو کچھ بھی اس نے کہا اے رب میرے بنا میرے لیے کوئی نشان فرمایا نشان تیرا یہ ہے کہ

ہو بھی تو آپ وہ واحد ہیں جن کا نام خدا تعالیٰ نے یحیٰی رکھا۔ **سمیًّا** کے معنی بے مثل کے بھی ہیں۔ گویا آپ اپنی کسی خاص صفت میں دوسرے انبیاءؑ سے منفرد ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہر نبی کسی خاص صفت کا مظہر ہوتا تھا۔ آپ کی خصوصیت دوسرے انبیاء کے مقابل یہ ہے کہ آپ پہلے نبی ہیں جن کے لئے کہا گیا کہ آپ ایلیا کا نام پا کر آئے ہیں۔ اُس کے مثیل ہیں اور مسیح کے ارہاص ہیں۔ ہاں آپ کے بعد حضرت عیسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاص تھے اور سید احمد بریلوی حضرت مسیح موعودؑ کے ارہاص تھے۔

حالانکہ ملاکی نبی کی کتاب میں ایلیا کے دوبارہ نزول کی خبر تھی (ملاکی ۴:۵) لیکن ایلیا زندہ ہو کر آسمان سے نہیں آیا جب مسیحؑ سے ایلیا کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ ''چاہو تو مانو ایلیا جو آنے والا تھا یہی ہے'' (متی ۱۱:۱۴) گویا آپ نے یحیٰیؑ کو ایلیا کا قائم مقام قرار دیا۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ یہود کے پاس ایسی کوئی مثال نہیں تھی اسی لئے ٹھوکر کھائی۔ لیکن افسوس مسلمانوں کے پاس مثال موجود ہے لیکن وہ پھر بھی مسیحؑ کو آسمان سے اتارنے پر تلے ہوئے ہیں۔

۹۔ **عتیًّا۔ عتی**۔ حد سے نکل جانا گویا بڑھاپے کی انتہا۔ پیرِ فرتوت۔

۱۰۔ ایسے عظیم الشان انعامِ خداوندی کے وعدہ پر آپ کا حیرت واستعجاب ایک قدرتی امر تھا۔ ارشاد ہوا کہ بیشک ایسا ہے یعنی جو تو کہتا ہے واقعہ وہی ہے۔ تیرے ربّ نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے یعنی قدرتِ خداوندی کے سامنے یہ کیا مشکل ہے۔ میں نے تو تجھے اس صورت میں پیدا کیا کہ تو کچھ بھی نہیں تھا یعنی جو خدا تجھے نیست سے ہست میں لا سکتا ہے اس کے لئے تجھے بیٹا دینا کیا مشکل ہے۔ یہاں روحانی پیدائش بھی مراد ہو سکتی ہے کہ روحانی لحاظ سے پہلے تیری کوئی بھی حیثیت نہیں تھی۔ لیکن ہم نے تجھے روحانی علوم سے نئی زندگی دی اور اب یہی علوم تیرے بیٹے کو بھی ملنے والے ہیں۔

اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿۱۱﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوۡمِهٖ

نہ بولے گا تو لوگوں سے تین راتیں برابر پس وہ نکلا اپنی قوم پر

مِنَ الۡمِحۡرَابِ فَاَوۡحٰۤی اِلَیۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُکۡرَۃً وَّ عَشِیًّا ﴿۱۲﴾

جائے عبادت سے پس اشارہ سے کہا انھیں کہ تسبیح کرو صبح اور شام

۱۱۔ آپ کو بطور نشان تین راتوں کے اعتکاف کا حکم دیا گویا یہ چپ کا روزہ تھا جیسا کہ اس وقت یہود میں دستور تھا۔ آیت ۲۷ میں حضرت مریم کو بھی ایسا روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ پس آپ کے لئے نشان یہی تھا کہ لوگوں سے بات نہ ہو اپنے ربّ سے راز و نیاز ہو۔ راتیں عبادت کے لئے خاص ہوتی ہیں اس لئے راتوں کا ذکر کیا حالانکہ دن بھی ان میں شامل تھے۔ موسیٰؑ کے لئے بھی تیس راتوں کا وعدہ تھا۔ بنی اسرائیل میں ایسے کئی ظاہری نشانوں کا ذکر ہے تا اسے پورا کرنے سے خدائی وعدہ اٹل ہو جائے اور وہ کسی اور رنگ میں پورا نہ ہو جیسے ختنہ کے لئے کہا کہ ''یہ اس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تیرے درمیان ہے'' (پیدائش ۱۷:۹ تا ۱۱)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ یہ نسخہ بہت مجرب ہے اور اب بھی نشان ہے۔ کلام نہ کرے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ ذکر اور تسبیح سے خاص قسم کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ بہت بولنے والے کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۵۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہؓ نے جب کام کی زیادتی کی شکایت کی اور ایک لونڈی کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہر نماز کے بعد مخصوص تسبیح کا حکم دیا۔ (اس میں بھی یہ سر تھا کہ ذکر الٰہی سے ضعف گھٹ جائے گا) (بخاری کتاب الدعوات باب التکبیر والتسبیح عند المنام) توریت کہتی ہے کہ آپ گونگے ہو گئے تھے۔ یہاں **سویًّا** کہا جس کے معنی درست کے ہیں گویا آپ ٹھیک ٹھاک تھے۔ آپ نے حکم الٰہی سے ایسا کیا ورنہ بولنے پر قادر تھے۔

۱۲۔ **اوحٰی**۔ وحی۔ نہایت آہستگی سے بات کرنا۔ **بُکرۃً**۔ صبح سے دوپہر تک کا وقت ہے جبکہ **عشیًّا** مغرب سے عشاء تک کا وقت ہے مراد پورا دن ہے۔

توریت (لوقا باب ۱۔ آیت ۵ تا ۲۲) میں ہے کہ یہ بشارت انہیں ہیکل میں خاص عبادت بجا لاتے ہوئے ملی۔ پس آپ نے عبادتگاہ سے نکل کر نہایت آہستگی سے بتایا کہ خدائی احکام کے مطابق میں تین دن رات ذکر الٰہی اور عبادت میں بسر کروں گا۔ تم بھی یہ دن ذکر الٰہی میں گذارو۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ گونگے نہیں ہوئے۔

یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَاٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا ﴿١٣﴾ وَّ

اے یحیٰی پکڑ کتاب مضبوطی سے اور دیا ہم نے اسے حکم بچپن میں اور

حَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً ؕ وَکَانَ تَقِیًّا ﴿١٤﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَیۡہِ

(دی ہم نے) رحمدلی اپنی جناب سے اور پاکیزگی اور تھا وہ متقی اور فرمانبردار اپنے ماں باپ کا

١٣۔**حُکم**۔حکمت یا کتاب اللہ کا فہم ہے۔علم و معرفت۔

یہاں سے رکوع کے آخر تک مسیحیت کے ردّ کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ قرآنِ کریم ایک مختصر کتاب ہے۔اکثر لمبے عرصہ کے واقعات کو چھوڑ کر ضرورت کی بات بیان کی جاتی ہے۔ یہاں بھی حضرت یحیٰیؑ کی پیدائش اور ان کی تربیت وغیرہ کو چھوڑ کر ان کی نبوت کا ذکر کیا۔کتاب سے مراد توریت ہے جس کے احکام پر مضبوطی سے عمل درآمد کا حکم دیا۔ چھوٹی عمر میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام سے نوازا اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔عیسائی لٹریچر اور نئے عہد نامہ میں آپ کا ذکر ہے۔ آپ کو تیس سال کی عمر میں نبوت ملی حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی **صبیًا** کا لفظ استعمال ہوا۔آپ کو بھی نبوت تیس سال میں ملی جبکہ بیشتر انبیاء چالیس سال کی عمر کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے۔ یہ بھی مراد ہے کہ جیسے آنحضرت ﷺ کو بہت بچپن سے سچی خوابیں آتی تھیں آپ کو بھی بچپن سے رویائے صادقہ آتے ہوں اور بعض خوشخبریوں سے نوازے جاتے ہوں۔

١٤۔**حنانًا**۔نہایت نرم دل۔شفیق۔حلیم۔رحیم۔حنّان اسمائے الٰہی میں سے ہے یعنی نہایت رحم والا۔

آپ کی خصوصیات اور صفات میں پہلے آپ کو حُکم سے نوازا۔پھر فرمایا کہ ہم نے اپنی جناب سے اسے نرمی بخشی یعنی آپ نہایت حلیم اور بندگانِ خدا کے لئے بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ زکوٰۃ میں آپ کی پاکیزگی اور تقدس کی طرف اشارہ ہے۔یعنی آپ اندرونی طور پر نیک اور پاکیزہ خیالات و اخلاق کے مالک تھے پھر فرمایا آپ نہایت متقی تھے۔تقویٰ میں بیرونی کمزوریوں سے بچنے اور نیکیوں میں ترقی کی طرف اشارہ ہے۔ان تینوں صفات سے انبیاء شروع ہی سے نوازے جاتے ہیں۔پہلی شفقت علیٰ خلق اللہ ہے جو رحم دلی سے پیدا ہوتی ہے۔دوسری زکوٰۃ یعنی تزکیہ۔تیسری اتقا یعنی ہر چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بچنا۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے تقویٰ کی نہایت عمدہ تعریف فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ابی بن کعبؓ سے دریافت فرمایا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت کعبؓ نے فرمایا امیر المومنین!

وَلَمۡ یَکُنۡ جَبَّارًا عَصِیًّا ﴿١٥﴾ وَسَلٰمٌ عَلَیۡہِ یَوۡمَ وُلِدَ وَیَوۡمَ

اور نہ تھا وہ ظالم سرکش اور سلامتی ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن

آپ کبھی ایسے راستے سے گزرے ہیں جو کانٹوں سے پُر ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ایسا کئی بار ہوا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا! ایسے موقع پر آپ نے کیا کِیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا! دامن سمیٹ لیا اور نہایت احتیاط سے چلا۔حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا! بس اسی کا نام تقویٰ ہے۔یہ دنیا ایک خارستان ہے۔گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے۔ جو اپنا دامن بچا کر نکل گیا وہی متقی ہے۔حافظ شیرازی نے اپنے شاعرانہ انداز میں یوں کہا۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

دریا کے عین بیچ مجھے تختہ سے باندھ کر پھینک دیا۔ پھر کہا کہ ہوشیار رہنا دامن تر نہ ہو۔ تاہم تقویٰ کمالِ انسانی نہیں۔ بلکہ کمالِ انسانی کی پہلی سیڑھی ہے۔ آخری منزل فلاح کے مقام کو پانا ہے۔ جیسا کہ شروع قرآن میں صرف چار آیات میں وضاحت فرمائی (سورۃ بقرہ آیت ٣ تا ٦)

١٥۔**برًّا**۔نہایت فرمانبردار۔نرمی اور محبت کا سلوک کرنے والا۔**عصیًّا** بمعنی عاصی نافرمان۔

ان آیات میں بتایا کہ آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد کماحقہٗ ادا کرنے والے تھے۔ یہ کہ آپ اپنے والدین سے نہایت نرمی اور محبت کا سلوک کرنے والے تھے۔قرآنِ کریم میں آپ کی جتنی خوبیاں بیان ہوئی ہیں قریباً وہی مسیحؑ کے لئے بھی بیان کی گئی ہیں۔اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ جن صفات کی وجہ سے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو غیر معمولی فضیلت دیتے ہیں وہی صفات یحیٰیؑ میں بھی پائی جاتی تھیں۔حالانکہ آپ رتبہ میں حضرت مسیحؑ سے کم درجہ پر تھے اور مسیحؑ کے لئے بطور ارہاص تھے۔ جیسا کہ انجیل میں ہے کہ آپ منادی کرتے پھرتے تھے کہ ”توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت قریب آگئی ہے“ (متی ٣:٢) آپ نے فرمایا! ”میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو“ (یوحنا ١:٢٣) تفصیل کے لئے ال عمران: ٣٩ تا ٤٢۔آپ حضرت عیسیٰؑ کے خالہ زاد بھائی تھے اور آپ سے چھ ماہ بڑے تھے۔آپ یوحنا بپتسمہ دینے والے مشہور تھے یعنی توبہ سے پہلے غسل کرواتے تا روح کے ساتھ جسم بھی پاک ہو جائے۔جیسا کہ اسلام میں بھی قبولِ اسلام کے لئے کلمہ پڑھنے سے پہلے غسل مستحب ہے۔اس زمانے میں یہود کا فرمانروا ہیرودانیٹی پاس

يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٦﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ

وہ مرے گا اور جس دن اٹھایا جائے گا زندہ کر کے اور ذکر کر اس کتاب میں مریم کا

تھا جو رومن تہذیب کے زیرِ اثر تھا اور نہایت فاسق و فاجر تھا۔ تاہم حضرت یحییٰؑ کا احترام کرتا تھا اور آپ کو راستباز سمجھتا تھا۔ نیز عوام میں آپ کی غیر معمولی عزت و شہرت کی وجہ سے ڈرتا تھا۔ ہیرود نے اپنے بھائی فلپ کی بیوی کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ آپ اسے لعنت ملامت کرتے اس پر وہ عورت آپ کی جانی دشمن ہو گئی اور آپ کو قید کر کے جیل بھجوا دیا۔ ایک جشن کے موقعہ پر جب اس ملکہ نے بادشاہ کو خاص مہربان دیکھا تو فرمائش کی کہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں رکھ کر پیش کیا جائے۔ یہ سن کر بادشاہ غمگین ہوا لیکن اپنی محبوبہ کی فرمائش نہ ٹال سکا اور اسے پورا کیا۔ (متی ۱۴:۳۔۱۲۔ مرقس ولوقا) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ متی کے اس بیان میں آپ کی شہادت کی خبر غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاص نصرتِ الٰہی سے بچا لئے گئے۔ نبی کا درجہ شہید سے بڑھ کر ہے اسے گھٹا کر شہید پر نہیں لایا جا سکتا۔ نبی کو مخالفین تکالیف شدیدہ تو دے سکتے ہیں لیکن اس کے قتل پر قادر نہیں ہو سکتے۔ آپ کی قتل کی افواہ اس لئے پھیلی کہ آپ حکمران کے عتاب سے ڈر کر روپوش ہو گئے اور ترکی کے ایک جزیرہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ وہاں سے آپ اپنے مکاشفات لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے جن میں آپ کے مریدوں کے لئے نصائح تھیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کی تحقیق کے مطابق اس جزیرہ میں جو یوحنا رہتا تھا وہ بپتسمہ دیا کرتا تھا۔ وہاں یادگار کے طور پر وہ عمارتیں موجود ہیں جہاں آپ سمندر میں غوطہ دے کے بپتسمہ دیا کرتے تھے۔ سارے جزیرے میں بپتسمہ بپتسمہ لکھا ہوا ہے گویا مکاشفات والے یوحنا آپ ہی تھے جو بپتسمہ دینے والے یوحنا مشہور ہوئے۔

۱۶۔ یہاں بتایا کہ آپ مسلسل سلامتی کے سائے میں رہے کیونکہ انسانی زندگی کے تینوں ادوار میں آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کے مورد رہے۔ پیدائش کے بعد زندگی کا پہلا دور شروع ہوتا ہے۔ موت کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے اور برزخی زندگی ملتی ہے۔ آخر یومِ بعث میں اخروی اور ہمیشہ کی زندگی عطا ہوتی ہے۔ گویا ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص سلامتی آپ کے شاملِ حال رہی۔ یہاں روحانی سلامتی مراد ہے ورنہ مرنے کے بعد سلامتی کے کیا معنی۔ چونکہ مسیح کو مسِ شیطانی سے پاک قرار دے کر اسے دوسروں سے منفرد ثابت کیا جاتا ہے۔ اس لئے بتایا کہ دوسرے انبیاء بھی دنیا میں سلامتی کی حالت میں آئے یعنی مسِ شیطانی سے محفوظ تھے۔

إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٧﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ

جبکہ وہ دور چلی گئی اپنے گھر والوں سے جگہ مشرق میں پس بنایا اس نے

دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا

ورے ان کے پردہ پھر بھیجا ہم نے طرف ان کی اپنا فرشتہ پس وہ مجسم ہو گیا اسکے لیے

بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ

انسان پورا اس نے کہا یقیناً میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر

پس مسیح کی یہ ایسی خصوصیت نہیں کہ اسے خدائی میں شریک کیا جائے۔ سلامتی کا لفظ وسیع معانی میں استعمال ہوتا ہے کبھی ناکامیوں سے بچانے پر کبھی دشمنوں اور بیماریوں وغیرہ سے محفوظ رکھنے پر۔ یہ لفظ بھی بتا رہا ہے کہ آپ شہید نہیں ہوئے۔

۱۷۔ **انتبذت**۔ نبذ۔ الگ ہونا۔

قرآن کریم میں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے واقعات تفصیل سے بار بار بیان کرنے کا مقصد یہود کے لگائے گئے گھناؤنے الزامات سے آپ دونوں کو بری ثابت کرنا تھا۔ اس کا اعتراف مستشرقین نے بھی کیا۔ مشہور مستشرق Garbales نے اقرار کیا کہ قرآن نے مسیح کو پاک قرار دیا اور اس کی ماں کو بھی۔

حضرت مریم کی ابتدائی زندگی کے حالات کی تفصیل آل عمران رکوع ۴، ۵ میں گذر چکی ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو ہیکل کی خدمت کے لئے وقف کیا اور دینی تعلیم و تربیت کے لئے ہیکل میں حضرت زکریا کے سپرد کیا۔ یہاں حضرت مریم کی بلوغت کے بعد کے واقعات زیادہ تفصیل سے بیان فرمائے جبکہ آپ کا ہیکل میں رہنا مناسب نہیں تھا۔ ممکن ہے مخصوص ایام کی وجہ سے آپ اپنے گھر گئی ہوں کیونکہ ان دنوں وہ ہیکل میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ پھر اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر کسی شرقی مکان میں جانے کا ذکر کیا۔ یہود و نصاریٰ میں مشرق کا خاص احترام ہے۔ توریت میں باغِ عدن کا مشرق کی طرف بنانے کا ذکر ہے جس میں آدمؑ کو رکھا۔ (پیدائش ۸:۲) مسیحؑ کا ستارہ بھی مشرق سے نکلا اس لئے بعض ہیکل ایسے تھے جن کے دروازے مشرق کی طرف بنائے جاتے تھے اور وہ عبادت بھی مشرق کی طرف منہ کر کے ادا کرتے تھے۔ پس حضرت مریمؑ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایسی عبادتگاہ میں گئیں جو مشرق میں تھی یا اس کا رخ مشرق کی طرف تھا۔

۱۸۔ روحنا۔ **روح الامین**۔ روح القدس۔ حضرت جبرائیلؑ۔

كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ

ہے تو متقی اس نے کہا سوائے اسکے نہیں کہ میں بھیجا ہوا ہوں رب کا تیرے تاکہ بخشوں تجھے

غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ

لڑکا پاک اس نے کہا کیونکر ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں چھوا مجھے

چونکہ حضرت مریمؑ کی اب تک کی پوری زندگی عبادت اور ذکر الٰہی میں بسر ہوئی۔ اس لئے ممکن ہے کہ آپ اپنے گھر والوں سے الگ دعا یا اعتکاف وغیرہ کے لئے کسی مشرقی عبادتگاہ میں چلی گئی ہوں اور خلوت کے حصول کے لئے پردہ کھینچا ہو۔ ویسے بھی قدیم زمانہ میں عموماً کمروں کے دروازوں کا رواج نہیں تھا صرف مکان کا بیرونی دروازہ ہی ہوتا تھا اور تخلیہ کے لئے پردے گرائے جاتے تھے جیسا کہ مغلیہ عمارتوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کو ایسی وحی نہیں ہوئی کہ آواز سنائی دیتی یا زبان پر جاری ہوتی بلکہ آپ کو کشفی رنگ میں حضرت جبرائیلؑ ایک تندرست اور جاذب نظر مرد کی شکل میں نظر آئے جنہوں نے بشارت دی۔

١٩۔ حضرت مریمؑ نے اس کشف کو حقیقت پر محمول کیا۔ **روح الامین** ایسی شکل میں متمثل ہوئے کہ حضرت مریمؑ کو آپ کی شکل دیکھ کر خوف محسوس نہیں ہُوا البتہ اپنی کمزوری اور اکیلے پن کی وجہ سے خوفزدہ ہوئیں۔ حضرت مریمؑ کا یہ کہنا کہ میں تجھ سے رحمٰن خدا کی پناہ مانگتی ہوں آپ کے خیالات کی انتہائی پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے۔ عیسائیت کی بنیاد ہی اس عقیدہ پر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن کے منکر ہیں یعنی وہ بغیر کسی عمل کے اپنی نعمتوں سے متمتع نہیں کرتا۔ لیکن حضرت مریمؑ سخت گھبراہٹ کے وقت خدائے رحمٰن کا واسطہ دیتی ہیں کہ میرے عمل تو کسی قابل نہیں لیکن تیری رحمت کی امیدوار ہوں نیز یہ کہ ایک متّقی سے ہی کسی بھلائی کی امید ہو سکتی ہے۔

٢٠۔ **زکیًا**۔ زکوٰۃ سے ہے یعنی ایسا شخص جس میں اندرونی پاکیزگی پائی جاتی ہو۔

فرشتہ نے خود کو صرف پیغامبر کہا جو یہ بشارت دینے آیا تھا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں۔ پس فرشتے کا لڑکا عطا کرنے کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا محض سبب کی بنا پر ہے ورنہ حقیقت میں عطا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جیسا کہ آل عمران ٣:٤٥ میں فرمایا **ان اللّٰہ یبشرک**۔ خدا تعالیٰ کی خبر چونکہ یقینی ہوتی ہے اس لئے کبھی ماضی کے صیغہ میں کہی جاتی ہے کہ گویا ہو ہی چکی ہے۔ یہاں اس انداز سے کہا کہ جیسے بشارت نہیں دے رہا گویا لڑکا ہی دے رہا ہوں۔ آیت ٢٢ میں بھی لڑکے کی پیدائش کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا نہ کہ فرشتہ کی طرف۔ **زکیًا** میں بتایا کہ وہ پاک

بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢١﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ

کسی انسان نے اور نہیں ہوں میں بدکار اس نے کہا اسی طرح ہے فرمایا رب نے تیرے وہ مجھ پر

هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا

آسان ہے اور تاکہ بنادیں ہم اُسے نشان لوگوں کیلئے اور رحمت طرف سے اپنی اور ہے یہ معاملہ

ہوگا۔ اس کی پیدائش کسی گناہ کے نتیجہ میں نہیں ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے تحت ہوگی جس میں کوئی انسانی دخل نہیں ہوگا جیسا کہ آپ نے رحمٰن خدا سے ہی پناہ مانگی تھی۔

٢١۔ **بغیًا**۔ بغی۔ بغی سے مراد لونڈی ہے بدکار ہو یا نہ ہو۔ عام طور پر بدکار کے لئے آتا ہے۔ یہ جان کر کہ یہ فرشتہ ہے اور خدا کی طرف سے بیٹے کی بشارت لے کر آیا ہے۔ حضرت مریمؑ کی گھبراہٹ دور ہوئی لیکن تعجب کا اظہار قدرتی امر تھا کہ نہ ابھی نکاح ہوا اور نہ ہی بدکردار ہوں تو بچہ کیونکر ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ یہ سمجھ رہی تھیں کہ یہ کسی ایسے بچے کی بشارت نہیں جو نکاح کے بعد ہوگا ورنہ حیرت کا اظہار نہ کرتیں۔ نہ چھونے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ پاکیزگی کے اس مقام پر تھیں کہ فرشتہ نے بھی آپ کو نہیں چھوا۔

٢٢۔ **مقضیًا**۔ قضا وہ تقدیر ہے جو ٹلنے والی نہ ہو جبکہ قدر وہ تقدیر ہے جو ٹل سکتی ہو خواہ دعا سے یا صدقہ و خیرات سے یا مشیت الٰہی سے گویا قدر ایک سکیم ہے جبکہ قضاء اس سکیم کے جاری ہونے کا فیصلہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک غار کے پاس سے گذرے جہاں کچھ پتھر گرنے کو تھے آپ ﷺ بھاگ کر آگے نکل گئے۔ کسی نے کہا **اتفرمن قضاء اللّٰہ**؟ کیا آپ اللہ کی قضا سے بھاگتے ہیں؟ فرمایا **افرمن قضاء اللّٰہِ الیٰ قدر اللّٰہ** میں اللہ کی قضا سے اس کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں۔ آپ ﷺ کا مفہوم یہی تھا کہ جب تک قدر قضا کا رنگ اختیار نہیں کرتی اس وقت تک کوشش اور امید بجا ہے۔

آپ کے بن باپ پیدا ہونے میں نشان یہ تھا کہ اب بنی اسرائیل میں کوئی مرد اس مقام پر نہیں کہ اس کی اولاد میں سے نبی ہو۔ پس اب ابراہیمی نور نبوت کو بنی اسرائیل سے اس کی دوسری شاخ بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل کیا جانے والا تھا۔ بیشک دنیا میں چند ایک بچیوں کی ولادت بن باپ ثابت ہے لیکن بہت ہی شاذ۔ جبکہ بیٹے کی پیدائش کا کیس ایک بھی نہیں۔ تاہم عیسیٰؑ کی ولادت اللہ تعالیٰ کا خاص نشان تھی۔

مَقْضِيًّا ﴿۲۲﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۳﴾

فیصلہ شدہ — پس حمل میں لیا اس نے پس دور لے گئی — اسے — جگہ — دور میں

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ

پس لے گیا اسے — دردِ زہ — طرف — تنہ — کھجور کے — اس نے کہا — اے کاش میں

آپ بطور رحمت تھے اس لئے کہ پیار اور محبت کا پیغام لے کر آئے تھے آپ کا بہت بڑا کمال آپ کی رحم کی تعلیم تھی۔ پس آپ یہود کے سخت احکام میں نرمی پیدا کرنے آئے تھے۔ نیز اس لحاظ سے بھی رحمت تھے کہ جس طرح ایلیاہ کے بعد آپ نے آنا تھا اسی طرح آپ کے بعد رحمۃ للعالمین کا ورود ہونا تھا گویا آپ نہ صرف خود رحمت تھے بلکہ ایک عظیم رحمت کے لئے راہ تیار کرنے آئے تھے۔ چونکہ یہ بشارت حضرت مریمؑ کے لئے بہت بڑی ابتلاء بھی تھی اس لئے فرمایا کہ تیری کسی تدبیر یا دعا سے یہ ٹلنے والی نہیں۔

۲۳۔**قصیًّا**۔ قصی۔ دور۔ اسی سے مسجدِ اقصیٰ ہے۔

یہاں حضرت عیسیٰؑ کو حمل میں لینے کا ذکر ہے۔ یہی دلیل عقیدہ الوہیت مسیح کے ردّ میں آنحضرت ﷺ نے وفد نجران کے سامنے پیش کی کہ جسے عورت حمل میں لیتی ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ ہیکل سے حضرت مریمؑ اپنے والدین کے گھر آئیں وہاں کسی عبادتگاہ میں آپ کو بیٹے کی بشارت ملی اور آپ حاملہ ہوئیں۔ انجیل میں ہے کہ یوسف کو فرشتہ نے مریمؑ کے حمل کی اطلاع دی اور وہ مریمؑ کو اپنے گھر ناصرہ میں لے گیا لیکن مسیح کی ولادت تک مریمؑ سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ ان حالات میں بچے کی ولادت سے پہلے کسی دوسری جگہ چلے جانا ایک ضروری امر تھا تا کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ان کے طعن و تشنیع سے بچی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام اس طرح کیا ''ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اگسطس کی طرف سے یہ حکم جاری ہُوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی (مردم شماری) سوریہ کے حاکم کورینس کے عہد میں ہوئی اور سب لوگ نام لکھوانے اپنے اپنے شہر کو گئے۔ یوسف بھی گلیل کے شہر ناصرہ سے داؤد کے شہر بیت اللحم کو گیا جو یہودیہ میں ہے۔ اس لئے کہ وہ داؤد کے گھرانے اور اولاد سے تھا۔ تا کہ اپنی منگیتر مریم کے ساتھ جو حاملہ تھی نام لکھوائے۔'' (لوقا ۲: ۱تا۴) آگے لکھا ہے کہ چونکہ بیت اللحم میں بہت سے لوگ نام لکھوانے کے لئے آئے ہوئے تھے اس لئے انہیں سرائے میں جگہ نہ ملی اور کہیں باہر ٹھہرے۔ وہیں حضرت مریمؑ کو دردِ زہ شروع ہُوا اور آپ نے بچہ جنا۔ (لوقا ۲: ۷) ناصرہ سے جنوب کی طرف بیت اللحم ستر میل کے فاصلہ پر ہے اسی لئے **مکانًا قصیًّا** کہا۔

مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۴﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ

مرجاتی — پہلے — اس کے — اور ہوتی — میں بھولی — بسری — پس پکارا اسے

تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۵﴾ وَ

نیچے سے اس کے کہ نہ — غم کھا — یقیناً — بنایا ہے رب نے تیرے — نیچے تیرے — ایک چشمہ — اور

هُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۶﴾

ہلا — طرف اپنی — تنہ — اس کھجور کا وہ گرائے گی — تجھ پر — تازہ کھجوریں پکی ہوئی

۲۴۔**مخاض**۔ دردِ زہ۔ **جذع**۔ تنا۔

چونکہ آپ سرائے سے باہر کھلے میدان میں تھیں جو جانوروں کے لئے مخصوص تھا اس لئے ولادت کے وقت کسی درخت کی آڑ میں چلے جانا قدرتی امر ہے تا کہ کچھ پردہ ہو جائے اور سہارا بھی میسر آ جائے۔ حضرت مریم کی کسمپرسی کا اندازہ لگائیں غریب الوطنی، بے سرو سامانی، لوگوں کی لعنت ملامت کا خوف اس پر صغر سنی میں کنواری ہونے کی حالت میں بچے کی ولادت ایک نہایت تکلیف دہ مرحلہ تھا۔ ایسے حالات میں **نسیًا مّنسیًّا** جیسے الفاظ منہ سے نکل جانا کچھ عجیب نہیں بلکہ آپ کی معصومیت پر دال ہیں۔ یہاں تفصیل اس لئے بتلائی کہ جسے تم خدا کہتے ہو اس کی ولادت کس بیکسی کی حالت میں ہوئی اور اس کی ماں نے بھی اسی طرح اسے جنا جس طرح دوسری عورتیں جنتی ہیں۔

۲۵۔**سریًّا**۔ سریٰ سے ہے یعنی چلنے والی چیز مراد چشمہ۔

بیت اللحم یروشلم سے جنوب کی طرف پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اور نہایت سرسبز اور زرخیز ہے۔ اس کے ارد گرد سرسبز وادیاں ہیں۔ اس پہاڑی کے اندر دو تین چشمے ہیں جنہیں چشمہ سلیمان کہتے ہیں۔ ان سے سارے شہر کو نالیوں کے ذریعہ پانی جاتا ہے۔ چونکہ حضرت مریم وہاں نو وارد تھیں لہٰذا انہیں پہاڑی کے نشیب میں چشمے کا علم نہیں تھا یا ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آپ کے لئے اسی وقت چشمہ جاری کیا ہو۔ غرض اس شدید تکلیف اور کرب کے عالم میں آپ کو نشیب سے فرشتہ نے آواز دی کہ غم نہ کر اللہ تعالیٰ نے تیرے کھانے پینے کا انتظام کر دیا ہے۔ نیچے چشمہ بہ رہا ہے، اپنی اور بچے کی صفائی کر۔

۲۶۔**هُزِّیْ**۔ **هُزّ**۔ زور سے ہلانا۔ **رطب**۔ تازہ۔ اس کی ضد یابس بمعنی خشک ہے۔ رطب تازہ کھجوروں کے لئے مخصوص ہے۔ **جنیًّا**۔ جنی۔ پھل کے چننے پر بولا جاتا ہے جنی وہ ہے جو چنا گیا اس کا استعمال تازہ اور عمدہ پھل پر ہے۔

حضرت مریمؑ کے لئے اس ذہنی اور جسمانی تکلیف کے وقت ویرانے میں چشمے کا صاف پانی او رتازہ پکی ہوئی کھجوروں کا میّسر آنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھا۔قرآنِ کریم میں انعامات خداوندی کے ضمن میں اکثر پھلوں کا ذکر آیا ہے لیکن سب سے زیادہ کھجور کا ذکر ہے جو مختلف ناموں سے قریباً بیس دفعہ آیا ہے۔بیشک کھجور عرب میں بکثرت پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت تھی۔لیکن آج بھی اطباء کی نظر میں یہ اپنی افادیت کے لحاظ سے ایک منفرد پھل ہے۔ کھجور کے درخت کی ہر چیز کارآمد ہے۔لکڑی عمارات اور فرنیچر وغیرہ بنانے کے کام آتی ہے جبکہ پتوں سے بہت سی مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ یہانتک کہ اس کی گٹھلیاں بھی جانوروں کے لئے بہترین چارہ ہیں۔ کھجور ایک مکمل غذا اور بہترین ٹانک ہے شاید اسی لئے عرب کئی کئی دن صرف کھجور اور پانی پر گزارہ کر لیتے تھے۔اس کے بیشمار طبی فوائد ہیں۔اس میں شکر، سٹارچ، پروٹین اور چربی کے علاوہ وٹامن اے، وٹامن بی، وٹامن بی II اور وٹامن سی پائے جاتے ہیں۔معدنی اجزا میں سوڈیم، کیلشیم، سلفر گلورین، فاسفورس اور آئرن پائے جاتے ہیں۔بلغم اور سردی کے اثر سے پیدا ہونے والی بیماریوں میں خاص مفید ہے۔دماغ کا ضعف مثانی اور یادداشت کی کمزوری کا بہترین علاج ہے۔یہی وجہ ہے کہ عربوں کا حافظہ بلا کا تیز ہوتا ہے۔قلب اور گردوں کو تقویت دیتی اور خون کی کمی کو دور کرتی ہے۔سانس کی بیماریوں بالخصوص دمہ میں مفید ہے۔دافع قبض اور پیشاب آور ہے۔قوتِ باہ کو بڑھاتی ہے۔طب نبوی میں کھجور کی بڑی افادیت بیان کی گئی ہے۔آنحضرت ﷺ کو کھجور بے حد پسند تھی۔ آپ ﷺ نے روزانہ صبح سات کھجوریں کھانے کی تلقین فرمائی۔(بخاری) جو بطور ناشتہ کافی ہیں۔آپ ﷺ طاق تعداد میں نوش فرماتے تھے۔ عیسائی تاریخ حضرت مسیحؑ کی پیدائش ۲۵ دسمبر بتاتی ہے۔قرآنِ کریم آپ کی پیدائش اس موسم میں بتاتا ہے جب کھجوریں پکی ہوئی تھیں یعنی درخت پر پک کر نرم ہو چکی تھیں۔یہ جولائی، اگست کے مہینے ہیں۔حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی پیدائش ۱۵ جولائی سے ۵ اگست کے درمیان ثابت کی ہے۔(تفسیر کبیر) اگر حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ۲۵ دسمبر کو تسلیم کی جائے تو عرب کے شمال میں فلسطین کے علاقہ میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر یہ مقام ہے جو سطح سمندر سے ۲۳۵۰ فٹ بلند ہے، جہاں دسمبر میں سخت بارش، دھند اور برفباری ہوتی ہے۔ شدید سردی کے موسم میں حضرت مریمؑ اور یوسف کا کھلے میدان میں قیام اور بچے کی ولادت، پھر چشمہ کے یخ بستہ پانی سے زچہ اور بچہ کا غسل وغیرہ قطعاً ممکن نہیں۔انجیل میں ہے کہ اس میدان میں چرواہوں نے اپنے جانور رکھے ہوئے تھے اور مسیح کو کپڑے میں لپیٹ کر چرنی (کھرلی جس میں جانوروں کو چارا دیا جاتا ہے) میں رکھا۔اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دسمبر کا مہینہ نہیں تھا ورنہ جانور باڑوں میں بند ہوتے۔

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ

پس کھا اور پی اور ٹھنڈی کر آنکھ پھر اگر دیکھے تو انسانوں میں سے

اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ

کسی کو پس کہیو کہ میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لیے روزہ کی پس ہرگز نہیں کلام کروں گی

الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۷﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا

میں آج کسی انسان سے پس وہ لائی اسے اپنی قوم کے پاس اٹھائے ہوئے اسے انہوں نے کہا

۲۷۔**قَرِّی**۔قرار سے ہے یعنی سکون۔**انسیًّا**۔انسان۔

غریب الوطنی کی شدید مشکلات میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کا بندوبست کیا اور آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے بیٹے سے نوازا۔ اب اپنے ربّ کا شکر ادا کرنے کے لئے خاموشی کے روزے کا حکم دیا تاکہ ذکرالٰہی اور خاموشی سے تقویت پیدا ہو اور لوگوں کے پریشان کُن سوالات سے بھی بچی رہیں۔آپ نفاس کی حالت میں تھیں جس میں روزہ جائز نہیں ہوتا۔اس لئے یہ کھانے پینے سے پرہیز کا روزہ نہیں تھا صرف خاموشی سے ذکرالٰہی کا روزہ تھا۔جیسا کہ یہود میں چپ کے روزہ کا دستور تھا۔اسلام میں ایسے روزے سے منع فرمایا گیا البتہ حیض و نفاس میں ذکرالٰہی اور زبانی قرآنِ کریم پڑھنا جائز ہے۔ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں کئی برس خاموشی سے عبادتِ الٰہی کی جس نے آپ ﷺ کی روحانی قوتوں کو جلا بخشی۔ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا کچھ عرصہ کے لئے خاموش رہو اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور یہ خاموشی دینی معاملات میں مددگار ثابت ہوگی۔ایک موقع پر فرمایا! کم بولو، کم کھاؤ اور کم سوؤ تاکہ خوش و خرم رہ سکو۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔(احمد۔ترمذی۔دارمی۔بیہقی)

دوسرے مذاہب میں بھی خاموشی کو روحانی بالیدگی کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔مہاتما بدھ نے برسوں گوتا میں ایک بڑ کے درخت کے نیچے مراقبہ کیا اور آخر گیان حاصل کیا یہاں تک کہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے۔ اسلام نے اپنے نفس کا حق بھی رکھا ہے اور بیوی بچوں کا بھی اس لئے تمام امور میں میانہ روی کی تعلیم دی۔ شدید ریاضت اور عبادت سے منع فرمایا۔حضرت حکیم لقمانؑ جن کی حکمت و دانائی کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں مثال دی اپنے ساتھی کو اپنی فضیلت کا راز بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”مجھے یہ مقام صرف دو باتوں کی بدولت نصیب ہوا۔اوّل سچ بولنے سے دوئم بلاضرورت بات

يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۸﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ
اے مریم یقیناً یقیناً کیا ہے تونے کام بُرا اے بہن ہارون کی نہ تھا

اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۹﴾ فَاَشَارَتْ
باپ تیرا آدمی بُرا اور نہ تھی ماں تیری بدکار پس اشارہ کیا اس نے

نہ کرنے سے۔‘‘ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے دو کام بتاتا ہوں جن پر عمل کرنا انسان کے لئے کچھ بھاری نہیں لیکن میزانِ عمل میں وہ سب سے بھاری ہوں گے۔ایک حُسنِ خلق دوسرا زیادہ خاموش رہنا یعنی بلاضرورت کلام نہ کرنا۔ حقیقت یہ ہے کہ زیادہ بولنے والے اپنی ذہنی مفلسی کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔عملی زندگی میں خاموشی سے مراد ترکِ دنیا کا درس دینا مقصود نہیں بلکہ گفتگو میں اعتدال پیدا کرنے کی ترغیب ہے۔

۲۸۔**تحمل** کے معنی گود میں اٹھانا ہی نہیں سوار کر کے لانا بھی مراد ہے (لسان العرب) جیسا کہ التوبہ:۹۲ میں تحمّل کا لفظ جنگ تبوک کے موقع پر سواری مہیا کرنے کے لئے آیا ہے نہ یہ کہ آنحضرت ﷺ مجاہدین کو گود میں اٹھا کر لے جائیں۔نیز تائید کے معنی بھی دیتا ہے۔

فریًّا۔فریُ۔ قطع کرنا۔بناوٹی۔عجیب۔

قرآنِ کریم اکثر لمبے عرصہ کے واقعات چھوڑ کر مطلب کی بات بیان کرتا ہے۔یہاں بھی آپ کے بچپن وغیرہ کا ذکر نہیں۔جیسا کہ یحییٰؑ کے لئے پیدائش کے فوراً بعد نبوت کا ذکر کیا۔حضرت مریمؑ لوگوں کی ملامت کے ڈر سے بھاگی تھیں۔پھر فوراً بچے کو لے کر آنا بعید از عقل ہے۔آپ کے یروشلم میں ورود کو انجیل نے اس طرح بیان کیا کہ ’’گدھی اور اس کے بچے کو لا کر اپنے کپڑے ان پر ڈالے اور وہ ان پر بیٹھ گیا‘‘ (متی ۲۱:۷) ناصرہ میں بھی آپ کا آنا ثابت ہے۔دعویٔ نبوت کے بعد حضرت مریمؑ آپ کو اپنی قوم کے پاس لے آئیں جو یروشلم کے نواح میں آباد تھی۔**تحملہٗ** میں انجیل کے اس دعویٰ کا بھی رد ہے کہ مریمؑ آپ پر ایمان نہیں لائیں۔ یہاں بتایا کہ مریمؑ آپ پر ایمان لائیں، آپ کے دعویٰ کی تائید کی اور آپ کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں۔آپ کو **شیئًا فریًّا** اس لئے کہا کہ بقول اُن کے آپ خود بھی ایک غلط حرکت کی مرتکب ہوئی تھیں پھر بیٹا بھی ایسا انوکھا لائیں جس نے یہودی کاہنوں اور فریسیوں کے لئے نہایت سخت الفاظ استعمال کئے اور ان کے غیر شرعی رسم و رواج اور سیرت و کردار پر سخت نکتہ چینی کی جیسا کہ انہیں ’’اے سانپو! اے افعی کے بچو‘‘ (متی ۲۳:۳۳) وغیرہ کہا۔یہ جرأت اس زمانہ میں یقیناً ایک نئی اور انوکھی بات تھی۔

اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۳۰﴾ قَالَ
طرف اسکی انہوں نے کہا کیوں کر بات کریں ہم اس سے جو ہے گود میں بچہ اس نے کہا

اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۱﴾ وَّجَعَلَنِيْ
یقیناً میں بندہ ہوں اللہ کا دی ہے اس نے مجھے کتاب اور بنایا ہے مجھے نبی اور بنایا ہے مجھے

مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا
پاک جہاں کہیں ہوں میں اور تاکید کی ہے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی جب

۲۹۔ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ کے کسی بھائی کا نام ہارون ہوگا جیسا کہ عموماً لوگ اپنے بزرگوں کے نام پر اولاد کا نام رکھتے ہیں ورنہ یہ حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہارونؑ نہیں تھے جیسا کہ آپ کے شوہر کا نام بھی حضرت یوسفؑ کے نام پر یوسف تھا۔ چونکہ حضرت مریمؑ حضرت ہارونؑ کی قوم سے تھیں اس لئے ممکن ہے بطور طنز کہا ہو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیوی بی بی صفیہؓ جو خیبر کے یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔انہیں رسول اللہ ﷺ کی دوسری بیبیوں نے طعن کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے کیوں نہ کہا کہ میرا باپ ہارونؑ چچا موسیٰؑ اور خاوند محمد ﷺ ہے۔دراصل یہاں بھی یہود کی مراد یہی تھی کہ تیرا خاندان تو نیک اور پارسا تھا۔پھر تو نے اس بچے کی کیسی تربیت کی کہ بزرگان قوم کی شان میں گستاخی کرتا اور ان [illegible]ئد پر علی الاعلان نکتہ چینی کرتا ہے۔

۳۰۔**مہد**۔پنگھوڑا۔جھولا۔

حضرت مریمؑ نے خود پر اور مسیحؑ پر لگائے گئے الزامات کا جواب دینے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا۔**کان** کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس وقت آپ بچپن سے نکل چکے تھے۔آپ تیس سال کے جوان تھے لیکن بزرگ کاہنوں، فقیہوں اور فریسیوں کے سامنے آپ ایک بچہ ہی تھے۔علماء یہود نے بطور حقارت اور تکبر بھی کہا کہ اس کل کے لونڈے سے ہم کیا بات کریں جو کل تک جھولے میں تھا۔جیسے عام طور پر بزرگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ہمارے سامنے دودھ پیتا بچہ ہے۔**مہدت لہ تمہیدا** (مدثر:۱۵) یہاں بھی یہ مراد نہیں کہ کفار کے لئے جھولے لگائے یا بستر بچھائے بلکہ محاورۃً اس کا مطلب یہ ہے کہ ترقی کی راہوں پر چلایا پس یہاں بھی مطلب یہ ہے کہ ترقی کی ان ابتدائی منازل میں یہ ہمارے جیسے کہنہ مشق، عمر رسیدہ علماءِ دین سے بات کرنے کا کہاں اہل ہے۔

۳۱ تا ۳۳۔بعض مسلمان مفسرین نے بھی عیسائیوں کے زیرِ اثر حضرت عیسیٰؑ کو ہمیشہ ایک

دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۲﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۳﴾

تک رہوں میں زندہ اور فرمانبردار اپنی ماں کا اور نہیں بنایا مجھے ظالم بدبخت

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۴﴾

اور سلامتی ہے مجھ پر جس دن پیدا ہوا میں اور جس دن مروں گا اور جس دن اٹھایا جاؤنگا زندہ کر کے

بشر سے بالا درجہ دینے کی غلطی کی ہے۔ پس آپ نے سب سے پہلے اپنی عبودیت کا اعتراف کرتے ہوئے یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ یہ خود کو خدا کہتا ہے۔ پھر خدا کی طرف سے کتاب دیے جانے اور نبوت کا اقرار کیا۔ آپ کا مقامِ نبوت پر فائز ہونا حضرت مریمؑ کو پاکباز ثابت کرتا ہے۔

این ما کنت میں پیشگوئی فرمائی کہ میں کسی دوسری جگہ جاؤں گا جہاں میرا پیغام مقبول ہوگا۔ پھر ان کی خود ساختہ شریعتوں کی بجائے دین کے اصل الاصول نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا کہ تا زندگی ان پر قائم رہنے کا مجھے حکم ملا ہے۔ پھر بتایا کہ اپنی ماں سے حسنِ سلوک کرنے والا ہوں۔ اس طرح انجیل کے الزام کا ردّ فرمایا کہ آپ اپنی والدہ کی ہتک کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا کلام منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد کا ہے ورنہ بقول بعض مفسرین سوا ماہ کے بچہ کے لئے کتاب و نبوت کا ملنا اور نماز و زکوٰۃ کا ادا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور اگر اب تک آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں تو زکوٰۃ ادا کرنا کس طرح ممکن ہے۔ آپ نے پہلی تقریر میں ہی اپنی والدہ پر لگائے گئے بہتان کا بھی ردّ فرما دیا کہ ان صفات کے حامل بچے کی ماں کبھی کمزور کردار کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تمام آیات کو تمثیلی زبان کے علاوہ ظاہر پر بھی محمول کیا جائے تو ہر نبی کو حالات کے مطابق خاص معجزات عطا ہوئے۔ مسیحیت کے ساتھ شفا کا خاص تعلق ہے پس آپ کے ہاتھوں اندھوں اور قریب المرگ بیماروں کا شفا پانا اور آپ کا ناسمجھی کی عمر میں سمجھ کی باتیں کرنا آپ کے معجزات تھے۔

۳۴۔ سلام ظاہری اور باطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنا ہے پس سلامتی سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تائید و نصرت اور اس کی رضا کے تحت کامیاب و کامران زندگی ہے۔ مرنے کے بعد سلامتی یہ ہے کہ بعد میں بھی تیرا نیک نام باقی رہے گا۔ آپ کی پیدائش پر اعتراض تھا اس لئے فرمایا کہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کا خاص وعدہ ہے جو ہمیشہ میرے شاملِ حال رہے گی۔ میں ایک کامیاب زندگی گزاروں گا خواہ یہ دنیا کی زندگی ہو یا آخرت کی۔ یہاں آپ نے صلیبی موت کی بھی نفی کی کیونکہ صلیبی موت سلامتی والی موت نہیں بلکہ بقول یہود لعنتی موت ہے۔ جیسا کہ استثناء باب ۲۱ آیت ۲۳ میں ہے کہ ''جو صلیب پر مرے لعنتی ہے''۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع

ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ عیسیٰ بیٹا مریم کا ہے بات ہے سچی وہ کہ جس میں وہ شک کرتے ہیں

مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا

نہیں ہے اللہ کیلئے کہ بنا دے کوئی بیٹا پاک ہے وہ جب فیصلہ کرتا ہے کسی معاملہ کا

فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۳۶﴾ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ

تو سوائے اسکے نہیں کہ کہتا ہے اسے ہو جاؤ پس وہ ہو جاتا ہے اور یقیناً اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۷﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ

پس عبادت کرو اسکی یہ ہے راہ سیدھی پس اختلاف کیا قوموں نے

رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ان تمام باتوں کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو چار پانچ سال کے بچے کو اٹھایا بھی جا سکتا ہے اور اس کا تعلق پنگھوڑے سے بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے آپ کو اس کم عمری میں رؤیا وغیرہ کے ذریعہ بعض خوشخبریاں ملتی ہوں جنہیں آپ نے کاہنوں کے جواب میں بیان فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے بچے کی باتوں کو اہمیت نہیں دی ورنہ دعویٰ نبوت کے بعد جب آپ نے یہی سب باتیں کیں تو آپ کی سخت مخالفت شروع ہو گئی۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۳۵۔ مسیحؑ کے متعلق جس قدر شکوک و شبہات اور اختلافات یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان پائے جاتے ہیں کسی اور نبی کے لئے نہیں۔ درحقیقت عیسیٰؑ کے چہرے پر کئی نقاب سجا رکھے ہیں۔ کہیں خدائی کے نقاب نے ان کے اصل چہرے کو چھپا رکھا ہے کہیں انسانوں سے بڑھ کر صفات آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ آپ کی پیدائش، واقعہ صلیب اور اس کے بعد کی زندگی ہمیشہ متنازع فیہ رہی۔ پچھلی آیات میں عام انسانوں کی طرح آپ کی پیدائش، بعد کے حالات اور آپ کی زبان سے عبودیت کے اقرار نے آپ کے چہرے سے تمام نقاب ہٹا دیئے۔ اب آپ سے منسوب کردہ تمام غلط صفات کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ختم کیا کہ آپ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ ہیں۔ یعنی آپ کی پیدائش میں باپ کا دخل نہیں تھا۔ ایک عورت سے پیدا ہونے والا خدائی میں شریک کس طرح ہو سکتا ہے؟

۳۶۔ جب اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک اور اپنی ذات میں کامل ہے اور لفظ کُن سے ہر شے کو عالم وجود میں لانے پر قادر ہے تو اس کے لئے اپنے ارادے یا کام کو بروئے کار لانے کے لئے کسی بیٹے یا مددگار کی ضرورت کا کیا جواز ہے؟

۳۷۔ ۳۸۔ یہ حضرت عیسیٰؑ کا ہی بیان ہے جو اپنی قوم کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت

مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٨﴾

آپس میں | پس افسوس ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا | حاضر ہونے سے دن | بڑے میں

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ

کیا ہی خوب سنیں گے وہ | اور کیا ہی خوب دیکھیں گے جس دن | وہ آویں گے ہمارے پاس | لیکن | ظالم

الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٩﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ

آج | گمراہی کھلی کھلی میں ہیں | اور ڈرا انہیں | دن | حسرت کے سے | جبکہ

فرمارہے تھے۔ **ویل**۔ افسوس۔ لعنت۔ عذاب۔ **مشھد**۔ حاضری کی جگہ۔

مگر افسوس کچھ عرصہ بعد ہی آپ کے پیرو اس تعلیم کو بھول گئے اور انہوں نے سیدھی راہ کو چھوڑ دیا۔ باوجود اس کے کہ ان کا ایک ہی مذہب اور ایک ہی عقیدہ تھا انہوں نے اختلافات شروع کر دیئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ آج مسلمان بھی تہتر فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں لیکن ان میں خدا اور رسول کے مرتبہ کے تعلق میں کوئی اصولی اختلاف نہیں۔ جبکہ عیسائیوں کے تمام فرقوں میں اصولی اختلافات ہیں اور ان میں سے کسی کا اس بات پر بھی اتفاق نہیں کہ مسیح کو کیا مقام دیں۔ ازمنہ وسطیٰ میں ان کی انہی بیہودہ بحثوں سے دفتر کے دفتر سیاہ تھے اور سکندریہ کا کتب خانہ بھرا ہوا تھا۔ جس کے جلانے کا الزام عیسائی حضرت عمر فاروقؓ پر لگاتے ہیں گبن (Gibon) ان الزامات کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر ان فضول بحثوں سے بھری ہوئی کتابوں کو عمر نے جلا کر چھ ماہ تک سکندریہ کے حمام گرم رکھے تو اس سے بہتر مصرف ان کتابوں کا اور کوئی نہیں تھا۔

یومِ عظیم ایک مومن کے لئے تو وہ دن ہے جب وہ اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو کر اس کی ملاقات کا شرف حاصل کرے گا اور انعامات سے نوازا جائے گا۔ لیکن ایک کافر کے لئے یہ دن یقیناً بڑا سخت ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے ربّ سے تعلق جوڑنے کے بجائے ایک ناچیز بندے کو خدا کا درجہ دیا۔

۳۹۔ **اسمع بھم وابصر** عربی محاورہ ہے کہ وہ کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے۔ یعنی دنیا میں ان کی عقلوں پر جو پردہ پڑ گیا تھا اُس دن اٹھ جائے گا۔ اور اصل حقیقت کھل کر سامنے آ جائے گی۔ کان اس حقیقت کو سن رہے ہوں گے اور آنکھیں اس حقیقت کو دیکھ رہی ہوں گی۔ لیکن ان ظالموں کو جنہوں نے خدا کے شریک ٹھہرا رکھے تھے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ مومن چونکہ اُن حقائق کو سن اور دیکھ رہا ہوگا جنہیں اس نے دنیا میں دیکھا اور اختیار کیا تھا اس لئے خوشی اور سکون میں ہوگا۔ ظالم آج کھلی گمراہی میں ہیں یعنی اس دن انہیں اپنی کھلی گمراہی کا علم ہو

قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٠﴾ اِنَّا

فیصلہ کیا جاویگا معاملہ کا | اور وہ | غفلت میں ہیں | اور وہ نہیں | ایمان لاتے | یقیناً

نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤١﴾ وَاذْكُرْ ع ٢ ٥

ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے | اور انکے جو اس پر ہیں | اور طرف ہماری ہی وہ لوٹائے جائیں گے | اور ذکر کر

فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤٢﴾ اِذْ

اس کتاب میں | ابراہیم کا | یقیناً | وہ تھا | بہت سچا (اور) | نبی | جب

جائے گا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آج دنیا میں ظالم کھلی گمراہی میں ہیں اور سمجھتے نہیں۔

۴۰۔ جب انہیں اپنے عقائد کی غلطی کا علم ہو گا تو اس دن انہیں سوائے حسرت اور پچھتاوے کے کچھ حاصل نہ ہو گا کہ کاش ہم ایمان لاتے اور ان نعمتوں کے وارث ہوتے۔ لیکن انہیں یوم حسرت سے ڈرا جس دن حقائق کے مطابق تمام امور کا فیصلہ چکا دیا جائے گا۔ اب تو یہ غفلت میں پڑے ہیں اور نہیں جانتے۔ اس آیت میں عیسائیوں کے ایک لمبے عرصہ تک غفلت میں رہنے اور ایمان نہ لانے کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہو گی بجز اُن لمحات کے جو بغیر ذکر الٰہی گزر گئے۔ (طبرانی)

۴۱۔ نصاریٰ ہی مخاطب ہیں کہ بیشک انہیں زمین اور اہل زمین پر حکومت اور [illegible] ملے گی لیکن زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کے اصل وارث ہم ہی ہیں۔ یعنی آخر یہ زمین اللہ کے ایسے بندوں کو دی جائے گی جو خود کو محض اللہ کا نائب اور چاکر سمجھیں گے۔ پھر سب ہماری طرف ہی لوٹ کر آئیں گے یعنی شرک کو چھوڑ کر خدائے واحد کے پرستار بن جائیں گے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں۔ ''تمام مملکتوں اور جائیدادوں کی مِلک پر غرور کرنے والے اس آیت پر غور کریں۔'' (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۳۰ اپریل، ۵ مئی ۱۹۱۰ء)

۴۲۔ اس رکوع میں ابو الانبیاء حضرت ابراھیمؑ کا ذکر ہے۔ قرآنِ کریم نے جہاں انبیاء کا ذکر تاریخی طور پر کیا وہاں ترتیب کے لحاظ سے ہی کیا۔ جہاں ترتیب سے ذکر نہیں کیا وہاں کوئی دوسرا مقصد مدِنظر ہوتا ہے جیسا کہ اس سورۃ میں حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ترتیب کے مطابق کیا ان کے بعد حضرت ابراھیمؑ کا ذکر کیا جن کا زمانہ مسیحؑ سے بہت پہلے کا ہے۔ دراصل آپ اپنے بعد کے تمام انبیاء کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمان یہاں تک کہ مشرکین عرب بھی آپ کی عظمت اور راستبازی کے قائل تھے۔ بائبل بھی آپ کو ایک عظیم نبی اور موحد کے

قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَ
کہا اس نے اپنے باپ کو اے باپ میرے کیوں عبادت کرتا ہے تو اسکی جو نہیں سنتا اور نہ دیکھتا ہے اور

لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ
نہ کام آتا ہے تیرے کچھ بھی اے باپ میرے تحقیق میں ایسا ہوں کہ آیا ہے میرے پاس علم میں سے

مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ
وہ کہ نہیں آیا تیرے پاس پس پیروی کر میری دکھاؤں گا تجھے راہ درست اے باپ میرے

نام سے یاد کرتی ہے جو شرک کا شدید دشمن تھا۔ اس طرح نصاریٰ کو توجہ دلانا مقصود تھا کہ جب مسیحؑ کا جدامجد پکا موحد اور شرک سے بیزار تھا تو پھر مسیحؑ شرک کی تعلیم کس طرح دے سکتا ہے؟

بائبل میں حضرت ابراھیمؑ پر جھوٹا الزام ہے کہ اس نے بادشاہ سے ڈر کر اپنی بیوی کو بہن کہا (پیدائش ۲:۱ تا ۱۳) قرآنِ کریم نے جس طرح دوسرے انبیاءؑ پر لگائے گئے الزامات سے انہیں بری فرمایا۔ اسی طرح ابو الانبیاء حضرت ابراھیمؑ کی بریت فرمائی اور آپ کی عصمت کو قائم کیا۔ آپ راستبازی کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے، آپ کی طرف کسی قسم کا جھوٹ منسوب کرنا شانِ ابراھیمی کے خلاف ہے۔ ہر صادق صدیق نہیں ہوتا۔ صدیق کا درجہ نبوت سے قریب تر ہے۔

۴۳۔ **یُغْنِی**۔ وہ فائدہ دیتا ہے۔ وہ کام آتا ہے۔ **ابت**۔ ابی کے قائم مقام ہے۔ یہ دونوں الفاظ مستعمل ہیں۔

حضرت ابراھیمؑ نے بڑی جرأت سے اپنے مشرک والد کو ہدایت کی تعلیم دی۔ یہاں دعوت الی اللہ کا طریق بھی بتا دیا۔ آپ اپنے کافر اور مشرک باپ سے نہایت مودبانہ عرض کرتے ہیں کوئی لفظ شان پدری کے خلاف نہیں کہتے۔ نہایت حکمت سے بات کرتے ہیں کہ اگر کوئی ربّ بندے کی پکار نہیں سنتا اس کے حال سے باخبر نہیں اس کی حاجت روائی نہیں کرتا تو وہ جھوٹا ہے۔ یہ صفات صرف خدائے واحد لاشریک میں ہیں کہ وہ اپنے عاجز بندوں کی پکار کو نہ صرف سنتا ہے بلکہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ چونکہ دیکھتا ہے اور اپنے بندوں کے حال سے واقف ہے اس لئے بغیر کسی درخواست کے بھی ہر دکھ دور کرنے اور ہر ضرورت پوری کرنے پر قادر ہے۔ یہاں بتایا کہ جس طرح مشرکین بہرے اور اندھے ہیں ان کے معبود بھی بہرے اور اندھے ہیں۔

۴۴۔ **یٰۤاَبَتِ** میں ادب اور احترام کے ساتھ ایک پیار بھی جھلک رہا ہے کہ اے میرے پیارے باپ! میں تیرا بیٹا اور فرمانبردار ہوں۔ ظاہر ہے کہ دنیوی علم و تجربہ میں تیرے ہم پایہ نہیں۔

لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۵﴾
نہ عبادت کر شیطان کی یقیناً شیطان ہے رحمان کا نافرمان

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ
اے باپ میرے یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ پہنچے تجھے عذاب طرف سے رحمٰن کی پھر ہو جاویگا تو

لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ
شیطان کا دوست اس نے کہا کیا متنفر ہے تو معبودوں سے میرے اے ابراہیم؟

لیکن میرے ربّ کی طرف سے ایک خاص علم مجھے بخشا گیا ہے جو تجھے نہیں ملا۔ یہ پیغمبرانہ فہم و فراست اور توحید کا علم تھا۔ چونکہ میں اپنے ربّ کی طرف سے حق و صداقت پر قائم ہوں اور تو بت پرستی کی وجہ سے صریحاً گمراہی پر ہے اس لئے اس خدائی تعلیم میں میری اتباع کر۔ میں تجھے تیرے ربّ کو ملانے کا سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔ یہ اس لئے کہا کہ مشرکین کا مقصودِ حقیقی بھی ربّ ہو سے ملنا ہی ہے۔

۴۵۔ کوئی مشرک بھی شیطان کو معبود نہیں مانتا۔ ہاں اس کی اطاعت تو ضرور کرتا ہے۔ یہاں اطاعت کو ہی عبادت کہا۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ احکام الٰہی کے مقابلہ میں اس کے احکام اور تعلیم کو حق سمجھے یہی عبادت ہے (ترمذی بروایت عدی بن حاتم) یہاں شرک اور بت پرستی کو شیطان کی عبادت کہا۔ خدائے رحمٰن کا رحم تو اتنا وسیع ہے کہ اپنے بندوں کی خطاؤں کو نظر انداز کر کے بغیر ان کے کسی اچھے عمل کے انہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کے طفیل ہے کہ شیطان جیسے سرکشوں کا وجود دنیا میں قائم ہے۔ ورنہ ان کے اعمال تو اس قابل ہیں کہ ان کا نام و نشان نہ ہوتا۔

۴۶۔ شرک ہمیشہ خدا تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے انکار کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے عیسائی اور تمام مشرک اقوام خدا تعالیٰ کو رحمٰن نہیں مانتیں۔ رحمٰن بلا بدل عطا کرتا ہے لیکن عیسائی کفارہ کے بغیر نجات کے قائل نہیں اور ہندو تناسخ کے بغیر مکتی حاصل نہیں کر سکتے۔ خدائے رحمٰن کے بندے تو بغیر کسی عمل کے اس کی صفتِ رحمانیت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس تو رحمٰن کو نہیں مانتا۔ پس اس صفت سے کماحقہ فیضیاب ہونا بھی تجھے نصیب نہیں۔ اے میرے پیارے باپ! کہیں ایسا نہ ہو کہ خدائے رحمٰن تیرے کفر و شرک اور حد سے بڑھی ہوئی بد اعمالیوں کی وجہ سے اپنی رحمانیت کی چادر تجھ سے کھینچ لے اور تو عتاب کا مورد بن جائے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ تو شیطان کا دوست بن جائے۔ خدا کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے سب سے بڑی سزا اس کی رحمت سے دوری

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۷﴾ قَالَ

ضرور اگر نہ باز آیا تُو تو ضرور ضرور پتھراؤ کروں گا تجھے اور چھوڑ مجھے کچھ عرصہ اس نے کہا

سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۸﴾

سلامتی ہو تجھ پر ضرور میں بخشش مانگوں گا واسطے تیرے اپنے رب سے یقیناً وہ ہے مجھ پر بہت مہربان

ہے۔ پس جُوں جُوں رحمت سے دوری ہوتی جائے گی شیطان سے قربت بڑھتی جائے گی یہانتک کہ وہ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار بن جائیں گے۔ ابتدا میں ہر گناہ پر ضمیر ملامت کرتا ہے لیکن جب اس کی آواز پر کان نہ دھرا جائے اور انسان گناہ میں بڑھتا ہی چلا جائے تو یہ آواز کم ہوتے ہوتے آخرکار ختم ہو جاتی ہے۔ گناہوں میں لذت پیدا ہونے لگتی ہے اور شیطان سے تعلق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شیطان اور ارواحِ خبیثہ سے براہِ راست تعلق ہو جاتا ہے اور وہ اس کے نفس پر پر تو ڈالتی ہیں اور گمراہی میں بڑھاتی چلی جاتی ہیں۔ یہانتک کہ وہ بد بخت اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ شیطان کی طرح دوسروں کو غلط راہوں پر ڈالتا ہے۔ اس کے برعکس مومن نیکیوں میں ترقی کرتے کرتے فرشتوں سے براہِ راست تعلق پیدا کرتا ہے اور وہ اس پر اپنا پر تو ڈالتے ہیں اور یہ وجود دوسروں کا مربی و رہبر بن جاتا ہے۔

۴۷۔ **راغب۔ رغب فیہ والیہ** کے معنی رغبت کے ہیں جبکہ **رغب عن** کے معنی بے رغبتی کے ہیں۔ **رجم**۔ سنگسار کرنا۔ بُرا بھلا کہنا۔ دھتکارنا وغیرہ۔ **ملیًا۔ ملّی**۔ کچھ مدت۔ تھوڑا عرصہ۔ لمبی مدت کے معنی بھی دیتا ہے۔

حضرت ابراھیمؑ نہایت مؤدبانہ طریق اور مدلّل انداز سے اپنی گذارشات پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے والد بجائے ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے شدید غصے کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر تو اپنی روش سے باز نہ آیا تو پیشتر اس کے کہ میرے ہاتھ یا زبان سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے کچھ دیر کے لئے میری نظروں سے اوجھل ہو جا۔ مقصد یہ تھا شاید اس دوران اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔

۴۸۔ **حفیًا**۔ ھی۔ حفیًا ایسا مہربان جو اکرام میں غایت درجہ کو پہنچے۔ باپ کی طرف سے شدید دکھ پہنچانے کے عزم اور نہایت درشت الفاظ کا جواب آپ اپنی طبیعت کی انتہائی درجہ کی حلیمی کی وجہ سے اپنے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعاؤں کی صورت میں دیتے ہیں۔ کہ میری طرف سے تجھے ہمیشہ سلامتی کی دعا پہنچتی رہے۔ کبھی دکھ نہ پہنچے اور یہ کہ میں اپنے ربّ سے تیرے لئے

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ

اور الگ ہوتا ہوں تم سے اور ان سے جن کو پکارتے ہو تم سوائے اللہ کے اور میں پکارتا ہوں اپنے رب کو

عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا

اُمید ہے کہ نہ ہوں گا میں دعا میں اپنے رب سے بدبخت پس جب وہ جُدا ہوا ان سے اور جن کی

ضرور مغفرت کی دعا کروں گا وہ مجھ پر بہت ہی مہربان ہے۔

۴۹۔ باپ کی دھمکی میں آپ کو کچھ عرصہ کے لئے وہاں سے چلے جانے کا حکم تھا۔ آپ کو بھی اس مشرکانہ ماحول میں اپنے ربّ کی عبادت اور تبلیغ میں شدید مشکلات درپیش تھیں۔ آپ نے بھی دوسرے انبیاءؑ کی طرح حکمِ الٰہی سے ہجرت فرمائی ہو گی ورنہ حالات کیسے ہی نا مساعد ہوں انبیاء اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھاتے۔ باپ نے کچھ عرصہ کے لئے نکلنے کا حکم دیا لیکن انبیاء ہجرت کے بعد اپنے وطن میں دوبارہ مستقل رہنے کے لئے نہیں آئے شاید یہ اُن لوگوں کے لئے بطور سزا ہو۔

بتوں سے تو آپ پہلے ہی بیزار تھے۔ اور انہیں چھوڑا ہُوا تھا۔ یہاں مراد اس جگہ کو چھوڑنا ہے جہاں بت پرستی ہوتی تھی۔ پس آپ نے گھر بار، جائیداد، دوست و احباب اور عزیز و اقارب سب کچھ اپنے ربّ کی رضا کے لئے چھوڑ دیے۔ یہاں آپ کی بت شکنی کے مشہور واقعہ کا [illegible] نہ اکابرِن حکومت سے لمبی چوڑی بحثوں کا ذکر ہے جس کی پاداش میں آگ میں پھینکے گئے اور ہجرت پر مجبور ہوئے۔ تفصیل کے لئے (سورۃ الانبیاء: ۵۲ تا ۷۱) بہر حال آپ عراق سے کنعان (موجودہ فلسطین) کی طرف ہجرت فرما گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی سارہ اور بھتیجا لوط تھا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا تھا۔ مصر میں آپ نے دوسری شادی بی بی ہاجرہ سے کی۔ آپ تمام عمر یہاں تک کہ انتہائی بڑھاپے میں بھی فلسطین، شام، عراق، مصر اور ریگستانِ عرب میں سینکڑوں میل کے تبلیغی سفر کرتے رہے اور اقوامِ عالم کو خدائی احکام کے تابع زندگی بسر کرنے کی تلقین میں زندگی گزاری۔ مشرکین نے بتوں سے سوائے نامرادی کے کچھ حاصل نہیں کیا اگر ان کے کچھ کام ان کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں تو وہ اس عالمی قانونِ قدرت کے تحت ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری و ساری ہے اور جس سے خدا تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے طفیل ہر کافر و مومن مستفیض ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابراھیمؑ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ربّ کو پکار کر اور اس کے آستانے پر گر کر کبھی نا کام و نامراد نہیں رہوں گا۔ یعنی تم نے مجھ سے سب کچھ چھین کر بظاہر نامراد

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ

وہ عبادت کرتے تھے سوائے اللہ کے عطا کیا ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝۵۰ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا

اور سب کو بنایا ہم نے نبی اور عطا کی ہم نے انکو اپنی رحمت اور کر دیا ہم نے

لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝۵۱ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ؗ ع ۱۰ ۶

ان کا ذکر خیر اعلیٰ درجہ کا اور ذکر کر اس کتاب میں موسیٰ کا

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝۵۲ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ

یقیناً وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی اور پکارا ہم نے اُسے

کر کے گھر سے نکالا ہے لیکن میرا ربّ مجھے اس سے بہت بڑھ کر عطا کرے گا۔

۵۰۔ اگر باپ نے گھر سے نکال کر دنیوی وراثت سے محروم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو روحانی وراثت سے نوازا۔ آپ کی دعائیں پایۂ قبولیت کو پہنچیں اور آپ کے ربّ نے آپ کو نامراد نہیں رکھا نہ دینی لحاظ سے اور نہ دنیوی لحاظ سے۔ دیگر دنیوی نعمتوں کے علاوہ اسحاقؑ جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا عطا کر کے آپ کے وجود سے ایک ایسے خاندان کی بنیاد رکھی جس میں تمام انبیائے بنی اسرائیل مبعوث ہوئے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے نبیوں کے سردار وجہِ تخلیقِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے آباء و اجداد کا ذکر جاری ہے اس لئے حضرت اسمٰعیلؑ کا بطور خاص ذکر نہیں کیا۔

۵۱۔ **لسان صدق**۔ سچا ذکر۔ سچی تعریف۔ ذکر خیر۔ **عليًا**۔ اعلیٰ درجہ کا۔ بلند مرتبہ۔

خاندانِ ابراھیمؑ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص ان میں نبوت کی برکات کا جاری ہونا ہے۔ فرمایا ہم نے انہیں بلند مرتبہ ذکر خیر عطا کیا۔ درود شریف اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ کا ذکر خیر ہمیشہ جاری رہا۔ نیز تمام انبیاء کے ناموں کے ساتھ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پیشگوئی کو پورا کرتا ہے۔

۵۲۔ **مُخلَصًا۔ مُخلَص**۔ (خلص)۔ **مُخلِص** وہ ہے جس کا تعلق نفاق وغیرہ سے پاک ہو۔ اِخلاص والا جبکہ **مُخلَص** چنا گیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا ہو۔ چُن لیا ہو جس نے اپنی تمام خواہشات کو اللہ کی مرضی کے لئے مخصوص کر دیا ہو۔ حقیقۃً اخلاص ماسوی اللہ سے بیزار ہونے کا نام ہے (مفردات)

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی نسل سے جو وعدے تھے ان میں حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر صاحب شریعت نبی کا ظہور ایک زبردست نشان تھا۔ اس لئے حضرت ابراھیمؑ کے ذکر کے بعد آپ کا ذکر کیا اور بتایا کہ ہم نے اسے چُن لیا اور رسالت و نبوت کے مقام پر فائز کیا۔ ہر رسول نبی ہے کیونکہ خدا بغیر پیغام کے نہیں بھیجتا۔ چونکہ مخلص وہ ہے جو ہر آمیزش سے پاک ہو اس لئے **قل ھو اللّٰہ احد** .... کا نام سورۃ الاِخلاص ہے کیونکہ اس میں توحید کو ہر آمیزش سے پاک کیا گیا ہے۔

جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝۵۳ وَوَهَبْنَا لَهٗ

کنارہ سے طور کے دائیں اور مقرب کیا ہم نے اُسے راز کی باتیں کرتے اور عطا کیا ہم نے اُسے

مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝۵۴ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

اپنی رحمت سے بھائی اس کا ہارون نبی اور ذکر کر اس کتاب میں

۵۳۔ **الایمن**۔ دائیں۔ برکت والی۔ **نجیًا**۔ پیار و محبت کی مخفی باتیں۔ مناجات۔ بے جان چیزیں بھی کسی با برکت وجود سے وابستہ ہو کر برکت والی ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح خدا کا کلام جس جگہ نازل ہو وہ جگہ ہمیشہ کے لئے با برکت ہو جاتی ہے۔ پس خدا کا کلام کوہ طور پر نازل ہوا تو وہ بابرکت ہو گیا۔ یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے پیار اور محبت کی باتیں کیں۔ اسے اپنے خاص اسرار سے آگاہ کیا اور اپنے قرب سے نوازا۔ یہاں شریعت مراد نہیں، کیونکہ شریعت لوگوں کی ہدایت کے لئے ہوتی ہے اور مخفی نہیں ہوتی۔ یہاں اس واقعہ کا ذکر ہے جب آپ اپنی بی بی سارہ کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے۔ راستہ میں کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا (طٰہٰ رکوع ۱) توریت کا نزول تب شروع ہوا جب آپ بنی اسرائیل کے ستر منتخب احبار کو کوہِ طور کے دامن میں چھوڑ کر ایک ماہ کے لئے اوپر گئے اور چالیس دن بعد توریت کے احکام لے کر واپس لوٹے۔

۵۴۔ حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے پاس جانے اور اسے تبلیغ حق کرنے کا حکم ہوا موسیٰؑ کی درخواست پر آپ کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بھائی ہارون کو نبوت کے مقام پر فائز کیا (طٰہٰ: ۳۰) ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب جیسی غیر مہذب اور اکھڑ قوم ملی لیکن آپ نے تنہا اس بوجھ کو اٹھایا اور انہیں **تحت الثریٰ** سے اٹھا کر عرش معلّی تک پہنچا دیا۔ جبکہ حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر نبی اس کام کو اکیلے نہ کر سکے اور انہیں معاونت کے لئے ایک دوسرے نبی کی ضرورت محسوس ہوئی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے عطا فرمایا۔

۵۵۔ اب حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر کیا کیونکہ ابراھیمی سلسلہ نبوت کی دوسری شاخ آپ کے

اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۵۵

اسمٰعیل کا یقیناً وہ تھا سچا وعدہ کا اور تھا رسول نبی

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ

اور وہ تھا حکم دیتا اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا اور تھا نزدیک اپنے رب کے

مَرْضِيًّا ۵٦ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا

پسندیدہ اور ذکر کر اس کتاب میں ادریس کا یقیناً وہ تھا سچا (اور)

نَّبِيًّا ۵۷ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۵۸ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

نبی اور بلند کیا ہم نے اُسے مرتبہ بلند پر یہ لوگ وہ ہیں کہ انعام کیا اللہ نے

وجود سے وابستہ تھی۔

ہمارے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں ہر وصف اپنے کمال کو پہنچا ہُوا تھا اور آپ جامع جمیع صفات کاملہ تھے۔ جبکہ دوسرے انبیاء میں بعض امتیازی خصوصیات تھیں جیسے حضرت موسیٰؑ کو مخلص کہا اور یہاں حضرت اسمٰعیلؑ کو صادق الوعد کہا۔

دوسرے اخلاقِ حسنہ کی طرح ایفائے وعدہ کے لئے بھی آپ ﷺ نے بہت تاکید فرمائی اور وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ ایک قرض ہے یعنی جس طرح قرض کی ادائیگی مومن پر لازم ہے اسی طرح وعدہ پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ اسمٰعیلؑ جو وعدے کا بڑا سچا تھا۔ اس کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو میں کیسے نظر انداز کر سکتا ہوں۔ میں اس کی نسل میں ایک ایسا نبی پیدا کروں گا جو تمام نبیوں کا سردار ہوگا۔ جس کے ظہور سے تمام شریعتیں منسوخ ہو جائیں گی اور اس کی لائی ہوئی شریعت ہی اب قیامت تک کے لئے ہوگی۔

۵٦۔ **مرضیًّا**۔ محلِ رضا۔ پسندیدہ۔

یہ حکم ہر مومن کے لئے ہے جیسا کہ فرمایا **قوآ انفسکم واھلیکم نارًا**۔ آنحضرت ﷺ کے ابتدائی احکام میں **وانذر عشیرتک الاقربین** ہے۔ پس دین کے اصل الاصول نماز و زکوٰۃ کا حکم تمام مومنین اور انبیاء میں مشترک ہے۔ لیکن یہاں آپ کی امتیازی خصوصیت یہ بتائی کہ آپ اپنے اہل و عیال کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ یہ خاص طور پر اس لئے تھا تا وہ ان عظیم بشارتوں کے مورد بنیں جو آپ کو اور آپ کے والد بزرگوار کو اللہ تعالیٰ نے دی تھیں۔

۵۷۔ ۵۸۔ حضرت ادریس کا شجرہ نسب بائبل کے مطابق اس طرح ہے کہ آدمؑ کا بیٹا شیث

عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ

ان پر نبیوں میں سے اولاد سے آدم کی اور (اولاد سے) ان لوگوں کی جنکو سوار کیا ہم نے

نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

ساتھ نوح کے اور اولاد سے ابراہیم اور یعقوب کی اور ان لوگوں سے جنکو ہدایت دی ہم نے

وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا

اور چن لیا ہم نے جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیات رحمٰن کی وہ گر جاتے ہیں

سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۵۹ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا

سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے پھر جانشین ہوئے بعد ان کے ایسے جانشین کہ ضائع کر دی انہوں نے

نبی تھا۔ اس کے بعد آدمؑ کا پانچواں پڑپوتا حنوک یا ادریسؑ نبی ہُوا۔ پھر حضرت ادریسؑ کے پوتے حضرت نوحؑ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ ادریس حنوک کا ہم معنی ہے یعنی بڑا پڑھنے والا یا بڑا پڑھانے والا۔ چنانچہ آپ کے علم و ہنر اور دانائی کے متعلق یہودی کتب میں تفصیل ملتی ہے کہ لکھنے کا علم حنوک نے ایجاد کیا۔ اسی طرح علم ہیئت اور حساب بھی آپ کی ایجادات ہیں۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا جلد ۵ صفحہ ۱۷۸) قرآنِ کریم میں آپ کا ذکر اس مقام کے علاوہ سورۃ انبیاء میں ہے لیکن کوئی تفصیل نہیں۔

مسلمانوں نے بلا سوچے سمجھے اسرائیلی روایات سے متاثر ہو کر حضرت ادریسؑ کو بھی مسیح کے ساتھ آسمان پر زندہ بٹھا دیا۔ یہاں آپ کے ذکر میں مسیحؑ کی ابنیت کا ردّ ہی مقصود ہے۔ اگر مسیح کی خدائی کی بنیاد اس کا زندہ آسمان پر جانا تھا تو اس خصوصیت میں تو بقول تمہارے ادریسؑ بھی شامل تھا پھر اسے خدا یا خدا کا بیٹا تسلیم کرنے میں کیا باک تھا۔ غرض عیسائی اور بعض مسلمان بھی حضرت ادریسؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو آسمان پر زندہ بٹھاتے ہیں۔ حالانکہ دونوں کو آنحضرت ﷺ نے معراج میں مُردوں کے ساتھ دیکھا اور دونوں آج تک واپس نہیں آئے۔ دونوں کی قبریں زمین پر موجود ہیں۔

رفعنٰہ مکانًا علیًّاo کی تفسیر حسنؒ سے مروی ہے کہ اس سے مراد شرفِ نبوت اور قربِ الٰہی ہے۔ حضرت ادریسؑ کے رفع کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ رفع حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت نہیں بلکہ سب انبیاء کا رفع ہُوا۔ (روح المعانی) **رفعنٰہ مکانًا علیًّاo** میں کسی بلند مقام کی طرف ہجرت کرنے کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

۵۹۔ **بکیًّا**۔ بکی۔ رونا۔ آہ و بکا کرنا۔

اس سورۃ میں ابنیتِ مسیحؑ کا ردّ ہے۔ چونکہ عیسائی عصمتِ انبیاء صرف مسیحؑ سے مخصوص کرتے ہیں اور دوسرے معصوم انبیاء کرام جیسے نوحؑ، داؤدؑ، لوطؑ اور ہارونؑ کی طرف بہت سے گناہ منسوب

الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٦٠﴾ اِلَّا

نماز اور پیچھے گئے خواہشات کے پس ضرور پادیں گے (نتیجتاً) گمراہی کو ۔ مگر

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کی نیکی تو یہ لوگ داخل ہوں گے

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿٦١﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدَ

جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے کچھ بھی باغات ہیں ہمیشہ کے وہ جن کا وعدہ کیا

کرتے ہیں اس لئے یہاں خاص طور پر تمام انبیاءؑ کی عصمت کو بیان کر کے مسیحؑ کے خاص امتیاز کو باطل کیا اور بتایا کہ تمام انبیاءؑ مہدی و مجتبیٰ ہونے کے باوجود اپنے ربّ کے عاجز بندے ہیں اور خدائی آیات و نشانات کو دیکھ کر روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ آیاتِ قرآنی کو سُن کر یا اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کو دیکھ کر اکثر اپنی عبادات میں اپنے ربّ کے حضور دعاؤں میں گریہ و زاری کرتے اور روتے تھے۔حضرت مُطرّف اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ دورانِ نماز آپ ﷺ کی گریہ و زاری کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینہ سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے چکی کے چلنے کی ہوتی ہے۔(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب البکاء فی الصلوٰۃ صفحہ ۲۳۸/۱) رحمٰن کی آیات کہا کیونکہ الٰہی آیات و نشانات صفتِ رحمانیت کے طفیل ہیں۔اس سورۃ میں بار بار رحمٰن کا ذکر اس لئے کیا کہ مشرکین و نصاریٰ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے منکر ہیں۔

٦٠۔خَلْفٌ بُرا جانشین ہے جبکہ **خَلَفٌ** اچھا جانشین ہے۔**غَيًّا۔غَيٌّ**۔ گمراہی۔ہلاکت۔

انبیاء تو ان تمام اعلیٰ خصوصیات کے حامل تھے لیکن ان کے بعد ان کی نسلوں میں ایسے ناخلف جانشین پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ترک کیا، خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کی اور گمراہی و ہلاکت کو دعوت دی۔ مخاطب نصاریٰ ہیں جنہوں نے ترکِ نماز اور نفسانی خواہشات کی اتباع میں دنیا کی تمام قوموں کو پیچھے چھوڑا۔پس گمراہی اور ہلاکت ان کا مقدر ہے۔ افسوس آج مسلمان بھی ان سے پیچھے نہیں۔نماز ہی وہ پہلا اصل الاصول ہے کہ اگر کوئی قوم اس پر صحیح معنوں میں قائم رہے تو وہ نفسانی خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ نماز کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ساتھ وہ زندہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکنے نہیں دیتا۔پس نماز سے غفلت اور خواہشاتِ نفسانی کی اتباع کا نتیجہ آخرکار گمراہی اور ہلاکت ہے۔

الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦٢﴾

رحمٰن نے اپنے بندوں سے ساتھ غیب کے یقیناً بات یہ ہے وعدہ اس کا لایا جانیوالا ہے

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا

نہ سنیں گے وہ اس میں بیہودہ بات مگر سلام (سنیں گے) اور ان کیلئے رزق ہوگا ان کا اس میں

بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٣﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا

صبح اور شام یہ جنت وہ ہے جس کا وارث کریں گے ہم اپنے بندوں میں سے

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٤﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ

اسے جو ہے متقی اور نہیں اترتے ہم مگر حکم سے رب کے تیرے اسی کا ہے جو آگے ہے

۶۱۔۶۲۔**ماتیًا**۔(اتی)۔پورا ہو کر رہنے والا۔

بیشک ان کی نسلوں میں ان بدکرداروں کے علاوہ بہت سے ایسے بھی لوگ ہوں گے جو توبہ کے بعد نہ صرف ایمان لائیں گے بلکہ اعمالِ صالحہ بھی بجا لائیں گے۔وہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں داخل ہوں گے اور ان کی ہرگز حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ ان جنتوں کا وعدہ خدائے رحمٰن نے اپنے بندوں سے اس وقت کیا تھا جب وہ ان کی نظروں سے پوشیدہ تھیں۔اور ان کے وہم و گمان میں بھی ان نعمتوں کا تصور نہیں تھا۔یہ جنتیں علاوہ اُخروی جنتوں کے شام و عراق، مصر و عرب اور ہندوستان کے زرخیز علاقے تھے۔جو اپنے سرسبز و شاداب باغوں کی وجہ سے جنتِ [illegible] کہلانے کے مستحق تھے اور جن کے ملنے کا وعدہ مومنین سے تھا۔چونکہ اس سورۃ میں انعام بلا بدل کا ذکر زیادہ ہے اس لئے بار بار رحمٰن کا لفظ آیا۔

۶۳۔جنت میں کوئی بیہودہ بات نہیں ہو گی بلکہ سلامتی کی دعائیں ہوں گی جو جنتی ایک دوسرے کو دیں گے۔(۱۴:۲۴)اور فرشتے بھی انہیں دیں گے(۳۹:۷۴) آنحضرت ﷺ نے صبح و شام سے مراد نماز کے وہ اوقات لئے ہیں جن میں وہ نماز پڑھتے تھے(روح المعانی) گویا وہ رزق نماز کا پھل ہوگا۔جنت میں رات نہیں ہو گی۔صبح و شام سے مراد دوام بھی ہے(روح البیان) رزق سے مراد بھی صرف اشیائے خورد و نوش نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا ہے جو انہیں ہر وقت ملے گی اور جنتی ان نعمتوں سے ہمیشہ فیضیاب ہوں گے۔

۶۴۔اللہ تعالیٰ نے یہاں لطیف رنگ میں متقیوں کو اپنے روحانی بیٹے کہا جو ربّ کی جنت کے وارث ہوں گے۔اس میں بھی مسیح کی ابنیت کا ردّ تھا کہ روحانی طور پر تو تمام متقی اپنے ربّ کے بیٹے بلکہ وارث ہیں پھر مسیح کی خصوصیت کیا ہے۔اس آیت میں فلسطین کی فتح کی طرف بھی اشارہ

اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

ہمارے اور جو پیچھے ہے ہمارے اور جو درمیان ہے اس کے اور نہیں ہے رب تیرا

نَسِيًّا ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ

بھولنے والا رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو درمیان ہے انکے پس عبادت کر اسکی

ع ٤ (١٥) ٧ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٦﴾ وَيَقُوْلُ

اور قائم رہ عبادت پر اس کی کیا جانتا ہے تو اس کا کوئی ہم نام اور کہتا ہے

ہے جس کی وراثت میں تقویٰ کی شرط ہے۔ آج وقتی طور پر اگر فلسطین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو وہ یقیناً تقویٰ کے اس معیار پر قائم نہیں رہے۔

٦٥۔ یہ فرشتوں کا قول ہے کہ ہم تیرے ربّ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔ ہمارے آگے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اس ربّ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ گویا ہمیں کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں۔ پس اس نبی کا عرب میں اور بنی اسمٰعیل میں آنا وعدوں ہی کے مطابق ہے اور تیرا ربّ بھولنے والا نہیں۔ یعنی ضرور تھا کہ یہ وعدے پورے ہوں۔ آگے پیچھے اور درمیان سے مستقبل، ماضی اور حال یعنی کُل زمانے بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جو کچھ ہونے والا ہے یا ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے۔ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

٦٦۔ **وَاصطَبِر** صبر سے باب افتعال ہے۔ اس باب میں کوشش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ **وَاصطَبِر لِعِبَادَتِہٖ** ط یعنی اس کی عبادت پر دوام، تکلیف و مشقت کو چاہتا ہے۔

جب کل کائنات پر اسی ربّ کی فرمانروائی ہے تو عبادت بھی اسی کو سزا وار ہے۔ عبادت بھی ایسی کہ جس پر کوشش و محنت سے دوام حاصل ہو جائے۔ یعنی کبھی سستی یا غفلت غالب نہ آئے۔ جب بندہ اس طرح کی عبادت اور فرمانبرداری پر استقلال سے قائم ہو جاتا ہے اور اس کی صفات میں رنگین ہونے کی کوشش کرتا ہے تو ربّ رحمٰن کے فضل و احسان سے وہ بینا ہو جاتا ہے اور اس کی کشفی آنکھ اپنے ربّ کی لاانتہا نوازشات کے نظارے دیکھتی ہے۔ پس وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ مسیح تو کیا تم کسی کو بھی اس جیسی صفات کا مالک نہیں پاؤ گے۔ اس طرح رکوع کے آخر میں پھر ابنیتِ مسیح کا ردّ فرمایا۔ ظاہراً بھی اس کا ہمنام کوئی نہیں یہانتک کہ مشرکوں میں یا ان کے بتوں میں کوئی بھی اللہ کے نام سے موسوم نہیں۔ **واصطبر** میں اشارہ ہے کہ یہی آخری شریعت ہے اس پر ہمیشہ کے لئے قائم ہو جا۔

الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٧﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ

انسان کیا جب میں مر جاؤں گا البتہ ضرور نکالا جاؤں گا زندہ کر کے کیا نہیں یاد کرتا

الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٨﴾ فَوَرَبِّكَ

انسان یقیناً ہم نے پیدا کیا اُسے پہلے اور نہ تھا وہ کچھ بھی پس قسم ہے رب کی تیرے

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ

ضرور اکٹھا کریں گے ہم ان کو اور شیطانوں کو پھر البتہ حاضر کریں گے ان کو گرد

٦٧۔٦٨۔ اس رکوع میں بتایا کہ عیسائیوں کو جن دنیوی ساز و سامان اور مال و دولت پر فخر ہے وہ متاع آخر ان سے چھین لی جائے گی۔ اسلام بعث بعدالموت پر بہت زور دیتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ گناہوں سے بچانے میں بے حد ممد ہے۔ اس لئے کہ یومِ آخر پر ایمان لانے والوں کو اپنے احتساب کی فکر لازماً ہوتی ہے جو انہیں برائیوں سے بچاتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ فرماتے ہیں کہ اگر مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین کامل ہو تو انسان اس کے لئے تیاری بھی کرتا ہے اور گناہوں اور لوگوں کی حق تلفیوں سے اپنے تئیں بچانا بھی ضرور ہے۔ پس اعمال سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مرنے کے بعد جی اٹھنے پر کتنا یقین ہے۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ٧٥) یہاں الانسان میں اُنہی لوگوں کا ذکر کیا جو منکرین قیامت ہیں۔

انسان دوبارہ خلق پر متعجب ہوتا ہے حالانکہ ایک دفعہ پہلے بھی اسے خلق کیا گیا جب وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ گویا عدم سے پیدا کر کے اور بہت سے مراحل سے گزار کر انسان وجود میں آیا۔ مرنے کے بعد انسان کے کچھ نہ کچھ باقیات رہ جاتے ہیں۔ پس جو ہستی بغیر مادہ کے عدم سے انسان کو پیدا کر سکتی ہے اس کے لئے ان باقیات سے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے جبکہ وہ خلق روحانی ہے۔ آج کروڑوں سال پرانے ایک زندہ Cell سے انسان کو پیدا کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ غرضیکہ انسان خود بخود عدم سے پیدا نہیں ہُوا نہ مادہ خود بخود پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ ایک تسلیم شدہ قانون ہے کہ اگر کوئی شے ہمیشہ کے لئے رہے تو اس کا ازل سے ہونے کا امکان ہے۔ لیکن جو شے عدم سے وجود میں آئے اور اس کی عمر متعین ہو تو لازماً اس کا کوئی خالق ہے۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

٦٩۔ بیشک معروف جہنم میں بھی یہی نقشہ ہو گا۔ مگر نصاریٰ کے ذکر میں قیامتِ وسطیٰ کا ذکر ہے جو کسی قوم کی ہلاکت ہوتی ہے۔ یہاں شیاطین سے مراد شیاطین الانس ہیں یعنی منکرین قیامت

جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ
جہنم کے سینوں کے بل پھر ضرور جدا کریں گے ہم ہر گروہ سے ان کو کہ جو

اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٧٠﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ
زیادہ سخت ہے رحمٰن پر سرکشی میں پھر ضرور ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو کہ

هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧١﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ
جو زیادہ لائق ہیں اس میں جلنے کے اور نہیں تم میں سے (کوئی) مگر وارد ہوگا اس پر ہے یہ

اور ان کے شیطان صفت ساتھی جنہیں حیات بعد الموت پر یقین نہیں تھا اور یہ عقیدہ انہیں گناہوں پر دلیر کرتا رہا۔ یہ منکرینِ آخرت، یومِ آخر کے علاوہ جہنم کا مزا دنیا میں بھی چکھیں گے۔ جب ان اقوام کو اکٹھا کر کے جنگ کی بھٹی میں جھونکا جائے گا اس وقت یہ اپنی بھڑکائی ہوئی جہنم کے گرد منہ کے بل گرے ہوں گے۔ منہ کے بل گرنے میں ان کی ذلت و رسوائی اور بے بسی کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۷۰۔۷۱۔ **شيعة**۔ فرقہ۔ گروہ۔ **عتيًا**۔ **عتوًا وعتيًا**۔ حکم عدولی کرنا۔ سرکشی کرنا۔ **صليًا**۔ **الصّلى**۔ آگ جلانا۔ **صلى النّار** کے معنی آگ میں داخل ہونے کے ہیں۔

پہلے مدارجِ کفر و ظلم کے لحاظ سے ہر گروہ سے انہیں الگ کیا جو خدائے رحمٰن سے سرکشی کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ پھر بتایا کہ یہ لوگ دوسرے لوگوں کی نسبت آگ کے عذاب کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصاریٰ کی ترقی سے قبل کے زمانہ میں دشمن سے مقابلہ لوہے وغیرہ کے ہتھیاروں سے ہوتا تھا جیسے تیر، تلوار، گرز یا نیزہ وغیرہ اور جنگوں میں معمولی تعداد زخمی یا ہلاک ہوتی تھی۔ عذابِ الٰہی بھی زلزلوں، طوفانوں، سیلابوں اور خوفناک بیماریوں جیسے طاعون و ہیضہ وغیرہ کی صورت نازل ہوتے تھے۔ آگ کا عذاب کبھی نازل نہیں ہوا۔ لیکن یاجوج و ماجوج جن کے نام میں آگ کا مفہوم ہے یعنی قوم نصاریٰ انہوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں آتشیں اسلحہ ایجاد کیا اور انتہائی مہلک قسم کے ہتھیار اور بم بنائے۔ اور جس طرح مخلوقِ خدا پر آگ برسائی وہ دونوں عالمی جنگوں سے ظاہر ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ انسانی زندگیاں تلف ہوئیں جبکہ دوسری جنگِ عظیم میں ساڑھے پانچ کروڑ انسان لقمہ اجل بنے۔ دوسری جنگِ عظیم میں ہیروشیما اور ناگاساکی کی معصوم آبادی پر ایٹم بموں نے جو تباہی مچائی وہ انسانیت کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد کی جنگوں میں بھی قریباً دس کروڑ انسان مارے گئے اور اس کی لپیٹ میں زیادہ تر مشرقی ممالک آئے۔ یہ سب کچھ انہی یاجوجی و ماجوجی طاقتوں کے

عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ
رب پر تیرے ضروری (وعدہ) فیصلہ شدہ پھر نجات دیں گے ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ کیا

نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٣﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
اور چھوڑ دیں گے ہم ظالموں کو اس میں سینوں کے بل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیات ہماری

اشارے پر ہوتا ہے جن کے سامنے آج دنیا کی کوئی قوم پر نہیں مار سکتی۔ پس ضرور تھا کہ اس قوم کو سزا بھی آگ کے ذریعہ دی جاتی یہ سزا آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ملے گی جب اپنے ہی بنائے ہوئے آتشیں ہتھیاروں کی لپیٹ میں آئیں گے۔

۷۲۔ اس مشکل آیت کو سیاق و سباق کی روشنی میں دیکھیں تو بفضلِ تعالیٰ مشکل نہیں رہتی آیت ۶۹ میں بیان فرمایا کہ ان منکرینِ آخرت کو شیاطین کے ساتھ اکٹھا کر کے جہنم کے گرد ایسی صورت میں حاضر کریں گے کہ منہ کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ بیشک انہیں آگ کی تپش تو پہنچے گی مگر آگ میں داخل کرنے کا ذکر نہیں آیت ۷۰، ۷۱ میں بتایا کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ ان گروہوں میں سے ایسے لوگوں کو الگ کر دے گا جو خدائے رحمٰن کی سرکشی میں حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ عام طور پر یہ سردارانِ قوم اور لیڈر ہوتے ہیں جو عوام کو اپنے پیچھے لگاتے اور گمراہ کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہوں گے جو آگ میں جلنے کے زیادہ لائق ہوں گے۔ اس آیت میں انہی لوگوں کے ذکر کو جاری رکھا جو سب سے زیادہ سرکش تھے۔ ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص اس جہنم میں جانے والا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا وہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مومن دنیا میں مجاہدات شاقہ اور شدید ابتلاؤں سے گویا جہنم کا نمونہ دیکھ لیتا ہے اور دنیا میں ہی تمثیلی رنگ میں پل صراط سے گزرتا ہے کہ اگر ذرا دائیں بائیں جھکا تو جہنم کی بھٹی میں گرے گا۔ پس وہ آخرت میں پل صراط سے نہایت آسانی سے گزر جائے گا اور اسے جہنم کی بھاپ تک نہیں پہنچے گی۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام طبع اول صفحہ ۱۴۳ تا ۱۵۷ سے استفادہ کیا گیا)

۷۳۔ جب حد سے بڑھ جانے والے سرکشوں کو الگ کر دیا اور انہیں سزا سنا دی تو جو لوگ ان گروہوں میں شامل ہونے کے باوجود کم سرکش تھے اور خدائے رحمٰن سے ڈرتے تھے ہم انہیں اپنی صفت رحمانیت کی طفیل بچا لیں گے اور ظالموں کو جن کا ذکر آیت ۷۲ میں گزرا جہنم میں اوندھے منہ

بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ
کھلی کھلی کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں کو جو ایمان لائے کہ کون دونوں فریقوں میں سے
خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۴﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ
بہتر ہے مقام کے لحاظ سے اور زیادہ اچھا ہے مجلس کے لحاظ سے اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان کے
قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۵﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ
قومیں گروہ بہتر تھیں اسباب اور نمود میں تو کہدے جو ہو گمراہی میں

گرا ہوئے چھوڑ دیں گے۔تقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں۔پس اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور ایک غلط ماحول میں رہتے ہوئے گناہوں سے کسی حد تک بچنے کی کوشش کرتا ہے تو خدائے رحمٰن اس کے ساتھ ضرور رحم کا سلوک فرمائے گا۔ یہ عام طور پر کمزور لوگ ہوتے ہیں جو بڑے لوگوں کے دباؤ میں آکر ان کے جتھوں میں شامل رہتے ہیں۔ان کی فطرت میں تقویٰ کا بیج ضرور ہوتا ہے لیکن اسے صحیح طور پر پنپنے کا موقع نہیں ملتا۔

۷۴۔ **نـدیًّا۔نـدیّ**۔نداء آواز دینا ہے اسی سے ندی اور نادی مجلس کے معنی دیتا ہے۔ نادی ہمنشین کو بھی کہتے ہیں۔**فلیدع نادیة** (العلق:۱۸) اسی سے مکّہ کا دارالندوۃ تھا۔جہاں لوگ اہم مشوروں کے لئے اکٹھے ہوتے تھے۔

انہیں لوگوں کا ذکر جاری ہے کہ جب کفار ان دلائل قاطعہ کا جواب دینے سے عاجز آ جاتے ہیں تو اپنی دنیوی شان و شوکت اور مسلمانوں کی ظاہری خستہ حالی کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے لئے اس دلیل میں بظاہر خاصا وزن ہے کہ ہمارا دنیوی جاہ و مرتبہ اور اعلیٰ مجالس اس صداقت کا ثبوت ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے زیادہ محبوب و مقرب ہیں۔جس خدا کی معیت کا دعویٰ تم کرتے ہو اس سے تمہاری زبوں حالی پوشیدہ نہیں۔جب وہ دنیا میں تمہیں کچھ دینے یا تمہاری حالت سدھارنے کا روادار نہیں تو آخرت کا کیا بھروسہ۔بیشک سردارانِ کفار کی مجالس بھی دنیوی لحاظ سے نہایت عمدہ ہوں گی لیکن یہاں مخاطب نصاریٰ ہیں۔جن کا دنیوی مقام و مرتبہ آج مسلمانوں کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔خاص طور پر ان کی مجالس پری وش حسینوں اور سامانِ ناؤ نوش کی وجہ سے دنیا کے لئے خاص کشش کا باعث ہیں اور وہ اس دلیل کا اکثر سہارا لیتے ہیں۔

۷۵۔ **رِءیًا**۔نمود۔دکھاوا۔اسی سے ریاء ہے۔

ساتھ ہی وضاحت فرمائی کہ اگر آج نصاریٰ کو اپنے ظاہری ساز و سامان اور نمود و نمائش پر

فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ
پس مہلت دیگا اس کے لیے رحمٰن خوب مہلت یہانتک کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا وہ وعدہ دیئے جاتے ہیں
اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۚ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ
خواہ عذاب اور خواہ قیامت تو ضرور جان لیں گے کہ کون ہے بُرا
مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۶﴾ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا
مرتبہ کے لحاظ سے اور کون زیادہ کمزور ہے لشکر کے لحاظ سے اور بڑھاتا ہے اللہ ان لوگوں کو جنہوں نے ہدایت پائی
هُدًى ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ
ہدایت میں اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں نزدیک تیرے رب کے بدلہ کے لحاظ سے اور

گھمنڈ ہے تو ان کے تقریباً ہم پلہ دوسری بھی کئی اقوام ہیں جیسے چین یا جاپان وغیرہ۔اگر یہ تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو ان پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ قدیم زمانہ میں کتنی ہی عظیم قومیں ہم نے ہلاک کر دیں جن کے ہم پلہ اُس زمانہ میں کوئی قوم نہیں تھی جیسے قومِ فرعون یا قومِ عاد و ثمود وغیرہ۔پس انہیں ہلاک کرنا کیا مشکل ہے۔

۷۶۔چونکہ نصاریٰ مسیح کی قربانی کو گنہگاروں کی بخشش کا بدل قرار دیتے ہیں اور بلا بدل نجات کے قائل نہیں اس لئے صفت رحمانیت کے منکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر بدلہ بھی بخشش سکتا ہے۔ چونکہ یہ سورۃ نصاریٰ کے لئے اتمامِ حجت کے طور پر ہے اس لئے صفت رحمٰن کو کثرت سے دہرایا گیا ہے۔ضالین کے لئے ایک لمبی ڈھیل بھی اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے طفیل ہے لیکن آخر ہلاکت ہے (تفصیل کے لئے تفسیر سورۃ الفاتحہ) پس جب ان قوموں میں سے بعض پر قیامتِ صغریٰ کے رنگ میں عذاب آئیں گے اور بعض پر قیامتِ وسطیٰ کے رنگ میں قومی تباہی آئے گی تب مومنین پر کھلی کھلی تائید الٰہی اور خود پر تباہی و ہلاکت دیکھ کر انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جن کی معمولی بود و باش اور بظاہر کمزور لشکر کو دیکھ کر یہ اپنے تئیں **خیر مقامًا واحسن ندیًا ○** کا دعویٰ کرتے تھے وہ سب غلط ثابت ہُوا اور وہ جان جائیں گے کہ وہی تھے جو مرتبہ کے لحاظ سے بدترین تھے اور جتھے کے لحاظ سے سب سے زیادہ کمزور تھے۔

۷۷۔ **مـردًا۔مـرد** لفظی معنی صرف یا پھیرنے کے ہیں یہاں مراد عاقبت یعنی انجام کے ہیں۔

ابھی مسیحوں کی تباہی کا ذکر کیا جن کے اعمال ضائع ہونے والے تھے کیونکہ ان کی ساری تگ و دو محض دنیا کے لئے تھی جس میں روحانیت کا کوئی حصہ نہیں تھا سو انہوں نے دنیوی طور پر

خَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٧﴾ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ

بہتر ہیں انجام کے لحاظ سے کیا پس تونے دیکھا اس کو جس نے کفر کیا ہماری آیتوں کا اور کہا کہ ضرور میں دیا جاؤں گا

مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٨﴾ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

مال اور اولاد کیا اسے اطلاع ہے غیب کی یا اس نے لیا ہے پاس رحمن کے

عَهْدًا ﴿٧٩﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ

عہد ہرگز نہیں ضرور لکھیں گے ہم جو وہ کہتا ہے اور بڑھائیں گے اس کے لیے عذاب

مَدًّا ﴿٨٠﴾ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨١﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ

بہت بڑھانا اور وارث کریں گے ہم اسے اسکا جو وہ کہتا ہے اور آئیگا ہمارے پاس اکیلا اور انہوں نے بنا لیے ہیں

خوب ترقی کی اور فوائد حاصل کئے۔ اب ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر کیا جن کا مطمع نظر رضائے الٰہی تھا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت میں بڑھاتا چلا جاتا ہے اور ہر نئی آزمائش ان کے لئے مزید ترقی کی راہیں کھولتی چلی جاتی ہے۔ ان کے ہمیشہ باقی رہنے والے نیک اعمال اللہ کی نظر میں اجر کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہیں اور انجام کے لحاظ سے بھی کہ انجام کار یہی سب سے زیادہ نفع بخش سودا ہے۔

۷۷۔۷۹۔ قومِ نصاریٰ ہی مراد ہے جنہوں نے نشاناتِ الٰہی کو جھٹلایا اور جنہیں اپنے مال و منال اور جتھے پر ہمیشہ بڑا ناز رہا۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ترقی کی ان شاہراہوں پر ہمیشہ یونہی گامزن رہیں گے اور ان پر تباہی کبھی نہیں آئے گی۔

فرمایا اس دعوے کی بنیاد صرف دو باتوں پر رکھی جا سکتی ہے یا تو یہ کہ انہیں غائب کا علم ہو کہ یہ کبھی تباہ نہیں ہوں گے یا یہ کہ انہوں نے خدائے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہو کہ وہ انہیں کبھی تباہ نہیں کرے گا۔ جب ان دونوں باتوں کا حقیقت سے کوئی بھی تعلق نہیں تو محض دنیوی مال و متاع، عددی برتری اور مادی ترقی انہیں تباہی سے کیونکر بچا سکتی ہے جبکہ ان ساری نعمتوں سے فیضیاب ہونا بھی رحمانیت کی وجہ سے ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی عظیم قومیں اور حکومتیں جن کا اپنے زمانہ میں کوئی ہم پلہ نہیں تھا ہلاک ہو چکی ہیں۔ کیا فراعنہ مصر اور عاد و ثمود کی مثالیں ان کے سامنے نہیں۔

۸۰۔۸۱۔ جب حقیقت یہی ہے کہ انہیں غیب کی خبر ہے نہ ان سے کوئی خدائی وعدہ ہے۔ تو ان کے اس متکبرانہ قول کو ہم محفوظ رکھیں گے یعنی معاف نہیں کریں گے اور انہیں اس قول کے مطابق سزا ملے گی۔ ان کا متکبرانہ قول، مال و اولاد پر ان کا فخر اور **خیر مقاما و احسن ندیا** ہے۔ (آیت: ۷۴) پس جس طرح ان کو عیش و عشرت اور جاہ و مراتب میں ڈھیل دی گئی کہ شاید ان

دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨٢﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُوْنَ

سوائے اللہ کے معبود تاکہ وہ ہوں ان کے لیے عزت کا باعث ہرگز نہیں عنقریب وہ انکار کرینگے

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٣﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا ع ۵ / ۸

ان کی عبادت سے اور وہ ہوں گے ان کے مخالف کیا نہیں دیکھا تونے کہ ہم نے بھیجا ہے

مہلت سے فائدہ اٹھا لیں اور سنبھل جائیں۔ اسی طرح ان کے عذاب کو لمبا کیا جائے گا اور جن نعمتوں پر وہ فخر کرتے تھے وہ نعمتیں ان سے چھین لی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ ہی ان کا وارث ہوگا۔ یعنی پھر وہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو لوٹا دی جائیں گی، گویا اصل وارث وہی تھے جو اب رب رحمٰن کی نیابت میں یہ فرائض انجام دیں گے۔

یہ پیشگوئی کفارِ مکہ کے تعلق میں بھی پوری ہوئی جب خدا تعالیٰ نے ان کی اولادوں کو چھین کر آنحضرت ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا اور سردارانِ مکہ ذلیل و خوار ہوئے۔ پھر ان کے مال و متاع رہے نہ زمینیں اور جائیدادیں اور نہ اولادیں اور وہ بے یار و مددگار رہ گئے۔

تاریخ خود کو دہراتی ہے آج یہ سب کچھ قوم نصاریٰ کے مقدر میں ہے۔ پس یہ عذاب دنیا میں بھی ہوگا جب سب کچھ ان سے چھین لیا جائے گا کوئی قوم ان کا ساتھ نہیں دے گی، یہ تنہا رہ جائیں گے اور آخرت میں بھی ایک لمبا عذاب ان کے مقدر میں ہوگا۔

۸۲۔۸۳۔ عِزًّا۔ موجب عزت۔

نصاریٰ کی تباہی کے ذکر میں ان کے شرک اور دوسرے معبودانِ باطلہ کے شرک کے انجام سے آگاہ فرمایا۔ بُت عام طور پر کسی بڑے آدمی، نبی یا بزرگ وغیرہ کے تمثیلی وجود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رامچندر جی یا کرشن مہاراج کے بت بنائے جاتے ہیں۔ یہ بت عام بھی ہوتے ہیں لیکن خاص بت بنانے میں بے شمار زر و جواہر صرف کئے جاتے ہیں۔ بت تراشوں کی ماہرانہ تراش خراش سے ان میں غیر معمولی حسن اور رعب پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سومنات کے مشہور بت کی ہیرے کی آنکھیں، سر پر جواہرات سے مرصع تاج، ہاتھ میں سونے کا گرز اور چھت تک پہنچتا ہوا قد دیکھنے والوں کو مرعوب کرتا تھا۔ یہ بت مقناطیس کے ذریعہ ہوا میں معلق تھا جسے محمود غزنوی کی ایک ہی ضرب کلیمی نے پاش پاش کر دیا اور اس کے ٹوٹتے ہی ہیروں کی بارش ہوئی جو اس کے اندر بھرے ہوئے تھے۔ اسی طرح ابو الہول کا بیسیوں فٹ بلند بت بھی ایک عجوبہ سے کم نہیں۔ بتوں کے پرستار ان کی طرف خدائی قوتیں منسوب کرتے ہیں اور انہیں عزت و شہرت اور قوت کا سرچشمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ پس وہی

الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۴﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ

شیطانوں کو کافروں پر وہ اکساتے ہیں انکو خوب اکسانا پس نہ جلدی کر تو ان پر

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۵﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ

سوائے اسکے نہیں کہ ہم گن رہے ہیں ان کیلئے گنتی جس دن اکٹھا کریں گے ہم متقیوں کو طرف رحمٰن کی

معبود جنہیں یہ عزت وقوت کا سبب سمجھتے ہیں۔ان کے لئے ذلت کا سبب ثابت ہوں گے اور اس دن ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ عزت و شہرت اور کئی دوسری نفسانی خواہشات ان کے مدِ نظر تھیں۔اس طرح وہ نہ صرف ان کی عبادت کا انکار کریں گے بلکہ ان کے خلاف گواہ بھی ہوں گے۔یہ جواب ان بزرگوں کا بھی ہو سکتا ہے جن کی تماثیل یہ بت ہیں۔ اگر بے جان بت مراد لئے جائیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کو انہیں نطق و زبان عطا کرے گا۔(قرطبی) اور یہ اپنے عبادت گذاروں سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔(بقرۃ رکوع ۲۰) یہ بھی معنی ہے کہ مشرک ان معبودانِ باطلہ کی عبادت کا انکار کریں گے جن کی وجہ سے یہ ذلت دیکھنا نصیب ہوئی۔

یہاں نصاریٰ کا ذکر ہے جو مسیح ؑ اور اس کی والدہ کو خدائی میں شریک قرار دیتے ہیں اور اس اعتقاد کو اپنے لئے باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔نصاریٰ کی ہولناک تباہی گویا ان کے باطل عقیدہ کی تباہی ہوگی۔ وہ زبان حال سے مسیح ؑ کی خدائی کا ردّ کریں گے اور اس عقیدہ سے بیزار ہوں گے اور مسیح بھی ان سے بیزار ہو گا۔یہاں مسیحِ محمدی بھی مراد ہو سکتا ہے جو مسیح کی بعثتِ ثانیہ ہے اور اس کا ظلی ظہور ہے۔

۸۴۔۸۵۔**تَؤُزُّ۔اَزٌّ** ہنڈیا کے ابال کو کہتے ہیں مراد کسی کو جوش دلانا یا اکسانا ہے۔

اس آخری رکوع میں وضاحت کے ساتھ عیسائیت کی تباہی کا ذکر کیا اور بتایا کہ عقیدہ ابنیتِ مسیح کے دن گنے جا چکے ہیں ان کی شان و شوکت اور جاہ و جلال آخری دموں پر ہے۔عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے تمام عالم جگمگا اٹھے گا۔زمانہ نبوی میں تو شیاطین سے مراد سردارانِ کفار ہی تھے جن کا ذکر آیت:۷۰ میں گزرا ہے جو عوام کو دینِ حق کی مخالفت پر اکساتے اور انہیں تباہی کے گڑھے کی طرف دھکیلتے۔فرمایا ان کے عذاب کے لئے جلدی مت کر ان کے دن گنے جا چکے ہیں اور ذلت و خواری ان کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔جہاں تک شیطان کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان اور ذریت شیطان سے اپنے بندوں کی خود حفاظت کرتا ہے اور وہ ان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔جیسا کہ فرمایا

وَفْدًا ﴿۸۶﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۷﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ

مہمانوں کی طرح اور ہانک کر لیجائیں گے ہم مجرموں کو طرف جہنم کی پیاسے نہ اختیار رکھیں گے وہ

اِنَّ عبادی لیس لک علیهم سلطٰن (سورۃ حجر رکوع ۳) لیکن جو بد بخت اللہ کی بندگی سے نکل جاتے ہیں وہ اللہ کی حفاظت سے بھی نکل جاتے ہیں اور شیطانوں کو ان پر حملہ کرنے کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔گویا ان کی فطرت کثرتِ معاصی سے اتنی مسخ ہو جاتی ہے کہ شیطان کو حملہ کی خود دعوت دیتی ہے جو انہیں مزید گناہوں کی طرف رغبت دلاتا ہے۔

چونکہ اس سورۃ میں بالخصوص نصاریٰ مخاطب ہیں اس لئے یہاں شیاطین سے مراد غلبہ عیسائیت کے زمانہ میں ان کے فلاسفر اور پادری وغیرہ ہیں جو عالمگیر دہریت اور الحاد پھیلانے میں سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کا خاص ہدف (Target) مسلمانوں کو اسلام اور بانی اسلام کے خلاف اکسانا اور انہیں عیسائیت میں داخل کرنا ہے۔فرمایا ان کی جلد تباہی تمہاری تدابیر سے ممکن نہیں نہ تم میں ان سے اور ان کے شیطانی حربوں سے مقابلہ کی طاقت ہے ان کا مقابلہ خدا تعالیٰ خود کرے گا۔ یہ دنیا میں ذلیل و رسوا ہوں گے اور آخرت میں واصل جہنم ہوں گے۔(آیت:۸۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی بنا پر حدیث نبوی کے تحت (کہ مسیح جزیہ ختم کر دے گا یہ ایک لمبی حدیث ہے)(ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال صفحہ ۴۵۸ بروایت حضرت ابو ہریرہؓ) حکم الٰہی سے جہاد کو وقتی طور پر موقوف فرمایا۔حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں مذہبی آزادی تھی اور جہاد کا بظاہر کوئی جواز نہیں تھا۔پس جہادِ اکبر یعنی تبلیغ و تربیت سے انہیں راہِ راست پر لانے کے لئے مساعی جاری رہیں۔اور جہاد بالسیف کی بجائے جہاد بالقلم اور جہاد باللسان سے ان کا دفاع کیا اور اسلام پر ان کے جارحانہ حملوں کو ناکام کیا۔یہاں تک کہ ان کے بڑے بڑے پادری آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔بفضلِ تعالیٰ یہ جہاد مسلسل جاری ہے اور عاشقانِ رسول ﷺ کا لشکر جرار آپ ﷺ کے مسیح ؑ کی نیابت میں ایک عالم سے برسرِ پیکار ہے۔

۸۶۔۸۷۔**وِرْدًا۔وِرْد**۔ورود لوگوں کا پانی پر جانا **بئس الورد المورود** (ھود:۹۹) ورد گھاٹ کے معنی بھی دیتا ہے اور گھاٹ پر جانے والوں کے بھی۔

قیامت کے دن متقین نہایت اعزاز و اکرام سے وفد در وفد خدائے رحمٰن کے حضور معزز مہمانوں کی طرح حاضر ہوں گے اور انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے۔بیشک متقین دنیا میں بھی بینا ہوتے ہیں اور خدائے بزرگ و برتر سے ملاقات کا شرف حاصل کرتے ہیں جو کشفی رنگ میں ہوتی

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٨﴾ وَقَالُوا

سفارش کی سوائے اس کے جس نے لیا ہوگا رحمٰن کے حضور عہد اور کہا انہوں نے

ہے۔ لیکن قیامت کو چونکہ انہیں نہایت لطیف جسم عطا ہوگا اس لئے باوجود خدا تعالیٰ کے غیر محدود ہونے کے ان کی اپنے ربّ سے ملاقات نہایت مکمل اور شاندار ہو گی اور کوئی اخروی نعمت دیدارِ الٰہی کی نعمت کا مقابلہ نہیں کر سکے گی جبکہ جہنمی اس نعمت سے محروم رہیں گے۔ یہاں جہنمیوں کے لئے وِردًا کا لفظ آیا ہے جس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ جس طرح پیاسے جانور پانی پر اپنی پیاس بجھانے جاتے ہیں اسی طرح جہنمی آگ پر اپنی پیاس بجھانے جائیں گے۔ اس لئے کہ دنیا میں انہیں جتنا بھی انعاماتِ خداوندی سے نوازا گیا ان کی ہوس اور بڑھتی گئی آخر اس تشنگی کو جہنم کی آگ ہی بجھائے گی۔

وفد کا لفظ اس جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو بادشاہ کے حضور اپنی حاجات لے کر حاضر ہوں۔ چونکہ نصاریٰ کے لئے دنیا کی سزا بھی مقدر ہے اور متقین کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوگی۔ اس لئے متقین وفد کی صورت اپنی گزارشات اور فریادیں لے کر خدائے رحمٰن کے حضور حاضر ہوں گے یعنی نمازِ باجماعت اور اجتماعی دعاؤں کے ذریعہ اپنی فریاد اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور پیش کریں گے۔ ان کی یہ گریہ وزاری خدا کے غضب کو نازل کرنے کا ذریعہ ثابت ہو گی اور مسیحی اس دنیا میں ہی جہنم کا مزا چکھیں گے۔ **وِردًا** میں ان کے اجتماعی حشر کی طرف بھی اشارہ ہے۔

٨٨۔ کفارہ پر اعتماد کرنے والوں کو ہی خاص طور پر متنبہ کیا کہ اس ہولناک گھڑی میں شفاعت کا اصل اختیار آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہو گا۔ جن سے خدائے رحمٰن نے خود شفاعت کا وعدہ فرمایا آپ ﷺ کے بعد حسبِ درجات کامل الایمان لوگوں کو بھی شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر نبی کو ایک خاص دعا کا حق دیا گیا ہے جو اس نے کی اور قبول کر لی گئی۔ مگر میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کے لئے بطور شفاعت رکھ چھوڑا ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الدعوات باب لکلّ نبی دعوة مستجابة حدیث نمبر ٥٨٢٩) شفع کا معنی کسی ہم جنس و مشابہ اعلیٰ چیز کے ساتھ ادنیٰ چیز کو ملانا کے ہیں۔ قیامت کے روز آنحضرت ﷺ کی شفاعت بھی انہی معنوں میں ہوگی کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے اور آپ ﷺ کے مثیل بننے کی پوری کوشش کی یعنی آپ کی سنت پر عمل کیا مگر بعض کمزوریوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے ان کی سعی و کوشش میں اگر کچھ کمی رہ گئی اور وہ اپنے ارادے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے تو ان کے لئے

اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٩﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٩٠﴾ تَكَادُ

اختیار کیا ہے رحمٰن نے بیٹا یقیناً یقیناً کی تم نے بات بڑی بُری قریب ہیں

السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

آسمان کہ پھٹ جاویں اس سے اور پھٹ جاوے زمین اور گر جاویں پہاڑ

هَدًّا ﴿٩١﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩٢﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ

کانپ کر اس سے کہ پکارا انہوں نے واسطے رحمٰن کے بیٹا حالانکہ نہیں لائق رحمٰن کے لیے

آنحضرت ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ کہ اے! **ارحم الرّٰحمین** ان کی کوتاہیوں کو معاف کر اور ان کی مغفرت فرما۔ پس جو آپ ﷺ کا مثیل بننے کی پوری کوشش نہیں کرتا اور آپ ﷺ کی سنت پر عمل نہیں کرتا۔ وہ آپ ﷺ کی شفاعت کا بھی مستحق نہیں۔ یہ غلط ہے کہ آپ ﷺ ہر گنہگار مسلمان کی شفاعت فرمائیں گے۔ اگر اس آیت کو دنیا پر چسپاں کریں تو قومِ نصاریٰ کی تباہی یقیناً قیامتِ وسطیٰ ہو گی جس میں ربّ رحیم کے وہی بندے بچائے جائیں گے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی پیروکار ہوں گے اور آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوں گے۔ (ترمذی)

٨٩۔ جب خوب واضح کر دیا کہ شفاعت کا اصل حق صرف آنحضرت ﷺ کو ہو گا۔ جو اپنے ربّ کا بندہ بھی ہے اور رسول بھی تو نصاریٰ کی شفیع کے لئے بیٹا ہونے کی شرط بناوٹ لغو ہے۔ ہاں شفاعت کے لئے مثیل ہونا ضروری ہے جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار آپ کی تعلیم کے سراسر خلاف خدائے رحمٰن کی طرف بیٹا منسوب کر رہے ہیں۔ پس نصاریٰ مسیح کی شفاعت کے حقدار ہرگز نہیں اور کفارہ کا عقیدہ بھی مسیح کے بہت بعد کی اختراع ہے۔

٩٠ تا ٩٢۔ **اِدًّا**۔ **اِدّ**۔ سخت ناپسندیدہ امر۔ **یتفطّرن**۔ **تفطّر**۔ کے معنی پھٹ گیا کے ہیں۔ **فَطَرَ**۔ کسی شے کو نئے سرے سے شروع کرنا ہے۔ **ھدًّا**۔ **ھدّ**۔ ایک مرتبہ زور سے گر کر منہدم ہونا۔ **لقد جئتم** میں اشارہ کیا کہ یہ عقیدہ دنیا میں پھیل جائے گا۔ یہاں عقیدہ ابنیتِ مسیح کی تردید میں اس قدر پُر ہیبت الفاظ آئے ہیں کہ کسی دوسری قسم کے شرک کے لئے ایسے سخت الفاظ نہیں آئے۔ یہود کو دنیا میں ہی سزائیں دی گئیں لیکن نصاریٰ کا جرم اس قدر خطرناک ہے کہ زمین و آسمان میں اسے برداشت کرنے کی تاب نہیں۔ ایک کمزور انسان کو خدائی میں شامل کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ قریب تھا کہ تثلیث کے غلبہ کے وقت دنیا میں آخری تباہی آجاتی اور قیامتِ کبریٰ قائم ہو جاتی جب آسمان پھٹ جاتا، زمین شق ہو جاتی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ

اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۳﴾ اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ

کہ بناوے بیٹا نہیں ہر شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر

اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۴﴾ لَقَدۡ اَحۡصٰہُمۡ وَعَدَّہُمۡ عَدًّا ﴿۹۵﴾

آنے والا ہے رحمٰن کے پاس بندہ ہوکر یقیناً یقیناً اس نے گن بیا ہے انہیں اور شمار کرلیا ہے انہیں خوب شمار کرنا

وَکُلُّہُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

اور ہر ایک ان میں سے آویگا اسکے پاس بروز قیامت اکیلا یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے

کی صفتِ رحمانیت نے پھر جوش دکھایا اور عین وقت پر اپنے مسیح کو بھیج کر اس فتنہ عظیمہ کو روکا اور اس فاسد عقیدہ کا ابطال فرمایا۔ عیسائی حکومتوں کے ٹوٹنے، آخری زمانہ کی تباہ کاریوں اور ایٹمی جنگوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اس عاجزہ کی رائے میں یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ چونکہ زمین و آسمان اور پہاڑ وغیرہ خدا تعالیٰ کے خاص نظام اور قانون کے تحت کام کرتے ہیں اور اس سے سرمو انحراف نہیں کرتے اس لئے اس عقیدہ کی رو سے اگر خدا تعالیٰ کی بادشاہی میں کوئی اور بھی شریک ہوتا تو ضرور ہے کہ اُس کا حکم بھی کسی حد تک چلتا۔ اب اگر اس کے حکم سے نظامِ عالم میں ایک انچ یا ایک انچ کا ہزارواں حصہ بھی فرق پڑتا تو زمین و آسمان اور پہاڑ بلکہ کُل کائنات تہ و بالا ہو جاتی۔ پس قانونِ الٰہی میں عقیدہ تثلیت کی کوئی گنجائش نہیں۔

۹۳۔ اپنے بندوں کو بلا بدل نوازنے والے خدائے رحمٰن کی شان سے بعید ہے کہ وہ کوئی بیٹا بنائے اور اس بیٹے کی قربانی کو گنہگاروں کی نجات کا ذریعہ بنائے۔ یہ عقیدہ ہرگز اس کے شایانِ شان نہیں اور اس کی صفت رحمانیت کے سراسر مخالف ہے۔

۹۴۔ اسے بیٹا بنانے کی کیا حاجت جبکہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے اس کی تابع فرمان ہے اور اس کی بندگی میں فخر محسوس کرتی ہے۔ یہاں تک کہ انسانِ کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی رسول سے پہلے عبد ہونا ہی باعثِ فخر ہے۔ جیسا کہ **محمد عبدہ ورسولہ** میں عبدیت کو ہی اوّل رکھا۔ کل کائنات میں خدائے رحمٰن کا قانون نافذ ہے نظامِ عالم میں کوئی چیز اس کے مقرر کردہ قانون سے اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتی۔ یہ حضرتِ انسان ہی ہے جو اپنے محسنِ حقیقی سے بغاوت کا مرتکب ہوتا ہے لیکن آخر اسے بھی فرمانبرداروں کی طرح ہی اپنے ربّ کے حضور حاضر ہونا ہوگا۔

۹۵-۹۶۔ چونکہ اس پوری سورۃ میں عقیدۂ ابنیتِ مسیح اور کفارہ وغیرہ کا بطلان ہے اور توحید

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ﴿۹۷﴾ فَاِنَّمَا

اور کیں نیکیاں ضرور کرے گا ان سے رحمٰن محبت۔ پس سوائے اسکے نہیں

کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس لئے بتایا کہ دنیا میں بھی ہر شخص حصارِ الٰہی میں مقید ہے اور اس کے علم میں ہے مگر بظاہر انسان کو یہ سب نظر نہیں آتا۔ لیکن قیامت کو ہر چیز ظاہر ہو جائے گی، تمام پردے اٹھ جائیں گے اور ہر شخص جان لے گا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے حصار سے نکل سکے یا اس کے علم میں نہ ہو۔ پس کفارہ یا دوسرے عقائد باطلہ پر یقین رکھنے والے خدا کے حضور حساب دینے اکیلے ہی حاضر ہوں گے۔ کوئی جھوٹے معبود ان کی مدد یا شفاعت کے لئے ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ فرداً فرداً حاضری میں تمام مخلوق شامل ہے سوائے ان برگزیدہ بندوں کے جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی صفتِ رحمانیت کے طفیل بغیر حساب بخش دے۔

۹۷۔ **وُدًّا۔ وُدّ**۔ ایسی محبت جو دل میں گڑ جائے اسی سے ودود ہے۔ یہ **حُبّ** سے شدید ہے لیکن **خُلّۃ** سے کم درجہ پر ہے۔ **خُلّہ** ایسی محبت ہے جو نس نس میں سما جائے اسی سے خلیل ہے۔ عربی ایک نہایت وسیع زبان ہے اس میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کا ہر لفظ اور فقرہ عموماً کئی ایک معانی رکھتا ہے۔ اس طرح اس چھوٹے سے جملے کے بھی کئی معانی ہیں اور سب یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔

ا۔ عام معنی تو یہی ہے کہ خدائے رحمٰن عملِ صالحہ کرنے والے مومنین سے محبت کرے گا ان سے خاص تعلق پیدا کرے گا اور انہیں اپنا محبوب بنالے گا۔ اکثر مومنین کے دل میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ہم خدا کی محبت اور اس کا قرب کس طرح حاصل کرسکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ۳۵ دفعہ ایمان کے ساتھ عمل صالحہ کا ذکر ہے۔ یہاں بتایا کہ جو مومن بھی نیک عمل کرے گا اپنے ربّ کی محبت کو پالے گا۔ جنت الفردوس کا حصول بھی ایمان اور عمل صالحہ سے مشروط ہے۔ (کہف۔ ۱۰۸) پس اعمالِ صالحہ بجا لانے والے مومنین پر اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی عنایات اس پیار و تعلق کا ثبوت ہیں۔ اگر اعمالِ صالحہ سے وہ مقام نہیں مل رہا تو یقیناً عمل میں کمی ہے۔ نام کے مومن اس خاص سلوک سے مستثنیٰ ہیں۔ پچھلی آیات میں قیامت کا ذکر تھا جب دنیا میں اپنی محبت سے نوازے گا تو قیامت کو بھی اپنی محبت کا اظہار کر کے انہیں سرخرو کرے گا جیسا کہ آیت ۸٦ میں ذکر کیا۔

ıı۔ ایک بندہ مومن جب خدائے رحمٰن کے اَن گنت انعامات و احسانات پر غور کرے گا اور اس کے وسیع فیضان کے نظارے دن رات اس کی نظروں سے گزریں گے تو اس کا دل محبتِ الٰہی سے لبریز ہو جائے گا۔ گویا خدائے رحمٰن اپنی محبت کو اس کے دل میں بھر دے گا اور وہ اپنے ربّ کا عاشق ہو جائے گا۔

III۔ یہ ایک فطری امر ہے کہ ہر عاشق اپنے محبوب اور محبوب کی ہر شے سے عشق کرتا ہے۔ پس جو خدا تعالیٰ سے پیار کرے گا تو ضرور ہے کہ اس کی مخلوق سے بھی پیار ہو۔ پس بندہ مومن خدائے رحمٰن کی صفتِ رحمانیت سے ظلی طور پر رنگین ہو کر بنی نوع انسان سے حسنِ سلوک کرے گا ان کے بوجھوں کو ہلکا کرے گا، ان پر احسان کرے گا اور ان سے بے لوث محبت کرے گا۔ اس طرح اس آیت کے یہ بھی معنی ہیں کہ مومنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کی محبت بھر دے گا۔

IV۔ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ لوگوں کی شدید نفرت کا شکار تھے۔ یہاں بطور پیشگوئی فرمایا کہ عنقریب ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ دنیا آپ ﷺ کی محبت کا دم بھرے گی۔ گویا اللہ تعالیٰ منکرینِ حق کے دلوں کو آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کی محبت سے بھر دے گا اور آپ ﷺ کو محبوبِ خلائق بنا دے گا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے۔ تو جبریلؑ سے فرماتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔۔۔۔۔۔ تب ملائکہ میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے اور سب آسمانی وجود اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ محبت زمین میں پھیل جاتی ہے اور دنیا کے لوگوں میں بھی اس کی مقبولیت کی روح پیدا کر دی جاتی ہے۔ تب اہلِ زمین بھی اس محبوبِ خدا سے محبت کرتے ہیں۔ (بخاری جلد رابع کتاب الادب باب المقت من اللہ)

غلبہ عیسائیت کے زمانہ میں بھی آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام پر بہت سے بے بنیاد الزامات لگا کر انہیں لوگوں کی نفرت کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن بہت جلد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیحؑ کو مبعوث فرمایا جس نے آپ ﷺ پر لگائے گئے تمام الزامات سے آپ ﷺ کی بریت فرمائی۔ اس طرح اسلام اور بانی اسلام کے چہرے سے اس گرد کو صاف کر کے ان کے نورانی چہرے سے دنیا کو روشناس کروایا۔ قریب ہے کہ ایک دفعہ پھر آپ ﷺ کی محبت سے تمام عالم منور ہو جائے یعنی دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو جائے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ نصاریٰ کے دل میں بھی آپ ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور ان کی اکثریت آپ ﷺ کو قبول کرے گی۔ انشاء اللہ۔

V۔ مومنین میں آپس کی محبت بھی مراد ہے کہ اگر دنیا میں ان کے درمیان کوئی ناراضگی ہو گی تو وہ دور کر دی جائے گی اور وہ پاک و صاف دلوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔ جیسا کہ فرمایا کہ مومنین کے دلوں سے سارے کینے دُور کر دیئے جائیں گے۔

۹۸۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کرے گا اور ان بندوں کی محبت لوگوں کے

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۸﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۹﴾

کہ آسان کیا ہے ہم نے اسے زبان پر تیری تاکہ بشارت دے تو ساتھ اس کے متقیوں کو اور ڈراوے ساتھ اس کے لوگوں جھگڑنے والوں کو اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے پہلے ان کے قومیں کیا تو محسوس کرتا ہے ان میں سے کسی کو یا تو سنتا ہے ان کی آہٹ بھی

ع ۶

دلوں میں پیدا کر دے گا۔ لیکن یہ سب قرآنِ کریم پر عمل کرنے سے ہو گا۔ بیشک قرآنِ کریم آسان اور عام فہم ہے جیسا کہ فرمایا **ولقد یسرنا القراٰن للذکر** ۔۔۔۔ (۵۴-۱۸) لیکن چونکہ اس کی فصاحت و بلاغت بھی بے مثل ہے اس لئے فرمایا کہ قرآنِ کریم کو تیری زبان کے ذریعہ آسان کر دیا یعنی جہاں بھی کوئی دشواری پیش آتی ہے تو اسے آسان زبان میں سمجھا دیتا ہے۔ اس سے احادیث کی اہمیت و افادیت بھی واضح ہے۔ اس زمانہ میں مطلب یہی تھا کہ قرآن کو تیری زبان میں اس لئے اتارا کہ تو اس کے ذریعہ سے عرب جیسی جھگڑالو قوم کو ہوشیار کرے اور راہِ حق کی طرف لا سکے۔ غلبۂ عیسائیت کے زمانہ میں اس آیت کی تشریح یہ ہو گی کہ چونکہ نصاریٰ شریعت کو لعنت اور نا قابلِ عمل قرار دیتے ہیں اس لئے بتایا کہ جو شریعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر نازل ہوئی وہ نہایت آسان اور قابلِ عمل ہے۔ جن الفاظ سے سورۃ کہف کو شروع کیا انہی الفاظ سے اس سورۃ کو ختم کیا سوائے اس کے کہ وہاں قومِ نصاریٰ کے لئے **اتخذ اللّٰہ ولدا** کے الفاظ آئے اور یہاں انہیں قوم **لدّ** کہا۔ اس لئے کہ آج حق کے ساتھ جسے مسیح الزمان نے پیش کیا جس قدر جھگڑا اس قوم نے کیا کسی دوسری قوم نے نہیں کیا۔ اور آج سب سے زیادہ ڈرانے کی بھی اسی قوم کو ضرورت ہے کیونکہ تباہی ان کے سر پر کھڑی ہے۔ پس قرآن کے ذریعہ یعنی قرآنی دلائل و براہین کے ذریعہ تو اس قوم لدّ کو شکست دے۔ ہتھیار اور نفری سے تُو اس قوم کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ عیسائیت کے ذکر میں بابِ لدّ کی طرف بھی اشارہ ہے جہاں دجال مارا جائے گا۔

۹۹۔ **تُحِسُّ۔ حسّ**۔ محسوس کرنا۔ **رِکْزًا**۔ پاؤں کی آواز۔ آہٹ۔ ہلکی آواز۔

قومِ نصاریٰ ہی مخاطب ہے جنہیں اپنے عروج کے زمانہ میں اپنی حکومت و طاقت اور مادی ترقی پر بہت ناز ہو گا۔ انہیں خبردار کیا اور اللہ کے اس قانون کی طرف متوجہ کیا کہ تم سے پہلے بہت سی ترقی یافتہ اقوام جو عظیم الشان سلطنتوں کی مالک تھیں، احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کی وجہ سے

بالآخر زوال کا شکار ہوئیں اور ان کی صف لپیٹ دی گئی۔ یہاں تک کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا جیسا کہ قوم عاد اپنے زمانہ میں عرب وشام اور عراق پر قابض تھی لیکن انکارِ حق کی وجہ سے حرفِ غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دی گئی اور آج زمین کھود کھود کر ان کے آثار ڈھونڈنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پس اے قوم نصاریٰ! اگر تم نے ان ہلاک شدہ اقوام سے عبرت حاصل نہ کی جو خدائی عتاب کے نیچے آئیں اور تم اپنی غلط روش سے باز نہ آئے تو یقیناً تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ تمہارا نام ونشان تک مٹا دیا جائے گا۔

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اور اسلام کا غلبہ ہوگا۔ یہ خدائی وعدے ہیں جو پورے ہو کر رہیں گے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمٰنِيَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ طٰہٰ۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو چھتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں

یہ سورۃ ابتدائی مکّی سورتوں میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو سورتیں میں نے حفظ کیں وہ سورۃ بنی اسرائیل، کہف۔ مریم، طٰہٰ اور انبیاء تھیں۔ پس اس کا نزول بھی پانچویں سال نبوت کے قریب ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

پچھلی سورۃ کے آخر میں بیان کیا گیا تھا کہ رسولِ عربی ﷺ کی محبت آخر کار تمام عالم میں پھیل جائے گی۔ اس سورۃ کو طٰہٰ سے شروع کر کے آنحضرت ﷺ کی فضیلت بیان فرمائی کہ قرآنِ عظیم کا لانے والا کبھی ناکام نہیں رہ سکتا اور اس کے مخالفین عذابِ ہلاکت سے نہیں بچ سکتے ہیں۔ ہاں اس عذاب کی نوعیت پہلے مکذبین کے عذاب سے مختلف ہوگی۔

پچھلی دونوں سورتوں کا تعلق خاص طور پر مسیحیت سے ہے اور مسیحیت پر بطور حجت ہیں۔ سورۃ مریم میں مسیحیت کی ابتدائی تاریخ بیان کی گئی ہے اور کھول کر بتایا کہ مسیحؑ کے آنے کی اصل غرض توحید کا قیام تھا اور وہ شریعتِ موسوی کے تابع تھا۔ مگر بعد میں آنے والے مسیحوں نے کفارہ کا عقیدہ گھڑ لیا، اسے شرک کا ذریعہ بنایا، شریعت کو لعنت قرار دیا اور اس پر عمل سے دست کش ہوگئے۔ اس سورۃ میں اسی مضمون کو ابتدائے یہودیت کی طرف منتقل کیا اور موسیٰؑ کے واقعات تفصیل سے بیان فرمائے۔ اور بتایا کہ موسیٰؑ کا بڑا کارنامہ آپ کی شریعت تھی جو توحید پر قائم تھی۔ آپ نے بنی اسرائیل کو اسی شریعت پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی۔ اس کے بعد موسیٰؑ سے بہت پہلے یعنی ابتدائے آفرینش تک اس مضمون کو لے جا کر شریعت اور گناہ کی حقیقت کو واضح کیا اور بتایا کہ شریعت رحمت ہے، لعنت نہیں۔ اس طرح نصاریٰ کے اس فاسد عقیدے کا ردّ فرمایا۔ یہی وہ سورۃ ہے جس کی ابتدائی آیات سن کر ہی حضرت عمرؓ لرز گئے اور آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ ترک کر کے ہمیشہ کے لئے آپ ﷺ کی غلامی قبول کرنے دربارِ نبوی میں حاضر ہوگئے۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿١﴾
(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

طٰہٰ ﴿٢﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ﴿٣﴾ اِلَّا
طا۔ ہا۔ نہیں اُتارا ہم نے تجھ پر قرآن تاکہ مشقت میں پڑے تو مگر

ا۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

٢۔ رکوع ٦ تک حضرت موسیٰؑ کا ذکر تفصیل سے بیان فرمایا جس میں زمانہ نبوی اور بعد کے زمانوں کے لئے لاتعداد پیشگوئیاں تھیں۔ **طٰہٰ** یعنی طاہر القلب اور ہادیٔ کامل انسان۔ یا طیب اور ہادی۔

عرب کے مختلف قبائل میں **طٰہٰ** کے معنی یا رجل کے ہیں یعنی اے مردِ کامل القویٰ (فتح البیان) اس لفظ میں آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل بیان کر کے ان ترقیات اور کامیابیوں کی طرف اشارہ کیا جو بہت جلد آپ ﷺ کو ملنے والی تھیں۔ جن کا تمثیلی ذکر اس سورۃ میں ہے۔ سورتوں کے شروع کے حروف میں عددی حساب سے بہت سی پیشگوئیاں مضمر ہوتی ہیں۔ تفصیل کے لئے سورۃ مریم کا دیباچہ ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں بھی علم الاعداد کے مطابق طا کے نو عدد اور ہٰ کے پانچ عدد ہیں یعنی **طٰہٰ** کے کُل چودہ عدد ہیں۔ جبکہ مقطعات کے حروف بھی چودہ ہیں جو قرآنِ کریم کی انتیس (٢٩) سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ چودہ کے عدد میں جنگ بدر کی طرف بھی اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی بعثت کے چودہ سال بعد لڑی گئی اور اسلام کی آئندہ کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ چودہ کے عدد میں اسلام کی آئندہ ترقی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ چنانچہ احادیثِ مبارکہ کی رو سے چودھویں صدی میں مسیح موعود اور مہدی معہود کا ظہور مقدر تھا جن کا وجود اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہُوا اور آپ نے عین وقت پر آ کر اسلام کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے لگایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو طٰہٰ کا خطاب دیا یعنی مردانگی کی تمام قوتیں آپ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ مردانگی کی کسی صفت میں روئے زمین کا کوئی بشر آپ ﷺ کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ شجاعت و جوانمردی، امانت و دیانت، سخاوت اور مہمان نوازی، عفو و درگزر، استغنا و سیر چشمی غرض کسی صفت میں بھی آپ ﷺ کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا

نہیں جو دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہو آپ ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ کی ایک ایک حرکت اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہر لفظ کو احادیث کی زینت بنا دیا۔ آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کے دشمن بھی معترف ہیں۔ پس آپ ﷺ ہی وہ انسانِ کامل ہیں جو تمام دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ انسان کے اخلاق و کردار کی سب سے بڑی گواہ اس کی بیوی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے غار حرا میں ایک عظیم بوجھ آپ ﷺ کے کندھوں پر ڈالا تو آپ ﷺ نے حضرت موسیٰؑ کی طرح کسی معاون کی درخواست نہیں کی بلکہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اکیلے ہی سینہ سپر ہو گئے۔ چونکہ آپ ﷺ کے لئے فرشتہ کا ملنا اور آپ ﷺ کو اللہ کا پیغام پہنچانا بالکل نیا تجربہ تھا اس لئے آپ ﷺ کا گھبرا جانا ایک فطری امر تھا لیکن اس موقعہ پر آپ ﷺ کی مزاج شناس زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ نے وہ تاریخی الفاظ کہے جو آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق اور عظیم شخصیت کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ ہمیشہ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ لوگوں کے بوجھ ہلکا کرتے ہیں اور وہ اخلاقِ فاضلہ جو دنیا سے مٹ چکے ہیں ان کو از سرِ نو قائم کرتے ہیں۔ آپ ﷺ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور تمام حوادث میں حق و صداقت کا ساتھ دیتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص بغیر کسی شرارت کے مصیبت میں پھنس جائے تو آپ ﷺ اس کی اعانت کرتے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے اوصاف کے والے انسان کو خدا چھوڑ دے (بخاری کتاب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس معتبر گواہی نے ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ حقیقی طور پر **طٰہٰ** تھے۔ آپ ﷺ اپنی پیدائش سے لے کر وصال تک ہر قسم کے حالات سے گزرے۔ آپ ﷺ پر فاقے بھی آئے اور آپ ﷺ دنیوی خزانوں کے مالک بھی بنے۔ آپ ﷺ نے نہایت کس مپرسی میں فقیرانہ زندگی بھی بسر کی اور پھر آپ ﷺ پورے عرب کے بادشاہ بھی ہوئے۔ آپ ﷺ نے مکّہ کی گلیوں میں پتھر کھائے مگر کسی پر ہاتھ نہ اٹھایا لیکن جنگوں میں بطور جرنیل فوجوں کی کمان بھی کی اور دشمنوں کے منہ پھیر دیئے۔ اس طرح آپ ﷺ نے دنیا کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک بے مثال نمونہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نہ صرف جسمانی طور پر مردِ کامل القویٰ تھے بلکہ روحانی طور پر بھی مردِ کامل القویٰ تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کامل روحانی قوتوں سے نوازا تھا آپ ﷺ جس روحانی مقام پر فائز ہوئے، ازل سے لے کر ابد تک کوئی اس مقام تک پہنچنے کا اہل نہیں تھا۔ آپ ﷺ ہی **دنا فتدلّٰی ٥ فکان قاب قوسین اوادنٰی ٥** کے مقامِ ارفع تک پہنچے۔ (٥٣۔ ٩۔ ١٠) پس آپ ﷺ صحیح معنوں میں **طٰہٰ** کے مصداق تھے۔

تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۴﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ

نصیحت کے طور پر اس کیلئے جو ڈرتا ہے (اس قرآن کا) اتارنا ہے طرف سے اسکی جس نے پیدا کیا زمین

وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۵﴾ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۶﴾

اور آسمانوں بلند کو رحمٰن عرش پر ٹھیک قائم ہوا

۳-۴-**تشقٰی**-شقی-سعید کی ضد ہے یعنی بھلائی یا اعانتِ الٰہی سے محرومی-مشقت اور تکلیف کے معنی بھی دیتا ہے-تو مشقت میں پڑے گا-

مخلوقِ عالم کی ہدایت کی عظیم ذمہ داری آپ ﷺ کے کندھوں پر ڈال کر آپ ﷺ کی تشفی فرمائی کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں-سورۃ مریم کو جھگڑالو قوم کے ذکر پر ختم کیا یہاں بتایا کہ بالآخر یہ قوم ہدایت قبول کر لے گی-یہ بھی مراد ہے کہ قرآن کریم کو تجھ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ یعنی مجاہدات شاقہ اور مخلوق کے غم میں اپنی جان ہلاک کرلو-یہ تو ان کے لئے نصیحت ہے جن کے دل میں خوفِ خدا ہے-جیسا کہ شروع قرآن میں فرمایا کہ **ھدًی للمتقین**-یعنی یہ قرآن اللہ سے ڈرنے والوں کو مزید ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے-اور آخر انہیں اپنے ربّ سے ملا دیتا ہے-پہلے صاحبِ قرآن کی تعریف فرمائی پھر قرآنِ عظیم کی عظمت کو بیان کیا-حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں ان آیات کی تشریح میں فرمایا کہ! اس سورۃ کا عیسائیت سے گہرا تعلق ہے بگڑی ہوئی عیسائیت نے شریعت کو لعنت قرار دیا کہ یہ ایسا بوجھ ہے جو مصیبت میں مبتلا کر دے-مسیحؑ نے اس سے نجات بخشی-یہاں ہادیٔ کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے کامل قوتوں والے! ہم نے تجھ پر قرآنِ عظیم اس لئے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت میں مبتلا ہو-گویا تو اس بوجھ کو اٹھانے کا اہل ہے-تو اپنی بے مثال روحانی اور جسمانی قوتوں سے اس پر عمل کر سکتا اور کروا سکتا ہے-ہاں جو ڈرتے ہیں ان کے لئے نصیحت ہے کہ جس حد تک ممکن ہو اس پر عمل کریں-

۵-جس نے انسان کی مادی ضروریات کے لئے زمین و آسمان کو خلق کیا-اس نے انسان کی روحانی ضروریات کے لئے قرآنِ کریم نازل فرمایا-آسمانوں کے لئے **عُلٰی** یعنی اعلیٰ کہا گویا زمین کے مقابلہ میں آسمان اشرف و افضل ہیں (مفرداتِ راغب)

۶-بندوں کی رہنمائی کے لئے قرآنِ کریم کا نازل کرنا بندوں کے کسی عمل کی پاداش نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت کے نتیجہ میں ہے-جیسا کہ فرمایا **الرحمٰن ۝ علّم القراٰن ۝**

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا

اسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو درمیان انکے ہے اور جو

تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۷﴾ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

نیچے ہے گیلی مٹی کے اور اگر تو اونچی کہے بات تو یقیناً وہ جانتا ہے

السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴿۸﴾ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ

پوشیدہ اور اس سے زیادہ پوشیدہ کو اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی خدا سوائے اسکے اسی کے لیے ہیں نام

(الرحمٰن ۲-۳) قرآنِ کریم میں جہاں تخلیقِ کائنات کا ذکر ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا عرش پر قرار پکڑنے کا بیان ہے-اس میں اس کی بادشاہت اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے جو کُل کائنات پر محیط ہے-نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص تخت ہے-کیونکہ اس سے تجسم لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ تجسم سے پاک ہے (مفرداتِ راغب) **استوٰی علی الشیءِ** کسی چیز پر غالب آ گیا (اقرب) اس کا عرش پر جلوہ افروز ہونا استعارہ کے رنگ میں ہے کہ کل کائنات میں جو کچھ ہے اس پر اس کا غلبہ اور اس کی حکومت ہے-پس قرآنِ کریم کا انکار یا اس کے احکام کی خلاف ورزی گویا شاہی فرمان کا انکار ہے جس کی سزا سے تم بچ نہیں سکتے-عرش کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں! روحانی نظامِ نو کی تخلیق میں العرش سے مراد آنحضرت ﷺ کا قلبِ مطہر اور آپ ﷺ کی پاکیزہ صفات ہیں-اللہ تعالیٰ مادی صفات پر جلوہ گر نہیں ہوتا-انسانوں یا فرشتوں کی روحانی صفات پر جلوہ گر ہوتا ہے-آنحضرت ﷺ کا صفاتِ باری تعالیٰ سے ہم آہنگ ہونا آخری مقامِ صعود ہے جسے العرش کہا گیا-

۷-**ثری**-گیلی مٹی-مراد زمین کے اندر جو کچھ ہے-اسے زمین کی پاتال کی بھی خبر ہے جسے آج کا انسان بھی پوری طرح نہیں جانتا-عرش پر قائم ہونے کی تشریح فرمائی کہ کائنات کی انتہائی بلندیوں سے لے کر زمین کی اتھاہ گہرائیوں تک سب کچھ اسی کے زیرِ نگیں ہے، اسی کا غلبہ ہے اور اسی کا قانون نافذ ہے-گویا اس کی حکومت لامحدود ہے-

۸-**سرّ**-بھید-پوشیدہ-**اخفٰی** وہ ہے جو سر یا بھید سے زیادہ مخفی ہے-پوشیدہ تر-

پچھلی آیت کی مزید تشریح فرمائی کہ جب کائنات کی پہنائیوں سے لے کر زمین کی گہرائیوں تک اسی کی حکمرانی ہے اور کوئی بات اس سے مخفی نہیں تو اے انسان! تیری کیا اوقات ہے؟ وہ تیری ہر ظاہر بات کو جو تو بلند آواز سے بولتا ہے اور پوشیدہ بات کو جو تو چھپاتا ہے خوب جانتا ہے اور ان باتوں سے بھی باخبر ہے جو ابھی تحت الشعور میں ہیں-

الْحُسْنٰى ﴿٩﴾ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٠﴾ اِذْ رَاٰ نَارًا

اچھے — اور کیا — آئی تیرے پاس — بات — موسیٰ کی — جب دیکھی اس نے آگ

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ

تو کہا — اپنے گھر والوں کو — ٹھہر جاؤ — یقیناً میں نے دیکھی ہے — آگ — امید ہے کہ میں لاؤں تمہارے پاس

مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١١﴾ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ

اس سے — کوئی انگارہ — یا — پاؤں — آگ پر — رہنمائی — پس جب وہ آیا اسکے پاس آواز دیا گیا

۹۔ **الحُسنٰے** ۔ حُسن کا عام مفہوم ایسی خوبصورتی ہے جسے آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ لیکن قرآنِ کریم میں جن چیزوں کے لئے حُسن کا لفظ استعمال ہُوا اس سے مراد وہ حسن ہے جسے بصیرت کی آنکھ دیکھتی ہے۔ (مفردات)

قرآنِ کریم میں ہمیشہ صفاتِ الٰہی کے لئے اسماء الٰہی کا لفظ آیا ہے کہیں بھی صفاتِ الٰہی کا لفظ نہیں آیا۔ اس لئے کہ اسم میں اس چیز کی صفت، حقیقت اور ذات سب کچھ شامل ہوتی ہے (کلیاتِ ابو بقاء) شروع سورۃ سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا بیان ہے۔ جب کل کائنات کا وہی مالک ہے تو عبادت بھی اسی کو سزا وار ہے۔ کوئی دوسرا معبود کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ کائنات میں کوئی جگہ ایسی نہیں جو اس کی ملکیت سے باہر ہو۔

۱۰۔ ۱۱۔ **امکثوا۔ مَکَث** ۔ کسی جگہ پر ٹھہر کر کسی کا انتظار کرنا۔ **اٰنستُ** ۔ (**اٰنس**) میں نے دیکھا۔ **قبس**۔ انگارہ۔

حضرت موسیٰ ؑ آنحضرت ﷺ کی طرح ایک صاحبِ شریعت نبی تھے۔ آپ کی زندگی کے حالات بہت کچھ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے ملتے ہیں۔ اس لئے آپ کا ذکر قرآنِ کریم میں بار بار آیا۔ یہاں بھی اس مضمون کی مزید وضاحت کے لئے آپ کا ذکر تفصیل سے بیان فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ کو تسلی دینا بھی مقصود تھا کیونکہ آپ ﷺ مثیلِ موسیٰ تھے پس جس طرح نور موسوی باوجود مشکلات کے کمال کو پہنچا اسی طرح خواہ کیسی ہی مشکلات راستے میں آئیں نور محمدی بھی ضرور اپنے کمال کو پہنچ کر رہے گا۔

مصر میں حضرت موسیٰ ؑ کے ہاتھوں بلا ارادہ ایک قبطی مارا گیا تھا۔ آپ نے وہاں سے بھاگ کر مدین میں پناہ لی اور وہاں آپ نے شادی بھی کی۔ اب دس سال بعد یہ مدین سے مصر کی طرف آپ کا واپسی کا سفر تھا۔ آپ کے اہل و عیال آپ کے ساتھ تھے۔ سردی کا موسم تھا۔ رات کے وقت آپ راستہ بھول گئے۔ آپ کو آگ نظر آئی تو سوچا کہ کوئی انگارہ لے آؤں تا کہ آگ جلا کر

يٰمُوْسٰى ﴿١٢﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ

اے موسیٰ — یقیناً میں ہی رب ہوں تیرا پس اتار اپنی — دونوں جوتیاں — یقیناً تو — وادی

الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٣﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٤﴾

مقدس — طویٰ میں ہے — اور میں نے چن لیا ہے تجھے — پس سن — جو — وحی کی جاتی ہے

سردی کی شدت سے بچا جائے یا اس آگ کے پاس مجھے رہنمائی مل جائے۔ ممکن ہے حضرت موسیٰ ؑ کو ظنِ غالب یہی ہو کہ یہ کوئی کشفی نظارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو دینی ہدایت ملنے والی ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ حضرت موسیٰ ؑ کی کشفی آنکھ نے جس نور الانوار کی زبردست تجلی دیکھی وہ کوئی عنصری آگ نہیں تھی۔ اس میں تمثیلی رنگ میں آپ کے جلالی نبی ہونے کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کی قوم کو کچھ جنگوں سے واسطہ پڑے گا۔ مثیلِ موسیٰ جو اِس زمانے میں شدید صعوبتوں اور مظالم میں صبر و ضبط کے دامن کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، انہیں بھی اشارۃً بتایا کہ جنگوں کے بغیر کامیابی نہیں ہوگی۔ یہ غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ میں جلوہ دکھایا۔ محیط الکل ذاتِ باری تعالیٰ آگ میں حلول نہیں کر سکتا۔ یہ ایک زبردست کشف تھا۔ مزید تشریح سورۃ نمل آیت ۸،۹ میں آئے گی)

۱۲۔ جب آپ اس آگ کے قریب پہنچے تو باری تعالیٰ نے اس زبردست کشف کو الہام سے بدل دیا۔ یہ آواز جو ربّ ذوالجلال کی تھی آگ میں سے نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا سورۃ القصص: ۳۱ میں ہے کہ یہ آواز ایک درخت کی طرف سے آئی تھی۔ آواز خواہ کسی طرف سے بھی آئی ہو یہ الہام نبوت کی ابتدا تھی۔

۱۳۔ **طُوًی۔ طـوٰی**۔ اس وادی کا نام ہے جہاں حضرت موسیٰ ؑ کو اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی کا شرف بخشا۔ **طوٰی** لپیٹنے کے معنی میں بھی آتا ہے **يوم نطوى السماء كطى السجل للكتب**ط (انبیاء: ۱۰۵) اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے روحانی سفر کو لپیٹ کر اس مقام پر پہنچا دیا جہاں عام حالات میں مجاہدات سے پہنچنا مشکل ہوتا ہے (مفردات) اللہ تعالیٰ نے زمین کے بعض خاص حصوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیاز اور شرف بخشا ہے جیسے بیت اللہ۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اسی طرح وادیٔ طویٰ بھی مقاماتِ مقدسہ میں سے ایک مقام ہے جو کوہِ طور کے دامن میں ہے۔ (قرطبی) کوہ طور آج کل کوہ سینا اور جبلِ موسیٰ کہلاتا ہے۔ یہ مقام جبلِ موسیٰ کے دامن میں سطح سمندر سے قریباً پانچ ہزار فٹ بلندی پر واقع ہے۔ اس واقعہ کی یاد میں اس متبرک مقام پر ایک قدیم خانقاہ سینٹ کیتھرائن نامی موجود ہے۔ بلکہ وہ درخت بھی موجود ہے جس کی جانب

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں کوئی خدا سوائے میرے بس عبادت کر میری اور قائم کر نماز

لِذِكْرِیْ ۝۱۵ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ

میری یاد کے لیے یقیناً قیامت آنے والی ہے قریب ہوں میں ظاہر کروں اسے تاکہ بدلہ دیا جائے ہر

سے حضرت موسیٰؑ کو آواز آئی تھی۔خانقاہ کے راہبوں کے بقول یہ درخت ہمیشہ سے ہرا بھرا ہے یعنی قریباً ساڑھے تین ہزار سال گزرنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے وحی متلو میں خطاب فرمایا۔یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ وحی کا ہے۔اس میں ہمیشہ الفاظ ہوتے ہیں۔البتہ وحی خفی میں ایک بات دل میں ڈالی جاتی ہے۔تمثیلی رنگ میں رویاء و خواب میں جوتیوں سے مراد بیوی، بچے یا قریبی تعلق والے ہوتے ہیں۔اس لئے استعارةً جوتیاں اتارنے سے مراد یہ ہے کہ مادی تعلقات کو خدا کی خاطر چھوڑ دے اور کُلّی طور پر اپنے ربّ کا ہو جا جیسا کہ انبیاء کا شیوہ ہے کیونکہ تو ایک روحانی وادی میں داخل ہو چکا ہے۔آنحضرت ﷺ کو نبوت کے ابتدائی احکام میں **وثیابک فطهّره** کہا۔جس سے مراد لباس کی پاکیزگی کے علاوہ تطہیرِ نفس تھا۔اگر ظاہری طور پر دیکھا جائے تو حضرت موسیٰؑ کو وادی مقدس میں جوتے اتارنے کو کہا گیا جبکہ محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ بریں تک اپنے محبوب کے رو برو نعلین مبارک سمیت تشریف لے گئے۔اگرچہ آنحضرت ﷺ کا معراج ایک لطیف کشف تھا لیکن کہیں نعلین مبارک اتارنے کا ذکر نہیں۔واللہ اعلم بالصّواب۔شاید اسی لئے یہود جوتوں سمیت نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔جبکہ اسلام میں پاک جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔لیکن عام عادت و سنت یہی معلوم ہوتی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جاتی ہے کہ وہ اقرب الی التواضع ہے(قرطبی)ہاں جنگوں میں یا دیگر ایسی مجبوری کے مواقع پر جوتوں سمیت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔البتہ کھلے میدان میں نماز جنازہ پڑھنے کے لئے جوتا اتارنے کا کوئی جواز نہیں۔

۱۴۔**اخترتکَ** (خیر) اختیار سے ہے۔میں نے تجھے تمام لوگوں میں سے اپنے کام کے لئے اختیار کر لیا۔یعنی ایک عظیم مقصد کے لئے تجھے چُن لیا اور خاص کر لیا۔پس جو احکام تجھے دیئے جا رہے ہیں انہیں ہمہ تن گوش ہو کر اپنی تمام قوتوں سے سن۔

۱۵۔چونکہ آپ کے کاندھوں پر تربیتِ مخلوق کا بوجھ ڈالا جانے والا تھا۔اس لئے ابتدائی احکام میں ہی دین کے اصل الاصول بیان فرما دیئے۔اوّل توحید کی تعلیم دی جو تمام مذاہب میں بطور جز کے ہے۔پھر اپنی عبادت اور فرمانبرداری کا حکم دیا۔اگرچہ اس میں نماز شامل ہے لیکن نماز کی

نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰی ۝۱۶ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا

نفس اس کا جو وہ کوشش کرتا ہے پس نہ ہرگز روکے تجھے اس سے وہ جو نہیں ایمان لاتا اس پر

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی ۝۱۷ وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی ۝۱۸

اور اس نے پیروی کی اپنے خواہش کی ورنہ تو ہلاک ہو جاویگا اور کیا ہے یہ دائیں ہاتھ میں تیرے اے موسیٰ

فضیلت کے مدِ نظر نماز کا حکم الگ دیا کہ یہی دین کا ستون ہے۔فرمایا میرے ذکر کے لئے نماز پڑھ یعنی نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہو۔اس میں ہرگز کوئی دکھاوا نہ ہو۔صرف اور صرف میری رضا ہی بندے کا مطلوب و مقصود ہو۔اقامت صلوٰۃ میں نماز با جماعت کا حکم ہے جو صحیح معنوں میں صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔بیشک یہود و نصاریٰ بھی عبادت کے لئے اپنی عبادت گاہوں میں رسمی طور پر اکٹھے ہوتے ہیں۔لیکن اسلام کی پانچ وقت کی نماز با جماعت سے کوئی نسبت نہیں۔موسیٰؑ کے واقعہ میں توحید خالص کا ذکر آیا تو اس مضمون کو مثیل موسیٰؑ کی طرف پھیر دیا جو توحید کا سب سے بڑا منادی تھا۔چنانچہ آیت ۱۶، ۱۷ میں حضرت موسیٰؑ کے علاوہ خاص طور پر آنحضرت ﷺ مخاطب ہیں۔

۱۶۔**اکادُ**۔(**کاد**)لفظی معنی ’’میں قریب ہوں‘‘ کے ہیں۔یہاں بمعنی **اُرِیدُ** ہے۔یعنی میں ارادہ کرتا ہوں۔**اخفیها**۔(**خفی**) **اخفٰی** بابِ افعال سے ہے جو اپنے اندر متضاد معنی رکھتا ہے۔پس اس کے معنی ظاہر کرنے کے بھی ہیں اور چھپانے کے بھی۔

توحید اور صلوٰۃ کے ذکر کے بعد اب قیامت کا ذکر کیا جو تمام مذاہب میں ایمان کا حصہ ہے۔یہاں قیامتِ کبریٰ کے علاوہ قیامتِ وسطیٰ بھی مراد ہے جو انقلاب کی گھڑی ہے۔جب پہلی شریعت کی صف لپیٹ دی جائے گی اور مثیل موسیٰ کے وجود سے ایک نئی شریعت قائم ہو گی۔

حضرت موسیٰؑ کے لئے قیامتِ وسطیٰ یا صُغریٰ میں اشارہ ہے کہ تیری کامیابی اور منکرینِ حق کی تباہی کی گھڑی آنے والی ہے۔قریب ہے کہ میں اسے ظاہر کر دوں۔یعنی ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تیری ترقی و کامیابی اور دشمنانِ حق کی تباہی صاف نظر آنے لگے۔اگر پھر بھی کوئی اپنی ضد پر قائم رہے اور دینِ حق کو قبول نہ کرے تو آخر انہیں ان کے اعمال کے مطابق سزا دی جائے گی۔چھپانے کے معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہو گا کہ اس گھڑی کو چھپائے رکھوں تا کہ ان پر اچانک تباہی آئے اور یہ اپنے اعمال کا مزہ چکھیں۔

۱۷۔**یَصُدَّنَّکَ**۔**صَدَّ**۔روکنا۔**فَتَرْدٰی** ۔ **رَدٰی** بمعنی **هَلَکَ** ہے۔وہ ہلاک ہو گیا **عنها** اور **بها** میں ضمیریں یا تو صلوٰۃ کی طرف جاتی ہیں یا ساعت کی طرف۔یا پہلی صلوٰۃ کی طرف اور دوسری ساعت کی طرف(روح المعانی)

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي

کہا یہ سونٹا ہے میرا سہارا لگاتا ہوں اس پر اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر

وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ﴿۱۹﴾ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ﴿۲۰﴾

اور میرے لیے اس میں فائدے ہیں اور بھی فرمایا ڈال (زمین پر) ڈال دے اسے اے موسیٰ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی شخص قیامت کا منکر ہے یا تجھے ملنے والی ترقی اور اس پر آنے والی تباہی اس کی نظر سے پوشیدہ ہے اور وہ اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا اور لہو و لعب میں مشغول ہے۔ تو اس کی مخالفت تجھے اپنے فرائض سے نہ روکے جس کے نتیجہ میں تو ہلاک ہو جائے۔ یعنی اسے اپنا کام کرنے دے اور تو اپنے فرائض کی انجام دہی پر مضبوطی سے قائم رہ۔

ایک نبی کی شان سے بعید ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی نماز یا دیگر فرائض منصبی جیسے تبلیغ دین وغیرہ سے غافل ہو۔ قرآنِ کریم کا اسلوبِ بیان ہے کہ جہاں بھی ایسی آیات ہیں وہاں امت کو تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ نیز یہ کہ ایسے معاملات میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوبؐ سے بھی ہرگز کوئی رعایت نہیں کرے گا۔

۱۸۔۱۹۔ **اتوکّؤا۔ توکّا**۔ سہارا لینا۔ اسی سے تکیہ ہے۔ **اتوکّؤا**۔ میں سہارا لیتا ہوں۔ **اَھُشُّ**۔ (**ھش**) میں جھاڑتا ہوں۔ **مآرب**۔ **مأربة** کی جمع ہے۔ سخت حاجت ہے۔ **اولی الاربة من الرجال** (النور:۳۲) اس میں **اربة** سے مراد حاجتِ نکاح ہے۔ عصا موسیٰ اور ید بیضا کا واقعہ اسی طرح پیش آیا تفسیر کے لئے الاعراف ۱۰۶ تا ۱۰۹۔

یہ حضرت موسیٰؑ کی جناب باری تعالیٰ سے پہلی ملاقات تھی جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور ایک اہم کام آپ کے سپرد ہوا۔ چنانچہ اس ملاقات میں ان معجزات کے حوالے سے آپ کو بطور پیشگوئی اشارۃً آئندہ کے متعلق بہت سی خبریں دی گئیں۔ عصا سے مراد اپنے خاص دوست و احباب ہوتے ہیں جو نافع وجود ہوں اور جن پر بھروسہ کیا جا سکے۔ اپنی قوم بھی مراد ہے۔ آپ کو متنبہ کیا کہ جب تک تو اپنی قوم پر مضبوط گرفت رکھے گا وہ تیری معاون و مددگار ثابت ہوگی۔ جونہی تم ان سے علیحدگی اختیار کرو گے ان میں سانپوں والی خصلتیں پیدا ہو جائیں گی۔ جیسا کہ بعد میں جب آپ طور پر گئے تو بنی اسرائیل نے بچھڑا بنایا اور شرک کے مرتکب ہوئے۔ عصا سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑنے میں حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ میں اپنے دوست اور احباب کی معاونت سے بغیر کسی معاوضہ کے کمزوروں کی ضروریات پوری کرتا ہوں۔ نیز وہ کئی دیگر ذرائع سے بھی میرے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿۲۱﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا

پس ڈال دیا اس نے اسے تو اچانک وہ سانپ تھا دوڑتا فرمایا پکڑ لے اسے اور نہ

تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿۲۲﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ

ڈر ضرور دوبارہ کر دیں گے ہم اسے حالت پر اس کی پہلی اور لگا ہاتھ اپنا

إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً

طرف اپنے بازو کے نکلے گا سفید (براق) بے عیب بطور نشان کے

أُخْرَىٰ ﴿۲۳﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿۲۴﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ

دوسرے تاکہ دکھا دیں ہم تجھے اپنے نشانات میں سے بڑے جا طرف

۲۰۔۲۱۔ حقیقت میں یہ واقعات اسی طرح پیش آئے تھے ان تمام واقعات کی تفسیر کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ سورۃ الاعراف: ۱۰۴ سے رکوع ۲۱ تک۔ جیسا کہ آیت ۱۸،۱۹ میں واضح کیا کہ اس میں استعارۃً یہ مفہوم بھی تھا کہ جب تک تو قوم کو اپنے ہاتھ میں رکھے گا یہ تیری مطیع و فرمانبردار رہے گی۔ اگر تو نے تھوڑی دیر کے لئے بھی اس کی نگرانی چھوڑ دی تو وہ سانپ کی طرح زہریلی بن جائے گی۔ چنانچہ اپنی زندگی میں آپ کو اپنی قوم کی بے وفائیوں کا بہت دفعہ تجربہ ہوا۔

۲۲۔ استعارۃً مفہوم یہی تھا کہ اپنی قوم کی بیوفائیوں سے گھبرانا مت اسے مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور اپنے سے جدا نہ کرنا یہ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے گی۔ یعنی پھر ایک نافع وجود بن جائے گی۔ چنانچہ بعد میں کوہ طور سے واپسی پر حضرت موسیٰؑ کی [illegible] سے یہ قوم پھر تائب ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس سے رحمت و عفو کا سلوک فرمایا۔

۲۳۔ **وَاضْمُمْ۔ الضَّمّ**۔ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کو باہم ملا دینا۔ **جناح**۔ بازو۔ پر۔ پہلو، بغل، گریباں یا جیب کا معنی بھی دیتا ہے۔

ید سے مراد بھائی یا مددگار ہے۔ بغل میں رکھنے سے مراد بالکل ہی ساتھ چمٹا لینا ہے۔ لفظی معنی کے علاوہ یہ مفہوم بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ بیشک تیری قوم بہت جلد بگڑنے والی ہے لیکن ان میں سے جو تیرے مخلص اور مددگار ہیں انہیں خاص طور پر اپنے ساتھ چمٹائے رکھ پھر تو دیکھے گا کہ ان میں بڑے بڑے صاحبِ کمال نورانی وجود ظاہر ہوں گے۔ چنانچہ حضرت ہارونؑ اور حضرت یوشعؑ ان نورانی وجودوں کی زندہ مثال تھے۔ **من غیر سُوٓء** میں اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ ان لوگوں میں ظاہری و باطنی کسی قسم کی خرابی نہیں ہوگی۔ بعد میں آنے والے اولوالعزم انبیاء حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ بھی آپ کی شریعت کے ہی تابع تھے اور اسی سے چمٹ کر اور اس پر کما حقہ عمل کر کے انہوں نے نبوت کے نورانی مقام کو حاصل کیا۔

عٌ ٢٥ فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٦﴾

فرعون کے یقیناً وہ سرکش ہوا کہا اے رب میرے کھول دے میرے لیے سینہ میرا

وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٧﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٨﴾

اور آسان کردے میرے لیے معاملہ میرا اور کھول دے گرہ میری زبان سے

٢٤۔ فرمایا یہ دونوں نشان تجھے یہ یقین دلانے کے لئے دکھلائے ہیں کہ ہم تیرے ہاتھ پر اور بھی بڑے بڑے نشان ظاہر کرنے والے ہیں جن سے تو اپنے مقصد (Mission) میں کامیاب ہو جائے گا۔ سورۃ الاعراف رکوع ١٦ میں سات مزید نشانوں کا ذکر ہے۔ جو آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔ تاہم آپ کا سب سے عظیم نشان فرعون کی تباہی اور بنی اسرائیل کو اس کے پنجۂ ظلم و استبداد سے نجات دلوانا تھا اور یہی آپ کا اصل مشن تھا۔

٢٥۔ عصا اور ید بیضا کے دو عظیم ہتھیاروں (نشانوں) سے لیس کر کے آپ کو حکم ہُوا کہ فرعون کو دعوتِ ایمان دینے کے لئے جائیں۔ کیونکہ وہ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ گیا ہے۔ یہ فرعون وہی رعمسیس ثانی تھا جس کے گھر میں موسیٰؑ کی پرورش ہوئی تھی۔ پہلے بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا اور بیگار لیتا تھا اب خدا کے خلاف سرکشی میں حد سے بڑھ گیا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ سورہ النّٰزعٰت۔

٢٥۔ اپنی خدائی شان کے طور پر ایک مندر تعمیر کروایا جس کا پروہت اس کا اپنا بیٹا تھا جو اس کے سامنے ہی مر گیا۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے وہ ڈھیل دیتا ہے۔ لیکن جب سرکشی حد سے زیادہ بڑھ جائے تو خدا کی پکڑ کا وقت آ جاتا ہے۔

٢٦۔ ایک عظیم کام حضرت موسیٰؑ کے سپرد ہُوا تو آپ نے باری تعالیٰ سے مناجات فرمائی کہ اے میرے ربّ! اپنے نور اور معرفت سے میرے سینہ میں وسعت عطا فرما۔ یعنی اپنی جناب سے مجھے دلائل و براہین سکھا دے۔

٢٧۔ اے ربّ! جو کٹھن کام تو نے میرے سپرد کیا ہے اپنے فضل سے اس میں آسانیاں پیدا کر دے۔ اور اس راستے کی تمام مشکلات اور رکاوٹوں کو دور فرما دے۔

٢٨۔ بقول توریت آپ کی زبان میں لکنت تھی مگر قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ سو آپ نے دعا فرمائی کہ اے میرے ربّ! تو اپنے کرم سے میری زبان کی گرہ کھول دے اور میری زبان میں اثر پیدا کر دے کہ میں تیرے پیغام کو عمدگی سے لوگوں تک پہنچا سکوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر اس دعا کو حصولِ فصاحت و بلاغت کے لئے اکسیر کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو قبولیت سے نوازا اور فرعون کے دربار میں آپ نے نہایت مدلل تقاریر کیں، کہیں بھی

يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٩﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٣٠﴾ هٰرُوْنَ

وہ سمجھیں بات میری اور بنا میرے لیے بوجھ بٹانے والا میرے گھر والوں میں سے ہارون

اَخِي ﴿٣١﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣٢﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٣﴾

بھائی میرے کو مضبوط کر اس کے ساتھ طاقت میری اور شریک کر اسے معاملہ میں میرے

حضرت ہارون نے بات نہیں کی۔

٢٩۔ اے اللہ! تو انہیں میری طرف مائل کر دے کہ اس تعلیم کی طرف توجہ دینے لگیں، میری بات ان کے دل پر اثر کرے اور وہ اسے آسانی سے سمجھنے لگیں۔ غرض شرح صدر، سہولتِ امر اور زبان میں تاثیر پیدا ہونے کے لئے یہ بہترین دعا ہے۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثبیر پہاڑ کے دامن میں یہی دعا کرتے دیکھا۔ آپؐ بارگاہ الٰہ میں عرض کر رہے تھے کہ مولیٰ میں تجھ سے وہی دعا مانگتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰ نے مانگی۔ (تفسیر الدر المنثور للسیوطی جلد ۴ صفحہ ٢٩٥)

چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کا U.N.O کی جنرل اسمبلی کے سترھویں اجلاس کی صدارت کے لئے انتخاب ہوا اور آپ نے دنیا کی اقوام کے سامنے بحیثیت صدر پہلی تقریر کی۔ آپ نے سورۃ فاتحہ کے بعد قرآنِ کریم کی سورۃ طٰہٰ آیت: ٢٦ تا ٢٩ کی تلاوت اور [illegible] پیش کیا۔ کلامِ الٰہی سے مغربی لوگ جس قدر متاثر ہوئے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شہرہ آفاق جریدہ ٹائم (Time) نے ان کے انتخاب کی تفصیلات دیتے ہوئے ان آیات کا ترجمہ اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کیا کہ ”اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے اور میرا امر میرے لئے آسان کر دے۔ میری زبان کی عقدہ کشائی فرما اس طرح کہ وہ میری بات سمجھیں“۔

٣٠۔٣١۔ وزیر۔ وِزرٌ۔ بوجھ اٹھانا۔ وزیر، سلطنت کا بوجھ اٹھانے والا۔ مجازاً معنی مددگار کے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے نازک کندھوں پر اقوامِ عالم کی تربیت و راہبری کا بوجھ ڈالا گیا۔ لیکن آپ ﷺ کو کسی معاون کی ضرورت پیش نہ آئی اور آپ ﷺ نے تنہا اس عظیم ذمہ داری کو اٹھا لیا۔ حضرت موسیٰؑ کے ذمہ صرف بنی اسرائیل کو ہدایت دینا اور فرعون کی غلامی سے نجات دلوانا تھا۔ لیکن اس کام کے لئے آپ نے خود کو کافی نہیں سمجھا اور اپنے اہل میں سے ایک معاون کی درخواست کی جس کے لئے آپ نے اپنے بھائی ہارون کا نام لیا تا کہ وہ آپ کا بوجھ بانٹنے والا ہو۔ حضرت ہارون

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٥﴾ اِنَّكَ كُنْتَ

تاکہ ہم پاکیزگی بیان کریں تیری بہت اور ذکر کریں تیرا بہت یقیناً تو ہے

بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٦﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٧﴾

ہمیں خوب دیکھنے والا فرمایا تحقیق دیا گیا تو اپنا سوال اے موسیٰ

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٨﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ

اور یقیناً یقیناً احسان کیا ہم نے تجھ پر ایک دفعہ اور جب وحی کی ہم نے طرف ماں تیری کی

مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٩﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى

جو وحی کی جاتی ہے کہ ڈال دے اسے صندوق میں پھر ڈال دے اس (صندوق) کو

آپ سے تین سال بڑے تھے۔

٣٢۔٣٣۔ازری۔الازرُ۔قوتِ شدیدہ۔قوت۔

فرمایا ہارون کے ذریعہ میری قوت کو مضبوط کر، اس عظیم مہم میں وہ میرا شریک کار ہو یعنی میری ماموریت میں اسے میرا ساتھی بنا دے تا ہم دونوں مل کر تبلیغ حق اور دعوت الی اللہ کے فرائض انجام دیں۔

٣٤ تا ٣٦۔اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور ذکر تو حضرت موسیٰؑ پہلے بھی کرتے تھے۔لیکن کثرت سے کرنے کے لئے آپ کو ایک مددگار کی ضرورت ہوئی جبکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجاہداتِ شاقہ کے لئے کبھی کسی ساتھی یا مددگار کی ضرورت نہیں ہوئی غارِ حرا کی تنہائیوں میں اور نہ زمانۂ نبوت کے مصائب میں۔بعثت کے ابتدائی ایام میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے شدید مجاہدات کا ذکر سورۃ مزمل میں کیا۔فرمایا! تیرا ربّ خوب جانتا ہے کہ تو کبھی آدھی رات، کبھی کچھ کم یا کچھ زیادہ رات نماز میں اپنے ربّ کے حضور کھڑا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید بجا لاتا ہے۔ اس آیت سے بھی آنحضرت ﷺ اور حضرت موسیٰؑ کے مقام اور مرتبہ کا فرق ظاہر ہے۔

٣٧۔آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کی قبولیت کی آپ کو بشارت دی۔ اشارۃً یہ خوشخبری مثیلِ موسیٰ کے لئے بھی تھی۔

٣٨۔حضرت موسیٰؑ کو اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کی خوشخبری ملی، معجزات عطا ہوئے اور منصبِ نبوت سے نوازے گئے۔اللہ تعالیٰ کے ان سارے احسانات کو دیکھ کر حضرت موسیٰؑ کا سر اپنے ربّ کے حضور اظہارِ تشکر کے لئے جھک گیا۔اس پر باری تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اے موسیٰؑ! اس سے پہلے بھی ہم تجھ پر احسان کر چکے ہیں۔

الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَ

دریا میں پس چاہیئے کہ ڈال دے اُسے دریا ساحل پر لے گا اسے دشمن میرا اور

عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى

دشمن اس کا اور ڈالی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش کیا جاوے تو

عَيْنِيْ ﴿٤٠﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ

آنکھ کے سامنے میری جب چلتی تھی بہن تیری پس وہ کہتی تھی کیا آگاہ کردوں میں تم کو ان لوگوں پر جو

٣٩۔٤٠۔**قذف**۔پھینکنا۔یہاں ڈال دینے کے معنی میں ہے۔**تصنع۔ صنع** کے معنی کسی کام کو کمال مہارت سے اچھی طرح کرنے کے ہیں۔(مفردات) اسی سے صنعت ہے۔تربیت و نگہداشت۔**علیٰ عینی** میرے سامنے، گویا میں دیکھ رہا ہوں۔یہ وہ احسان تھا جب وحی الٰہی کے مطابق آپ کی عظیم ومحترم والدہ نے آپ کو دریا میں ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ایسے حالات پیدا ہوئے کہ معمولی ابتلا کے بعد آپ اپنی والدہ کے پاس واپس لوٹ آئے۔آپ کی والدہ کو اللہ تعالیٰ نے نبیوں والی وحی سے نوازا جس میں آواز سنائی دیتی ہے۔حالانکہ آپ منصب نبوت پر فائز نہیں تھیں اور نہ عورتیں بعض مخصوص وجوہ کی بنا پر اس مقام پر پہنچ سکتی ہیں۔ہاں صدیقیت، شہیدیت اور صالحیت کے مقام کو حاصل کر سکتی ہیں۔(یہ تمام واقعات تفصیلاً سورۃ قصص میں ابتدا سے رکوع ٥ تک بیان ہوں گے۔وہیں ملاحظہ فرمایئے)

فرعون خدا کا دشمن تو تھا ہی، اس بچے کا دشمن اس لئے کہا کہ بنی اسرائیل کے تمام بچوں کا دشمن تھا۔اللہ تعالیٰ کی آپ پر خاص نظر کرم اور محبت و شفقت تھی کہ دشمن کے دل میں بھی آپ کی محبت پیدا ہو گئی۔ایک دشمنِ حق کے گھر میں آپ کی ملہمہ والدہ کی سرپرستی میں آپ کی پرورش اور تعلیم وتربیت اس اعلیٰ معیار کی ہوئی جو منصب نبوت کے عین لائق تھی۔گویا آپ خدا کی آنکھوں کے سامنے یعنی خدا کے سایہ تلے پرورش پا رہے تھے۔بیشک وہ رحیم وکریم اپنے پیاروں کی اسی طرح دیکھ بھال کرتا ہے۔**والقیتُ علیک محبۃ مّنیّ** میں آنحضرت ﷺ بھی اشارۃً مخاطب ہیں جو مثیلِ موسیٰ تھے۔کیونکہ محبت الٰہی کا ظہور جس طرح آپ ﷺ کی ذات پر ہوا اس کی نظیر نہیں ملتی (ال عمران:٣٢) اور جس طرح آپ ﷺ اپنے ربّ کے عاشق تھے اس کا اعتراف دشمنوں نے بھی کیا۔وہ برملا کہتے تھے کہ محمد ﷺ اپنے ربّ پر عاشق ہو گیا ہے۔اس کے نتیجہ میں مخلوق سے آپ ﷺ کی محبت کا جو عالم تھا وہ سورۃ الشعرآء:٤ سے ظاہر ہے۔ربّ دو جہاں ارشاد فرماتا ہے

يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۥ

پالیں اسے پس لوٹا دیا ہم نے تجھے طرف تیری ماں کی تاکہ ٹھنڈی ہو آنکھ اسکی اور نہ غم کھاوے وہ

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۣ

اور قتل کی تو نے ایک جان پس نجات دی ہم نے تجھے غم سے اور آزمایا ہم نے تجھے خوب آزمانا

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰي قَدَرٍ

پھر ٹھہرا رہا تو کئی سال اہل مدین میں پھر آیا ایک اندازہ پر

يّٰمُوْسٰى ﴿٤١﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ

اے موسیٰ اور چن لیا میں نے تجھے اپنے لیے جا تو اور بھائی تیرا

کہ کیا تو اس غم میں اپنی جان ہلاک کر دے گا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ آپ ﷺ کی محبت کے جواب میں آپ ﷺ کے ماننے والوں کے دل میں بھی آپ ﷺ کی محبت جس طرح موجزن تھی اس کے ثبوت میں لاتعداد احادیث موجود ہیں کہ کس طرح صحابہؓ نے اپنی جان، مال، عزت اور اولاد آپ ﷺ پر قربان کی۔ یہاں خاص طور پر آپ ﷺ کو بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ ایک بچے کو ظالموں کے درمیان رکھ کر ان کے شر سے بچانے پر قادر ہے تو اپنے محبوب ﷺ کو ان ظالموں کے ہاتھوں سے کیوں نہیں بچائے گا؟ حقیقی محبت صرف خالقِ حقیقی سے خاص ہے۔ دوسری تمام محبتیں مجازی اور غیر حقیقی ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اگر میں دنیا میں کسی سے محبت کرتا تو وہ ابو بکرؓ ہیں لیکن مجھے اپنے ربّ سے محبت ہے۔ (ترمذی۔ ابواب المناقب فی مناقب ابی بکرؓ و عمرؓ)

۴۱۔ تفصیل کے لئے سورۃ قصص ابتدا سے رکوع ۵ تک ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی مسلسل امتحان تھی۔ زندگی کے ہر موڑ پر آپ مختلف مصائب سے آزمائے گئے۔ غلام قوم کی ایک غریب عورت کے گھر پیدا ہوئے۔ پیدائش سے پہلے ہی قتل کے منصوبے بنے۔ بحکمِ الٰہی دریا میں ڈالے گئے پھر اسی کے فضل و احسان سے نہ صرف بچائے گئے بلکہ اپنی ہی ماں کے پاس پرورش کے لئے پہنچ گئے۔ شاہی محلات میں رہ کر رموزِ مملکت و سیاست سے آشنا ہوئے۔ نادانستہ ایک شخص آپ کے ہاتھوں مارا گیا مگر آپ فرعون کے سپاہیوں کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ صحرانوردی کرتے ہوئے مدین پہنچے جہاں شعیب نامی بزرگ کی بیٹی سے آپ کی شادی ہوئی یہ وہ حضرت شعیبؑ نہیں تھے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد آئے اور نبوت سے نوازے گئے اور ان کی قوم عذابِ استیصال سے ہلاک ہوئی۔ غرض محلوں میں نازونعم کے پروردہ موسیٰ علیہ السلام دس سال تک بیابانوں میں بکریاں چراتے رہے جو کہ نہایت کٹھن کام تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے موسیٰؑ!

بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٣﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ

ساتھ آیات کے میری اور نہ سستی کرنا یاد میں میری دونو جاؤ طرف فرعون کی

اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٤﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ

یقیناً وہ سرکش ہو گیا ہے پس دونو کہو اسے بات نرم تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا

يَخْشٰى ﴿٤٥﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ

ڈر جاوے دونو نے کہا اے رب ہمارے تحقیق ہم ڈرتے ہیں کہ وہ زیادتی کرے ہم پر

ان تمام امتحانوں میں تم ہمارے پیمانے پر پورے اترے اور کندن بن کر نکلے ہو۔ اب تمہاری قلبی اور ذہنی صلاحیتیں بلوغت کے اس موزوں مقام تک پہنچ گئی ہیں جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو نبوت سے نوازتا ہے۔

۴۲ تا ۴۴۔ **اصطنعتک** (صنع) ملاحظہ فرمائیں آیت ۳۹۔ **اصطنعتک**۔ میں نے تجھے بنایا تیار کیا۔ چن لیا۔ **لنفسی**۔ اپنے لئے۔ اپنے کام کے لئے۔ **لاتنیا**۔ تم دونوں سستی نہ کرو۔

پہلے آپ تنہا مخاطب تھے اب اس خطاب میں ہارونؑ بھی شامل ہیں اور دونوں کی طرف حکم ہے۔ جیسا کہ خروج باب ۴۔ آیت ۲۷، ۲۸ میں ہے کہ خداوند نے ہارونؑ سے کہا کہ بیابان میں جا کر موسیٰؑ سے ملاقات کر۔ چنانچہ وہ گیا اور موسیٰؑ نے خدائی احکام اور معجزات سے مطلع کیا۔ انبیاء کو خدا تعالیٰ اپنی ذات کے لئے چنتا ہے۔ ان کی زندگی محض خدا کے لئے ہوتی ہے کہ اس کا نام بلند کریں اور اس کے بندوں کو راہِ راست کی طرف بلائیں۔ ان کے تمام امور احکامِ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور وہ تمام نفسانی اغراض سے پاک ہوتے ہیں۔

یہاں ایک داعی الی اللہ کے لئے سنہری ہدایات دیں اوّل یہ کہ میرے ذکر میں کوتاہی نہ ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور استعانت کی دعائیں مانگنے میں ہرگز تساہل نہ ہو۔ کیونکہ ہدایت دینا اصل میں اللہ کا احسان ہے اور بندوں کی ہدایت اسی کے فضل اور توفیق سے ممکن ہے۔

۴۵۔ دوسرا اصول یہ بتایا کہ تبلیغ نرم زبان میں ہو یعنی فرعون کے شاہانہ مزاج اور درباری قوانین کا لحاظ رکھا جائے۔ گویا مناسب حد تک حفظِ مراتب کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ شخص داعی الی اللہ کی دعوت اور تلقین کو توجہ سے سنے گا، اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنائے گا۔ ضد اور ہٹ دھرمی کا مرتکب نہیں ہوگا۔ تو امید ہے کہ ہدایت پا جائے گا۔ بعض لوگوں کی فطرت ایسی ہوتی ہے کہ جب انہیں عواقب سے ڈرایا جائے تو کان دھرتے ہیں اور اصلاح کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پس

اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ

یا یہ کہ سرکشی کرے فرمایا نہ ڈرو یقیناً میں ساتھ تم دونوں کے سنتا ہوں اور

اَرٰى ﴿٤٦﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا

دیکھتا ہوں پس جاؤ پاس اسکے پھر کہو کہ ہم بھیجے ہوئے ہیں رب کے تیرے پس بھیج ساتھ ہمارے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ

بنی اسرائیل کو اور نہ عذاب دے انہیں یقیناً لائے ہیں ہم نشان

مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿٤٧﴾ اِنَّا قَدْ

طرف سے رب کے تیرے اور سلام ہے اس پر جس نے پیروی کی ہدایت کی یقیناً ہم وہ ہیں کہ

اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٤٨﴾ قَالَ

یقیناً وحی کی گئی ہے طرف ہماری کہ یقیناً عذاب اس شخص پر ہے جس نے تکذیب کی اور پھر گیا اس نے کہا

توجہ سے سمجھنے کی کوشش کرنا اور بندوں کی بجائے صرف خدا ہی سے ڈرنا، یہی دو ذرائع ہیں جو عام طور پر کسی انسان کی ہدایت کا باعث بنتے ہیں۔

۴۶ تا ۴۹۔ دونوں کو تسلی دی کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ تم میری آنکھوں سے اوجھل ہی کب رہے ہو۔ میں تو ہمیشہ تمہاری دعائیں سنتا ہوں اور تم پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ پس تم دونوں بے دھڑک اس کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ ہم تمہارے رب کے دو پیامبر ہیں۔ تمہارا رب کہنے میں فرعون کو یہ جتلانا مقصود تھا کہ وہ ہماری ہی نہیں تمہاری ربوبیت بھی فرما رہا ہے۔ تم پر بھی اس کے احسانات ہیں۔ پس اُس کے پیامبروں کی آواز پر کان دھرو، بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور انہیں ناقابل برداشت اذیت نہ دو۔ یہاں حضرت موسیٰ ؑ اور ہارونؑ کا اپنے ربّ کی طرف سے ایک نشان لانا ان کے معجزات نہیں تھے بلکہ پیغامِ حق تھا۔ ساتھ ہی وضاحت فرما دی کہ جو اس ہدایت کو قبول کرے گا اس کے لئے سلامتی ہے اور جو جھٹلائے گا اور منہ پھیرے گا اس کے لئے عذاب مقدر ہے۔ جیسا کہ بعد میں سچ ثابت ہُوا۔ سورہ ھود: ۹۷ کی تفسیر میں عصا موسیٰ کو آپ کا بہت بڑا نشان کہا۔ جس سے فرعون اور قوم فرعون مرعوب ہوئی اور آپ کے مقابلہ میں عاجز ٹھہری۔ یہاں بھی حضرت موسیٰ ؑ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے آپ ﷺ نے شدید دکھ اُٹھائے لیکن بندوں سے نہیں ڈرے نہ اپنے ربّ کی یاد میں کوتاہی کی اور نہ اس کی جناب میں کوئی عذر پیش کیا۔

۵۰۔ بہت سے درمیانی واقعات کو چھوڑ دیا۔ اب موسیٰ ؑ اور ہارونؑ نے فرعون کے دربار

فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ

پس کون ہے رب تمہارا اے موسیٰ اس نے کہا رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو

خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾

پیدائش اسکی پھر راہ دکھائی اس نے کہا پس کیا حال ہے قوموں پہلیوں کا

میں خدائی پیغام پہنچایا۔ فرعون **انا ربکم الاعلی** (سورۃ النّزعٰت) کا دعویدار تھا۔ نیز خود کو سورج دیوتا کے اوتار کی حیثیت سے مصر کی بادشاہت کا حقدار سمجھتا تھا۔ وہ یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ اُس کے سوا کوئی دوسری ہستی مقتدرِ اعلیٰ ہو جس کا نمائندہ فرعون کو اس کے احکام پر چلنے کی دعوت دے۔ پس اس نے پوچھا کہ اگر تم میری خدائی کو تسلیم نہیں کرتے، نہ ان بتوں کو مانتے ہو تو تمہارا رب کون ہے جس کے احکام سنا رہے ہو؟

۵۱۔ حضرت موسیٰ ؑ نے جواب دیا کہ ہمارا ربّ تو وہ ہے جس نے ہر شئے کے مناسبِ حال اس کو پیدائش بخشی۔ پھر اسے صحیح راستہ دکھایا۔ یعنی کائنات کی ہر شئے کو اس کی تخلیق سے پہلے ہی وہ قویٰ اور استعدادیں عطا فرما دیں جن کے متعلق اسے علم تھا کہ ان سے اسے کام لینا پڑے گا۔ پھر ان سے کام لینے کا طریقہ بھی بتلایا۔ پس تمام حیوانات و جمادات کے علاوہ کل کائنات سورج، چاند اور ستارے اس جبلی ہدایت کے تابع اپنا اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے تفویض کردہ ان تکوینی احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور ان سے سرِمو انحراف نہیں کر سکتے۔ بتایا کہ یہ ہمارا ہی ربّ نہیں بلکہ کُل کائنات کا ربّ ہے۔ تم کیسے ربّ ہو کہ ان تمام صفات سے عاری ہو۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اس کی مادی ضروریات کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ عطا کیا اور اس کی رہبری فرمائی۔ لازم تھا کہ وہ خدا اس کی روحانی ضروریات کے لئے بھی روحانی استعدادیں عطا فرماتا اور اسے ہدایت دے کر منزلِ مقصود تک پہنچاتا۔ پس اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے۔ اس طرح حضرت موسیٰ ؑ نے چند الفاظ میں دلیل ہستی باری تعالیٰ کے ساتھ ضرورتِ رسالت کو بھی واضح فرمایا۔

۵۲۔ فرعون نے لاجواب ہو کر وہی طریقہ اپنایا جو اکثر منکرینِ حق اپناتے ہیں۔ اور عوام کو ان فرستادوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرعون نے کہا کہ اگر تمہارے ربّ پر ایمان نہ لانے والوں کا حشر خراب ہے۔ تو جو پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ وہ تو ان باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ فرعون کا مقصد یہ تھا کہ اگر موسیٰ ؑ کہے کہ وہ موردِ عذاب ہیں تو لوگ اپنے بزرگوں کے

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۳﴾

فرمایا علم ان کا پاس ہے رب کے میرے ایک کتاب میں نہیں گمراہ ہوتا رب میرا اور نہ بھولتا ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا

وہ جس نے بنائی تمہارے لیے زمین بچھونا اور چلائے تمہارے لیے اس میں

سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا

راستے اور اُتارا بادل سے پانی پس نکالے ہم نے ساتھ اسکے جوڑے

مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۴﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

نباتات مختلف کے کھاؤ اور چراؤ اپنے مویشیوں کو یقیناً اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۵﴾ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ع ۱۱

البتہ نشانات ہیں عقلوں والوں کے لیے اسی (زمین) سے پیدا کیا ہم نے تم کو اور اسی میں لوٹائیں گے ہم تم کو

لئے یہ سننے کو تیار نہیں ہوں گے اور اشتعال میں آ کر موسیٰ ؑ کی بات سننے سے انکار کر دیں گے کہ یہ ہمارے باپ دادا کو بُرا بھلا کہتا ہے۔

۵۳۔حضرت موسیٰ ؑ نے نہایت حکیمانہ جواب دیا کہ مجھے اُن کے حالات کا کچھ علم نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جزا سزا کا تعلق اتمامِ حجت سے ہے۔جب انہیں ہدایت پہنچی ہی نہیں تو سزا کیسی؟ ہاں ان کے حالات کا علم میرے ربّ کے پاس کتاب میں محفوظ ہے۔کتاب سے مراد ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعہ ہر چیز کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔یہ کوئی دنیوی رجسٹر نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم ہے جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہُوا ہے۔میرا ربّ تو ہر غلطی اور بھول چوک سے پاک ہے۔پس وہ کسی دنیوی طرز کی کتاب کا محتاج نہیں۔

۵۴۔۵۵۔**سلک**۔چلایا۔راستے جاری کر دیئے۔**سالک**۔راستوں پر چلنے والا۔ مسافر۔**شتّٰی**۔**الشّیّت** کی جمع ہے۔مختلف۔**اُولی**۔والے۔**النُّھٰی**۔**نھیّۃ** کی جمع ہے۔عقل جو بُری باتوں سے روکتی ہے اسی سے نہی ہے۔

اپنے پہلے جواب (آیت :۵۱) کو جاری رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ ؑ نے شانِ ربوبیت کو مزید واضح کیا کہ ہمارے ربّ نے زمین میں انسان کی ضروریات اور آرام کے تمام سامان رکھے۔ اس میں راستوں کو تمہارے سفر کے ذرائع بنایا۔آسمان سے پانی برسا کر مختلف نباتات کو پیدا کیا جو تمہاری اور تمہارے جانوروں کی بے شمار ضروریات کی متکفل ہیں۔کیا ان خدائی کاموں میں فرعون کا بھی کوئی دخل ہے؟

وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۶﴾ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

اور اسی سے نکالیں گے ہم تم کو ایک بار اور اور یقیناً یقیناً دکھائے ہم نے اسے اپنے نشانات

فرمایا اس میں صاحبِ عقل وبصیرت کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔وہ نشانیاں یہی ہیں کہ جس ربّ نے انسان کی مادی وسفلی ضروریات کے لئے ایک عالم کو تخلیق کیا اور اس کی خدمت میں لگایا۔وہ اس کی روحانی ضروریات سے کس طرح غافل رہ سکتا ہے۔پس جس طرح آسمان سے پانی برس کر بنجر علاقوں کو سیراب کرتا اور مختلف نباتات پیدا کرتا ہے۔اسی طرح وحی الٰہی کا پانی روحانی طور پر قلبِ انسانی کو زندگی بخشتا اور روحانی قوتوں کی نشوونما کرتا ہے۔اور ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔جس طرح آسمانی پانی برستا ہے تو دریاؤں کے ساتھ ساتھ خود ہی راستے بنتے چلے جاتے ہیں۔اسی طرح روحانی پانی بھی اپنے بندوں کے لئے راستے بناتا جاتا ہے تا کہ وہ آسانی سے ان راہوں پر چل سکیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں اکثر ضمیریں پھیر دی جاتی ہیں۔جیسا کہ **فَاَخْرَجْنَا** کہہ کر اللہ تعالیٰ نے ضمیر کو مسلسل اپنی طرف پھیر دیا۔ایسا اکثر انسانی ضمیر کو جھنجوڑنے کے لئے ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ بات کو خود پکڑ لیتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت ۵۱ تا ۵۵ کی تشریح اس طرح فرمائی کہ فرعون کے جواب میں حضرت موسیٰ ؑ نے ابتدائے آفرینش کی باتیں کیں۔ فرعون کے ہاں پرانی تاریخ محفوظ تھی۔اس نے کہا کہ تم سب کچھ جاننے کا دعویٰ کرتے ہو تو پہلی قوموں کا حال بتاؤ؟ اس پر حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے علم کا دعویٰ کب کیا؟ میرے ربّ کو ہر چیز کا علم ہے۔پھر خدائی عجائبات پر مزید روشنی ڈالی کہ تمہیں یہ سب طاقت کہاں حاصل ہے۔ **ازواجا** کے لفظ سے ظاہر ہے کہ ہر چیز کا ایک زوج ہے جس کا اثر قبول کر کے وہ چیز بقائے حیات میں ممد ہوتی ہے اور اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔قرآنِ کریم کے اس دعویٰ کو آج سائنس تسلیم کرتی ہے۔

۵۶۔**تارۃً**۔**مرّۃ** کے معنی دیتا ہے۔ایک بار۔**تارۃً اُخرٰی**۔دوسری بار۔فرمایا اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا۔اسی میں تم لوٹائے جاؤ گے۔اور اسی میں تم دوبارہ نکالے جاؤ گے۔اس آیت سے وفاتِ مسیح ثابت ہے۔آج کے دور میں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جو لوگ راکٹس وغیرہ میں مر جاتے ہیں، ان پر اس کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اردو ترجمہ میں وضاحت فرمائی کہ انسان جہاں تک بھی چلا جائے زمینی خول سے باہر نہیں نکل سکتا۔وہ زمینی ہوا اور زمینی خوراک وغیرہ ساتھ رکھتا ہے۔

كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی ﴿٥٧﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ

سب کے سب پس تکذیب کی اس نے اور انکار کیا اس نے کہا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ نکالے تو ہمیں

اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰی ﴿٥٨﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ

زمین سے ہماری اپنے جادو سے اے موسیٰ! پس ضرور ہم لاویں گے تیرے پاس جادو مانند اس کی

فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَا

پس بنا درمیان ہمارے اور درمیان اپنے مقررہ وقت کہ نہ خلاف کریں اس کا ہم اور نہ

اَنْتَ مَكَانًا سُوًی ﴿٥٩﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ

تو جگہ برابر فرمایا مقررہ وقت تمہارا دن زینت کا ہے اور یہ کہ

۵۷۔ یہاں عصا، ید بیضاء اور دیگر سات نشانات کے علاوہ آپ نے دلائل و بیّنات کو بھی نشان کہا۔ فرعون نے ان سب کو جھٹلایا اور انکار پر مصر رہا۔

۵۸۔ فرعون خود کو ربِّ اعلیٰ ظاہر کرتا تھا۔ جس کا ہر حکم قطعی سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ حضرت موسیٰ خود کو ربِّ دو جہاں کا رسول کہتے تھے اور اسے خدائی احکام سنا رہے تھے۔ اگر موسیٰ کے معجزات اور دلائل سے عوام و خواص متاثر ہو جاتے۔ تو اس صورت میں فرعون کو اپنا تخت لرزتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

اس نے آیت ۵۲ میں بھی قوم کو اشتعال دلانے کی کوشش کی۔ اب پھر نہایت چالاکی سے بات کو بگاڑ کر پیش کیا اور موسیٰ پر بغاوت کا الزام لگایا اور قوم کو موسیٰ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی کہ یہ اپنے جادو اور سحر بیانی سے ہمیں ہمارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے اور خود بادشاہت کا دعویدار ہے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ آپ کا مطالبہ صرف ایک مظلوم اقلیت کی آزادی کا تھا لیکن فرعون نے اپنی مکاری سے اسے سیاسی اور قومی جھگڑے کا رنگ دینے کی کوشش کی۔

۵۹۔ فرعون کو اپنے ساحروں پر بڑا مان تھا اور اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اس نے کہا کہ دونوں فریق کے درمیان ایک معاہدہ طے پا جائے اور دونوں میں سے کوئی اس سے انحراف نہ کرے۔ تا کہ اگر کسی نے موسیٰ کی تعلیم کا اثر قبول بھی کیا ہے تو وہ اس کھلے مقابلہ میں زائل ہو جائے۔ **مکانًا سوًی** سے مراد ایسی جگہ جہاں ہم اور تم برابر ہوں۔ یعنی حاکم و محکوم کا فرق نہ ہو۔ جیسا کہ فرعون کی حکومت میں بنی اسرائیل کو رذیل سمجھا جاتا تھا اور وہ حاکم قوم کے برابر بیٹھنے یا ان سے بحث و تمحیص کے مجاز نہیں تھے۔

۶۰۔ **یوم الزینة**۔ زینت کا دن۔ جس دن ہر شخص بَن سنور کر آتا ہے۔ تہوار کا دن۔ **ضحٰی**۔ دن چڑھے۔ چاشت کا وقت۔

يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًی ﴿٦٠﴾ فَتَوَلّٰی فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ

اکٹھے کئے جاویں لوگ چاشت کے وقت پس پھر گیا فرعون پھر جمع کی اس نے اپنی تدبیر

ثُمَّ اَتٰی ﴿٦١﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰهِ

پھر آیا کہا ان کو موسیٰ نے افسوس تم پر نہ گھڑو اللہ پر

كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ﴿٦٢﴾

جھوٹ ورنہ ہلاک کر دے گا تم کو ساتھ عذاب کے اور یقیناً ناکام ہوا جس نے افترا کیا

جب فرعون اس مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا تو حضرت موسیٰ نے دن کے تعین میں بڑی حکمت سے کام لیا۔ آپ نے مقابلہ و مناظرہ کے لئے اُن کی عید کا دن مقرر فرمایا۔ کیونکہ اس دن پوری قوم کا زبردست اجتماع ہوتا تھا۔ چاشت کا وقت مقرر کرنے میں یہ بھی مصلحت تھی کہ لوگ صبح سویرے تازہ دم خوش و خرم میدان میں پہنچیں، خوب روشنی میں دور دور تک لوگوں پر ہر چیز عیاں ہو۔ تا کہ جادو اور معجزے میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو جائے اور انہیں فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

۶۱۔ فرعون نے وہاں سے لوٹ کر ہر وہ تدبیر کی جو وہ اپنی فتح مندی کے لئے کر سکتا تھا۔ (تشریح کے لئے سورۃ الاعراف ۱۱۲۔۱۱۳) پھر موسیٰ کے مقابل آیا۔ چونکہ یہ قصہ پیشگوئی کے رنگ میں ہے اس لئے ابوجہل نے بھی جنگ بدر سے پہلے ہر وہ تدبیر کی جو اس سے ممکن تھی اور فتح کے کامل یقین کے ساتھ میدانِ بدر میں آیا۔

۶۲۔ **یسحِتکم (سُحت) السّحت** اس چھلکے کو کہتے ہیں جو پوری طرح اتار لیا ہو۔ مراد جڑ سے اکھیڑ دینا۔ فنا کر دینا۔ ہلاک کر دینا۔

کئی سال سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ تبلیغِ حق میں مصروف تھے اور بنی اسرائیل کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اصل مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰ کا ساحروں اور مذہبی پیشواؤں سے مباحثہ وغیرہ ہُوا۔ جس میں آپ نے انہیں خدائی عذاب سے ڈرایا اور بتایا کہ خدا پر افتراء کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں ہی سزا دیتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تقریر کا کچھ اثر ضرور ہُوا اور آپ انہیں کسی حد تک قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ خدا پر افترا یہی تھا کہ نہ موسیٰ کو خدا نے بھیجا نہ اس کے معجزات خدا کی طرف سے ہیں۔

۶۳۔ یہ صورتِ حال فرعون اور اس کے مصاحبین کے لئے تشویشناک تھی کہ ساحروں یا عوام

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٣﴾ قَالُوْٓا

پس جھگڑے وہ اپنے معاملہ میں آپس میں اور پوشیدہ کیا مشورہ انہوں نے کہا

اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ

یقیناً یہ دونو البتہ جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکالیں تم کو

اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٤﴾

ملک سے تمہارے اپنے جادو سے اور لے جاویں طریقہ تمہارا اعلیٰ

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ج وَقَدْ اَفْلَحَ

پس پوری کر اپنی تدبیر پھر آؤ صف باندھ کر اور یقیناً کامیاب ہوگیا

الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٥﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ

آج وہ جو غالب آیا انہوں نے کہا اے موسیٰ یا تو یہ کہ تو ڈالے اور

میں سے کسی پر موسیٰؑ کی واعظانہ تقریر کا اچھا اثر پڑے اور وہ اُن سے مرعوب ہوں۔ اس پر آپس میں تنازعہ پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ لیکن انہوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ الگ بیٹھ کر باہم مشورہ سے اس گھمبیر مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔

۶۴۔ **ذَهَب** سونا ہے جبکہ **ذَهَبَ** وہ چلا گیا۔ **طریقة**۔ ضرب کا معنی دیتا ہے۔ یعنی ایک چیز کو دوسری پر مارنا۔ اسی سے طریق بمعنی رستہ ہے کیونکہ وہ پیروں سے روندا جاتا ہے۔ مراد مسلک یا مذہب ہے۔ **مثلٰی**۔ **امثل**۔ مثالی چیز۔ افضل چیز۔ اعلیٰ۔

آخر فرعون اور اراکینِ سلطنت خفیہ صلاح مشورہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ پھر وہی آیت:۵۸ والے حربہ کو آزمایا جائے بلکہ اُس وقت تو موسیٰؑ کے دلائل سے لاجواب ہوکر محض قومی عصبیت کے فتنے کو جگایا تھا کہ تمھیں تمہارے وطن سے نکالنا چاہتے ہیں اب اس کے ساتھ مذہبی جذبہ کو بھی ابھارا کیونکہ اس معاملہ میں انسان بہت حساس ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے جذبات کو مجروح کرنے کی بھی کوشش کی کہ تمہارے اعلیٰ مذہب اور تہذیب کو مٹانا چاہتے ہیں تا کہ آپ کے خلاف لوگوں میں شدید غم وغصہ کی لہر دوڑ جائے اور یہ علمی مناظرہ قومی اور مذہبی فساد کی صورت اختیار کر جائے اور اس ہنگامے میں حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ اور ان کے ساتھیوں کو ذلیل کر کے نکالا جائے۔ افسوس آج یہ تمام حربے احمدیوں کے خلاف استعمال کئے جا رہے ہیں۔

۶۵۔ **استعلٰی**۔ طلبِ علو۔ دوسروں سے بلند ہونے کی خواہش۔ علاء بھی مراد ہے۔ یعنی غالب رہا۔

اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٦﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ج فَاِذَا

یا یہ کہ ہم ہوں پہلے وہ جو ڈالیں فرمایا بلکہ تم ڈالو پس اچانک

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ

رسیاں ان کی اور سونٹے ان کے خیال ڈالا جاتا تھا طرف ان کی ان کے جادو کی وجہ سے

اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٧﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٨﴾

کہ وہ چلتے ہیں پس محسوس کیا اپنے دل میں ڈر موسیٰ نے

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٩﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ

ہم نے کہا نہ ڈر یقیناً تو ہی غالب ہے اور ڈال دے جو دائیں ہاتھ میں ہے تیرے

فرعون نے اس مقابلہ کو اپنی بقا کا مسئلہ بنا لیا۔ اپنے ساحروں اور دانشوروں کو کہا کہ اپنی چالبازیوں اور ہنرمندیوں کو اکٹھا کر کے ایک متحدہ محاذ قائم کرو۔ گویا ہر جائز و ناجائز ذریعہ کو بروئے کار لاؤ اور جس طرح بھی بن پڑے موسیٰؑ پر غلبہ حاصل کرو۔ کیونکہ آج جو غالب رہا، جیت اسی کی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ صرف دو تھے جبکہ مقابلہ میں پوری قوم تھی۔ انبیاء علیہ السلام کو خدا کی طرف سے ایسا رعب عطا ہوتا ہے کہ جو بھی ان کے مقابل آتا ہے ذلیل ہوتا ہے۔ فرعون کے لئے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو قتل کروا دینا کیا مشکل تھا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ اسی طرح پورا عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے تھا مگر سب مل کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کر سکے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج وقت کے فرعون میں زیادہ ہوشیاری آگئی ہے۔ ۱۹۷۴ء میں جب احمدیوں کے خلاف ایک گھناؤنی سازش کی گئی تو احمدیوں کی نمائندگی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہمراہ صرف چار اشخاص کر رہے تھے۔ جبکہ مقابلہ میں حکومتِ پاکستان، اس کا سارا نظام، اسمبلیوں کے نمائندے اور تمام علمائے پاکستان اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ چودہ دن تک کاروائی جاری رہی لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو پہلے تین دن کے بعد بولنے کا موقع نہیں دیا گیا تا کہ اگر بعد میں ان کی باری آئی تو ہم جیت نہیں سکیں گے۔ وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دلائل کو ردّ نہیں کر سکے۔ ساری کاروائی میں ختم نبوت کی تشریح نہیں کر سکے۔ آخر پر ختم نبوت کی تردید کا الزام لگا کر یک طرفہ فیصلہ سنا دیا۔ افسوس پاکستان کے چوٹی کے دینی علماء چودہ دنوں میں یہ نہیں بتا سکے کہ ایک مسلمان کی تعریف کیا ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۶۶ تا ۶۹۔ تشریح کے لئے سورۃ الاعراف رکوع ۱۴۔ **اَوجَسَ**۔ دل میں ڈالا۔ محسوس کیا۔

حضرت موسیٰؑ کو خوف یہی تھا کہ لوگ اپنی کم فہمی کی بنا پر اس شعبدہ بازی سے متاثر ہو کر

تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ

وہ نگل جائیگا جو بنایا ہے انہوں نے سوائے اسکے نہیں کہ بنائی انہوں نے تدبیر جادو کی اور نہیں کامیاب ہوتا

السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ٦٩ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا

جادوگر جہاں جائے پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ میں انہوں نے کہا ایمان لائے ہم

بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ٧٠ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

رب پر ہارون اور موسیٰ اس نے کہا ایمان لائے تم اس پر پہلے اسکے کہ اجازت دوں میں

لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ

تم کو یقیناً وہ البتہ بڑا ہے تمہارا جس نے سکھایا تم کو جادو پس ضرور کاٹوں گا

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ

ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے مقابل طرف سے اور ضرور صلیب دوں گا تم کو

جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ٧١

تنوں پر کھجوروں کے اور ضرور تم جان لوگے کہ کون ہے ہم میں سے زیادہ سخت دینے والا عذاب اور زیادہ باقی رہنے والا (عذاب)

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰي مَا جَاۗءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ

انہوں نے کہا ہرگز نہیں مقدم کریں گے ہم تجھے اس پر جو آئے ہیں ہمارے پاس دلائل اور اس پر جس نے

کہیں حق سے محروم نہ ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ یقیناً تو ہی غالب ہے۔

٧٠ تا ٧٢۔ تشریح کے لئے سورۃ اعراف رکوع ١٤۔ بیشک حقیقت میں ایسا ہی ہوا تھا اور یہ سارے واقعات اُسی طرح پیش آئے تھے۔ مگر فرعون کے سامنے اژدہا بننے اور سانپوں کے نگلنے میں استعارۃً یہ مفہوم تھا کہ موسیٰؑ کی جماعت فرعون کی افواج کو کھا جائے گی۔ پھر یہی عصا حکمِ الٰہی سے بنی اسرائیل کو دریا پار لے جانے اور فرعون اور افواجِ فرعون کی غرقابی کا باعث ہوا۔

اس عظیم مجمع میں جادوگروں کا اعترافِ شکست فرعون کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ عوام کے سامنے اپنی رسوائی کو دیکھ کر وہ اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا۔ اور انہیں شدید ترین سزا کی دھمکیاں دیں لیکن یہ ذکر کہیں نہیں ملتا کہ آیا فرعون نے عملاً یہ سزائیں دی تھیں۔

حضرت ہارونؑ عمر میں حضرت موسیٰؑ سے تین سال بڑے تھے لیکن قرآنِ کریم میں جس آیت میں بھی دونوں کا اکٹھا ذکر آیا، حضرت موسیٰؑ کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے ہمیشہ آپ کو پہلے رکھا اور موسیٰؑ و ہارونؑ کہا۔ اس آیت میں یہ قول فرعون کے ساحروں کا ہے انہوں نے حضرت ہارونؑ کو مقدم رکھا۔ اس لئے کہ وہ اُسی وقت ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰؑ کے مرتبہ جلیلہ سے واقف نہیں تھے۔

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ

پیدا کیا ہم کو پس فیصلہ کر جو تو فیصلہ کرنیوالا ہے سوائے اسکے نہیں کہ تو فیصلہ کر سکتا ہے اس

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ٧٢ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَ

زندگی ورلی میں یقیناً ہم ایمان لائے اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمیں غلطیاں ہماری اور

مَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ٧٣

اور وہ کہ مجبور کیا تو نے ہمیں جس پر یعنی جادو پر اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ

یقیناً بات یہ ہے کہ جو آوے گا اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر یقیناً اس کے لیے جہنم ہے نہ مرے گا

فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي ٧٤ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

اس میں اور نہ زندہ رہے گا اور جو آئے گا اسکے پاس مومن ہو کر یقیناً کی ہوں گی نیکیاں

٧٣۔ **تؤثرک** ۔ اثر (جمع آثار) نشان۔ بطور استعارہ بمعنی فضیلت بھی آتا ہے۔ **بل تؤثرون الحیاۃ الدنیا** (١٧:٨٧) بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔

وہی ساحر جب ایمان کی حلاوت سے روشناس ہوئے تو انہیں کسی بڑی سے بڑی سزا کا ہرگز کوئی خوف نہ رہا۔ انہوں نے مومنانہ جرأت اور دلیری سے فرعون کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا (آیت:٧١) اور کہا کہ ان خدائی معجزات اور دلائل و براہین کے سامنے تیری کسی جادو یا دلیل کی کچھ اہمیت نہیں اور نہ اس خالقِ حقیقی کے سامنے تیری کوئی حیثیت ہے کہ ہم تجھے اس پر فوقیت دیں۔ پس جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر گزر۔ تیرے فیصلے کی حد محض اس دنیا تک ہی محدود ہے۔ جبکہ ہماری نظر میں اب اس دنیا کی زندگی کی کچھ حقیقت نہیں۔

٧٤۔ حضرت موسیٰؑ کے دلائل اور معجزات کا فرعون کے ساحروں اور دانشوروں پر یقیناً اثر ہو چکا تھا۔ (آیت:٦٢) اور وہ موسیٰؑ سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن فرعون انہیں زبردستی لایا اور علاوہ انعام و اکرام کے انہیں اپنے خاص مصاحبین میں شامل کرنے کا لالچ دیا (الاعراف:١١٥) تب وہ بادلِ نخواستہ تیار ہو گئے۔ لیکن جب اس مقابلہ میں حق ان پر کھل گیا تو قبولیتِ ایمان کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کے خواستگار ہوئے۔ **ابقٰی** میں بتا دیا کہ ڈرنے کے لائق وہی ذات ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس کے مقابلہ میں تیری چند روزہ بادشاہت کی کیا حقیقت ہے۔ اور تیرے انعامات کی کیا حیثیت ہے۔

٧٥ تا ٧٧۔ اگر یہ قول ان نومسلموں کا سمجھا جائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ چند گھنٹوں میں

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٦﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ

تو یہ لوگ وہ ہیں کہ ان کے لیے درجے ہیں بلند باغات ہیں ہمیشہ کے بہتی ہونگی

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ

نیچے ان کے نہریں وہ پڑے رہنے والے ان میں اور یہ بدلہ ہے اسکا جس نے

ع ۲۲/۱۲ تَزَكّٰى ﴿٧٧﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ

پاکیزگی حاصل کی اور یقیناً وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے کہ رات کو لے چل بندوں کو میرے

جادوگر حقائق و معرفت کے دقیق مسائل سمجھ گئے اور عقائدِ اسلامی اور عالمِ آخرت سے باخبر ہو گئے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک عرصہ سے حضرت موسیٰؑ کے زیرِ تبلیغ تھے۔ قرآنِ کریم میں آپ کے نو معجزات کا ذکر ہے جو آپ نے دکھائے۔ (تفسیر کے لئے الاعراف رکوع ۱٦) غرض آہستہ آہستہ قبولِ حق کے لئے ان کے ذہن کھل چکے تھے۔ لیکن ابھی ایمان قبول کرنے کی جرأت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اب اس میدان میں ان پر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ جو کچھ موسیٰؑ پیش کر رہا ہے وہ سحر نہیں بلکہ ربِّ دو جہاں کی طرف سے مبعوث نبی کے معجزات ہیں اس علمی مباحثہ کے بعد اگر کوئی گرہ باقی رہ گئی تھی تو وہ ان معجزات کو دیکھ کر کھل گئی اور وہ بینا ہو گئے۔ فرعون کی نظر میں اگر یہ ایمان لانے کی وجہ سے مجرم اور قابلِ سزا تھے تو اُنہیں اس کی ہرگز پرواہ نہیں تھی۔ ہاں جو اپنے ربّ کے حضور اس حال میں جائے کہ مجرم ہو۔ جیسا کہ فرعون اور اس کے ساتھی تو انہیں اپنی فکر کرنی چاہئے۔ کیونکہ ان کے لئے جہنم کا وہ الم ناک عذاب مقدر ہے کہ نہ زندوں میں شمار ہوں گے اور نہ مُردوں میں۔ جہنمیوں کو زندہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سخت تکلیف میں ہوں گے، نعمائے الٰہی اور سکونِ قلب سے محروم ہوں گے۔ نیز حقیقی زندگی جو عشقِ الٰہی اور وصالِ حضرت احدیت سے حاصل ہوتی ہے وہ انہیں نصیب نہیں ہوگی۔ مُردہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ عذاب دینے کے لئے ان میں ایک حس پیدا کی جائے گی کہ وہ عذاب کو محسوس کر سکیں۔ یہاں مجرم کہا مذنب نہیں کہا۔ مجرم وہ ہے جو خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لے اور اس پر فردِ جرم عائد ہو جائے۔ بندے کو تو حکم تھا کہ وہ خدا کے ساتھ ہو جائے اور صادقوں کے ساتھ مل جائے لیکن وہ دنیا میں حرص و ہوا کا بندہ بن کر رہا اور دشمنانِ خدا اور رسول سے دوستی کا دم بھرتا رہا۔ گویا اس نے اپنے عمل سے دکھا دیا کہ وہ خدا کا نہیں شیطان کا بندہ ہے۔

یہاں جنت میں داخلہ کے لئے تزکّی کی شرط لگائی گویا ظاہری اور باطنی پاکیزگی ہی جنت میں لے جانے کا باعث ہو گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ نجات کے لئے ایمان، عمل اور فضل تینوں ضروری ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ''چار باتیں ہوں تو اللہ معاف کرواتا ہے۔ ۱۔ آدمی اپنی

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا

پس بنا ان کے لیے راستہ سمندر میں خشک نہ ڈرے گا تو پکڑے جانے

وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٨﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ

سے اور نہ خوف کریگا پس پیچھا کیا ان کا فرعون نے ساتھ اپنے لشکروں کے پس ڈھانکا انہیں

الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٩﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٨٠﴾

سمندر میں سے جس نے ڈھانکا انہیں اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ ہدایت دی

اصلاح کرے۔ ۲۔ ایمان لائے۔ ۳۔ عمل صالح کرے۔ ۴۔ جو بُری بات چھوڑ دی ہے اس کے بالمقابل اچھی بات اختیار کرے۔ (بدر ۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۲)

۷۸ تا ۸۰۔ **یبسًا**۔ یبس۔ خشک۔ **اسر**۔ رات کو سیر کر۔ رات کو نکل جا۔ **درکًا**۔ درک۔ پکڑنا۔ اسی سے ادراک ہے۔ **طریقًا**۔ راستہ۔ (تفسیر کے لئے سورۃ البقرہ: ۵۱)

اب ایک لمبے عرصہ کے واقعات کو چھوڑ دیا جس میں آپ نے کئی معجزات دکھائے اور تبلیغِ حق کو جاری رکھا۔ غرض جب فرعون کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے اور حجت تمام ہو گئی تو ہجرت کا حکم ہُوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ ''جب ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو خدا تعالیٰ پکڑ لیتا ہے۔ اس میں کسی فرعون کی خصوصیت نہیں بلکہ اگر مرزائی بھی ایسا کرے گا تو وہ بھی پکڑا جائے گا۔''
(بدر ۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۲)

حضرت موسیٰؑ کو چلنے سے پیشتر ہی اللہ تعالیٰ نے مکمل ہدایات دے دیں کہ تم راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاؤ۔ سونٹا مارنے سے تمہیں خشک راستہ مل جائے گا۔ پس پکڑے جانے سے ڈرنا اور نہ ڈوبنے سے۔ یہ خدائی معجزہ تھا کہ اس کے فضل سے ایک بے جان لکڑی نے وہ کام کیا کہ فرعونیت کا قلع قمع ہو گیا۔

مثیلِ موسیٰ کے ساتھ بھی یہ تمام واقعات پیش آئے اگر وہاں فرعون تھا تو یہاں ابوجہل جس نے فرعون کی طرح اپنی قوم کو غلط راہوں پر ڈالا اور صحیح راہ نہ دکھائی۔ آپ ﷺ بھی رات کی تاریکی میں نکلے۔ آپ ﷺ کا بھی تعاقب کیا گیا اور پکڑنے والے کے لئے سو اونٹ انعام مقرر ہُوا۔ (سیرۃ ابن ہشام باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ) اگر فرعون نے اپنے سپہ سالاروں اور سپاہیوں کو مصر سے نکال کر پانی میں غرق کیا تو ابوجہل نے بھی صنادید مکّہ کو مکّہ سے نکال کر میدانِ بدر کی تپتی ہوئی ریت میں غرق کیا اور دونوں ہی کیفرِ کردار کو پہنچے۔ دونوں کے پیچھے رہنے والے بچائے گئے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ
اے بنی اسرائیل یقیناً نجات دی ہم نے تم کو دشمن سے تمہارے اور وعدہ کیا تم سے

جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨١﴾
کنارہ پر طور کے دائیں اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ
کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو دیں ہم نے تم کو اور نہ سرکشی کرو اس میں ورنہ اترے گا

عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨٢﴾ وَ
تم پر غضب میرا اور جو شخص کہ اترے اس پر غضب میرا تو یقیناً وہ گر گیا اور

اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٣﴾
یقیناً میں البتہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کی نیکی پھر ہدایت پائی

٨١۔ یہاں بنی اسرائیل پر کئے گئے اللہ تعالیٰ کے تین بڑے بڑے انعامات کا ذکر کیا۔ پہلا فرعون کے مظالم سے نجات دلانا۔ دوسرا شریعت عطا کرنا جس میں وہ وعدہ بھی شامل تھا جو کوہِ طور کے دائیں جانب بنی اسرائیل کے ستر منتخب احبار سے لیا گیا۔ یہ وعدہ توریت کے احکام پر عمل کرنے اور نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا تھا۔ تا کہ بنی اسرائیل خدائی انعامات کے وارث ٹھہریں۔ تیسرا انعام دشتِ سینا کے بے آب و گیاہ صحرا میں ہزاروں کے اس بے سروسامان قافلہ کو من وسلویٰ کا عطا ہونا تھا۔ (من وسلویٰ کی تفسیر کے لئے سورۃ بقرہ: ۵۲ تا ۵۸)

٨٢۔ **ھَوٰى** بلندی سے پستی کی طرف گرنا۔ ہلاک ہونا بھی مراد ہے کہ جو بلندی سے پستی میں گرے گا ہلاک ہوگا۔

کھانے میں طیب کی شرط رکھی گویا ہر حلال چیز طیب نہیں فرمایا اس بارہ میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ (تفسیر کے لئے سورۃ بقرہ آیت ۵۸) اس میں حلال ذرائع سے کمائی ہوئی، حفظانِ صحت کے لحاظ سے صاف ستھری اور تازہ غذا شامل ہے۔ اسراف نہ کرنا میں ضرورت سے زیادہ نہ کھانا، دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا اور شکر بجا لانا شامل ہے۔ نیز یہ بھی مراد ہے کہ اس خوراک کو معصیت اور زیادتی کا ذریعہ نہ بناؤ، ورنہ خدا کے غضب کے مورد ٹھہرائے جاؤ گے۔ جس پر خدا کا غضب نازل ہوا وہ اس بلند مقام سے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا تھا یعنی رضائے الٰہی کے مقام سے، ایک نہایت پست مقام کی طرف گر گیا۔ پس جو غضب الٰہی کی لپیٹ میں آیا وہ دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل ہوا۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى
اور کونسی بات جلدی لائی تجھے قوم سے تیری اے موسیٰ کہا وہ لوگ میرے

اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٥﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ
پیچھے ہیں اور جلدی کی میں نے طرف تیری اے رب میرے تاکہ تو راضی ہو فرمایا پس یقیناً یقیناً آزمائش

فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٦﴾ فَرَجَعَ
میں ڈالا ہے ہم نے تیری قوم کو بعد تیرے اور گمراہ کیا ان کو سامری نے پس لوٹا

مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ
موسیٰ طرف اپنی قوم کی غصہ میں افسوس سے کہا اے قوم میری کیا نہ

يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۭ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ
وعدہ کیا تھا تم سے رب نے تمہارے وعدہ اچھا کیا پھر لمبی ہو گئی تم پر عہد (کی مدت) یا

اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ
ارادہ کیا تم نے کہ اترے تم پر غضب طرف سے رب کے تمہارے پس خلاف کیا تم نے

٨٣۔ ساتھ ہی اپنے بندوں کو تسلی دی کہ جو بھی گذشتہ کوتاہیوں پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا مصمم ارادہ کرے، صدقِ دل سے خدا، اس کے رسول، قرآن اور یومِ آخرت پر ایمان لائے، اعمالِ صالحہ بجا لائے، سیدھی راہ پر چلے اور اس پر مداومت اختیار کرے تو اللہ بڑے سے بڑے گناہ معاف کرنے والا ہے۔

٨٤۔٨٥۔ یہ حضرت موسیٰؑ کا شریعت لینے کے لئے کوہِ طور پر جانے کا واقعہ ہے جس کا ذکر آیت: ٨١ میں ہوا۔ (تفسیر کے لئے سورۃ بقرہ ٥٢، سورۃ الاعراف ١٤٣، ١٤٤)

حضرت موسیٰؑ اپنے محبوب سے ملنے اور کلام کرنے کے اشتیاق میں تیز تیز چلتے ہوئے اپنے ربّ کے حضور پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے موسیٰ! اپنی قوم کو چھوڑ کر جلدی جلدی کیوں چلے آئے؟ آپ نے جواب دیا کہ اے مولا! تیری رضا کے لئے کہ محبوب بلائے تو بندہ بھاگتا ہوا کیوں نہ جائے۔ اور وہ لوگ میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ مراد وہی ستر منتخب لوگ تھے جنہیں حضرت موسیٰؑ نیچے چھوڑ کر خود اوپر گئے تھے یا یہ مراد ہے کہ میری قوم تو میرے نقشِ قدم پر چل ہی رہی ہے۔ میں تو تیرے دیدار کے لئے بیتاب ہو کر اور تیرا کلام سننے کے لئے جوشِ ملاقات میں بھاگتا ہوا آیا ہوں۔ (تفسیر کے لئے سورۃ البقرہ: ٥٢۔ سورۃ الاعراف: ١٤٩)

٨٦ تا ٨٩۔ **وَعْدًا حَسَنًا** یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو ایک شریعت ملنے کا وعدہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا شوقِ دیدار میں یہ حال تھا کہ پیرانہ سالی میں ایک دشوار گزار پہاڑ پر بھاگتے ہوئے چڑھ

مَوْعِدِيْ ﴿٨٧﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا

میرے عہد کا انہوں نے کہا نہیں خلاف کیا ہم نے عہد کا تیرے اپنے اختیار سے و لیکن ہم

حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

اُٹھائے گئے بوجھ زیور کا لوگوں کے پس پھینکا ہم نے اسے اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٨﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

ڈالا سامری نے پس نکالا ان کے لیے بچھڑا جسم واسطے اسکے گائے کی آواز تھی

فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ﴿٨٩﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ

پس کہا انہوں نے یہ معبود ہے تمہارا اور معبود موسیٰ کا پس بھول گیا وہ کیا پھر نہیں دیکھتے وہ

اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۥ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا

کہ نہیں لوٹاتا طرف ان کی بات اور نہ طاقت رکھتا ہے ان کے لیے ضرر اور نہ

گئے اور قوم موسیٰ ایمان میں ایسی کمزور کہ اتنے تھوڑے عرصہ میں یعنی صرف چالیس دن میں شرک میں مبتلا ہو گئی۔

توریت کے بیان کے مطابق (خروج باب ١٢ آیت ٣٥، ٣٦) بنی اسرائیل کا موسیٰ ؑ کے حکم سے قبطیوں کے زیورات مستعار لے کر رات کو بھاگ جانا کسی نبی کے شایانِ شان نہیں۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہجرت فرمائی تو حضرت علی کرمؓ کو پیچھے اس تاکید کے ساتھ چھوڑا کہ اہل مکہ کی امانتیں ان کے سپرد کر کے مدینہ آئیں۔ کوئی حاکم قوم اپنی غلام قوم کو اپنے زیورات اس لئے نہیں دے سکتی کہ انہیں لے جاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر ایسا ہوتا تو رات کو چھپ کر بھاگنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ فرعون کو تعاقب کی۔ نہ اس میں کوئی وزن ہے کہ ایک مفلوک الحال غلام قوم کے پاس اس قدر زیورات ہوں کہ ان پر بوجھ ہوں۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ فرعون کی لاش سمندر نے باہر پھینکی تو اس کے کئی امراء و وزراء کی لاشیں بھی سمندر سے باہر آ گئی ہوں گی۔ بادشاہ اور ان کے مصاحبین اکثر بھاری زیور پہنتے تھے۔ وہ زیور بنی اسرائیل نے اٹھا لئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے یہ زیور ان کے ضمیر پر بوجھ ہوں یا واقعی وہ اتنے بھاری ہوں کہ صحراؤں میں اٹھائے پھرنا مشکل ہو یا سامری نے ہی کوئی چال چلی ہو کہ وہ انہیں بوجھ محسوس ہوئے اور انہوں نے نفرت سے پھینک دیئے۔ پھر سامری نے بھی اپنے حصہ کا زیور اس میں ڈال کر بچھڑا بنایا اور انہیں گمراہ کیا اور موسیٰ سے کیا ہوا عہد بھول گیا جس میں سختی سے شرک سے بیزاری کا حکم تھا۔

٩٠۔ حضرت موسیٰ ؑ کی طویل تربیت کے باوجود بنی اسرائیل سامری کے بہکاوے میں آ گئے

نَفْعًا ﴿٩٠﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا ع ١٣/١٢

نفع کی اور یقیناً یقیناً کہا تھا ان کو ہارون نے پہلے سے اے قوم میری سوائے اسکے نہیں کہ

فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا

آزمائے گئے ہو تم اس کے ذریعہ اور یقیناً رب تمہارا رحمٰن ہے پس پیروی کرو میری اور اطاعت کرو

اَمْرِيْ ﴿٩١﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ

میرے حکم کی انہوں نے کہا ہرگز نہیں ہٹیں گے ہم اس پر قائم رہنے سے یہاں تک کہ لوٹے

اور اتنی سی بات نہ سمجھ سکے کہ جو کسی بات کا جواب نہ دے، نفع یا نقصان کا اختیار نہ رکھے، وہ خدا کس طرح ہو سکتا ہے؟ (تفسیر کے لئے الاعراف ١٤٩)

یہاں خدا تعالیٰ کی صفات بیان فرمائیں کہ وہ اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور انہیں نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔ کسی جماعت کی سچائی کا یہ ثبوت ہے کہ خدا اس کے منتخب افراد سے کلام کرتا ہے۔ بفضلِ تعالیٰ آج یہ اعزاز صرف جماعت احمدیہ کو حاصل ہے کہ ان کا مجیب الدعوات خدا ان میں سے بہتوں سے کلام کرتا اور انہیں جواب دیتا ہے۔ **ذٰلک فضل اللّٰہ یوء تیہِ من یّشآء۔**

وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم
اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

٩١۔٩٢۔ **لن نبرح** (برح) ہم ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ ہم ہرگز باز نہیں آئیں گے۔ یعنی اسی پر قائم رہیں گے۔

قرآنِ کریم نے قدم قدم پر توریت کی تصحیح فرمائی اور انبیائے کرام پر لگائے گئے الزامات سے انہیں بَری فرمایا۔ یہاں بھی توریت کے اس الزام کی تردید فرمائی کہ حضرت ہارونؑ گوسالہ بنانے اور اس کی عبادت میں شریک تھے۔ بلکہ واضح کیا کہ انہوں نے قوم کو شرک سے روکنے اور توحید پر قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی (تفسیر کے لئے سورۃ بقرہ: ۵۵، الاعراف: ١٤٩ تا ١٥٢) اور انہیں واضح طور پر بتایا کہ تمہارا ربّ یہ بے جان بچھڑا نہیں بلکہ خدائے رحمٰن ہے۔ جس نے تمہارے کسی عمل کے اجر کے طور پر نہیں بلکہ محض اپنی صفتِ رحمانیت سے تم میں سے موسیٰ ؑ جیسے جلیل القدر اور صاحبِ شریعت نبی کو مبعوث فرمایا۔ تمہیں فرعون کی غلامی سے نجات بخشی اور فرعون کو مع لاؤ لشکر غرق کر دیا۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے لئے فرمایا **انت منی بِمنزلۃِ ھارون من موسٰی**

اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾

طرف ہماری موسیٰ (موسیٰ نے آکر) کہا اے ہارون کس نے روکا تجھے جب دیکھا تونے انہیں کہ گمراہ ہوگئے

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ

کہ نہ پیروی کرے تو میری کیا پس نافرمانی کی تُونے حکم کی میرے کہا اے بیٹے میری ماں کے نہ پکڑ

بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

داڑھی میری اور نہ سر میرا یقیناً میں ڈرا کہ تو کہے گا کہ تفرقہ ڈالدیا تونے درمیان

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ

بنی اسرائیل کے اور نہ انتظار کیا تونے بات کا میری کہا پس کیا ہے اصل بات تیری

(بخاری کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ بن ابی طالب۔ مسند احمد صفحہ ۳۳۱/۱۔ مسلم کتاب الفضائل باب فضائل علیؓ بن ابی طالب) چنانچہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کے قتل کے فتنہ کو روک نہ سکے اور آپ پر بھی حضرت عثمانؓ کے قتل کا الزام لگا۔ حالانکہ آپ کا دامن بھی حضرت ہارونؑ کی طرح پاک تھا۔

اس فتنہ کے وقت بنی اسرائیل کے تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ تو حضرت ہارونؑ کی اطاعت پر سختی سے کار بند رہا اور شرک میں ملوث نہیں ہُوا یہ بارہ ہزار تھے۔ (قرطبی) اس سے ثابت ہُوا کہ بنی اسرائیل کی تعداد ہزاروں میں تھی نہ کہ توریت کے مطابق لاکھوں میں۔ دوسرا فرقہ گوسالہ پرستی کا مرتکب تو ہُوا لیکن کہا کہ اصل فیصلہ موسیٰؑ کے آنے پر ہو گا۔ تیسرا فرقہ شرک پر سختی سے مصر رہا اور حضرت موسیٰؑ کے آنے پر بھی شرک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ یہ تین ہزار کے قریب تھے۔ حضرت موسیٰؑ جلالی نبی تھے آپ نے اس فتنہ کو سختی سے کچل دیا۔ چونکہ سامری کو قتل نہیں کیا گیا جو اِن کا سرغنہ تھا اس لئے یہاں قتل سے مراد ان کے عقائد کا قتل ہے کہ پھر شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سامری کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو اور چند ائمہ کفر کو جو شرک پر اڑے رہے انہیں قتل کی سزا دی گئی ہو۔

۹۳ تا ۹۵۔ **ترقب**۔ رقب۔ گردن۔ انتظار کرنا۔ **لم ترقب قولی**o تو نے میرے حکم کا انتظار نہیں کیا۔ میری بات کا خیال نہیں رکھا۔ تفسیر کے لئے سورۃ الاعراف ۱۵۱۔

انبیاء شرک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ حضرت موسیٰؑ غیرتِ دینی کی وجہ سے سخت ناراضگی اور غصے میں تھے۔ آپ کے رعب اور جلال کا یہ حال تھا کہ بڑے بھائی کو جو نبی تھے، سر اور داڑھی سے پکڑا (آیت ۹۵) اور پوچھا کہ جب تم نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تو میری پیروی کیوں نہ کی۔ یعنی میری طرح ان سے سختی سے کیوں پیش نہ آئے۔ حضرت ہارونؑ نے باوجود سچے ہونے کے ادب

يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ

اے سامری اس نے کہا دیکھا میں نے وہ کہ نہیں دیکھا انہوں نے جسے پس لیا میں نے

قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ

کچھ حصہ نقش قدم سے رسول کے پھر پھینک دیا میں نے اسے اور اس طرح تجویز کی میرے لیے

نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا

دل نے میرے فرمایا پس جا پس یقیناً تیرے لیے زندگی میں یہ ہے کہ کہے تو نہ

کی پوری رعایت کے ساتھ جواب دیا کہ آپ کے رعب کی وجہ سے میں ڈرا کہ کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں اور یہ نہ کہیں کہ تم نے سختی کر کے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرا انتظار نہ کیا۔

۹۶۔۹۷۔ **البصر**۔ آنکھ ہے۔ **بصر** ظاہری بینائی ہے جمع ابصار۔ **بصرت** میں نے دیکھا۔ دل کی بینائی کے لئے **بصر** جمع ابصار اور **بصیرة** جمع بصائر یہ دونوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ فعل **ابصرته** اور **ابصرة به** آتا ہے۔ پس بصارت ظاہری بینائی ہے جبکہ بصیرت قلب کی بینائی ہے۔ **قبضة**۔ قبضہ کے علاوہ محض کسی چیز کو حاصل کرنا بھی ہے گو ہاتھ سے نہ بھی لیا ہو۔ (امام راغب) **اثر**۔ نشان۔ بات (اقرب) **اثر الرسول**۔ رسول کی متابعت رسول کے نقش قدم۔ **سوّلت**۔ نفس کا اپنی پسندیدہ چیز کو خوبصورت کر کے دکھانا۔ **بل سوّلت لکم انفسکم امرًا** (یوسف:۱۹) بلکہ تمہارے نفسوں نے ایک بات کو خوبصورت کر کے دکھایا۔ اس آیت کی تفسیر میں بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات منسوب کی گئی ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

حضرت موسیٰؑ جب حضرت ہارونؑ کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو سامری کی طرف متوجہ ہوئے کہ تیرا کیا معاملہ ہے۔ یعنی تو نے یہ قبیح حرکت کیوں کی۔ چونکہ اس کی گمراہی کا باعث اس کا تکبر تھا۔ لہذا اس نے کہا کہ جس بصیرت پر میں تھا یہ لوگ اس سے ناآشنا تھے۔ بیشک میں نے رسول کے نقشِ قدم پر چل کر کچھ فیض حاصل کیا تھا۔ یعنی موسیٰؑ کی متابعت سے کچھ روحانیت کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ لیکن جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچا کہ میری بصیرت اس مقام پر ہے کہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پس میں نے موسیٰؑ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس کی اتباع کو ترک کر دیا اور اس کی تعلیم اور اصولوں کو پرے پھینک دیا۔ پھر میرے نفس نے سونے کا بچھڑا بنانے کا خیال مجھے خوبصورت کر کے دکھایا۔ یعنی مجھے اپنا یہ خیال (Idea) بہت اچھا لگا کہ اس طریق سے موسیٰؑ کی طرح قوم کا لیڈر بن جاؤں۔ ظاہر ہے کہ موسیٰؑ کا خدا تو کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔ جبکہ سونے کا بچھڑا

مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ
چھوؤ (مجھے) اور یقیناً تیرے لیے ایک میعاد ہے ہرگز نہیں پیچھے چھوڑا جائیگا تو اسکے اور دیکھ طرف اپنے معبود کے

الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي
وہ کہ رہا تو جس پر ٹھہرا ہوا ضرور جلادیں گے ہم اُسے پھر ضرور اڑا دیں گے ہم اُسے

الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٨﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ
سمندر میں خوب اڑانا سوائے اسکے نہیں کہ معبود تمہارا اللہ ہے وہ کہ نہیں کوئی معبود سوائے اسکے اس نے احاطہ

جس میں سے آواز بھی نکلتی تھی سب کو زیادہ متوجہ (Attract) کر سکتا تھا۔ گوسالہ سامری کی آواز کے متعلق حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ واللہ وہ کوئی زندہ آواز نہیں تھی بلکہ ہوا اس کے پچھلے حصہ سے داخل ہو کر منہ سے نکلتی تھی۔ اس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی۔

۹۸۔ **نسفًا۔ نسف** ۔ اڑا کر بکھیرنے کے معنی دیتا ہے۔ **مساس**۔ چھونا۔ مَس کرنا۔

سامریؔ نے پوری قوم کو گمراہ کرنے کی کوشش کی اس لئے اسے ایسی سزا ملی جو سب کے لئے باعثِ عبرت تھی۔ اس کا مقاطعہ کیا اور کوئی اس سے بات کرنے یا کسی قسم کا تعلق رکھنے کا روادار نہیں تھا۔ مثیلِ موسیٰ نے بھی جنگ تبوک میں بلاوجہ پیچھے رہنے والے تین صحابہ سے مقاطعہ فرمایا۔ پھر حکمِ الٰہی سے انہیں معافی ملی۔ (بخاری حدیث کعب بن مالکؓ بروایت عبداللہ بن کعبؓ)

اس کا یہ کہنا کہ مجھے چھوؤ نہیں ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی نہایت موذی مرض میں مبتلا ہو گیا ہوگا اور اسے چھونے سے بھی اس مرض کے لاحق ہو جانے کا خطرہ ہوگا۔ جیسے کوڑھ وغیرہ اس طرح ایک نبی کے مقابلہ میں قومی لیڈر بننے کا خواب دیکھنے والا اپنے گناہ کی وجہ سے تمام زندگی قوم کے لئے اچھوت بن کر جانوروں کی سی الگ تھلگ زندگی گزارنے پر مجبور ہُوا گویا اس کی بدنی اور اخلاقی حالت ایسی ہوگئی کہ حال و قال سے مجنونوں کی طرح کہتا پھرتا تھا کہ میرے قریب نہ آؤ۔ مجھے مت چھوؤ۔ اس زمانہ میں کوڑھیوں سے سخت نفرت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ وہ بستیوں سے دور رہتے تھے۔ پچھلی صدی تک یورپ میں بھی یہی حال تھا۔ اگر خیرات وغیرہ کے لئے کسی بستی میں آتے تو بعض نے گھنٹیاں باندھی ہوتی تھیں تا کہ لوگوں کو ان کی آمد کا علم ہو جائے اور وہ ہٹ جائیں۔ پس یہ اذیت ناک تنہائی کی زندگی دنیا میں اس کے لئے بہت بڑی سزا تھی۔ وہ جلدی نہیں مرا اس کا انجام سخت عبرت ناک ہُوا۔ جبکہ آخرت کی نہ ٹلنے والی سزا بھی مقدر ہے۔ اس سے بھی بڑی سزا یہ تھی کہ جسے وہ اپنا معبود بنائے بیٹھا تھا اور جو اس کی تمناؤں کا مرکز تھا۔ اسے اس کے سامنے جلا کر اس کی

كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٩﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ
کر لیا ہے ہر چیز کا علم کی رو سے اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر خبریں اس کی جو یقیناً

سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿١٠٠﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ
گذر چکا اور یقیناً دیا ہم نے تجھے اپنی جناب سے ذکر جس نے اعراض کیا اس سے

فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿١٠١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ
تو یقیناً وہ اٹھاوے گا بروز قیامت بوجھ رہ پڑنے والے ہیں اس میں اور بُرا ہے

راکھ دریا میں پھینک دی گئی۔ اس طرح عملاً یہ دکھا دیا کہ جو معبود اپنے بچاؤ پر قادر نہیں وہ بندوں کو کیسے بچا سکتا ہے۔ بیشک وہ بچھڑا سونے کا تھا لیکن اس کے بنانے میں لکڑی بھی استعمال ہوئی ہوگی جس کی وجہ سے جلایا گیا۔

۹۹۔ ایک خود ساختہ جھوٹے معبود کا حشر بتا کر کہ کس طرح اسے اس کے ماننے والوں کے سامنے جلا کر اس کی راکھ تک کو اڑا دیا اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اب بتایا کہ یاد رکھو تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے علم کی انتہا یہ ہے کہ کوئی شے اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔

۱۰۰۔ ذکر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ دل میں یا زبانی یاد رکھنا۔ ذکر، نصیحت، شرف وعزت نیز وزنی ٹھوس اور پائیدار کلام کے معنی بھی دیتا ہے۔ اس لئے قرآنِ کریم کو ذکر کہا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں نہ گزشتہ واقعات اور نہ آئندہ کی خبریں۔ اس لئے فرمایا کہ یہ پہلے لوگوں کے واقعات جو تمہیں بتلائے جا رہے ہیں، بالکل درست اور حقیقت پر مبنی ہیں۔ توریت کی طرح ان میں قطعاً جھوٹ کی ملاوٹ نہیں۔ اس لئے کہ یہ قرآنِ کریم میں بیان ہوئے ہیں جو بطور ذکر ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔ یہاں قرآنِ مجید کو ذکر کہا کہ یہ ایک وزنی ٹھوس اور پائیدار کلام ہے جس میں کسی غلط بات کا امکان ہرگز نہیں۔ قرآنی پیشگوئیوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان میں بھی ہرگز کوئی شک نہیں اور اپنے اپنے وقت پر ضرور پوری ہوں گی۔

بنی اسرائیل کے قصہ کے اختتام پر قرآنِ کریم کا ذکر کیا کہ اگر موسیٰؑ کا نشان ید بیضا تھا جو بغل سے چمکتا ہوا نکلتا تھا تو تجھے قرآنِ عظیم کا نشان دیا گیا جو نورِ مُبین ہے۔ اگر موسیٰؑ کا عصا ساحروں کے باطل کو نگل گیا تو قرآنِ مجید کے اعجاز کے آگے بھی باطل ٹھہر نہیں سکے گا۔

۱۰۱۔۱۰۲۔ **اَعرَضَ**۔ کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔ اگر **اَعرَضَ عَنهُ** ہو تو معنی

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠٢﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ
ان کے لیے بروز قیامت بوجھ جس دن پھونکا جائیگا بگل میں اور ہم اکٹھا کرینگے

الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٣﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ
مجرموں ہیں اس دن نیلی آنکھوں والے آہستہ باتیں کریں گے آپس میں کہ نہیں

لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٤﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ
رہے تم مگر دس (دن) ہم خوب جانتے ہیں اسے جو وہ کہیں گے جب کہے گا

روگردانی کرنے کے ہیں۔

قرآن کریم سے اعراض اس کے پڑھنے اور سیکھنے میں کوتاہی اور اس کے احکام پر عمل نہ کرنا ہے۔اس کا اعراض قوموں کو دنیا میں ہی جہنم میں دھکیل دے گا۔اور قیامت کو ان نا فرمانیوں کے بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔مسلمانوں کے لئے ایک زبردست تنبیہ (Warning) ہے۔

١٠٣۔آخرت کی تمام چیزوں میں صرف نام کی مماثلت ہے (بروایت حضرت ابوہریرہؓ صحیح بخاری بدء الخلق باب فی صفة الجنة حدیث نمبر٣٠٠٥) اس لئے صور کو بھی دنیا کے بگل کی طرح کوئی چیز سمجھنا درست نہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں آخری زمانہ کے متعلق لا تعداد پیشگوئیاں ہیں۔اس قصہ میں یہی اشارہ ہے کہ جس طرح شرک کرنے والوں کا انجام اُس وقت ہُوا ویسا ہی آخری زمانہ میں بھی ہونے والا ہے۔گویا قیامتِ وُسطیٰ کا ذکر کیا۔فرمایا اس دن مجرموں کو اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔گویا وہ نیلی آنکھوں والی قومیں ہوں گی۔یہ موجودہ زمانے کے متعلق قرآنی پیشگوئیاں ہیں۔اُس زمانے میں نیلی آنکھوں والے شاذ کے طور پر تھے۔آج نیلی آنکھوں والی قومیں یعنی اہلِ یورپ اور امریکہ خصوصیت سے شرک میں ملوث ہیں اور عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیتی ہیں۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی ایسی شناخت بتا دی کہ جو **الّا ماشاء اللّٰہ** اکثریت پر اطلاق پا رہی ہے۔پس عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ دنیا میں ہی ان کا حشر ہوگا اور یہ عظیم سلطنتیں ان سے چھین لی جائیں گی۔

١٠٤۔**یتخافتون**۔(**خفت**) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے۔**عشرہ** سے مراد دس صدیاں ہیں۔

یہ وہ قومیں ہیں جنہیں گھمنڈ ہے کہ انہیں کبھی زوال نہیں ہوگا اور وہ ہمیشہ حکمران رہیں گی۔

اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٥﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ ع ٥ ١٥ ١٤
اعلیٰ ان میں سے طریقہ والا کہ نہیں رہے تم مگر ایک دن اور پوچھتے ہیں تجھے متعلق

الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿١٠٦﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٧﴾
پہاڑوں کے پس تو کہدے اُڑا دیگا انہیں رب میرا خوب اُڑانا پس کر دیگا انہیں میدان صاف

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ
نہ دیکھے گا تو اس میں کوئی نشیب اور نہ فراز اس دن پیچھے چلیں گے پکارنے والے کے

لیکن جب یہ دنیوی جاہ و جلال اور شان و شوکت ان سے چھن جائے گی تو ایک دوسرے سے مجرموں کی طرح دبی دبی زبان میں کہیں گے کہ ہمارا زمانہ تو صرف ایک ہزار سال تھا۔جیسا کہ ایک ہزار سالہ غلبہ کے بعد ان میں تنزل کے آثار شروع ہوگئے تھے۔ایسا قیامت کو بھی کہیں گے۔دراصل دینی و دنیوی لحاظ سے مسلمانوں کے انتہائی عروج کا زمانہ تین سو سال تھا۔اس کے بعد ایک ہزار سال مسلمانوں کے زوال اور مغربی اقوام کے عروج اور غلبہ کا زمانہ تھا۔یہ اُن کے احیاءِ علوم اور صنعتی انقلاب کا زمانہ تھا۔جس میں انہیں ایسے زبردست علوم و فنون حاصل ہوئے جن پر آج کے دور کی تمام ترقی کی بنیاد قائم ہوئی۔غرضیکہ ایسی ایسی سائنسی ایجادات ہوئیں کہ ایک عالم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

١٠٥۔**امثلھم**۔ان میں سے اعلیٰ۔سردار قوم۔**طریقة**۔بلحاظ طریقہ کے۔طریقہ والا۔مذہب۔روشن راہ۔

یہاں ان میں سے سب سے اچھا طریق اختیار کرنے والے کا قول بیان کیا کہ تم تو ایک ہی دن رہے۔گویا تمہارا عیش و عشرت کا زمانہ بہت ہی مختصر تھا۔چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہزار سال کا ہوتا ہے اس لحاظ سے بھی یہ دس صدیاں ہی بنتی ہیں۔جن میں مغربی اقوام دنیا پر چھائی رہیں اور اسلام کی ترقی رک گئی۔

١٠٦ تا ١٠٨۔**جبال**۔پہاڑ۔سیدالقوم۔قوم کا سردار۔عظیم الشان طاقتیں۔**قاعا**۔**القاع** اور **القیع** ہموار میدان۔**صفصفا**۔ہموار زمین۔گویا وہ ایک صف ہے۔**عوج**۔کجی جس کا ادراک فکر اور بصیرت سے ہو جبکہ **عَوج**۔ظاہری ٹیڑھا پن ہے۔**امتا**۔**امت**۔چھوٹا ٹیلہ۔معمولی بلندی۔عیب اور شک کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اس رکوع میں بتایا کہ قرآنی پیشگوئیاں قیامت تک مختلف انداز میں بار بار پوری ہوتی رہیں

گی۔ بیشک قیامت کو بھی یہ سب کچھ ہوگا جس کی اصل حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ بظاہر یہ آیات قیامتِ کبریٰ پر اطلاق نہیں پاتیں۔ کیونکہ قیامت کو پہاڑوں کا وجود نہیں ہوگا اور اس ہولناک وقت میں کسی کو ان کے متعلق پوچھنے کی فکر نہیں ہوگی۔ آنحضرت ﷺ سے کبھی پہاڑوں کے متعلق سوال نہیں ہُوا اس لئے کہ قرآنِ کریم نے بغیر سوال ہی بڑی کثرت سے پہاڑوں کی بناوٹ اور ان کے فوائد وغیرہ کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ غرض آپ ﷺ سے ان مادی پہاڑوں کے متعلق سوال نہیں ہُوا بلکہ ان پہاڑوں جیسی عظیم الشان سلطنتوں کے متعلق ضرور سوال ہُوا کہ غلبہ اسلام کے تعلق میں انہیں کیسے زیر کیا جائے گا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ روم اور فارس کی فتح کی بشارت دیتے تھے۔ پس یہاں قیامتِ وسطیٰ کا ہی ذکر ہے جو کسی قوم کی تباہی کا دن ہوتا ہے۔ جب بتایا کہ مغربی حکومتیں پاش پاش ہو جائیں گی تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ پھر وہ اکابرینِ سلطنت اور شہنشاہ کہاں جائیں گے جن کا وجود پہاڑوں کی طرح ہے اور جو اسلام کی ترقی میں مانع رہے۔ فرمایا میرا ربّ ان کو ہوا میں اڑا دے گا۔ ان کا سارا دم خم نکل جائے گا اور چٹیل میدانوں کی طرح سیدھے ہو جائیں گے۔ جیسے آج زارِ روس کا کسی کو پتہ ہے نہ شہنشاہِ ایران کا اور نہ ہندوستان کے کسی بادشاہ کا۔ جمہوری طرزِ حکومت کی طرف بھی اشارہ ہے نیز پہاڑوں کے زمین بوس ہونے سے مراد ان میں عجز کا پیدا ہونا بھی ہے کہ ان کے مزاجوں میں تکبر کی بلندی نہیں رہے گی جو قبولِ حق میں مانع تھی اور نہ فطرت میں کجی رہے گی۔ پس یہ اسلامی تعلیمات پر غور کریں گے اور رجوع اِلی الحق ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

کفارِ مکّہ کو ان قصوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ نہ بعد از مرگ سزاؤں سے وہ اتنا خائف ہو سکتے تھے۔ پس یہ قصّہ اور قرآنِ کریم کے دوسرے قصے قربِ قیامت میں پوری ہونے والی انذاری پیشگوئیوں کے علاوہ صنادیدِ مکّہ کے لئے بھی بطور وعید تھے۔ یہ پیشگوئیاں جنگِ بدر کے دن بڑی شان سے پوری ہوئیں۔ جب اکابرینِ مکّہ اس میدان میں نیست و نابود ہوئے۔ پھر آخری تباہی فتح مکّہ کے دن ہوئی جب ان کی اکڑی ہوئی گردنیں ہمیشہ کے لئے نیچی ہوگئیں اور عزت کا نشان صرف اسلام بن گیا۔ آخر قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں زمین بوس ہوئیں اور ان آیات کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت ہوئی۔ پس جس طرح موسیٰؑ کے زمانے میں شرک کا قلع قمع ہوا، مثیلِ موسیٰ کے زمانے میں بھی شرک اس طرح مٹا کہ پھر کبھی عرب میں داخل نہ ہو سکا۔

ان آیات کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے لکھا کہ ایک نیک بندے نے جسے امر بالمعروف کا شوق تھا ایک امیر شخص کے ملازم کے ہاتھ میں ایک غیر مشروع چیز دیکھی تو پکڑ کر توڑ

لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ

نہیں کجی (ہوگی) اس کیلئے اور نیچی ہوں گی آوازیں (خدائے) رحمٰن کے لیے پس نہ سنے گا تو

اِلَّا هَمْسًا ۝۱۰۹ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ

مگر آہستہ آواز اس دن نہیں نفع دیگی سفارش سوائے اس کے کہ اجازت دے جس کے

دی۔ امیر نے اسے بلایا اور سخت غصہ میں کہا کہ میرے ملازم کے ہاتھ سے یہ چیز لے کر کیوں توڑی؟ اس نے حدیث پڑھ دی کہ جب کوئی غیر مشروع امر دیکھو تو اپنے ہاتھ سے بدل دو۔۔۔ (مسلم۔ کتاب الایمان بروایت ابوسعید خُدریؓ) اس پر امیر نے کہا وہی چیز میرے ہاتھ میں ہے وہی سلوک اس سے کیوں نہیں کرتے؟ نیک بندے نے کہا کہ آپ کو سمجھانے والے کا ذکر قرآن شریف میں لکھا ہے۔ امیر نے پوچھا کہاں؟ تو اس نے یہ آیات پڑھ دیں اور اس زور سے پڑھیں کہ مارے دہشت کے وہ چیز اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ گئی۔ گویا وہ امیر شخص سمجھ گیا کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۱۰۵)

۱۰۹۔ همسًا۔ همس۔ بالکل نیچی آواز۔ کھسر پھسر۔ سرگوشی۔

جب پہاڑوں جیسی قد آور ہستیاں اور قومیں جو شرک پر کاربند تھیں اور اسلام کی ترقی میں روک تھیں، ملیامیٹ کر دی جائیں گی تو ایک نیا نظام تشکیل پائے گا۔ گویا ایک نیا آسمان ہوگا اور نئی زمین۔ یہ نہیں کہا کہ پھر اور پہاڑ پیدا ہوں گے۔ اس دن لوگ محمد عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں فخر محسوس کریں گے۔ جس کی تعلیم میں کوئی کجی نہیں۔ جیسا کہ فرمایا **لم یجعل لهٗ عوجا** ٥ (سورۃ کہف:۲) آوازوں کے پست ہونے میں اشارہ ہے کہ جو قومیں پہلے سرکشی پر مائل تھیں اور اپنی سربلندی کے نغمے الاپتی تھیں۔ خدائے رحمٰن کے سامنے عاجزی و فروتنی اختیار کریں گی۔ خدائے رحمٰن کا ایسا غلبہ ہوگا کہ پیغام حق کے مقابلہ میں ہر آواز پست ہو جائے گی۔ صفتِ رحمٰن لا کر بتا دیا کہ ان کو ہدایت خدائے رحمٰن کے فضل اور احسان سے نصیب ہوگی۔ یہ پیشگوئی بھی آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں بڑی شان سے پوری ہوئی اور اب آخری زمانہ میں بھی بفضل تعالیٰ اسی شان سے پوری ہو رہی ہے۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ ﷺ کے بروز اکمل اور روحانی فرزند حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدی معہود نے مُشرک اقوام کو خدائے واحد کا پیغام پہنچایا اور ایک بڑی تعداد کو اس چشمہ سے سیراب کیا۔ آج آپ کی نیابت میں آپ کے چوتھے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے

الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا
جسے رحمٰن اور پسند کرے اس کی بات وہ جانتا ہے جو آگے ہے ان کے اور جو
خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ
پیچھے ہے انکے اور نہیں وہ احاطہ کرتے اس کا علم کی رو سے اور جھک گئے چہرے (انکے) زندہ (اور دوسروں

ہیں اور مشرک اقوام کو نبی عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع کر رہے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب کوئی خدا نہیں ہو گا سوائے اسلام کے خدائے واحد کے اور کوئی مذہب نہیں ہو گا سوائے اسلام کے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۱۰۔ اس نظامِ نو میں کوئی مجرم سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ سوائے اس کے جسے خدائے رحمٰن بچالے اور جس کی کچھ باتیں جنابِ الٰہی میں پسندیدہ قرار پائیں۔ انہی کے حق میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت ہو گی اور انہی کو غلبہ نصیب ہو گا۔ ان آیات کا مضمون بھی دنیا اور آخرت دونوں پر اطلاق پا رہا ہے۔ آخرت کے لحاظ سے معنی ہوں گے کہ شفاعت کرنے والے مقربین الٰہی کو کسی شخص کی شفاعت کا حق اللہ تعالیٰ خود مرحمت فرمائے گا اور یہ وہی شخص ہو گا جس کے حق میں بات کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند فرمائے گا۔ گویا جن کی شفاعت کی جائے گی وہ بھی معمولی نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کوشش ضرور کی لیکن اپنی شامتِ اعمال سے قربِ الٰہی حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ پس آنحضرت ﷺ کی شفاعت بدکار مسلمانوں کے لئے نہیں ہو گی جو گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ یہ بھی معنی ہے کہ اس آیت میں شفاعت کی اجازت خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے حق میں ہے جس کا ہر قول ہمیشہ خدا کی رضا کا موجب بنا۔

۱۱۱۔ اس آیت میں شفاعت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اگلے پچھلے احوال سے واقف ہے اور خوب جانتا ہے کہ کون شفاعت کا اہل ہے اور کس کو شفاعت کا حق حاصل ہے۔ شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

آغاز سے انجام تک اس کا علم محیط ہے۔ پس شفاعت میں بھی کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہو گا جس میں لاعلمی پائی جاتی ہو اور جو اس کے احاطہ علم سے باہر ہو۔ لوگ اپنے علم کے ذریعہ اس کی کنہ کو نہیں پا سکتے۔ یعنی عقل انسانی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس میں اشارہ ہے کہ علیم خدا کی یہ باتیں پوری ہوں گی جو انسانی عقل سے بعید ہیں۔

۱۱۲۔ **عنت**۔ جھکنا۔ ذلیل ہونا۔ دکھ دینے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ **وَدُّوا مَا عَنِتُّم**

الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ
کو) قائم رکھنے والے کیلئے اور یقیناً ناکام ہوا وہ جس نے اُٹھایا ظلم اور جو کرے گا
الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَ
نیکیاں اور وہ مومن ہوگا تو نہ ڈرے گا وہ ظلم سے اور نہ حق تلفی سے اور
كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ
اسی طرح اتارا ہم نے اسے قرآن عربی میں اور بار بار لائے ہم اس میں
الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى
عذاب کے وعدے تاکہ وہ تقویٰ کریں یا وہ پیدا کرے ان کے لیے نصیحت پس بلند ہے
اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ
اللہ بادشاہ سچا اور نہ جلدی کر ساتھ قرآن کے پہلے اس کے کہ

(الاعمران۔ ۱۱۹) وہ پسند کرتے ہیں کہ تم مشکل میں پڑو۔ **وجوہ**۔ وجہ کی جمع۔ چہرے کے علاوہ اشرف الناس کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ بڑے لوگ۔

یہ ساری پیشگوئیاں حیات نبوی میں پوری ہوئیں جب فتح مکہ کے موقع پر سردارانِ مکہ سرنگوں اور ذلیل ہوئے۔ اب آخری زمانہ میں بھی انشاء اللہ جلد ہی وہ وقت آئے گا جب بڑی بڑی ہستیاں اور قومیں نیز دنیا کی عظیم سلطنتیں خدائے حی القیوم کے سامنے سرنگوں ہوں گی۔ یعنی آوازیں ہی نیچی نہیں ہوں گی، سر بھی جھک جائیں گے۔ ظالموں کو البتہ قرار واقعی سزا ملے گی اس لئے کہ انہوں نے خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا ورنہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

حیّ القیوم کی صفت لانے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ انہیں حقیقی زندگی بخشے گا۔ گویا اسلام میں داخل ہونا ہی حقیقی زندگی ہے۔ قیامت کا بھی نقشہ ہے جب مقربانِ الٰہی خشیتِ الٰہی سے اور ظالم بارِ گناہ سے جھکے ہوں گے۔

۱۱۳۔ مومنین جو ایک مدت تک مظالم اور حق تلفیوں کا شکار رہے۔ اب یہ نظامِ نو جو عدل کا ضامن ہو گا، ان کے لئے مژدہ جانفزا لے کر آئے گا۔ اس میں جہاں ظالموں کو سزا ملے گی وہاں اعمال صالحہ بجا لانے والے مومنین پر کوئی ظلم نہیں کر سکے گا اور نہ ان کی حق تلفی ہو گی۔ **مِن** واحد کے لئے آتا ہے لیکن قرآنِ کریم میں بہت دفعہ جمع کے معنی بھی دیتا ہے۔

۱۱۴۔ **عربیًا**۔ واضح اور فصیح۔ کھول کر بتانے والی۔ **حدث**۔ نئی بات۔ بات۔ خبر۔ اسی سے حادثہ ہے۔ اچانک رونما ہونے والا۔

يُقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَلَقَدْ

پوری کی جاوے طرف تیری وحی اس کی اور کہہ اے رب میرے بڑھا مجھے علم میں اور یقیناً یقیناً

جب ایک عادلانہ نظام قائم ہو گیا اور مغربی اقوام جوق در جوق اس میں شامل ہو گئیں۔ (سورۃ النصر اس آخری زمانے کے لئے بھی ہے۔ انشاء اللہ) تو بتایا کہ واضح اور فصیح قرآن نازل کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ انہیں مختلف انداز سے ڈرایا جائے تا بدیوں سے بچیں۔ قرآنی قصے بھی اسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ مختلف عبرت آموز حادثات بھی بطور وعید رونما ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ان انذاری خبروں سے بہتوں نے فائدہ اٹھایا اور راہِ راست کو پا گئے۔ جو نہ سمجھے وہ ان کی لپیٹ میں آئے۔ اب جبکہ نصاریٰ خدائے رحمٰن کی وحدانیت کے قائل ہو رہے ہیں تو یہ قرآن بھی انہیں نئے نئے انداز سے نصیحتیں کر رہا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم بھیجنے والے کی شان یہ ہے کہ **کل یوم هوفی شان** ٥ (الرحمٰن: ٣٠) اسی طرح اس کے بھیجے ہوئے قرآن کی عظمت اور شرف بھی یہ ہے کہ جب بھی اس پر غور کرو ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے اور ہر زمانے میں نئے مسائل کا حل اور ہر نئی ضرورت کا سامان نئے انداز سے بہم پہنچاتا ہے۔ چنانچہ امامِ وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کریم کو اسی انداز سے پیش کیا اور دشمن کے ہر اعتراض کا جواب قرآنِ کریم سے پیش کیا۔

۱۱۵۔ جب عظمتِ قرآن کا ذکر ہوا تو دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے بھر گیا اور بے اختیار پکار اٹھا کہ اللہ بڑی شان والا ہے۔ وہی سچا بادشاہ ہے۔ عام مفہوم یہی لیا جاتا ہے کہ جبریلِ امین وحی لاتے تو آنحضرت ﷺ اسے جلد جلد دہراتے اور یاد کرنے کی کوشش فرماتے۔ اس خوف سے کہ کچھ رہ نہ جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو تسلی دی کہ نازل کرنے والا ذمہ دار ہے کہ اس کی حفاظت فرمائے۔ ہاں یہ دعا کرتے رہنا کہ یہ عظیم علم ہمیشہ بڑھتا رہے۔ پچھلی آیت کی مناسبت سے اشارۃً یہ معنی بھی ہیں کہ قرآنِ کریم میں جو وعید کی خبریں تجھے دی جاتی ہیں ان کے پورا ہونے سے پہلے جلدی نہ کر۔ یعنی وہ اپنے وقت پر پوری ہوں گی۔ یا یہ کہ ان خبروں کی تفصیل جاننے کی جلدی نہ کر بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہ کہ اے میرے ربّ! میرے علم میں زیادتی کر۔ پس اس دعا کے نتیجہ میں وہ تجھے بھی اور مومنین کو بھی وقت اور ضرورت کے مطابق قرآنی علوم سے خود بہرہ ور فرمائے گا۔

وحی الٰہی لامتناہی علوم پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور بندہ ان علوم پر عبور حاصل کرنے کے لئے اللہ کے فضل اور رحمت کا محتاج ہے پس اسی سے مانگو اور یہ علم اس کے بندوں میں تقسیم کرو۔ آنحضرت ﷺ کو جو انسانِ کامل تھے یہ دعا سکھائی گئی۔ پھر آپ ﷺ کی وساطت سے امت کو سکھائی۔

عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۶﴾ ع ٦ ١١

١٥ تاکیدی حکم دیا تھا ہم نے آدم کو پہلے سے پس بھول گیا وہ اور نہ پایا ہم نے اس کے لیے عزم

ترقی دینی ہو یا دنیوی علم سے ہی وابستہ ہے۔ ایک مومن مہد سے لحد تک علم سیکھنے کا پابند ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں۔ اس کے علم کی بھی کوئی حد نہیں۔ جس قدر علم وسیع ہوتا جائے گا بندہ معرفت میں ترقی کرتا جائے گا۔ اپنے علم اور معرفت پر بھروسہ کر کے ٹھہر جانا سالک کا کام نہیں۔ پس دائمی اور ابدی ترقیات کے لئے یہ دعا سکھائی۔ **ربّ زدنی علمًا** ٥ کہ اے ہمارے ربّ! ہمارے علم اور معرفت میں اضافہ کر۔ ہمیں وہ سچا علم عطا کر جو ہمارے لئے مفید ہو۔ اور جس کی روشنی میں ہم ترقی کی راہوں پر چلتے ہوئے اپنی منزل کو پالیں جو مقصودِ حیات اور کمالِ انسانی ہے۔ چونکہ سچے علوم کا مخزن قرآنِ کریم ہے اس لئے اس دعا میں قرآنِ کریم کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بھی دعا ہے نیز یہ کہ مجھے اپنی معرفت و عظمت اور صفاتِ کاملہ کا علم بخش اور اس علم کو بڑھاتا رہ۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے فیصلوں میں الٰہی نور عطا کرنے کے لئے یہ دعا سکھائی گئی۔ **ربّ زدنی علمًا** ٥۔ حصولِ علم کی ترغیب میں بہت سی احادیث ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **طلب العلم فریضةٌ علی کلّ مسلم ومسلمة** یعنی ہر مسلمان کے لئے علم حاصل کرنا ضروری ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ (مسند امام الاعظم کتاب العلم صفحہ ٢٠۔ ابن ماجہ) حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں علم کے بغیر عبادت میں کوئی بھلائی نہیں [illegible] کے بغیر علم کا دعویٰ درست نہیں اور تدبر اور غور و فکر کے بغیر محض قرأت کا کوئی فائدہ نہیں۔ (سنن دارمی۔ المقدمة۔ باب من **قال العلم الخشية وتقوی اللہ**) حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص علم کی تلاش میں نکلے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے طالب علم کے کام پر خوش ہو کر اپنے پَر اس کے آگے بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان والے بخشش مانگتے ہیں یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس کے حق میں دعا کرتی ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی دوسرے ستاروں پر اور علماء وانبیاء روپیہ پیسہ ورثہ میں نہیں چھوڑ جاتے بلکہ ان کا ورثہ علم و عرفان ہے۔ جو شخص علم حاصل کرتا ہے وہ بڑا نصیبہ اور خیر کثیر حاصل کرتا ہے۔ (ترمذی کتاب العلم **باب فی فضل الفقه**)

۱۱٦۔ یہ قصہ سورۃ البقرہ ٣١ تا ٤٠، سورۃ الاعراف ١٢ تا ٢٦، سورہ الحجر ٢٧ تا ٤٣، سورۃ بنی اسرائیل: ٦٢ تا ٦٦ اور سورۃ الکہف: ٥١ میں گزر چکا ہے تفسیر کے لئے یہ مقامات ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے

اَبٰى ﴿١١٧﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا
اس نے انکار کیا۔ پس کہا ہم نے اے آدم یقیناً یہ دشمن ہے تیرا اور بیوی کا تیری پس نہ

قرآنی قصے اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کے تحت مختلف مواقع کی مناسبت سے ضرورت کے مطابق بیان ہوئے۔ یہاں بھی بتایا کہ یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے سکھائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین آدمؑ کی طرح کسی بھول چوک کے مرتکب نہ ہوں۔ نیز یہ کہ وحی الٰہی کی رہنمائی کے بغیر انسان بدی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آدمؑ سے بحیثیت انسان ایک بھول ہوئی۔ اس نے ارادۃً ہرگز ایسا نہیں کیا اور ایک دعا کے ذریعہ اس کمزوری پر قابو پانے میں کامیاب ہوئے۔ اس قصہ میں بتایا کہ حق و باطل کا مقابلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ حق ہی غالب رہا۔ اس لئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! حالات کیسے ہی ناسازگار ہوں تجھے فکر نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ تیرے زمانہ میں ہی بس نہیں۔ تیرے مہدی کے زمانہ میں یہ جنگ اپنے عروج پر ہوگی۔ ابلیس اپنے تمام ہتھکنڈوں سے لیس ہو کر میدان میں اترے گا۔ لیکن جس طرح تیرا خدا اسے اس وقت ناکام و نامراد اور تجھے کامیاب کر رہا ہے بعینہٖ آخری زمانہ میں بھی ابلیسی طاقت ناکام ہوگی اور اسلام کا عروج ہوگا۔

١١٧۔ اس رکوع میں آدم اور ابلیس کے قصہ میں بتایا کہ حق و باطل کا مقابلہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے اور آخر حق ہی غالب آیا۔ آدمؑ کو ملائکہ کے سجدہ کی تشریح اس قصہ میں پیچھے گزر چکی ہے۔ یہ حدیث اس بات کو خوب واضح کرتی ہے کہ حکم سجدہ میں ابلیس شامل تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ جبریلؑ کو کہتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ چنانچہ وہ بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ پھر جبریل آسمان والوں میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ اس پر تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس بندے کے لئے زمین میں بھی قبولیت پھیلا دی جاتی ہے۔ (بخاری جلد۲ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکۃ) اس سے ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو تمام آسمانی و زمینی طاقتیں اس حکم کی تعمیل میں لگ جاتی ہیں۔ پس ابلیس کو الگ کوئی حکم نہیں تھا۔ وہ اس حکم میں شامل تھا۔ مگر اُس نے حکم کی تعمیل نہیں کی۔

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٨﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا
نکال دے تم دونوں کو جنت سے پس تو مشقت میں پڑیگا یقیناً تیرے لیے یہ ہے کہ نہ بھوکا ہوگا تو اس میں

وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٩﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١٢٠﴾ فَوَسْوَسَ
اور نہ ننگا ہوگا اور یقیناً تو نہ پیاسا ہوگا اس میں اور نہ دھوپ پاویگا پس وسوسہ ڈالا

اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ
اُسے شیطان نے اس نے کہا اے آدم کیا آگاہ کروں میں تجھ کو درخت

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢١﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا
خلد پر اور ملک پر جو نہ بوسیدہ ہوگا پس کھا لیا دونو نے اس سے پس ظاہر ہو گئیں ان دونوں کیلئے

١١٨ تا ١٢٠۔ کمیونیزم نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا لیکن وہ اس حقیقت کو بھول گئے کہ انسان کی ضروریاتِ زندگی میں پانی اوّل ضرورت ہے۔ آج بھی دنیا کا بہت بڑا حصہ پانی اور خصوصاً صاف پانی سے محروم ہے۔ یہاں انسان کی بنیادی ضروریات میں روٹی، کپڑا اور مکان کے ساتھ پانی کا ذکر کیا۔ آدم کی نبوت کی بنیاد ان ابتدائی اصولوں پر تھی جن سے ابتدائی غیر مہذب انسان ایک متمدن انسان بنا۔ آپ نے نوعِ انسانی کو زبان سکھائی جو آپ کو الہاماً سکھائی گئی۔ **عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** (سورۃ البقرہ ٣٢) مختلف فنون کی تعلیم دی جو آپ کو الہاماً سکھائے گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے لوگوں کو زراعت سکھائی اور حضرت شیثؑ نے کپڑا بننا سکھایا۔ غرض آدمؑ کو تمدن کے ابتدائی اصول بتائے جس میں مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے کی مدد کی تلقین کی۔ گھر بنانے سکھائے تا کہ دھوپ نہ ستائے اور محفوظ رہیں۔ تن ڈھانپنے کا طریقہ بتایا تا کہ ننگے نہ رہیں۔

ابلیس کا حسد اس تکبر کی وجہ سے تھا کہ مجھ سے کم تر کو خلیفہ کیوں بنایا۔ گویا اسے خدائی انتخاب پر اعتراض تھا۔ آج بھی جو لوگ خلافت کے خدائی انتخاب پر اعتراض کرتے ہیں ان کے نفس میں بھی سوائے تکبر کے، انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ غرض یہ جنتِ ارضی نہایت سر سبز و شاداب اور خوشگوار آب و ہوا کی جگہ تھی۔ جہاں چشموں اور پہاڑی ندی نالوں کی وجہ سے پانی کی فراوانی تھی اور قدرتی پھلوں کی بہتات تھی۔ جنت کا لفظ بتا رہا ہے کہ انواع و اقسام کے پھلوں کے درختوں نے اس سرزمین کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ننگا نہ رہنے میں بھی یہ اشارہ ہے کہ شدید گرمی نہ ہوگی کہ افریقی قبائل کی طرح لباس سے بے نیاز ہونے پر مجبور ہوں۔ شامؔ و فلسطینؔ کے علاقہ میں یہ تمام خصوصیات ہیں جو ابوالبشر حضرت آدمؑ کا ابتدائی مسکن تھا۔

١٢١۔١٢٢۔ **غَوٰى**۔ گمراہی کے علاوہ تلخ زندگی کے معنی بھی دیتا ہے (قرطبی) گویا بڑی

سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز

شرمگاہیں ان کی اور لگے وہ چپکانے اپنے اوپر پتے جنت کے

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ

اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی پس بے راہ ہوا پھر چن لیا اُسے رب نے اسکے پس فضل سے متوجہ ہوا

عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۳﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ

اس پر اور ہدایت دی فرمایا اترو، دونو گروہ اس سے سب کے سب بعض تمہارے

لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ

بعض کے دشمن ہیں پس اگر آوے تمہارے پاس طرف سے میری ہدایت پس جس نے پیروی کی

هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ

ہدایت کی میری پس نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت ہوگا اور جس نے اعراض کیا

مشکلات میں پھنسے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی مکروہ چال چلنے کے لئے ابلیس بھیس بدل کر آیا۔ آج بھی شیطان صفت لوگ کسی کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے اور سبز باغ دکھاتے ہیں۔ ابلیس نے آدمؑ کو مختلف لالچ دیئے اور آپ کی سرداری کو ہمیشگی عطا کرنے کا راستہ بتایا۔ یہاں بتلایا کہ ابلیس نے آدمؑ کو پھسلایا جس کے نتیجہ میں حوا بہک گئی۔ اس طرح قرآنِ کریم نے نہ صرف انبیاء پر لگائے گئے توریت کے الزامات سے انہیں بری فرمایا بلکہ حوا پر لگائے توریت کے الزام سے اسے بری کر کے تمام دنیا کی عورتوں پر احسان فرمایا جو بقول توریت حوا کے گناہ کی سزا بھگت رہی ہیں۔

الہامی کتابوں میں اکثر تمثیلی زبان استعمال ہوتی ہے۔ یہاں بھی درخت کا پھل کھانے سے ننگا ہونا استعارہ کے رنگ میں ہے یعنی ان کی غلطی کے بدنتائج ان پر ظاہر ہو گئے ورنہ کسی پھل کھانے سے کوئی ننگا نہیں ہوتا۔ خود کو ڈھانپنے میں استغفار کی طرف مائل ہونا ہے۔ جنت کے پتوں سے مراد استغفار کے پتے ہیں۔ یعنی استغفار نے آپ کے گناہوں کو ڈھانپ لیا۔

۱۲۳۔ چونکہ غلطی آپ سے بلا ارادہ ہوئی تھی اس لئے جب نادم ہوئے اور استغفار کی طرف متوجہ ہوئے تو دعا بھی خود سکھائی۔ (سورۃ الاعراف ۲۴) پس اللہ تعالیٰ آپ پر رجوع برحمت ہوا اور اس دعا کے نتیجہ میں معافی ملی اور ہدایت نصیب ہوئی۔

۱۲۴۔ خدا تعالیٰ کا یہ عتاب دونوں گروہوں پر ہُوا خواہ وہ آدم کے پیروکار تھے یا شیطان کے۔ دراصل کسی بھی حکومت کے خاتمہ کی بڑی وجہ عدل کا فقدان ہوتا ہے۔ اس خدائی جنت کے مٹنے کی وجہ بھی عدل کا مٹنا تھا کہ باوجود خدائی نعمتوں کی فراوانی کے بعض نے زیادہ فوائد حاصل کئے جبکہ

ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

ذکر سے میرے پس یقیناً اس کیلئے زندگی ہے تنگ اور اٹھاویں گے ہم اُسے بروز قیامت

اَعْمٰى ﴿۱۲۵﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۶﴾

اندھا کہے گا اے رب میرے کیوں اُٹھایا تو نے مجھے اندھا حالانکہ یقیناً تھا میں بینا

دوسروں کو ان کے بنیادی حقوق سے بھی محروم رکھا گیا۔ اس سے بغاوت اور بدامنی نے جنم لیا، ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور جنت سے نکالے گئے۔ آدم اور حوا گناہ کی سزا کے طور پر نہیں نکلے بلکہ قوم کی غلطیوں کے طبعی نتیجہ کے طور پر ان کے ساتھ نکالے گئے۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آدمؑ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن قوم کو نہیں ہُوا۔ اعلیٰ ظرف کا حامل سربراہِ قوم اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں بھاگتا۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ قوم کی غلطیوں کے باوجود ان کے ساتھ رہے۔ دونوں گروہوں کا ایک دوسرے کا دشمن ہونا قدرتی امر تھا۔ کیونکہ حق و باطل ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے ہیں اور رہیں گے۔ ہاں ہمیشہ کے لئے، ہدایت کا ایک اصول بتا دیا تا آئندہ ٹھوکر سے بچیں۔ وہ یہ کہ آدمؑ کی طرح ہمیشہ رسول آتے رہیں گے۔ پس جو میری بھیجی ہوئی ہدایت کی اتباع کرے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ نامراد کہ کسی مصیبت اور ہلاکت میں پڑے۔ گویا اس کے ہدایت یافتہ اور بامراد ہونے کی خدا خود ضمانت دے رہا ہے۔

۱۲۵۔ **معیشۃ**۔ زندگی یا سببِ زندگی۔ **ضنکا**۔ **ضنک، ضیق** کے معنی دیتا ہے۔ تنگ۔ تکلیف دہ۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے **ضنک** کے معنی شقاوت و بدنصیبی کے کئے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے تنگی معیشت کے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ ان میں قناعت کا وصف سلب کر لیا جائے گا (بخاری) اور حرصِ دنیا بڑھا دی جائے گی (مظہری) جس کے نتیجہ میں سکونِ قلب سے محروم ہوں گے۔ پس جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ہدایت پر عمل نہیں کرے گا اور اللہ کے ذکر سے منہ موڑے گا اس کی دنیاوی زندگی بھی تکلیف دہ ہوگی۔ حیاتِ نبوی میں تو ظاہراً بھی ایسا ہی ہوا کہ مخالفینِ رسول آہستہ آہستہ دنیوی نعمتوں سے محروم ہوتے گئے۔ لیکن عام حالات میں ہم اس کے خلاف پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے مقربین اکثر شدائد و مصائب میں گرفتار رہتے ہیں اور مکذبین پر عام طور پر دنیوی نعمتوں کی فراوانی ہوتی ہے اور وہ دنیوی لحاظ سے بہترین زندگی گزارتے ہیں۔ دراصل تنگی کی زندگی میں دنیوی تنگ دستی مراد نہیں کیونکہ مقربینِ الٰہی کی زندگی میں سامانِ معیشت کی تنگی و فراخی کی کوئی

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾

فرمایا اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس آیات ہماری پس تو بھول گیا تھا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَ

اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اسے جس نے اسراف کیا اور نہ ایمان لایا آیات پر اپنے رب کی اور

لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا

البتہ عذاب آخرت کا زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے کیا پس نہیں ہدایت دی انہیں (اس بات نے) کہ کتنی ہلاک کیں ہم نے

اہمیت نہیں ہوتی۔ پس تنگی کی زندگی سے مراد اطمینانِ قلب سے محرومی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا **الابذکراللّٰہ تطمئن القلوب** (رعد: ۲۹) یعنی اطمینان قلب صرف ذکر الٰہی سے نصیب ہوتا ہے۔ پس یہی وہ سکونِ قلب کی جنت تھی جس میں آدمؑ کو رکھا گیا۔ لیکن جنت کے ان مکینوں نے مادی مفادات کے پیچھے پڑ کر اس جنت کو کھو دیا اور مصائب میں گرفتار ہوئے۔ یہ تنگی کی زندگی دنیا تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے نتیجہ میں قیامت کو بھی اندھے اٹھائے جائیں گے۔ اس لئے کہ انبیاء ہدایت اور بیّنات لے کر آئے لیکن یہ ان نشانوں کے پاس سے اندھے ہو کر گزر گئے اور دنیا سے وہ روشنی لے کر نہ گئے جو انہیں آخرت میں بینا کرتی۔

۱۲۶۔ مجرمین اپنے نامہ اعمال پڑھیں گے (بنی اسرائیل: ۱۵) اور جہنم کو دیکھیں گے۔ (کہف: ۵۴) ہاں نعمائے جنت کو دیکھنے سے محروم رہیں گے۔ یہاں بتایا کہ بیشک وہ دنیوی معاملات میں بہت زیرک اور بینا تھے اور انہوں نے جائز و ناجائز ذرائع اور سلبِ حقوق سے بے شمار دولت اکٹھی کی لیکن یہ دنیوی بصارت آخرت میں کام نہیں آئے گی۔

۱۲۷۔ بہشتی زندگی والے لوگ دنیا میں اللہ کے ذکر سے لذت پاتے ہیں لیکن جنہیں اللہ کی عطا کردہ نعمتوں نے اللہ کی یاد اور اس کی آیات سے غافل رکھا۔ اللہ بھی اُخروی نعمتوں کی تقسیم کے روز انہیں یاد نہیں رکھے گا۔ اللہ کے نشانوں کو بھلانا اور ان سے غافل ہونا، ان نشانوں پر توجہ نہ دینا اور ان کے پاس سے اندھے ہو کر گزر جانا تھا۔

۱۲۸۔ یہ اندھے اٹھنے کی سزا تو ابتدائی ہوگی۔ حساب کتاب کے بعد جو عذاب ملنے والا ہے وہ اس سے بہت سخت اور مدت تک رہنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا جرم صرف یہی نہیں کہ وہ اللہ کی نشانیوں پر ایمان نہیں لائے بلکہ وہ حد سے بڑھ گئے۔ جہنمیوں کے لئے آیات اللہ کا انکار اور حد سے بڑھ جانے کی بھی شرط لگائی۔ گویا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اخلاق و آداب کے تمام ضابطوں

قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

پہلے ان سے قومیں وہ چلتے پھرتے ہیں گھروں میں ان کے یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں

لِّاُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا ع ١٢

عقلوں والوں کے لیے اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی طرف سے رب کے تیرے تو ضرور ہوتا (عذاب) لازم ١٦

وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

اور (اگر نہ ہوتی) میعاد مقررہ پس صبر کر اس پر جو وہ کہتے ہیں اور تسبیح کر ساتھ حمد کے

کو پامال کیا اور تمام حدود و قیود کو توڑ ڈالا۔

۱۲۹۔ حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ اور حضرت آدمؑ کے ذکر کے بعد بتایا کہ کتنی ہی اور قومیں تھیں جو ایسے ہی جرائم کی وجہ سے عذابِ الٰہی سے ہلاک ہوئیں۔ آج انہی کی رہنے کی جگہوں یعنی گھروں میں تم چلتے پھرتے ہو۔ قرآنِ کریم ایسی بے شمار اقوام کے زوال کی داستانیں سناتا ہے۔ جو کبھی کمالِ عروج کو پہنچی ہوئی تھیں مگر اپنی حد سے بڑھی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے عتاب کے نیچے آئیں اور اِن کے گھروں میں دوسرے لوگ آباد ہو گئے۔ شام کو جاتے ہوئے راستہ میں عاد و ثمود کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات تھے۔ جہاں سے اہل مکّہ دن رات گزرتے تھے۔ تم تاریخ سے کیوں سبق حاصل نہیں کرتے اور کیوں غور نہیں کرتے تا اُس [illegible] سے بچو جس سے قوموں کی صف لپیٹ دی جاتی ہے۔ عام لوگوں کو بھی زندگی میں جگہ جگہ ایسے محلات اور مقابر یا ان کے کھنڈرات نظر آتے ہیں جن سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ کسی بزرگ نے کہا ھٰذا قصورھم وھٰذا قبورھم۔

۱۳۰۔ **لزامًا**۔ لازم ہو جانا۔ چمٹ جانا۔ اسی سے الزام ہے۔

اس آخری رکوع میں بتایا کہ حق آخر کامیاب ہوگا اور باطل کی ناکامی اور ہلاکت اس رنگ میں ہوگی کہ اکابرِ مکّہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ کفارِ مکّہ ہمیشہ یہ اعتراض کرتے تھے کہ اگر ہم نے ایک نبی کو جھٹلایا ہے تو گزشتہ مکذبینِ انبیاء جیسا عذابِ استیصال ہم پر کیوں نازل نہیں ہوتا؟

فرمایا تمہارے اعمال تو اس قابل ہیں کہ عذاب فوراً ہی تمہارے لازمِ حال ہو جاتا یعنی چمٹ جاتا اور ایک لمبا عرصہ تک تمہارا پیچھا نہ چھوڑتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پہلے سے ایک طے شدہ فیصلہ کی بنا پر یہ عذاب ایک مقررہ وقت تک ٹلا رہا۔ وہ طے شدہ فیصلہ **رحمتی وسعت کل شیءٍ** (الاعراف: ۱۵۷) ہے کہ میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت دی۔

رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ
اپنے رب کی پہلے چڑھنے سورج کے اور پہلے ڈوبنے کے اس کے گھڑیوں میں
الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝۱۳۱ وَلَا تَمُدَّنَّ
رات کی پس تسبیح کر اور طرفوں میں دن کی تاکہ تو راضی ہو اور نہ لمبی کر
عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ
اپنی دونوں آنکھیں طرف اس کی کہ سامان دیا ہم نے ساتھ اس کے جوڑوں کو ان میں سے زینت زندگی

اجل مسمّی یہی تھی کہ کفارِ مکّہ اپنی تمام معاندانہ تدابیر کو کمال تک پہنچا کر آخر اسلام کو تلوار سے مٹانے کے لئے نکل پڑے۔جیسا کہ جنگِ بدر میں ہُوا۔بیشک یہ کفار کے استیصال کی ابتدا تھی جس کی انتہا فتح مکّہ کے دن مقدر تھی۔جب **جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقًا** کی تلاوت فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے اپنی چھڑی مبارک سے بتوں کو پاش پاش کیا۔

۱۳۱۔مکذبین کی ایذا رسانیوں کے ذکر کے ساتھ ہی صبر اور صلوٰۃ و تسبیح کا حکم دیا جیسا کہ سورۃ بقرہ:۴۶ میں **واستعینوابالصبر و الصلٰوۃ** فرمایا اس لئے کہ شدائد کو برداشت کرنے کی طاقت کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہی ہے۔اس نہایت مختصر آیت میں فرض نمازوں اور نفلی نمازوں کے اوقات کا تعین فرمایا **قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا** میں نماز فجر اور عصر ہیں۔**اناءِ الّیل** یعنی رات کی گھڑیوں میں مغرب،عشاء اور تہجد ہیں۔اطراف النھار میں اشراق وضُحیٰ اور ظہر شامل ہیں۔جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے اس سے دن ڈھلنے سے پہلے کا وقت مراد لیا ہے اور ظہر کو بھی اس میں شامل رکھا ہے۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ جون ۱۹۱۰ء) ان فرض نمازوں اور نوافل کی غرض یہی ہے کہ اے میرے بندے! تُو خوش ہو جائے۔تُو راضی ہو جائے۔یہ بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا اعزاز ہے کہ اسے نماز کا تحفہ دیا جو باری تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔نماز کا فیضان تو اگلے جہان میں بھی اسے راضی رکھے گا۔

نماز،ذکر اور تسبیح کی افادیت روحانی لحاظ سے ہر مسلمان پر عیاں ہے لیکن آج کے مفکرین جسمانی لحاظ سے بھی اس کے بے شمار فوائد کا اعتراف کرتے ہیں امریکی جریدہ ٹائمز (Times) نے سائنسدانوں کی تحقیق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مذہب پر عمل کرنے والے افراد غیر مذہبی لوگوں کی نسبت زیادہ صحت مند اور بیماریوں کا مقابلہ کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔اِن کی طویل تحقیق (Research) اور جائزے (S urvey) کے مطابق مذہبی عبادات میں باقاعدگی رکھنے والوں میں

الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۱۳۲ وَاْمُرْ
ورلی کی تاکہ آزماویں ہم ان کو اس میں اور رزق رب کا تیرے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اور حکم کر

امراضِ قلب،بلڈ پریشر اور ڈیپریشن جیسے امراض لامذہب لوگوں کی نسبت بہت کم ہوتے ہیں۔عمومی صحت بہتر ہوتی ہے نیز خودکشی کی شرح بہت کم ہے۔(جنگ 18 جون 1996) ایسے لوگوں میں ارتکازِ توجہ سے (نماز و ذکر میں) ہارمونز کی کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔

۱۳۲۔**ازواجا منھم**۔ان میں سے مختلف لوگوں کو۔بعض گروہوں کو۔**زھرۃ الحیٰوۃِ الدنیا**۔دنیا کی خوبصورتی اور حسن۔دنیوی زندگی کی زینت۔

آنحضرت ﷺ نے کبھی دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔آپ ﷺ کی نگاہ اور دل ہر وقت نماز ہی میں اٹکا رہتا تھا۔اور اپنے ربّ کی یاد سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ مال غنیمت کے ڈھیر مسجد نبوی میں آتے اور آپ ﷺ شام سے پہلے پہلے تقسیم کر کے اٹھتے اور حرمِ نبوی میں ایک کھجور تک لے کر نہ جاتے۔(صحیحین بروایت حضرت انسؓ) آپ ﷺ نے فرمایا دنیا کی چیزوں میں مجھے عورت اور خوشبو پسند ہے لیکن میرے دل کا سکون نماز میں ہے۔(سنن نسائی کتاب عشرۃ النساء جلد دوئم صفحہ ۴۵۴ بروایت حضرت انسؓ) حضرت ابو سعید خُدریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ تم لوگوں کے بارے میں مجھے جس چیز کا سب سے ز[illegible]ف اور خطرہ ہے وہ دولت اور زینتِ دنیا ہے جو تم پر کھول دی جائے گی۔(ابنِ کثیر)

پس قرآنِ کریم میں گو ظاہراً خطاب آنحضرت ﷺ کو کیا ہو لیکن اصل مخاطب امت ہے۔جسے دنیا کی زیب و زینت ملنے والی تھی۔آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ایسی دنیوی زیبائشیں میسر نہیں تھیں کہ دین سے غافل ہو جاتے۔پس یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیات خاص طور پر موجودہ زمانہ کے لئے ہیں جس میں مختلف طبقات کے لوگوں کی مادی آسودگی اور عیش وعشرت کے سامان نے مسلمانوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیا ہے اور نتیجۃً دین سے اس حد تک دور کر دیا ہے کہ ان شیطانی مصروفیات کی وجہ سے انہیں نماز تک کی فرصت نہیں ملتی۔دنیوی نعمتوں کو فتنہ اس لئے کہا کہ اکثر بہت سے گناہوں کا باعث یہی ہیں۔دین سے دوری، عدل سے پہلوتہی، خودستائی اور تکبر کا سبب بھی یہ ہیں۔فرمایا عبادت کی نعمت تیرے لئے وہ روحانی رزق ہے جو ان دنیوی زینتوں سے بہت بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔گویا یہ وہ زادِ راہ ہے جو اخروی زینتوں کا موجب ہو گا۔

۱۳۳۔آخری زمانہ کی رنگینیوں کا ذکر تھا اس لئے خاص طور پر اسمٰعیلی الفاظ (سورۃ مریم۔۵۶)

اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۔ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۔ نَحْنُ

اپنے گھر والوں کو نماز کا اور قائم رہ اس پر نہیں مانگتے ہم تجھ سے رزق ہم

نَرْزُقُكَ ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝١٣٣ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا

رزق دیتے ہیں تجھے اور انجام تقویٰ کے لیے ہے اور کہا انہوں نے کیوں نہیں وہ لاتا ہمارے پاس

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ

کوئی نشان طرف سے اپنے رب کے کیا نہیں آئی ان کے پاس دلیل اس کی جو کتابوں میں ہے

الْاُوْلٰى ۝١٣٤ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا

پہلی اور اگر ہم ہلاک کرتے ان کو عذاب سے پہلے اس کے ضرور کہتے

میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے امت کو نماز کا نظام قائم کرنے کی تاکید فرمائی اور بتایا کہ اس کی ابتدا گھر سے کرو۔ خود بھی اس پر استقامت اختیار کرو اور اولاد کو بھی تاکید کرتے رہو۔ خود نماز پر قائم ہونا اور اولاد کو قائم رکھنا کوئی آسان بات نہیں ایک مسلسل جہاد ہے اور یہ توفیق خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے فضل اور احسان سے ہی ملتی ہے وہی اس روحانی رزق میں لذت پیدا کرتا ہے، اسی سے دعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تو تجھ سے کچھ طلب نہیں کرتے۔ نہ تمہاری نمازوں سے ہمیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ ہاں ان نمازوں کا فائدہ تمہیں ضرور پہنچے گا اور تم متقی بن جاؤ گے۔ پس اس روحانی رزق کو جو ہم نے تمہیں بخشا ہے اپنی اولادوں میں بھی بانٹو۔ بیشک دنیوی لحاظ سے انہیں تہی دست چھوڑ جاؤ مگر روحانی رزق سے مالا مال کر جاؤ کہ یہی ان کی بقا کا سامان ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو شخص چالیس روز اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرما دیتا ہے (روح البیان) گویا بہت جلد اسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا میں بھی محروم نہیں رکھتا۔ انجام اہلِ تقویٰ کا ہی بہتر ہے، دنیوی لحاظ سے بھی اور اخروی لحاظ سے بھی۔

۱۳۴۔ دن رات نشانات کا ظہور ہو رہا تھا۔ لیکن ان آنکھ کے اندھوں کو کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے اس فرسودہ اعتراض کا جواب دیا کہ کیا ان کے پاس وہ کھلی کھلی دلیل نہیں آئی جو گزشتہ صحائف میں موجود ہے۔ یہاں بیّنۃ سے مراد وہ رسول ہے جس کا ذکر گزشتہ صحائف میں ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں جو دلائل اور پیشگوئیاں ان صحائف میں موجود ہیں کیا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں پوری نہیں ہوئیں؟ اگر بیّنۃ سے مراد قرآنِ کریم ہے تو اس سے بڑا نشان کیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور گزشتہ صحیفوں کی تمام صداقتیں قرآنِ کریم میں جمع ہیں۔ جبکہ پہلی کتب

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ

اے رب ہمارے کیوں نہیں بھیجا تو نے طرف ہماری کوئی رسول پس ہم پیروی کرتے آیات کی تیری

قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝١٣٥ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ

پہلے اس کے کہ ذلیل ہوتے ہم اور رسوا ہوتے تو کہہ ہر ایک انتظار کرنے والا ہے پس انتظار کرو

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝١٣٦ ع ۸/۱۷

پس عنقریب تم جان لوگے کہ کون ہیں والے راہ سیدھی کے اور کس نے ہدایت پائی

صرف احکام، دعویٰ اور بیانِ صداقت پر کفایت کرتی تھیں۔ لیکن قرآن کریم جو صداقت پیش کرتا ہے اس کے ساتھ عقلی دلیل بھی دیتا ہے۔ گویا قرآن کریم کا کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے نہیں اور یہ پہلی کتب پر اس کی خاص فضیلت ظاہر کرتا ہے۔

۱۳۵۔۱۳۶۔ اللہ تعالیٰ نے اسی اتمام حجت کے لئے مجددین کا سلسلہ جاری رکھا جو تجدیدِ دین کے لئے ہر صدی کے سر پر آتے رہے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے عین مطابق چودھویں صدی کے سر پر حضرت میرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ نے آکر باغِ مصطفیٰ کی آبیاری فرمائی، اس کی شاخوں کو چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا اور اس کے شیریں پھل سے ایک عالم کو مستفیض کیا۔ آپ کی نیابت میں آپ کے چاروں خلفاء اپنے اپنے وقتوں میں اور اب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و تائید سے اس خدمت کی انجام دہی میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔

نذلّ ونخزٰی میں صاف بتا دیا کہ انکار کی صورت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔ بار بار عذابِ استیصال مانگنے والوں کے لئے یہی سب سے بڑا عذاب اور یہی وہ رسوا کن ہلاکت تھی جو فتح مکہ سے کفار کے حصہ میں آئی اور آج بھی انکارِ حق کرنے والوں کے لئے مقدر ہے۔ اسی عظیم پیشگوئی پر اس سورۃ کا اختتام ہوا۔ پس الٰہی فیصلہ یہی ہے۔ انتظار کریں عنقریب حق و باطل ان پر کھل جائے گا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّسَبْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانبیاء۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو تیرہ آیات اور سات رکوع ہیں

یہ سورۃ مکّی ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق سورۃ کہف، مریم، طٰہٰ اور الانبیاء وہ ابتدائی مکّی سورتیں ہیں جو انہوں نے اسلام کے شروع زمانہ میں یاد کیں آپ ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ (بخاری کتاب التفسیر) ابتدائی تین سال میں چند ایک سورتیں ہی نازل ہوئیں جیسے سورۃ علق، سورۃ فاتحہ، سورۃ مزمل اور سورۃ مدثر وغیرہ۔ تین سال بعد تواتر سے سورتوں کا نزول شروع ہُوا۔ پس یہ سورتیں مکّی زمانہ کے ابتدائی تین سال کے بعد نبوت کے قریباً چوتھے یا پانچویں سال میں نازل ہوئیں اور ابتدائی مکّی سورتیں ہی کہلاتی ہیں۔ سورۃ طٰہٰ کو کفار کی ہلاکت کی پیشگوئی پر ختم کیا تھا۔ اس سورۃ کو ان الفاظ سے شروع کیا کہ بنی نوع انسان کے حساب کا وقت آ پہنچا ہے۔ اگر اس آخری شریعت پر عمل نہ کیا اور اس آخری موقع کو بھی گنوا دیا تو صف لپیٹ دی جائے گی گویا قیامتِ وسطیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ کے نام سے ظاہر ہے اس میں تمام انبیاءؑ سے تعلق رکھنے والے مضامین بیان ہوئے اور ان کی باتیں دہرائی گئیں۔ پس اس سورۃ میں بحیثیت مجموعی انبیاءؑ کی بعثت کی غرض، ان پر مخالفین کے احمقانہ اعتراضات اور ظالمانہ سلوک، پھر لوگوں کی مخالفت اور موافقت کے نتائج کو خوب کھول کر بیان فرمایا اور بتایا کہ جب مخالفین کا معاندانہ سلوک حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور ان کی پکڑ کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مشکل وقت میں اپنے انبیاء اور ان کے متبعین کو بچا لیتا ہے اور انہیں اپنی زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ پھر یا تو مکذبین کا تکبر مٹا دیا جاتا ہے یا ان کا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی کہ بظاہر ان سخت نا موافق حالات میں بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے دشمنوں کو تباہ کرے گا اور آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ اسی طرح آخری زمانہ میں بھی آخری غلبہ اسلام ہی کو نصیب ہوگا انشاء اللہ۔ چونکہ تمام انبیاءؑ میں قدرِ مشترک توحید ہے اس لئے اس سورۃ کا مرکزی مضمون توحید ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝١

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

الجزء ١٧

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ

قریب آ گیا — لوگوں کے لیے — حساب — ان کا — اور وہ — غفلت میں

مُّعْرِضُوْنَ ۝٢ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ

اعراض کرنیوالے ہیں — نہیں آتی ان کے پاس — کوئی — نصیحت — طرف سے ان کے رب کے

مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝٣ لَاهِيَةً

نئی — مگر — سنتے ہیں اسے — اور وہ — کھیلتے ہیں — غافل ہیں

قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ

دل — ان کے — اور پوشیدہ کی انہوں نے سرگوشی — وہ جنہوں نے — ظلم کیا کہ

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ اس رکوع میں بتایا کہ جب بھی انبیاء علیہم السلام بندوں کی ہدایت کے لئے آتے ہیں تو لوگ ان پر بیہودہ اعتراضات کرتے ہیں۔ کبھی ان کی وحی کو پراگندہ خوابوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ کبھی مفتری اور کبھی شاعر کہتے ہیں۔ فرمایا رسول کوئی مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ بشر ہی ہوتے ہیں جو دوسرے انسانوں کی طرح کھانے پینے اور دیگر حوائجِ ضروریہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ ہاں ہم اپنے وعدہ کے مطابق انہیں دشمنوں سے نجات دے کر غالب کرتے اور **مسرفین** کو ہلاک کرتے ہیں۔ دنیا کی عمر کے لحاظ سے جو سائنسدانوں کے حساب سے قریباً بیس بلین سال ہے، قیامت بھی قریب ہے۔ لیکن یہاں مراد قیامتِ وسطیٰ یعنی قوموں کی تباہی کی گھڑی ہے۔ گویا کفار کی تباہی کی خبر دی۔ جس کی ابتدا جنگِ بدر میں ہوئی اور فتح مکّہ کے دن اپنی پوری شان سے تکمیل کو پہنچی۔

پچھلی سورۃ کا اختتام کفار کی ہلاکت کی پیشگوئی پر کیا تھا۔ اس سورۃ کی ابتدا ان الفاظ سے کی کہ لوگوں کی حساب کی گھڑی سر پر ہے لیکن وہ حساب سے غافل بے جا اعتراضات میں مشغول ہیں۔ بقول حضرت مصلح موعودؓ بعینہٖ یہی حال آج ہے اور باوجودیکہ نشان پر نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور تباہی کی گھڑی سر پر ہے خوابِ غفلت میں پڑے ہیں۔ کاش یہ گزشتہ اقوام سے سبق حاصل کریں۔ (تفسیر کبیر۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ) یہاں مضارع کا صیغہ بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آئندہ بھی یہی حالات ہوں گے۔

۳۔۴۔ **لَاهِيَةً**۔ غفلت میں پڑے ہیں۔

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ

نہیں ہے یہ مگر انسان مانند تمہاری کیا پس آتے ہو تم جادو کی طرف اور

اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ

تم دیکھتے ہو اس نے کہا رب میرا جانتا ہے بات کو آسمان میں

وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ

اور زمین میں اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے بلکہ کہا انہوں نے کہ (یہ) پراگندہ

اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ

خوابیں ہیں بلکہ افترا کیا ہے اس نے بلکہ یہ شاعر ہے پس چاہیئے کہ لا دے ہمارے پاس کوئی نشان

كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ

جیسا کہ بھیجے گئے پہلے نہیں ایمان لائی پہلے ان سے کوئی بستی

ہمیشہ سے انبیاءؑ پہلی تعلیمات کی یاد دہانی کے لئے آتے رہے ہیں جو مرورِ زمانہ اور لوگوں کی دست برد سے اپنی اصل حالت میں نہ رہیں۔تاہم حقائق ہمیشہ ایک ہی رہے۔ہاں بعض حالات اور ضروریات زمانہ کے تحت بعض انبیاء خدائی احکام کے مطابق فروعات میں تبدیلی کرتے رہے لیکن افسوس لوگ ہمیشہ خدائی احکام کو ٹھٹھے میں اڑاتے ہیں۔اس لئے کہ وہ بظاہر سنتے ضرور ہیں لیکن ان کے دل غافل ہوتے ہیں۔یہی پرانی روش آج کے منکرین کی بھی ہے۔فرمایا وہ ظالم آنخضرت ﷺ کے خلاف عوام سے چھپ چھپ کر مشورے کرتے ہیں اور ان مشوروں کے نتیجہ میں آخر قوم کو اس طرح گمراہ کرتے ہیں کہ یہ تو تمہاری طرح کا ایک عام انسان ہے۔یہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انبیائے سلف کو انسانوں سے بہت بڑھ کر مرتبہ دے چکے ہوتے ہیں۔پس اس میں کوئی خدائی طاقت نہیں۔ہاں اپنی سحر بیانی سے تمہیں بیوقوف بنا رہا ہے اور تم جانتے بوجھتے ہوئے اس کے جال میں پھنس رہے ہو۔کلامِ الٰہی کی حلاوت اور بلاغت چونکہ دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے اور لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اس لئے مکذبینِ انبیاء نے اسے ہمیشہ سحر کہا۔

۵۔ان منصوبوں کے مقابلہ میں انبیاءؑ کے پاس دعاؤں کا ہتھیار ہوتا ہے۔ وہ سمیع ہے اپنے پیاروں کی پکار سنتا ہے۔وہ علیم ہے اس کا علم زمین و آسمان پر حاوی ہے۔پس ان کی خفیہ منصوبہ بندیاں نبی اکرم ﷺ کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔بتایا کہ بظاہر ایک بشر نظر آنے والے خدائی فرستادہ کے پیچھے خدائی ہاتھ ہے جو ان کی تمام تدبیروں کو ملیا میٹ کر دینے پر قادر ہے۔

۶۔**اضغاث۔الضغث** کی جمع ہے۔ملی جلی چیز۔پراگندہ۔**احلام۔حلم** کی جمع ہے۔

اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

ہلاک کیا ہو ہم نے جسے کیا پھر وہ ایمان لاویں گے اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ

سوائے مردوں کے وحی کرتے تھے ہم طرف ان کی پس پوچھو ذکر والوں سے اگر

بربادی۔عقل۔خواب عام طور پر پراگندہ خوابوں پر بولا جاتا ہے۔(اقرب) اسی سے احتلام ہے۔

کفار خود ایک بات پر قائم نہیں تھے۔ان میں جو بالکل ہی اندھے تھے انہیں نبی اکرم ﷺ ایک عام انسان سے بڑھ کر نظر نہیں آتے تھے۔جو آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق سے متاثر تھے وہ کہتے یہ جھوٹا نہیں اسے پریشان کن خواب آتے ہیں جنہیں یہ بیان کر دیتا ہے۔وہ جو آپ ﷺ کی مخالفت میں حد سے بڑھ گئے تھے وہ کہتے کہ اس نے یہ سب باتیں خود بنا لی ہیں۔چونکہ کلامِ الٰہی کی تاثیر دلوں پر اثر انداز ہوتی تھی اور وہ اسے جھٹلا نہیں سکتے تھے۔اس لئے کہتے کہ یہ شاعر ہے۔گویا جس طرح شاعرانہ کلام دلوں پر اثر کرتا ہے اسی طرح اس کا بنایا ہوا کلام بھی دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آخر ان کی تان اس بات پر ٹوٹتی ہے کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہے تو پہلے رسولوں کی طرح ہمارے پاس کوئی خاص نشان لائے حالانکہ سُنت اللہ یہی ہے کہ انبیاءؑ اپنی مرضی سے کوئی نشان نہیں دکھلا سکتے۔جبکہ مکذبینِ انبیاءؑ نے ہمیشہ اپنی مرضی کے نشانات کا مطالبہ کیا۔کبھی آسمان [illegible] کر کتاب لانے کی فرمائش کی۔کبھی یہ کہ ان کے لئے سونے کا گھر بن جائے وغیرہ وغیرہ۔لیکن انبیاء ان کے ان لایعنی مطالبات کو کبھی بھی پورا نہیں کر سکے۔حضرت موسیٰؑ بھی اپنی مرضی سے یدِ بیضاء اور عصا کا معجزہ دکھانے سے قاصر تھے۔چونکہ وہ زمانہ جادو کا تھا اس لئے ان معجزات سے ان کا رد کیا گیا۔ آنخضرت ﷺ کے زمانہ اور آج کے ترقی یافتہ دور میں ان کی اہمیت معمولی شعبدہ بازیوں سے زیادہ نہیں۔آپ ﷺ کے معجزات میں علاوہ بہت سے معجزات کے شق القمر کا معجزہ تھا جسے انہوں نے اس لئے تسلیم نہیں کیا کہ ہمیں پہلے سے اس کے متعلق بتایا نہیں گیا۔آج کے سائنسدان جب چاند کے سفر سے واپس آئے تو انہوں نے تصدیق کی کہ چاند کی سطح پر دو ٹکڑوں کے جُڑنے کے واضح نشان موجود ہیں۔یہ دراڑ کئی کئی میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔آنخضرت ﷺ کا زمانہ فصاحت و بلاغت کا زمانہ تھا اس لئے قرآنِ کریم کا معجزہ پیش کیا جس کی نظیر لانے سے قاصر رہے۔

۷۔کفار نے ہمیشہ قہری نشان کا مطالبہ کیا کہ ہم پر گزشتہ اقوام کی طرح عذاب کیوں نہیں آتا ان کے جواب میں فرمایا کہ جس قوم پر بھی نشانِ ہلاکت وارد ہوا اس قوم کا خاتمہ ہو گیا۔ پھر وہ

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا
ہو تم نہیں علم رکھتے اور نہیں بنایا تھا ہم نے ان کو ایسا جسم کہ نہ

يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ
کھاتے ہوں کھانا اور نہ تھے وہ رہ پڑنے والے پھر

صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا
سچا کیا ہم نے ان سے وعدہ پس نجات دی ہم نے انہیں اور جنہیں ہم چاہتے تھے اور ہلاک کر دیا ہم نے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ
حد سے بڑھنے والوں کو یقیناً یقیناً اتاری ہم نے طرف تمہاری ایک کتاب جس میں نصیحت ہے تمہاری

ایمان کیسے لاتی۔ کیا تم بھی نشانِ ہلاکت کے بعد ایمان لانے کا سوچ رہے ہو جو بظاہر ناممکن ہے۔

۸۔۹۔ یہاں اہل الذکر سے مراد اہلِ کتاب ہیں (شوکانی) خاص طور پر اہل کتاب کے احبار جو ذکر پر مامور تھے۔ **بشر مثلکم** کا جواب دیا کہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام بھی کوئی مافوق البشر مخلوق نہیں تھے بلکہ آپؐ کی طرح انسان ہی تھے اور انسانوں کی اصلاح کے لئے ہی آئے تھے تا ان کے لئے بطور نمونہ ہوں۔ اگر اس بات کا تمھیں علم نہیں تو اہلِ کتاب سے پوچھ لو۔ ان کے انسان ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح کھانے پینے کے محتاج تھے۔

ہر انسان کو کھانے کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس کے جسم فانی سے ہر لحظہ کچھ اجزاء اور توانائیاں ضائع ہوتی رہتی ہیں اور جسم کا پیچیدہ در پیچیدہ نظام اس کھانے سے جس میں پانی اور ہوا بھی شامل ہے اسے نئے اجزا اور نئی توانائیاں مہیا کرتا رہتا ہے۔ اس طرح جسم میں ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اسے ایک نئی طاقت ملتی رہتی ہے۔ یہانتک کہ بقول جدید اطباء قریباً بارہ سال کے بعد ایک انسان کے جسم کی تقریباً ہر چیز بدل چکی ہوتی ہے۔ پس اس تغیر سے انبیاءؑ بھی محفوظ نہیں۔ یہ دلیل حضرت عیسیٰؑ کے جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر دو ہزار سال تک زندہ رہنے کو قطعی باطل ثابت کرتی ہے۔ یہاں صاف بتا دیا کہ جو کھانا کھانے کا محتاج ہو وہ **خالدین** کے ضمرے میں نہیں آتا۔

۱۰۔ بیشک انبیاء علیہم السلام عام انسان تھے اور عام انسانوں کی طرح حوائجِ ضروریہ کے محتاج تھے لیکن ان میں مابہ الامتیاز یہ بات تھی کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ یعنی انبیاءؑ اور ان کے متبعین کو بچالیا اور منکرین میں سے جسے اللہ نے چاہا نجات دی۔ ہاں کذب و نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ پس یہی سنت اللہ ہے جو اَب بھی دہرائی

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ع ۱
کیا پھر نہیں عقل کرو گے تم اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے بستیاں جو تھیں

ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ
ظالم اور بنائے ہم نے پیچھے ان کے لوگ دوسرے پس جب

جائے گی۔ یہاں خوب واضح کر دیا کہ رحیم و کریم خدا ہر منکر کو ہلاک نہیں کرتا، ان میں سے حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کرتا ہے۔ اس لئے کہ منکرین میں سے ایسے کمزور اور ڈرپوک بھی تھے جو مظالم وشدائد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنی ان طبعی کمزوریوں اور بعض دوسرے عوامل کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے گا اور ان میں سے جن کو چاہے گا ہلاکت سے بچالے گا۔

یہاں آیت نمبر ۵ کے اعتراضات کا جواب دیا کہ پریشان خوابوں کی بنا پر اتنی عظیم پیشگوئیاں نہیں کی جاسکتیں اور نہ کسی مفتری کی اپنے دل سے گھڑی ہوئی باتیں سالہا سال بعد من وعن پوری ہو سکتی ہیں اور نہ کوئی شاعر ایسے دعوے کر سکتا ہے جو صبح صادق کی طرح سچے ثابت ہوں۔

۱۱۔ ذکر شرف و بزرگی اور عزت کے معنی بھی دیتا ہے (اقرب) پس اس عظیم کتاب میں نہ صرف مومنین کے لئے نجات اور مکذبین کے لئے ہلاکت کی پیشگوئیاں ہیں بلکہ اس میں محمدِ عربی ﷺ کے غلاموں کو عظیم اعزاز سے نوازا گیا ہے۔ فرمایا آنحضرت ﷺ پر کتاب کے نزول میں تم سب شامل ہو یعنی تم سب پر نازل ہوئی ہے اور یہ کہ اس میں تمہارا تذکرہ ہے۔ یعنی اس میں وہ باتیں ہیں جو تم پر صادق آ رہی ہیں اور تمہاری عظمت کو بیان کر رہی ہیں۔ پس تم عقل سے کام لو، اپنے مقام کو پہچانو۔ اور ترقی کے لامتناہی راستوں پر گامزن ہو جاؤ جیسا کہ **رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ** کے خطاب سے دنیا میں ہی نوازے گئے۔ (البینۃ:۹)

۱۲۔ **قصمنا۔ قصم**۔ کسی چیز کو کوٹنا۔ سخت چیز کا توڑنا۔ ہلاک کرنا۔ ذلیل و خوار کرنا۔

پہلے رکوع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انبیاءؑ کے مقامِ عالی کی طرف اشارہ کیا کہ یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے منادی ہوتے ہیں اور کاملتاً رضائے باری تعالیٰ کے تابع ہوتے ہیں ان پر ظلم کرنا عذابِ الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ نیز اس رکوع میں زبردست دلائل سے شرک کا ابطال فرمایا۔ پس نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کے ساتھ زیادتیوں سے باز آ جاؤ، اپنی اصلاح کر لو اور قرآنِ عظیم کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال لو ورنہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیوں کو اُن کے مظالم کی وجہ سے ہم نے اس طرح پیس ڈالا کہ ان کا نام و نشان تک مٹ گیا اور ان کی جگہ ایک دوسری قوم کو لا کھڑا کیا۔

احسوا باسنا اذا هم منها يركضون ﴿۱۳﴾ لا تركضوا

محسوس کیا انہوں نے عذاب ہمارا اچانک وہ اس سے بھاگنے لگے نہ بھاگو

وارجعوا الى ما اترفتم فيه ومسكنكم لعلكم

اور لوٹو طرف اس کی کہ آرام دیئے گئے تم جس میں اور (طرف) اپنے گھروں کی تاکہ تم

تسئلون ﴿۱۴﴾ قالوا يويلنا انا كنا ظلمين ﴿۱۵﴾ فما

پوچھے جاؤ انہوں نے کہا اے افسوس ہم پر یقیناً ہم ہی تھے ظالم پس

زالت تلك دعوىهم حتى جعلنهم حصيدا

رہی یہ پکار ان کی یہاں تک کہ کر دیا ہم نے ان کو کٹے ہوئے

۱۳-۱۴-**احسُّوا**-**حسّ**-محسوس کیا-**یر کضون**-**رکض**-پیر کے ساتھ مارنا-سوار کی طرف منسوب ہو تو سواری کے دوڑانے پر آتا ہے-جیسا کہ ایڑی مار کر اسے دوڑایا جاتا ہے۔ یہاں مراد بھاگنا ہے-**اُترفتم**-**اترف**-نعمتوں کی کثرت-**مااُترفتم فیه**-جن چیزوں کے ذریعہ تم آرام ونعمت کی زندگی بسر کرتے تھے-جس جگہ تمہیں آسودگی دی گئی۔

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو انعامات سے نوازتا ہے کہ شکر گزار بنیں اور مزید برکات حاصل کریں-مگر لوگ عیش وعشرت اور تکبر میں مبتلا ہو کر خدائی وعید کو بے حقیقت سمجھتے ہیں اور وقت کے نبی اور اس کے متبعین پر ظلم اور زیادتی میں حد سے گزر جاتے ہیں تب ان کی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے-یہاں ایٹمی جنگ (Atomic War) کا نقشہ بیان فرمایا جس کی لپیٹ سے نکل بھاگنا بہت مشکل ہے-فرمایا جب ہمارے عذاب کو محسوس کریں گے تو وہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن یہ عذاب انہیں اس طرح گھیر لے گا کہ ان جگہوں کو چھوڑ کر بھاگ نہیں سکیں گے-یہاں قوم نصاریٰ کی آسودہ حال زندگی، عیش وعشرت کے سامان اور پر تعیش رہائش گاہوں کی طرف اشارہ ہے-پس یہاں دنیا کے عذاب اور دنیا کی جواب طلبیاں ہی مراد ہیں۔

۱۵-ظالم آخر اپنی غلطی کا اقرار کریں گے اور اپنے مظالم پر افسوس کا اظہار کریں گے-اگلی آیت میں ہے کہ وہ یہ بات کہتے ہی چلے جائیں گے۔

۱۶-**زالت**-زائل ہوئی-**مازالت**-نہ زائل ہوئی-یعنی ہمیشہ رہی-**حصیدا**- **الحصیدا** کے معنی کھیتی کاٹنے کے ہیں-**حصیدا**-کٹی ہوئی کھیتی-**خمدین**-**خمدت النّار**- آگ کا بجھ جانا-**جعلنٰهم حصیدا خٰمدین ۝**ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا اور بجھا کر ڈھیر کر دیا۔

خامدين ﴿۱۶﴾ وما خلقنا السمآء والارض وما بينهما

بجھے ہوئے اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو درمیان ان کے

لعبين ﴿۱۷﴾ لو اردنا ان نتخذ لهوا لاتخذنه

ہے کھیلتے ہوئے اگر چاہتے ہم کہ بناویں مشغلہ البتہ بناتے ہم

من لدنا ان كنا فعلين ﴿۱۸﴾ بل نقذف بالحق على

اپنی طرف سے اگر ہوتے ہم کرنے والے بلکہ ڈالتے ہیں ہم حق

الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق ولكم الويل

باطل پر پس وہ کچل دیتا ہے اسے پس اچانک وہ بھاگنے والا ہوتا ہے اور تمہارے لیے افسوس ہے

مما تصفون ﴿۱۹﴾ وله من في السموت والارض

اس سے جو تم بیان کرتے ہو اور اسی کے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں

ایٹمی جنگ کے بعد جو حالت ہو گی-اس کا نقشہ کھینچا کہ ہم ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح دیں گے-جس کی سب رونق برباد ہو چکی ہو-ان کا اس وقت کا اقرار یا یہ پکار کہ ہم ہی ظالم کوئی فائدہ نہ دے گی۔

۱۷-وہ کفار جن پر عذابِ ہلاکت آیا ان کے نزدیک تخلیقِ کائنات کا کوئی مقصد نہ تھا- کائنات کا سارا نظام محض ایک کھیل تماشے کے طور پر تھا-جہاں انسان پیدا ہو کر چند دن عیش عشرت یا مفلسی وتنگدستی میں گزار کر فنا ہو جاتا ہے-حالانکہ کائنات کی پیدائش میں ایک عظیم مقصد حکمت پوشیدہ ہے-غرض جس طرح تخلیقِ کائنات میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں اسی طرح بع بستیوں کی تباہی بھی عین حکمت ومصلحت کے تحت ہے۔

۱۸-ان کا کہنا کہ یہ کائنات بطور ایک مشغلہ بنائی گئی ہے سراسر لغو خیال ہے-آج یہی کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا تو کھیل تماشا ہے-فرمایا اگر ہم کوئی کھیل تماشا بنانا چاہتے تو اپنے پاس بنا سکتے تھے یعنی ہمارے لئے مشکل نہ تھا-لیکن ایسا کہنا خالقِ کل کی شان کے خلاف ہے-حقیقت ہے کہ تخلیقِ کائنات میں بے پناہ مقاصد پوشیدہ ہیں جن کی کنہ تک پہنچنا انسان کے لئے محال ان میں سے سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کی ایک ذی شعور مخلوق انسان ہے ج کے لیے یہ کائنات وجود میں آئی-اس کی پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کی تخلیق کی کائنات پر غور وخوض کرے، اپنے خالق کو پہچانے، اس کی معرفت اور اس کا قرب حاصل کرے۔

۱۹-**نقذف**-**قذف**-پھینکنے کے معنی دیتا ہے-**یدمغهٗ**-**دمغ**-ایسی کاری ضرب جو سر

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا

اور وہ جو پاس ہیں اسکے نہیں اپنے آپ کو بڑا سمجھتے عبادت سے اس کی اور نہ

يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝۱۹ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝۲۰

تھکتے ہیں (عبادت سے) وہ تسبیح کرتے ہیں رات اور دن نہیں تھکتے

ہڈی کو توڑ کر دماغ تک پہنچ جائے۔مراد سر توڑ دینا کچل دینا۔غالب آ جانا۔

جبکہ اس حکیم ہستی کا کوئی کام بے فائدہ اور بلا مقصد نہیں تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اس کارخانہ قدرت کو کھیل تماشا کے طور پر پیدا کرتا۔اس نے تو کل کائنات انسانوں کے لئے بنائی اور پھر اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں رکھا۔اپنے انبیاء علیھم السلام کے ذریعہ ان کی رہنمائی فرمائی اور حق و باطل کے امتیاز کو خوب کھول دیا اور بتایا کہ حق اور باطل کی جنگ میں ہمیشہ حق ہی غالب رہے گا۔باطل جب بھی حق سے ٹکرائے گا اس طرح پاش پاش ہو گا گویا اس کا وجود تھا ہی نہیں۔ یہاں ایک عظیم پیشگوئی بھی بیان کر دی کہ دلائل توحید کے سامنے شرک کبھی ٹھہر نہیں سکے گا۔شرک مٹ جائے گا اور توحید کا بول بالا ہو گا۔افسوس !تم جو باتیں خالق دوجہاں کی طرف منسوب کرتے ہو۔(نصاریٰ کی طرف اشارہ ہے) یہ وہی باتیں ہیں جو گزشتہ اقوام نے کہیں اور جن کے نتیجہ میں ان پر عذاب نازل ہوا۔اس طرح تم بھی خدائی عذاب کو دعوت دے رہے ہو۔

۲۰۔**یستحسرون۔ حَسَر۔** کے معنی تھک جانے کے ہیں۔اسی سے حسرت ہے۔ **ینقلب الیک البصر خاسئاً و هو حسیر ٥(٦٧۔٥) من عنده**۔ جو اس کے پاس ہیں۔جو اس کے قریب ہیں۔

زمین اور آسمان میں جو بھی وجود ہیں خدا کے لئے ہیں۔یعنی ان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لانا ہے۔بیشک وہ سب اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ احکام پر کماحقہٗ عمل پیرا نہیں۔جیسے بعض انسان یا شیاطین وغیرہ۔لیکن جو اس کے قریب ہوں گے خواہ ملائکہ ہوں یا اس کے پاکباز بندے۔جتنا وہ اپنے ربّ کے مقرب ہوں گے۔اتنے ہی متواضع ہوں گے اور اپنے ربّ کی حضوری سے تھکیں گے نہیں۔

۲۱۔تسبیح میں خدا تعالیٰ کی قولی، فعلی اور قلبی عبادتیں شامل ہیں۔(راغب) **یفترون۔فتره۔** تیزی کے بعد ٹھہرنا۔وقفہ۔رکنا۔اسی سے فتور ہے۔بمعنی رخنہ۔**لایفترون**۔وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ مقربین وہ ہیں جو دن رات اپنے قول و فعل سے اپنے ربّ کی تسبیح و تقدیس کرتے اور

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝۲۱ لَوْ

کیا بنا لیے ہیں انہوں نے معبود زمین سے وہ زندہ کرتے ہیں اگر

كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

ہوتے ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) میں کئی معبود سوائے اللہ کے البتہ دونوں بگڑ جاتے پس پاک ہے اللہ

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۲۲ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ

رب عرش کا اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں نہیں پوچھا جاتا وہ اس سے جو وہ کرتا ہے اور

هُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝۲۳ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ

وہ پوچھے جاویں گے کیا بنائے ہیں انہوں نے سوائے اس کے معبود تو کہہ دے

اس کی عبادت کا حق ادا کرتے ہیں یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے یعنی ان پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ان مقربین الٰہی کی وجہ سے حق غالب آئے گا اور باطل نیست و نابود ہو گا۔

۲۲۔چونکہ مشرکین بھی ایک آسمانی خدا کو ہی مانتے ہیں۔اس لیے زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو بیان کر کے فرمایا کہ کیا انہوں نے زمینی خدا بھی بنا لئے ہیں؟اس طرح شرک کے ابطال میں اس عقلی دلیل کو پیش کیا کہ جب کائنات اور اس کے اندر کی تمام مخلوق خدائے واحد کی تخلیق ہے تو کیا تمہارے زمینی معبود بھی اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہیں؟

۲۳۔عرش کی تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں سورۃ توبہ:۱۲۹۔

عرش سے مراد کائنات کا تخت سلطنت ہے۔گویا وہ اس بلند مقام پر ہے کہ اس سے کوئی چیز بھی چھپی ہوئی نہیں۔اب توحید کے اثبات میں ایک زبردست سائنسی دلیل کو پیش کیا کہ اگر اس مالک کون و مکاں کے سوا اور معبود بھی ہوتے تو وہ سب بھی مقتدرِ اعلیٰ ہوتے اور قوانین کائنات میں ان کا پورا پورا عمل دخل ہوتا۔اگر ایسا ہوتا تو زمین و آسمان کا نظام جس میں غیر معمولی طور پر ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور جو دقیق در دقیق اصولوں پر قائم ہے اس میں ایک انچ کے ہزارویں حصہ کے برابر فرق بھی اسے تہ و بالا کرنے کے لئے کافی ہوتا۔زمین و آسمان میں فساد برپا ہو جاتا اور دونوں تباہ ہو جاتے۔پس ربّ العرش جو مالکِ کونین ہے وہ ان تمام نقائص سے پاک ہے جو وہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔یہاں خاص طور پر شرک کی طرف اشارہ ہے۔

۲۴۔جب اقتدارِ اعلیٰ صرف خدا کے لئے ہے تو اس کی شان کبریائی کے ہرگز لائق نہیں کہ اس سے کچھ پوچھا جائے۔شرک کی نفی اور توحید کے ثبات میں جو دلائل پیش کئے گئے وہ اس لئے

هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ

لاؤ دلیل اپنی یہ نصیحت ہے ان کی جو ساتھ ہیں میرے اور نصیحت ہے

مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ

ان کی جو پہلے تھے مجھ سے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں علم رکھتے حق کا پس وہ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا

اعراض کرنیوالے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول مگر

نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا

ہم وحی کرتے تھے طرف اس کی کہ بات یہ ہے کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے پس عبادت کرو میری اور کہا انہوں نے

نہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ جواب دہ ہے۔ بلکہ انہی کی بہتری کے لئے کہ ان سب کی جواب طلبی ہو گی۔ پس یہ ان دلائل سے ہدایت حاصل کریں۔ عملاً بھی اگر کوئی قانونِ قدرت میں دخل اندازی کرتا ہے تو پکڑا جاتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے۔

٢٥۔ ان دلائل کے مقابلہ میں جو اوپر بیان ہوئے ان معبودانِ باطلہ کی تائید میں تم کوئی ایک دلیل ہی لے آؤ جو وہ ہرگز نہ لا سکے۔ اب شرک کے ردّ میں ایک نقلی دلیل کو پیش کیا کہ جس طرح میرے صحابہؓ میرے اس مسلک پر قائم ہیں گزشتہ انبیاءؑ بھی میرے اسی مسلک پر قائم تھے۔ ان کا مشن بھی توحید کا پرچار اور شرک سے بیزاری تھا جو ان کے لئے باعث عزّ و شرف تھا۔ اگر خدا سے مراد قرآنِ کریم لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ قرآن نہ صرف میرے ساتھیوں کے لئے باعث عزّ و شرف ہے بلکہ انبیائے سلف کے لئے بھی موجب شرف ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ کس طرح عرب کے بدّو جب قرآنی احکام پر عمل پیرا ہوئے تو نہ صرف روحانی طور پر اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچے بلکہ دنیوی طور پر بھی قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کے مالک بن گئے۔ گزشتہ انبیاءؑ کے لیے یہ قرآن اس لئے موجب شرف ہے کہ ان کی بتائی ہوئی پیشگوئیوں کو قرآنِ کریم نے سچا ثابت کیا اور ان بنیادی احکام کو جاری رکھا جو گزشتہ انبیاءؑ نے بتائے اور جنہیں تم بھول گئے ہو۔ نیز قرآن نے ان پر لگائے گئے اتہامات سے انہیں پاک کر کے ان کی عزت و اکرام کو بحال کیا۔

٢٦۔ **من قبلی** کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جتنے انبیاء بھی آپ ﷺ سے پہلے گزرے ان سب کی تعلیم خدائے واحد کی پرستش ہی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک لمبا عرصہ گزرنے اور ان کی تعلیم میں تحرّف و تبدل کے باوجود ان کی تعلیم توحید پر قائم ہے۔ **لآ اِلٰہ** میں ہر جھوٹے معبود کی نفی فرمائی۔

اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

بنا لیا رحمٰن نے بیٹا پاک ہے وہ بلکہ (وہ) بندے ہیں معزز

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

نہیں سبقت کرتے اس سے بات میں اور وہ حکم پر اس کے عمل کرتے ہیں

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ

وہ جانتا ہے جو آگے ہے اُن کے اور جو پیچھے ہے ان کے اور نہیں وہ سفارش کرتے

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَ

مگر جس کے لیے وہ راضی ہوا اور وہ ڈر سے اس کے ڈرنے والے ہیں اور

٢٧۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے کئی بندوں کو خدا کے بیٹے بنایا گیا جیسے حضرت عزیرؑ وغیرہ۔ لیکن شرک کے ذکر میں یہاں خاص طور پر عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت مسیح کا رد فرمایا اور بتایا کہ یہ سب اس کے معزز و محترم بندے ہیں۔ اس طرح انبیاء علیہم السلام کے مقامِ عصمت کو ثابت کیا اور بتایا کہ اس شرک میں جو بعد میں ان سے منسوب کیا گیا اُن کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہاں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن کے ذکر میں بتایا کہ جو ربّ اپنی رحمانیت کے طفیل زمین و آسمان کو پیدا کرنے پر قادر ہے اسے کسی بیٹے کی کیا حاجت جو اس کا معاون و مددگار ہو۔ وہ ان کمزوریوں سے پاک ہے۔

٢٨۔ بتایا کہ انبیاءؑ تو اللہ کے حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ اور وہی تعلیم دیتے اور وہی بات کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں کہی ہو اس سے ایک لفظ زیادہ نہیں کہتے اور وہی عمل کرتے ہیں جن کا اللہ انہیں حکم دیتا ہے گویا وہ کماحقہٗ خدائی احکام کے تابع ہوتے ہیں اور اپنے کسی قول و فعل میں سرِ مو تفاوت نہیں کرتے۔ **لایسبقونہٗ بالقول** کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اس کے قول سے پہلے نہیں بولتے۔ تمام انبیاءؑ کے علاوہ آنحضرت ﷺ پر خاص طور پر صادق آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے سوال کیا جاتا تو آپ ﷺ خاموش رہتے۔ بعض دفعہ دو تین مرتبہ پوچھا جاتا۔ جب وحی الٰہی نازل ہوتی، خدا بتاتا تو پھر بولتے اس سے پہلے اپنے نفس سے کچھ نہ بولتے۔

٢٩۔ یہاں تک کہ شفاعت کے معاملہ میں بھی اپنی مرضی سے کچھ منوانے کے مجاز نہیں۔ اس لئے کہ وہ خود خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک یہ انبیاءؑ اور اولیاء مقربینِ الٰہی ہیں لیکن ان کا علم محدود ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے اگلے پچھلے تمام حالات سے باخبر ہے۔ بیشک انہیں گنہگاروں کی شفاعت کا حق حاصل ہے لیکن اس شفاعت میں بھی شرط ہے کہ جس کے حق میں اللہ اجازت دے اسی کے لئے شفاعت ہوگی۔ گویا بخشش کا کُلی اختیار اللہ ہی کو ہے۔ پس

مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ
جو کہے گا ان میں سے کہ میں خدا ہوں سوائے اس کے پس وہ ایسا ہے کہ جو بدلہ میں دیں گے ہم

ع ١٩ ٢ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ٣٠ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ
اُسے جہنم اسی طرح بدلہ دیں گے ہم ظالموں کو کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے جنہوں

كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ
نے کفر کیا کہ آسمان اور زمین دونوں تھے بند پس کھولا ہم نے انہیں

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ٣١ وَ
اور کی ہم نے پانی سے ہر چیز زندہ کیا پس نہیں ایمان لاویں گے وہ اور

جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا
بنائے ہم نے زمین میں پہاڑ کہ غذا دیں انہیں اور بنائے ہم نے

شفاعت کے حقیقی حقدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اپنی مرضی سے ایک لفظ بھی نہیں بولتے۔ (آیت ۲۸)

۳۰۔ جن مقربینِ حق کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو وہ تو اللہ کے نہایت عاجز بندے تھے جو توحید کو قائم کرنے آئے تھے۔ اگر بقول تمھارے وہ بھی خدائی کا دعویٰ کرتے (جو ہرگز ممکن نہیں) یا خدائی اختیارات کو خود سے منسوب کرتے تو اللہ تعالیٰ کو اپنی توحید کی اس قدر غیرت ہے کہ اپنے ان پیاروں سے بھی ہرگز کوئی رعایت نہ ہوتی اور وہ واصلِ جہنم ہوتے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ان پر اسی طرح اختیار ہے جس طرح باقی مخلوق پر۔ اور اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا بھی یہی تھا۔ پس ثابت ہُوا کہ خدائی کا دعویٰ کرنے والوں کو اگلے جہاں میں سزا ملتی ہے۔ جبکہ جھوٹا مدعی نبوت اسی دنیا میں سزا پاتا ہے۔ (الحاقّہ رکوع۲) اس میں حکمت یہ ہے کہ جھوٹا نبی بھی سچے نبی کی طرح انسان ہوتا ہے۔ اس لئے مخلوق خدا دھوکا کھا سکتی ہے۔ پس وہ بہت جلد دنیا میں ہی پکڑا جاتا ہے اور سزا پاتا ہے۔ لیکن خدائی کا دعویدار چونکہ انسان ہوتا ہے اور انسانی حوائج اس کے شامل حال ہوتے ہیں اور کوئی خدائی صفت اس میں موجود نہیں ہوتی اس لئے کوئی عقلمند اسے خدا نہیں مان سکتا اور لوگوں کے دھوکا کھانے کا امکان نہیں ہوتا۔ پس اس کی سزا کو آخرت پر موخر رکھا۔

۳۱۔ رتقًا۔ رتق۔ ملنا۔ رتقا دونوں ملے ہوئے تھے۔ دونوں بند تھے۔ سلے ہوئے گیند کی طرح بند تھے۔ مکمل اندھیرے کو بھی رتقا کہا جاتا ہے۔ فتقًا۔ فتق رتق کی ضد ہے۔ شق کرنے اور پھاڑنے کے معنی دیتا ہے۔ فتقنا۔ ہم نے دونوں کو پھاڑا۔ ہم نے دونوں کو کھولا۔

پچھلے رکوع میں شرک کے رد میں کئی ایک دلائل دیئے اور زمین و آسمان میں اس کی ملکیت

کو بیان کیا۔ اس رکوع میں اس دعوے کی دلیل پیش کی کہ جب وہ مالک کل اور رب ہے تو اسے ضرور ان باتوں کا علم ہونا چاہئیے جو کسی انسان کو معلوم نہ ہوں اور نہ کسی گزشتہ کتاب میں ان کا ذکر ہو۔ پس رب کائنات کی عظمت و کبریائی اور وحدانیت کو ظاہر کرنے کے لئے پیدائش عالم کے ابتدائی ادوار کے ان حقائق سے پردہ اٹھایا جو آج تک انسانی آنکھ سے مستور تھے۔ چودہ سو سال قبل ایک امی کے منہ سے نکلی ہوئی صداقتوں کو آج سائنس سچا تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ جو قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ کائنات کے تعلق میں سائنس کی تاریخ کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے کہ ابتدا میں ساری کائنات کا مادہ اکٹھا ہو کر ایک مکمل اندھیرے کی شکل میں تھا اور ایک سلے ہوئے گیند کی طرح بند تھا۔ اسے قرآنِ کریم نے رتقًا کہا۔ سائنس اسے Black Hole کے نام سے موسوم کرتی ہے۔ کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں موجود تمام مادہ شروع میں اس چھوٹی سی جگہ یعنی بلیک ہول میں سمایا ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں اچانک یہ پھٹا اور ایک ناقابل بیان دھماکا ہُوا۔ اسے سائنسدانوں نے Big Bang کا نام دیا۔ جبکہ قرآنِ کریم نے فتقًا کہا۔ فرمایا ففتقنٰھما ط پس ہم نے ان دونوں کو پھاڑ دیا۔ اس سے توانائی کی شدید لہریں پیدا ہوئیں جو چاروں طرف پھیلنا شروع ہو گئیں۔ جب دھماکا ہُوا تو درجہ حرارت اور دباؤ بے انتہا زیادہ تھا۔ لیکن دھماکا کے ایک سیکنڈ بعد درجہ حرارت ایک ارب ڈگری کم ہو چکا تھا۔ اس موقع پر توانائی سے دوبارہ مادہ بننا شروع ہُوا اور جب [illegible]ت تین منٹ کی ہوگئی تو درجہ حرارت کم ہوتے ہوتے تقریباً ایک کروڑ ڈگری تک رہ گیا۔ اس کے بعد قریباً دس لاکھ سال تک کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ قریباً دس لاکھ سال بعد پہلی بار باقاعدہ ایٹم وجود میں آئے۔ دھماکے کے بعد جو بھی مادہ یا توانائی تھی وہ مسلسل چاروں طرف پھیلتی جا رہی تھی۔ اور آج تک پھیلتی جا رہی ہے۔ اس دوران آہستہ آہستہ ستارے اور سیارے بنتے رہے۔ ہمارا نظامِ شمسی قریباً پانچ ارب سال قبل بنا۔ جبکہ کائنات تقریباً بیس ارب سال قبل وجود میں آئی۔ سائنسدان ابھی تک یہ نہیں معلوم کر سکے کہ اس دھماکے سے پہلے کائنات کیا تھی۔ نہ ہی یہ جان سکے کہ دھماکہ کس طاقت کے زیر اثر ہُوا۔ تاہم دھماکے کے معاً بعد جو کچھ ہُوا اور بعد کی تاریخ سے واقف ہیں۔

Revelation, Rationality, Knowledge and Truth By : Hazrat Mirza Tahir Ahmad (R. A)

قرآن کریم اس پر بھی روشنی ڈال رہا ہے کہ تخلیق کا دور ہمیشہ سے جاری ہے اور یہ ہمیشہ

فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَجَعَلْنَا

اس میں چوڑے راستے تاکہ وہ ہدایت پا دیں اور بنایا ہم نے

جاری رہے گا۔ایسا بار بار ہو گا۔(آیت ۱۰۵)وہ ہمیشہ سے خالق ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کی ہر صفت غیر متبدل ہے۔سائنس نے ثابت کیا کہ کائنات میں ایک نئے نظام شمسی کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ذرات اکٹھے ہو کر ایک ہیولے کی شکل میں باہم مربوط ہو جاتے ہیں۔یہ عمل کروڑ ہا سال تک ہوتا رہتا ہے۔پھر قدرتِ خداوندی سے بہت سے مراحل سے گزر کر سورج وجود میں آتا ہے جو آگ کے گولے کی صورت چکر لگاتا ہے۔اندرونی چکر سے اس کے کنارے پھلجھڑی کی طرح دور دور تک پھینکے جاتے ہیں اور نئے کرّے وجود میں آتے ہیں جو اپنے اندرونی محور کے گرد چکر لگانے لگتے ہیں۔اس طرح ایک نیا نظامِ شمسی وجود میں آتا ہے۔سورج سے الگ ہو کر ابتدا میں زمین بھی سورج کی طرح گرم تھی۔جب آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی تو بخارات پانی بن کر ٹپک پڑے اور زلازل سے ہر طرف پہاڑ وجود میں آئے۔(آیت ۳۲:)پانی سے زندگی کا آغاز ہوا اور سب سے پہلے نباتات پیدا ہوئی۔پس جس طرح زمینی زندگی کا دار و مدار آسمانی پانی پر ہے اسی طرح روحانی زندگی کا انحصار بھی آسمانی روحانی پانی یعنی وحی الٰہی پر ہے۔ملحقہ آیات میں شرک کے تعلق میں نصاریٰ کا ذکر تھا۔یہاں انہیں سے خطاب فرمایا کہ کیا یہ سارے حقائق ثابت ہو جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے کہ کائنات میں مقتدرِ اعلیٰ ایک ہی ہستی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔حضرت مسیح موعودؑ تشریح فرماتے ہیں۔”زمین و آسمان دونوں ایک گٹھڑی کی طرح بندھے ہوئے تھے جن کے جوہر مخفی تھے ہم نے مسیح کے زمانہ میں دونوں گٹھڑیاں کھول دیں اور دونوں کے جوہر ظاہر ہو گئے۔“ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد صفحہ ۱۷) کائنات اور زمین کے سائنسی اور روحانی علوم کی طرف اشارہ ہے جو مسیح کے زمانہ میں ظاہر ہوئے۔

۳۲۔**تمید**(تشریح سورۃ نحل۔۱۶) لفظی معنی اضطراب کے ہیں۔تمید میں چونکہ کھانے کا بھی مفہوم ہے۔جیسا کہ اس سے المائدہ وغیرہ ہے اس لئے یہ معنی بھی ہیں کہ یہ پہاڑ اہل دنیا کے لئے خوراک کا بھی ذریعہ ہیں۔**فجاجًا۔فجّ** کی جمع ہے۔وہ شگاف جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔عام استعمال درہ، وادی اور ہر کشادہ راستہ پر ہوتا ہے۔**مِن کل فجّ عمیق** (الحج:۲۸)(تشریح کے لئے سورۃ نحل:۱۶ ، سورۃ الحجر:۲۰)زمین اپنی ابتدائی حالت میں آتشی گولے کی طرح تھی جو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔اس میں مسلسل اضطراب تھا اور وہ کانپتی رہتی تھی۔پھر شدید زلزلوں سے زمین

السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۳﴾

آسمان کو چھت محفوظ اور وہ نشانات سے اسکے اعراض کرنے والے ہیں

کے بڑے بڑے مواد اچھل کر باہر آئے اور پہاڑ وجود میں آ گئے جن سے زمین کا توازن برقرار ہوا۔اس میں نشیب و فراز، درّے اور وادیاں پیدا ہوئیں اور پانی نشیب میں سمندروں کی صورت سمٹ گیا۔پہاڑی درّے عام راستوں سے زیادہ کارآمد ہیں۔ان سے سفر نہایت مختصر اور آرام دہ ہو جاتا ہے۔**یھتدون** میں جسمانی رہنمائی کے علاوہ روحانی ہدایت کی طرف بھی اشارہ ہے۔اس صورت میں استعارۃً پہاڑوں سے مراد وہ عظیم الشان روحانی وجود ہیں جو بندگانِ خدا کی ہدایت کا موجب بنتے اور پہاڑوں کی طرح عظیم فوائد کے حامل ہوتے ہیں۔کشادہ راہوں سے مراد شریعت و طریقت کی راہیں ہیں۔جو ہدایت کا باعث ہوتی ہیں۔

۳۳۔**سقفًا۔سقف**۔چھت۔**سقیف** ہر وہ مکان جس کی چھت ہو۔اسی سے **سقیفة** بنی ساعدہ ہے جہاں آنحضرت ﷺ کی وفات پر مہاجر و انصار انتخابِ خلیفہؓ کے لئے اکٹھے ہوئے۔جس طرح پہاڑ زمین کی حفاظت کا ذریعہ ہیں اسی طرح آسمان بھی زمین کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور بطور ایک چھت کے بے شمار خطرناک اشیاء سے زمین کو بچاتا ہے۔یہ چھت فائدہ مند چیزوں یعنی پانی اور بعض دوسری کارآمد شعاؤں (Rays) کو زمین پر پہنچنے سے نہیں روکتی۔البتہ زمین اور اہلِ زمین کو مختلف سماوی آفات سے بچاتی ہے۔فضا میں کئی شفاف دیواریں موجود ہیں۔ان میں سے ایک اوزون (Ozone) ہے۔جو زمین سے قریباً پچیس میل اوپر گیسوں کی قریباً دس سے تیس میل تک دبیز تہ ہے۔یہ چھت سورج سے نکلنے والی خطرناک بنفشی شعاؤں (Ultra Violet Rays) کو جن میں دس ارب والٹ کی بجلی ہوتی ہے، زمین تک پہنچنے میں زبردست قدرتی رکاوٹ ہے۔زمین سے اڑنے والے راکٹ ، دنیا کے بیس بلین سے زیادہ ریفریجریٹرز ، ائرکنڈیشنرز اور صنعتوں (Industries) سے نکلنے والے کیمیکلز میں کلورو فلورو کاربن گیس (C.F.C) استعمال ہوتی ہے۔یہ گیس قطب شمالی کے اوپر اوزون کی تہ میں جا بجا سوراخ کر دیتی ہے جس سے (u.v) شعائیں قطب شمالی پر پڑتی ہیں جو برف پگھلنے کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل کر انسانی اور حیوانی صحت کو برباد کرتی ہیں۔جلد کا کینسر، سفید موتیا، بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت کی کمی، جلد بڑھاپے کا آنا اور کئی دوسرے عوارض اسی سے لاحق ہوتے ہیں۔نیز فصلوں پر بھی ان کا منفی اثر پڑتا ہے۔

آجکل مغربی ممالک میں ناکارہ A.C اور فریج وغیرہ سے یہ گیس نکال کر ضائع کر دی جاتی

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَ

وہ وہی ہے جس نے پیدا کی رات اور دن اور سورج اور

الْقَمَرَ ۗ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ

چاند سب (اپنے اپنے) محور میں تیرتے ہیں اور نہیں بنائی ہم نے کسی انسان کے

ہے۔نیز ایسے انتظامات کئے جا رہے ہیں کہ یہ گیس مزید فضا میں نہ پہنچے۔لیکن جس مقدار میں C.F.C اب تک فضا میں پہنچ چکی ہے۔وہ سو سال تک اوزون کی تہ کو کم کرتی رہے گی اور نقصان پہنچاتی رہے گی۔افسوس ہم نے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حفاظتی دیوار میں خود سوراخ کر کے اپنے لئے گڑھے کھودے۔دوسری زبردست حفاظتی چھت کشِ ثقل ہے جو شہاب ثاقب کی تباہی سے زمین کو محفوظ رکھتی ہے۔شہاب ثاقب نظامِ شمسی کے چھوٹے چھوٹے اجرام ہیں جو فضا میں نہایت تیزی سے چکر لگاتے ہوئے (ان کی تیز رفتاری کا یہ حال ہے کہ اڑھائی گھنٹہ میں زمین کا چکر لگاتے ہیں) جونہی زمین کے قریب سے گزرتے ہیں تو زمین کی کشش انہیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔اور کشش ثقل کی رگڑ سے پس کر ریت کے ذروں کی طرح زمین پر گرتے ہیں۔بعض اوقات ان کا حجم بہت بڑا ہوتا ہے اور ان کے بڑے بڑے ٹکڑے زمین پر گرتے ہیں۔لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ایک اور دیوار فضا کے کروڑوں آفتابوں کی حرارت کو روکتی ہے۔ایک اور کار آمد دیوار ایتھر کی لہروں کو روک کر زمین کی طرف لوٹا دیتی ہے جس کی بدولت ہم ریڈیو سن سکتے ہیں۔اسی طرح قادرِ مطلق نے زمین کے اوپر اور بھی بے شمار قسم کی حفاظتی دیواریں بنائی ہیں جو بطور چھت کے ہیں۔لیکن ابھی تک انسان ان کا کماحقہٗ احاطہ نہیں کر سکا۔افسوس آسمان سے نازل ہونے والے لاتعداد روحانی اور مادی نشانات کے باوجود کفار ان سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور توجہ نہیں کرتے۔محفوظ چھت کہنے میں یہ بھی اشارہ تھا کہ پوری کائنات گویا ایک محفوظ چھت والے گھر سے مشابہ ہے جس کا مالک ایک مدبر بالا رادہ ہستی ہے۔اسی طرح دین بھی ایک چھت ہے جو حیات روحانی و جسمانی کی حفاظت کا موجب ہے۔

۳۴۔**فلک**۔مدارالنجوم ہے جس میں اجرام فلکی گھوم رہے ہیں۔(لسان العرب)

یسبحون۔**سبح**۔پانی یا ہوا میں تیزی سے گزرنا۔زجاجؔ نے **فی فلک یسبحون** میں کہا کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک مدار ہے۔فلک کی لامحدود وسعتوں میں اجرامِ فلکی کا اپنے اپنے مداروں پر گھومنا بالکل تیرنے کے مترادف ہے۔اور یہ ایک ایسی علمی حقیقت ہے جو آج سائنسدانوں کی سمجھ میں آئی۔پہاڑوں اور آسمانوں کی فیض رسانیوں کا ذکر تھا۔یہاں بتایا

مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۗ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿٣٥﴾

پہلے تجھ سے ہمیشگی کیا پس اگر مرگیا تو تو وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں

کہ مخلوق خدا کی خدمت کے لئے لیل و نہار اور شمس و قمر کو پیدا کیا۔"**کُل**" میں شمس و قمر کے علاوہ تمام اجرامِ فلکی شامل ہیں جو اپنے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں۔روحانی سمائے آسمانی کے سورج، چاند اور ستارے انبیاء و اولیاء ہیں جو اپنی اپنی استعداد کے دائروں میں چکر لگاتے ہیں اور مخلوقِ خدا کو حسبِ استطاعت آسمانی فیوض سے بہرہ ور کرتے ہیں۔رات اور دن کا وجود شمس و قمر کا مرہونِ منت ہے جو تاریکی کا پردہ چاک کر کے روشنی پھیلاتے ہیں۔یہاں خاص طور سے سورج اور چاند کا ذکر کیا۔سورج کی روشنی ذاتی ہے جو تمام دنیا کو روشن کر رہا ہے۔چاند سورج سے روشنی لیتا ہے، اس کی روشنی اکتسابی ہے۔قرآنِ کریم نے آنحضرت ﷺ کو سراج منیرا کہا یعنی ایسا چمکتا ہوا سورج جس سے تمام عالم منور ہو گیا۔ساتھ ہی قمر کا ذکر کیا کہ ایک وجود بطور قمر بھی ہے جس کی روشنی اپنی نہیں بلکہ یہ روشنی آنحضرت ﷺ سے اکتسابی ہے۔یہ حضرت مسیح موعودؑ کا مظہرِ وجود تھا جو آپ ﷺ کے ظل ہیں۔جنہوں نے آپ ﷺ سے روشنی پا کر دنیا کو اندھیروں سے نکالا۔

۳۵۔ابطالِ شرک اور اثباتِ توحید میں زبردست دلائل کے بعد شواہدِ قدرت کی طرف توجہ دلا کر فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسیحؑ یا ان کا کوئی اور خود ساختہ معبود زندہ رہے اور تو مر جائے جبکہ کسی بشر کے لئے ہمیشگی کی زندگی نہیں۔مسیحؑ کے مرنے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی۔حقیقت تو یہ ہے کہ اے محمد ﷺ وہ سب مر گئے اور تو زندہ ہے اس لئے کہ بقول حضرت ابوبکرؓ دو موتیں تجھے نہیں آ سکتیں پس تیرا مشن زندہ رہے گا اور تیری تعلیم زندہ رہے گی۔کوئی نئی شریعت آ کر اسے مٹا نہیں سکتی۔پس آپ ﷺ زندہ ہیں اپنے فیوض و برکات کے ساتھ نہ کہ اس خاکی جسم کے ساتھ۔چنانچہ جب بھی اسلام کے درخشندہ چہرہ پر معمولی سا غبار بھی چھایا مجددینِ کرام کے وجود نے فوراً ظاہر ہو کر اسے صیقل کیا۔آخر وہ وقت آیا کہ خدائی نوشتوں کے مطابق اسلام پر چاروں طرف سے یلغار ہوئی، اس کا روشن چہرہ جہالت اور بد رسوم کی تاریکیوں کے دبیز پردوں میں چھپ گیا اور ایمان ثریا پر پہنچ گیا۔تب اس نہایت خطرناک وقت میں اے محمد ﷺ! تجھ سے روشنی پا کر اور تیری قوتِ قدسیہ کے طفیل تیرے رب کا ایک عاجز بندہ مسیح موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات کے ساتھ ظاہر ہوا۔جس نے اسلام کے پُر جلال چہرے سے ساری تاریکیاں دور کر کے اسے پہلے جیسی چمک دمک سے ہمکنار کیا۔یہ پہلوان محض اللہ کی عطا کردہ طاقت اور توفیق سے اسلام کی گرداب میں ہچکولے

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ
ہر نفس چکھنے والا ہے موت اور آزمائیں گے ہم تم کو ساتھ بُرائی اور

الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاِذَا رَاٰكَ
بھلائی کے بطور امتحان کے اور طرف ہماری تم لوٹائے جاؤ گے اور جب دیکھتے ہیں تجھے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا
وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کو نہیں پکڑتے تجھے مگر ہنسی میں کیا یہ ہے

الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ
وہ جو ذکر کرتا ہے معبودوں کا تمہارے اور وہ ذکر سے رحمٰن کے ہی

كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ
منکر ہیں پیدا کیا گیا انسان جلد باز عنقریب میں دکھاؤں گا تم کو

کھاتی ہوئی کشتی کو کفر و ضلالت کے طوفانی تھپیڑوں سے بچا کر ساحل تک لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ **ذٰلک فضل الله یؤتیه من یّشآءُ** (سورة جمعة:٥) اس آیت پر غور نہ کر کے بے شمار کلمہ گو عیسائیت کی جھولی میں جا گرے۔ ہر پادری یہی دلیل دیتا ہے کہ تمہارا رسول زیرِ زمین دفن ہے جب کہ ہمارا مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے۔ جب محمد ﷺ کی امت میں بگاڑ پیدا ہو گا تو اس امت میں سے کوئی اسے بچانے نہیں آئے گا۔ ہاں! تمہارے اپنے عقیدہ کے مطابق مسیح آسمان سے اتر کر محمد ﷺ کی بگڑی ہوئی امت کو ہدایت دینے ضرور آئے گا۔ پھر بتاؤ کہ تمہارا رسول بڑا ہے یا ہمارا۔ خاتم النبیین وہ ہے یا ہمارا رسول جو اس کے بعد آیا۔

٣٦۔ اس دنیا میں نہ کوئی ہمیشہ رہا اور نہ کسی کے حالات ایک جیسے رہے۔ عام طور پر ہر انسان پر مختلف حالات آتے رہتے ہیں جن سے اس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔ ہر نیک و بد کو ان حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ انسان کے جوہر نہیں کھلتے جب تک کہ وہ آزمائش کی کٹھالی میں نہ پڑے۔ پس کبھی صحت و تندرستی، کبھی بیماری و لاچاری، کبھی تنگی و مفلسی اور کبھی فراخی و خوشحالی اس کے شاملِ حال ہے۔ پس جو صبر اور شکر سے ان امتحانوں میں پورے اترے اور جن کی آزمائش ان کی ترقی درجات کا باعث ہوئی۔ حقیقت میں وہی اپنے ربّ کے حضور کامیاب ہوں گے۔

٣٧۔ جیسا کہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا ذکر ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی بندے کی محنت و استحقاق کے ایک عالم کو انسان کی خدمت و نفع رسانی پر لگا رکھا ہے۔ ان مادی نعمتوں کے علاوہ روحانی انعامات بھی رحمٰن خدا کی عنایات ہیں۔ وحی کا نزول بھی رحمانیت

اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿٣٨﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
اپنی آیات پس نہ جلدی چاہو مجھ سے اور وہ کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٩﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اگر ہو تم سچے کاش جان لیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ
کہ نہ روک سکیں گے وہ سے چہروں سے آگ اور نہ ہی

ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً
پیٹھوں سے اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے بلکہ وہ آ لگی ان کے پاس اچانک

سے تعلق رکھتا ہے۔ **الرحمٰن ۝ علّمَ القراٰن ۝** لیکن کفار کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں کفار و مشرکین کے علاوہ نصاریٰ بھی مخاطب ہیں جو بغیر کفارہ نجات کے قائل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے منکر ہیں۔ دراصل آنحضرت ﷺ کی غلبہ اسلام اور کفار کی ہلاکت کی پیشگوئیوں اور اس فرمان کی وجہ سے کہ شرک ہمیشہ کے لئے عرب سے مٹ جائے گا کفار مشتعل ہو کر آپ ﷺ کی تضحیک پر اتر آتے، مذاق اڑاتے اور اپنی حالت کو بھول جاتے کہ وہ اس خدائے رحمٰن کے منکر ہیں جو بلا معاوضہ انہیں زمین و آسمان کی بے شمار نعمتوں سے متمتع کر رہا ہے۔ جبکہ معبودانِ باطلہ تو خود اسی کے محتاج ہیں۔

٣٨۔٣٩۔ **خُلق الانسان من عجل** ۔ یہ ایک محاورہ ہے یعنی انسان کی فطرت میں یا اس کے خمیر میں جلد بازی کا مادہ ہے۔ جیسے عام طور پر محاورةً کہا جاتا ہے کہ وہ تو مجسم آگ ہے یا آگ کا بنا ہوا ہے یا نرم مزاج کو کہتے ہیں کہ وہ موم کا بنا ہُوا ہے۔

پس جس طرح انسان میں کئی کمزوریاں ہیں۔ اسی طرح اس کی فطرت میں جلد بازی کا مادہ بھی ہے۔ اسی فطری جلد بازی کی وجہ سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور نشانِ ہلاکت مانگتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی تحقیر و تضحیک میں یہ امر بھی پوشیدہ تھا کہ ہماری سرکشی کی وجہ سے ہماری فوری گرفت کیوں نہیں ہوتی۔ انسان جلد باز ہے لیکن اللہ عزّ وجل ایسا نہیں۔ اس کے سب کام حکمت و مصلحت سے وقت مقررہ پر ہوتے ہیں۔ پس اس نے اپنی نشانیاں کھلے طور پر دکھلائیں۔ بہت جلد جنگ بدر اور پھر فتح مکّہ کے موقعہ پر یہ نشانیاں عظیم الشان حقیقت بن کر ظاہر ہوئیں، تمام وعدے انتہائی جلال سے پورے ہوئے۔ جنہیں حقیر ترین سمجھا جاتا تھا وہ دنیا کی نظر میں معزز ترین ٹھہرے۔

٤٠۔ **وجوههم۔ وجوه الوجه** کی جمع ہے۔ چہرہ۔ سامنے کا حصہ۔ سردارِ قوم۔

فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

پس مبہوت کر دے گی انہیں پس وہ نہیں قدرت رکھیں گے لوٹانے کی اسکے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور یقیناً یقیناً ہنسی کی گئی رسولوں سے پہلے تجھ سے پس گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے

٣ ٢ ٣ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ

ہنسی کی تھی ان میں سے اس (عذاب) نے کہ تھے جس پر وہ ہنسی کرتے تو کہدے

وجوھھم۔اُن کے چہرے۔**ظھورھم**۔**ظھرہ**۔ پیٹھ۔پُشت۔ پیچھے سے۔**ظھورھم**۔ان کی پیٹھیں۔

آخر وہ نشان ہلاکت آ جائیں گے جن کے لئے جلدی کرتے تھے۔کاش اس سے پہلے سمجھیں۔بیشک ایسی تمام آیات آخرت پر بھی چسپاں ہوتی ہیں۔لیکن یہ عذابِ آخرت نہیں کیونکہ وہ بطور نشان نہیں ہوں گے۔یہاں آگ سے مراد جنگوں کی آگ کا بھڑکنا تھا۔جس نے انہیں آگے اور پیچھے سے گھیر لیا۔کہ اگر مقابل پر آئے تو منہ کی کھائی اور ہلاک ہوئے۔اگر پیٹھ پھیر کر بھاگے تو بھی ہلاک و رسوا ہوئے۔**وجوھھم** سے مراد ان کے بڑے بڑے سردار بھی تھے جو اسی آگ کی لپیٹ میں آئے جیسے ابو جہل وغیرہ۔اور **ظھورھم** سے مراد عوام تھے۔جنہیں ہمیشہ پس پشت رکھا جاتا اور کبھی قابل التفات نہ سمجھا جاتا مگر وہ بھی نہ بچ سکے۔گویا خواص و عوام میں جو بھی مقابل آیا ہلاک ہُوا۔نیز وجوہ سے مراد سامنے کے عذاب بھی ہیں جو نظر آ رہے ہوں جیسا کہ جنگ بدر میں دو بدو لڑائی ہوئی اور ہلاک ہوئے۔پیٹھوں سے مراد وہ رسوائیاں اور عذاب ہیں جو نظر نہیں آتے اور اچانک آ لیتے ہیں جیسا کہ فتح مکّہ کے موقع پر ہُوا۔اور بقول ہندہ کوئی جھوٹا معبود ہماری مدد کو نہ آیا۔

۴۱۔**تبھتھم (بھت)** وہ انہیں مبہوت کر دے گی۔حیران کر دے گی۔

یہ سب اس قدر اچانک ہُوا کہ اہلِ مکّہ واقعی مبہوت و بدحواس ہو گئے۔ابو سفیان مدینہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مل کر چلا آ رہا تھا مگر اسے کچھ خبر نہ ہوئی اور الٰہی نوشتوں کے مطابق دس ہزار قدوسیوں کا لشکر جرار پشت پر سے اچانک نمودار ہو گیا۔اس بلائے ناگہانی کو دور کرنے کی طاقت کس میں تھی۔اور نہ ہی اب مہلت کا وقت رہ گیا تھا۔

۴۲۔انبیائے سلف کو ان کی مادی کمزوریوں کی وجہ سے ہی نشانۂ تضحیک بنایا جاتا تھا کہ معاذ اللہ چند حقیر و رذیل، کمزور اور غریب لوگ جن کا سوسائٹی میں کوئی مقام نہیں ان کو یہ جرأت کیسے ہوئی

مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۚ بَلْ

کون حفاظت کرتا ہے تمہاری رات اور دن کو رحمٰن سے بلکہ

هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۳ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ

وہ یاد سے اپنے رب کی اعراض کرنے والے ہیں کیا ان کے لیے معبود ہیں

تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ

جو حفاظت کریں ان کی سوائے ہمارے نہیں طاقت رکھتے وہ امداد کی اپنی جانوں کی

وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝۴۴ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَ

اور نہیں وہ مقابلہ میں ہمارے رفاقت کئے جاویں گے بلکہ فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو اور

کہ ہم صاحب قوت و اقتدار لوگوں کو سبق پڑھائیں یا ڈرائیں۔نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ مذاق انہیں پر الٹ پڑا۔یہاں صاف پیشگوئی فرما دی کہ یہی سلوک اب ان سے بھی ہوگا اور ان مذاق اڑانے والوں پر وہی رسوائیاں اور عذاب مسلط ہوں گے جو یہ خود کیا کرتے تھے۔پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو حقیر و ذلیل سمجھنے والے اس قدر ذلیل اور رسوا ہوئے کہ دنیا باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی اور تمام عزتیں اور بڑائیاں صرف قبولِ اسلام سے وابستہ ہو کر رہ گئیں۔

۴۳۔**یکلؤ**۔**الکلاءۃ** کے معنی کسی چیز کی حفاظت کرنے اور اسے باقی رکھنے کے ہیں **یکلؤ** وہ بچاتا ہے۔حفاظت کرتا ہے۔

اس رکوع میں غلبہ اسلام کو بطور نشان پیش کیا۔عذاب تو رات یا دن میں کسی وقت بھی تمہیں آ پکڑے گا۔اس وقت خدائے رحمٰن کی گرفت سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ ذکرِ الٰہی ہی ان آفات سے بچا سکتا تھا مگر وہ اس سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

۴۴۔**تمنعھم**۔**المنع**۔لفظی معنی روکنا ہے۔دفاع کرنا، حفاظت کرنا اور بچانا مراد ہے۔ **یُصحبون**۔**صحبۃ**۔بمعنی عاشرۃ یعنی ساتھ رہنا۔اسی سے مصاحبت ہے۔**یُصحبون**۔وہ مصاحبت دیئے جائیں گے۔مدد دیئے جائیں گے۔

ان کے خود ساختہ جھوٹے معبود تو خود اپنی حفاظت پر قادر نہیں۔وہ آنے والی مصیبتوں میں ان کی حفاظت کیا کریں گے۔یہاں پیشگوئی فرمائی کہ عنقریب یہ پتھر کے بت پاش پاش کر دیئے جائیں گے اور خدا کے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ نہیں دے گا یعنی انہیں بچانے نہیں آئے گا۔جیسا کہ فتح مکّہ کے موقع پر ہُوا کہ محبوبِ خدا کی ایک ہی ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں دنیا میں جس قدر انسان معبود بنائے گئے وہ خود مصیبتوں اور دکھوں میں

اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ

باپ دادا کو ان کے یہاں تک کہ لمبی ہو گئی ان پر عمر کیا پس نہیں دیکھتے وہ کہ

اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ

ہم آتے ہیں زمین کی طرف کم کرتے ہوئے اسے کناروں سے اس کے کیا پس وہ

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ

غالب ہونیوالے ہیں تو کہدے صرف میں ڈراتا ہوں تم کو ساتھ وحی کے اور نہیں سنتے

الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ

بہرے پکار کو جبکہ وہ ڈرائے جاویں اور یقیناً اگر چھوئے ان کو

گرفتار رہے۔جیسے حضرت عیسیٰؑ یا رامچندر جی وغیرہ۔تا یہ ثابت ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کے دکھ دور کرنے اور بچانے والا نہیں۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹ جون ۱۹۱۰ء)

۴۵۔یہاں عمر سے مراد ایک قوم کی عمر ہے جو ایک لمبا زمانہ ہے۔ **حتّٰی طال علیهم العمر** سے مراد ہے یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان کی عمریں بسر ہو گئیں۔تمام حقائق و دلائل کو جان لینے کے باوجود قبولِ حق میں مانع ان سردارانِ مکّہ کا پشتہائے پشت سے عیش و آرام کی زندگی بسر کرنا تھا۔جس سے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی گرفت نہیں ہو گی۔ یہاں ایک تاریخی حقیقت بیان فرمائی جس میں آج بھی اقوامِ عالم کے لئے سبق موجود ہے کہ جب قوموں کے عروج پر ایک لمبا عرصہ گزر جاتا ہے تو ان کے انحطاط کی علامتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ لیکن وہ اس حقیقت سے آنکھیں بند رکھتی اور اس تکبر میں مبتلا ہوتی ہیں کہ ان پر زوال نہیں آئے گا۔یہی حال سردارانِ مکّہ کا تھا کہ غلبہ اسلام کے آثار شروع ہو چکے تھے زمین اپنے کناروں کی طرف سے گھٹتی چلی جا رہی تھی۔یعنی دور و نزدیک سے ہر طبقہ کے لوگ اسلام میں داخل ہو کر اس کی وسعت و پائداری کا موجب بن رہے تھے۔جبکہ کفر سمٹ رہا تھا۔کیا غلبہ اسلام کے اتنے واضح نشان ظاہر ہو جانے کے بعد بھی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب آئیں گے۔

۴۶۔اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بتا دیجئے کہ اگر میں تمہاری ہلاکت اور غلبہ اسلام کی خبر دے رہا ہوں تو یہ وحی الٰہی کی بنا پر ہے۔ورنہ مجھے یہ طاقت کہاں۔میں تو اپنے ربّ کا ایک عاجز اور ناتوان بندہ ہوں۔ہاں وہی کہتا ہوں جو اپنے ربّ سے سنتا ہوں۔ان منکرینِ حق کی حالت یہ ہے کہ عذاب سر پر کھڑا ہے لیکن وہ اس عذاب کی خبر سے اس طرح کان بند کئے ہوئے ہیں گویا بہرے ہیں اور انہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا۔

نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا

لپٹ عذاب کی رب کے تیرے تو ضرور کہیں گے اے افسوس ہم پر یقیناً

كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ

ہم ہی تھے ظالم اور ہم رکھیں گے ترازو (یعنی) انصاف بروز

الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

قیامت پس نہ ظلم کیا جاویگا کوئی نفس کچھ بھی اور اگر ہو ہموزن دانہ

مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ

رائی کے لاویں گے ہم اسے اور کافی ہیں ہم حساب لینے والے اور یقیناً یقیناً

۴۷۔ **نفحةٌ**۔ہوا کا جھونکا ہے اچھا ہو یا بُرا۔

جب انہیں آنے والے عذابوں سے ڈرایا جاتا تھا تو ہرگز سننے کو تیار نہیں تھے اور بڑے بڑے دعوے کرتے تھے۔لیکن حالت یہ ہے کہ اپنے ربّ کے عذاب کی ایک لپٹ بھی برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہو گی، اور بلبلا اٹھیں گے اور اپنی زیادتیوں پر نادم ہوں گے۔

۴۸۔ **موازین**۔میزان کی جمع ہے۔ترازو۔ **قسط**۔عدل۔ **مثقال**۔ساڑھے چار ماشہ وزن۔مراد ہم وزن۔برابر۔

لیکن ہلاکت کو دیکھ کر نادم ہونا انہیں کسی اجر کا مستحق نہیں بنائے گا۔کیونکہ اجر اس عمل کا ہے کہ صاحبِ طاقت و اختیار ہوتے ہوئے گناہ اور ظلم و زیادتی سے بچا جائے۔یہ میزانِ عدل قیامت کو ضرور قائم ہو گی اور معمولی سے معمولی عمل کا اجر بھی ضرور ملے گا اور کسی پر ہرگز ظلم نہیں کیا جائے گا۔دنیا میں صحیح عدل ملنا ممکن نہیں تھا۔اس لئے کہ شریعت کا حکم ظاہر پر نافذ ہوتا ہے اور کسی کو اختیار نہیں کہ نیتوں کا محاسبہ کرے۔نیز ایک انسان کو وراثت میں کیا عادات ملیں، ماحول اس پر کتنا اثر انداز ہوا۔اس کا اپنا عمل دخل کتنا تھا۔ان تمام عوامل کو مدِ نظر رکھ کر فیصلہ کرنا صرف **خیرُ الفاصلین** کا ہی کام ہے۔اس ترازو کی حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے۔انصاف کا ایسا نظام قائم کر دیا جائے گا کہ ہر شخص اپنے خلاف گواہی دے گا۔ہاتھ اور پاؤں بولیں گے جلدیں بولیں گی۔ **واللہ اعلم بالصّواب۔**

یہ میزان قیامتِ صغریٰ کو بھی قائم ہوئی جب ابو جہل جیسے کئی پُرغرور سَر خاک میں ملا دیئے گئے اور بلالؓ اور زیدؓ جیسے غلام قابلِ عزت و احترام سمجھے جانے لگے۔یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت بلالؓ کو یا سیّدی یا سیدنا بلالؓ یعنی اے میرے سردار کہہ کر پکارتے تھے۔

اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّ ذِکْرًا
دیا ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان اور روشنی اور نصیحت نامہ

لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۹﴾ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ وَ
متقیوں کے لیے وہ جو کہ ڈرتے ہیں اپنے رب سے غائبانہ اور

ھُمْ مِّنَ السَّاعَۃِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ
وہ قیامت سے ڈرنے والے ہیں اور یہ نصیحت نامہ برکت والا ہے

اَنْزَلْنٰہُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ ع
اُتارا ہے ہم نے اسے کیا پس تم اس کے منکر ہو اور یقیناً یقیناً دی ہم نے

(بخاری کتاب الفضائل)

۴۹۔۵۰۔ **فرقان**۔فرق کرنے والا۔ہر وہ معجزہ اور نشان ہے جس سے حق و باطل کے درمیان تمیز ہو جائے جو کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دے۔خواہ دلیل ہو یا نصرت الٰہی ہو۔صبح کے معنی میں بھی آتا ہے کہ وہ اندھیرے اور روشنی میں امتیاز کرنے والی ہے۔ **ضیآء**۔ہر وہ روشنی ہے جو تاریکی کو دور کر دے۔ **ذکر** سے مراد یہاں توریت ہے۔

مکذبینِ حق کو خوب انذار کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ نبی یا اس کی تعلیم کوئی نئی نہیں۔یہاں سے قریباً رکوع ۶ تک مختلف انبیائے سلف کے ذکر میں بتایا کہ جس طرح آپ ﷺ توحید قائم کرنے آئے ہیں اسی طرح ان تمام انبیاءؑ کا بھی یہی مشن تھا۔وہ سب بھی آپ ﷺ کی طرح بشر تھے اور انہی مصائب سے گزرے تھے۔آخر اِن کے مخالفین ناکام و نامراد ہوئے اور وہ سب مظفر و منصور ہوئے۔سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا جن کے آپ ﷺ مثیل تھے اور بتایا کہ انہیں بھی آپ ﷺ کی طرح کتاب سے نوازا گیا۔جو حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے لئے فرقان تھی یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی تھی۔بطور ضیاء تھی یعنی ہر قسم کی گمراہی کی ظلمتوں کو دور کر کے ہدایت اور روشنی دینے والی تھی۔توریت کی تیسری صفت اس کا ذکر ہونا بیان کیا۔ہر کتابِ الٰہی ذکر ہوتی ہے کیونکہ وہ بندوں کو توحید کا بھولا ہُوا سبق یاد دلانے آتی ہے۔گویا بطور ایک نصیحت اور یاد دہانی کے ہوتی ہے۔تا اپنے ربّ سے غائب میں ڈرنے والے اور اس گھڑی کا خوف رکھنے والے متقین کو ہدایت دے کر کمال تک پہنچائے۔کتاب سب کے لئے آتی ہے لیکن فائدہ صرف متقی ہی اٹھاتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کے لئے بھی **ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن** کہا۔(البقرہ ۳)

۵۱۔ **مبارک**۔ **برکۃ** حوض کو کہتے ہیں جس میں ارد گرد کا تمام پانی جمع ہو جاتا ہے ہر

اِبْرٰھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ اِذْ
ابراہیم کو ہدایت اس کی پہلے سے اور تھے ہم اسے جاننے والے جب

قَالَ لِاَبِیْہِ وَقَوْمِہٖ مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ
کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو کہ کیا ہیں یہ بُت کہ

وہ چیز جس میں خیر و برکت پائی جائے۔یہاں قرآن کو **ذکرٌ مبارک** کہہ کر الٰہی خیر و برکت کی طرف اشارہ کیا۔جب انسان گزشتہ شریعتیں اور احکام بھول جاتے ہیں تو نئی شریعت ذکر یا یاد دہانی کے طور پر آتی ہے۔اس لئے جب توریت نازل ہوئی تو بیشک ذکر تھی۔لیکن آج اہل زمین پھر سبق توحید بھلا چکے ہیں اس لئے اب قرآنِ کریم توحید کی یاد دہانی کے لئے آیا ہے جو ذکر کے علاوہ مبارک بھی ہے یعنی اس میں پچھلی ساری صداقتوں اور اعلیٰ تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے۔قرآن کو ذکر کہا جبکہ مومنوں کو ذکر الٰہی کا حکم ہے اس لئے ذکرِ الٰہی سے مراد قرآنِ کریم کا پڑھنا اور اس پر عمل بھی ہے۔

۵۲۔ **رشد**۔ہدایت۔ **غی** اور **ضلالۃ** کی ضد ہے۔دنیوی و اخروی بھلائی۔فہمِ سلیم۔

قرآنِ کریم میں حضرت ابراھیمؑ کی سیرت طیبہ کے واقعات مواقع کی مناسبت سے مختلف مقامات پر آئے ہیں۔یہ واقعات سورۃ البقرہ۔۱۲۳ تا ۱۳۳۔سورۃ الانعام ۷۵۔۸۴۔سورۃ ابراھیم ۳۶۔۴۲ میں خاص طور پر گزر چکے ہیں وہاں ان کی تفصیل بھی درج ہے۔یہاں صرف اِن واقعات کا ذکر کیا جائے گا جن کی تفصیل ان سورتوں میں بیان نہیں ہوئی۔

اس رکوع میں حضرت ابراھیمؑ کے حالات بیان کر کے بتایا کہ آپ کی تعلیم پر بھی لوگ آپ کے مخالف ہوئے یہاںتک کہ ہلاک کرنے کی کوشش میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا اور آپ کے ذریعہ حق دنیا میں پھیلایا۔فرمایا حضرت موسیٰؑ سے پہلے ہم نے ابراھیمؑ کو رُشدِ کامل سے نوازا تھا۔یا معنی یہ ہیں کہ ابراھیمؑ کو تو ہم نے پہلے سے ہی اس کی رُشد یعنی فہم سلیم عطا کیا تھا گویا بچپن سے ہی وہ ہدایت پر قائم تھے۔ **عالمین** میں حضرت ابراھیمؑ کے کمالات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم انہیں جانتے تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ قرآن کلاس MTA میں بیان کرتے ہیں کہ سات سال قبل جنوبی عراق میں دریائے فرات کے کنارے کھدائی کر کے ایک مشترکہ اثری مہم نے وہ شہر ڈھونڈ نکالا جو حضرت ابراھیمؑ کا مولد تھا اور بابلی تہذیب و تمدّن کے اکثر نشانات جو اس شہر

أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿۵۳﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا

تم جن پر قائم ہو انہوں نے کہا پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کو

عٰبِدِينَ ﴿۵۴﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي

پوجنے والے اس نے کہا یقیناً یقیناً ہو تم اور باپ دادا تمہارے

ضَلٰلٍ مُبِينٍ ﴿۵۵﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ

گمراہی کھلی میں کہا انہوں نے کیا لایا ہے تو ہمارے پاس حق یا تو

اللّٰعِبِينَ ﴿۵۶﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کھیلنے والوں میں سے ہے اس نے کہا بلکہ رب تمہارا رب ہے آسمانوں اور زمین کا

الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿۵۷﴾

وہ جس نے پیدا کیا ہے انہیں اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں

میں مدفون تھے اِن کو بے نقاب کیا۔

۵۳ تا ۵۵۔تماثیل۔تمثال کی جمع ہے۔صورت۔مورتی۔بت۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر گزشتہ نبی کا قصہ ہمارے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے پیرؤوں کی صداقت اور حقیت کے ثبوت کے لئے ہوتا ہے۔(حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۱۲۸) آپ ﷺ اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا نتیجہ تھے آپ ﷺ کو ان سے خاص مناسبت تھی اور انہیں کی خو اور طبیعت پر آئے تھے۔آپ جانتے تھے کہ یہ مورتیاں کیا ہیں۔محض تحقیر کے انداز میں پوچھا کہ یہ ہیں کیا جنہیں بیٹھے پُوجتے رہتے ہو۔سوائے آباء واجداد کی اندھی تقلید کے ان کے پاس ان بتوں کی معبودیت کا کوئی جواز نہیں تھا۔چونکہ وہ ان کی پرستش پر کوئی دلیل نہ لا سکے اس لئے انہیں گمراہ کہا۔حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کی تشریح میں حضرت ابراہیمؑ کی آنحضرت ﷺ سے مماثلت کو ثابت کیا ”کہ دونوں کے والد اِن کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے۔دونوں کو ان کے مشرک چچاؤں نے پرورش کیا جن کو اُنہوں نے تبلیغ کی،دونوں کے چچاؤں کا جواب بھی ایک ہی تھا، یہ دونوں عظیم الشان نبی توحید پر مضبوطی سے قائم تھے اور دونوں نے عملاً بت توڑ کر دکھائے“۔نیز دونوں کو ہلاک کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی اور دونوں نے ہجرت فرمائی۔

۵۶۔۵۷۔چونکہ آپ کی قوم کے پاس شرک کی تائید میں کوئی دلیل نہیں تھی اس لئے توحید کے اس پہلے سبق پر حیران ہو کر کہنے لگے کہ کیا تم حقیقت بیان کر رہے ہو یا یونہی مذاق کر رہے ہو

وَتَاللّٰهِ لَأَكِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا

اور قسم ہے اللہ کی ضرور تدبیر کروں گا بُتوں کی تمہارے بعد اس کے کہ پھرو تم

مُدْبِرِينَ ﴿۵۸﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ

پیٹھ پھیرتے ہوئے پس کر دیا اس نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے سوائے بڑے کے ان کے

لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هٰذَا

تاکہ وہ اس کی طرف لوٹیں انہوں نے کہا کس نے کیا یہ

کہ ہمارے باپ دادا بھی گمراہ تھے۔اب حضرت ابراہیمؑ اثباتِ توحید میں زبردست دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ تمہاری خود تراشیدہ مورتیاں تو خدا کی کائنات میں معمولی پتھر کے ٹکڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔تمہارا ربّ تو وہ ہے جو کُل کائنات کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کی ربوبیت فرما رہا ہے۔اور تمہارے لئے اپنے اس دعوے کا میں خود گواہ ہوں۔یہ آپ نے علی الوجہ البصیرت کہا۔کیونکہ آپ حق الیقین کے مقام پر قائم تھے۔پھر اپنی اس گواہی کو مختلف دلائل سے ثابت کیا۔

۵۸۔۵۹۔جذاذًا۔توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔

لیکن ایک زمانے سے شرک میں ملوث قوم یہ سب ماننے کو تیار نہیں تھی۔جب حضرت ابراہیمؑ نے علی الاعلان کہا کہ تمہارے یہ معبود میرے ہاتھ سے نہیں بچتے میں تمہارے جانے کے بعد ضرور ان کے ساتھ کچھ کر گزروں گا۔بعد میں اس لئے کہا کہ اس وقت تو تم ان کی حفاظت کر رہے ہو۔بقول تمہارے اگر ان میں کوئی خدائی طاقت ہے تو دوسروں کی نہ سہی اپنی حفاظت ہی کر کے دکھائیں۔ان لوگوں نے یقیناً آپ کو ڈرایا ہو گا کہ اگر تم نے ان دیوتاؤں کو کچھ بھی نقصان پہنچایا تو یہ تمہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔پس جب آپ نے دیکھا کہ آپ کی قوم عقلی و قولی دلائل سے ماننے والی نہیں تو آپ نے عملی دلائل سے ان بتوں کو عاجز و بے بس ثابت کرنے کی تدبیر کی۔چنانچہ ان کے جانے کے بعد آپ نے سب سے بڑے معبد میں گھس کر جو آپ کا خاندانی معبد تھا اور آمدنی کا بڑا ذریعہ تھا،اِن کے بڑے بت کے سوا، سب کو توڑ ڈالا۔اس میں حکمت یہ تھی کہ بڑے بت کے پاس جائیں اور اپنے سب سے بڑے خدا کی عجز و بے بسی دیکھ کر شرمندہ ہوں کہ نہ وہ کچھ بتانے پر قادر ہے نہ کسی کو بچانے پر۔**الیہ یرجعون** میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئیں تا آپ کو انہیں قائل کرنے کا موقع مل سکے۔پھر ایسا ہی ہُوا۔

بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى

معبودوں سے ہمارے یقیناً وہ البتہ ظالموں میں سے ہے انہوں نے کہا سُنا تھا ہم نے ایک جوان کو

يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا

ذکر کرتا تھا ان کا کہا جاتا ہے جسے ابراہیم انہوں نے کہا پس لاؤ

بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا

اسے روبرو لوگوں کے تاکہ وہ دیکھیں انہوں نے کہا

ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۳﴾ قَالَ

کیا تُونے کیا ہے یہ معبودوں سے ہمارے اے ابراہیم؟ اس نے کہا

بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا

بلکہ کیا ہے اُسے بڑے ان کے اس نے پس پوچھو ان سے اگر ہیں وہ

۶۰ تا ۶۲۔ مشرکین کے نزدیک اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا تھا کہ ان کے معبودوں کا یہ حشر کیا۔ پجاریوں وغیرہ کے استفسار پر لوگوں نے بتایا کہ ابراھیم نامی نوجوان کو ان بتوں کو بُرا بھلا کہتے سنا ہے۔ اس پر پروہتوں نے کہا کہ اسے سب کے سامنے لاؤ تا کہ لوگ گواہی دیں کہ اس نے ایسا کہا تھا۔ یا یہ مراد ہے کہ حضرت ابراھیمؑ کے اعترافِ جرم کے سب گواہ ہوں تا اسے قرار واقعی سزا دی جائے۔ دشمنِ خدا فرعون سے بھی یہی حماقت ہوئی کہ موسیٰؑ کو نیچا دکھانے کے لئے ایک مجمع اکٹھا کیا اور خود ذلیل ہُوا۔ یہاں بھی لوگوں کو اکٹھا کرنے میں یہی مقصد تھا کہ آپ کو ذلیل کریں۔ تا آپ پھر ایسی جرأت نہ کر سکیں لیکن خود سب کے سامنے شرمندہ و لاجواب ہوئے۔

۶۳۔۶۴۔ ان کے استفسار پر حضرت ابراھیمؑ نے ہرگز جھوٹ نہیں بولا اور یہ ایک ایسے نبی کے شایانِ شان نہیں ہے جسے اللہ نے پہلے سے رُشد عطا کر دی ہو (آیت: ۵۲) اور جو پہلے سے یہ اعلان کر دے کہ تمہارے جانے کے بعد ضرور ان سے نمٹوں گا۔ وہ کیسے مکر سکتا تھا۔ دراصل یہ غلطی بل فعلهٗ کے بعد وقف کی علامت پر غور نہ کرنے سے لگی۔ بل فعلهٗ یعنی یہ کام کسی نے تو ضرور کیا ہے۔ پھر علامت وقف کے بعد باقی جملہ ہے کہ مجھ سے کیوں پوچھتے ہو یہ سامنے تمہارا بڑا بت ہے۔ اگر یہ بت اور دوسرے ٹوٹے ہوئے بت بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھو کہ ان کا یہ حال کس نے کیا۔ جب بڑا ہی بول نہیں سکتا تو یہ ٹوٹے ہوئے کیا بولیں گے جو زبانِ حال سے اپنی بے بسی کا اعلان کر رہے ہیں۔ مقصد انہیں سمجھانا اور شرمندہ کرنا تھا کہ یہ کیسے عاجز خدا ہیں کہ نہ دوسروں کی حفاظت کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔ بڑے کو نہ توڑنے میں یہ حکمت تھی کہ اسے تو

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ

بات کرتے پس لوٹے وہ طرف اپنی جانوں کے پس کہا انہوں نے یقیناً تم

اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ

ہی ظالم ہو پھر اوندھے کئے گئے اپنے سروں پر یقیناً یقیناً

عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ

جان لیا ہے تُونے کہ نہیں یہ بولا کرتے اس نے کہا کیا پس تم عبادت کرتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۷﴾

سوائے اللہ کے جو نہیں نفع دیتا تم کو کچھ بھی اور نہ نقصان دیتا ہے تم کو

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے کیا پس نہیں

تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ

عقل کرو گے تم انہوں نے کہا جلا دو اسے اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر

بقول تمہارے غیر معمولی طاقتیں حاصل ہیں اور ابھی صحیح سلامت کھڑا ہے۔ اس کے سامنے میں نے سب بتوں کو توڑا۔ اس کی طاقتوں نے اپنا ردِ عمل کیوں نہیں دکھایا۔ یہ بے بس کھڑا رہا اور مجھے روک نہ سکا۔ یہ تمہاری حاجت روائی کیا کر سکتا ہے۔ پس اگر یہ مجھے روک نہیں سکا تو کم از کم اب مجھے تباہ ہی کر دے۔ تا کہ کچھ تو اس کی خدائی ثابت ہو۔

۶۵۔ **رجعوآ الٰی انفسهم**۔ اپنے نفسوں کی طرف لوٹے اور اپنے دلوں میں سوچا۔ یا یہ کہ اپنے سرداروں کی طرف لوٹے۔ یعنی سب نے مل کر اس معاملہ میں غور و فکر کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ زیادتیاں ان سرداروں سے ہوئیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان ضد اور تعصب سے بالا تر ہو کر سچے دل سے غور کرتا ہے تو ہمیشہ صحیح فیصلہ پر پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارا نہ رہا کہ زیادتیاں ان سردارانِ قوم سے ہوئیں جو پتھروں کو خدا بنا بیٹھے۔ یہ اس لئے کہا کہ مشرک بھی ایک خدا کو مانتے ہیں اور بتوں وغیرہ کو محض خدا تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

۶۶۔ لیکن افسوس سیدھے راستہ پر آتے آتے پھر اوندھے منہ گرے۔ اس لئے کہ اعترافِ توحید میں ان کے کئی مادی مفادات اور اجارہ داریوں پر چوٹ پڑتی تھی۔ بڑے بڑے معبدوں کے پجاری بنے بیٹھے تھے۔ عزت و احترام، بیش بہا تحائف اور نذر و نیاز سے تہی دست ہونا آسان نہ تھا۔ لہٰذا شرمندہ ہو کر کہنے لگے کہ تُو تو جانتا ہی ہے کہ یہ بولتے نہیں۔

۶۷۔۶۸۔ جب انہوں نے بتوں کے نہ بولنے کا اعتراف کر لیا تو حضرت ابراھیمؑ نے

كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٩﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا
ہو تم کرنے والے ہم نے کہا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ہے

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٧٠﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
ابراہیم پر اور ارادہ کیا انہوں نے ساتھ اسکے ایک تدبیر کا پس کر دیا ہم نے انہیں

الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧١﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ
ناکام اور نجات دی ہم نے اسے اور لوط کو طرف اس زمین کے کہ

شرک سے باز رکھنے کے لئے پھر آخری کوشش کی کہ جب تم خود تسلیم کرتے ہو کہ یہ کچھ کہنے یا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ یہ تمہیں کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں تو پھر خدائے قادر وتوانا کو چھوڑ کر کیوں ان بے جان پتھروں کو پوجتے ہو۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔

۶۹ تا ۷۱۔فطرتِ انسانی میں داخل ہے کہ انسان جب دلائل سے قائل نہیں کر سکتا اور عاجز آجاتا ہے۔تو دشمنی اور اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو بھی آپ کے خلاف مشتعل کیا گیا کہ بتوں کی مدد اور حفاظت کا یہی طریقہ ہے کہ ابراہیمؑ کو زندہ جلا دو۔ تا آئندہ کوئی بتوں کو نقصان پہنچانے کی جرأت نہ کر سکے۔چونکہ اس زمانہ میں اس قسم کے جرائم کی سزا زندہ جلا دینا تھی۔اس لئے ملکی قوانین کے مطابق آپ آتشِ نمرود میں ڈالے گئے۔جو حکمِ خداوندی سے ٹھنڈی ہو گئی۔یہ آگ خلاف توقع بارش سے ٹھنڈی ہوئی یا کسی اور الٰہی تدبیر سے لیکن یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا عظیم معجزہ تھا۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی ہر تدبیر کو ناکام کر کے انہیں خائب و خاسر کیا۔یہاں پھر آنحضرت ﷺ کی آپ سے مماثلت ہے۔اگر حضرت ابراہیمؑ کے لئے حقیقی آگ جلائی گئی جسے اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا کر دیا۔تو ہمارے پیارے ہادی ومقتداء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نارالحرب بھڑکائی گئی جسے اللہ نے بجھا دیا۔ (مائدہ:۶۵)

آپ ﷺ کے غلام حضرت مسیح موعود و مہدی مسعودؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہی الہام کیا اور آپ کے خلاف جلائی گئی ہر آگ کو بجھا دیا۔ایک موقع پر آپ نے فرمایا۔مجھے آگ سے مت ڈراؤ۔ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔(تذکرہ صفحہ۔ ۳۹۷) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ناچیز غلام مکرم مولوی رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشیا جن کے ہاتھ پر پانچ لاکھ افراد نے بیعت کی ، اللہ کا زندہ نشان تھے۔ان میں زیادہ تر وہی تھے جو آپ کے معجزات دیکھ کر احمدیت میں شامل ہوئے ۔ انڈونیشیا میں لکڑی کے سینکڑوں گھر تھے جن میں اچانک خوفناک آگ بھڑک اٹھی ۔

بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَ
برکت دی تھی ہم نے اس میں تمام دُنیا کے لیے اور بخشا ہم نے اسے اسحٰق اور

يَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ
یعقوب پوتا اور سب کو بنایا ہم نے نیک اور بنایا ہم نے انہیں

اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ
امام ہدایت دیتے تھے ساتھ حکم کے ہمارے اور وحی کی ہم نے طرف ان کی کرنے کی

تمام لوگ گھروں سے نکل گئے اور شور مچانے لگے کہ مولوی صاحب گھر سے نکل آؤ آگ آپ کو جلا کر بھسم کر دے گی۔مولوی صاحب نے نہایت اطمینان سے فرمایا کہ میں اُس کا غلام ہوں جس کے غلاموں کے لئے بھی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ ناممکن ہے کہ آگ مجھے یا میرے گھر کو جلا دے۔وہ مردِ خدا اس یقین کے ساتھ گھر میں بیٹھا رہا۔عین اس وقت جب آگ آپ کے گھر کی دیواروں کو چھو رہی تھی یکا یک موسلا دھار بارش برسنے لگی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے گھر کو بچا لیا۔آپ ہی کا ایک اور مشہور واقعہ ہے کہ ایک عورت اپنی بچی کو لے کر آئی جو گونگی تھی اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔ وہیں آپ نے دعا کی اور بچی بولنے لگی۔ **ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہِ من یشآءُ** ط۔(خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۱ جولائی ۲۰۰۰ء)

۷۲۔العالمین سے مراد اس وقت کی معلوم دنیا ہے جو نبی کی مخاطب تھی۔قوم کی ایذا رسانیوں سے بچ کر آپ حکم خداوندی سے ہجرت پر مجبور ہوئے۔چونکہ آپ کی قوم میں سے حضرت لوطؑ ہی آپ پر ایمان لائے تھے جو آپ کے بھتیجے تھے اس لئے آپ نے حضرت لوطؑ اور اپنی بیوی سارہ کے ساتھ شام اور فلسطین کی طرف ہجرت فرمائی جو دینی و دنیوی لحاظ سے دنیا کا بہترین علاقہ تھا۔دینی لحاظ سے اس لئے کہ انبیاءؑ کا مولد و مسکن اور مدفن ہے۔اس لئے بابرکت کہا۔ خانہ کعبہ کے لئے مبارک کا لفظ ہے جبکہ مکّہ کے لئے امن کی جگہ کہا۔حضرت ابراہیمؑ کی نسل جو اسحاقؑ سے ہوئی وہ ایک لمبے عرصہ تک یہیں رہی۔ بیشتر انبیاء علیہم السلام یہیں پیدا ہوئے۔ دنیوی لحاظ سے اس لئے کہ انتہائی زرخیز زمین ہے بہترین آب ہوا، پھلوں پھولوں چشموں اور باغات کی وجہ سے گویا جنت ارضی ہے۔

۷۳۔۷۴۔**نافلة۔ النفل**۔جو کسی کو دینا واجب اور ضروری تھا اس سے زیادہ دیا۔بیٹے کے بعد پوتا مزید انعام ہے اس لئے نافلہ کہا جاتا ہے۔**وھب**۔عطا کرنا یا بخشنا ہے۔یہاں مراد

اَلْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ ۚ وَکَانُوْا
نیکیاں اور قائم کرنے کی نماز اور دینے کی زکوٰۃ اور تھے وہ

لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۴﴾ۚۙ وَلُوْطًا اٰتَیْنٰہُ حُکْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰہُ
ہماری عبادت کرنے والے اور لوطؑ کو دیا ہم نے اسے حکم اور علم اور نجات دی ہم نے

مِنَ الْقَرْیَۃِ الَّتِیْ کَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّہُمْ
اسے اس بستی سے کہ تھی کرتی بدیاں یقیناً وہ

کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۵﴾ۙ وَاَدْخَلْنٰہُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ
تھے لوگ بُرے (اور) فاسق اور داخل کیا ہم نے اسے اپنی رحمت میں

اِنَّہٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۶﴾ؑ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ
یقیناً وہ نیکوں میں سے تھا اور ہم نے ہدایت دی نوحؑ کو جب پکارا اس نے پہلے سے

بشارت دینا ہے کیونکہ حضرت یعقوبؑ اپنے دادا حضرت ابراھیمؑ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔

ائِمّۃ۔امام کی جمع۔

فلسطین کی سرسبز و شاداب وادی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسحاقؑ جیسے بیٹے اور یعقوبؑ جیسے پوتے کی بشارت دی اب نسلِ ابراھیمی کے تمام انبیاء کو شامل کیا کہ وہ سب صالح اور اپنے زمانہ کے امام تھے۔جو اللہ کے حکم سے لوگوں کو ہدایت دیتے اور وحی الٰہی کے احکام کی بجا آوری کراتے۔جس میں نیک کام کرنے،نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم تھا۔فرمایا وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

۷۵۔۷۶۔ **حُکْمًا**۔عام معنی حکومت کے ہیں۔مراد حِکم۔دانائی۔فہم وفراست۔منصف و ماہر حاکم۔صحیح قوتِ فیصلہ۔حضرت ابراھیمؑ کو بیٹے اور پوتے سے پہلے بھتیجا بھی عطا کیا حضرت لوطؑ کے حالات کی تفصیل کے لئے (سورۃ الاعراف ۸۱ تا ۸۵۔سورۃ ھود ۷۱ تا ۸۴۔سورۃ الحجر ۵۲ تا ۷۸)

اللہ تعالیٰ اپنے انبیاءؑ کو علم وحکمت سے نوازتا ہے۔یعنی انہیں روحانی علوم اور معرفتِ الٰہی سے سرفراز فرماتا ہے۔ان کی بعثت کی غرض بندگانِ خدا کو اعتقاداتِ رزیلہ اور رسوم قبیحہ سے پاک کر کے اپنے ربّ کی غلامی میں لانا ہوتا ہے۔پس وہ ان کی روحانی تربیت کر کے انہیں مقام قربِ الٰہی تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔افسوس قوم لوطؑ بدعمل تھی۔حضرت لوطؑ کی دن رات کی کوششوں کے باوجود ایمان نہ لائی اور ہلاک کی گئی۔حضرت لوطؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ صالحین میں سے تھا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَنَجَّیْنٰہُ وَاَہْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ
پس قبول کرلی ہم نے اس کی (دُعا) پس نجات دی ہم نے اُسے اور اس کے گھر والوں کو گھبراہٹ

الْعَظِیْمِ ﴿۷۷﴾ۚ وَنَصَرْنٰہُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا
بڑی سے اور مدد دی ہم نے اسے بمقابل ان لوگوں کے جنہوں نے تکذیب کی

بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰہُمْ
آیات کی ہماری یقیناً وہ تھے لوگ بُرے پس غرق کردیا ہم نے انہیں

اَجْمَعِیْنَ ﴿۷۸﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ
سب کو اور (ہم نے ہدایت دی) داؤد اور سلیمان کو جب وہ دونوں فیصلہ کرتے تھے کھیتی کے متعلق

۷۷۔۷۸۔اس رکوع میں مزید کئی انبیاءؑ کی مثالوں سے یہی واضح کیا کہ کامیابی کی منزل پانے کے لئے ان سب کو شدید مصائب سے گزرنا پڑا۔حضرت نوحؑ کے واقعات کی تفصیل کے لئے (سورۃ الاعراف رکوع ۸ سورۃ ھود رکوع ۳و۴)

اب حضرت ابراھیمؑ سے قبل، پہلے صاحبِ شریعت نبی حضرت نوحؑ کا ذکر کیا۔بیشک آپ سے پہلے حضرت آدمؑ کو ابتدائی تمدنی اصولوں اور ابتدائی دینی علوم سے کسی حد تک آگاہ فرما دیا گیا تھا۔جن کی بنا پر حضرت نوحؑ کے زمانے تک کا انسان دماغی ارتقا کے اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ شریعت کا متحمل ہو سکتا۔نیز ایک متمدّن معاشرے میں جو گناہ جنم لیتے ہیں ان کی ابتدا بھی ہو چکی تھی۔پس ان برائیوں کی اصلاح اور لوگوں کو مزید روحانی ترقی سے ہمکنار کرنے کے لئے آپ مبعوث ہوئے۔آپ کے بعد آنے والے عظیم نبی حضرت ابراھیمؑ بھی آپ کی شریعت پر عمل پیرا تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے زمانہ کے نوح تھے اور نوحؑ والا پیغام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں بھی شامل تھا۔حضرت نوحؑ کی مسلسل کوشش اور دعاؤں کے باوجود یہ قوم ہدایت کی طرف مائل نہ ہوئی بلکہ آپ اور آپ کے متبعین پر شدائد و مصائب کی انتہا کر دی تو آپ نے سخت اضطراب میں اپنے ربّ کو پکارا انّی مغلوب فانتصر (القمر رکوع ۱) ایک نبی کا سب سے بڑا کرب یہی ہوتا ہے کہ جب بندگانِ خدا ہدایت پانے اور اپنے ربّ کو پہچاننے سے صاف انکار کر دیں۔آپ فراستِ نبوی سے جان چکے تھے کہ اب ان میں ہدایت پانے والا کوئی بھی نہیں۔نہ ان میں نہ ان کی نسلوں میں۔تب آپ نے اپنے ربّ کو پکارا **ربِّ لاتذر علی الارض من الکٰفرین دیارًا** ۔ (نوح رکوع ۲) پس آپ کی اس درد میں ڈوبی ہوئی پکار کو اللہ تعالیٰ نے سنا اور آپ کو کربِ عظیم سے نجات دی۔کربِ عظیم میں آپ کی تحقیر وتکذیب اور ان ایذا رسانیوں کی طرف اشارہ تھا جو طوفان سے پہلے

اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ

جبکہ چر گئیں اس میں بکریاں لوگوں کی اور تھے ہم بوقت ان کے حکم کے

شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا

موجود پس سمجھا دی ہم نے وہ بات سلیمان کو اور سب کو دیا ہم نے حکم

وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ

اور علم اور کام میں لگا دیا ہم نے ساتھ داؤد کے پہاڑ کو تسبیح کرتے تھے وہ اور

آپ کی قوم کی طرف سے آپ کو پہنچیں یا طوفان کی ہلاکت خیزیوں کی طرف اشارہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے متبعین کو بچا لیا۔

۷۹۔ **نفشت۔ نفش**۔ رات کے وقت اونٹ یا بکریوں کا کھیتی کو چر جانا جبکہ گڈریا یا رکھوالا ان کو روکنے والا نہ ہو۔ **غنم القوم**۔ قوم کی بھیڑ بکریاں۔ مراد عوام جنہیں بھیڑ بکریاں کہا جاتا ہے۔

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے انبیاءؑ جو ایک عظیم الشان سلطنت کے حکمران بھی تھے یقیناً بڑے بڑے اہم ملکی امور سرانجام دیتے ہوں گے۔ ان کی طرف مفسرین کا اس فیصلے کو منسوب کرنا کہ مالک کی غیر حاضری میں اس کی بکریاں رات کو کسی کے کھیت میں گھس گئیں تو مالک سے ساری بکریاں چھین کر کھیت کے مالک کو دے دیں۔ عقل و انصاف سے بعید ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس فیصلہ پر گواہ تھا یعنی اس کی رضا شامل تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اس ایک آیت میں ایک لمبے عرصہ کے واقعات کو استعارہ کی زبان میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں عمالقہ فلسطین پر قابض تھے۔ یہ ایک قدآور مضبوط اور جنگجو قوم تھی۔ حضرت موسیٰؑ کی ازحد کوشش کے باوجود بنی اسرائیل ان سے جنگ کے لئے تیار نہ ہوئے اور چالیس سال کا عرصہ صحرا نوردی میں گزارا۔ آخر حضرت یوشعؑ کے زمانہ میں فلسطین فتح ہوا مگر عمالقہ مکمل طور پر مطیع نہیں ہوئے اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ فلسطین پر قابض ہونے کے بعد بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں نے بارہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں جو اردگرد کے ان باغی قبائل سے برسرِ پیکار رہتیں۔ آخر قریباً چار سو سال بعد حضرت داؤدؑ ایک زبردست کمانڈر کے طور پر ابھرے۔ آپ کا صفاتی نام طالوت تھا جب نبوت و حکومت سے نوازے گئے تو داؤد کہلائے۔ آپ صاحبِ علم و حکمت ہونے کے علاوہ فنونِ حرب میں بھی ماہر تھے اور غیر معمولی عسکری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ کے زمانہ میں عمالقہ نے بنی اسرائیل

الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ

پرندوں کو اور تھے ہم کرنے والے اور سکھایا ہم نے اُسے بنانا زرہوں کا

کو ان کی ریاستوں سے قریباً بے دخل کر کے پہاڑوں پر پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے بنی اسرائیل کی متفرق ریاستوں کو اکٹھا کیا اور اردگرد کے تمام باغی قبائل کو شکست دے کر ایک مستحکم حکومت کی بنیاد رکھی۔ شکست خوردہ قبائل کے بچے کھچے لوگ چونکہ کسی نظام کے تحت نہیں تھے اس لئے شبخون مارتے اور ملک کو نقصان پہنچاتے۔ حضرت داؤدؑ نے ان لٹیروں سے کافی سخت رویہ اپنائے رکھا اور ان کو سخت سزائیں دیں۔ جو شروع میں ایک عظیم سلطنت کو مضبوط کرنے کے لئے ضروری تھیں۔ پس ایک قوم کی بکریوں سے مراد ہمسایہ قوم کے عوام تھے۔ کھیت سے مراد آپ کی سرزمین تھی جسے وہ نقصان پہنچاتے تھے کھیت کے مالک سے مراد خود حضرت داؤدؑ تھے۔

۸۰۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ فہم عطا فرمایا کہ نرم رویہ سے یہ عداوت دوستی میں بدل سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے ان ہمسایہ اقوام سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ان سے امن کے معاہدات کئے۔ اس طرح ان کے حملوں سے اپنے ملک کو بچا کر امن و امان قائم کیا اور اپنے حسن سلوک سے آہستہ آہستہ انہیں اپنے مذہب اور مملکت میں مدغم کر لیا۔ اس میں یہ سبق ہے کہ اگر عوام ایک مضبوط نظام کے تحت نہیں ہوں گے تو ایک دوسرے کے حقوق تلف ہوتے رہیں گے۔ **الجبال۔ الجبل** کی جمع ہے۔ پہاڑ۔ **الجبال** پہاڑی قومیں یا پہاڑی لوگ، قوم کا سردار اور عالم (تاج العروس)۔ **الطیر** پرندے۔ واحد **طائرؔ** ہے یعنی پرندہ۔ بلند خیال لوگ (غریب القرآن) روحانی لوگ۔ ایلچی۔ سواروں کی جماعت رسالہ فوج تیز رفتار گھوڑے (لسان العرب) **وکنّا فاعلین** ہر نبی کے لئے ہم ایسا ہی کرتے ہیں (رازی) یعنی اس کی ضروریات کے مطابق اس کی مدد کرتے ہیں۔

حضرت داؤدؑ کے لئے جبال اور طیور کے مسخر کرنے کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ہر انسان کے لئے زمین و آسمان کو مسخر کیا (الجاثیۃ رکوع ۲) یعنی وہ انسان کے ماتحت ہیں اور اسے فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ لیکن اپنی عقل وسعی سے ان کے فوائد کی کنہ تک پہنچنا اور ان سے پورا فائدہ حاصل کرنا ایک عقلمند انسان کا کام ہے۔ یہاں خاص طور پر حضرت داؤدؑ کے لئے جبال و طیور کے مسخر کرنے کا ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے علم و حکمت سے خاص طور پر ان سے فوائد حاصل کئے۔ (تفصیل کے لئے اگلی آیت ملاحظہ فرمائیں) اگر بطور استعارہ دیکھا جائے تو جبال سے مراد پہاڑوں جیسی مضبوط اور قدآور شخصیتیں یا مضبوط پہاڑی اقوام ہیں جنہیں

آپ نے اپنے ماتحت کیا اور ان سے فوائد حاصل کیے۔ یہ ارد گرد کے وہ باغی قبائلی سردار تھے جنہیں حضرت داوٗدؑ نے اپنی سلطنت اور مذہب میں شامل کیا۔ آپ پر ایمان لانے والے خاص نیک فطرت مومنین کو طیور کے نام سے پکارا۔ اس لئے کہ وہ زمینی مخلوق نہیں تھے۔ ان کی پروازیں اور نظریں آسمانوں پر تھیں اور وہ اپنے ربّ سے تعلق باندھے ہوئے تھے۔ پس ایسے روحانی طیور بھی آپ کی سلطنت میں شامل ہوئے جو اپنے روحانی فیوض سے اس سلطنت کے استحکام کا باعث ہوئے۔ نیز طیور سے مراد وہ تیز رفتار فوجی دستے بھی تھے جو برق رفتار گھوڑوں پر سوار دور دور کی خبریں لاتے تھے۔

ہر چیز کا تسبیح کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ اپنے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں مصروف ہونا ہے۔ یہاں تسبیح کرنے سے مراد ان قوموں کا دائرہ اسلام میں داخل ہونا اور اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز ہونا ہے اگر ظاہری طور پر دیکھا جائے تو آج سائنسدان نباتات اور جمادات میں بھی کسی حد تک حیات و شعور تسلیم کرتے ہیں۔ نباتات میں تو جو زندگی اور شعور ظاہر ہے اس سے کوئی باشعور انکار نہیں کر سکتا۔ سورج مکھی کا پھول سورج کے ساتھ ساتھ رخ بدلتا ہے۔ چھوئی موئی کا پودا ہاتھ لگاتے ہی سمٹ جاتا ہے۔ Sundews کے پھول بھنورے، مکھی یا تتلی وغیرہ کے بیٹھتے ہی بند ہو جاتے ہیں اور یہ جانور آہستہ آہستہ تحلیل ہو کر ان پودوں کی خوراک بنتے ہیں۔ جمادات میں زندگی اس طرح ثابت ہے کہ نباتات اور جمادات کی بنیادی اکائی (Atom) میں وہی نظام ہے جو جانداروں میں اور کائنات کے ہر ذرے میں ہے۔ خواہ زندہ ہو یا بظاہر بے جان۔ خوردبین سے ایٹم کی ترکیب پر غور کریں تو ہر قسم کے جواہر کی ترکیب منفیوں سے ہوتی ہے۔ ہر دو منفیوں کے درمیان خالی جگہ ہے۔ جہاں منفیہ حرکت کرتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز انہیں زندہ و متحرک ذرات کا مجموعہ ہے۔ پہاڑوں کے ہر ذرے میں متحرک ذرات اتنی تیز رفتاری سے گردش کر رہے ہیں کہ ایک عام انسان ان کا تصور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایک منفیے کی رفتار عام حالات میں قریباً پانچ ہزار میل فی سیکنڈ شمار کی گئی ہے گرم ہونے کی صورت میں یہ رفتار بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہم ان پہاڑوں کو بے جان کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اگر حرکت ہی کا نام زندگی ہے تو یقیناً ان میں کسی نہ کسی حد تک جان اور شعور ہے خواہ وہ انتہائی مدھم ہو۔ غرض جبال و طیور بھی اپنے انداز سے جو خالق نے ان کو ودیعت کیا ہے تسبیح کرتے ہیں اور اپنے ربّ کی عطا کردہ صلاحیتوں سے سر مو تفاوت نہیں کرتے۔ پس ان کے اپنے ہی تسبیح کے رنگ ہیں جنہیں انسان نہیں سمجھ سکتا۔

لَکُمْ لِتُحْصِنَکُمْ مِّنْۢ بَاْسِکُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

تمہارے لیے تاکہ بچا دیں تم کو | جنگ سے تمہاری | پس کیا | تم | شکر کرنے والے ہو

۸۱۔ لبوس کے معنی کپڑے کے بھی ہیں ہتھیار کے بھی۔ لباس کی صورت میں مذکر ہوتا ہے۔ جب مراد زرہ ہو (زرہ فولاد کا جالی دار کرتہ ہے جو لڑائی میں پہنتے ہیں) تو مونث لایا جاتا ہے۔ (لسان العرب)

حضرت داوٗدؑ سے پہلے لوہے کا استعمال نہایت محدود پیمانے پر تھا اور بنی اسرائیل اس فن سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ حالانکہ فلسطین کی جنوبی پہاڑیوں میں خام لوہا بکثرت پایا جاتا ہے۔ پہاڑوں کو مسخر کرنے میں یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ کے زمانے میں کان کنی کے شعبے میں خاص ترقی ہوئی ہو اور دیگر دھاتوں کے علاوہ لوہا بڑی مقدار میں نکالا گیا ہو جس سے اس کی افادیت کا علم ہوا اور جنگی ساز و سامان خاص طور پر زرہ بکتر بنانا ممکن ہوا۔ سورۃ سبا آیت:۱۱و۱۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کیا یعنی اسے پگھلانے کا فن سکھایا۔ اور کہا پورے سائز کی زرہیں بناؤ اور ان کے (حلقے) جوڑنے میں اندازہ رکھو۔ پس آپ نے لوہے کی صنعت کو خاص طور پر جنگی اغراض کے لئے استعمال کیا اور دیگر جنگی ساز و سامان کے علاوہ زرہیں بنانے کا جدید طریقہ ایجاد کیا۔ قبل ازیں لوہے کی پلیٹ کی شکل کی بوجھل زرہیں بنائی جاتی تھیں جن سے نقل و حرکت بہت مشکل تھی۔ پھر فوج کو ان آہنی ہتھیاروں سے لیس کر کے ارد گرد کے قبائل کو شکست دی جو بنی اسرائیل سے برسر پیکار رہتے تھے۔ آپ پہلے یہودی حکمران تھے جس نے اپنی قوم کے علاوہ دوسری اقوام پر بھی حکومت کی۔ اس طرح اسرائیلی سلطنت کو فلسطین، شرقِ اردن اور شام کے کچھ علاقوں تک وسیع کیا۔ فلسطین میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی میں لوہا پگھلانے کی قریباً ایک ہزار سال قبل مسیح کی بھٹیاں دریافت ہوئی ہیں۔ جو حضرت داوٗدؑ کا زمانہ تھا۔ ان دو آیات (آیت ۸۰ و ۸۱) میں حضرت داوٗدؑ پر اللہ تعالیٰ کے تین خاص انعامات کا ذکر کیا۔ آپ کی زندگی جنگوں میں گزری اس لئے آپ نے پہاڑوں سے خاطر خواہ فوائد حاصل کئے۔ معدنیات میں خصوصاً لوہے پر دسترس حاصل کی اور اس سے جنگی ہتھیار وغیرہ تیار کروائے۔ طیر سے مراد پیغام رسانی بھی ہے۔ غالباً پیغام رسانی کے لئے طیور کو سدھانے کا کام آپ کے زمانہ میں شروع ہوا اور آپ نے پرندوں سے نامہ بری کا کام لیا۔ جس سے آپ کی بعض جنگی ضروریات پوری ہوئیں۔ طیر سے مراد سواروں کی برق رفتار جماعت بھی ہے۔ پس رسالہ فوج کو بھی شروع میں آپ ہی نے ترتیب دیا۔ تیسرا اپنی فوج کی حفاظت کے لئے

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى
اور (ہم نے کام میں لگا دی) سلیمان کیلئے ہوا تیز چلتی تھی ساتھ اسکے حکم کے طرف
الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۸۲
اس زمین کے کہ برکت دی تھی ہم نے جس میں اور ہیں ہم ہر چیز کو جاننے والے

جدید قسم کا زرہ بکتر ایجاد کیا جس کے حلقے چھوٹے رکھے گئے۔ ہلکا ہونے کی وجہ سے نقل وحرکت میں ممد ثابت ہوئی۔

۸۲۔عاصفۃ۔(عصف)۔تیز چلنے والی۔

حضرت داؤدؑ کا زمانہ جنگوں کا زمانہ تھا۔سامان حرب سے لیس فوجوں کی وجہ سے چاروں طرف آپ کا رعب و دبدبہ تھا۔ جب حضرت سلیمانؑ نے عنانِ حکومت سنبھالی تو یہ جنگجو قومیں مطیع ہو چکی تھیں۔مزید سختی کی ضرورت نہیں تھی۔پس آپ نے اپنی صلح جو طبیعت کی وجہ سے ہمسایہ ممالک سے نہایت اچھے تعلقات استوار کئے۔ اس طرح اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ہر طرف امن و امان کی فضا قائم ہوگئی۔ پہاڑ معدنیات کے خزینے اُگل رہے تھے۔لوہے کی بہتات سے جہاز رانی کی صنعت کو فروغ حاصل ہُوا۔ حضرت سلیمانؑ کی حکمت اور دانشمندی سے عظیم الشان بحری بیڑے تشکیل پائے اور بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع ہُوا۔ اس زمانے میں چپوؤں سے کھینے والی کشتیاں ہوتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بادبانی کشتیوں کا راز سمجھایا۔ جن کا انحصار ہواؤں پر تھا اگر ہوائیں موافق مل گئیں تو منزل پر پہنچنا ممکن تھا ورنہ راستے میں بحری طوفانوں کی نظر ہو جاتے۔حضرت سلیمانؑ پر خدا تعالیٰ کا خاص فضل و احسان تھا کہ انہیں ہمیشہ ہوائیں موافق ملتیں اور آپ کے بیڑے ایک ایک ماہ تک کے سفر بھی نہایت سرعت اور سہولت سے کرتے۔(تشریح کے لئے سورۃ سبا:۱۳)

یہاں خاص طور پر ان ہواؤں کا ذکر ہے جو فلسطین کی طرف چلتی تھیں۔گویا آپ کی بادبانی کشتیاں اوپر کے علاقوں سے سامان لے کر نیچے فلسطین کی طرف آتیں تو انہیں ہوائیں موافق ملتیں۔یعنی ہواؤں کا رخ بھی شمالاً جنوباً ہوتا۔ ممکن ہے آپ کو ہواؤں کے رخ وغیرہ کا علم وحی الٰہی سے دیا گیا ہو۔یا اپنی خدا داد حکمت و فراست کی وجہ سے آپ کو کوئی ایسا فنی نکتہ (Technique) سمجھ آ گیا ہو کہ اپنی بادبانی کشتیوں کو ہوا کے رخ پر لے جاتے ہوں۔مثلاً خاص موسم یا خاص تاریخوں میں ہواؤں کا رخ معلوم ہو جاتا کہ ان دنوں میں ہوائیں ہمیشہ ایک سمت میں چلتی ہوں۔یا

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا
اور بعض سرکش وہ تھے جو غوطے لگاتے تھے اس کے لیے اور کرتے تھے کام
دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۸۳ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى
سوائے اس کے اور تھے ہم ان کی حفاظت کرنے والے اور (ہم نے ہدایت دی) ایوب کو جب اس نے پکارا

بعض ایسے بحری راستوں کا علم ہو گیا ہو جہاں ہوائیں ہمیشہ ایک خاص رخ پر چلتی ہوں۔ واللّٰہ اعلم بالصّواب۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ خلیج فارس سے جہاز ہندوستان کی چیزیں شام تک لے جاتے۔ یورپ اور افریقہ کے اسباب بحیرہ روم کے ذریعہ پہنچتے۔ حبش، سمالی لینڈ، یمن اور جزائر کی چیزیں بحیرہ قلزم کے ذریعہ پہنچتی تھیں۔غرض تینوں طرف سے بحری سفر ہوتا۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۹جون ۱۹۰۱ء) اس بحری تجارت کی وجہ سے ملک میں سونے اور دولت کی ریل پیل ہوئی اور ملک اقتصادی طور پر بے حد خوشحال ہوگیا۔ بنی اسرائیل میں اس پائے اور اس شان و شوکت کا کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔

۸۳۔الشیطان۔سرکش انسان (اقرب) ماہر اور اعلیٰ کاریگر کو شیطان اور جنّ سے تشبیہ دے دیتے ہیں (اقرب) غوص۔غوطہ لگا کر کسی چیز کو نکال لانا۔

کچھ قومیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں مغلوب کرنا آسان نہیں ہوتا اگر مغلوب ہو بھی جائیں تو ہمیشہ سر اٹھاتی رہتی ہیں۔ حضرت یوشعؑ کی قیادت میں جب بنی اسرائیل نے فلسطین پر قبضہ کیا تو انہیں کچھ ایسی ہی قوموں سے واسطہ پڑا۔یہ طویل القامت اور قوی الجثہ لوگ شکست کھا کر ارد گرد پھیل گئے۔ لیکن بنی اسرائیل سے ہمیشہ برسر پیکار رہے یہ عمالقہ قوم سے تھے۔ بنی اسرائیل سے زیادہ جفاکش ہنر مند اور کسی حد تک لوہے کی صنعت سے واقف تھے لیکن اس راز کو بہت خفیہ رکھا ہُوا تھا۔ انہوں نے حضرت طالوتؑ (جو حضرت داؤدؑ کا ہی صفاتی نام تھا) سے پہلے اپنے آہنی ہتھیاروں کی مدد سے بنی اسرائیل کو پے در پے شکست دے کر فلسطین سے قریباً بے دخل کر دیا تھا۔(یشوع ۱۶:۱۷۔قضاۃ:۱۹) لیکن اس کے جلد بعد ہی حضرت داؤدؑ نے حکمِ الٰہی سے آہن سازی کی صنعت میں غیر معمولی ترقی کی۔خاص تائیدِ ایزدی اور جدید سامانِ حرب کی وجہ سے انہیں مغلوب کر کے بنی اسرائیل کی عظیم سلطنت قائم کر دی۔ یہاں شیاطین سے مراد انہی مغلوب قبائل کے باغیانہ طبیعت لوگ تھے جو خلیج فارس کے ساحلی علاقوں بحرین اور مسقط وغیرہ میں اقامت پذیر تھے۔ان میں سے

رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٨٤﴾

اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے تکلیف اور تو زیادہ رحم کرنیوالا ہے تمام رحم کرنے والوں سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ

پس قبول کرلی ہم نے اس کی (دعا) پس دور کردی ہم نے جو تھی اسے تکلیف اور دیئے ہم نے اُسے

اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى

گھر والے اس کے اور مانند ان کی ساتھ ان کے رحم سے اپنے پاس سے اور نصیحت کیلئے

لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ

واسطے عبادت کرنیوالوں کے اور (ہم نے ہدایت دی) اسمٰعیل کو اور ادریس اور ذوالکفل کو سب

بعض کو قید کرا کے کام لیا جاتا (سورۃ ص ۳۹) یہ غوطہ خوری میں ماہر تھے۔ اس لئے حضرت سلیمانؑ کے لئے سمندر سے موتی وغیرہ نکالنے اور دیگر کئی اہم کاموں پر مامور تھے۔ آج بھی یہ علاقہ موتیوں کے لئے مشہور ہے۔ خلیج عقبہ سے قیمتی گھونگھے اور موتی نکلتے ہیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں فرماتے ہیں کہ **کُنَّا لھم حافظین** میں بتلایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت شاملِ حال نہ ہوتی تو ان زبردست غوطہ خوروں کے لئے بھی سمندر کی تہ سے موتی وغیرہ نکالنے ممکن نہیں تھے۔ اس زمانہ میں غوطہ خوری کے خاص لباس ایجاد نہیں ہوئے تھے۔ عام حالات میں بیس میٹر کی گہرائی تک جا کر ابھریں تو چھاتی پھٹ جاتی ہے۔ فرمایا ہم ان کی حفاظت کرتے تھے۔ یعنی ہم نے انہیں ایسا علم وفہم عطا کر دیا تھا اور انہیں ان باریک تکنیکی علوم سے واقفیت تھی جس کی بنا پر سمندر کے نیچے جانے میں انہیں خطرہ نہیں تھا۔ یہاں صاف بتا دیا کہ یہ انسان ہی تھے ورنہ ظاہری شیطانوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نہیں کرتا اور نہ انہیں ضرورت ہوتی ہے۔

۸۴۔۸۵۔ فرمایا ہم نے حضرت ایوبؑ کو بھی پیغمبرانہ علم و حکمت سے نوازا۔ یہ روایات ''سفر ایوب'' سے لی گئی ہیں جو مجموعۂ توریت کا ایک جز ہے۔ اندازہ ہے کہ آپ ابتدائی اسرائیلی انبیاء میں سے تھے۔ اور حضرت موسیٰؑ سے قریباً دو سو سال قبل مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ آپ کو بے حد مال و دولت، عز و حشم اور ہر قسم کی دنیوی نعمتوں سے نوازا۔ (سورۃ ص میں آپ کے واقعات کی کچھ تفصیل بیان کی جائے گی) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے سخت آزمائشیں اور بلائیں انبیاء علیہم السلام کو پیش آتی ہیں۔ اس کے بعد دوسرے صالحین کو درجہ بدرجہ۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا۔ مال و اسباب، گھر بار، جائیداد اور زمینیں سب کچھ آپ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اہل وعیال بچھڑ گئے اور آپ کو شدید قسم کا کوئی جلدی

مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ

صبر کرنیوالوں میں سے تھے اور داخل کیا تھا ہم نے انہیں اپنی رحمت میں یقیناً وہ

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا

نیکوں میں سے تھے اور مچھلی والے کو جبکہ وہ گیا غصہ ہو کر

مرض لاحق ہو گیا۔ جس سے آپ شدید جسمانی تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ آزمائش کا لمبا عرصہ جو کئی سالوں پر محیط تھا آپ نے ذکر الٰہی، صبر وشکر اور عبادتِ الٰہی میں گزارا۔ نہایت الحاح سے اپنے ربّ کے حضور دعائیں کرتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی درد میں ڈوبی ہوئی دعاؤں کو سُنا اور آپ کو بیماری سے شفا دی۔ آپ کے بچھڑے ہوئے اہل وعیال کو آپ سے ملا دیا۔ بلکہ اپنی رحمت سے ویسی ہی مزید نعمتوں سے بھی نوازا۔ ان مصائب و شدائد میں جس صبر کا نمونہ آپ نے دِکھلایا وہ عبادتگزاروں کے لئے ایک مثال ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ دنیوی نعمتوں سے بھی محروم نہیں کرتا۔

۸۶۔۸۷۔ اب ان انبیاءؑ کا ذکر کیا جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں حضرت ایوبؑ کی طرح صبر میں کمال دکھایا۔ ان میں سب سے اعلیٰ مقام حضرت اسمٰعیلؑ کا تھا جنہوں نے اپنے وطن اور والد سے الگ عرب کے بے آب و گیاہ صحراؤں میں زندگی گزاری اور بچپن میں ہی صبر کا اعلیٰ ترین نمونہ دکھایا جب اپنے ربّ کی رضا کی خاطر جان تک قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ حضرت ادریسؑ یعنی ایلیاؑ کے بارے میں تفصیل (سورہ مریم: ۵۷ میں) گزر چکی ہے۔ مفسرین نے **ذو الکفل** سے مراد حزقیل نبی لیا ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے چار عظیم نبیوں میں سے ایک تھے۔ آپ ۶۲۲ ق م یروشلم کے ایک دیندار گھرانے میں پیدا ہوئے ابتدائی عمر بیت المقدس میں دینی تعلیم حاصل کرنے اور عبادتِ الٰہی میں گزری۔ تیس سال کی عمر میں منصب نبوت سے نوازے گئے۔ آپ کی کتاب میں اڑتالیس ۴۸ باب ہیں۔ اس میں آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا کچھ حصہ آج بھی موجود ہے (انسائیکلو پیڈیا ببلیکا ص ۱۴۵۶ تا ۱۴۵۸) آپ نے توحید کی تعلیم دی اور اپنی قوم کو آنے والی تباہی سے بار بار خبردار کیا۔ لیکن قوم نے کان نہ دھرا۔ آخر بخت نصر یروشلم کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کے ساتھ آپ کو بھی قید کر کے بابل لے گیا۔ آپ نے سخت ترین مصائب کا زمانہ گزارا آپ کی کتاب میں قید کا مفصل ذکر ہے۔ آپ کے نزدیک یہود پر یہ آفت شرک اور ان کی بد اعمالیوں کا نتیجہ تھی۔ آپ نے یروشلم کے دوبارہ آباد ہونے اور بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر کی پیشگوئیاں فرمائیں باب ۳۷

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ

پس اس نے خیال کیا کہ ہرگز نہ تنگی کریں گے ہم اس پر پس پکارا اس نے اندھیروں میں

لَّآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

کہ نہیں کوئی خدا سوائے تیرے پاک ہے تو یقیناً ہوں میں ظالموں میں سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذٰلِكَ نُـْجِى

پس قبول کرلی ہم نے اسکی (دُعا) اور نجات دی ہم نے اُسے غم سے اور اسی طرح نجات دیتے ہیں ہم

آیت ۱ تا ۱۴ میں آپ نے اپنے اس خواب کا ذکر کیا جو بنی اسرائیل کے دوبارہ زندہ کئے جانے کے بارہ میں تھا۔ اسی خواب کا ذکر سورۃ البقرۃ:۲۶۰ میں ہے۔آپ نے باب ۳۸،۳۹ میں یاجوج و ماجوج کی خبر دی آپ نے روس کو یاجوج اور انگلستان کو ماجوج قرار دیا۔ (حزقیل باب ۳۹) اور بتایا کہ وہ دنیا پر چھا جائیں گے لیکن آخر اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دے گا۔ آپ نے جلاوطنی کے دوران باون سال کی عمر میں وفات پائی۔ کِفل کے مقام پر آپ کی قبر مسلمانوں اور یہودیوں کی زیارت گاہ ہے۔ اس جگہ کا نام کِفل ہونا ثابت کرتا ہے کہ آپ ہی **ذو الکِفل** تھے۔آپ کے بعد یہود ظاہری شرک میں پھر کبھی ملوث نہیں ہوئے۔بعض نے **ذوالکفل** مہاتما گوتم بدھ کو کہا ہے جن کا نام ستیارتھ تھا وہ شمالی ہندوستان میں کپل وستو کے مقام میں قریباً چھ سو سال قبل مسیح ایک راجہ کے گھر پیدا ہوئے۔عربی میں ''پ'' ''ف'' سے بدل جاتی ہے۔ **ذو** بمعنی وستو ہے۔آپ کی زندگی بھی دکھوں سے عبارت تھی۔مہاتما گوتم بدھ کی کتاب ''تری پٹک'' آج بھی موجود ہے۔ یہ بدھوں کی شریعت کی کتاب ہے اور بدھ مت کا بنیادی مذہبی لٹریچر ہے۔اس میں مہاتمابدھ کے حالاتِ زندگی درج ہیں کہ آپ نے زندگی کے تمام علائق سے منہ موڑ کر سنیاس دھارا اور اپنے رب کو پانے کے لئے شدید مجاہدات کئے اور آخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ آپ کی تعلیم حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم سے بہت ملتی جلتی ہے۔اس کتاب میں آپ نے ہندوؤں کے عقیدہ اواگون (یعنی انسان کا بار بار مختلف شکلوں میں جنم لینا) کی سخت مخالفت کی۔آپ بت پرستی کے سخت مخالف تھے۔آپ کی نرمی پر مشتمل سیدھی سادھی تعلیم تیزی سے پھیلی۔آپ کے بھکشوؤں نے بدھ مت کو تمام معلوم دنیا میں پھیلا دیا۔ آج دنیا میں عیسائیوں کے بعد سب سے زیادہ تعداد بدھ مت کے پیروؤں کی ہے جو زیادہ تر چین، جاپان، نیپال، سری لنکا اور دیگر کئی ممالک میں آباد ہیں۔

۸۸-۸۹۔سورۃ یونس:۹۹ میں اس واقعہ کی تفصیل گزر چکی ہے۔

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ

ایمانداروں کو اور ذکریا کو جب پکارا اس نے اپنے رب کو اے میرے رب نہ چھوڑ مجھے

فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَ

اکیلا اور تو بہتر ہے تمام وارثوں سے پس قبول کرلی ہم نے اس کی (دعا) اور

قوم کو ہلاکت کی خبر دے کر حضرت یونسؑ سنتِ انبیاء کے مطابق اس شہر سے نکل گئے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ عذابِ الٰہی سے پہلے قوم سخت ڈری، روزہ کی منادی کی۔چھوٹے بڑے سب ٹاٹ پہن کر میدان میں نکل آئے۔ ہر انسان اور جانور کے بچے کو اس کی ماں سے الگ کر دیا۔ اس مفارقت سے چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ مرد و زن نے سخت گریہ و زاری کی۔قیامت کا شور برپا ہو گیا۔سب نے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اس عذاب کو ٹالنے کی دعائیں کیں۔تب رحیم خدا نے جس کی رحمت اس کے غضب پر بھاری ہے ان کی تضرع کو قبول فرمایا اور ان کا یہ حالِ زار دیکھ کر انہیں معاف فرما دیا اور عذاب کو ٹال دیا۔حضرت یونسؑ کو قوم کی توبہ کی خبر نہیں تھی۔آپ نے بلااذنِ الٰہی اس خیال سے ہجرت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہرگز آپ پر تنگی نہیں کرے گا۔یعنی آپ کو ہجرت کی وجہ سے کوئی مواخذہ یا گرفت نہیں ہو گی۔آپ کے غصہ کی وجہ قوم کی حد سے بڑھی ہوئی نافرمانی تھی۔جس کی وجہ سے عذاب کے مستحق ٹھہرے لیکن توبہ سے اللہ تعالیٰ نے [illegible] عذاب کو ٹال دیا۔ آپ کی دعا میں قبولیتِ دعا کا گر بتایا کہ جنابِ الٰہی میں اپنی گزارشات پیش کرنے سے پہلے تسبیح و تحمید اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف قبولیتِ دعا کے لئے ازبس ضروری ہے۔ظلمات سے مراد بحرِ زخار کی تاریکیاں، مچھلی کے پیٹ کی تاریکی اور قلبی ہم و غم ہے۔ **کذٰلک ننجی المُومنین** میں ہر مومن کو بشارت ہے کہ جو بھی کسی مشکل میں یونسؑ کی طرح صدقِ دل سے اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنے ربّ کو پکارے گا۔اسی طرح رنج و غم سے نجات پائے گا۔حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو مومن مشکلات میں یا اپنے کسی خاص مقصد کے لئے حضرت یونسؑ کی یہ دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا ہے (احمد۔ترمذی) بہتر ہے کہ یہ دعا **لآ الٰـــہ** سے **المومنین** ٥ تک مانگی جائے۔اگر اس دعا کو **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم یا حیُّ یا قیّوم برحمتکَ استغیث**۔ سے شروع کیا جائے۔تو اللہ تبارک و تعالیٰ بہت جلد مشکلات سے نجات دیتا ہے۔ صبح و شام کم از کم گیارہ مرتبہ پڑھے۔ ہر دعا سے پہلے اور بعد سورۃ فاتحہ اور درود شریف پڑھنا بھی قبولیت دعا کا ضامن ہے۔بہتر ہے درود شریف ۱۱ مرتبہ پڑھا جائے۔

وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ
عطا کیا ہم نے اسے یحیٰی اور درست کر دی ہم نے اس کے لیے بیوی اس کی یقیناً وہ

كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا
تھے جلدی کرتے نیکیوں میں اور پکارتے ہمیں رغبت

وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ
اور ڈر سے اور تھے وہ ہم سے ڈرنے والے اور وہ عورت جس نے حفاظت کی

فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَ
شرمگاہ اپنی پس پھونکی ہم نے اس میں روح اپنی اور بنایا ہم نے اسے اور

ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً
بیٹے کو اس کے نشان تمام دنیا کے لیے یقیناً یہ اُمت تمہاری اُمت

۹۰-۹۱۔ حضرت زکریاؑ کے واقعات تفصیلاً (سورۃ ال عمران ۳۸ تا ۴۲ ۔سورۃ مریم ۳ تا ۱۲ میں) گزر چکے ہیں۔

یہاں دعا مانگنے کا صحیح طریق بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی متعلقہ صفات کو جوش میں لایا جائے۔ حضرت زکریاؑ وارث کے لئے دعا مانگتے ہیں تو عرض کرتے ہیں کہ **خیرالوٰرثین** تو تیری ذات ہی ہے۔ پس تو اپنی بقا کا پرتو مجھ پر ڈال اور مجھے ایسی صالح اولاد عطا فرما جو میرے بعد میرے مشن کو زندہ رکھے۔ ورنہ انبیاءؑ کو دنیوی معاملات میں وارثوں کی ضرورت نہیں ہوتی کہ ہمارے نام کو زندہ رکھیں۔

حضرت مصلح موعودؓ اس دعا کو محض اولاد کے لئے مخصوص نہیں فرماتے تھے۔ یہ ہر قسم کے مصائب میں مانگی جانے والی دعا ہے کہ اے میرے ربّ! مجھے اکیلا نہ چھوڑیو۔ فرمایا ہم نے گروہ انبیاء کو تمام مصائب سے نجات دے کر ان پر یہ احسان اس لئے کئے کہ وہ سب بنی نوع انسان کی بھلائی کے کاموں میں تیزی سے آگے بڑھتے تھے۔ وہ بیم و رجا سے ہمیں پکارتے تھے۔ گویا بوقت دعا انعامات کی رغبت اور امید بھی ہوتی تھی اور اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ڈر اور خوف بھی ہوتا تھا اور یہ سب ہمارے حضور عاجزی کرنے والے تھے۔

۹۲۔ اس گروہِ صالحین میں جو اللہ کے عاجز اور مقرب بندے تھے، حضرت مریمؑ بھی تھیں جنہیں یہ مقام اپنی پاکدامنی کی وجہ سے عطا ہوا۔ یہ آپ کی پاکدامنی کا اعزاز ہی تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسے مقدس وجود سے نوازی گئیں اور ایک نبی کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حقیقت تو

یہ ہے کہ حضرت مریمؑ اپنی عصمت بچانے میں سخت ابتلاؤں سے گزریں۔ آپ کے حجرے کے چاروں طرف اوباش فریسیوں کے خلوت خانے اور حجرے تھے جو اپنی قوم میں معزز ترین سمجھے جاتے تھے۔ اس اخلاق باختہ گروہ کے سامنے جب ایک زانیہ کو سنگسار کرنے کے لئے لایا گیا اور کہا کہ جس نے یہ فعل نہ کیا ہو وہ پہلا پتھر مارے تو ان میں سے کوئی آگے نہ آیا۔ ان بدکردار فقیہوں کے زیرِ نگیں ایک اکیلی حسین لڑکی کا اپنے حجرے میں ہمہ وقت عبادت و ریاضت اور اپنے ربّ سے راز و نیاز میں مشغول رہنا اور ان بھیڑیوں کے درمیان اپنی عصمت کو بچائے رکھنا، آپ کے تقویٰ و طہارت اور اللہ تعالیٰ کے آپ پر خاص فضل و احسان سے ہی ممکن تھا ورنہ ظاہر ہے کہ ہیکل کی نذر ایک حسین جوان لڑکی کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے ان دین کے ٹھیکیداروں نے کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال نہ کیئے ہوں گے۔ ان حالات کا علم ہونے پر ہی مسیح جیسے حلیم الطبع انسان نے انہیں اے بدکارو، سانپو، سانپ کے بچو اور ملعونو کہہ کر مخاطب کیا۔ (از مضامین حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیلؓ صفحہ ۹۲۶) حضرت مریمؑ کے حالات تفصیلاً (ال عمران ۳۶ تا ۴۸ اور سورۃ مریم ۱۷ تا ۳۰ میں) گزر چکے ہیں۔ یہاں حضرت زکریاؑ کے بعد آپ کے ذکر میں یہ سرّ تھا کہ دونوں کو ان حالات میں اولاد ہونا بظاہر ناممکن تھا۔ یہود کے گھناؤنے الزامات کی وجہ سے قرآنِ کریم نے بار بار حضرت مریمؑ کی پاکدامنی کا ذکر کیا اس لئے کہ مقربین الٰہی کے لئے ظاہری پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ تا لوگوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے اور وہ ان کی اتباع سے اعلیٰ ترین مقام حاصل کر سکیں۔ حضرت مریمؑ میں نفخ روح سے مراد نزولِ وحی ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کے لئے فرمایا **نفخت فیہ من روحی** (سورۃ صٓ ۳۸: ۷۳) اگر اس سے مراد روح القدس لیا جائے تو آپ کے اندر قدوسیت اور پاکیزگی کی روح پھونکی جو ایک پاک بیٹے میں متشکل ہوئی۔ اس صورت میں بھی حضرت عیسیٰؑ کی اس میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں کہ انہیں اُلوہیت میں شریک کیا جائے۔ راستباز والدین کی صالح اولاد نفخ روح القدس سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ بدکار اور گنہگار والدین کی بداولاد بھی نیک فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ لیکن والدین کی غلط تربیت، غلط صحبت اور ماحول اسے شیطانی راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ نیک فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں (مسلم کتاب القدر باب کل مولود یولد علی الفطرۃ بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے میں یہ سرّ تھا کہ اب بنی اسرائیل میں کوئی ایک مرد بھی پاکیزگی کے اس مقام پر نہیں کہ ایک نبی کا باپ بن سکے۔ ہاں ایک عورت ایسی پاکباز ضرور

وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ

ایک ہے اور میں رب ہوں تمہارا پس عبادت کرو میری اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا انہوں نے اپنے معاملہ

بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ ع ۶ ۱۴ ۶

آپس میں سب طرف ہماری لوٹنے والے ہیں پس جو کرے گا

تھی۔حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ دنیا کے لئے بطور نشان تھے۔کیونکہ ان دونوں کے بعد بنی اسرائیل میں نہ اس پائے کی پاکدامن ملہمہ عورت ہوئی اور نہ کوئی مرد نبوت کا اہل ٹھہرا۔آپ کا اٰیۃ ہونا آپ کے لئے وجہ افتخار ضرور ہے۔لیکن آپ کو الوہیت میں شریک نہیں کرتا۔قرآنِ کریم کے ہر جملے کو اٰیۃ کہا گیا ہے۔جب کوئی قوم اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے انعام یعنی نبوت سے محروم ہو جاتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰؑ کے بعد ہمیشہ کے لئے نبوت سے محروم ہو گئے اور یہ نعمت الٰہی نوشتوں کے مطابق ان کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں منتقل ہو گئی۔

۹۳۔بہت سے انبیاءؑ کے ذکر کے بعد فرمایا۔کہ جس طرح مختلف انبیاء کے حالات ایک جیسے تھے۔اس طرح ان کی تعلیم بھی ایک ہی تھی۔گویا انبیاء کے گروہ ایک ہی امت تھے۔اگر آج یہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتدا میں ایک محدود علاقہ میں لوگ آباد تھے۔وہیں حضرت آدمؑ مبعوث ہوئے۔پھر نسلِ انسانی دور دراز خطوں میں پھیل گئی جن کے درمیان سمندر حائل تھے اور آپس میں ربط کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔مختلف خطوں کے لوگوں کے لئے مختلف انبیاءؑ آئے لیکن ان کی تعلیم ایک تھی اور مشن بھی ایک۔یہ خدا تعالیٰ کے وجود پر ایک زبردست دلیل ہے۔تمام انبیاءؑ کی تعلیم میں بنیادی صداقتیں ایک ہی تھیں۔ان کی تعلیم کا اصل الاصول توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت تھا۔ہاں بعض وقتی یا قومی ضروریات کے تحت بحکم الٰہی کچھ فروعی تبدیلیاں کر دی جاتیں۔آخر وہ وقت قریب آ گیا جب دنیا سمٹنے کو تھی اور نقل و حرکت کے مختلف وسائل ایجاد ہونے کو تھے۔تب تمام دنیا کے لئے ایک نبی مبعوث ہُوا تا جس طرح شروع میں امتِ واحدہ تھی، آخر میں بھی امتِ واحدہ ہو۔پس اب بھی نوعِ انسانی کے لئے وہی پیغام ہے جو ابتدا میں تھا۔کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔پس میری ہی عبادت کرو۔عبادت کا مفہوم رسماً نماز روزہ وغیرہ نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی حاصل کرنا ہے۔(بخاری) جو ایک انسان کا روحانی کمال اور اس کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ ہے۔
(مزید تفصیل سورۃ یونس:۲۰)

۹۴۔فرمایا بجائے اس دینِ واحد پر جمع ہونے کے لوگوں نے دینی معاملات کو ٹکڑے ٹکڑے

الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ

نیکیاں اور وہ ایماندار ہوگا تو نہیں انکار کوشش کا اس کی اور

اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ

یقیناً ہم اُسے لکھنے والے ہیں اور حرام ہے کسی بستی پر کہ ہلاک کیا ہم نے اسے

اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۶﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ

یقیناً وہ نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ جب کھولے جاویں گے یاجوج

وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَاقْتَرَبَ

اور ماجوج اور وہ ہر اونچی جگہ سے دوڑتے آویں گے اور قریب آجاوے گا

کر دیا۔باہمی اختلافات کی وجہ سے مختلف راہیں اختیار کیں۔اور مختلف فرقے بن گئے۔امتِ واحدہ کے بعد دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا آج کے حالات پر اطلاق پا رہا ہے کہ یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔پس جس وحدت پر اکٹھا کرنے یہ رسول آئے تھے۔اسے پارہ پارہ کیا۔اس نبی آخرالزماں کے طفیل یہ تفرقے مٹیں گے اور آخر ہمارے ہی مقرر کردہ قانون کی طرف ان سب کو لوٹ کر آنا ہوگا۔اگلی آیتوں میں یاجوج و ماجوج کا ذکر بھی بتا رہا ہے کہ ان آیتوں میں انہی دنوں کا ذکر ہے۔یہ بھی معنی ہے کہ مختلف فرقوں کے درمیان فیصلے قیامت کو ہوں گے۔

۹۵۔اس آخری رکوع میں آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا اور بتایا کہ اب انبیائے سلف کی طرح حق غالب آئے گا اور کتبِ سابقہ کے مطابق ارضِ مقدس کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے۔گروہ انبیاء کے مصائب سے نجات کے ذکر میں جہاں آنحضرت ﷺ کے لئے خوشخبری تھی وہاں اعمال صالحہ بجا لانے والے مومنین کے لئے بھی عظیم خوشخبری دی کہ ان کی کوششوں کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔یہ اللہ کے ہاں فیصلہ شدہ امر ہے۔اس میں ان کی تمام مساعی جمیلہ شامل ہیں جو انہوں نے راہِ حق میں کیں۔گویا یہ اللہ پر ان کا احسان ہے۔

۹۶۔یہ ایک لازمی امر ہے کہ مرنے والے کبھی لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آتے۔سوائے اس ظلی صورت کے جو اگلی آیت میں بیان کی گئی ہے۔

۹۷۔**حدب**۔پیٹھ کا باہر کو نکل آنا یعنی کبڑا ہو جانا ہے۔اسی سے حدب بلند زمین اور پانی کی بلند موج ہے۔**ینسلون**۔نسل۔نسل کے لفظی معنی کسی چیز سے الگ ہونے کے ہیں۔نسل اولاد کو کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی ماں باپ سے جدا ہوئی ہوتی ہے۔نیز اس کے معنی تیز دوڑنے اور سبقت لے جانے کے بھی ہیں۔(تفصیل کے لئے سورۃ کہف ملاحظہ فرمائیں خاص طور پر آیت ۹۵ تا ۱۰۲)

اَلْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ
وعدہ سچا پس اچانک بات یہ ہوگی کھلی ہوں گی آنکھیں ان لوگوں کی جنہوں نے
كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ
کفر کیا (وہ کہیں گے) اے افسوس ہم پر یقیناً تھے ہم غفلت میں اس سے بلکہ
كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۸﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
تھے ہم ظالم یقیناً تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے

ہاں اس طور سے مردے زندہ ہو کر ضرور آئیں گے۔ کہ یاجوج وماجوج کے زمانہ میں بعض لوگوں کا ظلّی طور پر ظہور ہوگا جیسے احادیث میں اُس زمانہ کے علماء کا نام یہود رکھا (ترمذی) اور مسیح محمدی کا نام مسیح (موعود) رکھا گویا مسیح کی آمدِ ثانی بروزی ہوگی نہ کہ حقیقی۔ یا جیسے سورۃ جمعہ میں اس زمانہ کے بعض لوگوں کو صحابہ سے تشبیہ دی۔ (بخاری کتاب تفسیر سورۃ جمعہ و مسلم) غرض یاجوج اور ماجوج آخری زمانہ کی دو عیسائی قومیں ہیں۔ ان کے کھولے جانے سے مراد ان کا خروج اور عالمگیر یورش ہے۔ یہ قومیں پہاڑوں اور سمندروں کو پھلانگتے ہوئے دنیا میں پھیل جائیں گی۔ ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کی طرف اشارہ ہے جو ان کے زیرِ تصرف ہوں گے۔ ایک لمبی حدیث میں ہے کہ وہ ابرباراں کی سی تیزی سے سفر کرے گا تمام روئے زمین پر ان کا غلبہ ہوگا ظاہری غلبہ کے علاوہ یہ قومیں دنیوی علوم وفنون میں بھی سبقت لے جائیں گی۔ غرض مادی ترقی میں تو کمال حاصل کرلیں گی لیکن روحانی ترقی سے بے بہرہ ہوں گی۔ جیسا کہ احادیث میں ان اقوام کو ان کے دجل کی وجہ سے دجال کہا اور یہ کہ دائیں آنکھ سے اندھا ہوگا۔ (مسلم کتاب الفتن۔ باب ذکر الدجال۔ وابوداؤد صفحہ ۵۹۳ بروایت حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت جابرؓ) گویا دینی اور روحانی طور پر اندھے ہوں گے۔ حزقیل نبی نے بھی اپنی کتاب باب ۳۸ و ۳۹ میں خبر دی تھی کہ یاجوج و ماجوج دنیا میں چھا جائیں گے لیکن آخر اللہ تعالیٰ انہیں تباہ کر دے گا۔

۹۸۔ شَاخِصَۃٌ۔ شخص۔ کھڑے ہوئے انسان کا وجود ہے جو دور سے نظر آئے۔ آنکھ نہ جھپکنے کے لئے بولا جاتا ہے گویا ٹکٹکی لگا کر دیکھنا۔

پس جب دیکھو کہ یاجوج و ماجوج زمین پر غالب آ گئے تو سمجھ جاؤ کہ کل دنیا میں اسلام کے غالب ہونے کا وعدہ (التوبہ ۳۳ والصف ۱۰) قریب آگیا۔ یہ حق کا ظہور اتنی شدت اور تیزی سے ہوگا کہ کفار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی اور وہ سمجھ جائیں گے کہ ہم غلطی پر تھے۔ ان کا اپنی

حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَوْ كَانَ
ایندھن ہیں جہنم کا تم اس پر وارد ہونیوالے ہو اگر ہوتے
هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
یہ خدا تو نہ وارد ہوتے اس پر اور سب اس میں وہ پڑے رہنے والے ہیں
لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ اِنَّ
ان کے لیے اس میں چلّانا ہوگا اور وہ اس میں نہیں سنیں گے یقیناً
الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا
وہ لوگ کہ بیت چکی جن کے لیے ہماری طرف سے بھلائی یہ لوگ اس سے
مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا
دور کئے جانے والے ہیں نہ سنیں گے آہٹ اس کی اور وہ اس میں جو

غلطی کو تسلیم کرنا ان کے قبول حق کی طرف اشارہ ہے۔ انہیں اپنی غلطیوں پر ہی افسوس نہیں ہوگا بلکہ اپنی ان زیادتیوں پر بھی افسوس کریں گے جو انہوں نے دینِ حق کے پیروکاروں پر روا رکھیں۔

۹۹۔ **حصب**۔ کنکر پھینکنا۔ پھر ہر وہ چیز جو آگ میں پھینکی جائے۔ مراد ایندھن۔

جب غلبۂ حق ہوگا تو یہ جہنم دنیا ہی میں بھڑکائی جائے گی اور ان کے تمام جھوٹے خدا جن پر وہ توکل کئے بیٹھے ہوں گے ان کے ساتھ ہی فنا ہو جائیں گے۔ ہاں آخرت میں بھی تم اور تمہارے باطل معبود جہنم کا ایندھن ہوں گے گویا ایندھن نہیں ہوگا تو جہنم بھی نہیں ہوگی۔ چونکہ بہت سے پاکباز بندوں کی بھی اِن کے متبعین نے پرستش کی اس لئے یہاں مراد وہ معبودانِ باطلہ ہیں جنہوں نے اپنی عبادت کروائی یا ایسی تعظیم کروائی جو عبادت کے قائم مقام تھی۔ حدیث نبوی بھی انہی معنوں کی تائید کرتی ہے۔ مَا میں پتھر کے بتوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۱۰۰۔۱۰۱۔ **زفیر**۔ گدھے کی ابتدائی آواز جو چیخ سے مشابہ ہوتی ہے۔ چیخ۔

یہ ذلت انہیں دنیا میں بھی نصیب ہوگی اور آخرت کا بھی نقشہ ہے کہ اگر خدا تھے تو جہنم میں کیسے ڈالے گئے۔ نہ سننے میں اشارہ ہے کہ جس طرح دنیا میں پیغام حق سے کان بند رکھے اسی طرح آخرت میں بھی سننے سے محروم رہیں گے۔ نیز جہنم میں اس قدر چیخ و پکار ہوگی کہ کچھ سنائی نہ دے گا۔

۱۰۲ تا ۱۰۴۔ **حسیس**۔ ہلکی آواز۔ **فزع**۔ گھبراہٹ۔ آخری غلبہ اسلام میں بھی یہ سب ہو گا۔ جب ایٹمی جنگوں میں اللہ تعالیٰ اپنے تصرفِ خاص سے اپنے بندوں کو ایک لپٹ تک لگنے نہیں

اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ

چاہیں گے ان کے جی وہ پڑنے والے ہیں نہ گھبراہٹ میں ڈالے گی انہیں گھبراہٹ

الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ

سب سے بڑی اور ملیں گے ان سے فرشتے (یہ کہتے ہوئے کہ) یہ دن ہے تمہارا

الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ

جس کا تھے تم وعدہ دیئے جاتے جس دن لپیٹیں گے ہم آسمان کو

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ

مانند لپیٹنے طومار کے نوشتوں کو جیسا کہ شروع کی تھی ہم نے پہلی پیدائش دوبارہ کریں گے ہم اسے

وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي

وعدہ ہے ہم پر یقیناً ہم کرنے والے ہیں اور یقیناً یقیناً لکھا تھا ہم نے

دے گا اور اس کربِ عظیم سے بچا لے گا۔ اور آخرت کا نقشہ بھی ہے۔ فرمایا وہ لوگ جن کے حق میں ہماری طرف سے پہلے ہی نیک انجام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ اس آگ سے دور رکھے جائیں گے۔ پہلے سے نیک انجام کا فیصلہ ہونے، دنیا میں بشارتوں کے ملنے اور مقامِ مطمئنہ کے حاصل ہونے سے اِن پاکبازوں کو جہنم کی بھنک تک نہیں پہنچے گی۔ بڑی گھبراہٹ سے مراد جہنم کی ہولناکیاں یا یوم الحساب کی پریشانیاں ہیں۔ جو انہیں ہرگز غمگین نہیں کریں گی۔ جس طرح دنیا میں فرشتے انہیں خوشخبریاں دیتے تھے۔ آخرت میں بھی ان کا استقبال کریں گے اور خوشخبری دیں گے۔ (سورہ حٰمٓ السجدہ ۳۱ تا ۳۳)

۱۰۵۔ طیّ۔ لپیٹنا۔ السجل۔ تحریر۔ طومار۔

مراد قیامتِ کبریٰ ہے آیت ۳۱: میں کائنات کے آغاز کا بیان تھا یہاں کائنات کے اختتام کا ذکر کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب Revelation Rationality, Knowledge And truth کے صفحہ 303 پر The Quran And Cosmology کے عنوان کے تحت جو ایمان افروز بحث فرمائی ہے اس میں اس آیت کی تشریح فرمائی جو مختصراً یہ ہے۔ آیت ۳۱ میں کائنات کے آغاز کے ذکر میں بتایا کہ کائنات کا تمام مادہ اکٹھا ہو کر ایک چھوٹی سی جگہ میں مکمل اندھیرے کی شکل میں بند تھا۔ جسے سائنسدانوں نے بلیک ہول (Black Hole) کا نام دیا۔ ایک زبردست دھماکے (Big Bang) سے یہ بند مادہ کھل گیا اور کائنات کی صورت پھیلنا شروع ہوا۔ اس مادہ سے آہستہ آہستہ کائنات کی ہر چیز بنتی چلی گئی۔ موجودہ سائنس دو نظریات پیش

الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ

زبور میں بعد تورات کے کہ زمین وارث ہونگے اسکے بندے میرے

کرتی ہے ایک کے مطابق یہ کائنات اسی طرح پھیلتی چلی جائے گی۔ دوسرے کے مطابق ایک وقت آئے گا کہ یہ پھیلاؤ ختم ہو کر واپسی کا سفر شروع ہو گا اور کائنات پھر سکڑ جائے گی۔ اور دوبارہ بلیک ہول بن جائے گا۔ قرآنِ کریم نے اس آیت میں دوسرے نظریہ کو درست قرار دیا ہے کہ اس دن آسمان لکھی ہوئی تحریروں کی طرح لپیٹ دیئے جائیں گے۔ بلیک ہول کا مرکز چونکہ تیزی سے اپنے محور کے گرد گھوم رہا ہوتا ہے۔ اس لئے کائنات کے اختتام پر جو بلیک ہول بنے گا۔ اس میں گرنے والی ہر چیز ایک زبردست دباؤ کے نتیجہ میں چپٹی (Press) ہو جائے گی۔ جب گھومتے ہوئے بلیک ہول میں داخل ہو گی تو اس کے گرد ایسے لپٹتی جائے گی جیسے کاغذ کو رول کر کے لپیٹ دیا جائے۔ بعض لاکھوں سال کی دوری پر سیارے بلیک ہول کی غیر معمولی طاقت سے کھنچتے جائیں گے اور کاغذ کی طرح لپٹتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ بلیک ہول کا حصہ بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح ہم نے تمہاری پیدائش کو پہلی مرتبہ شروع کیا تھا اسی طرح پھر اس کو دہرائیں گے۔ یہ ہم نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ ہم ایسا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہاں صاف بتا دیا کہ کائنات بننے اور مٹنے کا سلسلہ بار بار وقوع پذیر ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ (ماخوذ الفضل 19 اگست 1999ء از عبدالاعلیٰ نجم الثاقب صاحب) حضرت ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا حشر ننگے پاؤں ننگے جسم ہوگا جیسے ابھی تمہارا ختنہ بھی نہ ہوا ہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی **کما بدانآ اوّل خلق نعیدہٗ ط وعداً علینا ط انّا کنّا فٰعلین ٥** سب سے پہلے جسے لباس پہنایا جائے گا، وہ ابراہیمؑ ہوں گے۔۔۔۔۔۔ (بخاری کتاب الانبیاء)

قیامتِ صغریٰ کا ذکر جاری تھا اس لئے آسمان کو لپیٹنے میں اس عظیم انقلاب کی طرف بھی اشارہ ہے جب بڑی بڑی بادشاہتیں لپیٹ دی جائیں گی۔ گویا زمین و آسمان بدل دیئے جائیں گے۔ دوبارہ خلق سے مراد مردہ قوموں کی جگہ زندہ قوموں کا ظہور ہے۔ جب کفر کی جگہ حق قائم ہو جائے گا۔ (مزید تشریح اگلی آیت میں)

۱۰۶۔ پس یہ سارے حالات قیامتِ صغریٰ سے بھی تعلق رکھتے ہیں جس کے بعد زبور کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت آئے گا کہ ''صادق زمین کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے

الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ وَ
صلاحیت والے یقیناً اس میں البتہ تبلیغ ہے واسطے لوگوں عبادت کرنیوالوں کے اور

مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی
نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر رحمت تمام دُنیا کے لیے تو کہدے صرف وحی کی جاتی ہے

اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۹﴾
طرف میری کہ صرف معبود تمہارا معبود ہے ایک پس کیا تم فرمانبردار ہو گے

رہیں گے" (زبور باب ۳۷ آیت ۲۹) گویا صاف بتلا دیا کہ ارضِ شام جو نبیوں کی سرزمین ہے اس کے اصل وارث صالحین ہی ہیں گو عارضی طور پر غیر صالحین کے پاس بھی رہے۔ جیسا کہ سو سال تک بابلیوں کے قبضہ میں رہی یا تین سو سال تک رومی قابض رہے جنہوں نے بیت المقدس میں سؤر کی قربانی کر کے اس کی بے حرمتی کی یا جس طرح آجکل یہود کے قبضہ میں ہے لیکن آخر اپنے صالح بندوں کے پاس آجائے گی۔

۱۰۷۔ بلاغ۔ پیغام۔ نصیحت۔ اطلاع۔

زبور کی اس پیشگوئی میں عبادتگزاروں کے لئے یہ پیغام ہے کہ اگر فلسطین کی مبارک سرزمین چاہتے ہو تو اللہ کے نیک و صالح بندے بن جاؤ۔

۱۰۸۔ جب بتایا کہ صالحین ارضِ مقدس کے وارث ہوں گے تو وراثت کا تقاضا ہے کہ دشمن تباہ و برباد ہوں۔ اس لئے وضاحت فرمائی کہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات تو مجسم رحمت ہے آپ ﷺ تو کسی پر کبھی بھی ظلم نہیں کریں گے۔ پس تمام اسلامی جنگیں ظلم کو ختم کرنے کے لئے تھیں۔ نہ کہ ظلم روا رکھنے کے لئے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

ان آیات میں زمین کی وراثت سے مراد تمام دنیا میں اسلام کا غلبہ بھی ہے جو مہدیؑ کی اتباع میں انشاء اللہ پھر مقدر ہو گا۔ (روح المعانی و ابن کثیر)

۱۰۹۔ آخری زمانہ سے تعلق رکھنے والی انذاری اور مبشر خبروں کو کھول کر بتانے کے بعد فرمایا کہ انبیاءؑ کا اصل کام پیغامِ توحید ہی ہے اگر مان لو گے تو دنیا و آخرت میں نوازے جاؤ گے اور ان بلاؤں سے بچ جاؤ گے جو تمہارے چاروں طرف منہ کھولے کھڑی ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِیْٓ
پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تو کہدے اطلاع دیدی ہے میں نے تم کو یکساں اور نہیں جانتا میں

اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ یَعْلَمُ
کیا قریب ہے یا دور ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو یقیناً وہ جانتا ہے

الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَاِنْ اَدْرِیْ
ظاہر بات کو اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور نہیں جانتا میں

لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۲﴾ قٰلَ رَبِّ
شاید وہ آزمائش ہو تمہارے لیے اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت اس نے کہا اے رب میرے

احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى
فیصلہ کر ساتھ حق کے اور رب ہمارا رحمٰن مدد مانگا جانے والا ہے اس پر

مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ نصف ع ۱۹/۷
جو تم بیان کرتے ہو

۱۱۰۔ اٰذنتُکم۔ اٰذن۔ ایک بات کا علم دینا۔ اعلان کرنا۔ اطلاع دینا۔ اٰذنتکم۔ میں نے تمہیں اطلاع دے دی ہے۔

میں نے تو اس آخری زمانہ میں آنے والی تباہی سے مومن و کافر کو یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے۔ اگر پھر بھی منہ موڑیں تو اس عذاب کے لئے تیار ہو جائیں جس کے صحیح وقت کا علم انبیاءؑ کو بھی نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ نزولِ عذاب قریب ہے یا بعید۔ ہاں یہ ضرور جانتے ہیں کہ بہر حال وہ آ کر رہے گا۔

۱۱۱۔ البتہ اس ربّ العالمین کو نہ صرف تمہاری تباہی کے وقت کا علم ہے بلکہ وہ تمہاری ہر ظاہری اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ یعنی تمہاری ظاہری کوششیں یا خفیہ منصوبہ بندیاں اس آنے والی تباہی کو نہیں روک سکتیں۔

۱۱۲۔ اگر اس آخری تباہی میں کچھ تاخیر ہو رہی ہے۔ تو اے یہود و نصاریٰ! یہ بھی تمہارے لئے ایک آزمائش ہے۔ کہ تم کچھ عرصہ اور مفادِ عاجلہ حاصل کر لو اور اپنی من مانیاں کر لو۔

۱۱۳۔ اس پر آشوب آخری زمانہ میں جب یہود و نصاریٰ اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کریں گے اور اسلام کی تذلیل میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے اور عالمِ اسلام کو ان کے مقابلہ کی جرأت نہیں ہوگی۔ اس وقت ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے مانگی

ہوئی یہ دعا عرشِ معلیٰ کو ہلا کر رکھ دے گی۔ کہ اے میرے ربّ! حق کے ساتھ ہمارا فیصلہ فرما۔ جو کچھ یہ اسلام کے خلاف منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں اور گندہ ذہنی استعمال کر رہے ہیں ان کے جواب کے لئے ربِ رحمٰن سے ہی مدد مانگی جا سکتی ہے۔ وہی ہمارا مددگار ہے صفتِ رحمٰن کو بطور خاص لانے میں یہ سِر تھا کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت دینی و دنیوی لحاظ سے بہت ابتر ہو گی اور اس نعمت کی مقتضی نہیں ہو گی۔ پس ہمارے پیارے آقا کی چودہ سو سال پہلے کی مانگی ہوئی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ حق کی باتوں کا موثر اور نا قابلِ تردید جواب دینے کے لئے مہدی دوراں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انشاء اللہ اب وہ دن دور نہیں کہ ایک بار پھر اسلام کا غلبہ ہو گا اور نہ صرف ارضِ مقدس پر بلکہ ساری دنیا پر اسلامی پرچم لہرائے گا۔ ہاں شرط پھر وہی ہے کہ یہ سب اللہ کے صالح بندوں کے ہاتھ سے ہو گا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشَرَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حج - یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی اناسی آیات اور دس رکوع ہیں

اس سورۃ کی کچھ آیات دورانِ ہجرت مکّہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئیں۔ باقی تمام آیات مدینہ میں نازل ہوئیں۔ سورۃ بنی اسرائیل سے سورۃ الانبیاء تک ابتدائی مکّی سورتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ جن میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ مخاطب تھے حالانکہ ابھی آپ ﷺ کو ان سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ گویا اشارہ تھا کہ عنقریب آپ ﷺ کو ان قوموں سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ یہ سورۃ ان سورتوں کے مضامین کی گویا آخری کڑی ہے۔ سورۃ الانبیاء کو آنحضرت ﷺ کی اس دعا پر ختم کیا جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے ربّ سے حق کے ساتھ فیصلہ کی درخواست کی تھی اور منکرین کے خلاف اللہ سے مدد مانگی تھی۔ اس سورۃ کی ابتدا ہی میں اس کا جواب دیا کہ اگر آسمانی تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو اس کا صرف ایک حل ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور اپنی اصلاح کر لو۔ چونکہ جہاد میں جان و مال کی ضرورت پیش آنے والی تھی۔ اس لئے پہلے فضائلِ حج کو بیان فرمایا۔ اس لئے کہ حج بھی جان و مال کی قربانی کا تقاضا کرتا ہے۔ حج اسلام کا پانچواں رکن ہے اور ایک مومن کو روحانیت کے کمال تک پہنچاتا ہے، جب عاشقانہ رنگ میں ایک حاجی اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوتا ہے اور اس کا اپنا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ حج کے بیان کے فوراً بعد پہلی بار مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کی اجازت دی گئی۔ (آیت: ۴۰) جہاں جان و مال کی قربانی کی ضرورت تھی۔ پچھلی سورۃ میں تمام انبیاء کے ذکر میں ان کی کامیابی اور ان کے اعداء کی ہلاکت اور نامرادی کا ذکر تھا۔ یہاں بتایا کہ آپ ﷺ کے لئے بھی یہی مقدر ہے لیکن اس کے لئے جنگوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ چنانچہ شروع سورۃ ہی میں مخالفین رسول کو بتایا کہ تم پر وہ مصیبت کی گھڑی آنے والی ہے کہ حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور دودھ پلانے والی اپنے بچے کو بھول جائے گی اس **زلزلة السّاعة** میں اُس آخری زمانہ کی تباہی کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا ذکر سورۃ الانبیاء کی آخری آیات میں ہے پھر مومنین کو فتح و کامیابی کا طریق بتایا کہ نماز اور زکوٰۃ قائم کرو اور کتاب اللہ پر عمل کرو۔ آخر میں **نعم النصیر** پر اس سورۃ کو ختم کر کے نصرت کی بشارت دی۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن اور رحیم ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ

اے لوگو ڈرو اپنے رب سے یقیناً زلزلہ قیامت کا

شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۲ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ

بات ہے بڑی جس دن تم دیکھو گے اُسے بھول جاوے گی ہر دودھ پلانے والی

عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ

اسے جسے دودھ پلایا اس نے اور جن دے گی ہر حمل والی اپنے حمل کو اور

تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ

تو دیکھے گا لوگوں کو مست حالانکہ نہ ہوں گے وہ ہرگز مست ولیکن عذاب

اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۳ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ

اللہ کا سخت ہے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑتے ہیں بارے میں اللہ کے

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔اس پہلے رکوع میں صریح دشمن مخاطب ہیں اور انہیں انذار فرمایا۔

بیشک ایسی تمام آیات سے مراد عام طور پر قیامت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعداء کی ہلاکت ہے لیکن یہاں **زلزلة الساعة** سے مراد وہ اہوال و شدائد اور جنگیں ہیں جن کا تعلق آخری زمانہ سے ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک زلزلہ عظیمہ کی خبر بہت سے آثار میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب اقوامِ عالم ہیں۔پس سورۃ الانبیاء کی آخری آیات میں بتائی گئی یہ وہ تباہی ہے جو ایک عالم کو اپنی لپیٹ میں لے گی۔اس سے بچنے کا ایک ہی نسخہ ہے کہ تقویٰ پر قائم ہو جاؤ اور اپنے رب کے صالح بندے بن جاؤ۔ تا ان ہلاکتوں سے بچ سکو اور انعامات سے نوازے جاؤ۔

۳۔**تذھلُ**۔**ذھل**۔وہ بھول گیا۔**تذھلُ**۔وہ بھول جائے گی۔تو بھول جائے گا۔ **تضع۔وضع**۔نیچے رکھنا۔گرانا۔ اسی سے موضع بمعنی جگہ یا موقع کے ہیں۔وضع کا لفظ وضع حمل یا بوجھ اتارنے کے معنی میں آتا ہے۔**تضعُ کلُّ ذاتِ حمل حملها** یعنی ہر عورت اپنا حمل گرا دے گی۔ زمین نے جن چیزوں کو اٹھایا ہو گا مثلاً عمارتیں، پہاڑ، درخت وغیرہ سب گر جائیں گے گویا ہر چیز اپنا بوجھ پھینک دے گی۔ **مرضع** دودھ پلانے والی عورت ہے جبکہ مُرضعة عورت کی وہ حالت ہے جب وہ بالفعل دودھ پلا رہی ہو۔اور بچہ دودھ پی رہا ہو۔**سکٰری**۔سکر۔مدہوشی۔عام

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۴ كُتِبَ

بغیر علم کے اور پیروی کرتے ہیں ہر شیطان سرکش کی لکھا گیا ہے

عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ

اس پر کہ جس نے دوستی کی اس سے تو یقیناً وہ گمراہ کر دیگا اسے اور راہنمائی کرے گا

اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۵ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ

اس کی طرف عذاب جلنے کا اے لوگو اگر ہو تم

رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ

شک میں دوبارہ اُٹھنے سے تو یقیناً ہم نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر

استعمال شراب کی مستی پر ہوتا ہے۔

اگر ان آیات کو قیامت پر چسپاں کیا جائے تو یومِ حساب نہ کوئی عورت دودھ پلا رہی ہو گی کہ بدحواس ہو کر اپنے بچے کو بھول جائے اور نہ کوئی حاملہ ہو گی کہ اس دہشت سے اس کا حمل گر جائے۔ پس یہ تمام ہولناک حالات اس عالمگیر تباہی سے تعلق رکھتے ہیں جو قربِ قیامت میں ہو گی اور اچانک ہو گی۔ایٹمی جنگ کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا ذکر سورۃ طٰہٰ میں بھی گزرا۔

۴۔۵۔**مرید یا مارد**۔خیر سے عاری۔سرکش۔حضرت ابو عبیدہؒ نے فرمایا کہ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں خواہ وہ جن و انس سے ہو یا دیگر حیوانات سے (مفردات) یہ آیات عام ہیں اور ایسے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔لیکن اس زمانہ کے مغربی علوم سے بہرہ ور بیشتر حضرات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال و احکام کے بارہ میں بلا علم و بصیرت بحث میں الجھتے ہیں اور سرکش شیطان کی اتباع کرتے ہیں۔جو انہیں گمراہ کر کے جہنم تک پہنچاتا ہے۔

قرآنِ کریم میں عموماً شیطان صفت انسانوں کے لئے شیطان کا لفظ آیا ہے۔پس یہ شیطان جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے شروع میں وسوسہ اندازی ہی کرتا ہے۔جب ادھر سے مثبت ردِ عمل کا اظہار ہوتا ہے تو اپنے خیالات خوبصورت رنگ میں پیش کرتا ہے۔چنانچہ آج کل ذات باری کے تعلق میں بحثوں میں الجھنے والے کمزور ایمان لوگ شیطانوں کی باتوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور ان کی باتیں انہیں اچھی لگنے لگتی ہیں۔اس طرح آہستہ آہستہ ان میں دوستی ہو جاتی ہے۔حالانکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ جو شخص بھی شیطان سے دوستی کرے گا تو وہ حق سے دور سرکش وجود، لازماً اسے غلط راہ کی طرف لے جائے گا اور آخر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچا دے گا۔ **زلزلة الساعة** کی طرف ہی اشارہ ہے جو بڑھکتی ہوئی جہنم کی شکل میں ظاہر ہو گا۔

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ
نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے پیدا شدہ سے

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ
اور نہ پیدا شدہ سے تاکہ کھول کر بیان کریں ہم تمہارے لیے اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں

مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا
جو چاہتے ہیں تا میعاد مقررہ پھر ہم نکالتے ہیں تم کو بچہ بنا کر

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ
پھر تاکہ پہنچو تم اپنی جوانی کو اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو وفات دیئے جاتے ہیں اور

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ
بعض تم میں سے وہ ہیں جو لوٹائے جاتے ہیں طرف بدترین عمر کے تاکہ نہ جانے

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ
بعد جاننے کے کچھ بھی اور تو دیکھتا ہے زمین کو خشک پس جب

اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ
اُتارتے ہیں ہم اس پر پانی ہلتی ہے اور بڑھتی ہے اور اگاتی ہے

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ
ہر جوڑا پُر رونق یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے

۶۔**علقۃ۔ علق** کے لفظی معنی کسی چیز کو پکڑ لینے یا تعلق پیدا کر لینے کے ہیں مراد خون کا لوتھڑا۔**مُضغۃ**۔گوشت کا ٹکڑا۔بوٹی۔**اجل مسمّٰی**۔جو مدت بھی اس بچے کی مقرر ہوتی ہے خواہ کم از کم مدت چھ ماہ ہو یا سات ماہ یا پوری مدت نو ماہ یا کچھ زیادہ۔**ھامدۃً**۔بجھی ہوئی جس میں زندگی کے آثار نہ ہوں خشک۔بنجر۔**اھتزّت (ھزّ)** وہ ہلتی ہے۔لہلہاتی ہے۔**بھیج**۔خوش کرنے والا۔ پُر رونق۔

یہ آیت نہ صرف ہستی باری تعالیٰ پر دلیل ہے بلکہ بعث بعدالموت اور ظہورِ نبوت پر بھی دال ہے۔اللہ جلّ شانہٗ کے بارے میں بحث کرنے والوں کے لئے اس آیت میں جواب دیا۔فرمایا یہ شیطان کی پیروی کرنے والے بعث بعدالموت میں شک کرتے ہیں۔ اگر وہ تعصب کی عینک اتار کر محض اپنی تخلیق پر ہی غور کرتے تو خالقِ کون و مکاں کے بارے میں کبھی نہ جھگڑتے اور نہ شیطان **مرید** کے پیچھے لگتے۔حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کی پیدائش مٹی سے شروع ہوتی ہے مٹی سے غذائیں بنتی ہیں جن سے خون بنتا ہے اور اس خون سے منی بنتی ہے پھر نطفہ ایک خاص اتصال سے رحمِ مادر سے تعلق پیدا کرتا ہے اور علقہ بنتا ہے یعنی ایک لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے جس میں رحم مادر

سے چمٹنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔یہ ماں کے پیٹ میں جنین کی ابتدائی حالت ہے۔پھر کچھ نشوونما پا کر مضغہ یعنی گوشت کے ٹکڑے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔جس میں ایسی صلاحیتیں ہوتی ہیں جو ایک بچے کی نشوونما میں اہم کردار کرتی ہیں۔یہی گوشت کا ٹکڑا مکمل نشوونما پا کر اور اپنی حمل کی مدت پوری کر کے مخلقہ بن جاتا ہے گویا اس کی خلق مکمل ہو گئی اور اس نے اندرونی کمال کو حاصل کر لیا۔ غیر مخلقہ وہ ہے جس میں ایسی صلاحیت نہ ہو۔ اس کی خلق پوری نہ ہو،اس میں نقص رہ جائے اور نا مکمل پیدا ہو جائے یا گر جائے۔اس تفصیل سے مقصد یہ تھا تا کہ ہم اپنی قدرت و حکمت تم پر ظاہر کر دیں گویا تم پر تخلیق کے راز کھول دیں۔یہاں خلقِ جسمانی سے خلقِ روحانی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعمالِ انسانی ابتدا میں مٹی کی طرح ہی بے جان و پراگندہ ہوتے ہیں۔نطفہ کی طرح ان میں غیر محسوس طریق پر زندگی پیدا ہوتی ہے۔جس طرح نطفہ بغیر اتصال کے بیکار محض ہے اسی طرح جب تک ان اعمال کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ نہ ہو یہ نشوونما نہیں پاتے۔ پھر یہ تعلق کبھی کامل ہوتا ہے اور کبھی ناقص۔گویا بتا دیا کہ اگر تعلق مضبوط نہ رکھا تو گر بھی سکتے ہو۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رحم میں جنین کی مختلف صورتیں ایک ارب سال کے انسانی ارتقا کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔(تفصیل کے لئے سورۃ ھود۔۶۲)

پھر رحموں میں ایک معین وقت تک ٹھہرائے رکھنے کے بعد ہم تمہیں ایک بچے کی صورت نکالتے ہیں تا کہ تم اپنے جسمانی کمال کو پہنچو پھر بعض تو اپنی طبعی عمر گزار کر وفات پاتے ہیں اور بعض ناکارہ عمر تک پہنچتے ہیں کہ صاحبِ علم ہونے کے بعد محض نادان ہو جاتے ہیں۔حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ جو قرآن کریم کی مداومت رکھے گا اس حال کو نہ پہنچے گا۔مسند احمد میں حضرت انس بن مالکؓ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے کہ مومن جب ارذل عمر کو پہنچ جاتا ہے۔تو اس کے تمام وہ نیک اعمال نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں جو وہ اپنی صحت و قوت کے زمانے میں کیا کرتا تھا۔ پس کیا یہ سب ہستی باری تعالیٰ اور بعث بعدالموت کے لئے کافی ثبوت نہیں۔بعث سے مراد روحانی بعثت بھی ہے جو ایک رسول کے آنے سے برپا ہوتی ہے۔اور مردے جی اٹھتے ہیں۔جیسا کہ آمد مسیح نے مُردوں میں زندگی کی روح پھونک دی۔اب ظہور نبوت کے لئے زمین کی مثال دی کہ جب زمین خشک اور بنجر ہو جاتی ہے تو بارش سے ہری بھری ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔اور طرح طرح کی خوشنما چیزیں اُگاتی ہے۔اسی طرح جب روحانی دنیا خشک ہوتی ہے۔تو آسمانی وحی کے پانی سے ایک بار پھر سرسبز و شاداب ہونے لگتی ہے اور مخلوقِ خدا کو روحانی مائدہ سے مستفیض کرتی ہے۔(مزید تشریح کے لئے ۲۳۔۲ تا ۱۵)

وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝٧ وَ
اور یقیناً وہ زندہ کرتا ہے مردوں کو اور یقیناً وہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور
أَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ
یقیناً قیامت آنے والی ہے نہیں کوئی شک اس میں اور یقیناً اللہ اٹھاوے گا
مَن فِي الْقُبُورِ ۝٨ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ
انہیں جو قبروں میں ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں جو جھگڑتے ہیں بارے میں اللہ کے
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝٩ ثَانِيَ
بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے موڑنے والا ہے
عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا
اپنا پہلو تاکہ گمراہ کرے راہ سے اللہ کی اس کے لیے دُنیا میں
خِزْيٌ ۖ وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝١٠
ذلت ہے اور چکھاویں گے ہم اسے بروز قیامت عذاب جلنے کا

۷۔۸۔ان تمام مثالوں کو بیان کرنے کا مقصد یہی تھا کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق بحث کرنے والے جان لیں کہ اللہ کی ذات ہی برحق ہے۔ یعنی کامل ہستی اسی کی ہے۔ گویا یہ مثالیں ہستی باری تعالیٰ کی دلیل ہیں۔ زندہ کرنا اسی کو سزاوار ہے خواہ روحانی طور پر ہو یا جسمانی طور پر۔ اس لئے کہ اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ قبروں والوں کا دوبارہ اٹھائے جانا قیامت کو بھی ہو گا جو بعث بعدالموت ہے اور دنیا میں بھی کافروں کا روحانی طور پر جی اٹھنا ان کا روحانی بعث ہے۔اور ایسا قربِ قیامت کو بھی ہو گا جو الساعۃ سے تعلق رکھتا ہے۔

۹۔۱۰۔**ثانی**۔دوسرا۔ پھرانے والا موڑنے والا۔ دور کرنے والا۔**عطف** کا لفظی معنی کسی چیز کو دہرا کرنا ہے۔مراد پہلو۔

آیت ۴: میں اللہ کے بارے میں کج بحثی کرنے والوں کے ذکر میں فرمایا کہ وہ بغیر علم کے ایسا کرتے ہیں۔ یہاں مزید وضاحت فرمائی کہ یہ بحث برائے بحث کرنے والے روحانی علوم سے تہی دست، ہدایت سے عاری اور کتاب اللہ کی روشنی سے محروم ہوتے ہیں۔ بیشک ایسے لوگ دنیوی علوم میں استاد ہوں یا توریت وانجیل کا کچھ علم بھی رکھتے ہوں جیسے علمائے یہود و نصاریٰ۔لیکن خشیت اللہ مفقود ہوتی ہے۔ان کا اپنے پہلوؤں کو موڑنا تکبر کی وجہ سے ہے کہ خود کو بڑے عالم و فاضل سمجھتے ہیں۔پس یہ نہ صرف خود گمراہ ہوتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو گمراہ کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ایسے

ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
یہ بسبب اس کے ہے جو آگے بھیجا دونوں ہاتھوں نے تیرے اور یقیناً اللہ نہیں ہے ہرگز ظالم
لِّلْعَبِيدِ ۝١١ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ ع ١١ ٨
بندوں کے لیے اور بعض لوگ ایسے ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ کی ایک کنارہ میں
فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ
پس اگر پہنچے اُسے بھلائی مطمئن ہو جاتا ہے اس پر اور اگر پہنچے اُسے
فِتْنَةٌ انقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ
آزمائش لوٹ جاتا ہے اپنے چہرہ کے بل ناکام ہوا دُنیا اور آخرت میں یہ
هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝١٢ يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا
ہی ناکامی ہے کھلی کھلی پکارتا ہے سوائے اللہ کے ایسے جو نہیں

لوگ دنیا میں بھی رسوا ہوتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر اور فتح مکّہ کے روز ہُوا اور آخرت میں بھی رسوا کن عذاب ان کا مقدر ہو گا۔سورۃ الانبیاء کی آخری آیات میں اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کا انجام بتایا تھا۔ یہاں ہستی باری تعالیٰ کے خلاف مباحثہ کرنے والوں کا انجام بتایا خواہ یہ زبانی بحث ہوں یا قلمی۔ قلمی مباحثات میں خدا اور رسول کے خلاف گمراہ کن لٹریچر شائع کر کے بندگانِ خدا کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ایسا خاص طور پر موجود دور میں ہو رہا ہے۔

۱۱۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کبھی بھی ظلم نہیں کرتا اور نہ بغیر جرم پکڑتا ہے۔یہ تمہارا اپنا کیا دھرا اور تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔

۱۲۔**حرف**۔کنارہ یا طرف۔ **علیٰ وجهه** سے مراد دائیں بائیں التفات کئے بغیر اپنے منہ کی سیدھ میں۔قلب پھرنا۔ پلٹنا۔ قلب دل کو کہتے ہیں اس کی مسلسل حرکت کی وجہ سے۔

اس رکوع میں منافقین سے خطاب ہے۔ ابھی کفار کا ذکر تھا جنہیں ان کے اعمال کی وجہ سے دنیا میں رسوائیاں اور عذاب پہنچے اور آخرت میں بھی مقدر ہیں۔ یہاں منافقین کا ذکر فرمایا کہ ان کے مدِنظر ہمیشہ مفادِ عاجلہ ہوتے ہیں۔وہ خدائی احکام کی بجا آوری میں بھی گویا کنارے پر کھڑے رہتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے اور فائدہ نظر آئے تو مطمئن رہتے ہیں۔ جونہی کوئی دکھ یا تنگی پہنچے تو کفر کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ فتنہ میں مختلف قسم کی ابتلاؤں کی طرف اشارہ ہے بعض دفعہ جانی یا مالی نقصان ان کی ٹھوکر کا باعث بنتا ہے۔یہ بظاہر بہت سمجھدار بنتے ہیں کہ ہر قربانی سے بچے رہتے ہیں اور بظاہر فوائد بھی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح گھاٹے کا سودا نہیں کرتے۔لیکن حقیقت یہ

يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۱۳

نقصان پہنچاتا اُسے اور جو نہ نفع دے سکتا ہے اُسے یہ ہی گمراہی دُور کی ہے

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى

پکارتا ہے اس کو کہ نقصان جس کا زیادہ قریب ہے نفع سے اس کے البتہ کیا ہی بُرا ہے دوست

وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۱۴ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اور البتہ کیا ہی بُرا ہے ساتھی یقیناً اللہ داخل کریگا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

کیں نیکیاں باغات میں بہتی ہیں نیچے جن کے نہریں

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۱۵ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ

یقیناً اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے جو شخص ہے گمان کرتا کہ ہرگز نہ

ہے کہ دنیا میں بھی گھاٹے میں رہتے ہیں اور آخرت میں تو کھلا کھلا گھاٹا ہوگا۔ یعنی ممکن ہے دنیا کا گھاٹا نظر نہ بھی آئے لیکن آخرت میں وہ خوب عیاں ہوگا۔ ان کے مقابلہ میں مومنین مصیبت اور ابتلا کو ترقی درجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں تنگی ہو یا خوشحالی، وہ ہر حال میں سرِ تسلیم خم کرتے اور عبادات کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ ہر آزمائش میں راضی برضا رہتے ہیں اور ان فضلوں کے وارث بنتے ہیں جو صبر کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان پر نازل کرتا ہے۔ جبکہ منافقین ابتلاؤں میں تو پستے ہیں لیکن ان انعامات سے محروم رہتے ہیں۔

۱۳۔ **'مـــا'** کا لفظ بتا رہا ہے کہ منافقین حق تعالیٰ سے منہ موڑ کر یہاں تک قعرِ مذلت میں گرتے ہیں کہ شرک تک میں ملوث ہو جاتے ہیں اور غیر اللہ سے حاجت روائی چاہتے ہیں۔ حالانکہ معبودِ باطلہ انسان کو نفع یا نقصان پہنچانے پر ہرگز قادر نہیں۔ پس یہی پرلے درجہ کی گمراہی ہے۔

۱۴۔ **مَـــن** کا لفظ کسی ذی روح کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ منافقین خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر مادی مفاد کی خاطر بعض اوقات اپنے جیسے انسان کو اپنا حاجت روا ماننے لگتے ہیں۔ ممکن ہے ان سے کبھی کچھ مادی مفاد حاصل بھی کر لیں۔ لیکن اپنے جیسے انسان کے آگے جھکنا دین و ایمان کا ضیاع اور شرفِ انسانیت کی تذلیل ہے۔ پس ایسے شخص کو خواہ وہ اپنا مولیٰ و آقا بنائیں یا دوست اور ساتھی اس سے ملنے والے فائدہ کے مقابلہ میں اس سے پہنچنے والا ضرر بہر حال زیادہ ہے۔

۱۵۔ کفار و منافقین پر عذاب کا ذکر کیا تو ان کے مقابلہ میں خدائے واحد کی پرستش کرنے والے اور اعمال صالحہ بجا لانے والے مومنین کا بھی ذکر کیا جو ہر دکھ اور سکھ میں اللہ تعالیٰ کی قضا پر

يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ

مدد دے گا اُسے اللہ دُنیا میں اور آخرت میں پس چاہیئے کہ وہ لمبی کرے ایک رسی

اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ

طرف آسمان کی پھر چاہیئے کہ کاٹ دے پس چاہیئے کہ دیکھے کیا لے جاویگی تدبیر اس کی

مَا يَغِيْظُ ۱۶ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ

جو غصہ دلاتا ہے اُسے اور اسی طرح اتاری ہم نے آیات کھلی کھلی اور یقیناً

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ۱۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور

راضی رہے۔ پس وہ دنیا میں بھی نوازے گئے اور اخروی انعامات کے بھی وارث ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے یعنی جس قوم یا شخص کے لئے سزا یا جزاء کا ارادہ کرے وہ ہو کر رہتی ہے اور یہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ (آیت:۱۱)

۱۶۔ **سبب**۔ رسی۔ ذریعہ۔ طریق۔ راستہ۔

جب اللہ تعالیٰ مومنین صالحین کو دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازتا ہے تو مومنِ کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا و آخرت میں خدائی نصرتوں کو کون روک سکتا ہے۔ **لن ینصرہ** میں ہٗ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کو یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے موحد بندے رسولِ اکرم ﷺ کی دنیا و آخرت میں مدد نہیں فرمائے گا اور اسے غلبہ عطا نہیں کرے گا تو اسے چاہئے کہ اگر ممکن ہو تو خدا تک رسائی حاصل کرے اور کسی ذریعہ سے آسمان تک پہنچ جائے اور آپ ﷺ کے آسمانی تعلق کو کاٹ دے یعنی اس آسمانی نصرت کو قطع کر دے جو آنحضرت ﷺ کے شاملِ حال ہے۔ پھر دیکھے کہ اپنی اس تدبیر سے وہ خدائی نصرتوں کو روکنے میں کہاں تک کامیاب ہُوا جو اس کے سینہ پر سانپ بن کر لوٹ رہی تھیں اور اسے غصہ دلا رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں تو ایسا ممکن نہیں ہُوا۔ پس یہاں اس مضمون کو ایک فرضِ محال کے طور پر پیش کیا ہے کہ خواہ کتنا ہی زور لگا لیں اِن کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہیں ہوگی۔

۱۷۔ رسول کے ذکر کے ساتھ ہی قرآنِ کریم کا ذکر کیا جس میں غلبہ کی پیشگوئیاں، توحید کے ثبوت میں بیّن دلائل اور ہدایت کی راہیں بیان کی گئی ہیں۔ فرمایا ایسے ہی کھلے کھلے نشانات اور واضح احکام کے ساتھ ہم نے اس قرآنِ کریم کو نازل کیا ہے۔ من یرید کے دونوں معانی ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ جو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اسے اللہ یقیناً ہدایت دیتا ہے۔ دوم یہ کہ جسے اللہ ہدایت

الَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوسَ

وہ جو　یہودی ہوئے اور　صابی　اور　عیسائی　اور　مجوسی

وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا　یقیناً　اللہ　فیصلہ کرے گا　درمیان ان کے　بروز

الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۸﴾ أَلَمْ تَرَ

قیامت　یقیناً　اللہ　ہر　بات پر　نگران ہے　کیا نہیں دیکھا تونے

أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

کہ اللہ وہ ہے کہ　سجدہ کرتے ہیں اُسے　جو　آسمانوں میں ہیں　اور جو　زمین میں ہیں

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَ

اور سُورج　اور　چاند　اور　ستارے　اور　پہاڑ　اور　درخت　اور

الدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

جاندار　اور　بہت سے　لوگ　اور بہت سے ایسے ہیں کہ ثابت ہوگیا ان پر

الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ

عذاب　اور جسے　ذلیل کرے　اللہ　تو نہیں اس کے لیے کوئی　عزت دینے والا　یقیناً

دینا چاہتا ہے اسے یقیناً ہدات دیتا ہے۔اللہ کسے ہدایت دیتا ہے دوسری جگہ مذکور ہے فرمایا **ویھدی الیہ من ینیب** ○ (۱۴:۴۲) وہ اسے ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف جھکتا ہے۔

۱۸۔ **صابی**۔جن پر مختلف وقتوں میں الٰہی تعلیم اتاری گئی۔مجوسی اور پارسی حضرت زرتشت کے پیرو اور آتش پرست ہیں جو خالقِ نور اور خالقِ ظلمات کو الگ الگ مانتے ہیں۔ جھگڑا صرف کفار و منافقین اور مومنین کے درمیان نہیں بلکہ دنیا میں جتنی بھی قومیں اور مذاہب ہیں ان میں عقائد کے اختلافات ہیں۔اس کے باوجود بھی ایک خدا کو ماننے کے دعویدار ہیں۔یہانتک کہ مشرک بھی ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں اور دیوی دیوتاؤں کو خدا تک رسائی کا ذریعہ کہتے ہیں۔ پس یہ تمام قومیں کسی نہ کسی رنگ میں شرک میں ملوّث ہیں۔اور حقیقی موحّد صرف مومنین ہی ہیں۔اللہ تعالیٰ تو یقیناً دنیا میں بھی نگران ہے اس لئے فیصلہ دنیا میں بھی کرتا ہے لیکن اس میں کسی قدر اخفاء ہوتا ہے۔ہاں دیدہ بینا رکھنے والوں پر یہ ضرور ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ کس کے ساتھ ہے جیسا کہ ہندہ نے فتح مکّہ کے موقع پر کہا کہ کیا اب بھی ہم بتوں کو پوجیں گے جو ہماری کسی مدد پر قادر نہ ہوئے۔پس دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ کی معیت کس کے ساتھ تھی۔اس آیت سے ظاہر ہے کہ اختلافِ عقائد ہمیشہ رہے گا اور حقیقی فیصلہ قیامت کو ہوگا۔

اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۹﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوا　السجدة

اللہ　کرتا ہے　جو چاہتا ہے　یہ دو　جھگڑنے والے ہیں　جنہوں نے جھگڑا کیا

فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ

بارے میں اپنے رب کے　پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا　کاٹ ڈالے گئے ان کے لیے　کپڑے

نَّارٍ ۖ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿۲۰﴾ يُصْهَرُ

آگ کے　ڈالا جاوے گا　اوپر　سروں کے ان کے　پانی گرم　جلایا جاویگا

بِهٖ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿۲۱﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ

ساتھ اسکے جو　پیٹوں میں ہے ان کے　اور　کھالیں　اور ان کے لیے　ہتھوڑے ہیں

۱۹۔تمام قومیں اور مشرکین جو کسی نہ کسی شرک میں مبتلا ہیں۔انہیں بتایا کہ تمام مظاہرِ فطرت زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے اندر ہے اور تمام اجرامِ فلکی اور اجسامِ ارضی جن کی پوجا یہ لوگ کرتے ہیں اور لوگوں کی کثیر تعداد اور وہ کثیر لوگ جن کے متعلق عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سجدہ کرنے والوں کی کثیر تعداد فی الحقیقت خدا کو سجدہ نہیں کرتی۔ ان کی عبادت میں غیر اللہ کی ملونی ہے ورنہ کثیر تعداد پر عذاب واجب نہ ہوتا۔یہ سب خدا کو سجدہ کرنے پر مجبور ہیں یعنی قوانین الٰہی پر چلنے کے پابند ہیں اور اس کے محتاج اور تابع ہیں پھر انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا ان چیزوں سے حاجتیں طلب کرنا جو خود حاجتمند ہیں گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

پس سجدہ صرف خدا کو ہی سزاوار ہے اور تمام کائنات جو قانونِ قدرت کے تابع ایک خاص نظام کے تحت بندگانِ خدا کی خدمت میں سرگرمِ عمل ہے۔وہ خدا کس طرح ہو سکتی ہے۔بیشک انسانوں میں ایک کثیر تعداد خدا تعالیٰ کو ہی حاکمِ کُل مانتی اور اس کے آگے سجدہ ریز ہے اور ایک گروہ کثیر سرکش اور دہریہ بھی ہے تاہم وہ بھی ہر قدم پر خدا ہی کے محتاج ہیں اور چار و ناچار اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ لیکن انہوں نے خدائی احکام کی خلاف ورزی کر کے خود ذلت و رسوائی کو دعوت دی۔ پس جسے اللہ ذلیل کرے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں۔ بیشک مشیت اللہ کی ہی کارفرما ہوتی ہے۔ "مــن" ذی روح کے لئے آتا ہے۔یہ لفظ بتا رہا ہے کہ آسمانوں پر بھی مخلوق ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا! "اجرام فلکی میں بھی آبادیاں ہیں اور وہ بھی خدا کے احکام اور ہدایت کے پابند ہیں"۔(فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ خطبہ جمعہ ۹ نومبر ۲۰۰۱ء)

۲۰ تا ۲۳۔**یُصبُّ۔صبّ**۔پانی کا اوپر سے گرانا۔**انا صببنا الماء صبّا** (عبس:۲۶)

حَدِيْدٍ ﴿۲۲﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ
لوہے کے جب کبھی ارادہ کریں گے کہ نکلیں اس سے کسی غم سے
ع اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۳﴾ اِنَّ
لوٹائے جاویں گے اس میں اور (کہا جائیگا) چکھو عذاب جلنے کا یقیناً
اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا
باغات میں کہ بہتی ہیں نیچے سے ان کے نہریں پہنائے جاویں گے ان میں

فصبّ عليهم ربك سوط عذاب۔ (الفجر:۱۴)۔ **يُصهر** (صهر) وہ پگھلایا جائے گا۔ وہ گلایا جائے گا۔ **مقامع۔ المقمعة** کی جمع ہے۔لوہے کے ہتھوڑے۔

پیچھے سے دونوں گروہوں کا ذکر چلا آ رہا ہے جن کا اپنے ربّ کی ذات و صفات کے بارہ میں اختلاف ہے۔ایک گروہ کفار ومشرکین اور منافقین کا ہے۔جن کے لئے **حق علیه العذاب** آیا دوسرا مومنین کا گروہ ہے۔یہاں اوّل الذکر کا تفصیل سے بیان ہے جن پر عذاب واجب ہو چکا ہے۔مومنین کا ذکر اگلے رکوع میں ہے۔

بیشک یہ سارے عذاب قیامت کو ہوں گے۔تاہم دنیا میں بھی کسی حد تک ان عذابوں کا مزا چکھا۔یہ نار جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوئی۔لباس انسان کی زینت اور پردہ پوشی کا باعث ہوتا ہے۔ انہوں نے جنگوں کو اپنی زینت و تفاخر کا سبب سمجھا اور یہ آگ خود بھڑکائی جس نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔پھر اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔سروں پر گرم پانی کا ڈالنا ذلت و رسوائی کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ بھی کہ جو پُر غرور سر کبھی اللہ کے آگے نہیں جھکے یہ کھولتا ہوا پانی نہ صرف ان سروں کی دماغی آلائشوں کو جلا دے گا بلکہ پیٹوں کے اندر اور باہر کی تمام گندگی کو جلا کر خاک و سیاہ کر دے گا۔پس تمام ذہنی آلودگیاں اور اندرونی و بیرونی کثافتیں دھل کر صاف ہو جائیں گی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آگ جہنمیوں کو پاک صاف کر کے جنت میں داخل ہونے کے لائق کر دے گی۔لوہے کے گرز میں اشارہ ہے کہ انہیں سختی سے مطیع کیا جائے گا اس لئے کہ انہوں نے رحمۃ للعالمین کی رحمت و رأفت سے فائدہ نہ اٹھایا۔اب ان کی ان غموم و ہموم سے نکلنے کی کوشش بیکار ہو گی۔وہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے تا کہ جلنے کا عذاب چکھیں اس لئے کہ انہوں نے کبھی کفر وعصیان کی جہنم سے نکلنے کی کوشش نہیں کی اور گناہوں کی بھٹی میں جلنے کو ترجیح دی۔

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا
کڑے سونے کے اور موتی اور لباس ان کا اس میں
حَرِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَ
ریشم ہوگا اور وہ راہنمائی کئے جاویں گے طرف پاکیزہ بات کے اور
هُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
رہنمائی کئے جاوینگے طرف راہ تعریفوں والے (خدا) کی یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

۲۴۔اس رکوع میں مومنین کے نیک انجام اور کفارِ مکّہ کے المناک انجام کا ذکر کیا اس لئے کہ انہوں نے مومنین کو خانہ کعبہ سے روکا اور مقامِ حرمت میں ان پر ظلم کیا۔آج بھی خانہ کعبہ سے مومنین کی ایک جماعت کو روکنے والے اپنے انجام پر غور کریں۔جہنم کی رسوائیوں اور عذابوں کو خوب وضاحت سے بیان کرنے کے بعد جنت کی شادمانیوں اور انعامات کا ذکر ہے جو اس دوسرے گروہ یعنی مومنین کے لئے مقدر ہیں۔وہاں یہ تمام نعمتیں ملیں گی۔اگر جہنمیوں کا لباس آگ کا ہوگا تو جنتیوں کا ریشم و اطلس کا ہوگا۔اگر اُنہیں طوق پہنائے جائیں گے تو اِنہیں موتیوں کے جڑاؤ کنگن۔یہ ساری نعمتیں مومنین کو دنیا میں بھی ملیں۔دنیا میں ہی یہ صحرا نشیں شام اور عراق کے باغاتؔ وا نہار کے وارث ہوئے جو جنت ارضی سے کم نہیں۔قیصر وکسریٰ کے لباسِ فاخرہ اور ہیرے جواہرات سے مرصّع زیورات ان کی لونڈیوں نے بھی پہنے۔سراقہ بن جعشم کو تو نبی اکرمﷺ کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے کسریٰ کے ہیرے جواہرات سے مرصّع کنگن حقیقت میں بھی پہنائے۔تاہم جہنم و جنت کے تمام نظارے ہمیں سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ ان کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

۲۵۔سب سے بڑی نعمت جو مومنوں کو دنیا و آخرت میں عطا ہو گی وہ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے انہیں پاک باتوں کی طرف رہنمائی کا نصیب ہونا ہے اور صراطِ حمید کی طرف ان کی رہنمائی ہے۔یعنی صاحب حمد اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے گی۔اگر آخرت میں وہ اپنے ربّ کے کلام اور دیدار سے مشرف ہوں گے تو دنیا میں بھی اپنے ربّ کی دی ہوئی ہدایت سے کشوف و الہامات سے نوازے گئے۔اگر اللہ کے فضل و احسان سے وہ دنیا میں ان راہوں پر چلائے گئے جو قابل حمد و ستائش تھیں تو آخرت میں بھی بیکار نہیں بیٹھیں گے۔بلکہ روحانی ارتقا کا ایک لامتناہی سلسلہ انہیں صراط حمید کی طرف رہنمائی کرے گا۔قولِ طیّب سے مراد کلمہ توحید اور صراط حمید سے دینِ اسلام بھی مراد لیا گیا ہے۔

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اور روکتے ہیں راہ سے اللہ کی اور مسجد الحرام سے

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۣ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ
وہ کہ بنایا ہے ہم نے جسے لوگوں کیلئے برابر ہے مقیم اُس میں اور باہر کا

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ
اور جو چاہے گا اس میں بے دینی ظلم سے چکھاویں گے ہم اُسے عذاب

ع ۳ / ۱۰ اَلِيْمٍ ۲۵ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ
دردناک اور جب مقرر کی ہم نے واسطے ابراہیم کے جگہ کعبہ کی (یہ کہتے ہوئے)

۲٦۔ **الحاد**۔ دوسری طرف مائل ہونا۔ سیدھے راستے سے عمداً ایک طرف ہو جانا۔ بے دینی۔ کجی۔ اس سے لحد ہے جو قبر کے ایک طرف بنائی جاتی ہے۔

گروہِ مومنین کے ذکر کے بعد پھر گروہ کفّار کا ذکر کیا اور کفارِ مکّہ کے چار بڑے گناہوں کو بیان فرمایا جن کی وجہ سے وہ عذابِ الیم کے مستحق ٹھہرے۔ پہلا یہی کہ خود کافر ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ مسجد الحرام سے لوگوں کو روکتے ہیں جو تمام بنی نوع انسان کے لئے برابر ہے اور جس کے دروازے ہر شرقی و غربی اور امیر و غریب کے لئے کھلے ہیں۔ اِن کے لئے بھی جو اِس کے قریب رہتے ہیں اور اس میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں یعنی مجاور وغیرہ اور ان کے لئے بھی جو صحرا نشیں اور جنگلوں میں رہنے والے ہیں، اور کبھی کبھی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ غرض بحیثیت انسان سب برابر ہیں اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ راہِ حق یا مسجد الحرام سے روکے۔ آنحضرت ﷺ نے تو نجران کے عیسائوں کو اجازت دی کہ مسجد نبوی میں اپنے طریق سے عبادت کر لیں۔ غرض مسجد الحرام ہو یا دیگر مساجد وہ تمام اسلامی مساوات کی بہترین درس گاہیں ہیں جن میں شاہ و گدا ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں اور کسی سے کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جاتا۔ اسی طرح امامت کے لئے بھی کوئی شخص یا خاندان مخصوص نہیں۔ ہر نیک انسان خدا تعالیٰ کا نمائندہ ہے۔ ان کا چوتھا گناہ مسجد الحرام کے متعلق الحاد ہے۔ یعنی ظلم کی راہ سے اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس مقصد کے لئے اس کی تعمیر ہوئی اس مقصد کو پورا نہ ہونے دیا اور اصل مقصد سے ہٹا دیا۔ اس کی تعمیر کا مقصد بنی نوع انسان میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنا، ان کو اکٹھا کر کے، ان کے مشترکہ فوائد کے لئے لائحہ عمل تجویز کرنا، اس پر عمل کرنا اور تمام بنی نوع انسان کو آہستہ آہستہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرنا تھا۔ افسوس آج مسلمان ان تمام امور سے

اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ
کہ نہ شریک بناؤ ساتھ میرے کسی کو اور پاک رکھیو گھر کو میرے واسطے طواف کرنے والوں

وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۲٦ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ
اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنیوالوں (اور) سجود کرنیوالوں کے اور اعلان کردے لوگوں میں

آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اور خدا کے اس گھر میں سوائے ان کے جنہیں یہ چاہیں، دیگر بندگانِ خدا کا داخلہ قانوناً ممنوع قرار دے چکے ہیں۔ دین میں کجی پیدا کرنا ہر جگہ موجب گناہ ہے لیکن حرم کے اندر ایسا کرنا عذابِ الیم کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ آج دیگر مذاہب کے علاوہ مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کو مسجد الحرام سے روکنے والے غور کریں کہ وہ کس عذاب کو دعوت دے رہے ہیں۔ البتہ خانہ کعبہ میں شرک اور مشرکانہ رسوم کی اجازت نہیں۔

۲۷۔ **بوّانا**۔ (بوّا) ہم نے جگہ دی۔ ہم نے رہائش کے لئے جگہ دی۔

اس رکوع میں خانہ کعبہ کی ابتدا اور فرضیت حج کا ذکر ہے۔ اس مضمون کی تفصیل کے لئے سورۃ بقرہ آیت ۱۲٦ تا ۱۳۰ ملاحظہ فرمائیں۔

بیت اللہ سے روکنے والوں کے لئے عذابِ شدید کی وعید کے بعد بیت اللہ کے فضائل و عظمت کو بیان کیا کہ یہ احکام کوئی نئے نہیں۔ اس گھر کی تعمیرِ نو کے ساتھ ہی ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کو یہ تعلیم دی گئی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا حالانکہ آپ موحدِ اوّل تھے اور آپؑ سے شرک کا احتمال ہرگز نہیں تھا پس یہ تعلیم آپ کی وساطت سے قیامت تک کے مومنین کے لئے تھی۔ **طائفین** میں حج کی طرف اشارہ ہے قیام و رکوع و سجود نماز کے لئے خاص ہیں۔ گویا خانہ کعبہ کی تعمیر کے ساتھ ہی شرک سے کلیۃً اجتناب اور حج اور نماز کا حکم ہُوا اور بتا دیا کہ اس گھر کی اصل طہارت اسے شرک کی آلائشوں سے پاک رکھنا، اس کا حج اور اس میں نماز ادا کرنا ہے۔ ہاں ظاہری طہارت بھی ضروری ہے۔ بیشک یہ احکام تعمیرِ کعبہ کے ساتھ ہی جاری ہو گئے ہوں گے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت سے اپنے کمال کو پہنچے جب خانہ کعبہ بتوں کی آلائش سے ہمیشہ کے لئے پاک کر دیا گیا اور بیت اللہ صحیح معنوں میں ذکرِ الٰہی کے لئے مخصوص ہُوا اور مرجعِ خلائق بنا۔ چونکہ دنیا کی تمام مساجد بیت اللہ کا ہی ظِل ہیں۔ اس لئے یہ تمام احکام ظلّی طور پر تمام مساجد پر اطلاق پاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قضاء مسجد نبوی میں ہوتی تھی، جنگوں کے اہم فیصلے اور قومی اصلاح کی تجاویز بھی یہیں ہوتی تھیں۔ گویا یہی مسلمانوں کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا یہی سیکرٹریٹ تھا بلکہ قومی

بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ

حج ۔ کا ۔ وہ آویں تیرے پاس ۔ پیدل ۔ اور ۔ ہر ۔ دُبلے اونٹ پر جو (اونٹ) آئینگے

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۸﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَ

ہر ۔ راستہ ۔ دور کے سے ۔ تاکہ حاضر ہوں ۔ فائدہ میں اپنے ۔ اور

مہمانخانہ بھی یہی تھا، قیدی بھی یہیں رکھے جاتے تھے اور جمعہ بھی یہیں ہوتا تھا۔پس ہر وہ کام جس سے قوم کی اخلاقی اور دینی و دنیوی حالت سدھرے ذکرِ الٰہی میں شامل ہے اور دین کا حصہ ہے اور مسجد میں کرنا جائز ہے ہاں خالص ذاتی امور کے متعلق باتیں کرنا منع ہے جیسے شادی بیاہ یا ملازمت وغیرہ کی باتیں۔اسی لئے آنحضرت ﷺ نے گمی ہوئی چیز کا اعلان مسجد میں کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کو حضرت ابراہیم کا مکان کہا گویا اللہ کے گھر کو ابراہیمؑ کا گھر قرار دیا۔حالانکہ آپ وہاں کبھی کبھی آتے اور چلے جاتے تھے۔ درحقیقت حضرت ابراہیمؑ توحید کی علامت (Symbol) تھے۔اللہ نے اپنے گھر کو کامل موحّد سے منسوب کر دیا۔صفاتِ ابراہیمی میں آپ کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ آپ کے نمائندہ تھے۔آپ نے ان تمام فرائض کو پورا کیا جو حضرت ابراہیمؑ کے سپرد تھے۔بعض دفعہ بیٹے کا فعل باپ کی طرف اور باپ کا بیٹے کی طرف منسوب ہوتا ہے۔بعد میں آپ کے روحانی فرزند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام ابراہیمی فرائض کو عملاً پورا کر کے دکھایا۔

۲۸۔**رجالاً۔رجل** کی جمع ہے۔وہ شخص جس کے پاس کوئی سواری نہ ہو۔پیادہ۔ **ضامر**۔تھوڑے گوشت والا لاغر جانور۔ایسا اونٹ جس پر گوشت نظر نہ آئے۔**اَضمَرَ**۔ایک چیز کو مخفی کیا۔اسی سے ضمیر ہے اس لئے کہ وہ بھی مخفی ہوتا ہے۔**فج** ۔ دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ۔ گھرے گڑھوں والا راستہ۔**عمیق**۔ دور راہ۔ گہرا۔

بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد لوگوں کو توحید پر قائم کرنا اور ان کے لئے ایک مرکز کا قیام تھا۔ اسی مقصد کے لئے حج بیت اللہ فرض ہُوا۔ بیشک اس کے پہلے مخاطب حضرت ابراہیمؑ تھے لیکن خاص طور پر آنحضرت ﷺ سے خطاب فرمایا جن کے زمانے میں زائرین دور دراز سے پیدل اور ایسی سواریوں پر آئے جو لمبے فاصلہ اور سفر کی مشقت کی وجہ سے لاغر ہو جاتی تھیں اور زیادہ آمدورفت کے باعث راستوں میں گڑھے ڈالتی ہوئی آتی تھیں۔سمندری سفر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ گہرے سمندروں سے آئیں گے۔(سورۃ البقرہ ۱۹۷ تا ۲۰۴ میں حج کے فلسفہ اور ارکان پر تفصیل سے روشنی

يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

یاد کریں ۔ نام ۔ اللہ کا ۔ دنوں ۔ مقررہ میں ۔ اس (احسان) پر کہ اس نے دیئے انہیں

مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ

مویشی ۔ چارپایوں میں سے ۔ پس کھاؤ ۔ ان سے ۔ اور کھلاؤ ۔ بھوکے

الْفَقِيْرَ ﴿۲۹﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

غریب کو ۔ پھر چاہیئے کہ دور کریں اپنی میل کچیل ۔ اور چاہیئے کہ پوری کریں ۔ اپنی نذریں

ڈالی گئی ہے۔استفادہ فرمائیں)

۲۹۔**بهیمة جمع بهائم** ۔ چوپائے۔اس میں ہر قسم کے چوپائے شامل ہیں۔**انعام**۔ مویشی ۔حلال چوپائے۔ بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ۔ **بآئس**۔ بُرے حال والا۔ مصیبت زدہ۔ بھوکا۔ نادار فقیر۔

تاکہ حج کے لئے آنے والے بیشمار ظاہری اور باطنی فوائد و برکات کا مشاہدہ کریں اور ان سے فیضیاب ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس مقام اور ان ایام سے وابستہ کر رکھے ہیں۔ برکات و فیوض میں پہلا یہ کہ مقررہ ایام یعنی ایامِ حج و تشریق میں جو آٹھ سے بارہ بلکہ ایک لحاظ سے تیرہ ذی الحج تک خاص ذکرِ الٰہی کرنا ہے۔گویا اعمالِ حج درحقیقت ذکرِ الٰہی کے لئے ہی ہیں۔ پھر قربانیوں کے گوشت سے خود کھانا اور محتاج ضرورتمندوں کا خیال رکھنا ہے۔ جیسا کہ آجکل سعودیہ سے قربانیوں کا گوشت غریب مسلم ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔حج کے فوائد بے حد و حساب ہیں تاہم امتِ مسلمہ میں مرکزیت اور یکجہتی کی روح پھونکنا اور ان میں ہر قسم کی قربانی کا جذبہ پیدا کرنا سرفہرست ہے۔ایک حاجی تمام آسائشوں اور عزیز و اقارب سے تعلق توڑ کر صرف اپنے ربّ کی خاطر اس کے عشق کے غلبہ میں دیوانہ وار اس کے در پر حاضر ہوتا ہے اور ابراہیمی وعدوں کے پورا ہونے کا مشاہدہ کرتا ہے۔آنحضرت ﷺ کے وقت کے تمام مقاماتِ مقدسہ خاص طور پر روضہ مبارک کی زیارت اس کے دل میں سخت ہیجان پیدا کر دیتی ہے اور یہ سب ازدیادِ ایمان کا موجب ہوتا ہے۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد بہترین موقع میسر آتا ہے کہ مختلف ممالک کے نمائندے مل کر امتِ مسلمہ کے مسائل حل کرنے کی تدابیر کریں اور ان کی ترقی و یکجہتی کے لئے اجتماعی لائحہ عمل تیار کریں۔نیز مکّہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ سرزمین کی معاشی خوشحالی کا انحصار بھی حج پر ہی ہے۔اس عظیم اجتماع میں تمام امیر و غریب، آقا و غلام ایک ہی لباس اور ایک ہی طریق سے تمام ارکانِ حج

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٠﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ

اور چاہیئے کہ طواف کریں گھر آزاد کا یہ اور جو تعظیم کرے گا

ادا کرتے ہیں۔اس طرح تکبر ونخوت کی رگ کلیۃً کٹ جاتی ہے، برداشت اور رواداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے،انسان خدا تعالیٰ کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور اپنے تمام پچھلے گناہوں سے پاک ہو کر واپس لوٹتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جب تو کسی حاجی سے ملے تو اس کو سلام کر، مصافحہ کر اور اس سے درخواست کر کہ وہ تیرے لئے مغفرت کی دعا مانگے اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے، اس لئے کہ وہ بخش دیا گیا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل) گھر میں داخل ہونے سے پہلے اس لئے کہا کہ ممکن ہے گھر میں داخل ہو کر دنیوی امور میں الجھ جائے اور کسی معصیت کا شکار ہو جائے۔

۳۰۔**یقضوا۔ قضاء**۔قطع کرنا۔ دور کرنا۔**تفث**۔ اصل میں ناخن کی میل ہے۔ مراد چھوٹی سے چھوٹی گندگی۔**عتیق**۔قدیم۔مکرم۔ محفوظ۔ آزاد جس پر کبھی کوئی غلبہ نہ پا سکا۔

اللہ کا یہ گھر جابر سے جابر بادشاہ کے پنجہ ستم سے ہمیشہ آزاد رہا۔ کوئی اس کے مرتبہ کو پست نہ کر سکا۔ خانہ کعبہ حضرت آدمؑ سے پہلے بھی تھا۔ قربانی کے بعد حجاجِ کرام حلق کرواتے ہیں اور احرام کی تمام پابندیوں سے باہر آجاتے ہیں۔ فرمایا پھر ناخن کتروائیں،نہائیں دھوئیں اور اپنی میل کچیل دور کریں۔ اس میں چھوٹی سے چھوٹی صفائی نیز روحانی پاکیزگی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد اگر تمہارے نفوس میں میل کا ایک ذرہ بھی رہ جائے تو اسے صاف کر دیں اور ایک نئی زندگی کا آغاز کریں۔ منتوں کو پورا کرنا خدا کے ساتھ باندھے ہوئے عہدوں کو پورا کرنا بھی ہے۔ گویا حج کے بعد اس طرف خاص توجہ دلائی۔ مناسکِ حج کو نہایت عمدگی سے ادا کرنا بھی مراد ہے۔ آخر میں طوافِ زیارت یا طوافِ افاضہ ہے۔ یہ حج کا آخری رکن ہے جو یوم نحر کو مکّہ پہنچ کر ادا کیا جاتا ہے اسی سے حج کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ گویا طواف کعبہ سے حج شروع ہوتا ہے اور طواف پر ہی ختم ہوتا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ ہم اس گھر اور اسلام کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وقوفِ عرفات دوسرا اور طوافِ افاضہ تیسرا فرض رکن ہے جبکہ احرام باندھنا پہلا فرض رکن ہے باقی افعال سنت یا مستحب ہیں۔ پھر دوبارہ منیٰ پہنچ کر ۱۱۔۱۲۔۱۳ کو رمی کر کے مکّہ واپس جا کر الوداعی طواف کر کے گھر لوٹتے ہیں۔ محمد بن فضل البلخیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو نفسانی خواہشات کے ہوتے ہوئے خانہ کعبہ میں جاتا ہے اور اس کی زیارت کرتا ہے۔ وہ

حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ

قابلِ احترام باتوں اللہ کی تو یہ بہتر ہے اس کے لیے نزدیک رب کے اسکے اور حلال کئے گئے تمہارے لیے

الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ

چار پائے سوائے انکے جو پڑھے جاتے ہیں تم پر پس بچو پلیدی سے

الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣١﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ

بتوں کی اور بچو بات جھوٹ سے موحد ہو کر اللہ کے لیے نہ

مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ

شریک کرتے ہوئے ساتھ اسکے اور جو شریک بنا دے گا ساتھ اللہ کے تو گویا وہ گرا

کیوں اپنی خواہشِ نفسانی پر پاؤں نہیں رکھتا تاکہ مالکِ حقیقی تک رسائی ہو اور اس کے دیدار سے مشرف ہو۔ (کشف المحجوب)

۳۱۔حج کے احکام کے ساتھ رکوع ۵ تک شریعت کے عام قوانین جو زیادہ تر حج سے تعلق رکھتے ہیں۔ خوب کھول کر بیان فرمائے۔ حُرمٰت میں تمام واجب الاحترام چیزیں شامل ہیں۔ خواہ ان کا تعلق مناسکِ حج سے ہو یا دوسرے مقدس مقامات ہوں یا احکامِ الٰہی ہوں یا محترم ہستیاں ہوں۔ ان کی عظمت کو قائم رکھنا تمہارے ربّ کے نزدیک تمہاری بھلائی کا ضامن ہے۔ جانوروں کے ساتھ بھی بہت سی مشرکانہ رسوم وابستہ تھیں۔ اس لئے فرمایا کہ سوائے ان کے جن کے متعلق تمہیں قرآنِ کریم میں واضح احکام مل چکے ہیں۔ باقی تمام جانور حلال ہیں۔ فرمایا بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ بات سے۔ یہاں جھوٹ اور بت پرستی کو اکٹھا رکھا گویا جھوٹ بھی ایک بت ہے کہ جب حق نہ بچا سکے تو جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اللہ کے سوا جو بھی ہے وہ غیر اللہ ہے پس اللہ پر بھروسہ چھوڑ کر جھوٹ پر بھروسہ کرنا گویا غیر اللہ پر بھروسہ کرنا ہے جو شرکِ خفی ہے۔ یہ دونوں ایسی پلیدیاں ہیں جو انسان کی روحانیت کو تباہ کر دیتی ہیں۔ پس شرک کو جھوٹ سے ملایا تا جھوٹ سے نفرت ہو۔ محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بھی آپ ﷺ کو صدیق و امین کہنے پر مجبور تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن ابو جہل نے ایک موقع پر کہا کہ محمد: (ﷺ) ہم تجھے جھوٹا نہیں کہتے۔ ہم تو اس تعلیم کی تکذیب کرتے ہیں، جسے تو پیش کر رہا ہے۔ (ترمذی۔ کتاب التفسیر) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے منافق کی علامات میں فرمایا کہ جب بولتا ہے جھوٹ بولتا ہے (بخاری کتاب الایمان) اور فرمایا اسے جہنم کے سخت ترین مقام پر رکھا جائے گا۔

۳۲۔**خرّا**۔ وہ گرا۔ **خرّوا سجّدا**۔ ۳۲۔۱۶۔ **تھوی** وہ جھکتی ہے۔ **الھویٰ**۔

السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

آسمان سے پس اچکتے ہیں اُسے پرندے یا گرا دیتی ہے اُسے ہوا

مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا

جگہ دُور میں یہ اور جو تعظیم کریگا نشانیوں کی اللہ کی تو یقیناً یہ

مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝۳۲ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ

تقویٰ سے ہے دلوں کے تمہارے لیے ان (چارپایوں) میں منافعے ہیں تا میعاد

خواہشاتِ نفسانی کی طرف مائل ہونا۔ پستی کی طرف اترنا۔ اسی سے ہوا ہے۔ **سحیق**۔ (سَحَقَ) پیسنا۔ مقامِ بعید۔ **فسحقًا لّاَصحٰب السعیر** ٥(۶۷۔۱۲)

کامل موحِد وہی ہے جو اللہ کی طرف جھکتے ہوئے شرک کی تمام اقسام سے بچے۔ جن میں شرک خفی بھی شامل ہے۔ یعنی ظاہری و مادی اسباب پر بھروسہ کرنا اور خدائی تصرف کا خیال دل سے ہٹا دینا۔ یا یہ کہ خدا تعالیٰ کی طرح کسی اور کے لئے اپنے دل میں محبت، ادب یا خوف و رجا رکھنا۔ غرض خفی اور خفی شرک سے بچنا موحِد کا کام ہے۔ اب مشرک کے بد انجام سے متنبہ کیا اور بتایا کہ فطرتاً انسان کو بلند مقام عطا ہُوا ہے۔ جب وہ اپنے سے کمتر چیزوں کے آگے سر جھکاتا ہے تو گویا انسانیت کے بلند مقام سے اتر کر پستی میں جا گرتا ہے۔ اس طرح شرک خفی اور جھوٹ کے نتیجہ میں اللہ کے دین سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور اللہ کی حفاظت سے نکل جاتا ہے۔ جھوٹے مذاہب اور مختلف قسم کے تواہمات اسے دبوچ لیتے ہیں اور شیاطین کے پنجہ میں پھنس جاتا ہے خواہ شیطان صفت انسان ہوں یا شیاطین۔ وہ شکاری پرندوں کی طرح اس پر جھپٹتے اور اچک لے جاتے ہیں۔ پھر اس کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ خواہشاتِ نفسانی اور مادہ پرستی اسے دور پھینک دیتی ہے یعنی گمراہیوں میں بہت دور نکل جاتا ہے اور دہریت کا شکار ہو جاتا ہے۔ دور پھینکنے میں ذلیل و خوار ہونا اور ضلالت کی موت مرنا بھی ہے۔

۳۳۔**شعآئراللّٰہ**۔ اللہ کی مقرر کردہ نشانیاں جنہیں اللہ نے عزت دی۔

مشرکین کے انجام کے بعد متقین کا ذکر کیا کہ وہ شعآئر اللہ کا احترام کرتے ہیں جو ان کے دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ شعآئر اللہ میں سب سے اول قرآنِ کریم اور اس کے احکام ہیں۔ چونکہ حج کا ذکر ہے اس لئے شعآئر اللہ میں خصوصیت سے خانہ کعبہ، اعمالِ حج، حُرمات اور قربانیاں ہیں۔ پس جو ظاہری طور پر ان مقامات کا ادب کرتا ہے۔ جہاں اللہ کے جلال کا اظہار ہُوا گویا وہ

مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۳۳ وَلِكُلِّ ع ۴ ۸ ۱۱

مقررہ پھر حلال ہونے کی جگہ انکی طرف گھر آزاد کے اور واسطے ہر

اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا

امت کے مقرر کی ہم نے قربانی تاکہ یاد کریں نام اللہ کا اس پر جو

رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اس نے دیئے انہیں مویشی چارپایوں میں سے پس معبود تمہارا معبود ایک ہے

فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝۳۴ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ

سو اسی کے لیے فرمانبردار ہو اور بشارت دے عاجزی کرنے والوں کو وہ لوگ کہ جب ذکر کیا جاتا ہے

اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَ

اللہ کا ڈر جاتے ہیں دل ان کے اور صبر کرنے والے اس پر جو پہنچے انہیں اور

الْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳۵ وَالْبُدْنَ

قائم کرنے والے نماز اور اس سے جو دیا ہم نے انہیں خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے اونٹ

تجلیاتِ ربانی کے مرکز ہیں۔ یا ان ہستیوں کا ادب کرتا ہے جن پر اللہ کا کلام نازل ہُوا یا ان قربانیوں سے محبت کرتا ہے جو ذبح عظیم کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔ تو ضرور ہے کہ اس کا دل بھی خشیت اللہ سے پُر ہو اور وہ تقویٰ میں مزید ترقی کرتا چلا جائے۔ اس لئے کہ تمام اسلامی عبادات کا تعلق ظاہری ارکان کے علاوہ دل کے تقویٰ سے ہے۔ ورنہ وہ تمام اعمال محض چھلکا ہوں گے۔

۳۴۔**محلّ**۔ حلال ہونے کی جگہ۔ آخری منزل۔

باوجود اس کے کہ یہ قربانیاں شعائر اللہ میں داخل ہیں ان سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ یہانتک کہ وہ اپنی آخری منزل بیت عتیق میں پہنچیں۔ جیسا کہ بندوں کے لئے بھی عبادات کی آخری منزل ادائے حج ہی ہے جو اسے مقامِ عبودیت سے گروہِ عشاق میں داخل کر دیتی ہے۔

۳۵۔۳۶۔**نسک**۔ لفظی معنی عبادت کے ہیں۔ جیسا کہ آیت ۶۸ میں ہے۔ یہ لفظ ارکانِ حج کی ادائیگی اور قربانی کے طریق کے لئے مخصوص ہے۔ نیز اعمال حج ادا کرنے کے مقامات۔ **مخبتین**۔ **خبت**۔ عاجزی و انکساری۔ **وجِلَت**۔ لفظی معنی وہ ڈری۔ **وجلت قلوبهم**۔ ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ عربی میں ایک عضو مونث ہے جیسا کہ قلب۔ دو مذکر ہیں جیسا کہ ہاتھ وغیرہ۔

اس رکوع میں قربانی کی اصل غرض پر روشنی ڈالی کہ اپنے ربّ کی رضا کے لئے اپنی ہر متاعِ عزیز کو قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ فرمایا تمام شرائع میں قربانی کا یہی طریق تھا کہ خالصۃً للّٰہ کی جائے اور ان پر صرف اللہ کا نام لیا جائے۔ جب مذاہب میں بگاڑ پیدا ہوا تو دوسری غلط

جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ

بنایا ہم نے انہیں تمہارے لیے نشانیوں میں سے اللہ کی تمہارے لیے ان میں بہتری ہے

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ

پس ذکر کرو نام اللہ کا ان پر پاؤں باندھ کر پس جب گر جاویں

رسوم کے ساتھ بتوں کے نام پر قربانیوں کا رواج ہُوا۔ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے میں یہی فلسفہ تھا کہ ہمیں کسی جانور کی جان لینے کا بھی کوئی حق نہیں۔ زندہ کرنے اور مارنے کا حق صرف اللہ کو ہے۔ بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر پڑھ کر اس جانور کو صرف اللہ کی طرف منسوب کر کے اسی کے نام اور اجازت سے ذبح کرتے ہیں۔ گویا ہمارا ہر کام اللہ کے حکم اور اس کی رضا کے تحت ہو نہ کہ ظاہری فوائد مدِنظر ہوں۔ یہ اللہ کا احسان ہو گا کہ ظاہری فوائد سے بھی متمتع ہو جاؤ گے۔ ایک جانور جب تک زندہ رہے انسان کے بہت کام آتا ہے اور ذبح کے بعد بھی کار آمد ہوتا ہے۔ پس انسان ایک جانور سے ہی سبق سیکھے کہ اپنی زندگی مالکِ حقیقی کی خوشنودی میں گزارے اور نافع الناس وجود ثابت ہو تا مرنے کے بعد بھی اس کے فوائد و برکات جاری رہیں۔ جب ایک بندہ احکامِ الٰہی کے آگے گردن جھکا دیتا ہے اور کلیۃً اسی کا ہو جاتا ہے تو اس میں عاجزی و فروتنی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس ان عاجزی کرنے والوں کو اپنے ربّ کی رضا اور اس کی جنت کی خوشخبری سنا دے اور انہیں بھی جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور اُنہیں بھی جو مصائب پر صبر کرتے اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا خواہ مال و دولت تھی یا ان کی قوت و استعداد، ان سب میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ ان تمام اسلامی عبادات کا تعلق قربانیوں سے ہے۔ کہیں خواہشات کی قربانی ہے، کہیں وقت کی اور کہیں جان و مال اور اولاد کی۔ غرض قربانی ظاہری ہو یا باطنی قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور **منسکًا** قربانی اور جائے قربانی کے علاوہ ارکانِ حج ادا کرنے کے لئے بھی مخصوص ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں یہ تشریح فرمائی کہ حج تمام مذاہب میں کسی نہ کسی رنگ میں پایا جاتا ہے لیکن ہر جگہ اس کا دائرہ محدود ہے۔ بین الاقوامی حج سوائے اسلام کے کسی مذہب میں نہیں ہندو، بدھ، عیسائی وغیرہ اپنے متبرک مقامات پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے اپنے طریق پر عبادت بجا لاتے ہیں۔ اس طرح انہیں اُس حجِ اکبر کے لئے تیار کیا جاتا ہے جب تمام دنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا جس کے ذریعہ حج کے اعلیٰ مقاصد پورے کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ۔

جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ

اپنے پہلوؤں پر تو کھاؤ ان سے اور کھلاؤ نہ سوال کرنیوالے اور سوال کرنیوالے کو

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ لَنْ يَّنَالَ

اسی طرح کام میں لگا دیا ہم نے انہیں تمہارے لیے تاکہ تم شکر کرو ہرگز نہیں پہنچیں گے

۳۷۔ **البدن**۔ بدن کی جمع ہے۔ جسم۔ اونٹ کو اس کے جثہ کی بڑائی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ قربانی کی گائے اور اونٹ جو موٹے تازے ہوں۔ **صوآف**۔ قطار باندھنے والے **وجبت**۔ (وجب) وہ گر پڑی۔ **القانع**۔ قناعت والا۔ تھوڑی چیز پر راضی ہو جانے والا۔ **المعترّ**۔ سوالی۔ مصیبت زدہ۔ قربانی کے اونٹ بھی قابلِ عزت ہیں۔ یہ قربانیاں انسانوں کو اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ اِن کے ساتھ بہت سے دینی و دنیوی فوائد وابستہ ہیں۔ تاہم اتنی قربانیاں اکٹھی ذبح کرنے میں بظاہر کوئی خیر نہ بھی سمجھ آئے تو ایک عظیم سبق یہ ضرور ہے کہ حکمِ الٰہی پر عمل کرو خواہ اس کی حکمت تمہیں سمجھ نہ آئے۔ آج بہت سے مسلم ممالک کے عوام بھوک اور افلاس کی چکی میں پس رہے ہیں انہیں کچھ گوشت پہنچایا جاتا ہے۔ لیکن آج کے ترقی یافتہ زمانہ میں خون اور ہڈیوں وغیرہ کا ضائع ہو جانا سعودی حکومت کی لاپرواہی ہے۔ ان پر اللہ کا نام لینا ذبح کرنے سے پہلے **بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر** پڑھنا ہے۔ یہاں اونٹ کو ذبح کرنے کے طریق کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ اسے صف میں کھڑا کر کے پاؤں باندھ کر اس پر اللہ کا نام پڑھ کر اس کے حلقوم میں زور سے نیزہ مارا جاتا ہے جب وہ اپنے پہلو پر گر جائے تو ذبح کر کے اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور غرباء و مساکین کو بھی کھلاؤ جو قربانی کے عظیم مقاصد میں سے ایک ہے۔ پہلو پر گر جانے کے معنی کچھ دیر انتظار کے بعد گوشت کاٹنا کے ہیں۔ اسلامی طریق پر ذبح کرنا وہ واحد طریقہ ہے جس میں خون زیادہ سے زیادہ نکلتا ہے اور جانور کو کم سے کم تکلیف ہوتی ہے اس لئے کہ شہ رگ کے کٹتے ہی خون کی سپلائی دماغ سے منقطع ہو جاتی ہے اور دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ ایک دو منٹ تک بغیر خون کی سپلائی کے بھی کسی حد تک دماغ کام کرتا ہے۔ لیکن واضح احساسات سے عاری ہوتا ہے۔ دماغ سے تعلق کٹ جانے کے بعد بھی ایک متبادل نظام قائم ہو جاتا ہے اور چند لمحے تک دل کو احکامات ملتے رہتے ہیں۔ اس لئے بظاہر جانور مر بھی چکا ہو تو بھی چند منٹ بعد کھال وغیرہ اتارنی چاہئے تاکہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو اور قربانی کرنے والا ظلم سے بچے۔ عام طور پر جانور کو تیز چھری سے ذبح کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ پھڑ پھڑانے سے خون زیادہ سے زیادہ نکل جائے پھر ٹھنڈا ہونے پر کھال اتاری جاتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی عطا

اللّٰہَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى
اللہ کو گوشت اُنکے اور نہ خون ان کے ولیکن پہنچے گا اُسے تقوٰی
مِنۡكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَـكُمۡ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا
طرف سے تمہاری اسی طرح کام میں لگایا اس نے انہیں تمہارے لیے تاکہ تم بڑائی کرو اللہ کی اس پر کہ
هَدٰٮكُمۡ‌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۳۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ
ہدایت دی اس نے تمکو اور خوشخبری دے احسان کرنیوالوں کو یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے

کردہ نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا اور ان میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ (آیت:۳۶) اسی طرح اس کے عطا کردہ جانوروں کو جو اس نے تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کئے اور تمہارے زیرنگیں کئے اس کی راہ میں قربان کرنا اور اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا بھی واجب ہے۔

۳۸۔ینال۔نیل۔ وہ چیز جو انسان اپنے ہاتھ سے لیتا ہے۔ مراد چیز کا پہنچنا۔ **لن تنالوا البرّ** (۳۔۹۳)

مناسکِ حج اور قربانیوں کے مسائل کو خوب کھول کر بیان کرنے کے بعد قربانی کی اصل حقیقت کو واضح کیا اور بتایا کہ قربانیوں کے گوشت یا خون کی اللہ تعالیٰ کو حاجت نہیں۔ ظاہری قربانی ہرگز قبول نہیں ہوتی۔ جب تک دلوں میں محبتِ الٰہی اور تقویٰ اور اخلاص نہ ہو۔ تقویٰ جو معمولی خوف سے شروع ہو کر باریک ترین راہوں تک متقین کو لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ محسنین میں شامل ہو جاتے ہیں جو کمال کا آخری مرتبہ ہے۔ ایامِ جاہلیت میں مشرکین خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں کے نام پر قربانیاں دیتے اور کچھ خون کعبہ کی دیواروں پر مل دیتے تھے۔ اس جہالت کا بھی رد فرمایا۔

انسانی فطرت میں ظاہر کا باطن سے گہرا تعلق ہے۔ اسلامی عبادات میں عبادت کی ایک ظاہری شکل ہے۔ ایک باطنی۔ نماز میں قیام و رکوع و سجود، روزہ میں بھوکا رہنا یا مناسکِ حج عبادات کی ظاہری شکلیں ہیں۔ جبکہ ان عبادات کو محبتِ الٰہی اور اخلاق و تقویٰ سے ادا کرنا باطنی شکل ہے اور بطور مغز کے ہے۔ ظاہری شکل میں بھی بہت سے روحانی و جسمانی فوائد اور گہری حکمتیں پوشیدہ ہیں کیونکہ ظاہر و باطن دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جیسے ایک قربانی کرنے والا بظاہر صرف ایک جانور ذبح کرتا ہے لیکن حقیقت میں اپنے نفس کی قربانی پیش کرتا ہے کہ جس طرح یہ جانور میرے تصرف میں اور میری چھری کے نیچے ہے۔ اسی طرح میں بھی اپنے مالکِ حقیقی کے قبضہ میں ہوں اور اپنی تمام نفسانی خواہشات، اپنی تمام قوتوں اور اپنے سارے وجود کو یہاں تک کہ اپنے مال اور اولاد کو اس کی

عَنِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوۡرٍ ﴿۳۹﴾ ع ۵ ۱۲
طرف سے ان لوگوں کی جو ایمان لائے یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا ہر بڑے خیانت کرنیوالے بڑے ناشکرے کو۔

رضا کی خاطر قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہوں۔ تب اس کی یہ قربانی کبھی بھی ضائع نہیں جاتی اور حضرتِ احدیت میں قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی مثال ہمارے سامنے ہے جنہوں نے اللہ کے حکم سے اس کی محبت اور رضا کی خاطر اپنے پہلو ٹھے لختِ جگر کو مکّہ کے تپتے ہوئے صحرا میں چھوڑ کر قربانی کا عدیم المثال نمونہ پیش کیا۔ بعد میں عملاً بھی اس لختِ جگر کو قربانی کے لئے پیش کیا۔ اللہ نے اپنے پیارے کی اس قربانی کو ضائع نہیں کیا۔ بلکہ اس کی برکات سے نوعِ انسانی کو قیامت تک کے لئے فیضیاب کیا اور اس ذبحِ عظیم کی یاد میں ہر سال قربانی واجب کی۔

اللہ کی ہدایت اور رہنمائی سے جانوروں کا مطیع ہونا اور انہیں قربان کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا حج سے خاص نہیں بلکہ ہر ذی استطاعت جہاں بھی ہو عیدالاضحیٰ کے مبارک روز قربانی کر کے ثواب میں شامل ہو سکتا ہے اور اس عہد کو دہرا سکتا ہے کہ اگر مجھے اپنی عزیز ترین شے بھی راہِ خدا میں قربان کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انشاء اللہ ثابت قدم رہوں گا۔ حج کے تعلق میں اس آخری آیت میں بتایا کہ لبیک لبیک کہتے اور مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے بندہ اپنے ربّ کو بہت ہی قریب سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ محسن کی تعریف میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز ادا [illegible] ہوئے گویا اپنے ربّ کو دیکھتا ہے۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم کتاب الایمان۔ بروایت حضرت عمر بن خطابؓ) پس یہاں حُجاجِ کرام کو محسنین کے لقب سے نوازا اور انہیں اپنی لقاء اور اپنی جنتوں کی بشارت دی۔

۳۹۔ چونکہ اگلے رکوع میں مومنین کو باوجود اس کے کہ ابھی کمزور تھے۔ مدافعانہ جنگ کی اجازت ملنے والی تھی۔ اس لئے اس رکوع کی آخری آیت میں تمہید کے طور پر فرمایا کہ مومنین کو اپنی نفری یا سامانِ جنگ وغیرہ کی کمی سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی طرف سے مدافعت کرے گا اور حج کے تعلق میں تمام روکوں کو دُور کر دے گا۔

مشرکین مکّہ نے مومنین اور خصوصاً محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ابراہیمی دعاؤں کے مظہر اور وجہِ تخلیق کائنات ہی نہیں وجہ تعمیرِ بیت اللہ بھی تھے، خانہ کعبہ سے روکا ہوا تھا۔ حالانکہ تعمیر کعبہ کے وقت ہی (آیت ۲۶۔۲۷) حضرت ابراہیمؑ سے عہد لیا گیا تھا کہ میرے گھر کو شرک سے پاک رکھنا اور میرے بندوں کو عباداتِ الٰہی اور حج وغیرہ سے نہ روکنا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لیے کہ وہ ظلم کئے گئے اور یقیناً اللہ

نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴿۴۰﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

مدد پر ان کی البتہ بہت قدرت رکھنے والا ہے وہ لوگ جو نکالے گئے اپنے گھروں سے

بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ

بغیر حق کے مگر یہ کہ وہ کہتے ہیں رب ہمارا اللہ ہے اور اگر نہ دفع کرنا ہوتا

اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ

اللہ کا لوگوں کو بعض کو ان کے ساتھ بعض کے تو ضرور گرادیئے جاتے راہب خانے

وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ

اور گرجے نصاریٰ کے اور گرجے یہود کے اور مسجدیں کہ ذکر کیا جاتا ہے ان میں نام اللہ کا

خانہ کعبہ کی متولیت ایک امانت کے طور پر ان کے سپرد تھی۔ اس میں شرک کر کے یہ خدا تعالیٰ سے خیانت کے مرتکب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ اور مومنین کو حج سے روک کر اور انہیں ان کے حق سے محروم کر کے یہ بندگانِ خدا سے خیانت کے مرتکب ہوئے۔ انبیاء جو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں اور بندوں کی ہدایت پر مامور ہوتے ہیں ان کا اور ان کے لائے ہوئے پیغام کا انکار اور بیت اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کفران نعمت سے کم نہیں۔ قربانی کے تعلق میں یہ معنی ہوں گے کہ تقویٰ سے کی گئی قربانیاں، مومنین کی جان و مال کی حفاظت کا موجب ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ دعا اور صدقہ مصیبت اور بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔ (جامع ترمذی۔ کتاب القدر بروایت حضرت ابوہریرہؓ) جبکہ مالِ حرام سے کی گئی قربانی سے ایسا کوئی وعدہ نہیں اس لئے کہ وہ تقویٰ سے خالی ہوتی ہے۔

۴۰۔ اس رکوع میں اسلامی جنگی قواعد سے آگاہ کیا۔ حج کے احکام میں مومنین میں قربانی کی روح اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی۔ اس آیت میں مومنین کو پہلی دفعہ حق کی خاطر مدافعانہ جنگ کی اجازت دی گئی جس کے لئے اعلیٰ ترین قربانیوں کی ضرورت تھی۔ یہ اجازت اس لئے دی گئی کہ ان پر ناحق ظلم و ستم کیا گیا تھا گویا مظلوم کو اپنی مدافعت میں لڑنے کا حق ہے جبکہ کفار نظامِ الٰہی کو مٹانے کے لئے جنگ پر اتر آئیں۔ ایسے حالات میں جوابی کاروائی نہ کرنا اور اپنی حفاظت سے ہاتھ کھینچ لینا خودکشی کے مترادف تھا۔ ساتھ ہی اپنی معیت کا وعدہ فرمایا کہ باوجود انتہائی نامساعد حالات کے اللہ تعالیٰ ان مظلوموں کی مدد پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے اور انہیں اپنی نصرت سے نوازے گا۔

كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ

بہت اور البتہ ضرور مدد کریگا اللہ اس کی جو مدد کرے گا اسکی یقیناً اللہ البتہ قوی

عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا

عزت والا ہے وہ لوگ کہ اگر طاقت دیں ہم انہیں زمین میں تو قائم کریں

۴۱۔ **هُدِّمَتْ۔ هدم**۔ عمارت کا گرانا اسی سے منہدم ہے۔ **الصوامع**۔ واحد **الصومعة**۔ راہبوں کے خلوت خانے۔ راہب خانے۔ **بِيَع**۔ واحد **بيعة**۔ نصاریٰ کے گرجے۔ **صلوٰت**۔ یہود کے کنیسہ۔ یعنی معبد۔

اب ان مظالم کی قدرے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک لمبا عرصہ تک نبی اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین ظالموں کے ہاتھوں شدید تشدد کا نشانہ بنتے رہے۔ بہت سے قتل ہوئے، اور شہادت کا رتبہ پایا۔ یہانتک عورتوں کو بھی نہایت ظالمانہ طریق سے قتل کیا گیا۔ انہیں گھروں سے نکال کر گھروں اور جائیدادوں پر قبضہ کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن اللہ کی خاص تدبیر سے آپ ﷺ ان ظالموں کے ہاتھوں سے بچ کر مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں بھی آپ ﷺ کا تعاقب کیا گیا اور ایک لشکر جرار لے کر لڑنے کے لئے پہنچ گئے۔ یہ سب مظالم صرف اس وجہ سے تھے کہ انہوں نے صرف ایک خدا کا اقرار کیا۔ ظلم اور بے رحمی جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو مظلوموں کو بالکل نیست و نابود ہونے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے کچھ بندوں کو کھڑا کرتا ہے تا ان ظالموں کو روکیں اور مزید مظالم سے باز رکھیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو نہ عبادتگاہیں قائم رہتیں اور نہ عبادت کرنے والے۔ گویا خوب کھول کر بتا دیا کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور اسلامی جنگوں کا مقصد محض اسلام کی حفاظت ہی نہیں بلکہ ہر مذہب اور اس کے شعائر کی حفاظت ہے۔ اسلامی جہاد عیسائیوں کے گرجا گھروں اور یہودیوں کی عبادتگاہوں کی حفاظت سے شروع ہوتا ہے۔ اسلام میں صرف مدافعانہ جنگ کی اجازت ہے حقیقت تو یہ ہے کہ دفاعی جنگ کی اصطلاح بھی قرآن کریم نے ہی استعمال کی ہے اور یہی جہاد ہے، جو ایک امام کے ماتحت لڑا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی یا ملکی جنگیں ہیں جو حُب الوطنی کے تحت لڑی جاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وطن کی محبت بھی ایمان کا حصہ ہے اس لئے ان جنگوں میں حصہ لینا بھی کارِ ثواب ہے۔ مومن ان جنگوں میں بھی جہاد والی شرائط پر عمل کر کے جہاد کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ نیز جہاد میں یہ بھی شامل ہے کہ فتنہ و فساد کا قلع قمع کر کے امن و امان قائم کیا جائے تا مذہب کے نام پر تشدد نہ

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا

نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم دیں مناسب بات کا اور منع کریں

عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿٤١﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ

ناپسندیدہ بات سے اور اللہ ہی کیلئے ہے انجام تمام باتوں کا اور اگر وہ جھٹلادیں تجھے

ہو اور خالصۃً مذہبی آزادی ہو جو ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔جنگ میں پہل کرنے یا شبخون مارنے کی اجازت نہیں۔اگر دشمن صلح کا ہاتھ بڑھائے تو فوراً جنگ روک دے خواہ فتح کتنی ہی قریب ہو۔اگر کوئی معاہد قوم اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہی ہو تو جنگ سے کافی عرصہ پہلے اپنے معاہدہ کی منسوخی کا اعلان کرے۔عبادت گاہوں اور عبادت گزاروں کی حفاظت کرنا، بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر کوئی زیادتی نہ کرنا، باغوں اور کھیتوں کو برباد نہ کرنا ہر مسلمان سپاہی کا فرض ہے۔دشمنوں کے معاملہ میں نرمی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخ انسانی میں خون کے پیاسوں کو معاف کردینے کی رسم کا آغاز سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کیا۔اہلِ مکہ میں خصوصاً ائمۃ الکفر اپنی خونریزیوں اور جرائم کی وجہ سے واجب القتل تھے۔لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے ان پر کامل غلبہ پانے کے بعد بھی انہیں معاف فرما دیا۔غرض اسلامی جنگی قوانین آج کی مہذب دنیا میں بھی بہترین متصور ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ قیامت تک کے لئے ہے کہ وہ اپنے دین کی مدد کرنے والوں کی یقیناً مدد فرمائے گا اس لئے کہ وہ طاقتور اور غالب ہے۔اسلامی جنگوں میں اللہ تعالیٰ کے **قوی" عزیز** ہونے کا نظارہ دشمنانِ اسلام نے قدم قدم پر دیکھا، جنہیں اپنی طاقت اور غلبہ پر بڑا گھمنڈ تھا۔بلکہ اللہ کے عاجز بندوں پر جب ان خدائی صفات کا پرتو پڑا تو ان کے سامنے بھی کوئی ٹھہر نہ سکا۔

۴۲۔**مکّنّا۔(مکّن)**۔لفظی معنی ہم نے جگہ دی اقتدار بخشا۔مراد ہم غلبہ و اقتدار دیں گے۔

مومنین اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ کفارِ مکہ سے جنگ کا تصور بھی کر سکتے جبکہ اُن کی پشت پناہی سارا عرب کر رہا تھا۔ایسے نامساعد حالات میں یہ عظیم الشان پیشگوئی فرمائی کہ جب ان مظلوموں کو حکومت و اقتدار سے نوازا جائے گا جیسا کہ عہد نبوی میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہُوا، تو وہ غالب آ کر ایک پُرامن معاشرہ کی بنیاد ڈالیں گے اور دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔اس طرح ایک صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں اصل الاصول

فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿٤٢﴾ وَ

تو یقیناً تکذیب کی پہلے ان سے قوم نوح اور عاد اور ثمود نے اور

قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿٤٣﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ

قوم ابراہیم اور قوم لوط نے اور مدین والوں نے

وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ

اور تکذیب کی گئی موسیٰ کی پس مہلت دی میں نے کافروں کو پھر پکڑا میں نے انہیں

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ

پس کیسا تھا میرا عذاب پس کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہلاک کیا ہم نے جنہیں جبکہ

هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ

وہ ظالم تھیں پس وہ گری ہوئی تھیں اپنی چھتوں پر اور کنوئیں بے کار

وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٦﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ

اور محل پختہ پر کیا پس نہیں چلے وہ زمین میں کہ ہوتے

لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ

ان کے دل وہ عقل کرتے جن سے یا کان وہ سنتے جن سے

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ

کیونکہ بات یہ ہے کہ نہیں ہوتیں اندھی آنکھیں ولیکن اندھے ہوتے ہیں دل جو کہ

فِى الصُّدُوْرِ ﴿٤٧﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ

سینوں میں ہیں اور جلد چاہتے ہیں تجھ سے عذاب اور ہرگز نہ خلاف کرے

نماز و زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کیا اور دیگر احکام کو ان کے تابع رکھا۔ان میں بھی سب سے پہلے نماز کی درستگی ہے اگر یہ درست ہو جائے تو قرب الٰہی پانے کے لئے بہت زیادہ قربانی کی ضرورت نہیں۔فرمایا تمام کاموں کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے یعنی ان کے اعمال کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ نتیجہ نکالے گا۔جب تک ان کے اعمال خدائی احکام کے تابع ہوں گے دین اور دنیا دونوں میں سرفراز کئے جائیں گے۔جب اعمال بگڑ جائیں گے تو نتیجہ بھی ان کے مطابق ہوگا۔

۴۳ تا ۴۷۔**مُعطّلة**۔معطل کئے ہوئے۔چھوڑے ہوئے۔متروک۔**مشید**۔چونا گچ کئے ہوئے۔مضبوط۔بلند و بالا۔

آپ ﷺ کو تسلی دی کہ اگر اس وقت کفار کا غلبہ ہے اور تجھے جھٹلا رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔تجھ سے پہلے بہت سی قومیں اپنے انبیاء کو جھٹلا چکی ہیں۔ہم نے انہیں کچھ ڈھیل ضرور دی تھی لیکن آخر انہیں پکڑ لیا۔پس دیکھو ہمارے انکار کا نتیجہ کیسا خطرناک تھا۔کتنی ہی ظالم بستیاں ہم

اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ

اللہ اپنے وعدہ کا اور یقیناً ایک دن نزدیک رب کے تیرے مانند ہزار سال کے ہے

مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۸﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَ

اس سے جو تم شمار کرتے ہو اور کتنی ہی بستیاں مہلت دی میں نے انہیں جبکہ

ع ۶ هِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۹﴾ قُلْ

۱۳ وہ ظالم تھیں پھر پکڑا میں نے ان کو اور طرف میری ٹھکانا ہے تو کہہ دے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ فَالَّذِيْنَ

اے لوگو صرف میں تمہارے لیے ڈرانیوالا ہوں کھلا کھلا پس وہ لوگ جو

نے ہلاک کر دیں جن کے ویران کنوئیں اور بلند و بالا محلات آج کھنڈرات کا نظارہ پیش کر رہے ہیں۔ اگر وہ زمین میں چل پھر کر قدرتِ الٰہی کے آثار و عجائبات دیکھیں اور ان پر غور و فکر کریں تو یہ کھنڈرات ان کے لئے بصیرت کا سامان ہوں گے اور ان کے کان خدائی باتیں سننے کے قابل ہو سکیں گے اور اندھے دلوں میں نورِ بصیرت پیدا ہو جائے گا۔ ان آیات میں علومِ آثارِ قدیمہ سیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ نیز سیاحت کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔

۴۸۔۴۹۔ اسلامی غلبہ کی پیشگوئیوں کے بعد فرمایا کہ مخالفینِ حق ہمیشہ عذاب کے لئے جلدی چاہتے ہیں۔ لیکن اللہ کا ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ پھر ظالم بستیوں کو ڈھیل دینے کا ذکر کیا حالانکہ یہ مضمون (آیت ۴۳ تا ۴۷ میں) گزر چکا ہے۔ پس یہاں دوبارہ لانے میں اشارہ ہے کہ اسلام قریباً تین سو سالہ دورِ عروج کے بعد زوال پذیر ہو گا تو اس پر ہزار سالہ تنزل کا دور آئے گا جو نصاریٰ کے دنیوی ترقی وعروج کا زمانہ ہو گا اور باوجود ان کے مظالم کے جو انہوں نے اپنے دور میں بطور خاص مسلمانوں پر روا رکھے ہوں گے انہیں اللہ تعالیٰ ڈھیل دیتا چلا جائے گا۔ بالآخر مسیح موعود مبعوث ہوں گے اور اسلام ایک بار پھر ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔ اسلام سے ان کا مقابلہ ہو گا اور یہ اپنے غلبہ کے نشہ میں کفارِ مکّہ کے الفاظ ہی دہرائیں گے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر جلد عذاب لے آؤ۔ یہ الفاظ خاص طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مباہلہ میں کہے گئے اور ان کی سخت گرفت کا زمانہ شروع ہُوا۔ آخر ان کی صف لپیٹ دی جائے گی اور اسلام کا غلبہ ہو گا۔ یہ مضمون قرآنِ کریم میں جابجا مذکور ہے۔ (خاص طور پر سورۃ رعد کی ابتدا میں سورۃ مریم رکوع ۵، سورۃ طٰہٰ رکوع ۵ اور سورۃ کہف رکوع ۵ میں)

۵۰ تا ۵۲۔ اس رکوع میں دشمنانِ حق کے انجام کا ذکر کیا۔ نذیر کا تعلق پچھلی آیت سے ہے

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۱﴾

ایمان لائے اور کیں انہوں نے نیکیاں ان کیلئے بخشش ہے اور رزق ہے عزت والا

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور وہ لوگ جنہوں نے کوشش کی آیات میں ہماری عاجز کرتے ہوئے یہ لوگ

الْجَحِيْمِ ﴿۵۲﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ

دوزخ والے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول اور

لَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ

نہ نبی مگر جب وہ آرزو کرتا ہے روک ڈالتا ہے شیطان آرزو میں اس کی

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ

پھر دور کر دیتا ہے اللہ اُسے جو ڈالتا ہے شیطان پھر محکم کرتا ہے اللہ اپنی آیات

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۳﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً

اور اللہ بہت جاننے والا حکمت والا ہے تاکہ کرے وہ جو ڈالتا ہے شیطان آزمائش

اللہ تعالیٰ حقائق بیان کر دیتا ہے۔ استفادہ کرنا تمہارا کام ہے۔ یہ معزز رزق اعمالِ صالحہ بجا لانے والے مومنین کو دنیا میں بھی ملا اور آخرت کا بھی وعدہ ہے۔ اس میں مادی اور روحانی دونوں رزق شامل ہیں جو دنیا میں بھی موجب عزت ہوتے ہیں۔ اللہ کی آیات کو عاجز کرنا ان کے ابطال کی کوشش اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو ہرانے کی کوشش کرنا ہے اور ایسا ہر نبی کے زمانہ میں ہُوا۔

۵۳۔ **تمنّٰی**۔ اس نے تمنا کی۔ ارادہ کیا۔ خواہش کی۔ **الامنیۃ**۔ تمنا۔ آرزو۔ باطل خیال۔ جھوٹ (مجاہد)۔ **ینسخ**۔ (**نسخ**) وہ زائل کرتا ہے۔ وہ ختم کرتا ہے اسی سے منسوخ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے غلط قسم کے قصّے بیان کئے جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ غلط فہمی **امنیۃ** کا معنی الہام لینے سے ہوئی۔ حالانکہ امنیہ دلی خیال ہے جس کا الہام سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ شیطان کا میرے بندوں پر کچھ تسلط نہیں۔ پس کسی جن وانس کی مجال نہیں کہ وحی الٰہی میں دخل اندازی کر سکے۔ جیسا کہ سورۃ الجن آیت ۲۸ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے آگے پیچھے پہرہ لگا دیتا ہے تا کہ جان لے کہ ان کے ربّ کا پیغام صحیح صحیح پہنچا دیا گیا۔ یہاں ایک عام اصول بتایا جس میں تمام انبیاء و رسل شامل ہیں کہ تمام مقربینِ الٰہی کی یہی آرزو تھی کہ توحید کا بول بالا ہو اور حق کی فتح ہو لیکن ہمیشہ کوئی نہ کوئی شیطان یا شیطان صفت انسان ان کی مخالفت میں کھڑا ہو جاتا اور ان کی نیک خواہشات میں رخنے ڈالتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ شریر کی تمام

شرارتوں کو مٹا دیتا ہے اور اپنے نشانوں کو مستحکم کرنے کا سامان کر دیتا ہے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور اب بھی یہی ہو گا کہ مخالفینِ حق باوجود اپنی تمام کوششوں کے ناکام ہوں گے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ وہ ان کی کوششوں سے باخبر ہے اور حکمت سے انہیں ناکام اور اپنے انبیاء کو کامران کرے گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں ایک عام انسانی فطرت کا بیان ہے کہ نفس انسانی کے اندر بدخیالی کا رجحان پایا جاتا ہے۔ انبیاء و رسل کی آرزوؤں میں بھی کبھی نفس کی آرزوئیں شامل ہوسکتی ہیں۔ لیکن وہ انہیں جھٹک دیتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ انہیں مٹانے کا خود سامان کر دیتا ہے۔ شیطان کا ان پر تصرف نہیں ہو سکتا۔ پس انبیاء و رُسل کے نفسوں کا شیطانی دخل اندازی سے پاک ہونا، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء اور ان کے مشن بھی آیات اللہ میں شامل ہیں۔ تاہم معصوم صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مطہر ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے وہ سوائے بھلائی کے مجھے کچھ نہیں کہتا۔ (ترمذی بروایت حضرت جابرؓ) غرض اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیتِ خاص سے آپ ﷺ کو بہت بچپن سے ہی ہر قسم کے شرک اور لغویات سے محفوظ رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کی کھلائی امّ ایمنؓ بیان کرتی ہیں کہ ''بوانہ'' وہ بت تھا جس کی قریش تعظیم کرتے اس کے پاس حاضری دے کر قربانیاں گزارتے اور سال میں ایک دن وہاں اعتکاف کرتے۔ ابو طالب اپنی قوم کے ساتھ وہاں جاتے اور آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے مگر آپ ﷺ انکار کر دیتے۔ بعض اوقات ابوطالب اور آپ ﷺ کی پھوپھیاں آپ ﷺ سے سخت ناراض ہوتیں اور کہتیں کہ بتوں سے آپ ﷺ کی بیزاری کے باعث ہمیں آپ ﷺ کے بارہ میں ڈر ہی رہتا ہے بچپن میں ایک دفعہ اپنی پھوپھیوں کے اصرار پر آپ ﷺ وہاں چلے تو گئے مگر سخت خوفزدہ ہوکر واپس آ گئے اور کہا کہ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا ہے۔ پھوپھیوں نے کہا اتنے نیک انسان پر شیطان اثر نہیں کرسکتا اور پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے بتایا کہ جونہی میں بت کے قریب جانے لگتا تھا تو سفید رنگ اور لمبے قد کا ایک شخص چلا کر کہتا کہ اے محمد! پیچھے رہو اور اس بت کو مت چھوؤ۔ بعد میں پھوپھیوں نے بھی اصرار چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپ ﷺ کو ایسی مشرکانہ رسوم سے محفوظ رکھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۵۸ مطبوعہ بیروت) بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر شام کے دوران عیسائی راہب بحیرٰی سے ملاقات ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک سوال پر فرمایا تھا کہ مجھ سے لات اور عزیٰ کے بارہ میں مت پوچھ۔ خدا کی قسم! ان سے بڑھ کر

لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ
ان لوگوں کے لیے کہ دلوں میں جن کے بیماری اور سخت ہیں دل ان کے

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۟ؕ ٥٤ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ
اور یقیناً ظالم ضرور مخالفت میں ہیں دُور کی اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو

اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ
دیئے گئے علم کہ وہ حق ہے طرف سے رب کی تیرے پس وہ ایمان لادیں اس پر

فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا
پھر جھک جادیں اس کیلئے دل ان کے اور یقیناً اللہ ضرور ہدایت دینے والا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥٥ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ
طرف راہ سیدھی کی اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ
شک میں طرف سے اسکی یہاں تک کہ آوے انکے پاس قیامت اچانک یا آوے انکے پاس

عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ٥٦ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ
عذاب دن منحوس کا سلطنت اس دن اللہ کی ہوگی وہ فیصلہ کریگا

مجھے اور کسی چیز سے نفرت نہیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۶ تا ۲۹ مطبوعہ بیروت)

٥٤۔ **شقاق**۔ مخالفت۔ دشمنی۔

شیطانی وسوسہ اندازی سے ہر شخص کی اس طرح حفاظت نہیں کی جاتی جس طرح انبیاء کی کی جاتی ہے۔ اس لئے جو روحانی طور پر بیمار ہیں اور سخت دل ہیں ان کے لئے شیطانی القاء فتنہ کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور وہ انبیاء کی مخالفت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

٥٥۔ **تُخبت۔ الخبت** کے معنی عاجزی اور تواضع کے ہیں۔

لیکن یہ آزمائش صرف کمزور مومنوں اور منافقوں کے لئے ہی نہیں بلکہ اہلِ علم کا ایمان بھی پرکھا جاتا ہے اور وہ آزمائشوں کی بھٹی سے گزر کر قرآنِ کریم کی صداقت کے مزید قائل ہو جاتے ہیں اور ان کے دل قرآنی احکام کے آگے جھک جاتے ہیں۔ پس ضرور ہے کہ قرآنی ہدایات پر مضبوطی سے قائم ہونے والے مومنین کو اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف خود رہنمائی فرمائے۔

٥٦۔ **عقیم**۔ بنجر۔ وہ عورت جو نطفہ قبول نہ کرے۔ **یومِ عقیم**۔ منحوس دن جس میں کوئی خیر و برکت اور خوشی نہ ہو۔ **الریح العقیم** (٥١۔٤٢) وہ ہوا جو بادل اور درختوں کو بار آور نہ کرے۔

بَيْنَهُمْ ، فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ

درمیان ان کے پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں باغات میں ہوں گے

النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ

نعمتوں والے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور تکذیب کی آیات کی ہماری پس یہ لوگ ایسے ہیں کہ

ع ۹ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ

۱۴ ان کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی راہ میں

اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ،

اللہ کی پھر قتل کئے گئے یا مر گئے ضرور رزق دیگا انہیں اللہ رزق اچھا

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا

اور یقیناً اللہ ہاں ضرور وہی بہتر ہے رزق دینے والوں سے ضرور داخل کریگا انہیں ایسی داخل ہونے کی جگہ

يَّرْضَوْنَهٗ ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ

میں کہ وہ پسند کرینگے اسے اور یقیناً اللہ بہت جاننے والا بُردبار ہے یہ اور جو

مکذبین انبیاء پر قیامت کے روز اور قیامت سے پہلے بھی کئی یومِ عقیم آئیں گے۔ جب اللہ کے رسول غالب اور ظالم تباہ ہوں گے۔ کیونکہ قرآنی آیات کا اطلاق مختلف مواقع پر ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ، مجاہد اور قتادہ جیسے جید مفسرین کے نزدیک یہاں یومِ عقیم سے مراد یومِ بدر تھا جو عمائدین مکہ کی تباہی کا دن تھا جب ان کی ساری شان و شوکت مٹی میں مل گئی اور اسلام کو کھلا کھلا غلبہ نصیب ہوا۔

۵۷۔۵۸۔ بیشک یہ نظارہ قیامت کے روز ہو گا لیکن کفارِ مکہ نے بدر کے دن بھی دیکھا پھر فتح مکہ کے دن تو اور بھی کھل کر سامنے آ گیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ ملک صرف اللہ کے دین کے لئے ہے۔ اب بادشاہت اللہ ہی کی ہو گی اور کفر و شرک ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ اس دن کفار و مومنین کے درمیان کھلا کھلا فیصلہ فرمائے گا۔ مومنین کو ہمیشگی کی جنتیں دنیا میں بھی نصیب ہوں گی اور آخرت میں بھی ملیں گی۔ جبکہ کفار کو دنیا و آخرت میں سوائے ذلت و رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ **کفروا** کے بعد **کذّبوا** کہا کہ بیشک عام کافر بھی جہنم میں جائیں گے لیکن جو ہماری آیات کو جھوٹا کر کے دکھلانے کی کوشش کرتے ہیں یعنی آیاتِ الٰہی کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں (آیت ۵۲) ان کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

۵۹۔۶۰۔ اس رکوع میں بتایا کہ مومنین ہی کامیاب ہوں گے۔ ہجرت جو اللہ کے لئے کی جائے بے شمار دنیوی و اخروی نعمتوں کا مستحق بناتی ہے۔ مہاجرین وہ ہیں جنہوں نے دین کی خاطر اپنا

عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ

بدلہ لے مانند اس کی کہ تکلیف دی گئی اسے ساتھ اسکے پھر سرکشی کی گئی اس پر البتہ ضرور مدد دیگا اُسے

اللّٰهُ ، اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ

اللہ یقیناً اللہ بہت معاف کرنیوالا بہت بخشنے والا ہے یہ اس لیے ہے کہ اللہ داخل کرتا ہے

وطن چھوڑا جہاں انہیں دینِ حق قبول کرنے اس کے احکام پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت سے طاقت کے زور پر روکا جاتا تھا بلکہ مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں انہیں زبردستی لشکرِ کفار میں شامل کیا جاتا تھا۔ پس اعلیٰ درجہ کے مہاجر وہ ہیں جنہوں نے خدا کو پانے کے لئے اس کی رضا کی خاطر اپنی تمام نفسانی خواہشات اور محبوب امور کو چھوڑ دیا جن میں بدعقائد و رسوم، خویش و اقارب، مال و اولاد سب شامل ہیں بلکہ جس مقام یا جس صحبت سے غفلت پیدا ہوتی ہو وہ بھی چھوڑ دیئے گویا ہر چھوٹے سے چھوٹا گناہ چھوڑنا بھی ہجرت میں شامل ہے اور انعام کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ فتوحات کی پیشگوئیوں میں مہاجرین کا ذکر کیا جو اللہ کے لئے سب کچھ چھوڑ کر آ گئے۔ اگر وہ جنگوں میں شہید ہو جائیں یا اپنی طبعی موت مریں تو بیشک بظاہر وہ اُن دنیوی نعمتوں سے محروم ہو گئے جو غازیوں کے حصہ میں آئیں لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ہجرت اور جہاد کی وجہ سے اپنی جناب سے بہترین رزق عطا فرمائے گا اور اعلیٰ ترین اخروی نعمتوں کے علاوہ دنیوی نعمتوں سے بھی محروم نہیں رکھے گا۔ اور ان کی اولادوں کو غیر معمولی مادی رزق سے متمتع کرے گا اس طرح وہ رُوحانی رزق کے علاوہ دنیوی رزق میں بھی شامل ہو جائیں گے۔ دنیوی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت حکومت کا ملنا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم ہے۔ نیکو کاروں کی نیکیوں کو جانتا ہے انہیں اپنے انعامات سے نوازے گا۔ وہ حلیم بھی ہے یعنی جن سے کوتاہیاں ہوئیں انہیں بھی دنیوی و اخروی نعمتیں عطا فرمائے گا۔

۶۱۔ **العقب**۔ ایڑی جمع اعقاب۔ انجام کے معنوں میں آتا ہے۔ **عقاب، عقوبة** اور **معاقبة** عذاب اور تکلیف کے ساتھ مخصوص ہیں۔ **بُغِیَ علیه**۔ اس پر زیادتی اور ظلم کیا گیا۔

جنگوں کا ذکر ہُوا تو سزاؤں کا اصول بھی بتا دیا۔ بڑی بڑی مہذب قومیں آج بھی جنگوں میں ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو جائز سمجھتی ہیں۔ فرمایا سزا اتنی ہی ملنی چاہئے جتنا جرم ہو۔ لیکن اگر دشمن زیادتی کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اپنے بندے کی مدد فرمائے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ جو بدلہ لینے میں زیادتی کرتے ہیں ان سے اللہ کی مدد کا کوئی وعدہ نہیں۔ اللہ عفو غفور ہے پس مومن کو بھی اپنے اعداء سے نرمی کا سلوک کرنا چاہئے۔

الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ

رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور یقیناً اللہ

سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٦٢﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا

خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور یقیناً جسے

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ

وہ پکارتے ہیں سوائے اس کے وہی باطل ہے اور یقیناً اللہ ہی بہت بلند

الْكَبِيْرُ ﴿٦٣﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

(اور) بڑا ہے کیا نہیں دیکھا تو نے یقیناً اللہ نے اُتارا بادل سے پانی

حالتِ جنگ کے علاوہ کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خود بدلہ لے یہ حکام کا کام ہے۔ یہاں حکومتی قوانین بھی بتا دیئے کہ کوئی حکمران بھی خود بدلہ لینے کا مجاز نہیں۔ جب تک قضاء فیصلہ نہ کرے۔

٦٢۔ جب جنگوں کی باتیں ہوئیں، حکومتوں کے دعدے ہوئے تو قانونِ قدرت بھی واضح کر دیا کہ ہر دن کے بعد رات ہے اور ہر رات کے بعد دن مقدر ہے۔ پس اسلامی حکومتوں پر بھی رات آئے گی جب ایک ایک کر کے ساری حکومتیں ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی۔ یہ دینی و دنیوی لحاظ سے ان کا تنزل کا زمانہ ہوگا۔ اس دور میں لازماً عدل کا فقدان ہوگا اور ظلم کا دور دورہ ہوگا۔ پھر خدا کے فضل سے آمدِ مسیح مژدہ سحر ثابت ہوگی اور اسلام کا سورج اپنی پوری آب و تاب سے مغرب سے جلوہ افروز ہوگا۔ (جیسا کہ احادیث کی رو سے اور حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں سے ظاہر ہے) اور کُل جہاں کو اپنی ضوفشانیوں سے منور کر دے گا۔ تب روحانی ترقیات کے ساتھ دنیوی ترقیات بھی اپنے کمال کو پہنچیں گی انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنا۔ وہ **بصیر** ہے خوب دیکھتا ہے کہ اگر کوئی قوم تباہ ہوئی تو اپنے اعمال کی وجہ سے۔ کسی پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوئی۔ اگر کسی کو عروج حاصل ہُوا۔ تو وہ اسی لائق تھی اس سے بھی رعایت نہیں ہوئی۔

٦٣۔ مومنین کے غالب اور کفار کے مغلوب ہونے کے مضمون کے بعد اسلام کے دورِ انحطاط کی طرف اشارہ کیا۔ اب چند آیات میں اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر کیا۔ فرمایا اللہ کی ذات حق ہے یعنی اختیار و قدرت کامل طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے پس وہ اپنی بندگی کرنے والوں کی کوششوں کے بہترین نتائج پیدا کرتا ہے اور وہ کبھی نامراد نہیں رہتے۔ جبکہ معبودانِ باطلہ کی کچھ حقیقت نہیں اور نہ انہیں کچھ اختیار ہے۔ تمہارا خدا بلند شان والا اور سب سے بڑا ہے۔ پس اس کے

فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٤﴾ لَهٗ

پس ہو جاتی ہے زمین سبز یقیناً اللہ مہربان ہے (اور) بہت خبر رکھنے والا ہے اسی کا

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ

ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور یقیناً اللہ البتہ وہی بے پروا

ع ٨ الْحَمِيْدُ ﴿٦٥﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

١٥ خوبیوں والا ہے کیا نہیں دیکھا تو نے کہ اللہ نے کام میں لگا دیا ہے تمہارے لیے جو زمین میں ہے

رنگ میں خود کو رنگ کر اس کی صفات میں سے حصہ لو اور دین و دنیا میں اپنا اعلیٰ ترین مقام پیدا کرو۔ ان تین آیات کو **ذالک** سے شروع کیا اور تین اسلامی ادوار کی طرف اشارہ کیا کہ یہ باتیں یاد رکھنے کے لائق ہیں اور ایسا ضرور ہوگا۔ پہلی آیت میں اسلامی حکومت کے لئے عدل کو لازم قرار دیا یعنی جرم سے زیادہ سزا نہ دو بلکہ احسان کرو اور معاف کردو۔ گویا اسلامی حکومتوں کی طرف اشارہ کیا۔ دوسری آیت میں بتایا کہ جب عدل کو چھوڑ کر ظلم کا دامن پکڑو گے تو یہ حکومتیں تم سے چھن جائیں گی اس میں اسلامی تنزل کی طرف اشارہ ہے۔ یہ زمانہ اسلام کے لئے رات کی طرح ہوگا لیکن آخر اس رات کی صبح ہوگی۔ تیسری آیت میں بتایا کہ اللہ حق ہے جو تمہاری کوششوں کے بہترین نتائج پیدا کرتا ہے۔ پس اگر ضلالت کی دلدل میں پھنس گئے ہو اور حکومت و غلبہ تم سے چھن گیا تو **عليٌّ الكبير** کا دامن تھام لو جو حق ہے اور باطل کو جھٹک دو۔ پھر اپنی سعی وکو… سے کامیابی و کامرانی کی طرف گامزن ہو جاؤ۔ گویا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی طرف اشارہ ہے۔

٦٤۔ مادی دنیا کی مثال تمہارے سامنے ہے کہ جب آسمان سے پانی اترتا ہے تو زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ پس تمہاری دنیوی ترقی بھی آسمانی پانی یعنی وحی الٰہی کی محتاج ہے۔ تم غیر اقوام کی طرح دین کو چھوڑ کر دنیا حاصل نہیں کر سکتے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان اور ان کے حالات سے بہت ہی باخبر ہے وہ ان پر باریک در باریک راہوں سے اپنا فضل و احسان فرمائے گا۔

٦٥۔ وہ خدا جو زمین و آسمان اور ان کے اندر کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ اگر وہ بندوں پر احسان فرماتا اور انہیں نوازتا ہے اور ان کی ہدایت کے سامان کرتا ہے تو اس کرم نوازی میں بندوں کا ہی فائدہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ کسی کا کفر و اسلام اس کی خدائی میں کوئی اضافہ نہیں کرتا اور نہ وہ کسی کی حمد کا محتاج ہے۔

وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ

اور کشتیوں کو بھی جو چلتی ہیں سمندر میں ساتھ حکم کے اسکے اور وہ تھامتا ہے آسمان کو

اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ

گرنے سے زمین پر بغیر حکم کے اُس کے یقیناً اللہ ساتھ لوگوں کے

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ؗ ثُمَّ

البتہ بہت مہربان بہت رحم کرنیوالا ہے اور وہی ہے جس نے زندہ کیا تم کو پھر

۶۶۔**سخر۔ تسخیر** مفت میں بلا مزدوری کام میں لگا دینا ہے۔ **تقع ۔الوقوع** کے معنی کسی چیز کے نیچے گرنے کے ہیں۔**الواقعة**۔ زیادہ ترسختی اور ناپسندیدگی کے موقعہ پر آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں وقع کا لفظ اکثر عذاب اور سختیوں کے موقع پر آیا ہے۔ **فيومئذ وقعت الواقعة**o (۶۹۔۱۶)

زمینی نعماء کے ذکر میں خاص طور پر کشتیوں کا ذکر کیا جو امر الٰہی سے چلتی ہیں۔ قرآنِ کریم میں کشتیوں کے ذکر میں ہمیشہ امر کہا۔اس میں کشتیوں کے مناسب حال پانی کی بناوٹ اور ہواؤں کا خاص نظام کے تحت چلنا اور دیگر کئی ظاہری اور مخفی امور شامل ہیں جن کی وجہ سے کشتیوں اور جہازوں کا سمندروں اور دریاؤں میں چلنا ممکن ہوتا ہے۔اس زمانہ میں تو خاص طور پر بادبانی کشتیاں تھیں جن کا تمام تر انحصار ہواؤں کے نظام پر تھا۔

زمین پر اپنی نعماء کے ذکر کے بعد آسمانی نعماء کا ذکر کیا کہ اس نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے۔اجرامِ فلکی کا اپنی اپنی جگہ قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت سے ممکن ہے۔ زمین کی کشش کھینچ رہی ہے لیکن گرتے نہیں۔ ان کی رفتار کا معین ہونا کہ اگر کچھ فرق پڑ جائے تو اپنے دائروں سے نکل کر گر پڑیں۔**الا باذنه** کے تحت جو گرتے ہیں ان سے زمین کو بچانے کا بھی حیرت انگیز نظام ہے۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ **رءُوفٌ رّحیم** نے ان کے شر کو روکا ہُوا ہے۔آسمان کو زمین پر گرنے سے روکنے میں عذاب کے روکنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کیونکہ عذاب عموماً آسمان ہی سے نازل ہوتا ہے لیکن وہ اپنے بندوں پر بہت ہی شفقت کرنے والا اور بے حد رحیم ہے۔وہ عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ پورا موقع دیتا ہے کہ اپنی اصلاح کرکے آنے والے عذاب سے بچ جائیں۔قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ دنیا میں عذاب دو قسم کے ہیں۔ پہلا شرعی عذاب ہے جو تکذیب انبیاء پر آتا ہے۔اس کے لئے فرمایا **وما کنّا معذّبین حتّٰی نبعث رسولاً**

يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۷﴾

مارے گا تم کو پھر زندہ کرے گا تم کو یقیناً انسان البتہ بہت کفر کرنیوالا ہے

(بنی اسرائیل رکوع ۲) کہ جب رسول کے مبعوث ہونے پر کوئی قوم اس کی تکذیب و تذلیل میں بڑھتی ہی چلی جاتی ہے تو آخر اس قوم کی تباہی کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس تباہی کی خبر اسے پہلے سے دے دی جاتی ہے اور عموماً ایک بڑے عذاب سے پہلے تواتر سے چھوٹے چھوٹے عذاب آتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ جائیں اور بڑے عذاب سے اپنا بچاؤ کر لیں۔اگر وہ تکذیب اور مظالم میں بڑھتے ہی چلے جائیں تو آخر موعود عذاب نازل ہو جاتا ہے جیسا کہ بہت سی قوموں کے ساتھ ہُوا۔ ہاں رحمۃ للعالمین کی قوم عذابِ استیصال سے بچائی گئی۔ اس قوم کو بچائے جانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ ابھی حجت تمام نہیں ہوئی تھی۔ آدھی دنیا اندھیرے میں تھی اور اُن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالمی پیغام نہیں پہنچا تھا۔تاہم جنگوں میں ہلاک ہوئی اور آخر تائب ہوئی۔دوسرا عذاب طبعی ہے جو اللہ تعالیٰ کے طبعی قانون کے تحت آتا ہے یعنی جو قوم بھی ترقی کے مادی اسباب سے غافل ہو جائے گی، آہستہ آہستہ مٹ جائے گی جیسا کہ فرمایا انّ اللّٰہ لایغیّر مابقوم حتّٰی یغیّروا مابانفسھم ط (رعد رکوع ۲) یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی اندرونی حالت کو نہ بدلے۔یعنی جب وہ اپنے اعمال سے اپنے مقام کو کھو دیتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ کا سلوک بھی اس سے بدل جاتا ہے۔اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان کرتی ہے۔اس قانون کے تحت کئی قومیں [illegible] دنیا میں ترقی کی منازل طے کر کے بامِ عروج پر پہنچیں لیکن پھر عیش و عشرت اور گناہوں کے دلدل میں پھنس کر یا عدل و انصاف کا دامن چھوڑ کر انحطاط کا شکار ہو گئیں اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ ایک مشرک حکومت قائم رہ سکتی ہے، ظالم نہیں۔

اس آیت میں دونوں قسم کے عذاب کو روکنے کی طرف اشارہ ہے۔ پہلا یہ کہ خدائی احکام کو قبول کر کے شرعی عذاب سے خود کو، اپنے اہل و عیال اور قوم کو بچاؤ۔دوسرا یہ کہ قوانینِ قدرت (Laws of Nature) کی اتباع کر کے طبعی عذاب اور محرومیوں سے بچو۔اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ اور بنی نوع انسان کے لئے بھی سہولت و آرام کا باعث بنو گویا سائنسی علوم میں کمال حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

۶۷۔ **کفر**۔اصل معنی چھپانے کے ہیں۔ انکار اور ناشکری کے معنی دیتا ہے۔

کفرانِ نعمت احسان کرنے والے کی نعمتوں کا انکار اور ان کو چھپانا ہے گویا نعمتوں کی

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ
ہر اُمت کے لیے بنائی ہم نے قربانی وہ کرتے ہیں اُسے پس نہ جھگڑیں وہ تجھ سے

فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِيْمٍ ۶۸
اس معاملہ میں اور بُلا طرف اپنے رب کی یقیناً تو البتہ ہدایت سیدھی پر ہے

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۶۹ اَللّٰهُ
اور اگر وہ جھگڑیں تجھ سے تو کہدے اللہ زیادہ جانتا ہے اسے جو تم کرتے ہو اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
فیصلہ کریگا درمیان تمہارے بروز قیامت اس میں کہ ہو تم جس میں

تَخْتَلِفُوْنَ ۷۰ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ
اختلاف کرتے کیا نہیں جانا تم نے کہ اللہ جانتا ہے جو آسمان میں ہے

ناشکری کرکے اسے چھپانا۔ یہاں علاوہ عام معنی یعنی یہ کہ انسان کو زندگی دینا اور مرنے کے بعد پھر زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، آیت ۶۲ کی مزید تشریح بھی ہے کہ صاحبِ بصیرت کے لئے ہر زندگی موت کا اور ہر موت ایک نئی زندگی کا پیغام ہے۔ ہر چیز فنا ہو کر کسی دوسری شکل میں نمو پکڑتی ہے یہانتک کہ فضلہ اور گلی سڑی اشیاء بھی کھاد کی صورت میں زمین کی ہریالی کا باعث بنتی ہیں۔ قوموں کی موت و حیات بھی اسی قانون کے تابع ہے۔ مردہ اقوام میں بھی کبھی نہ کبھی زندگی کی رمک پیدا ہوتی ہے اور وہ ایک نئی امنگ کے ساتھ اُٹھتی ہیں اور زندہ قوموں میں شمار ہونے لگتی ہیں۔ ہاں ان نعمتوں کے دوام پانے کے لئے اپنے ربّ کا شکر گزار ہونا اور اس کے احکام پر چلنا لازم آتا ہے ورنہ پھر موت کے اندھیرے منہ کھولے کھڑے ہوں گے۔

۶۸ تا ۷۰۔ **منسک**۔ قربانی۔ قربانی کا طریق۔ عبادت کے طریق۔ وہ راہیں جن سے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہو۔

اپنی نعمتوں کے تفصیلی ذکر کے بعد بتایا کہ جس ربّ نے تمہاری سفلی اور عارضی ضروریات کے لئے اس قدر اہتمام کیا یعنی کُل کائنات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا۔ کیا وہ تمہاری ابدی زندگی کے لئے کوئی انتظام نہ کرتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں سے کبھی بھی غافل نہیں ہوا اور ہمیشہ سے ہی اپنے انبیاء کے ذریعہ ہدایت و رہنمائی کا سامان کرتا رہا اور عبادت کے طریق بتاتا رہا تا وہ ان مناسک پر عمل کر کے اپنے ربّ کو پا لیں۔ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ایک ہی تھی یعنی سب نے توحید کا ہی پیغام دیا۔ یہ امر بھی توحید باری تعالیٰ پر دال ہے کہ مختلف ملکوں، مختلف قوموں اور مختلف

وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ
اور زمین میں یقیناً یہ کتاب میں ہے یقیناً یہ اللہ پر

يَسِيْرٌ ۷۱ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
آسان ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے اس کی کہ نہیں اُتاری اس نے اس کی

سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ
کوئی دلیل اور اس کی کہ نہیں انہیں اس کا کوئی علم اور نہیں ظالموں کے لیے کوئی

نَّصِيْرٍ ۷۲ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ
مددگار اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیات ہماری کھلی کھلی تو پہچانتا ہے

زبانوں میں اللہ تعالیٰ کا پیغام نازل ہُوا لیکن بنیادی تعلیم ایک ہی تھی۔ ہاں علاقائی ضرورتوں کے تحت کچھ فروعی تبدیلیاں ضرور ہوئیں۔ پھر مرورِ زمانہ اور مذہبی اجارہ داروں کی خود غرضیوں اور تحریف و تبدل سے وہ احکام اپنی افادیت کھو بیٹھے اور لوگ توحید کو بھول گئے۔ فی الامر سے مراد دین حق ہے کہ دین کے معاملہ میں انہیں جھگڑنے کا کوئی حق نہیں۔ اب صحیح طریقِ عبادت صرف اسلام سے مخصوص ہے۔ پس تُو انہیں اپنے ربّ کی طرف بلا اس لئے کہ اب تُو ہی سیدھے راستہ پر ہے اور یہی وہ واحد راستہ ہے جو بندے کو اس کے ربّ سے ملاتا ہے۔ اگر باوجود دلائل کے کج بحثیوں پر اتر آئیں اور نہ مانیں تو انجام کا انتظار کریں۔ یوم قیامت میں فیصلہ ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا۔ یہ قیامت کا دن یومِ بدر اور فتح مکّہ کی صورت دنیا میں بھی آیا اور ثابت کر دیا کہ کون سچا تھا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یا دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

۷۱۔ یہاں کتاب سے مراد علمِ الٰہی ہے کہ کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کے علم نے اس کا احاطہ کیا ہُوا ہے۔ گویا کتاب میں محفوظ ہے یہ کتاب کائنات کے ذرے ذرے پر لکھی ہوئی ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔ پس یہ اپنے کسی قول و فعل کا انکار نہیں کر سکیں گے۔ آج سائنسدان پرانی آوازوں کو ریکارڈ کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اگر مکمل طور پر کامیاب ہو گئے تو اس پیشگوئی کی تصدیق ہو جائے گی بلکہ تمام اختلافات کے فیصلے ہو جائیں گے۔ فی الحال امریکی سائنسدان ساڑھے چار ہزار سال قبل ہونے والی گفتگو ریکارڈ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہ گفتگو فرعون کے اہرام میں ہوئی تھی۔

۷۲۔ توحید باری تعالیٰ کی تائید میں متعدد دلائل دینے کے بعد اس چھوٹی سی آیت میں

فِيۡ وُجُوۡهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمُنۡكَرَ ؕ يَكَادُوۡنَ يَسۡطُوۡنَ

چہروں میں ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا ناپسندیدگی کو قریب ہیں کہ حملہ کر دیں

بِالَّذِيۡنَ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا ؕ قُلۡ اَفَاُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ

ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان پر آیات ہماری تو کہہ دے کیا پس آگاہ کروں میں تم کو زیادہ بُری بات

مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ

پھر اس سے بھی (وہ) آگ ہے وعدہ کیا ہے اس کا اللہ نے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا

وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۷۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسۡتَمِعُوۡا ع ۸ ۱۶

اور کیا ہی بُرا ہے ٹھکانا اے لوگو بیان کی جاتی ہے ایک مثال پس غور سے سنو

شرک کے ردّ میں تین زبردست دلائل دیئے۔ پہلا یہ کہ ان کی اپنی الہامی کتابوں میں ان معبودان باطلہ کی تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں۔ گویا ان کے پاس کوئی آسمانی دلیل نہیں محض باپ دادا کی اندھی تقلید ہے۔ کسی رسول نے ایسا نہیں کہا۔ دوسرا یہ کہ انہوں نے خود بھی خالی الذہن ہو کر غور و فکر نہیں کیا اور نہ ہی علم و فراست سے اس معاملہ میں تحقیق کی گویا ان کے پاس ان بتوں کی خدائی کے متعلق کوئی عِلمی دلیل بھی نہیں۔ تیسرا یہ کہ حق و باطل کی جنگ میں ان مشرکین کو کبھی ان خود تراشیدہ خداؤں کی تائید و نصرت حاصل نہیں ہوئی اور یہ خدائی نصرت سے ہمیشہ محروم رہے۔ گویا ان کے پاس عملی طور پر بھی ان کی خدائی کا کوئی ثبوت نہیں۔

۷۳۔ **یسطون۔ یبطشون** کا معنی دیتا ہے۔ بڑے زور اور شدّت سے پکڑنا۔ حملہ آور ہونا۔ جھپٹ پڑنا۔

آیت ۶۸ میں انہیں راہ حق کی طرف بلانے کا حکم تھا۔ یہاں داعی الی اللہ کے ساتھ ان کے معاندانہ رویہ کا ذکر کیا کہ جب انہیں بغرضِ تبلیغ خدائی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن میں توحید کا ذکر ہوتا ہے تو انہیں سخت ناگوار گزرتی ہیں اور یہ ان کی برداشت سے باہر ہوتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس شرک کی تائید میں کوئی عقلی دلیل نہیں ہوتی اس لئے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے ہیں اور داعی الی اللہ پر حملہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جو اکثر گالی گلوچ، مار پیٹ اور کبھی کبھی قتل پر منتج ہوتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہوتا۔ فرمایا ان کے غیظ و غضب سے بدتر آگ ہے۔ جو درحقیقت ان کے غیظ و غضب کی ہی دوسری شکل ہے اور اسی کا نتیجہ ہے یعنی قرآنی ناگواری کا تو غیظ و غضب سے تدارک کر لیتے ہیں لیکن اس سے بدتر چیز جو ان کے استقبال کے لئے کھڑی ہے یعنی آگ اس کی ناگواری کا کیا مداوا کریں گے۔

لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا

اُسے یقیناً وہ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے ہرگز نہ پیدا کر سکیں گے وہ

ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ ؕ وَاِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ

کوئی مکھی اور اگرچہ جمع ہو جاویں وہ سب اس کیلئے اور اگر چھین لے ان سے مکھی

شَيۡـئًا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ

کچھ تو نہیں چھڑا سکیں گے اُسے اس سے کمزور ہوا طالب

وَالۡمَطۡلُوۡبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور مطلوب نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی حق قدر کرنے کی یقیناً اللہ

لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ

قوی ہے عزت والا ہے اللہ چنا کرتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور

۷۴۔ **یسلب۔ سلب**۔ قبضہ کر لینا۔ **طالب**۔ مانگنے والا۔ عبادت کرنے والا۔ **مطلوب**۔ جس سے مانگا گیا۔ یہاں مراد معبودان باطلہ ہیں۔

اس آخری رکوع میں شرک کے کمزور اور بے بنیاد ہونے کا ذکر کر کے مومنین کو بشارت دی کہ ان کی کامیابی کا دارومدار احکام الٰہی کی پیروی اور اعلائے کلمۃ اللہ پر ہے۔ آیت ۷۴ تا ۷۷ تک عام لوگوں سے خطاب ہے جبکہ آخری دونوں آیات میں خصوصیت سے مومنین مخاطب ہیں۔ تمام کائنات پر اپنے غلبہ و قدرت اور بندوں پر فیض رسانی کا ذکر کر کے معبودانِ باطلہ کی [illegible]ی اور عاجزی بیان کی کہ جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی جیسی معمولی چیز بھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ ان میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ اگر مکھی ان کے آگے سے کوئی چیز لے اڑے تو وہ اپنی اس چیز کو اسی حالت میں اس سے واپس لے سکیں کیونکہ منہ میں ڈالتے ہی منہ کے لعاب وغیرہ اس میں شامل ہو جائیں گے۔ ایسے بے بس معبود تمہیں کچھ دینے کی قدرت کہاں رکھتے ہیں جب معبودان کی کمزوری کا یہ حال ہو تو عابدوں کی لاچاری کیا ہو گی؟ یہاں حضرت عیسیٰؑ کے بنائے ہوئے پرندوں کا بھی ردّ فرمایا۔ اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہیں ان سے مراد بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں بھی ہیں جن کو اپنا خدا بنائے ہوئے ہیں۔ فرمایا وہ سب اکٹھی ہو کر ایک معمولی مکھی بنانے پر بھی قادر نہیں۔ یہ چیلنج قیامت تک کے لئے ہے۔

۷۵۔ معبودانِ باطلہ کی بے بسی کے مقابلہ میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ تو بڑی قوتوں کا مالک ہے اور ہر ایک پر غالب ہے۔ مگر افسوس انہوں نے اللہ کی کچھ قدر نہ پہچانی اور اس کی صفات کا اندازہ

النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
انسانوں میں سے یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے وہ جانتا ہے جو آگے ہے ان کے

وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اور جو پیچھے ہے ان کے اور طرف اللہ کی لوٹائے جاتے ہیں تمام حالات اے لوگو جو

اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا
ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور کرو

الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ
نیکی تاکہ تم کامیاب ہو اور جہاد کرو اللہ (کی راہ) میں حق

ہی نہیں کیا اور عاجز انسانوں یا بے جان پتھروں کو خدا بنا بیٹھے۔

۷۶۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا سب سے بڑا ثبوت وحی الٰہی کا نزول ہے۔ خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان ہے کہ انہیں اپنے احکام پہنچانے کے لئے فرشتوں اور رسولوں کو منتخب کرتا ہے۔ باوجود اس کے کہ سب سے بلند مرتبہ رسولوں کو ملتا ہے۔ خدائی میں شریک انہیں بھی نہیں کرتا۔ پھر ان معبودانِ باطلہ کو یہ قدرت کہاں سے حاصل ہے۔ ہاں وہ بندوں کی فریاد سنتا اور ان رسولوں کے ذریعہ ان کی ہدایت کا سامان کرتا ہے کیونکہ ان کے حالات کو خوب دیکھنے والا ہے۔ مضارع کا صیغہ لاکر بتادیا کہ یہ ایک جاری سلسلہ ہے۔

۷۷۔جب اس کی قدرتیں بے حد و حساب ہیں اور کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں اور تمام امور کا آخری فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے اور ہر چیز کی ملکیت اسی کی طرف لوٹ جائے گی تو انبیاء کا صحیح وقت پر آنا اور بندگانِ خدا کا ان کے ذریعہ ہدایت پانا سب اسی کی قدرت و عنایت سے ہے۔

۷۸۔شرک کی تردید کے بعد اب مومنین سے خطاب فرمایا۔اگلی آیت میں جہاد کا حکم ہے۔یہ آیت گویا جہاد کی تیاری کے ضمن میں ہے جس میں سب سے پہلے اصلاحِ نفس کی طرف توجہ دلائی اور رکوع اور سجدہ کا حکم دیا حالانکہ اس کے بعد عبادت کا حکم ہے۔جس میں رکوع اور سجدہ شامل ہے۔لہٰذا یہاں رکوع سے مراد اللہ کے حضور جھکنا، عاجزی اختیار کرنا اور تکبر سے بچنا ہے۔سجدہ میں رکوع کے نسبت زیادہ جھکنا ہے گویا خود کو مٹی میں ہی ملا دینا ہے۔غرض سجدہ احکامِ الٰہی کی کامل اتباع اور کامل عجز کا اظہار ہے۔پھر تمام عبادتوں کو احسن طریق سے ادا کرنا ہے۔خیر میں تمام اچھے کام، نیکیاں اور بھلائیاں شامل ہیں جو بنی نوع انسان کے لئے کی جائیں۔پس یہی کامیابی اور فلاح کی راہیں ہیں۔جب ان ہتھیاروں سے لیس ہو کر جہاد کے لئے نکلو گے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان

جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ
جہاد کرنے کا اسی نے چُنا تم کو اور نہیں بنائی اس نے تم پر دین میں

مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ
کوئی تنگی مذہب باپ تمہارے ابراہیم کا اسی نے نام رکھا تمہارا

الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
مسلمان پہلے سے اور اس میں تاکہ ہو رسول

شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ
نگران تم پر اور تم ہو نگران لوگوں پر

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ
پس قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰ ۱۷
وہ آقا ہے تمہارا پس کیا ہی اچھا ہے آقا اور کیا ہی اچھا ہے مددگار

سے کامیابی تمہارے قدم چومے گی۔

بظاہر دنیوی جنگیں جھوٹ، دھوکا اور فریب سے جیتی جاتی ہیں۔لیکن ایک مومن جو رضائے الٰہی کے لئے جہاد میں شامل ہوتا ہے وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتا خواہ کیسی ہی مشکلات پیش آئیں۔ اس کی جنگ کا مقصد لوگوں کو دکھوں سے بچانا ہوتا ہے نہ کہ دکھوں میں گرفتار کرنا۔اسلامی جنگی قوانین آیت نمبر ۴۱ میں گذر چکے ہیں۔

۷۹۔جہاد کا لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ علاوہ جہاد بالسیف کے جہاد بالقلم، جہاد بالنفس اور ہر قسم کی مثبت سعی و کوشش اور جدّ و جہد اس میں شامل ہے۔ گویا اپنے تمام ممکن وسائل کو بروئے کار لا کر اپنی تمام قوتوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنا صحیح معنوں میں جہاد کا حق ادا کرنا ہے۔ فرمایا! اے گروہِ مومنین! تم پر تمہارے ربّ کا عظیم احسان ہے کہ ان خدمات کے لئے تمام عالم میں سے تمہیں چنا۔ پس تم بھی اپنے ربّ کے انتخاب کی لاج رکھنا۔ جنگ کا میدان ہو یا تبلیغ کا میدان تمہارے قدم پیچھے نہیں ہٹنے چاہئیں اس لئے کہ اس نے تمہیں ایسا دین عطا فرمایا ہے جس میں تمام حالات کا مقابلہ کرنے اور ثابت قدم رہنے کے قوانین موجود ہیں نیز اس کے تمام احکام میں سہولت ہے، توریت والی سختی نہیں۔ یہاں تک کہ بیماری میں نماز لیٹ کر بھی ادا ہو جاتی ہے۔ گناہوں کے لئے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے غرض دین کے معاملہ میں تمہاری طاقت سے بڑھ کر تم پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ہمیشہ بندگانِ خدا کی سہولت کا خیال رکھا۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! لوگوں کے لئے آسانی مہیا کرو ان کے لئے مشکل پیدا نہ کرو۔ خوشخبری دو ان کو مایوس نہ کرو۔ (مسلم کتاب الجھاد) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جب دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی ہدایت کی جاتی تو آپ ﷺ ان میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے اگر وہ گناہ نہ ہوتا۔ اگر وہ کام گناہ کا سبب ہوتا تو آپ ﷺ اس سے دور ہو جاتے۔۔۔۔۔۔ (متفق علیہ و مسلم جلد ۵ صفحہ ۱۴۲)

جہاد کے بیان میں حضرت ابراھیمؑ کا ذکر ضروری تھا جن کی پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے مسلسل جہاد تھی۔ بتایا کہ یہ دین تمہارے لئے کوئی نیا دین نہیں۔ وہی تمہارے باپ حضرت ابراھیمؑ کا دین ہے پس اس کی اتباع کرو۔ گویا دین اسلام کی بنیاد حضرت ابراھیمؑ نے رکھی جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اپنے کمال کو پہنچا۔ اے گروہِ مومنین اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے جو اس قرآنِ کریم میں بھی موجود ہے اور پہلے صحائف میں بھی ہے۔ بیشک تمام انبیاء علیہم السلام مسلمان و فرمانبردار تھے لیکن بطور ایک مخصوص نام یہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لئے خاص ہے جو مسلمان کہلائے۔ مسلمان نام رکھنے کی غرض ہی یہ تھی کہ رسول کی نگرانی میں تم کامل فرمانبردار اور مجسم سلامتی بن جاؤ۔ تمہاری ذات سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ تم سب کے لئے سلامتی اور امن کے پیامبر بن جاؤ۔ اسلام کے تحفے کو عام کرو اور اعلائے کلمۃ اللہ سے اقوامِ عالم کے نگران و مربی بنو جو تمہاری زندگی کا مقصدِ حقیقی ہے۔ اقوامِ عالم کی تربیت میں سب سے اوّل نماز و زکوٰۃ کا قیام اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑنا ہے۔ گویا قرآنِ کریم اور اس کے احکام پر مضبوطی سے خود بھی کاربند ہونا اور دوسروں کو بھی کرنا ہے۔ جب اس ابراھیمی مقام کو حاصل کر لو گے تو یاد رکھنا کہ یہ سب اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہُوا۔ وہی تمہارا کارساز و آقا اور وہی تمہارا بہترین دوست اور مددگار ہے۔

شھداء علی الناس کا منصب تفویض کر کے جہاں ساری دنیا کی تربیت کی ذمہ داری ڈالی گئی وہاں آخری غلبہ کی طرف بھی اشارہ ہے جب مسلمان ہی نگران ہوں گے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَةٌ وَّتِسْعَ عَشَرَةَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ مومنون۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی ایک سو انیس آیات اور چھ رکوع ہیں

یہ سورۃ آخری مکی زمانہ کی سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ الحج میں جنگ کی اجازت دی اور **نعم النصیر** میں اپنی معیت ونصرت کی بشارت کے ساتھ سورۃ کو ختم کیا۔ اس سورۃ کے شروع میں ہی بتایا کہ مومنین دنیوی فتوحات اور مال و دولت کو زندگی کی معراج نہ سمجھیں بلکہ ان کی فلاح اور کامیابی اخلاقِ فاضلہ اور تعلق باللہ پر منحصر ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں انسان کی روحانی اور جسمانی تخلیق کے ارتقائی مراحل کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرمائی۔ یہ ایک ایسا علمی معجزہ ہے جس کی نظیر کسی اور کتاب میں نہیں۔ اس سورۃ کے پہلے رکوع میں بیان کیا کہ روحانی اور جسمانی دونوں طور پر کمال کو پہنچنے کے لئے چھ مراتب طے کرنے پڑتے ہیں۔ انہی میں حکمرانی کے اصول بھی بتائے کہ جو ذمہ داریاں انہیں سونپی جائیں انہیں احسن طور پر ادا کریں اور جو معاہدے دوسری قوموں سے کریں انہیں بہترین انداز سے پورا کریں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے قصوں میں نہایت سبق آموز حقائق بیان فرمائے اور ان اعتراضات کو دہرایا جو کفارِ مکہ آپ ﷺ پر کیا کرتے تھے۔ اور بتلایا کہ عقیدۂ توحید و معاد کے متعلق تمام انبیاء کی تعلیم وہی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرما رہے ہیں۔ نیز یہ کہ مخالفینِ انبیاء ہمیشہ تباہ ہوئے۔ جبکہ انبیاء ہمیشہ کامیاب و کامران رہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ

یقیناً کامیاب ہو گئے مومن وہ کہ جو نماز میں اپنی

خَاشِعُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۴﴾ وَ

خشوع کرتے ہیں اور وہ کہ جو لغو سے اعراض کرنیوالے ہیں اور

الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

وہ کہ جو زکوٰۃ (ادا) کرنے والے ہیں اور وہ کہ جو اپنی شرمگاہوں کی

حٰفِظُوْنَ ﴿۶﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

حفاظت کرنیوالے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ہوئے ہیں داہنے ہاتھ ان کے (یعنی

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۷﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

ونڈیاں) پس یقیناً وہ نہ ملامت کئے جانے والے ہیں بس جس نے چاہا علاوہ اس کے تو وہ لوگ

هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

ہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہ کہ جو اپنی امانتوں کی اور اپنے عہد کی

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے حد کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲تا۱۵۔**فلاح** اپنے مقصد کو پا لینا ہے۔ مراد کو پہنچنا۔ **خشوع** عاجزی کا اظہار کرنا ہے جبکہ تضرع دل میں عاجزی کا پیدا ہونا ہے۔ **سُلٰلة**۔ خلاصہ در خلاصہ۔ جوہر۔ **علقة**۔ جما ہُوا خون۔ خون کا لوتھڑا۔ **المضغة**۔ گوشت کا ٹکڑا۔ بوٹی۔

اس رکوع میں بتایا کہ مومنین کی فلاح اخلاقِ فاضلہ میں ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپﷺ کے چہرے کے پاس شہد کی مکھی جیسی بھنبھناہٹ محسوس ہوتی۔ ایک مرتبہ وحی نازل ہوئی تو ہم آپﷺ کے پاس ایک گھڑی تک رہے جب وہ حالت ختم ہوئی تو آپﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کیا دونوں ہاتھ بلند کئے اور یہ دعا کی۔ ’’اے اللہ! ہمیں اور زیادہ دے اور کم نہ کر۔ ہمیں عزت دے ذلیل نہ کر، ہمیں عطا کر محروم نہ کر، ہمیں غالب کر مغلوب نہ کر اور خود بھی ہم سے راضی ہو۔‘‘ پھر آپﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی دس آیتیں نازل کی گئی ہیں کہ اگر کوئی ان پر عمل کرے گا تو جنت میں داخل ہو گا۔ پھر آپﷺ نے سورۃ المومنین کی پہلی دس آیات پڑھیں۔ (ترمذی)

رٰعُوْنَ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۱۰﴾

رعایت رکھنے والے ہیں اور وہ کہ جو نمازوں پر اپنی حفاظت کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ

یہ لوگ ہی وارث ہونیوالے ہیں وہ جو کہ وارث ہوں گے فردوس کے

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں اور یقیناً یقیناً پیدا کیا ہم نے انسان کو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں ان آیات کی نہایت مدلل اور پرمعارف تشریح بیان فرمائی ہے۔ جسے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مزید کھول کر بیان کیا اسی کو مختصراً بیان کرتی ہوں۔ آپ نے ثابت کیا کہ وجودِ روحانی کے مراتبِ ستہ کے بالمقابل وجود جسمانی کے مراتب بھی چھ ہی ہیں۔ ان آیات میں جسمانی زندگی کے مدارج کو روحانی زندگی کے مدارج پر بطور گواہ پیش کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی رو سے عالم کبیر بھی تدریجی طور پر چھ مراتب سے گزر کر اپنے کمال کو پہنچا ہے۔ Big Bang کے بعد جو چھ ادوار آئے سائنسدانوں نے ان ادوار کی تقسیم کر دی ہے۔ (خطبہ جمعہ ۲۸ فروری ۱۹۹۷ء) فرمایا فلاح پانے یعنی روحانی ترقیات کے کمال تک پہنچنے کے لئے مومن کو چھ مدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔ جن میں پہلا درجہ نماز میں خشوع وخضوع کا اختیار کرنا ہے جو تکبر کی ضد ہے۔ پس اپنے ربّ کا قرب حاصل کرنے کے لئے جو بدی سب سے پہلے ترک کرنا ضروری ہے وہ تکبر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ’’انسان کے نفس امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں لیکن سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے۔‘‘ نماز میں سوز و گداز عبودیت کی زمین میں بطور تخم کے ہے اور تکمیلِ روحانیہ کے لئے جن لوازم کی ضرورت ہوتی ہے وہ تمام خشوع فی الصلوٰۃ میں مضمر ہیں۔ اس کے مقابل جسمانی نشوونما کے لئے پہلا مرتبہ نطفہ کا ایک محفوظ مقام پر رکھا جانا ہے نطفہ مٹی کا جوہر ہے۔ جس میں عاجزی عیاں ہے۔ زمین سے پیدا ہونے والی خوراک سے خون بنا اور خون نطفہ میں تبدیل ہُوا۔ نطفہ بھی اجمالی طور پر ایک انسان کی تمام صفات و خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ یہانتک کہ اس میں روح بھی مخفی طور پر موجود ہوتی ہے تاہم یہ ابتدائی حالت نہایت خطرناک ہے کیونکہ ابھی رحم سے مضبوط تعلق قائم نہیں ہُوا۔ جب تک رحم کی کشش اس کی دستگیری نہ کرے ڈر ہے کہ ضائع نہ ہو جائے اسی طرح روحانیت کا پہلا مرتبہ بھی نہایت خوف کا مقام ہے کہ جب تک

سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ

خلاصہ سے کیچڑ کے پھر بنایا ہم نے اُسے نطفہ ٹھہرنے کی جگہ

مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

مضبوط میں پھر بنایا ہم نے نطفہ سے خون کا لوتھڑا پھر بنایا ہم نے خون کے لوتھڑے کو

خدائے رحیم کی کشش اس کی دستگیری نہ کرے اور اس کا اپنے ربّ سے تعلق پیدا نہ ہو حالتِ خشوع کوئی چیز نہیں۔ اگر نطفہ میں ہی کسی قسم کا نقص ہے تو بھی رحمِ مادر سے تعلق نہیں پکڑ سکتا۔ بعینہٖ اگرچہ حالتِ خشوع انسان کو روحانیت کے کمال تک پہنچا سکتی ہے۔ لیکن ناپاک عوارض کے ساتھ خشوع اس لائق نہیں ٹھہرتا کہ رحیم خدا سے تعلق پیدا ہو۔ جس طرح نطفہ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے مختلف احتیاطوں کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نمازوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ جیسے تذلّل اختیار کرنا، جسم کے کسی عضو سے لغو حرکت نہ کرنا یہاںتک دل میں بھی کوئی خیال نہ آنے پائے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں خدا کے فضل و احسان اور دعاؤں سے ہی توفیق ملتی ہے۔ اس میں یہ بھی سبق ہے کہ کسی کام کو احسن طریق پر انجام دینے کے لئے ایک وقت میں ایک ہی کام پر پوری توجہ ہو۔ ہاں نماز سے فراغت کے بعد دست بکار دل بیار والا معاملہ ہو۔

روحانی مدارج کی ترقی کے لئے دوسرا درجہ لغویات سے کنارہ کشی ہے۔ گویا محض نمازوں میں سوز و گداز کافی نہیں جب تک تمام لغو کاموں، لغو باتوں اور لغو مشاغل سے پرہیز نہ کیا جائے۔ حضرت انس ؓ روایت کرتے ہیں۔ صحابہ میں سے ایک شخص نے وفات پائی تو کسی نے کہا۔ تجھ کو خوشخبری ہو جنت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سُن کر فرمایا! تو یہ کہتا ہے شاید کہ تو جانتا نہیں۔ ممکن ہے اس نے بے فائدہ باتوں میں وقت ضائع کیا ہو اور ایسی چیزوں میں بخل کیا ہو جن میں کمی نہ آئے (جیسے علم، پانی اور نمک وغیرہ) (ترمذی) لغو باتوں میں ہر بُری اور ناپسندیدہ بات شامل ہے جیسے بلامقصد گپیں ہانکنا، فضول بحث مباحثہ میں وقت ضائع کرنا، نکتہ چینی اور عیب جوئی وغیرہ کرنا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر معاصی لغویات میں شامل ہیں۔ پس مومن اپنی ابتدائی روحانی حالت کو بیہودہ باتوں اور لغو کاموں میں ضائع نہ کرے۔ اس لئے کہ لغویات سے تعلق توڑنا خدا تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کی ابتدا ہے۔ لیکن ہنوز یہ ادنیٰ حالت ہے۔ ابھی بہت سی کمزوریاں باقی ہیں اور طہارتِ نفس حاصل نہیں ہوئی۔ ہاں اگر دل میں لغویات سے کراہت پیدا ہو گئی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بفضلِ تعالیٰ خدا سے تعلق پیدا ہو گیا ہے۔

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ

گوشت کا ٹکڑا پھر بنایا ہم نے گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو

لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۗ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

گوشت پھر بنایا ہم نے اسے پیدائش اور (قسم) میں پس برکت والا ہے اللہ جو زیادہ اچھا ہے

الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ

تمام بنانے والوں سے پھر یقیناً تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو پھر

لسان العرب میں ہے کہ اول شب لغو باتوں سے بچو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آج کی مہذب دنیا میں تمام لغویات کی ابتدا اول شب سے ہی ہوتی ہے خواہ یہ خواتین کی غیبتوں کی مجالس ہوں یا مردوں کی گپ شپ اور بیہودہ گفتگو کی۔ یہ ساری رات جاری رہتی ہیں۔ ایسے میں نمازِ فجر کی ہوش کسے ہوتی ہے۔ زیادہ ترقی پسند کہلوانے والے معاشرہ میں بھی ناؤ و نوش اور رقص و سرود کی مخلوط محفلوں کی ابتدا اوّل شب سے ہی ہوتی ہے اور ساری رات ان لغویات میں گزر جاتی ہے۔ اس کے بالمقابل جسمانی طور پر علقہ ہے جس میں خون کی ملونی ہوتی ہے اور پاکیزگی کا عنصر ابھی شامل نہیں ہوتا۔ تاہم نرمی اور لچک پائی جاتی ہے اور رحم سے تعلق جوڑ کر کافی حد تک ضائع ہونے کے خطرے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور رحم کی سرپرستی میں آ جاتا ہے۔

اس سے اگلا اور تیسرا روحانی درجہ ان مومنین کا ہے جو اپنی محنت سے کمایا ہوا مال محض اپنے ربّ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور صدقہ و زکوٰۃ سے اسے پاک کرتے ہیں۔ یہ قربانیاں مومنین کے نفوس کو بُخل کی پلیدی سے پاک کرتی ہیں اور وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا تعالیٰ سے جو اپنی ذات میں پاک ہے ایک مناسبت پیدا کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ تغابن آیت ۱۷ میں فرمایا **وَمن یّوق شحّ نفسہ فاولٰٓئک ھم المفلحون** ۝ پس جو بخل نفسانی سے بچائے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔ یہ مقام پہلے دونوں درجوں سے افضل و اشرف ہے۔ کیونکہ لغو کاموں کو چھوڑنے کی نسبت مال کا چھوڑنا زیادہ مشکل اور بڑی قربانی ہے۔ اس کے بالمقابل جسمانی لحاظ سے **مُضغة** ہے۔ یعنی بوٹی جو خون کی آلودگی سے پاک ہو کر رحم سے مضبوطی کا تعلق قائم کر لیتی ہے۔ اس درجہ میں اگرچہ شدت اور صلابت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن تواضع اور نرمی موجود ہوتی ہے۔

زکوٰۃ کے لفظی معنی نمو کے ہیں۔ روحانیت کے اس مرتبہ پر سالک کے دل میں محبتِ الٰہی کی کونپلیں پھوٹنے لگتی ہیں اور نفس میں پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ مال کی محبت دل سے محو ہو کر مال

دینے والے کی محبت اس کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ اس کی قوتِ ایمانی ترقی کرتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف تیزی سے قدم اٹھاتا ہے۔ زکوٰۃ صرف مال خرچ کرنے کا نام نہیں ورنہ غرباء اس نیکی سے محروم رہتے۔ بلکہ جو امور بھی تزکیہ نفس کا موجب ہوں زکوٰۃ میں شامل ہیں۔ خواہ کسی کا بوجھ بٹانا اور دکھ دور کرنا ہو یا کسی کو خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔ حضرت جابرؓ بیان فرماتے ہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا۔ ہر نیکی صدقہ ہے۔ اور یہ امر بھی نیکی میں داخل ہے کہ تو اپنے چہرے کو خوش و خرم بنا کر اپنے بھائی سے ملاقات کرے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں بھر دے۔ (احمد و ترمذی)

مال خرچ کرنے کے تعلق میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز بنی نوع انسان کے مشترکہ فوائد کے لئے بنائی ہے۔ یہ ہرگز جائز نہیں کہ ایک فرد خدا تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور بعض دیگر عوامل کی بنا پر جن میں اس کا ذاتی عمل دخل بہت کم ہے دنیا کی نعمتیں سمیٹ کر صرف اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر لے۔ ہر شخص کے ذاتی مال میں غرباء اور حقداروں کا حق ہے کہ وہ اس مال کو اُن کی ضروریات اور ترقی و بہبود کے لئے خرچ کرے۔ ایک ملازم، مزدور یا مزارع کو حقِ مزدوری پورا ادا کرنے کے بعد بھی اس کا حق باقی رہتا ہے۔ جو کبھی احسان کبھی صدقہ و خیرات اور کبھی زکوٰۃ کی صورت میں اسے لوٹایا جاتا ہے جن ملکوں میں مزدوروں کو ان کی محنت کا معقول معاوضہ ملتا ہے ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھا جاتا ہے اور امراء ان کی فلاح و بہبود پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں وہاں سرمایہ دار اور مزدور میں فرق بہت کم رہتا ہے اور دونوں زیادہ خوشحال ہوتے ہیں۔ ایسے ممالک ترقی یافتہ اقوام میں شامل ہوتے ہیں۔ بیشک تیسرے درجہ میں مومن رضائے الٰہی کے لئے مال کی قربانی پیش کرتا ہے جو اسے بہت پیارا ہوتا ہے۔ لیکن روحانیت کے چوتھے درجہ پر وہ ناجائز شہواتِ نفسانیہ کو ترک کرتا ہے۔ جو اسے مال سے بڑھ کر محبوب ہوتی ہیں۔ اسے پورا کرنے کے لئے لوگ اپنا مال بے دریغ لٹاتے ہیں۔ پس اس جن کو قابو کرنے کے لئے نہایت مضبوط ایمان کی ضرورت ہے۔ ھوائے شہوانی میں حد اعتدال اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مزید مضبوط کر دیتا ہے۔ پس روحانیت میں کمال حاصل کرنے کے لئے لازم ہے کہ دنیا کی جائز شہوات و لذات کو باوجود حلال ہونے کے حدِ اعتدال میں رکھے۔ سوراخوں کی حفاظت میں علاوہ بدکاریوں سے بچنے کے تمام ان گناہوں سے بچنا بھی شامل ہے جو منہ، آنکھ، ناک اور کان سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی گناہ تو ظاہر ہیں لیکن ناک سے تعلق رکھنے والے گناہ آج کے زمانہ سے خاص ہیں۔ کیونکہ بہت سے نشے

ہیں جو صرف سونگھنے سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ نسوار وغیرہ کا نشہ کرتے ہیں اور بعض بطور نشہ ہیروئن سونگھتے ہیں اور یہ نشہ انہیں مزید برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے بالمقابل جسمانی ترقی میں **فخلقنا المضغة عظامًا** ہے یعنی پھر اس بوٹی کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا۔ یعنی ہڈیوں کی جگہ ہڈیاں نمودار ہو گئیں اور گوشت کی جگہ گوشت باقی رہا۔ اس درجہ میں جنین میں زیادہ سختی اور صلابت پیدا ہو جاتی ہے اور رحم سے تعلق بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس درجہ میں اگرچہ انسانی صورت کا ایک خاکہ سا بن جاتا ہے لیکن ابھی تناسبِ اعضاء اور حُسن پیدا نہیں ہوتا۔ اس حُسن کی ابتدا پانچویں درجہ پر ہے جب مومن شہواتِ نفسانیہ کو ہی ترک نہیں کرتا بلکہ اللہ کی راہ میں نفس کو بھی ترک کر دیتا ہے۔ نفس جو خدا کی امانت ہے اس سے اتنا ہی تعلق رکھتا ہے جتنا ایک امانت سے رکھا جاتا ہے اور اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ بقول غالب ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک جان کیا خدا تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتیں جو بطور امانت اس کے پاس ہیں۔ تمام اعضاء و قویٰ، جان و مال، عزت و اولاد ان سب کو تقویٰ کے مدنظر نہایت احتیاط سے اپنے اپنے محل پر استعمال کرتا ہے اور جب بھی ضرورت پڑے اللہ اور اس کے دین کی راہ میں لٹانے کو تیار رہتا ہے اس طرح مخلوق کی امانتوں کے تعلق میں بھی تقویٰ سے کام لیتا ہے۔ اور جو جو امانتیں اور عہد خُدا کے علاوہ مخلوق کی طرف سے اس کی گردن پر ہیں انہیں بھی کمال صدق سے حتی المقدور پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا کماحقہٗ ادا کرنا ہے۔ غرض تقویٰ کی باریک راہوں پر چلتے ہوئے خدا اور اس کی مخلوق کے معاملہ میں امین اور صادق الوعد ہونا پچھلے تمام مراتب سے بڑھ کر ہے اور یہ انسان کے بس میں نہیں جب تک اسے خاص روحانی قوت نصیب نہ ہو۔ جسمانی طور پر اس مرتبہ میں فرمایا! **فکسونا العظٰم لحمًا**۔ یعنی ہڈیوں پر گوشت چڑھنے سے قدرے خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے تاہم اس درجہ میں بھی خواہ جسمانی ہو یا روحانی ابھی کامل حسن پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ حکومت بھی ایک امانت ہے اس لئے فرمایا کہ حکومت کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں دو جو اس عظیم ذمہ داری کے اہل ہوں اور اسے دیانتداری سے ادا کرنے والے ہوں اور حکومتی سطح پر بھی امانت اور معاہدات کی پابندی کرنے والے ہوں۔ نیز اس میں مومن و کافر میں امتیاز نہ کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ ہجرت کے موقع پر آنحضرت ﷺ اپنے جانی دشمنوں کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کر کے آئے کہ انہیں پہنچا کر مدینہ آئیں۔ کامل حسن روحانیت کے چھٹے اور آخری مرتبہ پر ہے

جس کے لئے فرمایا **والّذین هم علٰی صلوٰتهم یُحافظون** o قرآنِ کریم میں نماز کے ساتھ عام طور پر قیام کا لفظ آتا ہے۔ یہ نماز باجماعت کے لئے مختص ہے جو مردوں پر فرض ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ تمام مراتب عالیہ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی حاصل کر سکتی ہیں جن پر نماز باجماعت فرض نہیں۔ اس لئے قیام نہیں کہا بلکہ حفاظت کہا۔ یہ اعلیٰ ترین آخری درجہ محض موہبت اور فضل کے طور پر عطا ہوتا ہے۔ اس میں کوشش اور کسب کو دخل نہیں۔ اس مقام پر مراتب سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور تمام بوجھ عبادات و ریاضیات کے ساقط ہو جاتے ہیں۔ پھر مجاہدات اور قربانیاں طبعی اور عاشقانہ جوش سے ہوتی ہیں، نہ کہ تکلف سے۔ اب نماز اس کی غذا ہے اور وہ ہر لحہ نماز میں ہوتا ہے۔ اس کی روح آستانہ الٰہی پر ہر وقت سجدہ ریز رہتی ہے۔ اس مقام کی حفاظت کے لئے وہ لحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہوتا۔ گویا روحانی مراتب کے لئے پہلا زینہ بھی نماز تھا اور آخری زینہ بھی نماز ہے۔ وہ انسان جو خدا کی محبت اور عشق کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ خشوع کی حالت سے ترقی کرتا ہوا آخر اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ خدا اس سے پیار کرنے لگ جاتا ہے اور وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے جو اس کا حقیقی مقصودِ حیات تھا۔ اس مقام پر مومن کا اپنا کچھ بھی نہیں رہتا وہ دل و جان سے خدا کا ہو جاتا ہے۔ اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں ہوتا جو مالک کی مرضی سو اس کی مرضی۔ وہ **رضی اللّٰه عنهم ورضواعنه** ط(۹:۹۸) کے مقامِ عالیہ پر ہوتا ہے فرمایا **ذٰلک لیمن خشی ربّهٗ** o(۹:۹۸) گویا ابتدائی مقام خاشعون ہی کا تھا۔ جب بندہ ربّ کا ہو جاتا ہے تو ربّ بھی اپنے بندے کا ہو جاتا ہے۔ وہ اُسے اپنی خاص تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ اس کے دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے۔ وہ اس ایک کے لئے لاکھوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ وہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے دیکھتا ہے وہ اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے سنتا ہے۔ وہ ظلّی طور پر صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہوتا ہے۔ اس پر روح القدس کا نزول ہوتا ہے۔ اس مقام پر خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ کشوف و الہام سے نوازا جاتا ہے۔ اسے ملکوتی مقام عطا ہوتا ہے۔ اس کی ہر شے میں برکت رکھ دی جاتی ہے اور وہ مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ روحانیت کے اس چھٹے مرتبہ میں انسان میں گویا ایک نئی روح پھونکی جاتی ہے اور وہ پہلے والا انسان نہیں رہتا۔ وہ کلیۃً بدل جاتا ہے اور ایک نیا انسان وجود میں آتا ہے۔ اسی طرح انسانی نطفہ بھی مختلف تغیرات سے گزر کر چھٹے مرتبہ پر ہی اپنے کمال کو پہنچتا ہے اور ایک کامل الاعضاء حسین و جمیل انسان کے وجود میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا **ثم انشانٰهُ خلقًا اٰخر** ط احسن الخالقین میں بتایا کہ دنیوی موجد یا صناع اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا

اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ

یقیناً تم | بروز | قیامت | اُٹھائے جاؤ گے | اور یقیناً یقیناً پیدا کئے ہم نے اوپر تمہارے

سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا

سات | راستے | اور نہیں ہم | مخلوق سے | غافل | اور اُتارا ہم نے

مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پس دنیوی حکومتیں بھی انہیں ملیں گی اور اُس جنت کے بھی یہی وارث ہوں گے۔ جس کے لئے فرمایا **لاتسمع فیها لاغیة** o ۱۲:۸۸۔

روحانیت کے اس اعلیٰ ترین مقام کو پانے کے بعد مومن کے دل میں مخلوقِ خدا کی تربیت اور انہیں ان کے ربّ سے ملانے کی سخت تڑپ ہوتی ہے۔ پس جہاں تک ممکن ہوتا ہے وہ اپنے اہل وعیال، عزیز و اقارب بلکہ پوری قوم کی نمازوں کی محافظت کرتا ہے اور ان کی نمازوں کو کم از کم احسان کے درجہ تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

۱۶-۱۷۔ ایک انسان جب تمام تخلیقی مدارج سے گزر کر اپنے کمال تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بات اس کی جبلت میں داخل ہے کہ پھر رفتہ رفتہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے فرمایا پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ انسانی تخلیق میں کروڑ ہا سال کی ارتقا محض باطل قرار پائے گی اگر یہی چند روزہ زندگی ہے اور دوبارہ جی اٹھنا نہیں۔ البتہ قیامت سے پہلے کسی کی زمین پر واپسی نہیں۔ یہ آیت بھی وفاتِ مسیح پر دال ہے۔ اسی طرح قومیں بھی اپنے عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو جاتی ہیں لیکن پھر کچھ عرصہ بعد ان میں بیداری کی لہر پیدا ہوتی ہے اور وہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جاتی ہیں۔

۱۸۔ **طرائق۔ طریقة** کی جمع ہے۔ راستہ۔ طبقہ (مفردات)

فرمایا ہم اپنی مخلوق کی ضروریات اور مصالح سے بے خبر نہیں۔ اس رحمٰن خدا نے انسانی تخلیق کے مراتبِ ستہ پر ہی تمہاری ربوبیت نہیں فرمائی بلکہ تمہاری پیدائش سے بہت پہلے سے تمہارے لئے سامانِ زیست کا انتظام فرما رہا ہے۔ زمین کے علاوہ نظامِ شمسی کے بڑے کواکب بھی سات ہی ہیں جو اپنے اپنے مدار (راستوں) پر گردش کر رہے ہیں۔ ان کے رستوں کو سبع طرائق کہا۔ ان کی تاثیرات اہل دنیا کی نشوونما پر خاص اثر ڈال رہی ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ چاند اور سورج بھی انسانی دماغ کے نشوونما پر خاص طور پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ عرب ہر اس چیز کو جو دوسری کے اوپر رکھی ہوئی ہو طریقہ کہتے ہیں اس لئے اکثر مفسرین نے **خلق سبع سمٰوٰتٍ طباقًا** ط (سورۃ ملک آیت ۴) کے تحت یہاں بھی سات آسمان مراد لئے ہیں جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ آج کے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا

بادل سے پانی اندازہ سے پس رکھا ہم نے اسے زمین میں اور یقیناً

عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ

ہم لے جانے پر اس کے ضرور قادر ہیں پس پیدا کئے ہم نے تمہارے لیے ساتھ اس کے باغات

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا

کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لیے ان میں میوے ہیں بہت اور انہیں

تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ

تم کھاتے ہو اور (اگایا) ایک درخت جو نکلتا ہے طور سینا سے اگتا ہے

ہیت دان بھی آسمان کو سات کرّوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ عربی زبان میں سات کا عدد تام ہے۔ یعنی کامل عدد ہے پس وہ شفاف حفاظتی دیواریں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو ہمارے اوپر تہ بہ تہ موجود ہیں اور ہماری حفاظت پر مامور ہیں۔ ان کے بغیر انسان کا وجود ممکن نہ تھا۔ یہ دیواریں بعض نقصان دہ چیزوں کو روک رہی ہیں اور بعض مفید چیزوں کو نیچے آنے دیتی ہیں۔ گویا اوپر نیچے راستے بنے ہوئے ہیں جن سے خاص اصولوں کے تحت کچھ چیزیں اوپر جا رہی ہیں اور کچھ نیچے آ رہی ہیں۔ پہلی دیوار زمین سے قریباً پچیس میل اوپر اوزون (Ozone) کی قریباً دس سے پچیس میل موٹی دیوار ہے۔ یہ گیسوں کی دیوار ہے جو سورج کی الٹراوائلٹ (u.v) شعاؤں کو زمین پر آنے سے روکتی ہے۔ کیمیاوی مادوں اور زمینی کثافتوں کے باعث اوزون کی اس دبیز تہ میں قطب شمالی کے اوپر شگاف پڑ رہے ہیں جن سے یہ مہلک شعائیں گرتی ہیں اور برف پگھلنے سے پانی میں شامل ہو کر جلد کا کینسر، سفید موتیا اور دیگر کئی مہلک امراض کا باعث بنتی ہیں۔ اس دیوار سے پچیس میل اوپر ایک دیوار ایتھر (Ether) کی لہروں کو زمین کی طرف منعکس کرتی ہے اور ہم لاسلکی پیغامات سن سکتے ہیں۔ ریڈیو کا سننا اسی سے ممکن ہے۔ اسی طرح ایک دیوار فضا سے کروڑوں کہکشائی آفتابوں کی حرارت اور مبرق شعاؤں کے خوفناک حملوں سے اہلِ زمین کو بچاتی ہے۔ یہ تفصیل سورۃ الانبیاء آیت ۳۳ میں گزر چکی ہے۔ غرض وہ رحمٰن خدا اپنی مخلوق سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں خواہ وہ کسی ستارے میں بھی ہوں۔ سمائے روحانیت پر بھی اگر نطفہ سے پہلے والی طینی حالت کو بھی شامل کر لیا جائے تو ہدایت کے سات ہی درجے ہوں گے۔ سمائے روحانی کے سات راستوں کی تفصیل سورۃ الفاتحہ میں ہے۔

۱۹۔۲۰۔ آسمان سے انسان کے بے حد فوائد وابستہ ہیں۔ بخارات اوپر جاتے ہیں جو بارش اور کئی مفید اجزا کے ساتھ نیچے آتے ہیں (تفصیل کے لئے سورۃ الحجر: ۲۰، ۲۳) پس پانی کا خاص

اندازہ سے اترنا اور زمین پر ٹھہرے رہنا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔ (تفصیل کے لئے سورۃ النحل آیت ۱۶)

ہاں وہ قادر ہے جب چاہے اٹھا لے اور تمہیں قحط سالی سے دوچار کر دے۔ آج دنیا میں پانی کے ذخائر کم ہو رہے ہیں۔ چودہ سو سال پہلے ایک امّی کی زبان سے اس آنے والی آفت کی طرف اشارہ کیا گیا لیکن ابھی تک اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ بعض دانشوروں کے نزدیک آئندہ جنگیں پانی کے لئے ہوں گی۔ آج بھی لندن جیسے ترقی یافتہ ملک میں پانی کی کمی کی وجہ سے بدررووں (Sewerage) کا پانی دوبارہ صاف (Recycle) کر کے پینے اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پانی کے بغیر زندگی کا تصور نہیں۔ پانی کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انسانی جسم میں ۷۰ فیصد پانی ہے، دماغ کا تین چوتھائی حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ پانی کے بغیر ایک انسان تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہاں صرف پانی پر ستر دن تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اسی پانی کی برکت ہے کہ کھجور اور انگور کے باغات پیدا کئے۔ ان باغات میں اور بھی طرح طرح کے پھل ہیں۔ یہ باغات علاوہ دیگر فوائد کے تمہاری روزی کا ذریعہ بھی ہیں۔ کھجور کے فوائد کے لئے دیکھیں (سورۃ مریم: ۲۶) نخیل کے بعد انگور کی تاریخ پھلوں میں سب سے قدیم مانی جاتی ہے۔ مصر، افریقہ اور ایشیاء کی پرانی تہذیبوں میں انگور اور انگور کی شراب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ آج بھی اس کی پیداوار کا اسّی فیصد شراب کی نذر ہو جاتا ہے۔ عرب شراب کے سخت رسیا تھے۔ شراب چھڑوانے کے لئے قرآن میں سائنسی اور نفسیاتی طریقے اپنائے گئے اور آہستہ آہستہ انہیں شراب کے نقصانات سے آگاہ کر کے آخر ۶ھ میں شراب نوشی کو قطعاً حرام قرار دیا گیا (مائدہ: ۹۱)

میڈیکل سائنس کی جدید تحقیق کے مطابق شراب نوشی بہت سے مہلک امراض کا باعث بنتی ہے۔ شراب یادداشت کو کمزور کرتی اور عمر کم کرتی ہے۔ مغربی ممالک میں عمریں لمبی ہیں تو ایسا حفظانِ صحت کے اصولوں پر چلنے کی وجہ سے ہے۔ بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کو زیادہ کرتی ہے BBC کے مطابق لندن سکول آف ہائی جین کے ڈاکٹر ڈیوڈ لین Dr.David Lane نے کہا کہ شراب نوشی سے جسم کے ریشے تباہ، دل و دماغ متاثر، جگر بیکار، پتہ اور پٹھے بھی بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ شراب ٹانگوں اور بازوؤں کی نسوں پر براہِ راست حملہ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ سانس اور خوراک کی نالیوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ یہ خون کے سرخ ذرات کی جانی دشمن ہے۔ مستقل شراب نوشی سے زخرہ اور جگر کے کینسر کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ غرض یہ صحت اور پیسے کا ضیاع اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا

بادل سے پانی اندازہ سے پس رکھا ہم نے اسے زمین میں اور یقیناً

عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۱۹ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ

ہم لے جانے پر اس کے ضرور قادر ہیں پس پیدا کئے ہم نے تمہارے لیے ساتھ اسکے باغات

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا

کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لیے ان میں میوے ہیں بہت اور انہیں

تَاْكُلُوْنَ ۲۰ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ

تم کھاتے ہو اور (اگایا) ایک درخت جو نکلتا ہے طور سینا سے اگتا ہے

ہیت دان بھی آسمان کو سات کرّوں میں تقسیم کرتے ہیں۔عربی زبان میں سات کا عدد تام ہے۔یعنی کامل عدد ہے پس وہ شفاف حفاظتی دیواریں بھی مراد ہو سکتی ہیں جو ہمارے اوپر تہ بہ تہ موجود ہیں اور ہماری حفاظت پر مامور ہیں۔ان کے بغیر انسان کا وجود ممکن نہ تھا۔ یہ دیواریں بعض نقصان دہ چیزوں کو روک رہی ہیں اور بعض مفید چیزوں کو نیچے آنے دیتی ہیں۔ گویا اوپر نیچے راستے بنے ہوئے ہیں جن سے خاص اصولوں کے تحت کچھ چیزیں اوپر جارہی ہیں اور کچھ نیچے آرہی ہیں۔ پہلی دیوار زمین سے قریباً پچیس میل اوپر اوزون (Ozone) کی قریباً دس سے پچیس میل موٹی دیوار ہے۔ یہ گیسوں کی دیوار ہے جو سورج کی الٹراوائلٹ (u.v) شعاؤں کو زمین پر آنے سے روکتی ہے۔ کیمیاوی مادوں اور زمینی کثافتوں کے باعث اوزون کی اس دبیز تہ میں قطب شمالی کے اوپر شگاف پڑ رہے ہیں جن سے یہ مہلک شعائیں گرتی ہیں اور برف پگھلنے سے پانی میں شامل ہو کر جلد کا کینسر، سفید موتیا اور دیگر کئی مہلک امراض کا باعث بنتی ہیں۔ اس دیوار سے پچیس میل اوپر ایک دیوار ایتھر (Ether) کی لہروں کو زمین کی طرف منعکس کرتی ہے اور ہم لاسلکی پیغامات سن سکتے ہیں۔ ریڈیو کا سننا اسی سے ممکن ہے۔ اسی طرح ایک دیوار فضا سے کروڑوں کہکشائی آفتابوں کی حرارت اور مبرق شعاؤں کے خوفناک حملوں سے اہلِ زمین کو بچاتی ہے۔یہ تفصیل سورۃ الانبیاء آیت ۳۳ میں گزر چکی ہے۔غرض وہ رحمٰن خدا اپنی مخلوق سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں خواہ وہ کسی ستارے میں بھی ہوں۔ سمائے روحانیت پر بھی اگر نطفہ سے پہلے والی طینی حالت کو بھی شامل کر لیا جائے تو ہدایت کے سات ہی درجے ہوں گے۔سمائے روحانی کے سات راستوں کی تفصیل سورۃ الفاتحہ میں ہے۔

۱۹-۲۰۔آسمان سے انسان کے بے حد فوائد وابستہ ہیں۔ بخارات اوپر جاتے ہیں جو بارش اور کئی مفید اجزا کے ساتھ نیچے آتے ہیں (تفصیل کے لئے سورۃ الحجر:۲۰،۲۳) پس پانی کا خاص

اندازہ سے اترنا اور زمین پر ٹھہرے رہنا بندوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔(تفصیل کے لئے سورۃ النحل آیت ۱۶)

ہاں وہ قادر ہے جب چاہے اٹھالے اور تمہیں قحط سالی سے دوچار کردے۔آج دنیا میں پانی کے ذخائر کم ہو رہے ہیں۔چودہ سو سال پہلے ایک اُمی کی زبان سے اس آنے والی آفت کی طرف اشارہ کیا گیا لیکن ابھی تک اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ بعض دانشوروں کے نزدیک آئندہ جنگیں پانی کے لئے ہوں گی۔ آج بھی لندن جیسے ترقی یافتہ ملک میں پانی کی کمی کی وجہ سے بدررووٗں (Sewerage) کا پانی دوبارہ صاف (Recycle) کر کے پینے اور دیگر ضروریات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔پانی کے بغیر زندگی کا تصور نہیں۔پانی کی اہمیت کا ندازاہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انسانی جسم میں ۷۰ فیصد پانی ہے، دماغ کا تین چوتھائی حصہ پانی پر مشتمل ہے۔پانی کے بغیر ایک انسان تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہاں صرف پانی پر ستر دن تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اسی پانی کی برکت ہے کہ کھجور اور انگور کے باغات پیدا کئے۔ان باغات میں اور بھی طرح طرح کے پھل ہیں۔یہ باغات علاوہ دیگر فوائد کے تمہاری روزی کا ذریعہ بھی ہیں۔ کھجور کے فوائد کے لئے دیکھیں (سورۃ مریم:۲۶) نخیل کے بعد انگور کی تاریخ پھلوں میں سب سے قدیم مانی جاتی ہے۔ مصر، افریقہ اور ایشیاء کی پرانی تہذیبوں میں انگور اور انگور کی شراب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔آج بھی اس کی پیداوار کا اسّی فیصد شراب کی نذر ہو جاتا ہے۔عرب شراب کے [illegible]ت رسیا تھے۔شراب چھڑوانے کے لئے قرآن میں سائنسی اور نفسیاتی طریقے اپنائے گئے اور آہستہ آہستہ انہیں شراب کے نقصانات سے آگاہ کر کے آخر ۶ ھ میں شراب نوشی کو قطعاً حرام قرار دیا گیا (مائدہ:۹۱)

میڈیکل سائنس کی جدید تحقیق کے مطابق شراب نوشی بہت سے مہلک امراض کا باعث بنتی ہے۔شراب یادداشت کو کمزور کرتی اور عمر کم کرتی ہے۔ مغربی ممالک میں عمریں لمبی ہیں تو ایسا حفظانِ صحت کے اصولوں پر چلنے کی وجہ سے ہے۔ بلڈ پریشر اور کولیسٹرول کو زیادہ کرتی ہے BBC کے مطابق لندن سکول آف ہائی جین کے ڈاکٹر ڈیوڈ لین Dr.David Lane نے کہا کہ شراب نوشی سے جسم کے ریشے تباہ، دل و دماغ متاثر، جگر بیکار، پتہ اور پٹھے بھی بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ شراب ٹانگوں اور بازوؤں کی نسوں پر براہِ راست حملہ کرتی ہے۔اس کے علاوہ یہ سانس اور خوراک کی نالیوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔یہ خون کے سرخ ذرات کی جانی دشمن ہے۔ مستقل شراب نوشی سے نرخرہ اور جگر کے کینسر کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔غرض یہ صحت اور پیسے کا ضیاع اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا

باعث ہے۔تاہم شراب کے فوائد بھی ہیں ۔لیکن بقول قرآن کریم نقصانات فوائد سے زیادہ ہیں۔اس لئے حرام ہے۔ایلوپیتھی اور ہومیو پیتھی ادویات میں بہت معمولی مقدار میں شراب شامل ہوتی ہے جو جائز ہے۔انگور قدرت کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے۔کیمیاوی طور سے یہ ایک لاجواب پھل ہے۔اس میں گلوکوز، فرکٹوز، سوڈیم، میگنیشیم، پوٹیسیم، کیلشیم اور آئرن قابلِ قدر مقدار میں موجود ہے۔نیز کئی مفید ایسڈز اور وٹامن p پایا جاتا ہے۔یہ پھل جسمانی کمزوری کو دور کرتا اور فرحت بخشتا ہے اور کئی بیماریوں کا علاج ہے۔ایک غیر ملکی جریدے Afrikaans Magazine میں ایک خاتون Anita Schloms کے بارہ میں ایک مضمون بعنوان:۔ Grapes A hope for cancer Victims (By Libby peacock) شائع ہوا۔اس نے لکھا کہ انیتا کینسر کی آخری سٹیج پر تھی اس نے سنا کہ انگور کو بطور غذا کھایا جائے تو لاعلاج بیماریوں کو ٹھیک کرتا ہے۔مصری اور رومن قدیم تحریرات میں بھی ملتا ہے کہ انگور میں مختلف امراض کی شفا ہے۔ انیتا کہتی ہے کہ میں نے کیموتھراپی اور تمام ادویات چھوڑ کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! انگوروں کو میرے لئے شفا کا موجب بنا دے۔وہ دن میں تین سے پانچ کلو تک انگور بمع بیج چبا کر کھا جاتی اور ایک دو لیٹر پانی پیتی۔اسے کینسر سے مکمل شفا ہوگئی۔شفاپانے کے تین سال بعد وہ کہتی ہے کہ انگوروں نے مجھے نہ صرف جسمانی شفا دی بلکہ میری روح کو بھی تازگی عطا کی۔انیتا کا چمکتا ہوا چہرہ اور اس کی آنکھوں میں صحت کی چمک اس کے بیان کی غماز ہے۔وہ اب بھی انگور کے موسم میں انگور کو چند ہفتے بطور غذا استعمال کرتی ہے کیونکہ بقول اس کے وہ زندہ رہنا چاہتی ہے اور بیمار ہونا نہیں چاہتی۔ انیتا کا کہنا ہے کہ بہت سے لوگوں نے مجھ سے رابطہ کیا لیکن اس نسخہ پر عمل نہ کر سکے جن لوگوں نے عمل کیا وہ شفا پا گئے۔ Dr. Dawie van Veldenot the TYGERBERG HOSPITAL اس پر تحقیق کررہے ہیں۔ان کی رائے میں انگور میں کینسر روکنے کا بہت زیادہ مادہ ہے۔ اس میں موجود Fructose فوری طور پر طاقت دیتا ہے اور بیج کو چبا کر کھانے سے زیادہ غذائیت ملتی ہے۔ غذا سے علاج ایک ترقی پذیر سائنس ہے۔ ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے کہ میڈیکل سائنس غذائی علاج سے کب تک احتراز (Avoid) کرتی رہے گی۔ آخر اسے اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

پاکستان میں جناب حکیم سعید کے جاری کردہ رسالہ ’’ہمدرد صحت‘‘ کے مطابق ہمدرد لیبارٹریز میں تربوز پر تحقیق ہو رہی ہے ۔ان کی تحقیق کے مطابق تربوز میں Anti Oxdident یعنی کینسر کے خلاف مدافعت کا مادہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ کھجور اور کشمش کا استعمال بہت سے امراض سے محفوظ

بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ

ساتھ چکنائی — اور لازمہ سے کھانے والوں کے لیے — اور یقیناً تمہارے لیے چارپاؤں میں

رکھتا ہے۔طبی لحاظ سے کشمش، انگور سے زیادہ مفید ہے۔ منہا تا کلون میں بتایا کہ سب کچھ کھانے پینے کے لئے نہیں ان کے اور بھی مصارف ہیں۔ روحانی پانی بھی مراد ہے جو آسمان سے اندازہ کے مطابق اترا پھر اسے زمین میں ٹھہرائے رکھا۔ جب لوگوں نے اس کی قدر نہ کی تو آسمان پر اٹھایا گیا۔ جیسا کہ ایک لمبی حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایمان ثریا پر چلا جائے گا اور ایک فارسی النسل اتار کر لائے گا۔ جو صلیبی طاقتوں کو پاش پاش کر دے گا اور اسلام کو ایک دفعہ پھر روئے زمین پر غالب کر دے گا۔ (بخاری) انشاء اللہ۔

۲۱۔طورسینا شام کا ایک مشہور پہاڑ ہے جہاں مدین سے واپسی کے سفر میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہمکلام ہوا۔ **دھن**۔روغن۔تیل۔ **صبغ**۔سالن۔ **صبغة**۔رنگ۔

پانی سے عطا کردہ نعمتوں کے بیان میں زیتون کا بھی ذکر کیا۔جو تیل لئے ہوئے اگتا ہے۔ قرآنِ کریم میں زیتون کا نام چھ مرتبہ آیا ہے۔ لیکن اس آیت میں اشارۃً بتایا اور دوسرے پھلوں سے الگ ذکر اس لئے کیا کہ یہ پھل بھی ہے اور اس میں ایسا تیل بھی ہے جو بطور سالن استعمال ہوتا ہے۔اس درخت کا اصل وطن طورِ سینا کا علاقہ یعنی شام و فلسطین ہی ہے یہاں دو ہزار سال قبل مسیح اس کی کاشت شروع کی گئی۔وہاں سے تمام دنیا میں پھیلا۔یہ قدرت کا گراں بہا عطیہ ہے کچا پھل اچار اور چٹنی وغیرہ کے کام آتا ہے جبکہ پکا ہُوا پھل نہایت شیریں اور لذیذ ہوتا ہے۔ اس بیر نما پھل کے گودے میں پندرہ سے چالیس فیصد تیل ہوتا ہے۔یہ شفاف تیل دنیا میں بہترین چکنائی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس کی زبردست غذائی خصوصیت کے ساتھ بے پناہ طبی افادیت تسلیم کی جاتی ہے۔تیل کے طور پر اس کا طویل عرصہ تک استعمال معدہ کی تیزابیت دور کرتا اور السر کو ختم کرتا ہے۔ اس میں کولیسٹرول نہیں ہوتا اس لئے دل کی بیماریوں میں جبکہ چکنائی اور دیگر تیل نقصان دہ ہیں، یہ تیل فائدہ مند ہے۔ سائنسدانوں کی تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ زیتون اور اس کا تیل کھانے والے علاقوں میں ہارٹ اٹیک بہت کم ہوتا ہے۔ جبکہ جن علاقوں میں سؤر کا گوشت اور شراب کا استعمال زیادہ ہے وہاں ایسے عوارض عام ہیں۔جلدی بیماریوں میں خاص طور پر داد میں نہایت مفید ہے۔ کئی قسم کی مرہموں، پلاسٹروں اور نفیس صابن بنانے میں استعمال ہوتا ہے۔عرب طویل سفروں یا جنگی معرکوں کے دوران روٹی کو شہد اور زیتون کے تیل میں ڈبو کر کھاتے اور کھانا پکانے کی زحمت سے بچ

لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
البتہ عبرت ہے ہم پلاتے ہیں تم کو وہ جو پیٹوں میں ہے ان کے اور تمہارے لیے ان میں منافعے ہیں
كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع ۲۴ ۱
بہت اور بعض ان سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو

جاتے تھے۔ زمانہ قدیم سے چراغوں میں جلانے کے کام بھی آتا ہے اور دوسرے تیلوں کی نسبت نہایت عمدہ روشنی دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی بہت تعریف فرمائی۔ فرمایا ''زیتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور اس کی مالش بھی کرو اس لئے کہ یہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔'' (ابن ماجہ) جس طرح انسانی زندگی پانی کی محتاج ہے اور پانی سے ہی باغات وجود میں آتے اور انواع و اقسام کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح روحانی زندگی کا انحصار بھی آسمانی پانی پر ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آسمانی پانی سے باغِ اسلام کو سیراب کیا اور اسے کبھی بے ثمر نہیں رہنے دیا۔ ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لئے مجدد آتے رہے اور اس باغ کو جھاڑ جھنکاڑ سے صاف کر کے تازہ پھلوں سے امت کو نوازتے رہے۔ آخر آنحضرت ﷺ کے فرمان کے عین مطابق چودھویں صدی کے سر پر آپ ﷺ کے غلام حضرت میرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ نے آکر تائیدِ ایزدی سے اس باغ کی آبیاری کی، اس کی شاخوں کو چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا اور اس کے ثمرات سے ایک عالم کو مستفیض کیا۔ آپ کی نیابت میں آپ کے چاروں خلفاء اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و تائید سے اس خدمت کی انجام دہی کے لئے ہمہ وقت مصروف رہے اور اب یہ کام بفضلہ تعالیٰ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ذریعہ ہو رہا ہے۔

۲۲-۲۳۔ **عبرۃ**۔ وہ حالت ہے جس کے ذریعہ کسی دیکھی چیز کی وساطت سے اَن دیکھے نتائج تک پہنچا جائے۔ اسی سے عبور ہے گویا ایک حالت سے دوسری حالت تک پہنچنا۔ عام معنی ایسی نصیحت حاصل کرنا ہے جس میں انذار کا رنگ ہو۔ انعامات خداوندی کے ذکر میں چوپایوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ ان میں تمہارے لئے عبرت ہے۔ ایک جانور انسان کے لئے مجسم قربانی ہے وہ اپنے مالک کے ہر طرح تابع ہے اور اسے حسب مقدور ہر قسم کا فائدہ پہنچاتا ہے۔ جب نافع وجود نہیں رہتا تو قربان کر دیا جاتا ہے۔ اگر بندے نے ایک جانور کی زندگی سے نصیحت حاصل نہ کی، اپنے مالک کا تابعدار بندہ بن کر نہ رہا اور بندگانِ خدا کے لئے نفع رساں وجود ثابت نہ ہوا تو چوپائے کی طرح کاٹ کر پھینک دیا جائے گا اور اس کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ جانوروں کے فوائد

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے نوح کو طرف اسکی قوم کے پس کہا اس نے اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا
نہیں تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اس کے کیا پس تم نہیں تقویٰ کرتے پس کہا سرداروں نے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا قوم میں سے اس کی نہیں یہ مگر انسان مانند تمہاری
يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗئِكَةً ښ
یہ چاہتا ہے کہ فضیلت حاصل کرے تم پر اور اگر چاہتا اللہ البتہ اتارتا فرشتے
مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ
نہیں سنی ہم نے یہ (بات) اپنے باپ دادا پہلوں سے نہیں یہ مگر ایسا آدمی کہ
بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۶﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ
اسے جنون ہے پس تم انتظار کرو ساتھ اس کے کچھ وقت تک اس نے کہا اے رب میرے مدد کر میری
بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۷﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا
اسلئے کہ تکذیب کی انہوں نے میری پس وحی کی ہم نے طرف اس کی یہ کہ بنا کشتی سامنے آنکھوں کے ہماری اور

کے ذکر میں بتایا کہ خدا تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ان جانوروں کا دودھ ہے کہ گھاس پھوس حکمتِ خداوندی سے خون میں تبدیل ہو جاتا ہے اور یہ خون دودھ کی شکل [illegible] کر لیتا ہے۔ یہ کام دنیا کی کوئی مشین اتنی آسانی سے نہیں کر سکتی تھی۔ (تفصیل کے لئے سورۃ [illegible] ۶۷) یہ جانور دودھ دینے کے علاوہ بھی تمہارے لئے نفع رساں ہیں۔ (سورۃ نحل رکوع ۱) ان کا گوشت کھاتے ہو اور تمہارے لئے سواری کے کام آتے ہیں۔ اگر جانور خشکی کے سفروں میں سواری اور باربرداری کا کام دیتے ہیں تو بحری سفروں کے لئے بحری جہاز اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں جو سمندروں میں تمہارے لئے سواری اور باربرداری کا کام انجام دیتے ہیں۔ کشتیوں کے ذکر کے ساتھ ہی اگلے رکوع میں مضمون حضرت نوح ؑ کی طرف پھیر دیا جن کو مع ان کے متبعین کے ایک کشتی کے ذریعہ بچا لیا گیا اور باقی قوم احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی پاداش میں مٹا دی گئی۔ بیشک دنیا کے مختلف مذاہب میں روحانی تعلیم موجود تھی لیکن اس میں کئی قسم کی کثافتیں شامل ہو چکی تھیں۔ پس قرآنی وحی نے اسے دودھ کی طرح الگ کر کے پیش کیا۔ یہ کام دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی تھی۔

۲۴ تا ۲۸۔ **سلک**۔ راستہ پر چلنا۔ داخل ہونا۔

اس رکوع میں حضرت نوح ؑ کا اور اگلے رکوع میں آپ کے بعد آنے والے انبیائے کرام کا

وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا
(ساتھ) وحی کے ہماری۔ پس جب آئے حکم ہمارا اور جوش مارے تنور تو داخل کر اس میں

مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ
ہر چیز سے جوڑے کے دونوں اور گھر والوں کو اپنے سوائے اس کے کہ گذر چکی اس پر

الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ
بات ان میں سے اور نہ مخاطب ہو مجھ سے بارے میں ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا یقیناً وہ

مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ
غرق کئے جانیوالے ہیں پس جب ٹھیک بیٹھ جاوے تو اور جو ساتھ ہیں تیرے کشتی پر

ذکر کر کے بتایا کہ جب بھی بندوں کی روحانی زندگی کے لئے انبیاء کے ذریعہ آسمانی پانی نازل ہُوا تو بجائے اس سے سیراب ہونے اور فائدہ اٹھانے کے ان کی قوموں نے ہمیشہ اعتراض ہی کیا اور انبیاء اور ان کے اَتباع کو مظالم کا نشانہ بنایا جس کے نتیجہ میں آخر ہلاک ہوئیں۔ قرآنِ کریم میں یہ واقعات قصوں کے طور پر بیان نہیں ہوئے بلکہ اِن میں اسلام اور آنحضرت ﷺ کی نصرت و کامیابی کی عظیم الشان پیشگوئیاں مضمر ہیں۔ حضرت نوحؑ کے حالات سورۃ الاعراف رکوع ۸ میں مجمل طور پر جبکہ سورۃ ھود رکوع ۳،۴ میں تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت نوحؑ کے واقعات میں نہایت مفید نصائح کے علاوہ وہ تمام اعتراضات اور ان کے جوابات ہیں جو کفارِ مکہ آنحضرتؐ کی ذاتِ بابرکات پر کیا کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں کہ ان قصوں کی روشنی میں ہمارے لئے کسی مدعی نبوت کو پہچاننا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ ۱۷۷ سے استفادہ کیا گیا) قومِ نوحؑ کے سرداروں نے بھی وہی اعتراض کیا جو کفارِ مکہ آپؐ کی ذاتِ مقدس پر کر رہے تھے۔ کہ **مَاهٰذَآ اِلَّابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** کہ اس میں تو کوئی انوکھی بات نہیں۔ تمہاری طرح کا ایک عام انسان ہے ہاں کوئی فرشتہ ہوتا یا کوئی فوق البشر خصوصیات کا حامل ہوتا (حالانکہ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان کا آنا ہی ضروری تھا کہ ان کے لئے بطور نمونہ ہو) یا یہ کہ کم از کم ہمارے جیسا صاحبِ ثروت ہی ہوتا۔ انبیاء پر ہمیشہ ایک یہ اعتراض بھی ہوتا آیا ہے کہ یہ نئی نئی باتیں نکالتے ہیں اپنے آباء و اجداد سے تو ہم نے کبھی ایسی بات نہیں سنی۔ حالانکہ حضرت آدمؑ کے وقت سے نبوت جاری تھی یہ الگ بات ہے کہ وہ احکام خداوندی بھلا چکے تھے۔ آج بھی مامور زمانہ پر یہی الزام ہے کہ اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

ہمارے ہادی کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعتراض کے جواب میں ارشاد

ہُوا۔ **قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ** (الاحقاف:۱۰) کہہ کہ میں کوئی نیا رسول نہیں۔ پہلے رسولوں کی تعلیم تمہارے سامنے ہے۔ ان کے مکذّبین کے اعتراضات تمہارے سامنے ہیں۔ پھر ان معترضین کے انجام سے بھی تم بے خبر نہیں۔ دراصل سردارانِ قوم کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت ہوتی ہے کہ اپنی سرداری اور اجارہ داری کو چھوڑ کر ایک معمولی انسان کی غلامی قبول کریں۔ یہ تکبر ہی ان کے قبول حق میں مانع ہوتا ہے پس وہ اپنی سرداری کو بچانے کے لئے ہمیشہ عوام کو ان فرستادوں کے خلاف بہکاتے ہیں کہ یہ اپنے گرد لوگوں کو اکٹھا کر کے اپنا جتھہ مضبوط کرنا چاہتا ہے تا کہ تم پر فضیلت و اقتدار حاصل کرے۔ حضرت نوحؑ پر یہ کوئی نیا الزام نہیں لگا ہر نبی پر یہ الزام لگایا گیا۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ پر یہی الزام لگایا (یونس:۹) یہی الزام حضرت عیسیٰؑ پر لگا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ دراصل دنیا دار لوگ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ایک انسان بغیر کسی دنیوی لالچ کے محض انسانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر اتنی تکالیف اٹھا رہا ہے۔ حالانکہ ہر نبی نے یہی کہا کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر میرے ربّ کے ذمہ ہے۔ جب دیکھتے ہیں کہ ان کی حد درجہ مخالفت کے باوجود لوگ ان مامورین کی جماعت میں شامل ہو رہے ہیں۔ تو آخری حربہ یہ استعمال کرتے ہیں کہ ان راستبازوں کو مجنوں کہہ کہ لوگوں کو ان سے متنفر کرتے ہیں تا کوئی اِن کی باتوں پر دھیان نہ دے۔ یہ سارے وہی ہتھکنڈے ہیں جو مخالفین نے ہر نبی کے وقت استعمال کئے۔ ان کا یہ کہنا کہ کچھ دیر انتظار کرو صاف بتاتا ہے کہ انہیں یقین تھا کہ لوگوں پر اقتدار حاصل کرنے کا جنون چند دن ہے۔ یہ نشہ جلد ہی اتر جائے گا اور دماغ درست ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب حجت تمام ہو جاتی ہے اور مکذّبینِ انبیاء کی ہلاکت کا آخری فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت ان کے لئے دعا کرنے کی کسی نبی کو بھی اجازت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ان کے متواتر مظالم کی وجہ سے عذاب نازل ہوتا ہے ورنہ محض تکذیبِ انبیاء پر عذاب نہیں آتے۔ ہاں تکذیبِ انبیاء کے ساتھ ہی مظالم کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ گویا تکذیب انبیاء میں مظالم شامل ہوتے ہیں جو عذاب کو دعوت دیتے ہیں۔

پس آسمان سے بھی پانی برسا (سورۃ قمر رکوع ۱) اور زمین کے سوتے بھی پھوٹ پڑے اور جس آسمانی و زمینی پانی نے کشتی نوح کو اٹھایا ہُوا تھا۔ وہی پانی مکذّبین کی غرقابی کا باعث بنا۔ راستبازوں کی ہمیشہ سے یہی پہچان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے، انہیں ارضی و سماوی آفات سے بچاتا ہے۔ انہیں اور ان کے متبعین کو نصرت عطا کرتا ہے اور ان کے دشمنوں کو ناکام و

فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

پس تو کہدے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نجات دی ہمیں لوگوں ظالموں سے

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٣٠﴾

اور تو کہدے اے رب میرے اُتار مجھے اُترنے کی جگہ مبارک پر اور تو بہتر ہے تمام اُتارنے والوں سے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿٣١﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ

یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں اور یقیناً ہم ہیں البتہ امتحان لینے والے پھر پیدا کئے ہم نے

نامراد کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتو انبیاء کے پاک سلسلہ پر سے ایمان اٹھ جائے۔

۲۹۔حضرت نوحؑ نے مخالفین کے غرق ہونے پر الحمدللہ شکر کے انداز میں نہیں کہا کہ یہ راستبازوں کا شیوہ نہیں۔ بلکہ الحمدللہ اس لئے کہا کہ ظالموں سے نجات دے کر اپنی حفاظت میں لے لیا اور خدائی پیشگوئیاں پوری شان سے سچ ثابت ہوئیں۔

۳۰۔ساتھ ہی کشتی سے اور دوسری تمام سواریوں سے بخیریت اترنے کی ایک عمومی دعا سکھائی۔''نزل'' مہمانی کے معنی بھی دیتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کا خیرمقدم کیا اور آپ کو میزبانی کا شرف بخشا۔

حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوتے وقت یہی دعائیہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۱۲۰)

۳۱۔اس واقعہ میں نشان یہی ہیں کہ یہ سارے واقعات آنحضرتﷺ کے ساتھ بھی پیش آنے والے تھے۔ جس طرح حضرت نوحؑ دشمنوں کے مظالم کا نشانہ بنے آپﷺ پر بھی شدید مظالم ڈھائے گئے۔ اگر حضرت نوحؑ کو اپنی زمین چھوڑ کر کشتی میں پناہ لینی پڑی تو آپﷺ بھی اپنے وطن کو چھوڑ کر مدینہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ جس طرح غیر متوقع طور پر حضرت نوحؑ کے مخالفین ان کے سامنے ہلاک ہوئے اور حضرت نوحؑ کامیاب ہوئے بعینہٖ آنحضرتﷺ کے دشمن بھی آپﷺ کے سامنے ہلاک ہوئے (خصوصاً جنگِ بدر میں) اور آپﷺ کو کامیابی نصیب ہوئی ہاں آپﷺ رحمۃ للعالمین تھے آپﷺ کی قوم کلیۃً مٹائی نہیں گئی۔ یہاں ایک عام قانون بھی بتا دیا کہ ہم بندوں کی آزمائش کرتے رہتے ہیں یعنی عسر و یسر میں ان کا امتحان لیتے رہتے ہیں گویا یہ صالح بندے جب زیرِعتاب ہوتے ہیں تو اس وقت بھی ان کا امتحان ہوتا ہے اور جب انہیں بالادستی اور حکمرانی نصیب ہوتی ہے تب بھی یہ ایک کڑے امتحان سے گزرتے ہیں۔

بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

بعد ان کے لوگ اور پس بھیجا ہم نے ان میں رسول ان میں سے

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾ ع ۲ ۱۰

کہ عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی خدا سوائے اس کے کیا پس نہیں تم تقویٰ کرو گے

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ

اور کہا سرداروں نے قوم میں سے اس کی وہ جنہوں نے کہ کفر کیا تھا اور تکذیب کی تھی ملنے کی

الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا

آخرت کو اور آسودگی دی تھی ہم نے انکو ورلی میں زندگی نہیں یہ مگر

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا

انسان مانند تمہاری کھاتا ہے اس سے کہ تم کھاتے ہو جس سے اور پیتا ہے جس سے

تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا

تم پیتے ہو اور ضرور اگر اطاعت کی تم نے ایک انسان کی مانند اپنی یقیناً تم تب تو

لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا

البتہ گھاٹا پانے والے ہو گے کیا وہ وعدہ کرتا ہے تم سے کہ تم جب مر گئے اور ہو جاؤ گے مٹی

وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿٣٦﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا

اور ہڈیاں یقیناً تم نکالے جانے والے ہو دُور ہے دُور ہے وہ کہ جس کا

۳۲ تا ۴۲۔اب ان قوموں کا ذکر کیا جو حضرت نوحؑ کے بعد آئیں۔ قرآنِ کریم نے حضرت نوحؑ کے بعد آنے والی قوموں میں خاص طور پر قوم عاد اور قوم ثمود کا ذکر کیا جن میں پہلے قوم عاد آئی۔ قومِ عاد کا حال تفصیلاً الاعراف رکوع ۹، اور سورۃ ھود رکوع ۵ میں گزر چکا ہے۔ یہ وہی لوگ تھے جو حضرت نوحؑ کے ساتھ بچائے گئے۔ ان کی نسلیں تیزی سے پھلی پھولیں اور جلد ہی قوموں میں بدل گئیں۔

اترفنھم۔**الترفۃ** کے معنی عیش وعشرت میں فراخی اور وسعت کے ہیں۔ آسودگی۔

ھیھات ھیھات۔ دور ہُوا کا مفہوم دیتا ہے گویا یہ بات بہت بعید ہے۔ یعنی بعید از عقل ہے۔

یہاں بتایا کہ ہر نبی کا پیغام ایک ہی تھا اور مکذبینِ انبیاء کا ان کے ساتھ سلوک بھی ایک جیسا تھا۔ یہانتک کہ انجام بھی ایک ہی ہُوا۔ ہر نبی نے توحید اور یومِ آخرت پر ایمان کو اپنی تعلیم کا اصل الاصول قرار دیا ہے۔ مکذبینِ انبیاء جنہیں دنیوی زندگی میں جاہ و جلال اور آسائشیں میسر تھیں وہ جانتے تھے کہ جس نظامِ خداوندی کی طرف رسول انہیں بلاتے ہیں۔ اس کی زدان کے ذاتی

تُوعَدُونَ ﴿٣٧﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَ
تم وعدہ کئے جاتے ہو نہیں ہے یہ مگر زندگی ہماری ورلی ہم مرتے ہیں اور
نَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٨﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ
زندہ ہوتے ہیں اور نہیں ہم ہرگز اُٹھائے جانے والے نہیں ہے یہ مگر ایک آدمی گھڑ دیا ہے اس نے
عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ
اللہ پر جھوٹ اور نہیں ہیں ہم اس کو ہرگز ماننے والے اس نے کہا اے رب
انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٤٠﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ
میرے مدد کر میری اس لیے کہ تکذیب کی انہوں نے میری فرمایا تھوڑی دیر کو ضرور ضرور ہو جاویں گے وہ
نَادِمِينَ ﴿٤١﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ
پشیمان پس پکڑا انہیں عذاب نے ساتھ حق کے پس کر دیا ہم نے انہیں
غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٢﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ
کوڑا کرکٹ پس ہلاکت ہو لوگوں ظلم کرنیوالوں کے لیے پھر پیدا کی ہم نے

مفادات پر پڑے گی۔ انہیں اپنے شب و روز کے معمولات میں کسی اپنے جیسے انسان کی دخل اندازی پسند نہیں تھی۔ اور نہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور کسی جواب دہی کے قائل تھے یہی وجہ تھی کہ بُرے سے بُرا کام نہایت فخر سے کرتے۔ اگر وہ حیاتِ بعدالموت کے عقیدہ کا اقرار کر لیتے تو انہیں تسلیم کرنا پڑتا کہ وہ اپنے بد اعمال کی وجہ سے اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ اگر دنیا میں بچ بھی گئے تو آخرت میں ان سے باز پرس ضرور ہوگی۔ اور حقیقت یہی ہے کہ مابعدالموت زندگی پر ایمان ہی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت پیدا کرتا ہے اور وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پھر درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہُوا اللہ کے فضل سے معرفتِ الٰہی کے اعلیٰ ترین مقام کو حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق زمین کو انسان کی رہائش کے قابل بنانے میں بیس بلین سال کا عرصہ لگا۔ سورج، چاند اور ستاروں کے مجموعی اثرات اور بہت سے دیگر عوامل نے زمین کو اس قابل بنایا کہ حضرتِ انسان اس پر رہائش اختیار کر سکے۔ کیا اربوں کھربوں سال کی جدوجہد محض اس لئے تھی کہ انسان چند سالہ زندگی عشرت یا عُسرت میں گزار کر فنا ہو جائے اور اس کی زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بلا مقصد کام نہیں کرتا۔ (آیت:۱۱۶) انسان اپنے ربّ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ عبادت میں اپنے ربّ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری اور محبت شامل ہے اور اسے اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہے۔

بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٣﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا
بعد ان کے قومیں اور نہیں آگے بڑھتی کوئی اُمت اپنی میعاد سے
وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا
اور نہ وہ پیچھے ہوتے ہیں پھر بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو پے درپے جب کبھی
جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ
آیا کسی اُمت کے پاس رسول اس کا تکذیب کی انہوں نے اس کی پس پیچھے کیا ہم نے بعض کو ان میں سے
بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٥﴾
بعض کے اور کر دیا ہم نے انہیں باتیں پس ہلاکت ہو واسطے لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے
ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ
پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور بھائی اس کے ہارون کو ساتھ اپنی آیات کے اور غلبہ
مُبِينٍ ﴿٤٦﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا
کھلے کھلے کے طرف فرعون کی اور سرداروں کے اسکی پس تکبر کیا انہوں نے اور تھے وہ
قَوْمًا عَالِينَ ﴿٤٧﴾ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا
لوگ سرکش پس کہا انہوں نے کیا ہم ایمان لاویں دو انسانوں پر مانند ہمارے
وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ﴿٤٨﴾ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ
اور قوم (کے لوگ) ان کی ہمارے غلام ہیں پس جھٹلایا انہوں نے ان دونوں کو پس ہوگئے
الْمُهْلَكِينَ ﴿٤٩﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ
ہلاک کئے ہوؤں میں سے اور یقیناً یقیناً دی ہم نے موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ
يَهْتَدُونَ ﴿٥٠﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا
ہدایت پاویں اور بنایا ہم نے ابن مریم اور ماں کو اس کی نشان اور پناہ دی ہم نے ان دونوں

۴۳ تا ۵۰۔ **تترا**۔ پے درپے۔ حضرت موسیٰؑ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں (سورۃ البقرۃ! ۵۰ تا ۷۳۔ سورۃ المائدۃ: ۲۱ تا ۲۷۔ سورۃ الاعراف: ع ۱۳ تا ع ۲۱۔ سورۃ یونس: ۷۶ تا ۹۴۔ سورۃ طٰہٰ: ۱۰،۱۱) فرمایا قوم عاد کے بعد کئی اور قومیں پیدا ہوئیں۔ جیسا کہ قومِ ثمود کا خاص طور پر ذکر ہے۔ جب ان کی میعاد گزر گئی اور پکڑ کا وقت آگیا تو اس وقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ **تترا** میں حضرت ابراھیمؑ اور آپ کے بعد سلسلہ انبیاء کا ذکر ہے۔ غرض حضرت آدمؑ کے بعد حضرت نوحؑ نیز حضرت ابراھیمؑ کے بعد تواتر سے آنے والے انبیاء پھر حضرت موسیٰؑ۔ ان کے بعد اگلی آیت میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا جو اس سلسلہ کے آخری نبی تھے۔ فرمایا جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آیا۔ اُس کی قوم نے اسے جھٹلایا۔ اور ہم بھی ایک کے بعد ایک کو ہلاک کرتے چلے گئے اور

ع ۱۸ ۳ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۱﴾ يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ

کی طرف ایک ٹیلے ٹھہرنے والے اور چشمہ والے کے اے رسولو

انہیں افسانے بنا دیا یعنی لوگوں کی زبانوں پر ان کا تذکرہ ہی رہ گیا، قومیں نہ رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد آنے والے انبیاء کی تاریخ محفوظ نہیں۔ آج مغربی محققین اقرار کرتے ہیں کہ بہت محنت اور تحقیق کے باوجود ہم ان انبیاء کی تاریخ کو اس سے زیادہ نہیں جان سکے جتنی قرآن کریم میں بیان ہوئی ہے۔ اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا اجمالاً ذکر کیا اور بتایا کہ فرعون اور قوم فرعون بھی تکذیب وتکبّر کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔ فرعون مع اپنے متکبر و سرکش سرداروں کے ہلاک ہُوا، باقی قوم بچ گئی اس لئے کہ حضرت موسیٰؑ کے اصل مخاطب بنی اسرائیل تھے جنہیں نکالنے میں آپ کامیاب ہو گئے۔

۵۱۔ **اٰوٰی**۔ **ایواء** مصیبت اور دکھ کے بعد پناہ دینا۔ جگہ دینا۔ **ربوۃ**۔ بلند مقام پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی یا دامنِ کوہ۔ **ذاتِ قرار**۔ رہائش کے قابل سرسبز وشاداب جگہ۔ بہت پھلوں والی (تفسیر ابن جریر) **معین**۔ بہتے پانیوں والی۔ چشموں والی۔ **آیۃ** کے معنی نشان اور نیک نمونہ کے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے حالات آل عمران ۳۶ تا ۶۵۔ سورۃ النساء ۱۵۷ تا ۱۵۹ اور سورۃ مریم ۱۷ تا ۳۵ میں تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر پڑھنے سے پہلے سورۃ النساء ۱۵۷ تا ۱۵۹ کی تفسیر پر ایک نظر ضرور ڈالئے۔ پچھلی آیات میں انبیاء کا ظالموں سے نجات پا کر کامیاب ہونا اور مکذب قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے اور یہ تمام انبیاء کے حالات میں قدرِ مشترک ہے۔ اسی تعلق میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کا ذکر کیا اور آپ کو اٰیۃ کہا کیونکہ آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظالم قوم سے نجات دے کر کامیاب کیا اور آپ کے بعد آپ کی قوم بھی جلد ہی تباہی سے دوچار ہوئی۔ واقعہ صلیب کے بعد زخمی حالت میں آپ ملک شام میں کئی جگہ چھپتے پھرے لیکن مخبری ہو جانے پر آپ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہو جاتے۔ ان دنوں شام قیصرِ روم کے ماتحت تھا اور آپ کو قیصرِ روم کا باغی قرار دیا جا چکا تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں آپ دوبارہ صلیب دے دیئے جاتے یا قتل کر دیئے جاتے۔ اس دوران آپ وادی قمران میں بھی کچھ عرصہ چھپے رہے۔ وہاں کی غاروں سے جو دستاویزات ملی ہیں ان میں آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دردناک گیت اور زبور بھی شامل ہیں۔ وہاں اپنے زخموں کے مندمل ہو جانے پر آپ حکمِ الٰہی سے بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں ایک لمبے

سفر پر روانہ ہو گئے۔ یہ وہی بنی اسرائیل کے دس قبیلے تھے جنہیں بخت نصر قریباً ۵۸۶ ق م میں یروشلم کو تباہ کر کے قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا اور یہ افغانستان اور کشمیر میں آباد ہو گئے تھے۔ پس آپ ایک کٹھن اور دشوار گزار راستہ سے ہوتے ہوئے کشمیر پہنچے آپ کا یہ تکلیف دہ سفر دو اڑھائی ہزار میل پر محیط تھا۔ تاریخ سے آپ کا فارس، افغانستان، کشمیر بلکہ جنوبی ہند اور تبت تک جانا ثابت ہے۔ جنوبی ہند کے شہر مدراس میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر ایک حواری ٹامسؑ کا مزار اب بھی موجود ہے جو سینٹ ٹامسؑ کے مزار کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے جوز آصف نبی کے نام سے کشمیر میں مستقل رہائش اختیار کی۔ جوز آصف کی کتاب میں صاف لکھا ہے کہ جوز آصف پر خدا کی طرف سے انجیل نازل ہوئی جو ملک شام سے آئے تھے۔ زبان کی تبدیلی سے جیزز (Jesus) کا جوز بننا بعید از قیاس نہیں۔ آصف عبرانی میں افسردہ اور غمزدہ کو کہتے ہیں نیز قوم کی تلاش کرنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ افغان خود کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ افغانوں اور کشمیریوں کے خدوخال اور رسم و رواج بنی اسرائیل سے بے حد مشابہ ہیں۔ یہانتک کہ کشمیر کے بہت سے شہروں کے نام فلسطین کے شہروں پر ہیں۔ ڈاکٹر برنیر فرانسیسی نے اپنی کتاب ''وقائع سیر وسیاحت جلد دوم'' میں کشمیریوں کو یہودی قرار دیا۔ نیز بہت سے دیگر محققین نے بھی افغانوں اور کشمیریوں کو یہودی قرار دیا۔ کتاب ہسٹری آف افغانستان مصنفہ کرنل جی۔ بی میلسنؔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء صفحہ ۳۹ میں لکھا ہے کہ عبد[illegible]ان ہراتی اور فرانسیسی سیاح فرائریانی سرولیم جونز (جو بڑا متجر عالم علومِ شرقیہ گزرا ہے) اس بات پر متفق ہیں کہ افغان قوم بنی اسرائیل الاصل ہیں۔

ربوۃ ذاتِ قرار ومعینہ کا مصداق شام کا کوئی علاقہ قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے کہ وہاں آپ کو ہرگز پناہ نہیں ملی۔ سوائے کشمیر کے کسی دوسرے خطہ زمین پر یہ آیت صادق نہیں آتی۔ وادی کشمیر اپنی سرسبز و شاداب زمین نیز بہترین آب وہوا کی وجہ سے جنت نظیر مشہور ہے۔ یہ بلند و بالا وادی سطح سمندر سے چار ہزار فٹ بلند ہے۔ یہاں کثرت سے چشمے بہتے ہیں اور میووں کی بہتات ہے۔ پس اس آیت میں مصائب کے بعد جس جگہ پناہ لینے کا ذکر ہے وہ کشمیر میں سرینگر کا مقام ہے جس کے محلّہ خانیار میں آپ کی قبر نبی صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے اور اب بھی مرجع خلائق ہے۔ پس یہ آیت حضرت مریمؑ کے اس سفر پر اطلاق نہیں پاتی جب آپ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے یروشلم گئیں۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ بطور نشان ظاہر نہیں ہوئے تھے نہ وہاں آپ کو پناہ ملی۔

كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
کھاؤ پاک چیزیں اور عمل کرو نیک یقیناً میں اُسے جو تم کرتے ہو
عَلِيْمٌ ۵۲ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا
خوب جاننے والا ہوں اور یقیناً یہ اُمت تمہاری امت ایک ہے اور میں

۵۲۔اس رکوع میں بتایا کہ فلاح پانے کے لئے مال و دولت نہیں بلکہ اخلاقِ فاضلہ اور تعلق باللہ ضروری ہیں۔

چونکہ ترتیب سے انبیاء کا ذکر تھا اس لئے خاص طور پر آنحضرت ﷺ مخاطب ہیں جن کی بعثت حضرت عیسیٰؑ کے بعد ہوئی۔ جمع کا صیغہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض جاریہ سے آپ ﷺ کے بعد بھی رسول آسکتے ہیں ورنہ جمع کا صیغہ بے مقصد ہوتا۔

فرمایا پاک چیزیں کھاؤ اور پاک عمل کرو گویا طیّب غذا کا اعمالِ صالحہ سے خاص تعلق ہے۔اور بغیر رزق طیّب عمل صالحہ کی توفیق نہیں ملتی مراد یہ ہے کہ گو ظاہری نماز روزہ ادا کرنا بھی ضروری ہے لیکن روحانی معراج کے لئے طیب غذا ازبس ضروری ہے۔پس اگر انسان چاہتا ہے کہ اعمالِ صالحہ اس سے صادر ہوں تو چاہئے کہ حلال اور طیّب چیزیں استعمال کرے۔ آج کے اطباء بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خوراک کا انسان کے جسم کے علاوہ اخلاق و اطوار پر بھی اثر پڑتا ہے جیسا کہ گوشت خور قومیں جنگجو، دلیر اور کسی حد تک سفاک بھی ہوتی ہیں جبکہ سبزی خور اقوام عموماً بزدل اور کمزور ہوتی ہیں۔ اس لئے اسلام نے کسی بھی چیز میں زیادتی کو ناپسند فرمایا بلکہ ہر معاملہ میں اعتدال کی تعلیم دی۔

جو اللہ کو علیم و نگران جانے گا تو ضرور ہے کہ کھانا بھی پاک کھائے گا اور عمل بھی صالحہ کرے گا۔ غذا کس طرح انسان پر اثر انداز ہوتی ہے اور اس کی جسمانی،اخلاقی اور روحانی ترقی یا تنزل کا باعث بنتی ہے(ملاحظہ فرمایئے سورۃ البقرہ:۱۷۴) قرآنِ کریم نے حلال کے ساتھ طیب کی شرط رکھی یعنی حلال خوراک جب تک طیّب نہ ہو حقیقی طور پر حلال نہیں جیسا کہ حلال خوراک باسی اور مضر صحت ہو کر غیر طیب ہو جاتی ہے۔

تمام رسولوں کو مخاطب کر کے واضح کردیا کہ غیر طیب غذا کسی رسول پر حلال نہیں تھی اور نہ آئندہ کسی رسول پر حلال ہوگی۔ گویا شراب اور سؤر وغیرہ تمام شرائع میں حرام تھے۔

۵۳۔ پہلے **یٰاَیُّھا الرُّسُل** میں تمام رسولوں کو مخاطب فرمایا۔ اب بتایا کہ تمام انبیاء باوجود مختلف زماں و مکاں سے تعلق رکھنے کے ایک ہی گروہ ہیں کیونکہ سب کی بعثت کی غرض ایک اور تعلیم

رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۵۳ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ
رب ہوں تمہارا پس ڈرو مجھ سے پس کاٹ دیا انہوں نے معاملہ اپنا آپس میں جماعتیں بنکر
كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۵۴ فَذَرْهُمْ فِيْ
ہر جماعت (کے لوگ) اس پر جو پاس ان کے ہے خوش ہیں پس چھوڑ انہیں
غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۵۵ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ
غفلت میں ان کی ایک وقت تک کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ چیز کہ ہم مدد کرتے ہیں انکی ساتھ
مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۵۶ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا
جسکے یعنی مال اور بیٹے ہم جلدی کرتے ہیں ان کے لیے بھلائیوں میں (نہیں) بلکہ نہیں
يَشْعُرُوْنَ ۵۷ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ
سمجھتے وہ یقیناً وہ لوگ کہ جو ہیبت سے اپنے رب کی

بھی ایک ہی تھی۔ پس چاہئے تو یہی تھا کہ ان سب کی امت بھی ایک ہوتی لیکن شروع میں ایسا ممکن نہ تھا۔ہاں یہ اعزاز نبی کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر تھا کہ آپ ﷺ نے تمام انبیاء کی امتوں کو امتِ واحدہ کی طرف بلایا۔اللہ تعالیٰ نے مخاطب فرمایا کہ یقیناً یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے۔ میں ہی تمہارا ربّ ہوں پس میرا تقویٰ اختیار کرو۔ بتلایا کہ یہی توحید اور تقویٰ کی تعلیم تھی جو سب انبیاء لے کر آئے اور سب میں قدرِ مشترک تھی اسی توحید اور تقویٰ کی تعلیم نے تمام انبیاء کی امتوں کو ایک رشتہ میں باندھ دیا۔

۵۴۔ہر نبی کے بعد اس کے پیروؤں نے اس خدائی تعلیم کو جو تمام انبیاء میں قدرِ مشترک تھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ نے جس حصہ کو اپنایا وہ اسی پر خوش تھا اور ایسا ہر نبی کے بعد ہوتا رہا تا آنکہ دوسرا نبی مبعوث ہوتا اور اسی پہلے نبی کی تعلیم کی طرف ان کو بلاتا۔ جب تمام انبیاء کی امتوں کی یہ حالت ہو گئی کہ کسی کے پاس بھی صحیح دین نہ رہا تو ضروری ہُوا کہ ان سب کو ایک کامل دین پر اکٹھا کرنے کے لئے ایک رسول مبعوث ہو جو کل عالم کے لئے ہو، وہ تمام پچھلے انبیاء کا مصدق ہو اور اس کی تعلیم میں تمام انبیاء کی تعلیم کی صداقتیں جمع ہوں اور جو تمام انبیاء کی امتوں کو امتِ واحدہ کی طرف بلائے۔ یہ بطور پیشگوئی بھی بتایا کہ اسلام پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ یہ امت فرقوں میں بٹ جائے گی اور ہر فرقہ جس مسلک پر قائم ہوگا اسی پر فخر محسوس کرے گا۔

۵۵ تا ۵۷۔**غمرتھم**۔**غمرہ**۔غفلت۔جہالت۔سختی۔**غمرات** کے معنی شدائد کے ہیں۔**فی غمرات الموت**(۶۔۹۴) موت کی سختیوں میں۔

مُشْفِقُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾
ڈرنے والے ہیں اور وہ لوگ کہ جو آیات پر اپنے رب کی ایمان لاتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ
اور وہ لوگ کہ جو ساتھ اپنے رب کے نہیں شریک بناتے اور وہ لوگ کہ جو کرتے ہیں

مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۱﴾
جو (کام) وہ کرتے ہیں ایسے حال میں کہ دل انکے ڈرنے والے ہوتے ہیں کہ وہ طرف اپنے رب کی لوٹنے والے ہیں

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۲﴾
یہ لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور وہ ان میں سبقت لے جانیوالے ہیں

کفار نے ہمیشہ مادی ترقی، مال و دولت کی فراوانی، کثرت اولاد یعنی مضبوط جتھے کو حق و صداقت اور کامیابی کا معیار قرار دیا اور سمجھا کہ یہ نعمتیں دلیل ہیں اس بات کی کہ ہم پر اللہ کی خاص نظر کرم ہے گویا مال و دولت عطا کر کے اللہ تعالیٰ انہیں بھلائیوں میں آگے بڑھا رہا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ تو انہیں غفلت و جہالت میں پڑا رہنے دے وہ حقیقت حال کو نہیں سمجھتے۔ اگلی آیات میں بتایا کہ حقیقی کامیابی کا معیار کیا ہے اور کون اس کے اہل ہیں۔

۵۸۔۵۹۔ **مشفقون۔شفق**۔ دن کی روشنی کا رات کی سیاہی میں مل جانا جیسا کہ غروب آفتاب کے وقت ہوتا ہے۔ اشفاق وہ فکر ہے جو خوف کے ساتھ ملا ہو۔ جب یہ فعل حرف مِن کے واسطہ سے متعدی ہو تو خوف کے معنی غالب ہوتے ہیں **مشفیقن مما کسبوا**۔۲۱۔۲۳۔ اگر بواسطہ **فی** کے متعدی ہو تو عنایت کے معنی نمایاں ہوتے ہیں **انّا کنّا قبل فی اَھلنَا مشفقین** (۵۲۔۲۷) اس سے قبل ہم اپنے اہل وعیال میں بہت ڈرے ڈرے رہتے تھے۔ **خشية** اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تقویٰ شامل ہو یعنی اپنے ربّ سے اتصال پانے کی خواہش۔ **مشفق** خیر خواہ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ **مشفق علیه** کو محبوب رکھتا ہے اور اسے تکلیف پہنچنے سے ڈرتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ جن کو نیکیوں میں آگے بڑھاتا ہے ان میں سب سے پہلے اپنے ربّ سے ڈرنے والے ہیں۔ پھر اپنے ربّ کی آیات پر ایمان لانے والے ہیں۔

۶۰۔ اپنے ربّ کی آیات پر ایمان لانے کے بعد شرک سے اجتناب یہ ہے کہ وہ شرک خفی میں بھی مبتلا نہیں ہوتے اور اپنے ربّ کے موحد بندے بن جاتے ہیں۔

۶۱۔۶۲۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال اور دوسری تمام نعمتوں کو بندگانِ خدا کی بہبود کے لئے

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ
اور نہیں ذمہ دار ٹھہراتے ہم کسی نفس کو مگر مطابق طاقت کے اُسکی اور پاس ہمارے کتاب ہے جو بولتی ہے

خرچ کرنا، ہر قسم کی نیکیاں بجالانا اور ڈرتے رہنا کہ کہیں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ اسی ڈر سے نیکیوں میں جلدی کرنا اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنا صرف انہی مومنین کا کام ہے جن کی صفات کا ذکر ملحقہ آیات میں ہُوا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلّل اختیار کرو۔ پس یہ نیکیاں ان میں تکبر کی بجائے انکساری پیدا کرتی ہیں۔

آیت:۵۶ میں واضح کیا تھا کہ مال اور اولاد خیرات نہیں یعنی ایسی بھلائیاں نہیں جو انسان کی فلاح کا موجب ہوں۔ یہاں بتایا کہ یہی نعمتیں اگر اللہ کی راہ میں خرچ ہوں تو یقیناً فلاح کا موجب ہوں گی۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے اس آیت کے معنی دریافت فرمائے کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص چوری و زنا کرے اور شراب نوشی کرے پھر بھی اللہ سے ڈرے تو نجات پائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے بنت صدیق! نہیں بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر اللہ عزّ وجل سے ڈرتا ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر القرآن۔ سورۃ المومنون صفحہ ۳۰۹۹)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں! کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک کام کر کے اتنا ڈرتے تھے کہ تم بُرے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے (قرطبی)

مومنین جہاں نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں وہاں وہ دنیوی طور پر بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ بہترین مسلمان جرنیلوں اور اعلیٰ ترین مفکرین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ہمارے مایہ ناز نوبل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام پر دنیائے اسلام بجا طور پر فخر کرتی ہے دوسرے چوہدری سَر ظفر اللہ خان صاحبؓ جنہوں نے دین کے ساتھ دنیوی طور پر اپنا مقام پیدا کیا اور پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ آپ نے یو این او میں کشمیر اور فلسطین کے کیس کو اس عمدگی سے پیش کیا کہ اگر آپ کو کچھ عرصہ اور اس عہدہ پر رہنے کا موقعہ دیا جاتا تو عین ممکن ہے یہ دونوں کیس عمدگی سے حل ہو جاتے۔ بعد ازاں دنیا کی اعلیٰ ترین عدالت International Court of Justice, Hague (Holland) کے جج مقرر ہوئے۔ غرض مسلمانوں کو روحانی ترقی کے ساتھ دنیوی طور پر بھی ہر شعبے میں سبقت لے جانی چاہئے۔

۶۳۔ ملحقہ آیات سے فوراً یہ شیطانی وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا کہ اس کٹھن راہ پر چلنا کیونکر ممکن

بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۶۳ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ
ساتھ حق کے اور وہ نہ ظلم کئے جاویں گے بلکہ دل ان کے غفلت میں ہیں

هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝۶۴
اس سے اور ان کے لیے کام ہیں خلاف اس کے کہ وہ لوگ جن (اعمال) کو کرنیوالے ہیں

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝۶۵
یہانتک کہ جب پکڑا ہم نے ان کے مالداروں کو ساتھ عذاب کے اچانک وہ چلاتے ہیں

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۶۶ قَدْ كَانَتْ
نہ چلاؤ آج یقیناً تم مقابل میں ہمارے نہ مدد دیئے جاؤ گے یقیناً تھیں

اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝۶۷
آیات میری پڑھی جاتیں تم پر پس تھے تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاتے

ہو گا۔اس کا جواب دیا کہ ہم کسی پر اس کی طاقت اور استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔اس کا کوئی حکم ایسا نہیں جو نا قابلِ عمل ہو مختلف طبائع، مختلف ماحول اور مختلف فطرت کے لوگ ان اوامر و نواہی پر بفضل تعالیٰ بآسانی عمل کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے تمام احکام میں لچک ہے۔ایک بیمار اور مجبور کے لئے اس کے مناسبِ حال سہولتیں اور آسانیاں موجود ہیں۔قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ میں ایسے تمام احکام کی تفاصیل خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ہر قرآنی حکم حکمت پر مبنی ہے اور بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے ہے۔ہر وہ بات جس سے منع کیا گیا ہے اس میں بنی نوع انسان کا نقصان پوشیدہ ہے۔جنابِ الٰہی میں ان کے تمام اعمال کے نتائج ساتھ ساتھ محفوظ ہوتے چلے جاتے ہیں جن کے مطابق جزا و سزا ہوگی۔اللہ کے ہاں کوئی بھول چوک نہیں کہ کسی پر ظلم ہو۔پس حق کے ساتھ بولنے والی کتاب ان کا اعمالنامہ ہے۔آج سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا ہر لفظ اور ہر حرکت فضا میں محفوظ ہے۔بلکہ ہمارا ہر عمل ہمارے جسم کے ہر ذرے (Cell) میں کمپیوٹرائزڈ ہے۔قرآنِ کریم بھی مراد ہو سکتا ہے جو گواہی دے گا کہ کس نے اس پر عمل کیا اور کس نے نہیں۔

۶۴۔مگر افسوس ان قرآنی احکام کے معاملہ میں سخت غفلت دکھا رہے ہیں بلکہ ان غفلتوں کے علاوہ بھی بہت سے بد اعمال ہیں جن پر عمل پیرا ہیں اور یہی غفلتیں اور کوتاہیاں ان کی ہدایت میں مانع ہیں۔بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ یہ بھی معنی ہیں کہ ان کے اعمال اس سے مختلف ہیں جو وہ بظاہر کرتے ہیں۔

۶۵ تا ۶۸۔**یجئرون۔جأر۔جؤار**۔بیل کا بلبلانا ہے۔مراد چلانا۔گریہ و زاری کرنا۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝۶۸ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا
تکبر کرتے ہوئے ساتھ اس کے قصہ گوئی کرتے ہوئے بیہودہ بکتے تھے کیا پھر نہیں تدبر کیا انہوں نے

تنکصون۔نکص۔پھر جانا۔خصوصاً بھلائی سے لوٹ جانے پر بولا جاتا ہے۔**سمرا۔سُمرۃ** گندم گوں رنگ کو کہتے ہیں۔**سَمَر** رات کی سیاہی ہے۔رات کے وقت باتیں کرنے پر بولا جاتا ہے۔**سامرًا سَحَرَ** کا اسم فاعل ہے اور واحد ہے یہاں جمع کے لئے استعمال ہُوا ہے یعنی رات کو باتیں کرنے والے۔**تھجرون۔ھجر**۔ایک کا دوسرے سے الگ ہونا۔اسی سے ہجرت ہے۔یہاں **تھجرون** کے معنی ہے کہ (حق سے) دور بھاگتے ہیں۔الگ ہوتے ہیں۔

عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں تو عموماً عوام و خواص سبھی آتے ہیں لیکن یہاں خاص طور پر آسودہ حال لوگوں پر عذاب کا ذکر کیا جو خود کو عذاب سے محفوظ سمجھتے ہیں۔اس لئے کہ ان کے پاس دنیا کے مصائب سے بچاؤ کے کئی سامان ہوتے ہیں جیسا کہ دولت کی فراوانی جس سے قحط سے بچا جا سکتا ہے۔زلزلہ وغیرہ سے بچنے کے لئے قلعے اور مضبوط مکان، بوقتِ ضرورت بھاگنے کے لئے تیز رفتار سواریاں وغیرہ۔ان تمام آسائشوں کے باوجود جنگِ بدر میں قریباً تمام بڑے بڑے سردار مارے گئے۔بعض ایسی بیماریاں بھی ہیں جن کا تعلق فحاشی سے ہے جن کی لپیٹ میں خاص طور پر امراء آتے ہیں۔دنیا میں جب بھی بڑے بڑے سیاسی انقلاب آئے اور عوام، خواص کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو وہاں زمانے کے فرعونوں کا حال زارِ روس اور شاہ ایران سے کم نہیں ہُوا۔افسوس طاقت کے نشہ میں اس خدائی تقدیر کو بھول جاتے ہیں۔**واعتبروا یااولی الابصارہ**۔

یہاں آخرت کا عذاب بھی مراد ہے اور وہ سات سالہ قحط کا عذاب بھی ہو سکتا ہے جس کی شدت سے اہلِ مکہ بلبلا اٹھے یہاں تک کہ مردار اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوئے اور غرباء کے ساتھ امراء بھی اس کی لپیٹ میں آئے ورنہ عامۃ الناس ہی پستے ہیں۔اور ابوسفیان جیسے متکبّر سردار کو آنحضرت ﷺ کے در پر ایک سوالی کی صورت حاضر ہونا پڑا کہ عذاب کے ٹلنے کی دعا فرمائیں۔(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الدخان۔حدیث :۴۴۴۷) **بہ** سے مراد خانہ کعبہ بھی ہے جس میں بیٹھ کر راتوں کو آنحضرت ﷺ کے خلاف منصوبہ بندیاں کرتے۔قرآنِ کریم بھی مراد ہے جس کی آیات سے تکبر کرتے ہوئے بطور شغل بیہودہ بکواس کرتے۔

ان امراء کا تکبر ہی تھا جو قبولِ حق میں مانع تھا۔عربوں میں قدیم سے یہ دستور تھا کہ وہ راتوں کو قصہ گوئی اور لغو و واہیات باتیں کرتے۔بعثت نبوی کے بعد ان کی باتوں کا رخ آنحضرت ﷺ کی

الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ

بات میں یا آیا ہے ان کے پاس جو نہیں آیا باپ دادا ان کے پہلوں کے پاس کیا

لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو پس وہ اس کا انکار کرنے والے ہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ

بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

اسے جنون ہے (نہیں) بلکہ وہ لایا ہے ان کے پاس حق اور اکثر ان میں سے حق کو

طرف مُڑ گیا اور آپ ﷺ کے خلاف منصوبے بننے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے نمازِ عشاء سے پہلے سونے اور نمازِ عشاء کے بعد لغو باتوں سے منع فرمایا بلکہ نماز عشاء کے بعد کم از کم بات کرنے اور سونے سے پہلے خاص طور پر بعض دعاؤں اور استغفار کا حکم دیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ ایک مسلمان، خصوصاً ایک مسلمہ جھوٹ، چغلی اور تضیع اوقات سے بچے۔ ان کے دن کا آخری عمل دعا و استغفار ہو نیز جلد سونے سے تہجد اور نمازِ فجر کے لئے بیداری میں آسانی ہو۔ مسلمہ اس لئے کہا کہ خواتین مردوں کی نسبت اس کمزوری میں زیادہ مبتلا ہیں۔

۶۹۔ منکرین کے آسودہ حال لوگوں کا ذکر تھا جو کلامِ الٰہی پر غور نہیں کرتے گویا ان کی خوشحالی قرآنی تعلیم پر غور کرنے میں مانع ثابت ہوئی۔ بعینہٖ آج کل کے بیشتر امراء کو ان کے دنیوی مشاغل کی وجہ سے قرآنِ کریم پر غور کرنے اور فرائض تک کی ادائیگی کی فرصت نہیں۔ قرآنی تعلیم کوئی نئی چیز نہیں ہے جو پہلے انبیاء پر نازل نہیں ہوئی اور ان کے باپ دادا کو نہیں ملی۔ قرآنِ کریم میں تو پہلی تمام شریعتوں کے حقائق جمع ہیں جن کا انکار نہیں کر سکتے۔

۷۰۔ پھر اس رسول کو نہ پہچاننے کی بھی کوئی وجہ نہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر ایک پہلو کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھا۔ شروع سے آپ ﷺ کو امین و صدیق کے القابات انہوں نے دیئے۔ گزشتہ صحائف کی تمام پیشگوئیاں آپ ﷺ پر صادق آتی تھیں۔ پس آپ ﷺ کے انکار کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ ﷺ کی ذات میں کوئی ادنیٰ سا بھی عیب دیکھتے تھے بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کا انکار اس لئے کرتے تھے کیونکہ اس پر عمل کرنے سے ان کے مادی مفادات پر زد پڑتی تھی۔ یہ تعلیم ان کی من مانی میں روک تھی اور وہ اپنی خواہشات کے معاملہ میں کسی قانون کا پابند ہونا نہیں چاہتے تھے اور نہ ان بے پناہ قربانیوں کے لئے تیار تھے جو قبولِ حق میں ادا کرنی پڑتی تھیں۔

كٰرِهُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ

ناپسند کرنے والے ہیں اور اگر پیروی کرتا خدا ان کی خواہشات کی ضرور بگڑ جاویں

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ

آسمان اور زمین اور وہ جو ان میں ہے بلکہ لائے ہیں ہم ان کے پاس نصیحت انکی

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَمْ تَسْــَٔـلُهُمْ خَرْجًا

پس وہ اپنی نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں کیا مانگتا ہے تو ان سے اُجرت

۷۱۔ آپ ﷺ کا شدید ترین دشمن ابوجہل بھی آپ ﷺ کو جھوٹا نہیں کہہ سکا۔ (ترمذی کتاب التفسیر) اس لئے اہلِ مکہ آپ ﷺ کو مجنوں کہتے تاکہ کوئی آپ ﷺ کی باتوں پر دھیان نہ دے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ کسی دیوانے کی بات پر عمل کے نتیجہ میں کبھی کسی کو روحانی و اخلاقی اعلیٰ ترین مقام حاصل ہُوا؟ یا کسی دیوانے کی تعلیم سے اقتصادی اور سیاسی مسائل کی پیچیدہ گتھیاں سلجھیں؟ یہ تو حق و صداقت پر مبنی پُر حکمت تعلیم ہے جسے یہ نبی لے کر آیا۔ لیکن اکثر لوگوں کو حق پسند نہیں ہوتا وہ حق کو قبول کرنا نہیں چاہتے وہ سچائی کو ناپسند کرتے ہیں اس لئے کہ وہ لہو و لعب کے شیدائی ہوتے ہیں۔ جھوٹ ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔ آیت ۶۵ والے **مترفین** کا ہی ذکر چل رہا ہے۔ عوام انہیں کے پیچھے ہوتے ہیں۔

۷۲۔ **ذکر**۔ زبان سے کسی چیز کا ذکر کرنا تاکہ ذہن میں رہے اور بھول نہ جائے۔ ایسی کتاب جس میں دین کی تفصیل اور شریعت درج ہو۔ نصیحت۔ عزّ و شرف یا موجبِ عزّ و شرف۔ قرآنِ کریم۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے حق بندگانِ خدا کی رہنمائی کے لئے آیا جو نہ صرف اپنی ذات میں عزّ و شرف ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو بھی عزّ و شرف سے سرفراز کرتا ہے اور دنیا و آخرت میں معظّم و محترم بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ عرب جیسی تہذیب و شائستگی سے کوسوں دور گنوار قوم کو اس مقامِ عالی تک پہنچایا کہ دنیا کی معلّم و مزکّی بنی۔ لیکن بجائے اس دین کی اتباع کے اس سے منہ موڑ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دینِ حق ان کے خیالات کے تابع ہو جائے اور ان کی خواہشات کے مطابق شریعت نازل ہو۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو جاتا تو روحانیت کا خاتمہ ہو جاتا، دنیا میں کفر و شرک اور فسق و فجور پھیل جاتا، تمام دنیا خدا تعالیٰ کے غضب کی لپیٹ میں آ جاتی اور ایک فساد برپا ہو جاتا بموجبِ حدیثِ نبوی اگر یہ دنیا قائم ہے تو اس لئے کہ اس میں ہمیشہ کچھ لوگ خدا رسیدہ ضرور رہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے تھامے ہوئے ہے۔ قیامت بھی اُس وقت آئے گی جب گمراہی کا یہ عالم ہوگا کہ تمام

فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ

پس اُجرت رب کی تیرے بہتر ہے اور وہ بہتر ہے تمام رزق دینے والوں سے اور یقیناً تو

لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا

البتہ بُلاتا ہے انہیں طرف راہ سیدھی کے اور یقیناً وہ لوگ جو نہیں

روئے زمین پر ایک شخص بھی راہِ راست پر نہیں ہوگا۔ پس تمام دنیا کی گمراہی سے قیامت برپا ہو جاتی اور زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے۔ یہ بھی معنی ہے کہ یاد دہانی کے طور پر ان جیسے لوگوں کی باتیں پیش کر رہے ہیں مگر یہ منہ پھیر رہے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ سب ان کے ساتھ بھی ہوگا۔

۷۳۔ پس جب قرآنِ کریم اور اس کی تعلیم تمہارے لئے موجبِ شرف ہے اور رسول اس ہدایت اور خدمت کے عوض کسی صلے کا طلبگار نہیں اور اپنا اجر اپنے ربّ سے ہی چاہتا ہے جو بہترین عطا کرنے والا ہے تو تمہیں قبولِ حق میں کیا چیز مانع ہے۔ جس طرح ہر رسول اور خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے دل میں بنی نوع انسان کی خدمت اور ہدایت کے لئے تڑپ تھی اور جس طرح آپ ﷺ نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کام کے لئے وقف کیا یہ کسی دنیا دار کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ منکرین ہمیشہ اس بے لوث خدمت کے پیچھے کسی گہرے مفاد کی نشاندہی کرتے جیسے حکمرانی اور بادشاہی وغیرہ۔ اسی لئے وہ آپ ﷺ کو اپنے اعلیٰ مقاصد سے ہٹانے کے لئے ان دنیوی چیزوں کی پیش کش بھی کرتے رہتے حالانکہ قرآنِ کریم نے بار بار واضح کیا کہ یہ رسول تم سے کسی اجر کا طالب نہیں (سورۃ یٰسین: ۲۲)

۷۴۔ قرآن حکیم برملا اعلان کر رہا ہے کہ یہی راستہ سچا ہے جس کی طرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں اور اسی میں تمہارے دینی و دنیوی فوائد ہیں۔ دنیا نے ہر طرح آزما کر دیکھ لیا مختلف وقتوں میں مختلف نظریے ابھرے اور اپنی موت مر گئے۔ آخر یہ دنیا غیر شعوری طور پر قرآنی قوانین کی طرف ہی آ رہی ہے اس لئے کہ یہی انسانی فطرت اور وقت کی ضرورت کے عین مطابق ہیں اور اسی میں بنی نوع انسان کی نجات اور فلاح ہے۔

آج تمام عالم میں جتنی بھی تہذیب یافتہ اقوام نظر آتی ہیں اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ سب کچھ اسلام سے لیا۔ جاپان کو ہی لیجئے اس وقت ان کا نظامِ تعلیم دنیا کا بہترین نظامِ تعلیم ہے اسے پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کو اس سے بہتر طریق سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاقی قدریں ان کے نظامِ تعلیم کا جزو ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ قرآن و حدیث

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ

ایمان لاتے آخرت پر راہ سے البتہ ہٹنے والے ہیں اور اگر

کا مطالعہ کر کے یہ تصورات ان کے سامنے رکھے گئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فطرتِ صحیحہ ہی ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے گویا الہام نہ بھی ہو تو اگر انسان تعصب سے پاک رہے اور اس کو فطرت پر اثر انداز نہ ہونے دے تو دل کی آواز ہی روشنی والی آواز بن کر اٹھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سرشت کے لحاظ سے صاف فطرت اور روشن ضمیر بنایا ہے اس پہلو سے جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے تعصبات سے پاک ہو کر جو نظام تعلیم بنایا اس میں وہ ساری خوبیاں ہیں جو اسلام کا نظامِ تعلیم ہمیں دیتا ہے۔ مگر افسوس مسلمانوں نے خود غرضیوں کے تحت اسے ترک کر دیا۔ ہمارا ایک دانشور جاپان گیا اور ان کے طرز حکومت سے متاثر ہو کر حکومتی سطح پر ان سے پوچھا کہ آپ کا منشور کس نے بنایا ہے جس نے آپ کی قوم کو انتہائی بلندی پر پہنچا دیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ آپ کا ملک نیا نیا آزاد ہوا تھا ہم بھی جنگ کی تباہ کاریوں سے بہت پیچھے پہنچ گئے تھے۔ ہمارا ایک منسٹر پاکستان گیا اور آپ کے منشور کی ایک کاپی لے آیا جو پانچ سالہ پلان ایم۔ ایم۔ احمد نے بنایا تھا ہم اسی پر عمل پیرا ہیں۔ افسوس آپ نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور کچھ عرصہ بعد ہی اسے پس پشت ڈال دیا (مزید تشریح عنکبوت ۲۱)

شریعت میں بعض جرائم میں سزائے موت، شراب و جوئے کے احکام نیز طلاق و کثرتِ ازدواج وغیرہ کی اجازت ہے۔ ان تمام اسلامی قوانین کا مغربی ممالک میں مذاق اڑایا جاتا تھا لیکن آج ان کے دانشور ایسے قوانین لاگو کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ اگرچہ اب بھی ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کی قانونی اجازت نہیں لیکن ایک شخص بغیر نکاح جتنی عورتوں سے چاہے تعلق قائم رکھ سکتا ہے بلکہ افعالِ قومِ لُوط کی بھی اجازت ہے جس کی سزا قدرت کی طرف سے ایڈز کی صورت بھگت رہے ہیں۔ اس آزادی کے معاشرہ پر پڑنے والے تباہ کن اثرات نے اب انہیں بے چین کر دیا ہے۔

۷۵۔ **نٰکبون۔ نکب۔** کسی چیز سے پھر جانا **نٰکبون۔** ہٹنے والے۔ پھرنے والے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدھے راستہ کو چھوڑ کر غلط راہیں اختیار کرنے والے وہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں اس لئے کہ آخرت اور اخروی جزا و سزا پر یقین ہی ایمان کو مضبوط کرتا اور گناہوں سے بچاتا ہے پس بعث بعد الموت کے منکر کے لئے کسی خدائی قانون کا پابند ہونا ممکن نہیں

رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

رحم کریں ہم ان پر اور دُور کر دیں جو ان پر ہے یعنی تکلیف ضرور لگے رہیں اپنی سرکشی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا

بھٹکتے ہوئے اور یقیناً یقیناً پکڑا ہم نے انہیں ساتھ عذاب کے پس نہ گڑگڑائے وہ

لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٧﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

اپنے رب کیلئے اور نہ وہ عاجزی کرتے ہیں یہاں تک کہ جب کھولا ہم نے ان پر

ع بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٨﴾ وَهُوَ

دروازہ عذاب کا سخت اچانک وہ اس میں ناامید ہونے والے ہیں اور وہی ہے

کیونکہ وہ خود کو اپنے اعمال کا جواب دہ نہیں سمجھتا۔ اگر وہ دنیوی قوانین کا پابند ہے تو اس لئے کہ دنیوی سزا سے بچنا چاہتا ہے۔

٧٦۔ **للجّو۔لجج۔اللّجاج**۔کسی ممنوع کام کو بار بار کرنا۔ اس پر ضد کرنا اور بڑھتے چلے جانا۔ **لُجّةُالبحر**۔سمندر کی موجوں کا بار بار آنا۔ پلٹنا۔ **بحرٍلُجّی**۔دریائے عمیق۔(٤٤۔٤٢)

ان تین آیات میں (٧٦ تا ٧٨) اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ انسانوں پر دکھ سکھ اور ابتلا اسی لئے آئے ہیں کہ اپنی بداعمالیوں سے باز آجائیں اور اللہ کی طرف جھکیں۔ مگر افسوس وہ نہ ہماری رحمت و رأفت سے فائدہ اٹھاتے ہیں نہ سختی سے باز آتے ہیں۔ فرمایا ہم تو ان سے رحمت کا سلوک ہی کرنا چاہتے ہیں اور ان کی مصیبتوں کو دور کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ بجائے ہدایت پانے اور شکر گزار ہونے کے اپنی سرکشیوں میں اور بھی بھٹکنے لگتے ہیں۔

٧٧۔ **استکانوا**۔وہ عاجز ہوئے۔ گڑگڑائے، جھکے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں نرمی راس آئی اور نہ سختی۔ اس سے پہلے ہم نے ان پر ادنیٰ عذاب نازل کئے مثلاً جانی و مالی معمولی دکھ اور تکالیف لیکن انہوں نے اپنے ربّ کے لئے اپنی حالت کو نہ بدلا۔ نہ تو وہ اپنے ربّ کے حضور جھکے اور نہ عاجزی اختیار کی۔ یہاں تک کہ ہم نے ان کو عذاب میں جکڑ لیا۔

٧٨۔ **مبلسون۔بلس**۔ناامید ہونا۔ اسی سے ابلیس ہے جو اللہ کی رحمت سے ناامید ہوا۔ ہاں جب ہمارا سخت عذاب آئے گا جو اکثر انذاری پیشگوئیوں کے بعد آتا ہے۔ تو بھی توبہ و استغفار اور دعاؤں کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائیں گے کہ

الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ

جس نے بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ

کم ہی تم شکر کرتے ہو اور وہی ہے جس نے پھیلایا تم کو زمین میں

وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ

اور طرف اسکی تم اکٹھے کئے جاؤ گے اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے

اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٨١﴾ بَلْ قَالُوْا

بس میں ہے آگے پیچھے آنا رات اور دن کا کیا پس نہیں تم عقل کرو گے (نہیں) بلکہ کہا انہوں نے

اب یہ عذاب ہم سے دور نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ **مترفین** کو اسی لئے پکڑتا ہے تاکہ جو ان کی وجہ سے ہدایت سے محروم ہوتے ہیں، ہدایت پا جائیں۔

٧٩۔ اس رکوع میں توحید کے اثبات اور باطل کے ردّ میں دلائل دیئے۔ (اس رکوع کی تفسیر میں زیادہ تر تفسیر کبیر حضرت مصلح موعود سے استفادہ کیا گیا ہے)

اب ان منکرینِ حق کو اللہ تعالیٰ کے احسانوں اور اس کی عطا کردہ نعمتوں کی طرف توجہ دلائی کہ تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں اور سوچنے کے لئے دل اس لئے دیئے گئے تاکہ ان نعمتوں سے دنیوی طور پر بھی فائدہ اٹھاؤ اور ان قوتوں سے کام لے کر حق تک رسائی بھی حاصل کرو جو ان نعمتوں کا اصل شکر ادا کرنا ہے۔ پس جس رحمٰن ربّ نے تمہاری مادی زندگی کے لئے سماعت و بصارت اور دل جیسی نعمتوں سے نوازا وہ تمہاری روحانی شنوائی و بصارت کا سامان نہ کرتا اور وہ دل نہ دیتا جس میں تمہارا ربّ جلوہ افروز ہوتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سماعت و بصارت اور دل کی موجودہ صورت ایک لمبے ارتقائی سفر کے بعد ممکن ہوئی۔ قوتِ شنوائی کانوں سے بہت پہلے پیدا ہوئی۔ شنوائی کانوں کے بغیر تموج کے ذریعہ پیدا ہوئی (آج بھی ایسے جانور ہیں جن کے کان نہیں وہ تموج سے سنتے ہیں) پچاس کروڑ سال بعد کانوں کی شکل وجود میں آئی پھر آنکھیں پیدا ہوئیں۔ جب یہ دونوں اعضاء پیدا ہو گئے۔ پھر انسان کو وہ دل عطا ہوا جو گہری بصیرت رکھنے کا اہل تھا اور اپنے رب کا قرب حاصل کر سکتا تھا۔

٨٠۔ اسی نے تمہیں زمین پر پھیلایا تا تم حق کو پہچانو، نیک اعمال بجا لاؤ اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کا موجب بنو۔ بالآخر تم اپنے اعمال کی جواب دہی کے لئے قیامت کو اکٹھے کئے جاؤ گے۔

٨١۔ جس طرح وہ جسمانی طور پر زندہ کرتا اور مارتا ہے اسی طرح انبیاء کے ذریعہ مردہ اقوام

مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

مانند اسکی جو کہا پہلوں نے انہوں نے کہا تھا کیا جب مرجاویں گے ہم اور ہو جاویں گے مٹی

وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۳﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ

اور ہڈیاں کیا یقیناً ہم اٹھائے جانیوالے ہیں یقیناً یقیناً وعدہ کئے گئے ہم اور

اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۴﴾

باپ دادا ہمارے اس کا پہلے سے نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلوں کی

میں روحانی زندگی کی روح پھونک دیتا ہے۔ دن اور رات کا اختلاف، ان کا باری باری آنا بھی ہے اور یہ بھی کہ ایک ہی وقت میں کہیں رات ہے اور کہیں دن۔ جس طرح مادی عالم میں تاریکی اور روشنی کے دور آتے ہیں اسی طرح روحانی عالم میں بھی تاریکی کا دور آتا ہے اور الٰہی انوار لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہو جاتے ہیں اور کئی قسم کی بُرائیاں پھیل جاتی ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ اپنے کسی مامور کے ذریعہ ہدایت کی روشنی عطا کرتا اور دنیا کو گناہوں کی تاریکیوں سے نکال دیتا ہے۔

۸۲ تا ۸۴۔ بیشک اس زمانہ کے منکرین معاد یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ وہی پرانے قصے ہیں نہ آج تک قیامت آئی اور نہ اس حقیقت سے پردہ اٹھا کہ مرنے والے کیسے زندہ ہوں گے۔ لیکن اس ترقی یافتہ دور میں یہ منکرین معاد مماثل (Cloning) کو تسلیم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سائنسدانوں کے لئے ایک انسان کے زندہ خلیہ (Cell) سے ویسا ہی جیتا جاگتا انسان بنانا ممکن ہے۔ پچھلے دنوں جاپان میں برف سے ایک پانچ ہزار سالہ پرانی انسانی کھوپڑی ملی جس کی جلد میں زندہ خلیے موجود تھے۔ جاپانی سائنسدانوں نے ان خلیوں سے ایک جیسے زندہ انسان بنائے۔ لیکن ایسا بھیانک نتیجہ نکلا کہ خاموشی سے تلف کردئے گئے۔ قرآن کریم کا یہ کہنا صحیح ثابت ہُوا کہ اللہ کی تخلیق میں دخل دو گے تو نتیجہ خطرناک ہوگا اور نقصان اٹھاؤ گے۔ (۴۔۱۲۰)

قرآن کریم میں سائنسی علوم کے حصول کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے لیکن تخلیق میں دخل اندازی سے منع کیا گیا ہے۔ تمام انسانی ایجادات میں یہ واحد مسئلہ ہے جس کی خدا تعالیٰ نے بڑے زور سے مذمت فرمائی ہے۔

چنانچہ پانچ ہزار سالہ پرانی کھوپڑی کے چند زندہ خلیوں سے جو عجیب الخلقت انسان پیدا ہوئے وہ اتنے خوفناک تھے کہ اس مسئلے کو نہایت خاموشی سے دبا دیا گیا۔ اس انسان نما مخلوق کی آنکھیں نہیں تھیں، ٹانگیں مُڑی ہوئی تھیں۔ بہرحال اگر انسان کے لئے یہ ممکن ہے تو خالق دو جہاں

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۵﴾

تو کہدے کس کی ہے زمین اور وہ جو اس میں ہے اگر ہو تم جانتے

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۶﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ

ضرور وہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہہ کیا پھر نہیں نصیحت پکڑو گے تم تو کہدے کون ہے رب آسمانوں

السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۷﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا

سات کا اور رب عرش بڑے کا ضرور وہ کہیں گے اللہ کے ہیں تو کہہ کیا پھر نہیں

تَتَّقُوْنَ ﴿۸۸﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ

تقویٰ کرو گے تم تو کہدے کون ہے کہ ہاتھ میں اسکے حکومت ہے ہر چیز کی اور وہ پناہ دیتا ہے

وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ

اور نہیں پناہ دی جاتی خلاف اس کے اگر ہو تم جانتے ضرور وہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہہ

کے لئے اپنی ہی بنائی ہوئی مخلوق کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ جب کہ وہ پیدائش روحانی ہو گی یعنی روح کو ایک جسم عطا ہو گا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ ہمارے بدن سے جیسے روح بنی ہے اسی طرح روح کے بدن سے ایک اور روح نکلے گی اور وہاں بھی روح اور بدن کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا۔ (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ جلد سوم)

۸۵۔۸۶۔ جب یہ تسلیم کرتے ہو کہ انسان کا اختیار محدود ہے اور خالق کائنات کی ملکیت و اختیارات لامحدود ہیں تو پھر اس کی قدرتوں کا انکار کس طرح کر رہے ہو کہ وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ کیوں سمجھ سے کام نہیں لیتے۔

۸۷ تا ۸۸۔ اس رکوع میں منکرین حق اور مشرکین سے تین سوال کئے گئے۔ تینوں میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا اور اسے مقتدرِ اعلیٰ مانا۔ پہلے سوال میں صرف زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی ملکیت کے متعلق سوال تھا (آیت: ۸۵) اب پوچھا کہ کُل کائنات اور عرش عظیم کا ربّ کون ہے؟ جواب ہے "اللہ کے لئے" گویا ربّ بھی وہی ہے اور ملکیت بھی اسی کی ہے۔ جب یہ مانتے ہو تو پھر کیوں تقویٰ اختیار نہیں کرتے اور اس کی رضا کی راہوں پر نہیں چلتے اور کیوں نافرمانی کے نتیجہ میں آنے والے عذاب سے نہیں ڈرتے؟ اگلی آیت میں تیسرا سوال ہے۔

۸۹۔۹۰۔ **علیہ** ۔ اس کے خلاف۔ اس کے مقابلہ میں۔

مشرکین و منکرین تسلیم کرتے ہیں کہ وہی بادشاہ حقیقی ہے، سب غلبہ و اختیار اسی کو حاصل ہے، ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب کہیں پناہ نہیں ملتی تو وہی پناہ دیتا ہے اور جسے وہ پناہ

فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾
پھر کس طرح تم جادو کئے جاتے ہو بلکہ لائے ہوان کے پاس حق اور یقیناً وہ البتہ جھوٹے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا
نہیں بنایا اللہ نے کوئی بیٹا اور نہ ہے ساتھ اس کے کوئی خدا تب تو

لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
ضرور لے جاتا ہر خدا اسے جو پیدا کیا اس نے اور البتہ غالب آجاتا بعض ان کا بعض پر

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
پاک ہے اللہ اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں جاننے والا ہے غیب اور ظاہر کا

نہ دے اسے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ چونکہ سحر میں اصلیت چھپا دی جاتی ہے اس لئے فرمایا کہ کس کے جادو کے زیر اثر ہو کہ سب کچھ جان لینے کے باوجود تمہیں حقیقت نظر نہیں آ رہی کہ اس کی خدائی تسلیم کرتے ہو اور اسی کے شریک بھی بناتے ہو اور مختار کُل کی پناہ میں آنے کی بجائے ان کی پناہ ڈھونڈ رہے ہو جو بے اختیار محض ہیں۔

۹۱۔خدا کی طرف سے تو حق ہی نازل ہُوا اور توحید کو خوب کھول کر بتا دیا گیا۔ لیکن افسوس یہ جھوٹے ہیں اس لئے کہ خود ہی اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق مانتے ہیں اور خود ہی اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ کُل کائنات کو پیدا کرنے والا وہی ہے لیکن پھر بھی اصرار کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ غرض زبانی دعوے کرتے ہیں کہ اللہ ہے لیکن ان کے اعمال گواہ ہیں کہ جھوٹے ہیں۔

۹۲۔**عَلٰی**۔حروف جارہ سے ہے۔ اوپر۔ کبھی اس کے معنی چڑھائی کرنے کے ہیں۔

اُلوہیت کے دلائل کے بعد شرک کا ابطال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا قرار نہیں دیا نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خالق اپنی اپنی مخلوق کو الگ کر کے لے جاتا اور اپنا قانون نافذ کرتا (اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ خلق کرنا خالق سے خاص ہے۔ اس طرح تمام معبودانِ باطلہ کا ردّ فرمایا) اور بتلایا کہ خدا ایک ہے اس کی صفات ازلی و ابدی ہیں اور اسی سے خاص ہیں۔ زیادہ خدا ہوتے تو وہ عام انسانی صفات کے حامل ہوتے پہلے اپنا خلق کردہ حصہ لے جاتے پھر دوسروں کے حصے چھیننے کے لئے ایک دوسرے پر چڑھائیاں کرتے جیسا کہ بادشاہوں کے درمیان عموماً ہوتا رہتا ہے۔ آخر قانون اسی کا نافذ ہوتا جو غالب آتا۔ اس طرح قوانین بدلتے رہتے اور نظام کائنات میں اختلاف نظر آتا بلکہ یہ کائنات تہ و بالا ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہے۔ کروڑ ہا سال سے

ع ۱۵ ۵ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾
پس بلند ہے اس سے جسے وہ شریک بناتے ہیں تو کہہ دے اے رب میرے اگر تو دکھا دے مجھے جسکا وعدہ کئے جاتے ہیں

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ
اے رب میرے تو نہ بنائیو مجھے لوگوں ظالموں میں سے اور یقیناً ہم اس پر کہ

نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ
دکھائیں تجھے جس کا ہم وعدہ کرتے ہیں ان سے البتہ قادر ہیں دُور کر ساتھ اس کے جو

نظامِ کائنات ایک ہی قانون کے تابع ہے اس میں ایک ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ پس وہ پروردگار ان تمام لغویات سے پاک ہے۔ جو وہ اس کے متعلق کہتے ہیں۔

۹۳۔غائب سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا ادراک ظاہری حواس سے نہیں ہو سکتا اور شہادت سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں انسان ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس خالقِ کون و مکاں سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں وہ ہر ظاہری و باطنی ازلی و ابدی بھید سے واقف ہے۔ وہ اپنی لامحدود صفات و کمالات کے ساتھ انتہائی نکتہ کمال پر ہے اور ان معبودانِ باطلہ سے بہت بلند ہے۔ عالم الغیب و الشہادہ میں تمام معبودانِ باطلہ کے علاوہ مسیح کی خدائی کا بھی ردّ ہے کیونکہ بقول انجیل مسیح کو یہ طاقت نہیں اور نہ فرشتوں کو کہ غیب کی خبریں بتا سکیں سوائے خدائے ذوالجلال کے۔ (مرقس ۱۳: آیت ۳۲)

۹۴۔۹۵۔اس آخری رکوع میں کھول کر بتا دیا کہ منکرینِ حق غلط راہوں پر چل رہے ہیں اور اصلاح پر مائل نہیں اس لئے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے اور دنیوی و اخروی عذاب ان کا مقدر ہو گا۔

یہاں آنحضرت ﷺ سے خطاب فرمایا لیکن اصل مخاطب مومن ہیں۔ قرآنِ کریم میں متعدد ایسی مثالیں ہیں پس آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ دعا سکھائی گئی کہ اے اللہ! جب ان منکرین پر موعود عذاب آئے تو ہمیں بچا لینا کہ اپنی شامتِ اعمال سے اس عذاب کی لپیٹ میں نہ آ جائیں اور ظالموں کے زُمرے میں داخل نہ ہو جائیں۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جب تیرا وعیدی وعدہ کفار کے تعلق میں پورا ہو، وہ تباہ ہوں اور مومنوں کو غلبہ نصیب ہو تو ان مومنوں کو ظلم و زیادتی سے بچانا کہ باوجود غلبہ و اختیار کے اللہ تعالیٰ کی توفیق و احسان سے عدل پر قائم رہیں۔

۹۶۔فرمایا جو کچھ ہم ان کی نسبت انذاری وعدہ کرتے ہیں وہ تجھے تیری زندگی میں ہی دکھانے پر قادر ہیں۔ جیسا کہ عملاً بھی ایسا ہی ہُوا اور آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں مکہ فتح ہُوا اور کفار

اَحۡسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَصِفُوۡنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلۡ رَّبِّ

زیادہ بہتر ہو بدی کو ہم خوب جانتے ہیں اسے جو وہ بیان کرتے ہیں اور تو کہدے اے ربّ

ناکام و نامراد ہوئے۔ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین تھے آپ ﷺ کی قوم عذاب استیصال سے بچائی گئی۔ اس لئے بھی کہ آپ ﷺ کُل دنیا کی ہدایت کے لئے تھے۔ ابھی کُل دنیا پر حجت تمام نہیں ہوئی تھی۔

۹۷۔ جب یہ ظاہر ہو گیا کہ بفضل تعالیٰ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں غلبہ اسلام نصیب ہو جائے گا تو اسلامی تعلیم کا وہ سنہری اصول بتایا جس نے اسے دوسری شریعتوں سے ممتاز کر دیا کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دینا ظلم کے مقابلہ میں عفو و احسان سے کام لینا۔ اس حکم پر کماحقہٗ عمل فتح مکہ کے دن ہُوا جب آپ ﷺ نے **لاتثریب علیکم الیوم** کا اعلان فرمایا۔ حٰمٓ السجدہ: ۳۵ میں مزید وضاحت فرمائی کہ تیرے احسانوں سے ازلی دشمنیاں ختم ہو جائیں گی اور ایک پُر امن معاشرہ وجود میں آئے گا۔ نرمی کا حکم تو مسیحؑ نے بھی دیا تھا اور یہاں تک حکم تھا کہ اگر کوئی ایک تھپڑ مارے تو دوسرا گال بھی آگے کر دو۔ لیکن اس کے نام لیواؤں نے جس طرح اس حکم کو پامال کیا اس کی تازہ مثال بوسنیا کی بے گناہ مسلمان آبادی پر عیسائیوں کے بے پناہ مظالم ہیں۔ جہاں بیس ہزار سے زائد مسلمان عورتوں اور معصوم بچیوں کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ لاکھوں مسلمان جوان، بوڑھے، بچے اور عورتیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کئے گئے۔ اس کے علاوہ چیچنیا اور سربیا کے مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے وہ ان درندوں کی وحشت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ عراق اور کشمیر کے مسلمانوں پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بے گناہ افغانوں پر جو آگ اور بارود کی بارش برسائی گئی وہ امریکہ کے چہرے پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ آج عراق کے تیل پر قبضہ کرنے کے لئے جدید ترین اسلحہ سے لیس پانچ لاکھ کی فوج عراق کو گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے ان پر رحم کرے اور ان کی حفاظت فرمائے۔ فرمایا تیری نسبت جو کچھ یہ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں گویا باوجود اس کے کہ ان کی طرف سے دلخراش باتیں تجھے پہنچ رہی ہیں، ان کی بُرائیوں کے بدلے تیرا احسن سلوک یقیناً انہیں راہِ راست پر لے آئے گا۔ بدی کو دفع کرنا ہمیشہ مومن کی اصل غرض ہونا چاہئے۔ اس کے لئے اپنے دائرہ اختیار میں اپنی فہم و فراست کے مطابق جو بھی احسن طریق ہو اور جس کا اثر دور رس ہو اختیار کرنا چاہئے۔ اس میں حسنِ سلوک، نصائح اور دعاؤں کے علاوہ حسب ضرورت **جزاءِ سیئۃ سیئۃ مثلھا** بھی ہے گویا ایسی سختی بھی جائز ہے جس کا بہترین نتیجہ ظاہر ہو۔ اس سختی میں بھی معافی کا پہلو غالب رہے۔ کہ سزا کم سے کم ہو۔ زیادہ سے زیادہ برابر

اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيۡنِ ﴿۹۸﴾ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ

میرے پناہ مانگتا ہوں تیری وسوسوں سے شیطانوں کے اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری اے رب میرے

يَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ

اس سے کہ وہ آویں میرے پاس یہاں تک کہ جب آتی ہے کسی کو ان میں سے موت کہتا ہے اے رب میرے

ارۡجِعُوۡنِ ﴿۱۰۰﴾ لَعَلِّىۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِيۡمَا تَرَكۡتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا

واپس بھیجدے مجھے تاکہ میں کروں نیکی اس جگہ کہ چھوڑ آیا ہوں میں ہرگز نہیں یقیناً یہ

كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ

ایک بات ہے کہ وہ کہنے والا ہے جسے اور پیچھے ان کے روک ہے تا اس دن کہ

کی سزا دی جا سکتی ہے۔ تجاوز کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ورنہ سزا دینے والا مجرم شمار ہو گا۔ بیشک تاریخ میں مسلمانوں کے مظالم کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لیکن وہ نام کے مسلمان تھے۔ ایسے ظالموں نے اسلام کی روح کو سمجھا ہی نہیں ورنہ قرآنِ کریم نے ظلم کو شرک کہا۔ پس مسلمان جب ظلم یا کوئی اور غیر شرعی کام کرتا ہے اس وقت وہ مسلمان نہیں ہوتا۔ مسلمان کے نام میں ہی سلامتی ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ یا زبان سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ (بروایت حضرت ابن عمر۔ متفق علیہ)

۹۸۔۹۹۔ **ھمزٰت**۔ **ھمزۃ** کی جمع ہے۔ **ھمزۃ** کے اصل معنی دبا کر نچوڑنا ہے۔ اسی لحاظ سے شدید تکلیف پہنچانے کے معنی بھی دیتا ہے۔ بمعنی غمزہ یعنی اشارہ کرنا۔ **ھمزٰت الشیٰطین** شیاطین کے وساوس کو کہا جاتا ہے۔ انسان کا **ھمزۃ** اس کے پیٹھ پیچھے اس کے عیب بیان کرنا ہے۔ غلبہ کی خبر کے بعد آپ ﷺ کو اپنے دشمنوں سے نرمی اور حسنِ سلوک کا حکم دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس دعا کی تلقین فرمائی کہ دشمنانِ خدا و رسول میں سے جو شدید مخالف ہیں اور انسانوں کے روپ میں شیطان اور بھیڑیئے ہیں ایسے سرکش لوگوں کی ایذا رسانیوں اور شر سے اپنی پناہ میں رکھیو کہ وہ کسی بُری نیت سے میرے پاس پھٹکنے بھی نہ پائیں۔ یہ منافقین سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے جن کے میل جول کی غرض محض وسوسہ اندازی تھی۔ یہ وہی شیطان تھے جن کا ذکر شروع قرآن میں ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ **واذاخلوا الیٰ شیٰطینھم** میں (شیاطین) سے مراد کافروں کے ساتھی ہیں یعنی منافقین و مشرکین۔ (بخاری کتاب تفسیر القرآن باب سورۃ بقرۃ) پس یہاں انسان شیاطین کا ہی ذکر ہے ورنہ آپ ﷺ وساوسِ شیطانی سے محفوظ تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے وہ سوائے بھلائی کے مجھے کچھ نہیں کہتا۔ (ترمذی بروایت حضرت جابرؓ)

۱۰۰ تا ۱۰۱۔ برزخ۔ دو چیزوں کے درمیان روک اور حد کو کہتے ہیں۔

يُبْعَثُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ

(دو) اٹھائے جائیں گے پس جب بجایا جاوے گا بگل پس نہ رشتہ داریاں ہوں گی آپس میں ان کے

يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠٢﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے پھر جو شخص کہ بوجھل ہوئے تول انکے (نیک اعمال کے)

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

یہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں اور جو شخص کہ ہلکے ہوئے تول ان کے

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٤﴾

تو یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنی جانوں کو جہنم میں رہ پڑنے والے ہیں۔

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اَلَمْ تَكُنْ

جھلس دیگی چہروں کو ان کے آگ اور وہ اس میں سکڑے ہوئے ہونگے کیا نہ تھیں

ملحقہ آیات میں سرکش انسانوں سے پناہ کا ذکر تھا یہاں ان کی موت کا ذکر کیا۔ شیطان کو تو قیامت سے پہلے موت نہیں آئے گی۔ پس ثابت ہوا کہ ملحقہ آیات میں شیطان صفت انسانوں کا ہی ذکر تھا۔ برزخ وہ حالت ہے جو موت سے لے کر یوم البعث تک ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ موت کے بعد ایک رنگ میں عذاب و ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ نیک ارواح علیین یعنی اعلیٰ مقام پر پہنچائی جاتی ہیں جیسے شہداء کو رزق دیا جانا یا مومن کی قبر کا کشادہ ہونا۔

آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آج جو لوگ تیری مخالفت و مخاصمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں وہ موت کے بعد واپس لوٹنے کی تمنا کریں گے تا واپس آ کر نیک اعمال بجا لائیں۔ گویا مرنے کے بعد یہ احساس ہو جائے گا کہ انہوں نے اپنی زندگی بیکار کاموں میں ضائع کر دی لیکن یہ کبھی واپس نہیں آ سکیں گے اس لئے کہ قیامت تک ان کے درمیان روک ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ان بدبختوں کو واپس بھیجا بھی جائے تو یہ وہی کریں گے جو پہلے کرتے آئے ہیں اس لئے کہ دنیا میں پھر غیب والا معاملہ ہو گا۔ ہاں جنتی کبھی واپس آنا نہیں چاہیں گے۔ (سورۃ الکہف : ۱۰۹)

۱۰۲ تا ۱۰۵۔ صور۔ بگل۔ فوجوں کو جمع کرنے کے لئے اس میں پھونکا جاتا تھا یعنی بجایا جاتا تھا۔ **تلفح۔ لفح**۔ جھلس جانا۔ **کٰلحون۔ کالح** ۔ وہ چہرہ جس کی کھال الگ ہو گئی ہو اور دانت باہر آ گئے ہوں جیسے بھنی ہوئی سری وغیرہ۔

اب قیامت اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر کیا کہ اس دن انتہائی نفسا نفسی کا عالم ہو گا۔ ان

اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٦﴾ قَالُوْا

آیات میری پڑھی جاتیں تم پر پس تھے تم ان کی تکذیب کرتے انھوں نے کہا

کے درمیان رشتہ داریاں ہوں گی نہ آپس میں بات کرنے کی ہوش جیسا کہ دنیا میں رشتہ داروں سے ملتے تو حال چال پوچھتے تھے۔ لیکن یہ حال کفار کا ہو گا مومنین کے متعلق قرآنِ کریم نے فرمایا **الحقنا بهم ذرّيتهم** کہ ہم ان کی (صالح) اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب محشر میں سب پیاسے ہوں گے تو مسلمان بچے جو نابالغی میں وفات پا گئے تھے وہ جنت کا پانی لئے ہوئے نکلیں گے۔ لوگ ان سے پانی مانگیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے ہیں یہ پانی ان کے لئے ہے۔ (مظہری) دوسری آیت میں مذکور ہے **واقبل بعضهم على بعض يتساءلون** یعنی محشر میں لوگ ایک دوسرے سے باتیں پوچھیں گے۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حشر میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ کوئی کسی سے سوال نہ کرے گا جب ہیبت و ہول کا غلبہ کم ہو جائے گا تو حال احوال پوچھیں گے (مظہری)

بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے۔

اس دن ہر ایک کا حساب اس کے اعمال کے مطابق ہو گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ فلاح پائیں گے اور بامراد ہوں گے جن کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا رہا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے خود اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی اور ان کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ میزان عمل ایسا صحیح وزن کرنے والی ہو گی کہ ایک رائی کے دانے کے برابر بھی کمی بیشی نہیں ہو گی۔ حضرت ابودرداؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو چیز قیامت کے دن مومن کے اعمال کی ترازو میں رکھی جائے گی ان میں سب سے وزنی چیز حُسنِ خلق ہے۔ خدا تعالیٰ فحش بکنے والے بیہودہ گو کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابراہیم نخعیؒ روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص کے اعمال وزن کے لئے لائے جائیں گے اور ترازو کے پلڑا میں رکھے جائیں گے تو یہ پلڑا ہلکا رہے گا۔ پھر ایک چیز ایسی لائی جائے گی جو بادل کی طرح ہو گی اس کو بھی اس کے حسنات کے پلڑا میں رکھ دیا جائے گا تو یہ پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ اس وقت اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ وہ کہے گا مجھے کچھ معلوم نہیں تو اسے بتایا جائے گا کہ یہ تیرا علم ہے جو تو لوگوں کو سکھایا کرتا تھا۔

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۱۰۶

اے رب ہمارے غالب آگئی ہم پر بدبختی ہماری اور ہوئے تھے ہم لوگ گمراہ

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۱۰۷ قَالَ

اے رب ہمارے نکال ہمیں اس سے پس اگر پھر کریں گے ہم تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے فرمایا

اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۱۰۸ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ

دور ہو جاؤ اسی میں اور نہ بات کرو مجھ سے بیشک یہ بات ہے ایک گروہ کی

عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ

بندوں میں سے میرے وہ کہتے تھے اے رب ہمارے ایمان لائے ہم پس بخشش ہمیں اور رحم کر ہم پر اور تو بہتر ہے

خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۱۰۹ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ

تمام رحم کرنیوالوں میں سے پس بنایا تھا تم نے انہیں ہنسی یہاں تک کہ انہوں نے بھلا دی تمہیں

ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۱۱۰ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ

یاد میری اور تھے تم ان سے ہنسی کرتے یقیناً میں نے بدلا دیا انہیں

۱۰۶ تا ۱۰۹۔ **اخسئوا**۔ کسی کو دھتکارنے کے لئے **اخسئا** کہا جاتا ہے اسی سے **خاسئین** ہے۔ دھتکارے ہوئے۔ ذلیل و خوار۔ **اخسئوافیھا**۔ اس میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو۔

ان کفار کے جرائم اتنے سنگین ہیں کہ ہرگز کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوں گے۔ آیاتِ الٰہی کا انکار حقوق اللہ کا اتلاف تھا جس کا جواب یہ دیں گے کہ ہماری بدبختی تھی کہ ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوئی اور گمراہ ہوئے گویا اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں گے اور پھر اسی درخواست کو دہرائیں گے کہ ہمیں یہاں سے نکال دیں اور ایک موقع اور دیں اگر پھر بھی گناہوں کا اعادہ کریں تو یقیناً ظالم ہوں گے۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا کہ اسی میں رہو اور مجھ سے کلام مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ان سے بات نہ کرنا بطور سزا ہو گا لیکن افسوس آج اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کے قائل نہیں جو یقیناً ان کے لئے اللہ کی طرف سے سزا ہے۔

۱۱۰ تا ۱۱۲۔ ان کفار نے ہمارے محبوب و مقبول بندوں کو استہزا و تمسخر کا نشانہ بنایا ان پر شدید مظالم ڈھائے اور اس طرح حقوق العباد کو پامال کیا۔ یہ وہ برگزیدہ بندے تھے جو اپنے ربّ کے حضور اپنے ایمان کا اعتراف کرتے تھے اور اپنی بخشش اور رحم کے لئے اپنے ربّ کے حضور گڑگڑاتے تھے۔ ان پیاروں سے تمسخر کی سزا تمہیں یہ ملی کہ انہوں نے تمہیں میری یاد سے غافل کر دیا۔ یہاں اللہ کو بھلانے کا فعل ان نیک بندوں کی طرف منسوب کیا کہ وہ اللہ کی یاد بھلا دینے کا باعث بنے۔

الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۱۱۱ قٰلَ كَمْ

آج اس کا جو صبر کرتے تھے گروہ ہی کامیاب ہیں فرمایا کتنا

لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۱۱۲ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا

ٹھہرے تم زمین میں گنتی سالوں کی انہوں نے کہا ٹھہرے ہم ایک دن

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۱۱۳ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا

یا حصہ دن کا پس پوچھ شمار کرنیوالوں سے فرمایا نہیں ٹھہرے تم مگر

قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۱۱۴ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا

تھوڑا کاش تم ہوتے جانتے کیا پس گمان کیا تھا تم نے کہ

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ان کے دل میں کچھ بھی خوفِ خدا ہوتا تو ان بندوں کو کبھی بھی تضحیک کا نشانہ نہ بناتے۔ یہ برائیوں میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ اب انہیں اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں رہی گویا ان کی صلاحیتیں مسخ ہو چکی ہیں۔ انہیں صرف یہی یاد ہے کہ ان بے ضرر بندوں کو کس کس طرح تضحیک کا نشانہ بنانا اور ستانا ہے۔ ان کے یہی مشاغل خدا کی یاد کو بھلانے کا باعث بنے۔ آج اپنے پیاروں کو ان کے صبر کی وجہ سے جو تمہاری طرف سے شدائد و مظالم اور استہزا پر انہوں نے کیا بہترین جزا دیں گے۔ یقیناً وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

۱۱۳ تا ۱۱۵۔ عدد۔ گنتی۔ **سنین۔ سنۃ** کی جمع۔ سال۔

خدا تعالیٰ جو عالم الغیب و الشہادۃ ہے اس کا کفار سے پوچھنا گویا کفار سے ان کے جرائم کا اقرار کروانا ہے کہ انہوں نے قلیل مدت کے عیش کے عوض دائمی عیش و آرام کو کیوں قربان کیا۔ گنتی کرنے والوں سے مراد فرشتے ہیں جو حساب کتاب میں غلطی نہیں کرتے۔ ممکن ہے محشر کی ہیبت سے صحیح عرصہ یاد نہ رہا ہو۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ عیش کے دن ہمیشہ چھوٹے اور مصیبت کی گھڑیاں بہت لمبی لگتی ہیں۔ کفار نے قلیل مدت کے قیام کو اپنی بریت کے طور پر پیش کیا کہ ہم تھوڑا عرصہ ہی رہے پھر اس قلیل مدت کی غلطیوں کے بدلہ اتنی لمبی سزا کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک تم کم عرصہ رہے لیکن کاش یہ حقیقت دنیا میں ہی سمجھ جاتے کہ اخروی زندگی کے مقابلہ میں دنیوی زندگی نہایت قلیل ہے۔ اور کاش تم جان لیتے کہ یہ قلیل مدت اس بات کے لئے کافی تھی کہ تم اپنی پیدائش کی غرض معلوم کر لیتے اور اپنے ربّ کی رضا پر چل کر اخروی اور دائمی نعمتوں کے وارث بن جاتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر انسان عــآذین میں شامل ہو کر تخلیق کائنات پر غور کرے تو سارے ارتقائی دور کے مقابل انسانی زندگی ایک نقطہ کے برابر بھی نہیں۔

خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ

پیدا کیا ہے ہم نے تم کو بے فائدہ اور یہ کہ تم طرف ہماری نہیں لوٹائے جاؤ گے پس بلند ہے اللہ

الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۷﴾

بادشاہ سچا نہیں خدا سوائے اسکے رب ہے عرش معزز کا

۱۱۶۔ اللہ تعالیٰ کامل الصفات ہے۔ اس کے لئے یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ کوئی کام بلا مقصد کرے۔ جب اس نے تمہیں عبث پیدا نہیں کیا تو یقیناً تمہاری پیدائش کا کوئی مقصد تھا جسے تم نے بھلائے رکھا۔ اگر انسان کی تخلیق عبث نہیں تو یقیناً اس منظم و مربوط کائنات کی تخلیق بھی بلا مقصد اور عبث نہیں جس کا مقصد حضرتِ انسان کو اس مقام تک پہنچانا تھا۔

۱۱۷۔ اس آیت میں اس مقصد کو واضح کیا اور دنیا کو پیدا کرنے کی غرض بتائی حضرت مصلح موعود نے اس آیت کی نہایت لطیف تشریح فرمائی اور بتایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان چار صفات کا ذکر کیا جن کا تقاضا تھا کہ دنیا معرضِ وجود میں آئے۔ یہ وہی چاروں صفات ہیں جو سورۃ فاتحہ میں بیان فرمائیں البتہ موقع کی مناسبت سے ان کی ترتیب بدل دی۔ سورۃ فاتحہ میں یہ صفات بطور منبع تھیں جبکہ یہاں ان کی ترتیب پیدائشِ عالم کے لحاظ سے رکھی گئی۔ الملک کی صفت میں مالکِ یوم الدین کی طرف اشارہ ہے۔ صفت ملکیت نے اپنی جلوہ گری کی تو اس صفت کا تقاضا تھا کہ کوئی قانون جاری ہو۔ اور پھر اس کے مطابق حساب کتاب ہو۔ الحق کے معنی میں قائم رہنا، قائم رکھنا اور سچے وعدے کرنے والا شامل ہے اس صفت کا تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کا ظہور ہو اور وہ اپنے بندوں پر بار بار رحم کرے، ان کی محنت کو ضائع نہ کرے اور اعلیٰ درجہ کے اجر سے نوازے۔

لآالٰـہ الّاھُو صفت رحمانیت کی شکل میں جلوہ گر ہوا کہ جب توحیدِ کامل نے جلوہ دکھایا تو رحمانیت کی صفت ظاہر ہوئی جس نے دنیا کی ہر ضرورت کو پورا کیا اور بتا دیا کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ ربّ العرش الکریم نے اپنا ظہور چاہا تو اس صفت کا تقاضا تھا کہ کوئی مخلوق ہو جس کی وہ ربوبیت فرمائے۔ غرض اس نے دنیا پیدا کی اور دنیا کے لئے ربّ العالمین کے طور پر ظاہر ہُوا۔ پس ان چاروں صفات کا تقاضا تھا کہ دنیا پیدا ہو۔ یہ چاروں صفات انسان میں ظلّی طور پر موجود ہیں اور انہیں کے تحت دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے۔ پس صحیح معنوں میں انسان کہلانے کے مستحق وہی سمجھے جائیں گے جو خاص طور پر ان صفاتِ الٰہیہ کے مظہر بن کر اپنے اندر تغیر پیدا کرتے اور اس اعلیٰ

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ

اور جو پکارے گا ساتھ اللہ کے معبود دوسرا کہ نہیں کوئی دلیل واسطے اس کے

فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

تو سوائے اسکے نہیں کہ حساب اس کا پاس رب کے ہوگا اسکے یقیناً بات یہ ہے کہ نہیں کامیاب ہوتے کافر

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ع ۶ ۲۲

اور تو کہہ اے رب میرے بخش اور رحم کر اور تو بہتر ہے تمام رحم کرنے والوں سے

مقصد کو حاصل کر لیتے ہیں جس کے لئے ان کی پیدائش معرضِ وجود میں آئی۔ وہ مقصد انسان کا منزلِ مقصود کو پا لینا ہے یعنی نہ صرف معرفتِ کامل کا حاصل کرنا بلکہ اپنے ربّ سے ہمکلام ہونا بھی ہے اور یہی انسان کی زندگی کا مقصودِ حقیقی ہے ورنہ اس کی زندگی عبث ہے۔

۱۱۸۔ فرمایا شرک کی تائید میں کوئی دلیل نہیں۔ نہ کسی مذہب میں اور نہ پوری کائنات میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل تمام کائنات میں بکھرے پڑے ہیں بلکہ صرف اس ایک رکوع میں بھی بے شمار دلائل ہیں۔ اگر پھر بھی غیر اللہ کو پکاریں تو اپنے ربّ کے حضور حساب دینا ہوگا۔ اس سورۃ کی ابتدا **قد افلح المومنون** ٥ سے کی اور **لایفلح الکافرن** ٥ سے اسے ختم کیا گویا فلاح و کامیابی مومنین سے ہی خاص ہے کفار اس سے محروم ہیں۔ پس کافروں کے لئے ناکامیاں ہی مقدر ہیں۔ وہ کبھی مسلمانوں پر غالب نہیں آ سکتے بلکہ مسلمان ہی غالب رہیں گے اگلی آیت میں وہ دعا بتائی جس سے ایسا ممکن ہو گا۔

۱۱۹۔ غلبہ اسلام کا سب سے کارگر نسخہ یہی ہے کہ اپنے ربّ کے حضور جھک جاؤ، دعائیں کرتے رہو کہ وہ تمہاری کمزوریوں کو دور فرمائے، تم پر رحم فرمائے اور تمہیں روحانی غلبہ عطا فرمائے تا تم بندگانِ خدا کو توحید کی طرف لا کر ایک نئے تمدن کی بنیاد ڈالو۔ تمہاری کوششوں میں صرف داعی الی اللہ ہی شامل نہیں ہوں گے بلکہ ہر وہ بوڑھا، بچہ، جوان، مرد عورت، امیر و غریب، تندرست اور بیمار شامل ہوگا جو اللہ کی بارگاہ میں نہایت عجز و انکساری سے یہ دعا کرے گا کہ **ربّ اغفر و ارحم وانت خیر الراحمین** ٥ اے میرے رب! معاف کر اور رحم کر اور تو سب سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔

یہ نہیں کہا کہ مجھے بخش دے **ربّ اغفر** کہہ کر دعا میں بڑی وسعت پیدا کردی۔ اس دعا کی احادیث میں بہت فضیلت بیان ہوئی ہے یہ دعا کفر اور اس کے بدنتائج سے بچنے کی دعا ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ دعا اور اس سے پہلے کی تین آیات پڑھ کر ایک بیمار پر دم کیا وہ اچھا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی قسم یقین اور ایمان رکھنے والا انسان یہ آیات کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ اپنی جگہ چھوڑ دے۔

(تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)

اس دعا کو سورۃ مومنون کے آخر میں رکھ کر یہ اشارہ فرمایا کہ مومنوں کا اصل ملجا و ماویٰ دعا ہی ہے۔

☆☆☆

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ خَمْسٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ نور۔ یہ سورۃ مدنی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی پیسٹھ آیات اور نو رکوع ہیں

پچھلی سورۃ میں بیان فرمایا کہ کامیابی مومنین کا مقدر ہے اور دعا کا طریق بتایا گیا۔ اس سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے ظہور کو نور کامل سے مشابہت دی گئی اور بتایا کہ یہ نور دنیا میں غالب ہو گا۔ اس طرح حکومت اور بادشاہت کی پیشگوئی جو پچھلی سورۃ میں دی گئی تھی اس کی توثیق فرمائی۔ قوموں کی تقدیر یہی ہے کہ جب عروج اور حکومت سے ہمکنار ہوتی ہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ فسق و فجور کی طرف مائل ہو جاتی ہیں جو بالآخر اُن کی تباہی پر منتج ہوتا ہے۔ اس لئے اس سورۃ میں واقعہ افک کے حوالے سے بنی نوع انسان کی تمدنی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے متعلق ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کیا گیا ہے جس پر عمل کرکے ایک قوم بحیثیت مجموعی ترقی کر سکتی ہے اور اپنے ربّ کی رضا بھی حاصل کر سکتی ہے۔ جس کے لئے نظامِ خلافت کا قیام ضروری ہے۔ اس سورۃ میں حضرت عائشہؓ کے واقعہ افک کا ذکر ہے جو پانچویں سال ہجرت میں پیش آیا۔ گویا بالاتفاق یہ سورۃ مدنی ہے اور ۵ ہجری میں نازل ہوئی۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ

یہ ایک سورۃ ہے اُتارا ہے ہم نے اسے اور فرض کیا ہے ہم نے اسے اور اتاریں ہم نے اس میں آیتیں

بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۝۲ اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ

کھلی کھلی تاکہ تم نصیحت پکڑو زنا کرنے والی اور زنا کرنے والا

فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا

پس مارو ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو کوڑے اور نہ

تَاۡخُذۡکُمۡ بِہِمَا رَاۡفَۃٌ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ

پکڑے تم کو حق میں ان کے نرمی قانون میں اللہ کے اگر ہو تم ایمان لاتے

بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ وَ لۡیَشۡہَدۡ عَذَابَہُمَا طَآئِفَۃٌ

اللہ پر اور روز آخر پر اور چاہیئے کہ موجود ہو سزا کے وقت ان کے ایک گروہ

مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۳ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوۡ

مومنوں کا زنا کرنے والا نہیں نکاح کرتا مگر زنا کرنے والی یا

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں ہی سزائے زنا و قذفِ محصنات بیان فرمائی اور بتایا کہ زانیوں کو اپنی قوم میں نہ ملنے دو تا کہ وہ ان بُرائیوں سے بچے رہیں۔

قرآنِ کریم کی ساری سورتیں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں اور سب کے احکام پر عمل فرض قرار دیا گیا لیکن اس سورۃ پر عمل کرنے کی طرف مسلمانوں کو خصوصاً توجہ دلائی گئی کیونکہ اس میں ایسے اخلاقی، عائلی اور معاشرتی احکام بیان ہوئے ہیں جن پر عمل کر کے ایک پاکیزہ مسلم معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ افسوس آج مسلمانوں کے زوال کا باعث اِن احکام کو پسِ پشت ڈال دینا ہے۔

۳۔**فاجلدوا۔ جلدۃ**۔ جِلد چمڑے یا کھال کو کہتے ہیں جس کی جمع جلود ہے **جلود الذین یغشون ربھم** ۳۹۔۲۴۔ **جَلَدَہٗ** کے معنی اس کی جلد پر مارا کے ہیں۔ یعنی ایسی مار جس کا جلد پر اثر ہو اور گوشت تک نہ پہنچے۔ یہ آجکل والے کوڑے کا مفہوم نہیں دیتا جبکہ سوط کوڑے کا مفہوم دیتا ہے۔ **فصبَّ علیھم ربُّکَ سوط عذاب**o (فجر:۱۴)

اسلامی معاشرے میں زینت کو چھپانا، پردہ اور غضِ بصر وغیرہ کی تلقین ہے اور یہ سارے اوامر عصمت کی حفاظت میں ممد ہیں۔ نیز نکاح بھی عصمت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اسلام نے ان تمام باتوں پر قدغن لگائی جو بے حیائی کی محرک ہیں تاہم کسی کمزوری یا کوتاہی کی صورت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت خلوت میں موثر انداز سے سمجھانے اور پردہ پوشی کا حکم ہے۔ کسی کی کمزوریوں کو اچھالنے کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے لوگوں کو اپنے گناہوں کا اشتہار دینے سے منع فرمایا اگر معاف کرنے کا نتیجہ ان کے لئے زیادہ مفید سمجھتے تو سزا دینے کی بجائے استغفار کی تلقین فرماتے۔ منصفین نے بھی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے قولِ رسول کے مطابق تخفیف کے پہلو کو مدِ نظر رکھا وہ جنہیں کسی نے فعلِ بد کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور وہ خود سزا پانے کے لئے حاضر ہوئے تو ان سے جرم کی تفصیل نہیں پوچھی ورنہ حد واجب ہو جاتی بلکہ ان کی پردہ پوشی فرمائی اور استغفار کی تلقین کی۔ اس لئے کہ بدکاری کی شہرت قومی اخلاق کو بگاڑ دیتی ہے جیسا کہ آج مغربی معاشرہ میں عملاً نظر آ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اعلان فرمایا کہ اگر کسی نے میرے پاس آ کر اس جرم کا اقرار کیا جس پر حد واجب ہے تو میں اسے شہر سے نکلوا دوں گا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دور کردو حدود کو مسلمانوں سے جب تک ممکن ہو۔ اگر ذرا بھی موقع بچاؤ کا نکل آئے تو اس کو چھوڑ دو اس لئے کہ امام (حاکم) کا معاف کرنے میں [illegible]رنا سزا میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔ (ترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں حدود کے تعلق میں سب سے پہلے ایک انصاری چوری کے جرم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا صحابہ فرماتے ہیں کہ غم اور صدمہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے کہ تم لوگوں نے اسے معاف کیوں نہ کر دیا اور میرے پاس کیوں لائے۔ چونکہ مقدمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد جاری فرمائی لیکن کرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر نمایاں تھا۔ اس پر بعض نے عرض کیا معلوم ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا بے حد افسوس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہ افسوس ہو تم لوگ اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار بن جاتے ہو۔ لوگوں نے عرض کیا حضور نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس شکایت لانے سے پہلے چھوڑ سکتے تھے۔ جب قاضی کے پاس مجرم لایا جائے اور جرم ثابت ہو جائے تو اس کاروائی کے بعد حد واجب ہوگی۔ امام یا قاضی سزا

معطل نہیں کرسکتا۔ یہ فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی **ولیعفوا ولیصفحوا** (النور ۲۳) یعنی عفو اور درگزر سے کام لیا کرو۔ (مسند الامام اعظم کتاب الحدود صفحہ ۱۵۵)

سورۃ نور کی ابتدا ان احکام سے کی گئی جن پر عمل پیرا ہونا ایک مسلم معاشرہ کو بہت سی برائیوں سے بچاتا ہے۔ اس سورۃ میں زنا کی حد سو کوڑے بیان فرمائی اور حد قائم کرنے کے لئے کڑی شرائط رکھیں یعنی مجرم کا مسلمان، آزاد اور عاقل و بالغ ہونا اور چار معتبر گواہوں کی شہادت یا مجرم کا اعترافِ گناہ۔ اگر ایک شہادت بھی کمزور ہو تو حد ساقط ہو جائے گی۔ اگر گواہ صریح جھوٹا ثابت ہو جائے تو اس پر قذف کی حد جاری ہو گی جو اسی کوڑے ہیں۔ اسلام میں حد کی سزا زنا کے علاوہ قذف یعنی پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا اور سرقہ پر ہے۔ حدیث سے شراب نوشی پر بھی حد ثابت ہے باقی جرائم کی سزاؤں کو تعزیر کہا جو حالات کے مطابق قاضی کی صوابدید یا ملک کے قوانین پر موقوف ہیں۔ قاضی حالات کے پیشِ نظر سزا میں کمی یا معافی کا مجاز ہے۔ یہاں زانیہ اور زانی نہیں کہا بلکہ الزانیہ اور الزانی کہا۔ الف لام جرم کے کمال اور شدت کو ظاہر کرتے ہیں جس سے مراد زنا کے عادی، کھلے بندوں زنا کرنے والے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کی بے حیائی کے چار گواہ ملنے ممکن نہ تھے جن کی گواہی پر حد قائم ہوئی۔ پس یہاں ایسی پیشہ ور عورتوں کا ذکر ہے۔ جو معاشرے میں فحاشی پھیلاتی پھرتی ہیں اور وہ کسی رعایت کی مستحق نہیں اسی لئے قرآنِ کریم نے عام دستور کے خلاف زانیہ کا ذکر پہلے کیا۔ ایسی عورت جس نے نسوانی حیا کی دھجیاں اُڑائیں اور فحاشی کو عام کر کے پورے معاشرے میں زہر گھولا۔ اس کے گندے وجود سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس سزا کا طریق اس آیت اور احادیثِ صحیحہ کے مطابق یہ ہے کہ اگر کسی کی نسبت زنا کا جرم قرآنی شرائط کے مطابق ثابت ہو جائے تو اسے لوگوں کے سامنے سو کوڑے لگائے جائیں۔ کوڑا کپڑے یا چمڑے وغیرہ کا ہو اور اس طرح مارا جائے کہ جسم کو اس کی ضرب محسوس ہو۔ اس حکم میں ہرگز چمڑے کا وہ کوڑا مراد نہیں جسے آج کل کی شرعی عدالتیں استعمال کرتی ہیں اور اس شدت سے ضرب لگاتی ہیں کہ انسانی گوشت تک اڑ جاتا ہے اور اکثر سو کی گنتی پوری ہونے سے پہلے ہی موت واقع ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ مارنے والے کو ہدایت فرماتے تھے کہ اس طرح مار کہ تیری بغل نہ کھلے یعنی ہاتھ کو پورا اوپر اٹھا کر طاقت سے نہ مار۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ضرب زخم ڈالنے والی نہ ہو اور نہ ہی ایک جگہ مارا جائے بلکہ یہاں تک نرمی ہے کہ جاڑے میں گرم وقت اور گرمی میں ٹھنڈے وقت مارنے کا حکم ہے۔ حاملہ کو وضع حمل اور نفاس کا زمانہ گزر جانے کے بعد بلکہ

مُشْرِكَةً ۚ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ

مشرک عورت سے اور زنا کرنیوالی نہیں نکاح کرتا اس سے مگر زنا کرنیوالا یا مشرک اور حرام کیا گیا

ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

ہے یہ مومنوں پر اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر

ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ

پھر نہیں لاتے چار گواہ تو مارو ان کو اسی

بعض حالات میں بچے کی شیر خوارگی کا زمانہ گزر جانے کے بعد سزا دی گئی۔ یہ سزا مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر دینے کا حکم ہے۔ اسلام میں جلادوں سے پٹوانا منع ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ کام معزز صحابہؓ انجام دیتے تھے جیسے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ وغیرہ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اجماعِ صحابہ سے زانیہ اور زانی کو ایسے کوڑے سے مارا جاتا جس میں کوئی گانٹھ نہ ہوتی [illegible]۔ اس سے پہلے کبھی ہاتھ سے کبھی جوتی سے کبھی تازہ شاخ سے مارا جاتا تھا (روح المعانی) ننگے جسم پر نہیں مارا جاتا تھا۔ ایک دو قمیصیں جسم پر رہنے دی جاتیں۔ (امام شافعی و احمد حنبل) ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں موٹا کپڑا پہنا جاتا تھا۔ البتہ پوستین یا روئی دار کپڑا جو اوپر پہنا ہو اتروا دینا چاہئے ورنہ مار کا اثر چمڑے تک نہیں پہنچ سکتا۔ مناسب ہے کہ سختی سے نہ مارا جائے۔ سر، منہ اور نازک حصوں پر مارنے سے منع فرمایا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ اس امت میں ننگا کرنا، کھینچنا یا با[illegible] جائز نہیں۔ کچھ لوگوں کی موجودگی میں سزا دینے کا مقصد بھی مجرم کی رسوائی اور دوسروں کے لئے عبرت ہے تا کہ پھر کسی کو کھلے عام بے حیائی کی جرأت نہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کا طریق تھا کہ جب تک قرآنِ کریم کا واضح حکم نہ آ جاتا آپ شریعتِ موسوی پر عمل کرتے۔ شریعتِ موسوی میں زنا کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسلامی احکام کے نزول سے پہلے موسوی شریعت کے مطابق زنا کے مجرم کو سنگسار کرنے کا حکم دیا سورۃ نساء ۲۶: میں تفصیل گزر چکی ہے جہاں لونڈی کے لئے زنا کی سزا نصف ہے۔ ظاہر ہے کہ رجم میں نصف ممکن نہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں رجم کی سزا نہیں۔ اگر کچھ حدیثیں رجم کو ثابت کرتی ہیں تو بھی قرآن، حدیث پر قاضی ہے اور قرآن کا حکم ہی اٹل ہے۔ نیز وہ حدیثیں اس حکم سے پہلے کی ہیں۔

۴۔ اس آیت کے ترجمہ میں مشکل اس لئے پیش آئی کہ اردو میں نکاح کا مفہوم شرعی طریق پر اعلانِ نکاح یا شادی ہے جبکہ عربی میں یہ لفظ مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کے لئے بھی بولا جاتا

جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی گواہی کبھی بھی اور یہ لوگ ہی

الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ

فاسق ہیں مگر جن لوگوں نے توبہ کرلی بعد اس کے اور اصلاح کرلی

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ

تو یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور

ہے۔ پس یہاں مراد صرف یہ ہے کہ ایک زانی یہ قبیح حرکت ایک زانیہ یا مشرکہ سے ہی کر سکتا ہے ورنہ کوئی پاکباز عورت ان لغو باتوں کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ اسی طرح زانیہ عورت کا یہ فعل ایک زانی یا مشرک سے ہی ممکن ہے۔زنا بالجبر کی نوعیت مختلف ہے۔ اس میں عورت مجرم قرار نہیں پاتی مرد پر دہرا جرم عائد ہوتا ہے۔زنا عام طور پر ایک پوشیدہ گناہ ہے یہ بات کہ زانیہ سے سوائے زانی کے کوئی نکاح نہ کرے عقل اور طبعی واقعات کے خلاف ہے۔اس آیت میں شرک کو زنا کا ہم پلہ قرار دیا کیونکہ دونوں میں بہت بڑی مماثلت ہے۔ ایک عورت اس وقت زانیہ کہلاتی ہے جب موجودہ خاوند یا ہونے والے خاوند کے حقوقِ خاص میں کسی دوسرے کو شریک کرتی ہے۔ اسی طرح ایک مشرک بھی اپنے خالق و مالک کے حقوق میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتا ہے۔

یہاں **ذٰلک** سے مراد زانیہ و مشرکہ سے نکاح ہے گویا مومنین کے لئے زانیہ اور مشرکہ یا زانی اور مشرک ہونے کی صورت میں نکاح حرام ہے۔ہاں توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔جیسا کہ آیت:٦ میں وضاحت آئے گی۔

۵۔٦۔**یرمون۔رمی** کے معنی دیتا ہے۔تیر یا کنکر مارنا۔الزام لگانے کا مفہوم بھی دیتا ہے یہاں مراد زنا کی تہمت ہے۔ان آیات کی تشریح آیت:٣ میں گزر چکی ہے۔تاہم جس طرح قانونِ شریعت میں زنا کی سزا سخت ہے اسی طرح کسی معصوم پر جھوٹا الزام لگانے کی سزا بھی سخت رکھی۔

شروع سورت میں زانیہ اور زانی کی سزا کا ذکر ہے پھر مومنین کو ایسے اخلاق باختہ لوگوں سے نکاح کی ممانعت فرمائی۔اب ان لوگوں کا ذکر کیا جو پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور اپنی تائید میں چار گواہ پیش نہیں کرتے۔ فرمایا ان کی سزا اسّی کوڑے ہے اور وہ اس قابل نہیں کہ ان کی گواہی قبول کی جائے۔ مردوں پر اتہام لگانا بھی اسی حکم میں آتا ہے۔عورتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ شنیع تر جرم ہے۔(بیضاوی)

لَّمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ

نہیں ہیں ان کیلئے گواہ سوائے اپنے آپ کے پس گواہی ایک کی ان میں سے

اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ

چار بار گواہیاں ہیں ساتھ قسم کے اللہ کی کہ وہ ضرور سچوں میں سے ہے اور پانچویں

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا

یہ کہ لعنت ہو اللہ کی اس پر اگر ہے وہ جھوٹوں میں سے اور دور کریگا

ہاں اگر ایسے تمام لوگ سزا پانے کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح بھی کرلیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ساتھ بخشش اور رحم کا معاملہ فرمائے گا۔ واضح ہو کہ اپنے گناہوں سے محض زبانی توبہ کافی نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ انہوں نے اپنی اصلاح بھی کر لی ہے اور جب ان سے بفضلِ خدا وہ گناہ دوبارہ سرزد نہیں ہوں گے۔ پس توبہ اور اصلاح کے بعد جب وہ ایک پاکیزہ زندگی گزارنے لگیں تو ان کے نام سے زانیہ اور زنا کا دھبہ ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ اسی طرح **قذف المحصنات** کا معاملہ ہے۔ پس ایسے تمام لوگوں کو مومنین سے نکاح کی اجازت ہو گی اور ان کی گواہی بھی قبول کی جائے گی گویا ان کے ساتھ جو معاشرہ کا بائیکاٹ ہوا تھا وہ ختم ہو جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔جس پر حد جاری ہو جائے وہ اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے جنا۔حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں ایک جہنی عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کا اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے رجم کا حکم دیا۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اسے رجم کا حکم دیا پھر اس پر نماز بھی پڑھی آپ ﷺ نے فرمایا! اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ میں ستر اشخاص پر تقسیم کردی جائے تو ان کے لئے بھی کافی ہے۔پھر کیا اس سے بہتر بھی کوئی چیز تمہاری نظر میں ہے کہ اس نے اپنی جان اللہ کے لئے خرچ کردی۔(ترمذی جلد اوّل ابواب الحدود حدیث نمبر ١٣١١) آنحضرت ﷺ نے مقامِ بشریت سے کبھی غلو نہیں کیا آپ ﷺ نے فرمایا میں ظاہر اعمال پر حکم جاری کرتا ہوں۔دل کے مخفی رازوں کا متولی خود اللہ جل شانہ ہے۔اگر ایک شخص کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لے تو قرآنی احکام کے مطابق اسے تشہیر کا حق نہیں کیونکہ ایسی صورت میں غلطی اور ذاتی عناد کی بہت گنجائش ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنی بیوی سے ایسے فعل کا ارتکاب دیکھے۔اس کی تفصیل اگلی آیات میں ہے۔

۷ تا ۱۰۔**یدرؤ ا۔درأ۔دفعۃ** کے ہم معنی ہے یعنی اس کو دور کیا۔ **یدرؤ ا** وہ دور کرے گا۔

عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ

اس عورت سے سزا کو یہ کہ وہ گواہی دے چار گواہیاں ساتھ قسم کے اللہ کی کہ وہ مرد

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۹ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ

ضرور جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں یہ کہ غضب ہو اللہ کا اس عورت پر اگر

كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۰ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

ہے وہ مرد سچوں میں سے اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی

پس جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا الزام لگائیں اور ان کے پاس اپنے سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان کا معاملہ الگ ہوگا۔ اُن کے لئے گواہی کا طریق یہ ہے کہ مرد الزام لگانے کے بعد قاضی یا حاکم کے سامنے کسی مقدس مقام پر چار بار خدا کی قسم کے ساتھ کہے کہ وہ سچا ہے اور اس کی بیوی مجرم ہے۔ پھر پانچویں بار کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ جب وہ لعنت کرنے لگے تو قاضی وغیرہ کو چاہئے کہ اسے اچھی طرح سمجھائے کہ وہ خوب سوچ سمجھ لے کہ جس پر خدا کی لعنت نازل ہوتی ہے وہ دنیا و آخرت میں تباہ ہو کر رہتا ہے۔ پانچ مرتبہ قسم کھلانے میں بھی یہی حکمت ہے کہ انسان کے دل میں جھوٹ کی بنا پر خدا کی لعنت کے تصور سے خوف طاری ہو اور وہ کسی معصوم پر الزام تراشی سے باز رہے نیز کسی دوسری ناراضگی کے باعث عورت کو اس بہانے سے ذلیل نہ کرے۔ اگر بیوی اس الزام کو قبول کرے تو اس پر حد قائم ہوگی۔ اگر وہ اس الزام کو قبول نہ کرے تو وہ بھی حلف اٹھائے اور چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے قاضی کو چاہئے کہ اسے بھی لعنت کی تباہی سے ڈرائے۔ اگر پھر بھی وہ پانچویں بار یہ کہے کہ خدا کا غضب مجھ پر ہو اگر وہ مرد سچا ہے تو اس طریق کو لعان کہتے ہیں۔ اس ملاعنت کے بعد وہ دونوں بظاہر سزا سے بچ جائیں گے حالانکہ ان دونوں میں ایک ضرور جھوٹا ہے جو خدا کی لعنت کے نیچے آئے گا۔ اب ان میاں بیوی میں قطعی مفارقت ہو جائے گی اور وہ دونوں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے پر حرام ہو جائیں گے تاہم مرد عورت سے حق مہر کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اگر مرد عورت کے پیٹ کے بچے کو اپنا تسلیم نہ کرے تو وہ عورت کی طرف منسوب ہوگا اور مرد کے ترکہ کا وارث نہیں ہوگا۔ تاہم بچے یا اس کی والدہ کو مطعون کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی جیسے ماں کو زانیہ یا بچے کو ولدالزنا وغیرہ کہنا۔ اگر بچہ اسی مرد کا ثابت ہو جائے جیسا کہ بعض بچے ہو بہو اپنے باپ کے ہم شکل ہوتے ہیں یا جیسے آجکل D.N.A ٹیسٹ سے ولدیت معلوم کرنا کوئی مشکل امر نہیں رہا تو بچہ باپ کے ورثے کا حقدار قرار پائے گا۔

وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ ع ۱۱/۲

اور یہ کہ اللہ بہت فضل سے متوجہ ہونیوالا حکمت والا ہے یقیناً وہ لوگ جو لائے بہتان

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ

ایک جماعت ہے تم میں سے نہ سمجھو اُسے بُرا اپنے لیے بلکہ وہ بہتر ہے

لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَ

تمہارے لیے ہر شخص کے لیے ان میں سے وہ ہے جو کمایا اس نے گناہ سے اور

الَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۲ لَوْلَآ اِذْ

وہ جو متولی ہوا بڑے حصہ کا اسکے ان میں سے اس کیلئے عذاب ہے بڑا کیوں نہ جب

۱۱۔ بعض دفعہ قرآنِ کریم کا یہ بھی طریق ہے کہ وہ بعض چیزوں کے جواب نہیں دیتا جیسا کہ اس آیت میں ہے اور جواب قاری کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس لئے کہ وہاں بغیر جواب کے بھی جواب سمجھ آ جاتا ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ ایسے مواقع پر اکثر بہت سے جوابات ہوتے ہیں جو سب صحیح ہوتے ہیں اور سب وہاں چسپاں ہوتے ہیں۔

اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑی حکمتوں والا ہے تو ایسے پر حکمت احکام نازل نہ ہوتے اور تم تباہ ہو جاتے۔ پس زنا و قذف کے معاملہ میں یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ کی خاص حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت نازل ہوئے کہ جہاں کسی فرد کی اصلاح اور معاشرہ کی سلامتی کے لئے سختی کی ضرورت تھی وہاں سختی کا حکم دیا۔ جہاں یہ مقصد عفو و درگزر سے حاصل ہو سکتا تھا وہاں معافی کی گنجائش رکھی۔

۱۲۔ **افک**۔ جھوٹ۔ یہاں مراد وہ بہتان ہے جو منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگایا۔ عصبہ عام طور پر تین سے دس تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے زیادہ افراد کو بھی کہتے ہیں۔

اس رکوع میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب حضرت عائشہؓ پر منافقین نے بہتان باندھا اور چند مومنین بھی نادانی سے اس میں ملوث ہو گئے۔ آپ کی بریت میں یہ دس آیات نازل ہوئیں جنہوں نے آپ کی بزرگی اور فضیلت کو مزید بڑھا دیا۔ اس کی تفصیل مستند احادیث میں واقعہ افک کے نام سے مذکور ہے۔ (جو اختصار سے بیان کیا جاتا ہے) آنحضرت ﷺ کی عادت تھی کہ سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات کے بارہ میں قرعہ ڈالتے جس کا نام نکل آتا اس بی بی کو ساتھ لے جاتے ۵ ہجری میں غزوہ مصطلق پر جانے کے لئے حضرت عائشہؓ کا نام نکلا اور آپ ساتھ

گئیں۔ واپسی پر مدینہ کے قریب ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ آخر شب میں حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف گئیں۔ واپسی میں آپ کو معلوم ہُوا کہ آپ کا ہار کہیں گر گیا ہے اور آپ ہار کی تلاش میں واپس گئیں۔ آپ کی عدم موجودگی میں قافلہ والوں نے آپ کا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ آپ کم عمر اور دبلی پتلی تھیں اس لئے انہیں اندازہ نہ ہُوا کہ آپ ہودج کے اندر نہیں۔ آپ ہار تلاش کر کے واپس آئیں تو پریشان ہوئیں مگر اس خیال سے کہ جب انہیں میرے پیچھے رہ جانے کا علم ہوگا تو ضرور واپس آئیں گے آپ ایک پتھر پر بیٹھ گئیں۔ نوعمری کا زمانہ تھا نیند کا غلبہ ہُوا اور آپ کی آنکھ لگ گئی۔ آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی صفوان بن معطلؓ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کرتے تھے تا کہ اگر کوئی چیز رہ جائے یا گر جائے تو دن کی روشنی ہونے پر لیتے آئیں۔ یہ وہی صحابی تھے جن کی بیوی نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی تھی کہ یہ کبھی صبح کی نماز وقت پر نہیں پڑھتے۔ انہوں نے عذر پیش کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرا خاندانی عیب ہے میں دیر تک سونے کی اس کمزوری کو کسی طرح دور نہیں کر سکتا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب آنکھ کھلے نماز پڑھ لیا کرو۔ ممکن ہے اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کے ذمہ یہ کام سونپا ہو۔ غرض آپ نے کسی کو لیٹے دیکھا نزدیک آئے تو پہچان لیا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں کیونکہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہُوا تھا۔ انہوں نے زور سے **اناللّٰہ وانا علیہ راجعون** پڑھا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ حضرت صفوانؓ نے خاموشی سے اپنا اونٹ بٹھایا اور حضرت عائشہؓ اس پر سوار ہو گئیں۔ وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چل پڑے اور دوپہر تک قافلہ سے آ ملے قافلہ ابھی اگلے پڑاؤ پر رکا ہی تھا اور کسی کو ابھی آپ کے پیچھے رہ جانے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ مدینہ پہنچنے پر عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں نے مشہور کر دیا کہ حضرت عائشہؓ کا **نعوذباللّٰہ مِن ذٰلک** صفوانؓ سے تعلق تھا اور وہ جان بوجھ کر پیچھے رہیں۔ اس بات کا اتنا چرچا کیا گیا کہ بعض صحابہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ ان میں شاعر اسلام حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور صحابیہ حمنہ بنت جحش شامل تھیں۔ یہ دونوں صحابی شرکائے بدر تھے جن کے لئے قرآنِ کریم میں مغفرت کا اعلان ہے۔ ان باتوں سے لازماً آنحضرت ﷺ کو سخت اذیت پہنچی ہوگی۔ حضرت عائشہؓ مدینہ پہنچ کر ایک ماہ تک سخت بیمار رہیں اور انہیں اس طوفان کا علم نہ ہُوا جو ان کے خلاف اٹھایا گیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حیران تھی کہ آنحضرت ﷺ تشریف لاتے آپ کا چہرہ اترا ہوا ہوتا مجھ سے کوئی بات نہ کرتے اور دوسروں سے میرا حال پوچھتے

اور چلے جاتے۔ اسی دوران آپ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے والدین کے ہاں تشریف لے گئیں۔ ایک دن قضائے حاجت کے لئے اپنی ایک رشتہ دار عورت کے ساتھ باہر گئیں۔ اس نے اپنے بیٹے مسطح کا نام لے کر بددعا دی کہ اس کا بُرا ہو۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ایسا کیوں کہتی ہو۔ اس نے کہا آپ کو نہیں پتہ وہ تو یہ یہ باتیں کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو سخت صدمہ ہُوا جوں توں گھر پہنچیں اور اپنی والدہ اور والد محترم سے پوچھا۔ آپ کی والدہ نے آپ کو تسلی دی کہ جہاں سوکنیں ہوں وہاں ایسی باتیں ہو جاتی ہیں تم پرواہ نہ کرو۔ یہ انہوں نے اس لئے کہا کہ الزام لگانے والوں میں حمنہ بنت جحش بھی تھیں جو آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ زینب بنت جحش کی بہن اور آپ ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں۔ حضرت عائشہؓ کو اس طوفان کا علم ہُوا تو صدمہ سے بیہوش ہو گئیں۔ دو راتیں اور ایک دن آپ نے روتے ہوئے گزار دیا۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور حال دریافت کر کے باہر چلے گئے۔ باہر جا کر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور اسامہ بن زیدؓ کو بلا کر مشورہ کیا۔ حضرت اسامہؓ نے کہا کہ ہم نے ان میں سوائے بھلائی کے کوئی بات نہیں دیکھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہی کہا کہ یہ منافقین کی پھیلائی ہوئی بات ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کی لونڈی سے پوچھیں اگر کوئی بات ہوئی تو وہ بتا دے گی۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی لونڈی بریرہ سے پوچھا کہ تجھے عائشہؓ کا کوئی عیب معلوم ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے عائشہؓ کا کوئی عیب نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ کم سنی کی وجہ سے آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اور بکری آٹا کھا جاتی ہے۔ آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ رو رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو باتیں لوگوں میں ہو رہی ہیں تم نے سنیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! انسان سے گناہ ہو جاتا ہے اگر تم سے غلطی ہوئی ہے تو توبہ کر لو۔ اگر نہیں ہوئی تو خدا تمہاری بریت کر دے گا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے والد بزرگوار کی طرف دیکھا اور کہا کہ آپ اس کا جواب دیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو اس کا کوئی جواب نہیں آتا۔ پھر انہوں نے اپنی والدہ سے کہا۔ انہوں نے بھی کہا کہ میں کیا جواب دے سکتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یک دم میرے آنسو تھم گئے اور میں نے بڑے زور سے کہا کہ وہ بات جو مشہور ہو رہی ہے اس کے متعلق اگر میں یہ کہوں کہ غلط ہے تو آپ ﷺ مانیں گے نہیں، اگر کہوں کہ سچ ہے تو یہ جھوٹ ہوگا۔ اس لئے میں وہی کہتی ہوں جو حضرت یوسف کے باپ نے کہا **فصبر جمیل واللّٰہ المستعانُ علٰی ماتصفون**o حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس وقت میں شدتِ غم سے حضرت یعقوبؑ کا نام

بھول گئی یہ کہہ کر میں وہاں سے اٹھی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ پر وحی کی حالت طاری ہو گئی اور آپ ﷺ پر سورۃ النور کی آیت ۱۲ تا ۲۱ نازل ہوئیں۔ اس وحی سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہؓ خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس الزام سے بری قرار دے دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی والدہ نے سنا تو کہا عائشہؓ! رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ حضرت عائشہؓ نے کہا! میں تو اس خدا کا شکریہ ادا کروں گی جس نے مجھے بری قرار دیا۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم) اور آپ فوراً نوافل شکرانہ ادا کرنے کھڑی ہو گئیں۔ اس طرح ام المومنین حضرت عائشہؓ کو یہ فخر بھی حاصل ہوا کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر خیر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔

بیشک یہ بڑے غم کی بات تھی لیکن اس میں خیر کا پہلو یہ تھا کہ جھوٹی تہمتیں لگانے والوں کی سزاؤں کے احکام نازل ہو گئے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بریت نازل فرما کر حضرت عائشہؓ کا اعزاز اور بڑھا دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری براءت ظاہر فرما دے گا مگر میں اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ میرے معاملہ میں قرآنِ کریم کی آیات نازل ہوں گی جو ہمیشہ پڑھی جائیں گی کیونکہ میں اپنا مقام اس سے بہت کم محسوس کرتی تھی۔ ہاں یہ خیال تھا کہ غالباً آپ ﷺ کو خواب میں میری برأت ظاہر کر دی جائے گی۔

منافقین کے لئے **مِنْكُمْ** اس لئے کہا کہ وہ بظاہر مسلمانوں میں ہی شامل تھے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس کے جرم کے مطابق سزا ملے گی لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو عذاب عظیم ملے گا۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان منافقین پر حد لگائی گئی یا نہیں۔ زیادہ خیال یہی ہے کہ حد کی آیات بعد میں نازل ہوئیں اور ان پر حد نہیں لگائی گئی۔ اس پر آشوب وقت میں عام مسلمانوں کی پاکیزہ نفسی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری سے ان کی بیوی نے ان افواہوں کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے کہ تم عائشہؓ کی جگہ ہوتی تو یہ فعل کرتی۔ وہ بولی خدا کی قسم میں یہ حرکت ہرگز نہ کرتی۔ حضرت ابو ایوب نے کہا ''تو عائشہؓ تو تم سے بدر جہا بہتر ہے اور میں کہتا ہوں اگر صفوان کی جگہ میں ہوتا تو اس طرح کا خیال تک نہ کر سکتا تھا۔ صفوانؓ تو مجھ سے بہت بہتر مسلمان ہے۔'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ازواجِ مطہرات میں سے میرا مقابلہ سب سے زیادہ حضرت زینب بنت جحش سے ہی رہتا تھا۔ مگر واقعہ افک کے سلسلہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ عائشہؓ کے متعلق تم کیا جانتی ہو تو انہوں نے کہا! یارسول اللہؐ میں اس کے اندر بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتی۔ حالانکہ تہمت لگانے والوں میں حضرت زینبؓ کی سگی بہن حمنہ بنت جحش

سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ

سنا تھا تم نے اُسے گمان کیا مومن مردوں اور مومن عورتوں نے متعلق اپنے لوگوں کے (گمان)

خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۲ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ

اچھا اور کیوں نہ کہا انہوں نے یہ بہتان ہے کھلا کھلا کیوں نہیں وہ لائے اس پر

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ

چار گواہ پس جبکہ نہیں لائے وہ گواہ تو یہی لوگ

عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۳ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

نزدیک اللہ کے ہیں جھوٹے اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور

پیش پیش تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی عظمت کا یہ حال تھا کہ مسطح کے خاندان کے نان نفقہ کا ذمہ انہوں نے اٹھایا ہُوا تھا جو اس واقعہ کے بعد بھی جاری رہا۔ حضرت عائشہؓ کی عالی حوصلگی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ حضرت ثابت بن حسانؓ کے ساتھ عزت اور تواضع سے پیش آتیں۔ لوگوں نے یاد دلایا کہ یہ تو وہ شخص ہے جس نے آپ کو بدنام کیا تھا تو فرمایا کہ یہ تو وہ شخص ہے جو دشمنِ اسلام شعراء کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منہ توڑ جواب دیا کرتا تھا۔

۱۳۔۱۴۔ ایک پُر امن اور پاک معاشرہ کو وجود میں لانے کے لئے اس سورۃ میں سب سے پہلے زنا کی جڑ کاٹی گئی جو تمام برائیوں کی ماں ہے اور اس کے متعلق احکام جاری فرمائے پاک نفس لوگوں کو شریروں کے شر سے بچانے کے لئے تہمت لگانے والے فاسقین کے لئے حد مقرر فرمائی۔ البتہ میاں بیوی کے معاملہ میں لعان کا طریق بیان کیا۔ اب مومنین کو آپس میں حسنِ ظن کی تلقین فرمائی کیونکہ بدظنی بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دیتی ہے جس سے دلوں میں شکر رنجیاں اور کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ پس افواہوں پر کان دھرنے سے منع فرمایا اور صاف بتا دیا کہ جو چار گواہ پیش نہ کر سکیں وہ قانونِ الٰہی کے مطابق جھوٹے سمجھے جائیں گے اور سزا کے حقدار ہوں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مومنوں کو کافی حد تک ایک دوسرے کے حالات اور عادات و اطوار کا علم ہوتا ہے وہ ایک مومن یا مومنہ کے بارے میں ایسی قابلِ نفریں حرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسی عالی مرتبت خاتون جو علم و فضل میں بعض جلیل القدر صحابہ سے بھی افضل تھیں۔ جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے فرشتہ سیرت عظیم باپؓ کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی اور خدائی اشارے سے آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ سوائے دو صحابیوں اور ایک صحابیہ کے تمام مومن اسے منافقین کی ایسی شرارت سمجھتے تھے جس کی

رَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِيْهِ

رحمت اس کی دُنیا اور آخرت میں ضرور پہنچتا تم کو اس میں کہ پڑے تم جس میں

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۴ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ

عذاب بڑا جب تم لیتے تھے اُسے زبانوں پر اور کہتے تھے تم

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ

مونہوں سے اپنے وہ کہ نہ تھا تمہیں جس کا کوئی علم اور تم گمان کرتے تھے اُسے معمولی بات

وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝۱۵ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا

حالانکہ وہ نزدیک اللہ کے بڑی بات ہے اور کیوں نہ جب سُنا تم نے اسے کہا تم نے نہیں ہے

يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ

ہمارے لیے کہ بولیں ہم یہ بات پاک ہے تو یہ بہتان ہے

عَظِيْمٌ ۝۱۶ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ

بڑا نصیحت کرتا ہے تم کو اللہ کہ پھر نہ کرو مانند اُس کے کبھی بھی اگر ہو تم

وجہ سے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور صحابہ کرامؓ اور خاص طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو شدید تکلیف پہنچائی گئی۔ پس ان تینوں کو ناصحانہ ملامت فرمائی کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ معاذ اللہ یہ تو کھلا کھلا بہتان ہے جیسا کہ دوسرے صحابہ نے علی الاعلان کہا یا جیسے آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ کے مجمع میں صاف اعلان فرمایا کہ میں اپنی اہلیہ کے بارہ میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا، نہ اس شخص میں کوئی بُرائی دیکھی ہے جس کے متعلق الزام لگایا جا رہا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) باقی رہے والدین تو ایسے مواقع پر والدین کی شہادت کو کوئی بھی قبول نہیں کرتا کیوں کہ وہ اپنی اولاد کے لئے ہمیشہ ہی حسن ظن رکھتے ہیں۔

۱۵-۱۶۔ **تلقونهٗ**۔(**تلقّی**) تم لیتے ہو۔ **افضتم**۔(**افاض**) تم چلے۔ تم نے چرچا کیا۔ **افضتم فیهِ** جس میں تم پڑ گئے۔ **هیّنًا**۔ آسان۔ معمولی۔

مومن مجاہدین اور پاکباز مومنات پر ایسے گندے الزامات عائد کرنا اور محض سنی سنائی باتوں کو آگے سے آگے پہنچانا اور ان کا چرچا کرنا جن کا تمہیں کوئی علم نہیں تھا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ تو اتنا بڑا جرم ہے کہ اگر اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو پہلی امتوں کی طرح تم دنیا و آخرت میں بڑے عذاب کا مورد بنتے۔ پس اس امت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و رحمت تھی کہ تمہیں معاف فرمایا اور دنیا و آخرت کی تباہیوں سے بچا لیا۔

۱۷۔ آیت ۱۳ کے مفہوم کو اس کی اہمیت کے پیش نظر دوسرے انداز سے دہرایا کہ مومنین کو

مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۸ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۹

مومن اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے آیات اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ

یقیناً وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو

اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ

ایمان لائے ان کیلئے عذاب ہے دردناک دُنیا میں اور آخرت میں اور اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۰ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی

تو ایسی بات بلا کسی دلیلِ شرعی کے زبان پر لانے کی بھی اجازت نہیں۔ تم تو بفضلِ تعالیٰ اس مقام پر تھے کہ سنتے ہی اسے ردّ کر دیتے اور کہتے کہ پاک تو اللہ کی ذات ہی ہے بندوں سے کوتاہیاں ممکن ہیں لیکن یہ تو ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ بعض صحابہ کرام سے ایسا کہنا ثابت ہے۔

۱۸-۱۹۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے اور تمہارا ایمان لانا تمہیں ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ تم ایسی اخلاق سے گری ہوئی باتوں کا اعادہ پھر کبھی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ احکام اپنے خاص علم و حکمت کی بنا پر تمہارے فائدہ کے لئے خوب کھول کر بیان فرمائے ہیں۔

۲۰۔ **تشیع**۔ **شاع الخبر**۔ خبر پھیل گئی اور قوت پکڑ گئی۔ اسی سے اشاعت ہے تشیع کے لفظی معنی ''وہ پھیلتے ہیں'' کے ہیں۔ تشیع الفاحشہ کے معنی ہوں گے کہ بدی اور بے حیائی پھیلے۔

معصوم مومنین پر تہمتیں لگانے اور انہیں بدنام کرنے والوں کے لئے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اس لئے کہ یہ لوگ معاشرہ میں بداخلاقی اور بے حیائی عام کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ یہ سزا اس صورت میں بھی انہیں مل جاتی ہے کہ جو دوسروں پر بے جا تہمتیں لگاتے ہیں آخر خود یا ان کی اولادیں ان فواحش میں گرفتار ہو جاتی ہیں۔ فواحش میں وہ افعالِ قبیح بھی شامل ہیں جو خاص طور پر مغربی سوسائٹی میں جنسِ مخالف کے علاوہ ہم جنسوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ وہ بے حیائی ہے جو آئندہ زمانہ میں کھل کر سامنے آنے والی تھی۔ انسانی نفسیات میں داخل ہے کہ جو بدی معاشرے میں عام ہو جائے وہ لوگوں کو معمولی نظر آنے لگتی ہے اور قابلِ نفرت نہیں رہتی بلکہ آہستہ آہستہ قابلِ عزت سمجھی جانے لگتی ہے مثلاً مغربی معاشرہ میں اگر کسی کی بیٹی لڑکے سے دوستی نہ کرے تو والدین فکر مند ہو جاتے ہیں اور اسے کسی ماہرِ نفسیات کے پاس لے جاتے ہیں۔ قومی و سماجی اخلاق کی حفاظت کا تقاضا تھا کہ فحش باتوں کی اشاعت پر قدغن لگائی گئی ورنہ آج مسلم معاشرہ مغربی معاشرہ سے مختلف نہ

وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا

اور یقیناً اللہ بہت مہربان بہت رحم کرنیوالا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ پیروی کرو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ

قدموں کی شیطان کے اور جو پیروی کریگا قدموں کی شیطان کے تو یقیناً وہ

يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور ناپسندیدہ بات کا اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور

ہوتا جہاں یہ باتیں قطعاً معیوب نہیں سمجھی جاتیں۔ یہانتک کہ بغیر نکاح لڑکے لڑکی کا بطور میاں بیوی زندگی گزارنا اور ناجائز بچے پیدا کرنا روزمرہ کا معمول سمجھا جاتا ہے جس پر کوئی قانونی یا سماجی گرفت نہیں۔ بلکہ ہم جنس پرستوں کو تو قانونی تحفظ بھی حاصل ہے۔ ان جنسی بے رہرویوں کے نتیجہ میں آتشک و سوزاک کے علاوہ جس طرح ایڈز ان میں پھیل رہی ہے وہ کسی الٰہی عذاب سے کم نہیں۔ ڈنمارک کے دارالحکومت کوپن ہیگن میں ہونے والی ایک میڈیکل کانفرس میں پیش کی گئی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال 163 ملین افراد مختلف جنسی امراض کلیمیڈیا، آتشک اور سوزاک کا شکار ہو رہے ہیں۔ ان امراض سے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کو لاحق ہے کیونکہ ان میں تولیدی عمل کے دوران بیماریاں دائمی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ فکر کی بات یہ ہے کہ تمام جدید اینٹی بائیوٹک ادویات سوزاک کے مرض پر قابو پانے میں ناکام ہو چکی ہیں۔ (جنگ فورم ڈیسک اے۔ ایف۔ پی)

جہاں تک ایڈز کا تعلق ہے اس وقت دنیا میں تین کروڑ سے زائد افراد ایڈز کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایڈز وائرس کے موجد ڈاکٹر رابرٹ گالو نے اعتراف کیا کہ H.I.V پر قابو پانے کے لئے کوئی ویکسین تیار کرنا ناممکنات میں سے ہے کوئی طبی ماہر یا سائنسدان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ایڈز پر ریسرچ اور اخراجات کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور یہ سب بیسود ثابت ہُوا کیونکہ وہ ایڈز سے بچاؤ کی ویکسین کبھی تیار نہیں کر سکیں گے۔ یہ تو دنیا کے عذاب ہیں آخرت کے دردناک عذاب کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

یہاں قرآنِ کریم نے ایک آفاقی سچائی بیان فرمائی اور قومی اصلاح کا وہ طریق بتایا جس نے تمہیں ایک بڑے عذاب سے بچالیا۔ فرمایا جس بدی سے قوم کو بچانا چاہو اس کی تشہیر نہ ہونے دو۔ گویا جس نیکی کو قائم کرنا چاہو اس کا عام چرچا کرو اور اس کی اہمیت و عظمت کو عوام میں پھیلاؤ۔

۲۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور رحمت ہی ہے کہ تمہیں معاف فرما دیا اور تم میں فواحش کو پھیلنے سے روکا۔ اللہ تعالیٰ جو بے حد شفیق و مہربان ہے اس نے تمہاری توبہ قبول کر کے اس

رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ

رحمت اس کی نہ پاک ہوتا تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی بھی و لیکن اللہ پاک کرتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

جسے چاہتا ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے اور نہ قسم کھا دیں بزرگی والے

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَ

تم میں سے اور وسعت والے کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں اور مسکینوں اور

دنیا اور آخرت کے عذاب کو تم سے ٹال دیا۔

۲۲۔ **المنکر**۔ ہر وہ فعل یا بات جس میں اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی نہ ہو منکر کہلاتی ہے۔ بُری بات۔ بُرا کام۔

ایمان لانے کے بعد بھی ہر قدم پر لغزش کا امکان ہے جیسا کہ واقعہ افک میں بعض صحابہ سے کوتاہی ہوئی کیونکہ شیطان ہمیشہ انسان کی گھات میں ہے اور اسے فحشاء و منکر کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ لیکن شیطان ہو یا شیطان صفت انسان اُسے بدی کی طرف بلانے اور اسے پھیلانے کی حد تک ہی اختیار ہے ان کے لئے آیت: ۲۰ میں عذاب الیم کی وعید ہے۔ واقعہ افک کے شروع اور آخر میں **ولولا فضل اللّٰه علیکم** کہا اور جواب قاری کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔ یہاں بتایا کہ یہ اللہ کا فضل و رحم ہی تھا کہ تمہیں توبہ کی توفیق دی اور برائیوں سے بچا لیا ورنہ جس معاشرے میں تم رہ رہے تھے کبھی بھی پاکیزگی اختیار نہ کرتے۔ اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اس لئے کہ وہ علیم ہے تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور ان کے مطابق سلوک کرتا ہے۔ بیشک کامل پاکیزگی کے لئے بندے کی کوشش اور مجاہدے کا بہت دخل ہے لیکن جب تک اللہ کا خاص فضل اور رحمت بندے کی دستگیری نہ کرے پاکیزگی کا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ممکن نہیں۔

وہ سمیع ہے اور اپنے بندوں کی پکار سنتا ہے۔ یہ حضرت ابراھیم خلیل اللہ کی دعائیں تھیں جو اس بے آب و گیاہ صحرا سے بلند ہوئیں اور آپ کی دعاؤں کی قبولیت کے زندہ نشان آپ کے روحانی فرزند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درد میں ڈوبے ہوئے نالے تھے جو غارِ حرا سے نکل کر عرشِ بریں تک پہنچے اور سمیع و علیم ربّ نے انہیں قبول فرمایا اور اس قوم کو قعرِ مزلت سے نکال کر دین و دنیا میں سرفراز کیا۔ وہ مزکّی جس کی قوتِ قدسیہ نے گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے انسانوں کو پاک و صاف کیا اس کے اپنے اہل خانہ پاکیزگی کے کس مقام پر ہوں گے۔ کاش تہمت

الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا
ہجرت کرنے والوں کو راہ میں اللہ کی اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگذر کریں کیا نہیں
تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّ
تم پسند کرتے کہ بخشے اللہ تم کو اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے یقیناً
الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا
وہ لوگ جو بہتان لگاتے ہیں پاکدامن بے خبر مومن عورتوں پر وہ لعنت کئے گئے

لگانے والے غور کرتے!

۲۳۔ **یاتل۔ ائتلٰی** کے معنی **حلف**۔ قسم کھائی۔ **لا یاتل**۔ چاہئے کہ قسم نہ کھائیں۔

اس آیت کو اس خاص واقعہ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ جب مسطح بن اثاثہ تشہیرِ افک میں ملوث ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قسم کھائی کہ میں اب کبھی بھی مسطح پر خرچ نہیں کروں گا۔ اس واقعہ کے بعد طبیعتوں میں کدورت پیدا ہونا قدرتی امر تھا جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسطح کی امداد سے ہاتھ روک لیا حالانکہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کے خاندان کی کفالت کا ذمہ لیا ہوا تھا۔ مسطح حضرت ابو بکرؓ کے رشتہ دار تھے بدری صحابی اور مہاجر تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی وسعتِ قلبی اور عالی حوصلگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مسطح کی امداد پہلے سے بھی زیادہ کر دی۔ اس آیت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شان میں فرمایا کہ آپ دینی لحاظ سے صاحبِ علم و فضیلت تھے اور دنیوی طور پر بھی صاحبِ وسعت تھے۔ قرآنِ کریم کی کسی آیت کو کسی خاص واقعہ سے منسوب کرنا اس کی لامحدود افادیت کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں ہمہ گیر بننے کے لئے نہایت بلند پایہ اخلاقی تعلیم بیان فرمائی کہ کسی عزیز و اقارب یا مہاجر و مسکین اور ضرورت مند کو اس کی غلطی یا کوتاہی یا اپنی ذاتی رنجش یا ناراضگی کی بنا پر کسی مالی یا دوسری قسم کی امداد سے محروم نہ کرو۔ بلکہ اسے معاف کر دو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطیوں کو معاف فرمائے۔ جب اللہ اپنے گنہگار بندوں کا رزق بند نہیں کرتا تو صاحبِ علم و فضل اور دنیوی وسعت و کشائش رکھنے والے اولوالعزم لوگوں کو مناسب نہیں کہ کمزوروں کی مالی اعانت بند کریں۔ ہاں عام مومنین جو ایسے بلند مرتبہ پر نہیں انہیں کسی مفلس کی امداد ترک کرنے پر کوئی سرزنش نہیں۔ اسلام نے موقع اور محل کے مطابق سزا اور عفو کی تعلیم دی ہے کہ اگر معافی سے جرائم میں اضافہ کا خطرہ ہو تو سزا دینی ضروری ہے جیسا کہ زنا کے احکام میں نرمی کی گنجائش نہیں رکھی۔ ہاں! اگر معافی اور درگزر سے اصلاح کا امکان

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۴﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ
دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لیے عذاب ہے بڑا جس دن گواہی دیں گے
عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾
خلاف ان کے زبانیں ان کی اور ہاتھ انکے اور پاؤں ان کے اس کی جو تھے وہ عمل کرتے
يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ
اس دن پوری پوری دیگا انہیں اللہ جزاء ان کی سچی اور جان لیں گے کہ اللہ
هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۶﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ
ہی حق ہے کھلا کھلا گندگیاں واسطے گندوں کے اور گندے
لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ
واسطے گندگیوں کے اور پاکیزہ باتیں واسطے پاکوں کے ہیں اور پاکیزہ لوگ واسطے پاکیزہ باتوں کے ہیں

ہو تو معاف کرنا ہی بہتر ہے۔

۲۴۔ آیت: ۵ و ۶ میں حد قذف کے بیان میں توبہ کرنے والوں کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے لیکن یہاں ان تہمت لگانے والوں کا ذکر ہے جو آیاتِ براءت نازل ہونے کے بعد بھی اپنی بات پر قائم رہے اور تائب نہیں ہوئے۔ یہ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر بہتان باندھتے ہیں۔ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہر قسم کی بھلائی سے دوری ہے۔ ایسے لوگوں کو اپنے گناہوں کی سزا دنیا میں بھی ضرور ملتی ہے یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بروایت حضرت حذیفہؓ فرمایا: ایک پاکدامن عورت پر تہمت لگانا سو برس کے اعمال کو غارت کر دینے کے لئے کافی ہے۔ (طبرانی) تاہم ایسے لوگوں کی امداد سے ہاتھ کھینچنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔

۲۵۔ یہاں بتایا کہ خدائے لم یزل کے سامنے جھوٹی گواہی دینے والوں کے اپنے اعضاء و جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ آج سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ روزِ ازل سے لے کر قیامت تک کی ہر آواز اور ہر حرکت فضا میں محفوظ ہے۔ گویا یہاں ہر انسان کا ایسا ریکارڈ تیار ہو رہا ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔

۲۶۔ دین۔ جزا۔ بدلہ۔

جب ان کے اپنے ہی اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے تو انہیں ان کے جرم کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ تب وہ اس بات کو اچھی طرح جان لیں گے کہ اللہ ہی ہے جو ظاہر حق ہے۔ یعنی ایسا صدقِ کامل ہے جو اپنے آپ کو آپ ظاہر کر دیتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

یہ لوگ بری ہیں اس سے جو لوگ کہتے ہیں ان کے لیے مغفرت ہے اور رزق

كَرِيْمٌ ۝۲۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ ع ۳ ۶ ۹

باعزت اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ داخل ہو گھروں میں سوائے

۲۷۔ خبیثات اور طیبات سے مراد بُرے یا اچھے اقوال و اعمال ہیں (امام راغب)

گزشتہ مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے معنی یہ ہوں گے کہ ناپاک باتیں ناپاک منافقین کو ہی زیب دیتی ہیں جو انہوں نے بنائیں اور پاک بندوں کی طرف منسوب کیں۔ ورنہ پاک بندوں کو سوائے پاک کلمات کے کوئی بات نہیں سوجھتی۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیریوں کی کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں سے بیاہی جائیں یا تعلق رکھیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں سے۔ حالانکہ ایسا عملی طور پر ممکن نہیں خباثتیں اکثر چھپی ہوتی ہیں اور اس سورۃ میں ان کو اجاگر کرنے سے خاص طور پر منع فرمایا۔ پس یہاں ایک اصول بیان فرمایا کہ پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہی مناسب ہیں اور ایک پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔ اسی طرح خبیث مرد اور عورتیں آپس میں طبعی میلان رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ اس نکتہ کے تحت نیک لوگوں کو رشتہ کے معاملہ میں تقویٰ کو مقدم رکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کسی عورت سے نکاح کرنے کی چار ہی بنیادیں ہوسکتی ہیں۔ مال، خاندان، حسن و جمال اور دینداری۔ فرمایا تو دیندار عورت کو ترجیح دے۔ اللہ تیرا بھلا کرے اور تجھے دیندار عورت نصیب ہو۔ (بخاری کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین) پس پاک لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پاک بیبیوں کا بندوبست فرماتا ہے اور ان کے دیگر امور میں بھی پاک ذرائع کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی ابتلا کے طور پر یا شومئی قسمت سے نیکوں کا واسطہ بدوں سے پڑ جائے تو وہ زیادہ دیر نہیں چلتا اور آخر راستے الگ ہو جاتے ہیں نیز بد بیبیوں سے جو اصلاح کی طرف ہرگز مائل نہ ہوں کنارہ کشی کا حکم ہے۔ جہاں تک نبیوں کی بیویوں کا تعلق ہے وہ کافر تو ہوسکتی ہیں، بدکردار نہیں۔ یہ ایک نبی کی شان کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ کسی نبی کی بیوی نے زنا نہیں کیا۔ (ذکر فی الدر المنثور)

اولٰٓئکَ میں ان پاکبازوں کی طرف اشارہ ہے جن پر اتہامات لگائے گئے۔ **مبرءُ ون مما یقولون ط** مضارع کے صیغے ہیں اس لئے یہ کسی آئندہ زمانے پر بھی چسپاں ہوسکتے ہیں جب کوئی مسلمان کہلانے والا گروہ یا کفار کا گروہ ایسا ہوگا جو پاکباز لوگوں پر تہمت لگائے گا۔ لیکن یاد

بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ

اپنے گھروں کے یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو رہنے والوں پر ان کے یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ

بہتر ہے تمہارے لیے تاکہ تم نصیحت پکڑو پس اگر نہ پاؤ اس میں

رکھیں کہ وہ پاک لوگ ان کی بیہودہ بکواس سے بری ہوں گے اور ان کے لئے بھی حفاظتِ الٰہی اور رزق کریم کا وعدہ ہوگا۔

۲۸۔ **تستانسوا**۔ **(انس)** انس وہ ہیں جو دیکھے جاتے ہیں برخلاف جن کے جو دیکھے نہیں جاتے۔ **تستانسوا** کے معنی **تستاذنوا** کے ہیں یعنی اذن لے لو۔ تم اجازت لے لو۔ لسان العرب میں اس کے معنی ہیں کہ جان لو کہ گھر والے تمہارا اندر آنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ **تسلّموا**۔ سلامتی بھیجو۔ یعنی منہ سے السلام علیکم کہو اور دل میں خیر خواہی اور سلامتی کا جذبہ ہو گویا مومنین کو کسی کے گھر بھی بُری نیت سے داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

اس رکوع میں آدابِ معاشرت کے تعلق میں وہ سنہری اصول بیان فرمائے جن پر عمل کر کے امتِ مسلمہ ہر قسم کے فسق و فجور اور خاص طور پر زنا سے بچ سکتی ہے۔ شروع سورۃ میں ہی فواحش و بے حیائی کی روک تھام کے لئے حدود کا تعین فرمایا۔ یہاں اس جڑ کو ہی کاٹا گیا جس [illegible] معاشرہ میں فحاشی اور بے حیائی پھیلنے کا امکان ہے۔ اس میں سب سے پہلے مرد اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ ہے۔ اس کی روک تھام کے لئے دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت اور بغیر السلام علیکم کہے داخل ہونے سے منع فرمایا۔ السلام علیکم کہنا گویا ضمانت ہے کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں اور میری ذات سے آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ افسوس اجازت لینے کے حکم کو بھی اہلِ مغرب نے اپنایا۔ آج مسلمان اس حکم کی کوئی پرواہ نہیں کرتے جس کے نتیجہ میں غلط فہمیاں اور بدظنیاں جنم لیتی ہیں نیز برائیوں اور بدیوں کے پنپنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس تعلق میں آنحضرت ﷺ کا طریق یہ تھا کہ آپ ﷺ دروازہ کے ایک جانب کھڑے ہوتے تا کسی نا محرم پر نظر نہ پڑے اور ٹھہر ٹھہر کر تین دفعہ السلام علیکم کہتے تا کہ اگر صاحبِ خانہ نماز میں یا غسل خانہ وغیرہ میں یا کسی اور اہم کام میں مشغول ہوں تو فارغ ہو کر آسکیں۔ اجازت ملنے پر آپ ﷺ اندر تشریف لے آتے۔ آجکل امراء کے گھر بڑے ہیں اور السلام علیکم کی آواز اندر نہیں پہنچتی نیز زندگی بھی زیادہ مصروف ہے اس لئے فون وغیرہ سے پہلے اجازت لے لینا پھر گھنٹی بجا کر یا تعارفی کارڈ کے ذریعہ آنے کی اطلاع دینا اور

أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ

کسی کو تو نہ داخل ہو اس میں یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں کہ

ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

لوٹ جاؤ پس لوٹ جاؤ یہ پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو

عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ

خوب جاننے والا ہے نہیں ہے تم پر کوئی گناہ کہ داخل ہو تم گھروں بے

ملاقات کے وقت السلام علیکم کہنا **تستانسوا** اور **تسلّموا** میں داخل ہے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ ماں بہنوں کے گھروں میں بھی جاؤ تو اجازت لے کر جاؤ۔ گویا ہر شخص کو علیحدگی اور تخلیہ کا حق ہے جس میں مخل ہونا اپنوں کو بھی مناسب نہیں۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک رات گشت کے دوران ایک گھر سے گانے کی آواز سنی۔ آپ بلند قامت تھے اس لئے آپ کو صحن میں صاحبِ خانہ کے ساتھ ایک عورت بیٹھی نظر آئی جو گا رہی تھی اور مرد کو پیالے میں صراحی سے کچھ انڈیل کر پیش کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے باہر سے کہا کہ اے فلاں! تو گانا سن رہا ہے اور شراب پی رہا ہے۔ اس شخص نے کہا! عمرؓ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے لیکن آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ میرے گھر میں جھانکیں اور بدظنی کے مرتکب ہوں۔ حقیقت میں وہ گانے والی اس کی بیوی تھی اور صراحی میں بھی کوئی عمدہ مشروب تھا۔ پس اسلام نے کسی کے تخلیہ میں مداخلت کی اجازت نہیں دی۔ یہ پُر حکمت احکام تمہارے لئے بہتر ہیں اور اسی لئے بیان کئے گئے کہ تم انہیں یاد رکھو اور ان پر عمل کرو۔

۲۹۔ اگر اہلِ خانہ گھر میں موجود نہ ہوں تو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ اگر ممکن ہو تو انتظار کرو اور جب آ جائیں تو اجازت سے داخل ہوں۔ اگر صاحبِ خانہ کسی مجبوری یا مصروفیت کی وجہ سے تم سے نہ ملنا چاہیں اور معذرت پیش کریں تو واپس چلے جانا تمہارے لئے پاکیزگی کا سبب ہو گا کہ تم نے محض اپنے ربّ کی رضا کے لئے ایک حکم پر عمل کیا اور اسے اپنی عزتِ نفس کا مسئلہ نہیں بنایا تاہم ایسا ایک مومن کی کسی انتہائی مجبوری کی وجہ سے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص آپ سے ملاقات کے لئے آئے اس کا بھی آپ پر حق ہے۔ اس حق میں ملاقاتی کا اکرام اور بلا اشد مجبوری کے ملاقات سے انکار نہ کرنا ہے۔ نیز اس حکم پر عمل کر کے صاحبِ خانہ ایک جھوٹ سے بھی بچ جائے گا۔ جیسے آجکل عام طور پر اگر ملنا نہ چاہیں تو کہلا بھیجتے ہیں کہ صاحب گھر پر نہیں۔ اس طرح اپنے بچوں اور خدام وغیرہ کو بھی اس جھوٹ میں شامل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں

مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ

آباد ہیں جن میں سامان ہے تمہارا اور اللہ جانتا ہے جو ظاہر کرتے ہو تم

وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ

اور جو چھپاتے ہو تم تو کہہ دے مومن مردوں کو کہ نیچی رکھیں اپنی آنکھیں

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا

اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی یہ ہے بہت پاکیزہ ان کے لیے یقیناً اللہ بہت خبر رکھنے والا ہے اُس کی

يَصْنَعُونَ ﴿۳۱﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَ

جو وہ کرتے ہیں اور تو کہہ دے مومن عورتوں کو کہ نیچی رکھیں اپنی آنکھیں اور

کہ مجھے ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ میں کسی کے ہاں جاؤں اور وہ کہے کہ واپس چلے جاؤ تا کہ **ھو ازکٰی لکم** کے تحت ثواب حاصل کر سکوں مگر مجھے کبھی ایسا موقع نہیں ملا۔ (فتح البیان جلد ۶)

۳۰۔ ہاں اگر کسی گھر میں کوئی آباد نہیں جیسے سرائے وغیرہ اور تمہارا اپنا اسباب اس میں پڑا ہو تو تم بلا اجازت اپنا سامان لے جا سکتے ہو۔

۳۱۔ **یغضّوا۔ غضّ** ۔ نظر اور آواز میں کمی۔ **وغضض من صوتک** (لقمٰن:۲۰) **غضّ بصرہٗ** ۔ نظر کو روکا اور نیچا کیا۔ **فروج**۔ فرج کی جمع ہے۔ سوراخ۔ اس میں شرمگاہوں کے علاوہ ناک، کان، آنکھ اور منہ بھی شامل ہیں۔

قرآنی تعلیم انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور پیدا کرنے والا اپنے بندوں کی نفسیات کو خوب سمجھتا ہے۔ اس رکوع میں ہر اس فعل سے مومن کو روکا جس کے نتیجہ میں بد اخلاقی یا بے رہروی کے مرتکب ہونے کا احتمال ہو یا معاشرے میں فحاشی پھیلنے کا امکان ہو۔ اسی ضمن میں پہلے مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کو روکا اور کسی کے گھر میں داخل ہونے کا اسلامی طریق بتایا۔ اب کسی غیر عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کی صورت میں نگاہیں نیچی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں میں سے ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضہ کے اپنی نظر (کسی حسین سے) پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ (طبرانی) الحاج جناب مولوی حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید فرماتے ہیں ''اگر کسی حسین عورت پر پہلی نظر پڑ جائے تو تم دوبارہ اس پر ہرگز نظر نہ ڈالو۔ اس سے تمہارے قلب میں ایک نور پیدا ہوگا۔'' (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۷ جولائی ۱۹۱۰ء)

يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی اور نہ ظاہر کریں زینت اپنی مگر جو ظاہر ہو اس سے

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اور چاہیئے کہ ڈالیں اوڑھنیاں اپنی اپنے گریبانوں پر اور نہ ظاہر کریں زینت اپنی

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ

مگر اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے باپ دادا کیلئے یا باپوں اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ

یا بیٹوں اپنے خاوندوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کیلئے یا اپنے بھانجوں کے لیے یا

بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ

اپنے بھتیجوں کے لیے یا اپنی عورتوں کے لیے یا ان کیلئے کہ مالک ہونے (جن کے) دائیں ہاتھ ان کے یا

التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ

ساتھ رہنے والوں کیلئے جو نہیں حاجت والے مردوں میں سے یا بچوں میں سے

الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۔ وَلَا يَضْرِبْنَ

وہ جو کہ نہیں آگاہ ہوئے پوشیدہ باتوں پر عورتوں کی اور نہ ماریں

بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۔ وَتُوْبُوْٓا اِلَى

اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ جانی جاوے جو وہ چھپاتی ہیں اپنی زینت سے اور توبہ کرو طرف

راہ چلتے یا کاروبار کے دوران کسی عورت کو دیکھنا بظاہر ایک عام سی بات ہے لیکن ٹھوکر کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے جس کی انتہا بعض اوقات زنا کی خباثت تک جا پہنچتی ہے۔ قرآنِ کریم نے ہر قسم کے فتنے کا سر ابتدا میں ہی کچلنے کا حکم دیا۔ یہاں محض سترگاہوں کی حفاظت کا حکم نہیں بلکہ ناک، کان، آنکھ اور منہ پر بھی پابندی لگائی یعنی کسی کے حسن کے قصے، اخلاق سوز فلمیں، فحش گانے بھی ٹھوکر کا باعث ہیں۔ پردے میں، فون یا کمپیوٹر وغیرہ پر کسی نامحرم سے ناز نخرے سے گپ شپ لگانا بھی منع ہے۔ ازواجِ مطہرات جو اخلاق کے نہایت اعلیٰ مقام پر تھیں انہیں بھی پردے کے پیچھے سے پُر وقار انداز سے بات کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ دیگر خواتین کے لئے بطور ایک نمونہ کے تھیں۔ پس ان احکام پر عمل کرنا تمام روحانی اور جسمانی پاکیزگیوں کا موجب ہوگا۔

۳۲۔ **خمر**۔ **خمار** کی جمع ہے۔ **خمار** وہ ہے جس کے ساتھ عورت اپنے سر کو ڈھانپتی ہے۔ اوڑھنی۔ **خمر** شراب کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہوش و حواس کو ڈھانپ دیتی ہے۔ **جیوب**۔ جیب کی جمع ہے۔ قمیض کا گریبان۔ مراد سینہ۔ **تابعین**۔ ماتحت۔ خدمت گار۔ **اربۃ**۔ سخت حاجت۔

اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَاَنْكِحُوا

اللہ کی سب کے سب اے مومنوں تاکہ تم کامیاب ہو اور نکاح کر دو

اولی الاربة۔ سے مراد نکاح کی حاجت والے۔ **غیر اولی الاربة**۔ وہ بوڑھے ملازمین اور بچے وغیرہ جنہیں نکاح کی حاجت نہیں۔ **عورٰت**۔ (عورة) شرمگاہ۔ چھپانے کی جگہیں۔ اس کا اصل عار ہے گویا اس کے ظاہر کرنے میں انسان عار محسوس کرتا ہے اور اسے شرم آتی ہے۔

تمام قرآنی احکام میں مرد اور عورت دونوں مخاطب ہوتے ہیں سوائے ان خاص احکام کے جو صرف ایک ہی صنف کے لئے مخصوص ہوں۔ یہاں غضِ بصر کے حکم میں مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی الگ مخاطب فرمایا اس لئے کہ عورتیں مردوں کو دیکھنا عام طور پر معیوب نہیں سمجھتیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں میں تو اسی لئے برقع کا دشمن ہوں کیونکہ برقع والی آنکھ نیچی نہیں ہوتی۔؟ (یعنی وہ آزادانہ دیکھتی ہے) (ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۷ جولائی ۱۹۱۰ء) مراد یہ تھی کہ بڑی چادر سے گھونگٹ نکال کر پردہ کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ ”شرعی پردہ یہ ہے کہ چادر کو حلقہ کے طور پر کر کے اپنے سر کے بالوں کو کچھ حصہ پیشانی اور زنخدان (ٹھوڑی) کے ساتھ بالکل ڈھانک لیں اور ہر ایک زینت کا مقام ڈھانک لیں۔ مثلاً منہ پر ارد گرد اس طرح پر چادر ہو (اس جگہ انسان کے چہرہ کی شکل دکھا کر جن مقامات پر پردہ نہیں ہے اس کو کھلا رکھ کر باقی پردہ کے نیچے دکھایا گیا ہے) اس قسم کے پردہ کو انگلستان کی عورتیں آسانی سے برداشت کر سکتی ہیں اور اس طرح پر سیر کرنے میں کچھ حرج نہیں آنکھیں کھلی رہتی ہیں“۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد ۴ نمبر ۱ صفحہ ۱۷ ماہ جنوری ۱۹۰۵ء) اس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ آنکھوں کو ڈھانپنا پردے میں شامل نہیں۔ پردے میں بھی اسلام کے کئی دوسرے احکام کی طرح لچک کی گنجائش ہے۔ بعض عورتوں کا جنگوں میں مردوں کے شانہ بشانہ شامل ہونا، کھیتوں وغیرہ میں کام کرنا اور گھر سے باہر کے دیگر امور سرانجام دینا، اس چیز کا ثبوت ہے کہ پردے میں کام کی نوعیت، ماحول اور عمر وغیرہ کی مناسبت سے کافی لچک ہے۔ غرض اسلامی پردہ ایسا ہے کہ بعض مخصوص حالات میں چہرے کا پردہ ضروری نہیں جیسا کہ کھیتوں میں کام کرنے والی بیبیوں کے لئے لیکن ایسی صورت میں ہر قسم کے بناؤ سنگھار سے احتراز ضروری ہے اور غضِ بصر کا حکم تو ہر حال میں ہے۔ ہاں بعض حالات میں احتیاط کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ نقاب سے چہرہ چھپایا جائے۔ عام اسلامی پردہ میں ہاتھ، پیر اور آنکھوں کے سوا باقی جسم کا پردہ ضروری ہے بعض کی رائے میں ناک بھی

پردے سے مستثنیٰ ہے۔**ولایبدین زینتھنّ الا ماظھر** سے مراد قد، ڈیل ڈول اور آواز وغیرہ
ہے یا جسم کا وہ حصہ ہے جو عادتاً اور ضرورتاً کھلا رہتا ہے جیسے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں وغیرہ۔عرب
عورتیں اوڑھنی کو سکارف کی طرح لیتیں، چوٹی پر گرہ لگا کر دونوں سرے پشت پر چھوڑ دیتیں۔آجکل
کی مغربی عورتوں کی طرح گردن اور سینہ کا بعض حصہ اظہارِ حُسن کے لئے کھلا رکھتیں۔قرآن کریم
نے اوڑھنی لینے کا صحیح طریق بتلایا کہ اوڑھنی کھول کر اس کی بُکل ماری جائے جو سینہ اور گردن وغیرہ
کو ڈھانپ دے نہ کہ رسی کی طرح گردن یا کندھے پر ڈالی جائے۔قرآنِ کریم نے ان تمام لوگوں
کی فہرست بتادی جو محارم میں شامل ہیں اور جن سے اُس خاص پردے کی ضرورت نہیں جو باہر نکلتے
وقت یا گھر میں ہی غیر محرم لوگوں سے کیا جاتا ہے۔ان میں قریبی رشتہ داروں کے علاوہ
ونڈیاں، بوڑھے ملازمین اور بچے وغیرہ شامل ہیں۔ چچا اور ماموں وغیرہ اب میں داخل ہیں۔ان
یں **نسـاء ھنّ** بھی شامل ہیں یعنی اپنی عورتیں جن کی شرافت وغیرہ کو تم جانتے ہو۔گویا بعض اجنبی
عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اس لائق نہیں ہوتیں کہ انہیں شریف بیبیوں سے آزادانہ ملنے جلنے کی
جازت دی جائے۔ زینت چھپانے سے مراد یہ بھی ہے کہ بہت باریک کپڑے نہ پہنے جائیں۔
چچازاد، ماموں زاد اور دیور وغیرہ سے بھی محرموں کی طرح بے تکلفی مناسب نہیں۔ قدرے حجاب رکھنا
ہت سی پیچیدگیوں سے بچاتا ہے۔آنحضرت ﷺ کی چچا زاد بہن ام ہانی بنت ابو طالب اور خواہر نسبتی
سالی) اسماء بنت ابو بکر نے آنحضرت ﷺ سے پردہ نہیں کیا لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت
ینب نے حضورؐ کی موجودگی میں اپنے حقیقی پھوپھی زاد سے پردہ کیا۔پس یہ انسان کی اپنی صوابدید
ہے کہ نامحرم قریبی رشتہ داروں سے مناسب لباس میں کس طرح کا پردہ مناسب ہے تاہم کسی بھی
محرم سے خلوت میں ملنے کی اجازت نہیں۔ پس مختلف نامحرم رشتہ داروں کے ساتھ مختلف حالات
خاندانی تعلقات اور عورت کی عمر وغیرہ کے لحاظ سے پردہ کا تعین کرنا چاہیئے۔غرض اسلام نے عورتوں
کا کھلے منہ بن سنور کر باہر نکلنا اور مردوں کو دعوتِ نظارہ دینا موجبِ فتنہ قرار دیا ہے اور اسے سختی سے
وکا ہے۔ ہاں جوان عورتیں بوقتِ ضرورت بڑی چادر یا اوور کوٹ اور سکارف یا نقاب وغیرہ کے
ساتھ نہایت وقار اور سادگی سے باہر نکلیں۔ (سورۃ احزاب:۶۰) تاہم باہر نکلتے ہوئے بناؤ سنگار کی
گز اجازت نہیں۔

دورِ جدید کی بعض فیشن زدہ مغربی تمدن کی پروردہ لڑکیوں کی طرح اس طریق پر پاؤں کو
ین پر مارتے ہوئے لہک لہک کر چلنا کہ جسم میں ارتعاش پیدا ہو اور راہ چلتوں پر ان کی زینت کا

اَلۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ ؕ
بیواؤں کا اپنے میں سے اور نیکوں کا اپنے غلاموں میں سے اور اپنی لونڈیوں میں سے

اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ
اگر وہ ہوں گے غریب غنی کردیگا انہیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ وسعت والا

عَلِیۡمٌ ﴿۳۳﴾ وَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی
خوب جاننے والا ہے اور چاہیئے کہ پاکدامن رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے نکاح یہاں تک کہ

اظہار ہو، سخت بے حیائی ہے۔یہ نظارہ مغرب میں عام نظر آتا ہے۔ ان اسلامی اصولوں پر عمل کر کے اور ان چھوٹی چھوٹی احتیاطوں کو اختیار کر کے ہر مومنہ اور مومن نہایت آسانی سے ہر چھوٹے اور بڑے گناہ سے خود کو بچانے کے اہل ہو سکیں گے اور آخر فلاح کا مقام حاصل کر لیں گے جو دین و دنیا میں اعلیٰ ترین مقام ہے۔

۳۳۔**ایامٰی۔ایمّ** کی جمع ہے ایسی عورت جس کا خاوند نہ ہو یا ایسا مرد جس کی بیوی نہ ہو خواہ ابھی نکاح نہ کیا ہو یا علیحدگی ہو گئی ہو یا ساتھی کی وفات ہو گئی ہو۔مجرد۔خصوصاً رنڈوے اور بیوہ پر بولا جاتا ہے۔

اس سورۃ میں خاص طور پر وہ احکام بیان فرمائے جن سے معاشرے میں فحاشی اور بدکاری کو پھیلنے سے روکا جا سکتا ہے۔اس تعلق میں یہاں مجرد افراد کے نکاح کا حکم دیا۔نکاح سنت ہے اگر کسی مرد یا عورت کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں ابتلائے معصیت کا خطرہ ہو۔ اس پر نکاح فرض ہے عمر کی قید نہیں۔یہاں خاص طور پر بیواؤں کے نکاح کی تلقین فرمائی۔بیواؤں کا نکاح نہ کرنا اور اسے اپنی ناک کا مسئلہ بنا لینا ہندوانہ خیالات ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ہاں اگر کوئی بیوہ بچوں کی پرورش وغیرہ کی وجہ سے نکاح سے گریز کرتی ہے اور اپنی عفت کی حفاظت کر سکتی ہے تو اس کے لئے بھی اجرِ عظیم ہے جیسا کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اور سیاہ رخساروں والی عورت قیامت کے دن اس طرح ہوں گے۔ یزید بن زریعؒ اس حدیث کے ایک راوی نے درمیانی اور شہادت والی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جس طرح یہ انگلیاں قریب قریب ہیں اسی طرح آپ ﷺ اور وہ عورت قیامت کے دن قریب ہوں گے۔سیاہ رو عورت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر مر گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو اور وہ عورت جاہ و جمال رکھتی ہو لیکن اس نے اپنے یتیم بچوں کی پرورش کے خیال سے

دوسرا نکاح نہ کیا ہو اور اپنی خواہشات کو روکا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے بچے جوان ہو کر جدا ہو گئے ہوں یا مر گئے ہوں۔ (ابو داؤد مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الآداب۔ باب الشفقت علی الخلق الفصل الثانی)

لوگوں کو اپنے بچوں کے نکاح کا فکر قدرتی طور پر ہوتا ہے لیکن گھر میں رہنے والے غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کے معاملہ میں عموماً لاپرواہ ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اخلاق کے اعلیٰ معیار پر نہیں ہوتے اس لئے ان کے نکاح نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں بد اخلاقی پھیلنے کا خطرہ زیادہ رہتا ہے اس ضمن میں گھریلو ملازمین بھی آتے ہیں۔ اگرچہ ان کی پوری ذمہ داری تو مالکوں پر نہیں تاہم ان کے نکاح میں کوشش اور مالی معاونت کا ثواب ضرور ہے۔ اسلام نے جہاں لونڈیوں اور غلاموں سے حُسنِ سلوک کا خاص حکم دیا وہاں یہ بھی حکم ہے کہ اگر ان میں صلاحیت ہو یعنی نکاح کے لائق ہوں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو صاحبِ ثروت آقاؤں پر واجب ہے کہ ان کا نکاح کریں۔ اگر ان مفلس لوگوں اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی تنگدستی نکاح میں مانع ہو تو بھی نکاح سے گریز نہیں کرنا چاہئے اور اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے نکاح کر لینا چاہئے۔ لڑکی کے لواحقین کو بھی تقویٰ کو ہی فوقیت دینی چاہئے اور لڑکے کی مفلسی کی وجہ سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ اکثر مرد شادی کے بعد زیادہ ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہیں اور اپنے کاروبار کو زیادہ دلجمعی اور محنت سے سرانجام دیتے ہیں۔ بعض غریب عورتیں بھی خود محنت کر کے یا مردوں کا ہاتھ بٹا کر مالی طور پر مردوں کی معاونت کرتی ہیں۔ لونڈیوں سے مالکوں کا نکاح کرنا اسلام میں پسندیدہ نہیں۔ تاہم جائز ضرور ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہؓ اور حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا حق مہر قرار دیا۔ دیگر صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ اسلام میں لونڈیوں سے نکاح کو ناپسندیدہ اس لئے قرار دیا کیونکہ ان کی تربیت عمدہ نہیں ہوئی ہوتی اور ماں کی تربیت کا اثر نسلوں پر دور تک جاتا ہے۔ رہا رزق کا معاملہ وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ بہت وسعت عطا کرنے والا اور تمہارے حالات سے خوب واقف ہے۔ وہ جسے چاہے گا اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ غنا صرف مال سے ہی خاص نہیں مالدار اکثر سکونِ قلب سے محروم ہوتے ہیں۔ پس ایک ہم خیال، ہمدرد اور نیک بیوی سے غربت میں بھی دلی راحت نصیب ہو سکتی ہے۔ اگر حقیقت میں یہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے صالح بندے ہوں گے تو اللہ بھی انہیں اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرے گا۔ اور ان کے لئے کشائش کے سامان پیدا کر دے گا۔ انشاء اللہ تنگی کے بعد آسانی ضرور آئے گی۔ اُس کا وعدہ ہے۔ **فَاِنَّ مع العُسرِ یُسرًا ○ اِنَّ مع العسرِ یسرًا ○** (سورۃ الانشراح آیت ۶،۷)

يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ

غنی کر دے انہیں اللہ اپنے فضل سے اور وہ لوگ جو چاہتے ہیں کتاب

مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ

ان میں سے کہ مالک ہوئے (رکھتے) وائیں ہاتھ تمہارے تو مکاتبت کر دو ان سے اگر جانو تم ان میں

خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا

بھلائی اور دو ان کو مال میں سے اللہ کے وہ جو اس نے دیا تم کو اور نہ

تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا

مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ چاہیں پاکدامنی تاکہ طلب کرو تم

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ

سامان زندگی ورلی کا اور جو مجبور کرے گا انہیں تو یقیناً اللہ

بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ

بعد مجبوری کے ان کی بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے اور یقیناً یقیناً اتاری ہم نے طرف تمہاری آیات

۳۳ **یستعفف** (عفۃ پاک دامنی اور ترک شہوات ہے) چاہئے کہ شہوات کو روک کر کے پاکیزگی اختیار کریں۔ **الکتٰب مکاتب** ہے یعنی معاہدۂ آزادی۔ غلام سے تحریری معاہدہ کہ وہ اس شرط پر آزاد ہے۔ **البغآء بغی**۔ تجاوز کرنا۔ باغی ہونا۔ بدکاری اور فجور و زنا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

پچھلی آیت میں تنگدست لوگوں کو نکاح کی ترغیب دی کہ اگر وہ مفلس ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اس آیت میں بتایا کہ اگر چاہنے کے باوجود غربت یا غلامی کی وجہ سے رشتہ میسر نہ ہو اور وہ نکاح پر قادر نہ ہو سکیں تو صبر کریں اور پاکیزگی کی زندگی بسر کریں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے یعنی مناسب رشتہ کا بندوبست فرما دے۔ ایسی صورت میں آنحضرت ﷺ نے نفلی روزوں کا حکم دیا جن سے شہوانی جذبات کم ہوتے ہیں۔ نیز اس مقصد کے حصول کے لئے تقویٰ، خوفِ خدا اور دعا کے علاوہ بعض دیگر ذرائع سے بھی عفت حاصل ہو سکتی ہے مثلاً سادہ غذا، سادہ بود و باش، ورزش اور کھیلوں میں حصہ لینا۔ نیکوں کی صحبت اور دینی کتب کا مطالعہ۔ فحش مجالس، لٹریچر اور ٹی وی وغیرہ کے اخلاق سوز پروگرام سے اجتناب۔ بیکاری اور سستی سے بچنا اور مثبت قسم کے کاموں میں دلجمعی سے حصہ لینا۔ غلاموں کے نکاح کے ذکر میں مکاتبت یعنی معاہدۂ آزادی کا ذکر کیا تا کہ آزاد ہو کر نکاح کریں تو مناسب رشتہ ملنے میں سہولت ہو گی۔ اسلام نے ایسے قوانین بنائے جن سے غلامی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ ان میں سے غلام کے

ساتھ مکاتبت بھی ہے۔ یہ ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ اہلِ مکّہ اور دیگر عرب اسے نہیں جانتے تھے۔ غلام کو مکاتبت کا حق دے کر اسلام نے انسانیت پر بہت بڑا احسان کیا پہلے غلام کو آزاد کرو تا کہ وہ کما کر اپنی قیمت ادا کرے۔ مکاتبت مالک و مملوک کے درمیان تحریری معاہدہ ہے جس کی بنا پر طے شدہ رقم مقررہ عرصہ میں ادا کر کے ایک غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ آجکل قومی جنگیں ہوتی ہیں جن میں حکومتیں تاوان ادا کرتی ہیں اور قیدیوں کا تبادلہ قومی سطح پر ہوتا ہے۔ لیکن اگلے زمانہ میں جنگی اخراجات کی ذمہ داری افرادِ قوم پر پڑتی تھی۔ اور وہ مالِ غنیمت اور قیدیوں کو غلام بنا کر اپنا خرچہ وصول کرتے تھے۔ اسلام نے ایسے قوانین بنائے کہ بہت جلد غلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ سب سے پہلے یہ کہ فرداً فرداً غلام پکڑنے کی سختی سے ممانعت کر دی۔ صرف مذہبی جنگوں میں قیدی پکڑنے کی اجازت دی جنہیں مالِ غنیمت کے ساتھ فوجیوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ اس لئے کہ ایسے قید خانے وغیرہ موجود نہیں تھے جہاں ان کو اکٹھے بحفاظت رکھا جاتا اور ان کی کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات پوری ہو سکتیں۔ جنگ کے بعد قیدیوں کا تبادلہ ہوتا جو باقی بچتے ان کے رشتہ دار فدیہ ادا کر کے آزاد کروا لیتے یا نیک لوگ بطور احسان آزاد کر دیتے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے اپنا سب کچھ ضروریاتِ جنگ کے لئے خرچ کر دیا تھا اور وہ بلا معاوضہ غلاموں کو آزاد کرنے پر رضا مند نہ ہوتے اور نہ غلاموں کا کوئی رشتہ دار فدیہ ادا کر کے انہیں آزاد کرواتا۔ ایسے غلام مکاتبت کے ذریعہ آزادی حاصل کرتے۔ مکاتبت میں رقم کی توضیح نہیں فرمائی مالک و مملوک کے درمیان جو بھی رقم طے پا جاتی اور تحریری معاہدہ ہو جاتا وہی کافی سمجھا جاتا اور اسی وقت سے وہ غلام یا لونڈی آزاد متصور ہوتے۔ مالکوں پر یہ فرض عائد کیا کہ وہ ان کی آزادی میں مالی معاونت کریں یا تو انہیں کچھ رقم دیں کہ وہ کوئی کام کر کے قسط ادا کرنے کے قابل ہوں یا ان کی طے شدہ رقم میں کمی کریں۔ صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ مکاتبت کی مقررہ رقم میں سے تہائی، چوتھائی یا حسبِ استطاعت اس سے بھی کم کر دیتے (مظہری) اسلامی مملکت کو بھی ہدایت ہے کہ بیت المال کی زکوٰۃ کی رقم میں سے غلاموں کی مکاتبت پر خرچ کریں۔ مکاتبت میں خیر کی شرط رکھی کہ اگر تم ان غلاموں میں بھلائی دیکھو کہ ان میں اتنی اہلیت ہے کہ کما کر تمہاری رقم ادا کر دیں گے اور کسی ناجائز ذریعہ سے رقم اکٹھی نہیں کریں گے یا یہ کہ آزاد ہو کر اسلامی مملکت کے لئے خطرہ کا باعث نہیں بنیں گے تو ضرور ان کی آزادی میں معاونت کرو۔ **واٰتوهم من مال الله الذی اٰتٰکم** ط۔ میں بتایا کہ کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ مال اس کا ہے۔ اصل مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر کوئی اللہ کی امانت میں سے اس کے بندوں کو کچھ

مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً

کھول کر بیان کرنیوالی اور حالت ان لوگوں کی جو گزر چکے ہیں پہلے تم سے اور نصیحت

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ ع ۸ ۱۰

واسطے متقیوں کے اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا مثال نور کی اس کے

لوٹاتا ہے تو یہ ان کا حق ہے اور ان کا حصہ ہے نہ کہ ان پر کوئی احسان۔ جنگی قیدیوں کے علاوہ بھی ایسے غلام تھے جو نسلاً بعد نسلاً غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ قرآن و حدیث میں گناہوں کے کفارہ کے لئے نیز ثواب حاصل کرنے کے لئے **فک رقبة** کا حکم دیا۔ آنحضرت ﷺ، امہات المومنین اور صحابہ کرامؓ نے سینکڑوں غلاموں کو بطور احسان آزاد کیا۔ اپنے غلاموں کے علاوہ رضائے الٰہی کے لئے غلام خرید کر آزاد کرتے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیس ہزار غلاموں کو رہائی دلائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ اِن تین لوگوں کی نماز کبھی قبول نہیں ہو گی اور میں ان سے قیامت کے دن جھگڑوں گا۔ ۱۔ وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کے نام سے وعدہ کرے اور پھر پورا نہ کرے۔ ۲۔ جس نے کسی آزاد کو غلام بنایا اور پیسے کھا گیا۔ ۳۔ وہ جو کسی سے کام تو پورا لے اور اجر پورا نہ دے۔ (بخاری کتاب البیوع باب **اثم من باع حرًّا** و ابن ماجہ)

قبل از اسلام بعض لوگ لونڈیوں سے بدکاری کرواتے تھے جو اُن کی آمدنی کا ذریعہ تھیں۔ لیکن اسلام کے بعد لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنا یہی ہے کہ جب اپنے ذاتی مفاد کی خاطر انہیں غلامی میں رکھو گے نکاح کی اجازت دو گے اور نہ ان سے مکاتبت کرو گے کہ محنت مزدوری کر کے آزادی حاصل کریں اور خود نکاح کر سکیں تو یہ لونڈیاں معاشرہ میں بدکاری پھیلانے کا موجب بنیں گی جیسا کہ عرب میں عملاً ایسا تھا۔ فتیٰت کا لفظ نوجوان لڑکیوں اور لونڈیوں دونوں کے لئے آتا ہے گویا بتایا کہ اگر کوئی ولی کسی جوان لڑکی کی جائیداد یا ذریعہ آمد وغیرہ کی وجہ سے نکاح میں روک ڈالتا ہے تو وہ بھی اس کے گنہگار ہونے کا ذمہ دار ہے پس زنا ہی سے منع نہیں فرمایا بلکہ لونڈیوں اور لڑکیوں پر ایسے حالات وارد کر دینے سے بھی منع فرمایا جن سے ان کے گنہگار ہونے کا خدشہ ہو۔ یہاں قحبہ گری کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ آج بھی جو لوگ اپنی بیٹیوں یا زرخرید لڑکیوں سے یہ کام کرواتے ہیں وہ اس گناہ کے ذمہ دار ہیں نہ کہ وہ مجبور لڑکیاں۔ ان لڑکیوں پر بھی فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ جلد از جلد ظالموں کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کریں۔ ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے اس گھناؤنے کاروبار میں شریک ہوں تو وہ بھی اس گناہ میں برابر کی شریک ہیں۔

۳۵۔ ایک پاک معاشرہ کے لئے تمام ضروری احکام خوب وضاحت سے بیان کرنے کے

وۃٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ
ہے جس میں ایک چراغ ہو وہ چراغ شیشہ میں ہو وہ شیشہ ایسا ہے

كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ
ستارہ ہے روشن وہ (چراغ) روشن کیا جاتا ہے درخت برکت والے زیتون سے

قِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ
ہے اور نہ مغربی قریب ہے تیل اس کا کہ روشن ہو جاوے اور اگرچہ نہ

سَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
اسے آگ نور پر نور ہے ہدایت دیتا ہے اللہ اپنے نور کی جسے چاہتا ہے

بُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ۳۶
ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لیے اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے

اقوام کی عبرتناک مثالیں تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں کہ تمہاری طرح انہیں بھی
ن کی خلاف ورزی کر کے وہ قومیں تباہ و برباد ہوئیں۔ پس خدا سے ڈرنے والوں
ت کی باتیں ہیں کہ اگر تم بھی ان واضح احکام کو ملنے کے بعد ان پر عمل نہیں کرو
بھی ان سے مختلف نہیں ہو گا **فاعتبروا یآولی الابصار**ہ

شکوٰۃ۔ طاق۔ **مصباح**۔ وہ شعلہ جو بتی سے نکلتا ہے۔ چراغ۔ **زجاجۃ**۔ شیشے
ب۔ **درّیٌّ**۔ **درّ**۔ بڑا موتی۔ موتی کی طرح چمکتا ہُوا۔ بہت چمکنے والا۔ **زیت** زیتون

عالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان ہے کہ وہ ان کی ہدایت کے لئے کبھی اپنے انبیاء کے
کرتا ہے اور کبھی اقوامِ سلف کے واقعات سے ان کی ہدایت کا بندوبست فرماتا
ں بتایا کہ ہر انسان کی فطرت و جبلّت میں خدائی نور رکھا گیا ہے جو اسے حقائق کی
ا ہے۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اس کا نور کُل کائنات پر محیط ہے اور ذرے
رہا ہے۔ کوئی شے اس کے فیض سے خالی نہیں۔ کائنات کی ہر شے کو اس خدائی نور
نور جسے چھوا اسے پارس بنا دیا۔ یہ نور جب ایک مٹی اور پتھر کے گھر پر نازل ہوا تو
دیا، ایک کتاب پر نازل ہوا تو اسے کتابِ آخر کی شکل دے دی۔ ہر انسان نے
س نور کو حاصل کیا۔ لیکن یہی نور جب ایک شخص کے قلبِ مطہر پر نازل ہُوا تو اسے
۔ پس اس نور کا کامل ترین مظہر، نورِ مجسم سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، احمد مجتبیٰ حضرت
علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ جو اس نور کو کُل عالم تک پہنچانے کا سبب بنی۔

آپ ﷺ سے اس نور کو سب سے زیادہ اخذ کرنے والے صحابہ کرامؓ تھے۔ جن کے گھروں کو اس نور نے منور کر دیا۔ پس اے گروہ مومنین! اگر اس نور سے حصہ لے کر ہدایت حاصل نہیں کرو گے تو خود اپنی تباہی کا سامان کرو گے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کا فطری نور ہر آلائش سے پاک تھا اس لئے جب آپ ﷺ پر نورِ الٰہی کا کامل نزول ہُوا اور آپ ﷺ وحی الٰہی سے نوازے گئے تو آپ ﷺ کی ذات نورٌ علیٰ نور بن گئی جسے ایک مثال سے واضح کیا اور بتایا کہ انوارِ الٰہی میں سے ایک نور کی مثال یہ ہے۔ یہاں بتایا کہ کمالِ نور تین ذرائع سے ممکن ہے۔ **مشکوٰۃ، مصباح** اور **زجاجۃ**۔ مصباح دیا یا شعلہ ہے جو ظلمت کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اور جس کے بغیر روشنی ممکن نہیں۔ دوسرا طاق ہے جہاں بادِ مخالف کے باوجود یہ دیا بجھنے سے محفوظ رہتا ہے اور طاق کی وجہ سے اس کی روشنی کافی دور تک جاتی ہے۔ لیکن جونہی اس دیئے کی لَو پر انتہائی صاف و شفاف چمنی رکھ دی جائے تو اس کی روشنی نہایت مصفا ہو کر کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور یہ روشنی مُنعکس (Reflect) ہو کر دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ فرمایا یہ چراغ برکت والے درخت زیتون کے تیل سے روشن ہوتا ہے جو شرقی ہے نہ غربی۔ گویا اس چراغ کی روشنی مشرقی یا مغربی لوگوں کے لئے خاص نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے ایک عالمگیر مشعلِ راہ ہے۔ یہاں زیتون کے درخت کو اس کی افادیت کی وجہ سے مبارک کہا۔ زیتون کا تیل سب تیلوں سے عمدہ اور مصفا روشنی دیتا ہے جس میں دھواں نہیں ہوتا۔ اس مثال میں بتایا کہ بعثتِ رسول کے زمانہ میں کفر و شرک کی کثافت نے خدائی نور کو قدرے مدھم کر دیا تھا اور اس کی روشنی کسی حد تک محدود ہو گئی تھی۔ یہاں آپ ﷺ کی ذات کو ایک شفاف چمنی سے تشبیہ دی جس نے ایک Reflector کا کام دیا اور نورِ الٰہی کو کفر و شرک کی کثافتوں سے پاک کر کے اکنافِ عالم میں پھیلا دیا۔ جیسا کہ نور روحانی روشنی کو کہا گیا ایسے ہی دنیوی و ظاہری علوم کی روشنی ہے فرمایا آنحضرت ﷺ کے اس روحانی نور کو اگر دنیوی روشنی نہ بھی چھوئے تو بھی یہ بھڑک اٹھنے کو تیار ہوتا یعنی آنحضرت ﷺ کی فطرت مبارکہ ایسی منزّہ و مصفّٰی تھی کہ بغیر اس کے کہ آسمانی آگ اسے چھوتی وہ خود بخود روشن ہو جاتی اور معرفت کو پا لیتی اور ایک عالم اس نور سے منور ہو جاتا۔

یہ آنحضرت ﷺ کا اعلیٰ ترین روحانی مقام تھا کہ باوجود اُمّی ہونے کے کل دنیا کی ہدایت کا موجب بنے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ چونکہ نور حقائق کو خوب کھول دیتا ہے اس لئے یہاں نور سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات کے علاوہ قرآنِ کریم بھی ہے یہ ایک ایسا چراغ ہے جو بہت سے نوروں کا مجموعہ ہے جیسا کہ سورۃ تغابن:۹ میں قرآنِ کریم کو نور کہا۔ اسے علم ہے کہ اس نور کا طالب و مستحق کون ہے اور یہ مثالیں انہیں کی ہدایت کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ
مانند طاق کے ہے جس میں ایک چراغ ہو وہ چراغ شیشہ میں ہو وہ شیشہ ایسا ہے

كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ
گویا کہ وہ ستارہ ہے روشن وہ (چراغ) روشن کیا جاتا ہے درخت برکت والے زیتون سے

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ
جو نہ مشرقی ہے اور نہ مغربی قریب ہے تیل اس کا کہ روشن ہو جاوے اور اگرچہ نہ

تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
چھوئے اُسے آگ نور پر نور ہے ہدایت دیتا ہے اللہ اپنے نور کی جسے چاہتا ہے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳۶
اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لیے اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے

بعد فرمایا کہ گزشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں کہ تمہاری طرح انہیں بھی واضح احکام ملے جن کی خلاف ورزی کر کے وہ قومیں تباہ و برباد ہوئیں۔ پس خدا سے ڈرنے والوں کے لئے یہی نصیحت کی باتیں ہیں کہ اگر تم بھی ان واضح احکام کو ملنے کے بعد ان پر عمل نہیں کرو گے تو تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا **فاعتبروا یآولی الابصار**o

۳۶۔ **مشکوٰۃ**۔ طاق۔ **مصباح**۔ وہ شعلہ جو بتی سے نکلتا ہے۔ چراغ۔ **زجاجۃ**۔ شیشے کا ٹکڑا۔ چمنی۔ گلوب۔ **دریٌّ** ۔ **درّ**۔ بڑا موتی۔ موتی کی طرح چمکتا ہُوا۔ بہت چمکنے والا۔ **زیت** زیتون کا تیل۔

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر احسان ہے کہ وہ ان کی ہدایت کے لئے کبھی اپنے انبیاء کے ذریعہ احکام نازل کرتا ہے اور کبھی اقوامِ سلف کے واقعات سے ان کی ہدایت کا بندوبست فرماتا ہے۔ اس رکوع میں بتایا کہ ہر انسان کی فطرت و جبلّت میں خدائی نور رکھا گیا ہے جو اسے حقائق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ اس کا نور کُل کائنات پر محیط ہے اور ذرے ذرے میں چمک رہا ہے۔ کوئی شے اس کے فیض سے خالی نہیں۔ کائنات کی ہر شے کو اس خدائی نور سے حصہ ملا اور یہ نور جسے چھوا اسے پارس بنا دیا۔ یہ نور جب ایک مٹی اور پتھر کے گھر پر نازل ہوا تو اسے خانہ کعبہ بنا دیا، ایک کتاب پر نازل ہوا تو اسے کتابِ آخر کی شکل دے دی۔ ہر انسان نے حسبِ استطاعت اس نور کو حاصل کیا۔ لیکن یہی نور جب ایک شخص کے قلبِ مطہر پر نازل ہُوا تو اسے انسانِ کامل بنا دیا۔ پس اس نور کا کامل ترین مظہر، نورِ مجسم سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، احمدِ مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔ جو اس نور کو کُل عالم تک پہنچانے کا سبب بنی۔

آپ ﷺ سے اس نور کو سب سے زیادہ اخذ کرنے والے صحابہ کرامؓ تھے۔ جن کے گھروں کو اس نور نے منور کر دیا۔ پس اے گروہِ مومنین! اگر اس نور سے حصہ لے کر ہدایت حاصل نہیں کرو گے تو خود اپنی تباہی کا سامان کرو گے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کا فطری نور ہر آلائش سے پاک تھا اس لئے جب آپ ﷺ پر نورِ الٰہی کا کامل نزول ہُوا اور آپ ﷺ وحی الٰہی سے نوازے گئے تو آپ ﷺ کی ذات نورًا علیٰ نور بن گئی جسے ایک مثال سے واضح کیا اور بتایا کہ انوارِ الٰہی میں سے ایک نور کی مثال یہ ہے۔ یہاں بتایا کہ کمالِ نور تین ذرائع سے ممکن ہے۔ **مشکوٰۃ، مصباح** اور **زجاجۃ**۔ مصباح دیا یا شعلہ ہے جو ظلمت کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اور جس کے بغیر روشنی ممکن نہیں۔ دوسرا طاق ہے جہاں بادِ مخالف کے باوجود یہ دیا بجھنے سے محفوظ رہتا ہے اور طاق کی وجہ سے اس کی روشنی کافی دور تک جاتی ہے۔ لیکن جونہی اس دیئے کی لَو پر انتہائی صاف و شفاف چمنی رکھ دی جائے تو اس کی روشنی نہایت مصفا ہو کر کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور یہ روشنی مُنعکس (Reflect) ہو کر دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ فرمایا یہ چراغ برکت والے درخت زیتون کے تیل سے روشن ہوتا ہے جو شرقی ہے نہ غربی۔ گویا اس چراغ کی روشنی مشرقی یا مغربی لوگوں کے لئے خاص نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے ایک عالمگیر مشعلِ راہ ہے۔ یہاں زیتون کے درخت کو اس کی افادیت کی وجہ سے مبارک کہا۔ زیتون کا تیل سب تیلوں سے عمدہ اور مصفا روشنی دیتا ہے جس میں دھواں نہیں ہوتا۔ اس مثال میں بتایا کہ بعثتِ رسول کے زمانہ میں کفر و شرک کی کثافت نے خدائی نور کو قدرے مدھم کر دیا تھا اور اس کی روشنی کسی حد تک محدود ہو گئی تھی۔ یہاں آپ ﷺ کی ذات کو ایک شفاف چمنی سے تشبیہ دی جس نے ایک Reflector کا کام دیا اور نورِ الٰہی کو کفر و شرک کی کثافتوں سے پاک کر کے اکنافِ عالم میں پھیلا دیا۔ جیسا کہ نور روحانی روشنی کو کہا گیا ایسے ہی دنیوی و ظاہری علوم کی روشنی ہے فرمایا آنحضرت ﷺ کے اس روحانی نور کو اگر دنیوی روشنی نہ بھی چھوئے تو بھی یہ بھڑک اٹھنے کو تیار ہوتا یعنی آنحضرت ﷺ کی فطرتِ مبارکہ ایسی منزہ و مصفّٰی تھی کہ بغیر اس کے کہ آسمانی آگ اسے چھوتی وہ خود بخود روشن ہو جاتی اور معرفت کو پالیتی اور ایک عالم اس نور سے منور ہو جاتا۔

یہ آنحضرت ﷺ کا اعلیٰ ترین روحانی مقام تھا کہ باوجود اُمّی ہونے کے کل دنیا کی ہدایت کا موجب بنے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ چونکہ نور حقائق کو خوب کھول دیتا ہے اس لئے یہاں نور سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات کے علاوہ قرآنِ کریم بھی ہے یہ ایک ایسا چراغ ہے جو بہت سے نوروں کا مجموعہ ہے جیسا کہ سورۃ تغابن:۹ میں قرآنِ کریم کو نور کہا۔ اسے علم ہے کہ اس نور کا طالب و مستحق کون ہے اور یہ مثالیں انہیں کی ہدایت کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ

(وہ نور) گھروں میں ہے حکم دیا ہے اللہ نے کہ وہ بلند کئے جائیں اور ذکر کیا جاوے ان میں نام اس کا

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝۳۶ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ

تسبیح کرتے ہیں اس کی ان میں صبح اور شام وہ مرد کہ نہیں غافل کرتی انہیں

تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ

کوئی تجارت اور نہ خرید و فروخت یاد سے اللہ کی اور قائم کرنے سے نماز اور دینے سے

الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ

زکوٰۃ وہ ڈرتے ہیں اس دن سے کہ بدل جاویں گے جس میں دل اور

حضرت مسیح موعود علیہ والسلام فرماتے ہیں "وجودِ مبارک حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نور جمع تھے سو ان نوروں پر ایک اور نورِ آسمانی جو وحی الٰہی ہے وارد ہوگیا اور اس نور کے وارد ہونے سے وجود باجود خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گیا۔۔۔۔۔۔ اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراجِ منیر رکھا ہے۔" (براہین احمدیہ صفحہ ۱۷۷۔۱۸۲ حاشیہ)

۳۷۔ **الغدوّ۔ الغدوۃ** کی جمع ہے بمعنی **البکرۃ**۔ صبح۔ مصدر بھی ہے جس کے معنی صبح کرنے کے ہیں۔ **الأصال۔ الاصیل** کی جمع ہے یہ عصر سے غروب آفتاب کا وقت ہے۔ شام۔

یہاں مراد صحابہ کرامؓ کے گھر ہیں جو اس نور کے اوّل مورد تھے جو رسول اللہؐ کی وساطت سے انہیں ملا۔ فرمایا یہ نور جن گھروں میں چمکتا ہے ان کے لئے اللہ کا فیصلہ ہے کہ انہیں بلند اور محترم کیا جائے اور ان کو ہمیشہ کے لئے برکتوں سے بھر دیا جائے۔ جیسا کہ صحابہ کرامؓ آج تک ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ حُکم کی بجائے اذن کہنے میں یہ لطیف حکمت ہے کہ مومنینِ صالحین احکام الٰہی کی بجا آوری میں ایسے مستعد اور تیار ہونے چاہئیں کہ حکم کی ضرورت نہ پڑے صرف اذن کے منتظر ہوں کہ کب اجازت ملے اور یہ سعادت حاصل کریں۔ (روح المعانی) فرمایا یہ وہ گھر ہیں کہ ان میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے ذِکر اور تسبیح کا مفہوم قریباً ایک ہی ہے۔ بہترین ذکر نماز، تلاوتِ قرآن اور ذکر الٰہی ہے۔ پس صبح و شام کے اوقات میں تسبیح کرنے سے مراد خاص طور پر نمازیں ادا کرنا ہیں۔ صبح کے اوقات میں تہجد اور فجر ہے۔ الأصال میں سورج ڈھلنے سے شروع ہونے والی نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء شامل ہیں۔ یہاں مومنین کو بتایا کہ تمہارے گھر بھی صحابہؓ کے گھروں کی طرح دینی و دنیوی طور پر عزّ و شرف حاصل کر سکتے ہیں اگر تم بھی اس نور سے حصہ لو۔

۳۸۔ **تلهيهم۔ لهو۔** اسی سے لھو ولعب ہے۔ ہر وہ چیز ہے جو انسان کو اہم امور سے

الْاَبْصَارُ ۝۳۷ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ

آنکھیں تاکہ بدلہ دے انہیں اللہ بہتر اس سے جو عمل کئے انہوں نے اور زیادہ دیگا انہیں

روک دے یا غافل کر دے۔ **لاتلهيهم**۔ وہ انہیں غافل نہیں کرتی۔ **لاتلهيهم تجارة ولا بيع** میں بتایا کہ وہ آجکل تجارت کرتے ہیں یعنی کر رہے ہیں۔

پس یہ صحابہ کرامؓ ہیں جن میں سے بعد میں خلفائے راشدین ہوئے۔ چونکہ پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ وہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اس لئے واضح کیا کہ وہ مسجدوں میں گوشہ نشین تارک الدنیا لوگوں کا گروہ نہیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی مشاغل اور کاروباری مصروفیات انہیں لحہ بھر کے لئے بھی اپنے ربّ کی یاد اور نماز و زکوۃ کے ادا کرنے سے غافل نہیں کرتیں۔ گویا اُن کی مثال اس ماں کی سی ہے جس کا بچہ بیمار ہو وہ کہیں بھی جائے کچھ بھی کرے اس کا دھیان اپنے بچے کی طرف ہی رہے گا۔ پس جب ہر لحظہ دلوں میں خدا بسا ہوا ہو تو کوئی کام اس کی منشا کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگ ہی صحیح معنوں میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں تجارت کے بعد بیع کا ذکر کیا جو محض فروخت کرنا ہے جیسا کہ دکانداری وغیرہ۔ جبکہ تجارت میں خرید و فروخت دونوں شامل ہیں۔ گویا تجارت کو اوّلیت دی۔ اسلام نے تجارت کو جائز بلکہ مستحسن قرار دیا ہے اور حج میں بھی اجازت دی اور مال کو فضل کہا (سورۃ جمعہ: ۱۱) پس جائز طریقہ سے مال کمانا اور راہِ خدا میں خرچ کرنا عین عبادت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خُدریؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا سچا اور دیانتدار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کی معیت کا حقدار ہے۔ (سنن دارمی) یا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ اے اللہ! میرے لئے دنیا کو فراخ کر اور مجھے اس سے خالی رکھ۔ یعنی مجھے دنیا دے مگر اس کی آفتوں سے بچا۔ دنیا اس لئے فراخ کرتا تیرا شکر کروں۔ پھر مجھے توفیق دے کہ تیری خاطر اسے چھوڑ دوں تا درجہ شکر اور درجہ انفاق حاصل ہو اور مقام صبر حاصل ہو۔ (کشف المحجوب)

ذکر میں فرض عبادتوں کے علاوہ اپنے ربّ کی تسبیح و تحمید کرنا صفاتِ باری تعالیٰ پر غور کرنا اور خود کو ان کے تابع کرنا سب شامل ہے۔ مومن کے لئے نماز کو قائم کرنا گویا دن میں پانچ مرتبہ ایک امتحان سے گزرنا ہے۔ سخت نیند کے غلبہ اور دیگر مصروفیات کے دوران اذان کی آواز ایک مومن کو اس کے ربّ کی طرف بلاتی ہے اور وہ تمام ضروری امور کو پس پشت ڈال کر مسجد کا رخ کرتا اور اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے پھر نماز کا صحیح حق ادا کرنا اللہ کی توفیق اور اس کے فضل ہی سے

ہے۔ عورتوں کا گھریلو جھمیلوں کو چھوڑ کر گھر ہی میں اس فریضہ کو ادا کرنے کی تیاری کرنا اور
یق پر ادا کرنے کی کوشش کرنا بھی اس کے فضل پر ہی موقوف ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی
سول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے گھروں میں بھی مسجدیں بنائیں یعنی نماز پڑھنے کی
جگہیں بنائیں اور ان کو پاک صاف رکھنے کا اہتمام کریں۔(قرطبی) حضرت ام سلمہؓ سے
ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **خیر مساجد النساء قعر بیوتهنّ**۔ یعنی عورتوں کی
ساجد ان کے گھروں کے تنگ و تاریک گوشے ہیں (مسند احمد و بیہقی) حضرت ابنِ عمرؓ بیان
یں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی عورتوں کو مسجدوں (میں آنے) سے نہ روکو لیکن ان کے
ہیں۔(ابو داؤد) تجارت کا ذکر ہُوا تو مال کو غریبوں پر خرچ کرنے کا بھی حکم دیا جس کی
زکوٰۃ ہے۔ اسلام نے مال کو سالہا سال تک بینکوں میں جمع رکھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی
سے تجارت پر لگانے اور تجارت کو فروغ دینے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ بڑی بڑی تجارتی
اور فیکٹریاں قومی ترقی اور بہت سے لوگوں کے روزگار کا ذریعہ ہوتی ہیں اور ان پر لگا ہُوا
ۃ سے مستثنیٰ ہوتا ہے۔زکوٰۃ کا فلسفہ یہ ہے کہ تمام دنیوی نعمتیں بنی نوع انسان کے لئے
یں اگر ایک شخص اپنے خاندانی پس منظر کی وجہ سے یا بعض خاص حالات اور مواقع کی وجہ
کی عطا کردہ خاص صلاحیت و ذہانت اور طاقت سے اللہ کے فضل و احسان سے وہ نعمتیں
ل کر لیتا ہے جو دوسرے افراد حاصل نہیں کر سکتے تو بہر حال اس میں غریبوں اور محروموں
ہے۔ پس اس پر واجب ہے کہ اللہ کا ٹیکس ادا کرے جو زکوٰۃ ہے۔یہ صاحبِ نصاب امراء
ل کر کے غرباء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ہاں اگر حکومت کسی زمیندار سے لگان زکوٰۃ کے برابر
صول کرے تو زکوٰۃ معاف ہو گی۔ کم وصول کرے تو جتنا لگان زکوٰۃ سے کم ہو گا اتنی زکوٰۃ
و گی۔(حضرت مصلح موعودؓ از تفسیر کبیر)
باوجود ذکرِ الٰہی اور اطاعت وعبادات میں مشغول ہونے کے یہ نور الٰہی کی وجہ سے ہے کہ
سے بے فکر نہیں ہو جاتے بلکہ قیامت کے حساب کا خوف ان پر مسلط رہتا ہے۔ دل اور
بدلنا یہی ہے کہ قیامت کو وہ صحیح بات کو سمجھنے اور دیکھنے والے ہوں گے۔دنیا کی طرح ان
ں پر جہالت کے پردے نہیں ہوں گے۔یا یہ کہ سخت گھبراہٹ میں آنکھیں اور دل الٹ
ں گے۔
۳۹۔اب ان مومنین صالحین کی جزا کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی بہترین

مِّنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَ
اپنے فضل سے اور اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے اور
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ
وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اعمال ان کے مانند سراب کے ہیں جو چٹیل میدان میں ہو سمجھتا ہے اُسے
الظَّمْاٰنُ مَآءً ۗ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ
پیاسا پانی یہاں تک کہ جب آتا ہے اس کے پاس نہیں پاتا اُسے کچھ بھی اور
وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ
وہ پاتا ہے اللہ کو پاس اس کے پھر وہ پورا دیگا اُسے حساب اس کا اور اللہ جلد لینے والا ہے
الْحِسَابِ ﴿۴۰﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ
حساب یا مانند اندھیروں کے سمندر گہرے میں ڈھانکتی ہے اُسے موج

جزا کے علاوہ اپنے فضل و احسان سے ان کے حق سے بہت زیادہ عطا فرمائے گا۔یہ عنایات انہی سے خاص نہیں بلکہ جو بھی ان کی طرح نورالٰہی سے حصہ لے کر ہدایت حاصل کرے گا، بے حساب انعامات کا مستحق ہو گا۔

۴۰۔سراب۔سرب کے معنی چلنے کے ہیں۔ شدید گرمی میں صحرا کی ریت پر سورج کی تیز شعاؤں سے ایسی حرکت محسوس ہوتی ہے کہ دور سے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا گمان ہوتا ہے اور اکثر پیاسا مسافر اس سراب کو پانی سمجھ کر اس کی جانب چلتا جاتا ہے۔لیکن جونہی قریب پہنچتا ہے وہ آگے ہی آگے چلتا محسوس ہوتا ہے۔پیاسا چل چل کر ہلکان ہوتا ہے اور آخر ہلاک ہو جاتا ہے گویا یہ ایسا فریبِ نظر ہے جو موت پر منتج ہوتا ہے۔ **بقیعة**۔ **قاع**۔ چٹیل میدان۔ **کسراب بقیعةٍ**۔ سرابِ صحرا کی طرح۔

مومنین کے اعمال اس دنیا میں ہی انہیں روحانی چشمہ سے فیضیاب کرتے اور ان کی روحانی تشنگی کو دور کر کے انہیں ان کے ربّ سے ملا دیتے ہیں اور اُخروی نعمتوں کا وارث ٹھہراتے ہیں۔جبکہ کفار کے اعمال محض سراب اور دھوکہ ہیں جو ان کی روحانی تشنگی کو دور کرنے کے لئے کسی چشمہ جاوداں کی طرف رہنمائی نہیں کرتے اور وہ باوجود اپنی شریعتوں پر عمل کرنے کے، روحانی پانی سے محروم رہتے ہیں۔ پس وہ اسی پانی کی تلاش میں سرگرداں آخر موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ انہیں نہ دنیا میں لقائے الٰہی نصیب ہوتی ہے نہ اخروی اجر کے مستحق قرار پاتے ہیں۔اس لئے کہ ان کی ساری تگ و دو اور حاصلِ مقصود محض دنیا تھی جو انہیں مل گئی۔ پس آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا

اوپر سے اس کے اور موج اوپر سے اس کے بادل اندھیرے ہیں بعض ان کے

فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ

اوپر بعض کے جب نکالتا ہے ہاتھ اپنا نہیں قریب کہ دیکھے اُسے اور جو

ع ۵/۶ ۱۱ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۱﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ

نہیں بنایا اللہ نے اس کیلئے نور تو نہیں اسکے لیے کوئی نور کیا نہیں دیکھا تو نے کہ اللہ وہ ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور بعد میں آنے والے مومنینِ کاملین کے کشوف و الہامات اور قبولیتِ دعا کے نشانات اور معجزات نے یہ ثابت کر دیا کہ زندہ اور قابلِ عمل مذہب صرف اسلام ہے جو روحانی تشنگی کو دور کرنے کے لئے آبِ حیات ہے۔ باقی تمام مذاہب مردہ ہیں جن کا روحانی پانی خشک ہو چکا ہے اگر ان کے ماننے والے ماتھے رگڑ رگڑ کر اپنی جان بھی دے دیں۔ تو بھی کسی روحانی مقام کو حاصل نہیں کر سکتے یعنی لقائے الٰہی اور کشوف و الہام سے محروم رہیں گے۔ جلد حساب لینا دنیا میں ہی حساب چکا دینا ہے۔ بیشک آخرت میں بھی حساب ہو گا لیکن دنیا میں روحانی تشنگی انہیں سکونِ قلب سے محروم رکھے گی۔

۴۱۔ لجّيّ۔ گہرا پانی۔

اب ان کفار کے اعمال کی مثال دی جو کسی شریعت کے پابند نہیں یا تو بت پرست اور دہریہ ہیں یا موجودہ دور کے آزاد خیال لوگوں کی طرح کہ جن کی زندگی کا مقصد محض عیش و عشرت ہے، ان کے اعمال **نورعلٰی نور** کے مقابلہ میں **ظلمٰت بعضُها فوق بعض** ط کی مثال ہیں۔ جس طرح انوار اکٹھے ہو کر ایک عالم کی رہنمائی کا موجب بنتے ہیں اسی طرح کئی اندھیرے جمع ہو کر دنیا میں ظلمات و گمراہیاں پھیلانے کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے فطری نور کو دنیا پرستی، جہالت اور ہٹ دھرمی کے دبیز پردوں میں چھپا دیا تو ان کے لئے سوائے اندھیروں کے کچھ باقی نہ بچا۔

بحرِ لُجّي ۔ گویا جہالت و ضلالت کا سمندر ہے جس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس سمندر پر موج در موج کا اٹھنا حوادث و مصائب کے پے در پے تھپیڑے ہیں جنہوں نے انہیں اور زیادہ گمراہی میں دھکیل دیا۔ زمین پر کتنے ہی اندھیرے چھائے ہوئے ہوں نورِ سماوی کی کوئی نہ کوئی کرن اس پر ضرور پڑتی ہے لیکن یہاں آسمان کو بھی کالی گھٹاؤں نے ڈھانپا ہوا ہے اور روشنی کی ایک کرن

یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ

کہ تسبیح بیان کرتے ہیں اس کیلئے وہ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں اور پرندے پر پھیلائے ہوئے ہر ایک نے

قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۲﴾

یقیناً جان لی ہے نماز اپنی اور تسبیح اپنی اور اللہ خوب جاننے والا ہے اُسے جو وہ کرتے ہیں

بھی دکھائی نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے نور کو ان سے کھینچ لینا نتیجہ ہے ان کے بد اعمال کا۔ نہ تو اپنے فطری نور سے فائدہ اٹھایا کہ جہالت و ضلالت کی اتھاہ گہرائیوں سے باہر نکلیں اور نہ دنیوی مصائب و حوادث سے ان کی آنکھیں کھلیں کہ مصیبت میں ہی خدا یاد آتا۔ بادل جو رحمتِ الٰہی کے پیامبر ہیں وہ بھی ان کے لئے مزید اندھیروں کا سبب بن رہے ہیں اور آسمانی روشنی کی کوئی کرن ان تک پہنچ نہیں پاتی۔ ہاتھ سے مددگار اور ساتھی مراد لیا جاتا ہے اس ظلمات کی تہ میں وجود اندھا نہ ہونے کے اپنے ہاتھ کے نظر نہ آنے میں اشارہ ہے کہ جب انسان ظلمات کو اپنے اوپر مسلط کر لیتا ہے تو اپنے مددگار اور ساتھی بھی اسے نظر نہیں آتے کہ وہ ان اندھیروں سے نکالنے میں اس کی مدد کریں۔ پس ان لوگوں کی بد اعمالیاں انہیں گمراہیوں کے عمیق سمندر میں غرق کر دیتی ہیں جہاں اندھیروں کے سوا کچھ نہیں۔

۴۲۔ پچھلے رکوع میں بتایا کہ کل کائنات حسب استطاعت خدائی نور سے حصہ لیتی ہے۔ لیکن اس نور سے کامل طور پر حصہ لینے والے اور اس روشنی سے ہدایت پانے والے اس کے صالح بندے ہیں۔ جبکہ اس نور کو پسِ پشت ڈالنے والے اندھوں کی طرح تاریکیوں میں بھٹکتے ہیں۔ اس رکوع میں نظارۂ قدرت کی کچھ مثالیں دے کر واضح کیا کہ کل کائنات اس نور سے حصہ لیتی ہے اور الٰہی قوانین کے تابع ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسے لازم ہے کہ وہ بھی اتباعِ رسول سے ان فرائض کو ادا کرے جو قانونِ خداوندی نے اس پر عائد کئے ہیں۔ غرض کائنات کی کل جاندار و بے جان مخلوق اپنے ربّ کی عبادت اور تسبیح میں مشغول ہے۔ مگر ہر ایک کی عبادت اور تسبیح کا انداز الگ الگ ہے۔ ہر مخلوق کو اس کی عبادت اور تسبیح کا طریقہ بتلا دیا ہے۔ پس تمام مخلوق اس کی فرمانبردار اور اس کے قوانین کے تابع ہے۔ ان کی جبلّت میں جو صلاحیتیں رکھی ہیں اور ان کے مطابق جو فرائض ان پر عائد ہیں انہیں پورا کرنے میں سرگرمِ عمل ہیں یہانتک کہ پرندوں کا پَر پھیلائے ہوئے اُڑنا اسی قانون کے تابع ہے۔ چونکہ انہیں ان فرائض سے انحراف کا اختیار نہیں اس لئے ان کے لئے اجر بھی نہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۴۳ اَلَمْ
اور اللہ ہی کی ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی اور طرف اللہ کی ٹھکانا ہے کیا نہیں
تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ
دیکھا تونے کہ اللہ چلاتا ہے بادل پھر ملاتا ہے اُسے پھر
يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ
کردیتا ہے اُسے تہ بر تہ تو دیکھتا ہے بارش کو نکلتی ہے درمیان سے اس کے اور اُتارتا ہے
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ
بادل سے پہاڑوں سے جن میں اولے ہوتے ہیں پس پہنچاتا ہے اُسے جسے
يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۚ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ
چاہتا ہے اور پھیر لیتا ہے اُسے جس سے چاہتا ہے قریب ہے چمک بجلی کی اس کی کرلے جاوے
بِالْاَبْصَارِ ۴۴ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
آنکھیں پھیر لیتا ہے اللہ رات اور دن یقیناً اس میں

۴۳۔ یہ سارا نظامِ عالم پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ بادشاہت صرف اللہ ہی کے لئے ہے اس لئے قانون اسی کا کارفرما ہو گا۔ انسان چونکہ ایک حد تک با اختیار ہے اس لئے اسے انجام کار اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہو گا جہاں حساب و کتاب کے بعد جزا و سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

۴۴۔ **یزجی**۔ وہ چلاتا ہے۔ ہانکتا ہے۔ **یؤَلّفُ۔ الف**۔ اجتماع ہے جس میں اتحاد اور ہم آہنگی ہو۔ **یؤلف**۔ وہ ملاتا ہے۔ وہ اکٹھا کرتا ہے۔ اسی سے تالیف اور الفت وغیرہ ہے۔ **رکامًا۔ رکام** اس چیز کو کہتے ہیں جس کے کچھ حصے ایک دوسرے پر تہ بہ تہ ہوں۔ ودق کے معنی بارش کے ہیں کم ہو یا زیادہ۔ **برد**۔ ٹھنڈک۔ اولے۔ **سنا**۔ چمکتی ہوئی روشنی۔

کائنات میں پھیلے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لاتعداد معجزات میں سے بارش کا برسنا بھی ایک بڑا معجزہ ہے۔ سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں اور ہر روز کروڑوں ٹن پانی گیس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہمیں صرف سو گرام پانی کو گیس میں تبدیل کرنے کے لئے ۶۳۲ درجہ حرارت درکار ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ بغیر ہماری کوشش و محنت اور پیسے کے ضیاع کے یہ سارا کام ہمارے لئے قدرت انجام دے رہی ہے۔ بادل زمین سے قریبًا سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوتا ہے اگر زیادہ قریب ہوتا تو نمی سے ہر چیز بھیگی رہتی۔ اندھیرا بھی زیادہ رہتا نیز ہم کئی دوسرے فوائد سے بھی محروم رہتے۔ اگر بہت دور ہوتا تو نظر نہ آتا۔ بارش، برف اور اولے ہمیں اچانک آ لیتے اور تباہی مچا دیتے۔ اولے

چھتوں کو پھاڑ دیتے، دروازوں اور کھڑکیوں کے پرخچے اڑا دیتے، فصلیں اور مویشی تباہ ہو جاتے۔ بارش رحمتِ خداوندی کی بجائے عذابِ الٰہی ثابت ہوتی۔ پھیلے ہوئے بخارات پانی نہیں بن سکتے جب تک ان کو اکٹھا نہ کیا جاتا پس قدرت کا ہاتھ جس طرف چاہتا ہے انہیں ہانک کر لے جاتا ہے۔ ان کے درمیان اتصال ان میں منفی و مثبت بجلی کا پیدا ہونا ہے۔ اگر پانی کے ایک قطرے میں مثبت بجلی پیدا کی جائے تو قریب والے قطرے میں منفی اور اگلے میں مثبت بجلی پیدا ہو جائے گی۔ یہ متضاد بجلیوں والے قطرے ایک دوسرے کی طرف کھنچیں گے جوں جوں ایک دوسرے کے قریب آئیں گے ان کا جذبِ باہمی بڑھتا جائے گا۔ اسی کو تالیف کہا گیا۔ **بینهٗ** میں ضمیر مفرد ہے اس لئے کہ یہ کشش بادل کے ہر قطرے میں ہوتی ہے۔ **رکامًا** والی کیفیت آبی سالمات میں متبرق ہونے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ بوندیں بادلوں سے رس رس کر نکلتی ہیں۔ بجلی انہیں برقا دیتی ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ بجلی کی رو کسی موصل سے گزرے تو بجلی اس کی سطح پر آجاتی ہے۔ پانی غیر موصل ہے لیکن اس تیزابی مادے کی وجہ سے جو ہوا میں قطرات کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے موصل بن جاتا ہے اور ان قطرات کی سطح متبرق ہو جاتی ہے۔ یہ تیزابی مواد زمین پر کھاد کا کام دیتا ہے اور ان قطروں میں موجود بجلی مردہ زمین کی نس نس میں بجلی بھر دیتی ہے۔

وینزّل من السّمآءِ من جبالٍ فیھا من برد............جبال جبل کی جمع ہے جس کے معنی پہاڑوں کے علاوہ مٹی کو پانی سے ملانے کے بھی ہیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک بوندوں کی تکوین خاکی ذرات کے بغیر ممکن نہیں ہر آبی قطرہ خاکی ذرات کے ارد گرد تیار ہوتا ہے اس طرح معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ آسمانی بلندیوں یعنی بادلوں سے ایسے قطرے اتارتا ہے جو خاکی ذرات کے سہارے بنتے ہیں۔ ان میں سے بعض اولوں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ پھر جسے چاہتا ہے انہیں پہنچا دیتا ہے اور جس سے روکنا چاہے انہیں روک دیتا ہے۔ جس طرح بارش کبھی رحمتِ خداوندی اور کبھی قہرِ الٰہی ثابت ہوتی ہے اسی طرح بجلی کی چمک اگرچہ بارش برسانے اور اس کی افادیت بڑھانے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اور زمین کی زرخیزی کا باعث ہے لیکن وہی آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی بعض اوقات انسان کی بینائی ضائع کر دیتی ہے۔ روحانی لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ روحانی نور انسان کو روحانی طور پر بینا کر دیتا ہے لیکن ظاہری و دنیوی چکا چوند بعض اوقات انسان کو روحانی طور پر اندھا کر دیتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں "جوں جوں زمانہ نئے علوم دریافت کرتا ہے وہ اپنے

لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ

البتہ عبرت ہے واسطے آنکھوں والوں کے اور اللہ نے پیدا کیا ہر جاندار

مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ

پانی سے پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں اپنے پیٹ کے بل اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں

عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ

دو پاؤں پر اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں چار پر پیدا کرتا ہے اللہ

مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۶﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

جو چاہتا ہے یقیناً اللہ ہر بات پر خوب قدرت رکھنے والا ہے یقیناً یقیناً اتاری ہم نے

حالات، اپنی اصلاحات کو بدلتا جاتا ہے۔ لیکن خدا کے کلام میں اس قسم کی کمزوری نہیں ہوتی بلکہ جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے اس کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔'' (حقائق الفرقان جلد سوم)

۴۵۔ اسی طرح دن اور رات کا ادلنا بدلنا خدائی قدرتوں میں سے ایک ہے جس کی وجہ قدرتِ خداوندی سے زمین کا اپنے محور کے گرد گھومنا اور اس کا ایک طرف جھکے ہونا ہے۔ پس دن اور رات کے ادلنے بدلنے میں اہلِ بصیرت کے لئے سامانِ عبرت یہ ہے کہ اسی طرح دنیا میں روحانی طور پر نورانی و ظلماتی دور آتے رہتے ہیں۔

۴۶۔ پانی کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں۔ زندگی کا آغاز بھی پانی سے ہُوا اور اس کی بقا کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ نظارہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم تخلیق انسان اور حیوان ہے۔ ان میں سانپ اور مچھلی وغیرہ پیٹ کے بَل چلتے ہیں۔ جبکہ انسان اور پینگوئن اور دیگر پرندے دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ قریباً تمام مویشی اور درندے وغیرہ چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ **یخلق اللّٰہ مایشآء** ط میں وہ تمام کیڑے مکوڑے شامل ہیں جن کے بے شمار پاؤں ہیں جیسے ہزار پائے اور کنکول وغیرہ۔ اس ظاہری معنی کے علاوہ یہ بھی معنی ہے کہ یہی تینوں قسمیں انسانوں میں بھی عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ پیٹ کے بل چلنے والے زمینی انسان ہیں جن کا تعلق زمین سے ہوتا ہے۔ ان کی نگاہ آسمان کی طرف نہیں جاتی۔ دو پاؤں پر چلنے والے انسانوں کی پرندوں سے مشابہت ہے کہ اگرچہ زمین سے تعلق رکھتے ہیں لیکن نگاہیں آسمان کی طرف ہوتی ہیں چونکہ ان میں بلند پروازی کی صفت پائی جاتی ہے اس لئے اعلیٰ ترین روحانی ترقی حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر ایک قسم انسانوں کی چوپایوں سے مشابہ ہے۔ یہ اگرچہ رینگنے والوں کی طرح کلیتہً زمینی بندے نہیں ہوتے لیکن نظر ہمیشہ زمین کی طرف ہی رہتی ہے۔ ان میں چوپایوں کی طرح عقل کا فقدان ہوتا ہے اور ان کی زندگی کا

اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

آیات کھول کھول کر بیان کرنیوالی اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے طرف راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَ

سیدھی کی اور وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور

اَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ

اطاعت کی ہم نے پھر پھر جاتا ہے ایک فریق ان میں سے بعد اس کے اور نہیں ہیں وہ لوگ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

ہرگز مومن اور جب وہ بلائے جاتے ہیں طرف اللہ اور اس کے رسول کی تاکہ وہ فیصلہ کرے

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ

درمیان ان کے اچانک ایک فریق کے لوگ ان میں سے اعراض کرنیوالے ہوتے ہیں اور اگر ہو ان کا

مقصد بھی محض کھانے پینے یا دیگر حیوانی ضروریات تک ہی محدود رہتا ہے۔ وہ اپنے قانونِ تخلیق کے مطابق جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے اس کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

۴۷۔ حضرت مصلح موعود کی تفسیر کی روشنی میں اس آیت کی مختصر تفسیر یہ ہے کہ آیاتِ مبیّنات ہی وہ کھلے کھلے خدائی نشان اور پیشگوئیاں ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دنیا میں انبیاء کی سچائی ظاہر کرتا ہے۔ آیات مبیّنات سے اللہ تعالیٰ اپنا چہرہ تو دکھا دیتا ہے لیکن صراطِ مستقیم اس کے فضل کے بغیر میسر نہیں۔ پس مومن اپنے ربّ کے حضور عاجزانہ دعائیں کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اسے اس پر ہمیشہ قائم رکھے۔ سورۃ فاتحہ سے ظاہر ہے کہ صراطِ مستقیم حاصل ہو جانے کے بعد بھی انسان کو گمراہی کا خطرہ ہے پس بندے پر لازم ہے کہ ہدایت پانے کے بعد بھی دعاؤں کا دامن نہ چھوڑے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہے اور مزید ترقی کے لئے اُس کی مدد کا طالب رہے۔

۴۸۔ کھلے کھلے احکامات و نشانات دیکھ لینے کے بعد بھی جنہیں کامل ہدایت نصیب نہیں ہوتی ان میں منافقت کی کوئی نہ کوئی رگ باقی رہ جاتی ہے۔ پس خدا اور رسول پر ایمان لانے کے باوجود ان لوگوں کی اطاعت سے پہلو تہی ان کے ایمان کے دعویٰ کو باطل ثابت کرتی ہے۔

۴۹۔ ۵۰۔ **مذعنین۔ ذعن**۔ مطیع ہونا۔ جلدی سے اطاعت کرنا۔

پس اسلام میں منافقت کی کوئی گنجائش نہیں کہ اگر اپنا فائدہ نظر آیا تو خدا اور رسول کی بات مان لی اور جہاں اپنے مفاد پر زد پڑی وہاں ان کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ایمان کے معنی

الْحَقُّ يَأْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝۵۰ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ

حق آتے ہیں طرف اس کی مطیع ہو کر کیا دلوں میں ان کے بیماری ہے یا

ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۚ

شک کیا انہوں نے یا وہ ڈرتے ہیں کہ ظلم کرے گا اللہ ان پر اور رسول اس کا

ع ۶ ۱۰ ۱۲ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۱ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(نہیں) بلکہ یہ لوگ ہی ظالم ہیں سوائے اسکے نہیں کرتے ہے بات مومنوں کی

اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا

جب وہ بلائے جاویں طرف اللہ اور رسول اسکے کی تاکہ وہ فیصلہ کرے درمیان انکے یہ کہ وہ کہتے ہیں

یہی ہیں کہ دینی امور میں آنحضرت ﷺ کی اقتدا کے ساتھ سیاسی و معاشرتی امور میں بھی آپ ﷺ کو اپنا حکم تسلیم کرو تا دینی و دنیوی انعامات کے وارث قرار پاؤ۔ تنازعات کے فیصلہ کے لئے ظاہر ہے کہ خدا تمہیں براہ راست نہیں بلاتا۔ رسول کا بلانا خدا کا بلانا ہے اور رسول کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہے۔ ان آیات میں صاف بتا دیا کہ جب تک آپس کے اختلافات میں خدا اور رسول کو حکم نہیں بناؤ گے اسلامی ریاست کا قیام عمل میں نہیں آئے گا اور نہ بحیثیتِ مجموعی ترقی کر سکو گے۔

درحقیقت اسلام چند دینی عقائد کا نام نہیں اور نہ اس کا دائرہ عمل دیگر مذاہب کی طرح چند عبادات تک محدود ہے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں ایک فرد کی ضروریات سے لے کر ایک اسلامی ریاست کے لئے جن قوانین کی ضرورت پیش آ سکتی ہے ان سب کی وضاحت موجود ہے۔ غرض قرآنِ کریم میں سیاست اور تنظیمِ ملکی، معاشیات اور اقتصادیات، بین الاقوامی تعلقات اور جنگی قوانین، لین دین کے اصول اور حدود و تعزیرات ورثہ کے قوانین اور فِقہ و قضا کے احکام اور دیگر لا تعداد معاملات کے بارے میں مکمل اور جامع احکام موجود ہیں۔

۵۱۔ **یحیف**۔ حیف۔ فیصلہ میں ایک فریق کی طرف مائل ہو جانا۔ رعایت کرنا، ظلم و زیادتی کرنا۔

اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ سے انحراف اسی لئے ہے کہ ان کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے اور یہ نبوت کے معاملہ میں شبہ میں ہیں انہیں یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا یعنی ان کے حق میں فیصلہ نہیں ہو گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ہی دوسروں کے حقوق غصب کر کے ظلم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۲ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

سُنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں اور جو اطاعت کریگا اللہ

وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۵۳

اور اس کے رسول کی اور ڈریگا اللہ سے اور تقوی کریگا اس کا تو یہ لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ

اور قسم کھاکر کہا انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں اپنی کہ ضرور اگر تو حکم کریگا انہیں تو ضرور وہ نکلیں گے (جہاد کے

قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا

لیے) تو کہدے نہ قسم کھاؤ اطاعت ہے مناسب یقیناً اللہ خوب خبر رکھنے والا ہے اسکی جو

۵۲۔ پچھلے رکوع میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو منہ سے ایمان کا دعوٰی کرتے ہیں لیکن رسول کے فیصلوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ منافقین کا گروہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوا ان کے مقابلہ میں سچے مومنین کا ذکر کیا جنہوں نے ہر حکم پر سر تسلیم خم کیا اور کامل اطاعت بجا لائے اور نبی اکرم ﷺ کو ہی اپنا حکم تسلیم کیا۔ یہی فلاح پانے والے ہیں یعنی دنیا و آخرت کی بھلائیاں انہیں کے لئے ہیں۔

۵۳۔ اس آیت میں انسان کی دنیوی اور اُخروی کامیابی کے لئے چار امور بیان فرمائے ہیں۔ تفسیر قرطبی میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر فاروقؓ کا ایک واقع نقل ہے کہ ایک روز مسجدِ نبوی میں ایک رومی دہقان آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان کا اقرار کیا۔ حضرت عمرؓ نے ایمان لانے کا سبب دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ میں نے توریت، انجیل، زبور اور گزشتہ انبیاء کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اسے سنا تو یوں لگا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام گزشتہ کتب کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ پس مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروقِ اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیتِ مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی عجیب و غریب تفسیر بھی اس طرح بیان کی کہ **من يطع اللّٰه** فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے **ورسولَهٗ** سنت نبوی کے متعلق ہے **ويخش اللّٰه** گزشتہ عمر کے متعلق ہے **ويتّقهِ** آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان ان چار چیزوں پر عمل کرنے والا ہو جائے تو اس کو **فاولٰٓئك هم الفآئزون** ۝ کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اسے ٹھکانہ ملے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔ (قرطبی)

تَعْمَلُوْنَ ۝۵۴ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

تم کرتے ہو تو کہدے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر تم

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۚ وَاِنْ

پھر جاؤ تو سوائے اس کے نہیں کہ اس پر ہے جو اٹھایا گیا وہ اور تم پر ہے جو اٹھائے گئے تم اور اگر

تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۵۵

تم اطاعت کروگے اس کی ہدایت پاؤگے اور نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا کھلا کھلا

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور کیں نیکیاں

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪

کہ البتہ ضرور خلیفہ بنادے گا انہیں زمین میں جیسا کہ اس نے خلیفہ بنایا ان لوگوں کو جو پہلے تھے ان سے

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ

اور البتہ ضرور قائم کردیگا انکے واسطے دین ان کا جو اس نے پسند کیا ان کے لیے اور البتہ ضرور بدل دے گا

مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْــًٔا ۚ

انہیں بعد ان کے خوف کے امن سے وہ عبادت کریں گے میری نہ شریک کرینگے میرے ساتھ کسی کو

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۶ وَاَقِيْمُوا

اور جس نے انکار کیا بعد اس کے تو وہ لوگ ہی فاسق ہیں اور قائم کرو

۵۴۔**جھد** ۔کوشش اور مشقت کے معنی دیتا ہے۔اسی سے جہاد ہے۔**جھد ایمانھم** سے مراد سخت قسمیں کھانا ہے۔

قسمیں کھانے والے اپنے نفاق پر مہر ثبت کرتے ہیں۔ پس انہیں قسمیں کھا کھا کر اطاعت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اطاعت تو معروف ہے یعنی جانی پہچانی ہے یہ عملاً ثابت ہو جاتی ہے۔ زبانی دعوے کرنے والوں نے آپ ﷺ کو حکم تسلیم کیا اور نہ جہاد کے لئے نکلے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے وہ اسے دھوکہ نہیں دے سکتے۔

۵۵۔تمہاری نافرمانی کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ اس لئے کہ رسول کی ذمہ داری اسی حد تک ہے جو اس کے ذمہ لگائی گئی اور تم پر تمہارے اعمال کی ذمہ داری ہے جو تم پر ڈالی گئی۔ یہاں صاف بتا دیا کہ رسول کی اطاعت کے بغیر تم ہدایت نہیں پا سکتے اور نہ اپنے ربّ کو راضی کر سکتے ہو۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں خوب وضاحت فرمادی کہ رسولؐ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

۵۶۔اطاعتِ رسول کے احکام کے بعد خلافت کا وعدہ فرمایا گویا طاعتِ رسول کا انعام

خلافت کی شکل میں ملتا ہے۔ پس اگر رسول کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے تو خلیفہ وقت کی نافرمانی رسول کی نافرمانی ہے۔ گویا اللہ اور رسول کی اطاعت کے اندر خلیفہ وقت کی اطاعت ہے۔ خلیفہ کے لفظی معنی جانشین کے ہیں۔ قرآنی رو سے خلافت تین قسم کی ثابت ہے۔ پہلی خلافتِ نبوت ہے جیسا کہ قرآن کریم نے آدمؑ اور داؤدؑ کو خلیفہ کہا۔ دوسری خلافتِ ملوکیت ہے جیسا کہ الاعراف رکوع ۱۰،۹ میں خلیفہ کا لفظ دنیوی بادشاہوں کے لئے استعمال ہوا۔ تیسری خلافت ہر نبی کے بعد قائم ہوتی ہے جو ایک رسول کے تابع نظامِ اسلام ہے۔ چونکہ بادشاہوں کی طاعت سے انکار فسق نہیں کہلاتا اس لئے یہاں مراد خلافتِ ملوکیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دائمی وعدہ ہے جو ایمان صالحہ بجا لانے والے مومنین کے ساتھ ہے۔ یہ وعدہ سب سے پہلے خلافتِ راشدہ کے وقت بڑی شان سے پورا ہوا جب آنحضرت ﷺ کی وصال کی خبر کے ساتھ ہی فتنوں نے سر اٹھایا اور کمزور ایمان لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ حکم صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی تک تھا مسیلمہ کے ساتھ ایک لاکھ لوگوں کا گروہ شامل ہو گیا۔ مسلمانوں کو چاروں طرف سے بلاؤں نے گھیر لیا یہ خلافت کی شوکت تھی کہ فتنوں کا سر کچلا گیا، دین کو تمکنت نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دیا۔ صحابہؓ کو خلافت کی اہمیت کا پوری طرح احساس تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب بعض لوگ آپ کے خلاف فتنوں میں مصروف تھے تو صحابی رسول حضرت حنظلہؓ نے کچھ اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:۔ ”مجھے تعجب ہے کہ لوگ کن باتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ خلافت جاتی رہے اگر وہ چلی گئی تو لوگ ہر خیر سے محروم ہو جائیں گے اور پھر انتہائی ذلیل ہو جائیں گے۔ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح ہو جائیں گے جو راہِ حق سے بھٹک چکے ہیں“۔(تاریخ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۳) حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی:۔ اے اللہ میرے ان خلفاء پر رحم فرما جو میرے بعد آئیں گے میری احادیث اور سنت بیان کریں گے اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں گے۔ (الجامع الصغیر جلد اوّل صفحہ ۶۰) گو خلفاء کا انتخاب مومنین کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن اس میں رضائے باری تعالیٰ شامل ہوتی ہے پس خلیفہ خدا ہی بناتا ہے اس لئے بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اگر خلافت کے تقاضے پورے نہیں کئے تو اسلام کے اندر رہتے ہوئے شرک کرو گے اور فاسقین بن جاؤ گے۔ یہاں ایک دائمی وعدہ ہے کہ جس طرح پہلی امتوں میں خلفاء مقرر ہوئے اسی طرح اس امت میں بھی خلفاء مقرر فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ مثیل موسیٰ تھے اس لئے پہلوں سے مراد موسوی سلسلہ کے خلفاء ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد

ان کے خلفاء کا سلسلہ جاری ہُوا۔بنی اسرائیل میں قوم کی اصلاح کے لئے بے شمار انبیاء آئے۔آخر قریباً تیرہ سو سال بعد جب یہود کی اخلاقی حالت بہت ہی پست ہو گئی تو مسیح ابن مریم مبعوث ہوئے جو بنی اسرائیل کے آخری خلیفہ تھے۔آپ کی خلافت کسی نہ کسی حد تک پوپ کی شکل میں آج تک جاری ہے۔اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ راشدہ قائم ہوئی جس نے اسلام کو زمین پر مستحکم کیا پھر ہر صدی کے سر پر مجدّدِ دین نے یہی فریضہ ادا کیا۔جن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے اولیاء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے۔**علماءُ اُمّتي کاَنبیآء بَنِيّ اسرآءِیلَ**۔ (مکتوب امام ربانی دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ ۳۳ مکتوب ۲۳۴) آخر تیرہ صدیوں کے بعد چودھویں صدی کے سر پر جب اسلام کے اکثر نام لیوا ہر بُرائی میں ملوث ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار پیشگوئیوں کے عین مطابق مسیحی صفات سے مزیّن ہو کر میرزا غلام احمد قادیانی مسیحِ موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات کے ساتھ مبعوث ہوئے جو مسیح ناصری کی طرح خاتم الخلفاء تھے گویا قیامت تک آپ کے پائے کا خلیفہ نہیں آئے گا۔آپ نے اسلام کو تمام برائیوں اور بدعتوں سے پاک کر کے اس کا روشن چہرہ دنیا کو دکھایا اور اس پیارے دین کی جڑوں کو زمین میں مضبوطی سے قائم کیا اور مومنین پر وارد کئے ہوئے خوف کو امن سے بدل دیا۔**یعبدوننی** میں بتایا کہ اسے ماننے والے موحد ہوں گے۔**لایشرکون بی شیئًا** سے ظاہر ہے کہ اس امت میں مشرکانہ رسوم و بدعات شامل ہو جائیں گی جن سے مسیح انہیں پاک کرے گا۔**من کفر**۔۔۔۔۔ میں بتایا کہ مسیح کا انکار کرنے والے فاسقین میں سے ہوں گے۔سورۃ النور آیت ۵۶۔ترجمہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور مناسبِ حال عمل کئے یہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا۔اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت مہدیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔(بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۳) جو لوگ **منکم** سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت صرف صحابہ کے لئے ہے اور اس سے مراد صرف خلافتِ راشدہ ہے وہ قرآنی رو سے صریحاً غلطی پر ہیں۔**منکم** کا لفظ صحابہ کرامؓ پر چسپاں کرنے سے چھ سو قرآنی احکام صحابہ تک محدود کرنے پڑیں گے۔قرآن کریم کے عام محاورہ میں خطاب عام ہوتا ہے اور احکام تمام امت کے لئے ہوتے ہیں۔**الیوم اکملت لکم دینکم** بھی کسی خلیفہ یا رسول کو ردّ نہیں کرتی تورات میں قریباً اسی مفہوم کی آیت موجود ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی اس کے باوجود بنی اسرائیل میں اس کتاب کے تابع صدہا انبیاء آئے۔غرض

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

نماز اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ

عادت الٰہیہ یہی ہے کہ کتاب بھیج کر اس کی تائید و تصدیق کے لئے انبیاء بھیجتا ہے۔جو خدا موسوی شریعت کی تجدید کے لئے ہزارہا انبیاء بھیج سکتا ہے وہ اس امت مرحومہ کے لئے جو خیرالامم ہے سخت فتنوں کے وقت کیوں کوئی نبی مبعوث نہ کرتا جو دین میں پھیلی ہوئی بدعتوں کو دور کرتا اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتا (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم سورۃ النور آیت ۵۶ سے استفادہ کیا گیا) ہاں وہ اسی شریعت کو قائم کرنے آئے گا اور ایک شوشہ تک بدلنے کا مجاز نہیں ہوگا اور ظلّی نبی ہوگا جس کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری ہوگا۔جیسا کہ حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔پھر وہ اس کو اٹھا لے گا۔پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت قائم ہوگی جب تک اللہ چاہے گا۔پھر وہ اس کو اٹھا لے گا۔پھر کوتاہ اندیش بادشاہت قائم ہوگی جب تک اللہ چاہے گا۔پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لے گا پھر ظالمانہ بادشاہت قائم ہوگی جب تک اللہ چاہے گا وہ قائم رہے گی پھر اس کو اٹھا لے گا۔اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت قائم ہوگی۔یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔(مسند احمد ۲۷۳/۴) گویا ان چند الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی تاریخ دہرا دی کہ جس طرح میرے بعد خلافت قائم ہوگی میرے مہدی کے بعد بھی قائم ہوگی۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی بتا رہی ہے کہ یہ خلافت انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی۔حدیث میں ہے کہ قربِ قیامت میں عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو باوجود اپنے وصفِ نبوت اور عہدہ نبوت پر قائم رہنے کے اس وقت وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے۔(تفسیر ابن کثیر)

۵۷۔یہاں بتایا کہ اللہ کے رحم کو کھینچنے والے یہ تینوں اعمال ہیں نماز، زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول۔پس جب تک مومنین میں صلوٰۃ و زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول کی روح قائم رہی خلافت کی نعمت بھی قائم رہی۔درحقیقت ان تینوں اعمال کا خلافت سے خاص تعلق ہے اور ایک نظام کو چاہتے ہیں۔نماز کی صحیح روح حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادا کرنا ہے جب تک مسلمان ایک ہاتھ پر اکٹھے نہیں ہوں گے قومی مسائل کا صحیح علم ہونا ممکن نہیں۔قومی معاملات کی صحیح رپورٹ خلیفہ وقت کو پہنچتی ہے اور وہ ان وقتی مسائل کو اپنے خطبات میں بیان کرتا ہے پھر مومنین کے مشورہ اور مدد سے انہیں حل کیا جاتا ہے۔اسی طرح زکوٰۃ کا نظام بھی خلافت سے ہی وابستہ ہے کہ زکوٰۃ قومی طور پر اکٹھی کی جائے اور ایک نظام کے تحت تقسیم ہو۔اسی طرح ایک نظام کے تحت دوسرے احکام پر عمل بھی سہل ہوگا۔

ان کے خلفاء کا سلسلہ جاری ہُوا۔ بنی اسرائیل میں قوم کی اصلاح کے لئے بے شمار انبیاء آئے۔ آخر قریباً تیرہ سو سال بعد جب یہود کی اخلاقی حالت بہت ہی پست ہو گئی تو مسیح ابن مریم مبعوث ہوئے جو بنی اسرائیل کے آخری خلیفہ تھے۔ آپ کی خلافت کسی نہ کسی حد تک پوپ کی شکل میں آج تک جاری ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد خلافتِ راشدہ قائم ہوئی جس نے اسلام کو زمین پر مستحکم کیا پھر ہر صدی کے سر پر مجدّ دین نے یہی فریضہ ادا کیا۔ جن کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے اولیاء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے۔ **علماءُ اُمّتي كأنبياء بَنِيِّ اسرآءيلَ**۔ (مکتوب امام ربّانی دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ ۳۳ مکتوب ۲۳۴) آخر تیرہ صدیوں کے بعد چودھویں صدی کے سر پر جب اسلام کے اکثر نام لیوا ہر بُرائی میں ملوث ہو گئے تو آنحضرت ﷺ کی بے شمار پیشگوئیوں کے عین مطابق مسیحی صفات سے مزیّن ہو کر میرزا غلام احمد قادیانی مسیحِ موعود اور مہدی معہود کے خدائی القابات کے ساتھ مبعوث ہوئے جو مسیح ناصری کی طرح خاتم الخلفاء تھے گویا قیامت تک آپ کے پائے کا خلیفہ نہیں آئے گا۔ آپ نے اسلام کو تمام برائیوں اور بدعتوں سے پاک کر کے اس کا روشن چہرہ دنیا کو دکھایا اور اس پیارے دین کی جڑوں کو زمین میں مضبوطی سے قائم کیا اور مومنین پر وارد کئے ہوئے خوف کو امن سے بدل دیا۔ **یعبدوننی** میں بتایا کہ اسے ماننے والے موحد ہوں گے۔ **لایشرکون بی شیئًا** سے ظاہر ہے کہ اس امت میں مشرکانہ رسوم و بدعات شامل ہو جائیں گی جن سے مسیح انہیں پاک کرے گا۔ **من کفر۔۔۔۔۔** میں بتایا کہ مسیح کا انکار کرنے والے فاسقین میں سے ہوں گے۔ سورۃ النور آیت ۵۶۔ ترجمہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور مناسبِ حال عمل کئے یہ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا۔ اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت مہدیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۳) جو لوگ **منکم** سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ آیت صرف صحابہ کے لئے ہے اور اس سے مراد صرف خلافتِ راشدہ ہے وہ قرآنی رو سے صریحاً غلطی پر ہیں۔ **منکم** کا لفظ صحابہ کرامؓ پر چسپاں کرنے سے چھ سو قرآنی احکام صحابہ تک محدود کرنے پڑیں گے۔ قرآن کریم کے عام محاورہ میں خطاب عام ہوتا ہے اور احکام تمام امت کے لئے ہوتے ہیں۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** بھی کسی خلیفہ یا رسول کو ردّ نہیں کرتی توریت میں قریباً اسی مفہوم کی آیت موجود ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی اس کے باوجود بنی اسرائیل میں اس کتاب کے تابع صد ہا انبیاء آئے۔ غرض

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

نماز اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ

عادت الٰہیہ یہی ہے کہ کتاب بھیج کر اس کی تائید و تصدیق کے لئے انبیاء بھیجتا ہے۔ جو خدا موسوی شریعت کی تجدید کے لئے ہزار ہا انبیاء بھیج سکتا ہے وہ اس امت مرحومہ کے لئے جو خیر الامم ہے سخت فتنوں کے وقت کیوں کوئی نبی مبعوث نہ کرتا جو دین میں پھیلی ہوئی بدعتوں کو دور کرتا اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتا (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم سورۃ النور آیت ۵۶ سے استفادہ کیا گیا) ہاں وہ اسی شریعت کو قائم کرنے آئے گا اور ایک شوشہ تک بدلنے کا مجاز نہیں ہو گا اور ظلّی نبی ہو گا جس کے بعد خلافت کا سلسلہ جاری ہو گا۔ جیسا کہ حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ اس کو اٹھا لے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت قائم ہو گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر وہ اس کو اٹھا لے گا۔ پھر کوتاہ اندیش بادشاہت قائم ہو گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھا لے گا پھر ظالمانہ بادشاہت قائم ہو گی جب تک اللہ چاہے گا وہ قائم رہے گی پھر اس کو اٹھا لے گا۔ اس کے بعد پھر خلافت علیٰ منہاجِ نبوت قائم ہو گی۔ یہ فرما کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ (مسند احمد ۴/۲۷۳) گویا ان چند الفاظ میں آپ ﷺ نے قیامت تک کی تاریخ دہرا دی کہ جس طرح میرے بعد خلافت قائم ہو گی میرے مہدی کے بعد بھی قائم ہو گی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کی خاموشی بتا رہی ہے کہ یہ خلافت انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی۔ حدیث میں ہے کہ قربِ قیامت میں عیسیٰؑ نازل ہوں گے تو باوجود اپنے وصف نبوت اور عہدہ نبوت پر قائم رہنے کے اس وقت وہ بھی آپ ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

۵۷۔ یہاں بتایا کہ اللہ کے رحم کو کھینچنے والے یہ تینوں اعمال ہیں نماز، زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول۔ پس جب تک مومنین میں صلوٰۃ و زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول کی روح قائم رہی خلافت کی نعمت بھی قائم رہی۔ درحقیقت ان تینوں اعمال کا خلافت سے خاص تعلق ہے اور ایک نظام کو چاہتے ہیں۔ نماز کی صحیح روح حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادا کرنا ہے جب تک مسلمان ایک ہاتھ پر اکٹھے نہیں ہوں گے قومی مسائل کا صحیح علم ہونا ممکن نہیں۔ قومی معاملات کی صحیح رپورٹ خلیفہ وقت کو پہنچتی ہے اور وہ ان وقتی مسائل کو اپنے خطبات میں بیان کرتا ہے پھر مومنین کے مشورہ اور مدد سے انہیں حل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا نظام بھی خلافت سے ہی وابستہ ہے کہ زکوٰۃ قومی طور پر اکٹھی کی جائے اور ایک نظام کے تحت تقسیم ہو۔ اسی طرح ایک نظام کے تحت دوسرے احکام پر عمل بھی سہل ہو گا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ

نہ گمان کر تو — ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا — عاجز کر دینے والے (الٰہی سلسلوں کو) زمین میں — اور ٹھکانا ان کا

ع ۷ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ

۱۳ آگ ہے — اور یقیناً کیا ہی بُرا ہے ٹھکانا — اسے — لوگو — جو ایمان لائے ہو چاہیئے کہ اجازت لیں تم سے

الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ

وہ لوگ کہ — مالک ہوئے (رکھے) دائیں ہاتھ تمہارے اور وہ لوگ کہ — نہیں — پہنچے — بلوغت کو تم میں سے

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ

تین — دفعہ — (۱) — پہلے — نماز — فجر سے — اور (۲) — جب تم اتار دیتے ہو

ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ

کپڑے اپنے — دوپہر کو — اور (۳) — بعد — نماز — عشاء — تین

عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ

پردہ کے وقت ہیں تمہارے لیے — نہیں ہے — تم پر — اور نہ — ان پر — کوئی گناہ — بعد — ان کے

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

گھومنے والے ہیں تم پر — بعض تمہارے — بعض پر — اس طرح — کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے

الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ

لیے آیات — اور اللہ خوب جاننے والا ہے حکمت والا ہے — اور جب پہنچ جاویں — بچے — تم میں

۵۸۔ پس جب مومن ان اعمال پر کاربند رہیں گے تو کفار ان کو ہرگز مغلوب نہیں کر سکیں گے۔ خدا کی تقدیر پوری ہو کر رہے گی۔ اور کفار کا انجام دنیا اور آخرت میں بہت ہی بُرا ہوگا۔

۵۹۔ **حلم**۔ زمانہ بلوغت۔ **ظھیرۃ**۔ ظہر دن کا نصف ہے۔ **ظھیرۃ**۔ سخت گرمی کی دوپہر کا وقت ہے سردیوں کی دوپہر کو **ظھیرہ** نہیں کہتے۔ **عورٰت**۔ وہ اعضا جنہیں شرم کی وجہ سے ڈھانپا جاتا ہے۔ ہر وہ امر جس سے شرم کی جائے۔ (آیت ۳۲ سے استفادہ فرمائیں)

پچھلے رکوع میں اطاعت رسول کے ساتھ خلافت کا وعدہ فرمایا تا اللہ تعالیٰ مومنین کے خوف کی حالت کو امن سے بدل دے اور سکون کی فضا پیدا ہو۔ اس رکوع میں بتایا کہ انسان کا حقیقی سکون اس کے گھر کے اندر اس کی بیوی سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی ضمن میں میاں بیوی کے تخلیہ (Privacy) کے لئے چند مخصوص اوقات مقرر فرمائے کہ فجر سے قبل دوپہر کے وقت اور عشا کے بعد تخلیہ اور آرام کے اوقات ہیں۔ ان اوقات میں اپنے گھر کے ملازمین اور بچے بھی تخلیہ میں مخل نہ ہوں اور اجازت لے کر اندر آئیں۔ بیرونی لوگوں کے لئے احکام آیت: ۲۸۔۲۹۔۳۰ میں گزر چکے ہیں۔ اس زمانہ میں

الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

بلوغت کو — پس چاہیئے کہ وہ اجازت لیں — جیسا کہ — اجازت لیتے تھے — وہ لوگ جو — پہلے تھے ان سے

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اس طرح — کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے — آیات اپنی — اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے

عربوں میں دروازوں کا رواج نہیں تھا ایک صدر دروازہ ہوتا تھا۔ بادشاہوں کے محلات اور حرم سراؤں میں دروازوں کی بجائے بھاری پردے لٹکائے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے حجروں کے دروازوں پر بھی سیاہ اون کے موٹے پردے لٹکتے تھے۔ بہرحال دروازے ہوں یا نہ ہوں کمرہ بند ہو یا کھلا اجازت لینا ضروری ہے۔ کسی کے کمرے میں اجازت لے کر جانا مغربی تہذیب میں آج کے دور میں رائج ہوا جبکہ نبی اُمّی ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے یہ قرآنی حکم سنایا۔ اسلام نے اہل یورپ کی طرح سرعام گلیوں، بازاروں اور پارکوں میں بوس و کنار اور فحش حرکات کی ہرگز اجازت نہیں دی اور فحاشی کو سختی سے روکا بلکہ چھوٹے بچوں کے سامنے بھی ہر قسم کی بیہودہ باتوں سے منع فرمایا۔ یہ تینوں اوقات انسان کے آرام اور تخلیہ کے ہیں جب وہ اپنے بعض زائد کپڑے اتار دیتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان اوقات کے علاوہ عام طور پر انسان کو مناسب لباس ہی میں ہونا چاہئے۔ آج مہذب لوگ سونے کے لئے لباس تبدیل کرتے ہیں جبکہ یہ حکم پہلے سے قرآن کریم میں موجود ہے۔

۶۰۔ بچے جب بڑے ہو جائیں تو ان پر بھی یہی اصول عائد ہوگا۔ والدین کے کمروں میں یا ان کے گھروں میں ان اوقات میں آئیں تو اجازت لے کر آئیں حالانکہ اس وقت والدین بوڑھے ہو چکے ہوں گے۔ گویا بزرگوں کے لئے بھی یہ ضروری سمجھا گیا کہ انہیں اپنے تخلیہ اور آرام کا وقت ملے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نفسیات سے خوب واقف ہے اس کا ہر حکم حکمت کی بنا پر ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بیٹوں کے گھر الگ ہونے چاہئیں۔ ایک شخص نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے ساس بہو کے جھگڑے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بیٹے کی شادی سے قبل اس کے لئے الگ گھر بنوا کر دیا یہی اس جھگڑے کا حل ہے۔ تاہم اگر کسی کو استطاعت نہ ہو یا والدین کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنا ضروری ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو اکٹھے رہنے میں بھی مضائقہ نہیں بلکہ موجب ثواب ہے اور اس سے بہت سے فوائد وابستہ ہیں۔ اس صورت میں جھگڑوں کا حل یہ ہے کہ برداشت اور رواداری کی عادت ڈالی جائے پیار و محبت اور عزت و احترام کی فضا ہو۔ دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور اسی کی رضا مطلوب ہو۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ
اور بیٹھ رہنے والیاں عورتوں میں سے وہ جو کہ نہیں امید رکھتیں نکاح کی تو نہیں ہے

عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ
ان پر کوئی گناہ کہ وہ اتار رکھیں کپڑے اپنے نہ نمود کرنے والیاں

بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
سنگھار کی اور یہ کہ وہ بچیں بہتر ہے ان کے لیے اور اللہ خوب سننے والا

عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ
خوب جاننے والا ہے نہیں نابینا پر کوئی تنگی اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی

وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا
اور نہ بیمار پر کوئی تنگی اور نہ خود تم پر یہ کہ کھاؤ تم

مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ
اپنے گھروں میں یا گھروں سے اپنے باپ دادا کے یا گھروں سے اپنی ماؤں کے یا

بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ
گھروں سے اپنے بھائیوں کے یا گھروں سے اپنی بہنوں کے یا گھروں سے اپنے چچوں کے

اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ
یا گھروں سے اپنی پھوپھیوں کے یا گھروں سے اپنے ماموؤں کے یا گھروں سے اپنی خالاؤں کے

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
یا وہ کہ مالک ہوئے تم کنجیوں کے ان کی یا اپنے دوستوں سے نہیں ہے تم پر کوئی گناہ

اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا
یہ کہ کھاؤ تم سب مل کر یا الگ الگ پس جب داخل ہو تم گھروں میں

۶۱-**تبرّجٰت**۔ **تبرّج** ۔حُسن کو نمایاں کر کے دکھانا ہے۔ نا محرم کے سامنے اظہار زینت ہے۔ نمود و زینت ۔**قواعد** واحد قاعدہ۔ گھر میں بیٹھنے والیاں۔ عمر رسیدہ عورتیں۔

عرب میں عورتیں بناؤ سنگھار کر کے اسی طرح ناز و ادا سے باہر نکلتی تھیں جس طرح آج کے ترقی یافتہ معاشرہ میں مروّج ہے۔ جوان عورتوں کے متعلق پردہ کے احکام پہلے گزر چکے ہیں یہاں بتایا کہ ایسی بزرگ خواتین جنہیں باہر کے کام کاج کی مجبوری نہیں وہ گھر میں رہتی ہیں اور انہیں نکاح کی حاجت نہیں۔ اگر وہ نامحرم کے سامنے بڑی چادریں اتار رکھیں تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کا مقصد اپنی زینت کا اظہار نہ ہو۔ تاہم ان کے لئے زیادہ بہتر ہے کہ محتاط رہیں اور نامحرم کے سامنے چادر لئے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔

فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ
تو سلام کہو آپس میں مقررہ دُعا طرف سے اللہ کی بابرکت پاکیزہ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّمَا ع ۸ ۱۴
اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے آیات تاکہ تم عقل کرو سوائے

۶۲-**اوماملکتم مّفاتحهٗ** ۔ جن کی چابیوں کے تم مالک ہو۔ جن کے مال یا مکان وغیرہ کے تم نگران یا منتظم ہو۔ **تحیّة**۔ دُعائے خیر۔ تحفہ۔

پچھلی آیات میں اپنے قریب ترین عزیزوں کے گھروں میں بھی اجازت لے کر جانے کا حکم دیا اس سے غلطی کا امکان ہوسکتا تھا کہ ان کے ساتھ غیروں کے سے تعلقات رکھے جائیں۔ اس غلط فہمی کو دور فرمایا اور بتایا کہ اجازت لینا بھی ضروری ہے اور قریبی رشتہ داروں کے درمیان مغایرت اور تکلف بھی جائز نہیں۔ ان کے گھروں سے بے تکلفی سے کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ **من بیوتکم** سے مراد وہ گھر ہیں جو تمہارے اپنے ہی گھروں کی طرح ہیں جیسے بیٹوں وغیرہ کے گھر۔ اسی لئے اولاد یا بیویوں کے گھروں کا الگ ذکر نہیں کیا۔

عرب بے حد مہمان نواز تھے۔ رشتہ داروں اور مہمانوں کو کھلانے میں بہت خوشی محسوس کرتے۔ احادیث میں بھی کھانا کھلانے کا بہت اجر بیان ہوا ہے۔ لیکن **لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** (سورہ النساء۔۳۰) کے نزول کے بعد حد سے زیادہ محتاط ہو گئے اور نہایت درجہ تقویٰ کی وجہ سے بغیر اجازت کسی کے کھانے وغیرہ میں ادنیٰ سا تصرف بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ نیز مدینہ میں یہود آباد تھے جو اپنے مذہب کی رو سے اندھے، لولے لنگڑے اور دوسرے جسمانی عیوب والے معذور اور بیمار افراد کو ناپاک سمجھتے تھے اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے (احبار باب ۲۱ آیت ۱۶ تا ۲۳) اسی طرح ہندومت میں شودروں کے ساتھ جانوروں جیسا بلکہ اس سے بھی زیادہ ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا (منو ادھیائے ۹۔۸ شلوک ۶۷،۲۱۷) انجیل میں بھی یہود نے مسیحؑ پر الزام لگایا کہ یہ محصول لینے والوں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔ (متی باب ۹ آیت ۱۰،۱۱) گویا نچلے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا یا انہیں اپنی دعوتوں میں بلانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے ایک عالمگیر اخوت کی بنیاد ڈالی اور اس طبقاتی تفریق کو ختم کیا۔ کمزور، بیمار اور معذور افراد کو صحت مند لوگوں کے شانہ بشانہ کھڑا کیا اور ان کی عزت افزائی فرمائی۔ قریبی رشتہ داروں کا تفصیلاً ذکر اس لئے کیا کہ بعض مذاہب جیسے ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے بعض لوگ اپنی بیٹی کے گھر سے کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں۔ آج کی ترقی یافتہ مغربی

اقوام میں مادہ پرستی اس قدر غالب آ چکی ہے کہ بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ باپ کے گھر بیٹا بھی جائے تو اسے اپنے گھر ٹھہرانے کی بجائے ہوٹل میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے یا اس کے کھانے کا بل اسے بلا تکلف تھما دیا جاتا ہے۔یہ چیزیں چونکہ دلوں میں مغائیرت پیدا کرتی اور محبت کو قطع کرتی ہیں اس لئے اسلام نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے بعد دوستوں کے ہاں سے بھی بلا تکلف کھانا کھانے کی اجازت دی۔کھانے کے وقت اگر کوئی بن بلائے بھی آ جائے تو کھانا کھا سکتا ہے۔اسی طرح کسی کے مال یا گھر بار کا نگران اس کے گھر میں سے معروف طریقہ سے کھانا کھا سکتا ہے۔گویا تمہارے بھروسہ کے ملازمین جنہیں تم نے اپنا سب کچھ سونپا ہُوا ہے ان کے ساتھ تمہارے بے تکلفی کے تعلقات تمہارے لئے زیادہ بہتر ہوں گے۔یہاں مریضوں سے مراد متعدی امراض میں مبتلا مریض نہیں اس لئے کہ تمہاری جانوں کا بھی تم پر حق ہے جیسا کہ فرمایا **لاتلقوابایدیکم الی التّھلکۃ** (سورۃ البقرہ:١٩٦)پس مراد عام مریض ہیں ان کے لئے اجازت ہے کہ اکٹھے بھی کھا سکتے ہو۔کراہت وغیرہ محسوس ہو تو الگ کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔تاہم عام طور پر کھانے میں اکٹھا کھانے کو مقدم رکھا اور اسی میں فضیلت ہے۔آنحضرت ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ اکٹھا کھانا کھاتے تھے اور صحابہؓ کے ساتھ بھی اکٹھے مل کر کھانا کھاتے تھے۔یہی طریق حضرت مسیح موعودؑ کا تھا۔

فسلّمواعلٰی انفسکم میں بتایا کہ تمہارے بہن بھائی اور عزیز و اقارب گویا تمہارے اپنے ہی وجود ہیں۔پس گھروں میں داخل ہوتے وقت اپنے اہلِ خانہ پر سلام کہہ لیا کرو جو اللہ کی طرف سے دعائے خیر کی صورت میں بڑی برکت والا اور پاکیزہ تحفہ ہے۔حدیث میں ہے کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو **السلام علینا وعلٰی عباداللّٰہِ الصّالحین** ۔کہہ لیا کرو۔اس آیت میں پہلے ایک دوسرے کے گھر کھانا کھانے کا ذکر کیا اور کئی توہمات اور رسومات کا ردّ فرمایا۔پھر ایک دوسرے کو سلام کہنے کا حکم دیا یہ دونوں امور اخوتِ اسلامی اور باہمی اتحاد و یگانگت کا ذریعہ ہیں۔پس چھوٹی چھوٹی باتوں میں اسلامی شعار کو اپنانا باعث رضائے الٰہی بھی ہے اور معاشرے کی اصلاح کا موجب بھی۔

حضرت خلیفہ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ مصنف ''سفرالسعادۃ'' آٹھویں صدی میں ہندوستان آئے انہوں نے لکھا کہ ہندوستان میں بادشاہوں کو السلام علیکم کہنے کا رواج نہیں۔اس کا نتیجہ یہ دیکھ لیں گے چنانچہ وہ نتیجہ سب نے دیکھا کہ سلطنت ہی نہ رہی۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۷ جولائی ١٩١٠ء)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا
اسکے سوا نہیں کہ مومن وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب وہ ہوتے ہیں
مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ
ساتھ اس کے کسی معاملہ جمع کرنیوالے پر نہیں جاتے یہاں تک کہ اجازت لیتے ہیں اس سے یقیناً
الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وہ لوگ جو اجازت لیتے ہیں تجھ سے یہی لوگ وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر
وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ
اور اسکے رسول پر پس جب اجازت مانگیں تجھ سے کسی اپنے کام کے لیے تو اجازت دے جس کو
شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٦٣ لَا
چاہے تو ان میں سے اور بخشش مانگ ان کے لیے اللہ سے یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے نہ
تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ
بناؤ پکارنا رسول کا آپس میں مانند پکارنے کے بعض تمہارے کا بعض کو

٦٣۔**شأن**۔اس کا اطلاق صرف اہم امور اور حالات پر ہوتا ہے جیسا کہ **کل یوم ھو فی شان**۔٥٥۔٣٠۔

اس رکوع میں بتایا کہ قومی اور دینی معاملات کو ذاتی معاملات پر ترجیح دینی چاہئے۔رسول نے جس امر کی طرف دعوت دی اسے معمولی نہ سمجھیں اسی میں فلاح ہے اور اس[illegible] کی طرف توجہ نہ کرنے کا نتیجہ فتنہ یا عذابِ الیم ہے جس میں اس دور کے مسلمان گرفتار ہیں۔

پچھلی آیات میں معاشرتی اور خانگی آداب و ضوابط کی تفصیل تھی۔اب بتایا کہ عام عائلی معاملات و ضروریات پر دینی اور قومی اہم معاملات ترجیح رکھتے ہیں اور مقدم ہیں۔یہاں عام مجالس کا ذکر نہیں بلکہ امرِ جامع کا ذکر ہے یعنی وہ خاص امر جس کی اہمیت کے پیش نظر یہ کہا گیا کہ وہ لوگوں کو اکٹھا کرنے والا ہے۔جیسے اعلان جہاد کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرنا یا کسی خاص قومی یا دینی ضرورت کے لئے مجلسِ مشاورت کا منعقد کرنا۔ایسی مجالس کے دوران اجازت مانگنا بھی سوءِ ادب ہے۔اجازت دینا یا نہ دینا رسول یا امیر کی اپنی صوابدید پر ہے۔اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ قومی اجتماعی ضرورت اس شخص کی انفرادی ضرورت سے اہم ہے تو اسے اجازت نہ دینے کا حق حاصل ہے۔اگر کوئی شخص اجازت لے کر ایسی مجلس سے چلا جائے تو بھی اس شخص نے بہر حال دنیا کو دین پر مقدم کیا پس رسول کو اس کی کوتاہی کے لئے دعاءِ استغفار کا حکم دیا کہ وہ کسی شامتِ اعمال کے نتیجہ میں دینی اہم معاملات میں تیرے شریکِ محفل ہو کر خدائی رحمتیں اور برکتیں حاصل کرنے سے محروم رہا۔

قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا ۚ فَلۡیَحۡذَرِ

یقیناً جانتا ہے اللہ ان لوگوں کو جو نکل جاتے ہیں تم میں سے نظر بچا کر پس چاہیئے کہ ڈریں

الَّذِیۡنَ یُخَالِفُوۡنَ عَنۡ اَمۡرِهٖۤ اَنۡ تُصِیۡبَهُمۡ فِتۡنَةٌ اَوۡ

وہ لوگ جو مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم سے کہ پہنچے انھیں کوئی فتنہ یا

یُصِیۡبَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ

پہنچے انھیں عذاب دردناک آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور

الۡاَرۡضِ ؕ قَدۡ یَعۡلَمُ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ ؕ وَ یَوۡمَ یُرۡجَعُوۡنَ اِلَیۡهِ

زمین میں یقیناً وہ جانتا ہے اس حالت کو کہ تم جس پر ہو اور جس دن وہ لوٹائے جائیں گے طرف اسکی

ع ۹ فَیُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ وَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۶۵﴾

۱۵ پس وہ آگاہ کریگا انھیں اس پر جو کیا انہوں نے اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے

۶۴۔ **یتسللون۔ سلّ**۔ کسی چیز کا کھینچ لینا اور نرمی سے نکال لینا۔ **انسلال**۔ تنگی یا انبوہ سے چھپ کر نکل جانا ہے۔ **لواذا۔ لاذ**۔ آڑ لے کر چھپ جانا۔ نظر بچا کر نکل جانا۔

رسول کا بلانا کسی خاص مشورہ کے لئے بھی ہے جیسا کہ پچھلی آیت میں مذکور ہے اور خاص دعوتِ حق بھی ہے۔ یہاں صاف بتا دیا کہ دینی اغراض کے لئے بلائی ہوئی مجالس سے چھپ کر کھسک جانا رسول یا امیر کے حکم کی صریح خلاف ورزی اور بے ادبی ہے جس کی سزا فتنہ یا عذاب الیم کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح چھپ کر کھسک جانے والوں میں منافقت کی کوئی نہ کوئی رگ تھی ورنہ صحابہ کرامؓ تو بعض دفعہ اپنی طبعی ضرورتوں کے لئے بھی آپ ﷺ کی مجالس سے جانے سے رکے رہتے تھے۔

جنگ اُحد میں آپ ﷺ کی نافرمانی کی سزا مسلمانوں کو مل چکی تھی اور وہ خاصا جانی نقصان اٹھا چکے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جنگ حنین کے موقع پر آپ ﷺ کی آواز پر بھاگتی ہوئی دس ہزار فوج کا رک جانا اور شکست کا فتح میں بدل دینا مومنین کی اطاعت کا بہترین نمونہ تھا۔ اسلام کے تنزل کے زمانہ میں رسول ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں مسلمان مختلف فتنوں اور عذابوں میں مبتلا ہوئے جن میں سرِ فہرست آپس کی خانہ جنگیاں، اخلاقی زوال اور محکومی ہے۔

۶۵۔ تمہارے حالات اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ خدائی احکام تمہاری دینی و دنیوی ضروریات کے عین مطابق ہیں اور تمہاری تمام تر ترقی ان پر عمل سے وابستہ ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے

اللہ کا ہے جب اس کے احکام پر عمل پیرا ہو گے اور اسی کے ہو جاؤ گے، تمہارا سب کچھ اسی مالکِ کون و مکاں کے لئے ہو گا تو جو کچھ اس کا ہے وہ بھی تمہارا ہو جائے گا بقول شاعر

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہاں جو احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی سے دنیا سے اندھے اٹھے، بالآخر اپنے ربّ کے پاس پہنچ کر ان کے اعمال کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ ثَمَانٍ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ فرقان۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی اٹھتر آیات اور چھ رکوع ہیں

مفسرین نے اس سورۃ کا نزول ہجرت سے قبل قرار دیا ہے۔ اس سورۃ کے شروع میں کفار کی حالت کا ذکر کیا اور ان کے اعتراضات کے جواب دیئے۔اس طرح مذاہب باطلہ کی تردید فرمائی۔آخر میں مومنین کی حالت بیان فرمائی اور بتایا کہ یہ عظیم روحانی انقلاب کسی بشر کا کام نہیں بلکہ اسی فرقان کا کمال ہے۔ فرقان ہر اس شے کو کہتے ہیں جو فرق کرنے والی اور تمیز کرنے والی ہو۔ فرقان ہر نبی کو عطا ہوتا ہے حضرت موسیٰؑ کا فرقان فرعون کا غرق ہونا اور بنی اسرائیل کا نجات پانا تھا۔ آنحضرت ﷺ کا فرقان یومِ بدر تھا جب مکہ کے چنیدہ سردار واصل جہنم ہوئے اور اسلام کو کھلا کھلا غلبہ نصیب ہُوا۔

سورۃ مومنون میں مومنوں کو بشارت دی گئی تھی۔سورۃ نور میں اخلاقی و عائلی احکام بیان فرمائے اور خلافت کی بشارت دی۔ اس سورۃ میں صحابہ کرامؓ کے مراتب عالیہ کا ذکر کیا اور انہیں جنت کی نعمتوں کی بشارت دی۔ گذشتہ انبیاء کے ذکر میں دعوت حق سے اعراض کرنے والوں کو ان کے انجام سے ڈرایا۔ دو سمندروں کے ملانے کا ذکر کیا جن کے درمیان ایک روک ہے۔(اس کی وضاحت اسی آیت کی تفسیر کے موقع پر کی جائے گی) آخر میں دعا و استغفار کی تلقین کے ساتھ اس سورۃ کو ختم کیا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

بابرکت ہے وہ جس نے اُتارا فرقان اپنے بندے پر تاکہ وہ ہو تمام دنیا کے لیے

نَذِيْرَا ﴿۲﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ

ڈرانے والا وہ کہ اسی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور نہیں بنایا اس نے

وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ

بیٹا اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک حکومت میں اور اس نے پیدا کی ہر چیز

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔پہلے رکوع میں بتایا کہ قرآن تمام قوموں کے لئے ہے نیز ان اعتراضات کا ذکر کیا جو مخالفین، رسول ﷺ پر کرتے تھے۔تبارک کا لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات تمام صفات حسنہ کی جامع اور تمام کمزوریوں سے بالا ہے۔(اقرب) فرقان وہ تعلیم ہے جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے۔یہاں قرآن کریم کو فرقان کہا کیونکہ اس کے براہین و دلائل سچ اور جھوٹ میں کھلا کھلا امتیاز کرنے والے ہیں۔اس سورۃ کی پہلی آیت میں ہی بتا دیا کہ یہ فرقان تمام دنیا کو آنے والے خطرے سے بچانے والا [illegible] عالم کو ہدایت کی طرف بلا رہا ہے جبکہ گزشتہ انبیاء نے ہدایت کو محض اپنی اپنی قوموں تک محدود رکھا۔ چنانچہ اس مردِ کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے تمام بڑے بڑے بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے۔(صحیحین بروایت حضرت ابن عباسؓ) اس طرح دعوت حق کی اس عالمی تحریک کی ابتدا آنحضرت ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی جسے آپ ﷺ کے بعد آنے والے خلفائے راشدین، اولیائے کرام اور مجددین نے جاری رکھا اور اب آپ ﷺ کے مہدی و مسیحؑ اور ان کے خلفاء نے اسے کمال تک پہنچایا اور ایک عالم کو محمد عربی ﷺ کے جھنڈے تلے جمع کیا۔یہ سلسلہ بفضلِ تعالیٰ جاری ہے۔نذیر کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس وقت عام بگاڑ پیدا ہو چکا تھا جس کے لئے نذیر کی ضرورت تھی۔

۳۔یہ اسی خدا کی شان ہے جس کی بادشاہت زمین و آسمان پر ہے اس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہیں۔ اسی کا قانون کارفرما ہے۔ پس بندوں پر صحیح معنوں میں خدائی قانون جاری کرنے

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ

پس اندازہ کیا اس کا اچھی طرح اندازہ اور بنائے انہوں نے سوائے اسکے معبود کہ نہیں وہ پیدا کرتے

کے لئے ضروری ہے کہ ان دنیوی نعمتوں سے بے نیاز داعی الی اللہ کو دنیوی بادشاہتوں سے بھی نوازا جائے تا اس کی بادشاہی جس طرح آسمانوں پر جاری ہے زمین پر بھی جاری ہو۔ ربّ دو جہاں نے اس کائنات کو نہ صرف پیدا کیا بلکہ ہر شے کے لئے ایک اندازہ اور حد مقرر کر دی جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی تقدیر بھی یہی ہے کہ جیسا کوئی عمل کرے گا ویسا ہی نتیجہ حاصل کرے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے سوال کیا گیا کہ جب خدا تعالیٰ انسان کی۔ تقدیر یعنی اعمالِ نیک و بد کو پہلے سے لکھ چکا ہے تو پھر انسان مجبور ہے کیونکہ ان اعمال میں کچھ کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ آپ کا جواب مختصراً یہ تھا کہ خدا کے علم نے ہمیں مجبور نہیں کیا کہ ہم یہ کام کریں یا نہ کریں بلکہ ہمارے کام کرنے یا نہ کرنے کا علم خدا کو ہے جیسے ایک استاد ایک لڑکے کی کم توجہی کے سبب کہہ دیتا ہے یا لکھ دیتا ہے کہ یہ ضرور فیل ہو گا اور بعد میں وہ فیل ہو جاتا ہے تو استاد کے اندازے نے اسے فیل نہیں کیا بلکہ اس کی حالت نے ایک دانا استاد کو پہلے سے علم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے وہ جانتا ہے کہ ہم کیا عمل کریں گے۔ پس اس کے جاننے نے ہمیں مجبور نہیں کیا۔ قضا و قدر کے معاملہ میں بھی تقدیر مشروط ہے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں اگر معلق ہے تو توبہ، صدقہ و خیرات اور دعاؤں سے ٹل جاتی ہے۔ مبرم جو قطعی ہوتی ہے اور ٹلنے والی نہیں ہوتی مگر دعا اور صدقہ اس میں بھی فائدہ دیتا ہے۔ بعض دفعہ توقف اور تاخیر ڈالی جاتی ہے یا اسے نرم کر دیا جاتا ہے یا کسی اور پیرایہ میں اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کُل چیزوں پر قادرانہ تصرف ہے اور اس کے تصرفات مخفی ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے محو کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اثبات کر دیتا ہے۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۸۷)

دوسرے معنی یہ ہیں کہ کائنات کی ہر شے کو ایک خاص اندازہ اور موزوں و معین مقدار پر رکھا۔ یعنی کائنات کی ہر چیز عناصر کی نہایت دقیق اور نہایت مناسب و موزوں آمیزش سے تیار ہوئی ہے۔ اگر اس معین مقدار اور ترکیب میں ذرہ بھر بھی فرق آ جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ ان نپے تلے اندازوں کا حال یہ ہے کہ اگر زمین کی رفتار موجودہ رفتار سے زیادہ ہو جائے تو تمام اشیاء کا وزن گھٹ جائے اور اگر موجودہ رفتار سے ستر گنا زیادہ ہو جائے تو ہر شے بے وزن ہو جائے۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ کائنات کی ہر شے کو اس کی جسامت، ضرورت، ماحول اور اس کی سرشت میں ودیعت کئے ہوئے کام کے مناسب حال استعدادیں بخشیں اور ان کی بقا اور ارتقا کی حد بندی فرمائی۔

شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا

کچھ بھی اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں اور نہیں مالک ہوتے اپنی جانوں کے لیے ضرر کے اور نہ

نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالَ

نفع کے اور نہیں وہ مالک ہوتے موت کے اور نہ زندگی کے اور نہ (دوبارہ) اٹھانے کے اور کہا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ

ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا نہیں یہ مگر جھوٹ جو گھڑ لیا ہے اس نے اور مدد کی اس پر

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ﴿۵﴾ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ

لوگوں دوسروں نے پس یقیناً وہ لائے ہیں ظلم اور جھوٹ اور کہا انہوں نے کہانیاں ہیں

اس طرح کوئی مخلوق اپنی مقرر کردہ حدوں سے آگے نہیں جا سکتی نہ انسان نہ چاند نہ سورج اور نہ ستارے۔

اس آیت کی اہمیت اس سے واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے خاندان کے بچوں کو جب وہ ابتدا میں بولنے لگتے تو یہی آیت سکھاتے (گویا یہ آیت توحید باری تعالیٰ کا بہترین درس دینے والی ہے) (بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

۴۔ اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور حکمتوں کا کچھ حال بیان کرنے کے بعد معبودانِ باطلہ کی بے بسی اور عاجزی کا ذکر کیا کہ دوسروں کو نفع یا نقصان پہنچانا تو درکنار یہ تو قوانینِ خداوندی کے خلاف اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان پر قادر نہیں۔ یعنی اپنی حفاظت تک نہیں کر سکتے اگر انہیں توڑ دو تو تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔

یہاں مسیحؑ کے پیدا کردہ طیور کا بھی ردّ فرمایا اور مسیحؑ کی ابنیت کا بھی کہ اگر اسے کچھ بھی اختیار ہوتا تو صلیب کی تکالیف سے بچ جاتا۔ نہ اسے غیب کا علم تھا کہ کب دوبارہ جی اٹھنا ہے جیسا کہ مسیحؑ نے فرمایا ''اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ'' (مرقس ۱۳ آیت: ۳۲،۳۳)

۵۔۶۔ علمائے یہود و نصاریٰ جانتے تھے ایسا فصیح و بلیغ کلام ایک اُمّی کا نہیں ہو سکتا اور چند آدمی مل کر ایسا کلام ہرگز نہیں بنا سکتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ صبح و شام مسلمانوں کا نماز اور تعلیم قرآن کے لئے جو اجتماع ہوتا ہے اس میں نو مسلم غلام اور نو مسلم اہلِ کتاب مل کر اُسے تالیف کرتے ہیں۔ یہ الزام نہایت بودا تھا۔ خود کتاب بنانے والے کیونکر آپ ﷺ کے اس قدر فدائی ہو گئے کہ جان و مال سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کے اس اعتراض کا جواب خود قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ اس جیسی خوبیوں

الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ
پہلوں کی اس نے لکھی ہیں پس وہ پڑھی جاتی ہیں اس پر صبح اور شام تو کہہ دے

اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
اُتارا ہے اس نے جو جانتا ہے بھید کو آسمانوں اور زمین میں یقیناً وہ ہے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا اور کہا انہوں نے کیا ہے اس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ
اور چلتا ہے بازاروں میں کیوں نہیں اُتارا گیا طرف اس کی فرشتہ پس وہ ہوتا ساتھ اس کے

نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ
ڈرانے والا یا ڈالا جاتا طرف اس کی خزانہ یا ہوتا اس کا باغ کہ وہ کھاتا

مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝
جس سے اور کہا ظالموں نے نہیں پیروی کرتے تم سوائے آدمی جادو کئے ہوئے کے

والی ایک آیت تک بنانے سے قاصر رہے۔ اس احمقانہ اعتراض کا جواب سوائے اس کے کیا دیا جا سکتا تھا کہ یہ بہت بڑا ظلم اور بہت بڑا جھوٹ ہے۔ ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ قرآن محض پہلوں کی قصہ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔

۷۔ اس اعتراض کا جواب دیا کہ پرانے قصے تو تاریخ سے ہر کوئی جان سکتا ہے۔ اس کتاب میں تو زمین و آسمان کے اسرار اور پیشگوئیاں ہیں جن کو عالم الغیب ہی بتا سکتا ہے۔ تمہارے بڑے بڑے ظلم اور جھوٹ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات غفور الرحیم ہے جو تمہیں مہلت دے رہی ہے۔ پس اس کی مغفرت اور رحیمیت کی چادر تلے پناہ لے لو ورنہ قرآنی پیشگوئیوں کے مطابق تباہی تمہارے سر پر کھڑی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس میں فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان کے بھید جاننے کا غفور الرحیم سے تعلق ہے۔ اس لئے کہ زمین و آسمان میں جہاں بھی مخلوق ہے اس کا علم محدود ہے ان سے غلطیاں ہوں گی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۸۔۹۔ قرآنِ کریم پر کئے گئے بے سروپا اعتراضات کے بعد آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کو بعض نہایت نامعقول اعتراضات کا نشانہ بنایا۔ جُہلاءِ مکّہ نے انبیاء کے لئے ایک خیالی تصور باندھ رکھا تھا کہ نبی کوئی فوق البشر مخلوق ہوتا ہے جس کا مرتبہ انسان سے بہت بلند ہے۔

فکرِ معاش یا دوسری ضروریات کے لئے بازاروں میں گھومنا اس کی شان کے خلاف ہے اس کا جواب آیت ۲۱ میں دیا گیا۔ کیونکہ ان کے امراء اور سردار بازاروں میں عام آدمیوں کی طرح گھومنے پھرنے کو اپنی شان کے منافی سمجھتے تھے۔ یا یہ کہ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ اس کا مددگار ہوتا کسی کو ایذا رسانی کی جرأت نہ ہو یا اس پر کوئی خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہی ہوتا تا آپ ﷺ فکرِ معاش سے آزاد ہوتے اور لوگ آپ ﷺ کی ٹھاٹ باٹ دیکھ کر آپ ﷺ کی طرف کھنچے چلے آتے۔ پس دنیوی طور پر ایک مفلس انسان جس کے شاملِ حال تمام بشری لوازمات تھے ان کے مقرر کردہ خیالی پیمانے پر پورا نہ اترا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ ان کے تمام نامعقول اعتراضات اس قابل نہیں تھے کہ ان کا جواب دیا جاتا تاہم قرآنِ کریم نے بار بار انبیائے سلف کے قصے بیان کر کے ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے کہ وہ تمام انبیاء بھی آپ ﷺ کی طرح بشر تھے۔ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ نہیں اترا نہ ان پر خزانے اتارے گئے اور نہ وہ باغات کے مالک تھے۔ **الطعام** میں خاص اور عمدہ کھانے کا بھی مفہوم ہے اس لئے آج بھی بعض نام نہاد مسلمان مُلا، انبیاء تو درکنار کسی بزرگ کے لئے بھی جائز و حلال دنیوی نعمتیں اور آسائشیں حرام سمجھتے ہیں کہ ان اللہ والوں کو ان دنیوی نعمتوں کی کیا حاجت۔ اس طرح آنے والے مسیح کی روحانی تشبیہات کو بھی ظاہر پر محمول کرتے ہیں کہ وہ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اترے گا۔ دنیا کو خزانے بانٹے گا وغیرہ وغیرہ یہ ایک لمبی حدیث ہے (بروایت حضرت ابوہریرہؓ۔ متفق علیہ۔ مسند احمد بن حنبل ۲/۳۷ [illegible] حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں یہ نشانات ظاہری طور پر نہ دیکھے تو انکار کر دیا حالانکہ دو فرشتوں سے مراد آپ کے دو جلیل المرتبت صحابی ہیں جن میں سے ایک جناب مولانا حکیم نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ ہیں۔ دوسرے بھی آپ کے صحابہ میں سے ایک ہیں جن کا تعین نہیں ہو سکا۔ غالب خیال یہی ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ ہیں نیز اس سے مراد ہے کہ آپ کو فرشتوں کی خاص تائید حاصل ہے۔ خزائن سے مراد روحانی خزائن تھے گویا معرفت الٰہی کے خزائن تھے جنہیں مسیح بانٹے گا۔ ورنہ آج تک اللہ تعالیٰ کے کسی فرستادہ نے دنیوی خزائن نہیں بانٹے ہاں ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیوی نعمتوں سے بھی نوازتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اکثر تمثیلی باتیں ہوتی ہیں لیکن انہیں ظاہر پر محمول کیا جاتا ہے جس سے ناسمجھ ٹھوکر کھاتے ہیں۔

آپ ﷺ کو **رجلاً مسحورًا** کہا گیا۔ ’’شفاء قاضی عیاض‘‘ میں درج ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی کا اہلِ مکّہ پر اتنا اثر تھا کہ دعویٰ نبوت کے بعد جب ایک دفعہ

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

دیکھ کس طرح وہ بیان کرتے ہیں تیرے لیے مثالیں پس وہ گمراہ ہوگئے پس نہیں طاقت رکھتے

ع ۱۰ سَبِيْلًا ﴿۱۰﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ

۱۶ راہ کی بابرکت ہے وہ جو کہ اگر چاہے بناوے تیرے لیے بہتر اس سے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۱﴾

باغات چلتی ہوں نیچے جن کے نہریں اور بناوے تیرے لیے محلات

کفار یہ مشورہ کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے کہ حج کے موقع پر باہر سے آنے والے لوگوں کو ہم اس شخص کے متعلق کیا کہیں؟ تو ایک شخص نے کہا کہ اگر ہم سے کسی نے پوچھا تو ہم کہہ دیں گے کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ اس پر آپ ﷺ کا ایک شدید مخالف نضر بن الحارث جوش سے کھڑا ہو گیا اور کہا تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ محمدؐ تمہارے درمیان پیدا ہوا۔ اس نے تمہارے سامنے شباب کی منزلیں طے کیں۔ تم جانتے ہو کہ اس کے اخلاق کتنے پاکیزہ ہیں۔ وہ تم سب سے زیادہ راستباز ہے۔ امانت و دیانت میں اس کا کوئی ہم پلہ نہیں۔ وہ اس نیک نامی میں دن گزارتا چلا گیا۔ اب جبکہ اس کی کنپٹیوں میں سفید بال آ رہے ہیں وہ شباب سے گزر کر کہولت کی عمر میں پہنچ چکا ہے اور اس نے اپنی تعلیم تمہارے سامنے پیش کی ہے تو تم یہ کہنے لگ گئے ہو کہ وہ جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم: وہ ہرگز جھوٹا نہیں! اگر تم نے یہ احمقانہ بات کی تو کوئی شخص اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ یہ کہو کہ وہ مجنوں ہے تاکہ کوئی اس کی بات نہ سنے۔ (کمارواہ ابن جریر عن ابن عباسؓ)

۱۰۔ پس ان عقل کے اندھوں کو یہی جواب دیا کہ آپ ﷺ سحر خوردہ نہیں بلکہ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہے اور انہیں کچھ نظر نہیں آتا اور نہ کوئی راہ سجھائی دیتی ہے۔

۱۱۔ اس رکوع میں کفارِ مکہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ کفارِ مکہ نے بائبل کی بعض پیشگوئیوں کو جو استعارہ کے رنگ میں تھیں ظاہر پر محمول کیا کہ آنے والا رسول جنت شام کا مالک ہو گا اور اسے خزائنِ ارضی ملیں گے۔ فرمایا یہ سب بھی ضرور ہو گا بلکہ تمہارے تصور سے بہت زیادہ عطا ہوگا کیونکہ ان کے تصور کی پہنچ طائف ونخلہ کے باغوں سے آگے نہیں جا سکتی تھی۔ ہاں ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے لئے صبر کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے غلاموں کو اللہ تعالیٰ نے بہت جلد روم و شام اور ایران کے خزانوں کا مالک بنایا۔ عالیشان محلات اور باغات ان کے قبضہ میں آئے بلکہ انہوں نے خود بھی تعمیر کروائے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ سپین کے باغات ومحلات الحمرا وغیرہ مسلمان

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ

بلکہ تکذیب کی انہوں نے قیامت کی اور تیار کی ہم نے اس کیلئے جس نے تکذیب کی قیامت کی

سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا

آگ جب وہ دیکھے گی انہیں جگہ دور سے سنیں گے اس کا جوش

وَّزَفِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

اور خروش اور جب ڈالے جاویں گے اس میں سے جگہ تنگ میں خوب جکڑے ہوئے

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۴﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ

پکاریں گے اس جگہ (ہلاکت رکھا جائیگا) نہ پکارو آج ہلاکت ایک اور

ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۵﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ

پکارو ہلاکتیں بہت تو کہدے کیا یہ بہتر ہے یا جنت ہمیشہ کی

حکمرانوں کے جمالیاتی ذوق کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ پھر ان باغوں کے مالک ہوئے جن کے دامن میں دجلہ وفرات اور گنگا و جمنا بہتے تھے۔ **ان شآء** میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تمہارا استحقاق نہیں۔ اللہ کا فضل ہو گا۔ اگر تمہارے اعمال اس قابل ہوئے تو تمہیں ضرور نوازے گا ورنہ یہ جنت بھی چھین لی جائے گی جیسا کہ بعد میں مسلمانوں کے بداعمال نے انہیں ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔

۱۲تا۱۵۔ **زفیرًا**۔ گدھے کی آواز کے ابتدائی حصے کو زفیر کہتے ہیں جبکہ آخری حصے کو شعیق کہتے ہیں (اقرب)۔ **مقرَّنین**۔ **قرن**۔ دو چیزوں کو جمع کرنا۔ **مقرنین**۔ رسیوں سے باندھے ہوئے۔ **ثبورًا**۔ **ثبر**۔ ہلاکت۔ **الساعة**۔ خاص گھڑی مراد دنیا کا انقلاب بھی ہے اور یومِ آخر بھی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں اس گھڑی کے انکار نے دلیر کر دیا تھا آپ ﷺ کے بار بار انذار کے باوجود اس پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ گلیوں میں ہم سے پتھر کھانے والے چند مفلس اور کمزور انسان ہم پر کیسے غلبہ حاصل کر سکتے ہیں اور ہم سردارانِ قوم ان کے ہاتھوں کس طرح ذلیل ہو سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی بلاغت ہے کہ اکثر آیات کے کئی معانی ہیں۔ یہ آیات بھی قیامت کبریٰ اور قیامت صغریٰ دونوں پر اطلاق پاتی ہیں۔ پس مراد روزِ قیامت بھی ہے اور یومِ بدر بھی جب عمائدینِ مکہ کی مشکیں کسی گئیں اور اتنے ذلیل ہوئے کہ اس ذلالت پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ فرمایا یہ تباہی تو پہلی تباہی ہے اس کے بعد بار بار کی تباہیاں ہیں کہ جب بھی مومنین کو غلبہ نصیب ہو گا ان کے دل حسد اور ذلت کی آگ میں جلیں گے۔ پس یہ بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ بھی ہے اور ان کے دلوں

الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿١٦﴾ لَهُمْ

جس کا وعدہ کئے گئے ہیں متقی وہ ہے ان کے لیے بدلہ اور ٹھکانا ان کیلئے

فِيهَا مَا يَشَآءُونَ خٰلِدِيْنَ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿١٧﴾

اس میں وہ ہے جو وہ چاہیں گے رہ پڑنے والے اس میں ہے یہ رب تیرے پر وعدہ پوچھا جانیوالا

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ

اور جس دن اکٹھا کرے گا انہیں اور ان کو جن کی عبادت کرتے تھے سوائے اللہ کے پھر فرماوے گا

کے پھپھولے بھی ہیں جو مسلمانوں کی ہر کامیابی پر پھوٹے۔دوزخ کا ان کو دیکھنا محاورۃً ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ تباہی نے تو اس کا گھر دیکھ لیا ہے یعنی بار بار تباہی آ رہی ہے۔قیامت کو ممکن ہے اذنِ الٰہی سے دوزخ میں بھی دیکھنے کی صفت ہو کہ کس حد تک کس کو سزا دینی ہے۔ **ثبورًا کثیرًا** میں ان کے کثیر گناہوں کی طرف اشارہ ہے کہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے ان سے پے در پے گناہ سرزد ہوئے۔

۱۶۔۱۷۔کفار کے ہولناک انجام کا نقشہ کھینچ کر انہیں خوب متنبہ کیا کہ کیا یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشگی کی جنت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ **مصیرًا** میں لوٹ لوٹ کر آنے کا مفہوم ہے۔گویا جنت میں یکسانیت نہیں ہو گی بلکہ ہر چیز نئے لطف اور نئی شان سے ظاہر ہو گی۔چونکہ انسان کی طبیعت میں تنوّع ہے اس لئے ہر شخص کی خواہشات مختلف ہوں گی اور اس کی خواہشات کے مطابق اسے انعامات سے نوازا جائے گا۔بیشک جنت الخلد آخرت سے خاص ہے لیکن اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو محروم نہیں رکھتا۔پس چند سالوں میں ہی آنحضرت ﷺ کے ادنیٰ غلام عرب،عراق،شام،ایران،مصر اور روم کے حکمران ہو گئے اور دنیا میں بھی ان کی ہر نیک خواہش پوری ہوئی۔اس لئے کہ وہ اللہ کی رضا پر راضی رہنے والے تھے۔قرآن کریم نے مسلمانوں سے تمام دنیوی و اخروی نعمتوں کے وعدے ایمان اور عمل صالحہ سے مشروط رکھے ہیں یہاں بھی **وعدًا مسئولًا** میں یہی اشارہ ہے کہ یہ وہ وعدہ ہے جس کا پورا کرنا تیرے ربّ پر واجب ہے۔لیکن تم بھی تو اپنے ربّ سے کئے ہوئے وعدوں کا پاس رکھو۔پس جب تک مومنین ایمان اور عمل صالحہ پر قائم رہے دنیا پر حکمران رہے۔جب اس وعدہ کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے کئے ہوئے وعدے کو بھلا دیا۔آج بھی اگر یہ ایمان اور عمل صالحہ کے تقاضوں کو پورا کریں تو پھر ان نعمتوں کے وارث قرار دیئے جائیں گے۔جیسا کہ قرآنِ کریم میں بار بار ذکر فرمایا۔

ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿١٨﴾

کیا تم نے گمراہ کیا بندوں کو میرے ان کو یا وہ خود گمراہ ہوئے راہ سے

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ

وہ کہیں گے پاک ہے تو نہیں تھا مناسب ہمارے لیے کہ ہم بناتے سوائے تیرے

مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ

کوئی کارساز ولیکن فائدہ پہنچایا تو نے انہیں اور باپ دادا کو ان کے یہاں تک کہ وہ بھول گئے نصیحت

وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿١٩﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا

اور ہو گئے لوگ ہلاک ہونیوالے یقیناً یقیناً تکذیب کر چکے تیری اس کی جو تم کہتے ہو پھر نہ

تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ

طاقت رکھیں گے (عذاب کو) پھیر دینے کی اور نہ مدد کی اور جو ظلم کریگا تم میں سے ہم چکھاویں گے

عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿٢٠﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ

اسے عذاب بڑا اور نہیں بھیجے ہم نے پہلے تجھ سے رسولوں میں سے مگر

۱۸۔۱۹۔ **بورًا**۔بوار کساد بازاری ہے جس کا نتیجہ فساد ہے اس لئے بوار ہلاکت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ **تجارةً لن تبورَ**۔(فاطر:۳۰)

اللہ تعالیٰ کے فرستادہ وقتاً فوقتاً دنیا کی اصلاح کے لئے آتے رہے اور اپنا مشن مکمل کر کے اپنے ربّ کے پاس لوٹ جاتے رہے۔ایک لمبا عرصہ گزرنے کے بعد ان کے متبعین نے ان کے بتائے ہوئے عقائد کو بھلا دیا۔ان کی عزت میں یہاں تک غلو کیا کہ انہیں خدا کا درجہ دینے لگے جیسا کہ نصاریٰ اور یہود جو اپنے انبیاء کو خدا سے کم نہیں سمجھتے۔یہاں خاص طور پر نصاریٰ مراد ہیں کہ وہ مادی لحاظ سے جوں جوں ترقی کی راہوں پر چلے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا تو بجائے اُس کے شکر گزار بندے بننے کے گمراہی کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔یہاں یہی بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی راستباز بندے نے یہ تعلیم نہیں دی کہ اسے خدا کا درجہ دیا جائے۔پس اپنے ربّ کے حضور ان کا جواب یہی ہو گا کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔تجھے حقیقتِ حال کا علم ہے۔ہم تو خود اپنے لئے بھی تیرے سوا کسی کو کارساز تسلیم نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ہم انہیں یہ تعلیم دیں۔ہاں یہ ضرور ہُوا کہ تیری نوازشوں اور کرم نوازیوں نے انہیں سرکش بنا دیا اور انہوں نے خود ہلاکت کو دعوت دی۔

۲۰۔پس ان پر خوب کھل جائے گا کہ جنہیں خدا بنائے بیٹھے تھے انہیں خدا کے مقابلہ میں کچھ بھی طاقت نہیں۔قرآن کریم میں اکثر شرک کو ظلم کہا کیونکہ ظلم کسی چیز کو اس کی مخصوص جگہ پر نہ

إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا

یقیناً وہ البتہ کھاتے تھے کھانا اور چلتے تھے بازاروں میں اور بنایا ہم نے

ع ۲ ۱۱ ۱۷

بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿۲۱﴾

بعض تمہارے کو واسطے بعض کے آزمائش کیا تم صبر کرتے ہو اور ہے رب تیرا خوب دیکھنے والا

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں امید رکھتے ملاقات کی ہماری کیوں نہیں اتارے گئے

عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي

ہم پر فرشتے یا دیکھتے ہم اپنے رب کو یقیناً یقیناً تکبر کیا انہوں نے اپنے

أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿۲۲﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا

نفسوں میں اور سرکش ہوئے سرکشی بڑی جس دن وہ دیکھیں گے فرشتوں کو نہیں

رکھنا اور اس جگہ سے ہٹا دینا ہے گویا حق تلفی ہے۔ عبادت کا حق صرف اللہ کے لئے خاص تھا لیکن مشرکین نے اس حق میں کسی دوسرے کو شریک کر کے حقوق اللہ کی حق تلفی کی۔ چونکہ شرک گناہِ کبیرہ ہے اس لئے انہیں سزا بھی **عذابًا کبیرًا** کی صورت میں ملے گی۔

۲۱۔مزید وضاحت فرمائی کہ جن مقربین کو محض ناسمجھی اور ہٹ دھرمی سے خدا کا شریک بناتے ہیں وہ بھی حوائجِ بشری سے مستثنیٰ نہیں تھے یہاں آیت نمبر ۸ کا جواب دیا۔**الطعام** میں خاص کھانے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مقربینِ الٰہی پر عمدہ کھانا حرام سمجھتے تھے۔گویا انہیں درویش ہونا چاہئے تھا یا یہ مراد ہے کہ جب عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا اور بازاروں میں پھرتا ہے تو اس میں دوسرے لوگوں سے مابہ الامتیاز کونسی بات ہے؟ ہر رسول کے آنے پر مومنین کفار کے لئے اور کفار مومنین کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنتے ہیں۔کفار کی طرف سے برپا کئے گئے ابتلا مومنین کی ترقی و کامرانی کا باعث بنتے ہیں وہ ان تمام آزمائشوں سے کندن بن کر نکلتے ہیں۔ جبکہ کفار باوجود عددی برتری، مال و دولت اور قوت و غلبہ کے ناکام و نامراد ہوتے ہیں اور ان کی بدیاں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔فرمایا یہ سب جانتے ہوئے بھی کیا صبر نہیں کرو گے؟ تیرا ربّ بصیر ہے وہ تیرے حالات کو خوب دیکھ رہا ہے۔ آخر تیرے صبر کے نتیجہ میں ابتلاؤں کا خاتمہ ہو گا اور تجھے فتح نصیب ہو گی۔

۲۲۔اس رکوع میں جنگ بدر کی پیشگوئی کر کے بتایا کہ دنیا میں ہی کفار کی طاقت توڑ دی جائے گی۔ کفار یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ آجکل مسلمان بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور الہام کے منکر ہیں۔ دعویٰ یہ تھا کہ اگر نعوذ باللہ ایک معمولی انسان پر

بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا

خوشخبری ہوگی اس دن مجرموں کے لیے اور وہ کہیں گے (اے اللہ کر دے درمیان ہمارے)

مَّحْجُورًا ﴿۲۳﴾ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ

روک روکی گئی اور آویں گے ہم طرف اسکی جو کیا انہوں نے کوئی عمل پس کر دینگے ہم اُسے

فرشتے اترتے ہیں اور لقائے الٰہی کا دعویدار ہے تو ہم جو اپنے تئیں اس سے بہت بلند گمان کرتے ہیں، ہم پر فرشتے کیوں نہیں اترتے اور ہمیں رویت الٰہی کیوں نصیب نہیں؟

حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ صاحب حیات قدسی حصہ پنجم میں فرماتے ہیں۔''ایک دفعہ میں اس سوال پر غور کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام و الہام سے محرومی کے کیا اسباب و بواعث ہیں۔اس دوران کشفی حالت مجھ پر طاری ہوئی اور میرے سامنے ایک کاغذ پر انیسویں پارہ کی پہلی آیت خوشخطی سے لکھی ہوئی تھی۔ **وقال الذین** ...... کہ وہ لوگ جو ہماری ملاقات سے ناامید ہو رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ فرشتے ہم پر کیوں نہیں اترتے یا ہم اپنے ربّ کو کیوں نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ان دونوں باتوں کا حاصل ہونا ناممکن نہیں۔اگر ان موانع اور روکوں کو اٹھایا جائے جو درمیان میں حائل ہیں۔ایسے لوگ جن کی طبائع میں کبر اور غرور ہے اور ان کی زندگی خودی، خود روی اور خودنمائی کے جذبات میں گزرتی ہے اور وہ اپنے نفس کی محجوبانہ سرکشی میں مبتلا ہیں ان پر فرشتوں کا نزول نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان کو ربّ العالمین کی رویت اور لقاء حاصل ہو سکتی ہے۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی ربوبیت کو جس کا وہ ہر دم محتاج ہے اپنے تمام اعضا قویٰ اور حواس کی پرورش اور ترقی میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے بے نظیر خدا کے حسن و احسان کے جلوے دیکھتا ہے اور اپنی خودی اور خود روی کو مٹا کر نفس کشی اختیار کرتا ہے تو وہ عبادِ مکرمین میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور اسے اپنے قدوس مولیٰ اور آقا کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنے عقائد صحیحہ، اعمال صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے ذریعہ لحہ بہ لحہ ترقی کرتا جاتا ہے اور اس کے روحانی حواس تیز تر ہوتے جاتے ہیں۔پس ثابت ہوا کہ لقائے الٰہی میں سب سے بڑی رکاوٹ غرور اور تکبر ہے۔

۲۳۔**حجر**۔پتھر۔روک۔ عقل جو بہت سی برائیوں سے روکتی ہے۔**محجورًا**۔روکی گئی۔

حجرًا محجورًا ایسی مضبوط رکاوٹ جو دور نہ ہو سکے۔

حجرًا محجورًا ایک محاورہ ہے۔ اگر کسی سے اذیت کا خوف ہو تو عرب **حجرًا محجورًا** کہتے یعنی تمہاری پناہ چاہتے ہیں۔ یہ سن کر دشمن کچھ ایذا نہ دیتا۔ یہاں بتایا کہ کفار

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۴﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا

ذرے پراگندہ جنت والے اس دن بہتر ہونگے ٹھہرنے کے لحاظ سے

وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ

اور زیادہ اچھے ہونگے دوپہر بسر کرنے کے لحاظ سے، اور جس دن پھٹے گا آسمان ساتھ بادل کے

عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر حسب عادت یہی الفاظ کہیں گے کہ شاید عذاب ٹل جائے۔ یہاں ان کے مطالبہ کا جواب دیا کہ ان پر فرشتوں کا نزول کسی خوشخبری کے لئے تو ممکن نہیں۔ ہاں ان کی سزا کے لئے فرشتے ضرور آئیں گے جسے یہ ٹلا نہیں سکیں گے۔ یہ حالات قیامت کو بھی پیش آئیں گے لیکن دنیا میں یہ پیشگوئی جنگ بدر کے دن پوری ہوئی۔ جب تمام ناموافق حالات مسلمانوں کے حق میں موافق ہو گئے۔ پانی کے چشمہ پر کفار کا قبضہ تھا۔ اچانک بارش نے اس کمی کو دور کر دیا۔ مسلمانوں کو ریتلی جگہ ملی جو بارش سے جم گئی جبکہ کفار کی مٹی والی جگہ پھسلن میں تبدیل ہو گئی۔ فرشتوں کا نزول ہُوا۔ کفار کے چنیدہ سردار مارے گئے اور انہیں شکست فاش ہوئی جبکہ مسلمانوں کو کھلی کھلی فتح نصیب ہوئی۔ (بخاری کتاب المغازی قصۃ غزوۃ بدر۔ بروایت حضرت ابن عباسؓ)

۲۴۔ **قدمنا**۔ قدم۔ پاؤں۔ آگے ہونا۔ متوجہ ہونا۔ **هبآءً هبا**۔ ہوا میں اڑنے والے باریک ذرات۔ سورج کی روشنی کسی سوراخ سے کمرے میں داخل ہو تو نظر آتے ہیں۔ غبار۔ **منثورا**۔ **نثر**۔ ایک چیز کو پھیلا دینا اور پراگندہ کر دینا۔ واذالکواکبُ انتثرت (الانفطار۔۳)

اس دن ان کے وہ تمام اعمال جو حق کی مخالفت میں کئے گئے تھے غبار کی طرح اڑ جائیں گے۔ یہ جنگِ بدر سے ہی خاص نہیں ایسا قیامت تک ہوتا رہے گا۔ جب بھی صداقت کو مٹانے کی کوشش کی جائے گی ان کی تمام کوششوں کو غبار کی طرح پراگندہ کر دیا جائے گا۔

۲۵۔ **مستقرا**۔ مستقل قرار کی جگہ۔ جائے قیام۔ **مقیلا** قیلولہ سے مشتق ہے۔ دوپہر کو آرام کرنے کی جگہ۔ عارضی آرامگاہ۔

اہلِ جنت کے لئے آخرت میں بہترین ٹھکانا ہو گا۔ دنیا میں بھی مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین نعمتوں سے نوازا۔ کشمیر اور فلسطین جیسی جنت نظیر جگہیں عطا فرمائیں عراق، ایران، شام اور مصر صحابہؓ کے زیرِ نگیں تھے۔ ایک صدی بھی نہیں گزری تھی کہ مسلمان خلفاء سندھ سے لے کر سپین تک اور کوہ قاف سے لے کر یمن کے سواحل تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر حکمران تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے بے حد و حساب انعامات اس لئے تھے کہ وہ اسلامی قدروں کے امین اور سچے مسلمان تھے۔

وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۶﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ

اور اتارے جاویں گے فرشتے خوب اتارا جانا سلطنت اس دن واقعی

لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۷﴾ وَ

رحمان کے لیے ہے اور ہے وہ دن کافروں پر مشکل اور

يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ

جس دن کاٹے گا ظالم اپنے دونوں ہاتھوں پر کہے گا اے کاش میں نے اختیار کی ہوتی

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۸﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا

ساتھ رسول کے راہ اے افسوس مجھ پر کاش میں نہ بناتا فلاں شخص کو

بدقسمتی ہے کہ یہ تمام نعمتیں بعد میں آنے والوں کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے عارضی طور پر مسلمانوں سے چھن گئی ہیں۔

۲۶۔ آسمان کے پھٹنے سے مراد عذاب کا نزول ہے جو کفار پر جنگِ بدر کی صورت نازل ہُوا۔ اسی لئے اگلی آیت میں فرمایا کہ وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔ ان آیات میں سالہا سال پہلے بطور پیشگوئی جنگ بدر کا نقشہ بیان فرمایا۔ جنگِ بدر میں بادل بھی آئے جنہوں نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور فرشتوں کا نزول بھی ہُوا۔ بعض کفار نے بھی فرشتوں کو کشفی رنگ میں دیکھا۔ جب وہ شکست کھا کر بھاگے اور لوگوں نے طعن کیا تو بتایا کہ ہم نے سفید ابلق گھوڑوں پر عجیب قسم کی مخلوق دیکھی جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں جو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی تھیں۔ پس ہمارا مقابلہ انسانوں سے نہیں جنات سے تھا۔

یہ آیت میدانِ حشر پر چسپاں نہیں ہو سکتی کیونکہ اس دن بادل ہوں گے نہ آسمان۔ یہ ایٹمی جنگ کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کیونکہ ایٹم بم کے پھٹنے سے آسمان پر بادلوں کا سائبان سا بن جاتا ہے۔ قرطبی بھی لکھتے ہیں کہ یہ ابر بشکل سائبان ہو گا۔

۲۷۔ بادشاہت تو ہمیشہ خدائے رحمٰن کی ہی ہوتی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن اس دن اللہ تعالیٰ بادشاہت کافروں سے چھین کر عبادالرحمٰن کے ہاتھوں میں دے دے گا اور اللہ کا اصل مالک ہونا کھلا کھلا نظر آ جائے گا۔ وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہو گا۔

۲۸ تا ۳۰۔ **یعضّ**۔ **عضّ**۔ کسی چیز کو دانت سے پکڑنا یا کاٹنا ہے۔ ہاتھ یا انگلی کاٹنا۔ اظہار ندامت کے لئے ہے۔ **خذولاً خذل** بمعنی **ترک** ہے۔ **خذولاً**۔ بے یار و مددگار چھوڑ جانے والا۔ (اقرب) عین موقع پر دغا دینے والا۔ (مفردات)

خَلِيْلًا (٢٩) لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَ

دوست یقیناً یقیناً اس نے گمراہ کیا مجھے نصیحت سے بعد اسکے کہ وہ آئی میرے پاس اور

كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا (٣٠) وَقَالَ الرَّسُوْلُ

ہے شیطان انسان کو بہت ذلیل کرنیوالا اور کہے گا رسول

يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (٣١) وَ

اے رب میرے یقیناً قوم نے میری بنایا اس قرآن کو چھوڑا ہوا اور

کفار کی گمراہی میں ان کے خبیث رفقا کا بڑا عمل دخل تھا جو انہیں راہِ راست پر چلنے سے روکتے اور گمراہی کی دلدل میں دھکیلتے۔ اسی لئے مومنین کو نصیحت فرمائی۔ **کونوا مع الصادقین۔** (توبہ:۱۱۹) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر ہوتا ہے (یعنی اس پر کسی نہ کسی حد تک دوست کا اثر ہوتا ہے) پس دوست بنانے سے پہلے خوب غور کرلو کہ کسے دوست بنا رہے ہو۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب باب فی سعۃ المجالس)

قرآنِ کریم کی تمام آیات عام ہیں خواہ ان میں کسی خاص واقعہ کا بھی ذکر ہو۔ مفسرین نے یہاں ظالم سے مراد عقبہ اور **فلانا خلیلا** سے مراد اس کا دوست ابی بن خلف لیا ہے جسے شیطان سے منسوب کیا (تفسیر ابن جریر و روح المعانی) مظہری اور قرطبی نے بھی لکھا کہ یہ آیات گستاخِ رسول عقبہ اور اس کے دوست ابی بن خلف کے متعلق تھیں۔ یہ دونوں جنگِ بدر میں مارے گئے اس سے بھی ظاہر ہے کہ ان آیات میں بطور پیشگوئی جنگِ بدر کا ہی نقشہ بتایا۔

۳۱۔**مھجورًا۔ ھجر۔** چھوڑنا **مھجورًا۔** چھوڑا ہوا۔ اسی سے ہجرت ہے۔ امام راغب بیان کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کا دلی لگاؤ قرآنِ کریم کے ساتھ نہیں رہے گا۔ بیشک اس آیت میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لائے۔ لیکن حقیقت میں یہ آیت موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی قرآنِ کریم سے بے رغبتی کو خوب واضح کرتی ہے۔ جو امتی ہونے کے زبانی دعویدار تو ہیں لیکن انہوں نے قرآنِ مجید کو عملاً متروک کر دیا ہے۔ اسلام کے تنزل کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ قرآنِ حکیم جس پر تفکر اور عمل سے تمام دینی و دنیوی ترقی وابستہ تھی اسے بیش قیمت غلافوں میں لپیٹ کر طاقچوں پر سجا رکھا ہے۔ اوّل تو پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں، پڑھا تو سمجھا نہیں، اگر سمجھ بھی لیا تو عمل ندارد۔ پس یہ الفاظ آج کے مسلمانوں پر ہی صادق آتے ہیں۔ عاشقِ قرآن حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرماتے ہیں۔ ”میں اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى

اسی طرح بنایا ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن مجرموں میں سے اور کافی ہے

بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا (٣٢) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ

رب تیرا ہدایت دینے والا اور مددگار اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کیوں

لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۛ

نہیں اُتارا گیا اس پر قرآن اکٹھا یک بار اسی طرح (اُتارا ہم نے)

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (٣٣) وَلَا يَاْتُوْنَكَ

تاکہ مضبوط کریں ساتھ اسکے دل تیرا اور پڑھا ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر اور نہیں لاویں گے تیرے پاس

قرآن شریف سے بڑھ کر راحت بخش کوئی کتاب اور اس کا مطالعہ نہیں ہے مگر آہ! دردِ دل سے کہتا ہوں کہ اسی راحت بخش کتاب کو آج چھوڑ دیا گیا ہے۔“ فرماتے ہیں ”مجھے قرآن اس قدر محبوب ہے کہ بار بار اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔ اس کا پیارا نام لینا اپنی غذا سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔ میں مجبور ہوں اپنے عشق کی وجہ سے۔ بار بار اپنے محبوب کے تذکرہ سے ایک لذت ملتی ہے۔ کہے جاتا ہوں۔“ (الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۷) غرض تمام دینی و دنیوی ترقی اور کامیابی کی کلید یہی قرآنِ عظیم ہے جسے چھوڑ دیا گیا اور ہر طرح سے ذلیل ہوئے۔

۳۲۔کفار کی رسولؐ سے دشمنی کے ذکر میں آپ ﷺ کو تسلی دی کہ کفار کا آپ ﷺ کے ساتھ عداوت کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ سنتِ انبیاء یہی ہے کہ انبیاء مادی وسائل کی کمی کے باوجود ہمیشہ اپنے اعلیٰ مقاصد (Mission) میں کامیاب ہوئے جبکہ ان کے دشمن قوت اور جتھے کے باوجود تباہ و برباد ہوئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اور مدد ہمیشہ ان کے شاملِ حال رہی۔

یہاں مجرمین میں سے انبیاء کا دشمن بنانا اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لئے کہ قانونِ خداوندی یہی ہے کہ مخالفینِ انبیاء، انبیاء کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ ان کی یہی مخالفت انبیاء کی شہرت کا ذریعہ بنتی ہے اور سعید فطرت روحیں کشاں کشاں ان کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ پس جوں جوں مخالفت بڑھتی ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور غیبی تائیدات مومنین کی ترقی کا باعث بنتی جاتی ہیں اور مومنین کے حق میں اللہ کا ہادی و نصیر ہونا دشمنوں پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ پس یہ سب ایک نظامِ الٰہی کے تحت ہوتا ہے ورنہ ارادۃً ایسا نہیں ہوتا۔

۳۳۔ **کذلک۔** ایسا ہی ہوگا۔ اسی طرح نازل ہوگا۔ **رتلنا۔ رتل۔** کسی چیز کی ترتیب کا حسن ہے۔ **رتّل القرآن۔** اس نے قرآن کریم کی خوش الحانی سے تلاوت کی۔ اسے ٹھہر ٹھہر کر

بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝۳۴ اَلَّذِيْنَ

کوئی مثال (بطور اعتراض) مگر لاتے ہیں ہم تیرے پاس حق اور زیادہ اچھا کھول کر بیان کرنے میں وہ جو کہ

پڑھا۔ **رتلناہ** کے معنی ہوں گے کہ ہم نے قرآنِ کریم کی ترتیب نہایت اعلیٰ درجہ کی رکھی۔ اس کے مضامین کو نہایت عمدگی سے مرتب کیا۔ **رتلناہ ترتیلا** ۔ہم نے اسے عمدہ ترتیب سے مرتب کیا۔ یا یہ کہ بتدریج نازل کیا۔

کفار کو یہ بھی اعتراض تھا کہ قرآنِ کریم ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں ہُوا۔ فرمایا! اس کا مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا نازل ہونا اس غرض سے ہے کہ موقع کی مناسبت سے تازہ بتازہ کلامِ الٰہی کے ذریعہ سے آپ ﷺ کی رہنمائی کی جائے تا مشکلات و مصائب میں رسول اللہؐ کے دل کو کلامِ الٰہی سے تقویت پہنچے۔ ظاہر ہے کہ کلامِ الٰہی سے بڑھ کر تسلی دینے والی اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ نیز مسلمانوں کی تربیت ابتدائی مدارج میں تھی آہستہ آہستہ خدائی احکام نازل ہوتے گئے جو نہایت آسانی سے یاد ہو جاتے اور ان پر عمل بھی آسانی سے ہوتا گیا۔ مختلف مواقع پر مختلف پیشگوئیاں بیان ہوئیں۔ جب وہ پوری ہوتیں تو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لئے تقویت قلوب کا باعث بنتیں۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہونے کے باوجود قرآنِ کریم کی ہر دو سورتوں بلکہ ہر دو آیتوں میں بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی ترتیب اور ربط و نظم ہے جو خدا کی طرف سے ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ حکمتِ الٰہی سے قرآنِ کریم کی دو ترتیبیں ہی ضروری تھیں۔ پہلی وہ ترتیب جس ترتیب سے قرآنِ کریم نازل ہُوا۔ یہ اُس زمانہ کے لوگوں کی ضروریات کے مطابق تھی۔ دوسری وہ جو حکمِ الٰہی سے آنحضرت ﷺ نے ساتھ کے ساتھ ترتیب دی کہ فلاں آیت فلاں سورۃ کے فلاں مقام پر رکھ دو۔ یہ ترتیب آئندہ کے مسلمانوں کی ضروریات کے لحاظ سے تھی۔ قرآنِ کریم کا تھوڑا تھوڑا مختلف مقامات پر نازل ہونا یسعیاہ نبی کی پیشگوئی کے عین مطابق تھا۔ ''پس خداوند کا کلام ان کے لئے حکم پر حکم۔ حکم پر حکم۔ قانون پر قانون۔ قانون پر قانون۔ تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں ہو گا۔'' (یسعیاہ باب ۲۸: ۹ تا ۱۳)

۳۴۔ **مثل**۔ مثال۔ حدیث۔ کوئی بات۔ مراد اعتراض۔ **تفسیرًا**۔ تفسیر تشریح اور تفصیل۔

قرآنِ کریم کی صداقت کی ایک یہ بھی زبردست دلیل ہے کہ ہر اعتراض کا جواب بہترین انداز میں اس کے اندر موجود ہے۔ یہ دعویٰ نہ صرف اُس زمانہ کے لئے تھا بلکہ قیامت تک کے لئے ہے کہ جب بھی نئے اعتراضات اٹھیں گے خود قرآنِ کریم میں ان سب کے تسلی بخش جوابات ملیں گے۔ کلامِ الٰہی بوقتِ ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے میں یہ حکمت بھی پوشیدہ تھی کہ جونہی

يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ

گھسیٹے جاویں گے اپنے چہروں پر طرف جہنم کی یہ لوگ بُرے ہیں مرتبہ اور

اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۳۵ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ

بہت گمراہ ہیں راہ سے اور یقیناً یقیناً دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے ساتھ اسکے

۳ ع ۱۴ ۱

اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝۳۶ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

بھائی اس کے ہارون کو بوجھ بٹانے والا پس کہا ہم نے دونوں جاؤ طرف ان لوگوں کی جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝۳۷ وَقَوْمَ نُوْحٍ

تکذیب کی آیات کی ہماری پس ہلاک کر دیا ہم نے انھیں اچھی طرح اور قوم نوح کو

معترضین اعتراض کرتے ان کو بہترین اور تفصیلی رنگ میں جواب دیا جاتا۔ پس قرآنِ کریم میں جہاں مومنین کی مکمل رہنمائی کے تمام اصول و ضوابط تفصیلاً موجود ہیں وہاں کفار کا منہ بند کرنے کے لئے ان کے اعتراضات کے دندان شکن جواب بھی نہایت وضاحت سے اس میں درج ہیں۔ یہ بھی مراد ہے کہ اہلِ کتاب انبیاء کے قصوں کی جو بھی تمثیل بیان کرتے ہیں قرآنِ کریم ان کو بہترین تفسیر کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ مثالیں آئندہ بھی دہرائی جائیں گی۔

۳۵۔ **علٰی وجوھھم**۔ اپنے مونہوں کے بل۔

قیامت کو انہیں ان کے چہروں کے بل جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ اس لئے کہ تکبر ہی قبولِ حق میں مانع تھا (آیت: ۲۲) کہ ہم اس سے بہتر ہیں پھر ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے گئے؟ یا یہ کہ ہمیں ہمارا ربّ کیوں نظر نہیں آتا؟ وجہ کے ایک معنی سردارِ قوم کے بھی ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ یہ اپنے سرداروں اور لیڈروں سمیت جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے کیونکہ اصل گمراہ کرنے والے یہی لوگ تھے۔

۳۶۔۳۷۔ **دمّرنٰھم تدمیرًا**ہ (دمّر) ہم نے ان کو اچھی طرح ہلاک کر دیا۔

مکذبینِ انبیاء کے خوفناک انجام کا نقشہ پیش کر کے اس رکوع میں کئی پہلے انبیاء کا ذکر کیا اور بتایا کہ تمام انبیاء کے حالات قریبًا یکساں ہی ہوتے ہیں۔ اسی طرح مخالفینِ انبیاء کا انجام بھی قریبًا ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ تبلیغ و مساعی کی ایک لمبی جد و جہد کے بعد بالآخر انبیاء فتح و نصرت سے نوازے جاتے جبکہ ان کے دشمن تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ پہلے صاحب شریعت نبی حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کا ذکر کیا جو بطور وزیر یعنی مددگار و معاون تھے۔ (تفصیل کے لئے۔ طٰہٰ رکوع ۲، رکوع ۵۔ الاعراف رکوع ۱۷، رکوع ۱۸)

لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ

جب تکذیب کی انہوں نے رسولوں کی غرق کر دیا ہم نے انہیں اور بنایا ہم نے انہیں لوگوں کے لیے

اٰيَةً ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۳۸ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠

نشان اور تیار کیا ہم نے ظالموں کے لیے عذاب دردناک اور عاد کو اور ثمود کو

وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۳۹ وَكُلًّا

اور کوئیں والوں کو اور قوموں کو درمیان اس کے بہتوں کو اور سب کے لیے

ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۴۰ وَلَقَدْ

بیان کیں ہم نے اس کیلئے مثالیں اور سب کو ہلاک کیا ہم نے اچھی طرح اور یقیناً یقیناً

۳۸۔ پھر ان سے پہلے صاحبِ شریعت نبی حضرت نوح ؑ کی قوم کی مثال دی کہ انہوں نے رسولوں کا انکار کیا۔ یہاں نوح ؑ کے لئے رُسُل کے لفظ میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا۔ اس لئے کہ ایک نبی کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے۔ اسی طرح ایک نبی کی صداقت کے لئے جو دلائل ہیں وہی دوسرے انبیاء کی صداقت کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح کسی نبی کو پہچاننا زیادہ مشکل نہیں رہتا۔

قومِ نوح کے غرق ہونے میں لوگوں کے لئے نشان یہ تھا کہ ایک طاقتور قوم بھی جب بظاہر ایک کم مایہ اور کمزور و ناتوان نبی کے مقابل آئے گی تو خس و خاشاک کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دی جائے گی۔ (تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف رکوع ۸ سورۃ ھود رکوع ۳،۴)

۳۹۔۴۰۔ **تبّرنا تتبیرًا۔ تبر** کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے (اقرب) تباہ و برباد کر دینا۔

قومِ عاد کی تفصیل کے لئے (سورۃ اعراف رکوع ۹، سورۃ ھود رکوع ۵) یہ ایک عظیم قوم تھی جو شمالی اور جنوبی عرب پر قابض تھی۔ ان کا زمانہ قومِ نوح کے بعد کا ہے۔ یہ قوم بھی اپنے نبی حضرت ھودؑ کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔ قومِ عاد کے بعد قومِ ثمود نے ان کی جگہ لی۔ تفصیل کے لئے (سورۃ الاعراف رکوع ۱۰، سورۃ ھود رکوع ۶) ان کا مرکزی مقام حِجر تھا جو مدینہ اور تبوک کے درمیان تباہ شدہ کھنڈرات کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔ غزوہ تبوک کو جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ تھوڑی دیر کے لئے یہاں ٹھہرے لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ کوئی یہاں کا پانی نہ پیئے وہاں کے کنوؤں کے پانی سے گندھا ہوا آٹا بھی آپ ﷺ نے پھنکوا دیا۔ (بخاری کتاب الانبیاء) تشریح کے لئے (الاعراف آیت ۷۴ تا آیت ۸۰) ممکن ہے ان پرانے معطل کنوؤں کا پانی انسانی صحت کے لئے مضر ہو چکا ہو۔

اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ

وہ ہو آئے ہیں اس بستی پر جو کہ برسائی گئی بارش بُری کیا پس نہیں

يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۴۱ وَ

ہیں وہ دیکھتے اُسے بلکہ ہیں وہ کہ نہیں امید رکھتے (دوبارہ جی) اُٹھنے کی اور

اصحاب الرس یعنی کنوئیں والے بھی قومِ ثمود کا ہی حصہ تھے۔ ممکن ہے ان کی کھیتی باڑی کا انحصار کنوؤں پر ہو جس کی وجہ سے وہ اس نام سے مشہور ہوئے۔ ان قوموں کے درمیان بھی کئی قومیں گزریں۔ ان تمام قوموں میں قدرِ مشترک یہ تھی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی، انہیں سخت اذیتیں دیں اور اپنی غلط روش پر قائم رہے۔ پس یہ سب قومیں تباہی سے دو چار ہوئیں۔ گزشتہ اقوام کی مثالوں میں مکذبین رسولؐ کے لیے یہی سبق تھا کہ وہ بھی اپنے نبی کی تکذیب کر کے ان تباہ شدہ قوموں کی صف میں شامل نہ ہوں۔

۴۱۔ عربوں کی تجارتی شاہراہ پر قومِ لوط کی تباہ شدہ بستی کے کھنڈرات تھے۔ جہاں سے دن رات ان کے قافلے گزرتے تھے۔ یہ قومِ لوط کی بستی صدومؔ تھی جس پر آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے دہکتے ہوئے پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ عذابِ الٰہی کے یہ نشان آج بھی دیدہ بینا کے لئے، عبرت کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے سورۃ اعراف: ۸۱ تا ۸۵۔ سورۃ حجر ۶۲ تا ۷۸)

چونکہ مشرکینِ مکہ حیات بعدالموت کے منکر تھے اس لئے اس بستی پر عذابِ الٰہی کی بارش کو محض ایک طبعی حادثہ قرار دیتے تھے جو آتش فشاں کے پھٹنے سے وقوع پذیر ہوا۔ افسوس یہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور نہیں سمجھتے کہ یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ ایک نبی کی تکذیب، اس پر ایذا رسانیوں اور اپنے غلط عقائد کی اصلاح نہ کرنے کی وجہ سے ان پر بطور سزا نازل ہوا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہی کا خوف ہی ہے جو انسان کو بداعمال سے روکتا ہے۔ جب یہ اپنے اعمال کی جوابدہی پر یقین ہی نہیں رکھتے تو پھر کس چیز کا خوف انہیں بدیوں سے روکے گا۔ پس بڑے سے بڑا عبرت آموز نظارہ بھی ان لوگوں کو محض ایک اتفاقی حادثہ ہی نظر آتا ہے اور وہ آنکھیں بند کر کے وہاں سے گزر جاتے ہیں حالانکہ عام طبعی حادثات اور عذابِ الٰہی میں ایک نمایاں فرق ہوتا ہے۔ عذاب استیصال اس وقت تک نازل نہیں ہوتا جب تک کوئی تنبیہ کرنے والا پیغمبر ان کی طرف نہ بھیج دے جو انہیں ہدایت کی طرف لانے کی پوری کوشش نہ کر لے اور بالآخر وہ اپنی بیباکیوں اور شوخیوں میں حد سے نہ گزر جائیں۔ پس ایسے حالات میں جب حجت تمام ہو جاتی ہے تو

اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ

جب دیکھتے ہیں تجھے نہیں بناتے تجھے مگر ہنسی کیا یہ ہے وہ جسے

بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۲﴾ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ

بھیجا ہے اللہ نے رسول بنا کر نہیں قریب تھا کہ گمراہ کر دے ہمیں معبودوں سے ہمارے اگر نہ ہوتا

اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ

یہ کہ قائم رہتے ہم ان پر اور عنقریب جان لیں گے وہ جب دیکھیں گے

الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ

عذاب کون ہے زیادہ گمراہ راہ سے کیا دیکھا تو نے اُسے جس نے بنایا اپنا خدا

هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۴﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ

اپنی خواہش کو کیا پس تو ہے اُس پر کارساز کیا تو گمان کرتا ہے کہ

قوانین طبعی کے مطابق ہی مکذبین پر عذاب کا کوڑا برسایا جاتا ہے جس کی اطلاع ان کو پہلے دے دی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فرستادہ اور ان کے اتباع کو بچا لیا جاتا ہے اور مکذبینِ رسول کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ پس وہ تباہ شدہ بستیاں دیدہ بینا کے لئے عبرت کا نشان بن جاتی ہیں لیکن افسوس! یہ ان نشانوں پر سے اندھے ہو کر گزر جاتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے محکمہ آثارِ قدیمہ کو ان شاہراہوں کے گرد دبے ہوئے ازمنہ قدیم کے کھنڈرات کو کھودنے کی ترغیب دی ہے تا قرآنی حقائق سے پردہ اٹھے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۴۲۔ یہ خدا کے خوف سے بے خوفی ہی تھی کہ محبوبِ خدا احمد مجتبیٰ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں انہیں کوئی خوبی نظر نہ آتی۔ آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے کہ کیا نبوت کے لئے خدا کو عبدالمطلب کے یتیم پوتے کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔

۴۳۔ بلکہ برملا کہتے کہ نبوت والی تو اس میں کوئی بات نظر نہیں آتی ہاں زورِ بیان ضرور ایسا ہے کہ اگر ہم مضبوطی سے اپنے معبودوں پر قائم نہ رہتے اور عقائد پر ثابت قدمی نہ دکھاتے تو یہ تو اپنی سحر بیانی سے ہمیں گمراہ کرنے ہی والا تھا۔ ہاں عذاب کے بعد ان پر حقیقتِ حال کھل جائے گی لیکن اس وقت کا ایمان انہیں فائدہ نہیں دے گا۔

۴۴۔ گزشتہ اقوام کا ذکر تھا جو تکذیبِ انبیاء کے جرم میں عذابِ الٰہی کا شکار ہوئیں۔ رکوع کے آخر میں بتایا کہ ان کے انکار کی وجہ ان کا نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا لینا تھا۔ پس جو شخص بھی خواہشِ نفسانی کا غلام بن جائے اسے ہدایت کون دے سکتا ہے۔ تو ان کے غم میں اپنی جان

اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ

اکثر ان میں سے سنتے ہیں یا عقل کرتے ہیں نہیں ہیں یہ مگر مانند چارپاؤں کے

بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ ع ۴ ۱۰ ۲

بلکہ وہ زیادہ گمراہ ہیں راہ سے کیا نہیں دیکھا تو نے طرف اپنے رب کی کس طرح پھیلایا

الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۤءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ

اس نے سایہ اور اگر چاہتا البتہ کر دیتا اُسے ٹھہرا ہوا پھر بنایا ہم نے سورج

عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ

اُس کا رہنما پھر سمیٹ لیتے ہیں ہم اُسے اپنی طرف آہستہ آہستہ اور وہی ہے

ہلاک نہ کر۔ ایسے لوگ کبر میں یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ خدائی احکام کے تابع چلنے کی بجائے اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں پس ایسے لوگ ہر زمانہ میں قبولِ حق سے محروم رہتے ہیں۔ یہاں صاف بتا دیا کہ شرک محض پتھر کے بتوں کو پوجنا نہیں بلکہ جو بھی اپنے نفس کی خواہشات کا غلام ہے وہ موحد نہیں۔ جیسا کہ ایک دفعہ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ! کیا ہم ان بتوں کو پوجیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں بت پرستی ہمیشہ کے لئے مٹا دی گئی۔ ہاں خواہشات کے کئی بت ہوں گے جنہیں تم اپنے سینوں میں سجائے رکھو گے۔ کسی سے امیدیں کلیۃً وابستہ کرنا اور اسی پر کامل بھروسہ کر لینا اور اپنے ربّ کو بھول جانا یا اپنی خواہشِ نفسی کے تابع حق بات کو قبول نہ کرنا، یہ سب شرک میں شامل ہے۔

۴۵۔ غرض جو شخص بھی محض اپنی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اسے نہ کچھ سجھائی دیتا ہے اور نہ وہ عقل و سمجھ سے کام لیتا ہے۔ پس ایسے نفس کے بندوں سے ہدایت کی توقع بے فائدہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جانور بھی اپنے محسن کو پہچانتے اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ غرض بعثتِ رسول کے وقت عربوں کی اخلاقی اور روحانی حالت اس درجہ گر چکی تھی کہ ان کی زندگی جانوروں سے بدتر تھی۔ سننے اور سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود تھیں۔ آپس میں نہ ختم ہونے والے جنگ و جدل، جوا، شراب اور زناکاری ان کے پسندیدہ مشاغل تھے۔ غرض ایک وحشیانہ معاشرہ تھا جس کا کوئی قانون نہیں تھا۔ ہمارے پیارے رسول نبی اکرم ﷺ کی مساعی جلیلہ، پاک صحبت، انفاسِ قدسیہ اور شبانہ دعاؤں کا اثر تھا کہ اس وحشیانہ حالت سے نکل کر ملائک والی زندگی نصیب ہوئی اور گناہوں سے بکلی پاک ہو گئے۔ **اللّٰھمَّ صَلِّ علٰی محمَّدٍ و علٰی اٰلِ محمد وبارک وسلِّم انک حمید مجید۔**

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ

جس نے بنایا تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو آرام اور بنایا

النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ

دن کو وقت منتشر ہونے کا اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے والیاں

۴۶ تا ۴۸ ۔**مدّ**۔ لمبائی میں کھینچنا اور بڑھانا۔ جیسا کہ حروف پر مد ڈالی جاتی ہے۔ عرصہ دراز۔ مدت۔ **دلیلاً**۔ دلیل۔ راہ دکھانے والا۔ رہنما۔ **سباتا**۔ **سبت**۔ کاٹنا مراد قطع عمل ہے۔ آرام کرنا۔ یہود ہفتہ کو سبت اسی لئے کہتے تھے کہ اس دن کوئی کام نہیں کیا جاتا تھا۔ **لباس**۔ پردہ کی چیز۔ عیوب ڈھانپنے والا۔ **نشورًا**۔ لفظی معنی اٹھ کھڑے ہونا۔ مراد چلنا پھرنا اور رزق تلاش کرنا۔ روحانی بیداری کی طرف اشارہ ہے۔

یہ آیات بھی ان آیات میں سے ہیں جو مادی اور روحانی دونوں حالتوں پر یکساں اطلاق پاتی ہیں۔ ملحقہ آیات میں بعثتِ رسول سے قبل کے حالات بیان فرمائے جب جہالت اور ظلمت کا دور دورہ تھا۔ اس رکوع میں آفاقی حقائق کی روشنی میں اس روحانی انقلاب کی طرف اشارہ کیا جو دو مرتبہ برپا ہونے والا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے بروایت حضرت انسؓ فرمایا کہ میری امت بارش کی مانند ہے جس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اوّل بہتر ہے یا آخر۔ (جامع الصغیر جلد ا صفحہ ۵۴ مصری۔ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲) یا جیسا کہ حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کہ وہ امت ہرگز ہلاک نہیں ہوگی جس کے شروع میں مَیں آخر میں مسیح اور درمیان میں مہدی ہوگا (کنز العمال)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔۔۔۔ **ولا المھدی الّا عیسی بن مریم** ۔یعنی عیسیٰ کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ گویا ایک ہی وجود کے دونوں نام ہیں۔ (ابنِ ماجہ باب شدۃ الزمان صفحہ ۲۵۷)

تاہم اس بات کا بھی امکان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی کوئی ایسا مامور آئے جسے مسیح کے نام سے پکارا جائے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ''تذکرہ'' صفحہ ۲۱۱ میں تحریر فرمایا کہ ''یہ وہ دقیق معرفت ہے جو کشف کے ذریعہ اس عاجز پر کھلی۔ اور یہ بھی کھلا کہ یوں مقدر ہے کہ ایک زمانہ کے گزرنے کے بعد کہ خیر اور صلاح اور غلبہ توحید کا زمانہ ہوگا۔ پھر دنیا میں فساد اور شرک اور ظلم عود کرے گا۔ اور بعض بعض کو کیڑوں کی طرح کھائیں گے۔ اور جہالت غلبہ کرے گی اور

دوبارہ مسیح کی پرستش شروع ہو جائے گی۔ اور مخلوق کو خدا بنانے کی جہالت بڑے زور سے پھیلے گی۔ اور یہ سب فساد عیسائی مذہب سے اس آخری زمانہ کے آخری حصہ میں دُنیا میں پھیلے گا۔ تب پھر مسیح کی روحانیت سخت جوش میں آکر جلالی طور پر اپنا نزول چاہے گی۔ تب ایک قہری شبیہ میں اُس کا نزول ہو کر اُس زمانہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ تب آخر ہو گا اور دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہُوا کہ مسیح کی امت کی نالائق کرتوتوں کی وجہ سے مسیح کی روحانیت کے لئے یہی مقدر تھا کہ تین مرتبہ دنیا میں نزول ہو۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۴۱۔۳۴۶) احادیث میں بھی قربِ قیامت کی علامات میں ایک خونی مسیح کا ذکر ملتا ہے۔

پس قیامت تک کے حالات چند آیات میں بیان فرما دیئے جو قرآنِ کریم کا ہی کمال ہے۔ قرآنِ کریم میں آنحضرت ﷺ کو سورج سے تشبیہ دی گئی اور سراجِ منیرا کہا گیا۔ آفتابِ رسالت ان حالات میں طلوع ہُوا کہ ضلالت، جہالت اور ظلمتوں کے سائے چہار سو پھیلے ہوئے تھے۔ جوں جوں آفتابِ رسالت بلند ہوتا گیا اور نبوت کی روشنی اور مقبولیت بڑھتی گئی ظلمتوں کے لمبے سائے گھٹتے چلے گئے۔ سائے کا ساکن ہونا ظلمتوں کا دوام تھا جسے ربّ رحیم نے اپنے بندوں کے لئے ہرگز نہ چاہا۔ اس سائے پر سورج کو دلیل بنانے سے مراد یہ ہے کہ اگر سورج نہ ہوتا تو سائے کا وجود بھی ممکن نہ تھا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا **لولاک لما خلقت الافلاک** یعنی اے محمد ﷺ اگر تم نے نہ آنا ہوتا تو زمین وآسمان بھی پیدا نہ کرتا۔ (المصنوع جلد ا صفحہ ۱۵۰ حدیث نمبر ۲۵۵ علی بن سلطان محمد الھروی القاری مکتبہ رشد ریاض ۱۴۰۶۔ طبع چہارم)

ظاہری طور پر بھی سائے کا پھیلنا اور سمٹنا سورج کے عروج و زوال اور طلوع وغروب کے تابع ہے۔ آپ ﷺ کی کامیابی اور عروج سورج کے نصف النہار سے مشابہ تھی جب تمام دنیا روشن ہو گئی اور سائے معدوم ہو گئے۔ سائے کے سمٹنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا گویا تاریکیوں کو دور کرنا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ممکن تھا۔ قانونِ قدرت یہی ہے کہ ہر عروج کے بعد زوال ہے پس یہاں پیشگوئی فرمائی کہ اسلام بھی بامِ عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہو گا اور زوالِ آفتاب کی طرح اس کی روشنی آہستہ آہستہ کم ہونے لگے گی اور ظلمتوں کے سائے بڑھنے لگیں گے۔ یہاں تک کہ آفتابِ رسالت ظلمات کے دبیز پردوں میں چھپ جائے گا اور دنیا روحانی طور پر تاریکی میں ڈوب جائے گی اور اسلام پر ایک لمبی رات آئے گی۔ قوموں پر رات آتی ہے تو انہیں اپنے کئی عیوب نظر نہیں آتے۔ نیند میں انسان کا فہم وشعور بھی وقتی طور پر معطل ہو جاتا ہے۔ پس یہ زمانہ امتِ محمدیہ پر نیند

يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۹﴾

پہلے اپنی رحمت کے اور اتارا ہم نے بادل سے پانی پاک کرنے والا

کے مشابہ ہوگا اور کاہلی و بے عملی کا زمانہ ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں پر بے حد رحیم ہے۔ اس کی رحمت جوش میں آئے گی اور اس امتِ مرحومہ کا ہاتھ تھامے گی۔ آمدِ مسیح ومہدی سے ظلمات کی لمبی راتوں کی تاریکی چھٹ جائے گی۔ خوابِ غفلت میں ڈوبی ہوئی قوم ایک نئی کروٹ لے کر بیدار ہوگی۔ رات اپنے اختتام کو پہنچے گی اور شعور و معرفت کا روشن دن پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہوگا۔ نیک روحوں کو اپنی خامیاں نظر آنے لگیں گی۔ وہ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھیں گی اور اپنی اور ایک عالم کی اصلاح پر کمربستہ ہو جائیں گی اور نورِ محمدی ایک بار پھر پورے جوش وخروش سے اکنافِ عالم کو منور کر دے گا اور تمام کائنات **لاالٰہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کے فلک شگاف نعرہ سے گونج اٹھے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

۴۹۔**طَهُوْرًا۔ طهر** سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی پاک اور پاک کرنے والا۔

پچھلی آیت کو **نشورا** کے لفظ سے ختم کیا جس میں روحانی طور پر جی اٹھنے کا ذکر تھا۔ یہاں مزید وضاحت فرمائی اور وحی الٰہی کو آسمانی پانی سے تشبیہ دی جس نے روحانیت کی مردہ زمین کو زندہ کیا۔ جو خود پاک ہے اور دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مادی بارش کے پانی کے لئے بھی آج کی سائنس تسلیم کرتی ہے کہ وہ ہر قسم کی کثافتوں سے پاک ہوتا ہے۔ پس وحی الٰہی کے آسمانی پانی نے روحانی مُردوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور انہیں ہر قسم کی ناپاکیوں سے پاک کر دیا گویا وہ روحانی طور پر جی اٹھے۔ آسمانی پانی جو رحمت خداوندی ہے، اس سے پہلے بشارت دینے والی ہواؤں کے آنے سے مراد انبیاء کے ارہاص ہیں جو انبیاء کے آنے سے پہلے ان کی بشارت دیتے ہیں تا لوگوں کے شعور کو بیدار کیا جائے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ سے پہلے حضرت یحییٰؑ اور حضرت مسیح موعودؑ سے پہلے حضرت احمد شہید بریلوی۔ بعثتِ رسول سے پہلے بھی مکہ میں کئی موحد ہستیاں موجود تھیں جیسے امیہ بن صلت، نوفل، زید بن عمر اور حضرت ابوبکرؓ۔ یہ سب اپنے طور پر توحید پر قائم تھے بلکہ کئی علماءِ یہود تھے جو اپنی پیشگوئیوں کے مطابق ایک عظیم مصلح کے منتظر تھے اور اکثر اس بات کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ افسوس اپنے تکبر کی وجہ سے کہ یہ رسول ہماری قوم میں سے کیوں نہیں آیا ایمان سے محروم رہے۔ یوں تو ہر نبی نے اپنے بعد آنے والے نبی اور نبی آخرالزماں کی بشارت دی۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے ارہاص ہیں۔ (سورۃ الصف آیت: ۷)

لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا

تاکہ زندہ کریں ساتھ اس کے شہر مردہ کو اور پلاویں ہم وہ (پانی) ان کو جو پیدا کئے ہم نے جانور

وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۫

اور آدمی بہتوں کو اور یقیناً یقیناً طرح طرح سے بیان کیا ہم نے اسے درمیان انکے تاکہ نصیحت پکڑیں

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۱﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا

پس انکار کیا اکثر لوگوں نے سوائے کفر کے اور اگر چاہتے ہم البتہ بھیجتے ہم

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۲﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ

ہر گاؤں میں ڈرانے والا پس نہ اطاعت کر کافروں کی اور جہاد کر ان سے

۵۰۔ آسمانی بارش جو فرقان کی صورت میں نازل ہوئی اس کی فیضیابی کو اللہ تعالیٰ نے ایک بستی تک محدود نہیں رکھا بلکہ چاہا کہ دوسری تمام اقوام کے احیاء کا بھی باعث ہو جو چوپایوں اور وحشیوں کی سی زندگی گزار رہی تھیں۔ جیسا کہ اس سورۃ کی پہلی آیت میں ہی فرقان کے نزول کا سبب آنحضرت ﷺ کا سب قوموں کے لئے نذیر ہونا بتایا گیا پھر جسے یہ سعادت نصیب ہو جائے۔ اسی طرح ظاہری بارش سے بھی خشک زمین اور انسان وحیوان بھی مستفید ہوتے ہیں۔

۵۱۔ ہم نے اس آسمانی پانی کی افادیت کو خوب کھول کر بتا دیا تا کہ نصیحت حاصل کریں مگر افسوس مادی پانی کی قدر تو خوب کرتے ہیں جو ان کے لئے عارضی خوشیاں لاتا ہے مگر آسمانی پانی کی قدر نہیں کرتے۔ اور اس کا انکار کرتے ہیں جو ایک عظیم نعمتِ خداوندی ہے جو قیامت تک خوشیاں بکھیرنے والا اور ہدایت دینے والا ہے بلکہ اخروی دائمی خوشیوں کا بھی ضامن ہے جو اسی سے وابستہ ہیں۔

۵۲۔ ہر بستی میں نذیر پہلے بھی نہیں آئے۔ ہاں مختلف اقوام میں مختلف وقتوں میں نذیر ضرور آتے رہے۔ لیکن مشیتِ الٰہی نے اب ایسا نہیں چاہا اس لئے کہ اب وہ وقت آنے کو ہے جب فاصلے سمٹ جائیں گے۔ مختلف اقوام اور ممالک کا اس طرح رابطہ ہونے والا ہے کہ گویا ایک قوم کی طرح ہی ہو جائیں گے۔ پس تمام نسلِ انسانی میں وحدت، یکجہتی اور عالمگیر اخوت پیدا کرنے کے لئے اب ایک ہی رسول کی ضرورت ہے جیسا کہ پہلی آیت میں ہی واضح کیا جسے الشمس کا خطاب ملا اور جسے سراج منیر کہا گیا۔ جو اکیلا ہی تمام عالم میں اپنی ضوفشانیوں سے ظلمتوں کو پارہ پارہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۵۳۔ کافروں کی تو کوئی بات بھی آپ ﷺ نہیں مانتے تھے۔ یہاں ان کی اس بات کا

بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا

ساتھ اس (قرآن) کے جہاد بڑا اور وہی ہے جس نے ملائے دو دریا یہ

عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ نمکین کڑوا اور بنائی اس نے درمیان انکے روک

جواب دیا کہ ہر بستی میں نذیر کیوں نہیں آیا۔فرمایا اب ہر قریہ میں الگ الگ رسولوں کی نہیں بلکہ عالمگیر رسالت کی ضرورت ہے۔اب اصلاحِ عالم کی عظیم ذمہ داری ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے اتباع کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے۔گزشتہ کئی آیات سے قرآنِ کریم کا ذکر جاری تھا اس لئے **بہ** کی ضمیر قرآنِ کریم کی طرف راجع ہے۔پس قرآنِ عظیم کے ذریعہ تمام عالم میں تبلیغِ حق کو جہادِ اکبر سے موسوم کیا۔ایک داعی الی اللہ کے لئے جہاد بالنفس، جہادِ بالقلم، مالی اور جانی قربانیاں، مخلوقِ خدا کی تعلیم و تربیت اور انہیں احکامِ قرآن پر پابند کرنے کی کوشش کرنا ایک ایسا جہاد ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ جبکہ جہاد بالسّیف مخصوص حالات اور کئی ایک شرائط سے مشروط ہے۔اگر مسلمان جہادِ اکبر سے اس طرح غافل نہ ہوئے ہوتے تو آج تمام عالم اسلام پر ایسا مادی اور روحانی جمود نظر نہ آتا اور اس طرح ذلیل نہ ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اگرچہ تکمیلِ شریعت ہوگئی مگر تکمیلِ تبلیغ کے سامان اس وقت مہیا نہیں تھے۔ اس لئے اکنافِ عالم میں اشاعت و تبلیغ کے لئے آنحضرت ﷺ کی بعثتِ ثانی مقرر تھی۔آج مسیحِ محمدی اور اس کے اتباع آپ ﷺ ہی کا لبادہ اوڑھ کر اور قرآنِ عظیم کو ہاتھ میں لے کر دنیا کے کناروں تک پھیل گئے ہیں۔پس وہ دن دور نہیں کہ تمام اقوامِ عالم محمدِ عربی ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہونے میں فخر محسوس کریں گی اور آنحضرت ﷺ کی وہ پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہو گی کہ اسلام کا تمام ادیان پر غالب آنا مسیح موعود کے زمانہ میں ہو گا۔(ابن جریرؒ جلد ۲۸ صفحہ ۵۳) حضرت مسیح موعودؑ نے جہاد بالسیف کو بحکم الٰہی بعض احادیث کی بنا پر وقتی طور پر ملتوی قرار دیا۔ چونکہ اس وقت مذہبی آزادی تھی اس لئے ابھی جہاد بالسیف کا وقت نہیں تھا جیسا کہ آپ نے فرمایا۔

فرما چکا ہے سیّدِ کونین مصطفیٰ عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا

واضح ہو کہ یہاں التوا کا لفظ ہے منسوخ کا نہیں۔

۵۴۔**مرج** عربی اور انگریزی (Merge) دونوں زبانوں میں ایک ہی معنی دیتا ہے۔ اصل معنی ملا دینا کے ہیں۔ جاری کرنے کے معنی بھی دیتا ہے۔ **عذبٌ**۔میٹھا۔**فرات** بہت میٹھا۔ملح۔

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا

اور اوٹ روکی ہوئی اور وہی ہے جس نے پیدا کیا پانی سے انسان

کھاری۔**اُجاج**۔بہت کھاری۔**حجر**۔پتھر ہے۔**حجر**۔پتھروں سے احاطہ کرنا ہے۔**حجرًا محجورًا** سے مراد ایسی مضبوط رکاوٹ جو دور نہ ہو سکے۔

قرآنِ کریم کے ذکر میں ایک تو وہی معروف معنی ہیں کہ ایک سمندر موسیٰ کی وحی ہے جو کھاری ہو چکی ہے اس میں زندگی کے آثار ہیں لیکن انسانی پیاس بجھانے کے لائق نہیں۔ جبکہ رسولِ مقبول ﷺ کی وحی میٹھے پانی کا ناپیدا کنار سمندر ہے آیت :۴۹۔اس طرح کفر و اسلام کے درمیان ایک دیوار حائل ہے۔جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے قرآنی آیتیں اور زیادہ نکھر کر سامنے آ رہی ہیں۔آج اس آیت کے معنوں نے ایک نیا رنگ اختیار کیا ہے جو ازدیادِ ایمان کا باعث ہے۔ **مَرَجَ** ماضی کا صیغہ ہے عربی کا اصول ہے کہ جب مستقبل کو ماضی کے صیغہ میں کہا جائے تو مراد یقینی سے پوری ہونے والی بات ہوتی ہے گویا ہو ہی چکی ہے۔قرآنِ کریم میں دو جگہ سمندروں کو ملانے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ایک اس آیت میں دوسری سورۃ رحمٰن آیت ۲۰ میں جبکہ سورۃ نمل ۶۲ میں اشارۃً ذکر فرمایا۔دنیا کے نقشے پر بھی دو جگہیں ایسی ہیں جہاں سمندروں کے درمیان کی روکوں کو دور کر کے انہیں آپس میں ملا دیا گیا ہے۔ پہلی نہر سویز ہے جس کا ذکر سورۃ رحمٰن میں ہے یہ 101 میل لمبی ہے اور دنیا کی سب سے لمبی نہر ہے اور مصر کی ایک اہم دولت ہے جو پانچ بلین ڈالر سے زیادہ آمدنی دیتی ہے۔یہ بحیرہ احمر اور بحیرہ روم کو ملانے سے وجود میں آئی۔ان سمندروں کے درمیان 101 میل لمبی خشکی کی بھاری روک تھی جسے دور کیا گیا۔یہ بہت گہری کھودی گئی ہے تا کہ بڑے سے بڑے سمندری جہاز گزر سکیں۔ نہر سویز کے بغیر مشرق و مغرب کا ملنا ممکن نہ تھا۔ اس سے پہلے مشرق سے یورپ آنے اور جانے والے جہازوں کو براعظم افریقہ کے جنوب سے چکر لگا کر پانچ ہزار میل کا اضافی فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا۔اس سمندری راستے کو مختصر کر دینے کا باقاعدہ منصوبہ فرانسیسی سفارتکار فرڈینینڈ ڈی لیپس نے بنایا تھا۔۱۸۵۴ء میں مصر کے اس وقت کے حکمران پاشا سے اس کی اجازت حاصل کی اور پچیس ہزار مصریوں کو نہر کی کھدائی پر مامور کیا۔ بہت سے مصری ہلاک ہوئے اور ان سے جبری مشقت بھی لی گئی۔ ۱۸۶۹ء میں نہر سویز کا افتتاح ہُوا۔اور ڈی لیپس نے پورٹ سعید پر منعقد کی جانے والی ایک یادگار تقریب کے بعد جہازوں کے بیڑے کے ساتھ نہر کو عبور کیا۔ نہر سویز انسان کی بنائی ہوئی عظیم آبی شاہراہ اور انسانی صلاحیت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اسے انسان کی

فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

پھر بنایا اُسے نسب اور سسرال اور ہے رب تیرا بہت قدرت والا اور وہ عبادت کرتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ

سوائے اللہ کے جو نہیں نفع دیتا انہیں اور نہ نقصان پہنچاتا ہے انہیں اور ہے کافر مقابل

عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۷﴾

اپنے رب کے مددگار اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا

عظمت کی علامت کہا جا سکتا ہے۔ دوسری نہر پانامہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے جو وسطی امریکہ کے جنوب میں ہے۔ یہ بھی دو سمندروں بحرالکاہل اور بحراوقیانوس کو ملانے سے وجود میں آئی۔ بحرالکاہل کا پانی سب سمندروں سے کم کھاری ہے۔ پانامہ کے سوا کوئی جگہ نہیں جہاں کھارے پانی کو میٹھا بنا دیا گیا ہو۔ یہ نہر میٹھے پانی کی جھیلوں اور دلدلوں سے گزرتی ہے۔ اس طرح دوسرے سمندر تک پہنچنے سے پہلے کڑوا پانی میٹھے پانی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کا آغاز فرانسیسیوں نے ۱۸۸۱ء میں کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں امریکہ نے اس کی تعمیر کا ذمہ لیا اور کولمبیا کو بیچ سے نکال کر ۱۹۱۴ء میں اسے مکمل کیا ان سمندروں کے درمیان بھی خشکی کی ۸۲ کلومیٹر لمبی روک تھی جسے دور کر دیا گیا۔ یہ پیشگوئی اس وقت کی گئی تھی جب ابھی امریکہ دریافت نہیں ہُوا تھا۔

۵۵۔ آج سائنس بھی اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ہر ذی روح پانی ہی سے وجود میں آیا۔ اس آیت میں ان فرسودہ خیالات کی نفی فرمائی جو جاہل لوگوں میں آج بھی رائج ہیں کہ سسرالی رشتہ داروں سے اپنے خاندان جیسے تعلقات نہیں رکھنے چاہئیں۔ یہاں **نسب** اور **صہر** کو اللہ کا انعام و احسان کہا۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار قدرتوں سے اگر سمندروں کا وجود نافع ہے تو پانی کی ایک حقیر بوند بھی کروڑ ہا کروڑ انسانوں کو وجود میں لانے کا باعث ہے۔ اسی طرح تیرا ربّ انسانوں کی روحانی پیدائش پر بھی قادر ہے۔ رسولوں کا وجود ابتدا میں حقیر سمجھا جاتا ہے پھر اس ربّ قدیر کے فضل و احسان سے بہت جلد بے شمار انسان اُن کی روحانی اولاد میں شامل ہو جاتے ہیں۔

۵۶۔ **ظہیرًا**۔ مددگار۔

اس ربّ قدیر کے بے حد و حساب احسانات کو دیکھنے کے بعد بھی ان ناکارہ بتوں کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں جو ان کی عملی زندگی میں کسی نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ اسی پر بس نہیں کافر تو اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ سلسلہ کی صرف مخالفت ہی نہیں کرتا بلکہ جہاں تک اس کا بس چلتا ہے

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ

تو کہدے نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر مگر جو چاہے کہ اختیار کرے

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۸﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

طرف اپنے رب کی راہ اور بھروسہ کر اس زندہ پر جو کہ نہیں مرے گا

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾

اور تسبیح کر ساتھ حمد کے اس کی اور کافی ہے وہی گناہوں کی اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا

اللہ کے مقابلہ میں دشمنانِ حق کی پشت پناہی کرنے والا بھی ہوتا ہے اور اسلام کو مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔

۵۷۔ ان کی تمام تر سرکشیوں کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا اعلان کیا اور اپنے رسول کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ پہلے بشیر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کام قبولِ حق کرنے والوں کو دین و دنیا میں فلاح پانے کی خوشخبریاں دینا تھا۔ ہاں جو ہدایت قبول نہیں کرتے اور الٰہی سلسلہ کو ناکام کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں انہیں تباہی کی خبریں دیتا ہے جو بہرحال پوری ہو کر رہتی ہیں۔

۵۸۔ یہاں صاف بتا دیا کہ یہ رسول تبلیغ اسلام کے عوض تم سے کوئی [illegible] چاہتا اس لئے کہ اپنے ربّ کی صفتِ رحمانیت کا کامل مظہر ہے۔ اسے محض بندگانِ خدا کی ہدایت مطلوب ہے۔ اس کی دن رات کی کوششوں اور انتھک خدمات کا صلہ یہی بہت ہے کہ لوگ اسلام کی سچی راہوں کو اختیار کریں، اپنے ربّ کو پالیں اور اس نبی امیؐ کی روحانی اولاد میں شامل ہو جائیں تا ان فیوض و برکات کے چشموں سے اپنی پیاس بجھائیں جو بنی نوع انسان کی روحانی سیرابی کے لئے اس رحمۃ للعالمین کے وجود باجود سے جاری ہوئے۔ قرآنِ کریم نے سب رسولوں کے لئے یہی فرمایا کہ یہ تم سے کسی اجر کے طالب نہیں کیونکہ منکرینِ حق اپنی پست ذہنیت کی وجہ سے یہی سمجھتے تھے کہ یہ اپنا جتھہ بنا کر مادی فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پس ان کے ان خیالات کا ردّ فرمایا۔

۵۹۔ ان تمام نامساعد حالات کے باوجود بھی تو تبلیغ و ہدایت کے پیغام کو جاری رکھ اور حی ربّ پر بھروسہ رکھ۔ توکّل کے معنی بھی بتا دیئے کہ تمام طاقتیں اللہ کی راہ میں جھونک دو پھر بھروسہ کرو۔ یہاں بطور خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ''الحیّ'' بیان فرمائی۔ وہ خدا جو اپنی ذات میں زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشتا ہے۔ پچھلی آیت میں اپنے ربّ کو پانے کی تلقین فرمائی تھی یہاں اسے پانے کا

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ

وہ جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور جو درمیان ہے انکے چھ

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ

دنوں میں پھر قرار پکڑا عرش پر (بھی) رحمٰن ہے پس پوچھ اس کے متعلق

خَبِيْرًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَ

خوب واقف سے اور جب کہا جاتا ہے انہیں سجدہ کرو رحمٰن کو کہتے ہیں اور

مَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝۶۱ ع ۵ ۱۶ ۳

کیا ہے رحمٰن؟ کیا ہم سجدہ کریں اُسے جس کا تو حکم دیتا ہے ہمیں اور بڑھا دیا انہیں اس بات نے نفرت میں

طریق بتایا کہ اس حیی خدا کو تم اس مردہ حالت میں نہیں پا سکتے۔ پس اس زندہ رسول کو قبول کر کے خود میں زندگی کے آثار پیدا کرو۔ پھر اس کی تسبیح و تحمید سے اس کی صفات کا چولہ پہن کر بنی نوع انسان کو اس چشمہ حیوان تک پہنچانے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑو۔ تمہیں اس بات کی فکر نہ ہو کہ اس کے گنہگار بندے ہدایت کیونکر پائیں گے۔ اللہ کو ان کے گناہوں کی خبر ہے۔ وہ حَیّ ہے اور اپنے گنہگار بندوں کو روحانی زندگی بخشنے پر قادر ہے۔

۶۰۔ اس حَیّ خدا کی قدرتوں کا ذکر تھا جس نے چھ ادوار میں کائنات تخلیق کی پھر اس سلسلہ کائنات کا مرکزی اختیار و اقتدار (Control) اپنے ہاتھ میں رکھا۔ (تشریح کے لئے الاعراف آیت ۵۵۔ یونس:۴) یہ سب اس کی صفت رحمانیت کے طفیل وجود میں آیا۔ پس جس رحمٰن خدا نے اپنے بندوں کی جسمانی اور عارضی زندگی کے لئے کائنات کو تخلیق کیا۔ کیا وہ ان کی روحانی اور ابدی زندگی کے لئے کسی خبیر کو پیدا نہ کرتا؟ جو سب کچھ جانتا ہو اور ان کی رہنمائی کرے۔ دنیا میں یہی طریق ہے کہ اگر کوئی شخص کسی راہ سے واقف نہ ہو تو اس راہ کے جاننے والے سے اس راہ کا پتہ پوچھا جاتا ہے۔ پس اے میرے بندے! تو اندھیروں میں بھٹکتا نہ پھر۔ بلکہ اس راہ کے شناسا محبوب خدا خیر الوریٰ فخر الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس راہ کا پتہ پوچھ جو تمہیں منزل تک پہنچا دیں گے۔ اگر ہٖ کو **خبیرًا** کی طرف منسوب کیا جائے تو معنی یوں ہوں گے کہ اے اندھیروں میں بھٹکنے والے! اس خبیر سے مانگ۔ دعا اور استخارہ سے صحیح راہ تلاش کر۔ وہ خبیر ہے تیری تڑپ کو جانتا ہے لہٰذا اپنی رحمانیت کے صدقہ تیری دستگیری فرمائے گا اور تجھے صحیح راستہ کی طرف ہدایت دے گا۔

۶۱۔ رحمٰن عبرانی لفظ ہے۔ عربوں میں عام طور پر مستعمل نہیں تھا تاہم یہود و نصاریٰ اور دیگر ارباب مذاہب اس کو بولتے تھے۔ وہ اس لفظ کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اس اصطلاع کا انکار

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا

بابرکت ہے وہ جس نے بنائے آسمان میں ستارے اور بنائے اس میں

سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝۶۲ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

چراغ (یعنی سورج) اور چاند روشن اور وہی ہے جس نے بنایا رات اور دن کو

کرتے تھے جو قرآن نے پیش کی یا اس ہستی کا انکار کرتے تھے جو رحمٰن کی طرف بلاتی تھی۔ قرآنی اصطلاع میں رحمٰن وہ ہستی ہے جو بے بدل دینے پر قدرت رکھتی ہے۔ قرآن تخلیق کائنات کو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمیت کا جلوہ قرار دیتا ہے کہ یہ کائنات تمہارے لئے مسخر کی گئی۔ بغیر کسی محنت و استحقاق کے تم اس کے ذرہ ذرہ کے مالک ہو۔ پھر تم ان بے جان پتھروں کو جو تمہاری ایک ادنیٰ ملکیت ہیں اپنا مالک کیوں مانتے ہو۔ اس طرح صفت رحمٰن ان کے شرک کو باطل کرتی تھی۔ پس جب انہیں توحید کی طرف بلایا جاتا اور ربّ رحمٰن کے بے شمار احسانات کے سبب انہیں کہا جاتا کہ رحمٰن کی فرمانبرداری کرو۔ اس کے سامنے جھک جاؤ تو وہ اس انسان کے کہنے پر جس کے خیالات ان کے عقائد سے ٹکراتے تھے، رحمٰن کے آگے جھکنے کو تیار نہیں تھے۔ اس بات سے وہ نہ صرف نفرت میں بڑھتے گئے بلکہ ہر نافرمانی اور ضد انہیں ہدایت سے مزید دور کرتی چلی گئی۔ اسی لئے آج بھی یہود و نصاریٰ بسم اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات لگاتے ہیں۔ جیسے بسم اللہ الرحیم یا بسم اللہ الہادی وغیرہ۔ ''رحمٰن'' نہیں لگاتے۔

۶۲۔ **بروجًا۔ البرج** کی جمع ہے۔ فضائے آسمانی کو بارہ فرضی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جنہیں بروج کہتے ہیں۔ اجرامِ فلکی کی منازلِ مختصہ۔ مضبوط قلعہ اور محل۔ بڑے بڑے ستارے۔ **سراجًا**۔ چراغ۔ سورج کو چراغ کہا گیا (سورۃ نوح ۱۷) کیونکہ وہ دن کو روشن کرتا ہے چاند کو پہلی دو راتوں اور آخری دو راتوں کو ھلال کہا جاتا ہے۔ باقی راتوں میں قمر کہلاتا ہے۔

اس آخری رکوع میں اس عظیم انقلاب کا ذکر کیا جس نے تھوڑے عرصہ میں اس رسول عربیؐ کی تبلیغ سے اس کے متبعین کو ایک بلند روحانی مقام پر پہنچا دیا۔ اُن کے اس سوال کے جواب میں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ کائنات کے اندر پھیلی ہوئی اپنی لامتناہی قدرتوں کا ذکر کیا جن میں اجرامِ فلکی اور شمس و قمر کی تخلیق، ان کی حرکات و سکنات، زمین اور اہل زمین پر ان کی براہِ راست تاثیرات کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ اگر دنیوی زندگی میں ان کی ضرورت ہے تو روحانی زندگی کے لئے بھی روحانی نجوم اور شمس و قمر کی ضرورت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو سراجِ منیر کہا گیا جس

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٣﴾ وَعِبَادُ
آگے پیچھے آنیوالا اس کیلئے جو چاہے کہ نصیحت حاصل کرے یا چاہے شکر کرنا اور بندے

الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا
رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر فروتنی سے اور جب

خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ
مخاطب ہوتے ہیں ان سے جاہل وہ کہتے ہیں سلام اور وہ جو کہ رات بسر کرتے ہیں

نے اپنی روشنی سے ایک عالم کو منور کیا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کو کالنجوم کا خطاب ملا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (مشکوۃ۔ کتاب المناقب الصحابہ صفحہ ۵۵۴۔ بحوالہ رزّین) آپ ﷺ کے مہدی و مسیح ؑ قمری صفات کے حامل تھے ان کا نور اکتسابی تھا۔ آپ نے ظلّی طور پر آنحضرت ﷺ کے نور سے روشنی پائی۔

۶۳۔ **خلفة**۔ ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ اسی سے خلیفہ ہے۔

نظامِ کائنات میں گردشِ لیل و نہار بھی بندوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔ صاحبِ علم و بصیرت جوں جوں قوانین قدرت پر غور کرتے ہیں ربِّ رحمٰن کے ذکر و شکر سے ان کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ جہاں دنیوی طور پر رات کے بعد دن آتا ہے وہاں روحانی طور پر بھی ہدایت و غفلت کے زمانے آتے رہتے ہیں۔ یہ موجودہ زمانہ پر اطلاق پانے والی آیات بھی ہیں۔ جب عالمِ اسلام پر رات کے مہیب سائے چھائے ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود و مہدی مسعود نے جو آنحضرت ﷺ کے انوار کا انعکاس تھے، نورِ محمدی سے روشنی لے کر قمر کے طور پر اس رات کو روشن کردیا۔ پھر ایک روشن اور چمکدار دن طلوع ہوا اور تاریکیوں کے بادل چھٹ گئے۔ اس آیت میں رات کے مقابل پر ’’ذکر‘‘ آیا ہے اور دن کے مقابلہ پر ’’شکر‘‘ ہے گویا رات کا وقت ذکر اور عبادت کے لئے بہت مناسب ہے جبکہ دن جدّ و جُہد کے نتیجہ میں اللہ کے انعام حاصل کرنے اور شکر بجا لانے کے لئے ہے۔ پس گردشِ لیل و نہار اور دیگر عجائباتِ قدرت پر غور کرنے سے ربِّ رحمٰن کے ذاکر و شاکر بندہ بننے کے بے شمار مواقع ہیں۔

۶۴۔ **هونًا**۔ سکینت و وقار۔ عاجزی و فروتنی۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کے ثبوت میں پہلے مظاہرِ قدرت کا ذکر کیا اب اس کے ذاکر و شاکر بندوں کو اس ثبوت کے طور پر پیش کیا اور انہیں عباد الرحمٰن کے لقب سے نوازا اور سورۃ کے

لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٥﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ
اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے اور کھڑے ہوئے اور وہ جو کہ کہتے ہیں اے رب ہمارے پھیر دے

اختتام تک ان کی صفات بیان فرمائیں۔ عباد الرحمٰن میں پہلی صفت بطور عبد کے ہے۔ عبد کہلانے کا صحیح حقدار وہی ہے جو اپنے ہر ارادہ اور خواہش نیز ہر حرکت و سکون کو اپنے ربّ کی مرضی کے تابع کر دے، جس کی اپنی کوئی مرضی نہ ہو۔ ایک غلام کی طرح ہر حکم بجا لانے کے لئے مستعد رہے۔ یہ رحمٰن خدا کے بندے جن میں اوّل ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام شامل تھے جو رحمانیت کا لبادہ اوڑھ کر بلا عوض اور بلا تفریق مخلوقِ خدا کی بھلائی اور اصلاح کے لئے اپنی زندگیاں وقف کئے ہوئے تھے۔ اس نبی امّی ؐ کی قوتِ قدسی نے ایسا عظیم انقلاب برپا کیا کہ وحشیوں کو ملائکہ کی صف میں کھڑا کر دیا۔ ان کی ہر نیکی جس کا یہاں ذکر ہے وہ کسی ایسی پہلی بدی کے مقابل پر تھی جس پر یہ زمانہ جاہلیت میں فخر کیا کرتے تھے۔ نہایت متکبرانہ انداز سے چلتے اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ جہالت کے مقابلہ میں زیادہ جہالت دکھانے میں فخر محسوس کرتے۔ پس زمین پر وقار اور عاجزی سے چلنا، جہالت کا جواب حوصلہ اور سلامت روی سے دینا اور ان کی سلامتی کے خواہاں ہونا ان کا پہلا سبق تھا۔ ان کی طبیعت کا ٹھہراؤ اور مزاج کی نرمی ان کی چال سے واضح تھی۔ انکساری سے چلنے سے مراد سست روی نہیں۔ احادیث [illegible]ت ہے کہ آنحضرت ﷺ نہایت تیز رفتار تھے۔ آپ ﷺ ایسے چلتے تھے گویا زمین آپ ﷺ کے لئے سمٹتی ہے (ابن کثیر) آپ ﷺ کے روحانی فرزند اور عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود بھی نہایت تیز چلتے۔ حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو آہستہ چلتے دیکھا تو پوچھا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے کہا نہیں تو آپ نے اس پر درّہ اٹھایا اور کہا قوت سے چلا کرو۔ (ابن کثیر)

یہاں **یمشون فی الارض** کی بجائے **یمشون علی الارض** کہا جو زمین پر غلبہ کا مفہوم دیتا ہے۔ پس مکّی زندگی کی کس مپرسی کی حالت میں ان مفلوک الحال صحابہ کو بڑی بڑی فتوحات کی خوشخبریاں دیں۔ کہ جب دنیا تمہارے پاؤں تلے ہوگی تو بندگانِ خدا سے عاجزی سے پیش آنا۔ باوجود حکمران ہونے کے جہالت کا جواب نرمی سے دینا۔ گویا رفتار و گفتار میں اپنے ربّ کے عاجز بندے بن کر رہنا۔

۶۵۔ اب عباد الرحمٰن کی ایک خاص خوبی بیان فرمائی۔ اہلِ مغرب کی طرح ساری ساری رات شراب نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں سجانے والے اب اپنے ربّ کے حضور قیام و سجود میں

راتیں گزارنے لگے۔ یہ تہجد کی عاجزانہ دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ کل ایک لاکھ اسّی ہزار آبادی والا ملک عرب اپنے سے بہت زیادہ ترقی یافتہ اور متمدن ملک روم پر غالب آیا جس کی آبادی بیس کروڑ سے کم نہیں تھی۔ کسریٰ کی آبادی بیس کروڑ سے زیادہ تھی اس نے بھی منہ کی کھائی اور اسلامی فوجیں نہایت قلیل عرصہ میں معلوم دنیا کے بہترین حصوں پر قابض ہو گئیں۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو رومی جرنیل نے اپنے جاسوس مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے آکر رپورٹ دی کہ وہ ہمارے مقابلہ میں بہت کم ہیں لیکن وہ کوئی جن معلوم ہوتے ہیں۔ دن کو میدانِ کارزار میں اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے ہیں اور رات کو اپنے ربّ کے حضور سجدوں میں عاجزانہ دعائیں کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے تھکے ماندے سپاہی ناچ گانے سے تھکن دور کرتے اور شراب پی کر بے سدھ سوتے ہیں۔ افسوس انہی مسلمانوں پر جب دینی انحطاط کا زمانہ آیا تو ان کی راتیں نوافل و ذکر الٰہی کی بجائے عیش و عشرت میں بسر ہونے لگیں۔ عباسی خلیفہ معتصمؔ باللہ ناچ گانے کا رسیا تھا اس پر ہلاکو خان عذابِ الٰہی کی صورت حملہ آور ہُوا اور وحشت و بربریت کی انتہا کر دی۔ ان شدید مصائب میں مسلمان ایک بزرگ کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بغداد کو تباہی سے بچالے۔ انہوں نے کہا کہ جب میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ۔ کہ اے کافرو! ان فاجر و فاسق مسلمانوں کو خوب مارو۔ ہلاکو خان نے ایک دن میں معتصم باللہ اور اس کے بارہ بیٹوں سمیت اٹھارہ لاکھ مسلمان تہ تیغ کئے۔ اس کے سپاہیوں نے شاہی خاندان کی ہر عورت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ عظیم لائبریریاں نظر آتش کر دی گئیں۔ غرض بغداد تباہ ہُوا اور عباسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

متعدد احادیث میں تہجد کی بے حد فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس وقت اللہ جل شانہٗ اپنے بندے کے قریب آجاتا ہے اور اس کی دعائیں سنتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہمارا رب ہر رات قریبی آسمان تک نزول کرتا ہے۔ جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے تو میں اس کو جواب دوں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اس کو دوں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اس کو بخش دوں۔ (متفق علیہ۔ ترمذی کتاب الدعوات) حضرت اسماء بنت زیدؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا۔ پھر ایک منادی اعلان کرے گا کہ

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿۶۶﴾ إِنَّهَا
ہم سے عذاب جہنم کا یقیناً عذاب اس کا ہے لازم ہونے والا یقیناً
سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ
وہ بُری ہے ٹھہرنے میں اور قیام کرنے میں اور وہ جو کہ جب خرچ کرتے ہیں نہیں
يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۸﴾ وَالَّذِينَ
اسراف کرتے اور نہ بخل کرتے ہیں اور ہے درمیان اس کے اعتدال اور وہ جو کہ

کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں اور خوابگاہوں سے جدا رہتے تھے۔ یہ سن کر تھوڑے لوگ میدان سے اٹھیں گے اور بلاحساب جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ پھر باقی لوگوں کا حساب ہو گا۔ (بیہقی) حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں! مومن رات عبادت کے کام کرتا ہے۔ انگریزی پڑھنے والوں کی عادت چھوڑ دو کہ دو بجے سوئے اور آٹھ بجے اٹھے۔ (ضمیمہ بدر قادیان ۱۴ جولائی ۱۹۱۰ء)

۶۶۔ **غرامًا**۔ چمٹ جانے والا عذاب۔

یہ عبادالرحمٰن شب و روز عاجزی اور عبادات کے باوجود اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور اپنے آپ کو خدا کی پکڑ سے باہر نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ جانتے ہیں نجات اللہ کے فضل سے ہے نہ کہ محض عمل سے جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے فرمایا کہ نجات کے لئے ایمان، عمل اور فضل چاہئے۔ پس جہنم کے عذاب کو دور کرنے کی دعائیں کرتے ہیں کہ یہ عذاب تو چمٹ جانے والا ہے۔

۶۷۔ اس جہنم میں خواہ کسی کا قیام مختصر ہو یا مستقل وہ جگہ ہر طور بُری ہے۔ مختصر قیام دنیوی جہنم کی زندگی بھی ہے جبکہ مستقل اخروی جہنم ہے۔ بیشک دوزخ کا عذاب سخت تکلیف دہ اور بھیانک ہو گا لیکن ابدی نہیں ہو گا یہاں **مُقَامًا** سے مراد لمبا قیام ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے گی اور اپنے گنہگار بندوں کو جہنم سے نکال لائے گی۔

۶۸۔ **قوامًا**۔ **قوّام**۔ وسط و عدل ہے۔

ایامِ جاہلیت میں لہو ولعب اور نمود و نمائش میں سب کچھ لٹا دینے والے اور رفاہی کاموں میں بخل سے کام لینے والے جب عبادالرحمٰن میں شامل ہوئے تو افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ کو اختیار کیا اور اپنے اخراجات میں توازن پیدا کیا تا دینی ضروریات کے مواقع پر پشیمانی نہ ہو۔ تاہم مختلف حالات مختلف قربانیوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہی عبادالرحمٰن جب صدیقیت کی چادر

لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
نہیں پکارتے ساتھ اللہ کے معبود دوسرا اور نہیں قتل کرتے وہ جان کو جسے
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
حرام کیا ہے اللہ نے مگر ساتھ حق کے اور نہیں زنا کرتے اور جو کرے گا یہ کام
يَلْقَ اَثَامًا ۝٦٩ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ
پاویگا گناہ بڑھایا جاویگا اس کے لئے عذاب بروز قیامت کے اور

اوڑھتے ہیں تو ان کا اپنا کچھ بھی نہیں رہتا۔سب کچھ خدا کا ہو جاتا ہے۔ جنگ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا لائے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا جبکہ حضرت عمرؓ نصف لائے اس خیال سے کہ آج میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا۔حضرت زیدؓ اپنے باپ اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو یہ فرماتے سنا کہ میں ابوبکرؓ سے نہیں بڑھ سکتا (ترمذی ابواب المناقب فی مناقب ابی بکرؓ و عمرؓ) اسی موقع پر جب ایک دوسرے صحابی نے اپنا پورا مال خدمتِ اقدس میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قبول نہیں فرمایا کچھ ان کے اہل و عیال کے لئے واپس کر دیا اس لئے کہ وہ صدیق اکبر کے توکّل کے مقام پر نہیں تھے۔اگر انہیں بعد میں کوئی تنگی پیش آتی تو شکوہ کرتے۔اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات کا خود کفیل ہو جاتا تھا۔ پس دنیوی ضروریات کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانی بھی اسراف میں شامل نہیں۔لیکن ایسا تبھی ممکن ہے کہ اپنے ذاتی اخراجات کو حد اعتدال میں رکھیں البتہ معصیت کی راہوں پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنا اسراف ہی نہیں بلکہ گناہ میں بھی شامل ہے۔آج احمدیت کو سخت مالی قربانیوں کی ضرورت ہے۔تحریک جدید کی شرائط تمام احمدی مستورات کو سادگی کا سبق دیتی ہیں تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ چندہ دے کر تبلیغ کے کام کو تمام دنیا میں پھیلا سکیں۔مستورات اس لئے کہا کیونکہ مردوں کی نسبت عورتیں اسراف کی زیادہ مرتکب ہوتی ہیں۔

۶۹ ـ **اثاما**۔**اثام** اور **اثم** کے ایک ہی معنی ہیں گناہ۔جزاء **اثم** بھی مراد ہے۔**یلق**۔وہ بلاقات کرتا ہے۔**الّتی حرّم اللّٰہ**۔جسے اللہ نے حرام قرار دیا۔

عرب سب سے زیادہ انہیں تین گناہوں میں ملوث تھے آج بھی یہی سرفہرست ہیں شرک، قتل ناحق اور زنا۔بت پرستی اپنے عروج پر تھی ہر قبیلہ کا اپنا بت تھا۔خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔معمولی معمولی باتوں پر قتل و غارت ان کا دن رات کا شیوہ تھا۔جس طرح آج کی بظاہر متمدن اقوام فحش لٹریچر اور سرعام فحاشی پر فخر کرتی ہیں۔ اسی طرح سردارانِ مکہ کی محفلیں بھی

يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝٧٠ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا
رہ پڑیگا اس میں ذلیل ہوکر مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کیا کام
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ
نیک تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ بدل ڈالتا ہے اللہ بدیاں ان کی بھلائیوں سے اور ہے
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝٧١ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ
اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا اور جس نے توبہ کی اور کی نیکی تو یقیناً وہ رجوع کرتا ہے

اخلاق سوز بیہودہ اشعار اور فحاشیوں سے مزیّن تھیں۔ ان برائیوں کے بالمقابل عباد الرحمٰن شرک سے سخت متنفر تھے اور توحید پر قائم تھے۔ کسی محترم نفس کو ناحق قتل کرنا تو کجا معمولی ایذا تک دینے کے روادار نہیں تھے۔سوائے اس کے کہ حق و انصاف کی خاطر ایسا کرنا پڑے۔زنا کے قریب بھی نہیں پھٹکتے اس لئے کہ دوسرے عیوب کے علاوہ یہ قتل کے بھی مترادف ہے کیونکہ نکاح کا مقصد نسل انسانی کی بقا ہے جبکہ زنا اس مقصد کے برخلاف ہے پس نبیٔ کامل کی تبلیغ و نصائح کے باوجود اگر کوئی ان بدیوں میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے گا تو اسے اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

۷۰ ـ **مَہین**۔ذلیل۔**مہانا**۔ذلیل ہوکر۔

ان گناہوں کا وبال دنیا میں مختلف بیماریوں اور رسوائیوں کی صورت انسان پر نازل ہوتا ہے۔اگلے جہان کا عذاب اس دنیوی عذاب سے بہت زیادہ ہوگا اور بھاری [illegible] اور ذلتوں کا موجب ہوگا۔

۷۱ ـ تاہم توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ سچی توبہ کے بعد ہی حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے جو اعمال حسنہ کی توفیق دیتا ہے۔ اگر خدا کے فضل سے یہ سب میسر آ جائے تو ان کی بدیاں مٹا دی جائیں گی اور نیکیاں ہی باقی رہ جائیں گی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ **غفور الرّحیم** ہے۔

توبہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر شدید ندامت ہو۔انہیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا مصمم ارادہ کرے اور ان کے بالمقابل جو نیک اعمال ہوں وہ بجالائے بُری صحبت کو بلکہ ممکن ہو تو مقام کو ہی بدل دے۔پچھلے گناہوں اور زیادتیوں کا ازالہ کرے۔وہ اس طرح کہ جن پر زیادتی کی ہے یا جن کا حق ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی یا جن کا حق غصب کیا ان سے معافی مانگے اور ان کے نقصان کی حسبِ مقدور تلافی کرے۔اگر تلافی ممکن نہ ہو تو ان کے لئے دردِ دل سے دعائیں کرے کہ اے ربِّ رحیم! میں تیرا خطا کار بندہ ہوں میں نے ان کا نقصان کیا۔اب مجھ میں لوٹانے کی طاقت نہیں تو انہیں اس نقصان سے بہت زیادہ عطا کر۔تب

لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
نہیں پکارتے ساتھ اللہ کے معبود دوسرا اور نہیں قتل کرتے وہ جان کو جسے
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
حرام کیا ہے اللہ نے مگر ساتھ حق کے اور نہیں زنا کرتے اور جو کرے گا یہ کام
يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٩﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ
پاوے گا گناہ بڑھایا جاوے گا اس کے لئے عذاب بروز قیامت کے اور

اوڑھتے ہیں تو ان کا اپنا کچھ بھی نہیں رہتا۔ سب کچھ خدا کا ہو جاتا ہے۔ جنگِ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا لائے جسے آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا جبکہ حضرت عمرؓ نصف لائے اس خیال سے کہ آج میں حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤں گا۔ حضرت زیدؓ اپنے باپ اسلمؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطابؓ کو یہ فرماتے سنا کہ میں ابو بکرؓ سے نہیں بڑھ سکتا (ترمذی ابواب المناقب فی مناقب ابی بکرؓ و عمرؓ) اسی موقع پر جب ایک دوسرے صحابی نے اپنا پورا مال خدمتِ اقدس میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے سارا قبول نہیں فرمایا کچھ ان کے اہل و عیال کے لئے واپس کر دیا اس لئے کہ وہ صدیقِ اکبر کے توکّل کے مقام پر نہیں تھے۔ اگر انہیں بعد میں کوئی تنگی پیش آتی تو شکوہ کرتے۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات کا خود کفیل ہو جاتا تھا۔ پس دنیوی ضروریات کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانی بھی اسراف میں شامل نہیں۔ لیکن ایسا تبھی ممکن ہے کہ اپنے ذاتی اخراجات کو حد اعتدال میں رکھیں البتہ معصیت کی راہوں پر ایک پیسہ بھی خرچ کرنا اسراف ہی نہیں بلکہ گناہ میں بھی شامل ہے۔ آج احمدیت کو سخت مالی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ تحریک جدید کی شرائط تمام احمدی مستورات کو سادگی کا سبق دیتی ہیں تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ چندہ دے کر تبلیغ کے کام کو تمام دنیا میں پھیلا سکیں۔ مستورات اس لئے کہا کیونکہ مردوں کی نسبت عورتیں اسراف کی زیادہ مرتکب ہوتی ہیں۔

٦٩۔ **اثاما**۔ اثام اور **اثم** کے ایک ہی معنی ہیں گناہ۔ جزاء **اثم** بھی مراد ہے۔ **یلق**۔ وہ ملاقات کرتا ہے۔ **التی حرّم اللّٰہ**۔ جسے اللہ نے حرام قرار دیا۔

عرب سب سے زیادہ انہیں تین گناہوں میں ملوث تھے آج بھی یہی سرفہرست ہیں شرک، قتل ناحق اور زنا۔ بت پرستی اپنے عروج پر تھی ہر قبیلہ کا اپنا بت تھا۔ خانہ کعبہ میں ٣٦٠ بت رکھے ہوئے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر قتل و غارت ان کا دن رات کا شیوہ تھا۔ جس طرح آج کی بظاہر متمدن اقوام فحش لٹریچر اور سرعام فحاشی پر فخر کرتی ہیں۔ اسی طرح سردارانِ مکّہ کی محفلیں بھی

يَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ﴿٧٠﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا
رہ پڑے گا اس میں ذلیل ہو کر مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کیا کام
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ
نیک تو یہ لوگ ایسے ہیں کہ بدل ڈالتا ہے اللہ بدیاں ان کی بھلائیوں سے اور ہے
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ
اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا اور جس نے توبہ کی اور کی نیکی تو یقیناً وہ رجوع کرتا ہے

اخلاق سوز بیہودہ اشعار اور فحاشیوں سے مزین تھیں۔ ان برائیوں کے بالمقابل عباد الرحمٰن شرک سے سخت متنفر تھے اور توحید پر قائم تھے۔ کسی محترم نفس کو ناحق قتل کرنا تو کجا معمولی ایذا تک دینے کے روادار نہیں تھے۔ سوائے اس کے کہ حق و انصاف کی خاطر ایسا کرنا پڑے۔ زنا کے قریب بھی نہیں پھٹکتے اس لئے کہ دوسرے عیوب کے علاوہ یہ قتل کے بھی مترادف ہے کیونکہ نکاح کا مقصد نسل انسانی کی بقا ہے جبکہ زنا اس مقصد کے برخلاف ہے پس نبیٔ کامل کی تبلیغ و نصائح کے باوجود اگر کوئی ان بدیوں میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے گا تو اسے اپنے گناہوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

٧٠۔ **مَھِین**۔ ذلیل۔ **مھانًا**۔ ذلیل ہو کر۔

ان گناہوں کا وبال دنیا میں مختلف بیماریوں اور رسوائیوں کی صورت انسان پر نازل ہوتا ہے۔ اگلے جہان کا عذاب اس دنیوی عذاب سے بہت زیادہ ہو گا اور بھاری رسوائیوں اور ذلتوں کا موجب ہو گا۔

٧١۔ تاہم توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ سچی توبہ کے بعد ہی حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے جو اعمال حسنہ کی توفیق دیتا ہے۔ اگر خدا کے فضل سے یہ سب میسر آ جائے تو ان کی بدیاں مٹا دی جائیں گی اور نیکیاں ہی باقی رہ جائیں گی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ **غفور الرّحیم** ہے۔

توبہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ پچھلے گناہوں پر شدید ندامت ہو۔ انہیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے آئندہ کے لئے گناہوں سے بچنے کا مصمّم ارادہ کرے اور ان کے بالمقابل جو نیک اعمال ہوں وہ بجالائے بُری صحبت کو بلکہ ممکن ہو تو مقام کو ہی بدل دے۔ پچھلے گناہوں اور زیادتیوں کا ازالہ کرلے۔ وہ اس طرح کہ جن پر زیادتی کی ہے یا جن کا حق ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی یا جن کا حق غصب کیا ان سے معافی مانگے اور ان کے نقصان کی حسبِ مقدور تلافی کرے۔ اگر تلافی ممکن نہ ہو تو ان کے لئے دردِ دل سے دعائیں کرے کہ اے ربّ رحیم! میں تیرا خطا کار بندہ ہوں میں نے ان کا نقصان کیا۔ اب مجھ میں لوٹانے کی طاقت نہیں تو انہیں اس نقصان سے بہت زیادہ عطا کر۔ تب

إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَإِذَا مَرُّوْا

طرف اللہ کے رجوع کرنا | اور وہ جو کہ | نہیں گواہی دیتے | جھوٹی | اور جب گزرتے ہیں

توبہ کامل ہوگی۔ اس ضمن میں شبلی نعمانیؒ کی توبہ قابل تقلید ہے۔ آپ ایک معزز خاندان کے فرد اور بغداد کے ایک صوبہ کے گورنر تھے۔ سخت ظالم اور سفاک تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت کے دربار میں حاضر تھے ایک جرنیل نے ایک لمبی معرکہ کشی کے بعد ایران فتح کیا تھا اس خوشی میں بادشاہ نے اسے خلعت سے نوازا۔ جونہی اس نے خلعت زیب تن کیا اسے بے ساختہ چھینک آئی۔ وہ رومال لانا بھول گیا تھا اس نے نظر بچا کر خلعت کے کونہ سے ناک صاف کرلی۔ بادشاہ کی نظر پڑگئی وہ آگ بگولا ہوگیا۔ خلعت اتروالیا اور اسے ذلیل کرکے دربار سے نکال دیا۔ شبلی کی چیخیں نکل گئیں انہوں نے اپنا استعفا پیش کیا۔ بادشاہ نے بہت سمجھایا لیکن آپ نے فرمایا میرے اللہ نے مجھے جو خلعت بخشا، مجھے تندرست جسم دیا، آنکھ، ناک، کان دیئے اپنی نعمتوں سے نوازا جن کی آج تک میں نے ناقدری کی لیکن اس نے یہ خلعت مجھ سے نہیں چھینا۔ میں اس کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مختلف بزرگوں کے پاس گئے اور توبہ کرنا چاہی لیکن وہ اپنے مظالم میں اتنے مشہور تھے کہ سب نے کہا کہ بندگانِ خدا پر مظالم ڈھانے والے کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی۔ آخر وہ حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔ جاؤ جن پر ظلم کیا ان کی تلافی کرو اور ان سے معافی مانگو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ آپ نے ایسا ہی کیا جہاں گورنر رہے تھے وہاں کے ادنیٰ و اعلیٰ ملازموں اور غلاموں تک سے معافی کی بھیک مانگی۔ ایک ایک دروازہ پر گئے جہاں تک ممکن ہوا ان کی حق تلفیوں کی تلافی کی اور حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے آپ نے بیعت قبول فرمائی۔ پھر عبادت و ریاضت اور خدمتِ خلق سے وہ مقام حاصل کیا کہ بڑے پایہ کے بزرگ مشہور ہوئے۔ ہاں جن گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈالا ہے انہیں مشتہر نہ کرے کہ یہ بجائے خود ایک گناہ ہے۔

۷۲۔ **متابا** کے معنی توبۃ النصوح کے ہیں۔ سچی توبہ۔

جب اللہ تعالیٰ اس طرح کی سچی توبہ اور عمل صالحہ کی توفیق دے گا اور اس پر استقامت بخشے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ صالح بندہ اللہ کی طرف جھک جائے گا اور اللہ کے فضل و احسان سے روحانی ترقی اور اعلیٰ ترین مدارج کے دروازے اس کے لئے کھولے جائیں گے۔ اسے قربِ الٰہی نصیب ہوگا اور وہ اپنی مراد کو پالے گا۔

بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

لغو پر | گزرتے ہیں شریفانہ | اور وہ کہ | جب انہیں نصیحت کی جاوے ساتھ آیات کے انکے رب

قرطبی کے مطابق یہاں توبہ کی تکرار اس لئے آئی ہے کیونکہ پچھلی آیت میں کفار و مشرکین کی توبہ کا ذکر تھا اس لئے توبہ کے بعد ایمان لانے کا ذکر کیا۔ یہاں مومنین کی توبہ کا ذکر ہے اس لئے ایمان لانے کا ذکر نہیں کیا۔

۷۳۔ **لایشھدون الزور** ۔ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ یہ بھی معنی ہے کہ وہ جھوٹ میں حاضر نہیں ہوتے یعنی جھوٹوں کی مجلسوں میں شامل نہیں ہوتے۔ **لغو** ہر بیہودہ اور قبیح بات ہے۔ ماسوائے چند، عربوں میں جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہیاں دینا، مجلسوں میں ہنسنے ہنسانے کے لئے جھوٹ، غیبت، جھوٹے اور بیہودہ قصے بیان کرنا اور لوگوں کی عزت سے کھیلنا ان کا روزمرہ کا شغل تھا۔ وقت کی قدر نہ اخلاق کا پاس۔ صالح بندوں کی شان یہ ہے کہ جھوٹ اور جھوٹی گواہی تو دور کی بات ہے اگر وہ ایسی مجالس کے قریب سے بھی گزرتے ہیں تو ان لغویات سے اپنا دامن بچاتے ہوئے بزرگانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔ پس لغو باتیں ہورہی ہوں یا کام، مہذبانہ گزر جاؤ۔ شامل ہونا تو کجا رُکنے کی بھی اجازت نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ''کسی سے جھگڑا نہ کرو، زبان بند رکھو، گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے سے گزر جاؤ گویا سنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لئے قرآن شریف نے فرمایا۔ **اذامروابااللّغو مروا کرامًاo** ۔

گالیاں سن کے دعا دو پاکے دکھ آرام دو ۔ کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار۔ (الفضل ۴مئی ۲۰۰۵ء صفحہ ۶)

یہاں خاص طور پر جھوٹی گواہی سے منع فرمایا۔ جھوٹی گواہی جھوٹ سے بھی زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ بہت سے لوگوں کی زندگی، موت، نفع اور نقصان کا دارومدار سچی گواہی پر ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے گواہ کا اخلاقی معیار بہت بلند رکھا ہے۔ جس کی عام شہرت اچھی نہیں، اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہوتی یہاں تک کہ جس میں حیا کی کمی ہے اور وہ سرِ عام دیوار وغیرہ کی طرف منہ کرکے پیشاب کرتا ہے تو اگرچہ وہ ننگا نہیں ہوا لیکن حیا کی کمی کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ نیز جھوٹی گواہی ثابت ہوجائے تو اسی کوڑوں کی سزا ہے۔ لیکن سچ کا یہ مطلب نہیں کہ ہر سچی بات ضرور بتائی جائے یا ہر سچی گواہی کا ڈھنڈورا پیٹتے پھرو۔ بعض باتوں کا بتانا پردہ دری، دلشکنی، گناہ اور فساد کا موجب بھی ہوتا ہے۔ وہاں خاموش رہنے میں مصلحت اور ثواب ہے۔ اسی طرح دوسروں کی

لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

کو نہیں گر جاتے ان پر بہرے اور اندھے ہو کر اور وہ جو کہ کہتے ہیں

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا

اے رب ہمارے عطا فرما ہمیں طرف سے ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کے ٹھنڈک آنکھوں کی اور بنا ہمیں

لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۵﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا

متقیوں کے لیے امام یہ لوگ بدلہ میں دیئے جائینگے بالاخانے بسبب اسکے کہ صبر کیا انہوں نے

کمزوریوں پر پردہ ڈالنا اور ان کا اخفا باعثِ ثواب ہے۔ انہیں ظاہر کرنا سچ میں داخل نہیں بلکہ غیبت دلشکنی اور گناہ میں شمار ہوگا۔ ہاں عدالت میں گواہی کی صورت میں جتنا پوچھا جائے اس کا صحیح جواب دینا ازبس ضروری ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر میاں بیوی میں صلح کروانے میں کچھ غلط بیانی سے کام لینا پڑے تو وہ قابلِ معافی ہے۔ شیخ سعدی ''گلستان'' میں حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ کے سامنے ایک مجرم پیش ہوا۔ بادشاہ نے سزائے موت کا حکم دیا۔ مجرم نے اپنی زبان میں بادشاہ کو گالیاں دیں۔ بادشاہ نے ایک درباری سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا حضور آپ کو دعائیں دے رہا ہے۔ بادشاہ نے اس کی جان بخشی کا حکم دے دیا۔ وزیر نے عرض کی حضور اس درباری نے جھوٹ کہا۔ اس مجرم نے آپ کی شان میں گالیاں دی ہیں۔ بادشاہ نے کہا'' ایسا جھوٹ جو فتنے کو دبائے، اس سچ سے بہتر ہے جو فتنے کو جگائے''۔

۷۴۔ کفار و مشرکین کے روحانی کان اور آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ وہ آیاتِ الٰہی پر غور نہیں کرتے، وہم و گمان اور تقلید آباء کی پیروی کرتے اور ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بار بار غور کرنے اور عقل سے کام لینے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کا ہر دعویٰ دلیل پر مبنی ہے۔ اگر غور کرتے تو ضرور ہدایت پاتے۔ پس رحمٰن کے ان بندوں کی شناخت یہ بھی ہے کہ جب انہیں آیاتِ الٰہی کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو بہروں اور اندھوں کی طرح قبول نہیں کرتے بلکہ خوب غور و فکر کرتے ہیں اور دلائل سے قائل ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرماتا ہے۔ ان کے روحانی کان اور آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ ایمان لے آتے اور آیاتِ الٰہی پر عمل پیرا ہو کر روحانی ترقیات حاصل کرتے ہیں۔

۷۵۔ **زوج** بیوی اور ساتھی دونوں کے لئے آتا ہے۔

وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ

اور پہنچائے جاویں گے اس میں دعا اور سلام رہ پڑنے والے ہیں اس میں اچھی ہے

رحمٰن کے بندوں کی ایک خاص علامت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اپنے نفس کی ہدایت سے ہی مطمئن نہیں ہو جاتے، انہیں اپنے بیوی بچوں، دوست و احباب بلکہ نسلوں تک کو سنوارنے کی فکر ہوتی ہے۔ وہ ہمہ وقت اسی تگ و دو میں رہتے ہیں اور ان کی اصلاح اور تربیت کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ وہ ربِّ رحیم سے دعائیں مانگتے ہیں کہ انہیں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ اس رنگ میں کہ ہم متقیوں کے امام بنیں اور فاسق اولاد پیچھے چھوڑ کر نہ جائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں! قرآنِ کریم اس معاشرہ کو پیش کرتا ہے جس میں متقی ازواج و اولاد سے سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ مغربی معاشرہ صرف میاں بیوی کے تعلق میں سکون کا متلاشی ہے۔ چونکہ اولاد کی محبت شامل نہیں ہوتی اس لئے میاں بیوی کی محبت جلد ہی ماند پڑ جاتی ہے اور یہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ (ترجمۃ القرآن کلاس MTA) نیز مغربی معاشرہ میں ازدواجی تعلقات اور اولاد کے ساتھ تعلق کا بھی مادیت پر زیادہ انحصار ہوتا ہے۔ دینی قیود سے قطعی نابلد ہیں۔ اس وجہ سے بھی ان رشتوں کی پاکیزگی قائم نہیں رہ سکتی اور ذرا سی بات پر ٹوٹ جاتے ہیں۔

پس یہ ایک بہترین دعا ہے جو اپنے پیاروں کے لئے کی جا سکتی ہے۔ اس دعا کی وجہ سے انسان اپنے اہل و عیال اور تعلق رکھنے والوں کی تربیت سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔ [illegible] خوب کھول کر بتا دیا کہ متقی اولاد کی خواہش ہے تو تقویٰ کی راہیں اختیار کرو۔ پھر متقی اولاد کے لئے دعا کرو نہ کہ محض اپنا وارث پیدا کرنے کے لئے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ''کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور ان کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں۔ نہ کبھی ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور نہ مراتبِ تربیت کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ میری اپنی حالت تو یہ ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں جس میں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتدا میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو ان کو تنبیہ نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بیباک ہوتے جاتے ہیں۔'' (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۵۶۲)

۷۶۔۷۷۔ **غرفۃ**۔ بالا خانہ۔ بلند مقام۔ ساتواں آسمان۔

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝٧٧ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ

وہ مستقل اور عارضی رہائش کی جگہ تو کہہ نہیں پرواہ کرتا تمہاری رب میرا اگر نہ ہو دعا تمہاری

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝٧٨ ع ٦ ١٤ ٤

پس یقیناً تکذیب کی تم نے پس عنقریب ہوگا وہ بال اس کا لگ جانے والا

عبادالرحمٰن کے لئے بیشک دنیا میں بھی اجر ہے لیکن اصل اجر جنت کی نعمتیں ہوں گی جو انہیں صبر کی وجہ سے عطا ہوں گی۔عبادالرحمٰن کی تمام صفات کا تعلق صبر سے ہے۔ان کا صبر، عاجزی و انکساری میں، جاہلوں سے خطاب میں،عبادات میں،مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے میں،اپنے نفس کو بدیوں سے روکنے میں،حدود اللہ پر قائم ہونے میں،جھوٹ ،جھوٹی گواہیوں اور لغویات سے بچنے میں،اہل و اولاد کی تربیت میں،ان کو تقویٰ اور خدمت دین کی راہوں پر ڈال کر دنیوی فوائد نہ اٹھانے میں ہے۔غرض تمام زندگی کو صبر و شکر سے گزارنا رحمٰن کے بندوں کا کام تھا جس کا اجر اللہ تعالیٰ بلند مقامات اور اعلیٰ درجات کی صورت عطا فرمائے گا۔احادیث میں ہے کہ حضرت ابراھیمؑ جو صبر کی کامل تصویر تھے،ساتویں آسمان پر ہیں۔اس لئے یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ کے فضل سے انہیں مقامِ ابراھیمی عطا ہوگا۔تحیّۃ میں ان کے لئے ایک نئی زندگی کا مژدہ ہے۔انہوں نے دنیا میں ہر طرح سے امن و سلامتی والا معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کی اس لئے جنت کی دوسری نعمتوں کے علاوہ انہیں دعائیں اور سلامتی کے پیغام ملیں گے۔یہ خیر سگالی کے پیغام اللہ کی طرف سے بھی پہنچائے جائیں گے اور جنتیوں کی طرف سے بھی۔**سآءت مستقرًا وّمقامًا** o (آیت ٦٧) کے مقابلہ میں **حسُنت مستقرًاوّمقامًا** o کہا۔**خالدین** میں دائمی رُکے رہنے والی حالت نہیں۔ بلکہ دائمی ترقی کی حالت ہے کہ ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی کرتے جائیں گے۔

٧٨۔**مایعبؤا**۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔

پیغامِ الٰہی کی تکذیب کے نتیجہ میں یہ عذاب دنیا میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا لیکن آخرت میں تو گویا چمٹ کر رہ جائے گا۔ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر شدید مظالم ڈھائے جاتے ہیں کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بیشک اس کی ذات رحیم و کریم ہے لیکن غنی بھی ہے۔جب بندہ اس کی پرواہ نہیں کرتا،اسے نہیں پکارتا،اس کی طرف نہیں جھکتا تو اسے بھی ایسے متکبر بندوں کی ضرورت نہیں۔ہاں عبادالرحمٰن پر جو مصائب آتے ہیں وہ یا تو ان کی دعاؤں سے ٹل جاتے ہیں یا ان کے گناہوں کا ازالہ ہو جاتے ہیں یا ان کی ترقیٔ درجات کا موجب ہوتے

ہیں اور وہ اس بھٹی سے کندن بن کر نکلتے ہیں۔غرض انجام بخیر متقین ہی کا ہے۔ وہ ہر رنج و غم،دکھ اور سکھ میں اپنے رب کو پکارتے ہیں۔اس لئے کہ اس کے فیضان کو کھینچنے والی چیز صرف دعا ہے۔ **الدعامخ الصلوٰۃ** یعنی نماز و عبادات کا مغز دعا ہی ہے۔رحمٰن تو وہ ہے جو کروڑوں سال سے تمہاری حاجت روائی کے سامان کر رہا ہے اور تمہیں بن مانگے نواز رہا ہے۔اب تم شعور کے اس مقام پر پہنچ چکے ہو کہ رحمٰن کو پہچانو اور اپنی حاجتیں اس کے حضور پیش کرو۔اگر تم متکبر ہو،تمہیں مانگنے کی پروا نہیں،تو رحمٰن کو بھی تمہاری پروا نہیں۔انسان کی پیدائش کا مقصد عبادت الٰہی ہے کہ اس کی طرف جھکے اور اسی سے مانگے۔دعا کا فائدہ انسان کو ہی پہنچتا ہے ورنہ اللہ تو بے نیاز ہے۔ یہ عاجزانہ دعائیں ضائع نہیں جاتیں۔ان کی نسلوں تک کو سنوار دیتی ہیں۔نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر سرسری طور پر دعا مانگنا دعا کی غرض کو پورا نہیں کرتا۔دعا ایک موت کو چاہتی ہے جیسا کہ۔جو منگے سو مر رہے،مرے سو منگن جا۔اگر اس موت کو اختیار نہ کیا،مومن ہوتے ہوئے دعاؤں سے غافل رہے،اللہ کے حضور گریہ و زاری نہ کی، اپنے گناہوں پر نادم نہ ہوئے، روحانی اور جسمانی نعمتوں کے حصول کے لئے دعائیں نہ کیں تو تیرے رب کو تیری کیا پرواہ ہے۔یہ اُس درِّ یتیم،آمنہ کے لال کی درد میں ڈوبی ہوئی دعائیں ہی تھیں کہ صحرا نشین بدوؤں کو اگر ایک طرف روحانی طور پر اپنے رب سے ملا دیا تو دوسری طرف دنیوی طور پر بھی قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا مالک بنا دیا۔پس رحمٰن کے بندوں کا تو کوئی لمحہ دعا سے خالی نہیں ''جو دم غافل سو دم کافر'' والی بات ہے۔ بظاہر دنیوی فرائض میں مشغول ہوتے ہوئے بھی دل خالق و مالک کی حمد و ثنا کے گیت گا رہا ہوتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس MTA میں دعا کو اس نالی سے تشبیہ دی جو رحمِ مادر میں ماں اور جنین کا واسطہ ہے۔اس نالی کے ذریعہ ماں کی طرف سے جنین کو غذا ملتی ہے۔اگر اس نالی کو کاٹ دیں تو جنین گل سڑ جائے گا اور جراثیم کی آماجگاہ بن جائے گا۔پس دعا اس نالی کی طرح ہے جو رحمٰن خدا سے ہر قسم کی زندگی کا پانی اور زندگی کی ضروریات انسان تک پہنچاتی ہے۔اگر دعا کی نالی کو کاٹ دو گے جو بندے کا تعلق خدا سے قائم رکھتی ہے تو اس جنین کی طرح گل سڑ جاؤ گے جسے جراثیم چمٹ جاتے ہیں۔اس کے بدنتائج روحانی اور جسمانی صورت میں ضرور چمٹ جائیں گے۔ جب زندگی کے پانی اور غذا سے محروم ہو جاؤ گے تو جسمانی زندگی کی ضمانت ہے اور نہ روحانی کی۔آخر اس سورۃ کو عذاب کی پیشگوئی پر ختم کیا۔

☆☆☆

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٧﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ

وہ مستقل اور عارضی رہائش کی جگہ تو کہہ نہیں پرواہ کرتا تمہاری رب میرا اگر نہ ہو دعا تمہاری

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٨﴾

پس یقیناً تکذیب کی تم نے پس عنقریب ہوگا وبال اس کا چمٹ جانے والا

عبادالرحمٰن کے لئے بیشک دنیا میں بھی اجر ہے لیکن اصل اجر جنت کی نعمتیں ہوں گی جو انہیں صبر کی وجہ سے عطا ہوں گی۔عبادالرحمٰن کی تمام صفات کا تعلق صبر سے ہے۔ان کا صبر، عاجزی و انکساری میں، جاہلوں سے خطاب میں،عبادات میں،مال کو راہ خدا میں خرچ کرنے میں،اپنے نفس کو بدیوں سے روکنے میں،حدود اللہ پر قائم ہونے میں،جھوٹ ،جھوٹی گواہیوں اور لغویات سے بچنے میں،اٰل و اولاد کی تربیت میں،ان کو تقویٰ اور خدمت دین کی راہوں پر ڈال کر دنیوی فوائد نہ اٹھانے میں ہے۔غرض تمام زندگی کو صبر و شکر سے گزارنا رحمٰن کے بندوں کا کام تھا جس کا اجر اللہ تعالیٰ بلند مقامات اور اعلیٰ درجات کی صورت عطا فرمائے گا۔احادیث میں ہے کہ حضرت ابراهیمؑ جو صبر کی کامل تصویر تھے،ساتویں آسمان پر ہیں۔اس لئے یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ کے فضل سے انہیں مقامِ ابراهیمی عطا ہو گا۔تحیّة میں ان کے لئے ایک نئی زندگی کا مژدہ ہے۔انہوں نے دنیا میں ہر طرح سے امن و سلامتی والا معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کی اس لئے جنت کی دوسری نعمتوں کے علاوہ انہیں دعائیں اور سلامتی کے پیغام ملیں گے۔یہ خیر سگالی کے پیغام اللہ کی طرف سے بھی پہنچائے جائیں گے اور جنتیوں کی طرف سے بھی۔**سآءت مستقرًا وّمقامًا** ہ (آیت ٦٧) کے مقابلہ میں **حسُنت مستقرًا وّمقامًا** ہ کہا۔**خالدین** میں دائمی رُک کے رہنے والی حالت نہیں۔ بلکہ دائمی ترقی کی حالت ہے کہ ہمیشہ ادنیٰ سے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی کرتے جائیں گے۔

٧٨۔**مایعبؤا**۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔

پیغامِ الٰہی کی تکذیب کے نتیجہ میں یہ عذاب دنیا میں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا لیکن آخرت میں تو گویا چمٹ کر رہ جائے گا۔ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر شدید مظالم ڈھائے جاتے ہیں کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بیشک اس کی ذات رحیم و کریم ہے لیکن غنی بھی ہے۔جب بندہ اس کی پرواہ نہیں کرتا،اسے نہیں پکارتا،اس کی طرف نہیں جھکتا تو اسے بھی ایسے متکبر بندوں کی ضرورت نہیں۔ہاں عبادالرحمٰن پر جو مصائب آتے ہیں وہ یا تو ان کی دعاؤں سے ٹل جاتے ہیں یا ان کے گناہوں کا ازالہ ہو جاتے ہیں یا ان کی ترقیٔ درجات کا موجب ہوتے

ہیں اور وہ اس بھٹی سے کندن بن کر نکلتے ہیں۔غرض انجام بخیر متقین ہی کا ہے۔ وہ ہر رنج و غم،دکھ اور سکھ میں اپنے رب کو پکارتے ہیں۔اس لئے کہ اس کے فیضان کو کھینچنے والی چیز صرف دعا ہے۔ **الدعامخ الصلوٰة** یعنی نماز و عبادات کا مغز دعا ہی ہے۔ رحمٰن تو وہ ہے جو کروڑوں سال سے تمہاری حاجت روائی کے سامان کر رہا ہے اور تمہیں بن مانگے نواز رہا ہے۔ اب تم شعور کے اس مقام پر پہنچ چکے ہو کہ رحمٰن کو پہچانو اور اپنی حاجتیں اس کے حضور پیش کرو۔اگر تم متکبر ہو،تمہیں مانگنے کی پروا نہیں،تو رحمٰن کو بھی تمہاری پروا نہیں۔انسان کی پیدائش کا مقصد عبادت الٰہی ہے کہ اس کی طرف جھکے اور اسی سے مانگے۔دعا کا فائدہ انسان کو ہی پہنچتا ہے ورنہ اللہ تو بے نیاز ہے۔ یہ عاجزانہ دعائیں ضائع نہیں جاتیں۔ان کی نسلوں تک کو سنوار دیتی ہیں۔نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر سرسری طور پر دعا مانگنا دعا کی غرض کو پورا نہیں کرتا۔دعا ایک موت کو چاہتی ہے جیسا کہ۔جو منگے سو مر رہے،مرے سو منگن جا۔اگر اس موت کو اختیار نہ کیا،مومن ہوتے ہوئے دعاؤں سے غافل رہے، اللہ کے حضور گریہ و زاری نہ کی ، اپنے گناہوں پر نادم نہ ہوئے، روحانی اور جسمانی نعمتوں کے حصول کے لئے دعائیں نہ کیں تو تیرے ربّ کو تیری کیا پرواہ ہے۔یہ اُس درِّ یتیم،آمنہ کے لال کی درد میں ڈوبی ہوئی دعائیں ہی تھیں کہ صحرا نشیں بدوؤں کو اگر ایک طرف روحانی طور پر اپنے ربّ سے ملا دیا تو دوسری طرف دنیوی طور پر بھی قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا [illegible] بنا دیا۔پس رحمٰن کے بندوں کا تو کوئی لمحہ دعا سے خالی نہیں ''جو دم غافل سو دم کافر'' والی بات ہے۔ بظاہر دنیوی فرائض میں مشغول ہوتے ہوئے بھی دل خالق و مالک کی حمد و ثنا کے گیت گا رہا ہوتا ہے۔

حضرت خلیفة المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمة القرآن کلاس MTA میں دعا کو اس نالی سے تشبیہ دی جو رحمِ مادر میں ماں اور جنین کا واسطہ ہے۔ اس نالی کے ذریعہ ماں کی طرف سے جنین کو غذا ملتی ہے۔اگر اس نالی کو کاٹ دیں تو جنین گل سڑ جائے گا اور جراثیم کی آماجگاہ بن جائے گا۔پس دعا اس نالی کی طرح ہے جو رحمٰن خدا سے ہر قسم کی زندگی کا پانی اور زندگی کی ضروریات انسان تک پہنچاتی ہے۔اگر دعا کی نالی کو کاٹ دو گے جو بندے کا تعلق خدا سے قائم رکھتی ہے تو اس جنین کی طرح گل سڑ جاؤ گے جسے جراثیم چمٹ جاتے ہیں۔اس کے بدنتائج روحانی اور جسمانی صورت میں ضرور چمٹ جائیں گے۔ جب زندگی کے پانی اور غذا سے محروم ہو جاؤ گے تو جسمانی زندگی کی ضمانت ہے اور نہ روحانی کی۔ آخر اس سورة کو عذاب کی پیشگوئی پر ختم کیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ مِائَتَانِ وَثَمَانٍ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورة الشعراء۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی دو سو اٹھائیس آیات اور گیارہ رکوع ہیں

یہ سورۃ اور اس کی اگلی دونوں سورتیں آخری مکی زمانہ کی ہیں۔ یہ تین سورتوں کا ایک مجموعہ ہے جو سورۃ الشعراء، سورۃ النمل اور سورۃ القصص پر مشتمل ہے حضرت ابن عباسؓ کے بیان کے مطابق یہ تینوں سورتیں اسی ترتیب سے نازل ہوئیں۔ ان تینوں سورتوں کے حروفِ مقطعات قریباً ایک جیسے ہیں اور مضامین بھی ملتے جلتے ہیں۔ ان سب میں ان گزشتہ اقوام کا ذکر ہے جو تکذیبِ انبیاء کی وجہ سے تباہ ہوئیں جبکہ ان کے انبیاء اپنے اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔ اس سورۃ میں ہر نبی کے ذکر کے بعد **وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَالْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ**o کی تکرار ہے جس میں عظیم پیشگوئیاں مضمر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات کی طرف اشارہ ہے جو موسلادھار بارش کی طرح آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی وساطت سے آپ ﷺ کی امت پر برسنے والے تھے۔ صفت العزیز کی برکت سے آپ ﷺ کو ساری دنیا پر غلبہ نصیب ہوگا۔ صفت الرحیم کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بار بار جوش میں آئے۔ پس ہر اندھیری رات کے بعد جو اُمت پر چھا جائے گی۔ سورج پھر اپنی پوری آب و تاب سے چمکے گا اور ایک عالم کو منور کر دے گا۔ یہاں بتایا کہ تمام انبیاء کا کردار، ان کی پیش کردہ تعلیم اور ان کے دل میں اپنی قوم کی اصلاح کے لئے تڑپ ایک جیسی ہوتی ہے جبکہ مخالفینِ انبیاء کی پراگندہ ذہنیت بھی ایک دوسرے سے بعینہٖ ملتی ہے۔ وہ انبیاء کے مقابلہ میں ایک ہی طرح کے اعتراضات پیش کرتے ہیں اور ان انبیاء کی طرف سے ایک جیسے دلائل سے ہی انہیں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آخرکار ان سب کا انجام بھی قریباً ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔ ان تینوں سورتوں میں خاص طور پر حضرت موسیٰؑ کے حالات اور فرعون کی تباہی کا ذکر ہے۔ بائبل اور قرآنِ کریم کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حضرت موسیٰؑ سے خاص مشابہت ہے۔ اس لئے حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کی تباہی میں آنحضرت ﷺ کی کامیابی اور آپ ﷺ کے مخالفین کی تباہی کی طرف اشارہ ہے۔ تاریخ ہمیشہ خود کو دہراتی ہے۔ ان تینوں سورتوں میں موسوی سلسلہ کے خاص طور پر ان واقعات کا ذکر کیا جو اسلام میں دہرائے جانے والے تھے۔ سورۃ فرقان کو عذاب کی پیشگوئی پر ختم کیا۔ اس سورۃ میں انبیاء کے واقعات بتا کر اس آنے والے عذاب کی تصدیق کی۔ پچھلی سورۃ میں عبادالرحمٰن کی صفات بیان کی گئیں۔ ان کے مقابلہ میں اس سورۃ کی آخری آیات میں شعراء کا ذکر کیا جن کے قول و فعل

میں اکثر تضاد ہوتا ہے اور محض تک بندی کرتے ہیں۔ سوائے مومن شعراء کے جو ایمان کے بعد اعمال صالحہ بجا لائے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور اپنا شاعرانہ کلام بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا رسول اللہ ﷺ کی تعریف و توصیف اور آپ ﷺ پر درود و سلام اور اسلام کی بڑائی بیان کرنے کے لئے وقف کرتے ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے لیکن اگر ان کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے تو اپنے اشعار میں یا عملاً ان ظالموں سے بدلہ لینے کا حق رکھتے ہیں۔

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

طٰسٓمٓ ﴿۲﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۳﴾ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ

طاسین میم یہ آیتیں ہیں کتاب کھلی کھلی بیان کرنے والی کی۔ شاید کہ تو ہلاک کرنیوالا ہے اپنے آپ کو

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

۲۔ پہلے رکوع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شدید غم کا ذکر کیا جو لوگوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ سب ایمان لے آئیں گے اور ہلاکت سے بچائے جائیں گے۔ حروفِ مقطعات صفاتِ الٰہی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان میں سورۃ کے مضمون کا خلاصہ بھی ہوتا ہے اور ابجد کے حساب سے آئندہ کے لئے پیشگوئیاں بھی ہوتی ہیں۔ **طٰسٓمٓ** میں اس سورۃ کو نازل کرنے والے کی صفات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لطیف، سمیع اور مجید ہے۔ لغت میں لطیف کے معنی تمام باریک در باریک بھیدوں کو جاننے والا ہے گویا دقیق امور تک سے واقف ہے نیز بندوں کی ضروریات کو پورا کرنے والا اور مہربان ہے۔ سمیع بندوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے۔ مجید صاحبِ عظمت و جبروت اور بڑی شان والا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ کا مجید ہونا اس کے وسعتِ فیض اور کثرتِ جود کے سبب سے ہے“ (مفردات)

اس سورۃ اور اس کی تابع سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور بندوں کے ان صفات کا مظہر بننے کے ذرائع کا بیان ہے۔ صفتِ لطیف کے تحت اس کے بندے کائنات کے بھیدوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ صفتِ سمیع کو اپنا کر جہاں اپنے ربّ کے حضور دعاؤں میں لگے رہیں گے وہاں بیکس بندوں کی پکار پر بھی کان دھریں گے اور ان کی حاجات کو حتی المقدور پورا کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفت مجید میں رنگین ہو کر مخلوقِ خدا کو اپنے وسعتِ فیض اور جود وسخا سے بہرہ مند کریں گے۔ ان معانی کے علاوہ بھی معانی ہیں۔ طا سے طاہر اور طیب بھی مراد لیا گیا ہے۔

۳۔ اس کتاب میں ایسے تمام امور کو خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے جن کا تعلق بنی نوع انسان کی روحانی اور جسمانی ضروریات کے لئے ازبس ضروری ہے۔ روحانی ضروریات میں قربِ الٰہی کا حصول انسان کی معراج ہے اس لئے اس کتابِ مبین میں خاص طور پر صفاتِ الٰہیہ کا ایک

اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴﴾ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ

کہ نہیں ہوتے وہ مومن اگر ہم چاہیں اتاریں ان پر آسمان سے

جامع نقشہ پیش کیا گیا ہے اور بتایا کہ اگر میرا قرب چاہتے ہو تو میری صفات اپناؤ، میرے رنگ میں رنگین ہو جاؤ۔ (البقرۃ:۱۳۹) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا یعنی انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں یہ استعداد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ظلّی طور پر اپنا سکے۔ (مسند احمد جلد دوئم صفحہ ۳۲۳) پس اخلاق کا اعلیٰ ترین مقام یہی ہے اور انسان میں اپنے ربّ کے اخلاق اور صفات کو اپنانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے خدائی صفات کا مظہر بنتا ہے تو فرشتوں کو حکم سجدہ ملتا ہے۔ (سجدہ کی تفصیل مناہل العرفان جلد اوّل ۳۵:۲)

ملائک میں ملکی صفات ہیں اس لئے خدائی صفات کا مظہر انسان فرشتوں سے بالا مقام رکھتا ہے۔ پس وہ اس کی اطاعت اور تائید پر مقرر ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے کسی بندے کی مقبولیت دنیا میں پھیلے تو وہ ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی مقبولیت دنیا میں پھیلانا شروع کر دیں۔ (کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۲۴) جب آدمؑ [illegible]ئی صفات کے مظہر ہوئے تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس مجازی خدا کو سجدہ کریں (البقرۃ:۳۵) چونکہ آپ خدا کی صفات کے مجازی طور پر حامل تھے اس لئے سجدہ بھی مجازی تھا نہ کہ حقیقی۔ قرآنِ کریم اس پہلو سے بھی مبین ہے کہ اس نے توحید و رسالت، قضا و قدر اور بعث بعد الموت وغیرہ کے متعلق تمام حقائق کو خوب کھول کر بیان فرمایا نیز یہ وہ کتابِ مبین ہے جو دیگر الہامی کتابوں کی صداقتوں کو بھی خوب واضح کرتی ہے اور اس کے ہر دعویٰ کی دلیل اس کے اندر موجود ہے۔

۴۔ **باخع۔ بخع**۔ ذبح کرنے میں یہاں تک مبالغہ کرنا کہ گردن کٹنے کے قریب ہو۔ باوجود اس کے کہ گزشتہ صحیفوں کی پیشگوئیوں کے مطابق لوگوں کو ایک نبی کا انتظار تھا۔ لیکن جب وہ کتابِ مبین لے کر آیا جس نے حق و باطل کو خوب کھول کر بیان کر دیا تو لوگوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ان کے شدید مظالم کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بنی نوع انسان کی اصلاح اور عام خیر خواہی کا جذبہ اس کمال تک پہنچا ہوا تھا کہ ایک شفیق ماں کی محبت کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے عشق میں گھلے جاتے تھے جن کے اخلاق کو

اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ۝ وَمَا یَاۡتِیۡہِمۡ

کوئی نشان پس ہو جاویں گردنیں ان کی اس کیلئے نیچی اور نہیں آتی ان کے پاس

دیکھ کر گھٹن آتی تھی۔ دنیا میں کسی نبی نے بنی نوع انسان سے اتنی شدید محبت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے ان کو راہ راست پر لانے کے لئے سخت تضرع اور سوز و گداز سے اپنے رب کے حضور دعائیں کیں اور عرشِ الٰہی کو ہلا کر رکھ دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک پر ورم آجاتا، سجدے میں اس قدر تڑپ سے گریہ و زاری کرتے کہ ہنڈیا کے ابلنے کی آواز آتی۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الفتح۔ مسلم) یہ درد میں ڈوبی ہوئی دعائیں ہی تھیں کہ آپ ﷺ کی فیض رسانی قیامت تک بندوں کے لئے جاری ہے (**واٰخرین منهم** ......۶۲۔۴) فرمایا تیری بندگانِ خدا کو ہدایت دینے کی شدید خواہش اس مقام تک پہنچ چکی ہے کہ تو ہلاک ہونے کے قریب ہے۔ اس آیت سے اگر آپ ﷺ کا مخلوق سے والہانہ عشق کا اظہار ہوتا ہے تو خدائے رحیم و کریم کا اس نبی امّی سے عشق بھی اپنی انتہا کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے کہ کیا تو ان لوگوں کے لئے اپنی جان قربان کر دے گا کہ کسی طرح یہ ہلاک ہونے سے بچ جائیں۔ یہاں اس درد کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ مومن حقیقی مومن کیوں نہیں بنتے۔ یعنی یہ ایمانِ کامل کے مقام کو کیوں حاصل نہیں کرتے۔ آخر آپ ﷺ کی متضرعانہ دعائیں رنگ لائیں اور آپ ﷺ کی قوتِ قدسی سے سعید روحیں آپ ﷺ کی طرف کھنچی چلی آئیں اور آپ ﷺ کو **اذا جاء نصر الله** ۔۔۔۔۔۔ کی خوشخبری ملی۔

اس آیت میں مومنین کے لئے یہ نصیحت ہے کہ اگر اللہ کا قرب چاہتے ہو تو مخلوقِ خدا کی خدمت اور ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے اپنی قربانیوں کو اس مقام تک پہنچا دو گویا گردن کٹنے کے قریب پہنچ جائے۔

۵۔ **اعناق۔ عُنق**۔ کی جمع ہے۔ گردنیں۔ اشرافِ قوم کو بھی اعناق کہا جاتا ہے (مفردات) **خاضعین۔ خضع**۔ جھک گیا۔ (خضوع مصدر ہے)

آنحضرت ﷺ کے دل کی تڑپ کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لئے فرمایا کہ اکابرِ قوم کی گردنیں جھکانے کے لئے ہر قسم کا قہری اور مافوق الفطرت نشان اتارنے پر ہم قادر ہیں۔ وہ نشان اتنا کھلا اور واضح ہوگا کہ ان کفار کی گردنیں جھک جائیں گی، انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی اور وہ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن یہ اللہ کی مشیت کے خلاف ہے کیونکہ اس زبردستی کے ایمان پر کوئی اجر نہیں ہوگا۔ سنت اللہ یہی ہے کہ نشانات و معجزات میں ایک

مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ۝

کوئی نصیحت طرف سے رحمن کے نئی مگر ہوتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے

فَقَدۡ کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ۝

پس یقیناً تکذیب کی انہوں نے پس عنقریب آویں گی انکے پاس خبریں اسکی کہ تھے وہ ساتھ جس کے ہنسی کرتے

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ۝

کیا نہیں دیکھا انہوں نے طرف زمین کی کہ کتنے ہی اگائے ہیں ہم نے اس میں ہر قسم کے جوڑے نفیس

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝ وَاِنَّ

یقیناً اس میں البتہ نشان ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے ایمان لانے والے اور یقیناً

قسم کا اخفاء ہوتا ہے۔ پس جو بھی ایمان لائیں عقل سے خوب سوچ سمجھ کر کتابِ مبین پر غور کر کے علی وجہ البصیرت ایمان لائیں۔ پھر اس ایمان کے لئے قربانیاں بھی دینی پڑیں گی اور اجر کے مستحق بھی ہوں گے۔

٦۔ ہر مذہب کا اصل الاصول ایک ہی ہوتا ہے لیکن ہر نبی کا پیغام نیا اس معنی میں نظر آتا ہے کہ لوگ خدائی احکام کو بھلا چکے ہوتے ہیں اور اپنے باپ دادا کے غلط عقائد پر قائم ہوتے ہیں۔ ہاں صاحبِ شریعت نبی فروعی طور پر بعض نئے احکام بھی لے کر آتا ہے۔ پس جب بھی کوئی نئی نصیحت آئے جو لوگوں کو ان کی غلط ڈگر سے ہٹا کر خدائے رحمٰن کا راستہ بتانے والی ہو تو چونکہ یہ بات لوگوں کے عام مزاج کے خلاف ہوتی ہے اس لئے وہ سخت مخالفت کرتے ہیں اور خدا کے رسول اور اس کے اتباع کو شدید مظالم کا نشانہ بناتے ہیں۔

۷۔ ان کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن خبروں اور پیشگوئیوں کی ہنسی اڑاتے تھے وہ ایک حقیقت بن کر ان کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی۔ انباء کے متعلق علامہ ابوالبقاء کی کلیات میں لکھا ہے کہ یہ لفظ قرآنِ کریم میں ایسی خبر کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو بہت بڑی عظمت اور شان رکھتی ہو۔ چونکہ غلبہ اسلام سے بڑی اور عظیم خبر اور کوئی نہیں اس لئے اس جگہ انباء میں انہیں خبروں کی طرف اشارہ ہے جو کفر کی تباہی اور اسلام کے غلبہ کے متعلق قرآنِ کریم میں دی گئی ہیں۔ پس پیشگوئی فرمائی کہ غلبہ اسلام اور کفر کی تباہی کی خبریں جن کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے بہت جلد پوری ہو کر ان کے سامنے آ جائیں گی۔ پھر جلد ہی فتح مکہ نے ان خبروں کی تصدیق کر دی اور غلبہ اسلام کی خبر پر ہنسی اڑانے والوں کی اکڑی ہوئی گردنیں اس دن حقیقت میں جھک گئیں۔

۸ تا ۱۰۔ نشان الٰہی مانگنے والوں کی آسمانی علوم تک رسائی ممکن نہیں تھی۔ آفاق پر پھیلی ہوئی

ع ۱۰ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰﴾ وَإِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى

۵ رب تیرا البتہ وہ غالب (اور) بہت رحم کرنیوالا ہے اور جب پکارا رب نے تیرے موسیٰ کو

بے شمار نشانیوں سے بھی انہوں نے آنکھیں بند رکھیں۔ تو کیا ان زمینی انسانوں کی زمینی حقائق پر بھی نظر نہیں جاتی۔ کیا ان کی سوچ اتنی ہی پست ہے۔ اگر عقل سے کام لیتے اور بنظر غور دیکھتے تو زمین کا بھی ہر نشان ان کی گردنیں جھکانے کے لئے کافی تھا۔ لیکن یہاں خاص طور پر بتایا کہ نباتات کا عمدہ جوڑوں کی شکل میں اگنا ایک عظیم نشان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پس اگر غور کرتے تو سمجھ جاتے کہ ایک پھول اور ایک پھل کو پیدا کرنے کے لئے کل کائناتی قوتیں بروئے کار ہیں۔ جن کی تفصیل لکھنے کے لئے کئی کتابیں درکار ہیں۔

سائنسدان آج نباتات وغیرہ کے جوڑے یعنی مونث و مذکر کو ثابت کر رہے ہیں۔ اس دور میں اس حقیقت کو جس سائنسدان نے سب سے پہلے دریافت کیا اس نے نوبل پرائز حاصل کیا۔ جبکہ نبی امیؐ نے چودہ سو سال پہلے اعلان فرمایا کہ سوائے خدائے وحدہٗ لاشریک کے ہر چیز کا جوڑا ہے خواہ نباتات ہو یا جمادات یا ایٹمی ذرات۔ زوجِ کریم میں اشارہ ہے کہ عمدہ پودوں کے حصول کے لئے گھاس پھوس اور ناکارہ جڑی بوٹیاں اکھاڑ دی جاتی ہیں۔ پس اگر ناکارہ وجود بنو گے تو اکھاڑ کر پھینک دیئے جاؤ گے۔ یہ بھی مفہوم ہے کہ عمدہ بیج ڈالو گے، محنت کرو گے تو عمدہ پھل حاصل کرو گے۔

پس جیسا عمل کرو گے ویسا ہی اجر پاؤ گے۔ جب دنیا میں ہر چیز کا زوج اور ہم جنس ہے تو ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لئے مطہر ساتھی عطا ہوتے چنانچہ صحابہ کرامؓ ایسے ہی ساتھی تھے۔ بلکہ مثیلِ موسیٰ اور مثیلِ عیسیٰ میں بھی جوڑوں کی طرف اشارہ ہے۔ زوجِ کریم میں یہ بھی مفہوم ہے کہ جس طرح مادی طور پر ہر چیز کا جوڑا ہے اسی طرح روحانی طور پر بھی ہر روح کا حضرتِ احدیت سے ایک ازلی پیوند ہے اور وہ اس کے قُرب سے سکون پاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے ساتھ آیت: ۹، ۱۰ کو منسلک کیا۔ اس سورۃ میں سات انبیاءؑ اور ان کی قوموں کے حالات کا ذکر ہے جن پر عذابِ استیصال آئے۔ ہر نبی کے ذکر کے بعد انہی دو آیتوں کی تکرار یہ بتاتی ہے کہ ان تمام انبیاء کے واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر گزرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان انبیاء اور ان کی امتوں پر نازل ہونے والی برکتیں اور نعمتیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ پر نازل ہوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کا

اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۲﴾

کہ جا پاس قوم ظالم کے پاس قوم فرعون کے کیا نہیں وہ تقویٰ کرتے

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۳﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ

کہا اے رب میرے یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ جھٹلائیں گے مجھے اور تنگی کرتا ہے سینہ میرا

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ

اور نہیں چلتی زبان میری پس بھیج (پیغام) طرف ہارون کے اور ان کا مجھ پر ایک گناہ ہے

انکار کرنے والوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور قیامت تک وہ عذاب آتے رہیں گے جو پہلے تمام انبیاء کے مکذبین پر نازل ہوتے رہے۔ رکوع کی آخری آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ بیشک تیرا رب غالب ہے۔ لیکن وہ رحیم بھی ہے پس اپنے بندوں پر ہر طرح غالب ہونے کے بعد ان سے رحم کا سلوک فرمائے گا۔ پس تو اپنی جان اس غم میں ہلاک نہ کر کہ کہیں خدا کا غضب ان پر نازل نہ ہو جائے۔ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! تو اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات کا مظہر کامل ہے پس تو بھی ان پر غلبہ پانے کے باوجود ان سے رحمت کا سلوک فرمائے گا۔

۱۱۔۱۲۔ اس رکوع اور اس سے اگلے دو رکوع میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے انبیاءؑ کے بیان میں سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ کا ذکر تفصیل سے بیان فرمایا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰؑ سے شدید مشابہت ہے۔ انبیاء کے ان قصوں میں امت محمدیہ کے لئے عظیم پیشگوئیاں مظہر ہیں جیسا کہ فرمایا **تلک من انبآء الغیب نوحیھا الیک** کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تجھ پر وحی کرتے ہیں۔ (سورۃ ھود ۵۰) حضرت موسیٰؑ کے حالات کی تفسیر کے لئے سورۃ البقرہ: ۵۰ تا ۷۳۔ سورۃ مائدہ ۲۱ تا ۲۷۔ سورۃ الاعراف ۱۰۳ تا ۱۵۶۔ سورۃ یونس: ۷۶ تا ۹۴ خاص طور پر سورۃ طٰہٰ رکوع ۵ تک ملاحظہ فرمائیں نیز سورۃ نمل ۹ تا ۱۵۔ سورۃ قصص ابتدائی ۵ رکوع۔ یہاں **ائت** کہا یعنی ''تو آ''۔ ''تو جا'' نہیں کہا۔ اس میں یہ راز ہے کہ میں وہیں ہوں گا۔ اس لئے تم وہاں آئیو۔

۱۳۔ آپ کو تکذیب کے نتیجہ میں اُن کی ہلاکت کا ڈر تھا۔ اُن کی تکذیب سے ڈرنا مراد نہیں۔

۱۴۔ **یضیق۔ ضیق**۔ وسعت کی ضد ہے۔ تنگی۔ **ینطلق۔ طلق**۔ بندھن سے آزاد کیا۔ **لاینطلق لسانی**۔ میری زبان آزادی سے نہیں چلتی۔ **فارسل الٰی ھارون** یعنی ہارون کی طرف بھی وحی بھیج۔ اسے میرے ساتھ مبعوث فرما۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام انبیاء پر اس طرح بھی ثابت ہے کہ موسیٰؑ جیسے جلیل القدر

فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۵﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ

پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ قتل کر دیں گے مجھے فرمایا ہرگز نہیں پس دونوں جاؤ ساتھ آیات کے ہماری یقیناً ہم ساتھ ہیں

مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ

تمہارے سننے والے پس دونوں جاؤ پاس فرعون کے پس کہو کہ یقیناً ہم بھیجے ہوئے ہیں رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۸﴾ قَالَ اَلَمْ

العالمین کے کہ بھیج ساتھ ہمارے بنی اسرائیل کو اس نے کہا کیا نہیں

نبی نے اپنی قوم کے کفر کی وجہ سے اپنے سینے میں تنگی محسوس کی۔ جبکہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس غم میں ہلاک ہونے کے قریب تھے۔ پھر موسیٰؑ کو پیغامِ حق پہنچانے کے لئے ایک مددگار رسول کی ضرورت پیش آئی جبکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ اپنے رب کا پیغام لے کر اکیلے ہی سردارانِ مکہ کے مقابل آ گئے جو ظلم اور تکبر میں فرعونِ مصر سے کم نہیں تھے۔

۱۵۔ انبیاءؑ کو اپنی جان کی فکر نہیں ہوتی۔ آپ کو بھی اپنے قتل کا ڈر نہیں تھا۔ بلکہ یہ ڈر تھا کہ پیغامِ الٰہی سُنے بغیر گرفتار نہ کرلیں اور قتل نہ کردیں اور اس طرح ہدایت سے محروم نہ رہ جائیں۔ آپ ان کی نظر میں مجرم تھے اس لئے بھی آپ کو ڈر تھا کہ آپ کا پیغام ردّ کر دیں گے۔ ہارون علیہ السلام کی طرف رسالت بھیجنے کی استدعا میں یہ بھی خیال ہو سکتا تھا کہ اُس کی بات سن لیں گے۔

۱۶۔ تسلی دی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری دعائیں سننے والے ہیں۔ پس جب بھی مصیبت پڑے پکارو۔ دونوں سے خطاب فرمایا۔ گویا آپؑ کی درخواست منظور فرمائی اور ہارونؑ کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا۔

۱۷۔۱۸۔ بائبل کا بیان ہے کہ موسیٰؑ کو قربانی کا بہانہ کر کے دھوکہ سے بنی اسرائیل کو نکال کر لانے کے لئے کہا گیا۔ (خروج باب ۳ آیت: ۱۸) لیکن قرآنِ کریم ذاتِ باری تعالیٰ پر اور ہر نبی پر لگائے گئے الزامات کو ردّ کرتا ہے۔ یہاں صاف بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو دلیرانہ انداز سے جو ایک نبی کے شایانِ شان ہے فرعون کے دربار میں اپنا پیغام پہنچانے اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کرنے کو کہا۔ تا کہ وہ اس غلامی اور بت پرستی کے ماحول سے نکل کر آزادانہ احکامِ الٰہی کو بجا لاسکیں۔ یہاں دونوں کے لئے رسول کا لفظ آیا جو واحد کا صیغہ ہے گویا دونوں کا مشن ایک ہی تھا یا یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک رسول تھا۔ بیشک آپ بنی اسرائیل کو آزادی دلوانے اور ان کی ہدایت پر مامور تھے لیکن فرعون کے چنگل سے بنی اسرائیل کو چھڑانے

نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

پالا ہم نے تجھے اپنے میں بچپن میں اور ٹھہرا تو ہم میں اپنی عمر کے کئی سال

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ قَالَ

اور کیا تو نے اپنا کام وہ جو کیا تو نے اور تو ناشکروں میں سے ہے اس نے کہا

فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۱﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا

کیا تھا میں نے وہ کام جبکہ میں (اس کے نتیجے سے) ناواقفوں میں سے تھا پس بھاگا میں تم سے جب

خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۲﴾

ڈرا میں تم سے پس بخشا مجھے میرے رب نے حکم اور بنایا اس نے مجھے رسولوں میں سے

کے لئے فرعون کو قائل کرنا بھی ضروری تھا۔ ہاں جب بنی اسرائیل آزاد ہو گئے تو آپ کبھی ہدایت دینے مصر نہیں آئے۔

۱۹۔۲۰۔ قرآن کریم ایک مختصر کتاب ہے یہاں اس لمبی چوڑی گفتگو اور بحث و مناظرہ کا ذکر نہیں کیا جو آپ نے دعوتِ حق اور بنی اسرائیل کی آزادی کے مطالبہ میں کی۔ غرض فرعون آپؑ کے دلائل کا جواب نہ دے سکا تو ذاتیات پر اتر آیا کہ تم ہمارے پروردہ ہو۔ اسی طرح کا الزام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی لگایا گیا۔ نیز قبطی کے قتل کا الزام لگا کر طعنہ دیا کہ تو نے اچھا احسان کا بدلہ چکایا اور ناشکری کا ثبوت دیا۔

۲۱۔۲۲۔ فرعون نے اپنا احسان پہلے جتایا اور قبطی کے قتل کا الزام بعد میں لگایا۔ حضرت موسیٰؑ نے پیغمبرانہ فراست سے اپنی اس نادانستہ طور پر سرزد ہونے والی غلطی کا اعتراف پہلے کیا تا کہ پیغامِ حق دینے سے پہلے اپنی پوزیشن صاف کریں اور پھر احسان کا جواب دیں۔ فرمایا میرا بھاگنا اس ڈر سے تھا کہ میں جانتا تھا، ایک غلام قوم کا فرد ہونے کی وجہ سے مجھ سے انصاف نہیں ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ کا مجھے حکمت و پیغمبری سے نوازنا میری بے گناہی ثابت کرتا ہے ورنہ یہ اعزاز خطا کاروں کو نصیب نہیں ہوتا۔ بائبل کی رو سے حضرت موسیٰؑ والا فرعون مر چکا تھا، یہ دوسرا فرعون تھا۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حضرت موسیٰؑ والا فرعون رعمسیس ثانی تھا جس کے محل میں حضرت موسیٰؑ کا بچپن گزرا۔ اس فرعون نے چالیس سال حکمرانی کی اور نوے سال عمر پائی۔ اس کی ممی سے اس کا بڑھاپا ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں کافر سے مراد کافرِ نعمت اور ضال سے مراد جاہل ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ رسولوں اور نبیوں پر کفر کے فتوے لگتے آئے ہیں پس ہمارے لئے فخر کا مقام ہے کہ کئی گزشتہ نبیوں کی نسبت یہ حصہ ہمیں زیادہ ملا۔ (چشمہ معرفت صفحہ ۳۳۱، ۳۳۲)

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ

اور یہ نعمت کہ احسان جتاتا ہے تو اسکا مجھ پر یہ کہ غلام بنا کر رکھا تو نے بنی اسرائیل کو کہا

فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

فرعون نے اور کون ہے رب تمام دنیا کا کہا رب آسمانوں اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا

اور ان کا جو درمیان ان کے ہے اگر ہو تم یقین کرنے والے اس نے کہا انہیں جو ارد گرد تھے اس کے کیا نہیں

۲۳۔اب آپ نے اس کے احسان کا جواب دیا کہ کیا پوری قوم کو غلام بنا کر، ان سے بیگار لے کر اور مظالم کی چکی میں پیس کر اس ایک بچے کی پرورش کا احسان جتاتے ہو جس کا اپنی ماں کی گود سے نکل کر تمہارے پاس پہنچنا ہی تمہارے مظالم کا پردہ چاک کرنے کے لئے کافی ہے۔یہ تو خدائی تصرف تھا کہ چند دن کا بچہ طوفانی لہروں سے بسلامت نکل آیا ورنہ تم تو ان کے ہر لڑکے کو قتل کروا رہے تھے۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ نظام تھا کہ جس بچے کی خاطر ہزاروں بیگناہ بچوں کو ہلاک کیا وہ اسی کے زیر سایہ پلا اور بالآخر اس کی تباہی کا باعث بنا۔پھر خدا کی شان تھی کہ جب اس دشمن خدا کی باری آئی تو مع لاؤ لشکر انہی لہروں کا شکار ہوا جن لہروں نے ایک ناتواں بچے کو کنارے لگا دیا۔

۲۴۔۲۵۔حضرت موسیٰ ؑ کے مدلل جواب سے نادم ہو کر فرعون نے گفتگو کا رخ بدلا اور کہا کہ یہ ربّ العالمین کون ہے جس کے تم نمائندے ہو اور میرے اختیارات میں دخل اندازی کی جرأت کر رہے ہو؟ ما میں اشارہ تھا کہ اس کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔یعنی وہ ہے کیا چیز؟ موسیٰ نے نہایت معقول جواب دیا کہ وہی جو زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان کا ربّ ہے۔اگر تم جاننا چاہتے ہو تو یہ کائنات خدا کے وجود کے لئے کافی دلیل ہے کہ اس کی ربوبیت کے بغیر یہ سارا نظام ایک پل کے لئے بھی چلنا ناممکن ہے۔پس اس ربّ العالمین کی کنہ اور حقیقت کا ادراک ایک عام انسان نہیں کر سکتا۔ہاں وہ اپنی صفات و افعال سے پہچانا جاتا ہے۔پس مخلوق کو دیکھ کر خالق کو پہچانو۔حضرت ابوذر غفاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ کی مخلوق کے بارہ میں غور و فکر کیا کرو لیکن اللہ کی ذات کے بارہ میں نہ سوچو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے کیونکہ تم اس کی قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔(العظمۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ حدیث نمبر ۴۔۵ باب الامر بالتفکر فی آیات اللہ از عبداللہ بن محمد اصبہانی دار العلمیہ ریاض) زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے اس سے اس زمانے کا انسان واقف نہیں تھا۔اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ اور

تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ

سنتے تم کہا (موسیٰ نے) رب تمہارا اور رب باپ دادا کا تمہارے پہلوں کا اس نے کہا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ

یقیناً رسول تمہارا وہ جو کہ بھیجا گیا طرف تمہاری البتہ مجنون ہے کہا (موسیٰ نے) رب

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ

مشرق کا اور مغرب کا اور انکا جو درمیان ہے ان دونوں کے، اگر ہو تم عقل کرتے اس نے کہا

غالبًا دوسرے انبیاء کو کائنات کے رازوں کا کسی حد تک علم دیا گیا۔

۲۶۔**الاتستمعون**۔یا تو تمسخر کے رنگ میں کہا کہ لو: اس کی باتیں سنو۔یا اس لئے کہا کہ اندر سے خوب سمجھ رہا تھا لیکن اپنے حاشیہ نشینوں کی آراء جاننا چاہتا تھا کہ کہیں وہ میری خدائی کے منکر نہ ہو جائیں۔

۲۷۔موسیٰ ؑ نے فرعون کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور اصل موضوع کو جاری رکھا کہ اگر کائنات کی ربوبیت کرنے والا تمہیں نظر نہیں آتا اور اسے نہیں جانتے تو تمہاری اور تمہارے باپ دادا کی جس نے پرورش کی اسے تو جانتے ہو۔پس وہی تمہارا ربّ ہے۔یہاں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ ایک بچے کی پرورش کا احسان جتاتے ہو اور اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے پالنے والے کی احسان فراموشی کرتے ہو۔

۲۸۔مکذبینِ انبیاء کی عادت ہے کہ جب دلائل سے عاجز آ جائیں اور کوئی معقول جواب نہ دے سکیں تو گالیوں اور اوچھے ہتھیاروں پر اتر آتے ہیں۔چنانچہ آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی یہی گستاخانہ الفاظ کہے گئے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے مہدی کے لئے بھی یہی بیہودہ الفاظ استعمال ہوئے۔

۲۹۔آپ نے فرعون کے نازیبا الفاظ کا جواب نہیں دیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور عجائبات قدرت کا ذکر جاری رکھا کہ اگر تمہاری کوتاہ نظری بلندیوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی تو پستیوں کی طرف ہی دیکھو اور اپنے ارد گرد نظر دوڑاؤ۔تمہارے مشرق و مغرب میں سینکڑوں ملک اور کروڑوں لوگ آباد ہیں ان کی ربوبیت کون فرما رہا ہے؟ محض اہلِ مصر کو پالنے والا ربّ العالمین نہیں ہو سکتا۔ربّ العالمین کہلوانے کے اعزاز کا حقدار وہی ہے جو ساری دنیا بلکہ ساری کائنات کی ربوبیت فرما رہا ہے۔

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۳۰﴾
یقیناً اگر بنایا تو نے کوئی خدا سوائے میرے ضرور بناؤں گا میں تجھے قیدیوں میں سے

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۱﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ
کہا (موسیٰ نے) کیا اگرچہ لاؤں میں تیرے پاس بات کھلی کھلی (اپنی صداقت کی) اس نے کہا تو لا اسے اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ
ہے تو سچوں میں سے پس اس نے (زمین پر) ڈال دیا اپنا سونٹا پس اچانک وہ اژدہا تھا

مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۲۴
کھلا کھلا اور نکالا ہاتھ اپنا پس اچانک وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے لیے

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ يُّرِيْدُ اَنْ
(فرعون نے) کہا سرداروں کو جو ارد گرد تھے اسکے یقیناً یہ البتہ جادوگر ہے ماہر وہ چاہتا ہے کہ

يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۶﴾
نکالے تم کو زمین سے تمہاری اپنے جادو سے پس کیا حکم کرتے ہو تم

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۷﴾
انہوں نے کہا مہلت دے اسے اور بھائی کو اسکے اور بھیج شہروں میں اکٹھا کرنے والے

۳۰۔فرعون کی دہشت اور رعب و دبدبہ کے سامنے آج تک کسی کو آنکھ ملانے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ایک غلام زادے کی حقائق پر مبنی باتیں اس کی برداشت سے باہر تھیں۔چنانچہ اس نے شاہانہ جلال سے وہی دھمکی دی جو عام طور پر صاحب اقتدار اپنی رعونت کے نشہ میں دیا کرتے ہیں کہ اگر میرے سوا کسی اور کو حاکمِ اعلیٰ قرار دیا تو میں تمہیں قید کردوں گا۔

۳۱۔حضرت موسیٰؑ نے دیکھا کہ یہ دلائل سے ماننے والا نہیں تو فرمایا کہ کیا اس صورت میں بھی تو ایسا کرے گا کہ اگر میں حقیقت کو کھول دینے والی چیز پیش کروں یعنی خدائی معجزہ دکھاؤں۔

۳۲تا۳۴۔ان تمام واقعات کی تفصیل سورۃ طٰہٰ میں ابتدا سے رکوع ۵ تک گزر چکی ہے۔غرض فرعون کے دربار میں عصا اور ید بیضاء کے معجزات دکھائے گئے۔ید بیضاء میں استعارۃً یہ بھی اشارہ تھا کہ اس ہاتھ میں ایسی روشن شریعت ہے جس سے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔

۳۵۔ان معجزات کو دیکھ کر فرعون خدائی کا تو قائل نہیں ہوا البتہ حضرت موسیٰؑ کو ایک صاحبِ علم جادوگر تسلیم کیا۔

۳۶۔تفسیر کے لئے سورۃ طٰہٰ:۵۸۔

۳۷۔**ارجه**۔امر کا صیغہ ہے۔ڈھیل دے۔یعنی فوری سزا نہ دو مہلت دو۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۸﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ
جو لاویں تیرے پاس ہر بڑا جادوگر ماہر پس جمع کیے گئے جادوگر مقررہ وقت پر

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۹﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۴۰﴾
بروز مقررہ اور کہا گیا لوگوں کو کیا تم اکٹھے ہونے والے ہو

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَلَمَّا
تاکہ ہم پیروی کریں جادوگروں کی اگر ہوں وہ غالب پس جب

جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا
آئے جادوگر کہا انہوں نے فرعون کو کیا یقیناً ہمارے لیے اجر ہوگا ضرور اگر ہوئے

نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۳﴾
ہم غالب کہا ہاں اور یقیناً تم تب ضرور مقربین میں سے ہوگے

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ
کہا انہیں موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو پس ڈالیں انہوں نے رسیاں اپنی

وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۵﴾
اور اپنے سونٹے اور کہا انہوں نے ساتھ اقبال فرعون کے یقیناً البتہ ہم ہی غالب ہیں

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۶﴾
پس ڈالا موسیٰ نے سونٹا اپنا پس اچانک وہ نگلنے لگا وہ جو جھوٹ بنانے تھے

۳۸تا۴۰۔جب بھی اللہ تعالیٰ کے فرستادہ گمراہوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے وقت کے فرعونوں نے ان کی مخالفت کی اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔یہاں بھی انہوں نے آپ کے معجزات کو اپنے لئے ایک چیلنج سمجھا اور ایک فیصلہ کن مقابلہ کے لئے ملک کے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کرنے کا انتظام کیا اور عوام کو ایک مقررہ جگہ پر جمع ہونے کا عام اعلان کیا۔

۴۱۔گمراہ لوگوں کی حالت عموماً یہی ہوتی ہے کہ انہیں اپنے بدعقائد بے حد عزیز ہوتے ہیں اور کسی قیمت پر انہیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اسی لئے خدائی پیغام پر توجہ نہیں دیتے۔اس کھلے عام مقابلہ میں بھی صداقت کی جستجو ہرگز نہیں تھی بلکہ اصل غرض حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی تذلیل اور فرعون کی بالادستی کو ثابت کرنا تھا۔فرعون اور اس کے اکابر یہ فیصلہ پہلے ہی کئے ہوئے تھے کہ جادوگر غالب آئیں گے اور ہم ان کی اتباع کریں گے۔اتباع میں اُن جلوسوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جو فتح کی خوشی میں نکالے جاتے تھے اور جشن منائے جاتے تھے۔

۴۲تا۴۶۔چونکہ فرعون بیگار لینے کا عادی تھا اس لئے جادوگروں نے غالب آنے کی

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۷﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۸﴾
پس ڈالے گئے جادوگر سجدہ میں انہوں نے کہا ایمان لائے ہم رب العالمین پر
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ
رب پر موسیٰ اور ہارون کے کہا (فرعون) نے ایمان لائے ہو تم پہلے اس کے کہ اجازت دوں
لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ
میں تم کو یقیناً وہ ضرور بڑا ہے تمہارا جس نے سکھایا ہے تمہیں جادو پس ضرور عنقریب
تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
جان لوگے تم البتہ کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں تمہارے بالمقابل سے
وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۰﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
اور ضرور صلیب دونگا میں تم سب کو انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں یقیناً ہم طرف اپنے رب کی
مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۱﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ
لوٹنے والے ہیں یقیناً ہم امید رکھتے ہیں کہ بخشے گا ہمیں رب ہمارا غلطیاں ہماری اس لیے کہ ہیں ہم

صورت میں انعام کا مطالبہ کیا۔ حضرت موسیٰ ؑ کے معجزات کی تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف رکوع ۱۴، سورۃ طٰہٰ رکوع ۳۔

۴۷ تا ۴۹۔ قرآنِ کریم میں ان واقعات کو مختلف مقامات پر موقع و محل کی مناسبت سے مختلف انداز اور مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ تا کہ ان واقعات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکے۔ جادوگروں کا بے اختیار سجدہ میں گر جانا اس حقیقت کا برملا اظہار تھا کہ جو کچھ موسیٰ ؑ نے پیش کیا وہ جادو نہیں تھا بلکہ موسیٰ ؑ کی صداقت کے ثبوت کے طور پر ربّ العالمین کی طرف سے معجزات تھے۔

۵۰۔ جادوگروں کا تمام لوگوں کے سامنے اپنے ایمان کا برملا اعلان کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ فرعون غصہ سے تلملا اٹھا۔ اس کی دھمکیوں کی غرض یہی تھی کہ اس مقابلہ میں عوام الناس پر موسیٰ ؑ کے غالب ہونے کے رعب کو زائل کیا جائے اور جادوگر اپنی جان بچانے کے لئے اس ناکردہ سازش کا اقرار کرلیں جو اس کے خیال میں انہوں نے موسیٰ ؑ کے ساتھ مل کر تیار کی تھی۔

۵۱۔ **ضیر** کے معنی مضرت کے ہیں (راغب) حرج۔

ساحروں کی روحانی آنکھیں کھل گئیں تو ان کی نظر میں دنیا کی تکالیف بے معنی ہو کر رہ گئیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر فرعون ہمیں اذیتیں دے کر مارنا چاہتا ہے اور ہمیں ہمارے ربّ سے ملانے پر تُلا ہُوا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم تو پہلے ہی اس کی طرف جلد جانا چاہتے ہیں اور اس سے ملاقات کے متمنی ہیں۔

ع ۳ ۱۸ ۷ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ
پہلے مومن اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ رات کو لے چل بندوں کو میرے
اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۴﴾
یقیناً تم پیچھا کئے جانے والے ہو پس بھیجے فرعون نے شہروں میں اکٹھے کرنے والے
اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَاۗىِٕظُوْنَ ﴿۵۶﴾
یقیناً یہ لوگ البتہ جماعت ہیں تھوڑے سے اور یقیناً وہ ہمیں ضرور ناراض کرنیوالے ہیں
وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۷﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۸﴾
اور یقیناً ہم البتہ سب کے سب ڈرنے والے ہیں پس ہم نے نکالا انہیں باغوں اور چشموں سے

۵۲۔ ایمان کی حرارت نے ساحروں کو دلیر بنا دیا۔ وہ فرعون کے غیض و غضب اور دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوئے۔ انہوں نے برملا کہا کہ ہم تو اپنے ربّ سے مغفرت کی امید رکھتے ہیں کیونکہ ہم اوّل ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

۵۳۔ غرض موسیٰ ؑ کی تعلیم اور معجزات کا اثر آہستہ آہستہ عوام میں پھیلنے لگا۔ اب بہت سے واقعات کو چھوڑ کر بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کو بذریعہ وحی فرعون کے خطرناک ارادوں سے آگاہ کیا۔ کہ ہر طرف سے زچ ہو کر وہ بنی اسرائیل کو بالکل تباہ کرنے پر تل گیا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم ان کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ۔ حکم ہجر[unclear] کے ساتھ ہی بتا دیا کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور تمہیں روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

۵۴ تا ۵۷۔ **شرذمة**۔ چھوٹی سی جماعت۔ **حٰذرون**۔ حاذر سے جمع کا صیغہ ہے۔ چوکس۔ محتاط۔ ڈرنے والے۔ **حذر الموت**۔ موت کے ڈر سے۔ ۲-۲۰۔

ادھر فرعون نے شہروں میں ہرکارے دوڑا دیئے کہ فوج بھی جمع کریں اور رائے عامہ کو بھی اس کے حق میں ہموار کریں، نیز یہ پراپیگنڈہ بھی کریں کہ ہم بڑے لوگ ہیں اور یہ ہمارے ماتحت چھوٹی سی ذلیل جماعت ہے جو ہماری برابری کا دعویٰ کر کے ہمیں طیش دلا رہی ہے۔ ہم محتاط لوگ ہیں پیشتر اس کے کہ یہ سر اٹھائیں ہمیں ان کا سر کچل دینا چاہئے۔ **حٰذرون** میں یہ بھی اشارہ ہے کہ باوجود اکثریت کے اس اقلیت سے ڈرتے ہیں اسی لئے ساری طاقتیں اکٹھی کیں۔ آج بھی چھوٹی سے جماعت احمدیہ کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ اس جماعت سے ہماری سلامتی کو خطرہ ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا میں جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فرستادہ آیا اکثریت نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں ہمیشہ مومنین کی چھوٹی سی جماعت پر ہر ظلم روا رکھا اور ان کے دن بدن

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝٥٩ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ
اور خزانوں اور مقام عزت والے سے اسی طرح اور وارث کیا ہم نے بنی

اِسْرَآءِيْلَ ۝٦٠ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝٦١ فَلَمَّا تَرَآءَ
اسرائیل کو سو پیچھا کیا انہوں نے ان کا سورج چڑھتے پھر جب ایکدوسرے کو دیکھا

الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝٦٢ قَالَ
دونوں لشکروں نے کہا ساتھیوں نے موسیٰ کے یقیناً ہم پکڑے جانیوالے ہیں کہا (موسیٰ نے)

كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝٦٣ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
ہرگز نہیں یقیناً ساتھ میرے ہے رب میرا وہ ضرور رہنمائی کریگا میری پس وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے

بڑھنے کی وجہ سے یہ خطرہ محسوس کیا کہ یہ چند لوگ ایک دن ہمیں مغلوب کر کے رہیں گے۔ پس زمانے کے ان فرعونوں نے ہر خدائی جماعت کو تباہ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ ایسا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ قرآن ہمیشہ کے لئے ہے اور قرآنی واقعات بار بار دہرائے جائیں گے۔

۵۸ تا ۶۰۔ پس فرعون اور اس کے لشکر کو باغوں، چشموں، خزانوں اور عمدہ قیام گاہوں سے محروم کر دیا اور بنی اسرائیل کو ان تمام نعمتوں کا وارث بنایا۔ بنی اسرائیل کو ہم ان جگہوں پر لے گئے جہاں یہ تمام نعمتیں میسر تھیں یعنی ارضِ مقدس کا حاکم بنا دیا۔ جہاں باغوں اور چشموں کی بہتات تھی۔ پھر خزانوں اور عمدہ قیام گاہوں کے بھی مالک بن گئے۔ سورۃ الاعراف:۱۳۸ میں **الّتی بارکنا فیھا** کہا۔ قرآنِ کریم میں بغیر نام لئے **بارکنا** کا لفظ آئے تو فلسطین مراد ہوتا ہے۔ پھر ان میں حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ جیسے عظیم حکمران ہوئے۔ جن میں حضرت سلیمانؑ عملاً بھی مصر پر قابض ہوئے۔ **کذٰلک** یعنی یہی ہُوا اور یہی ہُوا کرتا ہے۔ **کذٰلک** میں پیشگوئی فرمائی کہ اے مکّہ والو! تمہیں بھی اسی طرح مکّہ سے نکال کر مارا جائے گا اور مومنین ان نعمتوں کے وارث بنیں گے جیسا کہ مسلمان شام، عرب، مصر، عراق، ایران، ہندوستان اور دیگر کئی ممالک کے حکمران بنے۔ قرآنِ کریم ایک لمبے عرصہ تک پھیلے ہوئے واقعات کو اختصار سے بیان کرتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ بنی اسرائیل فوراً ہی مصر کے حاکم بن گئے تھے پہلے فلسطین فتح ہُوا جس کا ان سے وعدہ تھا۔ پھر دو سو سال بعد مصر کے حاکم بنے۔

۶۱ تا ۶۳۔ مُشرقین۔ مشرق کی جمع ہے۔ صبح کے وقت داخل ہونے والے۔ سورج چڑھتے ہی۔ پھر اصل موضوع کو جاری رکھتے ہوئے فرعون کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے بچائے

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۚ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ
کہ مار اپنا سونٹا سمندر میں پس وہ پھٹ گیا پس ہوگیا ہر حصہ

كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝٦٤ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝٦٥ وَاَنْجَيْنَا
مانند ٹیلے بڑے کے اور قریب کیا ہم نے وہاں دوسروں کو اور نجات دی ہم نے

مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝٦٦ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝٦٧
موسیٰ اور انکو جو ساتھ اسکے تھے سب کو پھر غرق کر دیا ہم نے دوسروں کو

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٦٨
یقیناً اس میں البتہ نشان ہے اور نہیں ہیں اکثر ان میں سے ایمان لانے والے

جانے کے واقعہ کی تفصیل بیان فرمائی۔ بنی اسرائیل کے سامنے سمندر تھا اور پیچھے دشمن۔ وہ گھبراہٹ میں چلّائے کہ اے موسیٰ ؑ ہم تو پکڑے گئے۔ حضرت موسیٰ ؑ فراستِ نبوی سے انجام سے باخبر تھے۔ آپ نے پیغمبرانہ توکل سے فرمایا کہ میرا ربّ میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے راہ بتلائے گا۔ گویا آپ نے اپنے ربّ کی معیت کو اپنی ذات تک رکھا۔ جبکہ مثیلِ موسیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثور میں دشمن کو عین سر پر دیکھ کر **ان اللّٰہ معنا**۔ (توبہ:۴۰) فرمایا۔ گویا اس معیت میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بھی شامل رکھا بلکہ کل مومنین کو بشارت دی۔ نیز اللہ کا لفظ کہا جو اسمِ اعظمؒ ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ”اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور علو مدارج کا اظہار مقصود ہے۔“ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء)

۶۴ تا ۶۷۔ **فرق**۔ ٹکڑا جو الگ ہو جائے۔ **فرقۃ**۔ جماعت جو دوسرے لوگوں سے الگ ہو جائے اسی سے فریق ہے۔ **طَود**۔ تودہ۔ پہاڑ۔

فرعون کا غرق ہونا اور بنی اسرائیل کا بچائے جانا تفصیل کے لئے سورۃ بقرہ:۵۰۔ سورۃ طٰہٰ:۷۸ تا ۸۰۔

۶۸۔۶۹۔ اس واقعہ میں خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا ایک عظیم نشان ہے۔ غرق تو وہی ہوئے جو فرعون کے ساتھ تھے۔ پیچھے رہنے والے اہل مصر کی بڑی تعداد بچ گئی۔ یہ اِن کے اور قیامت تک کے لوگوں کے لئے ایک عظیم نشان تھا کہ وہ اپنے بیکس اور نادار بندوں کو ظالموں کے پنجہ استبداد سے نکال کر دنیا میں سرفراز کرتا ہے اور ظالموں کا نام و نشان تک مٹا دیتا ہے۔ فرمایا وہ غالب ہے بالآخر اپنے پیاروں کو غلبہ عطا فرماتا ہے۔ جب مرورِ زمانہ سے ان میں کمزوریاں سر اٹھانے لگتی ہیں تو پھر اپنے رسول کو بھیج کر رحیم ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ اس واقعہ میں مثیلِ موسیٰ

ع ۱۷/۸ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۶۹﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ
اور یقیناً تیرا رب البتہ وہی غالب (اور) رحم کرنیوالا ہے اور پڑھ ان پر خبر
إِبْرَاهِيمَ ﴿۷۰﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۷۱﴾ قَالُوا
ابراہیم کی جب کہا اس نے اپنے باپ کو اور اپنی قوم کو کس کی عبادت کرتے ہو تم انہوں نے کہا
نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿۷۲﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ
ہم عبادت کرتے ہیں بتوں کی پس رہتے ہیں ہم ان پر معتکف اس نے کہا کیا وہ سنتے ہیں تمہاری
إِذْ تَدْعُونَ ﴿۷۳﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ﴿۷۴﴾ قَالُوا بَلْ
جب تم بلاتے ہو یا نفع دیتے ہیں تمہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ
وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۷۵﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا
پایا ہے ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے تھے اس نے کہا کیا پس دیکھا تم نے جن کی

کے لئے بھی عظیم نشان ہے کہ جو فرعون بھی آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے نائبین کے مقابل آیا تو اس کا حشر بھی فرعونِ مصر سے کم نہیں ہوا۔ احادیث میں ہے کہ قرآنی واقعات کو دہرایا جائے گا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا کہ رمضان کے بعد میں کس ماہ میں روزے رکھا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ماہ محرم ایک بابرکت مہینہ ہے جس میں ایک دن ایسا ہے (۱۰ محرم) جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم (بنی اسرائیل) کو ظالم حکمران سے نجات دی اور آئندہ بھی اسی ماہ ایک دوسری قوم (مسیح موعود پر ایمان لانے والی) کو ایسے ہی ظالم حکمران سے نجات دے گا۔ اگر روزے رکھنا چاہو تو محرم میں رکھا کرو۔ (ترمذی ابواب الصوم باب صوم المحرم)

۷۰ تا ۷۵۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام آذر آیا ہے (سورۃ انعام رکوع ۵) جو آپ کے بچپن کے زمانہ میں وفات پا چکے تھے اور جن کے لئے آپ دعائیں کرتے رہے۔ اَب چچا کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس جگہ آپ کے چچا مراد ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی۔ توریت میں ان کا نام تارح آیا ہے۔ آپ کو ان کے لئے دعا کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ آپ کا خاندان بُت تراش تھا۔ بت فروشی اور بتوں کے چڑھاووں پر گزارہ تھا۔ آپ کا ذکر قرآن کریم میں سورۃ بقرۃ ۱۲۳ تا ۱۳۳۔ سورۃ انعام ۷۵ تا ۸۴۔ سورۃ ابراہیم ۳۶ تا ۴۲۔ سورۃ ھود ۷۰ تا ۷۸۔ سورہ نحل ۱۲۱ تا ۱۲۴ سورۃ الانبیاء ۵۲ تا ۷۱ سورۃ مریم رکوع ۳ میں گزر چکا ہے۔ (آپ کی زندگی کے ان واقعات کی تفصیل کے لئے سورۃ بقرہ ۱۲۳ تا ۱۳۳ اور سورۃ مریم رکوع ۳ سے استفادہ فرمائیں)

حضرت موسیٰؑ کے واقعات تفصیلاً بیان کرنے کے بعد اس رکوع میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ

كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۷۶﴾ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿۷۷﴾ فَإِنَّهُمْ
ہو تم عبادت کرتے تم اور باپ دادا تمہارے پہلے پس یقیناً وہ
عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۸﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿۷۹﴾
دشمن ہیں میرے سوائے رب العالمین کے وہ جس نے پیدا کیا مجھے پس وہ ہدایت دیتا ہے مجھے

کا ذکر کیا۔ اہلِ مکہ آپ کو اپنا مورثِ اعلیٰ اور ایک موحد نبی تسلیم کرتے تھے۔ آپ کی ساری زندگی شرک کے خلاف جہاد میں گزری۔ یہاں آپ نے شرک کے ردّ میں صفاتِ الٰہی بیان فرمائیں۔ اور پوچھا کہ ان معبودانِ باطلہ میں ان صفات میں سے کوئی ایک صفت بھی پائی جاتی ہے۔ کیا یہ خالقِ حقیقی کی طرح اپنے بندوں کی پکار کو سنتے ہیں یا انہیں نفع یا نقصان پہنچانے پر قادر ہیں؟ ظاہر ہے کہ بت ان اوصاف کے مالک نہیں ہوتے۔ پس انہوں نے کمال ڈھٹائی سے دوسرے مشرکین کی طرح یہی جواب دیا کہ ہمارے باپ دادا یہی کچھ کرتے آئے ہیں اور ہم انہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ گویا بغیر سوچے سمجھے ایک اندھی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

۷۶ تا ۷۸۔ آپ نے کہا کہ کیا کسی عقیدے کی صداقت کا انحصار اس دلیل پر ہوتا ہے کہ ہمارے بڑوں کا یہی عقیدہ تھا؟ غرض بتوں کی توبیخ میں حضرت ابراہیمؑ کے سخت سست الفاظ سن کر اور یہ جان کر کہ یہ انہیں گزند پہنچانے پر مُصر ہے، مشرکین سخت خائف تھے کہ اب [illegible] کوئی وبال نہ آن پڑے۔ حضرت ابراہیمؑ نے انہیں تسلی دی کہ اگر کوئی ان کا دشمن ہے تو میں ہوں جو انہیں پاش پاش کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہوں۔ اگر وہ دشمنی کریں گے تو میری کریں گے۔ نقصان پہنچائیں گے تو مجھے پہنچائیں گے۔ تمہیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ حقیقت تو یہی ہے کہ یہ مٹی اور پتھر کے تمہارے اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بُت کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بھی مراد ہے کہ تم اور تمہارے پہلے باپ دادا سب میرے دشمن ہیں لیکن ربّ العالمین ان میں سے نہیں۔ باپ دادا کو دشمن اس لئے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تھے اور بت پرستی کی آڑ میں اللہ کو جھٹلاتے چلے آئے تھے۔

۷۹۔ پہلے بتوں کے بارے میں بتلایا کہ وہ ہر صفت سے عاری ہیں۔ اب ربّ العالمین کی صفات بیان فرمائیں۔ فرمایا بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں لیکن میرا ربّ جو ربّ العالمین ہے اس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی فرمائے گا اور مجھے میری منزل تک پہنچائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ہستی کسی شے کی تخلیق کرتی ہے وہی اس کی غرض و غایت کو بہتر سمجھتی ہے۔ پس خالق ہی انسان کی

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٨٠﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ

اور وہ کہ جو کھلاتا ہے مجھے اور پلاتا ہے مجھے اور جب بیمار ہوتا ہوں تو وہی

يَشْفِيْنِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨٢﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ

شفا دیتا ہے مجھے اور وہ جو موت دیگا مجھے پھر زندہ کریگا مجھے اور وہ کہ امید رکھتا ہوں

پیدائش کا صحیح مقصد جانتا ہے۔قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی غرض صرف یہ بتائی کہ وہ اس کی عبادت کرے، اس کا قرب حاصل کرے، اور اس کا پیارا بن جائے۔ جب ایک انسان کا نصب العین یہ ہوگا تو اس کی مادی تگ و دو بھی اسی اصل کے گرد گھومے گی۔ جب ایک انسان اپنی خلق میں اپنے ربّ کا محتاج ہے تو وہ اپنی مادی اور روحانی ترقی کی رہنمائی کے لئے بھی اسی خالق کا محتاج ہو گا۔ جہاں تک مادی ترقی کا سوال ہے تو بیشک یہ راہ سب کے لئے کھلی ہے اور ہر دور میں مختلف اعلیٰ صلاحیتوں کے لوگوں نے مادی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم یہ میدان تنگ ہے، نیوٹن، آئن سٹائن اور ڈاکٹر سلام بننا ہر کسی کے بس میں نہیں ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہاں روحانی ترقی کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہے اور یہ میدان نہایت وسیع ہے۔ اگر طلب سچی ہے تو جو ہاتھ پھیلائے گا مراد پالے گا۔ جو مانگے گا اپنے ظرف کے مطابق جھولی بھر لے گا۔ انشاء اللہ۔

٨٠۔ اس ربّ العالمین کے سوا کس کی طاقت تھی کہ مخلوق کی غذا کا انتظام کرتا۔ اسی کا فضل اور احسان ہے کہ کھانے پینے کی اَن گنت اشیاء مہیا کیں اور اپنی گوناگوں نعمتوں سے نوازا۔ افسوس اس محسن حقیقی کو بھول کر لوگ درمیانی واسطوں کے سامنے جھکنا شروع کر دیتے ہیں۔ کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھنے میں یہی نکتہ ہے کہ اصل عطا کرنے والا یاد رہے۔

٨١۔ شفا پانا بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ممکن ہے۔ ورنہ بعض اوقات حالات ناساز گار ہو جاتے ہیں۔ تشخیص میں غلطی ہو جاتی ہے یا دوا اثر نہیں کرتی۔ ہاں متقین کا اللہ تعالیٰ خود معالج ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیماری کو خود سے منسوب کیا اور شفا کو اللہ کی طرف۔ یعنی جب میں اپنی کسی غلطی یا بداحتیاطی سے بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ اپنے فضل سے مجھے شفا بخشتا ہے۔ گویا عیب کو اپنی طرف اور خوبی کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتیں انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کی ہیں لیکن ان کا غلط استعمال اسے نقصان پہنچاتا اور دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پس کھانے پینے کے معاً بعد مرض کے ذکر میں یہی اشارہ ہے کہ اکثر امراض کھانے پینے میں

اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٣﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا

کہ بخش دے میرے لیے غلطی میری بروز قیامت اے رب عطا کر مجھے حکم

وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي

اور ملا مجھے ساتھ نیکوں کے اور بنا میرے لیے زبان سچی

الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٦﴾ وَاغْفِرْ

پچھلوں میں اور بنا مجھے وارثوں میں سے جنت نعمتوں والی کے اور بخش

بداعتدالی یا کھانے پینے کی اشیاء میں صفائی وغیرہ کا مناسب خیال نہ رکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

٨٢۔٨٣۔ بتایا کہ بیشک میرا ربّ مجھے موت دے گا لیکن اس کے بعد ایک ابدی زندگی شروع ہو گی۔ میں اپنے ربّ کریم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ جزا سزا کے دن میں میری پردہ پوشی فرمائے گا اور میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ خطا میں بھول چوک بھی شامل ہے جو عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں بلکہ بتقاضائے بشریت ہے۔

٨٤۔ **حُکمًا۔ حُکم** کا لفظ وسیع معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ حکم علم و عمل میں کمال کا ہونا ہے۔ (بیضاوی و روح البیان) فیصلہ میں فراست اور حِکمت و فہم کا عطا ہونا ہے محبوب حقیقی کی صفات اور خود پر اس کے بے حد و حساب انعامات کا بیان کرتے کرتے حضرت ابراہیم کلیم اللہ کی روح آستانہ الوہیت پر جھک گئی۔ آپ پر ربوبیت طاری ہو گئی۔ آپ کا ربّ گویا آپ کے سامنے آ کھڑا ہُوا اور آپ نے نہایت سوز و گداز سے ایک بہترین دعا فرمائی کہ اے میرے ربّ! مجھے علم و عمل میں کمال عطا فرما۔ میرے فیصلہ میں فراست عطا فرما۔ مجھے حکمت اور دانائی سے نواز۔ اس مشرکانہ ماحول میں آپ نے مناجات کی کہ اے میرے مولا! انہیں شرک سے بیزار کر دے اور اس مشرک معاشرے (سوسائٹی) کو صالحین کا معاشرہ بنا دے۔ پس صالحین سے ملانا یہی ہے کہ دنیا میں میرے ساتھی صالح لوگ ہوں اور آخرت میں بھی صالحین کے ساتھ ہی رکھیو۔ یہ اعتراض کہ صالحیت نبوت سے کم تر ہے اور صالحیت کی دعا ایک نبی کو زیب نہیں دیتی اصولاً غلط ہے۔ یہ دعا حضرت یوسفؑ نے بھی کی (سورۃ یوسف ١٠٢:) نبی ہر نیکی میں کمال حاصل کرنے کی دعا کرتا ہے۔ اس کی ترقی کی راہیں لامحدود ہیں۔ وہ شیطان سے پناہ چاہتا ہے حالانکہ شیطان کو اسے ورغلانے کی طاقت نہیں۔

٨٥۔ **صدق**۔ ہر وہ امر جو ظاہری اور باطنی لحاظ سے اعلیٰ درجہ کا ہو اس کے ساتھ صدق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لسان صدق۔ اچھا ذکر۔ سچا ذکر۔ ذکر خیر۔

لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ

باپ کو میرے یقیناً وہ ہے گمراہوں میں سے اور نہ رسوا کیجیو مجھے جس روز

آپ نے اس وقت کی معلوم دنیا کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔انہیں پیغامِ حق پہنچانے کے لئے پیرانہ سالی میں فلسطین سے عراق اور عرب کے درمیان سینکڑوں میل کے سفر کئے۔آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے بعد آپ کا مشن ختم ہو جائے۔پس آپ نے دل کی گہرائیوں سے اپنے ربّ کے حضور مناجات کی کہ اے میرے ربّ! مجھے ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جنہیں دیکھ کر دوسروں کو اعمالِ صالحہ کی رغبت پیدا ہو اور وہ میری پیروی کر کے تیری رضا حاصل کریں۔گویا آپ کی حیاتِ مبارکہ روشنی کا وہ مینار ہو جس کی روشنی میں بعد میں آنے والے بھی ہدایت حاصل کریں،آپ کے مشن کو جاری رکھیں اور آپ کا ذکرِ خیر ان کی زبانوں پر جاری رہے۔یہ دعا بڑی شان سے پوری ہوئی۔درود شریف میں کروڑوں انسانوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ پر اور آپ کی اولاد پر درود بھیجنا آپ کی دعا کی قبولیت کا زندہ ثبوت ہے۔بیشک آپ کے آبائی شہر میں آپ پر ایمان لانے والوں میں صرف آپ کی اہلیہ بی بی سارہ اور بھتیجا حضرت لوطؑ ہی تھے لیکن ہجرت کے بعد آپ کی تبلیغ سے بہت سے بندگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوئی۔

۸۶۔دنیا میں نعمتوں کے حصول کی دعا کے بعد آخرت کی نعمتوں کے لئے دعا فرمائی کہ مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں سے بنا۔گویا اس میں نعماء کی اس قدر کثرت ہو گی کہ اسی نام سے پکاری جائے گی۔یہ ورثہ دنیا میں کئے گئے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو ابراھیمؑ کے ساتھ تمام ابراھیمی طیور کے مقدر میں ہے۔آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بمنزلہ باپ تھے لیکن آقا و مولا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم مقام و مرتبہ میں آپ سے بہت آگے نکل گئے، خاتم النبیین کے لقب سے نوازے گئے اور قیامت تک کے لئے تمام نبیوں کے سردار ٹھہرے۔نبی کریمؐ نے فرمایا کہ انسان وضو کر کے اللہ کے نام سے حضرت ابراھیمؑ کی یہ دعا سورۃ الشعراء آیت ۸۴ تا ۸۶ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا کھانا پینا عطا کرتا ہے۔اس کی بیماری کو گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے اور اسے سعادتمندوں والی زندگی اور شہداء والی موت نصیب ہوتی ہے۔گناہ خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں بخشے جاتے ہیں۔اسے قوتِ فیصلہ اور صالحیت عطا ہوتی ہے اور دنیا میں اس کا ذکر (خیر) باقی رکھا جاتا ہے۔(تفسیر الدر المنثور للسیوطی۔جلد ۴ صفحہ ۸۹)

۸۷۔آپ نے اپنے ربّ کے حضور اپنے مشرک چچا کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی جیسا

يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٨﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٩﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى

وہ اُٹھائے جاویں گے جس دن نہ نفع دیگا مال اور نہ بیٹے سوائے اسکے جو آیا

اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٩٠﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩١﴾ وَبُرِّزَتِ

اللہ کے پاس ساتھ قلب سلیم کے اور قریب کی جاوے گی جنت متقیوں کے لیے اور ظاہر کی جاویگی

الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩٢﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٣﴾

دوزخ گمراہوں کے لیے اور کہا جائے گا انہیں کہاں ہیں وہ تھے تم جن کی عبادت کرتے

کہ آپ نے سورۃ التوبہ ۹:۱۱۴ میں وعدہ فرمایا تھا اور اس کی کوتاہیوں کا اقرار کیا۔

۸۸۔انبیاء کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی فکر نہیں ہوتی انہیں اپنے پیاروں کا اور امت کی رسوائی کا غم ہوتا ہے۔جیسا کہ ابنِ ماجہؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں فرمایا۔میں تم سے آگے حوض (کوثر) پر پہنچا ہوں گا اور تمہارے ذریعہ سے دوسری امتوں کے مقابلے میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا۔اس وقت میرا منہ کالا نہ کروانا۔(یعنی میری رسوائی کا موجب نہ بننا) خبردار ہو! کچھ لوگوں کو میں چھڑواؤں گا اور کچھ لوگ مجھ سے چھڑوائے جائیں گے۔میں کہوں گا اے پروردگار! یہ تو میرے صحابی ہیں۔وہ فرمائے گا۔کیا تم نہیں جانتے انہوں نے تمہارے بعد کیا نرالے کام کیے ہیں۔(بخاری۔مسند احمد بن حنبل)

۸۹۔۹۰۔قلبِ سلیم۔لفظی معنی تندرست دل کے ہیں۔مراد ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خرابیوں سے پاک۔(مفردات) وہ دل جو ہمیشہ سے بدیوں سے محفوظ ہو گیا ہو۔

فرمایا مال اور بیٹے جو دنیا میں بہت نافع سمجھے جاتے ہیں اس دن کچھ کام نہ آئیں گے۔ہاں وہی فائدہ میں رہے گا جو اللہ تعالیٰ کے حضور پاک دل لے کر حاضر ہو گا۔یعنی مال اور بیٹے بھی قیامت کو اسی شخص کے لئے نافع ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حضور ایسا دل لے کر آئے جو دنیا کی ملونیوں سے پاک ہو۔جس نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر کے دنیا میں ہی خوشنودی کی سند حاصل کر لی ہو۔دنیا میں سب سے پیاری شے مال اور اولاد ہی ہوتی ہے مگر جس نے ان کی محبت کے مقابلہ میں رضائے الٰہی کو مقدم رکھا اور اپنا مال اللہ کی رضا میں خرچ کیا۔وہ اس کا نفع قیامت کو پائے گا۔اسی طرح جس نے بیٹوں کو رضائے الٰہی کی راہوں کے لئے وقف رکھا اور دنیا میں ان سے خاطر خواہ مادی فوائد حاصل نہ کئے وہ بیٹے آخرت میں اس کے لئے ضرور نافع ثابت ہوں گے۔

۹۱۔۹۲۔اُزلفت۔(الزّلفة کے معنی قرب اور مرتبہ کے ہیں) قریب کر دی گئی۔اسی سے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۴﴾ فَكُبْكِبُوْا
سوائے اللہ کے کیا وہ مدد کرتے ہیں تمہاری یا خود اپنی مدد کرتے ہیں پس اوندھے کئے

فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۵﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا
گئے اس میں وہ اور سرکش اور لشکر ابلیس کے سب کے سب وہ کہیں گے

زلف ہے۔ **بُرِّزت۔ برز** کسی چیز کو ظاہر اور واضح کر دیا۔ **بُرِّزت** ظاہر کی گئی۔ لاکھڑی کی جائے گی۔ **غوین یا غاؤن**۔ گمراہ۔

یومِ آخر کو تو یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو گا لیکن اس آخری زمانہ میں بھی قیامت کا ہلکا سا نمونہ دکھایا جائے گا۔ جنت قریب کر دی جائے گی یعنی اس مادہ پرستی کے دور میں متقین کے تھوڑے اعمال بھی بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو جائیں گے۔ اس طرح جنت کا حصولِ آسان ہو جائے گا جیسا کہ فرمایا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ایک سجدہ دنیا و مافیھا سے بہتر ہوگا۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم بروایت حضرت ابوہریرہؓ) پس دنیا میں ہی کسی حد تک ان کو اپنی نیکیوں کا اجر ملے گا۔ گمراہوں کے لئے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔ یعنی ان کی بد اعمالیوں کی سزائیں دنیا میں ساتھ ساتھ ہی ملیں گی۔ ہاں اس کے لئے چشم بینا چاہئے جیسا کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں درج ہے کہ کل جگ (چوتھا جگ یعنی آخری زمانہ جس میں فساد اور گناہ کی کثرت ہوگی) میں اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے والا معاملہ ہو گا۔

۹۳۔۹۴۔ باطل معبودوں کی بے بسی یومِ آخر کو تو کھل کر سامنے آجائے گی لیکن دنیا میں بھی کسی حد تک ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ فتح مکہ کے روز ہُوا۔

۹۵۔۹۶۔ **کُبکبوا۔ کبّ** کسی چیز کا منہ کے بَل گرنا ہے۔ **افمن یمشی مکبًا علی وجھہٖ**۔ (الملک:۹۸) **غاوٗن**۔ غاوی واحد۔ گمراہ۔

دنیا میں ایک رنگ میں جنت اور جہنم کا نظارہ کرنے کے بعد اپنے اعمال کی جوابدہی کے لئے خالقِ کون ومکاں کے حضور حاضر ہوں گے۔ یہاں تین گروہوں کا ذکر ہے **ھُم، غاوٗن** اور **جنودِ ابلیس**۔ **ھم** میں گمراہ کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے خواہ دنیوی سردار ہوں یا روحانی دعوے کرنے والے پیر فقیر یا وہ جن کی خدا کے سوا عبادت کرتے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو چاہتے تھے کہ لوگ انہیں خدائی کا درجہ دیں۔ یعنی انہیں حاجت روا مانیں۔ **غاوٗن** ان کے متبعین ہیں جو ان

وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۸﴾
جبکہ وہ اس میں جھگڑتے ہونگے قسم ہے اللہ کی یقیناً تھے تم ضرور گمراہی کھلی کھلی میں

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
جب ہم برابر ٹھہراتے تھے تم کو رب العالمین کے اور نہ گمراہ کیا تھا ہم کو مگر مجرموں نے

کی اتباع میں گمراہ ہوئے۔ ملحقہ آیات میں ان دونوں گروہوں کا ذکر ہے جنودِ ابلیس شیاطین کا گروہ ہے جو بدی کے محرک ہیں۔ حدیث کے مطابق ہر انسان کا شیطان الگ ہے جو اسے بدی کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح ملائکہ مقرر ہیں جو نیکی کی تحریک کرتے ہیں۔

۹۷ تا ۹۹۔ یہ گمراہ لوگ جہنم میں اپنے جھوٹے خداؤں سے جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ خدا کی قسم! ہم نے تمہاری اتباع کر کے بڑی غلطی کی کہ خدائی آواز پر کان نہ دھرے اور تمہیں رب العالمین خدا کے برابر درجہ دیتے رہے۔ یہ اقرار جہنم میں داخل ہونے کے بعد کا ہے۔ داخل ہونے سے پہلے اپنے بچاؤ کے لئے جھوٹ بولیں گے جیسا کہ دنیا میں جھوٹ بولتے رہے۔ دنیا میں گمراہ اور مشرک لوگ اپنے سرداروں اور پیروں بلکہ بتوں کو بھی خدا تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کی کہ یارسول اللہ! ہم اپنے سرداروں اور بتوں کو خدا کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم ان کے احکام کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! ایسا تو تھا۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ یہی ان کو خد[illegible] برابر ماننا ہے۔ (ترمذی بروایت عدی بن حاتم)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمۃ القرآن کلاس میں فرمایا کہ آیت ۹۹ اور ۱۰۰ دنیا پر بھی اطلاق پاتی ہیں اور قوموں کے زوال کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ جو قومیں ربوبیت کو غیر کی طرف منسوب کرتی ہیں اور ربّ العالمین پر توکل کی بجائے دنیوی طور پر طاقتور قوموں کو کسی نہ کسی رنگ میں اپنا ربّ بناتی ہیں اور ان کے آگے جھولی پھیلاتی ہیں کہ ان کی طرف سے روپیہ آئے گا یا ان کی طرف سے مدد آئے گی تو کھائیں گے۔ نتیجۃً ایسی قومیں اقتصادی بدحالی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان کے حکمران یقیناً قومی مجرم ہیں جو قوموں کی تباہی کے ذمہ دار ہیں۔

۱۰۰۔ گمراہ لوگ اپنی گمراہی کی ذمہ داری اپنے سرداروں، مذہبی اجارہ داروں اور پیروں فقیروں پر ڈالیں گے جنہوں نے انہیں گمراہ کیا اور شفاعت کے جھوٹے وعدے کئے کہ ہم تمہارے گناہ بخشوا دیں گے۔ ان کی شہ پر وہ گناہوں میں اور دلیر ہوتے چلے گئے۔ پس بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے جرم میں انہیں مجرمین کہا گیا۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۲﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا

پس نہیں ہمارے لیے کوئی سفارش کرنیوالے اور نہ کوئی دوست گہرا پس کاش کہ ہمارے لیے

كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا

لوٹنا ہو (دنیا میں) پس ہو جاویں ہم مومنوں میں سے یقیناً اس میں البتہ نشان ہے اور نہیں

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۵﴾ ع ۵/۳۶/۹

ہیں اکثر ان میں سے ایماندار اور یقیناً رب تیرا البتہ وہی غالب (اور) رحم کرنیوالا ہے

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ

جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں کو جب کہا نہیں بھائی ان کے

۱۰۱۔۱۰۲۔ وہ کہیں گے افسوس ان جھوٹے خداؤں میں سے آج کوئی ہماری شفاعت کو نہیں آیا اور نہ کوئی ہمارا جگری دوست ہے کہ اس مشکل وقت میں ہمارا دکھ بانٹے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ آخرت میں دوستیاں صرف مومنین کی باقی رہ جائیں گی۔ گمراہ اور ان کو گمراہ کرنے والے ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کریں گے اور جھگڑیں گے۔ ”دنیوی طور پر دیکھا جائے تو مجرموں میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا۔ مالی منفعتوں اور جرائم میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ دلی ہمدرد کوئی نہیں ہوتا۔“ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

۱۰۳۔ وہ کہیں گے کہ اگر ہمیں دنیا میں واپس لوٹنے کی استطاعت ہوتی تو ہم ضرور ایمان لاتے اور مومنین میں شامل ہو جاتے۔ مگر افسوس ایسا ممکن نہ ہو گا اور یہ ان کی حسرت ہی رہے گی کیونکہ عمل کا دروازہ موت کے ساتھ ہی بند ہو جاتا ہے۔

۱۰۴۔ پھر ان آیات کو دہرا کر اشارہ کیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ میں بھی طالبان حق کے لئے ایک زبردست نشان ہے۔ وہ نشان یہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں شرک کے گڑھ میں شرک کے خلاف آواز بلند فرمائی اور توحید کا پرچار کیا۔ بیشک آپ کو دکھ دیئے گئے اور ہجرت پر مجبور ہوئے لیکن آخر آپ کا مشن کامیاب ہوا۔ مگر افسوس اتنا بڑا نشان دیکھنے کے باوجود آپ کی قوم میں سے اکثر کو ایمان لانے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی۔

۱۰۵۔ لیکن تیرا ربّ غالب اور بے حد مہربان ہے وہ تیری قوم کی اکثریت کو ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کی ساری قوم آپ ﷺ پر ایمان لے آئی اور اللہ کی رحمت سے ایک عرصہ تک دینی و دنیوی انعامات کی وارث ہوئی۔

۱۰۶۔۱۰۷۔ انبیاء کے قصص میں پہلے حضرت موسیٰؑ کے واقعات بیان فرمائے۔ اس لئے

نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

نوح نے کیا نہیں تقویٰ کرتے تم یقیناً میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا

اور اطاعت کرو میری اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں اجر میرا مگر

عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ

ذمے رب العالمین کے پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لاویں

کہ آنحضرت ﷺ حضرت موسیٰؑ کے مثیل تھے اور حضرت موسیٰؑ کے واقعات میں آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لئے پیشگوئیاں تھیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کے واقعات بیان فرمائے جو عربوں کے جدّ اعلیٰ تھے اور ان کے لئے قابلِ احترام تھے۔ نیز آنحضرت ﷺ کے روحانی باپ ہونے کے علاوہ آپ ﷺ کے جد امجد بھی تھے۔ آپ کے واقعات میں بھی آئندہ ہونے والے واقعات کی طرف اشارے تھے۔ اب یہاں سے انبیاء کے حالات تاریخی ترتیب سے بیان فرمائے۔ ان سب میں لاتعداد پیشگوئیاں مضمر ہیں اور تمام انبیاء کے حالات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا ذکر کیا۔ (آپ کے واقعات تفصیلاً سورۃ الاعراف رکوع ۸ اور سورۃ ھود رکوع ۳، رکوع ۴ میں ملاحظہ فرمائیں)

قومِ نوح نے ایک رسول کو جھٹلایا لیکن یہاں رسولوں کو جھٹلانے کا ذکر [illegible] لئے کہ ہر رسول کا پیغام ایک ہی ہوتا ہے اور ایک رسول کو جھٹلانا گویا سب رسولوں کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ قومِ نوح میں آپ سے پہلے بھی کئی رسول آئے ہوں اور ان کو بھی جھٹلایا گیا ہو۔

۱۰۸۔۱۰۹۔ رسول خدا تعالیٰ کے پیغام کا امین ہوتا ہے۔ وہ نہایت دیانتداری سے یہ پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ یہ بھی مراد ہے کہ آپ بطور امین پہلے ہی مشہور تھے جیسا کہ آنحضرت ﷺ صدیق وامین مشہور تھے۔ فرمایا کہ جب میرا امین ہونا تم پر ظاہر ہے تو مجھے جھٹلاتے ہوئے خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے ساتھ اپنی اطاعت کا حکم دیا گویا اطاعتِ رسول سے ہی تقویٰ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا غیب پر ایمان لانا ہے۔ وہ ہر بندے پر ظاہر نہیں ہوتا۔ ہاں انبیاء کی وساطت سے بندوں پر ظاہر ہوتا ہے۔ پس انبیاء کا وجود خدا نما ہوتا ہے اور ان کی محبت اور اطاعت سے خدا تک پہنچا جا سکتا ہے۔

۱۱۰۔۱۱۱۔ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغامِ حق پہنچانے کے لئے اپنا سب کچھ

لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝۱۱۲ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا
تجھ پر اور پیرو بنے ہیں تیرے بہت رذیل لوگ اس نے کہا اور نہیں ہے علم مجھے اس کا جو تھے وہ

يَعْمَلُوْنَ ۝۱۱۳ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝۱۱۴
عمل کرتے نہیں حساب ان کا مگر ذمہ رب میرے کے کاش تم سمجھو

وَمَا اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۵ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۶
اور نہیں ہوں میں (حقیر سمجھکر) دھتکارنے والا مومنوں کو نہیں میں مگر ڈرانے والا کھلا کھلا

قربان کر دیا۔اپنا ایک ایک لمحہ وقف رکھا۔اس ساری تگ و دو میں میری کوئی نفسانی خواہش نہیں۔پس مجھ پر الزام لگاتے ہوئے خدا سے ڈرو اور میری اتباع کرو۔جیسا کہ سورۃ المومنون ۲۵: میں آپ پر الزام لگایا کہ یہ نبوت کا دعویٰ کر کے تم پر فضیلت حاصل کرنی چاہتا ہے۔

۱۱۲۔ ہمیشہ گزشتہ انبیاء کی سنت دہرائی جاتی ہے۔آنحضرت ﷺ کو بھی سرداران مکہ یہی کہتے تھے کہ اگر ہم سرداران قوم سے بات کرنی ہے تو ان چند غلاموں اور نیچ لوگوں کو اپنی مجلس سے نکال دو۔

۱۱۳۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک یہ معمولی لوگ ہیں لیکن ادنیٰ یا اعلیٰ پیشے میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔اعمال فیصلہ کرتے ہیں کہ کون معزز ہے اور کون رذیل۔یہ ضرور کوئی ایسے اعمال بجا لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغامِ حق قبول کرنے کی سعادت بخشی اور محترم کیا جب کہ تم محروم رہے۔

۱۱۴۔ اعمال کے حساب کتاب کا فیصلہ میرے ربّ کے ذمہ ہے وہاں یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ کون عقل اور شعور سے کام لے کر صحیح نتیجہ پر پہنچا۔ان لوگوں نے جو تمہاری نظر میں ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، جنہیں بیوقوف اور کم عقل سمجھا جاتا ہے۔پیغامِ حق کو بغیر سوچے سمجھے نہیں جھٹلایا۔انہوں نے خوب غور و فکر کیا اور ہدایت حاصل کر لی۔تم جو اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے ہو اور صاحب عقل و شعور مانے جاتے ہو اگر ہٹ دھرمی اور تکبر کو چھوڑ کر غور و فکر کرو تو ضرور ہدایت پا جاؤ گے۔

۱۱۵۔ ہاں جو ہدایت پا گئے ان کو اس وجہ سے دھتکارنا اور ذلیل کرنا کہ وہ تمہارے جیسے معززین میں سے نہیں، میں تو ایسا کرنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی صاحبِ عقل و شعور اور معزز وہی ہے، جو خوب غور کرے اور سوچ سمجھ کر ہدایت قبول کرے۔نہ معاشرے سے ڈرے اور نہ راہِ حق میں آنے والی دیگر مشکلات اس کی راہ میں حائل ہوں۔

۱۱۶۔ پس میرا کام تو تمہیں عواقب سے آگاہ کرنا تھا سو میں نے خوب اچھی طرح سے اس فرض کو ادا کر دیا۔اب ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝۱۱۷
انہوں نے کہا یقیناً اگر نہ باز آیا تو اے نوح ضرور ہوگا تو پتھراؤ کئے ہوؤں میں سے

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝۱۱۸ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ
اس نے کہا اے رب میرے یقیناً قوم میری نے تکذیب کی میری پس فیصلہ فرما درمیان میرے اور درمیان انکے

النصف

فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۹ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ
خوب فیصلہ کرنا اور نجات دے مجھے اور انکو جو ساتھ ہیں میرے مومنوں میں سے پس نجات دی ہم نے اسے اور انہیں

مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۲۰ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝۱۲۱
جو ساتھ تھے اس کے کشتی بھری ہوئی میں پھر غرق کر دیا ہم نے بعد میں باقیوں کو

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۲۲ وَ
یقیناً اس میں البتہ نشان ہے اور نہیں ہیں اکثر ان میں سے مومن

۱۱۷۔ قرآنِ کریم ایک مختصر کتاب ہے۔مختلف مقامات پر انبیاء اور منکرینِ حق کے درمیان چند مکالمات کا ذکر ہوتا ہے۔حالانکہ انبیاء ہر قسم کے نامساعد حالات میں سالہا سال تک تبلیغ و ہدایت کے کام میں مشغول رہے۔یہاں بھی کفر اور اسلام کے درمیان ایک لمبے عرصہ کی کشمکش کو چھوڑ کر آخری نتیجہ بتلایا کہ مکذبینِ انبیاء جب دلائل سے عاجز آجاتے ہیں اور جور و ستم کے مختلف حربوں کو آزما کر تھک جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انبیاء اور ان کے اتباع کے پائے ثبات میں معمولی سی لغزش بھی نہیں آئی۔تو پھر ان کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جیسا کہ محبوبِ خدا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے آپ ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کیا گیا۔پس حضرت نوحؑ کو سنگسار کرنے کی دھمکی دینا اس بدقسمت قوم پر اتمامِ حجت کے لئے کافی تھا کیونکہ وہ ایسا کر گزرنے والے تھے۔آپ بھی فراستِ نبوی سے اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ اب یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

۱۱۸۔ آخر اس بد بخت قوم کی ہدایت سے مایوس ہو کر آپ نے اپنے ربّ کے حضور دعا کی کہ اے میرے ربّ! میری قوم نے میری سخت تکذیب کی ہے، اب یہ ہدایت پانے والے نہیں۔

۱۱۹۔ اب تو ہی میرے اور ان کے درمیان ایک قطعی فیصلہ فرما دے اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھ۔

۱۲۰۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی آپ نے مومنین کے لئے دعا کی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور جو آپ کے ساتھ تھے سب کو ایک بھری ہوئی کشتی کے ذریعہ ان کے شر سے بچا لیا۔
(کشتی کی تفصیل کے لئے سورۃ ھود رکوع ۳ و ۴)

۱۲۱ تا ۱۲۳۔ پھر ہم نے باقی (رہنے والوں کو غرق کر دیا۔اس طرح یہ شریر قوم اپنے انجام کو

۶ ع ۱۸ ۱۰ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۳﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ا لْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
اور یقیناً رب تیرا البتہ وہی غالب (اور) رحم کرنے والا ہے تکذیب کی عاد نے رسولوں کی

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
جب کہا ان کو بھائی ان کے ہود نے کیا نہیں تقویٰ کرتے تم یقیناً میں تمہارے لیے رسول ہوں

اَمِيْنٌ ﴿۱۲۶﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۷﴾ وَمَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
امانت دار پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی

اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ
اجر نہیں اجر میرا مگر ذمہ رب العالمین کے کیا بناتے ہو تم ہر اونچی جگہ پر

اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۳۰﴾
یادگار بے فائدہ کام کرتے ہو اور بناتے ہو تم کارخانے تاکہ تم ہمیشہ رہو

پہنچی۔اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک بھاری نشان تھا مگر پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ان کے ایمان نہ لانے کے باوجود تیرے ربّ کا عزیز ورحیم ہونا ثابت ہو گیا کہ نوحؑ اپنے دشمنوں پر غالب آ گیا اور نوحؑ کے حقیر سمجھے جانے والے ساتھی دنیا کے سردار بنے۔

اہلِ مکّہ کے لئے بھی اس واقعہ میں ایک عظیم نشان تھا کہ قومِ نوح والی ساری برائیاں تم میں موجود ہیں۔افسوس قومِ نوح کا انجام جان کر بھی تم میں سے اکثر ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ لیکن آخر تیرے ربّ کا غالب اور رحیم ہونا ثابت ہو جائے گا جیسا کہ فتح مکّہ کے موقع پر ہوا۔

۱۲۴ تا ۱۲۸۔ اس رکوع میں حضرت ہودؑ کا ذکر ہے جو قومِ عاد کی طرف آئے۔یہاں صاف بتا دیا کہ تمام انبیاء ایک ہی پیغام لے کر آتے ہیں۔ ان کے دلائل ایک طرح کے ہوتے ہیں بلکہ اکثر الفاظ بھی ملتے جلتے ہیں۔جبکہ مکذبین و منکرینِ انبیاء کے اعتراضات بھی ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔پس آخری انجام بھی سب کا ایک جیسا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرستادہ کامیاب و کامران اور منکرینِ حق ناکام و نامراد ہوتے ہیں۔(سورۃ الاعراف رکوع ۹ اور سورۃ ھود رکوع ۵ میں تفصیلاً آپ کے واقعات گزر چکے ہیں۔ان مقامات سے استفادہ فرمایئے) مغربی مؤرخ قرآنِ کریم پر اعتراض کرتے تھے کہ عاد یا ثمود وغیرہ نام کی کوئی قوم نہیں گزری۔آج آثارِ قدیمہ پر تحقیق کرنے والوں نے ان عمارتوں کے کھنڈرات کا کھوج لگالیا ہے۔مشہور عیسائی مؤرخ جرجی زیڈان Jergy Zedon نے ''العرب قبل الاسلام'' میں لکھا ہے کہ عاد کے متعلق مؤرخین کی سینکڑوں صفحات کی کتابیں اس سے زیادہ معلومات بیان نہیں کر سکیں جتنی معلومات قرآنِ کریم نے اپنے چند الفاظ میں بیان کر دی ہیں۔

۱۲۹۔**تبنون** (**بنا**) تم بناتے ہو۔**ریع**۔**ریعة** کی جمع ہے۔ہر اونچی جگہ جو دور سے نظر

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۲﴾
اور جب پکڑتے ہو تم پکڑتے ہو سرکش ہو کر پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری

آئے۔بلند ٹیلہ۔بلند پہاڑ۔**آیة**۔نشان۔علامت۔یہاں مراد بلند عمارتیں ہیں جو بڑے لوگوں کی نشانی یا یادگار کے طور پر بنائی جاتی تھیں۔**تعبثون**۔(**عبث**۔بے فائدہ) تم بے فائدہ کام کرتے ہو۔

تفسیر کبیر میں حضرت مصلح موعودؓ کی تحقیق یہ ہے کہ قدیم ترین بابلی تہذیب کی بانی یہی قوم تھی۔علمِ ہندسہ، کیمیا اور ہیئت پر ابتدائی تحقیق کا کام اسی قوم نے کیا۔فنِ تعمیر میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ یہ قوم حضرت نوحؑ کے پوتے عادؔ کی نسل سے تھی۔حضرت نوحؑ کے دو سو سال بعد ان کا عروج ہوا۔ اپنی مادی ترقی اور جسمانی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔(**حٰمٓ السجدة** ۱۶:) یہ لوگ اپنے بڑے لوگوں کی یادگار (Memorial) کے طور پر پہاڑوں پر بلند و بالا خوبصورت عمارتیں بناتے تھے جن کا مقصد سوائے نمود و نمائش اور اپنی طاقت و بڑائی کے اظہار کے کچھ نہ تھا۔عمارتیں بنانا اپنی ذات میں معیوب نہیں۔معیوب یہ تھا کہ اپنے خالقِ حقیقی کو یکسر بھلا کر برائی اور تکبر کی راہوں کو اختیار کر کے یہ قوم عیش و عشرت میں مشغول تھی۔پیسے کی ریل پیل نے انہیں ظالم بنا دیا تھا۔کمزوروں پر جور و ستم روا رکھنا ان کا شیوہ تھا جیسا کہ آیت ۱۳۱ سے ظاہر ہے۔بے حساب مال و دولت، عددی قوت اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو بے مقصد کاموں پر خرچ کر رہے تھے۔حالانکہ مرورِ زمانہ سے [illegible] یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ یہ کس کے نام کی یادگاریں ہیں اور کس نے تعمیر کیں۔آج ان کے خستہ حال کھنڈر، بنانے والوں کا منہ چڑا رہے ہیں۔کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہ لوگ اپنی پیدائش کا مقصد سمجھتے اور ان کی دولت اور خداداد صلاحیتیں بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود پر خرچ ہوتیں اور یہ خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے نہ آتے۔

۱۳۰۔**مصانع**۔صنع۔ابن جریرؔ کہتے ہیں کہ یہ لفظ وسیع معانی میں لیا جاتا ہے۔اعلیٰ درجہ کے کاریگری کے کام۔بڑی بڑی شاندار مستحکم عمارتیں۔محلات۔قلعے۔صنعتیں اور کارخانے وغیرہ۔ان یادگاروں کے علاوہ یہ لوگ عظیم الشان خوبصورت محلات اور مستحکم قلعے بناتے تھے گویا ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔غرض اپنے انجام کو بالکل بھولے ہوئے تھے۔

۱۳۱۔**بطشتم**۔بطش کے معنی حملہ کر کے کسی چیز کو زبردستی لے لینا کے ہیں۔سخت گرفت کرنا۔

مصانع میں کارخانوں کی طرف بھی اشارہ تھا۔جیسا کہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس قوم

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ
اور ڈرو اس سے جس نے امداد کی تمہاری اس سے جو تم جانتے ہو اس نے امداد کی تمہاری ساتھ جانوروں
وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۵﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
اور بیٹوں کے اور باغوں اور چشموں کے یقیناً میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے

نے بارود کی قسم کی کوئی چیز ایجاد کرلی تھی۔ اگر ایسا تھا تو فرمایا کہ تم اپنے مہلک ہتھیاروں سے دوسری اقوام کو ظالمانہ کچل دیتے ہو۔ ان پر اپنا تسلط قائم کرتے ہو اور اپنی تہذیب و تمدن ان پر ٹھونستے ہو۔ تاریخ ہمیشہ خود کو دہراتی ہے نیز قرآنی قصوں میں قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں۔ پس یہ ساری آیات آج کی مغربی اقوام پر بھی اطلاق پارہی ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں آیت ۱۲۹ اور ۱۳۰ والے دونوں نشان یورپ پر اطلاق پا رہے ہیں۔ پہاڑوں کو تراش کر بستیاں بنائی گئی ہیں۔ تمام یورپ میں ہر اونچی جگہ پر چرچ، قلعے اور یادگاریں بنائی گئی ہیں۔ یہی مزاج قوم عاد کا تھا جو آج یورپ میں دکھائی دے رہا ہے۔ یورپ میں صنعتیں (Industries) دنیا کے ہر دوسرے ملک سے زیادہ ہیں۔ قوم عاد کی تیسری صفت پکڑ میں ظالمانہ طریق تھا۔ آج جو قوم امریکہ یا یورپ کے تابع ہو کر رہے اس سے نرمی کا سلوک کیا جاتا ہے۔ جو قوم سر اٹھائے اور اپنا تشخص قائم رکھنا چاہے اسے عبرت ناک سزا دی جاتی ہے اس کی ساری عظمتوں کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آجکل عراق پر امریکہ اور برطانیہ کی انتہائی غیر منصفانہ اور ظالمانہ یلغار ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ راقم اس رسالہ نے ایک درویش کو دیکھا کہ سخت گرمی کے موسم میں یہ آیت قرآنی پڑھ کر **و اذا بطشتم بطشتم جبّارین** ٥ زنبور کو پکڑ لیتا تھا اور اس کی نیش زنی سے بکلّی محفوظ رہتا تھا۔ اور خود اس راقم کے تجربہ میں بعض تاثیرات عجیبہ آیات قرآنی کی آ چکی ہیں جن سے عجائبات قدرت حضرت باری جل شانہٗ معلوم ہوتے ہیں (سرمہ چشم آریہ صفحہ ۴۰ مطبوعہ ۱۸۹۳ء) حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک جگہ پڑھا کہ ایک شخص یہ آیت پڑھ کر سانپ کو پکڑ لیتا تھا۔

۱۳۲۔ حضرت ہودؑ اس قوم کو جو طاقت کے نشہ میں سرشار تھی، نصیحت فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ مٹ جانے والا ہے۔ یہ یادگاریں تمہیں زندہ نہیں رکھ سکتیں۔ اگر ابدی زندگی چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو، میرے نمونہ پر چلو۔

۱۳۳ تا ۱۳۵۔ ان لوگوں کو یہ زعم تھا کہ یہ سب کچھ ہم نے اپنی دولت، عقل اور قوت بازو

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۶﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ
دن بڑے کے انھوں نے کہا برابر ہے ہم پر خواہ وعظ کیا تُو نے یا نہ
تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ
ہوا تو وعظ کرنے والوں میں سے نہیں ہے یہ مگر عادت پہلوں کی اور

سے حاصل کیا۔ حضرت ہودؑ انہیں سمجھاتے ہیں کہ اس ربّ کا تقویٰ اختیار کرو جس نے اپنی لاتعداد نعمتوں سے تمہیں نوازا جو تمہاری قوت کا باعث ہیں اور تمہاری مددگار ہیں۔ پہلے فن تعمیر اور صنعت و حرفت یعنی انڈسٹری وغیرہ میں کمال کا ذکر کیا۔ **بطشتم** میں ان کی عسکری قوت کی طرف اشارہ کیا کہ جسے چاہتے عبرت ناک سزا دیتے۔ اب ان نعمتوں کا ذکر کیا جو ان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں یعنی چوپائے، بیٹے، باغات اور چشمے وغیرہ۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن میں تمہاری ذاتی کوشش کا کچھ بھی دخل نہیں۔ تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جن کو تم جانتے ہو۔ ان کے علاوہ دیگر لاتعداد نعمتیں حاصل ہیں جن کا تمہیں علم تک نہیں۔ مگر وہ ہر طرح سے تمہاری مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔ آج سائنس بہت سی ایسی چیزوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کی چھوٹی سی مثال درخت ہیں جو بے شمار فوائد کے علاوہ انسانوں اور دیگر جانداروں کو آکسیجن مہیا کرتے ہیں بلکہ کائنات کی ساری قوتیں ہی انسان کی نفع رسانی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔

۱۳۶۔ اگر نعمتیں عطا کرنے والے کا تقویٰ اختیار نہیں کرو گے۔ اس کو بھلائے رکھو گے اور ان نعمتوں کو بندگانِ خدا پر ظلم و جور کا ذریعہ بناؤ گے تو میں تمہارے معاملہ میں ایک عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جب یہی نعمتیں تمہارے گلے کا ہار بن جائیں گی۔ گزشتہ تاریخ کے حوالے سے آئندہ آنے والی اقوام کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایسی عظیم جنگوں کا عذاب جو واقعۃً عظیم کہلائیں گی جیسے جنگِ عظیم اوّل اور جنگِ عظیم دوئم۔ جبکہ جنگِ عظیم سوئم سر پر کھڑی ہے۔
(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

۱۳۷۔ قومِ ہود نے کمال ڈھٹائی سے جواب دیا کہ تمہاری نصیحتوں کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ آج یہی یورپ کا مزاج ہے۔ یہی کہتے ہیں کہ جو تہذیب ہم اپنا چکے ہیں وہ ہم سے الگ ہو ہی نہیں سکتی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ”خطرہ ہے کہ ان کی تہذیب قبولِ اسلام میں روک ہو گی۔ مزید خطرہ یہ ہے کہ اگر اسلام قبول کرلیا تو اسلامی تہذیب کو بدل دیں گے۔“ گویا اسلامی اقدار پر اثر انداز ہوں گے۔

مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

نہیں ہم ہرگز عذاب دیئے جانیوالوں میں سے پس تکذیب کی انہوں نے اسکی پس ہلاک کیا ہم نے انہیں یقیناً اس میں

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

البتہ نشان ہے اور نہیں ہیں اکثر ان میں سے مومن اور یقیناً رب تیرا البتہ وہی ہے

ع ۱۸ ۱۱ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۱﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِذْ قَالَ

غالب (اور) رحم کرنیوالا تکذیب کی ثمود نے رسولوں کی جب کہا

لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۴۴﴾

انہیں ان کے بھائی صالح نے کیا نہیں تقویٰ کرتے تم یقیناً میں تمہارے لیے رسول ہوں امانت دار

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۴۵﴾ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی

اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَتُتْرَكُوْنَ

اجر نہیں ہے اجر میرا مگر ذمہ رب العالمین کے کیا تم چھوڑے جاؤ گے

۱۳۸۔ خلق۔عادت۔ پرانے لوگ دوسروں کو خواہ مخواہ نصیحتیں کیا کرتے تھے۔یہ تو دقیانوسی (Old Fashioned) باتیں ہیں۔ہم دور جدید کے (Moderan) لوگ انہیں نہیں مانتے۔

۱۳۹۔اور نہ ہم پر کوئی عذاب آئے گا۔آج مغربی اقوام بھی اسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔

۱۴۰۔تکذیبِ انبیاء کا نتیجہ آخر ہلاکت ہے۔جو اس قوم کو بھی نصیب ہوئی۔فرمایا انہوں نے عظیم عمارات بنا کر اپنا نشان قائم کیا تھا۔ہم نے ان کو مٹا کر ایک نشان قائم کیا جو آج مغربی اقوام کے لئے بھی ایک بھاری نشان ہے۔جنہیں اپنی تہذیب و تمدن،فلک بوس عمارات اور اسلحہ ساز فیکٹریوں پر بڑا گھمنڈ ہے اور ان میں سے اکثر کو ایمان کی توفیق نہیں۔نشان یہی ہے کہ جب وہ مٹ گیا تو یہ سب بھی مٹنے والا ہے۔ کاش یہ سمجھیں!

۱۴۱۔اس آخری غلبہ کے دن اللہ تعالیٰ کا غالب ہونا کھل کر سامنے آ جائے گا لیکن وہ اپنی صفتِ رحیمیت سے اپنے بندوں کو کامل تباہی یعنی عذاب استیصال سے بچا لے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔

۱۴۲ تا ۱۴۶۔اب ترتیب کے لحاظ سے اس رکوع میں حضرت صالحؑ کا ذکر کیا جو قوم ثمود کی طرف آئے۔یہ قومِ عاد کی ہی ایک شاخ تھی جس کا عروج قومِ عاد سے قریباً دو سو سال بعد ہوا۔ آپ کا ذکر قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔(سورۃ الاعراف رکوع ۱۰ اور سورۃ ھود رکوع ۶

فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۴۸﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّ

اس میں جو یہاں ہے امن سے باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور

نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۹﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا

کھجوروں میں کہ خوشہ جن کا ٹوٹا پڑتا ہے اور تم تراش کر بناتے ہو پہاڑوں میں سے گھر

فٰرِهِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ

اتراتے ہوئے پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری اور نہ اطاعت کرو حکم کی

میں حضرت صالحؑ کے واقعات تفصیل سے گزر چکے ہیں ان مقامات سے استفادہ کیجئے۔)

۱۴۷ تا ۱۴۹۔**طلع**۔کھجور کا خوشہ۔ **هضيم**۔لطیف۔خوب پکا ہُوا۔کثرت پھل کے بوجھ سے جھکا ہُوا۔

معلوم ہوتا ہے قومِ ثمود کا علاقہ خوبصورت پہاڑی مقام تھا جہاں باغات اور چشموں کی بہتات تھی۔زمین زرخیز تھی زراعت خوب ترقی پر تھی۔جابجا نخلستان تھے جہاں عمدہ قسم کی کھجوریں بافراط پیدا ہوتی تھیں۔فرمایا کیا زندگی کی یہ آسائشیں تمہیں اسی طرح میسر رہیں گی کہ عطا کرنے والے کی نافرمانی بھی کرو اور اس کی عطا کردہ نعمتوں سے استفادہ بھی کرتے رہو۔

۱۵۰۔**تنحتون**۔نحت۔پتھر کو رگڑ کر ٹھیک کرنا۔تراشنا۔**تنحتون**۔تم کھودتے ہو۔ **فرهين**۔(**فره**) اترانے والے۔حاذق۔ماہر۔ہنرمند۔

اس قوم کو سنگ تراشی میں خاص ملکہ حاصل تھا۔پہاڑوں کو کھود کر بڑے فخر سے محل نما گھر بناتے تھے جہاں موسم گرما گزارتے۔مدائن صالحہ عراق عرب کا ایک شہر ہے وہاں پر ایسے گھر اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔جیسا کہ آج کل امراء گرمیاں پہاڑوں پر گزارتے ہیں۔یہ لوگ بھی گرمیاں ان زیرِ زمین پہاڑی محلات میں گزارتے اور سردیوں میں میدانی محلات میں چلے جاتے (الاعراف رکوع ۱۰) چونکہ آخری زمانہ کی اقوام میں عاد اور ثمود کی تہذیبیں دہرائی جانی تھیں اس لئے ان کا بار بار تفصیل سے ذکر کیا۔قوم نوح کی تہذیب کا اتنا ذکر نہیں۔

۱۵۱۔حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ فخر کا مقام یہ پتھر کے گھر نہیں بلکہ تقویٰ کو اختیار کرنا ہے۔ تقویٰ پر جتنا بھی فخر کرو کم ہے۔پس اِن مادی چیزوں پر بے جا فخر کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو اور اس کی بتائی ہوئی راہوں پر چلو جو میری اتباع سے تمہیں حاصل ہوں گی۔

۱۵۲۔۱۵۳۔ **مسرفين**۔سرف۔اسراف کرنے والے۔حد سے بڑھنے والے۔

الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾
حد سے بڑھنے والوں کی وہ جو کہ فساد کرتے ہیں زمین میں اور نہیں اصلاح کرتے

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ
کہا انہوں نے سوائے اس کے نہیں کہ تو جادو کئے ہوؤں میں سے نہیں ہے تو مگر انسان مانند ہماری

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ
پس لا کوئی نشان اگر ہے تو سچوں میں سے اس نے کہا یہ اونٹنی ہے

لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا
اس کیلئے پانی پینے کی باری ہے اور تمہارے پانی پینے کی باری ہے بوقت مقررہ اور نہ پہنچاؤ اسے

حضرت صالح ؑ نے عوام سے خطاب فرمایا کہ ان سرداران قوم کی باتوں کو نہ ماننا جو اپنی ناانصافی اور بداخلاقی میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ یہ ملک میں فساد پیدا کرتے ہیں، اصلاح نہیں چاہتے۔ ہر ایسا معاشرہ جہاں بیشتر مادی وسائل اور زندگی کی آسائشیں چند خاندانوں تک محدود ہوں وہاں امن اور سکون کا ہونا ممکن نہیں عوام بنیادی ضروریات زندگی سے بھی محروم ہوتے ہیں اور ملک افراتفری کا شکار ہوتا ہے۔ اس فساد کی اصل وجہ یہی بالائی طبقہ ہوتا ہے جو عوام کو لڑا کر اپنا اُلو سیدھا کرتا ہے۔ عوام کی ضروریات پر توجہ دیتا ہے نہ ان کی اصلاح سے کچھ غرض ہوتی ہے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے وہ اپنے بندوں کو ان ظالموں کے پنجۂ استبداد سے بچانے اور ان کی اصلاح کے لئے رسول بھیجتا ہے۔ لیکن یہ دشمنان ایمان رسول کے ہر کام میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ غرباء اور کمزور ان کے خوف سے ایمان لانے کی جراءت نہیں کرتے۔ چند دلیر قسم کے لوگ انبیاء کا ساتھ دیتے ہیں اور ظالموں کے مظالم کا تختہ مشق بنتے ہیں۔

۱۵۴۔ **مُسَحَّرِين**۔ سحر۔ عام معنی جادو کے ہیں۔ کھانے پینے کے محتاج ہو۔ کھانا دیئے جاتے ہو اسی سے سحری ہے۔

انبیاء کی دعویٰ ء نبوت سے قبل کی بے عیب زندگی ان کے سامنے ہوتی ہے وہ انہیں جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ انبیاء کی باتیں دلوں پر اثر کرتی ہیں اور جب عوام ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں تو اکثر انبیاء پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان پر جادو کیا گیا ہے تا کہ لوگ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں اور محض دیوانے کی بڑ سمجھیں۔ یا یہ کہ انہیں پیچھے سے مدد آ رہی ہے۔ جیسا کہ یہ الزام حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی لگایا گیا۔

۱۵۵۔۱۵۶۔ **شِرب**۔ پینے کا حصہ۔ پانی کی باری۔ **یوم معلوم**۔ مقررہ وقت۔

دنیا دار لوگوں کو کسی نبی میں کوئی مافوق الفطرت بات نظر نہیں آتی، وہ ایک اپنے جیسے انسان

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۷﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا
کوئی بُرائی ورنہ پکڑ لے گا تم کو عذاب دن بڑے کا پس انہوں نے کونچیں کاٹ دیں اس کی پس

نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَ
ہو گئے پشیمان پس پکڑا انہیں عذاب نے یقیناً اس میں البتہ نشان ہے اور

مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
نہیں ہیں اکثر ان میں سے مومن اور یقیناً رب تیرا البتہ وہی ہے غالب (اور)

الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِذْ قَالَ ع ۹ ۱۲
رحم کرنے والا تکذیب کی قوم لوط نے رسولوں کی جب کہا

کو نبی ماننے کو تیار نہیں ہوتے اور نہ انہیں کوئی نشان دکھائی دیتا ہے۔ پس ان کی فرمائش پر اللہ تعالیٰ نے صالح ؑ کی اونٹنی کو نشان قرار دیا۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لئے مقرر تھا اور ایک دن ساری قوم کے لئے اور یہ کہ اونٹنی اپنی باری پر سارے شہر کا پانی پی جاتی تھی۔ یہ سب کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ **کل شرب محتضر** (القمر:۲۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ چشمہ یا کنواں ایک معین وقت پر کھولا جاتا تھا۔ یہ ایک پہاڑی علاقہ تھا۔ بارش کی کمی کی وجہ سے ایسے مقامات پر پانی کے لئے وقت مقرر کرنا پڑتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اونٹنی کو اس کی باری پر روکا نہ جائے۔

۱۵۷۔ آپ اونٹنی پر سوار ہو کر تبلیغی سفر پر جاتے۔ (تفسیر صغیر از حضرت مصلح موعودؓ) شریر ایسے سفروں سے روکنے کے لئے اونٹنی کو ستاتے تھے، اسے کھانے پینے سے روکتے یا ایذا پہنچاتے تا کہ کمزور یا بیمار ہو جائے اور آپ یہ تبلیغی سفر جاری نہ رکھ سکیں۔ فرمایا اسے تنگ نہ کرو، کھلا پھرنے دو۔ ورنہ ایک بڑے دن کے عذاب کی لپیٹ میں آ جاؤ گے۔

۱۵۸۔ اس شریر قوم نے آپ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ لیا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ بعد میں نادم ہوئے کہ کہیں سچ مچ ہی عذاب نہ آ جائے۔ لیکن توبہ اور ایمان کی توفیق پھر بھی نہ ہوئی۔ حالانکہ اونٹنی کی ہلاکت کے بعد بھی انہیں تین دن کی مہلت دی گئی تھی۔

۱۵۹۔۱۶۰۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنی قہری تجلی دکھائی اور اس قوم کو صفحہ ہستی سے اس طرح مٹا دیا کہ یہ سرسبز و شاداب علاقہ ریت کے ٹیلوں میں تبدیل ہو گیا اور ان کے پہاڑوں پر بنے ہوئے مضبوط گھر اور دیگر حفاظتی تدابیر ان کے کچھ کام نہ آ سکیں۔ اس واقعہ میں ایک بھاری نشان یہ ہے کہ الٰہی جماعتوں کی تبلیغی مساعی میں روڑے اٹکانا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیتا ہے۔ بیشک اس قوم کی اکثریت ایمان سے محروم رہی لیکن حضرت صالح ؑ قوم ثمود کی تباہی کے بعد جس قوم کی طرف پیغام حق لے کر گئے وہاں انہیں غلبہ نصیب ہوا اور تیرے رب کا غالب ہونا ثابت ہو گیا اور تیرے

لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۶۱﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۶۲﴾
ان سے ان کے بھائی لوط نے کیا نہیں تقویٰ کرتے تم یقیناً میں تمہارے لیے رسول ہوں امانت دار

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ
پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۴﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ
ہے اجر میرا مگر ذمہ رب العالمین کے کیا تم آتے ہو مردوں کے پاس

الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ
دُنیا میں سے اور تم چھوڑتے ہو جو پیدا کیا تمہارے لیے رب تمہارے نے بیویوں میں سے تمہاری

بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ
بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو کہا انہوں نے البتہ اگر نہ باز آیا تو اے لوط ضرور ہو گا تو

مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ
(قوم سے) نکالے گئے ہوؤں میں سے اس نے کہا یقیناً میں کام سے تمہارے بیزار ہوں اے رب میرے

نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۷۰﴾
نجات دے مجھے اور گھر والوں کو میرے اس سے جو وہ کرتے ہیں پس نجات دی ہم نے اُسے اور اسکے گھر والوں کو سب کو

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۷۲﴾ وَ
سوائے ایک بڑھیا کے پیچھے رہنے والوں میں پھر ہلاک کیا ہم نے دوسروں کو اور

ربّ کی صفتِ رحیمیت کے طفیل ایک بڑی قوم کو ہدایت نصیب ہوئی۔

۱۶۱ تا ۱۷۲۔ **قالین**۔قلی شدتِ بغض کو کہتے ہیں۔قالی بغض رکھنے والا۔**ماودعک ربک وماقلیٰ**۔سورۃ الضحیٰ:۳۔ **قالین**۔سخت متنفر۔

حضرت لوطؑ کا ذکر سورۃ الاعراف:۸۱ تا ۸۵ اور سورۃ الحجر:۶۲ تا ۷۸ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ان مقامات سے استفادہ فرمایئے۔آپ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے انہی کے ساتھ ہجرت فرمائی آپ کا زمانہ قریباً دو ہزار سال قبل مسیح تھا۔آپ سدومیوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ان کی مشہور بستیاں سدوم اور عمورہ تھیں اور یہ نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔اس قوم کا سب سے بڑا جرم ہم جنس پرستی تھا۔حضرت لوطؑ کی سالہا سال کی تبلیغ و ہدایت کے باوجود یہ قوم اپنی سرکشی اور فحاشی میں بڑھتی چلی گئی۔بجائے اپنی اصلاح کے اللہ تعالیٰ کے پیارے کی دشمن ہو گئی اور دوسرے مکذبین انبیاء کی طرح آپ کو ملک سے نکال دینے کی دھمکی دی۔معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے پہلے بھی کئی مصلح اس قوم میں آئے لیکن انہوں نے نکال باہر کئے۔حضرت لوطؑ نے اس مجرم قوم کے قابل نفریں فعل سے بیزاری کا اظہار فرمایا لیکن ان خطا کاروں سے نفرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنے اخلاقی کمال کا مظاہرہ

أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ فِي
برسائی ہم نے ان پر بارش پس بُری ہوئی بارش ڈرائے ہوؤں کی یقیناً

ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
اس میں البتہ نشان ہے اور نہیں ہیں اکثر ان میں سے مومن اور یقیناً رب تیرا البتہ وہی ہے

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَ أَصْحَابُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۶﴾ ۹ ع ۱۶ ۱۳
غالب (اور) رحم کرنے والا تکذیب کی بن والوں نے رسولوں کی

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۷۸﴾
جب کہا انہیں شعیب نے کیا نہیں تقویٰ کرتے تم یقیناً میں تمہارے لیے رسول ہوں امانتدار

کرتے ہوئے ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہے۔لیکن جب انہوں نے بدی سے الگ نہ ہونا چاہا، ان کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہی اور حُجت تمام ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مع اس کی آل کے بچا لیا۔سوائے آپ کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی یعنی انہیں میں سے تھی اور ان کی ہم نوا تھی۔لفظ **عجوزًا** میں اللہ تعالیٰ کی سخت ناپسندیدگی کا اظہار ہے کہ اسے بڑھیا کہا۔

۱۷۳۔۱۷۴۔پھر اس قوم کو عذابِ الٰہی نے آلیا۔یہ عذاب شدید زلزلہ اور آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹ جانے سے آیا۔طوفانی ہواؤں نے بھی تباہی مچائی اور جلتے ہوئے پتھروں کی بارش ہوئی۔تاریخ سے ثابت ہے کہ شدید آتش فشانی سے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے لے کر بعض اوقات سینکڑوں ٹن وزنی پتھروں کی بارش ہوتی ہے۔زلزلہ کی وجہ سے زمین کے پھٹ جانے سے بحرہ مردار کا پانی اس پر پھیل گیا۔آج بحرہ مردار کا جنوبی کم گہرا حصہ کسی زمانے میں اس بدبخت قوم کا مسکن تھا۔

۱۷۵ تا ۱۷۶۔بیشک اربابِ بصیرت کے لئے اس میں ایک بڑا نشان تھا لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے۔اہلِ مکّہ کے لئے بھی اس میں ایک زبردست نشان تھا کہ اگر قومِ لوط ایک زلزلہ سے اوپر سے نیچے ہو گئی اور مٹی میں دب گئی تو صنادیدِ مکّہ بھی جن کی گردنیں ہمیشہ اکڑی رہتی تھیں بہت جلد اپنی بداعمالیوں کے باعث بدر کی مٹی میں ملیامیٹ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کا غالب ہونا ثابت ہو گیا۔پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا کو اپنی رحیمیت کی چادر میں ڈھانپ لیا اور ایک عرصہ تک اسلام کا عروج رہا۔

۱۷۷ تا ۱۷۹۔ ترتیب کے لحاظ سے اس رکوع میں اب حضرت شعیبؑ کا ذکر ہے جو اہلِ مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔یہ قوم خلیج عقبہ کے قریب اُن بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں کے سنگھم

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٨٠﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍۚ

پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو میری اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨١﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا

نہیں ہے اجر میرا مگر ذمہ رب العالمین پر پورا کرو ماپ اور نہ ہو

مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨٢﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٣﴾ وَلَا

کم دینے والوں میں سے اور تولو ساتھ ترازو درست کے اور نہ

تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٤﴾

کم دو لوگوں کو چیزیں ان کی اور نہ فساد کرو زمین میں مفسد بن کر

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٥﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

اور ڈرو اس سے جس نے پیدا کیا تم کو اور خلقت پہلی کو انہوں نے کہا سوائے

پر آباد تھی جو خلیج فارس سے مصر اور یمن سے شام کو جاتی تھیں۔یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔شرک کے علاوہ تجارتی بدعنوانیوں مثلاً ناپ تول میں کمی اور دھوکہ دہی وغیرہ جرائم میں ملوث تھے۔رہزنی اور لوٹ مار ان کا شیوہ تھا۔اس لئے تجارتی سفر محفوظ نہیں تھے۔(ان کے حالات تفصیلاً سورۃ الاعراف: ۸۶ تا ۹۴ اور سورۃ ھود: ۸۵ تا ۹۶ گزر چکے ہیں) حضرت شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ کے قریب کے زمانہ میں ہوئے۔یہ موسیٰؑ والے شعیب نہیں تھے جو کہ مدین کے ایک بزرگ تھے اور نبی نہیں تھے۔

۱۸۰۔۱۸۱۔ انبیاءؑ امت کے لئے بطور باپ ہوتے ہیں جن کی اطاعت امت پر فرض ہے۔ ہر نبی یہی وضاحت کرتا ہے کہ بیشک تم پر میری اطاعت فرض ہے لیکن درحقیقت مَیں تمہارا خادم ہوں جو بغیر کسی معاوضہ کے دن رات تمہاری تربیت و اصلاح اور دعاؤں کے لئے وقف ہوں۔

۱۸۲ تا ۱۸۴۔ کسی کی حق تلفی محض ماپ تول کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کسی کے حق میں کمی کرنا بھی اس میں شامل ہے۔جیسے کام پورا لینا معاوضہ کم دینا یا کام پورا نہ کرنا اور معاوضہ پورا وصول کرنا،سیدھی اور کھری بات نہ کرنا بلکہ فریب اور دھوکہ دہی سے اپنا کام نکالنا۔غرض زندگی کے ہر شعبے سے اس کا تعلق ہے۔تجارتی بد دیانتیوں کے علاوہ یہ قوم لوٹ مار اور قتل و غارت گری جیسی کئی اخلاقی بُرائیوں میں بھی ملوث تھی۔

۱۸۵۔ **جِبِلَّة**۔جماعت۔خلقت۔فطرت۔

حضرت مصلح موعودؓ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ جس طرح بنی نوع انسان ہر روز موت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود موت بھلا دیتے ہیں۔اسی طرح قومیں بھی دوسری قوموں کا تنزل دیکھنے کے باوجود اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتیں۔حضرت شعیبؑ نے اسی نکتہ کی طرف توجہ دلائی۔

اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٦﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

آپ کے نہیں کہ تو جادو کئے ہوؤں میں سے ہے اور نہیں تو مگر انسان مانند ہماری اور یقیناً گمان کرتے ہیں ہم

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿١٨٧﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ

تجھے البتہ جھوٹوں میں سے پس گرا ہم پر ٹکڑا آسمان سے اگر ہے

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٨٨﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٩﴾ فَكَذَّبُوْهُ

تو سچوں میں سے اس نے کہا رب میرا خوب جانتا ہے اسے جو تم کرتے ہو پس تکذیب کی انہوں

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ

نے اسکی پس پکڑا انہیں عذاب نے دن سائبان والے کے یقیناً وہ تھا عذاب دن

۱۸۶۔۱۸۷۔ **مُسَحَّرِين**۔سحر۔ لفظی معنی کھانا دیا جانے کے ہیں۔مراد مدد دیا جانا۔اسی سے سحری ہے۔جادو کئے ہوئے۔فریب خوردہ۔

یہ ایک تجارت پیشہ قوم تھی جو مالی مفادات اور مادی لذات کے حصول کے لئے ہر جائز و ناجائز ذرائع کا استعمال اپنا حق سمجھتی تھی۔حضرت شعیبؑ انہیں غلط ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے سے منع فرماتے تو وہ یہ سمجھتے کہ انہیں کہیں سے رشوت دے کر ہماری تجارت کو تباہ کرنے کا پروگرام بنایا جا رہا ہے۔گویا ان کا ذہن یہ بات قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھا کہ حلال کمائی میں بھی برکت ہو سکتی ہے۔یہ بھی مراد ہے کہ وہ آپ کو سحر خوردہ سمجھتے تھے کہ آپ خدا نخواستہ مخبوط الحواس ہو گئے ہیں۔جو انہیں ایسے طریق بتا رہے ہیں جن میں سراسر خسارہ ہے اس لئے ان کی نظر میں آپ کی باتیں درخور اعتنا نہیں تھیں۔

۱۸۸۔ **کِسفًا**۔**کِسفة** کی جمع ہے۔کسی چیز کا ٹکڑا۔

انہوں نے اس قسم کے عذاب کا مطالبہ خود کیا کہ اگر تو سچا ہے تو آسمان سے ہم پر کوئی بادل کا ٹکڑا گرا دے جو بارش،سرسبزی اور شادابی لانے کی بجائے ہم پر تباہی اور بربادی لائے گویا آسمان ہم پر ٹوٹ پڑے۔

۱۸۹۔حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ عذاب ہمیشہ اتمامِ حجت کے بعد آتا ہے۔جب تمہارے بداعمال اُس حد تک پہنچ جائیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کی سزا لازم ہو جاتی ہے تو سزا ضرور ملے گی۔اور یہ سزا جرائم کی نوعیت کے مطابق ہوگی نہ کہ تمہاری فرمائش کے مطابق۔

۱۹۰۔ **الظُّلَّةُ**۔بادلوں میں سے پہلا بادل جو زمین پر سایہ ڈالتا ہے۔تباہی اور نحوست والے بادل کے سائے پر **ظُلَّة** کا لفظ بولا جاتا ہے۔(مفردات) سائبان۔

عَظِيْمٍ ﴿١٩٠﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩١﴾

بڑے کا — یقیناً — اس میں البتہ نشان ہے — اور نہیں ہیں — اکثر ان میں سے — ایماندار

ع ۱۶ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٩٢﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ

۱۰ ۱۴ اور یقیناً رب تیرا البتہ وہی ہے غالب (اور) رحم کرنے والا — اور یقیناً یہ البتہ اُتارا ہوا ہے رب

جب جھٹلانے سے باز نہ آئے اور حجت تمام ہوگئی تو بادو باراں کے شدید طوفان نے انہیں گھیر لیا۔ پس جس قسم کا عذاب مانگا تھا ویسا ہی عذاب نازل ہُوا جو ہمیشہ کے لئے بطور نشان رہ گیا۔ اس تباہ کن عذاب نے انہیں گھروں سے نکلنے کی مہلت تک نہ دی اور وہ اپنے ہی گھروں کے گرنے سے دب کر ہلاک ہو گئے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ چھتری کی طرح کے ایک سائبان نے ان کو ڈھانپ لیا تھا جس کے باہر وہ نکل نہیں سکتے تھے۔ روایت ہے کہ اس سائبان نما بادل سے پانی کے بجائے آگ برسی جس سے سب بھسم ہو گئے۔ (کذاروی عن ابن عباس۔ روح)

قرآنی آیات ہمیشہ دہرائی جاتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ ایٹمی جنگ کی طرف بھی اشارہ ہے جس کے عذاب کی شکل بعینہٖ یہ ہوتی ہے اور یہ آخری زمانہ کی تباہی کی طرف ایک اشارہ ہے۔

۱۹۱۔۱۹۲۔ بیشک ان ساتوں انبیاء کی قوموں کی اکثریت ان پر ایمان نہیں لائی اور سوائے قومِ ابراھیم کے یہ تمام اقوام عذابِ استیصال کا شکار ہوئیں۔ مگر اے محبوبِ خدا! تیرا ربّ غالب اور بار بار رحم کرنے والا ہے پس تیری قوم باوجود شدید مخالفت اور بداخلاقیوں کے ایمان کی سعادت سے بہرہ مند ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا نعمتوں کی وارث بنے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ان آیات کو بار بار دہرایا گیا۔ یہ اعتراض کہ بار بار مثالیں دینے کے باوجود آپ ﷺ کی قوم پر عذابِ استیصال کیوں نہیں آیا اصولاً غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ ساری دنیا کی طرف مبعوث ہوئے تھے صرف عربوں کی طرف نہیں۔ لہٰذا اگر عذاب مقدر ہوتا تو پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا جب کہ آپ ﷺ کا پیغام ابھی ساری دنیا تک پہنچا ہی نہیں تھا۔ پس وہ عذاب کے مورد کس طرح ہو سکتے تھے۔ ہاں آپ ﷺ کے مسیح موعودؑ کے زمانہ میں یہ پیغام ساری دنیا تک پہنچا ہے اور اکثریت نے تکذیب کی۔ پس آج ساری دنیا پر وقتاً فوقتاً عذاب نازل ہو رہے ہیں نیز حیرت انگیز مادی ترقی کے باوجود پوری انسانیت بے چینی، افراتفری اور یاسیت کی وجہ سے بے شمار نفسانی عوارض کا شکار ہے چونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے عذابِ استیصال سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رکھے گا۔ انشاء اللہ نیز آپ ﷺ ابراھیمی مسلک پر تھے اور حضرت ابراھیمؑ کی قوم عذابِ استیصال سے بچائی گئی تھی۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٣﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٤﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ

العالمین کا — اتارا ہے اسے — روح — الامین نے — دل پر تیرے — تاکہ ہو تو

مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿١٩٥﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿١٩٦﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ

ڈرانے والوں میں سے — زبان — عربی — کھلی کھلی میں — اور یقیناً وہ البتہ کتابوں میں

رَبُّکَ کا لفظ قرآنِ کریم میں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ۲۱۱ دفعہ آیا ہے۔ جبکہ یہ لفظ حضرت ابراھیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کے لئے صرف ایک ایک مرتبہ آیا ہے۔ یہ اس شدتِ انسیت کے اظہار کے لئے ہے جو اللہ جلّ شانہٗ کو اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ **رَبُّکَ** میں آپ ﷺ کو تسلی دی کہ جس ربّ نے بچپن سے تجھے اپنے کنارِ عاطفت میں جگہ دی۔ ہر قدم پر آپ ﷺ کی ربوبیت فرمائی اور جس طرح اس امّی کو شعور و آگہی اور عرفانِ الٰہی سے نوازا وہ اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا اور کبھی ناکام و نامراد نہیں کرے گا۔

پس **اِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْم ٥** میں ان بے حد و حساب احسانات کی طرف اشارہ ہے جو موسلا دھار بارش کی طرح آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی وساطت سے آپ ﷺ کی امت پر برسے۔ آپ ﷺ کو انشاء اللہ ساری دنیا پر غلبہ نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت با[illegible]وش میں آئے گی۔ ہر اندھیری رات کے بعد جو اس امت پر چھا جائے گی پھر ایک روشن دن طلوع ہوگا، جس کا سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمکے گا اور ایک عالم کو منور کر دے گا۔

۱۹۳ تا ۱۹۶۔ اس آخری رکوع میں مضمون کو رکوع اوّل کے مضمون کی طرف لوٹایا گیا ہے۔ جبکہ درمیان میں مختلف انبیاءؑ کا ذکر کیا جو بعض خاص قوموں کی طرف ان کی بعض مخصوص کمزوریوں کو دور کرنے اور انہیں ہدایت دینے آئے تھے۔ جو کام ان انبیاء کو الگ الگ تفویض ہوئے وہ تمام کام تنہا امّی رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کو احسن ترین طریق سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور سب سے بڑھ کر کامیاب ہوئے۔ ہر نبی کسی ایک صفت کا خاص طور پر حامل ہوتا ہے۔ جبکہ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءؑ کے اوصاف اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔ گویا جامعِ جمیع کمالاتِ متفرقہ تھے۔ آپ ﷺ پر تمام جہانوں کی ہدایت کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ آپ ﷺ کو سب سے اکھڑ اور جاہل قوم ملی جو تمام بُرائیوں میں ملوث تھی۔ لیکن آپ ﷺ کی قوتِ قدسیہ نے انہیں پارس بنا دیا۔ آپ ﷺ کی تربیت نے حضرت ابوبکرؓ،

الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۷﴾ اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ

ہے پہلوں کی کیا نہ ہوا ان کے لیے نشان کہ جانتے ہیں اسے علماء بنی

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ پیدا کیے۔جن کی دنیا میں نظیر نہیں۔ فرمایا میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے ہم مرتبہ ہوں گے۔**عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِیَ اسرَآءِیلَ**۔(مکتوب امام ربانی دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ ۳۳ مکتوب ۲۳۴)

قرآنِ کریم کا آغاز ہی اللہ تعالیٰ کی صفت ربّ العالمین سے ہُوا یعنی تمام جہانوں کی مادی اور روحانی ربوبیت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔قرآن اور صاحب قرآن پر بھی ظلّی طور پر یہی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔فرمایا قرآن ربّ العالمین کی طرف سے اتارا گیا ہے جسے جبریل امین لے کر تیرے قلبِ مطہر پر اترا ہے۔تا کہ تو بھی انبیاء سابقہ کی طرح سے ڈرانے والوں میں سے ہو۔قلب پر نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جو خیال دل میں آئے وہ وحی ہے۔وحی معین الفاظ میں نازل ہوتی ہے اور اس کی تکرار ہوتی ہے۔وحی آپ ﷺ کو پڑھائی جاتی تھی (سورۃ القیمۃ رکوع ۱) آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوئی وہ تمام انبیاء کی وحی سے اعلیٰ و اکمل تھی۔حضرت جبریلؑ کو روح الامین کہنے میں اشارہ تھا کہ جو کچھ آپ کو دیا جاتا ہے اسے من وعن پہنچاتے ہیں۔ہرگز خیانت نہیں کرتے۔(وحی کی تفصیل سورۃ نجم آیت ۵)

العربی کے معنی ایسی زبان کے ہیں جو اپنے مطالب کو خوب کھول کر بیان کرتی ہے (مفردات) حضرت مصلح موعود تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔مبین وہ ہے جو صرف اپنے مقاصد پر ہی قدرت نہیں رکھتی بلکہ اپنے ساتھ دلائل بھی رکھتی ہے۔نیز فرمایا کہ قرآنِ کریم کا عربی زبان میں ہونا معجزہ نہیں بلکہ عربی مبین میں ہونا معجزہ ہے۔اس لئے کہ قرآنِ کریم جو دعاوی کرتا اور احکام دیتا ہے اس کے دلائل بھی ساتھ ہی پیش کرتا ہے۔گویا کوئی دعویٰ بلا دلیل نہیں۔

۱۹۷۔**زُبُر**۔زبور کی جمع ہے۔**الزبور** کے معنی الکتاب کے ہیں (اقرب) پہلوں کے صحیفوں میں مذکور ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم اور رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں پہلی الہامی کتب میں موجود ہیں۔(تفسیر ابنِ جریر) کل انبیاء نے نبیٔ آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں فرمائیں۔باوجود تحرّف وتبدّل کے الٰہی تصرف سے اَن گنت پیشگوئیاں اب بھی بائبل اور انبیائے سابقہ کے صحیفوں میں موجود ہیں جو آپ ﷺ کی صداقت کی دلیل ہیں۔یہ بھی مراد ہے کہ یہ قرآن گزشتہ صحائف میں موجود ہے یعنی اس کی اصولی تعلیم ان میں موجود ہے۔اس

اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۸﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ فَقَرَاَهٗ

اسرائیل اور اگر اتارتے ہم اسے کسی غیر عرب پر پھر وہ پڑھتا

عَلَیْهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ کَذٰلِکَ سَلَکْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ

اسے ان پر نہ ہوتے اس کو ماننے والے اسی طرح چلائی ہے ہم نے یہ بات دلوں میں

لئے کہ بنیادی صداقتیں تمام الہامی کتابوں میں ایک ہی ہیں۔کسی الہامی کتاب میں شرک کی تعلیم نہیں۔زبور کے معنی تختی، ورق اور ٹکڑا بھی ہے۔اس لحاظ سے یہ معنی بھی ہے کہ پہلے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہُوا۔کچھ حصہ حضرت داؤدؑ کو ملا، کچھ حضرت موسیٰؑ کو اور کچھ دوسرے انبیاء کو۔اب مکمل قرآن کی صورت نازل ہُوا ہے۔(بائبل کی پیشگوئیوں کے لئے ملاحظہ فرمائیں: یسعیاہ باب ۴،۵۔ ۵،۱۴/۲۱-۹ تا ۱۳/۲۸-۱۴،۱۶/۴۵-۴،۱۴/۵۱-۶ تا ۲۲/۶۰-استثناء-۱۹/۱۸-۲/۳۳-زبور ۲۲/۱۱۸- غزل الغزلات-۱۶/۵ دانیال-۴۴/۲ حبقون ۱۳/۳-متی ۳۳/۲۱- لوقا-۹/۴۴- یوحنا-۵/۱- ۲۰/۴-۱۴/۶-۱۶/۱۴-۷،۱۴/۱۶-اعمال-۲۰ تا ۲۲/۳-اکرنتیوں ۹،۱۰/۳) ان تمام مقامات پر آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔

۱۹۸۔علمائے بنی اسرائیل کا بطور خاص ذکر کیا۔کیونکہ تمام الہامی کتابوں میں سے بائبل میں قرآنِ کریم اور نبی اکرم ﷺ کے متعلق سب سے زیادہ پیشگوئیاں ہیں۔علمائے بنی اسرائیل پہچانتے تھے کہ یہ قرآن اور رسول انبیائے بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں کے مطابق ہے۔جن لوگوں کو ایمان کی توفیق ہوئی جیسے عبداللہ بن سلام اور زید بن سعنہ وغیرہ وہ برملا اس کا اعتراف کرتے تھے۔جو ایمان نہیں لائے ان میں سے بھی بعض نے اعتراف کیا جیسا کہ حضرت صفیہؓ اپنے والد اور چچا کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو مل کر آئے اور اعتراف کیا کہ یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر بائبل میں ہے مگر ہم ہرگز نہیں مانیں گے اور اس کی بات چلنے نہیں دیں گے۔(ابنِ ہشام جلد دوم صفحہ ۱۶۵ طبع جدید)

۱۹۹-۲۰۰۔اگر یہ قرآن کسی غیر عربی پر نازل ہوتا اور وہ اسے ان کے سامنے پڑھ کر سناتا تو انہیں اعتراض ہوتا کہ ہم عرب ہیں اور یہ رسول غیر زبان بول رہا ہے ہم اس پر کیسے ایمان لائیں۔جبکہ تمام الہامی کتابیں ہمیشہ ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوئیں جو ان انبیاء کے اوّل مخاطب تھے۔نیز ان کو اعتراض ہوتا کہ جس کو ہم جانتے نہیں۔اس کے حالات سے واقف ہیں نہ اس کی زبان جانتے ہیں اس کو کیسے سچا مان لیں۔آنحضرت ﷺ تو اسی قوم میں سے تھے اور آپ ﷺ کی ساری

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٢٠١﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٢٠٢﴾

مجرموں کے — نہیں ایمان لائیں گے — اس پر یہاں تک کہ دیکھیں — عذاب — دردناک

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ

پس وہ آئیگا انکے پاس — اچانک — اور وہ — نہ سمجھتے ہوں گے — پس وہ کہیں گے — کیا — ہم

زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھی۔ وہ جانتے تھے کہ جس شخص نے کبھی انسانوں سے جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا تھا۔ اگر یہ قرآن کسی غیر عربی پر نازل ہوتا تو سابقہ صحائف کی پیشگوئیاں غلط ثابت ہوتیں اور کوئی ایمان نہ لاتا۔ وہ تمام پیشگوئیاں صرف قرآنِ کریم اور آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر ہی صادق آتی ہیں۔ عربی میں قرآنِ کریم نازل ہونے کی وجہ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت بھی ہے۔ یہ **اُمّ الالسنه** ہے۔ عربی کا ایک ایک لفظ گویا کوزے میں دریا بند ہے اور کسی پہلو سے بھی کوئی اور زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نہ کوئی زبان عالمی کلام ہونے کی طاقت رکھتی ہے۔ ساری دنیا کو تعلیم دینے کے لئے عالمی صلاحیتوں کی حامل صرف یہی زبان ہے۔ عربوں کو اپنی زبان پر بجاطور پر ناز تھا۔ یہ زبان اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھائی پھر اس سے باقی زبانیں پھوٹیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! عرب سے محبت کرو تین باتوں کے سبب سے۔ ایک تو یہ کہ میں عربی ہوں دوسرا یہ کہ قرآن عربی زبان میں ہے تیسرا یہ کہ جنتیوں کی زبان عربی ہے۔ (بیہقی)

٢٠١ تا ٢٠٣۔ **سَلَكْنٰهُ**۔ **سلک**۔ کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کیا۔ جیسے ہاتھ جیب میں داخل کیا یا دھاگا سوئی میں۔ (اقرب) **سَلَكْنٰهُ**۔ ہم نے اس کو داخل کیا۔ **سَلَكْنٰهُ** کی ضمیر انکار کی طرف جاتی ہے۔ اِن مجرمین کو نہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں کوئی خوبی نظر آئی اور نہ گزشتہ انبیاء کی پیشگوئیاں آپ ﷺ پر صادق ہوتی دکھائی دیں۔ اس سورۃ میں سات انبیاءؑ کی قوموں کا ذکر ہُوا کہ انہوں نے نشانات دیکھنے کے باوجود اپنے انبیاء کا انکار کیا۔ یہ لوگ بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلے۔ جس طرح ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں کفر کو داخل کیا اسی طرح ہم نے اِن تمام مجرمین کے دلوں میں کفر کو داخل کر دیا ہے اور وہ دردناک عذاب کو دیکھے بغیر اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ جس طرح پچھلی قوموں پر اچانک عذاب آئے جن کا ابھی ذکر گزرا ہے اسی طرح ان پر بھی اچانک عذاب آئے گا اور یہ سمجھ نہیں سکیں گے کہ یہ کہاں سے آیا۔ چنانچہ فتح مکّہ کے روز بعینہٖ یہی نقشہ تھا کہ اچانک دس ہزار قدوسیوں کے لشکر جرار کو دیکھ کر ابوسفیان جیسا تجربہ کار جرنیل ہکا بکا رہ گیا کہ یہ

مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٥﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

مہلت دیئے جائیں گے — کیا پس عذاب ہمارے کی جلدی کرتے ہیں — کیا پس دیکھا تو نے کہ اگر فائدہ پہنچائیں ہم انہیں

سِنِيْنَ ﴿٢٠٦﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

کئی سال — پھر آئے انکے پاس وہ جس کا — ہیں وہ وعدہ دیئے جاتے — تو نہ کام آئے گا — انہیں

مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا

جو — تھے وہ — فائدہ پہنچائے جاتے — اور نہ — ہلاک کی ہم نے — کوئی — بستی — مگر اس کیلئے

مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٩﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢١٠﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ

ڈرانے والے تھے — نصیحت کیلئے — اور نہ تھے ہم — ظالم — اور نہیں — اُتارا

کیسے ہُوا۔ اس اچانک عذاب کو دیکھ کر آپ ﷺ کی قوم ایمان لے آئی۔ جبکہ گزشتہ اقوام میں سے اکثر ایمان نہ لاکر عذاب کی لپیٹ میں آئے۔

٢٠٤۔٢٠٥۔ **مُنظرون**۔ **مُنظر** کی جمع ہے۔ **اَنظَرَہٗ**۔ اس کو مہلت دی (اقرب) **مُنظرون** مہلت دئے ہوئے۔

کفار اکثر جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے تھے کہ اگر سچا ہے تو پہلی قوموں کی طرح ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ جب عذاب آن پہنچے گا تو مہلت چاہیں گے۔ یہاں بطور طنز کہا کہ اسی لئے عذاب کے لئے جلدی کر رہے تھے کہ جب آئے تو مہلت مانگیں۔

٢٠٦ تا ٢٠٨۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم انہیں کئی سال تک مہلت دیئے جاتے تو بھی یہ اس مہلت سے کوئی روحانی فائدہ حاصل نہ کرتے بلکہ اس مہلت کو دنیوی فوائد کے حصول میں ہی ضائع کر دیتے۔ پھر جب وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ان کو آن پکڑتا تو وہ مادی مفادات جو انہوں نے اس مہلت کے دوران حاصل کئے ان کے کچھ کام نہ آتے، اور ان کو اس تباہی سے نہ بچا سکتے۔

٢٠٩۔٢١٠۔ اگر نذیر بھیجے بغیر کوئی بستی تباہ ہو جاتی تو اہلِ بستی یہ کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ ہم پر ظلم ہُوا۔ کوئی ڈرانے والا آتا تو ہم اپنی اصلاح ضرور کر لیتے۔ پس نذیر اسی لئے بھیجے کہ ان کو نصیحت پہنچ جائے۔ ذکریٰ میں بتایا کہ ڈرانے والوں کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ یہ نصیحت حاصل کر لیں۔ پس نبی کی بعثت کے بعد مہلت دی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد رحیم ہے، ظالم نہیں۔ بغیر اتمامِ حجت عذاب نازل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ تو اتنا رحیم ہے کہ چند بندوں کی توبہ سے پوری بستی سے عذاب کو ٹال دیتا ہے۔ کیا ہر تباہ ہونے والی بستی میں نذیر آیا؟ (ملاحظہ فرمائیں سورۃ بنی اسرائیل آیت: ١٦۔)

الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ اِنَّهُمْ عَنِ

شیطانوں نے اور نہ مناسب تھا ان کیلئے اور نہ طاقت رکھتے تھے یقیناً وہ

السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۳﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

سننے سے البتہ روکے گئے ہیں پس نہ پکار ساتھ اللہ کے معبود دوسرا ورنہ تو ہو جاویگا

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ وَ

عذاب دیئے ہوؤں میں سے اور ڈرا اپنے قبیلہ نزدیکیوں کو اور

۲۱۱ تا ۲۱۳۔ اس رکوع کے آغاز میں فرمایا کہ اس کلام پاک کو لے کر ایک امانت دار فرشتہ تیرے قلبِ مطہر پر نازل ہوا ہے۔ سورہ نحل رکوع ۱۴ میں بتایا کہ اس وحی کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ قرآنِ کریم نے اکثر کفار کے سوال دہرائے بغیر جواب دیا۔ اس جواب میں ہی ان کا سوال واضح ہو جاتا جیسا کہ الحاقہ آیت ۴۲، ۴۳ میں آپ ﷺ پر لگائے گئے دو الزامات کی تردید کی **وما ھُوَ بقولِ شاعر ط قلیلاً مّاتؤمنون o ولا بقول کاھن ط قلیلًا ماتذ کّرون o** یہاں بھی انہیں دو الزامات کی تردید فرمائی۔ اُن دنوں عرب میں کہانت کا زور تھا۔ کفار آپ ﷺ پر الزام لگاتے کہ آپ ﷺ پر بھی شیطان اترتے ہیں جو کچھ غائب کی خبریں بتا دیتے ہیں۔ یہاں خوب کھول کر بتا دیا کہ شیاطین ہوں یا ارواحِ خبیثہ یا جنات وغیرہ کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ قرآنِ پاک کے قریب بھی پھٹک سکیں۔ انہیں تو یہ قدرت ہی حاصل نہیں بلکہ وہ تو ملاء اعلیٰ کی باتوں کو سننے کے مجاز ہی نہیں چہ جائیکہ کلامِ الٰہی لے کر اتریں۔

اس سورۃ میں انبیائے سلف کی تعلیم کے اس حصہ پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور نبی ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ جبکہ کاہن اور جادوگر وغیرہ کبھی نیکی اور تقویٰ کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ ان کے ذریعہ لوگ اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچاتے یا اپنے معشوقوں کا دل رام کرتے اور اس کے عوض انہیں معقول معاوضہ ادا کرتے۔ غرض یہ بدی میں معاون ضرور ہوتے ہیں مگر صداقت و امانت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ پر الزام لگاتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتے کہ قرآنی تعلیم تو سراسر شیطان کی بیخ کنی کرتی ہے۔ شیطان اپنے خلاف تعلیم لا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی کس طرح مار سکتا ہے۔ اسی سورۃ کی آخری آیات میں شاعر ہونے کے الزام کو بھی ردّ فرمایا۔

۲۱۴۔ انبیائے کرام کا تو شرک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اصل مخاطب لوگ ہی ہیں جن کو توحید کی طرف بلانے پر وہ مامور ہوتے ہیں۔

اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۶﴾ فَاِنْ

جھکا بازو اپنا ان کے لیے جنہوں نے پیروی کی تیری مومنوں میں سے پھر اگر

۲۱۵۔ سب سے پہلا حق یہاں بھی اقربین کا ہی ہے کہ سنت ابراھیمی کے اتباع میں اس دعوت کا آغاز خود اپنے خاندان سے کرو۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ کسی انسان کے حالات کا صحیح علم سب سے زیادہ اس کے قریبیوں کو ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث بخاری کے مطابق آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ، اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے تبلیغ کا آغاز کیا اور انہیں بتایا کہ تم آگ کے عذاب سے خود کو بچانے کی فکر کر لو۔ میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے خاندان میں سے حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت زیدؓ اور دوستوں میں حضرت ابوبکرؓ فوراً ایمان لے آئے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ذریعہ اپنے عزیز و اقارب کو دعوت پر بلایا۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ وعظ فرمانے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ وہ سب چلتے بنے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ دعوت پر بلایا اور کھانے سے پہلے وعظ شروع کی لیکن ابولہب وغیرہ نے شور مچا دیا اور آپ ﷺ کی بات نہ سنی۔ ایک صبح آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے قریش سمیت تمام قبیلوں کو پکارنا شروع کیا۔ عرب کے دستور کے مطابق جب دشمن کا خطرہ ہوتا تو ایسا کیا جاتا۔ یہانتک کہ تمام قبیلوں کے سردار یا ان کے نمائندے اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ بظاہر ایسا ممکن نہیں تھا پھر بھی سب نے کہا کہ ہاں! ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ فرمایا میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ پھر چند ایک نصائح فرمائیں۔ اس پر آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے کہا کہ تم پر ہمیشہ بربادی ہو۔ کیا اسی لئے ہمیں اکٹھا کیا؟ اس پر **تبّت یدآ ابی لھب وتبّ o** والی سورۃ نازل ہوئی۔ بیشک آپ ﷺ کا پورا خاندان فوراً مسلمان نہیں ہوا لیکن انہوں نے آپ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہانتک کہ شعبِ ابی طالب میں تین سال نہایت تکلیف دہ حالات میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔

مومنین کا بھی فرض ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع میں اپنے نفس کے بعد سب سے پہلے اپنے اہل و عیال، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو ہدایت کی طرف بلائیں۔ پھر علیٰ ھذا القیاس اپنی تبلیغی مساعی کو وسیع کرتے جائیں یہانتک کہ صحابہ کرام کی طرح ایک عالم کے مزکّی و معلّم بن جائیں۔

۲۱۶۔ وخفض۔ **خَفَضَ**۔ نیچا کیا۔ یہ رفع کی ضد ہے۔ **خافضۃ رافعۃ**(۵۶۔۴) کسی

عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ

وہ نافرمانی کریں تیری تو کہدے یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو اور بھروسہ کر عزت والے

الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۸﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۹﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

بہت رحم کرنیوالے پر وہ جو کہ دیکھتا ہے تجھے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور پھرنا تیرا

السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۲۰﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۱﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

سجدہ کرنیوالوں میں یقیناً وہ ہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے کیا آگاہ کروں میں تم کو

کو پست کرے کسی کو بلند۔ **وخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین** o کے معنی **تواضع لھم** کے ہیں۔ کہ مومنین سے خاکساری سے پیش آ۔ مشفقانہ سلوک فرما۔

بازو جھکانا عرب میں محاورہ ہے جو جانوروں کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔ مرغی وغیرہ اپنے پر پھیلا کر اپنے بچوں کو نیچے لے لیتی ہے تا کہ چیل وغیرہ جھپٹ نہ لے۔

فرمایا پھر اپنے اور غیر کی تمیز مٹا دے۔ جو بھی مومن ہو کر تیرے پاس آئیں وہ تیرے سایہء عاطفت میں پناہ لیں جیسے مرغی اپنے پروں کے نیچے اپنے بچوں کو لے لیتی ہے۔ پس ان کی دیکھ بھال اور تربیت تیری ذمہ داری ہے تا کہ وہ تجھ سے تربیت پا کر مزید لوگوں کی تربیت کا باعث بنیں اور اس طرح دیئے سے دیا جلتا رہے۔

۲۱۷۔ اگر تیری نافرمانی کریں تو تو ان کے اعمال سے بری الذمہ ہے۔ اپنے ہوں یا پرائے تو ان سے الگ ہو جا۔ کوئی رشتہ دار بھی اس خیال میں نہ رہے کہ رشتہ داری کی وجہ سے اس سے نرمی کا سلوک ہوگا۔ اب تیرے اصل رشتہ دار وہی ہیں جو تیری اتباع کرتے ہیں۔

۲۱۸۔ ان کی نافرمانی سے آزردہ خاطر نہ ہو۔ اللہ پر ہی توکل کر۔ وہ غالب اور رحیم ہے۔ گزشتہ آیات میں ہر نبی کے ذکر کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی انہی دو صفات کی تکرار ہے۔ یہاں بھی آپ ﷺ کے ذکر میں انہی دو صفات کا اعادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے وہ تجھے غلبہ سے نوازے گا۔ وہ رحیم ہے اپنی رحمت سے لوگوں کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے گا۔ آج بھی وقت کے امام کے لئے یہی بشارت ہے۔

۲۱۹ تا ۲۲۱۔ وہ غالب اور رحیم تجھے دیکھتا ہے جب تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں قیامِ نماز کے علاوہ آپ ﷺ کا مومنین میں دینی احکام، وعظ و نصیحت اور جہاد و قربانی وغیرہ کی تلقین کے لئے کھڑا ہونا بھی شامل ہے۔ آپ ﷺ کا ساجدین میں پھرنا مومنین کی اعلیٰ تربیت کی غمازی کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے ارد گرد ساجدین ہی نظر آتے جو اللہ کے حضور سر جھکائے آپ ﷺ کے ہر حکم کے منتظر رہتے۔ یہ بھی مراد ہے کہ باوجود یکہ آپ ﷺ کے صحابہ ساجدین کے مقام پر تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کئے ہوئے تھے آپ ﷺ کا ان میں پھرنا آپ ﷺ کی اس تگ و دو کو ظاہر کرتا ہے جو ان ساجدین کو مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچانے کے لئے تھی۔ نیز ان ساجدین کی معیت میں جو کچھ آپ ﷺ نے بندگانِ خدا کی تعلیم و تربیت، فلاح و بہبود اور اصلاح کے لئے مساعی جمیلہ فرمائیں اُن کی طرف بھی اشارہ ہے۔

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۲﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۳﴾

ان پر کہ جن پر اترتے ہیں شیاطین اترتے ہیں ہر بہت جھوٹے گنہگار پر

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۴﴾ وَالشُّعَرَآءُ

رکھتے ہیں کان اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہیں اور شاعر کہ

"آپ ﷺ عملاً بھی تہجد ادا کرنے والی جماعت میں اِدھر اُدھر پھرتے۔" "اس طرح سجدہ کرنے والوں میں آپ ﷺ کی بے قراری کی طرف بھی اشارہ ہے۔" (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

پس اس سمیع و علیم خدا نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تضرع میں ڈوبی ہوئی دعائیں قبول فرمائیں۔ بظاہر انتہائی نا موافق حالات کے وہ تیری مرادیں پوری کرے گا اور تجھے تیرے مشن میں کامیاب کرے گا۔ توحید کا بول بالا ہوگا اور شرک ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ ہو جائے گا۔

۲۲۲ تا ۲۲۴۔ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے اوصاف بیان کر کے اب پھر اصل مضمون کی طرف عود فرمایا کہ شیطان تو ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو ان کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں۔ جیسے بعض کاہن، عامل، جادوگر اور جوتشی وغیرہ جو بعض سفلی علوم کے ذریعہ جن میں جادو، رمل، نجوم، مسمریزم ہپناٹزم اور سپریچولیزم (Spiritualism) یعنی ارواح سے خبریں حاصل کرنے کا علم وغیرہ شامل ہیں سخت مشقوں، لمبے چوڑے چلّوں اور وظیفوں سے غیب کی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ لیکن ان کی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں۔ چند باتیں جو سچی بتاتے ہیں ان میں بھی قیافہ شناسی کا اہم کردار ہوتا ہے۔ تاہم ان کے یہ علوم لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں نفع نہیں۔ البقرۃ: ۱۰۳۔ **اکثرھم کذبون** o کا یہ مطلب نہیں کہ بعض سچے بھی ہیں بلکہ یہ معنی ہے کہ ممکن ہے ان میں سے بعض اپنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ان میں شامل ہو گئے ہوں۔

يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٥﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٦﴾

پیروی کرتے ہیں ان کی گمراہ کیا نہیں دیکھا تونے کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں ہیں

ان آیات سے یہ بہرحال ثابت ہے کہ سفلی ذہنیت کے لوگوں پر شیطان القا کرتا ہے خواہ یہ ان کے نفس کی چھپی ہوئی شیطانی تحریک ہو یا ان کے دماغ کی شیطانی اختراع۔لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان کی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں۔

٢٢٥۔پچھلی آیات میں اس بات کا ردّ فرمایا کہ قرآنِ کریم شیطان کا کلام ہے۔اِن آیات میں اس بات کا ردّ ہے کہ قرآنِ کریم شاعر کا کلام ہے۔گویا آپ ﷺ پر لگائے گئے اس دوسرے الزام کی تردید فرمائی کہ آپ ﷺ شاعر ہیں۔یہاں شاعروں کی تین خاص باتوں کا ذکر کیا۔پہلی یہ کہ ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہیں۔یعنی جن لوگوں میں ان کی مقبولیت ہوتی ہے ان کا روحانیت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔عام طور پر عشقیہ شاعری ہی عرب میں مقبول تھی اور اخلاق سے گرے ہوئے فحش اشعار مجالس میں سننا اور سنانا عوام کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔اسی کے دیوانے تھے۔جبکہ آنحضرت ﷺ کے متبعین نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ہرنیکی پر عمل کرتے اور ہر بُرائی سے بچتے بلکہ دوسروں کو بھی نیکیوں کی تلقین کرتے اور برائیوں سے روکتے گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عملی تصویر تھے۔غرض بیہودہ مشاغل اور لہو ولعب سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

٢٢٦۔**یهیمون۔هام۔هائم**۔وہ ہے جو سخت پیاسا ہو۔جمع **هیم۔ فشاربون شرب الهیم** (٥٦۔٥٦) **هیام** پیاس کی بیماری ہے جو اونٹ کو لگ جاتی ہے۔اس کے ساتھ ایسے شخص کی مثال دی جاتی ہے جو سخت عشق میں مبتلا ہو جائے۔

یہاں شعراء کے لئے کہا کہ ان کی حالت اس اونٹ کی سی ہوتی ہے جو جھوٹی پیاس کی بیماری میں مبتلا ہو کر وادیوں اور جنگلوں میں مارا مارا پھرے۔نہ اس کی جھوٹی پیاس بجھنے پائے نہ اس کے جذبات کو تسکین نصیب ہو۔غرض ردیف اور قافیہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ان کا کلام کسی مقصد کی نشاندہی نہیں کرتا۔کوئی نصب العین نہیں ہوتا۔کبھی اِدھر کی کہتے ہیں کبھی اُدھر کی۔شعروں میں مبالغہ آمیزی اور جھوٹ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کسی کی تعریف کرنے پر آئیں تو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔اگر ہجو پر اتریں تو دنیا بھر کے ناکردہ گناہ اور عیوب اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ہر وادی میں سرگرداں پھرنا یہ بھی ہے کہ شعراء کو اپنا کلام سنانے کا جنون ہوتا ہے جہاں موقع ملتا ہے شروع ہو جاتے ہیں۔جبکہ آنحضرت ﷺ ایک مقصد لے کر کھڑے ہوئے جو توحید کی

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٧﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اور یقیناً وہ کہتے ہیں جو نہیں وہ کرتے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ

کیں نیکیاں اور یاد کیا انہوں نے اللہ کو بہت اور بدلہ لیا انہوں نے

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ

بعد اسکے کہ ظلم کیا گیا ان پر اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ کونسی پھرنے کی جگہ

يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٨﴾

وہ پھریں گے

ع ١١ ٣٦ ١٥

تبلیغ اور شرک کا قلع قمع کرنا تھا۔آپ ﷺ نے دنیا بھر کے مصائب جھیلے لیکن اپنے عظیم مقصد سے ذرہ بھر بھی نہیں ہٹے۔

٢٢٧۔تیسری بات یہ کہ شاعروں کے قول و فعل میں تضاد ہے۔کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔اکثر اپنے اشعار میں اعلیٰ اخلاق اور نیکی کی تلقین کرتے ہیں جبکہ اکثر کی نجی زندگی شراب و کباب اور عیاشیوں میں گزرتی ہے۔اشعار کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔کبھی ایک آہ سے بدنام ہو جاتے ہیں کبھی محبوب کی ایک نظر سے قتل ہو جاتے ہیں۔جبکہ انبیاء ہر حکم پر سب سے پہلے خود کاربند ہوتے ہیں جو کہتے ہیں پہلے خود کر کے دکھاتے ہیں۔فتح مکہ کے روز آپ ﷺ نے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا۔اسلامی احکام میں یہ آخری حکم تھا۔اس کی ابتداء بھی آپ ﷺ نے اپنے گھر سے کی اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے سود کو ساقط کیا۔حضرت عباسؓ اس سفر میں مکہ سے ہجرت کر کے آتے ہوئے آپ ﷺ کو راستہ میں ملے تھے۔گویا وہ ابھی ابھی ایمان لائے تھے ان کا بہت سا سود لوگوں کے ذمہ تھا جسے آپ ﷺ نے موقوف فرمایا۔غرض آپ ﷺ نے ہر حکم پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔

٢٢٨۔اس سورۃ کی اس آخری آیت میں مومن شعراء کو مستثنیٰ فرمایا اور بتایا کہ ان میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جاتیں ان کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ مومن ہیں اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں۔قرآنِ کریم نے ہمیشہ ایمان کے ساتھ عمل صالحہ کو لازم رکھا۔محض زبان سے ایمان کا اقرار کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ منافقین بھی ایمان کے دعویدار تھے۔اعمالِ صالحہ کی مختصر تعریف تمام قرآنی احکام کی بجا آوری اور بدیوں سے اجتناب ہے۔دوسری صفت ان مومن شعراء کی یہ بیان فرمائی کہ

وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ کثرت سے ذکرِ الٰہی میں نماز، نماز کے اندر کی دعائیں اور نماز کے بعد مسنون تسبیح، قرآنِ کریم کی تلاوت اس پر غور و تدبر اس کی دعائیہ آیات اور احادیث کی مسنون دعاؤں کا ورد چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اور کام کاج کے دوران کرنا یہ سب ذکر میں شامل ہے۔ گویا ''دست بکار دل بیار'' والا معاملہ ہو۔ احادیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ کی لاتعداد دعائیں درج ہیں۔ سو کر اٹھنے کی، گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کی، بلندی پر چڑھنے اور اترنے کی (آج ہم یہ دعا سیڑھیاں چڑھتے اور اترتے ہوئے بھی کر سکتے ہیں) مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی۔ نیز مسجد میں بیٹھ کر مانگنے کی دعائیں، آئینہ دیکھنے اور نیا چاند دیکھنے کی، نیا کپڑا پہننے، پانی پینے اور کھانا کھانے سے پہلے اور بعد کی دعائیں۔ بیوی کے پاس جانے یہانتکہ بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں۔ یہ تمام دعائیں ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں۔ غرض ہر وقت اپنے محبوب کی یاد کو دل میں بسائے رکھنا اس کے فضلوں اور احسانوں کا بار بار ذکر کرتے رہنا۔ یہ سب ذکرِ الٰہی بھی ہے، عبادت بھی اور ربّ دو جہان کا شکر بھی۔ ذکرِ الٰہی کے لامحدود فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسا انسان کوئی غلط کام نہیں کر سکتا اور ہر گناہ سے بچتا ہے۔ ایسے مومن شعراء کے اشعار ان کی عملی زندگی کے عکاس ہوتے ہیں جو عشقِ الٰہی، عشقِ رسول اور حکیمانہ نصائح پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس ہوتا ہے۔ تیسری صفت ان مومن شعراء کی یہ بیان فرمائی کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے ہاں اگر ان پر ظلم کیا گیا ہو تو ظلم کی نوعیت کے مطابق اپنے اشعار میں یا عملاً ان ظالموں سے بدلہ لینے کا حق رکھتے ہیں جیسا کہ جنگوں میں مسلمان شعراء نے جنگی اشعار سُنا کر مجاہدین کے حوصلے بڑھائے جسے آنحضرت ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔ پس مومن کے لئے عمدہ اور پاکیزہ اشعار کہنا منع نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا**۔ یعنی بعض شعر اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہیں اور بعض اچھے قسم کے بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ اسلام کے چوتھے خلیفۂ راشد اور نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر اور خطیب تھے اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کے اشعار نہایت حکیمانہ ہیں۔ اپنے اشعار میں آپ فرماتے ہیں۔ ترجمہ۔ ذرا صبر کرو کیونکہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہے اور ہر امر کے لئے کوئی وقت اور تدبیر ہوتی ہے۔ اللہ کی نگاہ ہمارے حالات پر ہے اور ہماری تدبیر پر اللہ کی تدبیر فائق ہے۔ اپنے حکیمانہ اشعار میں موت کو حقیقتِ ثابتہ اور اٹل سمجھتے ہوئے یوں اظہار فرماتے ہیں۔ ترجمہ۔ جو تلوار کی ضرب سے نہ مرے وہ کسی اور طریق سے مرجائے گا۔ اگرچہ موت اپنی ذات میں

ایک ہی ہے تاہم اس کے اسباب و علل مختلف النوع ہیں۔ حضرت کعب بن مالک بھی مشہور شاعر تھے۔ غرض بہت سے صحابہ کرام قادر الکلام شاعر تھے جن میں حضرت حسّان بن ثابتؓ کا شمار اکابر شعراء میں تھا آپ صاحبِ دیوان تھے۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آنحضرت ﷺ کی وفاتِ حسرت آیات پر آپ نے دو ایسے اشعار کہے جو اسلامی اور ادبی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جا چکے ہیں اور ان کو زندہ جاوید کر گئے ہیں وہ اشعار یہ ہیں۔

کُنتَ السَّوادَ لِناظِری   فَعَمِیَ عَلیکَ النّاظِرُ
مَن شَاءَ بَعدَکَ فَلیَمُت   فَعَلَیکَ کُنتُ اُحاذِرُ

یہ دو اشعار ایسے ہیں جن پر بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام نے حضرت حسانؓ کو وہ خراجِ تحسین پیش کیا جو اپنی نظیر آپ ہے۔ سلسلہ کی روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت مسیح موعود مسجد کے اندر ٹہل رہے تھے۔ آپ کچھ گنگنا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اس پر آپ کا کوئی حواری آگے بڑھا اور بڑے دردمندانہ انداز میں دریافت فرمایا کہ خیر تو ہے جو آپ اس طرح رو رہے ہیں؟ اس پر آپ نے اسے حضرت حسانؓ کے مندرجہ بالا دو اشعار سنا کر کہا۔ میں اس وقت یہ شعر پڑھ رہا تھا اور آنحضرت ﷺ سے فرطِ محبت کے باعث رو رہا تھا۔ لیکن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ اے کاش! میرا سارا کلام حضرت حسانؓ لے جاتے اور ان کے یہ دو شعر میری زبان سے نکلے ہوتے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا تمام کلام عشقِ الٰہی، عشقِ قرآن، عشقِ رسول اور بہترین نصائح پر مشتمل ہے اور آپ کے پاکیزہ خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ آپ کا عربی قصیدہ جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں بیان فرمایا آپ کی تصنیفِ منیف ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' میں درج ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں! ترجمہ: یہ قصیدہ نہایت عمدہ اور لطیف ہے اور یہ ادبی لطائف اور عربی زبان کے بے مثل قیمتی موتیوں سے بھرپور ہے۔ یہ میرے پیارے آقا، دوجہاں کے بادشاہ، خاتم النبیین، سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تعریف بیان فرمائی ہے۔ اے اللہ! قیامت تک ان پر درود بھیج اور سلامتی نازل فرما۔ آمین۔

شاعری کے لحاظ سے صرف دو عرب شاعرات نے عربی ادب میں قابلِ رشک مقام حاصل کیا۔ ایک تو حضرت خنساءؓ تھیں جنہیں صحابیۃ الرسول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ عفت اور پاکدامنی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی تھیں اور ظاہری حُسن و وقار سے بھی مزیّن تھیں۔ آپ بے نظیر عالمہ

اور بے مثل شاعرہ تھیں۔مرثیہ خوانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔آپ کا دیوان بہت مشہور ہے۔ علمائے شعر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خنساء پہلی اور پچھلی تمام عرب شاعرات سے افضل ہیں۔ آپ کی فضیلت اس سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو سب سے بڑی شاعرہ قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کے اشعار کو بنظرِ استحسان دیکھا کرتے تھے اور اپنے کلام میں ان کے اشعار کا حوالہ دیا کرتے اور بڑی محبت سے ان کا استقبال کیا کرتے تھے۔آپ جوانی میں بیوہ ہوئیں ،ساری زندگی نیکی اور پاکیزگی میں گزاری، یتیم بچوں کی پرورش کے خیال سے دوسرا نکاح نہیں کیا۔آپ وہ پاکباز بہادر خاتون تھیں جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اپنے چاروں بیٹے جنگِ قادسیہ ۱۶ ہجری (ایرانیوں کے ساتھ ہونے والی جنگ) میں یہ کہہ کر بھیجے ''اے بیٹو! تم اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے۔ اپنی خوشی سے ہجرت کی۔میں نے تمہارے باپ کی خیانت نہیں کی اور نہ تمہارے ننھیال کو رسوا کیا۔ میں نے تمہارے خاندان پر کوئی عیب نہیں لگنے دیا۔تمہیں علم ہے اس ثواب کا جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے میں رکھا ہے۔پس تم علیٰ وجہ البصیرت ہو کر کل صبح دشمن کے ساتھ لڑائی کے لئے روانہ ہو جاؤ۔کل فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کے طالب رہو۔آپ نے بیٹوں کو کہا: تم پر میرے بہت سے حقوق ہیں۔اگر کفر اور اسلام کی اس جنگ میں فتح کے بغیر واپس آئے تو میں اپنا کوئی حق نہیں بخشوں گی۔ان کو جنگ میں بھیج کر خود جنگل میں جا کر سجدہ ریز ہو گئیں کہ اے میرے اللہ! میں نے اپنے چاروں بیٹوں کو مرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔تجھے طاقت ہے کہ انہیں زندہ واپس لائے۔اس جنگ میں کسریٰ میدان جنگ میں ہاتھی لایا۔اونٹ ہاتھی سے ڈرتا ہے وہ ڈر کر بھاگتے اس طرح مسلمانوں کو شدید نقصان ہوا۔

تاریخ کہتی ہے کہ حضرت خنساء کے یہ چاروں بیٹے یکے بعد دیگرے اس جنگ میں شہید ہو گئے جب حضرت خنساءؓ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے مومنانہ شان کے ساتھ فرمایا۔ سب تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے مجھے ان کی شہادت فی سبیل اللہ سے مشرف کیا ہے۔ مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ وہ مجھے ان کے ساتھ اپنی جوارِ رحمت میں اکٹھا کرے گا۔

ان کے بعد لیلیٰ الاخیلہ ہے جو اموی دور کی ایک بلند پایہ اور نامور شاعرہ تھیں۔بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی شعر کہتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے خود کبھی شعر نہیں کہا البتہ عمدہ اشعار سننا پسند فرماتے تھے۔(تمام مسلمان عربی شعراء کے متعلق معلومات ''عربی ادب کے شہ پارے'' مولفہ و مرتبہ جناب صوفی محمد اسحاق سے لی گئی ہیں۔) فرمایا ان ظالموں کو پتہ چل جائے گا کہ کیسی گردش ان

پر آنے والی ہے۔یہ مکّی سورۃ ہے پھر جلد ہی حالات نے پلٹا کھایا۔سب سے پہلے بدر کے میدان میں ذلیل و خوار ہوئے پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔یہاں تک کہ قطعی طور پر مغلوب ہوئے اور آنحضرت ﷺ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہونا اور خدا کی طرف سے ہی قرآنِ کریم کا نازل ہونا مکمل طور پر ثابت ہو گیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ نمل۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی چورانوے آیات اور سات رکوع ہیں

یہ سورۃ سورۃ الشعرآء کے بعد نازل ہوئی اور اسی ترتیب سے رکھی گئی۔ چونکہ اس سورۃ کے مضامین سورۃ الشعراء سے ملتے جلتے ہیں اس لئے سورۃ الشعرآء کے شروع میں دیئے گئے دیباچہ پر ایک نظر ڈالنی مفید ہو گی۔ سورۃ شعرآء کے آخر میں پیشگوئی فرمائی کہ ظالموں کا انجام قریب ہے اس سورۃ میں مختلف انبیاء کے حالات بیان کر کے تاریخی لحاظ سے ثابت کیا کہ گزشتہ زمانہ کے ظالموں کا حال تمہارے سامنے ہے اور انبیاء کی کمزور جماعتوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کامیابیاں نصیب ہوئیں وہ بھی اظہر من الشمس ہیں۔ یہی تاریخ پھر دہرائی جائے گی۔ سورۃ شعراء میں ان انبیاء کا ذکر تھا جو اپنی زندگی میں کامیاب ضرور ہوئے لیکن انہیں بادشاہت نہیں ملی۔ اس سورۃ میں دوسرے انبیاء کے ذکر کے علاوہ خاص طور پر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا ذکر کیا۔ جن کی حکومت بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری اقوام تک پھیلی۔ اس میں اشارہ تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ بھی بہت سی اقوام اور ممالک تک وسیع ہو گا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝۲ هُدًى وَّ

طا۔ سین یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب کھلی کھلی کی ہدایت اور

بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

خوشخبری (بشارت) مومنوں کے لیے وہ جو کہ قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

۱۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا، بار بار رحم کرنے والا اور محنت کا پھل دینے والا ہے۔

۲۔ اس پہلے رکوع میں سورۃ شعرآء کے اس دعویٰ کی تصدیق کی کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے وحی ہے۔ آخری مکی زمانہ کے ناقابلِ بیان مظالم کے دور میں حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں مثیلِ موسیٰ کے لئے خوشخبری تھی کہ تیرے مخالفین بھی تباہ ہوں گے اور تو کامیابیوں سے ہمکنار ہو گا۔

جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ہر سورۃ کے ابتدائی حروفِ مقطعات اسمائے الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ اسمائے الٰہیہ اس سورۃ کے مضمون کو سمجھنے کے لئے بطور کلید ہوتے ہیں۔ طٰسٓ اللہ تعالیٰ کی صفت لطیف اور سمیع کے قائم مقام ہیں پچھلی سورۃ میں ''م'' کا اضافہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت مجید کی طرف اشارہ تھا۔ اس لئے کہ اُس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زیادہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی مجد اور بزرگی کو تمام انبیاء سے بڑھ کر بیان کرنے والے تھے۔ اس سورۃ میں دوسرے انبیاء کا ذکر زیادہ ہے جن کے وجود سے اللہ تعالیٰ کا لطیف اور سمیع ہونا تو ضرور ثابت ہوتا ہے لیکن وہ انبیاء اللہ تعالیٰ کی حمد اور بزرگی کو اس مقام تک نہیں پہنچا سکے جس مقام تک پہنچانا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر تھا۔ فرمایا یہ آیات اس کتاب کی ہیں جو ہمیشہ پڑھی جائے گی اور جو دینی امور کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ یہاں قرآنِ کریم کی تین صفات کا ذکر کیا۔ لفظ قرآن میں اس کے بکثرت پڑھے جانے کی پیشگوئی فرمائی۔ یہ اس وقت کہا گیا جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور پڑھنا بھی بہت کم لوگ جانتے تھے۔ لفظ کتاب میں ان بکھرے ہوئے صحیفوں کو ایک کتاب کی شکل دے کر ضبط تحریر میں لانے کی پیشگوئی ہے نیز یہ کہ لکھی بھی بکثرت جائے گی۔ یہ اس وقت کہا گیا جب مکہ میں چند آدمی لکھنا جانتے تھے۔ تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ مبین ہے یعنی اپنے تمام احکام و قوانین کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ ہر دعویٰ کے لئے دلیل رکھتی ہے۔ بغیر دلیل کوئی دعویٰ نہیں کرتی۔

اِسۡرَآءِیۡلَ ؕ﴿۱۹۸﴾ وَلَوۡ نَزَّلۡنٰہُ عَلٰی بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾ۙ فَقَرَاَہٗ

اسرائیل — اور اگر اُتارتے ہم اسے — کسی غیر — عرب — پر — پھر وہ پڑھتا

عَلَیۡہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ مُؤۡمِنِیۡنَ ؕ﴿۲۰۰﴾ کَذٰلِکَ سَلَکۡنٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِ

اسے ان پر — نہ — ہوتے اس کو — ماننے والے — اسی طرح — چلائی ہے ہم نے یہ بات — دلوں میں

لئے کہ بنیادی صداقتیں تمام الہامی کتابوں میں ایک ہی ہیں۔کسی الہامی کتاب میں شرک کی تعلیم نہیں۔زبور کے معنی تختی،ورق اور ٹکڑا بھی ہے۔اس لحاظ سے یہ معنی بھی ہے کہ پہلے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل ہُوا۔کچھ حصہ حضرت داؤدؑ کو ملا،کچھ حضرت موسیٰؑ کو اور کچھ دوسرے انبیاء کو۔اب مکمل قرآن کی صورت نازل ہُوا ہے۔(بائبل کی پیشگوئیوں کے لئے ملاحظہ فرمائیں:یسعیاہ باب ۴،۵۔ ۵،۱۴/۲۱۔۹ تا ۱۳/۲۸۔۱۴،۱۶/۴۵۔۴،۱۴/۵۱۔۶ تا ۶۰/۲۲۔استثناء۔۱۹/۱۸۔۲/۳۳۔زبور ۲۴/۱۱۸۔ غزل الغزلات۔۱۶/۵۔ دانیال۔۴۴/۲ حبقوق ۱۳/۳۔متی ۳۳/۲۱۔ لوقا۔۴۹/۲۴۔ یوحنا۔۵/۱۔ ۲۰/۴۔۱۴/۶۔۱۶/۱۴۔۷،۱۴/۱۶۔اعمال۔ ۲۰ تا ۲۲/۳۔اکرنتیوں ۹،۱۰/۳)ان تمام مقامات پر آنحضرتﷺ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔

۱۹۸۔علمائے بنی اسرائیل کا بطور خاص ذکر کیا۔کیونکہ تمام الہامی کتابوں میں سے بائبل میں، قرآنِ کریم اور نبی اکرمﷺ کے متعلق سب سے زیادہ پیشگوئیاں ہیں۔علمائے بنی اسرائیل پہچانتے تھے کہ یہ قرآن اور رسول انبیائے بنی اسرائیل کی پیشگویوں کے مطابق ہے۔جن لوگوں کو ایمان کی توفیق ہوئی جیسے عبداللہ بن سلام اور زید بن سعنہ وغیرہ وہ برملا اس کا اعتراف کرتے تھے۔جو ایمان نہیں لائے ان میں سے بھی بعض نے اعتراف کیا جیسا کہ حضرت صفیہؓ اپنے والد اور چچا کے متعلق بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہﷺ کو مل کر آئے اور اعتراف کیا کہ یہ وہی نبی ہے جس کا ذکر بائبل میں ہے مگر ہم ہرگز نہیں مانیں گے اور اس کی بات چلنے نہیں دیں گے۔(ابنِ ہشام جلد دوم صفحہ ۱۶۵ طبع جدید)

۱۹۹۔۲۰۰۔اگر یہ قرآن کسی غیر عربی پر نازل ہوتا اور وہ اسے ان کے سامنے پڑھ کر سناتا تو انہیں اعتراض ہوتا کہ ہم عرب ہیں اور یہ رسول غیر زبان بول رہا ہے ہم اس پر کیسے ایمان لائیں۔ جبکہ تمام الہامی کتابیں ہمیشہ ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوئیں جو ان انبیاء کے اوّل مخاطب تھے۔ نیز ان کو اعتراض ہوتا کہ جس کو ہم جانتے نہیں۔ اس کے حالات سے واقف ہیں نہ اس کی زبان جانتے ہیں اس کو کیسے سچا مان لیں۔آنحضرتﷺ تو اسی قوم میں سے تھے اور آپﷺ کی ساری

الزَّکٰوۃَ وَہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا

زکوٰۃ — اور وہ کہ — آخرت پر — جو — یقین رکھتے ہیں — یقیناً — وہ لوگ جو نہیں

یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَہُمۡ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ؕ﴿۵﴾

ایمان لاتے — آخرت — پر خوبصورت کرکے دکھلائے ہم نے ان کیلئے اعمال انکے پس وہ — بھٹک رہے ہیں

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ وَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ ہُمُ

یہ لوگ — وہ ہیں — ان کے لیے — بڑا — عذاب ہے — اور وہ — آخرت میں — بِل دی

۳۔۴۔اب قرآنِ کریم کی مزید دو صفات کا ذکر کیا کہ قرآنِ کریم کی آیات ہدایت بھی ہیں اور بطور بشارت بھی ہیں۔لیکن ہر کس و ناکس کے لئے نہیں کہ جو کافر یا مومن پڑھے اسے ہدایت نصیب ہو جائے اور بشارتیں بھی ملیں۔ہدایت اور بشریٰ کو حاصل کرنے کے لئے چار شرائط بیان فرمائیں۔پہلی سچے دل سے ایمان قبول کرنا،پھر نماز کو جماعت سے نہ صرف خود ادا کرنا بلکہ دوسروں کو بھی اس پر قائم ہونے کی تلقین کرنا۔**یقیمون الصلوٰۃ** میں نماز اپنی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے کے علاوہ تمام بدنی قربانیوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔تیسری زکوٰۃ ادا کرنا۔زکوٰۃ میں ہر قسم کی مالی قربانیوں کی طرف اشارہ ہے گویا نماز میں حقوق اللہ ادا کرنا اور زکوٰۃ میں حقوق العباد ادا کرنا ہے۔چوتھی شرط آخرت پر یقین ہے۔دراصل یہی وہ قوت ہے جس سے ایک مومن دنیا میں اللہ کی رضا کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رہتا ہے،بدنی ہو یا مالی،خواہ اسے دنیا میں اس کا اجر ملے یا نہ ملے۔اس لئے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی کوئی قربانی ضائع نہیں جائے گی۔اسے اس کی نیکیوں کا بہت بڑھ کر اجر ملے گا۔آخرت پر یقین اسے ہر گناہ سے روکتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ اگر گناہوں کا حساب دنیا میں نہ ہُوا اور اسے کوئی سزا نہ ملی تو آخرت کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔غرض آخرت کی سزاؤں اور رسوائیوں کا ڈر ایک مومن کو ہر گناہ سے باز رکھتا ہے۔

قرآن ہی وہ ہدایتِ کامل ہے جو بندے کو اس کے روحانی نقطۂ کمال تک پہنچاتا ہے اور اسے اس کے ربّ سے ملا دیتا ہے۔ایسا صرف قرآنِ کریم کی تعلیم پر عمل سے ہی ممکن ہے۔ایسے بندے کی تائید میں ربّ کریم کی فعلی شہادتیں بشارتوں کے رنگ میں نازل ہوتی ہیں۔پس ہر ایسا شخص اپنے روحانی مقام کے مطابق رویاء وکشوف اور الہام سے نوازا جاتا ہے اور اُن بشارتوں کا مورد بنتا ہے۔

۵۔۶۔ان کے مقابلہ میں وہ لوگ ہیں جنہیں کسی اخروی جوابدہی یا گرفت کا کوئی خوف

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۱﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ

مجرموں کے نہیں ایمان لائیں گے اس پر یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دردناک

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ

پس وہ آجائے انکے پاس اچانک اور وہ نہ سمجھتے ہوں گے پس وہ کہیں گے کیا ہم

زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھی۔وہ جانتے تھے کہ جس شخص نے کبھی انسانوں سے جھوٹ نہیں بولا وہ خدا پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا تھا۔اگر یہ قرآن کسی غیر عربی پر نازل ہوتا تو سابقہ صحائف کی پیشگوئیاں غلط ثابت ہوتیں اور کوئی ایمان نہ لاتا۔وہ تمام پیشگوئیاں صرف قرآن کریم اور آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات پر ہی صادق آتی ہیں۔عربی میں قرآنِ کریم نازل ہونے کی وجہ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت بھی ہے۔یہ **اُمّ لاَلسنه** ہے۔عربی کا ایک ایک لفظ گویا کوزے میں دریا بند ہے اور کسی پہلو سے بھی کوئی اور زبان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔نہ کوئی زبان عالمی کلام ہونے کی طاقت رکھتی ہے۔ساری دنیا کو تعلیم دینے کے لئے عالمی صلاحیتوں کی حامل صرف یہی زبان ہے۔عربوں کو اپنی زبان پر بجاطور پر ناز تھا۔یہ زبان اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سکھائی پھر اس سے باقی زبانیں پھوٹیں۔حضرت ابنِ عباسؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! عرب سے محبت کرو تین باتوں کے سبب سے۔ایک تو یہ کہ میں عربی ہوں دوسرا یہ کہ قرآن عربی زبان میں ہے تیسرا یہ کہ جنتیوں کی زبان عربی ہے۔(بیہقی)

۲۰۱ تا ۲۰۳۔**سَلَكْنٰهُ**۔**سَلَكَ**۔کسی چیز کو کسی چیز میں داخل کیا۔جیسے ہاتھ جیب میں داخل کیا یا دھاگا سوئی میں۔(اقرب) **سَلَكْنٰهُ**۔ہم نے اس کو داخل کیا۔**سَلَكْنٰهُ** کی ضمیر انکار کی طرف جاتی ہے۔اِن مجرمین کو نہ آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں کوئی خوبی نظر آئی اور نہ گزشتہ انبیاء کی پیشگوئیاں آپ ﷺ پر صادق ہوتی دکھائی دیں۔اس سورۃ میں سات انبیاءؑ کی قوموں کا ذکر ہُوا کہ انہوں نے نشانات دیکھنے کے باوجود اپنے انبیاء کا انکار کیا۔یہ لوگ بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلے۔جس طرح ہم نے اُن لوگوں کے دلوں میں کفر کو داخل کیا اسی طرح ہم نے اِن تمام مجرمین کے دلوں میں کفر کو داخل کر دیا ہے اور وہ دردناک عذاب کو دیکھے بغیر اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔جس طرح پچھلی قوموں پر اچانک عذاب آئے جن کا ابھی ذکر گزرا ہے اسی طرح ان پر بھی اچانک عذاب آئے گا اور یہ سمجھ نہیں سکیں گے کہ یہ کہاں سے آیا۔چنانچہ فتح مکّہ کے روز بعینہٖ یہی نقشہ تھا کہ اچانک دس ہزار قدوسیوں کے لشکر جرار کو دیکھ کر ابوسفیان جیسا تجربہ کار جرنیل ہکا بکا رہ گیا کہ یہ

مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۵﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

مہلت دیئے جائیں گے کیا پس عذاب ہمارے کی جلدی کرتے ہیں کیا پس دیکھا تو نے کہ اگر فائدہ پہنچائیں ہم انہیں

سِنِيْنَ ﴿۲۰۶﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

کئی سال پھر آئے انکے پاس وہ جس کا تھے وہ وعدہ دیئے جاتے تو نہ کام آئے گا انہیں

مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا

جو تھے وہ فائدہ پہنچائے جاتے اور نہ ہلاک کی ہم نے کوئی بستی مگر اس کیلئے

مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۹﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ

ڈرانے والے تھے نصیحت کیلئے اور نہ تھے ہم ظالم اور نہیں اُتارا اسے

کیسے ہُوا۔اس اچانک عذاب کو دیکھ کر آپ ﷺ کی قوم ایمان لے آئی۔جبکہ گزشتہ اقوام میں سے اکثر ایمان نہ لاکر عذاب کی لپیٹ میں آئے۔

۲۰۴۔۲۰۵۔**مُنظرون**۔**مُنظر** کی جمع ہے۔**اَنظَرَهٗ**۔اس کو مہلت دی(اقرب) **مُنظرون** مہلت دیئے ہوئے۔

کفار اکثر جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے تھے کہ اگر سچا ہے تو پہلی قوموں کی طرح ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔جب عذاب آن پہنچے گا تو مہلت چاہیں گے۔یہاں بطور طنز کہا کہ اسی لئے عذاب کے لئے جلدی کر رہے تھے کہ جب آئے تو مہلت مانگیں۔

۲۰۶ تا ۲۰۸۔حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم انہیں کئی سال تک مہلت دیئے جاتے تو بھی یہ اس مہلت سے کوئی روحانی فائدہ حاصل نہ کرتے بلکہ اس مہلت کو دنیوی فوائد کے حصول میں ہی ضائع کر دیتے۔پھر جب وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا ان کو آن پکڑتا تو وہ مادی مفادات جو انہوں نے اس مہلت کے دوران حاصل کئے ان کے کچھ کام نہ آتے،اور ان کو اس تباہی سے نہ بچا سکتے۔

۲۰۹۔۲۱۰۔اگر نذیر بھیجے بغیر کوئی بستی تباہ ہو جاتی تو اہلِ بستی یہ کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ ہم پر ظلم ہُوا۔کوئی ڈرانے والا آتا تو ہم اپنی اصلاح ضرور کر لیتے۔پس نذیر اسی لئے بھیجے کہ ان کو نصیحت پہنچ جائے۔ذکرٰی میں بتایا کہ ڈرانے والوں کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ یہ نصیحت حاصل کر لیں۔پس نبی کی بعثت کے بعد مہلت دی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد رحیم ہے، ظالم نہیں۔بغیر اتمامِ حجت عذاب نازل نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ تو اتنا رحیم ہے کہ چند بندوں کی توبہ سے پوری بستی سے عذاب کو ٹال دیتا ہے۔کیا ہر تباہ ہونے والی بستی میں نذیر آیا؟(ملاحظہ فرمائیں سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱۶۔)

الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ اِنَّهُمْ عَنِ

شیطانوں نے اور نہ مناسب تھا ان کیلئے اور نہ طاقت رکھتے تھے یقیناً وہ

السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۳﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

سننے سے البتہ روکے گئے ہیں پس نہ پکار ساتھ اللہ کے معبود دوسرا ورنہ تو ہوجاویگا

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ وَ

عذاب دیئے ہوؤں میں سے اور ڈرا اپنے قبیلہ نزدیکیوں کو اور

۲۱۱ تا ۲۱۳۔ اس رکوع کے آغاز میں فرمایا کہ اس کلام پاک کو لے کر ایک امانت دار فرشتہ تیرے قلبِ مطہر پر نازل ہوا ہے۔ سورہ نحل رکوع ۱۴ میں بتایا کہ اس وحی کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ قرآنِ کریم نے اکثر کفار کے سوال دہرائے بغیر جواب دیا۔ اس جواب میں ہی ان کا سوال واضح ہو جاتا جیسا کہ الحاقہ آیت ۴۲، ۴۳ میں آپ ﷺ پر لگائے گئے دو الزامات کی تردید کی **وما هُوَ بقولِ شاعرط قليلاً مّاتؤمنون٥ولا بقول كاهنط قليلًا ماتذكّرون٥** یہاں بھی انہیں دو الزامات کی تردید فرمائی۔ اُن دنوں عرب میں کہانت کا زور تھا۔ کفار آپ ﷺ پر الزام لگاتے کہ آپ ﷺ پر بھی شیطان اترتے ہیں جو کچھ غائب کی خبریں بتا دیتے ہیں۔ یہاں خوب کھول کر بتا دیا کہ شیاطین ہوں یا ارواحِ خبیثہ یا جنات وغیرہ کسی کی یہ مجال نہیں کہ وہ قرآنِ پاک کے قریب بھی پھٹک سکیں۔ انہیں تو یہ قدرت ہی حاصل نہیں بلکہ وہ تو ملاء اعلیٰ کی باتوں کو سننے کے مجاز ہی نہیں چہ جائیکہ کلامِ الٰہی لے کر اتریں۔

اس سورۃ میں انبیائے سلف کی تعلیم کے اس حصہ پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور نبی ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ جبکہ کاہن اور جادوگر وغیرہ کبھی نیکی اور تقویٰ کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ ان کے ذریعہ لوگ اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچاتے یا اپنے معشوقوں کا دل رام کرتے اور اس کے عوض انہیں معقول معاوضہ ادا کرتے۔ غرض یہ بدی میں معاون ضرور ہوتے ہیں مگر صداقت و امانت سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ پر الزام لگاتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتے کہ قرآنی تعلیم تو سراسر شیطان کی بیخ کنی کرتی ہے۔ شیطان اپنے خلاف تعلیم لا کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی کس طرح مار سکتا ہے۔ اسی سورۃ کی آخری آیات میں شاعر ہونے کے الزام کو بھی ردّ فرمایا۔

۲۱۴۔ انبیائے کرام کا تو شرک سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اصل مخاطب لوگ ہی ہیں جن کو توحید کی طرف بلانے پر وہ مامور ہوتے ہیں۔

اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۶﴾ فَاِنْ

جھکا بازو اپنا ان کے لیے جنہوں نے پیروی کی تیری مومنوں میں سے پھر اگر

۲۱۵۔ سب سے پہلا حق یہاں بھی اقربین کا ہی ہے کہ سنتِ ابراھیمی کے اتباع میں اس دعوت کا آغاز خود اپنے خاندان سے کرو۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ کسی انسان کے حالات کا صحیح علم سب سے زیادہ اس کے قریبیوں کو ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث بخاری کے مطابق آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ، اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی بیٹی فاطمہؓ سے تبلیغ کا آغاز کیا اور انہیں بتایا کہ تم آگ کے عذاب سے خود کو بچانے کی فکر کرلو۔ میں خدا کی پکڑ سے تم کو نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے خاندان میں سے حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت زیدؓ اور دوستوں میں حضرت ابوبکرؓ فوراً ایمان لے آئے۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے ذریعہ اپنے عزیز و اقارب کو دعوت پر بلایا۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ وعظ فرمانے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ وہ سب چلتے بنے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ دعوت پر بلایا اور کھانے سے پہلے وعظ شروع کی لیکن ابولہب وغیرہ نے شور مچا دیا اور آپ ﷺ کی بات نہ سنی۔ ایک صبح آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے قریش سمیت تمام قبیلوں کو پکارنا شروع کیا۔ عرب کے دستور کے مطابق جب دشمن کا خطرہ ہوتا تو ایسا کیا جاتا۔ یہانتکہ تمام قبیلوں کے سردار یا ان کے نمائندے اکٹھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر ہے جو حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے؟ بظاہر ایسا ممکن نہیں تھا پھر بھی سب نے کہا کہ ہاں! ہم جانتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ فرمایا میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ پھر چند ایک نصائح فرمائیں۔ اس پر آپ ﷺ کے چچا ابولہب نے کہا کہ تم پر ہمیشہ بربادی ہو۔ کیا اسی لئے ہمیں اکٹھا کیا؟ اس پر **تبّت يدآ ابى لهب وتبّ٥** والی سورۃ نازل ہوئی۔ بیشک آپ ﷺ کا پورا خاندان فوراً مسلمان نہیں ہوا لیکن انہوں نے آپ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہانتک کہ شعبِ ابی طالب میں تین سال نہایت تکلیف دہ حالات میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔

مومنین کا بھی فرض ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع میں اپنے نفس کے بعد سب سے پہلے اپنے اہل و عیال، عزیز و اقارب اور دوست و احباب کو ہدایت کی طرف بلائیں۔ پھر علیٰ ھذا القیاس اپنی تبلیغی مساعی کو وسیع کرتے جائیں یہانتک کہ صحابہ کرام کی طرح ایک عالم کے مزکّی و معلّم بن جائیں۔

۲۱۶۔ وخفض۔ **خَفَضَ**۔ نیچا کیا۔ یہ رفع کی ضد ہے۔ **خافضة رافعة** (۵۶۔۴) کسی

عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ

وہ نافرمانی کریں تیری تو کہدے یقیناً میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو اور بھروسہ کر عزت والے

الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۸﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۹﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي

بہت رحم کرنیوالے پر وہ جو کہ دیکھتا ہے تجھے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور پھرنا تیرا

السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۲۰﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۱﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

سجدہ کرنیوالوں میں یقیناً وہ ہی خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے کیا آگاہ کروں میں تم کو

کو پست کرے کسی کو بلند۔ **وخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین** ٥ کے معنی **تواضع لھم** کے ہیں۔ کہ مومنین سے خاکساری سے پیش آ۔ مشفقانہ سلوک فرما۔

بازو جھکانا عرب میں محاورہ ہے جو جانوروں کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔ مرغی وغیرہ اپنے پر پھیلا کر اپنے بچوں کو نیچے لے لیتی ہے تا کہ چیل وغیرہ جھپٹ نہ لے۔

فرمایا پھر اپنے اور غیر کی تمیز مٹا دے۔ جو بھی مومن ہو کر تیرے پاس آئیں وہ تیرے سایۂ عاطفت میں پناہ لیں جیسے مرغی اپنے پروں کے نیچے اپنے بچوں کو لے لیتی ہے۔ پس ان کی دیکھ بھال اور تربیت تیری ذمہ داری ہے تا کہ وہ تجھ سے تربیت پا کر مزید لوگوں کی تربیت کا باعث بنیں اور اس طرح دیئے سے دیا جلتا رہے۔

۲۱۷۔ اگر تیری نافرمانی کریں تو تو ان کے اعمال سے بری الذمہ ہے۔ اپنے ہوں یا پرائے تو ان سے الگ ہو جا۔ کوئی رشتہ دار بھی اس خیال میں نہ رہے کہ رشتہ داری کی وجہ سے اس سے نرمی کا سلوک ہو گا۔ اب تیرے اصل رشتہ دار وہی ہیں جو تیری اتباع کرتے ہیں۔

۲۱۸۔ ان کی نافرمانی سے آزردہ خاطر نہ ہو۔ اللہ پر ہی توکل کر۔ وہ غالب اور رحیم ہے۔ گزشتہ آیات میں ہر نبی کے ذکر کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی انہی دو صفات کی تکرار ہے۔ یہاں بھی آپ ﷺ کے ذکر میں انہی دو صفات کا اعادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے وہ تجھے غلبہ سے نوازے گا۔ وہ رحیم ہے اپنی رحمت سے لوگوں کو ایمان کی توفیق عطا فرمائے گا۔ آج بھی وقت کے امام کے لئے یہی بشارت ہے۔

۲۱۹ تا ۲۲۱۔ وہ غالب اور رحیم تجھے دیکھتا ہے جب تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے رب کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں قیامِ نماز کے علاوہ آپ ﷺ کا مومنین میں دینی احکام، وعظ و نصیحت اور جہاد و قربانی وغیرہ کی تلقین کے لئے کھڑا ہونا بھی شامل ہے۔ آپ ﷺ کا ساجدین میں پھرنا مومنین

عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۲﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۳﴾

ان پر کہ جن پر اترتے ہیں شیاطین اترتے ہیں ہر بہت جھوٹے گنہگار پر

يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۴﴾ وَالشُّعَرَآءُ

رکھتے ہیں کان اور اکثر ان میں سے جھوٹے ہیں اور شاعر کہ

کی اعلیٰ تربیت کی غمازی کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنے اردگرد ساجدین ہی نظر آتے جو اللہ کے حضور سر جھکائے آپ ﷺ کے ہر حکم کے منتظر رہتے۔ یہ بھی مراد ہے کہ باوجود یکہ آپ ﷺ کے صحابہ ساجدین کے مقام پر تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کیے ہوئے تھے آپ ﷺ کا ان میں پھرنا آپ ﷺ کی اس تگ و دو کو ظاہر کرتا ہے جو ان ساجدین کو مقربینِ بارگاہِ الٰہی کے اعلیٰ ترین مقام تک پہنچانے کے لئے تھی۔ نیز ان ساجدین کی معیت میں جو کچھ آپ ﷺ نے بندگانِ خدا کی تعلیم و تربیت، فلاح و بہبود اور اصلاح کے لئے مساعی جمیلہ فرمائیں اُن کی طرف بھی اشارہ ہے۔ آپ ﷺ عملاً بھی تہجد ادا کرنے والی جماعت میں اِدھر اُدھر پھرتے۔ ''اس طرح سجدہ کرنے والوں میں آپ ﷺ کی بے قراری کی طرف بھی اشارہ ہے'' (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

پس اس سمیع و علیم خدا نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تضرع میں ڈوبی ہوئی دعائیں قبول فرمائیں۔ بظاہر انتہائی نا موافق حالات کے وہ تیری مرادیں [illegible] کرے گا اور تجھے تیرے مشن میں کامیاب کرے گا۔ توحید کا بول بالا ہو گا اور شرک ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ ہو جائے گا۔

۲۲۲ تا ۲۲۴۔ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کے اوصاف بیان کر کے اب پھر اصل مضمون کی طرف عود فرمایا کہ شیطان تو ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو ان کی طرف کان لگائے رکھتے ہیں۔ جیسے بعض کاہن، عامل، جادوگر اور جوتشی وغیرہ جو بعض سفلی علوم کے ذریعہ جن میں جادو، رمل، نجوم، مسمریزم، ہپناٹزم اور سپریچولیزم (Spiritualism) یعنی ارواح سے خبریں حاصل کرنے کا علم وغیرہ شامل ہیں سخت مشقوں، لمبے چوڑے چلّوں اور وظیفوں سے غیب کی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسے اپنی کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ لیکن ان کی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں۔ چند باتیں جو سچی بتاتے ہیں ان میں بھی قیافہ شناسی کا اہم کردار ہوتا ہے۔ تاہم ان کے یہ علوم لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں نفع نہیں۔ البقرۃ:۱۰۳۔ **اکثرھم کٰذبون** ٥ کا یہ مطلب نہیں کہ بعض سچے بھی ہیں بلکہ یہ معنی ہے کہ ممکن ہے ان میں سے بعض اپنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ان میں شامل ہو گئے ہوں۔

يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿٢٢٥﴾

پیروی کرتے ہیں ان کی گمراہ کیا نہیں دیکھا تُونے کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں ہیں

ان آیات سے یہ بہرحال ثابت ہے کہ سفلی ذہنیت کے لوگوں پر شیطان القا کرتا ہے خواہ یہ ان کے نفس کی چھپی ہوئی شیطانی تحریک ہو یا ان کے دماغ کی شیطانی اختراع۔لیکن حقیقت یہی ہے کہ ان کی اکثر خبریں جھوٹی ہوتی ہیں۔

٢٢٥۔پچھلی آیات میں اس بات کا ردّ فرمایا کہ قرآنِ کریم شیطان کا کلام ہے۔اِن آیات میں اس بات کا ردّ ہے کہ قرآنِ کریم شاعر کا کلام ہے۔گویا آپ ﷺ پر لگائے گئے اس دوسرے الزام کی تردید فرمائی کہ آپ ﷺ شاعر ہیں۔یہاں شاعروں کی تین خاص باتوں کا ذکر کیا۔پہلی یہ کہ ان کے پیچھے چلنے والے گمراہ ہیں۔یعنی جن لوگوں میں ان کی مقبولیت ہوتی ہے ان کا روحانیت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔عام طور پر عشقیہ شاعری ہی عرب میں مقبول تھی اور اخلاق سے گرے ہوئے فحش اشعار مجالس میں سننا اور سنانا عوام کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔اسی کے دیوانے تھے۔جبکہ آنحضرت ﷺ کے متبعین نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ہر نیکی پر عمل کرتے اور ہر بُرائی سے بچتے بلکہ دوسروں کو بھی نیکیوں کی تلقین کرتے اور برائیوں سے روکتے گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی عملی تصویر تھے۔غرض بیہودہ مشاغل اور لہو ولعب سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

٢٢٦۔**یھیمون۔ھام۔ھائم**۔وہ ہے جو سخت پیاسا ہو۔جمع **ھیم۔فشاربون شرب الھیم** (٥٦۔٥٦) **ھیام** پیاس کی بیماری ہے جو اونٹ کو لگ جاتی ہے۔اس کے ساتھ ایسے شخص کی مثال دی جاتی ہے جو سخت عشق میں مبتلا ہو جائے۔

یہاں شعراء کے لئے کہا کہ ان کی حالت اس اونٹ کی سی ہوتی ہے جو جھوٹی پیاس کی بیماری میں مبتلا ہو کر وادیوں اور جنگلوں میں مارا مارا پھرے۔نہ اس کی جھوٹی پیاس بجھنے پائے نہ اس کے جذبات کو تسکین نصیب ہو۔غرض ردیف اور قافیہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ان کا کلام کسی مقصد کی نشاندہی نہیں کرتا۔کوئی نصب العین نہیں ہوتا۔کبھی اِدھر کی کہتے ہیں کبھی اُدھر کی۔شعروں میں مبالغہ آمیزی اور جھوٹ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کسی کی تعریف کرنے پر آئیں تو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔اگر ہجو پر اتریں تو دنیا بھر کے ناکردہ گناہ اور عیوب اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ہر وادی میں سرگرداں پھرنا یہ بھی ہے کہ شعراء کو اپنا کلام سنانے کا جنون ہوتا ہے جہاں موقع ملتا ہے شروع ہو جاتے ہیں۔جبکہ آنحضرت ﷺ ایک مقصد لے کر کھڑے ہوئے جو توحید کی

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اور یقیناً وہ کہتے ہیں جو نہیں وہ کرتے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ

کیں نیکیاں اور یاد کیا انہوں نے اللہ کو بہت اور بدلہ لیا انہوں نے

بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ

بعد اسکے کہ ظلم کیا گیا ان پر اور عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ کونسی پھرنے کی جگہ

١١
ع ٣٦ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾
١٥

وہ پھریں گے

تبلیغ اور شرک کا قلع قمع کرنا تھا۔آپ ﷺ نے دنیا بھر کے مصائب جھیلے لیکن اپنے عظیم مقصد سے ذرہ بھر بھی نہیں ہٹے۔

٢٢٧۔تیسری بات یہ کہ شاعروں کے قول و فعل میں تضاد ہے۔کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔اکثر اپنے اشعار میں اعلیٰ اخلاق اور نیکی کی تلقین کرتے ہیں جبکہ اکثر کی نجی زندگی شراب و کباب اور عیاشیوں میں گزرتی ہے۔اشعار کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔کبھی ایک آہ سے بدنام ہو جاتے ہیں کبھی محبوب کی ایک نظر سے قتل ہو جاتے ہیں۔جبکہ انبیاء ہر حکم پر سب سے پہلے خود کاربند ہوتے ہیں جو کہتے ہیں پہلے خود کر کے دکھاتے ہیں۔فتح مکہ کے روز آپ ﷺ نے سود کی حرمت کا اعلان فرمایا۔اسلامی احکام میں یہ آخری حکم تھا۔اس کی ابتداء بھی آپ ﷺ نے اپنے گھر سے کی اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے سود کو ساقط کیا۔حضرت عباسؓ اس سفر میں مکہ سے ہجرت کر کے آتے ہوئے آپ ﷺ کو راستہ میں ملے تھے۔گویا وہ ابھی ابھی ایمان لائے تھے ان کا بہت سا سود لوگوں کے ذمہ تھا جسے آپ ﷺ نے موقوف فرمایا۔غرض آپ ﷺ نے ہر حکم پر پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔

٢٢٨۔اس سورۃ کی اس آخری آیت میں مومن شعراء کو مستثنیٰ فرمایا اور بتایا کہ ان میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جاتیں ان کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ مومن ہیں اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں۔قرآنِ کریم نے ہمیشہ ایمان کے ساتھ عملِ صالحہ کو لازم رکھا۔محض زبان سے ایمان کا اقرار کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ منافقین بھی ایمان کے دعویدار تھے۔اعمالِ صالحہ کی مختصر تعریف تمام قرآنی احکام کی بجا آوری اور بدیوں سے اجتناب ہے۔دوسری صفت ان مومن شعراء کی یہ بیان فرمائی کہ

وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ کثرت سے ذکرِ الٰہی میں نماز، نماز کے اندر کی دعائیں اور نماز کے بعد مسنون تسبیح، قرآنِ کریم کی تلاوت اس پر غور و تدبر اس کی دعائیہ آیات اور احادیث کی مسنون دعاؤں کا ورد چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اور کام کاج کے دوران کرنا یہ سب ذکر میں شامل ہے۔ گویا ''دست بکار دل بیار'' والا معاملہ ہو۔ احادیث مبارکہ میں آنحضرت ﷺ کی لاتعداد دعائیں درج ہیں۔ سو کر اٹھنے کی، گھر سے نکلنے اور داخل ہونے کی، بلندی پر چڑھنے اور اترنے کی (آج ہم یہ دعا سیڑھیاں چڑھتے اور اترتے ہوئے بھی کر سکتے ہیں) مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کی۔ نیز مسجد میں بیٹھ کر مانگنے کی دعائیں، آئینہ دیکھنے اور نیا چاند دیکھنے کی، نیا کپڑا پہننے، پانی پینے اور کھانا کھانے سے پہلے اور بعد کی دعائیں۔ بیوی کے پاس جانے یہاںتک کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعائیں۔ یہ تمام دعائیں ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں۔ غرض ہر وقت اپنے محبوب کی یاد کو دل میں بسائے رکھنا اس کے فضلوں اور احسانوں کا بار بار ذکر کرتے رہنا۔ یہ سب ذکرِ الٰہی بھی ہے، عبادت بھی اور ربِّ دو جہان کا شکر بھی۔ ذکرِ الٰہی کے لامحدود فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسا انسان کوئی غلط کام نہیں کر سکتا اور ہر گناہ سے بچتا ہے۔ ایسے مومن شعراء کے اشعار ان کی عملی زندگی کے عکاس ہوتے ہیں جو عشقِ الٰہی، عشقِ رسول اور حکیمانہ نصائح پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس ہوتا ہے۔ تیسری صفت ان مومن شعراء کی یہ بیان فرمائی کہ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے ہاں اگر ان پر ظلم کیا گیا ہو تو ظلم کی نوعیت کے مطابق اپنے اشعار میں یا عملاً ان ظالموں سے بدلہ لینے کا حق رکھتے ہیں جیسا کہ جنگوں میں مسلمان شعراء نے جنگی اشعار سُنا کر مجاہدین کے حوصلے بڑھائے جسے آنحضرت ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔ پس مومن کے لئے عمدہ اور پاکیزہ اشعار کہنا منع نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃ وَ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا**۔ یعنی بعض شعر اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہیں اور بعض اچھے قسم کے بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ اسلام کے چوتھے خلیفۂ راشد اور نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر اور خطیب تھے اور صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ کے اشعار نہایت حکیمانہ ہیں۔ اپنے اشعار میں آپ فرماتے ہیں۔ ترجمہ۔ ذرا صبر کرو کیونکہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہے اور ہر امر کے لئے کوئی وقت اور تدبیر ہوتی ہے۔ اللہ کی نگاہ ہمارے حالات پر ہے اور ہماری تدبیر پر اللہ کی تدبیر فائق ہے۔ اپنے حکیمانہ اشعار میں موت کو حقیقتِ ثابتہ اور اٹل سمجھتے ہوئے یوں اظہار فرماتے ہیں۔ ترجمہ۔ جو تلوار کی ضرب سے نہ مرے وہ کسی اور طریق سے مرجائے گا۔ اگرچہ موت اپنی ذات میں

ایک ہی ہے تاہم اس کے اسباب و علل مختلف النوع ہیں۔ حضرت کعب بن مالک بھی مشہور شاعر تھے۔ غرض بہت سے صحابہ کرام قادر الکلام شاعر تھے جن میں حضرت حسان بن ثابتؓ کا شمار اکابر شعراء میں تھا آپ صاحبِ دیوان تھے۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آنحضرت ﷺ کی وفاتِ حسرت آیات پر آپ نے دو ایسے اشعار کہے جو اسلامی اور ادبی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جا چکے ہیں اور ان کو زندہ جاوید کر گئے ہیں وہ اشعار یہ ہیں۔

کُنتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِی فَعَمِیَ عَلَیکَ النَّاظِرُ
مَن شَاءَ بَعدَکَ فَلیَمُت فَعَلَیکَ کُنتُ اُحَاذِرُ

یہ دو اشعار ایسے ہیں جن پر بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام نے حضرت حسانؓ کو وہ خراجِ تحسین پیش کیا جو اپنی نظیر آپ ہے۔ سلسلہ کی روایات میں ہے کہ ایک دن حضرت مسیح موعود مسجد کے اندر ٹہل رہے تھے۔ آپ کچھ گنگنا رہے تھے اور آپ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ اس پر آپ کا کوئی حواری آگے بڑھا اور بڑے دردمندانہ انداز میں دریافت فرمایا کہ خیر تو ہے جو آپ اس طرح رو رہے ہیں؟ اس پر آپ نے اسے حضرت حسانؓ کے مندرجہ بالا دو اشعار سنا کر کہا۔ میں اس وقت یہ شعر پڑھ رہا تھا اور آنحضرت ﷺ سے فرطِ محبت کے باعث رو رہا تھا۔ لیکن میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو رہی تھی کہ اے کاش! میرا سارا کلام حضرت حسانؓ لے جاتے اور ان کے یہ دو شعر میری زبان سے نکلے ہوتے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا تمام کلام عشقِ الٰہی، عشقِ قرآن، عشقِ رسول اور بہترین نصائح پر مشتمل ہے اور آپ کے پاکیزہ خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ آپ کا عربی قصیدہ جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں بیان فرمایا آپ کی تصنیف منیف ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' میں درج ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں! ترجمہ: یہ قصیدہ نہایت عمدہ اور لطیف ہے اور یہ ادبی لطائف اور عربی زبان کے بے مثل قیمتی موتیوں سے بھرپور ہے۔ یہ میرے پیارے آقا، دوجہاں کے بادشاہ، خاتم النبیین، سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے۔ جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تعریف بیان فرمائی ہے۔ اے اللہ! قیامت تک ان پر درود بھیج اور سلامتی نازل فرما۔ آمین۔

شاعری کے لحاظ سے صرف دو عرب شاعرات نے عربی ادب میں قابلِ رشک مقام حاصل کیا۔ ایک تو حضرت خنساءؓ تھیں جنہیں صحابیۃ الرسول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ عفت اور پاکدامنی میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی تھیں اور ظاہری حُسن و وقار سے بھی مزیّن تھیں۔ آپ بے نظیر عالمہ

اور بے مثل شاعرہ تھیں۔ مرثیہ خوانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ آپ کا دیوان بہت مشہور ہے۔ علمائے شعر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خنساء پہلی اور پچھلی تمام عرب شاعرات سے افضل ہیں۔ آپ کی فضیلت اس سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو سب سے بڑی شاعرہ قرار دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کے اشعار کو بنظرِ استحسان دیکھا کرتے تھے اور اپنے کلام میں ان کے اشعار کا حوالہ دیا کرتے اور بڑی محبت سے ان کا استقبال کیا کرتے تھے۔ آپ جوانی میں بیوہ ہوئیں، ساری زندگی نیکی اور پاکیزگی میں گزاری، یتیم بچوں کی پرورش کے خیال سے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آپ وہ پاکباز بہادر خاتون تھیں جنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اپنے چاروں بیٹے جنگِ قادسیہ ۱۶ ہجری (ایرانیوں کے ساتھ ہونے والی جنگ) میں یہ کہہ کر بھیجے "اے بیٹو! تم اپنی مرضی سے مسلمان ہوئے۔ اپنی خوشی سے ہجرت کی۔ میں نے تمہارے باپ کی خیانت نہیں کہ اور نہ تمہارے ننھال کو رسوا کیا۔ میں نے تمہارے خاندان پر کوئی عیب نہیں لگنے دیا۔ تمہیں علم ہے اس ثواب کا جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے میں رکھا ہے۔ پس تم علیٰ وجہ البصیرت ہو کر کل صبح دشمن کے ساتھ لڑائی کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ کل فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کے طالب رہو۔ آپ نے بیٹوں کو کہا: تم پر میرے بہت سے حقوق ہیں۔ اگر کفر اور اسلام کی اس جنگ میں فتح کے بغیر واپس آئے تو میں اپنا کوئی حق نہیں بخشوں گی۔ ان کو جنگ میں بھیج کر خود جنگل میں جا کر سجدہ ریز ہو گئیں کہ اے میرے اللہ! میں نے اپنے چاروں بیٹوں کو مرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ تجھے طاقت ہے کہ انہیں زندہ واپس لائے۔ اس جنگ میں کسریٰ میدان جنگ میں ہاتھی لایا۔ اونٹ ہاتھی سے ڈرتا ہے وہ ڈر کر بھاگتے اس طرح مسلمانوں کو شدید نقصان ہوا۔

تاریخ کہتی ہے کہ حضرت خنساء کے یہ چاروں بیٹے یکے بعد دیگرے اس جنگ میں شہید ہو گئے جب حضرت خنساءؓ کو ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ نے مومنانہ شان کے ساتھ فرمایا۔ سب تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے مجھے ان کی شہادت فی سبیل اللہ سے مشرف کیا ہے۔ مجھے اپنے ربّ سے امید ہے کہ وہ مجھے ان کے ساتھ اپنی جوارِ رحمت میں اکٹھا کرے گا۔

ان کے بعد لیلیٰ الاخیلہ ہے جو اموی دور کی ایک بلند پایہ اور نامور شاعرہ تھیں۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی شعر کہتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے خود کبھی شعر نہیں کہا البتہ عمدہ اشعار سننا پسند فرماتے تھے۔ (تمام مسلمان عربی شعراء کے متعلق معلومات "عربی ادب کے شہ پارے" مولفہ و مرتبہ جناب صوفی محمد اسحاق سے لی گئی ہیں۔) فرمایا ان ظالموں کو پتہ چل جائے گا کہ کیسی گردش ان

پر آنے والی ہے۔ یہ مکی سورۃ ہے پھر جلد ہی حالات نے پلٹا کھایا۔ سب سے پہلے بدر کے میدان میں ذلیل و خوار ہوئے پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ قطعی طور پر مغلوب ہوئے اور آنحضرت ﷺ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہونا اور خدا کی طرف سے ہی قرآنِ کریم کا نازل ہونا مکمل طور پر ثابت ہو گیا۔

☆☆☆

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ اَرْبَعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ نمل۔یہ سورۃ مکی ہے،بسم اللہ سمیت اس کی چورانوے آیات اور سات رکوع ہیں

یہ سورۃ سورۃ الشعرآء کے بعد نازل ہوئی اور اسی ترتیب سے رکھی گئی۔چونکہ اس سورۃ کے مضامین سورۃ الشعراء سے ملتے جلتے ہیں اس لئے سورۃ الشعرآء کے شروع میں دیئے گئے دیباچہ پر ایک نظر ڈالنی مفید ہو گی۔سورۃ شعرآء کے آخر میں پیشگوئی فرمائی کہ ظالموں کا انجام قریب ہے اس سورۃ میں مختلف انبیاء کے حالات بیان کر کے تاریخی لحاظ سے ثابت کیا کہ گزشتہ زمانہ کے ظالموں کا حال تمہارے سامنے ہے اور انبیاء کی کمزور جماعتوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کامیابیاں نصیب ہوئیں وہ بھی اظہر من الشمس ہیں۔یہی تاریخ پھر دہرائی جائے گی۔سورۃ شعراء میں ان انبیاء کا ذکر تھا جو اپنی زندگی میں کامیاب ضرور ہوئے لیکن انہیں بادشاہت نہیں ملی۔اس سورۃ میں دوسرے انبیاء کے ذکر کے علاوہ خاص طور پر حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا ذکر کیا۔جن کی حکومت بنی اسرائیل کے علاوہ دوسری اقوام تک پھیلی۔اس میں اشارہ تھا کہ مسلمانوں کی حکومت کا دائرہ بھی بہت سی اقوام اور ممالک تک وسیع ہو گا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲﴾ هُدًى وَّ

طا۔سین یہ آیات ہیں قرآن اور کتاب کھل کھل کی ہدایت اور

بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

خوشخبری (بشارت) مومنوں کے لیے وہ جو کہ قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا،بن مانگے دینے والا،بار بار رحم کرنے والا اور محنت کا پھل دینے والا ہے۔

۲۔اس پہلے رکوع میں سورۃ شعرآء کے اس دعویٰ کی تصدیق کی کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے وحی ہے۔آخری مکّی زمانہ کے ناقابلِ بیان مظالم کے دور میں حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں مثیلِ موسیٰ کے لئے خوشخبری تھی کہ تیرے مخالفین بھی تباہ ہوں گے اور تو کامیابیوں سے ہمکنار ہو گا۔

جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ہر سورۃ کے ابتدائی حروفِ مقطعات اسمائے الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ اسمائے الٰہیہ اس سورۃ کے مضمون کو سمجھنے کے لئے بطور کلید ہوتے ہیں۔ طٰسٓ اللہ تعالیٰ کی صفتِ لطیف اور سمیع کے قائم مقام ہیں پچھلی سورۃ میں ''م'' کا اضافہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت مجید کی طرف اشارہ تھا۔اس لئے کہ اُس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زیادہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی مجد اور بزرگی کو تمام انبیاء سے بڑھ کر بیان کرنے والے تھے۔اس سورۃ میں دوسرے انبیاء کا ذکر زیادہ ہے جن کے وجود سے اللہ تعالیٰ کا لطیف اور سمیع ہونا تو ضرور ثابت ہوتا ہے لیکن وہ انبیاء اللہ تعالیٰ کی حمد اور بزرگی کو اس مقام تک نہیں پہنچا سکے جس مقام تک پہنچانا حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقدر تھا۔فرمایا یہ آیات اس کتاب کی ہیں جو ہمیشہ پڑھی جائے گی اور جو دینی امور کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔یہاں قرآنِ کریم کی تین صفات کا ذکر کیا۔لفظ قرآن میں اس کے بکثرت پڑھے جانے کی پیشگوئی فرمائی۔یہ اس وقت کہا گیا جب مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور پڑھنا بھی بہت کم لوگ جانتے تھے۔لفظ کتاب میں ان بکھرے ہوئے صحیفوں کو ایک کتاب کی شکل دے کر ضبط تحریر میں لانے کی پیشگوئی ہے نیز یہ کہ لکھی بھی بکثرت جائے گی۔یہ اس وقت کہا گیا جب مکّہ میں چند آدمی لکھنا جانتے تھے۔تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ مبین ہے یعنی اپنے تمام احکام و قوانین کو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ہر دعویٰ کے لئے دلیل رکھتی ہے۔بغیر دلیل کوئی دعویٰ نہیں کرتی۔

الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا

زکوٰۃ اور وہ کر آخرت پر جو یقین رکھتے ہیں یقیناً وہ لوگ جو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۵﴾

ایمان لاتے آخرت پر خوبصورت کرکے دکھلائے ہم نے ان کیلئے اعمال انکے پس وہ بھٹک رہے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ

یہ لوگ وہ ہیں ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بالکل ہی

۳۔۴۔اب قرآنِ کریم کی مزید دو صفات کا ذکر کیا کہ قرآنِ کریم کی آیات ہدایت بھی ہیں اور بطور بشارت بھی ہیں۔لیکن ہر کس و ناکس کے لئے نہیں کہ جو کافر یا مومن پڑھے اسے ہدایت نصیب ہو جائے اور بشارتیں بھی ملیں۔ہدایت اور بشریٰ کو حاصل کرنے کے لئے چار شرائط بیان فرمائیں۔پہلی سچے دل سے ایمان قبول کرنا،پھر نماز کو جماعت سے نہ صرف خود ادا کرنا بلکہ دوسروں کو بھی اس پر قائم ہونے کی تلقین کرنا۔**یقیمون الصلوٰۃ** میں نماز اپنی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے کے علاوہ تمام بدنی قربانیوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔تیسری زکوٰۃ ادا کرنا۔زکوٰۃ میں ہر قسم کی مالی قربانیوں کی طرف اشارہ ہے گویا نماز میں حقوق اللہ ادا کرنا اور زکوٰۃ میں حقوق العباد ادا کرنا ہے۔چوتھی شرط آخرت پر یقین ہے۔دراصل یہی وہ قوت ہے جس سے ایک مومن دنیا میں اللہ کی رضا کی خاطر ہر قربانی کے لئے تیار رہتا ہے، بدنی ہو یا مالی،خواہ اسے دنیا میں اس کا اجر ملے یا نہ ملے۔اس لئے کہ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کی کوئی قربانی ضائع نہیں جائے گی۔اسے اس کی نیکیوں کا بہت بڑھ کر اجر ملے گا۔آخرت پر یقین اسے ہر گناہ سے روکتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ اگر گناہوں کا حساب دنیا میں نہ ہُوا اور اسے کوئی سزا نہ ملی تو آخرت کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔غرض آخرت کی سزاؤں اور رسوائیوں کا ڈر ایک مومن کو ہر گناہ سے باز رکھتا ہے۔

قرآن ہی وہ ہدایتِ کامل ہے جو بندے کو اس کے روحانی نقطہءِ کمال تک پہنچاتا ہے اور اسے اس کے ربّ سے ملا دیتا ہے۔ایسا صرف قرآنِ کریم کی تعلیم پر عمل سے ہی ممکن ہے۔ایسے بندے کی تائید میں ربّ کریم کی فعلی شہادتیں بشارتوں کے رنگ میں نازل ہوتی ہیں۔پس ہر ایسا شخص اپنے روحانی مقام کے مطابق رویاء و کشوف اور الہام سے نوازا جاتا ہے اور اُن بشارتوں کا مورد بنتا ہے۔

۵۔۶۔ان کے مقابلہ میں وہ لوگ ہیں جنہیں کسی اخروی جوابدہی یا گرفت کا کوئی خوف

الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ

ناکام ہونیوالے ہیں اور یقیناً تو البتہ سکھایا جاتا ہے قرآن طرف سے حکمت والے بہت

عَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ

جاننے والے کے جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو یقیناً میں نے دیکھی ہے آگ عنقریب میں لاؤں گا میں

نہیں ہوتا۔یہ بے خوفی انہیں گناہوں پر دلیر کرتی چلی جاتی ہے۔ گناہ سے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں نیکی کا بیج رکھا ہے۔جیسا کہ فرمایا کہ ہر انسان نیک فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔پس اسی فطری تقاضا کے تحت ہر شخص کو ابتدا میں گناہ کے ارتکاب پر اس کا ضمیر ضرور ملامت کرتا ہے لیکن انسان ایسی تاویلیں تلاش کر لیتا ہے کہ ضمیر کی آواز آہستہ آہستہ دب جاتی ہے اور گناہ اسے خوبصورت لگنے لگتے ہیں۔پس ایسے لوگ گمراہیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔جیسا کہ ایک راشی شخص کو کہتے سنا کہ جب پہلے دن رشوت لی تو ساری رات سو نہ سکا۔اب یہ حال ہے کہ جس دن رشوت نہیں لیتا تو سو نہیں سکتا۔پھر رشوت کے جواز میں دلیلیں دی جاتی ہیں کہ ہم کسی کی جیب تو نہیں کاٹتے ہمارا حصہ گھر پہنچ جاتا ہے۔اگر نہ لیں تو دوسرے لے لیں گے بلکہ یہ بھی کہتے سنا گیا ہے کہ ہم ان ایمانداروں سے تو اچھے ہیں جن کے بچے اپنی جائز ضروریات سے بھی محروم ہیں۔ہمارے بیوی بچے کم از کم باعزت طریقہ سے تو زندگی گزار رہے ہیں۔سمگلنگ کو تو ویسے ہی جائز قرار دیتے ہیں کہ یہ ایک تجارت ہے۔ہم کوئی چوری نہیں کر رہے۔رقم دے کر چیز لاتے ہیں۔غرض عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔اسی طرح دیگر بدیوں کا حال ہے۔متواتر گناہوں سے دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے اور بدی اچھی لگنے لگتی ہے۔قرآنِ کریم اگر مومنین کے لئے بشارت ہے تو ان منکرینِ آخرت کے لئے وعید بھی ہے۔اگرچہ ہر طرح اپنی بداعمالیوں کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن ان کے بد نتائج سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔دنیا میں ہی ان اعمال کی پاداش میں کبھی رسوائیاں اور جیلیں بھگتنی پڑتی ہیں اور کبھی عیاشیوں سے مختلف جسمانی عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ناجائز کمائی پر پلی ہوئی اولاد دنیا ہی میں جہنم کا مزہ چکھا دیتی ہے۔غرض مختلف بلائیں گھیر لیتی ہیں اور سکونِ قلب جیسی نعمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔پھر آخرت کا دردناک عذاب اور رسوائی اس کے علاوہ ہے جہاں گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔

۷۔**تلقّی الشّیْءَ** کے معنی براہِ راست دوسرے کے منہ سے کلام سننے کے ہوتے ہیں۔حکیم و علیم ہستی کی طرف سے تجھے ایسا قرآنِ عظیم مل رہا ہے جس میں حکمتوں اور علوم کے خزینے ہیں۔اگلی آیت سے حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے جنہیں کلیم اللہ کہا گیا۔اس لئے اس آیت میں وضاحت

مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۸

تمہارے پاس اس سے کوئی خبر یا لاؤں گا تمہارے پاس انگارا سلگتا ہوا تاکہ تم تاپو

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا

پس جب وہ آیا اس کے پاس آواز دیا گیا کہ برکت والا ہے وہ جو آگ (کی روشنی) میں ہے اور جو اردگرد ہے اسکے

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ يٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ

اور پاک ہے اللہ رب العالمین اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں اللہ عزت والا

الْحَكِيْمُ ۝۱۰ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ

حکمت والا ہوں اور ڈال (زمین پر) سونٹا اپنا پس جب دیکھا اس نے اُسے ہلتا ہے گویا کہ وہ سانپ ہے

فرمائی کہ بیشک حضرت جبریلؑ اللہ تعالیٰ کا کلام لے کر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ بھی کلام فرماتا ہے۔ یہ اعزاز حضرت موسیٰؑ کے لئے خاص نہیں۔

۸ تا ۱۰۔ آنحضرت ﷺ مثیلِ موسیٰ تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے واقعات میں آپ ﷺ کے لئے بہت سی پیشگوئیاں تھیں۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں آپ کا ذکر سب انبیاء سے زیادہ آیا۔ یہ واقعہ سورۃ طٰہٰ رکوع ۱ تا رکوع ۵ تک تفصیلاً درج ہے۔ اس واقعہ کی خاص اہمیت یہ ہے کہ یہی وہ بابرکت مقام تھا جہاں قدرت حضرت موسیٰؑ کو راستہ کی تلاش میں لے آئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے کلام فرمایا، آپ کو خلعتِ نبوت سے نوازا، عصا اور یدِ بیضاء کے دو زبردست ہتھیاروں سے مزین کر کے فرعون کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ یہ مدین سے مصر کی طرف آپ کا واپسی کا سفر تھا۔ آپ نے انوار الٰہی کو کشفی رنگ میں آگ کی صورت دیکھا۔ جس سے درخت کا ایک حصہ غیر معمولی طور پر روشن دکھائی دے رہا تھا۔ یہ آگ دوسروں کو نظر نہیں آئی۔ آپ کا فرمانا تمثیلی رنگ میں تھا کہ میں تمہارے لئے کوئی خبر لاؤں گا۔ سورۃ طٰہٰ میں **ھدًی** کا لفظ ہے۔ یا تمہارے لئے چمکتا ہُوا انگارہ لاؤں گا۔ تا کہ تم سینکو۔ کشف میں آگ دیکھنے سے مراد ہدایت ہوتی ہے یعنی اگر یہ ہدایت میری ذات کے لئے مخصوص ہو گی تو تمہیں خوشخبری دوں گا۔ اگر اس ہدایت کو دوسروں تک پہنچانے کا حکم ہُوا تو تمہارے لئے بھی وہ ہدایت لاؤں گا جس سے تم روحانی گرمی حاصل کر سکو۔ جب آپ اس آگ کے قریب پہنچے تو آپ کو ایک درخت کی طرف سے آواز آئی۔ (قصص:۳۱) کہ جو آگ میں ہے وہ بھی برکت دیا گیا ہے اور جو اس کے گرد ہے وہ بھی برکت دیا گیا ہے۔ یہ آپ پر وحی کی ابتدا تھی کہ جسے تم آگ کے طور پر روشن دیکھ رہے ہو وہ آگ نہیں بلکہ میرا نور چمک رہا ہے۔ **سبحان اللّٰہ ربّ العٰلمین**ؑ کہہ کر واضح کر دیا کہ آگ میں اللہ تعالیٰ نہیں تھا۔ وہ حدود و قیود سے پاک ہے۔ آگ

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۗ اِنِّيْ لَا يَخَافُ

مڑا پیٹھ دیتا ہوا اور نہ مڑ کر دیکھا اے موسیٰ نہ ڈر یقیناً میں ایسا ہوں کہ نہیں ڈرتے

لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۱ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ

جناب میں میری رسول مگر جس نے ظلم کیا پھر بدلے میں لایا نیکی بعد

سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ

بُرائی کے تو میں بہت بخشنے والا ہوں بہت رحم کرنے والا ہوں اور داخل کر اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں

میں آپ کو اپنی نبوت کا مرتبہ دکھایا گیا کہ تو میری محبت کی آگ کا مظہر ہے۔ تو جو اس نبوت کی آگ میں ڈالا گیا، تُو بھی بابرکت ہے اور جو تیرے گرد ہیں وہ بھی برکت دیئے گئے ہیں۔ یہاں وہ خاص وادی بھی مراد ہے جو برکت دی گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ "اس کے (اپنے مامور کے) کلام میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کے تمام در و دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے۔ اور اس کی پوشاک اور اس کی خوراک میں اور اس مٹی میں بھی جس پر اس کا قدم پڑتا ہے ایک برکت رکھ دیتا ہے۔ اور اس کو نامراد ہلاک نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

رویاء و کشوف میں آگ میں ہونا عشقِ الٰہی پر دلالت کرتا ہے گویا آپ کو ایک اصول بھی بتادیا کہ جو بھی عشقِ الٰہی کی آگ میں کود پڑے وہ نہ صرف خود برکت پاتا ہے بلکہ اس کے تمام قریبی بھی اس برکت سے حصہ لیتے ہیں۔ پس آگ کے اندر حضرت موسیٰؑ ہی تھے جو برکت دیئے گئے اور عشقِ الٰہی کی آگ سے کندن بن کر نکلے اور اس قابل ہوئے کہ زمانے کے فرعون سے ٹکر لے سکیں۔ **من حولھا** میں ملائکہ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو وحیِ کامل کے ساتھ اس کی حفاظت کے لئے نزول فرماتے ہیں اور آپ کے مقربین بھی۔ فرمایا اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں۔ کامل غلبہ والا اور حکمت والا یہ دونوں صفات آپ کی ساری زندگی پر حاوی رہیں۔

۱۱۔۱۲۔ عصا کے سانپ بننے پر قدرتی طور پر آپ کو خوف محسوس ہُوا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی کہ رسول میرے حضور ڈرا نہیں کرتے۔ ان کی حفاظت ان کے ربّ کے ذمہ ہے۔ یہاں **الا** عاطفہ ہے اس کے معنی اور کے ہیں۔ فرمایا نہ نبیوں کو خوف ہوتا ہے اور نہ اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم تو کیا لیکن پھر ظلم کو ترک کر کے نیکی کی راہ اختیار کی۔ گویا جس سے بھول سے کوئی زیادتی ہوگئی ہو لیکن وہ نیکیوں سے اس زیادتی کی تلافی کر دے تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بار بار

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وہ نکلے گا سفید بغیر بُرائی کے نو نشانات میں طرف فرعون کی
وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ⑬ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ
اور اس کی قوم کی یقیناً وہ تھے لوگ نافرمان پس جب آئیں ان کے پاس
اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑭ وَجَحَدُوْا بِهَا
نشانیاں ہماری بصیرت پیدا کرنے والی کہا انہوں نے یہ جادو ہے کھلا کھلا اور انکار کیا انہوں نے ان کا
وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ
حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کا دلوں نے ان کے ظلم اور سرکشی سے پس دیکھ کس طرح ہوا
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ⑮ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ ع ۱۵
[illegible] انجام مفسدوں کا اور یقیناً یقیناً دیا ہم نے داؤد کو اور سلیمان کو علم

رحم کرنے والا ہے۔ یہاں حضرت موسیٰؑ کے اس خوف کو دور کرنا بھی مقصود تھا جو آپ کے ہاتھوں نادانستہ طور پر ایک قبطی کا خون ہو جانے کی وجہ سے تھا۔

یہاں **جآنّ** کا لفظ آیا ہے جو چھوٹے سانپ کے لئے آتا ہے کیونکہ محض آپ کو معجزہ دکھانا مقصود تھا۔ فرعون کے دربار میں عصا نے ثعبان کی شکل اختیار کی جس کے معنی اژدہا کے ہیں۔ (الاعراف:۱۰۸) کیونکہ فرعون اور اہلِ دربار کو ڈرانا مقصود تھا۔

۱۳،۱۴۔ حضرت موسیٰؑ کے یہ تمام واقعات تفصیلاً سورۃ الاعراف ۱۰۴ تا ۱۳۴ بیان ہو چکے ہیں۔ قرآنِ کریم نے ید بیضاء کی تعریف میں غیر سوء کہا یعنی ہاتھ کی سفیدی کسی تکلیف یا بیماری کی وجہ سے نہیں تھی۔ جیسا کہ توریت نے ہاتھ کی سفیدی کی وجہ کوڑھ بتائی۔ (خروج باب ۴ آیت ۶، ۷) اس طرح قرآنِ کریم نے حضرت موسیٰؑ پر لگائے گئے توریت کے الزام کی تردید فرمائی اور بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نو نشانوں میں سے ایک عظیم نشان تھا۔ نو نشانات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے الاعراف:۱۳۴۔

اس قوم کا فاسق ہونا ان پر عذاب کا باعث ہوا۔ کیونکہ فسق و فجور اور شوخیوں میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے عذاب آتا ہے۔ ورنہ کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس جہان میں نہیں پکڑتا۔ اس کا حساب اگلے جہان میں ہے۔

۱۵۔ **جحدوا بھا** انہوں نے ان (نشانیوں) کا انکار کیا۔ **استیقنتھا انفسھم** ان کے دلوں نے ان (نشانیوں) کا یقین کر لیا تھا۔

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ
اور دونوں نے کہا سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے فضیلت دی ہمیں بہتوں پر اپنے بندوں
الْمُؤْمِنِيْنَ ⑯ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ
مومنوں میں سے اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا اور کہا اس نے اے لوگو
عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
ہمیں سکھائی گئی ہے بولی پرندوں کی اور دیئے گئے ہیں ہم ہر چیز یقیناً یہ البتہ یہی
الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑰ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ
فضل ہے کھلا کھلا اور اکٹھے کیے گئے سلیمان کے لیے لشکر اس کے جنوں

ان پر خدا کی طرف سے پے در پے نشانات آئے جو عصا اور ید بیضاء کے علاوہ عذاب الٰہی کی صورت میں تھے۔ ان کے دل جانتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ان کی بداعمالیوں کی سزا کے طور پر ہیں۔ اسی لئے ہر عذاب کے آنے پر چلا اٹھتے کہ اپنے ربّ کو کہہ کہ وہ عذاب ٹال دے ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔ لیکن جب عذاب دور ہو جاتا تو وعدہ خلافی کرتے (سورۃ الاعراف:۱۳۵،۱۳۶) اس کی وجہ ان کی مسلسل سرکشی اور تکبر تھا۔ اقرار کی صورت میں ان کے مفادات عاجلہ پر ضرب پڑتی تھی کہ بیگار کے لئے غلام نہ ملتے۔ نیز ایک غلام قوم کے فرد کی خدائی آواز پر کان دھرنے سے ان کی عزتِ نفس مجروح ہوتی تھی۔

پس اللہ تعالیٰ کا عذاب اس وقت پکڑتا ہے جب سمجھ آجانے کے باوجود محض سرکشی اور تکبر کی وجہ سے انکار پر ڈٹے رہیں۔ اس میں کفار مکہ کے لئے سرزنش تھی جو فرعون اور اس کے ساتھیوں کی طرح نشان پر نشان دیکھ رہے تھے اور جانتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ انسان کے بس میں نہیں۔ پھر بھی انکار پر مصر تھے۔

۱۶۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے واقعات سورۃ الانبیاء :۷۹ تا ۸۳ تفصیل سے گزر چکے ہیں یہاں سے رکوع ۳ تک خاص طور پر حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کے واقعات تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کو علم دیا جس میں خلافتِ روحانی یعنی نبوت اور دنیوی خلافت یعنی بادشاہت دونوں شامل ہیں۔ دونوں نے ان نعمتوں پر اپنے ربّ کا شکر ادا کیا۔

۱۷۔ حضرت داؤدؑ کی وفات کے بعد آپ کے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت سلیمانؑ کو نبوت اور حکومت سے نوازا۔ آپ ۹۶۵ قبل مسیح میں حضرت داؤدؑ کے جانشین ہوئے۔ قریباً چالیس سال تک آپ ایک عظیم سلطنت کے فرمانروا رہے۔ آپ بہت سے دنیوی علوم کے ماہر تھے کئی علوم

اور ایجادات آپ کے نام سے موسوم ہیں آپ میں ملک گیری کی خاص صلاحیتیں تھیں۔آپ نے ملک میں توسیع فرمائی اور بے شمار اصلاحات نافذ فرمائیں۔طیر واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔
طیر کے معنی الانبیاء آیت ٨٠ میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں کہ پرندوں کے علاوہ تیز رفتار گھوڑے بھی مراد ہیں۔منطق الطیر۔فوج کی بولی۔فوج کے قواعد(غریب القرآن)پس آپ نے اپنی افواج کو جدید ہتھیاروں سے مزین کیا اور ضرب وحرب کے جدید قواعد سے روشناس کروایا۔مفردات راغب میں منطق الطیر کی تشریح میں لکھا ہے کہ پرندوں کے خواص،حالات،فوائد اور ان کو سدھانے کے طریق آپ نے سیکھ لئے تو پرندے آپ کے لئے ناطق قرار پائے،دوسروں کے لئے صامت۔

توریت میں سلاطین باب ۴ آیت ٣٢،٣٣ میں حضرت سلیمانؑ کے لئے درج ہے۔"اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی ۔۔۔۔۔اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا۔"گویا آپ کو علمِ حیوانات ونباتات پر خاص عبور حاصل تھا۔

منطق الطیر ایک خاص علم بھی ہے۔جس میں جانوروں کی بولیوں،رنگوں،قسموں،بیماریوں،معالجات اور ان کو سدھانے وغیرہ کے متعلق وسیع معلومات ہوتی ہیں۔اس علم کو سنسکرت میں بسنت راج،یونانی میں ارنی تھولوجیا اور عبرانی میں وبرحاعرف کہتے ہیں۔دراصل اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو غیر معمولی حکمت عطا فرمائی تھی اور انہیں نبوت کے علاوہ بعض حکمت کی باتوں سے بھی نوازا تھا۔آپ پرندوں میں خاص دلچسپی لیتے۔ان کے اشاروں،حرکتوں اور آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔پس منطق الطیر کے معنی پرندوں کی بولی کے بھی لئے جائیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ حضرت سلیمانؑ بعض پرندوں کی بولی سمجھ یا بول سکتے تھے۔آجکل بھی اس علم کے ماہر ہیں۔اس صدی میں ہندوستان کا ایک مشہور شکاری جم کاربٹ کئی جانوروں کی بولی بول اور سمجھ لیتا تھا۔وہ جانور اس کی آواز سن کر اس کے پاس آجاتے۔اس نے اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں۔حضرت سلیمانؑ نے اس علم میں یقیناً مہارت حاصل کی ہوگی۔لیکن یہ کہنا کہ ہدہد انسانوں سے زیادہ عقلمند تھا،ایک معمولی عقل کا آدمی بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔نُطق انسان سے خاص ہے دوسروں کے لئے بطور مجاز ہی بولا جائے گا۔درحقیقت خدائی کلام استعارہ کے رنگ میں ہوتا ہے۔اسے ظاہر پر محمول کرنا ٹھوکر کا باعث ہوگا۔
عُلِّمنا میں جمع کا صیغہ بتا رہا ہے کہ ان علوم پر تحقیق کرنے والے آپ کے کچھ اور ساتھی بھی آپ کے ساتھ شامل تھے۔**کل شيءٍ** کا لفظ جہاں بھی قرآنِ کریم میں آیا اس سے مراد ضرورت کی ہر چیز ہے۔یہاں مِن کُلِّ شيءٍ ہے یعنی ہر چیز میں سے عطا کیا گیا جو آپ پر اللہ کا خاص فضل تھا۔

وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٨﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ

اور انسانوں | اور پرندوں میں سے پس وہ | جُدا جُدا کیئے گئے | یہاں تک کہ جب وہ آئے | وادی پر

١٨۔**یُوزَعُونَ**۔**وَزَع** نفس کو ہوا و حرص سے روکنا ہے۔مراد روکنا۔**یُوزَعُونَ**۔وہ روکے جاتے تھے۔ایسا غایت کثرت میں ہوتا ہے کہ اگلوں کو پچھلوں کی خبر نہیں ہوتی اور اگلوں کو روکنا پڑتا ہے۔مراد کثرت اور تفاوت کے باوجود بے ترتیب نہیں تھے بلکہ حکم اور ضبط کے تابع تھے۔گویا نہایت ترتیب کے ساتھ ان کی صف بندی کی گئی۔امام راغب نے لکھا کہ ان لشکروں کو فساد یا ناحق لوگوں کا مال لینے سے روکا جاتا تھا۔لشکروں کا جمع ہونا بتاتا ہے کہ کسی خاص مہم کے لئے جارہے تھے۔یہ مہم ملکہ سبا کے خلاف تھی۔حضرت سلیمانؑ کو اطلاع پہنچی تھی کہ یمن کی ملکہ سبا آپ پر حملہ کی تیاری کر رہی ہے۔آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے یہ عظیم لشکر ترتیب دیا۔حضرت سلیمانؑ کے عہد میں یمن سمیت تمام عرب حضرت سلیمانؑ کے زیرنگیں تھا ممکن ہے آپ کو ان کی بغاوت کی اطلاع ملی ہو۔قومِ سبا ایک متموّل اور متمدّن قوم تھی۔تمام علاقے میں ان کا ڈنکا بجتا تھا۔حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔جن،انس اور طیر۔طیر کے معنی انبیاء:٨٠ میں تفصیلاً گزر چکے ہیں۔تیز رفتار گھوڑے(لسان العرب)رسالہ فوج۔تیز رفتار فوجی دستوں کو محاورۃً طیر کہا جو برق رفتار گھوڑوں پر اڑتے ہوئے جاتے تھے اور اہم فوجی خبریں لاتے تھے۔بائبل میں لکھا ہے کہ [illegible] کی گاڑیوں کے گھوڑوں کے چالیس ہزار تھان تھے اور بارہ ہزار سوار تھے۔(سلاطین ٢٦/٤) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قبیلہ طیر کے شاہسوار تھے۔اگر عام پرندے لئے جائیں تو نامہ بری کا کام ان کے سپرد ہوگا جو ایک بڑے لشکر کے لئے ایک اہم ضرورت تھی۔جیسا کہ آج کے دور میں کوئی فوج لاسلکی نظام (Wireless) کے بغیر ادھوری ہے۔انس تہذیب یافتہ مہذب شہری لوگ تھے۔جبکہ جن غیر اسرائیل پہاڑی لوگ تھے۔یہ عمالقہ قوم کے طویل القامت،قوی الجثہ،جنگجو،طاقتور،باغی اور سرکش لوگ تھے۔جو بنی اسرائیل سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہے۔انہیں حضرت داؤدؑ نے سختی سے زیر کیا اور ان سے بڑے بڑے صناعی کے کام لئے(السباء ٣٤۔١٤) حضرت سلیمانؑ نے انہیں نرمی سے مطیع کیا۔آپ ان سے دوسرے کاموں کے علاوہ عسکری خدمات بھی لیتے تھے۔جن کی تشریح سورۃ الحجر آیت:٢٨ میں بھی ہے۔نیز جن ہر وہ چیز ہے جو نظر سے پوشیدہ ہو۔عربی میں سانپ کو بھی جن کہا جاتا ہے۔اس لئے کہ وہ بلوں میں گھسا رہتا ہے۔جنوں کی ایک قسم جراثیم اور بکٹیریا ہیں جو ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتے۔حدیث میں ہے کہ بیماریاں جنوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔وہ انسانوں کو چمٹ جاتے ہیں۔اُس

النَّمۡلِ ۙ قَالَتۡ نَمۡلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰكِنَكُمۡ ۚ لَا
چیونٹیوں کی کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹیو داخل ہو جاؤ اپنے گھروں میں نہ
يَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمٰنُ وَجُنُوۡدُهٗ ۙ وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ فَتَبَسَّمَ
کچل دے تمہیں سلیمان اور لشکر اس کے اور وہ نہ جانتے ہوں پس مسکرایا وہ
ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ
ہنستے ہوئے بات سے اس کی اور کہا اے رب میرے توفیق بخش مجھے کہ میں شکر کروں نعمت کا تیری
الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ
جو انعام کی تو نے مجھ پر اور والدین پر میرے اور یہ کہ عمل کروں میں نیک راضی ہو تو جس سے

وقت بکٹیریا وغیرہ کا تصور نہیں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علم الٰہی کی بنا پر بات کرتے تھے۔جس کو لوگ سمجھ نہیں سکتے تھے۔اب انسان کو علم ہے کہ اکثر امراض کی وجہ بکٹیریا ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہڈی سے استنجا نہ کرو یہ جنوں کی خوراک ہے۔آج سائنس تسلیم کرتی ہے کہ ہڈی بکٹیریا کی خوراک ہے اس سے استنجا کرنے سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔جوں جوں سائنس ترقی کر رہی ہے قرآن و حدیث کی باتیں سچی ثابت ہو رہی ہیں۔لُغت میں ہے **جِنُّ النَّاسِ مُعۡظَمُهُم** (اقرب) یعنی جن کا لفظ انسانوں میں سے بڑے آدمیوں کے لئے بولا جاتا ہے۔یعنی ایسے متکبر سرداران قوم جن کے محلوں تک عوام کی رسائی نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ذرائع آمدورفت محدود تھے۔عربوں میں مشہور تھا کہ کوہ قاف کے دوسری طرف مضبوط اعضاء والے جن، سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی سرخ و سفید پریاں رہتی ہیں۔یہ مغربی اقوام تھیں۔قرآنِ کریم میں جنّوں کے ایک وفد کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا ذکر ہے۔(احقاف رکوع ۴) دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے۔**وَاَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا**۔(النساء رکوع ۱۱) ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔قرآن میں تضاد نہیں۔پس جن انسانوں سے الگ کوئی مخلوق نہیں۔جس طرح شیاطین الانس ہوتے ہیں۔اسی طرح جن الانس بھی ہیں۔جہنم میں جنّوں کے جانے کا ذکر ہے لیکن جنت میں جنّوں کے جانے کا ذکر نہیں۔حالانکہ کہا جاتا ہے کہ جن نیک بھی ہوتے ہیں۔اس ساری تشریح کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کہ جن کی قسم کی کوئی مخلوق ہے ضرور۔بعض بزرگوں کے واقعات سے ایسے شواہد ملے ہیں۔(حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ الفضل ۲۲ جولائی ۲۰۰۰ء)

۱۹۔۲۰۔**یَحۡطِمَنَّکُم**۔**حَطَمَ**۔کسی چیز کو توڑا۔(اقرب) **لَا یَحۡطِمَنَّکُم**۔ایسا نہ ہو کہ

وَاَدۡخِلۡنِیۡ بِرَحۡمَتِكَ فِیۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيۡرَ
اور داخل کر مجھے ساتھ اپنی رحمت کے اپنے بندوں نیکوں میں اور حاضری لی اس نے پرندوں کی

وہ تم کو توڑ دیں یعنی تباہ کر دیں اور روند ڈالیں۔**اَوۡزِعۡنِیۡ**۔**وَزَعَ**۔اصل معنی روکنا ہے آیت :۱۸ یہاں معنی توفیق دینے کے ہیں۔(مفردات) کہ اے میرے ربّ! مجھے ہر غفلت سے روک اور توفیق دے۔وادیءِ نمل جبرین اور عسقلان کے درمیان ہے(تاج العروس) مقاتل کا قول ہے کہ ارضِ شام میں واقع ہے بعض کا قول ہے کہ نواحِ یمن میں ہے۔طائف کے قریب ہے وہاں ایک چشمہ ہے جس کو ابرقہ کہتے ہیں۔اس جگہ سونا نکلتا ہے۔غرض یہ ایک مشہور جگہ ہے جس کا ذکر عرب اشعار میں ملتا ہے۔(روح المعانی)

یہ لشکر کشی ملکہ سبا پر تھی جو یمن کی فرماں روا تھی۔کعب احبار میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ یمن کے ارادہ سے بیت المقدس سے روانہ ہوئے مکّہ اور مدینہ سے گزرتے ہوئے وادیءِ نمل میں پہنچے۔(روح المعانی) تاریخ میں جانوروں اور پرندوں کے نام پر کئی مقامات، اقوام اور افراد کے نام ملتے ہیں۔عرب میں ایسے نام بکثرت ہیں۔اسد۔غضنفر۔لیث۔کلاب۔بکر۔عجل۔کبشہ۔ثور۔ارطاۃ۔مازن وغیرہ۔غضنفر، اسد (شیر) نمر (تیندوا) اور نمرہ وغیرہ نام ہمارے ہاں بھی رکھے جاتے ہیں اور کوئی انہیں اصل پر محمول نہیں کرتا۔پس ان آیات کا لفظی ترجمہ کسی طور درست نہیں۔کسی چیونٹی کو حضرت سلیمانؑ کا نام کیسے معلوم ہُوا؟ حضرت سلیمانؑ کو منطق الطیر کا علم تھا۔چیونٹی کو نہیں تھا۔حضرت سلیمانؑ کا لشکر ایک لمبے سفر میں کئی حشرات الارض کو روندتا ہُوا آ رہا تھا ان میں سے کوئی چیونٹی کیوں نہیں بولی؟ چیونٹیاں ہر جگہ ہوتی ہیں۔کبھی کسی خاص وادی میں نہیں رہتیں۔حقیقت میں یہ ایک وادی کا نام تھا۔جس کی ملکہ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے گھروں میں گھس جاؤ تا کہ سلیمانؑ کا لشکر اس غلط فہمی کی بنا پر تمہیں تباہ نہ کر دے کہ یہ ہم سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔فتح مکّہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی اعلان کیا تھا کہ جو لوگ گھروں میں داخل ہو کر دروازے بند کر لیں وہ امن میں ہیں۔حضرت سلیمانؑ کو جب یہ اطلاع پہنچی کہ ملکہ بغیر مقابلہ آپ کی مطیع ہو گئی ہے تو آپ بے حد خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ورنہ چیونٹیوں کا بلوں میں گھسنا کونسا شکر کا مقام تھا۔آپ کا شکر اسی وجہ سے تھا کہ دور دراز کی قوموں میں بھی آپ کی انسان پروری اور انصاف کا چرچا ہے اور آپ کے رعب کے سامنے سر جھکاتی ہیں۔وہ سمجھتی ہیں کہ اگر ہم مقابلہ کے لئے گھروں سے نہ نکلے اور ہتھیار نہ اٹھائے تو ہم پر ظلم نہیں ہوگا اور امن میں رہیں گی۔پس آپ نے اپنے ربّ سے

فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ٢١

پس کہا کیا ہوا مجھے کو نہیں دیکھتا میں ہُدہُد کو یا ہے وہ غیر حاضروں میں سے

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ

ضرور عذاب دونگا اسے عذاب سخت یا ضرور ذبح کردونگا میں اسے یا وہ لاوے میرے پاس

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ٢٢ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ

دلیل کھلی کھلی پس اس نے دیر کی تھوڑی سی پس اس نے کہا معلوم کیا ہے میں نے وہ کہ نہیں

مناجات فرمائی کہ اے میرے ربّ! مجھے شکر کی توفیق دے۔شکر کی توفیق تو آپ کو پہلے بھی تھی یہاں خاص طور پر توفیق چاہنا یہ ہے کہ میں تیرے شکر کا حق ادا کر سکوں۔ان بے حد وحساب انعامات کی وجہ سے جو نہ صرف مجھ پر ہوئے بلکہ میرے والدین کو بھی تو نے ان سے نوازا۔زبان سے شکر یا الحمدللہ کہنے سے یہ حق ادا نہیں ہوسکتا۔حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔جسم،جان،طاقت،عقل غرض ہر چیز اس نے عنایت فرمائی،توفیق اس نے دی،مواقع اس نے فراہم کیے۔پس اس کے شکر کا حق ادا نہیں ہوسکتا بقول غالب ؎

جان دی،دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

پس توفیق چاہنا یہ ہے کہ اس کے عطا کئے ہوئے انعامات میں حسبِ توفیق بندگانِ خدا کو شامل کرنا،ان کی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہنا اور معاشرے کے پسے ہوئے لوگوں کو ان کے جائز حقوق دلوانا ہے۔آپ یہود کے سب سے عظیم حکمران تھے جنہیں دنیوی بادشاہت کے ساتھ روحانی بادشاہت بھی عطا ہوئی۔کس عاجزی سے آپ اپنے ربّ کے حضور مناجات فرماتے ہیں کہ اے میرے ربّ!مجھے توفیق دے کہ میں ایسے اعمالِ صالحہ بجا لاؤں کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔یعنی ایسی عظیم مہمات میں بھی بنی نوع انسان کے لئے تباہی کا موجب بننے کی بجائے امن کا پیامبر بنوں اور ان کو ہدایت دینے کا ذریعہ بنوں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بغیر کسی خون خرابہ کے ملکہ سبا مطیع ہوگئی اور اسے ہدایت نصیب ہوئی۔آپ نے اپنی دعا کو جاری رکھا کہ اے میرے ربّ! مجھے اپنی رحمت سے صالحین میں داخل فرما یعنی میرے دنیا و آخرت کے ساتھی تیرے صالح بندے ہوں۔یہ بھی مراد ہے کہ میرے سارے ساتھیوں کو صالح بنا دے۔

روایت ہے کہ اس دعا کو مانگنے والے اوّل حضرت ابوبکرؓ تھے جن کی یہ دعا یوں قبول ہوئی کہ ان کے والدین،بھائی اور ساری اولاد نے اسلام قبول کیا۔

٢١-٢٢۔تَفَقَّدَ۔ فَقَدَ۔کسی چیز کا گم ہو جانا ہے۔تَفَقَّدَ اس چیز کو طلب کرنا ہے جو غائب ہو۔

تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ٢٣ اِنِّيْ وَجَدْتُّ

معلوم کیا آپ نے اُسے اور لایا ہوں میں تیرے پاس سبا سے خبر یقینی یقیناً میں نے پائی ہے

امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ

ایک عورت حکومت کرتی ہے ان پر اور وہ دی گئی ہے ہر چیز اور اس کا تخت ہے

(لسان العرب) طیر کے معنی بلند خیال انسان کے بھی ہیں(غریب القرآن) **ذَبح** کا لفظ قتل کے معنوں میں بھی آتا ہے۔(تاج العروس) **یُذَبِّحُ ابناءَ هُم** (قصص۔۵) ھُدھُد کے معاملہ میں بھی بے سروپا قصے مشہور ہیں حالانکہ اس کی ساری گفتگو علم اور عقل وشعور سے تعلق رکھتی ہے جو اسے ایک سمجھدار انسان ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔یہ کہنا کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں اسے خاص قومیں دی گئیں **لاتبدیل لخلق اللّٰہ** کے خلاف ہے۔پس ھدھد حضرت سلیمانؑ کے ایک خاص افسر اعلیٰ کا نام تھا جو محکمہ خبر رسانی میں اہم عہدہ پر فائز تھا۔ایسے شخص کا اچانک غائب ہونا کئی شبہات کا باعث بن سکتا تھا۔یہ بھی ممکن تھا کہ دشمن سے مل گیا ہو یا کوئی راز دشمن کو پہنچانے گیا ہو۔کیونکہ یہ اہل یمن میں سے تھا۔پس آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ھدھد عبرانی کا نام ھُدد ہے۔یہ ایک معروف نام ہے جو یہود میں کثرت سے رکھا جاتا تھا۔یہ عربی میں ھدھد ہو گیا۔جیسے ابراہام عربی میں ابراہیم۔موشے،موسیٰ اور یسوع،عیسیٰ ہو گیا۔حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام بھی ھُدَد تھا(پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۴) ادوم خاندان کے ایک شہزادہ کا نام بھی ھُدد تھا(سلاطین باب ۱۱ آیت ۱۴) تاریخ بتاتی ہے کہ ملکہ سبا کے دادا کا نام بھی ھُدد تھا جو ملکِ یمن کا ایک عظیم الشان حکمران تھا۔(قرطبی) غرض ھُدھُد حضرت سلیمان کے لشکر کے ایک جرنیل کا نام تھا جیوئش انسائیکلو پیڈیا(Jewish Eecyclopaedia)

۲۳۔زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ھدھد حاضر ہو گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اہلِ یمن کی طرف سے کسی حملہ کی خبر ملی اور آپ ایک لشکر جرار لے کر ان کی سرحدوں پر پہنچ گئے۔ھدھد کا دشمن ملک میں جا کر اُن اہم معلومات کا حاصل کرنا جن کا علم حضرت سلیمانؑ کو نہیں تھا، اُس کی غیر معمولی فراست کو ظاہر کرتا ہے۔

دراصل ھدھد کا تعلق ملک یمن سے تھا۔اُس کے لئے وہاں کے اندرونی حالات معلوم کرنے آسان تھے۔چنانچہ دیگر معلومات کے علاوہ وہ ایک یقینی خبر بھی لایا۔آج بھی کسی جنگ سے پہلے دشمن ملک کی اہم معلومات حاصل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ

بڑا اور پایا میں نے اُسے اور اس کی قوم کو سجدہ کرتے ہیں سورج کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

سوائے اللہ کے اور خوبصورت کرکے دکھلائے ہیں ان کے لیے شیطان نے اعمال ان کے پس روک دیا ہے انہیں

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ

راہ سے پس وہ نہیں ہدایت پاتے کہ سجدہ کریں اللہ کو جو

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ

نکالتا ہے چھپی چیز آسمانوں سے اور زمین سے اور جانتا ہے جو چھپاتے ہیں

وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ السجدة

اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ وہ ہے کہ نہیں کوئی خدا مگر وہ ہے رب تخت بڑے کا۔

۲۴ تا ۲۷۔ **خَبْءٌ**۔ ہر ذخیرہ کی ہوئی چیز۔ ہر وہ چیز جو چھپائی جائے اور غائب ہو۔ یہ فصیح و بلیغ کلام اور عمدہ و موثر وعظ جو وحدانیت اور شرک کو نہایت عمدگی سے واضح کرتا ہے۔ کسی پرند کا نہیں ہو سکتا۔ مفسرین بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ آیت :۲۴ کے بعد کا کلام ھدھد کا نہیں۔ (قرطبی)

مولانا مودودیؒ جو ھدھد کو پرند ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ یہاں پہنچ کر بے بس ہو گئے ہیں کہ ایسا عارفانہ کلام ھدھد کا نہیں ہو سکتا۔ (تفہیم القرآن تفسیر مذکورہ آیت) اور آیت :۲۴ کے بعد کی آیات کو ہُدہُد کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ ھُدھُد ملکہ بلقیس کی شان وشوکت اور شاندار تخت سے مرعوب تھا۔ ممکن ہے ملکہ یا اس کے مصاحبین نے خود اسے یہ سب دکھایا ہو کہ یہ مرعوب ہو جائے اور حضرت سلیمانؑ کو روکے۔ ھدھد اطلاعاً عرض کرتا ہے کہ ایک عورت اس قوم کی حکمران ہے اسے زندگی کی ہر قسم کی فراوانی میسر ہے۔ اس کا تخت عظیم ہے۔ حتمی اطلاع یہی تھی کہ وہ ایک غیر معمولی شاندار تخت کی مالکہ ہے۔ لیکن ملکہ اور اس کی قوم آفتاب پرست ہے۔ وہ ایک سمجھدار قوم ہے لیکن افسوس! اتنی سی بات نہیں سمجھتے کہ سورج تو خود بے اختیار محض ہے، اس کے بندوں کا خادم ہے جو انہیں فوائد پہنچانے پر مامور ہے۔ شیطان کا ان کے اعمال کو عمدہ کرکے دکھانا یہی ہے کہ وہ دنیوی مادی فوائد کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں اتنے منہمک ہو گئے کہ اس چند روزہ عیش وعشرت کو ہی اپنا مقصودِ حیات سمجھ بیٹھے اور زندگی کے اصل مقصد کو بھول گئے۔ دنیوی طور پر نہایت زیرک ہونے کے باوجود اس ربّ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے اور اس مالکِ کُل

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ

کہا ہم دیکھیں گے کیا سچ بولا تُو نے یا ہے تو جھوٹوں میں سے لے جا

بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا

خط میرا یہ پس ڈال دے اسے طرف ان کی پھر پھر جا ان سے پس دیکھ کیا

يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ

جواب دیتے ہیں اس عورت نے کہا اے سردارو! یقیناً ڈالا گیا ہے طرف میری ایک خط

كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

عزت والا یقیناً وہ طرف سے ہے سلیمان کی اور یقیناً وہ ساتھ نام اللہ رحمن (اور)

کے آگے سرِ تسلیم خم کیوں نہیں کرتے۔ جو آسمانوں اور زمین کے تمام چھپے رازوں اور مخفی قوتوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا علم اس ظاہری کائنات تک محدود نہیں۔ اسے تمہارے پوشیدہ اور ظاہری اعمال کی نہ صرف خبر ہے بلکہ ان پر نتائج بھی مرتب کرتا ہے۔ پس وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ وہ ربّ العرش العظیم ہے۔ یہاں اشارہ کیا کہ ربّ العرش العظیم کا نمائندہ ایک معمولی دنیوی تخت کی مالکہ پر ضرور غالب آئے گا خواہ وہ تخت کیسا ہی قیمتی اور عظیم ہو۔ **الّا یسجدوا للّٰہ** میں یہ بھی مفہوم ہے کہ شیطان نے ان کو بہکایا کہ وہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔

قرآنی قصے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد میں بار بار دہرائے گئے۔ آپ کو یہ بتلانا مقصود تھا کہ قیصر و کسریٰ اور ان کے عظیم تخت اسلام کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ یہ مہم بھی جنگ تبوک سے مشابہ ہے جہاں بغیر کسی خون خرابہ کے کامیابی ہوئی۔ حضرت سلیمانؑ کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس خود اس عظیم لشکر کی قیادت فرمائی۔ حضرت سلیمانؑ کی طرح یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی سب سے بڑی مہم تھی۔ جس کا ذکر خاص طور پر قرآن کریم میں ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمانؑ نے اس عظیم مہم میں اپنے تمام لشکر کے ساتھ کوچ فرمایا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ تبوک میں تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا اور تیس ۳۰ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ کوچ فرمایا اور جو پیچھے رہے ان سے باز پرس ہوئی۔

۲۸۔ حضرت سلیمانؑ یمن کی سرحد پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور ملک میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ ہم عنقریب اس ملک میں داخل ہو جائیں گے تب ظاہر ہو جائے گا کہ تو نے سچ کہا یا اپنی جان بچانے کے لئے ایک غلط بات گھڑ لی۔

۲۹ تا ۳۲۔ قرآن کریم میں صرف اس آیت (آیت :۳۰) میں کتاب کا لفظ خط کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ورنہ کتاب کا لفظ عام کتابوں کے لئے بھی استعمال نہیں ہوا۔ صرف الہامی کتابوں

ع الرَّحِيْمِ ﴿٣١﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَتْ

رحیم کے ہے کہ نہ سرکشی کرو مجھ پر اور میرے پاس آؤ فرمانبردار ہوکر اس نے کہا

کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کتاب کریم۔ معزز خط۔ کتاب کریم کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ حضرت قتادہؒ اور زہیرؒ نے کتاب مختوم سے کی ہے۔ یعنی وہ خط جس پر مُہر ثبت ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ علم ہوا کہ ملوکِ عجم اس خط کو نہیں پڑھتے جس پر مُہر نہ ہو تو آپ ﷺ نے خاص طور پر مہر بنوائی جو آپ ﷺ کے مکتوب پر ثبت کی گئی۔ اس مہر نبوت



کے ساتھ آپ ﷺ نے بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھے جن میں ہرقل قیصر روم، خسرو پرویز کسریٰ (ایران) اصحمہ نجاشیؓ شاہِ حبشہ، مقوقس شاہِ مصر، حارث بن ابی شمر رئیسِ غسان ، ہودہ بن علی رئیسِ یمامہ اور منذر تیمی رئیسِ بحرین شامل ہیں۔ ساتھ ہی آدابِ مجلس بھی بتلا دئے کہ خط دے کر ادب سے ایک طرف کھڑے ہو جانا اور جواب کا انتظار کرنا۔

غرض حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کو جنگ سے پہلے ایک تبلیغی خط لکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیشہ جنگ سے پہلے ہدایت اور فرمانبرداری کی طرف بلاتے تھے اور جنگ میں کبھی پہل نہیں کرتے تھے۔ ملکہ سبا نے اس خط کو معزز کہا اور اپنے سرداروں کو بتایا کہ یہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور اسے اللہ کے نام سے شروع کیا گیا ہے جو رحمان اور رحیم ہے۔ گویا خدائے واحد کی دعوت سے اسے شروع کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور میرے حضور فرمانبردار بن کر حاضر ہو جاؤ۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملکہ بلقیس کا ارادہ حضرت سلیمانؑ پر چڑھائی کرنے کا تھا جس کی اطلاع ملنے پر آپ لاؤ لشکر سمیت آئے۔ یہ خط نہایت مختصر، جامع، بلیغ اور موثر انداز میں لکھا گیا تھا۔ بلا مقصد غیر ضروری لمبے چوڑے خطوط کی طرح نہیں تھا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو لیکن کوئی ضروری مضمون

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا

اے سردارو جواب دو مجھے معاملہ میں میرے نہیں میں طے کرنیوالی کوئی معاملہ

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٣﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ

یہاں تک کہ تم حاضر ہو انہوں نے کہا ہم طاقت والے اور جنگ

شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٤﴾

سخت والے ہیں اور حکم طرف تیری ہے پس غور کر تو جو حکم کرتی ہے تو

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ

اس نے کہا یقیناً بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی پر خراب کر دیتے ہیں اسے اور

جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٥﴾

کر دیتے ہیں معزز باشندوں کو اس کے ذلیل اور اسی طرح یہ کریں گے

چھوٹے بھی نہ۔ (روح المعانی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط مختلف سربراہانِ مملکت، قیصر وکسریٰ، شاہِ مصر اور نجاشی وغیرہ کے نام لکھے وہ اسی طرز تحریر کا نمونہ تھے۔ ان میں چند خطوط آج تک محفوظ ہیں اور احادیث کی صداقت کے گواہ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے خط کے جواب کو جوابِ سلام کی طرح واجب قرار دیا ہے۔ آج بھی یہ بات آداب معاشرت (Etiquettes) میں شمار ہے۔

۳۳ تا ۳۵۔ خط کا مضمون سُنا کر ملکہ سبا نے اس معاملہ میں اہل دربار سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ میں تمہاری موجودگی اور مشورہ کے بغیر کوئی اہم فیصلہ نہیں کرتی۔ اہل دربار نے کہا کہ ہم صاحبِ قوت اور سخت جنگجو ہیں۔ ہم ڈرنے والے نہیں۔ لیکن آخری فیصلہ آپ ہی کا ہوگا۔ پس آپ حکم دیجئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ رموزِ سلطانی سے خوب واقف تھی۔ اہل دربار بھی اُسے نہایت جہاندیدہ، باشعور اور ملک وقوم کی ہمدرد سمجھتے تھے اور ہر طرح سے اس کے وفادار تھے۔ بیشک مشورہ کا دستور قدیم سے تھا۔ لیکن اسلام نے مشورہ کو خاص اہمیت دی۔ یہاں تک کہ آقائے دوجہان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم ہوا۔ **(وشاورهم فی الامر)** خلافت بھی مشاورت کے بغیر بے معنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا خلافت کا انعقاد مشورہ اور رائے لینے کے بغیر درست نہیں۔ (کنزالعمال) اگرچہ اہل دربار نے لڑنے کا مشورہ دیا اور طاقتور ہونے کا اقرار کیا تاہم ملکہ نے نہایت دانشمندانہ فیصلہ دیا اور جنگ کی بجائے مطیع ہونے کو فوقیت دی۔ معلوم ہوتا کہ حضرت سلیمانؑ کے خط کو دیکھ کر جو رحمٰن اور رحیم کی صفات سے شروع کیا گیا تھا، ملکہ جو نہایت زیرک تھی، سمجھ گئی کہ

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ

اور یقیناً میں بھیجنے والی ہوں طرف ان کی ایک تحفہ پس دیکھتی ہوں کیا جواب لاتے ہیں

الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٦﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ

قاصد پس جب آیا (قاصد) سلیمان کے پاس کہا کیا تم لوگ مدد دیتے ہو مجھے ساتھ مال کے

فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ

پس جو دیا ہے مجھے اللہ نے بہتر ہے اس سے جو دیا ہے اس نے تم کو بلکہ تم اپنے تحفہ پر تم

تَفْرَحُونَ ﴿٣٧﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ

خوش ہوتے ہو لوٹ جا طرف ان کی پس ضرور لاویں گے ہم انکے پاس ایسے لشکر کہ نہیں مقابلہ ہو سکے گا

لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٣٨﴾

ان سے ان کا اور ضرور ضرور نکالیں گے ہم انہیں اس (بستی) سے ذلیل کر کے اور وہ رسوا ہوں گے

یہ صرف بادشاہ نہیں بلکہ کسی عظیم الشان منبع سے فیض یافتہ ہے۔ اس کی اطاعت میں رحم ہی رحم ہے جو ہر لحاظ سے جنگ سے بہتر ہے۔ پس اس نے درباریوں پر واضح کیا کہ ملوک کا ہمیشہ سے یہی خاصہ ہے کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد کرتے اور اس کے معززین کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ سبا کی تاریخ پر گہری نظر تھی اور وہ ایک دور اندیش اور متحمل مزاج ملکہ تھی اور وہ جانتی تھی کہ فاتح افواج مفتوح قوم پر کس طرح ظلم ڈھاتی ہیں۔ فتح کے غرور اور اس خطرے کے پیش نظر کہ دوبارہ سر نہ اٹھائیں، انہیں کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔ فرنگیوں نے بھی غدر کا نام دے کر ہندوستان کے جنگ آزادی کے مجاہدین کو سرعام پھانسیوں پر لٹکایا اور مظالم کی انتہا کر دی۔ لیکن حضرت محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اُمّی تھے نے جنگ کے نئے اسلوب وضع کئے۔ فتح مکّہ اس کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ جب اعلان عام ہوا **لاتثریب علیکم الیوم** اور رحمۃ للعالمین نے خون کے پیاسوں کو معاف کرنے کی رسم کا آغاز کر کے ایک نئی تاریخ رقم کی۔

۳۶ تا ۳۸۔ **قِبَلَ** ، **عِند** کے معنی میں آتا ہے یعنی پاس یا سامنے۔ بطور استعارہ مقابلہ کے معنی بھی دیتا ہے (اقرب) جب فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوتی ہیں۔

حضرت سلیمانؑ مع لشکر یمن کی سرحد پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ کی پوری کوشش تھی کہ بغیر خون خرابہ اہل یمن مطیع ہو جائیں اور پیغام حق سن لیں۔ چنانچہ اپنے خط میں ملکہ کو ملاقات کی دعوت دی تا کہ اگر کچھ اختلافات پیدا ہو گئے ہیں تو باہم مذاکرات سے حل ہو جائیں۔ دوستی کی فضا پیدا ہو اور تبلیغ کا موقع ملے جو آپ کی اصل غرض تھی۔ ملکہ نے خود آنے کی بجائے قاصد کو ایک قیمتی

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن

کہا اے سردارو کون تم میں سے لاویگا میرے پاس تخت اس کا پہلے اس کے کہ

يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣٩﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ

وہ آویں میرے پاس فرمانبردار ہو کر کہا ایک بڑے کام کرنیوالے نے جنوں میں سے میں لاؤں گا تیرے پاس

تحفہ دے کر بھیج دیا۔ یہ تحفہ کیا تھا قرآن کریم نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی۔ لیکن سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہیرے جواہرات سے مرصّع یہ ایک نہایت قیمتی تخت تھا۔ اس کو دیکھ کر حضرت سلیمانؑ کی ناراضگی کئی وُجوہ سے تھی۔ اوّل یہ کہ ملکہ نے آپ کی ملاقات کی خواہش کو ٹھکرا دیا۔ اس میں حضرت سلیمانؑ کی تحقیر اور ملکہ کی بڑائی کا اظہار مقصود تھا۔ دوئم یہ کہ ملکہ نے آپ کو عام بادشاہوں کی طرح مال و دولت کا حریص سمجھا اور ایک نہایت قیمتی تحفہ بطور رشوت بھیجا تا کہ حملہ کا خیال ترک کر دیں لیکن آپ کی نظر میں مال و منال کی کوئی اہمیت نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے علاوہ حکومت سے بھی نوازا تھا۔ سوئم اس تخت پر سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے دیوی دیوتاؤں وغیرہ کی تصاویر نقش تھیں۔ گویا بڑے لطیف انداز میں آپ کو شرک کی دعوت دی گئی تھی جسے حضرت سلیمانؑ نے سخت ناپسند فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے اس متمدّن قوم میں ماہر کاریگر تھے جنہیں دیگر فنون کے علاوہ شاہانہ تخت بنانے میں خاص دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے ملکہ کے لئے عظیم الشان تخت بنایا تھا جسے دیکھ کر ھُدھُد مرعوب ہوا۔ اب حضرت سلیمانؑ کو مرعوب کرنے کے لئے ایک نہایت قیمتی عجوبہ روزگار قسم کا تخت بنوایا اور بطور تحفہ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں بھجوایا۔ حضرت سلیمانؑ نے اس سرد مہری کے جواب میں ان کے قاصد کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھاتے اور بے جا تکبر میں مبتلا ہیں تو ہم ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے جس سے مقابلہ کی انہیں طاقت نہیں ہوگی۔ پھر ان کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو ہر سرکش مفتوح قوم کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ پس جنگ کی صورت میں ان کی تباہی کے ذمہ دار ہم نہیں یہ خود ہوں گے۔

۳۹۔ **مُسلِمِین** میں بقول ابن عباس اس کے لغوی معنی مراد ہے یعنی مطیع ہو کر نہ کہ مسلمان ہو کر۔

قرآن کریم ایک مختصر کتاب ہے اکثر لمبے چوڑے واقعات چھوڑ کر مطلب کی بات بیان کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ کے قاصد نے معذرت کر کے حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو روکا اور ملکہ کو لانے کا وعدہ کیا قاصد کی زبانی حضرت سلیمانؑ کے لشکر کی بے پناہ قوت اور آپ کی غیر معمولی

قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۴۰﴾
اسے پہلے اس کے کہ اُٹھے تو اپنی جگہ سے اور یقیناً میں اُس پر ضرور قوی امانتدار ہوں

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ
کہا اس نے کہ پاس تھا اس کے علم کتاب کا میں لاؤں گا تیرے پاس اسے

قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا
پہلے اس کے کہ پھرے طرف تیری نظر تیری پس جب دیکھا اُسے ٹھہرا ہوا

عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ
پاس اپنے کہا یہ فضل سے ہے رب کے میرے تاکہ آزماوے مجھے کہ میں شکر کرتا ہوں یا

اَكْفُرُ ۖ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ
ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر کیا تو سوائے اسکے نہیں کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے لیے اور جس نے ناشکری کی تو یقیناً

رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ
رب میرا بے پرواہ عزت والا ہے کہا شکل بدل دو تخت کی اس کے تاکہ ہم دیکھیں

وجاہت اور دانشمندی سے مرعوب ہو کر ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا۔**عرشھا** میں ملکہ کے اس تخت کی طرف اشارہ ہے جو ملکہ نے بطورِ تحفہ بھیجا تھا۔ملکہ کی آمد کی اطلاع پر حضرت سلیمانؑ نے کسی حکمت کی بنا پر چاہا کہ اس تخت میں کچھ ردّو بدل کر کے ملکہ کے لئے تیار کیا جائے۔

۴۰۔۴۱۔**عِفرِیت**" کے معنی سخت اور خبیث کے ہیں ۔ جس طرح شیطان کا لفظ انسان پر بولا جاتا ہے۔عفریت بھی انسان پر بولا جاتا ہے۔(مفرداتِ راغب) لسان العرب میں بھی اس سے ملتے جلتے معنی ہیں۔یہ پہاڑی لوگ عمالقہ قوم کے نہایت مضبوط اور جابر سردار تھے اور حضرت سلیمانؑ کے تابع تھے۔**مستقرًّا**۔عارضی قیام گاہ۔ٹھہرنے والا۔مراد پاس رکھا ہوا۔**قبل ان تقوم من مقامک** اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے یا قبل اس کے کہ تو اپنے مقام سے پڑاؤ اٹھا لے۔**قبل ان یرتدّ الیک طرفک** آنکھ جھپکنے سے پہلے یا بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ پیشتر اس کے کہ تیرا نگہبان دستہ تیری طرف لوٹ آئے۔(ترجمۃ القرآن کلاس MTA) یہ عام محاورے ہیں جو ہمارے ہاں بھی رائج ہیں اور بہت جلدی کے معنی دیتے ہیں۔مجاہد نے اسے سرعت میں مبالغہ کہا۔سورۃ نحل:۷۸ میں ہے کہ موعود گھڑی کے آنے کا معاملہ تو ایسا ہے جیسا کہ آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی قریب تر۔غرض مختلف زبانوں میں آنکھ جھپکنے کا محاورہ جلدی پر دلالت کرتا ہے۔

قوی" امین کسی چیز کو مالک کی مرضی کے بغیر کیسے لا سکتا ہے اور ایک نبی اس کی اجازت

اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَمَّا
کیا ہدایت پاتی ہے وہ یا ہوتی ہے ان لوگوں میں سے جو نہیں ہدایت پاتے پس جب

جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا
وہ آئی کہا گیا کیا اسی طرح کا ہے تخت تیرا کہا اس نے گویا کہ یہ وہی ہے اور دیئے گئے ہیں ہم

الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ
علم پہلے سے اس کے اور ہیں ہم فرمانبردار اور اُس نے روکا اسے جسکی وہ تھی عبادت کرتی

نہیں دے سکتا۔ایک قوی اور امین درباری نے حضرت سلیمانؑ کے منشا کے مطابق تخت میں بعض ضروری ترامیم کے بعد جلد از جلد لانے کی پیشکش کی لیکن ایک صاحبِ علم درباری نے اُس سے بھی جلد لانے کا کہا۔ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ حضرت سلیمانؑ کا وزیر خاص آصف بن برخیاہ تھا(رازی) توریت میں بھی یہ نام مذکور ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے قوت و امانت کے مقابلہ میں علم پر بھروسہ کیا۔تخت حسبِ منشا اپنے پاس رکھا ہوا دیکھ کر حضرت سلیمانؑ نے اسے اپنی یا لانے والے کی خوبی نہیں کہا بلکہ فرمایا کہ ایسا میرے ربّ کے فضل سے ہوا۔دراصل تخت سے انتہائی نفاست سے ہیرے جواہرات سے مرصّع نقوش وغیرہ نکال لئے گئے اور ملکہ کی آمد سے پہلے حضرت سلیمانؑ کے حضور پیش کر دیا گیا۔بیشک مرصّع مورتیوں وغیرہ کو نکال دینے [illegible] کی شان قدرے ماند پڑ گئی اور بظاہر اتنا خوبصورت نہ رہا۔قیمت میں بھی کمی آ گئی لیکن حضرت سلیمانؑ کی نظر میں ان ہیرے جواہرات کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ آپ جیسے موحّد عظیم المرتبت نبی کے لئے ایک بے جان تخت میں جڑی دیوی اور دیوتاؤں کی مورتیاں بھی قابل قبول نہیں تھیں ۔ آپ کی آزمائش یہی تھی کہ آپ بے جان چیزوں کے معاملہ میں بھی شرکِ خفی سے بچے اور اس کی ظاہری آرائش و زیبائش کا ہرگز خیال نہیں کیا تا اس کو دیکھتے ہی ملکہ کو یہ احساس ہو کہ سلیمانؑ شرک سے سخت متنفر ہے۔

۴۲۔اللہ کا شکر ادا کر کے آپ نے پھر پہلے مضمون کی طرف رجوع فرمایا اور حکم دیا کہ اُس کے تخت کی شکل بدل دو تا کہ ہم دیکھیں کہ مشرکانہ چیزوں کو غائب پا کر وہ خوش ہوتی اور ہدایت کی طرف آتی ہے یا بُرا مناتی ہے اور ہدایت حاصل نہیں کرتی۔ گویا تخت کی شکل بدلنے میں بھی تبلیغ کا پہلو مدنظر تھا۔ملکہ اپنے معبودوں کو ملیامیٹ دیکھ کر بھی ناراض نہیں ہوئی۔نیز سمجھ گئی کہ وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں جنہیں ایک انسان بنائے اور دوسرا فنا کر دے۔

۴۳۔ملکہ نہایت زیرک تھی وہ تخت کی حالت دیکھتے ہی جان گئی کہ حضرت سلیمانؑ کی نظر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝۴۴ قِيْلَ لَهَا

سوائے اللہ کے یقیناً وہ تھی قوم میں سے کافروں کی کہا گیا اسے

ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ

داخل ہو محل میں پس جب اس نے دیکھا خیال کیا اس نے اُسے گہرا پانی اور ننگی کیں

سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ

اپنی دونوں پنڈلیاں کہا (سلیمان نے) یقیناً یہ محل ہے جڑا ہو شیشوں سے وہ بولی

رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ

اے رب میرے یقیناً میں نے ظلم کیا تھا اپنی جان پر اور فرمانبردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ رب

ع ۱۳ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ

۱۸ العالمین کے لیے اور یقیناً یقیناً بھیجا ہم نے طرف ثمود کی بھائی ان کا صالح یہ کہ

میں ایمان کے مقابلہ میں زر و جواہر کی کوئی اہمیت نہیں۔ آپ کی شرک سے بیزاری کا اندازہ اسے پہلے ہی ہوگیا تھا اب یہ دیکھ کر کہ اس کے تخت کا کیا حشر ہوا، اسے مزید یقین ہوگیا۔

حقیقت تو یہ تھی کہ ملکہ بہت پہلے سے حضرت سلیمانؑ کی عظمت کی قائل ہوچکی تھی اور لاشعوری طور پر آپ کے اوصاف کی گرویدہ تھی۔ آپ کے خط کو معزز کہنا، تخت کو بدلا ہوا دیکھ کر آپ کی شرک سے بیزاری کا علم ہونا، قاصد کا آپ کے لشکر کی قوت و جبروت اور آپ کی شان و شوکت اور وجاہت کو بیان کرنا۔ غرض ملکہ کی فطرت میں وحدانیت کا بیج بویا جاچکا تھا لیکن دبا ہوا تھا اسے آبیاری کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس نے مسلمان ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ ظاہری طور پر تابع فرمان ہونے کا اظہار کیا۔

۴۴۔ بیشک ملکہ حضرت سلیمانؑ کی قوت و عظمت کی معترف تو ہوگئی تھی لیکن ابھی اس کی روحانی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ غیر اللہ کی عبادت نے اسے حقائق کو سمجھنے سے روک رکھا تھا۔ اس کی بڑی وجہ اس کا کافر قوم میں سے ہونا تھا۔ ظاہر ہے اپنے آباء و اجداد کے مسلک کو چھوڑنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ پس حضرت سلیمانؑ نے اسے نہایت حکمت سے خدائے واحد کی طرف بلایا اور غیر اللہ کی پرستش سے روکا۔

۴۵۔ **الصَّرْحَ**۔ ہر اُونچی چیز (اقرب) محل۔ **لُجَّةً**۔ گہرا پانی۔ سَاق۔ پنڈلی۔ **كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا**۔ اس نے اپنی پنڈلی کو ننگا کیا یا وہ گھبرا گئی۔ (لسان العرب) **مُمَرَّدٌ**۔ جڑوایا ہوا۔ **قَوَارِيْرَ**۔ قارورہ کی جمع ہے۔ شیشے۔ (اقرب) **مُمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ**۔ شیشوں سے جڑا گیا ہے۔

اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۶ قَالَ يٰقَوْمِ

عبادت کرو اللہ کی پس اچانک وہ دو گروہ جھگڑنے لگے اس نے کہا اے قوم میری

لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا

کیوں تم جلدی چاہتے ہو برائی پہلے بھلائی کے کیوں نہیں

تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۴۷ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ

بخشش مانگتے اللہ سے تاکہ تم رحم کیے جاؤ انہوں نے کہا نحوست میں پڑ گئے ہم بسبب

ان مذاکرات اور مباحثوں کا ذکر نہیں کیا جن میں حضرت سلیمانؑ نے شرک کے ردّ میں کئی دلائل دیئے ہوں گے۔ آخر حضرت سلیمانؑ نے تصویری رنگ میں ملکہ کو وحدانیت کی دعوت دی اور ایک لطیف انداز سے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت سلیمانؑ کو صنعتوں پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی۔ ممکن ہے شیشہ آپ ہی کی ایجاد ہو اور ملکہ اس سے واقف نہ ہو۔ آپ نے ایک شیش محل بنوایا۔ اس محل میں داخل ہونے کے لئے ایسے صحن سے گزرنا پڑتا تھا جو شفاف شیشوں سے بنا ہوا تھا۔ شیشوں کے نیچے پانی بہتا تھا جس میں مچھلیاں چھوڑی گئی تھیں۔ ملکہ گزرنے لگی تو پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ تو شیشے کا بنا ہوا محل ہے جس کے نیچے پانی بہ رہا ہے۔ ملکہ نہایت عاقلہ تھی فوراً پیغام سمجھ گئی کہ تصویری رنگ میں مجھ پر شرک کی حقیقت واضح کی گئی ہے یعنی جس طرح شیشے کو پانی سمجھ رہی ہوں۔ اسی طرح سورج کو خدا سمجھتی رہی۔ شیشہ پانی ہے اور نہ سورج خدا ہے۔ جو طاقت سورج کو بلکہ کل کائنات کو چلا رہی ہے وہ پیچھے کام کر رہی ہے وہی اصل طاقت ہے۔ وہی خدا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں! ''اس نبی کی تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ دنیا ایک شیش محل ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور عناصر وغیرہ جو کچھ کام کر رہے ہیں یہ دراصل ان کے کام نہیں۔ یہ تو بطور شیشوں کے ہیں بلکہ ان کے نیچے ایک مخفی طاقت ہے جو خدا ہے یہ سب اس کے کام ہیں'' (نسیم دعوت صفحہ ۴۶،۴۵)

یہ دلیل اتنی قوی تھی کہ اس کی روحانی آنکھیں کھل گئیں اور بے اختیار پکار اٹھی کہ آج تک میری آنکھوں پر جہالت کے پردے پڑے رہے اور میں نے شرک کر کے اپنی جان پر ظلم کیا۔ میں سلیمانؑ کے ساتھ اس خدا پر ایمان لاتی ہوں جو سب جہانوں کا ربّ ہے۔

۴۶۔۴۸۔ **طائر** کے معنی پرندے کے ہیں۔ عرب پرندوں سے شگون لیا کرتے تھے اس

وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

برے اور بسبب ان کے جو ساتھ ہیں تیرے اس نے کہا نحوست تمہاری پاس ہے اللہ کے بلکہ تم لوگ

تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي

[illegible] جاؤ گے اور تھے اس شہر میں نو (۹) شخص فساد کرتے تھے

لئے شگون کے لئے بھی طائر کا لفظ آیا ہے۔

اس رکوع میں قوم ثمود اور قوم لوطؑ کا ذکر ہے یہ دونوں قومیں تکذیب انبیاء کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ان قوموں کی بستیاں عربوں کی اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھیں۔جو مکّہ سے شام کو جاتی تھی۔عربوں کے تجارتی قافلے دن رات ان کھنڈرات سے گزرتے تھے۔قومِ ثمود کا ذکر ۱۰ سورتوں میں ہے۔ان سورتوں کے نام سورہ ھود آیت ۶۲ میں درج ہیں۔ تفصیلی ذکر الاعراف رکوع ۱۰ اور ھود رکوع ۶ میں گزر چکا ہے۔ استفادہ فرمایئے۔

حضرت سلیمانؑ کے ذکر کے بعد ان قوموں کا ذکر کیا کیونکہ ان قوموں کا علاقہ حضرت سلیمانؑ کے ماتحت آ گیا تھا اور یہ قومیں آپ کی مطیع تھیں۔ عمالقہ، قومِ ثمود سے تھے جو عاد ہی کی ایک شاخ تھی۔ان کی قوت وجسامت کا ذکر قرآن کریم نے کیا (سورۃ الاعراف: ۷۰)۔ان میں سے بعض غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک سرکش افراد کو جن کہا گیا۔

قرآن کریم میں تمام انبیاء کے قصوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حالات اور پیشگوئیاں مضمر ہیں بلکہ قیامت تک کے لئے پیشگوئیاں ہیں۔آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد بھی ایسے ہی حالات پیدا ہوئے۔قومِ صالح کی طرح آپ ﷺ کی قوم بھی پیغام حق سنتے ہی دو گروہوں میں بٹ گئی اور آپس میں جھگڑنے لگی۔اس قومی تفریق کی ذمہ داری بھی انبیاء پر ہی ڈالی جاتی ہے۔نیز تکذیب انبیاء سے جو بلائیں نازل ہوتی ہیں اور عذاب آتے ہیں ان کا موجب بھی انبیاء اور ان کے متبعین کو قرار دیا جاتا ہے کہ یہ سب ان کی نحوست کی وجہ سے ہوا۔حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ تمہاری نحوست کا سبب اللہ کے علم میں ہے۔یعنی تمہارے اعمال اللہ کے علم میں ہیں۔ گویا نحوست کا سبب میں یا میرے متبعین نہیں بلکہ تمہارے اعمال کے بدنتائج ہیں جن کی وجہ سے تم آزمائشوں میں ڈالے گئے ہو اور عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

منکرین و مکذبین انبیاء ہمیشہ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔قومِ صالح بھی کفار مکّہ کی طرح بھلائی کا وارث بننے کی بجائے عذاب جلدی چاہتی تھی۔یہاں بتایا کہ استغفار ہی حسنہ کا موجب

الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ

زمین میں اور نہ اصلاح کرتے تھے انہوں نے کہا قسمیں کھاؤ آپس میں اللہ کی کہ البتہ شبخون ماریں گے ہم اس

وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ

اور گھر والوں پر اسکے پھر ضرور کہیں گے ہم وارث کو اس کے کہ نہیں موجود تھے ہم ہلاکت کے وقت گھر والوں کی اسکے

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا

اور یقیناً ہم البتہ سچے ہیں اور تدبیر کی انہوں نے (بری) تدبیر اور تدبیر کی ہم نے تدبیر (اچھی) اور وہ نہیں

ہوتا ہے۔استغفار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے اور بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے تہجد گزاروں اور استغفار کرنے والوں پر نظر کرتا ہے اور پھر ان کی وجہ سے عذاب کو ٹلا دیتا ہے۔(تفسیر قرطبی جلد۴ صفحہ ۳۹) افسوس! حضرت صالحؑ کی تبلیغ اور کوشش کے باوجود یہ قوم استغفار کی طرف مائل نہ ہوئی اور عذاب کی مورد ٹھہری۔

۴۹۔۵۰۔**رھطٍ**۔بھائی بند۔قبیلہ۔تین سے دس تک کے افراد کی جماعت جس میں کوئی عورت نہ ہو (اقرب)۔**تقاسموا باللّٰہ**۔انہوں نے باہم اللہ کی قسم کھا کر کہا۔**لنبیّتنّہٗ**۔**بَیَّت**۔اس نے رات کو مشورہ کیا۔**نبیّتنّہٗ**۔ہم اس کے متعلق رات کو تدبیر کریں گے۔ہم شبخون ماریں گے۔

حضرت صالحؑ کے مرکزی شہر میں فساد کے سرغنہ نو اشخاص تھے۔مکّہ میں بھی ائمہ کفر نو ہی تھے یعنی (۱) ابوجہل (۲) ابولہب (۳) ولید (۴) اُمیّہ (۵) عُتبہ (۶) شیبہ (۷) نضر (۸) عُقبہ (۹) حارث بن عامر۔ان میں سے آٹھ جنگِ بدر میں مارے گئے۔نواں ابو لہب اس ذلت آمیز شکست کے صدمہ سے مر گیا۔آپ کے خلاف بھی دارالندوہ میں یہی فیصلہ ہوا کہ رات کے وقت گھر کا محاصرہ کیا جائے اور ہر قبیلے کا ایک ایک جوان اس کام پر مقرر ہو کہ جب آپ ﷺ رات کو تہجد کے لئے نکلیں تو سب مل کر معاذ اللہ من ذٰلک آپ ﷺ کو قتل کر دیں تا کہ کسی ایک قبیلہ پر الزام نہ آئے۔

جماعت احمدیہ کے خلاف بھی نو جماعتوں نے متحد ہو کر قومی اسمبلی میں کفر کا فتویٰ دیا اور انہیں کافر قرار دیا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ کو شروع میں بولنے کی اجازت دی لیکن بعد میں انہیں اپنے دلائل پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور تمام کاروائی نہایت خفیہ رکھی گئی۔اس یک طرفہ ظالمانہ فیصلہ کے بعد جماعت احمدیہ کی بیس ہزار ایکڑ زرعی اراضی سرکاری تحویل میں لے لی گئی (خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ترجمۃ القرآن کلاس MTA)

يَشْعُرُوْنَ ۝۵۱ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا

جانتے تھے ۔ پس دیکھ کیسا ہوا انجام تدبیر کا ان کی کہ ہم نے

دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۵۲ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ

ہلاک کر دیا انہیں اور قوم کو ان کی سب کو پس یہ گھر ان کے خالی ہیں

بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵۳ وَ

اس لیے کہ ظلم کیا انہوں نے یقیناً اس میں البتہ نشان ہے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور

اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۵۴ وَلُوْطًا اِذْ

نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تھے تقویٰ کرتے اور (بھیجا ہم نے) لوط کو

تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا اہم کردار (Role) رہا ہے لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جب سے پاکستان بنا، وہ تمام طاقتیں جو پاکستان بننے کے خلاف تھیں انہوں نے متحد ہو کر ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت جماعت احمدیہ پر مظالم کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کی مساجد کے تقدس کو پامال کیا گیا۔ معصوم اور بے گناہ احمدیوں کو جو کسی قانونی یا اخلاقی کوتاہی یا جرم کے مرتکب نہیں ہوتے محض اس جرم میں کہ وہ احمدی ہیں، کرائے کے غنڈوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ انہیں سرعام زدوکوب کرنا، قتل کرنا، ان کی دکانوں، گھروں اور دیگر املاک کو لوٹنا اور جلانا، انہیں غیر معینہ مدت کے لئے جیلوں میں ٹھونس دینا ان کا معمول بن چکا ہے۔

جس روز امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی گرفتاری عمل میں لائی جانی تھی۔ اسی دن آپ اللہ تعالیٰ کے خاص تصرف سے پاکستان سے بحفاظت ہجرت فرما گئے۔ اس ہجرت کی برکت سے اس وقت سے اب تک قریباً سترہ کروڑ نئے افراد جماعت احمدیہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

۵۱ تا ۵۴۔ ان لوگوں نے حضرت صالحؑ کے خلاف ایک تدبیر کی (اس تدبیر کا ذکر آیت ۵۰ میں کیا) لیکن اس **خیر الماکرین** (انفال: ۳۱) کو بھول گئے جس کی تدبیر کے آگے سب تدبیریں ناکام و نامراد ہوتی ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا لیکن وہ بھی اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ معلوم ہوتا ہے حضرت صالحؑ کے خلاف قتل کی تدبیر اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد کی گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے تین دن کی مہلت دی۔ مگر افسوس ان بدبختوں نے مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے، آپ کے قتل کی سازش کی اور تباہ ہوئے۔ تفصیل کے لئے سورۃ الاعراف رکوع ۱۰ سورۃ ھود رکوع ۶۔ ان کی تباہ شدہ بستیوں میں عقلمندوں

قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۵۵

جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو

اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ ۭ

کیا ضرور تم آتے ہو مردوں کے پاس شہوت سے سوائے عورتوں کے

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝۵۶ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ

بلکہ تم لوگ جہالت کرتے ہو پس نہ ہوا جواب قوم کا اس کی

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ

مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکال دو خاندان لوط کو اپنے گاؤں سے یقیناً یہ

اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۵۷ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ

لوگ پاکباز بنتے ہیں پس نجات دی ہم نے اسے اور گھر والوں کو اس کے سوائے بیوی کے اس کی

قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۵۸ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ

مقرر کیا ہم نے اُسے پیچھے رہنے والوں میں سے اور برسائی ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش

فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝۵۹ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ ع ۱۴ ۱۹

پس بری ہوئی بارش ڈرائے ہوؤں کی تو کہدے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور سلامتی ہے

کے لئے نشان یہی ہے کہ جو بھی انبیاء کے مقابل آئے گا اور ظلم کرے گا۔ اس کا ایسا ہی انجام ہوگا۔ اہلِ مکّہ کے لئے بھی تنبیہ تھی اور بعد میں آنے والوں کے لئے بھی۔

آج اہل علم ان آثار قدیمہ کی کھدائی سے بہت سے حقائق سے پردہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور یہ کھنڈرات اہل علم کے لئے ایک نشان کے طور پر اُبھر رہے ہیں۔

۵۵ تا ۵۹۔ قومِ لوط کے واقعات تفصیلاً خاص طور پر سورۃ الاعراف ۸۱ تا ۸۵ میں ہیں۔ نیز سورۃ ھود ۷۱ تا ۸۴ سورۃ حجر ۶۲ تا ۷۸۔ سورۃ شعراء ۱۶۱ تا ۱۷۶ میں گزر چکے ہیں۔ ان مقامات سے استفادہ کیجئے۔

قرآن کریم کے تمام واقعات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور پیشگوئی بیان کئے گئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو بھی حضرت لوطؑ کی طرح شہر سے نکالنے کی دھمکی دی گئی بلکہ عملاً تین سال تک نکالے بھی رکھا اور انہیں شدید مصائب کا سامنا رہا۔

قوم لوط کی طرح پتھروں کی بارش بھی ہوئی جب جنگِ بدر میں آپ کے مٹھی بھر کنکروں نے ایک شدید آندھی کی شکل اختیار کی۔ یہ کنکر کفار پر پتھر بن کر برسے اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ بدر کے میدان میں عام بارش بھی کفار مکّہ کے لئے قہرِ الٰہی ثابت ہوئی اور ان کی زمین چکنی مٹی کی

عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۰﴾

بندوں پر اُس کے جنہیں اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں وہ شریک بناتے ہیں

وجہ سے دلدل بن گئی جہاں پیر جمانا مشکل ہوگیا جبکہ مسلمانوں کی جانب ریتلی زمین بارش کی وجہ سے جم گئی اور یہی بارش ان کے لئے رحمت ثابت ہوئی اور ان کے لئے لڑنا آسان ہوگیا۔(بخاری کتاب المغازی غزوہ بدر)

اس خاص جنسی بے راہروی سے آج ایڈز کا عفریت تمام دنیا میں منہ کھولے ہوئے ہے۔ تفصیل سورۃ ھود :۸۴۔

بقول حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ ایڈز آسمانی پتھر ہیں جو ان کی جنسی بھوک مٹانے کے لئے اُن پر برس رہے ہیں۔قومِ لوط اس جرم کی پاداش میں زلزلہ سے اسی لمحہ ہلاک ہوگئی۔ لیکن آج ایسے گنہگار اور ان کی نسلیں سسک سسک کر اپنے انجام کو پہنچ رہی ہیں اور اس ترقی یافتہ دور میں بھی کوئی دوا ان پر کارگر نہیں ہورہی۔

۶۰۔ **آٰللّٰہ** اصل میں ءَ **اللّٰہ** ہے۔

شروع سورۃ سے انبیاء کے بیان میں رسالت کا مضمون جاری تھا۔ اس رکوع سے توحید پر بحث ہے اور بے شمار دلائل سے کفار اور مشرکین کو لاجواب کیا۔ اللہ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی کی دعا سے اس مضمون کو شروع کیا۔ حدیث میں ہے کہ مومنین کو اپنے کام اللہ کی حمد و ثنا اور انبیاء پر درود وسلام سے شروع کرنے چاہئیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کو جذب کرنے والے ہوں نہ صرف یہ بلکہ خاص کلام جیسے تقریر وغیرہ کو بھی حمد وثنا اور درود سے شروع کرنا چاہیئے تا کہ سننے والوں پر عمدہ اثر پڑے اور وہ ہدایت حاصل کریں۔**سلٰمٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی** ط میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر اس کی طرف سے ہمیشہ سلامتی نازل ہوتی ہے۔اسی بنا پر مومنین کو انبیاء کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنے کی ہدایت ہے۔اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے انوار و برکات کو ہمیشہ قائم رکھے اور بندوں کو ان سلامتی کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ فرمایا ان سے پوچھ! کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو فوراً اس کے جواب میں فرماتے **بَلِ اللّٰہُ خَیرٌوَّاَبقٰی وَ اَجَلُّ وَاَکرَم**"۔ نہیں بلکہ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا اور بزرگ و برتر ہے۔اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور قدرتوں کی طرف اشارہ کرکے باربار اس سوال کو دہرایا کہ کیا تمہارے معبود بھی اللہ تعالیٰ کے ان

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ

یا کس نے پیدا کئے ہیں آسمان اور زمین اور اُتارا تمہارے لیے

مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ

بادل سے پانی پھر اگائے ہم نے ساتھ اس کے باغیچے رونق والے

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

نہیں ہے تمہارے لیے کہ تم اگاؤ درخت ان کے کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ

(نہیں) بلکہ وہ لوگ گمراہ ہوتے ہیں یا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور

کاموں میں شریک ہیں؟قرآن کریم متعدد مقامات پر ایسے سوالات دہراتا ہے لیکن کفار ومشرکین کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ یہ سب اللہ کی تخلیق ہے ہمارے معبودوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یونس :۳۲ ،عنکبوت ۶۲۔۶۴ ،الزخرف ۱۰ اور بہت سے دوسرے مقامات پر اس مضمون کو دہرایا گیا ہے۔غرض اُس زمانہ کے مشرکین اور آج کے دہریہ لوگ یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ کائنات کا خالق اور نظام کائنات کا مدبر اعلیٰ اللہ ہی ہے۔

۶۱۔**حدآئق**۔ حدیقہ کی جمع ہے۔ایسے باغ جن کے گرد دیوار ہو۔(اقرب)**بھجۃ** کے معنی حسن اورخوبصورتی کے ہیں۔نباتات کے لئے آئے تو سرسبزی تازگی اور خوشنمائی کے معنی دیتا ہے۔ **یعدلون عَدَلَ بِرَبِّہٖ** کے معنی ہے **اَشرَکَ** (اقرب) یعنی برابر ٹھہراتے ہیں۔شریک ٹھہراتے ہیں۔لفظی معنی وہ انصاف کرتے ہیں کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت و کبریائی کے ذکر میں سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر کیا۔جس کی تخلیق میں زبردست ہم آہنگی، ربط، تناسب اور حیرت انگیز عدل اور توازن ہے۔ سائنسدان اپنی تمام تر تحقیق کے باوجود یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ ہم اس کی کنہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ بلکہ ہنوز طفلِ مکتب ہیں۔کائنات کی وسعتوں کا اندازہ ہرگز نہیں کیا جاسکتا یہ ہر دم وسعت پذیر ہے۔

بارش جو انعام خداوندی ہے اور ہر قسم کی حیات کی ضامن ہے۔ اس پانی کو آسمان سے برسانے کے لئے زمین و آسمان کی لاتعداد قوتیں سرگرم عمل ہیں۔تفصیل کے لئے سورۃ الانعام : ۱۰۰۔ مومنون: ۱۹۔ الحجر: ۲۰۔قرآن کریم میں اکثر تصریف ضمائر سے بات میں اثر پیدا کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی **انبتنا** میں جمع متکلم کا صیغہ لاکر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور جلال و جبروت کا نقشہ بندے کو خالقِ کائنات کے روبرو کھڑا کردیتا ہے۔گویا اس کا رب خود اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور وہ اس کے

جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ
بنائیں درمیان انکے نہریں اور بنائے اس کے لیے پہاڑ اور بنائی درمیان
الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
دو سمندروں کے روک کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے (نہیں) بلکہ اکثر ان میں سے
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ
نہیں علم رکھتے یا کون ہے جو قبول کرتا ہے (دعا) مضطر کی جبکہ وہ بلاتا ہے اسے اور
يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ
دور کرتا ہے تکلیفیں اور بناتا ہے تم کو جانشین زمین میں کیا کوئی خدا

احسانات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ پس جس خالق کل نے انسان کی عارضی ضروریات اور چند روزہ زندگی کے لئے ایک کائنات کو تخلیق کیا۔ وہ اس کی ابدی زندگی کے لئے روحانی آسمان و زمین، روحانی بارشوں اور اس کے نتیجہ میں روحانی زندگی کا اہتمام نہ کرتا۔ کیا تمہاری مادی اور روحانی زندگی کی ربوبیت اور بقا میں تمہارے جھوٹے معبود بھی اللہ کے ممد ہیں۔ یہاں خلق کے ساتھ **یعدلون** فرمایا۔ اس لئے کہ دلیلِ خلق ایک عام دلیل ہے ہر کسی کو سمجھ آ سکتی ہے۔

۶۲۔ اس کانپتی ہوئی زمین کو کس نے قرار بخشا اور قابل رہائش بنایا۔ تفصیل کے لئے سورۃ الحجر۔۲۰۔

ابتدا میں زمین ہموار تھی اس میں سخت اضطراب تھا اور کانپتی رہتی تھی۔ زلزلوں سے پہاڑ وجود میں آئے۔ زمین میں نشیب و فراز پیدا ہوئے۔ پانی سمٹ کر نشیب میں چلا گیا اور سمندروں کا وجود ہوا۔ بارش پہاڑوں پر برف کی صورت گرتی رہی اور جمع ہوتی گئی۔ برف کے پگھلنے سے دریا بنے اور دنیا میٹھے پانی سے سیراب ہوئی۔ پہاڑوں کے دیگر بے شمار فوائد کے علاوہ دریاؤں کا سال بھر رواں دواں رہنا بھی ہے۔ ورنہ محض برساتی نالے ہی ہوتے۔ اسی لئے پہلے دریاؤں کا ذکر کیا کہ دریاؤں سے فوائد حاصل کرنے کے لئے پہاڑوں کو قائم کیا۔ ھا کی ضمیر زمین کی طرف بھی جا سکتی ہے یعنی زمین کے فوائد اور قرار کے لئے پہاڑ بنائے۔

دو سمندروں کے درمیان روک میں نہر پانامہ اور نہر سویز کی طرف اشارہ ہے۔ نہر پانامہ کی تفصیل سورہ فرقان ۵۴ اور نہر سویز کی تفصیل سورۃ رحمٰن میں ہے۔ استفادہ فرمائیے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ان کاموں میں شریک ہے۔ اس آیت میں اپنے قوانین کا ذکر کر کے **یعلمون** فرمایا اس لئے کہ قوانین کا تعلق علم سے ہے۔

مَعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ
ہے ساتھ اللہ کے کم ہی تم نصیحت پکڑتے ہو یا کون ہے جو ہدایت دیتا ہے تم کو
ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا
اندھیروں میں خشکی اور تری کے اور کون بھیجتا ہے ہوائیں خوشخبری کے طور
بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا
پر آگے اپنی رحمت کے کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے بلند ہے اللہ اس سے جسے
يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ
وہ شریک بناتے ہیں یا کون ہے جو پہلی بار کرتا ہے پیدائش پھر دوبارہ کرتا ہے اسے اور کون ہے جو

۶۳۔ **مُضطَر** وہ ہے جو چاروں طرف سے بلاؤں میں گھرا ہو۔ سب دنیاوی سہاروں سے مایوس ہو چکا ہو اور صرف خدا ہی کو فریاد رس سمجھ کر کلی طور پر اس کی طرف متوجہ ہو۔ بے کس۔

پہلے تخلیق کائنات اور اس کے قوانین کے اجرا میں انسان کے لئے مادی انعامات کا ذکر کیا۔ اب روحانی عنایات کا ذکر فرمایا۔ جس میں سب سے پہلے اپنی ہستی کی شناخت بتائی کہ تمہارا خدا وہ ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت اور کافر و مومن کی شرط نہیں لگائی۔ جو مانگے گا وہ پائے گا۔ جو کھٹکھٹائے گا اس کے لئے کھولا جائے گا۔ ہاں مضطر ہونا شرط ہے۔ وہ انفرادی طور پر ہی مضطر کی دعا نہیں سنتا بلکہ قومی رنگ میں بھی بے بس اور مظلوم بندوں کی پکار سنتا ہے اور ظالم قوموں کو مٹا کر اپنے مظلوم بندوں کو ان کا جانشین بنا دیتا ہے۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے قصوں کے بعد بتایا کہ مسلمان ان سب انعامات سے نوازے جائیں گے جو پہلی قوموں کو ملے۔

مامورِ وقت کی شناخت کا بھی یہی طریق ہے۔ اضطراب اور تڑپ سے اللہ کے آستانہ پر گر جائے۔ انشاء اللہ جواب ضرور ملے گا۔

۶۴۔ بیشک اللہ ہی ہے جو بحر و بر کی تاریکیوں میں سورج چاند اور ستاروں کے ذریعہ تمہیں راہ دکھاتا ہے اور بارش سے پہلے جو رحمتِ خداوندی ہے ٹھنڈی ہواؤں کو اس کو خوشخبری کا پیامبر بنا کر بھیجتا ہے۔ کیا ان الٰہی قدرتوں میں تمہارے کسی معبود کا بھی دخل ہے؟

وہ جو مضطر کی دعا سنتا ہے وہ اپنی مخلوق کو روحانی طور پر بھی اندھیروں میں نہیں رہنے دیتا۔ روحانی لحاظ سے رحمت سے مراد انبیاء و مرسلین ہیں۔ **بُشرًا** سے مراد ان کے ارہاص اور وہ مخلصین ہیں جن کو بذریعہ رویاء و کشوف آمد رسول سے مطلع کیا جاتا ہے بیشتر عوام بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں کہ اس بگاڑ کا علاج صرف رسول ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد سے قبل تمام

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

رزق دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے کیا کوئی خدا ہے ساتھ اللہ کے

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۶۵) قُلْ لَّا

تُو کہدے لاؤ دلیل اپنی اگر ہو تم سچے تو کہدے نہیں

يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ

جانتے وہ کہ جو آسمان اور زمین میں ہیں غیب سوائے اللہ کے اور

مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (۶۶) بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ

نہیں جانتے وہ کہ کب اٹھائے جاویں گے وہ بلکہ ختم ہوگیا ہے علم ان کا

مذاہب میں ایک مسیح کا انتظار تھا۔ حتیٰ کہ ہندو اور پارسی وغیرہ بھی اپنے اپنے اوتاروں کے منتظر تھے۔

آمدِ رسول سے پہلے بحر و بر میں روحانی تاریکی پھیل جاتی ہے۔ جیسا کہ **ظهر الفساد فى البر والبحر** ۔ (روم: ۴۲) میں بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وہ قومیں بھی بگڑ چکی تھیں جو بَرّ کے طور پر تھیں اور ان کا آسمانی پانی خشک ہو چکا تھا اور وہ اقوام بھی بگڑ چکیں تھیں جو بطور بحر تھیں۔ ان میں آسمانی پانی موجود تو تھا مگر سمندری پانی کی طرح کھارا تھا اور روحانی پیاس بجھانے کے قابل نہیں تھا۔ ضرور تھا کہ آسمان سے پانی صاف ہو کر آتا اور بندگانِ خدا کی روحانی تشنگی کو دور کرتا۔

۶۵۔ نظامِ خلق اور اعادۂ خلق، **خلٰق العليم** کی بے پایاں قدرتوں کا کمال ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے دفتر درکار ہیں۔ پھر بھی اس کا کماحقہٗ احاطہ ممکن نہیں۔ رازقِ حقیقی نے اپنی مخلوق کی غذائی ضروریات کے لئے ایک کامل نظام جاری فرمایا اور اس کی پیدا کردہ مختلف النوع زمینی اور آسمانی قوتوں نے مل کر رزق کی بہم رسانی کو ممکن بنایا۔ لیکن افسوس چند اقوام کی خود غرضانہ پالیسی نے سب کچھ سمیٹ کر بیشتر مخلوقِ خدا کو بھوک سے مرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ورنہ اس کی خدائی میں کسی چیز کی کمی نہیں۔

وہ خالقِ کُل جو تمہاری چند روزہ بقا اور مادی ضروریات کے لئے رزق فراہم کرتا ہے کیا وہ دائمی بقا اور روحانی ضروریات کے لئے جو انسانی پیدائش کا منتہیٰ و مقصود ہے کوئی انتظام نہ کرتا؟ کوئی دلیل تو لاؤ کہ ان خدائی کاموں میں غیر اللہ کا بھی کوئی حصہ ہے۔

۶۶۔ اس سورۃ کے شروع میں رسالت کا بیان تھا۔ پھر توحید پر بحث ہے۔ سو اس رکوع میں توحید کے دلائل میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق، اس کا مدبرِ اعلیٰ، مجیب الدعوات، ھادی، خالق اور

فِى الْاٰخِرَةِ ۫ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا

بارہ میں آخرت کے بلکہ وہ شک میں ہیں اس سے بلکہ وہ اس سے

ع ۵
عَمُوْنَ (۶۷) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ

اندھے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کیا جب ہو جائیں گے ہم مٹی اور

اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ (۶۸) لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا

باپ دادا ہمارے کیا ضرور ہم البتہ نکالے جانیوالے ہیں یقیناً یقیناً وعدہ دیا گیا ہمیں اس کا

نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

ہمیں اور باپ دادا کو ہمارے پہلے سے نہیں ہے یہ مگر کہانیاں

الْاَوَّلِيْنَ (۶۹) قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

پہلوں کی تو کہدے سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (۷۰) وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ

ہوا انجام مجرموں کا اور نہ غم کھا تُو ان پر اور

رازق ہونا شرک کے رد میں پیش کیا۔ اب آخرت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کی صفت عالم الغیب کا ذکر فرما کر شرک کا بطلان فرمایا۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے غیب کا علم عطا کرتا ہے۔ بندوں میں سے یہ علم سب سے بڑھ کر آقا و مولیٰ سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔ لیکن آپ ﷺ کا علم بھی محدود تھا۔

ان کے ستارہ شناس اور کاہن وغیرہ جو علمِ غیب کا دعویٰ کرتے ہیں وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے یا یہ کہ ان کا انجام کیا ہوگا۔

۶۷۔ **اَدّٰرَكَ۔ اَدرَكَ**۔ کسی چیز کی غائت کو پہنچنا اور پالینا ہے (مفردات) **اَدّٰرَكَ**۔ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے یعنی ختم ہو چکا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آخرت کے بارہ میں ان کا اپنا علم وہاں تک نہیں پہنچ سکا کہ کچھ جان سکتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل کیا اور انہیں اپنے نبی کے ذریعہ آخرت کا علم دیا تو انہوں نے یقین نہیں کیا اور شک میں پڑ گئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ غور و تدبر اور تحقیق و دلائل سے اس شک کو دور کرتے۔ لیکن یہ شک میں یہاں تک بڑھتے چلے گئے کہ بالکل ہی اندھے ہو گئے۔ یعنی قطعی طور پر آخرت کے منکر ہو گئے۔

۶۸ تا ۷۰۔ **اساطير**۔ سطر کی جمع ہے۔ لکھی ہوئی تحریر (اقرب) مراد باتیں کہانیاں۔

اس مضمون کو قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے۔ مکذبین و منکرین کا یہ کہنا کہ ہمارے

لَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى

ہو تنگی میں اس سے جو وہ تدبیریں کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کب ہے

هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ

یہ وعدہ اگر ہو تم سچے تو کہدے ممکن ہے کہ

يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَ

ہو پیچھے لگا ہوا تمہارے بعض وہ جسے تم جلدی چاہتے ہو اور

آباء و اجداد سے بھی یہی وعدہ کیا گیا تھا ظاہر کرتا ہے کہ تمام انبیاء نے بعث بعد الموت پر زور دیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ آخرت اور جزا و سزا پر یقینِ کامل انسان کو گناہوں سے باز رکھتا ہے اور تقویٰ کی راہوں پر لے جاتا ہے۔ایسا انسان خود کو اور اپنے پیاروں کو دنیا و آخرت کی رسوائیوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے اور خدائی آواز پر ضرور کان دھرتا ہے۔ان منکرین آخرت کو تاریخِ عالم کی طرف متوجہ کیا اور **سیروا فی الارض** کی دعوت دی۔منکرینِ آخرت پر عذابِ الٰہی کے آثار آج آثارِ قدیمہ کی کھدائی سے ملتے ہیں۔بعض دبی ہوئی بستیاں اس حالت میں ملیں کہ ان کے مکینوں کو ہلنے کی مہلت بھی نہ ملی۔یہ چاروں طرف بکھرے ہوئے کھنڈرات اُن قوموں کی شان و شوکت کی داستانیں سناتے ہیں جو اپنے زمانہ میں قومِ فرعون و نمرود سے کم نہ تھیں۔لیکن آخرت کے انکار اور اس کے نتیجہ میں تکذیبِ انبیاء کے جرم میں صفحہ ہستی سے اس طرح مٹا دی گئیں کہ آج عبرت کا نشان ہیں۔

یہاں منکرینِ آخرت کو مجرمین کہا۔کیونکہ آخرت پر یقین نہ ہونے سے ہر قسم کے فسق و فجور اور گناہوں پر دلیری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرستادوں اور ان کے متبعین پر ظلم و ستم انہیں مجرمین کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے اور ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔

۷۱۔آپ ﷺ کو غم یہی تھا کہ آپ ﷺ کی قوم بھی گزشتہ مجرمین کی طرح اللہ کے غضب کا نشانہ نہ بنے۔آیت ۵۱: میں قومِ ثمود کے مکر کے ذکر میں آپ ﷺ کے خلاف سازش کا ذکر کیا۔ استفادہ فرمایئے۔یہاں آپ ﷺ کو تسلی دی کہ ان کی سازشیں نہ گزشتہ انبیاء کا کچھ بگاڑ سکیں اور نہ آپ ﷺ کے خلاف کامیاب ہوں گی۔

۷۲۔۷۳۔**رَدِفَ**۔ردیف سواری پر پیچھے بیٹھنے والا ہے۔مراد تمہارے پیچھے لگ چکا ہے۔ انہیں معنوں میں شعر کا آخری لفظ ردیف کہلاتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

یقیناً رب تیرا البتہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر و لیکن اکثر ان میں سے

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

نہیں شکر کرتے اور یقیناً رب تیرا البتہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں سینے ان کے

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان میں اور زمین میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن دشمنانِ حق کے غم میں سخت بے چین تھے اُن کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کی ذاتِ پاک اور آپ ﷺ کے متبعین پر ظلم و ستم اور آپ ﷺ کے خلاف سازشوں کو اپنے کمال تک پہنچا چکے تھے اور پھر نہایت بے باکی سے اپنے مطالبہ کو دہراتے تھے کہ اب کیا کسر ہے۔تیرا ربّ عذاب کیوں نہیں بھیجتا؟ فرمایا! ممکن ہے اس میں سے بعض، جس کی تم جلدی کرتے ہو، تمہارے پیچھے لگ چکا ہو۔انفال ۳۴ میں بتایا یہ کیسے ممکن ہے کہ اے محمدؐ تو ان میں ہو اور ان پر عذاب آجائے۔پس آپ ﷺ کی ہجرت کے اگلے سال ہی کفار مکہ پر عذاب کا پہلا کوڑا برسا۔جب مکّہ کے چنیدہ سردار میدان بدر میں کھیت رہے اور یسعیاہ نبی کی پیشگوئی پوری ہوئی (باب ۲۱ آیت ۱۷) کہ ''ایک سال میں قیدار کے بہادر گھٹ جاویں گے''۔قیدار حضرت اسمٰعیلؑ کا بیٹا تھا۔جس کی اولاد عرب میں آباد تھی۔یہاں بتایا کہ یہ موعود عذاب کا ایک حصہ اور اس کی ابتدا ہوگی جبکہ اس کی انتہا فتح مکّہ کے روز ہوگی جب تمام منکرین کی گردنیں رسولِ عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جھک جائیں گی۔

ردف قیامت تک کے لئے جاری ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسا ہی وعدہ یہود سے ہے۔یہود آج بھی اسی ڈگر پر ہیں۔امریکہ یہود کو مظالم سے روکنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ ان کی اجارہ داری ہے۔جب تک اصلاح نہ کریں۔پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

۷۴۔۷۵۔ **تُكِنُّ**۔كَنَّ کسی چیز کو پردے میں چھپا دیا (اقرب)

لاتحزن کے تعلق میں آپ ﷺ کو تسلی دی کہ تیرا ربّ تو بہت فضل کرنے والا ہے۔وہ بلاوجہ سزا نہیں دیتا۔اسے ان کے مخفی ارادوں اور ظاہر باتوں کا علم ہے اور وہ جانتا ہے کہ سزا کے مستحق ہیں، محض اپنے فضل سے ڈھیل دے رہا ہے کہ شاید کوئی پیغام حق قبول کر لے اور آنے والی تباہی سے بچ جائے۔حقیقت تو یہ ہے کہ بندوں کو گناہوں کی دلدل سے نکال کر ہدایت دینے کے

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ
مگر کتاب بیان کرنے والی میں ہے یقیناً یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی

اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَ
اسرائیل پر اکثر وہ کہ وہ لوگ جس میں اختلاف کرتے ہیں اور

لئے انبیاء کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر عظیم احسان ہے۔لیکن یہ انبیاء پر ایمان لاکر ربّ دوجہاں کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان فرستادوں اور ان کے متبعین پر ظلم وستم کرکے ناشکری کے مرتکب ہوتے ہیں۔پس جب ناشکری میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو سزا دیتا ہے۔

۷۶۔ کتابِ مبین۔کھلی کتاب۔بیان کرنے والی کتاب۔علم الٰہی۔

یہ کوئی دنیوی رجسٹر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا وہ ریکارڈ ہے جو ذرے ذرے اور پتے پتے پر لکھا ہوا ہے۔جیسا کہ سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ ہر لفظ اور ہر حرکت فضا میں ریکارڈ ہو رہی ہے اور محفوظ ہے۔بلکہ سائنسدانوں نے قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ انسانی جلد کے ہر سیل(Cell) میں سارے جسم کا ریکارڈ محفوظ ہے۔گویا ہر ذرے پر اعمالنامہ ثبت ہے جسے مٹایا نہیں جاسکتا۔غرض کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کوئی بھی راز ایسا نہیں جو علمِ الٰہی میں نہ ہو۔ہر بات ایک واضح نوشتے میں محفوظ ہے۔

۷۷۔بنی اسرائیل سے مراد یہاں یہود ونصاریٰ ہیں۔(روح المعانی)

فرمایا کائنات کی ہر چیز علمِ الٰہی میں محفوظ ہے۔اب اس کا ثبوت پیش کیا کہ کائنات کے اسرار بستہ کی طرح کلامِ الٰہی میں بھی ایسے بے شمار غیبی علوم بیان ہوئے ہیں جن پر سے قیامت تک پردہ اٹھتا رہے گا اور قرآنی حقائق ظاہر ہوتے رہیں گے۔فرمایا اکثر باتیں جن میں بنی اسرائیل اختلاف رکھتے ہیں، قرآن کریم ان کی حقیقت خوب کھول کر بیان کرتا ہے۔جیسا کہ پیچھے سے نبوت و رسالت پر بحث جاری ہے۔یہاں ضرورتِ نبوت کی بہت سے وجوہ میں سے ایک اہم وجہ یہ بیان فرمائی کہ انبیاء قوموں کے اختلافی مسائل کا صحیح حل پیش کرتے ہیں۔مکّہ میں بیان کی گئی یہ پیشگوئی مدینہ میں بڑی شان سے پوری ہوئی جب یہود ونصاریٰ نے آپ ﷺ کو اپنا حکم تسلیم کیا اور آج تک پوری ہو رہی ہے جبکہ ان کے محققین نے بائبل کی تحریف کو تسلیم کیا۔(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد۴ زیر لفظ The golden Calf جلد۱۵ زیر لفظ Moses)

یہود ونصاریٰ میں سب سے بڑا اختلاف پیدائش مسیح کے مسئلہ پر ہے۔یہود نے تفریط سے

اِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ
یقیناً یہ ہدایت اور رحمت ہے مومنوں کے لیے یقیناً رب تیرا فیصلہ کرے گا

بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى
درمیان انکے ساتھ اپنے حکم کے اور وہ عزت والا بہت جاننے والا ہے پس بھروسہ کر

کام لے کر مسیح کی پیدائش اور موت دونوں کو لعنتی قرار دیا۔جبکہ نصاریٰ افراط کا شکار ہوئے اور آپ کو خدائی میں شریک کیا۔قرآنِ پاک نے بار بار حضرت مریمؑ کی پاکدامنی کو واضح کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو اپنے اولوالعزم انبیاء میں شمار کیا۔یہود نبوت کو حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں محدود مانتے ہیں۔قرآن کریم نے اس کی بھی وضاحت فرمائی۔قرآن کریم یہود ونصاریٰ کے اختلافی مسائل کا فیصلہ ہی نہیں کرتا بلکہ انبیاء بنی اسرائیل پر لگائے گئے الزامات سے بھی انہیں بری قرار دیتا ہے۔توریت نے حضرت داؤدؑ پر نہایت گھناؤنے الزامات لگائے۔حضرت ہارونؑ کو شرک میں ملوث قرار دیا۔قرآن کریم نے ان انبیاء پر لگائے گئے تمام الزامات سے انہیں پاک قرار دیا اور اِن کی عزت وتکریم کو بحال فرمایا۔

مرورِ زمانہ اور بائبل میں تحریف کی وجہ سے بعض خلافِ عقل باتیں بھی بائبل میں شامل کی گئیں۔قرآن کریم نے ان کی بھی وضاحت فرمائی۔مثلاً بائبل نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مصر سے ہجرت کے وقت بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں میں بتائی ہے جو خلافِ عقل ہے۔قرآن کریم نے تصحیح فرمائی اور بتایا کہ یہ تعداد ہزاروں میں تھی (سورۃ البقرۃ آیت :۲۴۴) حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ پر جھوٹ کا الزام لگایا کہ اپنی بیوی کو بہن کہا۔اس طرح ذبیحِ عظیم کے واقعہ میں بہت سی بے سروپا باتوں کو منسوب کیا۔غرض قرآن کریم نے ان تمام امور کو خوب کھول کر بیان فرمایا جو یہود ونصاریٰ کے درمیان وجہ تنازع بنے ہوئے تھے۔

۷۸۔قرآنِ عظیم یہود ونصاریٰ کے اختلافی مسائل کا ہی صحیح حل پیش نہیں کرتا بلکہ جو ایمان لے آئیں ان کے لئے قرآن کریم سراسر ہدایت اور رحمت ہے۔یعنی ان کی ہدایت کے پورے سامان قرآن کریم میں موجود ہیں پس ان ہدایت کی راہوں پر چل کر وہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کے وارث بن سکتے ہیں۔

۷۹۔مومنین کے ذکر میں فرمایا کہ قرآن کریم نہ صرف مومنین کے باہمی مسائل کا حل پیش کرتا ہے بلکہ مومنین اور مخالفین کے باہمی اختلافات کا فیصلہ بھی فرماتا ہے۔وہ کامل غلبے والا ہے۔

اللّٰهِ ؕ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۸۰﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى
اللہ پر یقیناً تو حق پر کھلے کے ہے یقیناً تو نہیں سُنا سکتا مُردوں کو

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۱﴾
اور نہ تو سُنا سکتا ہے بہروں کو پکار جبکہ وہ پھریں پیٹھ پھیرتے ہوئے

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ
اور نہیں تو ہرگز راہ دکھانے والا اندھوں کو گمراہی سے ان کی نہیں تو سنا سکتا

اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا وَقَعَ
مگر اسے جو ایمان لاتا ہے آیات پر ہماری پس وہ فرمانبردار ہیں اور جب واقع ہوگی

سچوں کو غالب اور جھوٹوں کو مغلوب کرتا ہے۔ وہ علیم ہے۔ خوب جاننے والا ہے۔ اس کے فیصلہ میں کسی غلطی کا احتمال نہیں۔

۸۰۔ جب غلبہ کی نوید سنائی تو حصولِ غلبہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کا حل بھی بتایا۔ فرمایا اپنے رب پر کامل توکل کرتے ہوئے ان پُر خار راہوں پر آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ اے رسولؐ! آپ طریقِ حق پر ہیں اور یہی وہ راہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نصرت و معیت کو کھینچ لانے میں ممد و معاون ہے۔

توکل کے معنی ہیں کہ ان تمام تدابیر کو بروئے کار لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے اس عالمِ اسباب میں میسر فرمائی ہیں۔ پھر توکل کرو۔ گویا رعایت اسباب ازبس ضروری ہیں۔

۸۱۔ اے پیغمبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک واضح سچائی پر قائم ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ لوگ اس سچائی کی طرف دوڑے چلے آتے لیکن یہ مُردوں کی مانند ہیں۔ ان کے دل خشیت الٰہی سے خالی ہیں۔ ان کی صلاحیتیں مفلوج ہو چکی ہیں اور یہ کچھ سن نہیں سکتے۔ ایسے بہروں کو خدائی پکار سنائی نہیں دیتی اور پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں یعنی بہرے ہونے کے باوجود بھی اگر توجہ دیں تو کچھ نہ کچھ سمجھ ہی جائیں۔ لیکن جو بہرے دیکھنا بھی نہ چاہیں ان کو تو کیا سنا سکتا ہے اور کیا دکھا سکتا ہے۔

۸۲۔ اور نہ تو اندھوں کو گمراہی سے نکال کر سیدھے راستہ پر ڈال سکتا ہے۔ تُو تو ان کو ہی بات سنا سکتا ہے جو ہمارے نشانات پر یقین رکھتے ہیں اور اطاعت کو اپنا شیوہ بناتے ہیں۔ ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین مثالوں سے واضح کیا کہ حق کا انکار کرنے والے روحانی طور پر مُردے، بہرے اور اندھے ہیں۔

۸۳۔ **تکلمھم**۔ ان سے کلام کرے گا۔ ان کو زخمی کرے گا (لسان۔ اقرب۔ شوکانی)

الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ
بات ان پر نکالیں گے ہم ان کے لیے جانور زمین سے

تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع ۲۶ ۲
جو کاٹے گا انہیں اس لیے کہ لوگ تھے آیات پر ہماری نہیں یقین رکھتے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں " معلوم ہوتا ہے کہ ان نشانات سے مراد مسیح موعود کے نشانات ہیں جن کا انکار کرنے کی وجہ سے عذاب کی تنبیہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے ذکر میں یہ بیان اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اگر مسلمان بھی کریں گے تو قابلِ گرفت ہوں گے۔ جب ان روحانی مُردوں اور بہروں اور اندھوں کے خلاف آسمانی فیصلہ جاری ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالے گا جو ان کو کاٹے گا۔ یہ عذاب ان پر اس لئے آئے گا کہ وہ لوگ ہمارے نشانات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس آیت میں **دآبة من الارض** کے خروج کی پیشگوئی فرمائی گئی ہے۔ اس کی وضاحت احادیث میں موجود ہے کہ اس کا خروج آخری زمانہ میں ہوگا جو مسیح اور مہدی کا زمانہ ہوگا (تفسیر ابن کثیر)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آنے والے مسیح کی مخالفت بڑھ جائے گی تو اللہ تعالیٰ مخالفین کی گردنوں میں ایک پھوڑا پیدا کردے گا جس سے ان کی ہلاکت ہوگی۔ (مسلم) روح المعانی میں ہے کہ یہ وہ وقت ہوگا جب **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کو ترک کر دیا جائے گا۔ طاعون کے متعلق تمام انبیاء کی پیشگوئی ہے کہ مسیح کے وقت پھیلے گی۔ گویا اس آیت میں صاف طور پر طاعون کی پیشگوئی فرمائی۔ طاعون دابة الارض کے کاٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ وبا چوہوں سے پھیلتی ہے جب طاعون زدہ چوہے مرنے لگتے ہیں تو طاعون کے کیڑے مٹی میں پھیل جاتے ہیں جو زمین سے پاؤں وغیرہ کے ذریعہ انسان کے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر تیز بخار کے ساتھ گردن یا بُنِ ران میں ایک خطرناک پھوڑا نکلتا ہے جس سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ بیماری اتنی شدت سے پھیلتی ہے کہ خاندانوں کے خاندان اور گاؤں کے گاؤں ہلاک ہو جاتے ہیں۔

یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعود مہدیٔ معہود مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ آپ کی صداقت کے ثبوت میں نشان پر نشان ظاہر ہو رہے تھے۔ لیکن جب احادیث کی پیشگوئیوں کے عین مطابق کسوف و خسوف کا آسمانی نشان ظاہر ہوا اور ۱۸۹۴ء یعنی ۱۳۱۱ھ میں رمضان المبارک کی تیرہ ۱۳ تاریخ کو چاند گرہن اور اسی ماہ کی اٹھائیس ۲۸ تاریخ کو سورج گرہن لگا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ

اورجس روز ہم اکٹھا کریں گے ہر جماعت میں سے ایک گروہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے تکذیب کی

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۴﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ

آیات کی ہماری پس وہ الگ الگ کئے جاویں گے یہاں تک کہ جب وہ آویں گے فرمائیگا کیا تکذیب کی تم نے

تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بتایا کہ اگر لوگوں نے اس الٰہی نشان سے فائدہ نہ اٹھایا اور مجھے قبول نہ کیا تو ایک ہلاکت کا نشان دکھایا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا کہ فرشتے سیاہ پودے لگا رہے ہیں۔ جس سے مراد آپ نے طاعون کی وبا لی۔ فرمایا سارے پنجاب میں جارف طاعون پھیلے گی جو جھاڑو پھیر دے گی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی کتب اور اشتہارات کے ذریعہ بار بار قوم کو متنبہ کیا اور طاعون کے عذاب سے ڈرایا اور آنے والی طاعون کو قیامت کا نمونہ قرار دیا۔ آخر طاعون اس شدت سے پھیلی کہ ایک ہفتہ میں تیس تیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور ایک سال میں کئی لاکھ انسان لقمہ اجل بنے۔ باوجود ہر طرح کی احتیاط اور ٹیکوں کے ہر سال طاعون مزید شدت سے حملہ آور ہوئی۔ اس کا دور برابر نو سال سختی سے جاری رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور خود اس کے زور کو توڑا۔ فرمایا جو صدق دل سے ایمان لاتے ہیں ان کو کوئی خطرہ نہیں۔ قادیان میں آپ کے گھر کے چاروں طرف آئے گی لیکن گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خاندان میں کسی کو طاعون نہیں ہوئی اور آپ کے اہل دار بفضل تعالیٰ محفوظ رہے۔ حالانکہ آپ نے حکم الٰہی سے اپنے گھر والوں کو ٹیکے نہیں لگوائے نہ خود ٹیکہ لگوایا۔ چونکہ یہ عذاب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے آیا اس لئے لاکھوں لوگوں نے اس قہری نشان کو دیکھ کر صداقت کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے مامور پر ایمان لے آئے۔ غرض گاؤں کے گاؤں احمدی ہوئے تاکہ بچائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور بچائے گئے۔ اخبار الحکم باقاعدہ خبریں دے رہا تھا۔ طاعون سے پہلے احمدیوں کی کل تعداد سینکڑوں میں تھی۔ طاعون کے بعد اسی ۸۰ ہزار ہوئی۔ پھر ایک سال میں ایک لاکھ ہو گئی۔ آخری خبر یہ تھی کہ طاعون کے دوران چار لاکھ احمدی ہوئے۔ خطبہ جمعہ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۱ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ احمدیوں کی تعداد بفضل تعالیٰ اب بیس کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

۸۴-۸۵۔ **یوزعون** کے معنی کے لئے آیت:۱۸ ملاحظہ فرمائیں۔ اس رکوع میں بتایا کہ بالآخر نشان ہلاکت کے بعد لوگ ایمان لے آئیں گے۔

بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ

آیات کی میری حالانکہ نہ احاطہ کیا تم نے ان کا علم سے یا کیا تھے تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا

کرتے اور واقع ہوئی بات ان پر اس سبب کہ ظلم کیا انہوں نے پس وہ نہیں

يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۶﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا

بات کریں گے کیانہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے بنایا رات کو تاکہ وہ آرام پائیں

فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

اس میں اور دن کو روشن یقیناً اس میں البتہ نشانات ہیں ان لوگوں کیلئے

یہاں بتایا کہ جن اقوام نے خدا تعالیٰ کے نشانات کا انکار کیا ان میں ہر قوم سے ہم ایک بڑا گروہ کھڑا کریں گے پھر اس گروہ کو جواب دہی کے لئے مختلف گروہوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔ یہ عدالت دنیا میں بھی لگتی ہے اور قیامت کا بھی نقشہ ہے جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید یا اپنے سرداروں اور مذہبی اجارہ داروں کے دباؤ یا دیگر مادی مفادات کے تحت بلا پوری تحقیق ہماری آیات کو جھٹلا دیا۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ خوب چھان بین اور تدبّر و تفکّر سے ان آیات کو پرکھتے۔ اگر اس کے باوجود قرآنی حقائق کو سمجھنے سے قاصر رہتے تو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لاعلمی کی وجہ سے تم سے رحم کا سلوک فرماتا لیکن تم نے علمی ذرائع سے تحقیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اور بغیر غور وفکر تکذیب کردی۔ حقیقت یہ ہے کہ نشانات اور پیشگوئیوں میں ایک حصہ اخفا کا بھی ہوتا ہے پس تم نے اس لئے انکار کردیا کہ کچھ حصہ ان کا تمہاری سمجھ میں نہیں آیا اور تم منکر ہو گئے۔ تم نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی یاد کرو کہ اس کے علاوہ اور کیا کچھ کرتے رہے۔ اس میں ان کا فسق وفجور، مسیح زماں اور اس کے متبعین کو مٹانے کی تدابیر اور اُن پر جور و جفا سب شامل ہیں۔

۸۶۔ ان کے بلاتحقیق آیات الٰہیہ کو جھٹلانے کو ظلم سے تعبیر کیا یا ان مظالم کی طرف اشارہ ہے جو آیات الٰہیہ کو جھٹلانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر روا رکھتے تھے نیز شرک بھی اس میں شامل ہے۔ **انّ الشّرک لظلم" عظیم** ٥(۳۱-۱۴) اب ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی جو اپنی صفائی میں پیش کرسکیں۔ آخر ان پر حجت تمام ہو جائے گی اور عذاب ان پر مسلط کردیا جائے گا۔

۸۷۔ ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے بغیر علمی تحقیق اور بنا سوچے سمجھے نشانات الٰہیہ کا انکار

يُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٧﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي

جو ایمان رکھتے ہیں اور جس دن پھونکا جاوے گا بگل میں پس گھبرا جاویں گے وہ جو

کیا اور عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ مومنین کو تسلی دی کہ رات اور دن میں ان کے لئے بہت سے نشان ہیں اس لئے کہ وہ تدبر کرتے ہیں۔ پہلا تو یہی کہ مسلمانوں پر بھی ایک لمبی رات آئے گی لیکن آخر آمدِ مسیح مژدہ سحر ثابت ہوگی۔ اندھیرے چھٹ جائیں گے، روشنی میں حق و باطل خوب ظاہر ہو جائے گا اور بہتیرے ایمان کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔

قوموں کا عروج و زوال بھی رات اور دن کے مشابہ ہے۔ زوال کا دور غفلت اور سستی کا دور ہوتا ہے جو رات کے مشابہ ہے۔ زوال کے بعد عروج دن سے مشابہت رکھتا ہے جب قومیں ایک نیا عزم لے کر خوابِ غفلت سے بیدار ہوتی ہیں۔ رات اور دن بعث بعد الموت پر بھی دال ہیں۔ جب ایک لمبی نیند کے بعد بیداری ہوگی۔ (یٰسٓ: ۵۳) نیز موت و حیات کی تصویر بھی پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ سو کر اٹھنے کی دعا ہے کہ سب تعریفیں اس کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہماری موت کے بعد زندہ کیا۔ جس طرح عام زندگی میں انسان ایک حالت میں نہیں رہتا۔ ہر رات اسے سکون و آرام دینے اور اس کی توانائیاں بحال کرنے آتی ہے تا وہ تازہ دم ہو کر اپنے معمولاتِ زندگی انجام دے سکے۔ اسی طرح روحانی لحاظ سے بھی ہر انسان کی حالت ایک جیسی نہیں رہتی۔ اس پر روحانی قبض اور بسط کے دور آتے رہتے ہیں جو اس کی روحانی ترقیات میں مد ہوتے ہیں۔ سالکینِ راہِ خدا کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ کاتبِ وحی حضرت حنظلة بن ربیعؓ کی ایک لمبی حدیث ہے کہ مجھے حضرت ابوبکرؓ ملے اور پوچھا کہ تم کیسے ہو میں نے جواب دیا کہ حنظلہ تو کافر ہوگیا حضرت ابوبکرؓ نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو۔ حنظلہؓ نے کہا جب تک ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیٹھتے اور آپ ﷺ کی نصائح سنتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے جیسے جنت و دوزخ ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور بیوی بچوں اور مال و منال میں منہمک ہو جاتے ہیں تو بہت سی باتیں بھول جاتی ہیں۔ ابوبکرؓ نے کہا خدا کی قسم! ہماری بھی یہی حالت ہے۔ حنظلہؓ کہتے ہیں میں اور ابوبکرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور میں نے اپنی کیفیت کا اظہار کیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہمیشہ اس حالت میں رہو جو میری موجودگی میں ہوتی ہے تو پھر تم سے فرشتے مصافحہ کریں تمہارے بستروں میں بھی اور تمہارے راستوں میں بھی لیکن اے حنظلہؓ کوئی گھڑی نیک خیال کی ہوتی ہے اور کسی گھڑی سستی طاری ہو

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ

آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں مگر جسے چاہے اللہ اور

كُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا

سب آویں گے اس کے پاس فرمانبردار ہو کر اور تو دیکھتا ہے پہاڑوں کو گمان کرتا ہے تو انہیں

جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ

جمے ہوئے حالانکہ وہ چلیں گے چلنا بادلوں کا کاریگری اللہ کی جس نے

اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٩﴾ مَنْ جَآءَ

محکم بنایا ہر چیز کو یقیناً وہ خوب خبر رکھنے والا ہے اسکی جو تم کرتے ہو جو لاوے گا

جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے یعنی اس کیفیت سے گھبرانا نہیں چاہیئے اور نہ کوئی منافقت کی بات ہے کیونکہ بھول اور بے خیالی بشری خاصہ ہے۔ (مسلم کتاب التوبة باب فضل دوام الذکر و الفکر فی الامور الاخرة)

۸۸۔ **فزع**۔ ڈر گیا۔ گھبرا گیا۔ بے قرار ہو گیا۔ **دخر**۔ ذلیل ہوا۔ مطیع ہوا۔ فرمانبردار ہوا۔ **دٰخرین**۔ عاجزانہ۔ بگل میں پھونکنے میں فوجوں کے اکٹھا کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔

آخری زمانہ کی ایٹمی جنگوں کا نقشہ پیش کیا۔ جب زمین و آسمان میں جو بھی ہے گھبرا اٹھے گا۔ باوجودیکہ یہ تباہی عام ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ کے بندے اس کے خاص تصرف سے بچائے جائیں گے۔ ان تباہیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ مامورِ وقت کو شناخت کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاؤ۔ اپنی پر سوز دعاؤں سے عرشِ الٰہی کو ہلا دو تا تم پر رحم کیا جائے اور تم بچائے جاؤ۔

نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے

اس عالمی تباہی کے بعد بڑوں بڑوں کی گردنیں جھک جائیں گی اور سرِ تسلیم خم کریں گے۔ یہ دنیا کا بھی نقشہ ہے اور آخرت کا بھی۔

۸۹۔ **اَتقن**۔ (تقن) مضبوط کیا۔

بظاہر یہ آیات آخرت پر اطلاق نہیں پا رہیں کیونکہ آخرت میں پہاڑوں کا وجود نہیں ہوگا۔ رات اور دن کے ذکر میں قوانینِ قدرت کا ذکر تھا۔ پھر عالمی تباہی کی طرف اشارہ کیا۔ اب ان حقائق سے پردہ اٹھایا جن سے اس زمانے کا انسان بے خبر تھا۔ فرمایا پہاڑ جامد ہوتے ہوئے بھی بادلوں کی طرح چل رہے ہیں۔ گویا گردش زمین کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ ہر چیز گردش کر رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت کاری ہے جس نے ہر چیز کو نہایت مضبوط بنایا۔ اس میں قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں

بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ

نیکی تو اس کے لیے بہتر (بدلہ) ہوگا اس سے اور وہ گھبراہٹ سے اس روز

اٰمِنُوْنَ ﴿٩٠﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي

بے خوف ہوں گے اور جو لاوے گا بدی پس اوندھے کئے جاویں گے چہرے ان کے

النَّارِ ۗ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩١﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ

آگ میں نہیں بدلہ دیئے جاؤ گے تم مگر اس کا جو تھے تم عمل کرتے سوائے اسکے نہیں کہ مجھے حکم دیا گیا

اور آج کی عظیم الشان حکومتوں کی طرف بھی اشارہ تھا جو پہاڑوں کی طرح مستحکم ہوں گی لیکن ہواؤں کی طرح اڑادی جائیں گی۔ اس میں انسانی تدبیر کا دخل نہیں ہوگا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت سے ہوگا۔ وہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔ تم اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرو اور اپنے اعمال کو اس مقام تک پہنچادو کہ اللہ کی نصرت نازل ہو جو پہاڑوں جیسی قدآور شخصیتوں اور قوموں کو ملیا میٹ کر دے۔

٩٠۔ بڑی بڑی ہولناک تباہیوں کے ذکر میں اپنے بندوں کو تسلی دی۔ یہاں نفس مطمئنہ والے مقربین مراد ہیں۔ جن کو ان کے اعمال سے بہت بڑھ کر بدلہ دیا جائے گا اور وہ ہر گھبراہٹ سے خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں اللہ کی خاص حفاظت میں رہیں گے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے پروردگار کی یہ بات ہمیں بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور بدیاں دونوں لکھ لی ہیں اور ہر ایک کو واضح کر دیا ہے۔ پس جو شخص نیکی کا ارادہ کرے لیکن اسے نہ کر سکے تو اسے پوری ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے اور اگر وہ نیت کے بعد اس نیکی کو کر لے تو اللہ تعالیٰ دس سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں اس کے حساب میں لکھ دیتا ہے اگر کوئی شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن اس کے ارتکاب سے باز رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حضور میں اس کی ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر یہ بدی کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی ایک بدی شمار ہوگی۔ (مسلم کتاب الایمان باب اذهم العبد بحسنة) حسنہ میں سب سے افضل کلمہ **لا الٰه الا اللّٰه** ہے اور بہترین دعا **الحمد للّٰه** ہے۔ (ترمذی کتاب الدعوات باب دعوة المسلم مستجابة۔ بروایت جابرؓ) نیز حقوق اللہ اور حقوق العباد کو احسن طریق پر ادا کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قائم ہونا اور اپنے رب کی رضا کے لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی بجالانا ہے۔

٩١۔ **كُبَّتْ**۔ الٹایا جائے گا۔

اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ز

ہے کہ میں عبادت کروں رب کی اس شہر کے وہ کہ جس نے حرام کیا ہے اسے اور اس کیلئے ہر چیز ہے

وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩٢﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

اور حکم دیا گیا ہے کہ ہوں میں فرمانبرداروں میں سے اور یہ کہ میں پڑھوں قرآن

بُرے اعمال میں کفر و شرک، اللہ تعالیٰ کے مرسلین اور ان کے اتباع پر ظلم و استبداد اور ہر عمل بد شامل ہے۔ ان کو اوندھے منہ جہنم میں گرایا جائے گا۔ یہ جہنم دنیا میں بھی برپا ہوئی جب مخالفینِ انبیاء ناکامیوں اور نامرادیوں کے جہنم میں گرائے گئے یا جب ایٹمی تباہ کاریوں کی لپیٹ میں آئیں گے۔ وجہ بمعنی سردار بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ائمہ کفر کو بوجہ ان کے تکبر کے جہنم میں اوندھے منہ گرایا جائے گا۔ ان کو سزا ان کے بداعمال کے مطابق ملے گی زیادہ نہیں ہوگی۔ اس غفور الرحیم کا رحم دستگیری فرمائے تو یہ سزا کم بھی ہو سکتی ہے اور معافی بھی مل سکتی ہے۔ آخر نجات پا کر دائمی جنتوں میں داخل ہوں گے۔ بیشک عذاب سے نجات پا جائیں گے لیکن مومنین کے مقام اور مرتبہ کو نہیں پہنچ سکیں گے۔

٩٢۔ اللہ تعالیٰ تو کُل جہانوں کا ربّ ہے۔ مکہ کا ربّ کہنے میں مکہ مکرمہ کے تقدس کا اظہار ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بار بار ربک فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ربّ العالمین ہے۔ اس شہر کا تقدس اور اس کی برکات انبیاء کی ذات سے ہیں جن کا تعلق اس شہر سے رہا جیسے حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور سب سے افضل سید و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی حرمت کو اپنی طرف منسوب فرمایا کہ ہم نے اسے حرمت بخشی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کسی انسان کے بس میں نہیں تھا۔ سارے عرب میں قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا۔ صرف یہی ایک شہر تھا جو امن کا گہوارہ تھا یہاں ہر قسم کا قتل اور فساد ممنوع تھا۔ یہ اس قدر قابلِ احترام تھا کہ کسی پرندے کو مارنا یا گھاس تک کاٹنی منع تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو تمام بنی نوع انسان کے لئے واجب الاحترام قرار دیا۔ جس نے اس شہر کو عزت و حرمت سے نوازا اس کی نظر میں خانہ کعبہ کا مقام و مرتبہ کیا ہوگا جبکہ مشرکینِ مکہ نے اللہ تعالیٰ کے اس مقدس و محترم گھر میں ٣٦٠ بت سجا رکھے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے تو اس ربّ کی عبادت کا حکم ہے جو ہر شے کا مالک ہے۔ جب کہ تمہارے معبودانِ باطلہ کسی مِلک کے دعویدار نہیں۔

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ

پس جس نے ہدایت پائی بس سوائے اسکے نہیں کہ ہدایت پاویگا وہ اپنے نفس کیلئے اور جو گمراہ ہوا تو تو کہدے

اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ

سوائے اسکے نہیں کہ میں ڈرانے والوں میں سے ہوں اور تو کہدے سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں عنقریب وہ دکھاویگا تم کو

اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ ع ۱۱ / ۳

اپنے نشانات پس تم پہچانو گے انہیں اور نہیں ہے رب تیرا ہرگز غافل اس سے جو تم کام کرتے ہو

پچھلی آیات میں نیک اور بد عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دینے کا ذکر تھا۔ یہاں بتلایا کہ میرے انبیاء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ان پر عام انسانوں سے بہت بڑھ کر ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کا حکم فرمایا۔حالانکہ آپ ﷺ اپنی عبادات کو درجۂ کمال تک پہنچا چکے تھے۔آپ ﷺ کو فرمانبرداری کا حکم ملا حالانکہ آپ ﷺ اوّل المسلمین تھے اور عملاً فرمانبرداری کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔درحقیقت قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو احکام دئے گئے ان کے اصل مخاطب مومنین ہوتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کو والدین سے حُسن سلوک کا حکم دیا حالانکہ آپ ﷺ کے والدین بچپن میں وفات پا چکے تھے۔یہ بھی مراد ہے کہ مراتب عالیہ کی تو کوئی حد نہیں آپ ﷺ اس سے بھی اعلیٰ مراتب کے حصول کے لئے کوشاں رہیں۔

۹۳۔قرآن کریم کو پڑھ کر سنانے میں ان پر قرآنی احکام خوب واضح کرنے اور دعوتِ اسلام کا حکم ہے۔فرمایا جو اسے سن کر ہدایت پا جائے تو اس کا ہدایت پانا اسی کو فائدہ دے گا اور جو قرآن کریم سن کر ہدایت پانے کی بجائے گمراہی اختیار کرے تو اسے بتادے کہ میں صرف ایک ہوشیار کرنے والا ہوں، کسی کو زبردستی ہدایت دینا میری ذمہ داری نہیں۔

۹۴۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر روز تازہ بتازہ نشان ظاہر ہو رہے تھے۔آخر وہ وقت آ گیا کہ سارا عرب خدائے واحد کے آگے سربسجود ہوا۔نہ صرف عرب بلکہ تمام معلوم دنیا میں رسولِ عربی ﷺ کا جھنڈا لہرایا۔ہر عروج کے بعد زوال ہے۔عالم اسلام پر بھی ایک تاریک دور آیا۔جس کی وضاحت پچھلی آیات میں گزر چکی ہے۔تاہم اولیائے کرام اور مجددین نے اس شمع صداقت کو بجھنے نہیں دیا۔

اس آیت کو الحمد للہ سے شروع کرکے مومنین کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور ان کے نتیجہ میں شکر

کی طرف متوجہ کیا کہ تمہارا خدا زندہ خدا ہے۔ وہ اب بھی اپنی قدرت اور جلال سے ایسے تازہ نشان دکھانے پر قادر ہے جسے یہ خود شناخت کرلیں گے اور انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔ آمدِ مسیح موعود پر ایک دفعہ پھر نشاناتِ الٰہیہ کی بارش ہوئی جن کی آنکھیں بینا اور دل معرفتِ الٰہی سے روشن تھے انہوں نے ان نشانات کو شناخت کرلیا اور ہدایت پاگئے۔آج مسیح کے غلاموں نے دنیا کے کونے کونے میں بالعموم اور مغربی ممالک میں بالخصوص خدائے واحد اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچادی ہے اور بفضلِ تعالیٰ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا ہے۔

اگر ان نشانات کو شناخت کرلینے کے باوجود آنکھیں بند رکھیں تو پھر اس تباہی کے لئے تیار ہو جائیں جس کا کچھ نقشہ پچھلی آیات میں بیان ہوا ہے اور مت بھولیں کہ یہ تباہی ان کے اپنے اعمال بد کا نتیجہ ہوگی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مَعَ الْبَسْمَلَةِ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعَةُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ قصص۔ یہ سورۃ مکی ہے، بسم اللہ سمیت اس کی نواسی آیات اور نو رکوع ہیں

یہ طٰسٓمّٓ کے مجموعہ کی آخری سورۃ ہے۔نیز مکّی سورتوں میں بھی سب سے آخری سورۃ ہے پچھلی دونوں سورتوں کے شروع میں دیئے گئے دیباچہ جات سے استفادہ فرمایئے۔اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہجرت ہے۔اس وجہ سے حضرت موسیٰ ؑ کی ہجرت کے قصہ میں اس سورۃ کا نام قصص رکھا۔سورۃ نمل کو اپنے نشانات دکھانے کے ذکر پر ختم کیا۔اس سورۃ میں ان نشانات میں سے بعض کی وضاحت فرمائی۔اس سورۃ کی ابتدا طٰسٓمّٓ سے فرمائی یعنی خدائے طیب، سمیع اور علیم نے یہ سورۃ نازل فرمائی۔تاکہ سورۃ نمل کے آخر میں دیا گیا وعدہ کہ اللہ تعالیٰ عنقریب نشان دکھائے گا پورا فرمائے۔ان نشانات میں مکّہ کے مسلمانوں کی ایک کمزور جماعت کا اپنے طاقتور مخالفین پر غالب آنا، (آیت:۶) یعنی ہجرت کے بعد فاتح کی حیثیت سے مکّہ میں واپس آنا خاص طور پر شامل ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بطور خاص حضرت موسیٰ ؑ سے مشابہت تھی۔اس لئے قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ ؑ کے واقعات کو مختلف انداز میں دہرایا گیا ہے۔اس سورۃ میں خاص طور پر حضرت موسیٰ ؑ کے واقعات تفصیل سے بیان فرمائے۔حضرت موسیٰ ؑ کے قصہ میں آنحضرت ﷺ سے متعلق آنے والے واقعات اور آئندہ کی بے شمار خبریں ہیں۔نیز مومنین کے لئے گہری نصائح ہیں۔تا وہ بنی اسرائیل والی ٹھوکر سے بچیں۔سورۃ نمل کے آخر میں قرآنِ کریم پڑھ کر سنانے کا حکم ہے۔اس سورۃ کے شروع ہی میں بتایا کہ انہیں ایک ایسی کتاب دی گئی جو خوب کھول کر بیان کرنے والی ہے۔حضرت موسیٰ ؑ کی ہجرت میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح موسیٰ ؑ کی ہجرت فرعون کی تباہی اور بنی اسرائیل کی آئندہ ترقیات کا پیش خیمہ ثابت ہوئی بعینہٖ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سرکش سردارانِ مکہ کی تباہی اور اسلام کی آئندہ ترقیات کی بنیاد ثابت ہوگی۔سورۃ کا اختتام اس پیشگوئی پر فرمایا کہ آپ ﷺ کا ہجرت کے بعد مکّہ واپس آنا یقینی ہے۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

(میں پڑھتا ہوں) ساتھ نام اللہ کے (جو) رحمٰن (اور) رحیم ہے

طٰسٓمّٓ ۝۲ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۳ نَتْلُوْا عَلَيْكَ

طٰسٓمّٓ یہ آیات ہیں کتاب کھول کر بیان کرنیوالی کی ہم پڑھتے ہیں تجھ پر

مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۴ اِنَّ

خبر موسیٰ اور فرعون کی ساتھ حق کے ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں یقیناً

فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ

فرعون نے سرکشی کی زمین میں اور اس نے بنائے باشندے اس کے کئی گروہ کمزور کرتا تھا

۱۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا بار بار رحم کرنے والا اور محنت کا پھل دینے والا ہے۔

۲۔پچھلی دونوں سورتوں کے مقطعات کے معانی سے استفادہ فرمایئے۔مقطعات میں وسیع معانی مضمر ہیں۔نیز ابجد کے حساب سے پیشگوئیاں ہیں۔طٰسٓمّٓ کو اللہ تعالیٰ کی صفات طیب سمیع اور علیم کے قائم مقام قرار دیا ہے کہ یہ سورۃ اس پاک وطیّب رب ذوالجلال نے عطا فرمائی جو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔خود پاک ہے اور اپنے پاک رسول اور اس کے متبعین کی دُعاؤں کو خوب سنتا ہے اور ان کے حالات کو خوب جانتا ہے۔وہ قادر ہے کہ ان پاک [illegible]وں کو آزمائشوں سے نکال کر کامیاب و کامران کرے۔

۳۔ پہلے پانچ رکوع میں حضرت موسیٰ ؑ کے حالات تفصیل سے بیان فرمائے آپ صاحب کتاب نبی تھے۔آپ کا تفصیلی ذکر کرنے سے پہلے وضاحت فرمائی کہ یہ کتابِ مبین ہے یعنی وہ کتاب ہے جو حق کو باطل سے جدا کرتی ہے۔چونکہ کتابِ موسیٰ میں تحریف ہو چکی تھی۔اس لئے واضح کیا کہ یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو توریت کی سچائی کو اس میں شامل کی گئی تحریف سے الگ کرتی ہے۔

۴۔فرمایا ہم موسیٰ اور فرعون کا کچھ واقعہ حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔حق اس لئے فرمایا کہ توریت کی تحریف سے پاک ہے اور اصل حقائق پر مبنی ہے۔پس سچا قصہ وہی ہے جو قرآنِ کریم بیان کرتا ہے۔فرمایا یہ قصہ خاص طور پر مومنین کو سمجھانے کے لئے ہے کہ ان غلطیوں سے بچیں جو بنی اسرائیل سے بار بار سرزد ہوئیں۔

۵۔قرآنِ کریم میں یہ قصہ مختلف مقامات پر بیان ہُوا ہے۔سورۃ بقرہ رکوع ۶ تا رکوع ۱۰۔

طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ

ایک گروہ کو ان میں سے ذبح کرتا تھا بیٹوں کو ان کے اور زندہ رکھتا تھا عورتوں کو ان کی

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ

یقیناً وہ تھا مفسدوں میں سے اور ہم چاہتے کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو

اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ

ضعیف سمجھے گئے تھے زمین میں اور بنادیں ہم ان کو پیشوا اور بنادیں ہم انہیں

الْوٰرِثِيْنَ ﴿۶﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ

وارث اور طاقت دیں انہیں زمین میں اور دکھا دیں ہم فرعون

سورۃ اعراف رکوع ۱۳ تا رکوع ۲۱، سورۃ یونس آیت ۷۶ تا آیت ۹۴، سورۃ طٰہٰ رکوع ۱ تا رکوع ۵ سورۃ الشعراء رکوع ۲ تا رکوع ۴۔ اور سورۃ نمل آیت ۸ تا ۱۵ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ان تمام مقامات سے استفادہ فرمایئے۔ کم از کم سورۃ طٰہٰ رکوع ۱ تا رکوع ۵، سورۃ شعراء رکوع ۲ تا رکوع ۴۔ اور سورۃ نمل آیت ۸ تا ۱۵ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ کیونکہ بعض تفاصیل کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔

حضرت یوسفؑ کے زمانہ سے بنی اسرائیل مصر میں معزز عہدوں پر فائز اور پر امن شہریوں کی حیثیت سے سکونت پذیر تھے۔ قریباً سو سال بعد جابر فرعونوں کا زمانہ شروع ہوا، انہوں نے اہلِ مصر کو اسرائیلی اور غیر اسرائیلی دو طبقات میں تقسیم کر دیا۔ بنی اسرائیل کو ان کے عہدوں سے معزول کر کے طرح طرح کے ذلیل کاموں اور بیگار پر لگا دیا۔ ان سے غلاموں اور اچھوتوں جیسا سلوک ہونے لگا۔ فراعنہ کے غیر عادلانہ نظامِ حکومت نے اسرائیلیوں کو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا۔ ان پر ہر ظلم روا رکھا گیا اور ان کے لئے جینا دوبھر ہو گیا۔ وہ غربت و افلاس کی چکی میں پستے رہے اور کمزور سے کمزور تر ہوتے گئے۔ انہیں مزید کمزور کرنے کے لئے ان کے بیٹوں کو قتل کروا دیا جاتا اور بیٹیوں کو زندہ رکھا جاتا۔ یہ معنی بھی ہیں کہ ان میں فساد ڈلوا کر اِن کے اتحاد کو توڑا جاتا اور ملک میں فساد برپا کیا جاتا۔ دوسرا طبقہ جابر و سرکش اور متکبر حکمرانوں کا تھا۔ یہ قبطی تھے جو معزز سمجھے جاتے۔ انہیں جائز و ناجائز مراعات حاصل تھیں اور ہر ظلم کے مجاز تھے۔ اسلامی ریاست میں ایسے غیر عادلانہ طرزِ حکومت کی ہرگز اجازت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے کمزور اور مظلوم بندے بہت عزیز ہیں جہاں بھی ایسی غیر عادلانہ حکومت ہوگی مٹادی جائے گی۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کا مقولہ ہے کہ ایک مشرک حکومت قائم رہ سکتی ہے، غیر عادل نہیں۔

۶-۷۔ نُرِيْدُ میں مضارع کا صیغہ ہے۔ یعنی اب ہمارا ارادہ ہے اور آئندہ بھی ہمارا یہی

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۷﴾

اور ہامان اور لشکروں کو ان کے ان کی طرف سے وہ جس سے تھے وہ ڈرتے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ

اور وحی کی ہم نے طرف والدہ موسیٰ کی کہ دودھ پلا اسے پس جب تو ڈرے

عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا

اس پر پس ڈال دے اسے دریا میں اور نہ ڈرو اور نہ غم کھا یقیناً ہم

رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸﴾

لوٹانے والے ہیں اسے طرف تیری اور بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے

ارادہ ہو گا۔ گویا آج بھی ظلم کرنے والے اہلِ مکہ کے ساتھ یہی سلوک ہو گا۔ جس طرح الٰہی تدبیر نے فرعون کو غرق کیا، مکہ کے سردار بھی ہلاک کئے جائیں گے اور کمزور سمجھے جانے والے قوم کے سردار بن جائیں گے۔ یہ صرف اپنی قوم کے سردار ہی نہیں بنے بلکہ قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتوں کے حکمران بھی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ایسا جاری قانون ہے جو قیامت تک کے لئے ہے اور آج کی ظالم حکومتوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ آئمہ سے مراد امام و پیشوا ہیں اور وارثین سے مراد ملک اور حکومت کے وارث ہیں۔ گویا ہم ان کمزور سمجھے جانے والوں کو دینی اور دنیوی طور پر اپنی [illegible] کے وارث بنا دیں گے اور ان کو زمین میں اقتدار بخشیں گے۔

ھامان مصر کا کاہنِ اعظم اور فرعون کا وزیرِ اعظم تھا۔ اسے حکومت میں خاص اقتدار حاصل تھا اور اپنے ساتھ ذاتی فوج بھی رکھتا تھا۔ جیسا کہ آیت: ۷ سے ظاہر ہے۔ فرعون اور ھامان جیسے جابرین کو ایک کمزور اقلیت سے ڈرنے کا کوئی جواز نہیں تھا لیکن ہوتا یہی ہے کہ اقلیتوں کی وحدت کی وجہ سے ظالم اقوام کو ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ یہ سر نہ اٹھائیں۔ وہ انہیں مزید کچلنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ وہ دکھا دیتا ہے جس کا انہیں ڈر ہوتا ہے یعنی وہی کمزور اور بے حیثیت جماعتیں محض اللہ کی تائید و نصرت سے امام و پیشوا اور وارث تخت و تاج بنا دی جاتی ہیں۔

۸۔ تفصیل کے لئے طٰہٰ آیت ۳۹ سے رکوع ۵۔ حضرت موسیٰؑ کے تمام واقعات میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ انتہائی ناموافق اور نامساعد حالات میں بھی اپنے بندے کی حفاظت کرنے پر قادر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور ھامان جیسے ظالم و جابر صاحبِ اقتدار لوگوں کو سزا دینے اور اپنے کمزور و مظلوم بندوں کو امام و پیشوا اور حکمران بنانے کا فیصلہ کر لیا تو

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ

پس اٹھا لیا اسے خاندان فرعون نے تاکہ ہو وہ ان کے لیے دشمن اور غم کا سبب

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ٨

یقیناً فرعون اور ہامان اور لشکر ان کے تھے خطا کار

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا

اور کہا عورت نے فرعون کی (یہ) ٹھنڈک ہے آنکھ کی میرے لیے اور تیرے لیے نہ

تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ

قتل کرو اسے قریب ہے کہ نفع دے ہمیں یا بنا لیں ہم اسے بیٹا اور وہ

اسی غلام قوم کے ایک بچے موسیٰ کی پیدائش ان نامساعد حالات میں ہوئی جب اسرائیلی لڑکوں کو قتل کر دیا جاتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ کو بذریعہ الہام بتا دیا کہ اسے سکون سے دودھ پلاتی رہ اور جب فرعون کی طرف سے اس کی جان کا خدشہ محسوس کرو تو اسے دریا میں ڈال دینا۔دریا میں ڈالنے سے یہ مراد نہیں کہ کسی ظاہری حفاظت کے بغیر ڈال دو۔اس الہام کے باوجود کہ اسے بحفاظت تیرے پاس لوٹا دیا جائے گا امِ موسیٰ نے ظاہری اسباب کی پوری رعایت رکھی اور ایک محفوظ صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دیا اور حفاظت کے مدِ نظر اس کے ساتھ اس کی بہن کو روانہ کیا۔ (طٰہٰ:۴۰) فرمایا ! اس کے غرق ہونے کا اندیشہ نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کی مفارقت کی وجہ سے مغموم نہ ہونا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی واپسی کا وعدہ فرمایا ہے۔یہاں نہ صرف اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا بلکہ طویل عمر کی بشارت بھی دی۔دراصل امِ موسیٰ کے الہام میں دو پیشگوئیاں تھیں۔پہلی یہ کہ یہ تیرے پاس لوٹ کر آئے گا۔دوسری یہ کہ نبوت کی عمر کو پہنچے گا اور نبوت سے نوازا جائے گا۔بائبل میں امِ موسیٰ کی وحی کا ذکر نہیں حالانکہ اس وحی نے موسیٰ کے دریا میں پھینکے جانے کو ہستی باری تعالیٰ پر دلیل بنا دیا ہے۔دراصل بائبل نے ان واقعات کو قصوں کے طور پر بیان کیا ہے جن سے کوئی روحانی یا اخلاقی سبق حاصل نہیں ہوتا۔یہ قرآنِ کریم کا کمال ہے کہ بائبل میں شامل تحریف سے ان قصوں کو پاک کیا اور صحیح واقعات سے روشناس کروایا۔

۹۔**فالتقطہ۔التقطہ**۔کوئی چیز بغیر قصد اور تلاش کے مل گئی اور اس نے اسے اٹھا لیا (اقرب) غرض یہ صندوق بہتا ہُوا فرعون کے محل کے نیچے سے گزرا تو فرعون کی بیٹی نے اسے اٹھا لیا۔اٹھانے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کا دشمن ثابت ہو اور ان کے لئے باعثِ غم ہو بلکہ یہ تقدیرِ الٰہی تھی۔یہاں لام عاقبت ہے یعنی نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ ان کے لئے غم کا موجب بنا۔

لَا يَشْعُرُوْنَ ٩ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ

نہیں سمجھتے تھے اور ہو گیا دل والدہ موسیٰ کا خالی یقیناً

كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ

قریب تھی کہ وہ ظاہر کر دے اسے اگر نہ مضبوط کرتے ہم دل کو اس کے تاکہ ہو وہ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ١٠ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ؗ فَبَصُرَتْ

ایمان داروں میں سے اور اس نے کہا بہن کو اس کی پیچھے پیچھے جا اس کے پس اس نے دیکھا

بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ١١ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ

اسے دور سے اور وہ نہیں سمجھتے تھے اور حرام کر دیں ہم نے اس پر

الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ

دائیاں پہلے سے پس کہا اس نے کیا آگاہ کروں میں تم کو ایک گھر والوں پر

يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ١٢ فَرَدَدْنٰهُ

جو پرورش کریں اس کی تمہارے لیے اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں پس لوٹا دیا ہم نے اسے

۱۰۔ایسا خدا تعالیٰ کی خاص حکمت کے تحت ہُوا یعنی یہ جانتے ہوئے کہ یہ لڑکا اسرائیلی ہے خدا تعالیٰ نے فرعون کی بیٹی اور بیوی کے دل میں موسیٰ کی محبت پیدا کر دی۔(طٰہٰ:۴۰) اور انہوں نے فرعون کو اسے مار ڈالنے سے باز رکھا۔وہ اس الٰہی منصوبے سے بے خبر تھے کہ موسیٰ نہ صرف زندہ رہے گا بلکہ انہی لوگوں میں پلے بڑھے گا اور آخر انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائے گا۔

۱۱۔جس ملہمہ نے وحی الٰہی کی بناء پر بیٹے کو بے خوف دریا میں ڈال دیا ہو اس کے لئے کسی گھبراہٹ کا اظہار ممکن نہیں۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے **لاتخافی ولاتحزنی** کی وحی کے بعد اس کا دل خوف و حزن سے خالی ہو گیا۔اس وحی سے پہلے وہ یقیناً خوف و حزن کا شکار رہی ہو گی۔ اب موسیٰ ؑ کی طرف سے مطمئن ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔اگر ہم اس کا دل مضبوط نہ کرتے اور نہ روکتے تو وہ بے اختیار خوشی کا اظہار کر دیتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم بشارتوں سے نوازا ہے۔اس پر ہماری یہ سب عنایات اسی لئے ہیں کہ ہماری پیشگوئیوں پر ایمان لانے والوں میں سے ہو جائے۔

۱۲۔۱۳۔اسرائیلی روایات کے مطابق موسیٰ ؑ کی بہن دس بارہ برس کی تھی۔اس بچی نے اس چھوٹی سی عمر میں نہایت دانش مندی کا ثبوت دیا اور ہوشیاری سے صندوق کا پیچھا کیا۔فرعون اور اہل فرعون کو کچھ علم نہیں تھا۔جب پتہ چلا کہ بچہ کسی دایہ کا دودھ نہیں پی رہا تو سمجھداری سے اپنے گھر کا پتہ اس طرح بتایا کہ کسی کو شک نہ ہُوا۔بائبل میں ہے کہ موسیٰ ؑ تین ماہ تک ماں کے پاس رہے اور

إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ
طرف ماں کے اس کی تاکہ ٹھنڈی ہو آنکھ اس کی اور نہ غم کھاوے اور تاکہ جان لے کہ یقیناً
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا ع
وعدہ اللہ کا سچ ہے ولیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے اور جب
بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَكَذٰلِكَ
وہ پہنچا اپنی جوانی کو اور کامل ہوا دیا ہم نے اسے حکم اور علم اور اسی طرح
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ
ہم بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو اور وہ داخل ہوا شہر میں بوقت

اس کا دودھ پیتے رہے پھر دریا میں پھینکے گئے۔ تین ماہ کا بچہ ماں کے لمس کو بخوبی پہچانتا ہے۔ لہٰذا موسیٰؑ نے دوسری دائیوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ قدیم زمانہ سے عرب ممالک میں یہی دستور تھا کہ امراء کے بچے دائیوں کے سپرد کر دیئے جاتے۔ وہ انہیں دودھ پلاتیں، پرورش کرتیں اور معقول معاوضہ وصول کرتیں۔ اسی لئے موسیٰؑ کی بہن نے یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں دایہ کا پتہ بتاتی ہوں بلکہ یہ کہا کہ ایسے گھر والے بتاتی ہوں جو اس کی پرورش کا ذمہ لیں اور اس کے خیر خواہ ہوں۔ روایت ہے کہ امِ موسیٰ نے دودھ پلانے کا معاوضہ نہیں لیا۔

۱۴۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کرے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے تو سبھی وعدے سچے ہیں اور پورے ہو کر رہتے ہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں اس لئے کہ وہ علم اور بصیرت سے کام نہیں لیتے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

۱۵۔ حُکم۔ دانائی۔ فہم و فراست۔ قوتِ فیصلہ۔

ایک ملہمہ ماں کی گود اور شاہی محلات میں پرورش پانے سے موسیٰؑ نے علوم روحانی اور رموزِ حکومت و سیاست دونوں میں کمال حاصل کر لیا۔ یہ حکم اور علم کا دینا موسیٰؑ سے ہی خاص نہیں بلکہ جو بھی محسن ہو یعنی نیک اعمال بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ اسے ان انعامات سے نوازتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے لئے بھی یہی الفاظ آئے (یوسف:۲۲)

طالمود میں ہے کہ موسیٰؑ شاہی محلات میں شہزادوں کی طرح پلا اور ایک نہایت حسین و قوی جوان کے طور پر ابھرا۔ فرعون کی حکومت میں اسے خاص عزت و احترام حاصل تھا۔ موسیٰ نے اس زمانہ کے تمام مروج عصری علوم حاصل کئے۔ وہ کام اور کلام میں قوت والا تھا۔ (الاعمال ۷:۲۲)

غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۚ
غفلت باشندوں کے اسکے پس اس نے پائے اس میں دو آدمی آپس میں لڑتے ہوئے
هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ
یہ گروہ میں سے تھا اس کے اور یہ دشمنوں میں سے تھا اسکے پس فریاد کی اس سے
الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ
اس نے جو گروہ میں سے تھا اسکے خلاف اس کے جو دشمنوں میں سے تھا اسکے پس مکا مارا اسے
مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ
موسیٰ نے پس تمام کر دیا اس کا کام کہا یہ کام سے ہے شیطان کے
إِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
یقیناً وہ دشمن ہے گمراہ کرنیوالا کھلا کھلا اس نے کہا اے رب میرے یقیناً میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر

موسیٰؑ اکثر جُشن کے علاقہ میں جاتے جہاں اسرائیلی بستیاں تھیں اور ان کی حالت زار پر سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔ آپ نے فرعون کو قائل کیا کہ مسلسل کام کرنے سے یہ لوگ اتنے کمزور ہو جائیں گے کہ کسی مشقت کے قابل نہیں رہیں گے۔ چنانچہ آپ کی کوششوں سے اسرائیلیوں کے لئے ہفتہ میں ایک دن چھٹی مقرر ہوئی۔ آپ نہایت حکمت سے بنی اسرائیل کی بہتری کے لئے کوششیں کرتے رہے اور کچھ نہ کچھ مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے مصر میں آپ کی بڑی شہرت ہوئی۔ (اقتباسات طالمود۔ صفحہ ۱۲۹)

۱۶۔ وَکَزَ۔ مکا مارا۔

اب موسیٰؑ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ بیان فرمایا جس نے آپ کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا اور آپ شاہی محلات سے نکل کر صحرا نوردی پر مجبور ہوئے۔ زندگی کی ان کٹھن راہوں میں کئی آزمائشوں سے گزرے اور آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰؑ اپنے گھر صبح کے اندھیرے میں آیا کرتے تھے۔ ایک صبح انہوں نے راستے میں ایک اسرائیلی کو فرعون کی قوم کے ایک شخص سے لڑتے ہوئے دیکھا۔ اسرائیلی محکوم اور غلام تھے۔ انہیں مصریوں سے مقابلہ کی جرأت نہیں تھی۔ اس جھگڑے میں یقیناً مصری ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہوا، جیسا کہ بائبل میں ہے کہ "مصری اسرائیلی کو مار رہا تھا"۔ (خروج ۲:۱۱) آپ نے اسرائیلی کو بچانے کے لئے مکا مارا اور اس مکے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ ظاہر ہے کہ مکا مارنے سے آپ کا ارادہ ہلاک کرنے کا ہرگز نہیں تھا۔ ایک معمولی مکے سے مرنے کی وجہ کوئی مخفی بیماری بھی ہو سکتی ہے خاص طور پر اگر دل یا جگر طبعی

فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۱۷

پس معاف فرما مجھے پس اس نے معاف کر دیا اسے یقیناً وہ ہی بہت بخشنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا

اس نے کہا اے رب میرے اس لیے کہ انعام کیا تُو نے مجھ پر پس ہرگز نہ ہوں گا میں مددگار

طور پر کمزور ہوں یا کسی بیماری سے متاثر ہوں۔دل اور جگر کی بڑھوتی (Enlargement) کی صورت میں ایک مُکا بھی جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔نیز انسان کے جسم، خاص طور پر پیٹ میں بعض ایسے نازک مقام ہیں جہاں ایک مُکا بھی موت کا سبب بن سکتا ہے خواہ جان سے مارنے کا تصور بھی ذہن میں نہ ہو حقیقت تو یہ ہے کہ مشیتِ الٰہی میں یہی مقدر تھا۔

قرآنِ کریم نے قدم قدم پر بائبل کی اصلاح فرمائی اور انبیاء علیہم السلام پر لگائے گئے الزامات سے انہیں بری فرمایا۔بائبل میں مکا مارنے کا ذکر نہیں بلکہ یہ کہ ’’اس نے مصری کو مار ڈالا اور ریت میں چھپا دیا۔‘‘ (خروج ۲:۱۲) بائبل کا یہ بیان حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم صاحبِ شریعت نبی کو قتلِ عمد کا مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ انبیاء منصبِ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں۔قبطی کا آپ کے ہاتھ سے نادانستہ طور پر مارے جانا آپ کی عصمت کے منافی نہیں۔حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ جو کچھ ہُوا یہ شیطان کا کام تھا۔یقیناً وہ کھلا کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔یعنی ایک مظلوم شخص سے زیادتی کرنا مصری کا شیطانی عمل تھا۔یا میرا غصہ میں آجانا شیطانی عمل تھا۔یہاں بھی آنحضرت ﷺ کی موسیٰؑ سے مماثلت ہے۔موسیٰؑ سے ایک آدمی مارا گیا۔آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے بھی جنگِ اُحد میں ایک کافر مارا گیا۔یہ بد بخت ابن قیمہ تھا جس کے پتھر سے آپ ﷺ شدید زخمی ہو گئے۔وہ آپ ﷺ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تو آپ ﷺ نے نیزے سے اسے واصلِ جہنم کیا۔صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے معمولی نیزہ مارا۔اسے کوئی کاری زخم نہیں لگا تھا لیکن وہ فوراً ہی مر گیا۔گویا بعینہٖ موسیٰؑ والا معاملہ ہوا۔

۱۷۔حضرت موسیٰؑ ایک غیر ارادی طور پر سرزد ہونے والی غلطی پر بھی اپنے ربّ سے مغفرت کے طلبگار ہیں۔اور مناجات کرتے ہیں کہ اے میرے ربّ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا یا یہ کہ ایک مظلوم کی مدد کر کے میں نے اپنے نفس کو تکلیف میں ڈال دیا۔پس تو اپنی ستاری سے میرے اس فعل پر پردہ ڈال دے۔پس اللہ تعالیٰ نے ستاری فرمائی اور آپ کے اس فعل پر پردہ ڈال دیا اور اس واقعہ کی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یقیناً وہ بہت پردہ پوشی کرنے والا اور مہربان ہے۔

لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۱۸ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ

مجرموں کے لیے پس وہ صبح کو گیا شہر میں ڈرتا ہوا خبر لیتا ہوا

۱۸۔مجرم کی مدد تو آپ نے پہلے بھی نہیں کی تھی۔مظلوم کی مدد کرنے سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہُوا کہ آپ کا یہ فعل لوگوں سے پوشیدہ رہا۔آپ کا یہ عہد کہ آئندہ میں کسی مجرم کا مددگار نہیں بنوں گا ابن جریر اور کئی دوسرے مفسرین نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ اس روز حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کرنے کا عہد کیا کیونکہ وہ مجرم اور ظالم حکومت تھی۔پس آپ کی نظر میں ایک ظالم اور مجرم حکومت کا کارندہ بن کر رہنا گویا ان جرائم میں ان کی مدد کرنا تھا۔اسی بنا پر کئی اولیاءِ کرام اور علماءِ اسلام نے اسی آیت سے استدلال کر کے اسلامی حکومتوں کے غیر منصف حکمرانوں کے تفویض کردہ عہدوں کو ٹھکرا دیا خصوصاً قضاء کے عہدے کو قبول کرنے سے قطعاً اجتناب کیا۔اسلامی تاریخ میں اس کی متعدد مثالیں ہیں۔حضرت امام ابو حنیفہؒ کو خلیفہ وقت منصور عباس (خلیفہ ہارون رشید کے دادا) نے حکومت کا ہمنوا بنانے کے لئے قاضی القضاء کا عہدہ پیش کیا۔امام نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں اس کا اہل نہیں۔خلیفہ نے کہا۔تم جھوٹ بولتے ہو۔امام نے کہا۔اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو پھر قاضی القضاء کے منصب کے لئے تو قطعی ناموزوں ہوں۔امام نے حکومت کے سامنے سَر نہیں جھکایا۔اُس زمانہ کے مولویوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ جاری کر دیا۔ایک دو نہیں بلکہ تقریباً سبھی مولویوں نے۔آپ کا گناہ یہ تھا کہ آپ بنی امیہ اور بنو عباس کے خلفاء کو ناجائز اور غیر شرعی حکمران گردانتے تھے اور عوامی ذہن کی ترجمانی کرتے تھے۔آپ نے جاگیرداری نظام کو غیر اسلامی قرار دیا تھا اور اسے سودی نظام سے مماثلت دی تھی۔گورنر کوفہ نے امام کو اتنے کوڑے لگوائے کہ ان کا سارا جسم لہولہان ہوگیا۔امام نے آخری عمر جیل میں گزاری اور وہیں وفات پائی۔آپ کا قول ہے کہ ایک مسلمان میں اگر ۹۹ باتیں کفر کی پائی جاتی ہیں لیکن وہ کلمہ سے انکاری نہیں ہے وہ پھر بھی مسلمان رہے گا۔اس کی کلمہ گوئی اس کی تمام کوتاہیوں پر حاوی ہے۔امام ابن تیمیہ نے ۵۰۰ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔آخری ایام قید خانہ میں بسر کئے جہاں آپ سے قلم اور دوات چھین لی گئی۔

ایک ظالم اور مجرم حکومت کے ماتحت جبکہ موسیٰ اس کے ایک کارکن بھی تسلیم کئے جاتے ہوں، آپ کے لئے اس عہد کو نبھانا ممکن نہیں تھا۔پس اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کئے کہ آپ وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔

فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ط
پس اچانک وہ جس نے مدد مانگی تھی اس سے کل پکار رہا ہے اسے

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۹﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ
کہا اس کو موسیٰ نے یقیناً تو البتہ گمراہ ہے کھلا کھلا پس جب اس نے ارادہ کیا

أَن يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا لا قَالَ يَا مُوسَىٰ
کہ وہ پکڑے اسے کو وہ دشمن تھا ان دونوں کا اس نے کہا اے موسیٰ

أَتُرِيدُ أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ق إِن
کیا تو چاہتا ہے کہ قتل کرے مجھے جیسا کہ قتل کی تو نے ایک جان کل نہیں

تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَن
چاہتا تو مگر یہ کہ ہو تو سرکش زمین میں اور نہیں چاہتا تو کہ

تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۲۰﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا
ہو تو اصلاح کرنیوالوں میں سے اور آیا ایک شخص پرلی طرف سے

الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ ز قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ
شہر کی دوڑتا ہوا اس نے کہا اے موسیٰ یقیناً سردار مشورہ کرتے ہیں تیرے متعلق کہ

لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿۲۱﴾ فَخَرَجَ
قتل کریں تجھے پس نکل جا یقیناً میں ہوں تیرے خیر خواہوں میں سے پس وہ نکلا

مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ز قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ
اس سے ڈرتا ہوا خبر لیتا ہوا اس نے کہا اے رب میرے نجات دے مجھے لوگوں

ع ۸ ۵ الظَّالِمِينَ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ
ظالموں سے اور جب اس نے رُخ کیا طرف مدین کی کہا قریب ہے

۱۹ تا ۲۲۔ **یترقب۔ترقبہ**۔ اس کا انتظار کیا یا اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اپنی حفاظت کی۔(مفردات) **یستصرخہ**۔ **استصراخ** کے معنی **استغاثۃ** کے ہیں۔یعنی مدد چاہتا ہے (لسان العرب) **یستصرخہ**۔ وہ مدد کے لئے بلاتا ہے۔**امس**۔ گزرا ہوا دن۔کل۔**غوی مبین** ۔ سخت گمراہ۔**جبّار**۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔زبردست۔اصل معنی زبردستی اور دباؤ سے کسی کی اصلاح کرنے کے ہیں۔عام معنی سرکش کے ہیں۔

دوسری صبح منہ اندھیرے حضرت موسیٰ ؑ خوف سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے کہ مبادا اس واقعہ کا کسی کو علم ہو گیا ہو۔ آپ نے دیکھا کہ وہی کل والا شخص پھر کسی مصری سے چمٹ رہا ہے اور آپ کو مدد کے لئے پکار رہا ہے۔آپ نے سوچا یہ جھگڑالو شخص ہے اور ہر روز

رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۲۳﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ
رب میرا کہ رہنمائی کرے میری درست راہ کو اور جب وہ وارد ہوا پانی پر

مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ز وَ
مدین کے پایا اس پر ایک گروہ لوگوں میں سے پلاتے تھے پانی اور

وَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ج قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ط
پائیں ورے ان کے دو عورتیں تھامے ہوئے تھیں (اپنے جانور) (موسیٰ نے) کہا کیا حال ہے تمہارا

قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ سکتہ وَأَبُونَا
دونوں عورتوں نے کہا نہیں ہم پانی پلاتیں یہاں تک کہ لوٹ جاویں چرواہے اور باپ ہمارا

شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿۲۴﴾ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ
بوڑھا ہے بڑا پس اس نے پانی پلایا ان دونوں کے لیے پھر پھر گیا طرف سایہ کے پس کہا

رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿۲۵﴾ فَجَاءَتْهُ
اے رب میرے یقیناً میں اسکا جو تو اُتارے طرف میری کوئی بھلائی محتاج ہوں پس آئی اسکے پاس

کسی نہ کسی سے لڑتا ہے۔لہٰذا آپ نے کہا تُو تو سخت گمراہ معلوم ہوتا ہے اور خود دوسرے شخص کو پکڑنے آگے بڑھے۔آپ کے ایسا کہنے سے وہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ ؑ مجھے مارنے کے لئے آگے بڑھے ہیں۔اس نے شور مچا دیا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے۔آج مجھے مارنا چاہتا ہے اس طرح اس کی حماقت سے یہ راز فاش ہو گیا اور سردارانِ قوم کو خبر ہو گئی۔انہوں نے حضرت موسیٰ ؑ کی گرفتاری اور آپ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا۔مگر حضرت موسیٰ ؑ کے کسی خیر خواہ نے گرفتاری سے قبل حضرت موسیٰ ؑ کو اطلاع کر دی اور آپ وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔

۲۳ تا ۲۵۔ **تذودن** ۔ ذود ہانکنا اور روکنا ہے۔**خطبُکما۔الخطب**۔ اہم واقعہ۔ **یُصدرُ**۔ وہ لے جاتا ہے یا لے جائے گا۔**الرعاء۔ الرّاعی** کی جمع ہے۔ چرواہے۔

حضرت موسیٰ ؑ بچتے بچاتے ایک دشوار گزار راستے کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے مدین کے کنوئیں پر پہنچے۔آپ نے ایک گروہ دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہا تھا۔ان لوگوں سے ہٹ کر دو عورتیں اپنے جانوروں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی تھیں۔حضرت موسیٰ ؑ نے ان عورتوں سے پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے یعنی جانوروں کو پانی سے کیوں روک رہی ہو۔لڑکیوں نے بتایا کہ ہم ان چرواہوں کے چلے جانے کے بعد اپنے ریوڑ کو پانی پلاتی ہیں۔چونکہ ایسے کام شرفاء کی لڑکیوں کے لئے معیوب سمجھے جاتے تھے اس لئے انہوں نے وضاحت کی کہ ہمارا باپ ضعیف ہے

اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ؕ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ
ایک عورت ان دونوں میں سے چلتی تھی شرم سے اس نے کہا یقیناً باپ میرا

يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ
بُلاتا ہے تجھے تاکہ بدلہ دے تجھے اجر اس کا کہ پلایا تُونے پانی ہمارے لیے پس جب وہ آیا اسکے پاس

اس لئے ہمیں مجبوراً یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ نے محض فطری ہمدردی کے تحت اُن کے ریوڑ کو پانی پلایا اور ایک سایہ کی طرف چلے گئے اور اپنے ربّ سے مناجات فرمائی۔

انبیاء قدم بقدم پر دعا کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ ؑ نے شہر سے نکلتے ہوئے اپنے ربّ سے ظالم قوم سے نجات کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ظالموں کی گرفت سے آپ کو بچا لیا۔ یہاں بھی آنحضرت ﷺ سے آپ کی مشابہت ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی ہجرت کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر سے ظالموں کے نرغے سے بحفاظت نکال لیا۔ موسیٰ ؑ نے مدین کی طرف جاتے ہوئے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ کو اپنی منزل پر پہنچا دیا۔ یقیناً آپ تمام راستہ بھی دعائیں کرتے رہے ہوں گے۔ اب ریوڑ کو پانی پلا کر بغیر کسی مزدوری یا شکریہ کی امید کے آپ ایک درخت کے سایہ میں چلے گئے اور اپنے ربّ سے اپنی بے سر و سامانی اور حالتِ زار کی فریاد کی اے میرے ربّ! میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ تیرے در کا سوالی ہوں۔ تو اپنی مہربانی سے اس غریب الوطنی میں جو خیرات بھی میری جھولی میں ڈال دے میں اس کا فقیر ہوں یعنی میرے لئے جو بھی بھلائی کا سامان کرے، میں اس کا محتاج ہوں۔ بعض بزرگوں کا تجربہ ہے کہ جو شخص غریب الوطنی میں سخت پریشانیوں میں گھر جائے یا اپنے وطن میں ہی سخت مسائل سے دو چار اور بے یار و مددگار ہو وہ عصر کے وقت کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ کر حضرت موسیٰ ؑ کی یہ دعا دردِ دل سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات دور فرما دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کی حالت اس دعا کے وقت فاقہ سے ایسی ہو چکی تھی کہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے بھی محتاج تھے۔ (تفسیر الدرالمنثور للسیوطی جلد ۱ صفحہ ۱۲۵) پھر خدا نے ان کے قیام و طعام کا بندوبست فرمایا بلکہ غریب الوطنی میں گھر بار اور شادی کا انتظام بھی کر دیا۔ حضرت موسیٰ ؑ نے جس شہر کی طرف ہجرت کی اور آپ کو امن ملا وہ مدیَن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شہر کی طرف ہجرت فرمائی اور آپ ﷺ کو امن نصیب ہوا وہ مدینہ تھا گویا شہروں کے ناموں میں بھی بہت مشابہت ہے۔

وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٝ نَجَوْتَ مِنَ
اور اس نے بیان کیا اس پر ماجرا اس نے کہا نہ ڈر نجات پاگیا تُو

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ
لوگوں ظالموں سے کہا ایک نے ان دونوں میں سے اے باپ ہمارے نوکر رکھ لے اسے

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٧﴾ قَالَ اِنِّيْٓ
یقیناً بہتر وہ شخص جسے تُو نوکر رکھے قوی (اور) امانتدار ہے اس نے کہا یقیناً میں

اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ
چاہتا ہوں کہ نکاح کر دوں تیرا ایک سے اپنی بیٹیوں میں سے ان دونوں میں سے اس (شرط) پر کہ تو نوکری کرے میری

ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ
آٹھ برس پس اگر پورے کرے تو دس (برس) تو طرف سے تیری ہوگا اور

مَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
نہیں چاہتا میں کہ مشقت ڈالوں تجھ پر ضرور پائے گا تو مجھے اگر چاہا اللہ نے

۲۶۔ بائبل نے حضرت موسیٰ ؑ کی ہجرت اور مدین میں آپ کے قیام کے واقعات کو ایک ناقابلِ یقین کہانی کے طور پر بیان کیا جبکہ قرآنِ کریم نے اصل حقائق سے پردہ اٹھا کر بائبل کی اصلاح فرمائی۔ حضرت موسیٰ ؑ کی درد میں ڈوبی ہوئی دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی۔ اُن دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی حیا سے چلتی ہوئی آپ کے پاس آئی اور اپنے والد بزرگوار کا پیغام دیا۔ لڑکی کا حیا سے چلنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ قریباً دو ہزار سال قبل ہونے والے بظاہر ایک معمولی واقعہ کا قرآنِ کریم میں ذکر کر کے اس لڑکی کو ہمیشگی کی عزت عطا فرمائی اور ایک عظیم نبی کی زوجیت سے نوازا۔ اس طرح قیامت تک کے لئے عورتوں کو سبق دیا گیا کہ اگر ضرورت کے تحت یا ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں گھر سے باہر نکلنا پڑے تو تمہاری چال ڈھال اور گفتگو میں حیا کا پہلو غالب رہے۔ لڑکیوں نے حضرت موسیٰ ؑ کے مختصر سوال کا نہایت مختصر جواب دیا تھا۔ حضرت موسیٰ ؑ کے کلام میں مردوں کے لئے بھی سبق ہے کہ اگر لڑکیوں سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو نہایت وقار سے مختصر بات ہونی چاہئے۔ بلاوجہ لمبی چوڑی باتیں اور ہنسی مذاق غلط فہمی پیدا کرتے اور غلط راہوں کی طرف لے جاتے ہیں بلکہ بُرائی کی طرف پہلا قدم یہی ہے۔ نیز یہ اصول بھی بتایا کہ کام کی اجرت دینی چاہئے۔ خواہ کوئی نہ بھی مانگے۔

۲۷ تا ۲۹۔ قرآنِ کریم میں لڑکیوں کے والد کا نام نہیں بتایا گیا۔ بعض مسلمان مفسرین نے لکھا کہ یہ بزرگ حضرت شعیبؑ تھے جو اہلِ مدین کی طرف مبعوث ہوئے اور جن کی قوم عذابِ استیصال

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۖ اَيَّمَا
نیکوں میں سے ۔ اس نے کہا یہ عہد ہے درمیان میرے اور درمیان تیرے ۔ جونسی بھی
الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا
دونوں میعادوں میں سے میں پوری کروں تو نہ زیادتی ہوگی مجھ پر اور اللہ اس پر جو
ع ۳ ۶ نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ
ہم کہتے ہیں ضامن ہے ۔ پس جب پوری کی موسیٰ نے میعاد اور چلا

کا شکار ہوئی۔ قرآنِ کریم اس کی تائید نہیں کرتا۔ حضرت شعیبؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد کے قریب زمانہ میں مبعوث ہوئے۔ (الاعراف: ۱۰۳، ھود: ۹۰) یہ کوئی دوسرے بزرگ تھے جو نبی نہیں تھے۔

لڑکی نے حضرت موسیٰؑ کو ملازم رکھنے کا مشورہ دیا۔ ظاہر ہے جانوروں کے ریوڑ کو سنبھالنا اور خصوصاً شام کو چرواہوں کی موجودگی میں پانی پلانا ایک مشکل کام تھا اور اس میں کئی دیگر قباحتیں بھی تھیں۔ بیشک حضرت موسیٰؑ کا قوت سے جانوروں کو ہٹا کر لڑکیوں کے ریوڑ کو پانی پلانا اور جوان لڑکیوں کی طرف قطعاً التفات نہ کرنا آپ کو قوی اور امین ثابت کرتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے پہنچتے ہی لڑکی نے یہ دانشمندانہ مشورہ دیا ہو اور تمام معاملات طے پا گئے ہوں۔ کسی اجنبی سے پہلی ملاقات میں اتنے اہم فیصلے نہیں ہو سکتے۔ قرآنِ کریم اکثر غیر ضروری تفاصیل چھوڑ کر موقع کے مطابق مختصر بات بیان کرتا ہے۔ یقیناً چند دن کی میزبانی کے بعد اِس باشعور لڑکی نے آپ کی صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا اور ایک گہری حکمت کی بات کی کہ ایک ملازم کے لئے قوی اور امین کی شرط کافی ہے۔ اس دوران اُس کے والد بزرگوار بھی حضرت موسیٰؑ کے غیر معمولی اوصاف سے روشناس ہو گئے اور خوب سوچ بچار کے بعد ایک اعلیٰ خاندان کے صاحب علم، شریف اور نیک شخص کو چند شرائط کے ساتھ اپنی دامادی میں قبول کرنے کا اظہار کیا۔ اس رشتہ میں آج کے مادہ پرست معاشرہ کے لئے ایک سبق عظیم یہ بھی ہے کہ رشتہ کرتے ہوئے نیکی ہی کو ملحوظ رکھو۔ حضرت موسیٰؑ ان لوگوں کے لئے ایک تہی دست اجنبی جوان تھے مقام و مرتبہ میں ان کے ملازم۔ لیکن آپ کی دیانتداری اور بداخلاقیوں پر قوت کے ساتھ غلبہ پانے کی صفات نے (جو آپ کے حالات سن کر ان پر ظاہر ہوئیں) دنیوی مرتبہ میں بظاہر پستی جیسے سقم ڈھانپ لئے ایک نیک نیت شریف گھرانے نے آپ کی نیکی کو ہی اصل دولت جانا کہ یہی اصل ہے جسے دوام حاصل ہے۔ پس جس میں یہ خصوصیات موجود ہوں اس کی بقیہ تمام کمزوریاں نظر انداز کرنی چاہیں کہ وہ سب اس کی ذیل میں آتی ہیں۔ اس طرح لڑکے اور اس کے لواحقین کو بھی

نیکی ہی کو اولیت دینی چاہیئے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت سے نکاح کرنے کی چار ہی بنیادیں ہوسکتی ہیں۔ اس کے مال، اس کے خاندان اس کے حسن و جمال یا اس کی دینداری کی وجہ سے۔ تو دین دار عورت کو ترجیع دے۔ اللہ تیرا بھلا کرے تجھے دیندار عورت نصیب ہو۔ (بخاری کتاب النکاح باب **الاکفاء فی الدین**) نکاح سے پہلے جبکہ ابھی لڑکی کا بھی تعین نہیں ہوا تھا، نکاح کے لئے ایک شرط رکھی گئی کہ حضرت موسیٰؑ آٹھ سال تک اس بزرگ کی ملازمت کریں گے اور گھر داماد کے طور پر رہیں گے۔ یہ کوئی مجبوری نہیں تھی بلکہ باہمی رضامندی کا معاملہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو کسی مناسب جائے پناہ کی تلاش تھی جبکہ بزرگ کو ایک قوی اور امین شخص کی ضرورت تھی جو بیٹے کی طرح گھر داماد کے طور پر رہے۔ آپ سے بیگار نہیں لی گئی بلکہ آپ کو اُجرت پر رکھا گیا۔ اسی لئے کہا کہ میں تمہیں کسی تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا یعنی تم پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا نیز یہ کہ مجھے انشاء اللہ نیک معاملہ کرنے والا پاؤ گے۔ دونوں نے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد باندھا۔ اس معاہدہ کے بعد دستور کے مطابق حق مہر طے کیا گیا ہو گا اور نکاح ہوا ہو گا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت باہمی رضامندی سے بعض شرائط رکھی جا سکتی ہیں۔ آج بھی بعض ایسے والدین جن کے اپنے بیٹے نہیں ہوتے یا کسی اور وجہ سے گھر دامادی کی شرط رکھتے ہیں۔ بلکہ اسلام تو ایک عورت کو نکاح کے وقت اس شرط کی اجازت بھی دیتا ہے کہ اس کا ہونے والا خاوند دوسری شادی نہیں کرے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں (اخبار الفضل ۱۴ جنوری ۲۰۰۳ء صفحہ ۳) کہ اگر کسی عورت کو یہ خطرہ ہو کہ اس کا خاوند (دینی) تعلیم کا عذر رکھ کر عملاً محض اپنے نفس کی خاطر دوسری شادی کرنا چاہے گا تو ایسی عورتوں کے لئے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ یہ قطعی حل تجویز فرماتے ہیں کہ:۔ ’’جبر کسی پر نہیں (نہ مرد پر نہ عورت پر) اور ہر ایک مرد اور عورت کو اس مسئلہ کی بخوبی خبر ہے تو یہ ان عورتوں کا حق ہے کہ ’’جب کہ یہ مسئلہ (دین) میں شائع متعارف ہے کہ چار تک بیویاں کرنا جائز ہے مگر کسی (مومن) سے نکاح کرنا چاہئیں تو اوّل شرط کرالیں کہ ان کا خاوند کسی حالت میں دوسری بیوی نہیں کرے گا۔ اور اگر نکاح سے پہلے ایسی شرط لکھی جائے تو بے شک ایسی بیوی کا خاوند اگر دوسری بیوی کرے تو جرم نقض عہد کا مرتکب ہوگا‘‘۔ (چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد نمبر ۲۳ صفحہ ۲۴۶) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ فرماتے ہیں:۔ لیکن اس ترکیب کا ناجائز استعمال نہ کریں کہ جہاں جائز ضرورتیں ہیں وہاں ان جائز ضرورتوں سے بھی منہ موڑلیں اور (دین) کی روح کے منافی عمل کرنا شروع کردیں۔ ایک جائز ضرورت مرد کی اولاد ہے۔ اگر اولاد کے نہ ہونے کی ذمہ دار

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا

نیکوں میں سے ۔ اس نے کہا یہ عہد ہے درمیان میرے اور درمیان ہے تیرے جونسی بھی

الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا

دونوں میعادوں میں سے میں پوری کروں تو نہ زیادتی ہوگی مجھ پر اور اللہ اس پر جو

نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ ع ۳ ۶

ہم کہتے ہیں ضامن ہے پس جب پوری کی موسیٰ نے میعاد اور چلا

کا شکار ہوئی۔قرآنِ کریم اس کی تائید نہیں کرتا۔حضرت شعیب ؑ،حضرت ابراہیم ؑ اور حضرت لوط ؑ کے بعد کے قریب زمانہ میں مبعوث ہوئے۔(الاعراف:۱۰۳،ھود:۹۰) یہ کوئی دوسرے بزرگ تھے جو نبی نہیں تھے۔

لڑکی نے حضرت موسیٰ ؑ کو ملازم رکھنے کا مشورہ دیا۔ظاہر ہے جانوروں کے ریوڑ کو سنبھالنا اور خصوصاً شام کو چرواہوں کی موجودگی میں پانی پلانا ایک مشکل کام تھا اور اس میں کئی دیگر قباحتیں بھی تھیں۔بیشک حضرت موسیٰ ؑ کا قوت سے جانوروں کو ہٹا کر لڑکیوں کے ریوڑ کو پانی پلانا اور جوان لڑکیوں کی طرف قطعاً التفات نہ کرنا آپ کو قوی اور امین ثابت کرتا ہے۔لیکن ضروری نہیں کہ حضرت موسیٰ ؑ کے پہنچتے ہی لڑکی نے یہ دانشمندانہ مشورہ دیا ہو اور تمام معاملات طے پا گئے ہوں۔کسی اجنبی سے پہلی ملاقات میں اتنے اہم فیصلے نہیں ہو سکتے۔قرآن کریم اکثر غیر ضروری تفاصیل چھوڑ کر موقع کے مطابق مختصر بات بیان کرتا ہے۔یقیناً چند دن کی میزبانی کے بعد اس باشعور لڑکی نے آپ کی صلاحیتوں کا اندازہ لگالیا اور ایک گہری حکمت کی بات کی کہ ایک ملازم کے لئے قوی اور امین کی شرط کافی ہے۔اس دوران اُس کے والد بزرگوار بھی حضرت موسیٰ ؑ کے غیر معمولی اوصاف سے روشناس ہو گئے اور خوب سوچ بچار کے بعد ایک اعلیٰ خاندان کے صاحبِ علم،شریف اور نیک شخص کو چند شرائط کے ساتھ اپنی دامادی میں قبول کرنے کا اظہار کیا۔اس رشتہ میں آج کے مادہ پرست معاشرہ کے لئے ایک سبق عظیم یہ بھی ہے کہ رشتہ کرتے ہوئے نیکی ہی کو ملحوظ رکھو۔حضرت موسیٰ ؑ ان لوگوں کے لئے ایک تہی دست اجنبی جوان تھے مقام و مرتبہ میں ان کے ملازم۔لیکن آپ کی دیانتداری اور بداخلاقیوں پر قوت کے ساتھ غلبہ پانے کی صفات نے (جو آپ کے حالات سن کر ان پر ظاہر ہوئیں) دنیوی مرتبہ میں بظاہر پستی جیسے سقم ڈھانپ لئے ایک نیک نیت شریف گھرانے نے آپ کی نیکی کو ہی اصل دولت جانا کہ یہی اصل ہے جسے دوام حاصل ہے۔پس جس میں یہ خصوصیات موجود ہوں اس کی بقیہ تمام کمزوریاں نظر انداز کرنی چاہئیں کہ وہ سب اس کی ذیل میں آتی ہیں۔اس طرح لڑکے اور اس کے لواحقین کو بھی

نیکی ہی کو اولیت دینی چاہیئے۔حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت سے نکاح کرنے کی چار ہی بنیادیں ہو سکتی ہیں۔اس کے مال،اس کے خاندان اس کے حسن و جمال یا اس کی دینداری کی وجہ سے۔تو دین دار عورت کو ترجیح دے۔اللہ تیرا بھلا کرے تجھے دیندار عورت نصیب ہو۔(بخاری کتاب النکاح باب **الاکفاء فی الدین**) نکاح سے پہلے جبکہ ابھی لڑکی کا بھی تعین نہیں ہُوا تھا،نکاح کے لئے ایک شرط رکھی گئی کہ حضرت موسیٰ ؑ آٹھ سال تک اس بزرگ کی ملازمت کریں گے اور گھر داماد کے طور پر رہیں گے۔یہ کوئی مجبوری نہیں تھی بلکہ باہمی رضامندی کا معاملہ تھا۔حضرت موسیٰ ؑ کو کسی مناسب جائے پناہ کی تلاش تھی جبکہ بزرگ کو ایک قوی اور امین شخص کی ضرورت تھی جو بیٹے کی طرح گھر داماد کے طور پر رہے۔آپ سے بیگار نہیں لی گئی بلکہ آپ کو اُجرت پر رکھا گیا۔اسی لئے کہا کہ میں تمہیں کسی تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا یعنی تم پر بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا نیز یہ کہ مجھے انشاء اللہ نیک معاملہ کرنے والا پاؤ گے۔دونوں نے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر یہ عہد باندھا۔اس معاہدہ کے بعد دستور کے مطابق حق مہر طے کیا گیا ہو گا اور نکاح ہُوا ہو گا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نکاح کے وقت باہمی رضامندی سے بعض شرائط رکھی جا سکتی ہیں۔آج بھی بعض ایسے والدین جن کے اپنے بیٹے نہیں ہوتے یا کسی اور وجہ سے گھر دامادی کی شرط رکھتے ہیں۔بلکہ اسلام تو ایک عورت کو نکاح کے وقت اس شرط کی اجازت بھی دیتا ہے۔اس کا ہونے والا خاوند دوسری شادی نہیں کرے گا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ فرماتے ہیں (اخبار الفضل ۱۴ جنوری ۲۰۰۳ء صفحہ۳) کہ اگر کسی عورت کو یہ خطرہ ہو کہ اس کا خاوند (دینی) تعلیم کا عذر رکھ کر عملاً محض اپنے نفس کی خاطر دوسری شادی کرنا چاہے گا تو ایسی عورتوں کے لئے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ یہ قطعی حل تجویز فرماتے ہیں کہ:۔ ’’جبر کسی پر نہیں (نہ مرد پر نہ عورت پر) اور ہر ایک مرد اور عورت کو اس مسئلہ کی بخوبی خبر ہے تو یہ ان عورتوں کا حق ہے کہ ’’جب کہ یہ مسئلہ (دین) میں شائع متعارف ہے کہ چار تک بیویاں کرنا جائز ہے مگر کسی (مومن) سے نکاح کرنا چاہئیں تو اوّل شرط کرالیں کہ ان کا خاوند کسی حالت میں دوسری بیوی نہیں کرے گا۔اور اگر نکاح سے پہلے ایسی شرط لکھی جائے تو بے شک ایسی بیوی کا خاوند اگر دوسری بیوی کرے تو جرم نقض عہد کا مرتکب ہوگا‘‘۔(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد نمبر۲۳ صفحہ۲۴۶) حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ فرماتے ہیں:۔لیکن اس ترکیب کا ناجائز استعمال نہ کریں کہ جہاں جائز ضرورتیں ہیں وہاں ان جائز ضرورتوں سے بھی منہ موڑ لیں اور (دین) کی روح کے منافی عمل کرنا شروع کر دیں۔ایک جائز ضرورت مرد کی اولاد ہے۔اگر اولاد کے نہ ہونے کی ذمہ دار

بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

ساتھ اپنے گھر والوں کے اس نے دیکھی کنارہ سے طور کے آگ اس نے کہا اپنے گھر والوں کو

امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

ٹھہرو یقیناً میں نے دیکھی ہے آگ تاکہ میں لاؤں تمہارے پاس اس سے کوئی خبر

اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّآ

یا انگارہ آگ کا تاکہ تم تاپو پس جب آیا

اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ

اس کے پاس تو آواز دیا گیا کنارہ سے میدان دائیں کے زمین

الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ

مبارک میں درخت سے کہ اے موسیٰ یقیناً میں ہی اللہ رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ

العالمین ہوں اور یہ کہ ڈال دے سونٹا اپنا پس جب اس نے دیکھا اُسے ہلتا ہوا

كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى

گویا کہ وہ سانپ ہے پھر گیا پیٹھ پھیرتا ہوا اور نہ مڑ کر دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ

اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ اُسْلُكْ يَدَكَ

آگے آ اور نہ ڈر یقیناً تو امن والوں میں سے ہے ڈال ہاتھ اپنا

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ

اپنے گریبان میں وہ نکلے گا سفید بغیر کسی برائی کے اور ملا لے

عورت ہے تو ایسی عورت کو اپنے خاوند کو دوسری شادی کی بخوشی اجازت دے دینی چاہیئے۔بصورت دیگر وہ خلع لے سکتی ہے۔(اخبار الفضل ۱۴ جنوری ۲۰۰۳ء صفحہ ۳) تاہم شادی کے وقت یا بعد میں والدین حق مہر لینے کے مجاز نہیں۔یہ خاص لڑکی کی ملک ہے۔وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کرے۔آٹھ اور دس سال کی شرط میں پیشگوئی تھی کہ جس طرح موسیٰ ؑ ہجرت کے آٹھ سال بعد وطن کو لوٹے۔آپ ﷺ بھی ہجرت کے آٹھ سال بعد وطن کو لوٹیں گے۔یہ پیشگوئی آٹھ سال بعد فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوئی۔دس سال میں آپ ﷺ کی کل مدنی زندگی کی پیشگوئی فرمائی۔

۳۰ تا ۳۳۔**جَذْوَة**۔انگارہ۔**شاطِئ**۔جانب۔کنارہ۔(مفردات راغب)۔**واضمم**۔ملا دے۔سورۃ طٰہٰ رکوع ۱ تا رکوع ۵، سورۃ شعراء رکوع ۲ تا رکوع ۴ اور سورۃ نمل آیت ۸ تا ۱۵ سے استفادہ فرمائیے۔

اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ

طرف اپنی بازو اپنا ڈر سے پس یہ دو دلیلیں ہیں

مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

طرف سے رب کے تیرے طرف فرعون اور سرداروں کے اسکے یقیناً وہ تھے لوگ

فٰسِقِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ

فاسق اس نے کہا اے رب میرے یقیناً میں نے قتل کیا تھا ان میں سے ایک نفس پس ڈرتا ہوں کہ وہ

قرآنِ کریم نے قدم قدم پر بائبل کی تصحیح فرمائی۔شروع سورۃ میں بتایا کہ حضرت موسیٰ ؑ اور فرعون کے صحیح واقعات سے تمہیں آگاہ کرتے ہیں۔چنانچہ قرآنِ کریم میں بیان کردہ حضرت موسیٰ ؑ کے واقعات کا بائبل میں مذکور موسیٰ ؑ کے واقعات (خروج باب ۳،۴) سے موازنہ کر کے ایک قاری خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ قرآنی واقعات ہی درست اور صحیح ہیں۔جبکہ بائبل میں درج شدہ واقعات انسانی دست برد سے اس قابل نہیں رہے کہ ان سے ہدایت حاصل کی جا سکے۔حضرت موسیٰ ؑ عہد پورا کرنے کے بعد اپنے اہل کے ساتھ مصر روانہ ہوئے۔بائبل کے مطابق اس عرصہ میں وہ فرعون مر چکا تھا جس کے ہاں آپ نے پرورش پائی تھی اب دوسرا فرعون مصر کا فرمانروا تھا۔واللہ اعلم بالصواب۔مصر کے راستہ میں آپ کو طور کی جانب سے الٰہی تجلی آگ کی شکل میں نظر آئی۔یہاں بھی آنحضرت ﷺ کی حضرت موسیٰ ؑ سے ایک رنگ میں مشابہت ہے۔آنحضرت ﷺ پر پہلی وحی غارِ حرا میں نازل ہوئی جبکہ حضرت موسیٰ ؑ کی وحی کوہِ طور پر۔دونوں پہاڑی علاقے ہیں۔تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ ؑ پر فضیلت ظاہر ہے کہ فرشتہ آپ ﷺ پر ایک کامل انسان کی شکل میں نازل ہوا تھا اور اس نے خود آپ ﷺ کو سکھایا جبکہ حضرت موسیٰ ؑ نے آگ میں سے آواز سنی۔آپ نے انوار الٰہی کو آگ کی صورت دیکھا جس سے درخت کا ایک حصہ غیر معمولی طور پر روشن دکھائی دے رہا تھا۔**من الشّجرہ** سے مراد درخت کی طرف سے ہے نہ کہ درخت کے اندر سے۔پس آپ کو وادی کے دائیں کنارے پر اس بابرکت زمین کے ایک درخت کی طرف سے آواز آئی۔جس مقام پر انوارِ الٰہی کا ظہور ہو وہ متبرک ہو جاتا ہے۔اسی طرح جن صالح بندوں کو اللہ تعالیٰ اپنے انوار سے حصہ دے، وہ اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بابرکت ہو جاتی ہے۔عصا کا معجزہ عطا فرمانے کے بعد ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا۔**وضمم الیک جناحک من الرّھب** کے لفظی معنی تو یہی ہیں کہ اپنے بازو کو خوف سے اپنی طرف سمیٹ لے۔یہی الفاظ سورۃ طٰہٰ آیت ۲۳ میں بھی آئے ہیں کہ آپ نے اپنا ہاتھ بغل میں دبایا تو وہ سفید نکلا۔یہاں ہاتھ سفید ہونے کے بعد فرمایا

يَقْتُلُوْنِ ﴿٣٣﴾ وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ

قتل کردیں گے مجھے ۔ اور بھائی میرا ہارون ۔ وہ ۔ زیادہ فصیح ہے مجھ سے ۔ زبان میں ۔ پس بھیج اسے

مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿٣٤﴾ قَالَ

ساتھ میرے مدد دینے والا تصدیق کرے میری ۔ یقیناً میں ۔ ڈرتا ہوں ۔ کہ وہ تکذیب کریں گے میری۔ ۔ کہا

سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا

ضرور کریں گے مضبوط ہم بازو تیرا ۔ ساتھ بھائی کے تیرے اور ہم بنا دیں گے ۔ تم دونوں کے لیے ۔ دلیل ۔ پس نہ

يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا

پہنچیں گے ۔ طرف تم دونوں کی ۔ ساتھ ہماری آیات کے ۔ تم دونوں ۔ اور وہ جنہوں نے پیروی کی تم دونوں کی

الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا

غالب آنے والے ہو ۔ پس جب ۔ آیا ان کے ۔ پاس ۔ موسیٰ ۔ ساتھ آیات ہماری کے کھلی کھلی کے انہوں نے کہا

جبکہ آپ ان معجزات کی وجہ سے خوفزدہ تھے۔گویا خوف کی حالت میں جب بازو دوبارہ سمیٹا تو وہ اصل حالت پر آ گیا۔تمثیلی زبان میں چونکہ بازو سے مراد بھائی بند ہیں لہٰذا تمثیلاً یہ معنی ہوں گے کہ اس خوف سے کہ بنی اسرائیل کہیں گمراہ نہ ہو جائیں اپنے ساتھ چمٹائے رکھنا۔کیونکہ انہیں لمبی تربیت کی ضرورت تھی۔چنانچہ بعد میں حضرت موسیٰؑ کے طور پر جانے کے بعد سامری کے دھوکے میں آ گئے۔غرض اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ہمکلامی کا شرف بخشا،عصا اور ید بیضا کے معجزات عطا فرمائے اور منصبِ نبوت پر فائز فرمایا۔

فرمایا اپنے رب کی طرف سے ملنے والی ان دو دلیلوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف جاؤ وہ نافرمان قوم ہے۔

۳۴ تا ۳۶۔ردأً۔مددگار۔

انبیاء علیہم السلام کو اپنی جان کا خوف نہیں ہوتا۔موسیٰؑ کو صرف یہ ڈر تھا کہ الزامِ قتل کی وجہ سے فرعون آپ کا پیغام سنے بغیر ردّ نہ کر دے یا گرفتار اور قتل نہ کروا دے اور آپ اسے پیغامِ حق نہ پہنچا سکیں اور اسے بنی اسرائیل کی رہائی کے لئے قائل نہ کر سکیں۔آپ کا بھائی ہارون زیادہ فصیح اللسان تھا اس لئے اسے بطور مددگار ساتھ بھیجنے کی درخواست کی جو باری تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

آنحضرت ﷺ کی حضرت موسیٰؑ سے بہت مشابہت ہے۔حضرت موسیٰؑ بھی آنحضرت ﷺ کی طرح مستجاب الدعوات تھے۔آپ نے حضرت ہارونؑ کو پیغمبر بنانے کی دعا کی جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور ان کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ شریکِ رسالت بنا دیا۔حالانکہ منصبِ رسالت کسی کی

مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا

نہیں ہے یہ ۔ مگر ۔ جادو ۔ جھوٹ بنایا ہوا ۔ اور نہیں ۔ سنا ہم نے ۔ یہ ۔ اپنے باپ دادا

الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى

پہلوں میں ۔ اور کہا ۔ موسیٰ نے ۔ رب میرا خوب جانتا ہے اسے جو ۔ لایا ہے ۔ ہدایت

مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا

پاس سے اس کے ۔ اور وہ کہ ۔ ہوگا ۔ جس کے لیے انجام (آخری) ۔ گھر کا ۔ یقیناً بات یہ ہے کہ

يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا

نہیں کامیاب ہونے ۔ ظالم ۔ اور کہا ۔ فرعون نے ۔ اے ۔ سردارو ۔ نہیں

سفارش سے نہیں دیا جاتا۔(ابنِ کثیر)اس سے ایک صاحبِ شریعت نبی کے مقام اور مرتبہ کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ کی کامل پیروی سے ایک مومن غیر تشریعی نبوت کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔**ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشآء** ؕ تشریح کے لئے قرآن کریم اردو ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ۵۲-۵۔حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔فرمایا ہم تیرے بھائی کے ذریعہ تمہیں قوت بخشیں گے اور ساتھ ہی ایک عظیم خوشخبری دی کہ تم دونوں کو ایک غالب نشان دیں گے۔یہ نشان عصا اور ید بیضا نہیں بلکہ غلبہ اور طاقت کا نشان تھا اور قوم کو بحفاظت نکال کر لے جانے کی پیشگوئی تھی کہ ہمارے نشانات کے [illegible] ہوئے تمہارے دشمن تم دونوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔سخت نامساعد حالات میں یہ خوشخبری کہ تم دونوں اور تمہارے متبع ہی غالب ہوں گے،آپ دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی۔

۳۷۔فرعون اور اس کے سرداروں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ہر نبی کے مخالفین نے یہی جملہ دہرایا۔

۳۸۔فرعون کے نزدیک موسیٰؑ مفتری تھے اور اپنے دل سے باتیں بنا کر خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ بھیجنے والا اُسے خوب جانتا ہے جس کو اپنے حضور سے ہدایت دے کر بھیجتا ہے۔اسے بھی خوب جانتا ہے جسے آخرت کا گھر نصیب ہوگا اور جس کا انجام اچھا ہے۔یہاں سچائی کا معیار بتا دیا کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔پس اگر تم ایک سچے مامور کو مفتری کہتے ہو تو تم ظالم ہو اور کبھی سزا سے نہیں بچ سکتے۔اگر میں نے افترا کیا ہے تو میں ظالم ہوں، میرا وہی انجام ہوگا جو ہمیشہ سے خدا پر افترا کرنے والوں کا ہوتا آیا ہے۔وہ مجھے شہ رگ سے پکڑ لے گا اور اپنے بندوں کو گمراہ کرنے کے لئے نہیں چھوڑے گا۔سچ تو یہ ہے کہ انجام میرا ہی

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ

جانتا میں تمہارے لیے کوئی خدا سوائے میرے پس آگ جلا میرے لیے اے ہامان

عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ

مٹی پر پس بنا میرے لیے ایک محل تاکہ میں جھانکوں طرف معبود

مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ

موسیٰ کے اور یقیناً میں البتہ گمان کرتا ہوں اسے جھوٹوں میں سے اور تکبر کیا اس نے

وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا

اور لشکروں نے اس کے زمین میں نا حق اور خیال کیا انہوں نے کہ وہ طرف ہماری

لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي

نہیں لوٹائے جائیں گے پس پکڑا ہم نے اسے اور لشکروں کو اس کے پھر پھینکا ہم نے انہیں

اچھا ہو گا اور غلبہ مجھے ہی نصیب ہو گا اور یہی میری سچائی کی دلیل ہے۔

۳۹۔ الصرح۔ بلند عمارت (اقرب) مینار وغیرہ۔ مٹی پر آگ جلانے سے مراد اینٹوں کو پکانا ہے۔ تا کہ بلند و بالا عمارت بنائی جا سکے۔

فرعون خود کو خالقِ کل یا مقتدرِ اعلیٰ نہیں کہہ سکتا تھا۔ قرآنِ کریم میں اُن کے بہت سے دیوتاؤں کا ذکر ہے۔ (الاعراف: ۱۲۸) البتہ مصری دیگر بت پرست اقوام کی طرح جو بادشاہ کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، فراعنہ مصر کو خدا کی طرح مانتے اور خدائی صفات کا حامل قرار دیتے تھے۔ دیگر معبودانِ باطلہ کے مقابلہ میں ان کی غیر معمولی عزت و تکریم تھی اور انہیں سورج دیوتا کا اوتار اور حاکمِ مطلق مانا جاتا تھا۔ آیت: ۷ کی تشریح میں ہے کہ ہامان کو حکومت میں خاص اقتدار حاصل تھا۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلند و بالا عمارات اور اہرام وغیرہ کی تعمیر اس کے زیر نگرانی ہوتی تھی۔ (تاریخِ مصر مصنفہ جیمز ہنری صفحہ ۲۴۷، ۲۴۸) سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے کہ اسے فرعون کے نظامِ حکومت کا ممتاز ترین فرد سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں اونچی عمارات، معبد اور اہرام وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ فرعون نے ان کے اوپر چڑھ کر موسیٰ ؑ کے خدا کو دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جن دنوں روس نے نیا نیا مصنوعی سیارہ چھوڑا۔ اقوام متحدہ کی عمارت میں روسی نمائندہ نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کو کہا کہ ہمارا مصنوعی سیارہ فضا میں چکر لگا کر آ گیا ہے وہاں اسے کوئی خدا نظر نہیں آیا۔ چوہدری صاحب نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور کہا کہ فرعون کا بھی یہی خیال تھا۔

۴۰۔۴۱۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرعون اور اس کے لشکروں کو آنے والی تباہی سے بار بار ڈرایا۔

الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَ

سمندر میں پس دیکھ کس طرح ہوا انجام ظالموں کا اور

جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

بنایا ہم نے انہیں پیشوا وہ بلاتے تھے طرف آگ کی اور بروز قیامت

لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ

نہ مدد دیئے جائیں گے وہ اور پیچھے کی ہم نے ان کے اس دُنیا میں لعنت

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ع

اور بروز قیامت وہ بُری حالت والوں میں سے ہوں گے اور یقیناً یقیناً دی ہم نے

مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہلاک کیں ہم نے قومیں پہلی

مگر افسوس حکومت اور طاقت کے گھمنڈ نے انہیں مامور من اللہ کی شناخت اور اس کی آواز پر کان دھرنے سے روکے رکھا۔ انجام کار اونچے محل پر چڑھ کر خدا کو ڈھونڈنے والا سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں ہمیشہ کے لئے غرق ہو گیا اور اس کا تکبر ملیا میٹ ہوا۔ انجام اعلیٰ موسیٰ ؑ کا ہی ہُوا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۴۲۔۴۳۔ مقبوحین (قبح) قبیح چیزیں وہ ہیں جن سے نظر نفرت [illegible] جبہ سے دور ہوتی ہے یعنی خیر سے دور کیا گیا (روح المعانی) بد حال۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں جن لوگوں کو امام و پیشوا بناتا یا حکمرانی سے نوازتا ہے تو ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کے بندوں کو خیر کی طرف بلائیں اور ان کی ہدایت کا موجب بنیں تا آسمانی مدد سے نوازے جائیں اور یہ مدد دنیا و آخرت میں ان کے شاملِ حال رہے۔ لیکن فراعنہ مصر اور ان کے مصاحبین اپنی سرداری کے غرور میں بندگانِ خدا کو ہدایت کی طرف لے جانے کی بجائے گمراہی کی طرف لے گئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جس طرح دنیا میں خدائی نصرت سے محروم رہے اسی طرح قیامت کو بھی محروم رہیں گے۔ خدائی نصرت اور رحمت سے محرومی وہ خدائی لعنت ہے جو قیامت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گی اور قیامت کے دن یہ سخت بدحالوں میں سے ہوں گے۔ گویا دونوں جہانوں میں لعنتی ہوں گے اور خدائی نصرت و رحمت سے محروم رہیں گے۔ یہاں سردارانِ قریش کو بتانا مقصود تھا کہ تمہارا انجام بھی فرعون و ہامان سے کم نہیں ہو گا۔ دنیا و آخرت میں نصرتِ الٰہی سے محروم رہو گے، قیامت تک تم پر لعنتیں بھیجی جائیں گی۔ جبکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کی آل پر قیامت تک درود و سلام پہنچتا رہے گا۔ اور دین خدا کا ہی غالب ہو گا۔

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

دلیلیں لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى

اور نہ تھا تو کنارہ مغربی پر جبکہ بھیجا ہم نے طرف موسیٰ کی

الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا

حکم اور نہ تھا تو گواہوں میں سے دیکن ہم نے پیدا کیں

۴۴۔ **بصائر۔ بصیرة** کی جمع ہے۔ روحانی بینائی۔ روشن دلائل۔

اس رکوع میں خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰؑ سے مماثلت کا ذکر ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ ان واقعات کے ذکر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ بتائی جا رہی ہے اور توریت کی اُن پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دی گئی تھی۔ گزشتہ اقوام کی مثالیں فرعون اور قومِ فرعون کے لئے تھیں۔ وہ ان سے عبرت حاصل کر سکتے تھے۔ جیسے قومِ نوح و عاد اور ثمود۔ یہ قومیں تکذیبِ انبیاء، ان پر ظلم و ستم، اپنی بداعمالیوں اور سرکشیوں سے عذابِ استیصال کا شکار ہوئیں اور صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ ان کی شرائع مرورِ زمانہ سے مفقود ہو گئیں اور دنیا ہر قسم کی خیر و برکت سے محروم ہو گئی۔ اب دنیا ایک نئی شریعت کی محتاج تھی۔ پس موسیٰؑ کو ایسا ضابطہ حیات دیا گیا جس میں روحانی بصیرت کا سامان تھا یہ کتاب ہدایت اور رحمت کا موجب تھی تا اے بنی اسرائیل! تم نصیحت حاصل کرو، اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرو اور پہلی قوموں کے بداعمال نہ دہراوٗ۔ جس طرح توریت موسیٰؑ کے زمانہ میں روحانی بینائی کا سامان رکھتی تھی اور بنی اسرائیل کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب تھی اسی طرح یہ بصائر آئندہ آنے والوں کے لئے بھی ہیں تا وہ ان سے ہدایت حاصل کریں اور رحمت کے وارث بنیں۔ یہ بصائر وہ پیشگوئیاں ہیں جو توریت میں نبی آخرالزماں کی بعثت کے متعلق ہیں تا کہ جب وہ موعود رسول آئے تو اہل توریت اسے قبول کرنے سے محروم نہ رہ جائیں جیسا کہ اگلی آیات میں ان پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ ان تین آیات (۴۵، ۴۶، ۴۷) میں ان تین مقامات کا ذکر کیا۔ جہاں حضرت موسیٰؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق پیشگوئیاں فرمائیں۔

۴۵۔ **قضینا۔ القضا** کے معنی قولاً یا فعلاً کسی کام کا فیصلہ کر دینے کے ہیں۔ مراد ہم نے عطا کیا۔ **امر** بمعنی حکم۔ کلامِ الٰہی۔ فرمانِ شریعت۔

قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ

قومیں پس لمبی ہو گئی ان پر عمر اور نہ تھا تو رہنے والا

اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا

اہل مدین میں کہ پڑھتا تو ان پر آیات ہماری ولیکن ہم ہیں

مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَ

بھیجنے والے اور نہ تھا تو کنارہ پر طور کے جب پکارا ہم نے و

بتایا کہ موسیٰؑ کو جو واقعات پیش آئے تو اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا اور نہ تو اس واقعہ کے چشم دید گواہوں میں سے تھا کہ تجھے اس کا علم ہو گیا ہو۔ قرآنِ کریم نے متعدد بار غیب کی خبریں دیتے ہوئے ایسے ہی الفاظ بیان فرمائے کہ جو غیب کی خبریں تمہیں وحی الٰہی کے ذریعہ دی جا رہی ہیں۔ تو اُس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ جیسا کہ آلِ عمران: ۴۵ اور سورة یوسف: ۱۰۳ میں یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی زبردست دلیل تھی کہ آپ الہامِ الٰہی کی بنا پر ان واقعات کو بیان فرما رہے تھے جن کے وقوع پذیر ہونے کے وقت آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ دو ہزار سال پہلے گزرے ہوئے وہ واقعات جو توریت میں تحریف کی وجہ سے اپنی افادیت کھو چکے تھے، ایک اُمی کی زبان سے من وعن بتائے جا رہے تھے، توریت کی تصحیح کر کے [illegible] سے پردہ اٹھایا جا رہا تھا۔ جن میں بے شمار نصائح کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق متعدد پیشگوئیاں تھیں۔

یہ موسیٰؑ کا مدین سے واپسی کا سفر تھا جب آپ نے پہلی مرتبہ تجلی الٰہی کا نظارہ دیکھا، عصا اور ید بیضاء کے معجزات عطا ہوئے، آپ رسالت سے نوازے گئے اور کلامِ الٰہی پہنچانے کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ اس موقع پر وہ اہم پیشگوئی حضرت موسیٰؑ کو بتائی گئی جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تھا۔ (تفسیر صغیر از حضرت مصلح موعودؓ)

۴۶۔ **ثاویا۔ الثواء** کے معنی کسی جگہ مستقل طور پر اقامت کرنا کے ہیں۔ **ثاویا**۔ رہنے والے۔ **مثوی**۔ ٹھکانا۔

لوگوں کی توجہ ان پیشگوئیوں کی طرف اس لئے نہ رہی کیونکہ موسیٰؑ کے بعد بہت سی قومیں پیدا ہوئیں اور توریت نازل ہوئے ایک لمبا زمانہ گزر گیا۔ اس لئے یہ قومیں توریت کی پیشگوئیوں کو بھول گئیں اور ان مقامات کو بھی جہاں موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جلوے دکھائے۔ فرمایا تو اہل مدین میں نہیں ٹھہرا کہ انہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا بلکہ ہم نے ان کی ہدایت کے لئے رسول بھیجا۔

لٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ

لیکن بطور رحمت طرف سے تیرے رب کی تاکہ ڈرا دے تو ایسی قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس

مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ

کوئی ڈرانے والا پہلے تجھ سے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور مبادا

ہم ہی ہیں جو رسول بھیجنے والے ہیں۔ یہاں اس واقعہ کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر چلے اور فرعون کے غرق ہونے کے بعد دوبارہ اہل مدین میں آ کر ٹھہرے۔ (خروج باب ۱۸) قیامِ مدین کے دوران آپ نے اپنی قوم کی تعلیم و تربیت کے علاوہ اپنے ربّ سے خبر پا کر انہیں نبی آخرالزماں کے متعلق پیشگوئی سے مطلع فرمایا۔ چنانچہ مدین میں کتاب پیدائش باب ۱۲ تا باب ۱۷ تک رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے۔ یہاں بتلایا کہ باوجود اس کے کہ آپؐ موسیٰؑ کے ساتھ مدین میں نہیں ٹھہرے آپ کو وہی واقعات پیش آئیں گے جو موسیٰؑ کو آئے۔ ''تم مدین میں نہیں رہے'' اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ تمہیں بھی ہجرت کر کے مدین سے ملتے جلتے شہر مدینہ میں رہنا پڑے گا۔ جس کا فاصلہ بھی قریباً اتنا ہی ہو گا۔ مصر سے مدین کی مسافت آٹھ منزل کی تھی جبکہ مکہ سے مدینہ کی مسافت سات منزل ہے۔ دونوں کے نام بھی قریباً ملتے جلتے ہیں۔

۴۷۔ اس عظیم پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے کہ جب موسیٰؑ ستر احبار کو پہاڑ کے دامن میں چھوڑ کر اوپر گئے اور احکامِ الٰہی کے ساتھ نبی آخرالزماں کی خوشخبری لے کر واپس لوٹے۔ اے محمدؐ! یہ خبر تیرے ربّ کی طرف سے ایک بڑی بھاری رحمت تھی۔ یہاں استثناء باب ۱۸ والی پیشگوئی کا ذکر ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ''میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی کچھ وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔۔۔۔ وہ نبی قتل کیا جائے'' (استثناء باب ۱۸:۱۸ تا ۲۰) بائبل تسلیم کرتی ہے کہ یہ خبر موسیٰؑ کو خروجِ مصر کے بعد طور پر دی گئی جب بنی اسرائیل کے ستر احبار نے آتش فشانی اور زلزلہ سے ڈر کر اوپر جانے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ ہم تو کیا ہماری اولاد بھی سننا نہیں چاہتی۔ تب خدا نے کہا کہ یہ نبوت تمہارے بھائیوں کو ملے گی۔ اس پیشگوئی میں بتایا کہ (۱) اب یہ قوم اس قابل نہیں کہ وہ عظیم نبی ان میں سے ہو۔ اب ''وہ نبی'' ان کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل سے ہو گا۔ (۲) تیری مانند

اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

پہنچے ان کو کوئی مصیبت بسبب اس کے کہ آگے بھیجا ہاتھوں نے ان کے

فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

تو وہ کہیں اے رب ہمارے کیوں نہیں بھیجا تو نے طرف ہماری کوئی رسول پس پیروی کرتے ہم

اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ

آیات کی تیرے اور ہوتے ہم مومنوں میں سے پس جب آیا ان کے پاس

میں اشارہ تھا کہ وہ آپ کی طرح صاحب شریعت نبی ہو گا اور اس کی زندگی کے واقعات آپ ﷺ سے ملتے جلتے ہوں گے۔ (۳) اپنا کلام منہ میں ڈالنے سے مراد یہ تھی کہ اس کی وحی لفظوں میں ہو گی نہ کہ تختیوں وغیرہ پر لکھی ہوئی۔ (۴) وہ وہی کہے گا جس کا حکم دیا جائے گا اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ **اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ** ط (سورۃ الانعام: ۵۱) یہی مضمون ۵۳: ۴۔۵ میں بھی بیان ہوا ہے۔ (۵) اللہ کا نام لے کر کہنے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی طرف اشارہ ہے جو ہر سورۃ کے شروع میں ہے۔ آپ ﷺ اپنے تمام کام اور وعظ وغیرہ اللہ کے نام سے شروع کرتے تھے (۶) اور جو آپ ﷺ کی باتوں کو نہ سنے یعنی آپ ﷺ کی تعلیم کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ خود اس کا حساب لے گا (۷) اگر کوئی افترا کرے اور خود کو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دے تو اللہ تعالیٰ اسے شہ رگ سے پکڑے گا اور وہ ہلاک کیا جائے گا۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کا انجام ہوا۔ بائبل کی ان پیشگوئیوں کا ہمارے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی مصداق نہیں اور نہ آج تک کسی نے ایسا دعویٰ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ابتدائی وحی میں مثیلِ موسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا۔ (سورۃ مزمّل) یہ تمام پیشگوئیاں اور بائبل کی دیگر پیشگوئیاں صرف آپ ﷺ پر صادق آئیں۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی رسول نہیں آیا۔ حضرت ابراهیمؑ کا مکہ میں اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے کے لئے آنے کا ذکر ہے۔ اہلِ مکہ کو کسی ہدایت دینے کا ذکر نہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ اہلِ مکہ کی طرف رسول نہیں تھے کیونکہ آپ کی قوم آپ کی وفات کے بہت بعد بنی اور عرب میں پھیلی۔ پس تیرے ربّ کی رحمت ہے کہ تجھے نبوت سے سرفراز کیا تا کہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے پاس پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ افسوس جس عظیم نبی کا انہیں دو ہزار سال سے انتظار تھا اس کے پہلے منکر بھی یہی بنے۔

۴۸۔ اے رسولؐ! ہم نے تجھے اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ اگر ان کی بداعمالیوں کی وجہ

الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ
حق پاس سے ہمارے کہا انہوں نے کیوں نہیں وہ دیا گیا مانند اس کی جو دیا گیا

مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ
موسیٰ کو کیا نہیں کفر کیا تھا انہوں نے اس کا جو دیا گیا موسیٰ کو

قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظَاهَرَا ٞ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ
پہلے سے کہا انہوں نے دو جادوگر ہیں ان دونوں نے ایکدوسرے کی مدد کی۔ اور کہا انہوں نے یقیناً ہم سب کے

كٰفِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ
منکر ہیں تو کہہ پس لاؤ کوئی کتاب پاس سے اللہ کے جو

اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۵۰﴾
زیادہ ہدایت دینے والی ہو ان دونوں (قرآن و تورات) سے کہ میں اتباع کروں جس کی اگر ہو تم سچے

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ
پس اگر نہ قبول کریں تیری (بات) تو جان لے کہ سوائے اسکے نہیں کہ وہ اتباع کرتے ہیں

سے ان پر کوئی مصیبت آن پڑے تو وہ یہ نہ کہیں کہ اے ہمارے ربّ! تو نے کیوں ہماری طرف کوئی رسول نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لے آتے اور اس مصیبت سے بچ جاتے۔ پس ہم نے تجھے رسول بنا کر اس لئے بھیجا کہ انہیں کوئی عذر نہ رہے۔

۴۹۔ اب جبکہ خدا کی طرف سے رسول آ گیا تو بجائے اس کی اتباع کرنے اور ایمان لانے کے آپ ﷺ کی قوم نے یہ عذر پیش کیا کہ اسے وہ کچھ کیوں نہیں دیا گیا جو موسیٰؑ کو دیا گیا تھا یعنی کتاب و معجزات وغیرہ۔ حالانکہ موسیٰؑ کو اُس کے مخاطبوں نے کب مانا تھا۔ وہ بھی تو یہی کہتے تھے کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ جادوگر ہیں۔ جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ہم ان دونوں کے منکر ہیں۔ چونکہ قرآنِ کریم نے بار بار توریت کی تصدیق کی اور موسیٰؑ سے آنحضرت ﷺ کی مماثلت کا ذکر کیا اور توریت نے آنحضرت ﷺ کے متعلق متعدد پیشگوئیاں کر کے آنحضرت ﷺ کی صداقت پر مہر ثبت کی۔ اس لئے آج بھی مشرکینِ مکہ کمال ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ یہ دونوں کتابیں تو ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرتی ہیں اور ہم ان دونوں کو نہیں مانتے۔

۵۰۔ کتابِ الٰہی اُس کے بندوں کو ہدایت دینے کے لئے آتی ہے۔ پس تو اُن کو کہہ دے اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ دونوں الٰہی کتابیں اس مقصد کو پورا نہیں کر رہیں۔ تو خدا کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو بندگانِ خدا کو ان دونوں سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو تا میں بھی اس کی اتباع کروں۔

اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ
اپنی خواہشات کی اور کون زیادہ گمراہ ہے اس شخص سے جس نے پیروی کی اپنی خواہش کی بغیر

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۵ ۸ ۸
ہدایت کے طرف سے اللہ کی یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا لوگوں ظالموں کو

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۲﴾ اَلَّذِيْنَ
اور یقیناً یقیناً پے درپے کی ہم نے انہیں بات تاکہ وہ نصیحت پکڑیں وہ لوگ کہ

۵۱۔ اس بات کا ان کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا کہ کوئی تیسری کتاب پیش کرتے جو زیادہ ہدایت دینے والی ہوتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کسی آسمانی ہدایت کے متلاشی ہی نہیں۔ جو ہدایت ان کے پاس آئی ہے اس کی پیروی کرنے کی بجائے صرف اپنے جذبات و خواہشات اور مادہ پرستی کی اتباع کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ بھی ایسی ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا جو الٰہی ہدایت کی اتباع کرنے کو تیار ہی نہ ہو۔

۵۲۔ **وَصَّلْنَا**۔ وصل اور اتصال اشیاء کا ایک دوسرے سے تعلق رکھنا اور ملانا ہے۔ اشیاء اور معانی دونوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ **فَعَّلَ** میں چونکہ مبالغہ اور تکثیر پائے جاتے ہیں اس لئے **وَصَّلَ** کے معنی ہے بہت ملایا۔ یا بار بار ملایا (تاج العروس) قول۔ بات۔ کلامِ الٰہی۔ قرآنِ کریم۔ **ولقدوصّلنالهم القول**۔ اور ہم پے درپے ان لوگوں کے پاس ہدایت کی باتیں بھیجتے رہے ہیں۔ پچھلے رکوع میں توریت اور قرآنِ کریم کے ایک دوسرے کے مصدّق و مویّد ہونے کا ذکر تھا۔ اس رکوع میں اس کی تشریح فرمائی۔ کہ وحی الٰہی ایک قول کے حکم میں ہے۔ اس میں باہم ایک خاص تعلق پایا جاتا ہے خواہ یہ نوحؑ پر نازل ہو یا موسیٰؑ پر یا آنحضرت ﷺ پر یا کسی اور نبی پر۔ یہ صداقتِ وحی پر ایک زبردست دلیل ہے۔ وحی الٰہی کسی زبان میں ہو یا کسی ملک میں اس کی غرض بنی نوعِ انسان کو ہدایت دینا، ان کو مکارمِ اخلاق پر قائم کرنا اور اپنے ربّ سے ملانا ہے۔ ہر نبی نے وحی الٰہی سے خبر پا کر اپنے بعد آنے والے نبی کی خبر دی۔ نیز جملہ انبیاء نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے بھی قریباً ستر احادیث میں اپنے بعد آنے والے مہدی و مسیحؑ کی خبر دی۔ **وصّلنا** میں پے درپے بھیجنے کا مضمون ہے کہ ہدایات بھی مسلسل آتی ہیں اور قرآن بھی مسلسل نازل ہوتا رہا تا کہ نصیحت حاصل کریں۔ **وصّلنا** سے مراد نظم و ضبط بھی ہے (بیضاوی) یعنی ہم نے اپنے کلام کو ان کے لئے مربوط بنایا ہے۔ پس جس

اٰتَیۡنٰھُمُ الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِهٖ ھُمۡ بِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۳﴾

دی ہم نے انہیں کتاب پہلے اس (قرآن) کے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں

وَاِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡھِمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الۡحَقُّ

اور جب وہ پڑھا جاتا ہے ان پر کہتے ہیں ایمان لاتے ہم اس پر یقیناً وہ حق ہے

طرح انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں باہم ربط ہے۔ قرآنِ کریم میں بھی ایک خاص ربط موجود ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ ’’قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے جبکہ قانونِ قدرت اس کی فعلی کتاب ہے۔‘‘ (ریویو آف ریلیجنز جلد ۳ صفحہ ۱ و ۱۱) بظاہر ان دونوں میں ربط نظر نہیں آتا۔ لیکن جوں جوں غور کرتے جائیں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان میں حیرت انگیز ربط اور نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ صحیفہ کائنات کے راز ہائے بستہ سے پردے اٹھ رہے ہیں اور قرآنی حقائق ایک شان سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ قرآنِ کریم پر غور و خوض کرنے والے مقربینِ الٰہی کی نظر میں قرآنِ کریم کی ہر آیت ملحقہ آیت سے، ہر رکوع دوسرے رکوع سے اور ہر سورۃ متصل سورۃ سے خاص ربط رکھتی ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے جو مختصر طور پر بیان کی جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ (۱) قرآنی ترتیب ایسی ہے کہ سارے قرآن کو پڑھے بغیر مکمل علم حاصل نہیں ہوتا سارے مسائل کو پھیلا دیا ہے۔ اگر نماز، روزہ یا حج وغیرہ کے باب الگ الگ ہوتے تو پورے قرآن کو پڑھنا ضروری نہ سمجھا جاتا۔ اپنے اپنے مذاق اور ضرورت کے تحت ایک خاص حصہ سے استفادہ حاصل کر لیا جاتا اور انسان قرآنِ کریم کی گہری حکمتوں سے محروم رہتا۔ (۲) قرآنی مسائل کو سمجھنے اور غور و فکر کی عادت ڈالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عام کتابوں کی ترتیب سے ہٹ کر قرآنِ کریم کی ایک خاص ترتیب رکھی تا انسان قرآنِ کریم کا گہرائی سے مطالعہ کرے اور باریک مسائل کو سمجھ کر ان سے استفادہ حاصل کر سکے۔ (۳) الہامی کتاب اصلاح کو مقدم رکھتی ہے۔ اس لئے وہ سطحی ترتیب کو چھوڑ کر ایک نئی ترتیب اختیار کرتی ہے جو جذباتی ہوتی ہے اور قلب میں تغیر پیدا کرتی ہے۔ قرآنِ کریم کو پڑھتے وقت جو جو جذبات انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں الہامی کتاب ان کو بیان کرتی ہے۔ گویا قرآنِ کریم کی ترتیب ان جذبات پر ہے جو مومن کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ پس قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے ایک مومن کا دل تقویٰ اور خشیت اللہ سے لبریز ہو جاتا ہے اور اس کا دل قرآنِ مجید پر عمل کرنے کے لئے بیقرار ہو جاتا ہے۔ (الحمد للہ میں نے بھی اس تفسیر میں بطور خاص ہر آیت اور سورۃ کا اس کی متصل آیت اور سورۃ سے ربط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے)

۵۳-۵۴۔ توریت اور قرآنِ کریم کی مماثلت کے ذکر میں یہاں خاص طور پر اہلِ کتاب

مِنۡ رَّبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا مِنۡ قَبۡلِهٖ مُسۡلِمِیۡنَ ﴿۵۴﴾ اُولٰٓئِکَ

طرف سے رب کی ہمارے یقیناً ہم تھے پہلے اس کے فرمانبردار یہ لوگ

یُؤۡتَوۡنَ اَجۡرَھُمۡ مَّرَّتَیۡنِ بِمَا صَبَرُوۡا وَیَدۡرَءُوۡنَ

دیئے جاویں گے اجر اپنا دو دفعہ اس لیے کہ صبر کیا انہوں نے اور وہ دور کرتے ہیں

بِالۡحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَ

ساتھ نیکی کے بدی کو اور اس سے جو دیا ہم نے انہیں خرچ کرتے ہیں اور

اِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ اَعۡرَضُوۡا عَنۡهُ وَقَالُوۡا لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا

جب سنتے ہیں لغویات کنارہ کشی کرتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لیے اعمال ہیں ہمارے

مومنین کے فضائل بیان کئے گئے جو قرآنِ کریم کی حقانیت کو دیکھ کر ایمان قبول کر چکے تھے۔ یہ وہ علمائے یہود و نصاریٰ تھے جن کو نزولِ قرآن سے قبل علمِ کتاب دیا گیا اور وہ توریت میں بیان کی گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی معرفت رکھتے تھے اور ایک موعود نبی کے منتظر تھے۔ جب قرآنِ کریم ان کے سامنے پڑھا گیا تو وہ فوراً پہچان گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور قرآنی تعلیم کو بھی کیونکہ یہ بعینہٖ وہ تعلیم تھی جو سابق کتبِ سماوی میں بیان کی گئی۔ پس وہ اس پر ایمان لے آئے۔ یہاں مضارع کا صیغہ لا کر پیشگوئی فرمائی کہ آئندہ بھی اہلِ کتاب اس قرآن پر ایمان لائیں گے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ تمام اہلِ کتاب شامل ہیں خواہ وہ کسی الٰہی کتاب کے پیرو ہوں جیسے ہندو، بدھ، یا زرتشت اور کنفیوشس وغیرہ کے پیرو۔ چونکہ یہ پہلے سے انبیائے سلف اور صحائفِ آسمانی کو ماننے والے تھے اور اپنی کتاب کی ان سچائیوں پر عمل کرتے رہے جو انسانی تحریف سے بچ گئی تھیں۔ اس لئے اسلام کے سوا ان کا کوئی اور دین نہیں تھا۔ ہر نبی نے اسلام کی ہی دعوت دی اور اس کے ماننے والے مسلمین ہی تھے۔ تاہم ہر نبی کے پیرو اپنے انبیاء کی طرف منسوب ہوئے اور یہودی اور مسیحی وغیرہ کہلائے۔ اسلام اور مسلم کی اصطلاح صرف امتِ محمدیہ کے لئے مختص رہی۔ یہاں اہلِ کتاب کے قرآنِ کریم پر ایمان لانے کا ذکر کیا۔ حالانکہ وہ سب ایمان نہیں لائے۔ درحقیقت اہلِ کتاب میں سے جو ایمان لے آئے اور فرمانبرداری اختیار کی وہی اللہ کی نظر میں اس کے بندے ہیں۔ باقی گویا کالعدم ہیں۔

۵۵-۵۶۔ **مرّتین**۔ دو دفعہ۔ دو چند۔ **یدرءُون** (دَرَءَ) ہٹانا یا زور سے ہٹانا ہے (اقرب) **یدرَئُون**۔ وہ سختی سے ہٹاتے ہیں۔ **نبتغی**۔ ہم چاہتے ہیں۔

یہاں ان نیک فطرت مومنین کے چند فضائل بیان فرمائے جو ایمان ہی نہیں لائے بلکہ

وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٦﴾

او تمہارے لیے اعمال ہیں تمہارے سلام ہو تم پر نہیں چاہتے ہم جاہلوں کو

نیک اعمال سے اپنے ایمان کو کمال تک پہنچایا اور دگنے اجر کے مستحق ٹھہرے۔ان کے فضائل میں سب سے پہلے ان کا صبر ہے۔صبر اللہ کی عطا پر راضی رہنا، اپنی خواہشات پر قابو پانا، اپنی جائز ضروریات کو بھی حداعتدال میں رکھنا، گناہ سے بچنا اور نیک اعمال پر استقامت اختیار کرنا نیز اپنی مصیبتوں اور تکالیف کا اظہار اللہ کے سوا کسی سے نہ کرنا ہے۔یہ وہ لوگ تھے جو توریت کو مان کر بھی تکلیفیں سہتے رہے اور قرآن کریم کو مان کر بھی ہر قسم کی تکلیف کے علاوہ اپنی قوم کی لعن طعن کا نشانہ بنے لیکن حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے اور اپنے ربّ کی رضا پر راضی رہے۔ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ بدی کو نیکی سے دور کرتے ہیں۔یعنی بدی کا جواب بدی سے نہیں بلکہ نیکی سے دیتے ہیں۔گویا برائی کے بدلہ بھلائی اور ظلم کے بدلہ احسان کرتے ہیں۔لیکن ہمیشہ اصلاح کا پہلو مدنظر رکھتے ہیں اور موقع ومحل کے مطابق بُرائی کو احسن طریق سے دور کرتے ہیں۔اگر عفو سے اصلاح کی امید ہو تو عفو سے کام لیتے ہیں۔اگر اصلاح کے لئے سزا دینا ضروری ہو تو مناسب حد تک سزا بھی دیتے ہیں۔ان کا اپنا نمونہ بھی لوگوں کی اصلاح میں ممد ہوتا ہے۔یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پرعمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ان کے اعلیٰ کردار اور نیک کوششوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ برائیاں مِٹ جاتی ہیں اور ایک پُرامن معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ان کی تیسری صفت اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو اس کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔پس وہ نہ صرف مال بلکہ اپنی تمام خداداد صلاحیتوں کو بنی نوع انسان کی بہبود پر صرف کرتے ہیں۔مذہبی اور اخلاقی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کا معیار زندگی بلند کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔چوتھی صفت یہ ہے کہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! انسان کے اسلام کا ایک حُسن یہ بھی ہے کہ انسان لایعنی یعنی لغو اور بیہودہ باتوں کو چھوڑ دے۔(ترمذی ابواب الذھد صفحہ ۵۵/۲) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وقت اور توانائی کو بیہودہ مشاغل میں ضائع نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے اعمال کے نتائج کے ذمہ دار نہیں۔اگرچہ ان لغو کاموں میں ہم تمہارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے لیکن تمہارا بُرا بھی نہیں چاہتے اور تمہاری سلامتی کے خواہاں ہیں۔تاہم سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے بعد ہم جاہلوں سے تعلق رکھنا نہیں چاہتے یعنی ان سے میل ملاپ ہمیں پسند نہیں۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن

یقیناً تو نہیں ہدایت دیتا جسے تو چاہے و لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے

يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ

چاہتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو اور کہا انہوں نے اگر ہم اتباع کریں

الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّن

ہدایت کی ساتھ تیرے اچک لیے جاویں ہم اپنے ملک سے کیا نہیں جگہ بنائی ہم نے

لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ

ان کے لیے حرم امن والے ہیں کر لائے جاتے ہیں طرف اس کی پھل ہر چیز کے

رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٨﴾ وَ

بطور رزق کے حضور سے ہمارے اور لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے اور

۵۷۔ بیشک اہل کتاب ایمان لائے اور ایمان کے اعلیٰ ترین مراتب پر پہنچے۔مگر آنحضرتﷺ تو چاہتے تھے کہ سب کو ہدایت نصیب ہو جائے لیکن ایسا ممکن نہیں تھا۔اللہ تبارک و تعالیٰ اس نعمت سے اسے فیضیاب کرتا ہے جو اس کا اہل ہو۔**یھدی الیہ من یُنیب** (الشوریٰ:۱۴) میں خدا نے اپنا قانون بتا دیا کہ ہدایت اسے ملتی ہے جو ہدایت پانا چاہتا ہے۔اور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

احادیث میں بیان ہے کہ آپﷺ کی انتہائی خواہش اور [illegible] کے باوجود آپﷺ کے چچا ابوطالب ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپﷺ کو تسلی دی کہ ہدایت دینے کا اختیار آپﷺ کو نہیں۔ہدایت دینا اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔وہ جانتا ہے ہدایت کے اہل کون ہیں۔

۵۸۔**یُجبٰی**۔وہ کھینچا جاتا ہے۔

مشرکینِ عرب کی ہدایت نہ پانے کی وجہ محض ان کی بزدلی اور اللہ پر توکل کا فقدان تھا ورنہ دل سے اسلام کی صداقت کے معترف تھے۔ان کا خیال تھا کہ قبولِ اسلام سے ان کے مادی مفاد خطرے میں پڑ جائیں گے اور وہ تباہ ہو جائیں گے۔عرب اور بیرونِ عرب تجارت پر زد پڑے گی۔خانہ کعبہ کی تولیت اور بتوں کے چڑھاووں سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عرب قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہمیں کہیں پناہ نہیں ملے گی۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنی عطا کردہ وہ نعمتیں یاد دلا رہا ہے، جن سے اڑھائی ہزار سال سے استفادہ کرتے چلے آرہے تھے۔یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر عظیم احسان تھا کہ ایک غیر محفوظ اور غیر ذی زرع زمین کو ان کے لئے محفوظ اور امن والا مقام بنا دیا۔اس بنجر بیابان میں خورد ونوش کا ایک ایسا نظام جاری فرما دیا کہ ہر طرف سے

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ
کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے بستیاں جو اترا گئی تھیں اپنے گذارہ پر پس یہ
مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَ
گھر ہیں ان کے نہیں بسائے گئے بعد ان کے مگر کم اور
كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ
ہم ہی باقی رہنے والے ہیں اور نہیں ہے رب تیرا ہلاک کرنیوالا
الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ
بستیوں کو یہاں تک کہ مبعوث کرے ان (بستیوں) کے مرکز میں رسول جو پڑھے ان پر
اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۶۰﴾
آیات ہماری اور نہیں ہیں ہم ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر جبکہ رہنے والے اس کے ظالم ہوں

پھل اور سامانِ زیست بطور رزق اور عطیہ چلے آرہے تھے۔ اِن کے شرک کے باوجود فیضانِ الٰہی کا یہ عالم تھا۔ اگر یہ ایمان لے آتے تو کیا اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فیض سے محروم کردیتا۔ وہ نہیں جانتے کہ ہدایت پانے والوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کس قدر فراوانی ہوگی اور دنیا کی عظیم ترین سلطنتیں ان کے زیرِ نگیں ہوں گی۔ ایک صدی گزرنے نہیں پائے گی کہ دنیا کے ایک بڑے حصہ پر حکمران ہوں گے۔

۵۹۔ **بطرت** وہ اترائی۔

اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی وجہ سے جو ابراھیمی دعاؤں کا نتیجہ ہیں ان مشرکین مکہ کے متکبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ دنیا میں بہت سی ایسی بستیاں گزری ہیں جو اپنی معیشت کی فراوانی کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہوگئیں اور مامورِ وقت کو شناخت کرنے سے اس لئے محروم رہیں کہ انہیں اپنے سامانِ تعیش کے کھوئے جانے کا خطرہ تھا۔ ایسی قوموں کے ویران گھر تمہارے سامنے عبرت کا نقشہ پیش کر رہے ہیں۔ ان کی اولادیں تباہ ہوگئیں اور کوئی ان گھروں میں نہ بسا۔ آج بھی مامورِ وقت پر ایمان نہ لانے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے کہ گھر بار اور جائدادیں کہیں چھن نہ جائیں یا ملازمتوں سے نکال نہ دیا جائے۔ **نحن الوٰرثین** میں بتایا کہ ہم ہی ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیتے ہیں۔ اس آیت میں اقوامِ مغرب کے لئے بھی عبرت کا سامان ہے جو اپنی تہذیب و تمدن اور سامانِ معیشت کی افراط کی وجہ سے دوسروں کے جائز حقوق کو پامال کررہی ہیں۔

۶۰۔ **اُمّ**۔ ماں۔ اصل۔ مرکز۔ **امها** سے مراد۔ مرکزی بستی۔ بڑی بستی جس پر معیشت کا مدار ہو۔ یہاں مراد مکہ معظمہ ہے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
اور جو دیئے گئے ہو تم کوئی چیز سو سامان ہے زندگی ورلی کا اور
زِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ۶ ۱۰ ۹
زینت ہے اسکی اور جو پاس ہے اللہ کے زیادہ بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے کیا پھر نہیں عقل کرو گے تم

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں ہر مامور کی بستی اُمّ ہُوا کرتی ہے۔ اس بستی کو اس ہادی کے زمانہ میں اور بستیوں کا امّ کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی اصل کے ہیں۔ امّ القریٰ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آئندہ یہ بستی اپنی روحانی تربیت اور مرکزیت کی وجہ سے تمام بستیوں کی ماں بننے والی تھی۔ (نورالدین طبع ثالث صفحہ ۲۳۰) اس آیت پر تفصیلاً روشنی سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۶ میں ڈالی گئی ہے۔ استفادہ فرمایئے۔

نیز اس بات پر کہ کیا ہر عذاب رسول کی نشاندہی کرتا ہے؟ ان بستیوں کے مکینوں نے عارضی سامانِ زیست کو بچانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا۔ اور یہ انکار ہی ان کی تباہی کا باعث ہُوا۔ یہاں تشریح فرمائی کہ محض تکذیبِ انبیاء عذاب کا باعث نہیں بنتی اس کا حساب آخرت پر رکھا ہے۔ تکذیب کے ساتھ انبیاء اور ان کے متبعین پر ہونے والے شدید مظالم جب حد سے بڑھ جاتے ہیں تو عذاب کے محرک بن جاتے ہیں اور یہ بستیاں ہلاک کر دی جاتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالمی نبی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کو ہدایت دینے آئے تھے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نصف دنیا پردے کے پیچھے تھی۔ ذرائع رسل و رسائل محدود ہونے کہ وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ساری دنیا تک پہنچانا ممکن نہیں تھا۔ ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح موعود کے زمانہ میں مقدر تھا۔ آج ترقی یافتہ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچ چکا ہے۔ دنیا مختلف تباہیوں یعنی جنگوں، بیماریوں، زلازل اور طوفانوں کی لپیٹ میں ہے۔ یہ عالمگیر عذاب زبانِ حال سے پکار کر کہہ رہے ہیں کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کا ایک رسول مبعوث ہو چکا ہے۔

۶۱۔ سامان زیست پر تکبر کرنے والوں کے لئے یہ آیت کافی ہے۔ فرمایا یہ متاعِ حیات عارضی اور دنیا کی زیب و زینت ہے جو تمہاری آنکھیں بند ہوتے ہی تم سے چھن جائے گی عین ممکن ہے کہ زندگی ہی میں چھن جائے۔ ہاں تمہارا جو جو نیک عمل اللہ کے پاس ہے وہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ یعنی باقی رہنے والی متاع آخرت کی متاع ہے یا غلبہ اسلام ہے۔ پس عقل کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کو اختیار کیا جائے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ

کیا پس جو شخص کہ وعدہ کیا ہے ہم نے اس سے وعدہ اچھا پس وہ ملنے والا ہے اسے مانند اس شخص کی

مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

کہ سامان دیا ہم نے اسے سامان زندگی ورلی کا پھر وہ بروز قیامت

مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ

حاضر کئے ہوؤں میں سے ہو گا اور جس دن وہ پکارے گا انہیں پس کہے گا کہاں ہیں

شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِيْنَ

شریک میرے وہ جن کو تھے تم گمان کرتے کہیں گے وہ لوگ کہ

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ

ثابت ہو گئی ان پر بات اے رب ہمارے یہ وہ لوگ ہیں جن کو گمراہ کیا ہم نے

اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا

ہم نے گمراہ کیا ان کو جیسا کہ گمراہ ہوئے ہم۔ ہم بیزاری ظاہر کرتے ہیں طرف تیری نہ تھے یہ

۶۲۔**لاقی**۔ملاقات کرنے والا۔ ملنے والا۔**مُحضَرِین**۔حاضر کئے گئے۔یہاں مراد جوابدہی کے لئے حاضر کئے گئے لوگ ہیں۔گویا ان کو زبردستی لایا جائے گا اور یہ مجرموں کی طرح پیش ہوں گے۔

اس رکوع میں گمراہوں اور گمراہ کرنے والے آئمۃ الکفر کا انجام بتایا۔چونکہ متاعِ دنیا کے لالچ نے انہیں قبولِ حق سے محروم رکھا اس لئے فرمایا کہ جسے اس کا ربّ وعدہ حسنہ سے نوازے اور وہ اسے پانے والا ہو،کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کے روبرو مجرموں کی طرح پیش کیا جانے والا ہو۔یہ وعدہ اس ذات پاک کا ہے جو قادرِ مطلق اور صادق القول ہے۔جب وہ اپنے کسی بندے سے روحانی برکات اور اخروی ترقیات کا وعدہ کرتا ہے تو وہ بندہ ان نعمتوں کو دنیا و آخرت میں یقیناً پا لینے والا ہوتا ہے۔یہاں یہ خیال ہرگز نہ گزرے کہ دنیوی فوائد حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔اگر ایسا ہوتا تو زکوٰۃ و خیرات چندہ جات اور رفاہِ عامہ کے کام ممکن نہ ہوتے۔یہ انذار ان کے لئے ہے جن لوگوں نے دنیا کو دین پر مقدم رکھا اور متاعِ دنیا نے انہیں قبولِ حق سے روکے رکھا۔

۶۳۔اب ان محضرین سے سوال و جواب کا ذکر فرمایا۔اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ جن کو میرے شریک گمان کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ یہاں شرکاء سے مراد آئمۃ الکفر اور ان کے سردار اور پیشوا ہیں۔دنیا میں جن کے پیچھے چلتے تھے۔

۶۴۔**حقّ علیهم القول**۔جن پر فردِ جرم لگ چکی ہو گی۔

اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ

ہماری عبادت کرتے اور کہا جاوے گا پکارو اپنے شریکوں کو

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

پس وہ بلائیں گے انہیں پس نہ وہ جواب دیں گے انہیں اور وہ دیکھیں گے عذاب

لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

کاش کہ وہ ہوتے ہدایت پاتے اور جس دن وہ پکاریں گے انہیں

فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ

پس کہے گا کیا جواب دیا تھا تم نے رسولوں کو پس پوشیدہ ہو جاویں گی ان پر

اس پر وہ مزعومہ آئمۃ الکفر جن پر فردِ جرم لگ چکی ہو گی پیش ہوں گے اور جواب دیں گے کہ بیشک ان لوگوں کو ہم نے گمراہ کیا لیکن ہم خود بھی گمراہ ہو چکے تھے۔آج ہم تیرے حضور اپنی گمراہی سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔لیکن یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! ہم ان کی عبادت تو نہ کرتے تھے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا! کیا ان کے کہنے پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ ٹھہراتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! ایسا تو تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا! بس یہی عبادت کرنا ہے۔(ترمذی بروایت عدی بن حاتم)یعنی اپنے سرداروں یا علماء کے کہنے پر خدائی احکام میں ردّ و بدل کرنا یا بعض خدائی اختیارات ان کی طرف منسوب کرنا یا ان کو خدائی میں شریک کرنا ہے یا یہ کہ انہوں نے ہماری عبادت نہیں کی بلکہ ہوا وہوس کو اپنا معبود بنایا اور بعض دنیوی مفاد کی خاطر ان کے پیچھے لگے۔

۶۵۔اب ان معبودانِ باطلہ کا ذکر کیا جن کو مشرکین واقعۃً پوجتے تھے۔ان پجاریوں کو کہا جائے گا کہ اپنے خود ساختہ شرکاء کو بلاؤ تا کہ اس مصیبت میں کچھ تو تمہاری مدد کریں۔اس لئے کہ دنیا میں تم انہی سے مدد مانگتے تھے۔وہ انہیں پکاریں گے لیکن وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیں گے۔پتھر کے وہ معبود جو دنیا میں نہیں بولے وہ یہاں کیا بولیں گے۔انہیں اپنی ہلاکت سامنے نظر آ رہی ہو گی۔کاش انہوں نے دنیا میں ہدایت کی راہ اختیار کی ہوتی اور شرک کا ارتکاب کر کے عذاب کے مستحق نہ ٹھہرتے۔

۶۶۔۶۷۔**عَمِیَت**۔وہ اندھی ہوئی۔**عمی علیه**۔اس پر مشتبہ ہو گیا۔

مشرکین سے ہی پرسش نہیں ہو گی بلکہ کفار سے بھی پوچھا جائے گا۔کہ جو رسول تمہاری ہدایت کے لئے بھیجے گئے تم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا۔اس دن ان پر خبریں پوشیدہ ہو

الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۷﴾ فَاَمَّا مَنْ
خبریں اس دن پس وہ نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے پس جس نے
تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ
توبہ کی اور ایمان لایا اور کی نیکی پس قریب ہے کہ وہ ہو
الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ
کامیابوں میں سے اور رب تیرا پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے
مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا
نہیں ہے ان کے لیے اختیار پاک ہے اللہ اور بلند ہوا اس سے جو
يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا
وہ شریک بناتے ہیں اور رب تیرا جانتا ہے اسے جو چھپاتے ہیں سینے ان کے اور جو

جائیں گی (اقرب) یعنی رسولوں نے ان سے جو باتیں کہیں یا جو مطالبات کئے انہیں کچھ یاد نہیں رہے گا۔ یا یہ کہ انکار کی ساری دلیلیں بھول جائیں گے۔ عذاب کو سامنے دیکھ کر ان پر اس قدر گھبراہٹ طاری ہوگی کہ ایک دوسرے سے بھی کچھ پوچھ نہیں سکیں گے۔

۶۸۔ پچھلی آیات میں مشرکین کے بدانجام کا ذکر تھا۔ اگلی آیات میں توحید اور اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا بیان ہے۔ یہاں مشرکین کے مقابلہ میں مفلحین کی صفات بیان فرمائیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو پچھلے تمام گناہوں پر نادم ہو کر آئندہ کے لئے گناہوں سے مکمل اجتناب کے مصمم ارادے کے ساتھ سچے دل سے ایمان قبول کریں گے، اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ پر عمل کرنے والے ہوں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل و احسان سے مفلحین میں شامل ہوں گے اور دنیا و آخرت میں بامراد ہوں گے۔

۶۹۔ **یختار**۔ وہ اختیار کرتا ہے۔ وہ چنتا ہے۔ **الخِیَرَةُ**۔ اختیار۔ فضیلت۔

باری تعالیٰ کی صفات میں سے اس کی صفتِ خلق بیان فرمائی کہ تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ محض پیدا کرنا ہی اس کی غرض نہیں۔ بندوں کو پیدا کر کے اپنی صفتِ ربوبیت کے تحت ان کی ہدایت اور تربیت کے لئے ان میں سے جسے چاہتا ہے اپنا رسول منتخب کرتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ان کے مزعومہ شرکاء کو ہرگز کوئی اختیار نہیں۔ وہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں نہ دیگر خدائی صفات کے حامل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی پاک ذات جو مختارِ کُل اور خیر الفاصلین ہے وہ ان بے اختیار و بے بس معبودانِ باطلہ سے بہت بلند و بالا ہے۔

يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى
وہ ظاہر کرتے ہیں اور وہ اللہ ہے نہیں کوئی خدا سوائے اسکے اس کیلئے ہے سب تعریف
الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۱﴾
دنیا اور آخرت میں اور اس کے لیے ہے حکومت اور طرف اسکی تم لوٹائے جاؤ گے
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى
تو کہدے بتاؤ تو سہی اگر کردے اللہ تم پر رات ہمیشہ تا
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ
روز قیامت کونسا خدا سوائے اللہ کے لادے گا تمہارے پاس روشنی
اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۲﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ
کیا پس نہیں تم سنتے تو کہدے بتاؤ تو سہی اگر کردے اللہ

۷۰۔ وہ خالق و مالک ان کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور ان تدبیروں کو بھی جو وہ اسلام اور بانی اسلام کے خلاف ظاہر کر رہے ہیں۔ توحید کے مقابلہ میں ان کی ظاہری و مخفی تدابیر انہیں کامیابی سے ہمکنار نہیں کر سکتیں۔ اور بالآخر ایسا ہی وقوع میں آیا۔

۷۱۔ توحید باری تعالیٰ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ بیان فرمائیں کہ جب وہ خالق و مختار ہے تو عبادت کا سزاوار بھی وہی ہے نہ کہ ان کے بے اختیار [illegible] معبود۔ فرمایا ابتدا میں بھی تعریف کا مستحق وہی ہے اور آخرت میں بھی تعریف کے لائق وہی ہے۔ بقول حضرت مصلح موعودؓ (تفسیر کبیر) اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت اور رحیمیت کی طرف اشارہ ہے۔ رحمانیت کا تعلق آغاز سے ہے جبکہ رحیمیت کا انجام سے۔ رحمانیت کے تحت انسان کا خلق، اس کی ضروریات کے لئے تمام ضروری اشیاء کا اس کی پیدائش سے پہلے پیدا کر دینا۔ نیز جسمانی ضروریات کے علاوہ روحانی ضروریات کے لئے انبیاء کو مبعوث کرنا اسے حمد کا مستحق بناتا ہے۔ آخرت میں بھی وہی تعریف کا حقدار ہے جہاں بندوں کو اُن کے اعمال کا بہترین بدلہ دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت کا کامل ظہور ہوگا۔ اس میں یہ خبر بھی ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کا حق کماحقہٗ ادا کیا جائے گا اور آخری زمانہ میں بھی جب اسلام کا مقابلہ یاجوج و ماجوج سے ہوگا اور ان کو زیر کر کے اللہ تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم کی جائے گی۔ پس فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ گویا ہر چیز کو فنا ہے۔ صرف ایک ذاتِ باری تعالیٰ ہے جو باقی رہنے والی ہے۔

۷۲۔ **سرمدًا**۔ ہمیشہ۔ دائم۔ **قل اَرَءیتم** میں دنیا کی بے اختیاری ظاہر فرمائی ہے۔

عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ

تم پر دن ہمیشہ تا روز قیامت کونسا خدا ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا

سوائے اللہ کے لادے گا تمہارے پاس رات کہ آرام کرو تم اس میں کیا پس نہیں

تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

تم دیکھتے اور اپنی رحمت سے اس نے بنائے تمہارے لیے رات اور دن

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

تاکہ آرام پاؤ تم اس میں اور تاکہ چاہو تم فضل اس کا اور تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

شکر کرو اور جس دن پکارے گا انہیں پس کہے گا کہاں ہیں شریک میرے

اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتوں میں سے رات اور دن کا ذکر کیا کہ اگر رات کو اللہ تعالیٰ قیامت تک لمبا کر دے تو تمہارے سارے معبود مل کر بھی دن کی روشنی کو نہیں لا سکتے۔ پس اگر اندھیروں میں تمہیں کچھ بجھائی نہیں دیتا تو کیا سننے سے بھی محروم ہو گئے ہو جو خدائی آواز کا جواب نہیں دیتے۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نبوت کی روشنی قیامت تک تم سے دور کر دیتا تو تم گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے رہتے۔ اب جب کہ تمہارے پاس نبی آ گیا ہے جو تمہیں جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم و عرفان کی روشنی سے روشناس کرواتا ہے۔ وہ تمہیں خدائی باتیں بتاتا ہے اور خدا کے حکم سے نجات کی تعلیم دیتا ہے۔ تم کیوں سنتے نہیں؟

٧٣۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے دن کو قیامت تک دراز کر دے تو اس کے سوا کون ہے جو رات کو لے آئے۔ جس میں تم آرام و سکون حاصل کرو۔ دن کے حوالے سے فرمایا کہ کیا تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ رات کی صفات میں بتلایا کہ رات آرام اور تسکین حاصل کرنے کے لئے ہے اور رات ہی ہے جس میں بندہ صاحبِ بصیرت ہو سکتا ہے۔

٧٤۔ قرآنِ کریم نے روحانی فوائد کے علاوہ مختلف دنیوی فوائد کے حصول کو بھی فضل قرار دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمتوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لئے رات اور دن بنائے۔ دن اور رات کا مقررہ وقت پر ظہور یعنی اگر سورج آج اتنے بجے طلوع ہُوا اور اتنے بجے غروب ہُوا تو سال بعد ٹھیک آج کے دن اسی وقت پر سورج کا طلوع و غروب ہو گا۔ اگر چند لمحوں کا فرق پڑتا ہے تو وہ بھی سائنس کے حساب سے قاعدہ اور قانون کے تحت ہے۔ کیا اس سے تم اس نتیجہ پر نہیں پہنچتے کہ

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

وہ کہ جن کو تھے تم گمان کرتے اور نکالیں گے ہم ہر امت میں سے

شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ

ایک گواہ پھر کہیں گے ہم لاؤ اپنی دلیل پس وہ جان لیں گے کہ

الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ اِنَّ ع ١٥

حق اللہ کے لیے ہے اور کھویا جاوے گا ان سے جو تھے وہ افترا کرتے یقیناً ١٠

کائنات میں صرف ایک ہی ہستی کا قانون کار فرما ہے اور وہ خدا کی ذات ہے۔ تمہارے معبودوں کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ پس رات اور دن کے ادل بدل کر آنے پر ہی زندگی کا مدار ہے ورنہ زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ ہماری زمین اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و احسان سے نصف روشن اور نصف تاریکی میں رہتی ہے ورنہ ایسے کُرے بھی ہیں جو ہمیشہ روشنی یا اندھیرے میں رہتے ہیں وہاں زندگی کا وجود نہیں۔ انسان کو دن بھر کی دماغی اور جسمانی محنت و مشقت کے بعد ضرورت ہوتی ہے کہ وہ رات کو آرام کر کے اپنی کھوئی ہوئی توانائی کو بحال کرے اور اگلے دن تر و تازہ ہو کر اپنے کام کی ابتدا کرے اور سامانِ معیشت کی فراہمی کے لئے تگ و دو کرے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ان تمام احسانات اور انعامات پر اس کے شکر گزار بنو۔ رات کے ساتھ سکون اور دن کے ساتھ فضل کو لازم کیا کیونکہ مختلف کاروبار کے ذریعہ مال و دولت یا دنیوی فوائد حاصل کرنا عام طور پر دن ہی سے وابستہ ہیں۔

٧٥۔ اللہ تعالیٰ کے بے حد و حساب احسانات و انعامات کے بیان کے بعد پھر اس رکوع کے ابتدائی مضمون کی طرف رجوع فرمایا۔ کہ اپنے وہ مزعومہ معبود لاؤ جن کو بعض خدائی صفات میں شریک گردانتے تھے۔

٧٦۔ پہلے مشرکین سے باز پرس کا ذکر تھا (آیت:٦٦) یہاں انبیاء علیہم السلام سے شہادت دلوانا مقصود ہے۔ فرمایا ہم ہر قوم میں سے اس کے نبی کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ جو مشرکوں کے خلاف گواہی دے گا کہ میں نے انہیں ہرگز شرک کی تعلیم نہیں دی۔ پھر اللہ تعالیٰ مشرکین سے فرمائے گا کہ شرک کی تائید میں کوئی دلیل لاؤ جس کی بنا پر شرک کو جائز قرار دیتے تھے۔ مشرکین اس وقت عین الیقین کے مقام پر ہوں گے۔ پس وہ لاجواب ہو کر تسلیم کریں گے کہ خدائی کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس میں کوئی شریک نہیں اور وہ تمام افترا پردازیاں بھول جائیں گے۔ یہ بھی مراد ہے کہ ان کے وہ اعمال رائیگاں جائیں گے جن کی بنیاد افترا پر تھی۔

قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ
قارون تھا قوم میں سے موسیٰ کی پس زیادتی کی اس نے ان پر اور دیا تھا ہم نے

مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی
اُسے خزانوں میں سے اس قدر کہ یقیناً کنجیاں اس کی البتہ تھکا دیتی تھی جماعت

الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا
طاقت والی کو جب کہا اسے قوم نے اس کی نہ اکڑ یقیناً اللہ نہیں

يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ
پسند کرتا اکڑنے والوں کو اور طلب کر اس میں جو دیا تجھے اللہ نے گھر

۷۷۔ تنوءُ۔ وہ تھکاتی ہے۔

اس رکوع میں قارون کا ذکر ہے جس نے اپنے ہی بھائی بندوں پر ظلم کیا، کثرت مال کی وجہ سے بے حد متکبر ہو گیا اور آخر تباہ ہوا۔ اس سورۃ میں پہلے حضرت موسیٰ ؑ کا قصہ تفصیلاً بیان فرمایا جس میں فرعون اور اہل فرعون کے غرق ہونے کا ذکر ہے۔ پھر بعض ایسی بستیوں کا ذکر کیا جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں اور ان کے انجام سے آگاہ کیا۔ اب سورۃ کے آخر میں قارون کی تباہی کا ذکر کیا جو اپنے خزانوں کی وجہ سے نہ صرف متکبر ہوا بلکہ ظالم بھی ہو گیا۔ فرعون کی حکومت میں ہامان اور قارون کو ایک خاص مقام حاصل تھا ہامان وزیر اعظم اور ملک کا کاہنِ اعظم تھا جس کے پاس ذاتی فوج بھی تھی۔ آیت: ۷۶۔ قارون بنی اسرائیل میں سے تھا اور مفسرین کے نزدیک حضرت موسیٰ ؑ کا چچا زاد بھائی یا قریبی رشتہ دار تھا اور فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مقرر تھا۔ یہ مہتمم خزانہ جات تھا اور خود بے پناہ دولت کا مالک تھا۔ عطاء سے روایت ہے کہ اسے حضرت یوسف ؑ کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا۔ (روح المعانی) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خزانے اس نے اپنے خاص علم و ہنر اور تدبیر سے حاصل کیے ہوں۔ آیت: ۷۸۔ اس نے فرعون و ہامان کے ساتھ حضرت موسیٰ ؑ کے پیغام کو ٹھکرایا۔ (مومن: ۲) اپنی ہی قوم کے خلاف ظلم پر آمادہ ہو گیا اور مال کی فراوانی نے اسے متکبر اور ظالم و جابر بنا دیا۔ فرمایا ہم نے اسے اتنے خزانے دیے کہ ان کی کنجیاں اٹھانا ایک مضبوط جماعت کے لئے بھی مشکل تھا۔ دراصل ازمنہ قدیم میں لکڑی یا لوہے کے بہت بڑے بڑے تالے بنائے جاتے تھے۔ جن کی بڑی اور بھاری کنجیاں ہوتی تھیں۔ اس زمانہ میں سفر مہینوں میں طے ہوتے تھے۔ بادشاہ سفر کرتے تو مختلف اخراجات کے لئے عموماً خزانے کے بہت سے بھاری صندوق ساتھ لے کر چلتے تا کہ سپاہیوں کو تنخواہیں دی جا سکیں اور رسد وغیرہ خریدی جا سکے ممکن ہے حفاظت کے

الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ
آخری اور نہ بھول حصہ اپنا دنیا سے اور احسان کر جیسا کہ

اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ۖ اِنَّ
احسان کیا اللہ نے تجھ پر اور نہ چاہ فساد زمین میں یقیناً

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى
اللہ نہیں پسند کرتا فساد کرنے والوں کو اس نے کہا سوائے اس کے نہیں کہ میں دیا گیا ہوں وہ (مال)

پیش نظر ساتھ رکھتے ہوں۔ پس ان صندوقوں کی بھاری کنجیوں کو اٹھانا ایک مضبوط جماعت کے لئے بھی مشکل تھا۔ روایت ہے کہ قارون کے خزانوں کی یہ کنجیاں چالیس خچروں پر لادی جاتی تھیں۔ بائبل نے تو مبالغہ آمیزی میں حد کر دی اور ان خچروں کی تعداد ۳۰۰ تک بڑھا دی۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۷ صفحہ ۵۵۶)

قارون کو اس اہم عہدہ پر فائز کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اقتصادیات کا ماہر ہو۔ حضرت یوسف ؑ نے بھی فرعون کا وزیر خزانہ بننا پسند فرمایا تھا اور نہایت عمدگی اور فراست سے مملکت کا نظم و نسق چلایا تھا۔ عین ممکن ہے بنی اسرائیل اقتصادیات میں خاص ملکہ رکھتے ہوں اور فراعین ان کے ماہرین سے استفادہ کرتے ہوں جیسا کہ آج بھی یہود دنیا کی اقتصادیات پر حاوی ہیں۔ جب قارون تکبر کی وجہ سے اپنی ہی قوم کو ذلیل سمجھنے لگا اور ان پر ظلم کرنے لگا تو اس کی قوم کے نیک افراد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ اتنا تکبر نہ کرو۔ یقیناً اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

۷۸۔ یہ بھی نصیحت کی کہ اپنی اس دولت کو اس طرح خرچ کر کہ آخرت کا گھر نصیب ہو جائے۔ آخرت کے حصول کے حکم میں یہ معنی نہیں کہ دنیا کو بالکل ہی چھوڑ دے اور تمام دولت خدائی کاموں میں خرچ کر دے۔ بلکہ اس کا ایک حصہ خود پر اور اپنے اہل و عیال پر بھی خرچ کر۔ گناہ اس میں ہے کہ آخرت کے گھر کو بالکل بھلا کر محض دنیا کو ہی اپنا مطلوب و مقصود بنا لو۔ قارون جو دولت کے نشہ میں اخلاقی اقدار سے بے بہرہ تھا اسے یہ بھی نصیحت کی کہ بندگانِ خدا پر اسی طرح احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص احسان یہ تھا کہ قارون کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ طاقتیں، صلاحیتیں اور مواقع میسر آئے جن کی بنا پر وہ اس مقام پر پہنچا۔ پس وہ بندگانِ خدا کو بھی اس مقام تک پہنچانے میں ان کی مدد کرے اور اپنی ضروریات کی مناسب تکمیل کے بعد اپنی دولت کو ان کی فلاح و بہبود پر خرچ کرے تا کہ وہ بھی معاشرہ میں ایک باعزت مقام حاصل کر سکیں

عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ
بوجہ علم کے جو میرے پاس ہے کیا نہیں اس نے جانا کہ اللہ نے یقیناً ہلاک کیا

قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ
پہلے اس کے قوموں میں سے انہیں کہ جو زیادہ سخت تھے اس سے قوت میں اور زیادہ تھے

جَمْعًا ؕ وَلَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۷۹ فَخَرَجَ
جمعیت میں اور نہ پوچھے جائیں گے متعلق اپنے گناہوں کے مجرم پس وہ نکلا

اور امیر و غریب کا تفاوت کم ہو اور ایک پُر سکون معاشرہ وجود میں آئے۔ اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں کرتا اس لئے کہ اسے اپنے بندے بہت پیارے ہیں۔ جو فساد برپا کر کے ان کی تکالیف کا موجب بنے اللہ تعالیٰ اسے کیونکر پسند کر سکتا ہے۔ فساد یہ بھی ہے کہ چند افراد ساری دولت سمیٹ کر امیر ترین بن جائیں اور دیگر بندگانِ خدا زندگی کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مفسدین کو پسند نہیں کرتا اس لئے اگر تم اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو تباہی اور بربادی لازماً تمہارا انجام ہوگی۔

۷۹۔ قارون نے نہایت متکبرانہ جواب دیا کہ یہ سب کچھ مجھے اپنی ذاتی کوشش اور علم کی بنا پر ملا ہے۔ اس کے مقابلہ میں قرآنِ کریم میں اللہ کے بندے حضرت سلیمانؑ کا قول درج ہے۔ جو اس سے کہیں زیادہ دولت، عزت اور جاہ و جلال کے مالک اور بنی اسرائیل کے سب سے عظیم حکمران تھے۔ آپ نے فرمایا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۔ کہ یہ سب میرے ربّ کی عطا ہے۔ یہی بنیادی فرق ہے ایک مومن اور ایک کافر میں۔ مومن ہر شے کو اللہ کی نعمت اور اس کا احسان سمجھتا ہے اور اپنے ربّ کا شکر ادا کرتا ہے جبکہ کافر ہر نعمت کو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے۔ غرض وہ اس خالق و مالک کو بھول گیا جس نے یہ دماغ، صلاحیتیں، علم و ہنر، قوتِ کسب اور ذرائع و اسباب عطا فرمائے۔ دنیوی علوم پر اعلیٰ ترین دسترس رکھنے والے کو یہ یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی ایسی نسلوں کو ہلاک کر دیا جو قوت و حشمت میں اس سے سخت تر اور جمعیت میں اس سے بہت زیادہ تھیں مگر یہ قوت و جتھہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔ علم کی نسبت قوت و جتھہ، دنیوی بقا اور تکبر و گھمنڈ کو زیادہ فروغ دینے والا ہے۔ قوت و جتھا کے حامل نہ بچے۔ تو علم پر نازاں پھرتا ہے۔

فرمایا مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت پرسش نہیں ہوگی۔ یہاں دنیوی سزاؤں کا ذکر ہے جو اچانک آ پکڑتی ہیں ورنہ آخرت کی پوچھ گچھ کا ذکر ابھی گزرا ہے۔ بعض جگہ آخرت میں بھی نہ پوچھنے کا ذکر ہے اور یہ کہ وہ اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے۔ (رحمٰن: ۴۰،۴۲) نیز برائی کرنے والوں کے اعضاء خود اپنے اعمال کا اقرار کرتے ہوئے بولیں گے (۳۶-۶۶)

عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ
اپنی قوم پر اپنی زینت میں کہا ان لوگوں نے جو چاہتے تھے

الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ
زندگی ورلی اے کاش ہو ہمارے لیے مانند اس کی جو دیا گیا قارون

اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝۸۰ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
یقیناً وہ البتہ بڑے نصیبہ والا ہے اور کہا ان لوگوں نے جو دیئے گئے علم

وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا
افسوس تم پر ثواب اللہ کا ہے بہتر اس شخص کے لیے جو ایمان لایا اور کی نیکی اور نہیں

یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝۸۱ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ
سکھلائی جاتی یہ بات مگر صبر کرنے والوں کو پس دھنسا دیا ہم نے اُسے اور گھر کو اسکے زمین میں

اسلام نے تکبر کی شدید مذمت کی ہے۔ اس لئے کہ عنایاتِ الٰہی کو اپنے ربّ کی عطا اور احسان سمجھنے والا اپنے ربّ کے حضور زیادہ جھکے گا اور اس کے قرب کو حاصل کرے گا۔ جو ان انعامات کو اپنا کمال سمجھے گا وہ تکبر میں مبتلا ہوگا اور خدا سے دور ہوتا چلا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ''انسان کے نفسِ امارہ میں کئی قسم کی پلیدیاں ہوتی ہیں لیکن سب سے زیادہ تکبر کی پلیدی ہے۔''

۸۰۔ پہلے بعض مضبوط ایمان والوں کی نصائح کا ذکر کیا۔ اب چند کمزور ایمان والوں کا حال بیان فرمایا جو دنیوی مال و دولت کی فراوانی کے متمنی تھے۔ یہاں ایک دنیوی نقشہ کھینچا کہ جب قارون کو شاہانہ سج دھج اور شان و شوکت سے باہر نکلتے دیکھا تو بنی اسرائیل میں سے جو ایمان کی دولت سے بے بہرہ یا کمزور ایمان والے تھے اور ان کے پیش نظر دنیوی مفاد تھا وہ بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ کاش ہمارے لئے بھی ویسا ہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا۔ یقیناً وہ بڑے نصیب والا ہے۔

۸۱۔ لیکن بنی اسرائیل میں سے صاحبِ علم لوگوں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے کہ ظاہری کرّ و فر دیکھ کر تمہاری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ یہ چند روزہ مال و متاع جو قارون کو ملا اس کی کیا حقیقت ہے جب کہ اللہ کی طرف سے ملنے والی جزا ایمان لانے والوں اور اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کے لئے بہت بہتر ہے۔ اللہ کا ثواب وہ دنیوی و اخروی اجر ہے جو ایمان لانے اور عمل صالحہ بجا لانے والوں میں سے بھی کامل طور پر ان کو ملتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔ صبر کی تشریح آیت ۵۵ میں گزر چکی ہے۔ غرض ان انعامات کا مستحق بننے کے لئے بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ صابرین وہ

فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا
پس نہ تھی اس کیلئے کوئی جماعت کہ وہ مدد کرتے اس کی بجز اللہ کے اور نہ
كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا
تھا وہ مدد طلب کرنیوالوں میں سے اور صبح کی ان لوگوں نے جنہوں نے تمنا کی تھی
مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
مرتبہ کی اس کے کل کہتے تھے تعجب ہے اللہ کشادہ کرتا ہے
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ
رزق جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے اگر نہ ہوتا

تھے جنہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں اور مال و متاع کو خواہ کثیر ہو یا قلیل اپنی ضروریات کو پس انداز کر کے بندگانِ خدا کی بہبود پر خرچ کیا، قناعت کو اپنا شیوہ بنایا اور مشکل ترین مراحل میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا۔

ولا یلقّٰھا الّا الصّٰبرون٥ کے یہ بھی معنی ہیں کہ صبر کرنے والوں کے سوا کوئی نہیں جسے ان تمام امور کی معرفت دی گئی۔

۸۲۔ **خَسَفَ**۔ زمین میں دھنسا۔ چاند گرہن لگا۔ **خسفنا**۔ ہم نے دھنسا دیا۔

خدائی غضب بعض دفعہ عالمگیر اور قومی ہوتا ہے، بعض دفعہ انفرادی۔ قارون انفرادی غضب کا شکار ہوا تا اس کی دولت کو حسرت کی نظر سے دیکھنے والے نصیحت حاصل کریں۔ بائبل کے مطابق زلزلہ سے زمین پھٹی اور قارون مع اپنے ساتھیوں کے اس میں دھنس گیا۔ کوئی گروہ اللہ کے مقابل پر اس کی مدد نہ کر سکا۔ گویا اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ مدد طلب کرتا یا مدد پہنچتی اور نہ اس کی کوئی ہنرمندی اسے اس تباہی سے بچا سکی۔ لوگوں پر ظلم و ستم کرنے والا اور ان کو اپنے انتقام کا نشانہ بنانے والا کسی سے بدلہ نہ لے سکا۔ پس فرعون پانی میں غرق ہوا اور قارون جیسا خود سر اور بد دماغ انسان جو انسانیت کے نام پر دھبہ تھا، اپنے مال و منال اور محلات سمیت زمین میں دھنس گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دینِ حق محروم افتادگانِ خاک اور مستضعفین کو ابھارنے اور پسماندہ مخلوقِ خدا کی حالت کو تبدیل کرنے کا علمبردار ہے۔ وہ جبر و استیصال کی تینوں علامتوں یعنی فرعونیت، ہامانیت اور قارونیت کو محض اللہ کے فضل سے مٹا کر معاشرے میں پسے ہوئے بندگانِ خدا کو سرفراز کرتا ہے۔ ان واقعات میں کفارِ مکہ کو یہی بتلانا مقصود تھا۔

۸۳۔ وہ لوگ جو کل تک اس کے مقام کی تمنا کرتے تھے بے اختیار پکار اٹھے ہائے افسوس!

اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۗ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
یہ کہ احسان کیا اللہ نے ہم پر البتہ دھنسا دیتا ہمیں تعجب ہے کہ نہیں کامیاب ہوتے
ع ۸ ۷ ۱۱ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ
کافر یہ گھر پچھلا ہم بناتے ہیں اسے ان لوگوں کے لیے جو
لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۗ وَالْعَاقِبَةُ
نہیں چاہتے بڑائی زمین میں اور نہ فساد اور انجام
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَ
متقیوں کے لیے ہے جو شخص لائے گا نیکی تو اسکے لیے بہتر بدلہ ہے اس سے اور

ہماری ناسمجھی کہ ہم قارون کی ظاہری شان و شوکت پر رشک کرتے تھے۔ حالانکہ مال و دولت کی فراخی و تنگی کا مدار خوش قسمتی یا بد قسمتی پر نہیں ہوتا اور نہ یہ نیکی کا معیار ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے قانونِ مشیت کے مطابق ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کئی مصلحتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ امیر ترین آدمی بھی اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو سکتا ہے اور انتہائی تنگدست بھی۔ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں زیادہ تعداد غرباء کی ہی ہوتی ہے۔ درحقیقت مقربانِ الٰہی کی نظر میں مال و دولت کی اہمیت ایک پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات ان کی تنگی ہی ان کے لئے قربِ الٰہی کا موجب بنتی ہے۔ ان پر اللہ کا احسان یہ تھا کہ وہ قارون کے ساتھی نہ تھے اس لئے اس جیسے اعمال سے بچے رہے ورنہ ان کا [illegible] بھی وہی ہوتا۔

علیٰ وجہ البصیرت یہ ان پر کھل چکا تھا کہ دولت کو خزانوں میں بند رکھنے والے اور بندگانِ خدا کی ضروریات کے لئے کھلا نہ رکھنے والے ناشکرے لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ فلاح اپنے مقاصد میں بامراد ہونا ہے۔ مخالفینِ انبیاء عارضی کامیابیوں سے تو ہمکنار ہو سکتے ہیں، فلاح کا مقام حاصل نہیں کر سکتے اور انبیاء کے مقابلہ میں ہمیشہ تباہ ہوتے ہیں۔

۸۴۔ اس آخری رکوع میں آنحضرت ﷺ کے ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ واپس آنے کی پیشگوئی فرمائی۔ فرعون ہو یا قارون جو بھی زمین میں تکبر اور فتنہ کی راہ اختیار کرے گا وہ دارِ آخرت سے محروم رہے گا۔ تکبر ظلم کی راہ ہموار کرتا ہے ظلم اور فتنہ و فساد سے گو عارضی فوائد حاصل کر بھی لیں۔ انجام فرعون اور قارون کی طرح حسرتناک ہوگا۔ یہ وہ ابدی حقیقت ہے جو روزِ ازل سے صادق آتی رہی ہے۔ اُخروی زندگی کے انعامات بھی انہی کے لئے مخصوص ہیں جو قارون کی طرح ساری دولت سمیٹ کر لوگوں کو ذلیل کر کے خود بڑے نہیں بنتے نہ ان کی طرح ملک میں فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ فساد کی اصل جڑ خود کو افضل و اعلیٰ اور بندگانِ خدا کو ذلیل سمجھنے میں مضمر ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ

جوشخص لاوے گا بدی تو نہ بدلہ دیا جاویگا ان لوگوں کو جنہوں نے کیں بدیاں

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ

مگر اسکا جو تھے وہ کرتے یقیناً وہ جس نے فرض کیا تجھ پر

الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ

قرآن البتہ لوٹانے والا ہے تجھے طرف مکہ کی تو کہہ رب میرا زیادہ جانتا ہے اسے جو لایا

بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۶﴾ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا

ہدایت اور اسے جو گمراہی کھلی کھلی میں ہے اور نہ تھا تو امید رکھتا

حقیقت میں بڑائی کے مستحق اللہ کے وہ عاجز بندے ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے اور گناہوں سے بچنے والے ہیں۔پس آخرت کا نیک انجام ان متقین کے لئے ہی ہے۔

۸۵۔خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ فرعون و قارون جیسے دشمنانِ خدا کو ان کے جرائم سے بہت زیادہ سزا ملے گی۔اس لئے اس آیت میں احکم الحاکمین نے جزا و سزا کے معاملہ میں اپنا قانون بیان فرما دیا۔کہ فرعون ہو یا قارون سب کے ساتھ انصاف ہو گا۔بدی کا بدلہ اتنا ہی ملے گا جتنی بدی کا ارتکاب کیا ہو گا۔ہاں نیکی کا بدلہ اس نیکی سے بہت زیادہ ہو گا۔حقیقت میں تو اُس ربّ رحیم کی طرف سے نیکی کی جزا نہ بھی ملتی تو اس کے انصاف پر کوئی حرف نہ آتا کیونکہ صلاحیتیں اس کی عطا کردہ ہیں، مواقع اس نے میسر فرمائے۔توفیق اس نے دی۔بندے کا تو اس میں ایک ذرہ بھر بھی کمال نہیں تھا۔لیکن اس محسنِ حقیقی نے نہ چاہا کہ اپنے بندوں کو ان کی کوششوں پر اجر سے محروم رکھے لہٰذا ان پر احسان کرتے ہوئے ان کی ہر نیکی پر کم از کم دس سے ستر گنا یا بے حد و حساب اجر عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔وہ رحیم و کریم چاہے تو اپنے بندے پر رحم کرتے ہوئے سزا کو کم کر دے یا کلیۃً معاف کر دے بدی کے ارادہ پر کوئی سزا نہیں اگر بدی کا ارتکاب کر لیا گیا تو اُس کے برابر سزا ملے گی۔اگر ارادہ ترک کر دیا تو ایک نیکی کا اجر ملے گا۔نیکی کے ارادہ پر بھی اجر ہے خواہ اس پر عمل نہ ہُوا ہو۔(مسلم کتاب الایمان باب اذا ھم العبد بحسنۃ بروایت حضرت ابن عباسؓ)

۸۶۔**لام** (حرفِ جر ہے) واسطے۔قسم ہے۔**معاد(عود)** کسی چیز کے پھر جانے کے بعد اس کی طرف لوٹ آنا ہے۔یہاں مراد مکّہ ہے (امام راغب۔بخاری بروایت ابنِ عباسؓ) اس آیت میں بتایا کہ قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس پر عمل ہی کامیابی کی راہ ہموار کرے گا۔اس سورۃ میں حضرت موسیٰؑ کا چُھپ کر مدین کو بھاگ جانا، وہاں آٹھ یا دس سال رہنا، پھر مصر واپس آنا۔یہ

اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا

کہ اتاری جاویگی طرف تیری کتاب مگر رحمت طرف سے رب کی تیرے پس نہ

تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ

ہو تو ہرگز مددگار کافروں کا اور نہ روکیں وہ تجھے

سب اسی لئے بیان فرمایا کہ یہی حالات آپ ﷺ کو بھی پیش آنے والے تھے جو موسیٰؑ سے آپ ﷺ کی مماثلت کو ثابت کرتے تھے۔فرعون و قارون کے ذکر میں سردارانِ مکّہ کا انجام بتانا مقصود تھا۔ اب سورۃ کے آخر میں مکّہ میں اقامت کے دوران پیشگوئی فرمائی کہ وہ خدا جس نے تجھ پر قرآنِ کریم فرض کیا ہے یعنی اس کے احکام ان پر عمل اور اس کی تبلیغ کو فرض کیا ہے۔وہ اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ تجھے اس مقام کی طرف ضرور واپس لائے گا جو مرجعِ خاص و عام ہے۔لوگ حج، عُمرہ اور حصولِ ثواب کے لئے یہاں بار بار لوٹ کر آتے ہیں۔آپ ﷺ کے واپس لوٹ کر آنے میں لطیف انداز میں ہجرت کی پیشگوئی فرمائی تا کہ وطن چھوڑنا طبیعت پر گراں نہ گزرے اس میں یہ بھی پیشگوئی ہے کہ تو مکّہ سے جا کر پھر فاتحانہ انداز میں مکّہ میں داخل ہو گا۔مگر اُس وقت مکّہ تیرے لئے جائے قرار نہیں ہو گا اور تو پھر اسی جگہ لوٹ جائے گا جہاں سے آیا ہو گا۔جب اللہ ہدایتؔ لے کر آنے والے کو جانتا ہے اور اس کو بھی جو ہدایت قبول نہ کر کے کھلی گمراہی میں مبتلا۔پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہیں تمہارے وطن سے نکال کر یہ کامیاب ہو جائیں اور تو نامراد رہے۔ضروری ہے کہ ہدایت لے کر آنے والا ہی بامراد ہو اور اس کے دشمن ہلاک ہوں۔جیسا کہ اس سورۃ میں بار بار اس حقیقت کو پیش کیا۔

۸۷۔**الکتاب**۔کامل کتاب۔عربی میں جس چیز پر الف لام ہو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ذات میں کامل ہے۔پس یہ کتاب تمام روحانی ضرورتوں کا سامان کامل طور پر اپنے اندر رکھتی ہے نیز دینی علوم کے علاوہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔جس میں علمی، عقلی، روحانی، مادی، سیاسی، اقتصادی غرض ہر پہلو پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔

آنحضرت ﷺ کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ ﷺ پر ایک کامل کتاب نازل کی جائے گی۔کلیۃً بے نفسی کی حالت میں یہ عظیم کام آپ ﷺ کو سونپا گیا۔یہ آپ ﷺ پر اپنے ربّ کی بے پایاں رحمت تھی کہ موسیٰؑ کی پیشگوئیوں کے مطابق آخری شریعت آپ ﷺ پر نازل ہوئی جو

اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَ

آیات سے اللہ کی بعد اس کے کہ اُتاری گئیں طرف تیری اور بلا طرف اپنے رب کی اور

لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

ہو تو ہرگز مشرکوں میں سے اور نہ پکار ساتھ اللہ کے کوئی خدا

اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

دوسرا نہیں کوئی خدا سوائے اسکے ہر چیز ہلاک ہونیوالی ہے سوائے ذات کے اس کی

قیامت تک کے لئے بندگانِ خدا کی ہدایت اور راہنمائی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔فرمایا تو ہرگز کافروں کا مددگار نہ بن۔ کافروں کی مدد کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔یہاں بھی قرآنی اسلوب کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب میں اصل مخاطب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے یعنی کبھی ایسا نہ ہو کہ تم اس کتاب کے علوم سے غفلت اختیار کرو،اس پر غور و فکر چھوڑ دو،اس کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ میں سستی دکھاؤ۔اس طرح کفار کو موقع دو کہ وہ اس کتاب کو ہلکا ثابت کرنے کے درپے ہوں اور تم اپنی نااہلی سے نادانستہ طور پر کفار کے مددگار ثابت ہو جاؤ۔

۸۸۔اس آیت میں بتایا کہ تمہیں احکامِ الٰہی پر عمل کرنے سے روکا جائے گا۔یہ اُس زمانہ میں بھی تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تک کی ادائیگی سے روکا جارہا تھا اور یہ آیت آج کے حالات پر بھی اطلاق پا رہی ہے۔لیکن اے میرے محبوب! تو نے ان کے روکنے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نہ صرف خود ان احکام پر عمل کرنا ہے بلکہ ان سخت نامساعد حالات میں میرے بندوں کو بھی اپنے ربّ کی طرف بلانا ہے۔یعنی تبلیغ و اشاعتِ دین میں ہرگز سستی نہیں کرنی۔مشرکوں میں سے نہ ہو میں پچھلی آیت والا مضمون ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے خطاب ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو دعویٰ نبوت سے قبل بھی شرک کے قریب تک نہیں گئے۔

اس میں مخفی اشارہ یہ بھی ہے کہ آخری زمانہ میں تمہارا واسطہ مشرکوں سے پڑے گا جس سے مراد نصاریٰ ہیں۔اگر امت کی تربیت میں سستی دکھائی تو امت ان کا رنگ ڈھنگ اختیار کر لے گی۔ یہ بھی مراد ہے کہ اگر عالمی تبلیغ میں کوتاہی کی تو بندگان خدا نصاریٰ کے پادریوں (مشنریوں) کے جال میں پھنس جائیں گے اور یہ غلبہ اسلام میں رکاوٹ کا باعث ہوگا۔

۸۹۔اشاعت اسلام کے حکم میں عیسائیوں کا ذکر تھا جن کے ساتھ مسیح موعود کے زمانہ میں آخری جنگ تھی۔اس لئے قرآنِ کریم نے ان کے شرک کی بار بار تردید فرمائی۔فرمایا مسیح سمیت ہر چیز

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع ۹ ۱۲

اس کیلئے حکومت ہے اور طرف اسکی لوٹائے جاؤگے تم

فنا ہونے والی ہے سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے۔حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو مشرکوں سے ڈرنے کا کیا جواز ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سورۃ کی اس آخری آیت کے نہایت لطیف معنی بیان فرمائے۔فرمایا! جب اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور باقی وہی رہے گا جس کی طرف اُس کی توجہ ہوگی تو کیوں نہ اس کی ذات میں محو ہو کر دائمی اور ابدی زندگی پائیں۔فرمایا جو لوگ **وجہ اللہ** میں محو ہو کر مرتے ہیں وہ بباعث اس اتصال کے جو ان کو حضرتِ احدیت سے ہو جاتا ہے دوبارہ زندہ کئے جاتے ہیں اور ان کی زندگی خدا کی زندگی کا ایک ظِل ہوتی ہے وہ ابدی زندگی پاتے ہیں۔ ایسے مقربین دنیا میں بھی خدا نما وجود ہوتے ہیں۔(چشمۂ معرفت صفحہ ۱۸۸،۱۵۷ سے استفادہ کیا گیا)

☆☆☆

حوالہ جات

صفحہ نمبر

۳۵۴ پانچ کا ذکر کیا (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۰۳ء ص ۱۰)

۳۴۰ چھت گرنے کا واقع سیالکوٹ میں پیش آیا (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۰ مورخہ ۱۰ جون ۱۹۰۷ء ص ۴، ۳)

۴۷۹ (آیت ۲۸) حضرت مسیح نے فرمایا دینا کے واسطے ایک کوڑی بھی صرف کی جائے تو اسراف میں داخل ہے دین کے واسطے لاکھوں بھی خرچ ہو جائیں تو کوئی اسراف نہیں (ملفوضات جلد سوم ص ۴۳۹)

۴۸۳ آخر سطر حضرت عمر بن شعیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ خبردار! جو شخص کسی یتیم کا سرپرست ہو اور اس یتیم کے پاس مال ہو تو اس سرپرست کو چاہیے کہ وہ اس مال سے تجارت کرئے اور بغیر تجارت کے اس کو نہ چھوڑ [illegible] زکوۃ اس کو کھا جائے گی۔ (ابوداوٗد)

۴۸۶ آخر سطر ہر شخص پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو۔ (مسلم کتاب الایمان تحریم الکبر و بیانہ)

۵۰۷ (ترجمۃ القرآن کلاس M.T.A)

۵۰۹ آیت ۷۹ (کشتی نوح ص ۶۴ تا ۶۵ طبع اوّل)

۵۱۳ آخری سطر (تفسیر کبیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

۵۷۰ (ترجمۃ القرآن کلاس M.T.A)

۸۱۷ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۳۰ تا ۸۴)

۱۰۹۸ (تفسیر کبیر حضرت مصلح موعودؓ)

تصحیح

صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح	صفحہ نمبر	سطر	غلط	صحیح
ٹائٹل		حل الغات	حل لغات	۷۳۹	۱۶	کی رشد	کارشد
فہرست		واعلموآ	واعلموٓا	۷۶۹	پہلی سطر	یہ سورۃ مکی ہے	یہ سورۃ مدنی ہے
		ربمآ	ربما	۸۰۳	آخری سطر	عفو	عفوؔ
۳	۱۲	آنخضرت	آنحضرت	۸۵۲	۲	ر فالتو ہے	
۱۱	۱۲	رجوع بررحت	رجوع برحمت	۸۵۴	۱	للعٰالمین	للعالمین
۱۹	۱۰	کچھے	کھچے	۸۹۱	۱۱	عذا	غذا
۸۰	۱	عدّ و	عدوّ	۹۲۹	۱	۱۸_۱۹	۱۹_۱۸
۹۵	۲	آتشہد	تشہد	۹۵۵	۵ نیچے	قوّام	قوام
۱۰۴	۲۱	ترتا	اترتا	۹۷۳	۳	۱۹_۲۰	۲۰-۱۹
۱۲۳	۱۲	بھی	کبھی	۱۰۲۰	۹	ننھال	ننھیال
۱۷۱	۱۶	القول سے پہلے بریکٹ نہیں		۱۰۳۵	۵	قویں	قوتیں
۲۰۱	۱۸	لمّا	لما	۱۰۴۴	آخری سطر	قواریٖر	قواریرؔ
۲۰۳	۹	تما	لمّا	۱۰۶۱		باالمعروف	بالمعروف
۲۱۳	۵	کہ	کی	۱۰۹۸	۶	ایک شان	ایک نئی شان
۲۲۷	۱۳	عالت	حالت				
۲۳۵	۹	دائین	دائیین				
۲۹۹	۳	الیٰ اللہ	الی اللہ				
۳۸۷	۳	اوتوا العلم	اوتوا العلم				
۴۵۶	۴	تاریح	تاریخ				
۴۷۷	۱۵	توّابین	توابین				
۴۹۳	۱۱	دیتا	دینا				
۵۲۵	۴	دفع	دفعہ				
۵۵۷	۱۲	حوالہ دیا	(حقائق الفرقان جلد دوم ص ۲۲)				
۶۰۵			کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی				
۶۰۶	۱۹	آپ صلی اللہ علیہ وسلم	آپ				
۷۱۸	۹	تونائیاں	توانائیاں				